देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ

حصّہ اوّل - جلد اوّل

وید اور قرآن

۱۹۶۴۱

مُصَنّفہٗ

لکھشمن آریہ اپدیشک

ملنے کا پتہ ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنس دہلی

قیمت ایکروپیہ ۸ آنہ

انسانی قالب دیا۔ تو دیالو بھگوان نے۔ عقل عطا فرمائی۔ اور اسے علمی روشنی بخشی۔ تو اسی سروشکتیمان نے دینی تحقیق وتجسس اور حق و باطل کے فیصلے کی تحریک کا مبدا ہے۔ تو وہی اور بڑے سے بڑے ریفارمروں کا بھی رہنما اور مشکل کشا ہے تو وہی۔ رشیوں کو گیان ملا۔ تو اسی کے درشن سے۔ رسولوں کو نور ملا۔ تو اسی کی قربت سے اطمینان قلب اور راحت کا مدار ہے۔ تو اسی کی سچی عبادت پر۔ اور رنج و آلام کا انحصار ہے۔ تو اسی کے متعلقہ بے علمی اور جہالت پر۔ اتحاد ہوا یا ہوگا تو اسی کی کلام پاک کی تبلیغ سے اور نفاق اور مذہبی تفریق کا ظہور ہوا یا ہوگا۔ تو احکام الٰہی کی عدم تلقین سے غرضیکہ وید اور قرآن نامی تصنیف کے متعلق ہر قابل غور پہلو کا بنیادی تعلق محض اس خدائے واحد سے ہے۔ اس لئے اسی کا کام یا اسی کی رحمت اور عنایت کا نتیجہ اسی کے ارپن ہے۔

برہمن گرنتھوں اور دیگر شاستروں کی مقبولیت ہوئی۔ تو اسی کے کلام پاک کی ویاکھیا ہونے سے دیانند کے وید کو سوتہ پرمان اور تربھرانت کہنے میں معقولیت ہوئی۔ تو اسی کا الہامی علم ہونے سے اور قرآن مجید نے خدا سے تعلق جوڑا۔ اور مومنوں نے انسانی مذاہب سے ناطہ توڑا۔ تو محض اس لئے کہ قدرت الٰہی یا نیچر میں موجود صداقتوں کی تصدیق اور رب العالمین سے ظہور یافتہ منزہ من الخطا الہامی کتاب کی تفصیل کی دونوں خوبیوں کے متعلق اطمینان ہوا۔

تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس - ۳۶)

انقلاب زمانہ سے قرآن مجید کے یہ دونوں تعلق منقطع ہو چکے تھے۔ ان کے بحال کرنے کا موقعہ جو اس ناچیز خادم کو ملا ہے۔ اس کے لئے اسی سچے معبود اور منبع سخاوجود کا خلوص عقیدت سے شکر بجالاتا ہوا میں اس کے چرنوں میں یہ بھینٹ دھرتا ہوں۔

ع۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

لکھشمن

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ اوّل

نوٹ :- کاتب کی غلطی سے ساتویں باب کا سلسلہ مضامین بجائے ۸۱ کے ۱ سے شروع ہوکر ۴۴ نمبر تک ویسے ہی لکھا گیا ہے اور درست نہیں کیا گیا۔ اس لئے فہرست مضامین میں بھی مطابقت کے لئے ا سے ۴۴ نمبر لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ۱۱۲ سے صحیح نمبر شروع ہوا ہے۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
1	5	मृत्यौ	मृत्यो	20	22	ہرط	شرط
1	10	دروں	دُرونِ	20	28	راسخون	والراسخونَ
1	17	جلود	خلود	21	1	کنمر	کنمز
17	2	بجز	بخیر	22	10	جر	جڑ
17	6	امردینی	امروہی	24	17	ان	دن
17	12	مس	اس	22	3	تنمل	متحمل
17	19	گل .. فعہ	اگلی دفعہ	24	14	بولنا	بولنا
17	21	دلی ؛	دلی رغبت	24	15	سے	سننے
17	29	آر	آریہ	24	20	ہی	بھی
19	1	مالوی	حازی	25	28	خاص	خاص
19	27	ربیتوں	زیتوں	26	25	السں بجلی	ایسی بجلی
20	14	نبجہ	نتیجہ	27	25	ولو	وَ لَوْ
20	15	نفسیر	تفسیر				
20	16	نوہین	توہین				

چھپائی کی ایسی غلطیوں کی پہچان ناظرین کو خود بھی آسانی سے ہوسکتی ہے۔

اوم
ستتی پرارتھنا (حمد و مناجات)

अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छ्केयं तन्मे राध्यताम् ।
इदमहम नृतात्स त्यमुपैमि ॥ یجروید ۱-۵-۱۱

असतो मा सद्गमय । तमसो मा ज्योतिर्गमय ।
मृत्यौ मा ऽ मृतं गमय ॥ (اپنشد)

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۥ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝

نظم

اے ضابطِ القلوب وہم اے کاشف القلوب
محبوبِ حقیقیٔ ما اے منزلِ مقصود
کن غربِ جہلِ ما را مبدل بہ شرقِ علم
پُر نور کن درونِ ما عقلِ سلیم بخش
ما بر صراطِ مستقیم گامزن شویم!
خارانِ راہِ راست را ما دور افگنیم
صد حیف عالماں کہ خود گمراہ شدہ اند
نے فرقِ حق و باطل و نے مرگ وہم حیات
سعیٔ بلیغ کرد سوامی دیانند
تبلیغِ حق حضرت صلعم درے گشود!
صد حیف و لیکن کہ خود علمائے مذاہب
استاد مثلِ کوہ شدہ در راہِ حریت
توفیقِ حق عطا بکن مشکل راہم کشا!
جلوہ فروز ہر صداقت شود حیاں
با عجز و انکسار بکشش دعا کنند!

اے منبعِ طلوع وہم اے مسکنِ غروب
معبودِ حقیقی توئی بحرِ سخا و جود
کینہ درونِ قلب مبدل شود بہ حلم
ہم قربِ حق و بعدِ کذب اے کریم بخش
گم گشتگانِ راہ را ہم راہ نمائیم
سفرِ نجاتِ روح را آسان ترکنیم
ہر بندۂ توحید را مشرک ہمے کنند
طوقِ غلامی در لغاتِ شاں شدہ نجات
ایں طوق را بُرّد بہ وعظِ وید بند بند
توانیم یافت دخل تا در جنتِ خُلود
خود غرضی و تعصب وکلائے مذاہب
زحمت شدہ و حسرتا خوبیٔ علمیت
توانیم کرد منتشر ابرِ سیاہ را
اسرارِ نہاں بر ہمہ عالم شود عیاں
فصلِ مذہب بہ وصلِ دہرم منتقل شود

اے ہمارے خالق۔ ہمارے مالک اور ہمارے سچے رازق۔ تمام سچے علوم اور طاقتوں کے مخزن! ہمارے عہد (برتوں) کے محافظ! ہم آپ سے عہد کرتے ہیں۔ کہ ہم روشنی زندگی اور حق کے ہی طالب رہینگے۔ اور آپ کی دی ہوئی تمام طاقتوں کو اشاعت حق میں لگائیں گے۔ ایسی عنایت کیجے۔ کہ ہم اس عہد کو پورا کر سکیں۔ (ادم شم)

وید اور قرآن

دیباچہ

تمہیدی اعلان

قدرت الٰہی کا کیا ہی عجیب کرشمہ ہے۔ کہ لگاتار پینتالیس سال تک دین اسلام قرآن مجید اور حضرت محمد صاحب کے خلاف تحریر اور تقریر دونوں طرح سے جہاد جاری رکھنے کے بعد آج ہم یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ اصل اسلام پر ہماری رائے میں اسی طرح کوئی معقول اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ویدک دھرم پر نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ دین اسلام کو ویدک دھرم سے جدا یا اس کا مخالف سمجھنے والے خود غلطی پر ہیں۔ فی الحقیقت

ویدک دھرم کا ہی نام اسلام ہے

کاش کہ آریہ اور مسلم بھائی اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں۔ کہ وہ ترک باطل و قبول حق کے لئے ہر وقت مستعد ہیں

۲۔ قرآن مجید اور ستیارتھ پرکاش

مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ میں قرآن مجید پر نکتہ چینی کی۔ اور دیگر آریہ پرشوں کے ساتھ ہم نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن آج ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن مجید خود

چودہ صدی پہلے کا ستیارتھ پرکاش

ہے۔ آنحضرت نے اس وقت عرب میں وہی کام کیا تھا۔ جو فی زمانہ مہرشی دیانند نے بھارت ورش میں کیا ہے۔ اگر سوامی دیانند اور قرآن مجید میں اختلاف زبان کا پردہ حائل نہ ہوتا۔ تو یقیناً سوامی جی کو قرآن مجید میں اپنے ہی پاک مشن کا جلوہ نظر آتا۔ مہرشی کے دل میں مولوی صاحبان کے ترجمے کھٹکتے ضرور تھے۔ لیکن انہیں کوئی عالم نہ ملا۔ جو اصل اسلام کا منور چہرہ انہیں دکھا سکتا۔ لہٰذا آپ نے اپنی نیک نیتی۔ حق پسندی اور غیر جانبداری کے الفاظ لکھ دینے پر ہی اکتفا کیا۔ کہ "قرآن مجید عربی میں ہے۔ اس کا جو ترجمہ اردو میں مولویوں نے کیا ہے۔ اس ترجمے کو بہ حروف دیوناگری بزبان آریہ بھاشا عربی کے بڑے بڑے عالموں سے صحیح کرانے کے بعد لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔ تو اس کو لازم ہے۔ کہ مولوی صاحبان کے ترجمے کی پہلے تردید کرے"۔ (دیباچہ ضمنی۔ باب ۱۴)

اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے اصل مدعائے تحقیق حق و اتحاد کو بھی صاف لفظوں میں بیان کر دیا

کہ" اس میں اگر کچھ خلاف لکھا گیا ہو۔ تو شریف آدمی ظاہر کر دیں۔ اس کے بعد اگر مناسب ہوگا۔ تو وہ مانا جائیگا۔ یہ تحریر ضد۔ تعصب۔ حسد۔ بغض۔ جھگڑا فساد اور مخالفت گھٹانے کے لئے ہے۔ نہ کہ ان کو بڑھانے کے لئے۔ کیونکہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے باز رہ کر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانا ہمارا خاص کام ہے"۔

۳۔ مہرشی دیانند کا عمل

سوامی دیانند دنیوی دولت۔ حیثیت۔ حکومت وغیرہ کی بجائے ترقی اور کامیابی کے لئے علم حق کو ہی واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اس لئے حق کے بے خوف اظہار کرنے کو ہی وہ اپنا فرض سمجھتے رہے وہ پالیسی پروپیگنڈا وغیرہ سے اوپر تھے۔ لاہور جیسے شہر میں ان کی وہ مخالفت ہوئی۔ کہ ان کو سر چھپانے کے لئے مکان کا ملنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس وقت مسلمان ڈاکٹر رحیم خاں صاحب نے اپنی کوٹھی پیش کی۔۔۔ چنانچہ اسی کوٹھی میں سوامی جی نے پرچار کیا۔ اور اسی میں پہلے پہل آریہ سماج لاہور قائم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اسلام کے خلاف لیکچر سن کر برا تو کیا مانتے۔ الٹا آپ کی بے خوفی اور صاف بیانی کی تعریف کرتے رہے۔ دوسری دفعہ ڈیرا نواب نوازش علی خاں صاحب کی کوٹھی میں ہوا۔ وہاں بھی اسلام کے خلاف لیکچر ہوا۔ تو معاونین نے کہا۔" مہاراج آگے ہی کوئی مکان نہیں دیتا۔ کیا یہاں سے بھی اب جواب لینا ہے۔" سوامی جی نے فرمایا۔ کیا ایسے صادق شخص کو سچائی جیسی نعمت نہ دوں۔ میں نے انہیں موجود پایا۔ اور جان بوجھ کر سچا اپدیش سنایا ہے۔ کہ ان کا کلیان ہو۔" ادھر سے نواب صاحب بھی خوش تھے۔ کہ انہوں نے ایک عالم بندۂ خدا کو راستباز سمجھنے میں غلطی نہیں کھائی۔

انوپ شہر میں سید محمد صاحب تحصیلدار اس امر پر مستعد تھے۔ کہ انہیں زہر دینے والے شخص کو اس کے جرم کا مزہ چکھائیں۔ مگر سوامی جی یہ کہہ کر اسے چھڑاتے ہیں۔ کہ

"میں دنیا کو قید کرانے نہیں۔ قید سے آزاد کرانے آیا ہوں"۔

ایک اور عالم بزرگ بلکہ اپنے وقت کا بڑا اسلامی لیڈر سر سید احمد خاں آپ پر غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن دہلی دربار کے موقعہ پر اس وقت کے تمام ملکی لیڈروں کی جو کانفرنس ہوئی۔ اس میں سر سید صاحب کو وید کے متعلق تامل پا کر آپ نے ایسے بھگت کے تعاون سے اصول کو ہی ترجیح دی۔

سچائی کی خاطر آپ نے اپنے ماں باپ اور پیارے وطن تک کو خیر باد کہا۔ تھیوسافیکل سوسائٹی کو محض حق سے انحراف کرنے پر آپ نے علی الاعلان آریہ سماج سے الگ کر دیا۔ اور سنیاسی کے دل میں انسانوں کے لئے جو پریم ہونا چاہئے۔ اس کا ثبوت اپنے ہی قاتل کی جان بچا کر دیا۔ اسے روپیہ دے کر کہا۔ کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ اور اپنے آپ کو بچاؤ۔ پس سوامی جی کا عمل اپنے پرائے کی تمیز نہیں کرتا۔ اور اسلام کے خلاف بھی آپ نے تعصب یا عداوت سے نہیں۔ بلکہ اپنے پورے علم اور یقین کے مطابق مسلمانوں کے بھلے کے لئے لکھا۔

۴۔ خونریزی میں بھی انصاف الٰہی

موجودہ مکدر فضا میں ہندو مسلم کشیدگی ضرب المثل ہے۔ آئے دن جھگڑے فساد اور کشت و خون ہوتے ہیں۔ ایک طرف محمود غزنوی۔ محمد غوری۔ امیر تیمور۔ احمد شاہ

ابدالی۔ نادر شاہ درانی۔ اورنگ زیب وغیرہ کی مدح ہے۔ تو دوسری طرف پرتھوی راج مہارانا پرتاپ۔ بہادر درگا داس۔ سیواجی۔ گورو گوبند سنگھ جی۔ ویر بندا بیراگی۔ ہری سنگھ نلوہ وغیرہ کے کارنامے ہیں۔ لیکن مہرشی دیانند ایسی تاریخ کو معرضِ بحث میں ہی نہیں لاتا۔ وہ ان تمام باہمی مخالفانہ عملوں کو اعمال اور قانون الٰہی سے منسوب کرتا ہے۔ حتےٰ کہ مسلمان حملہ آوروں کی خونریزی وغیرہ کو بھی بت پرستی کے گناہ کی لازمی سزا قرار دیتا ہے۔ بقول شاعر ؏

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت!

آپ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

"بھلا جس زمانے میں یہ (رام کرشن وغیرہ) موجود تھے۔ اس وقت سیتا۔ رکمنی۔ لکشمی اور پاربتی کو سڑک پر یا کسی مکان میں کھڑا کر پجاری کہتے۔ کہ آؤ ان کے درشن کرو۔ اور کچھ بھینٹ پوجا دھرو۔ تو سیتا رام وغیرہ ان بے عقلوں کے کہنے سے ایسا کام کبھی نہ کرتے۔ اور نہ کرنے دیتے۔ جو کوئی ایسا فعل ان کا اڑاتا۔ کیا ان کو بدون سزا دئے کبھی چھوڑتے۔ ہاں جب ان سے سزا نہ مل سکی۔ تو ان کے کرموں نے پجاریوں کو بہت سا بتوں کے مخالفوں سے انعام دلایا۔ اور اب بھی ملتا ہے۔ اور جب تک اس عمل بد کو نہ چھوڑیں گے۔ تب تک ملیگا۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ آریہ ورت کی روزمرہ سخت تنزّلی اور پتھر وغیرہ بتوں کی پرستش کرنے والوں کی شکست انہی کرموں کے باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ کا پھل تکلیف ہے۔ انہی پتھر وغیرہ بتوں سے بہت سا نقصان ہوگیا۔ جو نہ چھوڑیں گے۔ تو روزمرہ زیادہ زیادہ ہوتا جاویگا۔" (ستیارتھ پرکاش اردو چھوتی ایم۔اے صفحہ ۴۸۷)

فارسی شاعر نے کیا معقول کہا ہے۔ کہ ؎

گرچہ تیر از کمان ہمیگزرد — از کماندار بیند اہلِ خرد

اگرچہ تیر بظاہر کمان سے گذرتا ہے۔ مگر اہلِ عقل سمجھتے ہیں۔ کہ تیر وہ چلاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں کمان ہے۔ صحیح مطلب اس کا یہ ہے۔ کہ انسانوں کا ایک گروہ دوسرے کو اذیت دیتا ہے۔ تو اسے اپنے اعمال کے بدلے اسے خدا کی طرف سے سمجھنا چاہئے۔

قرآن سورۃ الانعام آیت ۶۴ میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے۔ کہ۔

"خدا ہی کی طاقت یا خدا ہی کا کام ہے۔ کہ تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے کوئی عذاب تمہارے لئے نکال کھڑا کرے۔ یا تم کو باہم مخالف گروہوں کی شکل میں بھڑا مارے۔ اور ایک دوسرے کی جنگ کا مزہ چکھائے۔"

واقعی دکھ سکھ کا بیگانے یا اپنے موجب نہیں۔ ہمارے ہی اعمال اس کا موجب ہیں۔ باپ اور ماں تک جب بیٹوں سے اذیتیں پاتے دیکھے جاتے ہیں۔ جب خاوند اپنی بیویوں تک کو جذبۂ غیرت کے زیر اثر موت کے گھاٹ اتارتے پائے جاتے ہیں۔ تو اوروں کا شکوہ کیسا!

۵۔ وید اور قرآن کی ایک ہی تقدیر

پس قرآن مجید کے خلاف لکھا جانے کی ذمہ واری قرآن کے مترجم صاحبان پر ہے۔ اور یہ تقدیر قرآن کے ہی پیش

نہیں آتی۔ وید بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ ساین اور مہیدھر کے بھاشیہ ہی تو تھے۔ جنہوں نے بودھوں کی زبان سے یہ فتوے نکلوایا کہ

"تینوں ویدوں کے مصنف بھانڈ دھورت اور نشاچر ہیں۔"

اگر سوامی دیانند نے غلط تفسیروں کے ذریعے وید پر چھائی ہوئی تاریکی کو اپنی صحیح تفسیر سے دور نہ کیا ہوتا۔ تو ہمارے لئے ناممکن تھا۔ کہ ہم صداقت قرآن کا جلوہ دیکھ پاتے یا دکھا سکتے۔

۶۔ مرض میں پیچیدگی!

سوامی جی کے بعد پنڈت لیکھرام جی نے اسلام اور قرآن کے متعلق پوری دلچسپی لی۔ آپ کی غیر معمولی قابلیت اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ آپ بے رو رعایت تحقیق حق سے ویدک دھرم اور دین اسلام کی یگانگت کو بہ آسانی بھانپ لیتے۔ اور ایسا ہوتا۔ تو ہمارا موجودہ مشن کب کا پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن شامتِ اعمال نے پیچھا نہ چھوڑا۔ مرزا غلام احمد صاحب کا مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے آپ کا پروپگنڈا، صحیح تحقیقات کے راستے میں پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔ اور کیا پنڈت جی اور کیا علمائے اسلام پیچیدہ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ اس کے علاوہ بعض صورتوں میں مناظر اور مبلغ لوگوں کی قابلیت کی کمی بھی منافرت کی خلیج کو وسیع کرنے کا موجب بنی۔ حتےٰ کہ ایسے ایسے واقعات ظہور میں آئے۔ جو آئندہ نسلوں کو تاریخ کے ذریعے متحد ہونے سے روکتے رہیں گے۔

۷۔ انت بھلا سو بھلا

مگر (All is well that ends well) کی مشہور ضرب المثل کے مطابق ہم سمجھتے ہیں۔ جو ہوا ٹھیک ہوا۔ اس ساری کشمکش کا یہی نتیجہ ہے۔ کہ آخر

قرآن مجید اور دین اسلام کی اصل پوزیشن

صاف ہوتی ہے۔ ہماری یہ تصنیف گویا ایک طرف مشرق اور مغرب کے کل معترضین قرآن کے لئے چیلنج ہے۔ اور دوسری طرف ویدک دھرمی اور مسلمان بھائیوں کے سالہا سال کے زخموں کیلئے مرہم اکسیر یا مہرشی دیانند اور حضرت محمد صاحب کے خوابوں کی صحیح تعبیر۔

۸۔ تراجم و تفاسیر قرآن

میں قرآن مجید کے گذشتہ یا حال کے مترجمین و مفسرین کی نیت۔ دینی محبت۔ علمی قابلیت بالخصوص عربی زباندانی وغیرہ کے متعلق اعتراض نہیں کر سکتا۔ اپنے اپنے حالات و علم اور یقین کے مطابق سب نے اشاعت حق میں حصہ دار بننے کی ہی کوشش کی ہے۔ لیکن نتیجہ چونکہ اصل حقیقت پر تاریکی پھیلنے کا ہوا ہے۔ اس لئے میں علماء اسلام اور دیگر محققین کا بنیز اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ان وجوہات کی تحقیق کی جاوے۔ جن سے اس قدر کوششوں کا پھل الٹا قرآن مجید اور آنحضرت کے خلاف رائے قائم ہونے کی صورت میں ملا ہے۔ ممکن ہے۔ فاضل علماء اور وجوہات بھی پیش کر سکیں۔ میں سالہا سال کے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ فی الحقیقت قرآن کا صحیح ترجمہ و تفسیر علمائے اسلام سے ہونا ہی ناممکن نہیں۔ تو مشکل ضرور تھا۔ اول تو کسی بھی کلام کا متکلم کے سوا کسی اور سے

الہی یا دوسری زبان میں کامل صحیح ترجمہ ہونا ہی ناممکن ہے۔ اس پر ملک عرب اور پیروان اسلام کے حالات نے اس امر کو قطعاً ناممکن بنا رکھا تھا۔ اس لئے مفسرین معذور اور مجبور تھے۔ اور تراجم و تفاسیر کے نقائص سے قرآن مجید کی اصل حقیقت پر تاریکی کا چھا جانا ایک ایسٹ تقدیر تھی٭ جیسا کہ آئندہ چند دفعات سے واضح ہو گا۔

۹۔ علم اور زبان کا تعلق

ترجمہ و تفسیر ہر تصنیف کی اصل حقیقت کو اسی یا دوسری زبان میں دوسرے لوگوں پر واضح کرنے کے لئے مقصود ہے۔ مگر فی زمانہ اس اصل حقیقت کی طرف توجہ نہیں۔ آج لغات یا گرامر (قواعد زبان) کے مطابق الفاظ کے بدلے میں الفاظ رکھ دینا ترجمہ ہے۔ اور اپنے خیال کے مطابق الفاظ ترجمہ کو کسی خاص مفہوم پر چسپاں کر دینا تفسیر مانا جاتا ہے۔ راقم کی سپرٹ یا رُوح کا احساس بالکل پس پُشت ڈالا جا رہا ہے۔ لغات کیا ہے۔ ان الفاظ۔ اور ان کے جانشینوں کا مجموعہ جو کوئی بھی شخص اپنی سمجھ اور علمی قابلیت کی بنا پر نہیں۔ دوسروں کے ترجموں کو دیکھ کر خاص ترتیب سے جمع کر دیتا ہے۔ بغیر اس تمیز کے۔ کہ مترجم نے اصل لفظ کے موضوع کو صحیح سمجھا بھی ہے۔ یا نہیں۔ ویدوں کے کوش جو قدیم زمانہ میں تیار ہوئے۔ وہ بھی اسی طرح اکھٹے کئے گئے مگر پھر بھی موجودہ لغاتوں کے نقص سے وہ پاک تھے۔ اس لئے کہ جن رشیوں کی تفسیر وغیرہ کی بنیاد پر وہ کوش تیار ہوئے۔ انہوں نے وید کے الفاظ کے حقیقی معانی کا سمادھی یا خاص پرمیشور کی روحانی حضوری میں انکشاف پایا تھا۔ علم کا اصل سرچشمہ درحقیقت علیم کل خدا ہے۔ جیسے مادی سورج کی روشنی سے مادی شکل کا دیدار ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس روحانی سورج کی حضوری میں انکشاف رُوح پر ہوتا ہے۔ الفاظ کو علم ماننا صحیح نہیں۔ کیونکہ پانی کو آب یا واٹر یا جل کہہ دینے سے پانی کی اندرونی خصوصیتوں وغیرہ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی ہے۔ الفاظ دیگر ہر لکھے کے مخصوص معانی اور تعلقات کو رُوح سے محسوس کئے بغیر رشی لوگ سمرتیوں کے الفاظ میں انہیں ادا کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ پس زبان بیرونی غلاف ہے۔ اور حقیقت یا اصل معنے۔ اور تعلقات صحیح علم ہیں۔ عربی زبان میں علما نے اس صحیح علم کو قدیم رشیوں کی طرح لدنی علم کہا تھا۔ جو بغیر مدد انسان استاد کے خدا کی حضوری میں منکشف ہو۔ اور اسی حقیقت کو رسول صلعم نے قرآن مجید میں ظاہر فرمایا تھا۔ کہ گویا استاد تو زیادہ سے زیادہ کان میں الفاظ سنا کر دل پر بیرونی حقیقت کو نقش کرتا ہے۔ اور اس نقش کی کشش سمادھی یا مراقبہ میں اندرونی حقیقت جاننے کی تحریک کرتی ہے۔

سورۃ الشعرا میں قرآن فرماتا ہے" تحقیق (قرآن) رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ رُوح الامین (جبرئیل) کے ذریعے یہ تیرے دل پر صاف عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ تو (گناہ کے خلاف) ڈر سنا دے۔ اور واقعی یہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے۔ (۱)

٭ مطلب یہ کہ مصنف اور مترجم کا علم زبان، علم بیان، علم معانی، طریق بیان، طریق استدلال وغیرہ کامل طور پر ایک ہی ہوئے بغیر ترجمہ صحیح ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے کہا ہے۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔

(۱) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

رُوح الامین گورو یا آچاریہ کو کہتے ہیں۔ جو ایشور کی طرف سے رُوح سے محسوس شدہ علم کی امانت کو شاگردوں تک پہنچاتا ہے۔ وید کی رُو سے آچاریہ کو اصل علم سکھانے والا نہیں مانا جاتا۔ بلکہ سچا علم پرمیشور کی اس کے پاس امانت ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ اسی امانت کی عظمت کو دوسروں کے دلوں پر نقش کرتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ حضرت جبرئیل اور آنحضرت کے درمیان واقعہ ہوا۔ پھر رسول صلعم بھی اپنے دلی خیالات کو قرآن میں پیش کرنے کا دعوٰے نہیں کرتے۔ وہ خود پرمیشور کے حضور میں اصل معانی کا انکشاف پاتے ہیں۔ اور یہی حالت معراج کا اصل مقصود تھی۔ جیسا کہ تفسیر میں واضح ہوگا۔

سُورہ ہُود کی پہلی آئت میں ہے۔

"درشن کرد۔ اس کتاب کے جس کی آئیتیں محکم ہیں۔ اب ان کی اُس عقل کل و علم کل کی قربت٭ میں تفصیل کی جاتی ہے۔ (۲)

گویا جبرئیل کے ذریعے کتاب الٰہی کے حاصل شدہ علم کو دل سے گذر کر آپ نے روح سے محسوس کیا۔ اور اس کی ودیا کھیا کی لغات پر بھروسہ نہیں کیا۔

رہی قواعد عربی۔ سو گرامر کا تعلق محض لفظوں کی بناوٹ اور گردان وغیرہ سے یا محض زبان والے بیرونی غلاف سے ہے۔ اس کا معانی سے تعلق ہی نہیں۔ خاص زبان کے الفاظ کا تلفظ پہلے ماں باپ وغیرہ سکھاتے ہیں۔ اور بعد میں اُستاد لوگ۔ اصل علمی حقیقت کے احساس میں گرامر امر غیر متعلقہ ہے۔ اس کا پتہ اسی امر سے لگ سکتا ہے۔ کہ گرامر میں تین زمانوں کا بیان ہے۔ ماضی۔ حال اور مستقبل۔ مگر علمی حیثیت سے تینوں زمانے ایک ہیں۔ اگر قانون بتایا جاوے۔ کہ چوری کرنے والا قید کیا جاتا ہے۔ تو باوجود زمانہ حال کا فعل آنے کے اس کا مطلب وہی ہوگا۔ جو اس فقرے کا ہے۔ کہ چوری کرنے والا قید کیا جاویگا۔ یا جس نے چوری کی قید ہوا۔ اسی طرح واحد اور جمع کی تمیز بھی علمی اصول میں غیر متعلقہ ہے۔ شراب پینے والے کی عقل ماری جاتی ہے۔ اس کا مفہوم وہی ہے۔ جو اس کہنے کا کہ شراب پینے والوں کی عقل ماری جاتی ہے۔

غرضیکہ علمی تحقیق میں اصل حقیقت کی ضرورت ہے۔ اور اس کا مدار عقل سے غور و فکر کرنے پر ہے۔ یا روح سے علم بالمشافہ پانے پر اس خوبی کو لغات اور گرامر کے ساتھ شامل نہ کرنے یا ان سے ادنےٰ درجہ دینے سے سوائے تاریکی یا جہالت کے نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ سنسکرت کے عالموں نے جب سے ارتھ یا اندرونی مفہوم کے سمجھنے میں کوتاہی کرنی شروع کی۔ ان کے باہمی بحث مباحثے میں حق کے متعلق فیصلہ ہونا ہی بند ہوگیا۔ ایک نے تقریر کی۔ دوسرے نے اس کی لفظی غلطی پکڑنے میں اپنی علمی فتح سمجھی۔ اور جھٹ کہدیا "اِتی اَشُدّھم" یعنی یہ غلط بولا۔ دیکھو فلاں سُوتر وغیرہ قرآن کے ترجموں میں بھی یہی نقص آنے سے کل دنیا کو متحد کرنے کا دعویدار اسلام خود صدہا فرقوں میں منقسم ہو رہا ہے۔

پس زبان کو اصل حقیقت سے وابستہ رکھنا نہائت ضروری ہے۔ ہر شخص کی کلام اس کے اندرونی

٭ قربت سے مراد یہاں مراقبہ ہے جس میں لدنی علم حاصل ہوتا ہے۔

(۲) الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ

خیالات کی ترجمان ہے۔ مگر سچّا علم محض الہامی زبان میں ادا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سوائے خدا کے سچّا علم کسی کی صفت نہیں۔ اور اس کے علم کی طرف سوائے الہامی زبان کے کسی انسانی زبان میں اشارہ نہیں ہو سکتا۔ زبان اگر انسان کی ایجاد ہو۔ تو وہ محدود علم کی حد سے تجاوز نہ کر سکیگی۔ اور صحیح علم کا مفہوم اس کی رسائی سے باہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قدیم رشیوں کی طرح رسول صلعم نے بھی سورۃ الرحمان میں فرمایا کہ (۱۳)

خدا نے انسان کو پیدا کرتے ہی علم کا بیان کرنا اسے سکھایا۔* یعنی الہامی زبان بھی عطا فرمائی۔

اس بات کو سمجھ لینے پر ہر شخص آسانی سے استدلال کر سکتا ہے۔ کہ مذہبی کتب مقدسہ کے ترجمے یا تفسیر کے لئے سب سے پہلی ضرورت حقیقت کو سمجھنے کی ہے۔ اگر دل یا روح سے سچائی کا احساس نہ ہو۔ تو الفاظ کے اندر وہ سچائی نظر ہی نہیں آ سکتی۔ پروفیسر میکس مولر اپنی تصنیف سائینس آف تھاٹ میں اس تعلق کو اٹوٹ مانتے ہیں۔ پنڈت ستیہ برت سام اشرمی تری چتشیہ نامی کتاب میں فرماتے ہیں۔ کہ فرض کرو ایک کتاب میں (FORK اور SPOON) کا ذکر ہے۔ اس کا ترجمہ ایک ایسے ملک کا آدمی کرنے لگے۔ جس میں سپون اور فورک کا نہ رواج ہے۔ نہ کسی نے یہ لفظ سنے ہیں تو بات تو وہ اس کا ترجمہ کر ہی نہیں سکیگا۔ یا محض لال بجھکڑ کی طرح کچھ جھوٹی اختراع کرے گا۔ علم حق کی اشاعت نہ رہنے سے یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

یہی تقدیر قرآن مجید کے پیش آنی لازمی تھی۔ کیونکہ مفسرین کو اصل علمی اصولوں کا روحانی احساس نہ تھا۔ لہذا محض عربی زباندانی سے وہ کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ انگریزی میں کہاوت ہے۔ (The world is a reflex of our mind) دنیا ہمارے دل کا عکس ہے۔ اس کے مطابق ان کو الفاظ قرآن میں اپنے خیالات یا رسم و رواج ہی نظر آ سکتے تھے۔ اور عام لوگ علمی کمی سے آمنّا و صدقنا کہنے کے بغیر چارہ نہ رکھتے تھے۔ کیا ہی ہے۔ کہ

Man judges the writings of others by his own wisdom and the less he knows, the more ready is he with an opinion.

انسان دوسروں کی تحریروں کی اپنی عقل سے جانچ کرتا ہے۔ اور جتنا اس میں علم کم ہوتا ہے۔ اتنا ہی وہ ہر رائے سے اتفاق کرنے کو تیار رہتا ہے۔

غرضیکہ مترجمین اور مفسرین کے دلوں میں آنحضرت کا علمی احساس ویسا ہی نہ ہونے سے وہ الفاظ قرآن کی صحیح تاویل و تفسیر نہ کر سکتے تھے۔

۱۰۔ ہر دو زبانوں کی کامل مطابقت

ترجمہ و تفسیر میں جہاں ایک ہی زبان کی صورت میں مصنّف و مترجم میں یکساں علمی احساس ہونا ضروری ہے۔ وہاں اصل تصنیف اور ترجمہ کی زبان مختلف ہونے کی صورت میں دونوں زبانوں کی کامل مطابقت بھی لازمی ہے۔ اگر ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے لفظ دونوں میں موجود

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

* "بیان کرنا سکھایا" کا مطلب وہی ہے جو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا سورۃ بقر میں ہے۔

نہیں۔ تو بھی ترجمہ و تفسیر کا صحیح ہونا محال ہے۔

قدیم ویدک لٹریچر والی کتب کو جب اکٹھا کر کے ان کا ہیبرو (عبرانی) میں ترجمہ کیا گیا۔ تو وید اور ویدک تعلیمات کی صداقتوں کے متعلق بہت غلط فہمی ہوئی۔ اور جب عبرانی سے انہیں لاطینی وغیرہ میں پیش کیا گیا۔ تو اور بھی گڑبڑ ہوئی۔ اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کی وجہ سے موجودہ بائبل قدیم ویدک لٹریچر سے بالکل جدا ہو رہی ہے۔ وجہ یہ کہ ویدک زبان کے الفاظ کثیر المعانی تھے۔ اور عبرانی وغیرہ میں یہ وصف تھا نہیں۔ اس لئے ترجمہ میں کوئی سا لفظ اہی* (अहि) تھا جس کے معنے سانپ۔ بادل۔ جہالت۔ برا آدمی وغیرہ تھے۔ پہلی کتب میں جہاں یہ لفظ تھا۔ ترجموں میں اس کی جگہ کہیں سانپ لکھ دیا۔ بلا لحاظ موقع و محل کے۔ بالخصوص کتاب پیدائش میں لکھا ہے۔ کہ سانپ نے آدم اور حوا کو بہکایا۔ کہ اس درخت کا پھل بڑا اچھا اور لذیذ ہے۔ اور تم اس سے ہمیشہ قائم رہو گے۔ خدا نے محض تمہیں اس وجہ سے منع کیا ہے۔ کہ تم بھی کہیں ہمیشگی میں اس کے شریک نہ ہو جاؤ۔ اب یہ تو یہ انسانی جہالت کے خیال۔ سانپ نہ ایسا وچار کر سکتا ہے۔ نہ اس طرح بہکا سکتا ہے۔ وہ تو سوائے حوا کو ڈنگ مارنے کے کچھ کر ہی نہ سکتا تھا۔ پس سانپ کا لفظ خلاف موقع تھا۔ اسی طرح مکاشفات باب ۱۲ میں میکائیل نام سورج کا رکھا ہے۔ اور اس کا جنگ بڑے اژدہا یا اجگر سے لکھا ہے۔ اور اخیر میں کہا ہے۔ کہ اژدہا نیچے گرا دیا گیا۔ اسی جنگ میں بجلی کو ایک عورت کہا ہے۔ اور بجلی کی کڑک کو بچہ جننے کی تکلیف یا دردزہ کہا ہے۔ سانپ نے اس عورت کے پیچھے ندی کی طرح اپنے منہ سے پانی بہایا۔ کہ ندی اسے بہا لے جائے۔ مگر پانی کو زمین نے پی لیا وغیرہ۔

معمولی سے غور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ بجائے بادل کے معنے لینے کے یہاں 'اہی' کو اژدہا یا سانپ کہہ دیا ہے۔ اور اس طرح ساری بات غیر معقول ہو گئی ہے۔ درحقیقت بادل کی گرج۔ بجلی کی کڑک سورج سے جنگ کے معنے دیتے ہیں۔ اور سورج کا بادل کو بیندھ کر پانی یا مینہ برسانا اور زمین کا اس پانی سے فائدہ پانا ہی یہاں مقصود ہے۔ اندر اور اہی کے اور بھی بہت معنے ہیں۔ مگر یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ مکاشفات نے اس غلطی کو خود ہی واضح کر دیا ہے۔ یہ لکھ کر کہ

"وہ بڑا اژدہا یعنی وہ پرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے۔ اور سارے جہان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ زمین پر گرا دیا گیا۔" واضح ہو۔ کہ ابلیس لفظ وید میں (ह्वलि बिश) ہے۔ جو اہی کا مترادف بھی ہے۔

یہ لفظ صاف بتاتے ہیں۔ کہ سانپ اژدہا ابلیس شیطان وغیرہ سب ایک ہی لفظ کے معنے ہیں۔ اگر اہی کے لئے دوسری زبان میں بھی ایک ہی لفظ ہوتا۔ تو مغالطہ نہ ہوتا۔

نظر بریں حالات عربی اور اردو وغیرہ زبانوں میں الفاظ اور ان کے معانی کے لحاظ سے کامل مطابقت نہ ہونے سے بھی صحیح ترجمہ کا عدم امکان ہی ماننا پڑتا ہے۔

۱۱۔ چند اور مثالیں

ایک بار اینگلو ورنیکلر مڈل کے انگریزی سے اردو ترجمہ والے پرچۂ امتحان میں یہ فقرہ تھا۔

His Highness, the Maharaja of Kapurthala was pleased to walk for a while in the garden.

* ان دس یا بیس معنوں میں سے مترجم نے لے لیا جو پہلی لغاتوں میں ان کے لکھے تھے۔ مثال کے لئے وید کا ایک لفظ

اور ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم اس مکالمہ کے اندر اشٹا بکر رشی کے کمال روحانی کا مفہوم پاتے ہیں۔ جس نے راجہ جنک کو بڑے عجیب طریق پر سمجھایا تھا۔ کہ برہم گیان من کو ضبط میں لانے کا ہی نام ہے۔

اس سے بھی بڑھکر خوشی ہم اس بات سے پاتے ہیں کہ حمائل التفسیر مؤلفہ جناب مولوی ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خانصاحب ایم۔ بی مصنف مفتاح القرآن۔ مفتاح العرب۔ تذکرۃ القرآن۔ الذکر۔ الحکیم ۱-۲-۳ وغیرہ وغیرہ مطبوعہ ۱۹۰۶ء مطبع عزیزی تراوڑی ضلع کرنال میں بھی اس آیت کا یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور جب تم نے ایک نفس کو مارا۔ پس اس (نفس کشی) میں تم نے نور حاصل کیا۔ اور اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

واقعی آنحضرت نے ایک نہایت قیمتی ہدایت دی تھی۔ کہ انسان میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ جنہیں نفس امارہ کا غلبہ پنپنے نہیں دیتا۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔ کہ موسیٰ اور اس کی قوم کا یہ مکالمہ درحقیقت آیت ۵۳ سے شروع ہوا تھا۔ موسیٰ کے لوگوں نے ہارون کی پرواہ نہ کرکے موسیٰ کی غیر حاضری میں بچھڑے کا بت بنا کر پوجا تو موسیٰ واپسی پر اس سے ازحد برافروختہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ

اے میری قوم تو نے یہ بچھڑا بنا کر اپنا ہی نقصان کیا۔ یا اپنے آپ . . پر ہی ظلم کیا ہے۔ پس تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اپنے خالق کے حضور میں اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ کہ وہ تم پر توجہ کرے۔ واقعی وہی خدائے رحیم ہے۔ جس کی طرف ہمیں لوٹنا چاہئے۔ (۷) (مفصل بیان کے لئے تفسیر میں دیکھو)

پس ظاہر ہے۔ کہ مضمون کا آغاز بھی نفس کشی سے ہوا تھا۔ اور انجام بھی نفس کشی پر ہے۔ گئے کا کوئی تعلق نہیں۔ محض ویدک لفظ گو اور بقر میں کامل مطابقت کا علم نہ ہونے سے ایک بالکل صاف امر میں بھی رسول صلعم کے بڑے سے بڑے معتقد اور ثناخوان تک ان کے اصل مدعا کے خلاف مفہوم لے رہے ہیں۔

۵۔ ویدک ساہتیہ میں آغاز عالم میں پیدا ہونے والی انسانی جماعت کو آدم یعنی آغاز والی کہا۔ مگر بجائے آدم بہ دال مکسور کے آدم بہ دال مفتوح بولا جا رہا ہے۔ اور گو بائبل میں بھی ابتدا میں پیدا ہونے والے بہت سے مرد عورتوں کو آدم کہا گیا ہے۔ اور قرآن میں بھی رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً کے الفاظ ہیں تاہم زیر کی جگہ زبر ہونے سے آدم کا مفہوم واحد شخص لیا جاتا ہے۔ اور اس فرق کی وجہ سے مترجم اور مفسر لوگ کئی غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

۶۔ وید میں لفظ تھا۔ رتھی۔ کہا جاتا تھا۔ کہ جسم رتھ ہے۔ یعنی گاڑی۔ اندریاں گھوڑے ہیں۔ من کی لگام ہے۔ بدھی کوچوان ہے۔ اور آتما یا روح رتھ والا یا سوار ہے٭۔ وید میں روح کو پکھشی یا پرندہ بھی کہا ہے۔ کیونکہ

۷۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ... فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

٭ آتمانم رتھنم وِدِّہی شریرم رتھمیو تو وغیرہ

اس میں گیان اور کرم کی دو صفات دپکھش یا پر) ہیں۔ وید منتر میں ہدائیت تھی۔ کہ جو لوگ نزرقیٔ نسل انسانی کے بیجہ کو پختہ یا عین صحیح طریق پر کرتے ہیں۔ یم یعنی ضبط یا غالب ہو اسی کے وصف سے ان کا ویریہ ضائع نہیں ہوتا۔ وہ رتھی ہو کر منزل یا رتھ کے مارگ کو طے کرتے ہیں۔ اور پکھشی ہو کر انتہائی روشن کرتے میں پہنچتے ہیں۔(۸)

گویا ریاضت یا نفس کشی کی صفت سے انسان سچا رتھی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی جسم والی گاڑی کے ذریعے اپنی منزل مقصود پر کامیابی سے پہنچتا ہے۔ گیان اور کرم کے دونوں پہلوؤں سے کامیابی حاصل کر کے نہایت روشن یا جلال مجسم درجہ گیان یا نجات کو حاصل کرتا ہے۔ یہی معراج روحانی ہے۔ مگر عُلما کی ناواقفیت اور ساتھ ہی رتھی اور پکھشی کے بالکل مطابق عربی الفاظ کا رواج نہ ہونے سے اس اصولی مطابقت کو بھی نہیں سمجھا گیا۔ جو حدیث میں یوں بیان ہوئی۔ کہ حضرت بُراق پر سوار ہو کر انتہائی تجلّی کے مقام کے پاس پہنچے۔ اور بُراق سے اُتر کر خدا کے حضور میں پہنچے۔ انسان اور گھوڑے کی مرکب شکل کے ساتھ دو پروں کا لگنا وُہی مفہوم رکھتا ہے۔ جو رتھ والے گھوڑے اور دو پروں (گیان اور کرم) والے پکھشوں کے ذریعے عروج روحانی کی منزل پر پہنچنے کا ہے۔ جن تجلیّات کا معراج میں ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ سب وید کے آتی وِوَہ کے ایک لفظ کا مفہوم ہے۔ لیکن ویدک سنسکرت اور عربی زبان کی کامل مطابقت نہ ہونے سے اندرونی مماثلت کا ادراک کرنا محال ہو رہا ہے۔

۷۔ اسی طرح وید میں ابتدائی پھیلی ہوئی غیر مرکب پرکرتی کو سلِل کہا تھا جس کے اندر علم بالذات قادر مطلق خدا موجود تھا۔ مگر بائیبل نے آج کل کی سنسکرت میں جو سلِل کے معنے پانی کے لئے جاتے ہیں۔ اسی کے مطابق یوں کہا۔ کہ خدا کی رُوح پانیوں پر ڈولتی یا جنبش کرتی تھی۔ آنحضرت نے وید کے لفظ کو قائم رکھا۔ لیکن پھر بھی آیات کو نوٹ کرنے والے اصلیت کو قائم نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ کہیں لفظ سلال لکھا ہے۔ اور کہیں صلصال۔ اور اختلاف زبان سے پیدا شدہ دوری نے معمولی سے فرق کو بھی دُور نہیں ہونے دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مترجم ومفسر صاحبان سِلال یا صِلصال کا سِلِل والا مفہوم پیش نہیں کر سکے۔

اس طرح کی صدہا باتیں قابل غور ہیں۔ جن کا بیان موقعہ مناسب پر ساتھ کے ساتھ ہوگا۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ انسانوں کے باہمی علم کی عدم مطابقت کے ساتھ زبانوں میں پوری مطابقت نہ ہونے سے بھی صحیح ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ اور اس لئے اگر مفسران قرآن اردو وغیرہ میں اصل حقیقت آیات قرآن کی ادا نہیں کر سکے۔ تو وہ اس کے لئے فی الحقیقت معذور تھے۔

۱۲۔ قرآن کے لئے ایک اور مشکل!

لیکن جہاں اختلافات زبان وغیرہ سے قرآن کے اصل مُدعا کی اشاعت میں ہرج ہُوا۔ وہاں سب سے بھاری مشکل احادیث نے پیدا کر رکھی ہے۔

विष्टारिणमोदनं ये पचन्ति नैनान यमः परि मुष्णाति रेतः ।
रथी ह भूत्वा रथ यान ईयते पक्षी ह भूत्वाति दिवःसमेति॥

اتھرووید کانڈ ۴ سوکت ۳۴ منتر ۴۔

آنحضرت کے حینِ حیات میں قرآن مجید کی تزئینت وغیرہ کا کام نہیں ہُوا تھا۔ اسے تو صحابی کی جماعت نے خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ لیکن صحیح ترجمہ نہ آپ کی موجودگی میں ہُوا۔ نہ حدیثوں کے دور سے پہلے۔ اور چونکہ علمی ترقی میں کمال یافتہ ملکوں میں بھی عام فہم بیان یا ترجمے وغیرہ کا مطالبہ عام ہے۔ اس لئے عرب جیسے پس افتادہ ملک میں ایسا ہونا بالکل معمولی بات تھی۔ مفسرین اس مطالبے کے آگے جھک گئے۔ اور احادیث کی رہنمائی میں شانِ نزول اور ترجموں کا ظہور ہُوا۔

۱۳۔ رسُول صلعم اور احادیث

مگر اسلامی لٹریچر سے رسُول صاحب کی پوزیشن محض یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ قرآن مجید کو سوائے احکام الٰہی اور ام الکتاب یا لوح محفوظ یا کتاب مبین وغیرہ ناموں والی الہامی کتاب کی مطابقت کے کسی بھی انسانی بیان کے ماتحت نہیں کرتے۔ احادیث کو آیات کے مفہوم پر حاوی کرنے کا نتیجہ سوائے قرآن کی عظمت کو کم کرنے کے ہو نہیں سکتا۔ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۶۵ پر حضرت عمر روایت کرتے ہیں۔

"ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مل کر بیٹھے تھے۔ کہ میں نے آپ کے چہرہ مبارک پر غم و حزن کے آثار دیکھے۔ اسی حالت میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ (بقر۔ ۱۰۶) کے الفاظ سن کر میں نے عرض کیا حضور نے کیوں یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آیا۔ اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ میں نے وجہ پوچھی۔ تو کہا کہ تیری امت تیرے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں فتنہ میں مبتلا ہو گی۔ میں نے کہا۔ کہ کفر کا فتنہ ہو گا۔ یا ضلالت کا۔ اس نے کہا۔ سب باتیں ہوں گی۔ میں نے کہا۔ یہ سب باتیں کہاں سے پیدا ہوں گی۔ جب کہ میں قرآن شریف چھوڑ جاؤنگا۔" کہا۔ کہ قرآن شریف کے ذریعے گمراہ ہوں گے۔ یعنی

"اپنی من گھڑت تفسیریں بنائیں گے۔ اور لوگوں کو گمراہ کریں گے"۔

کیونکہ سب سے پہلے قرآن پڑھنے والوں اور امیروں کی طرف سے یہ ناشائستہ کام وقوع میں آئے گا۔ وجہ یہ کہ امیر لوگوں کے حقوق تلف کریں گے۔ بلکہ ان کو قتل کروایا کریں گے۔ اور قرآن کو جاننے والے علماء امیروں کی خواہش کی پیروی کریں گے۔ اور باز نہیں آئیں گے۔ واقعی جبرئیل جیسے تجربہ کار مشیر کی کو عربوں کی علمی کمزوریوں سے ایسے خدشات کا لگا رہنا معمولی بات تھی۔

رسول صلعم کتاب الٰہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔ وہ کتاب الٰہی کو ہی عربوں کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اور دین الٰہی کی کھیتی کے نشو و نما میں انسانی تخیلات پر مبنی حدیث وغیرہ کو بطور خود رو بُوٹی کے نقصان رساں کہتے تھے۔ مترجم صحیح بخاری اپنے دیباچہ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں۔

خدا کا کلام جو آپ پر نازل ہوتا تھا۔ وہ قرآن ہے۔ اور آپ کے ذاتی اقوال و افعال حدیث ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ کہ قرآن مجید جس قدر نازل ہو۔ وہ فوراً لکھ لیا جائے۔ اور آپ خود بنفسِ نفیس اس کی کتابت کا اہتمام فرماتے تھے۔ وحی نازل ہوتے ہی کاتب کو بلا کر اپنے سامنے لکھوا دیا کرتے تھے۔ مگر احادیث کے لئے آپ نے کتابت کی ممانعت فرما دی۔ یہ حکم دے دیا تھا۔ کہ سوائے قرآن کے اور کوئی چیز میری طرف سے نہ لکھی جائے۔"

ہزار اور امام نسائی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ ہر ایک شرط جو قرآن میں نہ ہو۔ خواہ وہ سنوی شرطیں کیوں نہ ہوں۔ سب کی سب باطل اور مردود ہیں۔ طبرانی نے اور سمویہ نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اسلام کی چکی پھرنے والی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہم کیا کریں۔ فرمایا۔ کہ میری حدیث کو کتاب پر عارض کرو۔ جس کو موافق پاؤ۔ مان لو۔ کہ میری حدیث ہے۔

ابن عساکر بہ روایت حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عنقریب راوی پیدا ہوں گے۔ جو میری طرف سے حدیث بیان کریں گے۔ تم ان حدیثوں کو قرآن پر عارض کیا کرنا۔ اگر وہ قرآن کے موافق ہوں۔ لے لو۔ ورنہ ترک کرو۔ (کنز العمال جلد ۱)

امام کلینی باب الاخذ بالسنتہ و شواہد الکتاب میں ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ ہر ایک حق بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اور ہر نیکی پر نور ملتا ہے۔ لیکن جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اسے لے لو۔ اور مخالف کو چھوڑ دو۔ (کافی کلینی صفحہ ۴۳)

امام کلینی باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث میں ایوب بن حر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابو عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر رو کی جائے۔ اور ہر ایک چیز جو کتاب اللہ سے موافقت نہ کرے۔ وہ لغو اور فضول ہے۔ (کلینی صفحہ ۸۲)

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۔ حضرت عمر کی رائے ہوئی۔ کہ احادیث سب لکھ لی جائیں۔ اور قرآن کی طرح ان کی اشاعت بھی عام مسلمانوں میں کی جائے۔ مگر ایک خاص مصلحت سے انہوں نے اپنی اس رائے کو ملتوی کیا۔ وہ مصلحت یہ تھی۔ کہ اگر احادیث لکھ لی جائیں۔ تو آئندہ نسلوں کے لئے سخت اشتباہ ہو جاتا۔ اور بعض حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ مختلط ہو جائیں۔

(بحوالہ تنویر الحوالک) ہروی نے علم کلام کی مذمت میں زہری کی سند سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی۔ کہ عمر بن خطاب نے احادیث کی کتاب کا ارادہ کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ اور اکثر صحابہ نے ان کو اس بات کا مشورہ دیدیا۔ پھر ایک مہینہ تک عمر اللہ سے اس بارے میں استخارہ کرتے رہے۔ ان کو اس میں پس و پیش تھا۔ ایک دن اللہ نے ان کو یکسوئی عنایت فرمائی۔ اور انہوں نے لوگوں سے کہا۔ کہ میں نے احادیث کے لکھنے کا تم سے ذکر کیا تھا۔ جو تمہیں معلوم ہے۔ مگر اب مجھے خیال آیا کہ تم سے اگلے اہل کتاب نے کچھ باتیں کتاب اللہ کے ساتھ لکھ لی تھیں۔ پھر وہ اسی پر جھک پڑے۔ اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ اور میں خدا کی قسم کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو مختلط نہیں کروں گا۔ پس لوگوں نے کہا۔ تب حدیث کو چھوڑ دیا۔ قرآنی تفاسیر میں ان حدیثوں کا بیان موجود ہے۔ اور ان سے بہت سی دلائل و ثبوت اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ کہ قرآن کا مفہوم حدیثوں کی روشنی میں ڈھونڈنا بالکل غیر معقول اور خلاف شان رسول صلعم ہے۔ حدیث وغیرہ کتاب الٰہی کے موافق ہونے سے ہی قابل قبول ہے۔ نہ یہ کہ حدیث کے بغیر قرآن کا مطلب ہی نہیں کھلتا

۱۴۔ احادیث وغیرہ کے دخل کا نتیجہ

ہم نے احادیث سے ہی حدیث کی تردید کے اصولی ثبوت پیش کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اسلام میں اس کے متعلق بڑی بھاری جد و جہد جاری چلی آتی ہے

اور گو ہم انتہائی مخالفانہ اقتباسات کو ترک کرنا ہی موزوں سمجھتے ہیں۔ تو بھی یہ واضح کرنا ضروری ہے۔ کہ حفاظت دین کے لئے علمائے اسلام نے حدیث کی مخالفت کرنے سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ حمائل التفسیر کی تمہید میں لکھا ہے۔

"میں اس بات کو دردِ دل کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں۔ کہ عام تفاسیر میں بہت سا رطب و یابس داخل ہو گیا ہے۔ (اول) قرآن میں جو سابقہ انبیا کے قصے تھے۔ وہ محض اسی قدر تھے۔ جس قدر کسی خاص نتیجہ کے متعلق تھے۔ مگر مفسروں نے وہ قصے تمام کے تمام تفسیروں میں داخل کر دیئے۔ حالانکہ ان کے اکثر حصوں کی تصدیق قرآن سے نہ ہوتی تھی بساتھ ہی مشرکین عرب کی پشت در پشت کی افواہی روائتیں بھی شامل ہوئیں۔ بجائے غیر متعلقہ قصوں و روایتوں کو چھوڑ دینے کے انہیں کھینچ تان کر کے صحیح سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ جس سے حق پسند مفسروں کو عقل اور قرآن کی رو سے اختلاف کرنا پڑا۔

دوم۔ مختلف ذریعوں سے جو مختلف لوگوں کو روایات پہنچیں۔ وہ مختلف تفاسیر میں درج ہوتی رہیں۔ پھر مفسرین میں علیحدہ علیحدہ روایتوں میں اختلاف اور بحث شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قرآن مجید کی تفاسیر بے سند۔ خلاف عقل اور لغو قصہ جات کا مجموعہ بن گئیں۔ اور ان پر مباحثہ جات کا غیر منقطوع سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس طرح پر خود قرآن کریم اندرونی اور بیرونی ناظرین کی نظر میں مزخرفات اور لغویات کا مجموعہ متصور ہو کر نزاعات لاحاصل کا مجموعہ ٹھہر گیا۔ اس لئے مسلمانوں میں تو اس کا بامعنے پڑھنا اور پڑھانا متروک ہوا۔ مخالفین کو واہیات نکتہ چینیوں اور بے معنی اعتراضات کا بے حد سامان ملا۔ اور منصفین کے واسطے ہزارہا حجاب پڑ گئے۔ کہ اصل حقیقت کو سمجھنا محال ہو گیا۔ الغرض بجائے اس کے کہ قرآن مجید دنیا کے راستی پسند لوگوں پر ایک عظیم الشان صداقت ثابت ہوتا۔ لغو افواہوں اور بے معنے قصوں کا مجموعہ ٹھہر گیا۔ اور ہر طرف سے کیا موافقین اور کیا مخالفین میں خفیہ یا علانیہ طور پر مضحکہ ہونے لگا۔۔۔۔"

۱۵۔ حفاظت دین کیلئے علم حدیث کی تردید

دفعہ ۱۳ والا خوفناک نتیجہ آنحضرت اور علمائے اسلام کو پہلے سے ہی کھٹکتا تھا۔ اس لئے وہ دور اندیشی سے اس کی مذمت حفاظت دین کے لئے ضروری سمجھتے رہے ہیں۔

۱۔ مسلم صفحہ ۳۲ پر رسول صاحب کی بیان کردہ اور تمام محدثوں سے بطور صحیح نقل شدہ حدیث ہے۔ کہ جو شخص یہ جانتا ہو۔ کہ فلاں حدیث غلط ہے۔ اور پھر بھی وہ مجھ سے نقل کرتا ہے۔ وہ خود جھوٹا ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔ کہ وہ اس کا عیب ظاہر کرتا۔

۲۔ مسلم صفحہ ۲۵۔ ہر بات کو جو سنی جاوے۔ بغیر تحقیق حق و باطل کے اشاعت دینا جھوٹوں کا کام ہے۔ اور غلط جانتے ہوئے اشاعت دینا گنہگاروں کا۔

۳۔ مسلم صفحہ ۴۲ پر ثابت کرتا ہے۔ کہ حدیث کے راویوں کا عیب بیان کرنا درست ہے۔ وہ غیبت میں داخل نہیں۔ کیونکہ دین کی ضرورت ہے جیسے گواہوں کا حال بیان کرنا درست ہے۔ اور حدیث کے اماموں نے ایسا کیا ہے۔

۴۔ مسلم صفحہ ۴۳۔ یحیٰ ابن سعید نے سفیان وغیرہ سے پوچھا۔ کہ غیر معتبر راوی کے متعلق سوال ہونے پر اس کا عیب ظاہر کروں یا نہیں۔ سب نے کہا۔ کہ بیان کر دے۔ کہ وہ معتبر نہیں۔ اور اس بیان کرنے میں گناہ غیبت۔۔

نہیں۔ بلکہ اجر ہوگا۔ کیونکہ نیت بخیر ہے دین کی حفاظت منظور ہے۔ نہ توہین اس شخص کی۔

۵۔ مسلم صفحہ ۵۴۔ عثان بن اسلم اسمعیل بن علیہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک حدیث کہی۔ عثان نے کہا۔ وہ معتبر نہیں۔ وہ بولا۔ تو نے اس کی غیبت کی۔ اسمعیل نے کہا غیبت نہیں کی۔ بلکہ حکم لگایا اس پر کہ وہ معتبر نہیں

۶۔ مسلم صفحہ ۵۹ " حدیث کے اماموں نے راویوں کا عیب کھول دینا ضرور سمجھا۔ کیونکہ اس سے حرام حلال یا امر دینی کے دینی اصول کا تعلق ہے۔ پس اگر کوئی جانتا ہوا راوی سے محتاط نہ کریگا۔ تو گنہگار۔ اور دھوکے کا مرتکب ہوگا۔" آگے لکھا ہے۔ کہ جو لوگ علمی نمائش کے لئے بہت سی حدیثوں کو ضعیف جانتے ہوئے بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ عالم کی بجائے جاہل کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ علم وہ ہے۔ جس کو عالم لوگ تسلیم کریں۔ جاہل ناواقف لوگوں کا کیا اعتبار ہے۔ وہ کسی ایسے کو عالم قرار دیں گے۔ تو حدیث کے امام اسے جاہل قرار دیں گے۔

۷۔ مسلم صفحہ ۶۔ امام نودی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ کہ راویوں کا عیب بیان کرنا جائز ہے۔ بلکہ واجب ہے۔ باجماع علماء اس واسطے کہ شریعت کی حفاظت ضروری امر ہے۔ اور یہ غیبت میں داخل نہیں۔ بلکہ نصیحت ہے۔ اللہ و رسول اللہ اور مسلمانوں (سب) کی خیر خواہی کے لئے۔

۸۔ مسلم صفحہ ۶۴۔ امام مسلم کہتے ہیں "ہمارے زمانے میں کئی لوگ جھوٹ موٹھ اپنے آپ کو محدث قرار دیتے ہیں۔ ان پر التفات نہ کرنا۔ ان کو بیٹھے یا جاہلوں کو اس سے ناواقف رکھنے کا ذریعہ ہے۔ مگر دوسری طرف یہ اندیشہ ہے۔ کہ جاہل نئی بات پر فریفتہ ہوتے اور علماء کے لئے جو ساقط الاعتبار ہے۔ ایسے فوراً قبول کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی تردید کرنا ہی لوگوں کے لئے بہتر اور مفید معلوم ہوتا ہے

آخری الفاظ تجربہ پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود ہر ممکن احتیاط کے احادیث کا زور برابر چلا آتا ہے جیسا کہ ... گل ... فقرہ سے واضح ہو۔

۱۶۔ احادیث کا دور دورہ

حضرت محمد صاحب کے اقوال۔ ان کے افعال اور احوال کے متعلقہ ہر بیان کا نام حدیث ہے۔ عوام الناس کی دلی ... اصولی تعلیم کی طرف نہیں ہوتی۔ یہ ان کے لئے خشک اور عجیب مضمون ہے۔ اور مبلغ لوگ بھی عموماً اس اصول پر عمل نہیں کرتے۔ کہ ان کے مذاق کو اونچا کریں۔ اس لئے ہر جماعت میں کچھ عرصہ کے بعد دلیل یا ثبوت کی جگہ قصہ کہانی وغیرہ لے لیتی ہے۔ آنحضرت کے بعد صحابہ نے احادیث کے ذریعے ہی تردیکی ممالک میں اسلام کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ موجودہ آریہ سماج میں ستیارتھ پرکاش کی اشاعت وید وغیرہ سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن عام لوگوں میں ستیارتھ پرکاش کے مضامین سے بھی وہ دلچسپی نہیں۔ جو سوامی جی کے زندگی کے واقعات سے ہے۔ پر وہ واقعات بھی پہلے سے مختلف صورتوں میں بیان ہونے لگے ہیں۔ اور اگر ویدک لٹریچر یا سنسکرت زبان کا علم ادب اپنی پوری طاقت کے ساتھ آریہ سماجیوں پر حاوی نہ ہوتا۔ تو نہ معلوم سوامی دیانند کے متعلق اب تک کیا کیا کہا جا چکا ہوتا۔ بہرحال آنحضرت کا اثر جو اس ملک پر پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ آپ کی وفات کے بعد ہر کہیں آپ کے

اوصاف کا چرچا تھا۔ اور آپ کے متعلقہ حالات سنانے والے بڑے پنڈتوں اور لیڈروں کی سی عزت پاتے تھے۔ اور اس طریق سے حدیثوں کے گھڑنے میں شوق اور جرأت اس انتہا تک پہنچے۔ کہ امام بخاری کہتے ہیں۔

"میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے اپنی کتاب کو انتخاب کیا ہے"۔

امام مسلم مصنف صحیح مسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی کتاب کو تین لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا ہے"۔

صحیح بخاری دیباچہ صفحہ ۵ پر لکھا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت میں ۱۰۰ھ کے بعد مسلمانوں میں عام طور پر حدیث کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ وجہ یہ کہ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ اور کچھ عجیب بابرکت زمانہ تھا۔ کہ قریب قریب ہر مسلمان میں دینی علوم کے حاصل کرنے کا شوق کوٹ کوٹ کر بھر گیا تھا۔ احادیث کے حاصل کرنے اور ان کے محفوظ رکھنے کا جوش نہایت تیزی کے ساتھ ہر مسلمان کی رگوں میں مثل خون کے دوڑنے لگا تھا۔ اس لئے کہ صحابہ کی وفات سے نفس پرستوں اور شریروں کو جھوٹی احادیث کے گھڑنے کا موقعہ مل جاتا تھا"

مترجم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ من گھڑت حدیثیں بنانے کی قباحت کو روکنے کے لئے حدیثوں کو لکھ لینا ضروری سمجھا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ تحریر میں لانے پر یہ مرض کم نہیں ہوا۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ حدیثیں لکھنا زیادہ سے زیادہ محبت دین کا ثبوت تھا۔ سلطنت کی طرف سے بھی احادیث کی کتابت کا اہتمام ہوا۔ نامور علما جو اسلامی بلاد میں تھے۔ اس خدمت پر تعینات ہوئے۔ بہ طور خود بھی اکثر علماء اس خدمت کی انجام دہی کرنے لگے۔ جتنے علما اور آئمہ اس زمانے میں تھے۔ سب نے اپنے اپنے حوصلے کے موافق اس کام میں کوشش کی۔ اور ہزارہا کتابیں حدیث کی تصنیف ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی پہلے اور دوسرے طبقے کی احادیث میں اور نقصوں کے علاوہ یہ نقص تھا۔ کہ موقوف۔ مرفوع۔ مسند منقطع ہر طرح کی حدیث بلا امتیاز یکجا کی گئی۔ تیسرے طبقہ کی تصانیف زیادہ کامل اور جامع تھیں۔ انہی میں صحیح بخاری اور مسلم کا شمار ہے۔"

لیکن ان کے بعد اور بے شمار کتب لکھی گئیں۔ اور آخر یہ کوشش ہوئی۔ کہ رسول کے متعلق غلط یا درست تمام امور جمع کر دیئے جائیں۔ تاکہ کوئی صحیح حدیث تلف نہ ہونے پائے۔

اس طرح صحیح حدیث کے تلف ہونے کا احتمال نہ رہے۔ اس غرض سے تمام غلط امور کو بھی اسلامی لٹریچر کے گلے کا مستقل ہار بنایا گیا۔ اور حسب قول صحیح بخاری بعد میں احادیث کی صحت اور سقم وغیرہ کی جانچ کے لئے اصول حدیث کے نام سے قوانین بنے۔

یہ اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا۔ اس کی سو سے زائد شاخیں ہو گئیں۔ اور ہزارہا راویوں کے نام۔ ان کے نسب۔ ان کے متعلق آئمہ۔ حدیث کے اقوال۔ ان کی معتبری یا نامعتبری کو ظاہر کرنے والے حالات سب کا چرچا چھڑ گیا۔ کہیں اسماء الرجال تصنیف ہوئی۔ کہیں سو سے زیادہ شاخوں میں سے ہر شاخ کے متعلق کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اور ان حدیثوں کے متعلق ہر چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بڑی بڑی بحثوں اور نصاب کا مضمون بنا۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

علوم حدیث کے انواع بہت بے شمار ہیں۔

علامہ حازمی نے کتاب العجاز میں لکھا ہے۔ کہ علم حدیث میں بہت سے انواع ہیں۔ جو سو تک پہنچے ہیں ہر نوع ان میں سے مستقل فن ہے۔ اگر طالب علم اپنی تمام عمر اس میں خرچ کر دے۔ تو اس کی انتہا کو نہ پائے ابن صلاح نے اپنی کتاب مقدمہ ابن صلاح میں ۶۵ فن لکھے ہیں۔

شیخ الاسلام (ابن حجر) کا فرمان ہے۔ کہ سب سے پہلے جس نے اصطلاح (اصول حدیث) میں تصنیف کی۔ وہ قاضی ابو محمد رامہرمزی ہیں۔ انہوں نے کتاب المحدث الفاضل بنائی۔ لیکن انہوں نے تمام مسائل نہیں لکھے۔ اور حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے تصنیف کی۔ مگر انہوں نے اپنی کتاب کو مہذب اور مرتب نہیں کیا انہوں نے بھی ان کی کتاب پر ایک مستخرج بنایا۔ مگر انہوں نے بھی آئندہ نسل کے لئے بہت سی باتیں چھوڑ دیں۔ پھر ان کے بعد خطیب بغدادی ہوئے۔ انہوں نے قوانین روائت میں ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کا نام الکفایہ رکھا۔ اور ایک ادائت میں ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام الجامع الآداب الشیخ والسامع رکھا۔ اور حدیث کے فنون میں کم کوئی فن ہوگا۔ جس میں خطیب نے تصنیف نہ کی ہو۔ حافظ ابو بکر بن نقطہ نے کہا ہے۔ کہ اہل انصاف کے نزدیک تمام محدثین کا اعتماد خطیب کے بعد ان کی تصانیف پر ہے۔ خطیب کے بعد قاضی عیاض نے کتاب الماع لکھی۔ اور ابو حفص میانجی نے کتاب بالایسع المحدث مسند تصنیف کی۔ یہاں تک کہ حافظ امام تقی الدین ابو عمر عثمان بن الصلاح شہر زوری مقیم دمشق پیدا ہوئے۔ اور جب مدرسہ اشرفیہ میں تدریس حدیث ان کے متعلق ہوئی۔ تو انہوں نے اپنی کتاب (مقدمہ ابن صلاح) تصنیف کی۔

غرضیکہ احادیث اور ان کے متعلقہ تصانیف نیز ان کے اردو۔ فارسی وغیرہ کے تراجم وغیرہ کا سلسلہ نہایت وسیع ہے۔ اور اس نہائت پیچیدہ بھنور سے اسلام کی کشتی کو محفوظ کرنا علما کی طاقت سے باہر ہے۔ بلکہ خود علما کو اس بھر کے ساتھ بجز چارہ کار نہیں۔ بعض پیروان اسلام تو احادیث کے سننے سنانے کو ہی سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ موجودہ وقت میں تو کتب احادیث کی مطبوعہ صورت گواہ ہے۔ اور پہلے وقتوں کے متعلق بخاری کی شہادت ہے کہ مسلمانوں میں آنحضرت کے بعد حدیث کے حاصل کرنے کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ اگر کسی صحابی کو یہ معلوم ہو جاتا۔ کہ فلاں صحابی کو ایسی حدیث کا علم ہے۔ جو میں نہیں جانتا۔ تو وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک ایک مہینے کا سفر اختیار کر لیتے۔ اور اس حدیث کو اس صحابی سے حاصل کر کے دم لیتے۔ جیسا کہ حضرت جابر صحابی نے عبد اللہ بن انیس صحابی کے پاس ایک مہینہ بھر سفر کرنے کے بعد پہنچ کر حدیث حاصل کی۔

۱۷۔ اصولی فیصلہ

اب سوال یہ ہے۔ کہ حدیث کے متعلق اصول کیا قائم کیا جاوے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ رسول صاحب کے فرمان کے مطابق عالم لوگ قرآن مجید کو قید حدیث سے آزاد سمجھیں۔ اور سمجھا دیں۔ اس یقین پر کہ آخر حق کی ہی فتح ہوگی۔ کلام الہی خود بخود روشن ہے۔ جیسے کہ سورۃ النور میں فرمایا ہے۔ کہ علم الہی دا لا شجر زیتون نہ شرقی ہے۔ نہ مغربی۔ اور نہ آگ سے روشن کیا جانے کا محتاج ہے۔ (۹) بھلا سورج کو چراغ سے دکھانا بھی کسی عقلمند

(۹) شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

کا کام ہو سکتا ہے۔

وید کے متعلق قدیم سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس کا ارتھ نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ کوئی ادھیان ایسی نہیں۔ جس میں اس کے مدعا کو صحیح اور کامل طور پر واضح کیا جا سکے۔ اس کی اندرونی سپرٹ خدا کے حضور میں روح ہی محسوس کر سکتا ہے۔

مہرشی دیانند شاستر ارتھ کے موقعہ پر سوائے وید کے کسی کتاب کو مستند نہ مانتے۔ تو فریق مخالف کہتا کہ ایسی صورت میں وید کا ارتھ کس طرح کرو گے۔ سوامی جی فرماتے۔

وید کا ارتھ خود وید بتائے گا۔

کاش کہ علماء اسلام متفق اللفظ ہو کر اس اصولی فیصلہ کو قبول فرما دیں۔ کہ قرآن اپنے مفہوم کو آپ بتاتا ہے۔ وہ کسی دوسری کتاب کا محتاج نہیں۔ جو اس کے بعد لکھی گئی۔

جو لوگ قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں۔ ان کا فرض ہے۔ کہ جس طرح خدا بے نیاز اور مستغنی ہے اسی طرح کلام الٰہی کو احادیث کا محتاج ماننا چھوڑ دیں۔ اور ہم اس امر کے قائل ہیں۔ کہ واقعی کوئی بھی اصولی تعلیم قرآن میں ایسی نہیں۔ جس کی صداقت کی شہادت خود قرآن میں موجود نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا یہ بھی دعوےٰ ہے۔ کہ سوائے ام الکتاب یا لوح محفوظ کے قرآن کو اس کے اپنے بیان کو سمجھانے کے لئے کسی بیرونی مدد کا محتاج سمجھنا اس کی حقیقی عظمت کو مٹانے کے بغیر کوئی نتیجہ نہیں لا سکتا۔

قرآن میں جا بجا ام الکتاب کا ذکر آتا ہے۔ اور اس کی آیات کی عربی تفسیر کو اشاعت حق کے لئے آسانی کرنے والی بتاتا ہے۔ (۱۰)

ایک جگہ فرمایا ہے کہ اس کتاب میں محکم اور متشابہ دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم تو ہیں ام الکتاب کی اور متشابہ ہیں۔ نظایر یا تفصیل وغیرہ کی کم سمجھ لوگ ان متشابہ آیتوں کی مختلف تاویلیں کر کے اختلافات پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ متشابہ آیات یا فروعی اور مقامی یا زمانی امور کی اصل حقیقت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہاں راسخ العلم لوگ محض اس اصولی نصیحت کو اختیار کرتے ہیں جس کے لئے یہ تفصیل ہے۔ (۱۱)

اس حوالہ کے اصل مفہوم پر غور کر کے ہمیں بڑا تعجب ہوتا ہے۔ کہ جب آں حضرت نے قرآن کے بیان میں اصول کو بھی درج کیا۔ اور اس کی تفصیل بھی ساتھ ہی واضح کر دی تو پھر اس کے معتقدوں کا اسی پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے مفہوم کے لئے باہر تجسس کرتے پھرنا کس طرح سر عقل ہو سکتا ہے۔

مہاراجہ رام سنگھ نے سوامی ورجانند کو کہا۔ کہ مجھے اشٹا دھیائی کا کوئی آسان گرنتھ بنا کر پڑھا دو۔ رشی ورنے جواب دیا۔ جس طرح اس سورج کا کوئی اور سورج نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اشٹا دھیائی کا کوئی اس

(۱۰) فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (۱۱) هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

سے آسمان گرنتھ نہیں بن سکتا۔ کنزالعمال صفحہ ۵۴ پر کیا خوب کہا ہے۔ کہ :-

"برپا ہونے والے فتنے سے نجات یا مخلصی ملنا کتاب اللہ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اس میں تم سے پہلی امتوں کے قصے۔ اور آنے والے زمانے کی خبریں ہیں۔ اور یہی کتاب تمہارا حکم ہے۔ کل نزاعوں کا فیصلہ کرے گی۔ اور وہ قول فیصل ہے۔ جس میں ذرہ بھی ہزل نہیں جو ظالم زبردست اس کو ترک کرے گا۔ خدا اس کو کاٹ ڈالیگا۔ اور جو اس کو چھوڑ کر کسی چیز کو ذریعہ ہدایت سمجھیگا۔ وہ ضلالت کے کنوئیں میں گریگا۔ یہی اللہ کی طرف سے ایک مضبوط رسی ہے۔ جس کے سہارے سے انسان کنارہ دین وعافیت پر پہنچ سکتا ہے۔ اور حکمت کی بھری ہوئی نصیحت ہے۔ جس سے آدمی فوائد کثیر حاصل کرسکتا ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ جس پر چلنے سے بشر اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہی ایک کتاب ہے۔ جس کی پیروی کرنے سے انسانی خواہشوں میں کجی نہیں آسکتی۔ اور وہ نعمائے الہی کا ایسا خوان نعمت ہے۔ کہ حقیقی علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ زبانیں اس کے ذریعے دھوکا کھا سکتی ہیں۔ اور نہ وہ بار بار کی تکرار سے کہنہ ہوسکتی ہے۔ اور نہ عجائبات اس کے کبھی ختم ہوسکتے ہیں"۔

مسند امام احمد بن محمد حنبل میں حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت کے پوچھنے پر جبرئیل نے کہا۔ کہ فتنے سے بچنے کے لئے" قرآن کریم ہی مخلصی کی راہ ہوگی"۔ جس میں پہلے اور "پچھلوں کی خبریں ہیں۔ اور قرآن ہی تمہارا پیش یا افتادہ کے لئے حکم ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی مضبوط رسی ہے۔ اور اللہ تک پہنچانے کی سیدھی سڑک ہے۔ وہ فیصلہ کی کلام ہے۔ جس میں کوئی ترٔلیات نہیں۔ قرآن وہ کتاب ہے۔ کہ اگر کوئی زبردست بھی اس کو چھوڑ کر اور چیز پر عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالےٰ اس کو پاش پاش کردے گا۔ . . . . جو شخص قرآن کے مطابق کہے گا۔ سچ اور صحیح کہے گا۔ اور جو اس کی رُو سے حکم کرے گا۔ تو اس کا حکم عدل وانصاف پر مبنی ہوگا۔ اور جو اس کی تعلیم کے مطابق عمل کریگا۔ اجر پائے گا۔ اور جو اس کے قواعد کے ماتحت تقسیم کریگا۔ وہ سب ٹھیک اور درست ہوگا۔

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۲ میں ہے۔ کہ ابو جحیفہ نے علی سے کہا۔ کہ تمہارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی کتاب بھی ہے۔ وہ بولے کہ نہیں۔ مگر خدا کی کتاب ہے۔ یا وہ سمجھ جو ایک مرد مسلمان کو دی جاتی ہے۔ یا وہ چند مسائل ہیں۔ جو اس صحیفے میں لکھے ہوتے ہیں۔

اسی ترجمہ کے صفحہ ۲۵ پر ایک اور حدیث ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہوگیا۔ تو آپ نے ابن عباس کو لکھنے کا سامان لانے کو کہا تاکہ وہ ایسا نوشتہ لکھیں۔ کہ پھر گمراہی نہ ہو۔ اس وقت عمر نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ پر مرض غالب ہے۔ اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ وہ ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت عمر کا یہ قول عام حدیثوں میں ہے۔ کہ حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہِ یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۰ پر ہے حَسْبُکُمْ کِتٰبُ اللّٰہِ (وفات نبی صلعم) تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ ان بیانوں میں قدیم کتاب الہی یا قرآن کو ہی کافی مانا گیا ہے۔ اور اُوپر پیش شدہ اصولی فیصلہ کی ہی تائید

کی گئی ہے۔

۱۸۔ ویدک تفسیر قرآن کی خصوصیت

اوپر کی دفعہ کو پڑھنے کے بعد یہ سمجھ لینا بالکل آسان ہے۔ کہ ہماری ویدک تفسیر قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہوگی۔ کہ وہ احادیث کی قید سے آزاد ہونے کے نکتہ نگاہ سے سب سے پہلی صحیح تفسیر ہے۔ اسلامی لٹریچر کی اجمالی تاریخ پر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی تفسیر ۲۰۴ھ ہجری میں احکام القرآن کے نام سے لکھی گئی۔ تفسیر اسحاق بن رماہویہ اس کے ۳۴ سال بعد لکھی گئی۔ اور دیگر تمام تفاسیر بھی ان کے بعد کے زمانوں میں ہی تیار ہوتی آئی ہیں۔ مگر حدیثوں میں امام مالک کی تصنیف موطا ۱۷۹ھ یعنی پہلی تفسیر سے ۲۵ سال پہلے تیار ہو چکی تھی۔ اور اس سے پہلے بھی زہری وغیرہ کتنے ہی مصنف احادیث لکھ چکے تھے۔ جن کا زمانہ تصنیف ۱۵۰ ہجری سے بھی پہلے کا ہے۔ گویا تفسیر کا کام حدیث کے جڑ پکڑ چکنے کے بھی زائد از پچاس سال بعد شروع ہوا۔ اور عام کم علموں کے مطالبے کے مطابق آیات قرآن کو حدیث کے ترازو پر تول دکھانا ہی اس وقت کی علمیت کا مول متر تھا۔ کاش کہ کوئی صحیح تفسیر حدیث سے پہلے تیار ہوتی۔ اور بڑے عالم اور کم علم سب لوگوں کی اس سے صحیح رہنمائی ہوتی۔ لیکن امر واقعہ ایسا نہیں۔ اس لئے ہماری یہی دعا ہے کہ خدا کی عنایت سے ہماری یہ تفسیر احادیث کے ہلاک اثر سے قرآن مجید کو جدا اور اصل اسلام کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو۔

۱۹۔ شانِ نزول

(۱) قرآن کا سرسری مطالعہ بھی ہر شخص کو جو عقل سے کام لے۔ یقین دلاتا ہے۔ کہ قرآن میں نزول کا لفظ نہائت وسیع معنے میں آتا ہے اِن کا طلوع کیا ہے روشنی جیسی نعمت کا نزول۔ رات کا ہونا کیا ہے۔ تاریکی کا نزول۔ خوشی غمی سکھ۔ صحت۔ بیماری جو کچھ ہو سب کے لئے نازل ہونا کا لفظ عائد ہوتا ہے۔ علم جو انسان کسی بھی ذریعے سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی نازل ہونا کا ہی لفظ آتا ہے۔ بارش۔ وعظ یا ہدائیت۔ سردی گرمی کچھ بھی ہو۔ اس کے لئے یہی لفظ ہے۔

(۲) قرآن ہر امر سے خدا کے قانون انصاف یا علم کا تعلق مانتا ہے۔ کچھ بھی نازل ہو۔ اللہ سے ہی نازل ہوتا ہے۔ استاد۔ شاگرد کو مارے۔ یا باپ بیٹے کو۔ دشمن کسی کو قتل کرے۔ یا دوست کوئی گزند پہنچا وے۔ درحقیقت وہ خدا کے قانون کے مطابق مختلف ذریعوں سے ملی ہوئی سزا ہے۔ اس لئے یہ بھی خدا کے غضب کا نازل ہونا ہے۔ آنحضرت کو بمصداق بنا حکم نہ جھولے پاتا۔ دنیا کی ہر حرکت میں خدا کا ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن یہ ہدائیت ذہن نشین کرتا ہے۔ کہ یہ نہ کہو۔ میں نے یہ کیا ہے یا وہ۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ خدا نے کیا ہے۔ اسی طرح یہ نہ کہو۔ کہ میں اس کو کرونگا۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ انشاء اللہ میں کرونگا۔ غرضیکہ خدا کے ساتھ سارا بیان وابستہ ہے۔ اور اسی لئے اگرچہ جبرئیل سے درس و تدریس کا سلسلہ واضح طور پر قرآن میں مذکور ہے۔ تاہم اس کی پوزیشن یہی ہے۔ کہ خدا نے آنحضرت پر ہدائیت یا وحی نازل ہوئی۔ وحی کیا ہے۔ دل میں نقش شدہ صداقت۔ اور وہ حسب

فرمان قرآن حضرت جبرئیل نے آنحضرت کے قلب پر نقش کی۔ اور حسب قولی حدیث جبرئیل نے آنحضرت کا سینہ چاک کر کے اسے علم حق کے آبِ زمزم سے دھویا۔ اور اس میں حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا سونے کا تھال (علم الہی) انڈیلا۔ یہ سب امور سچے گورو اور شاگرد کے ہمیشہ کے تعلق عمل پر دال ہیں۔ اور اصل اصول کے مطابق ان واقعات کے اندر ایک سچے موحد کو خدا سے ہی وحی کا نازل ہونا ماننا چاہیئے۔ واقعی عجب ہی زمانہ تھا۔ جب کہ عرب جیسے پس افتادہ ملک میں سچے گورو اور ایک صادق شِشّ کا یہ جوڑا علم الہی کی تجسس اور اشاعت کی لگن میں مگن تھا۔

حصہ اوّل کے باب ۳ میں کتنی ہی آیات میں قرآن نہایت واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کہ قدیم کتاب یا الکتاب ام الکتاب۔ کتاب مبین۔ کتاب منیر۔ کتاب حکیم لوح محفوظ۔ ذکر۔ زبر۔ ام القرآن فرقان۔ قیم وغیرہ نام والی الہامی کتابوں کی آیتوں کو ان ہر دو مبارک ہستیوں نے خدائے جل شانہ کی رحمت و فضل سے عربی میں عربیوں پر واضح کیا۔ تاکہ ان کے لئے علم حق کو حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ورنہ عربی زبان دانوں کو عجمی (سنسکرت) میں کتاب الہی کا سنانا بھینس کے آگے بین بجانا ہی ہوتا۔ بھارت ورش میں زمانہ حال کے مشہور ریفارمر دیانند نے ہرچند سنسکرت زبان میں تبلیغ حق کی کوشش کی۔ آخر اسے مجبور ہو کر ہندی سیکھنا اور اسی میڈیم سے لیکچر دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور یہی صداقت باب سوم حصہ اوّل میں کتنی ہی آیات قرآن مجید کے حوالہ جات سے آیات قرآن کے شانِ نزول کو واضح کرتی ہے۔

۲۰۔ قدیم طریق پر درس و تدریس قرآن

احادیث میں دفعہ ۱۸ کا مدعا و مفہوم موجود ہونے پر بھی ابہام یا توہم قطعاً غیر موجود نہیں ہے۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ پر آنحضرت کے الفاظ ہیں۔

"کبھی فرشتہ میرے آگے آدمی کی صورت بن کر آ جاتا ہے۔ اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو جو کچھ وہ کہتا ہے اس کو میں حفظ کر لیتا ہوں"۔ اسی صفحہ پر حدیث نمبر ۳ میں ہے۔

(غار حرا میں) فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ پڑھو۔ حضرت نے کہا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"

فرشتے نے آپ کو پکڑ لیا۔ اور زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ آپ کو تکلیف ہوئی۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ کہ پڑھو۔ آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اور فرشتے نے اسی طرح آپ کو پکڑا۔ تین دفعہ یہی عمل ہوا۔ چوتھی دفعہ فرشتے نے کہا۔ اِقرأ باسم ربک یعنی اپنے رب کا نام لے کر یا اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھ۔ اس کے آگے ذکر ہے۔ کہ محمد صاحب بہت خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آ کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ پھر یہ ذکر ہے۔ کہ حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے آپ کو ڈھارس بندھایا۔ اور آپ کی مستقبل نبوت کی پیش گوئی کی۔ اس کے بعد آپ نے ایک مرتبہ چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سُنی۔ اور نظر اٹھا کر اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا۔ کہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر معلق بیٹھے ہیں۔ آپ خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آ کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اس حالت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے"۔ (۱۲)

آیات قرآن حدیث والے واقعہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ تو بھی یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ نازل ہوا حضرت جبرئیل کے ذریعے ہوا۔ اور جو کچھ حضرت جبرئیل نے سنایا۔ انسان کی شکل میں سنایا۔ انہوں نے زبان سے کہا۔ آپ نے کان سے سنا۔ چنانچہ آیت مذکورہ بالا میں سپرٹ کے لحاظ سے جبرئیل کا آنحضرت سے وہی خطاب ہے۔ جو خاتمۂ تعلیم پر گورو ورجانند نے اپنے ہونہار شاگرد دیانند کو کہا تھا۔ کہ:-

"جاؤ دنیا میں علم اور دھرم کی اشاعت کرو۔ جہالت اور جھوٹ کا ناش کرو۔

ترجمہ صحیح بخاری حدیث نمبر ۴ میں ذکر ہے۔ کہ نزول قرآن میں آنحضرت اپنے دونوں ہونٹ جلد جلد ہلاتے تھے۔ کہ وحی یاد ہو جائے۔ اس لئے آیت نازل ہوئی۔ کہ:-

اے محمد! قرآن کو یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی تمہارے سینے میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھانا۔ جس وقت ہم پڑھ چکیں۔ تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ یعنی اس کو سنو اور چپ رہو۔ پھر یقیناً اس کے مطلب کا سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمے ہے۔ کہ (تمہیں یاد ہو جائے تاکہ) تم اس کو پڑھو"۔

ان الفاظ میں حضرت جبرئیل کا خود کتاب الٰہی کا آنحضرت کو پڑھانا۔ اول خود بولنا آنحضرت کو چپ چاپ سننے کی ہدایت دینا۔ پھر آیات الٰہی کا مطلب و مفہوم ان کے ذہن نشین کرنا وغیرہ سب کچھ ظاہر ہے۔ جو گورو اور شش کے درمیان روز عمل میں آتا دیکھا جاتا ہے۔ اس حدیث کے آخری حصے میں صاف لکھا ہے

"پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد یہ حالت رہی۔ کہ جب آپ کے پاس جبرئیل کلام الٰہی لے کر آتے تھے۔ تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبرئیل چلے جاتے۔ تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے تھے۔ جس طرح جبرئیل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا"۔ اس طرح حدیث سے ہی جبرئیل کے آنحضرت کا سینہ چاک کرنے انسے آب زمزم سے دھونے۔ اور اس میں حکمت و ایمان کا بھرا ہوا تھال انڈیلنے کی حقیقت ظاہر ہے۔

قدیم کتاب الٰہی وید کو شرتی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ پہلے سلسلہ تعلیم ہی اس طرح چلا آیا۔ کہ سننے سنانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جبرئیل کا سنانا آپ کا سننا۔ اور بعد میں خود پاٹھ کو صحیح دیکھتہ دحفظ کرنا۔ اسی طریق کی باز گشت ہے۔ ترجمہ صحیح بخاری حدیث نمبر ۹۷ صفحہ ۲۳ پر علمی ترقی و تنزل کا ایک اچھا گر بتایا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ:-

"اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھاتا۔ کہ بندوں کے سینوں سے نکال لے۔ بلکہ علما کو موت دے کر علم کو اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا۔ تو لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے۔ اور ان سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے۔ اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

یہ مہرشی دیانند کے اس کہنے کی صداقت کا ثبوت ہے کہ
مہابھارت کی جنگ کے بعد عالموں کی موت ہو جانے کی وجہ سے علم اٹھ گیا۔ جاہل لوگ برہمن و لیڈر بنے۔ جنہوں نے بغیر علم کے فتوے دے کر تمام سچی مریاداؤں کا ناش کیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور اپنے پیروؤں کا بھی بیڑا غرق کیا۔ اس مسلمہ اصول کی روشنی میں علما کی موت سے علم کا زوال سمجھنے پر ہر شخص بجا طریق پر استدلال کر سکتا ہے۔ کہ خدا نہ سینے سے علم کو نکال کر علمی زوال کرتا ہے۔ نہ سینے میں علم کو انڈیل کر اس کی ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ علم کوئی مادی شئے نہیں۔ ہاں علمی ترقی کے لئے وہ اپنی عنائیت سے عالم آدمیوں کو پیدا کرتا اور ان کی مساعی جمیلہ سے علم کی اشاعت بہ طریق احسن ہوتی ہے۔ پس یہ نہائیت مبارک امر تھا۔ کہ جبرئیل جیسے عالم شخص کا عرب جیسے ملک میں قیام ہوا۔ اور حضرت محمد صاحب جیسے الوالعزم اور فنا فی الحق انسان کو وہ سچا علم ملا۔ کہ نہ صرف عرب خود گمراہی سے نکلا۔ دوسرے ممالک کی رہنمائی کی جرأت کرنے لگا۔

۲۱۔ خاص شہادت

قرآنی آیات اوپر کی حدیثوں میں بھی مذکور ہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر آیات کا بھی ویدک تفسیر قرآن میں واضح بیان آئے گا۔ یہاں ایک مشہور اسلامی مصنف خواجہ حسن نظامی صاحب کے الفاظ پیش کرنا کافی ہوگا۔ "آپ قرآن آسان قاعدہ" میں لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالےٰ نے جب پہلی دفعہ قرآن نازل کیا۔ تو حضرت جبرئیل پڑھتے جاتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دہراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد بھی قرآن کی وحی اسی طرح نازل ہوتی رہی۔ یعنی قرآن لکھا ہُوا نازل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ منہ زبانی پڑھایا جاتا تھا۔" آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف پہلے تو منہ زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد لوگ لکھ کر اسے پڑھتے تھے۔"

ذرا اور آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"لکھنے کی ایجاد سے پہلے انسان کی قابلیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حکیم ارسطو کے بعد یونان میں کوئی اور حکیم نہیں ہُوا۔ اور مشہور ہے۔ کہ لکھنا اسی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے لوگ علم کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور زبانی پڑھنے کے سبب بڑے بڑے نامی حکیم و فلاسفر بن جاتے تھے۔ جب سے لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہُوا انسان کی علمی قابلیت کم ہوتی گئی۔" ان عبارتوں سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ (۱) آنحضرت نے حضرت جبرئیل سے علم الٰہی کی تعلیم پائی۔ (۲) یہ تعلیم قدیم طریق پر ہوئی۔ (۳) قدیم طریق ہی علمی ترقی کے لئے حقیقی طور پر موزوں ہے۔ (۴) فن تحریر بعد میں رائج ہوا رشیوں کا علم الٰہی کو شرتی ماننا بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس کو سن کر جاننا بہت مفید ہوا ہے۔ اور آنحضرت کو باوجود تحریر کا رواج ہونے کے طریق سماعت پر علم ملنا غیبی نعمت تھی۔

گویا قدیم رشیوں کے علمی کمال اور ان کی تصنیفات کی عظمت ہی اس طریق کی گواہ نہیں۔ حضرت محمد صاحب کی قابلیت بھی اسی کی فضیلت کی شاہد ہے۔

عادت کی غلامی سے بے شک تحریر نے خاص قابلیت کو کم کیا۔ لیکن حافظ کی کمزوری کے نتائج کے دفعیہ کے طور پر اس علم کو استعمال میں لایا گیا۔ جو ارسطو کی ایجاد نہیں بلکہ آغاز وا تے الہام کا جزو تھا۔ اور جس کے استعمال کی پہلے چنداں ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اسی مضمون میں خواجہ صاحب نے کان کے کام کو آنکھ کے کام سے مقدم ثابت کیا ہے۔ اس سے شرتی کی

عظمت اور بھی دوبالا ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت آنکھ اور کان دونوں کا کام ایک ہی درجہ پر ہے۔ انسان کے سر والے حصے میں یہ دونوں ایک سی بلندی پر ہیں۔ بلکہ آنکھ فرنٹ میں ہے۔ اور اگر کان کا ٹیلیفون ہر جگہ موجود ہے۔ جس میں ہزاروں میل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو دُور بین بھی تو ہے۔ جو سورج کے نظارے دکھاتی ہے۔ وہ سورج جس کی روشنی کی کرن فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے چلتی ہوئی ۴ سال میں زمین پر پہنچتی ہے۔ اور جہاں ایسے آلے ایجاد ہو رہے ہیں جو ہزاروں میلوں کی آواز سناتے ہیں۔ تو ایسے بھی تو آلے بن چکے یا بن سکتے ہیں۔ جو ہزاروں میلوں کی شکلیں بھی آنکھ کے سامنے کھڑی کرتے یا کر سکتے ہیں۔

مگر قطع نظر ایسے فروعی اختلاف کے ہم سمجھتے ہیں۔ قرآن شریف کے شان نزول کے متعلق خواجہ صاحب نے جو اصول واضح کیا ہے۔ وہ منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔ اور ہم ان سے پورا اتفاق کرتے ہیں۔ کہ قرآن حضرت جبرئیل سے آنحضرت کو پڑھایا گیا۔

۲۲۔ آیات و فرشتے کا نزول

صحیح طریق تعلیم کے علاوہ آیات کا نازل ہونا یا فرشتے کا اُترنا قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ ایسے خیال محض غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ خود قرآن علی الاعلان اس کے خلاف پوزیشن لیتا ہے۔

سورہ یونس آیت ۲۰ میں ہے۔

اور کہتے ہیں۔ کیوں اس کے خدا سے اس پر آیت نازل نہیں ہوتی۔ کہہ دو کہ تحقیق اللہ کے لئے غیب (اصل علم یا معانی) ہے۔ نہ کہ زبان والے الفاظ) (۱) اس سے پہلے یہ ذکر تھا۔ کہ سب انسانوں کا پہلے ایک ہی دھرم تھا۔ بعد میں اختلاف ہوئے۔ اور بغیر خدا والی سابقہ کلاموں کے ان کے درمیان فیصلہ نہ ہوگا۔ اس پر اعتراض ہوا۔ کہ رسول کی کیا پوزیشن ہوئی۔ اگر اس پر آئیتیں نازل ہوتیں۔ تو بات بھی ہوتی۔ جب پہلی کلاموں پر ہی انحصار ہے۔ تو رسول کو کیوں مانیں۔ اس کا جواب دیا کہ اصل علم یا معانی کا تعلق خدا سے ہی ہمیشہ ہے۔ وہی عالم الغیب ہے۔ اگر مجھ پر آئیت آتی ہی۔ تو بھی الفاظ سے بتا گیا۔ خالی الفاظ تو زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا آئیت نازل ہونے کا مطالبہ صحیح نہیں۔ آیات کے معانی پر نظر کرو۔ میں بھی اس میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سورۃ النسا آیت ۱۵۳ میں ہے۔ (۲)

اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ تم ان پر کوئی کتاب آسمان سے اُتارو۔ موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑی درخواست کی تھی۔ کہ ہمیں اللہ کے (مادی آنکھ سے) درشن کراؤ۔ انکے اس جہالت بھرے مطالبہ انہیں بجلی نے آپکڑا گویا اس قسم کے مطالبات ظلم یعنی گناہ میں داخل ہیں۔

سورۃ الانعام آیت ۷۔ ۸۔ ۹ میں کہا ہے۔

(۱) وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝

(۲) يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۝

اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی تم پر نازل کریں۔ اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اُسے چھو بھی لیں۔ تو بھی منکر یہی کہیں گے۔ یہ محض کوئی دھوکا ہے۔ اور کہتے اس پر فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم فرشتہ بھیجیں۔ کہ معاملہ کا فیصلہ ہو جاوے۔ تو یہ اسے دیکھ نہ پاویں۔ اور اگر ہم اسے نظر آنے والا فرشتہ بنائیں۔ تو وہ ایک شخص کی صورت میں ہوگا۔ اور جو شبہ اب کرتے ہیں۔ وہی پھر کریں گے (۱) کیا اس سے زیادہ کوئی صاف مضمون ہو سکتا ہے۔ نظر نہ آنے والے فرشتے آسمانوں سے آترتے ہیں۔ اس بناء پر فرشتے یا ان کے ذریعے آیتیں رسول پر اُتریں۔ اور اُستاد سے باقاعدہ پڑھائی نہ ہو۔ تو بے علم لوگ رسول کو مان لیں۔ اس سے پہلے قرآن میں کہا ہے۔ کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جیسا ہم کھاتے و پھرتے ہیں۔ ویسا ہی رسول کھاتا اور پھرتا ہو۔ تو اس کی خصوصیت کیا ہوئی۔ ان باتوں کی غیر معقولیت دکھائی گئی ہے۔ کہ فرشتے و آیتیں تو کیا لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اُترے اور وہ ہاتھ سے اسے ٹٹول بھی لیویں۔ تو بھی حجت باز لوگ نہ مانیں گے۔ یہی کہیں گے۔ ہمیں کوئی چالاکی یا دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی فرشتہ اُترے۔ تو تسلی ہو۔ لیکن اگر فرشتہ بھیجیں۔ جیسا یہ چاہتے ہیں۔ تو ان کو نظر نہ آئیگا اور اگر نظر آنے والا بھیجیں۔ تو وہ انسان کی شکل میں ہی ہوگا۔ اور یہ پھر کہیں گے۔ کہ یہ تو ہماری ہی طرح چلتا پھرتا ہے۔ غرضیکہ ایسے مطالبات و اعتراضات نہ سنجیدہ ہیں۔ نہ معقول۔

سورہ ھود آیت ۱۲ میں کہا ہے۔

جو کچھ تم پر وحی ہوا ہے۔ اس میں سے تو کچھ چھوڑ بیٹھے۔ اور تجھے دل میں ان کے اس کہنے سے رنج پہنچے۔ کہ کیوں اس پر خزانہ یعنی سارا علم نازل نہیں ہوا۔ یا اس کے ساتھ فرشتہ نہیں آیا۔ اس کے لئے سمجھ لے۔ کہ تو بس ڈرانے والا ہے۔ اور کل امور کا وکیل اللہ ہی ہے۔ (۲)

گویا رسول یا اُپدیشک کے لئے کامل علم کی ذمہ داری سمجھنا بھی غلط ہے۔

سورۃ الحجر آیت ۶ تا ۱۰ میں کہا ہے۔

کہتے ہیں۔ اے ذکر (الہامی علم) کے ظاہر یا منکشف ہونے کے دعویدار تو دیوانہ ہے۔ ۱۔ اگر سچا ہے۔ تو کیوں ہمارے پاس فرشتے نہیں لے آتا۔ ۷۔ ہم بھی فرشتے (رشی) ظاہر کرتے ہیں۔ علم حق کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ مگر وہ ایک دم علم بالمشافہ نہیں پاجاتے۔ تحقیق ہم نے ہی ذکر (الہامی علم) نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۹۔ اور تحقیق آغاز عالم والے گروہ میں تجھ سے پہلے ہم نے ایسے رشی بھیجے تھے۔ ۱۰۔ (۳)

ان آیات میں الہام الٰہی اور رشیوں کے متعلق انتہائی صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ

---

(۱) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۷ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۸ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۹

(۲) فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۱۲

(۳) وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۶ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ ... ۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۸ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۹ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۱۰

ایسے رشی جو ایک ساتھ آیات اور ان کے معانی کا علم بالمشافہ پا دیں۔ آغاز عالم میں ہی ہوتے ہیں۔ خدا ہی ان پر اپنے پچھے علم کا انکشاف کرتا ہے۔ اور وہی ابتدا میں اس کی حفاظت دوسرے عالموں کے ذریعے کرتا ہے۔ آیات تو پہلے والی ہی رہتی ہیں۔ مگر ان کے مفہوم کے متعلقہ غلطی وغیرہ کا تدارک رشیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ الفرقان آیت ۹ میں ان لوگوں کو بہکے ہوئے اور گمراہ کہا ہے۔ جو فرشتے خزانے یا باغ کا مطالبہ کرتے یا رسول کو مجنون یا جادو کا معمول سمجھتے ہیں۔

اس قسم کی تمام آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید یا رسول کہیں اس امر کے علاوہ کوئی پوزیشن نہیں لیتے۔ کہ حضرت جبرئیل کے ذریعے قدیم الہامی کتاب کا علم آنحضرت کو ملا۔ اور دعوے کرنا تو کہاں۔ اس کے ماسوائے کی ہر کہیں تردید ہی تردید ہے

۲۳۔ اصل حقیقت پر پردہ

اوپر کی دفعات میں جو کچھ بیان ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی اصل حقیقت پر پردہ پڑ گیا ہے۔ احادیث کے زیر اثر تراجم و تفاسیر نے علماء اسلام کو صحیح لائن پر قرآن سمجھنے کے ناقابل کر دیا ہے۔ چنانچہ چند مثالوں سے یہ امر عیاں ہو جائے گا۔

اوّل۔ تحویل قبلہ

سورہ البقر آیت ۱۴۲ میں کہا ہے۔

"بے عقل لوگ کہیں گے۔ کہ جس قبلے پر وہ تھے۔ اس سے کس وجہ سے منحرف ہوئے۔ کہدو کہ مشرق مغرب سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے۔ راہِ راست دکھائے۔" (۱)

یہ الفاظ بلا احتیاج غیرے اپنا مطلب صاف واضح کر رہے ہیں۔ کہ (۱) پہلے لوگ ایک خاص قبلے کی طرف دھیان کرتے تھے (۲) اس سے انہیں ہٹایا گیا تھا۔ ۳۔ نیا قبلہ یہ تھا۔ کہ خدا سب طرف ہے۔ مشرق مغرب جدھر چاہو۔ اس کا دھیان کرو۔ ۴۔ یہ تبدیلی قابل شکر یہ تھی۔ کہ خدا نے عنائیت کر کے سیدھا راستہ دکھایا۔ بہ الفاظ دیگر صراطِ مستقیم یہی ہے۔ کہ کسی خاص سمت کی طرف عبادت کی پابندی نہ لگائی جاوے۔

اس پر محض ایک سوال ہو سکتا ہے۔ کہ خاص قبلے سے انحراف ہونے کا ثبوت کیا۔ اگر یہ حدیث یا تاریخ کا واقعہ ہے۔ تو قرآن کے مفہوم کی تصدیق محتاج ہو گی۔ اس حدیث یا تاریخ کی۔ لیکن ہمارا جواب یہ ہے۔ کہ یہ تبدیلی خود قرآن میں اور جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ آیت نمبر ۱۱۶ سورۃ البقر۔ (۲)

اور کیا مشرق اور کیا مغرب سب سمتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس لئے جس طرف بھی منہ کرو۔ اُدھر ہی اللہ کا

(۱) سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

(۲) وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

سامنا ہے بتحقیق اللہ وسعت کل (سرودیاپک) اور علم کل (سروگیہ) ہے۔
آہ ! کیا معقول اور صحیح تعلیم تھی۔ سچے موحد کو عبادت کے لئے سمت کی پابندی چہ معنے۔ جب وہ ہر طرف، ہر کہیں موجود اور ظاہر باطن کا جاننے والا ہے۔ تو نمائشی سمت کی پابندی ہٹانا رسول صلعم جیسے حق پسند کا فرض تھا یہی کچھ انہوں نے کیا۔ اور اسی کی تائید و توضیح آیت زیر بحث میں ہوئی۔ لہٰذا سوال کا جواب قرآن میں پہلے موجود ہے۔
اب حدیث کے زیر اثر آیت ۱۴۴ کا تعلق آیت ۱۱۶ سے منقطع کر کے کہا گیا ہے۔ کہ
جب حضرت مکہ سے مدینہ میں آئے۔ تو سوا سال تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ پھر حکم آیا۔ پڑھو کعبہ کی طرف۔ تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے لگے شبہے ڈالنے کہ وہ قبلہ تھا۔ سب نبیوں کا اس کو چھوڑنا نشان نبیوں کا نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آگے ہی فرمایا۔ کہ لوگ یوں کہیں گے "
یہ سارا بیان صریحاً محدث کی افترا پردازی ہے۔ کیونکہ قرآن میں کہیں بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی باہمی تبدیلی یا اس کے متعلق اُوپر کی قسم کے شبہات کا ذکر تک نہیں۔ اس بیرونی مسالحہ کو وقعت دی جاوے۔ تو ایک تو اُس توحید پر حرف آتا ہے۔ جس کے شیدائی آنحضرت تھے۔ دوسرے قرآن میں اجتماع ضدین کا نقص واقع ہوتا ہے۔ کہ آیت ۱۱۶ میں تو ہر طرف کی آزادی دی۔ اور آیت ۱۴۴ میں خانہ کعبہ کی طرف کی پابندی لگائی۔
مختلف تراجم و تفاسیر میں ایسی غیر متعلقہ حدیث کے سہارے پر جو کچھ غیر معقول لکھا گیا ہے۔ ویدک تفسیر قرآن میں اس پر وضاحت سے بحث کی گئی ہے۔ یہاں صرف محض اصولی اشارہ دیا گیا ہے۔ کہ اس طرح کے دخل در معقولات نے رسول کی اعلیٰ تعلیم کی جگہ اسلام کو قابل اعتراض رواج کا شکار بنا رکھا ہے۔

دوم ۔ انفال

انفال جمع ہے۔ نفل کی۔ روزانہ فرائض سے زائد عبادت نفل ہے۔ اور ضروریات سے زیادہ مال خواہ وہ مال غنیمت ہو۔ خواہ کمایا ہوا۔ خواہ جمع شدہ عطیہ۔ سب نفل ہے۔ اور سورۃ الانفال میں اس کے متعلق فارغ اور بے غرض لوگوں سے سوال ہوتا ہے۔ کہ اس کا بہترین استعمال کیا ہو۔ اس کا جواب پہلی آیت میں دیا ہے۔ کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ یعنی یہ فاضلہ مال اللہ اور رسول کے لئے ہے۔
مہرشی دیانند نے اصول بتایا ہے۔ کہ وید منو وغیرہ کے شاستروں کے مطابق تارک الدنیا سنیاسی وغیرہ کو مالی مدد دی جاوے۔ کیونکہ وہی بے غرض طور پر اس دولت کو رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں۔ دنیا دار لوگ اپنی اغراض وغیرہ کے غلام ہونے سے اس پہلو میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ یہی کچھ سورۃ الانفال کی پہلی آیت کا منشا ہے۔ لیکن مفسرین اس حدیث کے زیر اثر اسے مال غنیمت یا جنگ بدر سے حاصل شدہ لوٹ کے مال پر عائد کرتے ہیں۔ کہ سورۃ الانفال جنگ بدر کے بعد اُتری۔ جب ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا۔ اوّل جہاد تھا۔ قریش سے۔ جن کے ظلم سے وطن چھوڑا گیا۔ مکے کے ادب سے ان پر چڑھ نہ سکتے تھے۔ مگر راہ باٹ پر مسلمان دوڑے دو تین بار۔ پھر دوسرے برس قریش کا قافلہ تجارت کو گیا۔ جب شام کو پھرنے لگا۔ حضرت رسول نے خود ان پر قصد کیا۔ مکے والے قافلے کی مدد کو آئے۔ قافلہ بچ نکلا۔ اور دو فوجیں ٹھہر گئیں۔ حق تعالےٰ نے فتح دی۔ ستر شریر کافر مارے گئے۔ اور ستر قید ہوئے۔ جنگ میں بعضے آگے

بڑھے۔ اور بعضے پشت پر رہے۔ مال غنیمت جمع ہوا۔ تو آگے بڑھنے والوں نے کہا۔ یہ ہمارا حق ہے۔ کہ فتح ہم نے کی۔ اور پشت والوں نے کہا۔ تم ہماری قوت سے لڑے۔ اس کا فیصلہ حق تعالیٰ نے اس آیت سے کیا۔ کہ یہ اللہ اور رسول کا مال ہے۔ کیونکہ فتح اسی کی ہے۔ ورنہ کسی کی پیش نہیں جاتی۔

لیکن اگر آیتوں کا شانِ نزول اس طرح مانا جاوے۔ کہ کسی خاص اُلجھن پر کوئی خاص آیت اُتری۔ تو اوّل تو یہ قرآن کے فرمان کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت یا فرشتہ کا اُترنا رسول پر اسے قبول نہیں۔ دوم اس سے قرآن کی تعلیم عالمگیر یا وسیع نہیں ہو سکتی۔ ہر آیت محض خاص واقعہ سے متعلق ہوگی۔ اور اس واقعہ کے بعد آیت کا عدم اور وجود برابر ہوگا۔ ہر امر کا فیصلہ اس کی اپنی مخصوص نوعیت سے ہوتا ہے۔ بقول

Each case must be determined by its own merits.

سوم۔ یہاں مال غنیمت کا تعلق ہی نہیں۔ نہ جنگ بدر کا کوئی بھی اشارہ اس آیت یا کل سورت میں ہے۔ اگر مال غنیمت کا ذکر ہوتا۔ تو تقسیم اور ہی ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری جگہ رسول اور خدا کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے۔ اور تضاد بیان کا نقص تقاضا کرتا ہے۔ کہ یہاں انفال کو فاضلہ دولت کے ہی معنی میں لیا جاوے۔ اور فیاض طبع فارغ لوگوں کا فاضلہ مال اشاعت حق کے لئے خدا اور رسول کے وقف ہو۔ مال غنیمت میں تو کئی حصہ دار ہیں۔ اور یہاں محض ایک ہی حصہ دہرم ارتھ کا ہے۔ فوجیوں کا کوئی حصہ مذکور نہیں۔

سورۃ الانفال کا سارا مضمون اشاعت حق یا حق و باطل کے فیصلے پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے انفال کو اسی کام کے لئے صرف کرنے کا قانون بتایا ہے۔ آیت ۲ نیز آیت ۳ میں کہا ہے۔ کہ مومن وہی ہے جن کا دل اللہ کا ذکر سنتے ہی پگھلتا اور آیات الٰہی سے ایمان میں ترقی کرتا ہے۔ عبادت کرنا۔ خیرات دینا ان کا کام ہے۔[1] آیت ۴ میں انہیں بخشش اور عزت کا مستحق بتایا ہے۔ آیت ۵ میں ہجرت سے گھر سے نکالا جانا۔ اور فساد سے بچنا بھی مومنوں کے لئے موجب فخر بتایا ہے۔ آیت ۶ میں کہا ہے۔ کہ لوگ حق کے متعلق تم سے بحث کرتے ہیں۔ حالانکہ حق کے بغیر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ اسی طرح دو فریقوں کا ذکر ہے۔ یعنی ایک حق پر دوسرا جھوٹ پر۔ ساتھ ہی یہ کہ خدا کو یہ منظور ہے۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کی حقانیت ظاہر ہو جاوے۔ اور کافروں کی بنیاد ہی قطع ہو۔ تا کہ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاوے۔ پھر اس کے بعد بھی مباحثہ وغیرہ مذکور ہے۔ پس سارا مضمون جنگ سے قطعاً الگ ہے۔ اور اشاعت حق یا کلام الٰہی سے مخصوص۔ اور اسی کے لئے اپنی طاقتیں اور دولت فاضلہ وقف کرنے کی یہاں ہدایت ہے۔

سوم ۔ حُوت

سورۃ الکہف میں ایک دلچسپ قصہ حضرت موسیٰ کے متعلق مذکور ہے۔ موسیٰ علمی تجسس میں لگے رہتے تھے۔

---

[1] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝

انہیں ایک مشہور عالم کا پتہ چلا۔ کہ وہ سمادھی میں ارہتوں کا سا کھشٹ کرتے ہیں۔ ان کی رہائش کے مقام کا پتہ لیا۔ تو معلوم ہوا۔ دو دریاؤں کے سنگم پر وہ رہتے ہیں۔ رستہ یا سڑک یا سواری کا انتظام نہ تھا۔ آپ اپنے نوجوان نوکر کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے چلدیئے۔ مشتری ستارہ جو برج حوت میں ہے۔ اس کی رہنمائی میں وہ سفر کرتے گئے۔ نوکر گھبرایا۔ تو انہوں نے کہا۔ کچھ ہی ہو۔ خواہ سالوں ہی کیوں نہ لگیں۔ میں تو وہاں پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ وہ مقام اتصال پر پہنچے۔ تو ستارے کو بھول کر ایک طرف چلدیئے۔ کچھ دور جاکر موسےٰ نے ناشتہ مانگا۔ تب نوکر نے کہا۔ ستارے کا تو اب پتہ نہیں لگتا۔ انکل سے آرہے ہیں۔ اس پر وہ اپنے قدموں کے نشانوں پر اُلٹے چلے۔ اور سنگھم تھان پر اس مہان پرش سے ملے۔ موسےٰ نے اپنے تئیں اس کا شاگرد بننے کے لئے پیش کیا۔ کہ مجھے بھی وہ علم سکھایئے وغیرہ۔ یہ قصہ اصحاب کہف کے عمل کے سلسلے میں ہے۔ اور اصحاب کہف جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے گپھا میں رہ کر عبادت الہی یا دھیان میں مگن رہنے والے لوگ تھے۔ انہی کے عمل کی دوسری مثال اس عالم کی دی ہے۔ اور اس پر خدا کی خاص رحمت کا ذکر کرکے کہا ہے۔ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا یعنی خدا نے اسے اپنی قربت (سمادھی) میں علم دیا تھا۔ لدنی علم کہتے ہی اُسے ہیں۔ جو روح میں خدا کی حضوری میں منکشف ہوتا ہے۔ اور بارہ برجوں میں سے مچھلی کی شکل والا برج حوت ہے۔ جسے سنسکرت میں مین راشی کہا جاتا ہے۔

اب اس بیان کو مفسرین نے کیا صورت دی ہے۔ قابل غور ہے۔ لفظ حوت کے معنے مچھلی ہیں۔ اور سفر کرتے ہوئے پہلے ستاروں کی رہنمائی میں چلنے کا دستور تھا۔ مشتری ستارہ اسی برج میں ہے۔ اس کو بھول کر قرآن کے لفظ حوت کے معنے مچھلی کے لئے گئے۔ اور حدیث بنی کہ موسےٰ نے خدا سے دعا کی۔ کہ اس بزرگ کو ملنے کا طریق مجھے معلوم ہو۔ تو خدا نے وحی کی۔ کہ ایک مچھلی ساتھ لے لو۔ اور اسے زنبیل میں رکھ لو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو گی۔ وہیں وہ ہوگا۔"

اگر مان لیا جاوے۔ کہ مچھلی اس غرض کے لئے تھی۔ تو مفسرین کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ غذا کے لئے اس نے مچھلی مانگی۔ اور نوکر نے کہا۔ کہ وہ تو فلاں مقام پر بھول گئی۔ یہ مچھلی غذا کے لئے مقصود ہی نہ تھی۔ پھر یہ پتہ ہی صحیح نہیں۔ کہ جہاں مچھلی گم ہو گی۔ وہاں وہ ہو گا۔ گم ہونے کا مفہوم پتہ نہ ہونا ہے۔ اور جب اس کے گم ہونے کا علم نہ ہوا۔ تو اس شخص کا پتہ کیا چلا۔ اگر چار دن تک انہیں گم ہونے کا علم نہ ملے۔ تو وہ تو چلتے ہی جائیں۔ اور گم ہونے کا علم ہو۔ اور وہ سمجھ نہ سکیں۔ کہ کس وقت اور کہاں گم ہوئی۔ تو اور بھی مشکل۔ مچھلی نے خود بتانا نہیں۔ کہ میں گم ہو رہی ہوں۔ اور اگر وہ بتائے۔ تو وہ اسے گم نہ ہونے دیں۔ پھر یہ بات بھی معقول نہیں۔ کہ کوئی بھی ایک مچھلی ہو۔ وہ اس عالم کی جگہ کے پاس جاکر گم ہو جاوے۔ اگر اس خاص واقعہ کے متعلق پیشگوئی مانی جاوے۔ تو وقت یا فاصلہ یا رستہ یا سمت نہ بتا کر مچھلی کی نشانی دینا۔ اور موسیٰ کو اصل مقام سے آگے نکل جانے اور پھر لوٹ کر آنے کی تکلیف دینا اچھا یا صحیح کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن خیر حوت کا ترجمہ مچھلی کرکے جو اور اختراع کی گئی ہیں۔ وہ محض اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ ایک غلطی کس قدر اور غلطیاں کراتی ہے۔ کسی کو خیال آیا۔ کہ مچھلی اگر غذا کے لئے تھی۔ اور وہ گھر سے لے کر چلے تھے۔ تو وہ ضرور تلی ہوئی ہو گی۔ یا غذا کے قابل   کسی نے کہا۔ مری ہوئی تھی۔ کسی نے کہا۔ تلی ہوئی۔ کسی نے کہا۔ بھنی ہوئی۔ کسی نے کہا۔ نمکین۔ مگر آیت ۶۰ کا ترجمہ یہ کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ مچھلی بھول گئے۔ تو اس نے چلتے چلتے اپنا رستہ دریا میں لیا۔ اس سے مردہ ہونے کی تردید ہوئی۔ اور اگر واقعی وہ مردہ ہوتی۔ تو ان کے

لوٹنے پر وہیں پڑی ملتی۔ اور گم ہو جانے کی بات غلط ہوتی۔ لیکن زندہ ماننے پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ پانی سے باہر زنبیل میں رکھی ہوئی مچھلی زندہ رہ نہیں سکتی۔ اور نہ دریا میں اپنا رستہ بنا سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ سوچا گیا۔ کہ تھی تو مردہ۔ مگر انہوں نے جب چٹان کے پاس زنبیل کو رکھا۔ تو وہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا۔ یوشع نے وضو کیا۔ اس کے وضو کے قطرے مچھلی پر پڑے۔ تو وہ زندہ ہو گئی۔ لیکن اگر ایسا ہو۔ تو وہ بھولی کیسے۔ اور اگر زندہ ہو کر کود پڑتی۔ تو موسیٰ اور اس کا نوکر دونوں کو پتہ لگتا۔ سو راوی صاحب ہیں۔ خوب زندہ دل۔ وہ پہلے ہی فرماتے ہیں۔ کہ ہاں مچھلی بھاگی۔ موسے اپیچھے دوڑے۔ وہ آگے آگے دریا میں جا رہی تھی۔ موسے اپیچھے پیچھے اپنے عصا سے دریا کو چیرتے جاتے تھے۔ حتےٰ کہ ایک جزیرے میں پہنچے۔ اور وہاں انہیں خضر سے ملاقات ہوئی۔ لیکن اس صورت میں مچھلی کے بھولنے والی بات رد ہوتی ہے۔ اور یوشع کے وضو اور آبِ حیات کے قطروں سے مچھلی کے زندہ ہونے کی بات بھی غلط ہوئی۔ کیونکہ چشمہ آبِ حیات تو اس جزیرے میں ہونا چاہیئے۔ جہاں خواجہ خضر رہتے ہیں۔ اور اگر دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر آبِ حیات تھا۔ تو یہ اس مشہور بیان کے خلاف ہے۔ کہ نہائت دشوار گذار اور پیچیدہ رستوں سے سکندر وہاں پہنچا۔ اور پھر بھی پیاسا لوٹا۔ غرضیکہ حوت لفظ کو خلاف مضمون معنے میں لینے سے کتنی ہی غلط بیانیاں ہوئیں۔ اور ان غلط بیانیوں کا اثر قرآن مجید کی تفسیر پر پڑنے سے اصل حقیقت پر بھی پردہ پڑا۔

چہارم۔ راز کی بات

سورۃ التحریم آیت ۳ میں یہ لفظ ہیں۔ "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا یعنی" نبی نے اپنی ایک عورت کو ایک بات بہ طور راز کے کہی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ نہ چاہتے تھے۔ کہ وہ بات ابھی باہر نکلے۔ لیکن اس نے وہ بات کسی قدر یا اشارۃً دوسری عورت کو کہدی۔ اگر بغیر کسی بیرونی خیال یا برے مذاق کے غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بات محض یہ تھی۔ کہ رسول صلعم دنیا داری یا بیویوں کے تعلقات کو اپنے مشن میں کچھ روک محسوس کر کے اس سے اوپر اٹھنا چاہتے تھے۔ پہلی ہی آیت میں یہ لفظ ہیں۔ کہ تو کیوں اپنے آپ پر حرام کرتا ہے۔ اس کو جو خدا نے تم پر حلال کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے۔ کہ تو اپنی بیویوں کی رضا چاہتا ہے۔ اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ علیحدگی کی وجہ کیا۔ جو شخص عورتوں پر ظلم یا سختی روا رکھتا ہو۔ اس کا طلاق دینا تو کچھ معنے بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے عمل سے گھر میں ناچاقی رہ سکتی ہے۔ لیکن جو شخص رضا جوئی کا عادی ہو۔ یا ان کی عزت کرتا ہو۔ اس کا جدائی کا خیال چہ معنے۔ اور اگر تنگی کا خیال ہو۔ تو خدا کی مغفرت اور رحمت سے مایوس ہونا بھی ٹھیک نہیں۔

راقم کا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ ایک بار ایک مشہور آریہ پُرش نے سنیاس لینے کا نشچے کیا۔ تو حالات کے تقاضا سے اس نے راقم کو کہا۔ کہ جب تک یہ ارادہ عمل میں نہ آوے۔ تب تک کسی اور کے پاس اس کا ذکر نہ ہو۔ سنیاس لینا کوئی برا کام نہیں تھا۔ کہ اسے چھپایا جاوے۔ تاہم حالات کا تقاضا اسی مصلحت کا متقاضی تھا۔ سو اگر رسول صلعم نے خانہ داری کے متعلق اپنے دلی خیال کو صیغہ راز میں رکھنا چاہا۔ تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ جب دوسری بی بی کے پاس ذکر ہو گیا۔ تو دونوں کو آپ نے کہا۔ کہ اگر اللہ کی طرف ہی تمہیں رجحان ہو۔ تو کوئی جھگڑا ہی نہیں۔ تم او بھر مائل ہی ہو۔ لیکن اگر رسول پر کوئی غلبہ یعنی مالی مطالبات وغیرہ کا بوجھ ڈالو۔ تو میں آپ کی مدد کے بغیر ہی اچھا۔ خدا جبرئیل۔ مومن اور

عالم لوگ مجھے مدد دینے کو کافی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ یہی چاہتے تھے۔ کہ ان کی بیویاں بھی اشاعت دین میں ان کی معاون ہوں۔ ورنہ باہم قطع تعلق ہو۔

آیت ۵ میں بھی اس کی تائید ہے۔ کہ اگر مجھے طلاق دینا ہو۔ اور خدا جبرئیل وغیرہ کی مدد کے علاوہ بیویوں کا تعاون حاصل کرائے۔ تو وہ بہتر بیویاں دے سکتا ہے۔ ان بیویوں کے جو وصف بتائے ہیں۔ وہ قابل غور ہیں۔

مسلم (خدا کی فرمانبردار) مومن۔ فنافی اللہ۔ گناہ سے تایب۔ روزہ دار۔ نیک چلن اور بیاہ میں بھی برہمچریہ کی پابند۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ دینی تعاون کے لئے ہی بیویوں کو ذوف رکھنا چاہتے تھے۔ نہ کہ نفسانیت کے لئے۔ اسی سورت میں آپ نیک اور بد عورتوں کی دو دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ لوط اور نوح کی عورتیں خدا کے صالح بندوں یعنی نیک اور عالم خاوندوں کی خیانت کر کے نرک کی مستحق ہوئیں۔ اور فرعون جیسے ناستک کی بیوی آسیہ خدا کی یاد اور اپنے نیک اعمال کی وجہ سے سورگ کی مستحق ہوئی۔ تو مریم نے خالص برہمچریہ کو پالا جس سے اس میں علم حق کا پاک روح پھونکا گیا۔ اور وہ خدا کی کلاموں اور کتابوں کی مصدق ہوئی۔

پس کل سورت کا مفہوم سورت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور اس کی تصدیق سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۸ و ۲۹ سے ہوتی ہے۔ وہاں بھی آپ نے اپنی بیویوں کو صاف کہا ہے۔ کہ اگر دنیوی زندگی کی زینت کی خواہاں ہو۔ تو میں تمہیں خوش اسلوبی سے رخصت کرنے کو تیار ہوں۔ اور اگر خدا اور رسول کی ہدائیت یا آخرت کی بہتری چاہو۔ تو ایسی نیک بخت عورتوں کو اللہ اجر عظیم دے گا۔

لیکن اس صاف اور صریح مطلب کو جو آیات خود واضح کرتی ہیں۔ چھوڑ کر مفسرین اور محدثین کہیں کے کہیں بھٹک رہے ہیں۔ آیت ۲ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے اپنی قسموں یا قول کا پورا کرنا تم پر فرض ٹھہرایا ہے۔ مفسرین سوچتے ہیں۔ کہ وہ قسمیں کونسی ہیں۔ لیکن کیا یہ صحیح نہیں۔ کہ شادی یا نکاح قول و قرار کا ہی نام ہے۔ جس کا نباہنا دونوں کا فرض ہے۔ اسی طرح وہ راز کی بات کیا تھی۔ وہ بیویاں کون ہیں۔ اس قسم کے سوالات کے متعلق کیا جواب دیئے جاتے ہیں۔ سن لیجئے۔

۱۔ صحیحین کی روایت ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے حج کے موقعہ پر حضرت عمر سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کا یہاں ذکر ہے۔ احسن التفاسیر میں ہے۔ کہ اس امر کے متعلق صحابہ کے زمانہ سے اختلاف تھا۔ اسی لئے اس دریافت کی ضرورت ہوئی۔ اور صحیحین کی روایت میں ایک بات ثابت ہونے سے اب بحث ضروری نہیں۔

۲۔ صحیحین میں شہد کا قصہ ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت زینب کے حجرے میں بیٹھتے۔ اور حضرت زینب شہد سے آپ کی خاطر تواضع کرتیں۔ حضرت عائشہ اور حفصہ کو یہ ناگوار تھا۔ انہوں نے باہم صلاح کر کے آنحضرت کو کہا۔ کہ آپ کے منہ سے اوپری بو آتی ہے۔ کیا آپ نے منافر (بدبودار گوند) کھایا ہے۔ انہوں نے کہا۔ منافر نہیں۔ ہاں حضرت زینب کا دیا ہوا شہد چاٹا ہے۔ اس کے بعد آپ نے شہد کو نہ چاٹنے کی قسم کھالی۔ اور حضرت حفصہ کو منع کیا۔ کہ زینب سے ذکر نہ کرنا۔ کہ انہیں رنج نہ ہو۔

بعض روایتوں میں بجائے زینب کے حفصہ کا نام ہے۔ اور صفیہ سودہ بنت زمعہ کو حضرت عائشہ کا ہمصلاح کہا ہے۔

۳۔ حرم کے چھوڑنے کا قصہ مختصر یہ ہے۔ کہ یہ حرم ماریہ قبطیہ بنت شمعون آنحضرت کی وہ حرم تھیں۔ جن کو مقوقس

والئے مصر و سکندریہ نے آنحضرت کے پاس بطور تحفہ کے بھیجا تھا۔ انہی کے پیٹ سے آنحضرت کے صاحبزادے ابراہیم تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے ان کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ آنحضرت کے پاس آئیں۔ اور واپسی پر اسے اپنے حجرہ میں دیکھ کر حضرت حفصہ رنجیدہ ہوئیں۔ اس پر آنحضرت نے ان کی دلداری کے لئے عہد کیا۔ کہ آئندہ ماریہ قبطیہ سے صحبت کا واسطہ نہ رکھیں گے۔ اور حضرت حفصہ کو اس کا کسی سے ذکر نہ کرنے کو کہا۔ احسن التفاسیر میں ہے۔ کہ اللہ غفور رحیم کا یہ مطلب ہے۔ کہ اے نبی اللہ کے تم نے اپنی بیویوں کی خاطر سے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو چھوڑ دینے میں جو ترک اولیٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کو معاف کر دیا۔

۴۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ بیٹھا۔ کہ میں نے تم کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا۔ تو یہ قسم ہے۔ کفر کا کفارہ ادا کر کے وہ شخص اپنی بیوی سے میل جول کر سکتا ہے۔ ماریہ قبطیہ سے صحبت نہ رکھنے کا عہد جو اوپر مذکور ہوا۔ اس کا کفارہ سورۂ مائدہ کے مطابق ایک غلام کا آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا دینا یا بصورت عدم معذرت تین روزے رکھنا ہے۔

۵۔ رازوالی بات کے متعلق زینب کی شہد کا چھوڑنا اور ماریہ قبطیہ سے الگ رہنے کے قصے کے علاوہ ایک روایت یہ ہے۔ کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکر اور عمر کی خلافت کا ذکر حضرت حفصہ سے راز کے طور پر کیا تھا۔ جس کا ذکر انہوں نے حضرت عائشہ سے کر دیا۔

۶۔ احسن التفاسیر خود صحیح، اللہ صفحہ ۳۷ پر لکھتا ہے۔ کہ اوپر کی دونوں آیتوں کی سند قابل اعتراض ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اللہ کے رسول کا یہ ایک راز تھا۔ جس کا چرچا صحابہ کے عہد میں بھی نہیں ہوا۔ پھر بعد کے لوگوں کو ان کی کوئی صحیح روایت کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے۔ کہ یہ دین کی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ دین کی کسی بات کو صیغۂ راز میں رکھنا نبی کا کام نہیں ہے۔

۷۔ بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ ان الفاظ میں کسی چیز کی تحریم کا ذکر ہے۔ ایک لچر قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ یہ واقعہ کسی صحیح طریق پر ہوا ہی نہیں۔ دیکھو روح المعانی۔ رہا شہد کو چھوڑنے کا قصہ یہ بھی بیان القرآن کی رائے میں محفوظ نہیں۔ کیونکہ قرآن میں شہد کی تعریف ہے۔ اگر آنحضرت کسی خاص قسم کی شہد کو چھوڑ دیتے۔ تو کچھ بات بھی ہوتی۔ مگر مطلق شہد کو چھوڑ دینا ناقابل قبول ہے۔ ایسا ہی حضرت عائشہ و حفصہ کا باہمی مشورہ سے غلط بات کہنا بھی بالکل فضول بات ہے۔

۸۔ بخاری کے حوالہ سے بیان القرآن دونوں عورتوں کے نام کے متعلق اور حضرت عمر کی اس معاملے کی تحقیقات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ حضرت عمر کسی طرح حضرت حفصہ رض کے پاس اور پھر ام سلمہ کے پاس گئے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کی بیویوں میں جو معاملہ ہو۔ تم اس میں بھی دخل دینے لگے۔ اس جواب پر آپ چپ چاپ واپس ہوئے۔ اور جلد بعد ان کے ہمسایہ نے خبر دی۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنی بیویوں سے الگ ہو گئے۔ تب انہوں نے سمجھا۔ اب حفصہ اور عائشہ کو خفت اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد حضرت عمر مدینہ میں آنحضرت کو بالاخانہ میں ملے۔ تو دریافت کرنے پر جواب ملا۔ کہ ہم نے طلاق نہیں دی۔ ہاں رسول اللہ صلعم نے قسم کھائی تھی۔ کہ ایک ماہ تک بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔

۹۔ اسی طرح واقعہ ایلا کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ اور آیت ۵ کے الفاظ "ان طلقکن" سے تمام بیویوں کے شامل

ذکر بھی مانا جاتا ہے۔ اور نسائی میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا میں نے اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو جھوٹ کہتا ہے۔ وہ تم پر حرام نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی لم تحرم ما احل اللہ لک۔

۱۰۔ کہاں تک لکھا جاوے۔ قریباً ہر لفظ اور ہر آیت کے متعلق جداگانہ اور طویل تاویلات ہیں۔ مرضات ازواجک کے لفظ پر بھی اس امر کا ابہام ہے۔ کہ کونسی بات یہاں عورتوں کی رضامندی والی مقصود ہے۔ ان تمام سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے بیرونی امداد حاصل کرنے میں دین حق کے نیز آنحضرت کے متعلق غلط فہمی اور اختلاف ہی پھیل رہا ہے۔

پنجم۔ جھوٹھی تہمت یا افواہ

سورۃ النور آیت ۱۱ تا ۲۶ میں مومنوں کے متعلق جھوٹھی افواہیں اڑانے یا تہمت لگانے کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک طرف تو ایسی باتیں اڑانے اور بلا مزاحمت اسے مان لینے والوں کو ڈانٹ بتائی ہے۔ دوسری طرف ان لوگوں کو جن کی بدنامی کی جاتی ہے۔ آیت ۱۱ میں سمجھایا ہے۔ کہ یہ باتیں اڑانے والے بھی باہر کے نہیں۔ تمہارے اپنے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ غیر واقفوں کا یہ کام نہیں۔ اس لئے ان کے اس عمل کو برا مناکر پھوٹ اور فساد کی ترقی کا موجب نہ ہو۔ بلکہ اسے اپنے حق میں بہتر سمجھو۔ کیونکہ آخر اس کے متعلق تمہاری پوزیشن صاف ہو گی۔ اور تمہیں سرخروئی ملے گی۔ اور جس نے شرارتاً جتنا حصہ تمہارے خلاف لیا ہے۔ حکومت وقت یا قانون الہی سے اسے اتنا ہی عذاب ملیگا۔ آیت ۱۴ میں بلا ذاتی علم یا تحقیق کئے کسی بات کو مان لینا یا اسے نقل در نقل کرتے ہوئے شہرت دینا نامناسب کہا ہے۔ چاہیئے۔ کہ اسے وہیں کا وہیں روک دیا جائے۔ ان آیات سے عام اصول کا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور قرآن کا ہر بیان محض اصول سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن مفسرین نے اس مفہوم کو ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کی زندگی کے ایک واقعہ پر چسپاں کیا ہے۔ ہماری رائے میں یہ ایک سنگین غلطی ہے۔ اور یہ امر کہ یہاں آنحضرت کو حضرت عائشہ کے متعلق کسی واقعہ کا خیال تک نہیں۔ اس امر سے ظاہر ہے۔ کہ آیت ۳۴ میں صاف لفظ ہیں۔ کہ تم پر یہ حق کو بیان کرنے والی آیتیں ظاہر کی گئی ہیں۔ نیز مثلاً مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ ان لوگوں کی شہادتیں جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ گویا آیات زیر غور کا تعلق یا تو آیات الہی سے ہے۔ یا گذشتہ لوگوں کے متعلقہ بیانوں سے اور صحیح جنسی تعلقات کے متعلق جو پر احتیاط بیان پہلے رشیوں نے قلمبند کئے۔ وہی ان آیات میں ہیں۔ لہذا حضرت عائشہ پر ان کو لگانا محدثین و مفسرین کی غلطی ہے۔

لیکن باوجود اس غلطی کے ہم اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اس مضمون کے متعلقہ حدیث کا مضمون قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ اسے

اسلام میں جنسی طہارت کے زبردست احساس کا ثبوت

سمجھ کر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔

"عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت جب باہر جاتے۔ تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا۔ اسے ساتھ لے

جاتے۔ اس کے مطابق ایک جہاد میں مَیں آنحضرت کے ساتھ گئی۔ اور اونٹ پر پردہ دار ہودہ میں سفر کیا۔ واپسی پر مدینہ کے قریب قیام ہوا۔ اور رات کے وقت ہی کوچ پکارا گیا۔ میں اس عرصہ میں رفع حاجت کو گئی۔ لوٹ کر آئی۔ تو گلے کا ہار دگلوبند نہ پایا۔ چنانچہ میں اس کی تلاش میں گئی جتنے میں میرا ہودہ اسی طرح اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ ان دنوں تنگدستی کی وجہ سے کھانا کم میسر آتا تھا۔ اور عورتیں ہلکی پھلکی تھیں۔ اس لئے بوجھ کا تفاوت معلوم بھی نہ ہوا۔ سمجھ لیا گیا۔ میں ہودہ میں ہوں۔ قافلہ چلدیا۔ میں لوٹ کر آئی۔ تو کسی کو نہ پایا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ معلوم ہونے پر میری تلاش ہوگی۔ اور وہ یہیں آئیں گے۔ اس لئے وہیں بیٹھ گئی۔ اتنے میں نیند آ گئی صفوان بن معطل اس لئے پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ کہ پیچھے سے گری پڑی چیز یا بھولے بھٹکے آدمی کا خیال رکھے۔ صبح ہونے پر وہ میرے قریب ہوا۔ اس نے مجھے پہچان کر اناللہ کہا۔ آیت حجاب کے نزول سے پہلے اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ میں اس کی آواز سے بیدار ہو گئی۔ اس نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مجھے اپنے اونٹ پر چڑھا لیا۔ اور نہ میں نے اس سے بات کی۔ نہ اس نے مجھ سے۔ دوپہر کے قریب تک مجھے فرودگاہ لشکر میں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جو بظاہر مسلمان تھا۔ یہ طوفان اٹھایا۔ اور مجھ پر تہمت لگائی۔ اور حسان بن ثابت اور سطح وحمنہ بنت جحش اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور اس بات کو مشہور کرنے والے ہو گئے۔ جب مجھے مسطح (حضرت ابوبکر کی خالہ یا ہمشیرہ کا بیٹا) کے ذریعے سے یہ خبر پہنچی۔ تو میری آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ مہینہ بھر یہی حال رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس التفات سے پیش نہ آتے تھے۔ میں نے آنحضرت سے میکے میں جانے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت نے اسامہ اور علی سے مشورہ کیا۔ اسامہ نے کہا۔ ہم نے سوائے بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی۔ حضرت علی نے بریرہ لونڈی سے پوچھا۔ اس نے کہا۔ سوائے اس کے میں نے عیب نہیں دیکھا۔ کہ کم سن لڑکی ہے۔ آٹا گندھا چھوڑ کر سو جاتی ہے۔ تو بکری کھا جاتی ہے۔ خیر مجھے دو راتیں اور ایک دن روتے گذر گئے۔ آنحضرت نے مجھ سے دریافت کیا۔ تو میں نے یہ جواب دیا۔ کہ اگر میں بریت کا اظہار کروں۔ تو کون مانیگا۔ اگر جھوٹ اقرار کروں۔ تو اللہ جانتا ہے۔ کہ سچ نہیں۔ پس میرے حضرت یعقوب والے ہی لفظ تھے۔ کہ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ چنانچہ اللہ نے مجھے مدد دی۔ اور میری سرخروئی ہوئی۔"

غیر شخص کا غیر عورت کے جسم کو چھونا۔ غیر مرد اور عورت کا باہم کلام کرنا ممنوع ہے۔ اکیلی عورت کا غیر مرد کے ساتھ ہونا شبہات کو پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت کا تہمت کے متعلق تحقیقات کرنا۔ اور اس دوران میں التفات نہ کرنا۔ اور حضرت عائشہ رض کا صبرِ جمیل اور خدا کے بھروسے پر اس مصیبت کے بعد سرخروئی پانا وغیرہ جملہ امور کیا قدیم سچی جنسی طہارت کی طرف ہی مائل نہیں کرتے۔ ساتھ ہی حضرت عائشہ کا تنگدستی اور عورتوں کے ہلکے پھلکے جسم کا بیان جہاں دنیوی نمود کے جذبہ کی تردید کرتا ہے۔ وہاں آنحضرت کے ایثار اور تبلیغی مشن کی نوعیت کا بھی صحیح پتہ دیتا ہے۔ بطور جملہ معترضہ یہ سبق آموز داستان پیش کر کے اخیر میں ہمیں پھر کہنا پڑتا ہے۔ کہ ام المومنین کو ان آیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر قرآن کا مفہوم قرآن سے سمجھنے کی عادت نہ رہنے سے یہی نتیجہ ہو سکتا تھا۔

۲۴۔ وید اور قرآن کے تعلق کی لاعلمی

تراجم و تفاسیر کا اصل قرآن کے مطابق نہ ہو سکنا۔ اس خاص وجہ پر بھی منحصر ہے۔ کہ معتقدان و پیروان اسلام کو وید اور قرآن کے باہمی تعلق کا علم نہیں رہا۔ حصہ اول کے باب سوم میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے۔ کہ عربی قرآن آغاز عالم سے ملے ہوئے الہام وید کا ہی معتقد اور اسی

ہاں محض اسی کی تعلیمات کی وجہ سے اپنی صداقت وغیرہ کا دعوٰے کرتا ہے۔ عالمان وید کے ساتھ علماء اسلام کا تعلق نہ رہنے سے اختلافات کا ہونا معمولی بات ہے۔ مگر ویدک تفسیر قرآن میں اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو نئے سرے سے قایم کر دیا گیا ہے۔ الکتاب کے لفظ سے وہ کتاب یا علم الٰہی مراد ہے۔ جو آغاز سے الہام میں ملا ہے۔ قرآن اس کو جابجا بے بدل کامل منزہ من الخطا کہتا ہے۔ اور مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس - ۹۴)

پس اگر تم کو کسی بات میں کوئی شک ہو۔ جو تمہاری طرف نازل ہوئی ہے۔ تو تم ان لوگوں سے جا کر پوچھ لو۔ جو تم سے پہلے کتاب الٰہی کو پڑھتے ہیں۔

منجملہ اور بہت سے ناموں کے وید کا نام ذکر بھی ہے۔ اور سورۃ النحل آیت ۴۲ و ۴۳ میں اوپر کی ہدایت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

پس اگر کوئی بات معلوم نہ ہو۔ تو مسلمہ صداقتوں اور کتابوں والے اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔

اس کے ساتھ ہی سورۃ عنکبوت آیت ۴۶ میں فرمایا ہے۔ کہ

اہل کتاب سے جھگڑا تکرار نہ کرو۔ ہاں بات کرو۔ تو شستہ طریق سے کرو۔

ایسی اعلٰی ہدایتوں کے خلاف جب۔ اہل کتاب سے نفرت ہو۔ اور خود اہل کتاب اپنے فرض سے غافل ہو کر قرآن کو ہی غیر سمجھتے ہوں۔ تو حقیقت تک رسائی ہونے کا محال ہونا اور فریقین کو ایک دوسرے کے ذریعے ان بنیادی غلطیوں پر مبنی تکالیف کا ملنا کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

۲۵۔ مقطعات

اُوپر کے بیان کی تصدیق کرنے کو وہ کلمات قرآن مجید کافی ہیں۔ جنہیں مفسرین حروف مقطعات قرار دیتے رہے ہیں۔ الٓمٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ صٓ۔ طٰہٰ۔ طٰسٓ۔ طٰسٓمٓ وغیرہ دراصل سب وید کے الفاظ ہیں۔ اور آنحضرت نے وید کے ساتھ اپنے اگادھ پریم کا ثبوت دیتے ہوئے کئی سورتوں کو وید کے لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ہر لفظ کی حقیقت ہم نے موقعہ مناسب پر واضح کر دی ہے۔ لیکن مفسرین وید کے تعلق کا علم نہ ہونے سے ان الفاظ کے معنے بیان نہیں کر سکتے۔ کہدیتے ہیں۔ ان کا علم خدا نے اپنے پاس رکھا ہے۔ لیکن ان کا کیا کل شبدوں کا صحیح علم خدا کے پاس ہے۔ سوچنا یہ ہے۔ کہ جو خدا تمام کلمات کا علم دیتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ وہ چند الفاظ کا علم اپنے پاس رکھ لے۔ انسان کو نہ دے۔ اس کی وجہ کیا۔ یہ پوزیشن قرآن پر تضاد بیان کا نقص عائد کرتی ہے۔ قطع تعلق اس کے زبان اور علم یا لفظ اور اس کے معنے کا تعلق ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور مہمل یا بے معنے الفاظ یا آوازیں انسان یا حیوان یا پرند نکال سکتے ہیں۔ کلمات الٰہی معنے و مفہوم سے جدا نہیں رہ سکتے۔ پس مقطعات کا لفظ محض طفل تسلی ہے۔ اور یہ الفاظ وید کے تعلق کو اصل قرآن میں اٹوٹ بتاتے ہیں۔ اور تراجم و تفاسیر اس کو توڑ رہے ہیں۔

۲۶۔ غیر معقولیت

منبع سے تعلق ٹوٹنے پر دریا کی روانی قائم نہیں رہ سکتی۔ انضباط اوقات اور قابلیت کے مطابق کام کی تقسیم کے بغیر۔۔۔ محنت کا صحیح استعمال نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے فرمان کے مطابق سورج سے جتنا دور ہوں۔ سایہ اتنا ہی زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ قانونی دفعات

کے بغیر مقدمات کے فیصلہ جات انصاف کے متعلق صحیح رہنمائی نہیں کر سکتے۔ بعینہٖ سچے اصولوں کا علم نہ ہونے سے مذہبی کتب مقدسہ کا غیر معقولیت سے تعلق ہونا لازمی ہے۔

مثال کے لئے دیکھئے (۱) علم الہی کو منزہ عن الخطا یا نر بھرانت کہنا بالکل بجا ہے۔ لیکن مفسرین کو اس کا علم نہیں۔ یا کم سے کم انہیں موقعہ مناسب پر اس اصطلاح کا تعلق جاننے یا جتلانے کی عادت نہیں۔ تو نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہی کہ کتاب الہی کے ساتھ لَارَیْبَ فِیْہِ (جس میں ریب یعنی بھرانتی نہ ہو) کے لفظ دیکھ کر بھی یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ اس کے کلام الہی ہونے میں شک نہیں۔ گویا بجائے کلام الہی کی خوبی بتانے کے محض حسن ظن یا پروپیگنڈا کا پارٹ ادا کیا جاتا ہے۔

۲۔ پھر تبلیغ حق کی غرض یہ ہے۔ کہ اختلافات دور کر کے وہ زمانہ لایا جاوے۔ کہ سب لوگ حق میں متحد ہو جائیں۔ ایسے زمانے کو بھی یَوْمٌ لَّارَیْبَ فِیْہِ اختلاف یا شکوک کے عدم والا زمانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن مفسرین کہہ دیتے ہیں۔ وہ دن جس کے آنے میں شک نہیں۔ یعنی موہومہ قیامت کا دن۔

۳۔ سورۃ البقر آیت ۲۳۰ میں کہا ہے۔

"پھر اگر طلاق بھی دی جاوے۔ تو وہ اس پر حلال نہیں رہتی۔ حتےٰ کہ بذریعہ نکاح اس کے علاوہ اور شخص کی زوجہ بن جاتی ہے۔ اب تو وہ (دنیا خاوند) ہی طلاق دے۔ تو اس کے پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنے میں گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اللہ کی حدوں پر قائم رہنے کی اُمید ہو۔ اور یہ حدیں اللہ سمجھداروں کے لئے بیان فرماتا ہے۔"

یہ مضمون طلاق کا ہے۔ آنحضرت کا مدعا یہ ہے۔ کہ نکاح مستقل عہد ہے۔ یہ ٹوٹنے نہ پاوے۔ اس لئے اگر میاں بیوی میں ناچاقی ہو۔ اور میاں کو بیوی کی علیحدگی کا خیال ہو۔ تو قرآن فرماتا ہے۔ جلد بازی سے کام نہ لو۔ نہ تنگ مزاجی سے۔ مثل سابق باہم نرباہ کرنے کی ہی سوچو۔ لیکن جذبات نے عقل پر غلبہ پایا ہو۔ تو زبان سے ہی طلاق کہہ دو۔ اور میل جول بھی بند کر دو۔ لیکن اپنی پوزیشن پر غور کرتے رہو۔ ایک دو دن نہیں۔ مہینہ بھر۔ جب بھی دل تمہارے صاف ہو جاویں۔ اور غصہ وغیرہ فرو ہونے پر تم ایک دوسرے کی قدر کرنے لگو۔ تم بدستور میاں بیوی ہو۔ لیکن اگر پورے مہینے میں بھی دل نہ بدلیں۔ تو بے شک پھر بھی طلاق کا ہی اظہار کر دو۔ لیکن پھر بھی نہ سمجھو۔ کہ تمہارا مکمل قطع تعلق ہو چکا۔ مہینہ بھر اور غور کرو۔ اور جب دل کو پلٹا ملے۔ دونوں طلاقوں کو بھول جاؤ۔ لیکن اگر تیسری بار بھی طلاق کا ہی نتیجہ ہو۔ تو بے شک مستقل طلاق دے دو۔ لیکن اس اجازت کے ساتھ شرع پھر اس سے اپیل کرتی۔ اور اسے نفع نقصان سمجھاتی۔ بلکہ غیرت دلاتی ہے۔ کہ اس امر کو سمجھ لو۔ کہ تیسری بار کے طلاق کا نتیجہ ہو گا۔ کہ تمہارا بیوی پر پہلے دو طلاقوں والا اختیار نہ رہے گا۔ اب وہ مختار ہے۔ اور شخص سے نکاح کرنے کے لئے۔ اگر تم بعد میں محسوس کرو۔ کہ غلطی ہوئی۔ تو اس کی تلافی نہ تمہارے ہاتھ رہے گی۔ نہ بیوی کے۔ تمہاری بیوی اب غیر کی بیوی ہے۔ وہ طلاق دے۔ تو تب تم اس سے پھر نکاح کر سکتے ہو۔ پس آیت ۲۳۰ میں جو غیر سے نکاح ہونے کا لفظ ہے۔ وہ نہایت معقول ہے غیرت سے اپیل کرتا ہے۔ اور خاوند کو مآل کار سے آگاہ کرتا ہے۔ گویا شرع کی اس انتہائی تحریک کا پتہ دیتا ہے۔ کہ وہ جیسے بھی بنے طلاق سے باز آ جاوے۔ اور منکوحہ بیوی سے بدستور نرباہ کرے۔ انتظام خانہ داری کے لئے یہ نہایت قیمتی ہدایت ہے۔ لیکن چونکہ قدیم تہذیب یا اصول کا مفسرین کا دماغ احساس نہیں کر سکتا۔ اس لئے محض وہ اس امر کو مانتے ہیں۔ کہ تیسری طلاق کے بعد عورت

حرام ہے۔ اور جب تک نئے خاوند سے نکاح نہ ہو۔ اور اس سے طلاق نہ ملے۔ تب تک پہلا خاوند اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس بناء پر حلالہ جیسی شرمناک رسم ایجاد ہوئی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ پختہ طلاق کے بعد اگر میاں بیوی پھر رجوع کریں۔ تو بیوی کا کسی غیر سے نکاح کرا دیا۔ اور ان کے جماع کے بعد طلاق دلا کر بیوی کو پہلے خاوند کے لئے حلال سمجھ لیا۔

معمولی سے غور پر اس کی غیر معقولیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیونکہ شرع جس عفت و عصمت کو محفوظ کرنے کے لئے طلاق پر پابندیاں عائد کرتی تھی۔ اور جس غیرت سے اپیل کرتی تھی۔ حلالہ سے اس کا ناش ہوتا ہے۔ اگر ایک پاک دامن عورت طلاق میں خاوند کو غلط فہمی کا شکار سمجھتی۔ اور خود صبر سے خدا کی یاد میں لگتی۔ اور کسی غیر سے بوجہ غیرت نکاح نہیں کرتی۔ اور کچھ عرصہ بعد غلط فہمی دور ہو کر خاوند بھی پچھتاتا۔ اور اس کی بے گناہی کا اعتراف کر کے اس کی تکلیف کے لئے معافی مانگتا ہے۔ تو بھی میاں بیوی رسم حلالہ کے زیر اثر مل نہیں سکتے۔ جب تک اس کے جذبۂ عفت کو غیر شخص سے ٹھکرایا نہ جاوے۔

۴۔ سورۃ البقر آیت ۲۲۲ و ۲۲۳ میں عورت مرد کے باہمی میل کے لئے بالکل ویدک طریق کی ہدائیت کی ہے۔ کہا ہے۔ کہ حیض کی حالت میں عورت سے صحبت نہ کرو۔ جب وہ حیض سے پاک ہو۔ تب ان کے پاس اس طریق سے جاؤ۔ جس کا کہ خدا نے حکم دے رکھا ہے۔ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ کے لفظ صاف قدیم طریق گربھادھان کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اور اگلے الفاظ میں بھی کہا ہے۔ کہ خدا انہی سے پیار کرتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرنے والے اور طہارت مجسّم ہیں۔ یعنی پاک۔ نیک چلن۔ پس جنسی تعلقات کے متعلق خدا کا فرمودہ طریق کہنے میں سب کچھ آجاتا ہے اس کے بعد سمجھایا ہے۔ کہ تمہاری عورتیں کھیتیاں ہیں۔ پس جاؤ۔ ان میں اس طریق پر جو تمہیں شایاں ہے۔ اپنے لئے عاقبت کا بھی بندوبست کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان رکھو۔ کہ تم نے اسی کے حضور جانا ہے۔ پس بشارت ہے مومنوں کے لئے

ان الفاظ میں بیچار کر کے عاقبت بگاڑنے کی بھی ممانعت ہے۔ اور اولاد پیدا کر کے عاقبت سدھارنے کی بھی ہدائیت ہے۔ نیز تقویٰ یا پرہیزگاری اور خدا کا خیال بھی دلایا ہے۔ کہ جو مومن یعنی ایمان والا ہو کر اس امر کی تعمیل کریگا وہی سکھ پائے گا۔ پھر آیت ۲۲۴ میں کھول کر کہا ہے۔ کہ نیکی اور پرہیزگاری لازمی ہے۔ یہ نہ سمجھو۔ کہ قول و اقرار سے کھلی اجازت عیاشی کی ملی ہے۔

اسی طرح سورۃ المائدہ میں حکم ہے کہ نکاح کے لئے ایسی مومن یا قدیم اہل کتاب کی لڑکیاں حلال ہیں جو محصن ہوں۔ یعنی کامل برہمچارنی۔ غرضیکہ وید اور قرآن دونوں میں ایک ہی ہدائیت جنسی تعلقات کے متعلق ہے۔ لیکن اِنّیٰ شِئْتُمْ کے معنی کئے جاتے ہیں۔ جدھر سے چاہو۔ اور باقی تمام ہدائیتوں کو بھول کر اکثر لوگ اس سے وہ بھدی تاویلیں پیش کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ تاہم واضح ہے کہ خدا کی طرف سے جو قانون ہے۔ اس کے مطابق انسان چلے۔ تو ٹھیک ہے۔ ورنہ وہ بدچلنی کا مرتکب ہے۔ وید میں ویریہ دان کرنے والے پُرش اور گربھ دھارن کرنے والی استری کو کئی مثالوں سے بیان کیا ہے۔ اور منو میں کھیت اور بیج کی مثال دی ہے۔ ادھیائے ۹ شلوک ۳۵ میں کہا ہے۔ عورت کو بمنزلہ کھیت اور مرد کو بمنزلہ بیج کے سمجھو۔ بہذا کھیت اور بیج ملنے سے تمام قسموں کی پیدائیش ہوتی ہے۔ پس جو لوگ قرآن کے فرمان سے منکوحہ بیویوں کی صحبت کی کھلی اجازت منسوب کرتے۔ اور گندی ہدائیتیں اخذ

کرتے ہیں۔ وہ ترجمہ تفسیر کی غیر معقولیت پر ہی مبنی ہیں۔

۵۔ سورۃ المایدہ آیت ۴ میں حلال چیزوں کا پتہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

یعنی ایک تو کل پاک چیزیں یا کمائیاں حلال ہیں۔ اور دوسرے خدا سے جو علم تجھے ملا ہوا ہے۔ اس کے مطابق دنیوی تعلقات رکھنے والی قوتوں کے ذریعے جو تمہارے علم میں آتی ہیں۔ حلال ہیں۔

طیب وہ ہے جس سے نہ گناہ کا تعلق ہو۔ نہ ناپاکی کا۔ ویدک لفظ بھکشیہ (قابل خوردنی) بلکہ سدا چار کی جگہ طیب لفظ ہے۔ جوارح مکلبین کے معنے ہیں۔ دنیوی سامانوں یا بھوگوں کی حریص قوتیں۔ عقل۔ دل حواس سب اس کے معنے میں ہیں۔ اسی کے ذریعے سے ہمیں دنیوی چیزوں کا علم ملتا ہے۔ اور خدا سے ملے ہوئے سچے علم کے نکتہ نگاہ سے کام لیتے ہیں۔ تو ان سے صحیح اور مفید علم اور عمل ہوتا ہے۔ ورنہ گناہ اور دکھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا ہے۔ کہ سچے علم کی رہنمائی میں اپنی جسمانی قوتوں سے حلال کا علم ملتا ہے۔ دل میں اگر جہالت یا بُرے خیال نہ ہوں۔ اور عقل کو علم الٰہی کی روشنی ملے۔ تو مفید اور غیر مفید کو صحیح طور پر جان کر انسان حلال کو قبول کرتا ہے۔ یہ یجروید کے پہلے منتر کے پہلے حصے کا مضمون ہے۔

इषे त्वोर्ज्जे त्वा वायवस्थ देवो वः सविता
प्रार्पयतु श्रेष्ठतम कर्मण ।

اِش نام ہے کل اشیائے عالم کا اور اورج نام ہے۔ ان پدارتھوں سے ملنے والے حقیقی فوائد کا۔ وایوہ نام ہے۔ کل انسانی قوتوں کا جن سے دنیا میں کام ہوتا ہے۔ ان کو ایشور کے قانون کے مطابق انتہائی نیک کرموں میں لگا کر اشیاء کو حاصل کرنا اور ان سے سکھ پانا انسان کا فرض ہے۔ اور یہی قرآن کا اُوپر کی آیت میں اصل مقصد ہے۔ لیکن قدیم سے مروج مذہبی اصطلاحات اور سچی ہدایتوں کو بھُول کر اب ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ خدا نے جو تمہیں شکار کا طریقہ سکھا رکھا ہے۔ اس کے مطابق تم نے جو شکاری کتّوں کو سدھا رکھا ہے۔ وہ جو شکار تمہارے لئے پکڑ رکھیں۔ وہ کھا لو۔ کیا انسان کو نیک عملوں کی بجائے درندگی کی تعلیم وہ کتاب مقدس دے سکتی ہے۔ جو مردار اور خون کو حرام کرتی۔ اور ہر امر میں پرہیزگاری اور خوف خدا کی طرف مائل کرتی ہے۔ گوشت کو قرآن غذائے طیب نہیں ٹھہراتا۔ حیوانوں کو باربرداری سواری کھیتی وغیرہ کے لئے مقصود بتاتا ہے شعائر اللہ کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔ اور سورۃ المایدہ کی تفسیر میں اس مضمون پر مفصل بحث ہے۔ باوجود اس کے تراجم میں غیر معقولیت کا آنا... قدیم تعلیم سے مترجمین کی بے توجہی کا ثبوت ہے۔

اسی آیت میں قرآن کہتا ہے۔ کہ صحیح علم اور محنت سے حاصل کی گئی کمائی سے کھاؤ۔ مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ جس سے تمہیں تسکین ملے۔ اور ساتھ ہی غذائے طیب کو ہنسایا ایذا رسانی سے بالکل پاک رکھنے کے لئے آیت ۵ میں اصل اصول یہ بتایا ہے۔ کہ

"آج تم پر پاک غذائیں حلال کی گئی ہیں۔ اور کتاب الٰہی والوں کا کھانا تم پر اور تمہارا ان پر حلال ہے" اس سے قطعی فیصلہ ہے۔ کہ قدیم ویدک دھرمیوں والا اصول ہی قرآن میں مدنظر ہے۔ اور اس کے خلاف تاویلیں غیر معقول ہیں۔

۲۷۔ حاصل کلام

وید اور قرآن نام کی ہر دو کتب مقدسہ کے متعلق راقم نے گذشتہ ۴۵ سال میں شبانہ روز کی مذہبی جد و جہد سے جو علم اور تجربہ حاصل کیا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ ویدک دھرمی یعنی آریہ و غلطُ العام ہندو) لوگ اور مسلمان بھائی یعنی پیروان حضرت محمد صاحب حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی دھرم یا دین کے پیرو ہیں۔ قانون الہٰی کے مطابق اپنے اعمال کی سزا بھوگنے کے لئے عقل اور ذہنیت میں مختلف ہو کر ایک دوسرے فریق کے ذریعے تکلیف یا دکھ پانے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور بغیر خدا کی عنائیت کے ان کا اپنے واحد دھرم پر متحد ہونا ناممکن ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ خدا کی عنائیت کیسے ہو یا اس نعمت کے مستحق ہم کیسے بنیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے میری سمجھ میں کوئی نہیں آتا۔ کہ وہ یگانگت جو بنی نوع انسان کی فطرت میں ہے۔ یا وہ واحد سچی تعلیم جو فریقین کی کتب مقدس میں ہے۔ اپنی پوری عظمت کے ساتھ دلوں پر قبضہ کرے۔ اور عقلوں کو روشن۔

وید فرماتا ہے۔ اس کلیانی بانی کو مرد عورت ادنےٰ اعلےٰ تمام انسانوں تک پہنچاؤ۔ قرآن فرماتا ہے۔ رسول یا عالم لوگ تبلیغ حق کرتے جائیں۔ یہ فکر کوئی نہ کرے۔ کہ لوگ حق پر چلتے ہیں۔ یا نہیں۔ بس حق ان تک پہنچا دو۔ آگے وہ جانیں اور خدا۔ شاستر کا قول ہے۔ کہ وعظ حق کے سلسلے سے ہر کامیابی ہوتی ہے۔ ورنہ اندھ پرمپرا چلتی ہے۔ پس فرض اپنا ظاہر ہے۔ مگر کمزور زبان کی پکار موجودہ شور و شر میں سنی جانی محال ہے۔ نقار خانہ کہاں اور طوطی کی آواز کہاں۔ اس لئے حصول مطلب کے لئے تحریر کی لمبی اور دیر اور دور تک پکار کرنے والی زبان کو کام میں لاتا ہوں۔ اور اصول کے لحاظ سے فریقین کو کبیر کے اس عام فہم قول کی سپرٹ کا خیال دلاتا ہوں۔ کہ

سونا ایک کہن کو گہنا۔ ان میں بھید نہ دُوجا
کہن سنن کو دو کر راکھے اس نماز اس پُوجا

کاشکہ اختلاف زبان وید و قرآن کے اندر ہمارے مخاطب تعلیم کی یکسانیت کو سمجھ سکیں۔ اور زبانوں کی عدم مطابقت کے علاوہ مصنفوں اور مترجموں کے علمی عقلی ذہنی۔ اخلاقی اختلافات اور انقلاب حالات کے تمام پردوں کو دُور کر کے اصل حقیقت کو بھانپ سکیں۔

میرا یقین ہے۔ کہ لیٹر میں کتنا بھی اختلاف ہو۔ سپرٹ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور اس لئے زبان اقوال اور ظاہری ارکان کو چھوڑ کر میں نے یکساں موجود سپرٹ کو ہی مقدم رکھا ہے۔ اور اگر آریہ اور مسلم علماء لفظ فروعات کے وسیع مفہوم کو سمجھ کر اصول کی عظمت کا ہی احساس کریں۔ تو ان کی متفقہ مساعی جمیلہ سے دنوں میں ہی انسانی جماعت کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

۲۸۔ تیر نشانے پر

حضرت رسول صلعم نے کل انسانی جماعت کو متحد کرنے کا جو طریق سوچا۔ وہ قرآن میں موجود ہے۔ اور حصہ اوّل کے پہلے باب میں مذکور۔ آپ کے بعد صدیوں تک عرب کا مذہبی تعلق بھارت ورش سے جاری رہا۔ خلیفہ ماموں و ہارون رشید کے عہد میں ویدک وِدوانوں کو بڑی عزت سے عرب میں بلا کر کتنی ہی علمی کتابوں کے سنسکرت سے عربی میں ترجمے ہوئے۔

بعد میں حالات بدلے۔ اور ایک ہزار سال سے عجیب و غریب انقلا[illegible] ہیں۔ تاہم تاریخ سے

واضح ہوتا ہے۔ کہ مختلف وقتوں میں کم وبیش احساس اتحاد کے لئے موجود رہا ہے۔ اور بھلا ہو سوامی دیانند کا جس نے فراموش شدہ وصل کے جذبہ کو زور سے تحریک دی۔ اور نکتہ چینی کے ذریعے اختلافات کو مٹا کر متحد ہونے کا خیال پیدا کیا۔ ہمارے ملک میں کئی اور شخصیتیں اور سوسائیٹیاں بھی ہیں۔ جو اتحاد کے جذبہ کے زیر اثر تحقیق حق و باطل سے بھی گریز کرتی ہیں۔ پولیٹکل اغراض کی ترغیب اسی اتحاد کے لئے پیش نظر ہے۔ نہ صرف ہندوؤں میں مسلمانوں میں بھی تبلیغی طاقت کو بھی بعض لوگ اتحاد کے لئے استعمال کرتے ہیں تئیس چوبیس سال پہلے ہمیں رنگون سے نکلنے والے رسالہ اتحاد مذاہب عالم کے ایک دو پرچے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس میں بھی قرآن کی تعلیم کو وید کے مطابق دکھانے کے اشارات تھے۔ اور تو اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی اس فانی جسم کو چھوڑنے سے کچھ دیر پہلے پیغام صلح میں اس اٹوٹ تعلق کو واضح کیا۔ رسالہ ادیب الہ آباد دسمبر ۱۹۱۳ء میں سید محمد علی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کے مضمون " ہندو مسلمانوں کی مماثلت " نے ہمارے دل پر خاص اثر کیا۔ اس میں آپ نے پہلے تو یہ واضح کیا۔ کہ

ہندوؤں کی بت پرستی محض صفات الٰہی کے بیان کے لئے کارٹونوں کی صورت میں جاری ہوئی تھی۔ مورتی کے ایک ہاتھ میں اناج کا خوشہ دے کر ظاہر کیا گیا۔ کہ رزق پرمیشور کے ہاتھ میں ہے۔ یا وہ سرو مالک ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں تلوار دیکر ظاہر کیا گیا۔ کہ پاپیوں و ظالموں کا ناش کرنے والا وہی ہے۔ اور پھول اس کے تیسرے ہاتھ میں دے کر بتایا گیا۔ کہ وہ رحمی یا دیا کا مجسمہ ہے۔ وغیرہ اخیر میں یہ مصرع دیتے ہیں۔

مع۔ دوئی را چوں بدر کردم یکے دیدم دو عالم را

اس کے بعد دونوں مذاہب کی تعلیم کو باہم مطابق ثابت کرتے ہیں۔ بدیں الفاظ ۱۔ منو کا پنج یگ شارع اسلام کی پنجگانہ نماز ۲۔ اہل ہنود کا آچمن اسپرش۔ مسلمانوں کا وضو و مسح (۳) ہندوؤں کا اشنان اہل اسلام کا غسل۔ ۴۔ اہل ہنود کا شوچ۔ مسلمانوں کا تیمم ۵۔ ہندوؤں کا لنگا۔ مسلمانوں کا استنجا ۶۔ ہندوؤں کا جپ۔ مسلمانوں کی تسبیح و تہلیل ۷۔ اہل ہنود کا پاٹھ۔ مسلمانوں کی تلاوت ۸۔ ہنود کا برت۔ مسلمانوں کا روزہ۔ ۹۔ ہندوؤں کا دان پن۔ مسلمانوں کی خیرات زکوٰۃ ۱۰۔ ہندوؤں کا بلیدان۔ مسلمانوں کا صدقہ۔ ۱۱۔ ہندوؤں کی تیرتھ یاترا۔ مسلمانوں کا حج۔ ۱۲۔ ہندوؤں کی پردکشنا۔ مسلمانوں کا طواف ۱۳۔ ہندوؤں کا پرائشچت مسلمانوں کا کفارہ ۱۴۔ ہندوؤں کا شرادھ۔ مسلمانوں کی فاتحہ۔ ۱۵۔ ہندوؤں کا بیکنٹھ نرک۔ مسلمانوں کی جنت۔ دوزخ۔ ۱۶۔ ہندوؤں کا اچھے بٹ۔ مسلمانوں کا طوبےٰ ۱۷۔ ہندوؤں کی اپسرا۔ دہرم راج دگن۔ مسلمانوں کی حوریں۔ رضوان و ملائکہ ۱۸۔ ہندوؤں کی آکاش بانی۔ مسلمانوں کا الہام و القا۔ ۱۹۔ ہندوؤں کے چتر گپت۔ مسلمانوں کے کراماً کاتبین ۲۰۔ ہندوؤں کے جم راج۔ مسلمانوں کے عزرائیل ۲۱۔ ہندوؤں کی بیترنی۔ مسلمانوں کی پلصراط ۲۲۔ ہندوؤں کا مدھکر کنڈ۔ مسلمانوں کا حوض کوثر۔ ۲۳۔ ہندوؤں کا کلپ برکھش۔ مسلمانوں کا سدرہ۔ ۲۴۔ ہندوؤں کی بارنی۔ مسلمانوں کی شراب طہور ۲۵۔ ہندوؤں کا کیلاش۔ مسلمانوں کا عرش عظیم ۲۶۔ ہندوؤں کا بوان۔ مسلمانوں کی معراج۔ ۲۷۔ ان کا گیان۔ ان کا عرفان ۲۸۔ ان کا دھیان ان کا مراقبہ۔ ۲۹۔ ان کا گورو چیلا تھا۔ ان کے پیر فقیر۔ ۳۰۔ ان کے کلکی اوتار۔ ہمارے حضور

محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کے والد کا نام وشنو داس ہوا۔ وشنو کے معنے اللہ اور داس کے معنی عبد یعنی عبداللہ نام ہوا۔ ماں کا نام سومتی یعنی امانت دار ہوا۔ سو حضور کی والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔ حضرت نے غارِ حرا میں عبادت کی۔ پرشرام یعنی پرش کہتے ہیں۔ روح کو رام اللہ کو جبرئیل سے تعلیم پائی۔ حضرت جبرئیل سب سے پہلے وحی لے کر آئے وغیرہ

اس کے علاوہ مذہبی رسالہ جات اور دیگر آریہ مسلم ہندو لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلے ہوئے الفاظ و مضامین بھی پڑھنے اور سننے آرہے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ خاص شخصیتوں کے جذبات کی شہادت تھی۔ سچا میل ہونے کے لئے ایک ہی قسم کی تعلیم لازمی امر ہے۔ یہ بات میرے خیال میں ناممکن تھی۔ اور دوسرے لوگوں کے نقطے ہر پہلو سے اب بھی ناممکن ہے۔ لیکن ہزار شکر ہے۔ اس پرمیشور کا جس کی عنایت سے ساری مشکل حل ہوتی ہے۔ اور غیر ممکن بھی ممکن اور امر واقع ثابت ہوتا ہے۔ تیر ٹھیک نشانہ پر لگتا ہے۔ اور اختلاف چکنا چور ہو تے ہیں۔

۲۹۔ مصنف کی پوزیشن

"آخری عمر میں لکھشمن کو کیا ہو گیا۔ ساری عمر تو قرآن کے خلاف اب اسے ایک دم وید کے مطابق کہتا ہے۔ یہ ہے وہ ریمارک جو ہم پر بعض اپنے احباب سے پاس ہوتا ہے۔ مگر ہماری شکایت ہے۔ کہ ان حضرات نے آریہ سماج کے اس نیم کو محض کاغذ کی زینت سمجھا ہے۔ کہ

سچ کو قبول اور باطل کو ترک کرنے میں ہمیشہ مستعد رہنا چاہئے۔ اپنے سابقہ خیالات کی طرفداری سے بچ کر ایکدم غلطی کو ترک کرنے کی جرأت کرنا مبارک ہے۔ لیکن ہم اس کریڈٹ کے مستحق نہیں۔ ہم نے اپنے سابقہ خیالات کی طرفداری سے لگے قابو حق کو دل پر غلبہ پانے نہیں دیا۔ پچیس سال سے زیادہ عرصہ سے ہمیں قرآن میں ویدک صداقتوں کی موجودگی کا علم ہو رہا ہے۔ مہرشی دیانند کے مکمل جیون چرتر کے دیباچے میں جو ہم نے ۱۹۱۴ء میں لکھا۔ اس قسم کے حوالہ جات موجود ہیں۔ اس کے بعد ویدک سدھانتوں کی دیا پکتا۔ سار و جنک دھرم (ہندی) اسلام میں جلوۂ وید میں بھی ہم نے کئی اوریں ویدک دھرم اور اسلام کی مطابقت واضح کی۔ مرحوم پنڈت دھرم بھکشو جیسے مشہور و معروف مناظر کو ۱۹۲۵ء اس بطور ایڈیٹر آریہ مسافر ہمارے پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ تو باہمی بات چیت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب میں اس مطابقت کو واضح کیا۔ ویدوں کا عربی مبلغ یا کیا محمد صاحب آریہ تھے؟ اس کتاب کا نام تھا۔ مگر باوجود اس کے ہم اس مطابقت کو جزوی سمجھتے رہے۔ بہیئت مجموعی ہماری رائے اسلام کے خلاف ہی رہی۔ ۱۹۳۴ء کی گرمیوں میں سوامی دیانند اور وید کے مضمون پر غور کرتے ہوئے ایکدن اندر یہ تحریک ہوئی۔ کہ اگر ویدوں پر صدہا اعتراضات ہوتے ہوئے مہرشی دیانند یہ ثابت کر سکے ہیں۔ کہ مول وید کی پوزیشن اور ہی ہے۔ تو کیا قرآن کو تراجم و تفاسیر کی بناء پر مخالفت کا نشانہ بنائے جانا معقول ہو سکتا ہے۔ جب بالخصوص یہ خیال آیا۔ کہ مطابقت کے اس قدر ثبوت اتفاقیہ نہیں ہو سکتے۔ اس پر ہم نے محض آیات قرآن پر موقعہ و محل کے لحاظ سے لغات وغیرہ کی مدد سے غور کرنا شروع کیا۔ اور جب دو تین امور میں مسلسل غور و فکر کے بعد عقدہ حل ہو گیا۔ تو حسن ظن اور بھی بڑھا۔ اور ہمیں قرآن مجید کے مطالعہ میں زیادہ سے زیادہ وقت دینے میں خوشی محسوس ہونے لگی۔ حتیٰ کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کو عبور کر کے ہم نے آخر اسلام کی وہ نورانی صورت دیکھی۔ جو ہوبہو اس فوٹو سے ملتی تھی۔ جو ویدک دھرم کا ہمارے دل پر کھچ رہا تھا۔ اور اس

نظارے نے ہمیں وہ اطمینان قلبی بخشا۔ جو عمر بھر کی مذہبی تحقیقات سے نصیب نہ ہوا تھا۔ اے کاشکہ ریمارک پاس کرنے والے بھائی بھی اب اس نظارے کو دیکھ سکیں ؀

۳۰۔ طرفداری کا مرض

مہرشی دیانند کا طرز عمل اور آریہ سماج کے نیم تمام ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہم تحقیق حق کے لئے بالکل غیر جانبدار رہیں۔ دہرم کا لکھش ہی بے رو رعایت اور حق و انصاف پر مبنی رہیہ ہے۔ لیکن ہم آریہ لوگوں نے مہرشی دیانند کے بعد عیسائی مشنری سوسائٹیوں کی تقلید میں ویدک مشن کی کامیابی سمجھی۔ آریہ سماج کے گرد انسٹی ٹیوشنوں نے گھیرا ڈال لیا۔ مجلسی تعلقات اور مالی ضروریات نے ہمیں ہندو فریق کے ساتھ جکڑ دیا۔ ہر ہندو پرویش پتر پر دستخط کر کے آریہ سماج کا ممبر بنا۔ مگر مسلمان کے لئے علمی طور پر فضیلت رکھنے پر بھی خاص رسوم کی پابندی لازمی ہوئی۔ پولٹیکل حقوق کے لئے بھی آریہ لوگ ہندوؤں میں شامل ہونے لگے۔ کہیں مسلمانوں کے مظالم کی یاد ہوئی۔ کہیں ہندو مندروں کا معاملہ پیش آیا۔ کہیں اردو اور ہندی کا جھگڑا ہوا۔ اور اس طرح آریہ لوگ عموماً اپنی عالمگیر دھارمک پوزیشن کو چھوڑ کر اینٹی محمڈن سے بننے لگے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ جس جدائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے مہرشی دیانند نے اسلام پر نکتہ چینی کی جس وصل کی امید پر پنڈت لیکھرام نے انتہائی جدوجہد کی۔ آریوں کے دلوں سے وہ خیال دور ہو رہا ہے۔ پنڈت لیکھرام نے دردبھرے الفاظ میں اپیلیں کیں۔ کہ "اے محمدی بھائیو! ہمارے بچھڑے ہوئے دوستو! آریہ سنتان کے ٹکڑو اور بھارت کے لخت جگرو!! ہندوستان کے پیارو!!! پرماتما نے آپ کو اور ہم کو ایک ہی قسم کے عناصر خمسہ سے پیدا کیا۔ ایک ہی دانہ پانی ہمارے لئے مستعمل ہے۔ ایک ہی ہوا پر ہماری گذران ہے۔ ایک ہی زمین ہماری استراحت کو ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم کیوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ بھائیوں کو قصائیوں سے بدتر مخالف جانتے ہیں۔ باوجود قدرتی تعلقات کے ہم بعد المشرقین کی مساخت میں پڑے ہوئے ہیں....

اوہ! کہاں یہ اپیلیں۔ کہاں دھرم یا مذہب کی اصل بنیاد توحید پر ہمارا اتفاق۔ کہاں بت پرستی وغیرہ مشرکانہ عملوں کی بیخ کنی کے یکساں ذمہ وار آریہ اور مسلمان اور کہاں ہماری موجودہ خود فراموشی۔ اے کاشکہ آریہ لوگ طرفداری بھی کرتے۔ تو ہندوؤں کو بت پرستی کے عیب سے بے عیب کر کے۔ سوامی دیانند صاف کہتا ہے کہ آریہ ورت کی روزمرہ سخت تنزلی اور بت پرستوں کی شکست ان کے ایسے ہی برے عملوں کی وجہ سے ہے۔ مورتی پوجا وغیرہ کو نہ چھوڑیں گے۔ تو زیادہ سے زیادہ نقصان اور سزا پائیں گے۔ پس آریوں کو دور اندیشی سے کام لینا چاہئے۔ اور طرفداری کے مرض کا ہماری اس تصنیف کے نسخہ اکسیر سے جلد از جلد دفیعہ کر کے اپنی عالمگیر محبت اور اخوت کا ثبوت دینا چاہئے۔ اور یہ جان کر خوش ہونا چاہئے۔ کہ اسلام وہ نہیں جو قرآن کے تراجم تفاسیر و احادیث ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ دین اسلام وہ ہے۔ جو وید اور برہما وغیرہ رشیوں کے فرمودہ یا ان کے صحیح مانے ہوئے دھرم کے مطابق عربی قرآن میں مذکور ہے۔

۳۱۔ ویدک تفسیر ہی کیوں صحیح ہے

ایک اعتراض ہمارے سامنے یہ آتا ہے۔ کہ اگر کل تراجم اور تفاسیر ناقص ہیں۔ تو آپ کا ترجمہ و تفسیر صحیح ہونے کا ثبوت کیا ہے۔ اگر اور مفسرین حضرت محمد صاحب یا جبرئیل کے مطابق علم نہ رکھنے سے قرآن مجید کو سمجھ نہیں سکے۔ تو آپ کے اسے صحیح سمجھنے کا یقین ہم کیسے کریں۔ اس

کا جواب اس دیباچے میں موجود ہے۔ اور مصداق

ع　مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

یہ تفسیر خود اس کا جواب ہوگی۔ لیکن جو لوگ بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر کے اعتراض کرنے کے عادی نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے حسب ذیل دلائل اشارۃً پیش کی جاتی ہیں۔

اول۔ صحیح ترجمے کے لئے پہلی لازمی شرط یہ ہے۔ کہ اصل مصنّف کی صحیح پوزیشن کا مترجم کو احساس ہو۔ اور اس کی رہنمائی میں تبادلہ الفاظ ہو۔ نہ کہ خالی لفظی تبدیلی پر انحصار ہو۔ مثال کے لئے رسول صاحب کی عالمگیر اتحاد کی پوزیشن کو زیر نظر رکھ کر ترجمہ نہ کیا جاوے۔ تو جن آیات میں لوگوں کو جمع کرنیکا بیان ہوگا۔ ایک دھرم میں ان کے شامل ہونے کی بجائے اور کا اور مفہوم ان کا اپنے تخیلات کے مطابق مترجم لیگا۔ چنانچہ میدان حشر میں دنیا کے خاتمہ پر مردوں کا اکٹھا کیا جانا ایک ایسا ہی خیال ہے۔ جس کے خلاف ہمارا ترجمہ صریح اتحاد کا بیان کرتا ہے۔

دوم۔ خدا اور اس کے الہام کا قایل و عالم ریفارمر ہمیشہ عالمگیر اصولوں کی تبلیغ کرتا ہے۔ اور انسانی مذاہب کے نمائندے شخصی تذکروں سے مردم پرستی اور پھوٹ وغیرہ بڑھاتے ہیں۔ قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۶ میں نہایت خوبی کے ساتھ بتاتا ہے۔ کہ اس میں ایک تو محکم آیتیں ہیں۔ اور دوسری متشابہ گمراہ یا کم علم لوگ متشابہ کی مختلف تاویلات سے دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں بہ الفاظ دیگر یہ کہ محکم یا ہمیشہ ایک سا رہنے والے عالمگیر اصولوں کو بیان کرنے والی آیات کی مختلف تاویلیں ہو نہیں سکتیں۔ اور نہ ان سے نفاق بڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ عالمگیر اور ہر زمانے ہر ملک کے انسان سے بہ آسانی سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے لئے گذشتہ نبیوں کے متعلق قرآنی اشارات کو لیجئے۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسےٰ۔ ایوب۔ شعیب وغیرہ وغیرہ کے الفاظ جہاں آتے ہیں۔ کئی مفسر صاحبان ان شخصیتوں کے متعلق بحث لے بیٹھتے ہیں۔ کوئی توریت اور انجیل میں ان کے حالات ڈھونڈتا ہے۔ کوئی حدیثوں میں اور کوئی زبان زد خلایق روایتوں سے اور اس طرح مختلف تاویلات باہم نفاق پھیلاتی ہیں۔ لیکن اسی آیت میں قرآن فرماتا ہے۔ کہ تجربہ کار یا پختہ علم والے ان سے محض اس نصیحت کو اخذ کرتے ہیں۔ جس کے لئے متشابہ آیتیں مقصود ہیں۔ مثلاً یہ کہ نوح نے لوگوں کو حق کی طرف لانے کی انتہائی کوشش کی۔ لوگ حق پر نہ آئے۔ تب ان کا الٰہی عذاب سے صفایا ہوا۔ اسی طرح موسےٰ آئے عیسےٰ آئے اور دوسرے رسول ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنے لوگوں کو راہِ راست پر لانا چاہا۔ مگر لوگوں نے اُلٹا ان کی مخالفت کی۔ اور انہیں اذیتیں دیں۔ لہذا ان پر عذاب نازل ہوئے اور خدا نے ان کی جگہ دوسری قوموں کو برسرِ اقتدار و اقبال کیا۔ بہ الفاظ دیگر ایک اصول سمجھایا گیا۔ کہ مارا ہوا دین یا دھرم مار دیتا ہے۔ اس اصول تک محدود رہنے میں سب کا اتفاق رہ سکتا ہے۔ ہم نے تمام فروعی تاویلات کے نقص جتا کر ہر کہیں عالمگیر اصولوں کو پیش کیا ہے۔ اور وہ اصول جو آنحضرت نے کل قرآن کی کلید کے طور پر محفوظ کیا ہے۔ اسی سے ہم نے قرآنی مطالب کو کھولا ہے۔

سوم۔ سچے عالموں یا آپت پرشوں کی تصنیفات میں متضاد بیان نہیں ہو سکتا۔ مگر مروجہ تراجم و تفاسیر سے یہ عیب بڑے زور سے قرآن مجید پر عائد ہوتا ہے۔ اور ویدک تفسیر اس عیب سے بالکل پاک ہے۔

چہارم۔ قرآن مجید خدا کی کلام کو ترمیم تنسیخ وغیرہ عوارضات سے پاک اور بے بدل مانتا ہے۔ اور آغاز عالم والے الہام کا مصدق نیز اسی کے مطابق ہونے اور اسی کی تلقین کرنے کا دعویدار ہے۔ اور ہمارے

اس ویدک بھاشیہ میں کوئی ایسا بیان نہیں۔ جو ازلی ابدی الہامی علم یا قانون نیچر کے خلاف ہو۔ بلکہ آیات کے متعلقہ ہر امر متنازعہ کا باہم تے قدیم الہام کی روشنی میں فیصلہ اور آنحضرت کی پوزیشن کی معقولیت کو واضح کر دیا ہے۔
پنجم۔ آنحضرت کا قرآن کے ذریعہ اختلافات کو مٹانا مسلمہ ہے۔ لیکن احادیث پر مبنی ترجموں نے خود قرآن مجید کو جھگڑے کا مضمون بنا دیا ہے۔ پس تفسیر ہذا ہی واحد تفسیر ہے جس نے قرآن کو احادیث وغیرہ پر حکمران بنایا۔ اور اس کی اصل پوزیشن کو انسانی خیالات کی غلامی سے آزاد ثابت کیا ہے۔
ششم۔ حصہ اول کے باب سوم میں الہام وید کے متعلق بہت سے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ اور قرآن مجید کے کتنے ہی سورتوں کے شروع میں آنحضرت نے دیا پریم کا ثبوت دیتے ہوئے الم۔ کھیعص۔ طہٰ۔ طٰس۔ طسم وغیرہ الفاظ رکھے ہیں۔ ان کو وید کی روشنی میں تفسیر کرنے والا ہی صحیح صورت میں واضح کر سکتا ہے۔
ہفتم۔ ہم نے ہر امر متنازعہ کے متعلق صاف صاف ناقابل تردید دلائل اور ثبوت بھی پیش کر دیئے ہیں۔ خالی دعوے سے کام نہیں لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۲۔ دو حصے

ہماری تحقیقات سے ثابت شدہ یگانگت دو طرح سے پبلک کے سامنے پیش ہو سکتی ہے۔ ایک تو وید کی تعلیمات کے مقابلے پر قرآنی آیات سے وہی اصول دکھا کر۔ سو حصہ اول میں اس طریق کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور عالمگیر اتحاد۔ ضرورت الہام۔ الہام وید صفات باری تعالےٰ۔ پیدائش عالم۔ ازلیات ثلاثہ۔ آواگون۔ برہمچریہ۔ اہنسا۔ بہشت دوزخ۔ ثمرۂ اعمال۔ طریق عبادت۔ ورن ویوستھا۔ تحقیق حق و باطل۔ تردید گوشت خوری۔ حفاظت گئے۔ ممانعت قربانیئے حیوانات۔ جنسی تعلقات۔ مساوات۔ انتظام خانہ داری۔ اصول و فروع وغیرہ پر ہر دو کتب مقدسہ کی باہمی مطابقت کو روز روشن کی طرح عیاں کیا گیا ہے۔
دوسرا طریق یہ ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی ہر آیت پیش کر کے ثابت کیا جاوے۔ کہ سارے قرآن میں کہیں کوئی بات خلاف وید نہیں ہے۔ محض حصہ اول پڑھنے سے گمان ہو سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ حوالہ جات پیش شدہ کے علاوہ باقی آیات میں اختلاف موجود ہو۔ اس لئے ہم نے حصہ دوم میں قرآن مجید کی مکمل ویدک تفسیر پیش کر دی ہے۔ اور دیگر مفسرین سے معنے و مفہوم کے اختلاف کے متعلق بحث کر کے واضح کیا گیا ہے۔ کہ رسول صاحب کے اصل منشا۔ الفاظ کے مصدری۔ لغوی اور با محاورہ معنے اور موقعہ و محل کے لحاظ سے ہم سے مختلف معنے لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

۳۳۔ فریقین کی مضحکہ خیز پوزیشن

کامل یکسانیت کی موجودگی میں فریقین کی باہمی کشمکش محض ایک سادھو کے دو چیلوں کی مشہور کہانی کے مطابق ہے۔ دونوں نے گورو کی ایک ایک ٹانگ کو دبانا اپنے ذمہ لیا۔ گوروجی نے بیٹھے بیٹھے بائیں ٹانگ کو دائیں پر رکھا۔ تو برخوردار چیلے نے اسے اپنی ٹانگ کی توہین سمجھ کر لاٹھی سے بائیں ٹانگ کی وہ گت بنائی۔ کہ گوروجی دہائی دینے لگے۔ اور ٹانگ سوجھ گئی۔ دوسرا برخوردار باہر سے آتا۔ اور اپنی ٹانگ کی اس حالت پر تعجب سے استفسار کرتا ہے۔ جواب میں سارا ماجرا سن کر اس کی بھی رگِ حمیت بھڑکتی ہے۔ آؤ دیکھتا ہے نہ تاؤ دائیں پر لاٹھی رسید کر کے بائیں ٹانگ کا بدلہ لیتا ہے۔ اور اپنی گورو بھگتی کا ثبوت

دیتا ہے۔ ایک فارسی کتاب میں ہم نے پہرہ دار بندر کا یہی حال پڑھا تھا۔ کہ سوئے ہوئے مالک کی چھاتی پر مکھی چلتے ہوئے دیکھ کر اسے غیرت آئی۔ اور مکھی کو اُڑانے کے لئے مالک کی چھاتی پر تلوار سے وار کرنے لگا۔ کاشکہ جہالت کی تاریکی دلوں سے دُور ہو۔ اور ایک دوسرے کی اصل صُورت ہمارے سامنے آوے۔ اور ہم باہم ایک ہو کر اپنے واحد مقصد یعنی اصول توحید کی عظمت کا سکہ کل عالم میں بٹھا سکیں۔

ہمارا چشم دید واقعہ ہے۔ کہ چور کو پکڑنے کے لئے مخالف سمتوں میں دوڑتے ہوئے دو پہریدار باہم گتھم گتھا ہو گئے۔ ہر ایک اپنی بہادری اور کامیابی پر نازاں تھا۔ کہ میں نے چور کو پکڑ لیا ہے۔ طاقتور نے کمزور کو پیٹا اور زخمی بھی کر دیا۔ لیکن روشنی آتے ہی سخت نادم ہو کر دوسرے کی مرہم پٹی اور رضا جوئی کے لئے منت سماجت کرنے لگا۔

پس اصل بات یہ ہے۔ کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ویدک دھرمی یا مسلم بھائی مذہبی تفریق کی حمایت کرے گا۔ تو وہ وید یا قرآن سے اپنے صریح باغی ہونے کا ثبوت دیگا۔

۳۴۔ ہماری دُعا

ایک اور قصہ ہمارے سامنے ہے۔

ایک شخص تجارت کی غرض سے دُور دیش میں گیا۔ بیوی حاملہ تھی۔ وہ بیٹا جنی جو بڑا ہُوا۔ اور پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد کی طرف روانہ ہُوا۔ ایک منزل باقی تھی۔ کہ رات گذارنے کے لئے ایک سرائے میں ٹھہرا۔ آدھی رات کے قریب اس کے پیٹ میں سخت درد ہوا۔ حتےٰ کہ وہ تڑپنے اور زور سے کراہنے لگا۔ پاس کے کمرے میں ایک امیر ٹھہرا تھا۔ وہ اس کی ہائے ہائے سے بیزار ہو کر سرائے وال کو کہتا ہے۔ اس مریض کو کسی اور جگہ لے جاؤ۔ ہمارے آرام میں خلل ہوتا ہے۔ لڑکے نے ہر چند رحم طلب کیا۔ اس کی ایک نہ سُنی گئی۔ حتےٰ کہ امیر اور سرائے دار نے مل کر اس کو ایک علیحدہ جگہ میں پہنچا دیا۔ مگر جونہی وہ لوٹنے لگے مریض نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ اگر میں گذر جاؤں۔ تو میرے والد صاحب کو اطلاع دیدیجئے گا۔ پوچھا گیا۔ وہ کہاں ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا نام کیا ہے۔ جواب ملا۔ اگلے پڑاؤ پر وہ بڑے بھاری سوداگر ہیں۔ رامچندر ...." یہ نام اس کے مُنہ میں ہی تھا۔ کہ امیر فرطِ محبت سے اسے لپٹ گیا۔ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ سرائے دار کی مدد سے بڑی احتیاط کے ساتھ اسے اپنے کمرہ میں لایا۔ اب آرام کہاں۔ ڈاکٹروں اور دواؤں کی تلاش ہے زر کثیر خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن پیش نہیں جاتی۔ بیٹا چل دیتا ہے۔ بدنصیب رامچندر اپنے کئے پر پشیمان اور اپنی قسمت کو روتا ہے۔ اور اپنے بیٹے کا آپ قاتل بننے کا خیال اس کے دل پر بار بار وہ کاری چوٹ لگاتا ہے۔ کہ وہ خود بھی جانبر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ کشمکش کو جہالت پر مبنی سمجھ کر ہمارے دل سے سوال اُٹھتا ہے۔ کہ کیا فریقین کی کامل تباہی کے بغیر ہمارا کوئی اور انجام بھی ممکن ہے۔ جواب ملتا ہے۔ ہاں ہاں سوداگر کی تقدیر کوئی عالمگیر اصول نہیں تاریخ ایسی مثالیں بھی پیش کرتی ہے۔ کہ

دو حکومتوں کے حکمران ایک دُوسرے کو کچلنے کے لئے میدانِ جنگ میں بالمقابل کھڑے ہیں۔ مگر جونہی انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے باہم باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے۔ ہتھیار پھینک کر باہم بغلگیر ہوتے ہیں۔

کاشکہ فریقین پر تاریخ کی یہ اپیل اثر کرے۔ اور وہ سب کا محافظ اور سچا مددگار خدا ہماری اس دُعا کو قبول فرمائے کہ :-

" اے علم بالذات! ہماری اس تصنیف کو اپنا غیبی کرشمہ بنا دے۔ جہالت میں مبتلا اپنے بندوں کو اس کے ذریعے ان کا باہمی رشتہ جتا دے۔ اور ہم بچھڑوں کے باہم بغلگیر ہونے کا مسرت بخش نظارہ اہلِ عالم کو دکھا دے۔

(اوم شم)

۳۵۔ جمیع علماء کرام سے اپیل

دیباچہ کو ختم کرتے ہوئے مسلم غیر مسلم سب علماء سے ادب کے ساتھ میری گذارش ہے۔ کہ وہ مکدّر فضا اور تعصبات کے اثر سے اپنے تئیں پاک کریں۔ اگر علم تحقیق حق کے اس مول منتر کو ہی واضح نہیں کرتا۔ تو اس کو علم کہنا ہی غلط ہے۔ مسلم علماء قرآن رسُولِ خدا کے تابع ہیں۔ نہ کہ مترجموں اور ان کے ترجموں۔ مفسروں اور ان کی تفسیروں یا محدثوں اور ان کی حدیثوں کے۔ دل۔ دماغ اور عقل پر بیرونی غلامی کا بوجھ اصل دین سے بیگانہ بنائے بغیر نتیجہ نہیں لا سکتا۔ دوسری طرف ویدک دھرمی علماء کو آیات قرآن کو چھوڑ کر احادیث وغیرہ کی بناء پر اسلام کو متہم کرنے سے باز آنا چاہیئے۔ آریہ عالم براہمن گرنتھ یا پُران وغیرہ کے بیان کو مستند بالغیر سمجھتے ہیں۔ تب قرآن کے علاوہ اور تحریروں کو اسلام کے متعلق نکتہ چینی کا میڈیم بنانا کسی سچے محقق کا کام نہیں ہو سکتا۔ مہرشی دیانند نے جہاں صاف لکھا ہے۔ کہ میں ترجمہ قرآن پر نکتہ چینی کرتا ہوں۔ وہاں یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ انہوں نے آیات قرآن کا ہی ترجمہ لیا۔ احادیث کو چھُوا تک نہیں۔

نہ صرف یہ اسلامی لٹریچر متفقہ طور پر یہ واضح کرتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی ترتیب آنحضرت کے بعد صحابی جماعت نے کی ہے۔ اور صحابی جماعت کے لئے کافی مشکلات درپیش تھیں۔ آنحضرت کی تقریریں عربی رسم الخط میں نہیں۔ کوئی زبان میں نوٹ ہوتی تھیں۔ اور اس زبان میں مہاجنی لپی یا لنڈوں کی طرح نہ اعراب تھے نہ نقاط۔ پھر آیات لاکھوں حدیثوں میں خلط ملط تھیں۔ پس جہاں صحابی جماعت ان مشکلوں کو عبور کرنے اور قرآن کو اس صورت میں ترتیب دینے کے لئے قابل تحسین ہے۔ وہاں اس کو پُر احتیاط حفاظت سے جیوں کا تیوں ہم تک پہنچانا علماء اسلام کی ہمت اولوالعزمی دینی محبت اور ایثار کا ثبوت ہے۔ ممکن ہے۔ جو قرآن پہلے پیش ہوا۔ اس میں بعض زیادہ لطیف مضامین اس وقت کے علماء کی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ اور ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے۔ کہ قابل اعتراض مصالحہ سے پہلے ترتیب دہندگان اسے آزاد اور پاک نہ رکھ سکے ہوں۔ اور چونکہ حقیقت اور سپرٹ کے لحاظ سے موجودہ قرآن قدیم تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اس لئے معترضوں کی پیش کردہ فروعی غلطیاں میرے لئے بالکل ناقابل غور ہیں۔ اول تو احتمال معترض کے خود مغالطہ کھانے کا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کے زمانہ کے عربی محاورات اور طرز بیان سے موجودہ وقت کا کوئی غیر مسلم عالم کما حقہ واقف نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ سپرٹ اور اصل حقیقت کے لحاظ سے موجودہ قرآن قدیم دھرم کے کہیں خلاف نہیں گیا۔ اس لئے مسلم اور آریہ علما کو متفقہ طور پر ازلی ابدی سچائیوں کی اشاعت میں کوشاں ہونا چاہیئے۔ تاکہ نہ صرف ہم دونوں فریق کل اہلِ عالم خدائے جل شانہٗ کی عنایت سے صراطِ مستقیم کی ہدایت سے سچے معنوں میں کامیاب ہو سکیں۔

لکھشمن

حصہ اول مطابقت تعلیم وید و قرآن

باب اول ۔ اتحاد عالمگیر

۱۔ طریقِ خطاب

وید میں جہاں بھی ہدائیت کے لئے مخاطب کیا گیا ہے۔ کہا ہے۔ اے منشیو (انسانو) اے ودوانو! (عالم لوگو) ہے راجن۔ ہے سیناپتی۔ ہے امرت پُترو وغیرہ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ملک قوم زمانہ یا خاص شخصیتوں کا لحاظ نہیں کیا گیا ہر زمانہ ملک اور قوم کے انسانوں کو بہ لحاظ ان کے صفات و افعال کے یکساں طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن کا طریق خطاب بھی ہو بہو یہی ہے۔ یَاَیُّهَا النَّاسُ (اے انسانو) (اے ایمان لانے یا حق کو ماننے والے لوگو) یَاَیُّهَا النَّبِیُّ (اے نبی) وغیرہ۔

معترض کہتا ہے۔ کہ قرآن تو محض عرب کے لئے مقصود ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۷ میں لکھا ہے (۱) "اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن کو وحی کیا ہے۔ تاکہ تو مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرا دے" لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ قرآن کی تعلیم مکہ والوں کے لئے ہی ہے۔ بلکہ عربی زبان میں عالمگیر تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اہل عرب سنسکرت وغیرہ کو جانتے نہ تھے۔ اسی مدعا کو کئی اور جگہوں میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ سورت المریم آیت ۹۷ میں کہا ہے۔ "ہم نے اس (الہامی علم و ہدیٰ) کو تیری (عربی) زبان میں آسان کیا ہے۔ تاکہ تو اس سے متقی لوگوں کو خوشخبری سنا دے اور گمراہ مخالفوں کو ڈرا دے۔ (۲)

پس تعلیم کے لحاظ سے اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں۔ فی الحقیقت قرآن کا عربی میں ہونا وہی بات ہے۔ جو مہرشی دیانند کے ستیارتھ پرکاش کا ہندی میں ہوتا ہے۔ ملک۔ قوم۔ مذہب۔ زبان وغیرہ کے لحاظ سے تفریق کا ہونا قدرتی یا منجانب اللہ نہیں۔ محدود العلم انسان کی فعل مختاری پر مبنی جہالت یا تنگ خیالی کا نتیجہ ہے۔ پس زبان تو مقرر یا سامعین کی مقامی یا زمانی حسب ان کی مخصوص حالت کے ہو سکتی ہے۔ اور مقصود اس سے عالمگیر تعلیم کے متعلق اشارہ کرنا ہی ہوتا ہے۔

۲۔ اتحاد اور اس کا صحیح مفہوم

رگوید اشٹک ۸ ادھیائے ۸ ورگ ۴۹ منتر ۲ میں ہدائیت ہے۔

---

(۱) وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا

(۲) فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا

تمہاری چال یعنی تمہارے اعمال اور تمام طریقے نیک نیز ایک سے یا مساوات پر مبنی ہوں۔ تمہاری گفتار یعنی تحریر اور تقریر سچی اور اختلافات سے بالاتر ہو۔ تمہارے دل سچے علم سے روشن رہیں۔ تعصب، طرفداری اور جہالت سے پاک لوگوں کی تقلید کرتے ہوئے تم سچے گیان کے نزدیک ہوتے جاؤ۔ (۱)

اس سے اگلے منتر میں کہا ہے۔

تمہارے منتر یعنی وچار ایک سے ہوں۔ یعنی تم سچے علم کو ہی حاصل کرو۔ سب کچھ دیکھو و سنو۔ مگر قبول حق کو ہی کرو۔ تمہارے اندر اختلافات نہ ہوں۔ تمہارے من اور چت یعنی سوچنے اور علم کا احساس کرنے والی طاقتیں ایک سی ہوں۔ یہ الفاظ دیگر تمہارے خیالات۔ تمہاری خواہشات۔ تمہاری یادداشتیں یا سنسکار سب نیک اور باہم مطابق ہوں۔ میری یہی آشیرباد دیا گیا ہے۔ کہ تمہارے دل اور عمل میں مطابقت ہو۔ تم باہمی تعلقات میں سچائی اور مساوات کو مقدم سمجھو۔ حق کے ساتھ تم رہو۔ اور تمہارے ساتھ سچائی رہے (۲)

اسی طرح کتنے ہی منتروں میں مختلف پیرایوں سے انسانی جماعت کو مساوات اور عالمگیر اتحاد کا خیال دلایا گیا ہے۔ گویا نہ صرف اصول اتحاد واضح کیا ہے۔ اس کا صحیح طریق بھی بتا دیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ انسانوں کی رفتار اور گفتار ایک ہو۔ یعنی عمل قول کے مطابق ہو۔ لیکن ان دونوں میں مطابقت تبھی ہو سکتی ہے۔ جب دلوں میں میل ہو۔ اور اس میل کا انحصار ہے۔ ایک ہی قسم کے خیالات وخواہشات یا تعلیم وتربیت پر گھر میں اگر بیوی اور خاوند کا آرام وراحت سے گذر ہو سکتا ہے۔ تو ان کے دلوں کے ملنے سے۔ اس لئے شادی کے قول کا لب لباب ہی یہ ہے۔ کہ ہمارے من اور چت ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ استاد اور شاگرد کا تعلق اگر نیک نتیجہ لا سکتا ہے۔ تو ان کے دلوں میں باہم وشواس اور علمی ترقی کے متعلقہ شوق ولگن ہونے سے ہی۔ اس لئے گورو اور شش کے تعلق کا مرکز بھی دلوں کے میل کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور ان شخصی اور محدود تعلقات سے گذر کر جب انسانی جماعت سے ہر فرد کا وسیع تعلق زیر بحث آتا ہے۔ تو بھی اسی ذریعہ اتحاد پر کل انسانی جماعت کو متحد کیا جاتا ہے۔

۳۔ وید کا زاویہ نگاہ

یجروید ادھیائے ۳۶ منتر ۱۸ میں عملی زاویہ نگاہ پیش کر کے دفعہ ۲ کے مضمون کا انتہائی وسیع مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ دعا مانگی گئی ہے۔ کہ

ہے پرمیشور! ایسی کرپا کرو۔ ہم باہمی عداوت اور تعصبات سے پاک ہو کر محبت اور دوستی کا برتاؤ کریں۔ سب پرانی مجھے اپنا متر جانیں۔ اور میں سب پرانیوں کو اپنا دوست جانوں۔ ہمارا نفع نقصان دکھ سکھ سب ایک ہو جاوے۔ (۳)

---

१ सं गच्छध्वं सं वदध्वं सं वो मनांसि जानताम् ।
देवा भागं यथा पूर्वे संजानाना उपासते ॥

२ समानो मंत्रः समितिः समानी समानं मनः सह चित्तमेषाम ।
समानं मंत्र मभि मन्त्रये वः समानेन वो हविषा जुहोमि ॥

३ दृते दृंह मा मित्रस्य मा चक्षुषा सर्वाणि भूतानि समीक्षन्ताम्
मित्रस्याहं चक्षुषा सर्वाणि भूतानि समीक्षे । मित्रस्य चक्षुषा समीक्षामहे ।

دلوں کے ملانے میں یہی زاویہ نگاہ مدنظر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ یہ یگانگت رُونما کیسے ہو۔ مختلف خیال اور حال والے لوگوں کے جدا جدا دلوں والے منکے کس ایک ہی تاگے میں پروئے جاویں۔ اس کا جواب اتھرووید ۱۳۔ ۴۔ ۱۰ میں یہ دیا ہے۔

(گو انسانی دل جُدا جُدا یا باہم مختلف ہیں) تاہم سب کو دھارن کرنیوالا پرمیشور تمام اختلافات سے بالاتر ہے وہ ہی ایک ہے۔ ایک ہی ہے۔ یقیناً ایک ہی ہے۔ اسی کی قدرت میں سب دیوتا ایک ورت دایک ہی حالت میں قائم) ہو سکتے ہیں۔ (۱)

گویا وید ڈھارس بندھاتا ہے۔ کہ باہمی نفاق کی وجہ سے مایوس ہونا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ایک قادرِ مطلق خدا سب دلوں اور رُوحوں میں موجود ہے۔ اور اسی میں اسی کا سچا علم تمام کو متحد کر سکتا یا بکھرے موتیوں کو ایک ہی رشتۂ اتحاد میں پرو سکتا ہے۔

۴۔ سوامی دیانند کا انتہائے مقصود

اپنی عالمانہ تصنیف ستیارتھ پرکاش کے خاتمے پر رشی لکھتے ہیں۔

"اس بات (اہل مذاہب کے باہمی دشمنی پھیلانے) کی تردید اور کامل سچائی کے پرچار سے سب کو طریق یگانگت پر لا کر دشمنی چھڑا کر آپس میں مستحکم محبت سے بہرہ مند کرا کر سب سے سب کو آرام پہنچانے کے لئے میری کوشش اور میرا مدعا ہے"۔

رشی نے دہرم کو ایشوری امانت بنایا۔ اور اس کی تعریف یہ کی۔ کہ

"بے رو رعائت انصاف کا رویہ راستگوئی وغیرہ اوصاف سے موصوف ایشور کے احکام ویدوں کے مطابق ہی دہرم ہے"۔ اپنی رائے یا کسی اور ورت کو قابل قبول نہیں بنایا۔ نہ اپنے ملک کی طرفداری کی۔ نہ آریہ سماج کو آریوں کی ترقی کے لئے بنایا۔ بلکہ ایک خاص نیم میں سنسار کا اُپکار کرنا آریہ سماج کا مقدم فرض ٹھہرایا۔ اور انسانی جماعت کی ترقی و بہبودی میں ہی اپنی بہتری سمجھنے کے لئے ایک نیم میں ہدائت دی۔ کہ اپنی ترقی پر قناعت نہ کرو۔ اپنی حقیقی ترقی اپنے ہمجنسوں کی ترقی میں سمجھو"۔

ستیارتھ پرکاش کے دیباچے میں آپ نے اپنی پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کیا۔

"گو میں ملک آریہ ورت میں پیدا ہوا۔ اور اسی میں رہتا ہوں۔ مگر جس طرح کہ یہاں کے مختلف فرقوں کی جھوٹی طرفداری نہ کر کے جوں کا توں ظاہر کر دیتا ہوں۔ ویسے ہی دوسرے ملک والوں یا مذہب پھیلانے والوں کے ساتھ بہبودیٔ عامہ کے متعلق برتتا ہوں۔ ویسا ہی غیر ملک والوں کے ساتھ بھی۔ ایسا ہی سب حق پسند لوگوں کا فرض ہے۔ کیونکہ اگر میں بھی کسی ایک مت کا طرفدار ہوتا۔ تو جیسے آجکل اپنے اپنے مت کی تعریف تائید اور اشاعت کرتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب کی بُرائی کر کے اس کو نقصان پہنچانے اور اس کی مزاحمت کرانے پر تیار ہوتے ہیں۔ ویسا ہی میں بھی کرتا۔ لیکن ایسی باتیں انسانیت سے بعید ہیں"۔

१- तमिदं निगतं सहः स एव एक एव वृदे क एव सर्वे अस्मिन
देवा एक वृन्तो भवन्ति ॥

غرضیکہ وید کے فرمان کے مطابق سوامی دیانند کو محض اختلافات کو مٹانا اور بنی نوع انسان کو حق پر متحد کرنا ہی مطلوب ہے۔

۵۔ قرآن مجید اور رسول صلعم کی پوزیشن

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسلام کی اس پہلو میں کیا تعلیم ہے۔ دفعہ امیں جو طریق خطاب بیان ہوا۔ اس سے بنیادی اصول تو واضح ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور حوالہ جات قابل غور ہیں۔

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۸ میں آنحضرت کے دل کی تہ سے نکلی ہوئی دعا ہے۔

"اے ہمارے رب! تو ہی وہ وقت لا سکتا ہے۔ کہ ہمارے اختلافات دور ہوں۔ اور ہم متحد ہو جاویں۔ بتحقیق اللہ اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا" (۱)

اس میں وید اور سوامی دیانند کی طرح اختلافات کا دور ہونا اور دلوں کا ملنا اتحاد کا اصل اصول بتایا ہے۔ جو لوگ یوں ہی اتحاد کی پکار مچاتے ہیں۔ اور تبلیغ حق سے دلوں کو نہیں ملاتے۔ انہیں کہا گیا ہے۔ کہ ایشور محض اتحاد کے لفظی چھو منتر سے اپنے قانون کو توڑ نہیں سکتا۔ یعنی اتحاد کے لئے محض دلوں کے ملنے کا ہی قانون ہے۔

فاضل مفسرین اس قیمتی اور معنے خیز مفہوم کی بجائے یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ

"اے ہمارے رب! تو ہی ہم کو اس دن میں جمع کرنے والا ہے۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں"۔ اور اگرچہ آیت میں موہومہ قیامت کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ تو بھی اس دن کو قیامت کا دن ہی کہتے ہیں۔ یہ خیال کہاں تک وزن دار ہے۔ اس کے لئے سلسلۂ مضمون کا طے ہونا ضروری ہے۔

اس سورۃ کی پہلی آیت میں کتاب بالحق کے ظہور اور پھر میں موجود عالمگیر صداقتوں کی تصدیق نیز توریت اور انجیل کے ظہور کا ذکر ہے۔ اور چونکہ یہ تبلیغی جد و جہد محض اتحاد کے لئے مقصود ہے۔ اس لئے سلسلہ مضمون ظاہر ہی ہے۔ آیت نمبر ۳ میں قرآن مجید توریت اور انجیل کے علاوہ فرقان کے ظہور کا بھی ذکر ہے۔ اور فرقان کہتے ہیں حق و باطل کی تمیز اور ان کے باہم فیصلہ کرنے والی کتاب فیصل کو۔ پس آیت زیر بحث میں یَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ کا مفہوم صرف یہی ہے۔ کہ وہ زمانہ جس میں اختلافات نہ رہیں۔

آیت نمبر ۶ میں کہا ہے۔

خدا ہی (کی عنایت) سے تجھ پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ جس میں ایک تو محکم (بے بدل اصولوں کو ظاہر کرنیوالی) آیتیں ہیں۔ یہ ام الکتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہ آیتیں ہیں۔ سو جن کے دلوں میں جہالت یا گمراہی ہے۔ وہ ان متشابہ آیتوں کے ہی چکر میں پڑے مختلف تاویلات سے اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی صحیح تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اور صحیح و پختہ علم والے یوں کہتے ہیں۔ کہ ہم ان سب کو خدا سے ہی مانتے ہیں۔ واقعی اہل عقل کے بغیر نفس مضمون کو کوئی نہیں سمجھتا" (۲)

---

(۱) رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

(۲) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

ویدک رشی پرا اور اپرا دو قسم کی ودّیا کو مانتے ہیں۔ پرتیکش اور پروکھش یا کثیف اور لطیف میں بھی علم کی تقسیم ہے۔عقل کی رسائی اور روح سے گرہن ہونے والا بھی دو طرح کا علم ہے۔ سمادھی میں جو علم بالمشافہ ہوتا ہے۔ اس کے ماسوائے۔ کوپنشد کار سنشے یا شکوک یا بھرانتی والی حالت کہتے ہیں۔ ایشور کے دیدار ہونے پر ہردے کی گانٹھ کھل جاتی اور سب شکوک مٹ جاتے ہیں۔ اسی کے مطابق متشابہ آیات سنشے والا علم ہیں۔ اور اُم الکتاب عالمگیر بے بدل اصولوں والا علم ہے۔ اسی کو اصول اور فروع پر بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔ اور امر مسلمہ ہے۔ کہ اصول میں تو سب متفق ہوتے ہیں۔ لیکن فروع میں اختلاف ہوتا ہے۔ بقول

Agreement in main and difference in detail

تعزیرات کی دفعات تو اصل قانون ہیں۔ اور لا رپورٹوں والے مقدمات کی نظریں پیش کرتے ہیں۔ اور یہ آیت بطور دریا بکوزہ واضح کرتی ہے۔ کہ فرقہ دارانہ یا مذہبی تقسیم محض مقامی زمانی شخصی یا فروعی امور کی مختلف تاویلات پر مبنی ہے۔ اور ام الکتاب ہی وہ ذریعہ ہے۔ جس سے اختلافات مٹے رہتے ہیں۔

اس کے بعد آیت نمبر ۷ میں دعا کی گئی ہے۔ کہ

"اے ہمارے پروردگار! ایسی عنایت کر کہ ہم ہدائیت پا کر اس سے ڈولنے نہ پاویں۔ اپنے حضور سے ہم پر رحمت فرما۔ واقعی تو ہی سچا دانی ہے۔" (۱)

پس سلسلہ مضمون محض اتحاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور عالمگیر اتحاد کے مول منتر کا ان آیتوں میں بطریق احسن بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ یوم القیامت

دفعہ ۵ میں قیامت کا ذکر ہے۔ متعلق اور گو مفسرین نے اس خیال کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور ہر کہیں دنیا کے خاتمہ پر میدان محشر میں تمام مردوں کے قبروں سے نکل کر جمع ہونے اور ان کے اعمال کے مطابق بہشت دوزخ ملنے کے بیان کو قیامت کے دن سے منسوب کیا ہے۔ تاہم حقیقت کے لحاظ سے یوم القیامت کا قرآن مجید میں کہیں بھی یہ مفہوم نہیں۔

قیامت کے معنے ہیں۔ کھڑا ہونا۔ قائم اور برقرار رہنا۔ اور اس لحاظ سے یوم قیامت ایک تو مرنے کے بعد پھر کھڑا یا پیدا ہونے کا دن ہے۔ دوسرے دنیا کا زمانہ قیام۔ اور تیسرے معنے ہیں۔ انسانی جماعت کی پُرسکون یا راحت اور ترقی کی حالت۔ افسوس ایسی ذومعنی کلام کے مفہوم اور موقعہ و محل وغیرہ کا لحاظ نہ کر کے حقیقت پر تاریکی ڈالی گئی ہے۔ سورہ الجاثیۃ آیت ۱۷ نیز ایک اور آیت میں کہا ہے۔

"خدا ہی ہے۔ جو زمانہ امن و اتحاد میں ان کے مابین امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ کرتا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ خدا کی ہی عنائیت سے امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہو کر امن و اتحاد قائم ہوتا ہے۔ (۲)

بقیہ ۵۲ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

(۱) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

(۲) إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اگر یہ مطلب لیں۔ کہ قیامت کے دن خدا ان کے باہم فیصلہ کریگا۔ تو یہ فعل عبث ہوگا۔ کیونکہ اس فیصلے کا فنا کے وقت اثر کیا؟ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵ میں کہا ہے۔
کوئی بھی بستی نہیں۔ جسے ہم قیامت سے پہلے فنا نہ کریں گے۔ یا اسے عذاب شدید نہ دیں گے۔ یہ بات کلام الہی میں لکھی ہے ۔ (۱)
قریہ کے معنے بستی بھی ہے۔ قوم بھی اور جسم بھی۔ جسم پیدا ہونے سے پہلے ہلاک کیا جارہا ہے۔ ہر انسان دکھ اور عذاب پاکر ہی سکھ کو حاصل کرتا ہے۔ یہی تپ اور اس کا پھل ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں جنگ کے بعد شانتی یا امن قائم ہوتا دیکھا جاتا ہے۔ موہومہ قیامت کے خیال سے آیت بے معنی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق ہلاکت اور عذاب قیامت کے بعد ہوگا۔ مگر آیت میں قیامت سے پہلے مذکور ہے۔ پس پہلے اختلافات کا فیصلہ ہونا اور نتیجے کے طور پر امن واتحاد کے قیام والا دور ہونا ہی صحیح مفہوم ہے۔
ویدک دہرمی لوگ مانتے ہیں۔ کہ دو دیوتا چتر اور گپت نام کے انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔ اور ان کے اعمال نامے کے مطابق موت کے بعد پھل ملتا ہے۔ چتر کے معنے ہے لکھنا۔ اور گپت کے معنے ہے۔ پوشیدہ اور مراد یہ ہے۔ کہ تمام اعمال کی یادداشتیں یا سنسکار روح پر رہتے ہیں۔ موت کے وقت جو جو سنسکار زوروں میں ہوتے ہیں۔ انہی کے مطابق اعلےٰ یا ادنےٰ قالبوں کی تحریک یا تقدیر ہوتی ہے۔
قرآن سورۃ الانفطار آیت ۱۰ تا ۱۲ میں اس فلاسفی کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ
یقیناً تم پر محافظ تعینات ہیں۔ کراماً کاتبین جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ جانتے ہیں۔ (۲)
اور کراماً کاتبین والے اعمالنامے ہی قرآن میں آئندہ تقدیر کے اصل موجب ہیں۔ چنانچہ سورۃ المجادلۃ میں ہے۔ کہ جب خدا ان سب کو پھر پیدا کرے گا۔ ان کے عمل ان کے سامنے رکھدیگا۔ اس نے انہیں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ خواہ انسان انہیں بھولا ہوا ہے۔ واقعی خدا تمام امور کا ساکھشی ہے۔ (۳)
اس آیت میں جس لفظ کے معنے ہم پھر پیدا ہونے کا وقت کرتے ہیں۔ وہ ہے۔ یَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا اور بعثت کے معنے پیدا کرنا وبھیجنا کے مسلمہ ہیں۔ اور چونکہ قرآن اس کے بعد اسی خیال کو یَوْمَ الْقِيٰمَۃ سے منسوب کرتا ہے۔ اس لئے یوم القیامت کا مفہوم پنر جنم والا بھی صاف ظاہر ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔
کوئی سے بھی تین مشورہ کرتے ہیں۔ تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی پانچ ہوں۔ تو وہ چھٹا ہے۔ غرضیکہ کم ہوں یا زیادہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ کہیں ہوں۔ پھر وہی قیامت کے دن ان کے عمل ان پر واضح کرتا ہے (۴)

---

(۱) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝
(۲) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝
(۳) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝
(۴) مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

پس یہاں یوم لبعث اور قیامت دونوں پنرجنم کے واسطے ہیں۔ جب اعمال کا ثمرہ ملتا ہے۔
سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴ میں ہے۔

اور جو کوئی میری عبادت یا میرے الہامی علم سے کنارہ کریگا۔ اس کے لئے وجہ معاش تنگ ہوگی۔ اور وہ قیامت (پنرجنم) کے دن اندھا پیدا کیا جاویگا۔ (۱)

اس آیت کو جتنا بھی غور سے دیکھیں گے۔ اتنا ہی یوم القیامت کی حقیقت اگلے جنم کی واضح ہوگی۔ رہا امن و اتحاد کا زمانہ۔ اس کے لئے کئی جگہ لفظ آتا ہے۔ یَوْمَ الجمعِ۔ اکٹھا ہونے کا وقت سورۃ التغابن میں ہے۔

جس دن خدا تمہیں اتحاد کا دور لانے کے لئے جمع کرے گا۔ وہ یوم التغابن ہے۔ (۲) اور سورۃ الشوریٰ آیت، میں کہا ہے۔ (۳)

اور اسی طرح ہم نے عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا ہے۔ کہ تو مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو ڈراوے اور اس زمانہ اتحاد کی انہیں خبر سنادے۔ جس میں جنت والا فریق بھی ہوگا۔ اور دوزخ والا بھی (۳)

مفسرین یوم التغابن اور یوم الجمع کو بھی روز قیامت کہدیتے ہیں۔ لیکن ان میں صریحاً جمع یا متحد کرنے کا مطلب ہے۔ کیونکہ سورۃ الشوریٰ کی اگلی آیت میں اتحاد ہی کا بیان ہے۔ کہ

"اور اگر اللہ چاہے گا۔ تو تمہیں ایک ہی امت کردے گا۔ مگر جس کو چاہے گا۔ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اور جو گنہگار ہوں گے۔ ان کا نہ کوئی ولی ہوگا۔ نہ معاون۔" (۴)

پہلی آیت میں بھی نیک اور بد سب کو عربی قرآن کے ذریعہ سچے دین کی طرف آنے کے واسطے بید بنی سے یا کفر سے ڈرانا مذکور ہے۔ اور اس آیت میں بھی ایک ہی امت ہونے کا بیان ہے۔ اور سمجھایا گیا ہے۔ کہ اس میں یہ مطلب نہیں۔ کہ ایک امت ہو جاتے سے خدا سب کو سکھ ہی دے گا۔ بلکہ جیسے پہلے سکھی دکھی موجود ہیں۔ ویسے ہی جو اس خدا کے حکموں پر چلیں گے۔ انہی پر اس کی رحمت ہوگی۔ اور جو دھرم کے خلاف عمل کریں گے۔ ان کو دکھ سے کوئی بچا نہ سکیگا۔

جو لوگ سبز باغ دکھا کر جنت اور نجات کے نام سے سادہ لوح لوگوں کو ٹھگتے ہیں۔ وہ آنحضرت کی مثال سے سبق لیں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح بے لاگ لپیٹ اور صاف بات کہی جاتی ہے۔ کہ ایک تو عربی

---

(۱) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥

(۲) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ٥

(۳) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ٥

(۴) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ٥

قرآن کے ذریعے ہدایت پاکر سب ایک امت ہو جاؤ۔ اور دوسرے اچھے عمل کرو۔ تب سکھ ہوگا۔ خالی ایمان کا یا زبانی اتحاد سکھ نہیں دے گا۔

سورۃ الانعام آیت ۱۲ میں ہے۔

رحمت کرنا اس کا ذاتی و فطرتی خاصہ ہے۔ وہ ایسے زمانہ قیام امن میں متحد کرے گا۔ جس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ مگر جو لوگ خود نقصان کرنے والے ہیں۔ وہ اس کو نہیں مانتے۔ (۱)

اس میں بھی یوم القیمۃ صریحاً زمانہ امن و اتحاد کے لئے ہی آیا ہے۔

سورۃ الاعراف آیت ۳۲ میں کہا ہے۔

کہو کون حرام کر سکتا ہے۔ اللہ والی زینت کو۔ جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ نیز پاک اشیاء کے رزق کو کہو۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں۔ جو اس دنیا کی زندگی میں ایماندار رہتے ہیں۔ بالخصوص سکھ کے زمانے میں (۲)

سلسلہ مضمون سے پایا جاتا ہے۔ کہ اہل ایمان دنیوی زندگی میں تقوی اور اعتدال پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کے عطا کردہ سامان حرام نہیں ہو سکتے۔ خاص کر امن وعافیت کے زمانے میں ان کو حرام کرنا چہ معنے۔ مطلب یہ کہ امن و اتحاد کے زمانہ میں سارے سامانوں کو آرام و آسائش کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ کہ مفلسی میں تو عیاشی ہو نہیں سکتی۔ اصل امتحان تو ترقی اور مرفہ حالی میں ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں صریح طور پر یوم القیامت امن و اتحاد اور ترقی کے زمانہ کے لئے ہے۔ موہومہ قیامت یا فنا کے وقت ان کا حلال ہونا چہ معنے۔ اس وقت تو دوزخ کا بھی زور ہوگا۔

۷۔ مشنری سپرٹ اور رواداری

سچے سنیاسی: ید ک دھرم کی تعلیم کے مطابق خوشی غمی۔ عزت ہتک۔ سکھ۔ دکھ وغیرہ کا خیال چھوڑ کر حق کی ہی تبلیغ کرنے کے ذمہ وار ہیں۔ جسمانی زندگی کا محفوظ رکھنا ان کے لئے فروعی امر ہے۔ مقدم خواہش ان کی روح کو جہالت سے محفوظ رکھنے۔ اور عوام الناس کو جھوٹ اور دکھ سے بچانے کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہی کچھ رسول کے لئے ہے۔

(سورۃ المایدہ آیت ۹۸) رسول پر لوگوں تک حق پہنچانے کے سوا کوئی ذمہ واری نہیں (۳)

پھر دنیاوی حکومت کا تعلق بیرونی نگرانی سے ہے۔ اس کا ہتھیار ہے۔ سزا وہ قید وغیرہ سے سدھار کرتی ہے۔ اشاعت تعلیم کے کام میں سزا اور محبت دونوں کا تعلق ہے۔ گورو محبت سے سمجھا کر بھی اپنے شاگرد

---

(۱) كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

(۲) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

(۳) مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۔

کو سدھارتا ہے۔ اور سزا دے کر بھی۔ لیکن عام لوگوں کے سدھار کے لئے محض پریم کا جذبہ چاہئے۔ مشنری لوگ جان کے لالے پڑنے پر بھی دوسروں سے پریم بھرا سلوک کرتے ہیں۔ جیسا کہ سوامی دیانند کے کتنے ہی موقعوں کے عمل سے ظاہر ہے۔ اور جیسا کہ قرآن کی اس ہدائیت سے آشکارا ہوتا ہے۔ کہ

بدی کے بدلے بھی نیکی کرو۔ حتےٰ کہ مکہ میں بطور فاتح داخل ہونے پر بھی آپ نے یہی سمجھایا۔ کہ

"خبردار! جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان سے عداوت یا انتقام کے جذبہ کے زیر اثر کوئی زیادتی نہ کر بیٹھنا" (۱)

اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا۔ کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کرو۔ گناہ یا ظلم کے کاموں میں کوئی کسی کی اعانت نہ کرے (۲) رسول صلعم کا یہ خاص مقولہ تھا۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (بقر۔ ۲۵۶) یعنی دین میں سختی یا نفرت وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں۔ پریم ہی سچے مشنری کا زیور ہے۔

مخالفین اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جب تک کمزوری رہی۔ تب تک آنحضرت نرمی کے حق میں رہے۔ لیکن طاقت ہونے پر تلوار یا سختی کو کام میں لایا گیا۔ پر جب مکہ میں بطور فاتح داخل ہونے پر مذکورہ بالا محبت بھرا اعلان موجود ہے۔ تو اعتراض محض جھوٹا بہتان ہے۔

سورۃ بقر آیت ۲۷۲ میں کہا ہے۔ کہ دان دیتے ہوئے مذہبی ہدائیت کا دخل نہ کرو۔ ان کو راہِ راست پر لانا دانیوں کے ذمے نہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ راہِ راست پر لاتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم نیکی میں خرچ کرتے ہو۔ وہ اپنی ہی ذات کے واسطے کرتے ہو۔ (۳)

پس قرآن کی رو سے تو مشنری سوسائٹیاں جس طرح مالی مدد وغیرہ کو تبدیل مذہب کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ سب کچھ معیوب ہے۔ اور جب خیرات سے بھی اس پہلو میں فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ تو جبر اور تلوار سے دینی ترقی کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

۸۔ اتحاد کی لازمی شرائط

نہ صرف قرآن کل انسانی جماعت کے اتحاد کا ہادی ہے بلکہ عملی اور پائیدار اتحاد کے لئے شرطیں بھی وہ پیش کرتا ہے۔ جو بالکل معقول ہیں۔

سورۃ الانبیاء آیت ۹۲ و سورۃ المومنون آیت ۵۲ میں کہا ہے۔

"تحقیق یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ (۴)

اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو۔ ہاں بات کرو۔ تو نہائیت موزوں طریق سے مگر ادھر ہی اس سے مستثنیٰ ہیں انہیں

---

(۱) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۔

(۲) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔

(۳) لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔

(۴) اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۔

یہ کہو۔ کہ ہم تو اسی کو مانتے ہیں۔ جو ہم پر نازل ہُوا۔ اور تم پر بھی اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (۱) عنکبوت ۴۶

گویا آنحضرت اپنے پر اسی علم کا نازل ہونا مانتے ہیں۔ جو پہلے اہل کتاب پر نازل ہوا۔ اور خدا بھی دونوں فریق کا ایک ہی ہے۔ اور مسلمانوں کو یہی سنانا چاہیئے۔ کہ ہم اسی خدا اور اس کے الہام کے تابع ہیں جو ہمارا اور آپ کا ایک ہی ہے۔

سورہ یونس آیت ۵۷ و ۵۸ میں کہا ہے۔

اے لوگو! یقیناً سچی ہدایت تمہیں تمہارے پروردگار سے مل ہوئی ہے۔ وہ امراض قلبی کی دوا اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ کہدو۔ کہ اللہ کے فضل اور رحم کی بدولت وہ اسی پر خوش اور مطمئین رہیں وہی بہترین اندوختہ ہے۔ (۲)

سورۂ الجاثیہ آیت ۱۶ تا ۱۸ میں ہے۔

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی۔ اور پاک چیزوں والا رزق اور اہل عالم پر انہیں فضیلت دی۔ اور دین کے مسلمہ اصولوں کا علم۔ مگر ان لوگوں نے علم پاکر بھی باہمی کاوشوں سے علیحدہ علیحدہ مذہب بنا لئے ہیں۔ تحقیق تیرا رب ان کے اختلاف مٹا کر انہیں متحد کریگا۔ ہم نے تم کو اپنے احکام کی شریعت پر قائم کر دیا ہے۔ پس اسی کی پیروی کر۔ بے علموں کے جذبات پر نہ چل۔ اللہ کے مقابلے میں یہ لوگ تمہارے کسی کام نہیں آسکتے۔" (۳)

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ خدا نے آغاز عالم کے لوگوں کی نسل کو الہامی کتاب اور حکمت اور دُنیا کی رہنمائی کی قابلیت اور آرام اور پرورش جسم وغیرہ کے لئے پاک وسائل اور اہل عالم پر برتری دی۔ ۲۔ بعد میں جہالت عداوت یا تعصب وغیرہ سے جدا جدا مذہب چلے۔ (۳) خدا کی عنایت سے یہ اختلافات دُور ہو کر سب انسان ایک ہی دھرم میں پھر متحد ہوں۔ یہ رسول کی دعا اور خواہش ہے۔ (۴) رسول کو اسی قدیم علم والے احکام کی شرع پر خدا نے اپنی عنائت سے قائم کیا۔ (۵) عام بے علم لوگوں کے جذبات جہالت پر مبنی ہیں۔ اس لئے خدا کے علم کی اشاعت کے پاک فرض کی تکمیل میں انہیں کچھ وقعت نہ دینی چاہیئے۔

۱۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

(۳) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

سورۃ الشوریٰ آیات ۱۱تا۱۴ میں اس کو اور بھی واضح کیا ہے۔ کہ تمہارے لئے دین کی وہی شرع ہے جو نوح کو کہی گئی تھی اور جو تمہاری طرف وحی گئی ہے اور جس پر چلنے کا نوح ابراہیم موسےٰ عیسےٰ کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ اسی دہرم کو قائم رکھیں۔ فرقہ بندی نہ ہونے دیں۔ مگر مشرکوں کو اس کی دعوت دوبھر یا ناگوار ہے۔ خدا ہی جسے چاہے۔ اپنی طرف چنتا اور اپنی طرف رجوع کرنے والے کو ہدائیت دیتا ہے۔ اور علم حق مل چکنے کے بعد جو بھی تفریق ہوئی۔ باہمی ضدوں پر مبنی تھی۔ اور وقت مقررہ تک تیرے رب والی کلام کی تعلیم ملے بغیر ان کے مابین فیصلہ نہ ہوگا۔ دیگر مشکل یہ ہے کہ ان کے بعد کے کتاب الہیٰ کے وارث خود اس کے متعلق یقینی علم نہیں رکھتے۔ سو تو اسی کی طرف دعوت دے۔ اور اسی پر قائم رہ۔ جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کے جذبات کی پیروی نہ کر ہاں یہ کہو۔ میں اسی کو صحیح مانتا ہوں۔ جو خدا نے کتاب الہیٰ میں ظاہر کیا ہوا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ باانصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اور تمہارا بھی۔ ہم نے اپنے کرموں کا پھل پانا ہے۔ تم نے اپنوں کا۔ ہم میں اور تم میں جھگڑا ہی کیا ہے۔ خدا ہمارے درمیان اتحاد لاوے۔ کیونکہ اللہ ہی کی طرف ہم نے پھرنا ہے۔ (۱)

المختصر یہ کہ آنحضرت کا نصب العین کامل طور پر وہی ہے۔ جو وید کا ہے۔ اور کسی نئے مذہب پر نہیں۔ بلکہ ازلی ابدی واحد خدائے عالم اور اس کی آغاز عالم سے ملی ہوئی الہامی تعلیم اور بے بدل عالمگیر اصولوں پر بنی نوع انسان کا متحد ہونا ہی ان کا انتہائی مقصود ہے۔

سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش میں اپنے اعتقاد کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ میں ان عالمگیر صداقتوں کو ماننا اور منوانا چاہتا ہوں۔ جنہیں برہما سے جیمنی تک سب رشی منی مانتے آئے مانتے ہیں۔ اور مانیں گے۔ برہما کی جگہ قرآن میں ابراہیم ہے۔ بلو وغیرہ کی جگہ نوح موسیٰ ہیں۔ اور سوامی جی جیسا سب رشیوں کو سچے اصولوں پر متفق مانتے ہیں۔ ویسا ہی سورۃ البقر آیت ۱۳۶ نیز آل عمران آیت ۸۴ میں کہا ہے۔

تم کہو ہم تو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس پر جو ہم پر ظاہر ہوا۔ نیز ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب آل یعقوب۔ موسیٰ۔ عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں پر ان کے پروردگار سے ظاہر ہوا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں اختلاف نہیں پاتے۔ اور ہم اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ (۲)

ایسا ہی بقر ۲۸۵ میں کہا ہے۔

۱۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

(۲) قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

رسول اس پر ایمان لاتا ہے۔ جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوتا ہے۔ اور مومن بھی سب اللہ۔ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ (کہ ان کا دین ایک ہی ہے) اور ان میں سے کسی میں اختلاف نہیں پاتے۔ (۱)

پس ایک خدا اور اس کے سچے دین کی لازمی شرطیں آنحضرت اتحاد کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور سورہ آل عمران آیت ۶۳ میں کل اہل کتاب کو سچے اتحاد کے لئے یوں دعوت دیتے ہیں۔ کہ

اے اہل کتاب آؤ۔ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں برابر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کے سوائے کسی کو ہم میں سے کوئی اپنا رب نہ سمجھے۔ پھر بھی اگر انحراف کریں۔ تو کہدو۔ کہ تم اس بات کے گواہ ہو۔ کہ ہم داخل اصول کو مان رہے ہیں۔ (۲)

رسول صلعم نے جو سکیم اتحاد کا اس وقت کے علما کے سامنے عرب میں رکھا تھا۔ وہ ہی سوامی دیانند نے بھارت ورش میں دہلی دربار کے موقعہ پر تمام لیڈروں کے سامنے رکھا تھا۔

منشی کنہیا لال الکھ دھاری۔ بابو نوین چندر رائے۔ بابو کیشب چندر سین۔ منشی اندرمن۔ آنریبل سید احمد خاں۔ ہر سچندر چنتامنی وغیرہ اس کانفرنس میں شامل تھے سوامی جی نے ایشور اور وید پر متفق ہو کر ملک کا سدھار کرنے کی اپیل کی۔ اور بہت سمجھایا۔ مگر افسوس۔ باوجود سب باتوں کے صحیح ماننے کے نیتاؤں کا اتحاد نہ ہوا۔ تاہم قرآن کا فرمان صحیح ہے۔ کہ خدا کے اعتقاد اور اس کے الہامی علم کے پرچار سے ہی اختلافات مٹیں گے۔ اور سچا اتحاد ہوگا۔

۹۔ جہاد مانع اتحاد نہیں

قرآن میں کھشاتر دھرم کا بھی ذکر ہے۔ مگر رسول صاحب کا تعلق مذہبی جدوجہد تک ہی محدود رہا ہے۔ وعظ اور مذہبی مباحثہ جات کی آپ کو وہ لگن تھی۔ کہ وہ ہر وقت خود اسی کام میں لگے رہتے۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی اسی طرف مائل کرتے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اس جدوجہد والا جہاد اتحاد میں روک نہیں۔ بلکہ اس کا معاون ہے مفسرین نے سورۃ الانفال میں جہاد کا تعلق جنگ بدر سے جوڑا ہے سورۃ التوبہ کا جنگ تبوک سے۔ احزاب کا جنگ احزاب سے لیکن درحقیقت ان سورتوں میں جنگ سیف کا کوئی تعلق نہیں۔

۱۰ ۔ جنگ بدر

سورۃ الانفال اشاعت حق کے لئے ہی ضروریات سے زائد دولت کو وقف کرنے کی ہدائت دیتا ہے۔ اور

۱۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔

۲۔ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

دانی لوگوں کو وعظ حق اور مباحثہ جات کے یقینی اثر اور فوائد بتاتا ہے۔ چنانچہ آیت ۶ سے عظیم الشان مباحثہ کا ذکر چلایا گیا ہے۔ پہلے کہا ہے۔

تیرے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑا ہے حالانکہ واضح ہو چکا ہے کہ (حق کے بغیر) لوگ خود موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔(۱) اس کے ساتھ ہی کئی امور قابل غور ہیں۔

۱۔ مذہبی دنیا کے واقفکاروں سے پوشیدہ نہیں۔ کہ مذہبی جنگ محض سچائی کی خاطر ہوتا ہے۔ جنگ سیف کا حق و باطل کی تمیز کرانے سے تعلق نہیں۔

۲۔ اس کے علاوہ موت کا مفہوم مرنا مارنا وغیرہ ہی نہیں۔ زندگی اور موت کا لفظ اہل مذہب عام استعمال میں لاتے ہیں۔ ایمان زندگی ہے کفر موت ہے۔ علم زندگی ہے۔ جہالت موت ہے۔ طاقت زندگی ہے۔ کمزوری موت ہے۔ اسی طرح سچ زندگی ہے۔ اور جھوٹ موت ہے۔

۳۔ حق سے انحراف کو بھی آیت میں موت کی طرف لگایا یا موت کے منہ میں جانا کہا ہے۔ اور یہ لفظ مع حق کے متعلق جھگڑا ہونے کے خیال کے اس بیان کو خاص مذہبی مباحثہ سے منسوب بتاتا ہے۔ لیکن مفسرین کہتے ہیں یہاں جنگ بدر کا ذکر ہے۔

۴۔ آیت ۶ کے الفاظ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ کے متعلق وہ کہتے ہیں۔ کہ "مکہ سے کفار کا لاؤ لشکر چل رہا تھا۔ اور آٹھ نو منزل چل کر بدر پہنچا تھا۔ اور رسول کو اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے موت گویا ان کے سامنے تھی"۔ لیکن نہ سورۃ میں بدر کا لفظ ہے۔ نہ کفار کے لاؤ لشکر یا رسول کو اطلاع ملنے کا۔ نہ اس طریق استدلال سے رسول صلعم کی زندگی کے دوسرے واقعات جنگ سیف کے علاوہ کسی اور مفہوم پر لگ سکتے ہیں۔ نہ قرآن سے کوئی جواب مل سکتا ہے۔ کہ کیوں یہاں جنگ بدر کا لفظ نہ لکھ دیا گیا۔ اور نہ مفسرین کا دعوے ہے۔ کہ جنگ بدر کے سوائے آیات کا کوئی اور مفہوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ آیت ۷ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے دو گروہوں میں سے ایک کے لئے مقدر کیا تھا۔ کہ وہ تمہارے لئے ہو۔ یہ دو گروہ قرآن میں عام طور پر برہمن اور کشتری ہیں۔ سچے اور جھوٹے دو گروہ بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن مذہبی متین کے لئے خدا کی طرف سے محض برہمن لوگ ہیں۔ اور آگے یہ کہا ہے۔ کہ رسول بھی چاہتا تھا۔ کہ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ یعنی وہ لوگ جو ظاہری شان و شوکت کے لئے مقصود نہیں۔ میری طرف ہو جاویں۔ مفسرین اس کے معنے بے ہتھیار لوگ کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی جنگ کا تعلق قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بے ہتھیار لوگوں کو محض مباحثہ وغیرہ میں امن پسند لیڈر ساتھ لے سکتے ہیں جنگ سیف میں ایسوں کو کوئی چاہ نہیں سکتا۔

۶۔ کہا جاتا ہے۔ کہ دو گروہ سے مراد مسلح اور غیر مسلح لوگ ہیں۔ کفار مکہ مسلح تھے۔ اور ابوسفیان والا تجارتی قافلہ غیر مسلح تھا۔ لہذا رسول چاہتے تھے۔ کہ بے ہتھیار تجارتی قافلہ سے مقابلہ ہو۔ تو آسانی سے

---

(۱) يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ۰

لوٹ کا مال ملیگا۔ لیکن اس کا مطلب مومنوں کا ارتکاب جرم ہوگا۔ نیز بزدلی اور رسول صلعم جیسے بے غرض مذہبی مشنری کی اصل سپرٹ کے قطعاً خلاف اور اس صورت میں موت کی طرف ہانکا جانا بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ لوٹ سے زندگی کا سامان پانے کا منصوبہ ہی مقصود ہو سکتا ہے۔ رسول کا دنیوی شوکت سے محروم لوگوں کے ملنے کے لئے دعا کرنا اس مفہوم میں لیا جائے۔ تو یہ سلسلہ مضمون کے بھی خلاف ہوگا۔ کیونکہ

(۷) آیت ۷ تا ۹ میں کہا ہے۔ کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کی حقانیت ظاہر ہو جاوے۔ اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے۔ کو مجرم لوگوں کو برا لگے۔ تو بھی تمام لوگوں پر ظاہر ہو جاوے کہ حق حق ہے۔ اور باطل باطل ہے۔ (۱)

خدا کی کلاموں اور حق و باطل کے متعلق فیصلے اور کافروں کی جڑ یعنی جھوٹ کے کٹ جانے کے الفاظ تمام متفق الزبان ہو کر اس سورت کو عظیم الشان مباحثے سے وابستہ کرتے ہیں۔

۸۔ آیت ۹ میں بیان ہے۔ کہ رسول مدد کے لئے دعا مانگتے تھے۔ سو وہ منظور ہوئی۔ خدا نے ایک ہزار رہنما فرشتوں سے آپ کی مدد کی۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کی عنائت اور اس کے الہامی کلاموں کی سند سے آنحضرت نے حق کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا کر دکھایا۔ اور ایک ہزار برہمن آپ کی طرف ہو گئے۔ مُردِفِینَ کے معنے آگے چلنے والے یا رہنما لوگوں کے ہیں۔ اور برہمنوں کو قرآن بھی رہنما کہتا ہے۔ مگر مفسرین کہتے ہیں۔ کہ آیت ۹ کے لفظ اَلْمَلٰئِکَۃ مُردِفِینَ کے معنے آگے چلنے والے فرشتے ہیں۔ اور یہ فرشتے بقول بعض غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والے تھے۔ اس پر اعتراض ہوا۔ کہ نظر نہ آنے والوں سے فائدہ کیا۔ تو آیت ۱۰ سے اس کا جواب نکالا گیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان ڈالتے تھے۔ اور آیت ۱۲ سے مخالفوں کے دلوں میں رعب ڈالتے تھے۔ لیکن جب یہ کام اطمینان اور رعب کا آنحضرت سے پہلے اور پیچھے ہمیشہ ہی بغیر لطیف فرشتوں کے بھی ہوتا آرہا ہے۔ تو محض اسی ایک وقت میں اس کے امر واقعہ ہونے کا ثبوت کیا۔ اور نظر نہ آنے والوں کے متعلق آگے چلنے کا علم کیسا۔

۹۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ فرشتوں نے درحقیقت جنگ کیا۔ ان کی روایتیں اس قسم کی ہیں۔ کہ ایک انصاری ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا۔ کہ اس نے ایک کوڑے کی آواز سنی۔ اور کافر گر گیا۔ رسول صاحب سے ذکر ہوا۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ فرشتے کا کام ہے۔ ابوجہل نے ابن سحور سے پوچھا۔ کہ یہ کیا بات تھی۔ کہ ہم آواز سنتے تھے۔ پر شکل نہ دیکھتے تھے۔ جواب ملا۔ یہ فرشتے تھے۔ بعض یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور وہ انسان کی شکل میں لڑے۔ لیکن بیان القرآن بجا طور پر کہتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی صراحت ان باتوں کے قطعاً خلاف ہے۔ اور امام رازی حضرت ابن عباس وغیرہ سب

۱۔ وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۔

۲۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

اس کی تردید کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ لڑائی کے لئے مقصود تھے۔ نہ وہ لڑے۔ نہ صرف یہ تمام معتبر راوی متفقہ طور پر رائے دیتے ہیں۔ کہ کسی بھی اسلامی جنگ میں فرشتے نہیں لڑے۔ پس ایک ہزار رہنما فرشتے محض دنیوی مال و دولت سے بے پرواہ واعظ لوگ تھے۔ یا برہمن وغیرہ

۱۔ آیت ۱۱ میں لفظ ہے (یُغَشِّیکُمُ النُّعَاسَ)۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ تمہیں سکھ کی نیند سلایا۔ یہ لازمی نتیجہ تھا۔ مباحثہ کی کامیابی کا۔ رسول لے تفکرات اشاعت مذہبی کے متعلق قرآن کے رد سے ان پر ہر وقت غالب رہتے تھے۔ اور مباحثہ کی فتح یا ایک ہزار علم والے رہنما برہمنوں کا ملنا تفکرات کو دور کرنے اور سکھ کی نیند سلانے والا تھا۔ لیکن مفسرین نعاس کے معنے ہلکی نیند یا اونگھ لیتے اور کہتے ہیں۔ کہ گو جنگ بدر کے دن مسلمانوں پر نیند کے وارد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ تاہم ممکن ہے۔ اس سے پہلی رات کو نیند آئی ہو۔ اور جس بارش کا ذکر ہے۔ وہ پہلے آئی ہو گی۔ اس سے بھی نیند کا میلان ہو سکتا ہے۔ یا ممکن ہے۔ نعاس سے مراد سکون ہو۔ اور موت کا خوف اللہ تعالےٰ نے نیند میں ان سے دور کر دیا ہو۔ یا ممکن ہے۔ نبی کریم نے جو بہت دعا کرتے کرتے عریش سے باہر تشریف لاکر اپنی زبان مبارک سے یہ لفظ نکالے تھے۔ کہ کافروں کی جمعیت بھاگ جائے گی۔ وہی یہاں مقصود ہو۔" ان الفاظ سے ہر بات مشکوک اور مشتبہ ثابت ہوتی۔ اور تحقیق حق سے ان بیانات کو بے تعلق کرتی ہے۔

۱۱۔ آیت ۱۲ کے یہ الفاظ جنگ کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ کہ

"گردنوں کے اوپر مارو۔ اور ان کی انگلیوں اور ان کے پوروں کو کاٹ ڈالو۔" (۱)

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ مارے کاٹے کون۔ خطاب ہے تو فرشتوں سے وہ نہ نظر آویں۔ نہ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار۔ نہ فرشتوں کی عادت مار کاٹ کی۔ اس پر کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان اور منافقوں کے دلوں میں رعب ڈالنا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اور مارنا کاٹنا مسلمانوں کا۔ ثبوت یہ کہ فرشتوں کے ساتھ مُردِفین کا لفظ ہے۔ یعنی آگے چلنے والے جس سے دلوں میں اطمینان ہوتا ہے۔ لیکن جب نہ فوج کا ذکر۔ نہ ہتھیاروں کا۔ نہ کسی سے عداوت اور جنگ کے اسباب کا تو فرشتوں کا آگے چلنا چہ معنے۔ پس آگے چلنا سے مُراد برہمنوں کا رہنمائی کرنا وغیرہ ہی ہے۔

مُردِفین ردف سے ہے۔ جس سے ردیف بنتا ہے۔ اور ردیف کے معنے سوار کے پیچھے بیٹھنے والا ہیں۔ شعر کا آخری لفظ ردیف ہے۔ ریزرو فوج کو بھی ردیف کہتے ہیں۔ پس آگے چلنے والے نہیں۔ بلکہ مباحثہ کے نتیجے کے طور پر حق کی پیروی قبول کرنے والے نیک انسان فرشتے ہو سکتے ہیں۔ اور وہی پھر رہنما بن سکتے ہیں۔

اعناق کے معنے گردنیں ہیں۔ تو امت یا قوم کی گردنیں یا سر بزرگان قوم ہیں۔ اور فوق الاعناق کا لفظ ان لوگوں کی فوقیت یا فضیلت کے معنے موزونیت سے دیتا ہے۔

اضرِبُو ضرب سے ہے۔ اس کے معنے مار نا لئے جاویں۔ تو ضرب پہنچانا کے معنے جان سے مارنا ہو گا۔

---

(۱) فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ٥

اور گردنوں پر مارنا یا پوروں کو کاٹنا کا حکم بے ہتھیار ساتھیوں کو سنانا رسول جیسے جہاں پُرش کو اعتراضات کا نشانہ بنائے گا۔ جو دشمن سے بھی بدلہ نہ لینے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں۔ کونسا ہتھیار مارا جائے۔ اور اگر گردن کاٹ دی جائے۔ تو انگلیوں کے پور کاٹنے سے سوائے انتہائی بے رحمی کے جذبہ کے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔

بنان کا لفظ انگلیوں کے پوروں کے لئے ہو سکتا ہے۔ تو قومی بزرگوں کے ہاتھوں یا انگلیوں یعنی ان کے معاون پیروؤں کے لئے بھی آ سکتا ہے۔ بنان کا واحد بنن ہے۔ بمعنے بوئے خوش و ناخوش۔ اور اس کا مفہوم پبلک میں پھیلی ہوئی بھلی یا بُری ساکھ ہو سکتا ہے۔ مقابلے کے دن پیٹھ دکھانے والوں کے لئے کہا ہے۔ (فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ) گویا ان لوگوں کا پیٹھ دکھانا ہی ان کی موت ہے۔ اسی طرح آیت ۱۲ میں مخالف فریق کے اعتقاد پر مناظر۔ نیز اس کی قابلیت و شہرت پر کاری ضرب لگانا بھی اس کا مفہوم ہے۔ گردن پر مارنا وغیرہ نہیں۔

۱۲۔ آیت ۱۵ و ۱۶ میں کافروں سے مڈبھیڑ ہونے پر پیٹھ نہ دکھانے کی ہدایت ہے۔ یہ کشتریوں اور جنگ سے منسوب ہو سکتا ہے۔ لیکن علماء کا مذہبی خدمت سے غافل ہونا یا گریز کرنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اور مذہبی مشنریوں کے فرائض کا بیان کرتے ہوئے پیٹھ پھیرنے کا ذکر محض تبلیغی کوششوں کے نقص کے لئے ہی آتا ہے۔

۱۳۔ آیت ۱۶ میں دو صورتوں میں پیٹھ پھیرنے کو قابل درگذر بتایا ہے۔ ایک صورت ہے مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ یعنی جنگ کے لئے ایک طرف پھرنا۔ بارہا جنگ کا محاذ بدلنا یا نیا طریق اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت ہے مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ یعنی جماعت کی طرف ملنا۔ جنگ میں فوج سے بچھڑا ہوا سپاہی فوج سے جا ملنے کے لئے پیٹھ دکھا کر بھاگ سکتا ہے۔ تو یہ بھی قابل اعتراض نہیں۔ لیکن مذہبی جنگ میں بھی دو صورتیں قابل درگذر ہیں۔ ایک تو کوئی شریف عالم مبلغ اس خیال سے مباحثہ وغیرہ سے باز رہ سکتا ہے۔ کہ مخالف فریق مباحثہ کی آڑ میں فساد کرنے کا خیال رکھتا ہے۔ یا اس کی ناقابلیت سے امکان جھگڑے کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کوئی مبلغ ذاتی طور پر مباحثہ وغیرہ نہیں کرنا چاہتا سوسائٹی کا نمائندہ ہونے کی شرط لگاتا ہے۔ خود اپنی سبھا کی طرف سے مباحثہ کرتا۔ اور دوسرے کے لئے بھی یہی اصول ٹھہراتا ہے۔ سو یہ بھی ذاتیات سے بچنے کے لئے ضروری بات ہے۔ پس مشنریوں کے لئے مقصود ہونے سے جنگ سیف والی باتیں یہاں غیر متعلقہ ہیں۔

۱۴۔ آیت ۱۹ میں کہا۔ کہ اپنے ساتھی تھوڑی تعداد میں ہوں مضائقہ نہیں۔ خدا اہل ایمان کا مددگار ہے۔ آیت ۲۰ میں کہا۔ سُن کر انحراف نہ کرو۔ نہ یہ کہ ایک کان سن کر دوسرے سے نکال دو۔ بلکہ حق کو قبول کرو۔ آیت ۲۲ تا ۲۴ میں کہا۔ کہ سُنو اور اس پر عقل سے غور کرو۔

ان سب باتوں کا اور پہلے بیان شدہ امور یعنی اللہ کی کلاموں اور حق و باطل وغیرہ کے سب بیان جنگ سیف کو غلط اور تبلیغی جدوجہد کو ہی نفس مضمون سدہ کرتے ہیں۔

۱۲- مباحثہ کا پنڈال

سورۃ الانفال کی آیات ۴۱ تا ۴۳ جنگ بدر کے خیال کو محض مذہبی مباحثہ کی حقیقت پر قایم کرتی ہیں۔ کہا ہے۔ جان لو۔ کہ جو بھی مال تم کو ملے۔ اس کے پانچ حصہ اللہ کے لئے ہیں۔ یعنی رسول۔ قرابت دار۔ یتیم۔ مسکین اور مسافروں (ا تحقیقوں) کا حصہ اگر تم اللہ کو مانتے ہو۔ اور اس کو جو ہر دو فریق کے مباحثہ کے دن حق و باطل کے فیصلے کے وقت اس نے اپنے بندے پر ظاہر کیا تھا۔ واقعی اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ ۴۱
تم پنڈال کے پلیٹ فارم پر تھے۔ اور وہ دوسری طرف باہر لے پلیٹ فارم پر اور مجمع تم سے نیچے تھا۔ اور اگر تم مقرر کرنے لگتے۔ تو وقت کے جھگڑے میں ہی رہتے۔ لیکن اللہ نے ایسا کیا۔ کہ کام ہی ہو گیا۔ سو جس نے اصول کے لحاظ سے مرنا تھا۔ مرا اور جس نے سد ہانت کے لحاظ سے زندہ رہنا تھا۔ زندہ رہا۔ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۴۲۔ اس وقت اللہ نے انہیں تمہارے دل میں قلیل تعداد میں دکھایا۔ ورنہ اگر وہ زیادہ تعداد میں دکھاتا۔ تو حوصلہ توڑ دیتے۔ اور مباحثہ میں تنازعہ ہو جاتا۔ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی حقیقت کو جانتا ہے۔ ۴۳۔ (۱)

دیگر تفاسیر کے متعلق ان آیات کے ترجمے میں کچھ لکھنا موجب طوالت ہے۔ اس لئے پوری بحث تفسیر میں ہی آئے گی۔ یہاں محض یہ کہنا کافی ہے۔ کہ پنڈال مباحثہ کا جو نظارہ قرآن میں کھینچا گیا ہے۔ اس سے کوئی ابہام نہیں رہتا۔ باوجود اس کے اگر بدر کا کوئی تعلق ہو۔ تو محض مباحثہ کی جگہ بدر کا مقام ہو سکتا ہے۔ یا مباحثہ کا وقت بدر کی رات۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ آیات کے الفاظ سے بدر کے مقام پر کوئی جنگ سیف ہوا ہو

۱۳- جنگ تبوک

جس طرح سورۃ الانفال کا تعلق جنگ بدر سے اور سورۃ الاحزاب کا تعلق جنگ احزاب سے ہو گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ التوبہ سے جنگ تبوک کو منسوب کیا گیا ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۳۸ کے الفاظ انفروا فی سبیل اللہ کا مفہوم ہے۔ کہ راہِ حق میں مستعد ہو جاؤ یا نکل پڑو۔ سو راہِ حق میں نکلنے کا مطلب تبلیغی کام کے لئے گھر چھوڑ کر چل دینا ہے۔ نہ کہ جنگ سیف کے لئے۔ نہ آیات میں تبوک کا لفظ ہے۔ نہ فوجی قواعد اور ہتھیار وغیرہ کا کوئی اشارہ ہے۔ نہ سلطنت روم یا اس سے حملہ ہونے کا۔ پھر بھی یہ افترا کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت کو اس حملے کی خبریں پہنچیں۔ تو آپ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔ اور باوجود ناموافق حالات کے تیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔

---

(۱) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ۴۳

۲۔ آیت ۴۲ میں منافقوں والی معذوری کو بھی جنگ میں نہ جانے کی اجازت سے منسوب کیا ہے۔ لیکن واقعی جنگ سیف ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تو منافقوں جیسے خطرناک لوگوں کو شمولیت کے لئے کہا ہی نہ جاتا۔ کیونکہ ان سے نقصان کا ہی احتمال ہو سکتا تھا۔ ہاں مذہبی کام کے لئے ہر ایک کو ترغیب دینا اور ہمت دلانا معمولی بات ہے۔ آیت ۴۸ اور اوروں میں بھی منافقوں کے مخالفانہ منصوبوں اور سازشوں کا ذکر ہے۔ اس لئے جنگ میں ان کی شمولیت قرین قیاس یا مصلحت نہیں۔

۳۔ آیت ۴۹ میں اجازت مانگتے ہوئے جو لَا تَفْتِنِّیْ کا لفظ کہا ہے۔ اس کا صاف مفہوم یہ ہے۔ کہ مجھے امتحان میں نہ ڈالئے۔ یعنی تعمیل حکم بھی ضروری ہے۔ اور حالات ایسے ہیں کہ تعمیل کر نہیں سکتا۔ پس بڑی مصیبت ہے۔ کہ کیا جواب دوں۔ اس کی تاویل بعض لوگوں نے یہ کی ہے۔ کہ چونکہ جنگ عیسائیوں سے ہے۔ اور عیسائی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں۔ لہذا ان سے جنگ کرنے جائیں گے۔ تو فتنہ۔۔۔ میں پڑیں گے دوسری تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ آپ کے ساتھ جانے سے مال و عیال ہلاک ہو جائے گا۔ سو پہلی بات تو مضحکہ خیز ہے۔ خوبصورت عورتوں والا فتنہ منافقوں کے لئے کیا مومنوں کے لئے زیادہ خطرناک ہے۔ اور منافقوں جیسے لوگ تو الٹا ایسی ترغیب سے شمولیت کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ اور دوسری بات اس لئے غیر معقول ہے۔ کہ جنگ مال و عیال کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ نہ کہ ہلاکت کے لئے۔

۴۔ آیت ۵۲ میں جو دو میں سے ایک بھلائی کی خواہش مذکور ہے۔ اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ جنگ میں مارا جانا بھی اچھا ہے۔ اس سے جنت ملتی ہے۔ اور فتح پانا بھی اچھا کہ حکومت ملتی ہے۔ لیکن اگر یہی مطلب ہو۔ تو وہ خود کیوں پیچھے رہیں۔ اور کیوں دونوں ہاتھوں میں لڈو نہ لیں۔ پس دو بھلائیاں یہ ہیں تبلیغ کے لئے نکلنا اور کامیابی پانا۔ سو انہیں کامیابی سے غرض نہیں۔ وہ محض یہی چاہتے ہیں۔ کہ مومن نکل پڑیں

۵۔ آیت ۵۵ میں مال اولاد وغیرہ کی وجہ سے منافقوں کو دنیوی عذاب ملنے کا جو بیان ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ مال اولاد کے غرور سے نیکی سے غافل ہوتے ہیں۔ اور ان کی اولاد بدچلن۔ بیمار یا موت کا شکار ہو کر انہیں عذاب دیتی ہے۔ یا چوری۔ ڈاکہ۔ آتشزدگی وغیرہ سے انہیں مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس کی بجائے یہ تاویل کی جاتی ہے۔ کہ مال جنگ میں خرچ کرنے اور زکوٰۃ میں دینے سے انہیں دلی دکھ ملتا تھا لیکن اگر ایسا ہوتا۔ تو وہ اپنی اولاد کو قابو کرتے۔ نہ کہ رسول سے اپنے پیچھے رہنے کی اجازت چاہتے۔

۶۔ آیت ۷۲ میں کافروں اور منافقوں کے متعلق جو جہاد ہے۔ وہ بھی رسول سے تبلیغی سرگرمیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ جھوٹ اور جہالت کے خلاف حق اور علم کی طاقت کا پُرزور استعمال سب سے بڑا اور پاک جہاد ہے۔ ویدک لفظ یدھ ہی جہاد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جیسے ایودھیا کا ایودھیا بن رہا ہے۔ وید منتر میں الفاظ युयोध्य स्म ज्जु हु राणा میں جن کُٹیتا والے لوگوں کا ذکر ہے۔ قرآن ان کو منافق کہتا ہے۔ اور ان سے جہاد نزد وید باطل ہی ہے۔ شہوت غصہ لالچ وغیرہ کے اندرونی جذبات کو قابو کرنا شیطان نفس کو مغلوب کرنا ہے۔ اور سوسائٹی کے اندرونی دشمنوں یعنی منافق وغیرہ کو زیر کرنے کے لئے تبلیغی جنگ کا ہی فرمان خدا سے ہے۔ جنگ سیف سے کھشتریوں کا تعلق ہے۔ اور وہ مذہبی مخالفین سے نہیں ملکی مخالفین

سے ہوتا ہے۔

۷۔ اسی آیت میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا لفظ ہے۔ اس کے معنے لئے جاتے ہیں۔ ان پر تشدد کرو۔ اس پر جنگ والی مارکاٹ کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غلظ لفظ کے معنے یہ ہیں۔ کہ انسان مضبوط رہے یا ضبط سے کام لے۔ فوراً نگھل نہ جائے۔ یا نرم ہو کر درگذر نہ کرے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض نرم دل مبلغ صاف گوئی سے کام نہیں لیتے۔ کہ شاید فریق ثانی کو برا لگے۔ سو پختہ ثبوت اور دلائل قاطع سے حالات کو پلٹا دے کر ہی دم لینا چاہئے۔

(۸) تحکم مسلمانوں کو نہیں۔ محض رسول کو مخاطب کرنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ جہاد محض علمی طاقت سے مخالف کو اپنی طرف کھینچنے کا نام ہے۔

۹۔ آیت ۹۱ میں کمزوروں مریضوں اور ناداروں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس سے بھی جنگ سیف کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناداروں کا جنگ میں بھرتی ہونا آسان ہے۔ اور وہی بے فکری سے لڑ سکتے ہیں۔ نادار اگر مال سے جہاد نہیں کر سکتے۔ تو جان کی بازی لگا کر لڑ تو سکتے ہیں۔

۱۰۔ آیت ۹۲ میں جو نادار کا سواری کا خود انتظام نہ کر سکنا اور رسول کا بھی معذور ہونا مذکور ہے۔ اس سے بھی تبلیغی کام کا ہی تعلق ہے۔ عمر رسیدہ لوگ اس کام کے زیادہ قابل اور سواری کے محتاج ہیں۔ جنگ سیف میں تو پیادہ بھی کام دے سکتا ہے۔ سوار ہی نہیں۔ پیادہ فوج بھی ہوتی ہے۔

۱۱۔ کل سورۃ میں جہاد کا تعلق قرب الٰہی۔ عبادت۔ زکوٰۃ کی عادت۔ نیکی کرنا اور رسول کی اشیر باد لینا ہی سے ہے۔ اور یہ سب تبلیغی مشن کے ارکان ہیں۔

۱۲۔ آیت ۱۱۱ میں يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کے الفاظ ہیں۔ اور ان کے بعد فَيَقْتُلُونَ اور يُقْتَلُونَ کے ان سے راہِ حق میں جنگ کرنا۔ قتل ہونا۔ قتل کرنا کا سارا بیان کشت و خون والے جنگ کے متعلق ہی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ الفاظ علمی جنگ پر بھی چسپاں ہوتے ہیں۔ تاش۔ شطرنج۔ کبڈی۔ کرکٹ کی ساری کھیلوں میں مرنا۔ مارا جانا وغیرہ کے الفاظ جو مفہوم رکھتے ہیں۔ نفس کو قتل کرنے کا جو مطلب ہے۔ وہی وعظ حق سے ظالم کو مار دینے کا ہے۔ اس معنے میں کہ اس نے حق کو قبول کر لیا۔ آیت ۱۲۳ میں کہا ہے۔ اے حق پرستو! قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ جو کافر تمہارے آس پاس ہیں۔ ان سے جنگ کرتے رہو۔ اب یہ جنگ محض تبلیغ حق والا ہے۔ نہ یہ کہ ان کو قتل کیا جاوے۔ اس جنگ سے غرض یہ بتائی ہے۔ کہ وہ تمہارے میں مضبوطی پائیں۔ یعنی تمہاری قابلیت اور مضبوطی یا علمی قابلیت کا سکہ ان پر بیٹھے۔ اگر قتل کرنا ہو۔ تو اس نتیجہ کا ذکر ہی نہ ہو۔ اس کے بعد سورۃ کا نازل ہونے کا ذکر لیکچر سنانے کا مفہوم رکھتا ہے۔ پس آیت ۱۱۱ والا جنگ بھی وعظ یا مباحثہ وغیرہ ہے۔ آیت ۱۱۲ میں بالخصوص مفصل توضیح موجود ہے۔ کہ ایسے جنگ کرنے والوں کی خدمت محض یہ ہے۔ کہ گناہ سے باز آنے اور رکھنانے والے۔ عبادت اور حمد کرنے اور روزہ رکھنے والے۔ رکوع اور سجود پر عامل معروف کی تائید اور منکر کی تردید کرنے والے سب مومنوں کو خوشخبری دو۔ ان میں سے کسی امر کا جنگ سے تعلق نہیں۔ سوائے وعظ حق کے۔

۱۳۔ جنگِ احزاب

سورۃ الاحزاب میں مذہبی لوگوں سے مخالفت اور جنگ کا نہایت واضح بیان ہے۔ احزاب جمع ہے۔ حزب کی اور اس کے معنے ہیں گروہ یا فرقہ یا امت۔ آنحضرت کا ان مذاہب سے نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ اور مذہبی کشمکش جو اس وقت درپیش تھی۔ اس کا خاکہ اس سورۃ میں کھینچا گیا ہے۔ آیت ۱۰ میں کہا ہے۔

"تمہارے اعلےٰ و ادنےٰ سب تمہارے مخالف ہو رہے تھے۔ تمہاری نظریں چکا چوند میں تھیں۔ تمہارے دل حلق میں آ رہے تھے۔ وغیرہ (۱)

اس قسم کے نازک موقعہ کے متعلق بہت کچھ بیان کر کے آخر خدا کے فضل اور رسول کی ہمت سے فتح ہونے کا بیان ہے۔ مخالفین جو دھمکیاں دیتے تھے۔ وہ گھمنڈ یا تردید یا باطل کرنے والوں کو دیتے تھے۔ انہیں اہلِ یثرب کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے۔ کیونکہ یثرب مشتق ہے۔ ثرب سے اور تثریب کہتے ہیں۔ سرزنش یا سخت برائی کرنے کو۔ پس اہلِ یثرب برملا جھوٹے مذاہب کی مذمت کرنے والے تھے۔ لیکن مفسرین نے اہلِ یثرب سے مدینے کے لوگ مراد لیا ہے۔ اور اس مذہبی کشمکش کو بھی جنگِ احزاب کا نام دے کر جنگ سیف کا مفہوم پیش کیا ہے۔

فَوْقِکُمْ کا لفظ جو آیت نمبر ۱۰ میں ہے۔ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ تمہارے اوپر کی طرف سے اور مِنْ اَسْفَلَ کے معنے کرتے ہیں، نیچے سے اور بعضے مشرق اور مغرب کے معنے لے کر ہر طرف کا مفہوم بیتے ہیں۔ کہ دشمن ہر طرف سے حملہ کر رہے تھے۔ حالانکہ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ کا لفظ صاف بتاتا ہے۔ کہ باہر کے دشمنوں کا حملہ مقصود نہیں۔ بلکہ تم سے جو ادنےٰ ہیں۔ ان کا ذکر ہے۔ خیر خیالی چڑھائی سے اس بیان کو بھی جنگ سمجھ کر شانِ نزول یوں بتایا ہے۔ کہ

ہجرت کے پانچویں سال میں آنحضرت نے قبیلہ بنی نضیر کو بدعہدی کی وجہ سے نکال دیا۔ وہ خیبر میں جا رہے۔ بعد میں ان لوگوں نے مخالفین آنحضرت سے سازش کر کے قریش قبیلہ وغیرہ کو بہکایا۔ اور دس ہزار تک کا مجمع بنایا۔ تب آپ نے مدینہ کے مشرقی جانب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودتے ہوئے ایک پہاڑی بیچ میں آگئی۔ اور صحابہ کے عرض کرنے پر آنحضرت خود تشریف لے گئے۔ پہلی کدال مارنے پر جو پتھر سے روشنی ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا مجھ کو یہ دکھایا گیا۔ کہ فارس فتح ہوگا۔ دوسری کدال میں روم کا اور تیسری میں یمن کی فتح کا اشارہ بتایا گیا۔ مخالف کچھ تو مدینے کے مشرق کی طرف آ اترے۔ اور کچھ بلندی کے رُخ اتر پڑے۔ یہ مطلب مخالفین کے اوپر اور نیچے سے اترنے کا کیا جاتا ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کے گھبرانے ان کی آنکھیں پتھرانے دل حلق میں آنے اور قدم لڑکھڑانے وغیرہ کے نتائج منسوب ہوتے ہیں۔ محاصرہ ایک ماہ تک رہا۔ تیر بازی اور سنگساری بھی ہوئی۔ آخر اللہ نے آسمانی لشکر مسلمانوں کی مدد کو بھیجا۔ سخت آندھی چلی۔ سردی کا موسم تھا۔ مخالفین شدتِ طوفان و سردی سے پریشان ہوئے۔ رب الافواج نے اور لشکر بھیجے۔ جن سے مخالف بے حوصلہ ہو گئے۔ اور ایسے باختہ ہو کر ایسے بھاگے۔ کہ ہر طرف گھوڑوں اور سواروں کی آہٹ معلوم ہوتی تھی۔ اور بھاگو بھاگو کے

(۱) اِذْ جَاءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ

سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا" قرآن کے الفاظ سے یہ قصہ نہ نکلتا ہے۔ نہ ان سے یہ منسوب ہو سکتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ اس تمام بیان کو سورۃ کے مضمون کے مقابلہ پر رکھا جاوے۔ تو غیر معقولیت اس کی آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے۔ سورت میں مخالفین کے اعتراضوں اور انکے لگائے ہوئے الزاموں اور ان کے جوابات کا ذکر ہے۔ اور احزاب کا لفظ مذاہب یا مت متنافر کے معنے رکھتا ہے۔ پس جنگی خیالات محض غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

۱۴۔ جہاد علمی جنگ ہی ہے

سورۃ التوبہ آیت ۵ میں ہے، کہ جب حرمت کے مہینے گذر جاویں۔ تو مشرکوں کو جہاں پاؤ۔ مار دو" (۱) آیت کے لفظ فاقتلوا کا ارتھ بظاہر قتل کرنا کے حق میں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس کے معنے محض مذہبی جنگ سے زیر کرنا ہے۔ گردن کاٹنا یا جان سے مارنا نہیں۔ اسی طرح مشرکین کا قتل بھی اور مفہوم رکھتا ہے۔ مناظرین باری باری تقریر کے لئے اُٹھتے ہیں۔ تو بعض اوقات دوسرے کو بالکل لاجواب کرنے کے ارادہ کو یوں کہا جاتا ہے۔ کہ بس اب کے تو وہ ماروں گا۔ کہ اُٹھ ہی نہ سکے گا۔ آیت زیر بحث میں اس کے بغیر اور کوئی مطلب نہیں۔ اس کا ثبوت اگلے الفاظ سے ملتا ہے" ان کو ملو۔ ان کے گرد ہو جاؤ۔ ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو (ان کو ہٹا دینے کے لئے ہر ممکن تدبیر کرو) اگر وہ حق کی طرف لوٹیں۔ نماز کرنے اور زکوٰۃ دینے لگیں۔ تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (۲)

اب سوچنا چاہئے۔ کہ جہاں ملے انہیں قتل کر دیا۔ تو نماز زکوٰۃ وغیرہ کی نوبت ہی کہاں آئے گی۔ پس قتل کرنا کے معنے یہاں غلط اعتقادات کی بیخ کنی ہے۔ خواہ وہ کسی تدبیر سے ہو۔ سمجھانے سے۔ خدا کے اور سچائی کے نام پر اپیل کرنے سے یا دلیل اور ثبوت کی مضبوطی سے لاجواب کرنے سے۔ اگلی آیت میں کہا ہے۔ کہ " اگر مشرک مدد مانگے۔ یعنی خود سمجھنے پر مائل ہو۔ تو اسے کلام الہی سناؤ۔ اور اسے اس کی جائے امن میں پہنچاؤ۔ مطلب یہ کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ گویا حفاظت اور ہدایت دونوں کا مشتری لوگ خیال رکھیں۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش سملاس ۱۱۔ برہمو سماج کے مضمون میں لکھتے ہیں۔ کہ عالم لوگ بمنزلہ ڈاکٹر ہیں۔ انہیں چاہئے۔ کہ جاہلوں کی مدد کرتے ہوئے انہیں غلطیوں سے بچائیں۔ ورنہ وہ پاپ کے بھاگی ہیں۔ یہی کچھ یہاں مقصود ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت ۴۶ میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب سے جھگڑا یا بحث نہ کرو۔ ہاں کرو۔ تو ایسے طریق پر کہ شستہ ہو۔ ہاں ان میں سے جو لوگ ظالم یعنی دھرم سے منحرف یا مشرک ہیں۔ ان سے بے شک جھگڑو۔

اس آیت میں تجادلوا لفظ جدل سے ہے جس کے معنے جنگ یا لڑائی ہے۔ اور یہ جنگ محض مذہبی بحث ہے۔ جو مشرک اہل کتاب سے ہو۔ وہی سورۃ التوبہ میں فاقتلوا لفظ کا مفہوم ہے۔ قتل کے معنے جنگ میں مار دینا ہے۔ لہذا مذہبی مباحثہ یا جنگ میں شکست دینا ہی قتل کرنا ہے۔ قتال کے معنے بعض مفسرین نے جنگ اور جہاد کے لئے ہیں۔ مگر کئی دور اندیش اصحاب نے واضح کر دیا ہے۔ کہ اس سے جنگ سیف مراد نہیں۔ اور اسی لئے ہم نے جہاد کی نمائندگی جابجا سے کی ہے لفظ قتال کے لغوی

۱۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۰
۲۔ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۰

معنے صراح جلد ۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۲۴۶ پر یوں لکھے ہیں۔ قتال با کسے کشش کردن۔ قیتال با یاد کہ الگ مُقاتلتہ بکسر اتنا کشش کنندگان۔ پس قتال مذہبی دنیا میں وہ تبلیغی جدوجہد ہے جس سے دوسروں کو حق کی طرف کھینچا جائے سورۃ البقر آیت ۱۹۰ میں کہا ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ اسکا ترجمہ سب مفسرین یہی کرتے ہیں۔ کہ جنگ کرو۔ راہِ حق میں، ان سے جو تم سے جنگ کریں۔ یہ راہِ حق کا جنگ مخالفوں سے علمی جنگ ہی ہے۔

آیات کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ حج کے موقعہ پر مسلمانوں نے خاص سمجھوتہ کر لیا۔ وہ رسول صاحب کو سخت بُرا لگا۔ کہ دین کے معاملہ میں سمجھوتہ کیسا۔ اس لئے انہوں نے آئیندہ کے لئے اس کی مناعی کر دی۔ اور کہا۔ کہ اگر اب مسلمان سمجھوتہ توڑ دیں۔ تو اخلاقی الزام عائد ہوگا۔ اس لئے اگر فریق ثانی عمل کرے۔ تو تم بھی عمل کرو۔ اگر توڑے تو تم بھی توڑ دو۔ لیکن حرمت کے مہینوں کے بعد کسر نکال دو۔ اور مشرکوں کو پورے طور پر قائل کرا کے ہی چھوڑو۔ گویا سمجھوتہ میں شرط ہو گئی تھی۔ کہ حرمت کے مہینوں میں مسلمان تکذیب باطل کا کام نہ کریں گے۔ سو رسول صلعم جیسے با اصول اور تبلیغ حق کے شیدائی کو اس کا بُرا لگنا ضروری ہی تھا۔ یہ مطلب جو ہر غور کرنے والے کی الفاظ آیات سے ہی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ نظر انداز کر کے بات یہ بتائی گئی ہے۔ کہ ابتدا میں کمزوری مجبوری اور مظلومیت سے ہجرت کرنی پڑی۔ پھر مدینے میں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ پیغمبر صاحب کو اہل قریش نے حج عمرہ کے لئے بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ آخر صلح کر کے وہ حدیبیہ سے ہی لوٹ گئے۔ شرط یہ ہوئی۔ کہ مسلمان اگلے سال اس عمرے کی قضا کریں۔ تلواروں کو میان لئے ہوئے داخل ہوں۔ اور صرف تین دن رہیں۔ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ مکے والوں میں سے کوئی مسلمانوں سے جا ملے۔ تو واپس کر دیں۔ اور مسلمان مکے والوں سے ملے۔ تو مسلمان مطالبہ نہ کریں۔ اور نہ اس کے دشمنوں کی مدد کریں۔ مگر اہل قریش کینے سے باز نہ آئے چپکے چپکے مخالفت کرتے رہے اسی طرح تین برس گذر ے۔ اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی۔ اور انہوں نے بہت سے قبیلوں کو مطیع کر لیا۔ ہجرت کے نویں برس پیغمبر صاحب نے مکہ میں حج اکبر کے دن حضرت ابو بکر اور حضرت علی کو بھیج کر یہ منادی کر دی۔ کہ آئیندہ مسلمانوں کا مشرکوں سے قطع تعلق ہوتا ہے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ کہ مطیع ہو جاویں یا لڑائی کے لئے آمادہ ہوں۔ وغیرہ۔ اس بیان کا کوئی اشارہ الفاظ قرآن میں نہیں۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت اور مسلمانوں کو تبلیغ کا نہیں۔ بلکہ پولٹیکل کشمکش کا ہی کام رہتا تھا۔ نہ فوج نہ قواعد۔ نہ ہتھیار مگر محدثین اور مفسرین ہیں۔ کہ ان کے دل میں جنگ ہی جنگ بس رہا ہے۔ اور بالکل بیرونی اور اختراعی باتوں کو آیات کے مفہوم کا تجھلی بنا رہے ہیں۔ سوامی دیانند کے لفظ بہت مشہور ہو رہے ہیں۔ کہ میں دنیا کو قید کرانے نہیں۔ بلکہ آزاد کرانے آیا ہوں۔ قرآن بھی پوزیشن رسول کی واضح کرتا ہے۔ سورۃ الانفال آیت ۶۷ میں صاف کہا ہے۔ نبی کے لئے یہ شایاں نہیں۔ کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ دنیا میں کشت و خون کرے۔ دنیا کے ساماں کو چاہتا ہو۔ حالانکہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اور اللہ ہی غالب اور صاحب حکمت ہے۔(۱)

---

(۱) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس اصول کے مطابق فی الحقیقت نبی کا موہومہ جنگوں سے تعلق نہیں۔ نہ قرآن میں کہیں وہ جنگ ہیں۔
بیان القرآن صفحہ ۸۸۸ پر ہمارے اس خیال کی پوری تائید موجود ہے۔
”جہاد کشت وخون والا جنگ ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دشمنانِ دین کے مقابلے پر جو کام ہو۔ عبادت ہے۔ اور اعمال صالح میں ہے۔ اور بہترین اعمال صالح وہ ہیں۔ جو حق اور صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے کئے جاویں“۔
اسی بحث میں لکھا ہے ”سب سے بڑا مقابلہ علم اور دین کے رنگ میں ہے۔ اسے مجاہدہ بالقلم یا باللسان یعنی تحریری اور تقریری جنگ کہتے ہیں“۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ
”قرآن میں الفاظ ایسے استعمال ہوتے ہیں۔ کہ مجاہدات سیف اور مجاہدات علمی دونوں پر حاوی ہیں بلکہ یہاں اصل مفہوم علمی مجاہدات کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ رکوع کی آخری آیت میں صاف بتایا ہے۔ کہ جنگ سیف کے لئے نکلنا نہیں۔ بلکہ جہاد علمی کے لئے نکلنا ہی اصل غرض ہے۔ آیت ۱۲۲ کا سکیم کہ ہر گروہ سے کچھ آدمی نکلیں۔ اور وہ اپنی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے پر تبلیغ کریں۔ اور اگرچہ کھشتری لوگوں کا جنگ بھی جہاد میں داخل ہو سکتا ہے۔ تو بھی آنحضرت اور دین اسلام کا جہاد محض مذہبی جنگ ہے۔ قرآن میں ہر کسی کا یہی فرض بیان کیا گیا ہے۔
۱۔ سورۃ المایدہ آیت ۹۸ میں کہا ہے۔ رسول پر سوائے تبلیغ کے کچھ فرض نہیں۔ باقی سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ یعنی تمہارے ظاہر اور باطن کو۔
۲۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۲۔ خدا ہدائت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجتا ہے۔ کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ خواہ مشرک برا ہی مانتے رہیں۔
۳۔ سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸۔ تحقیق تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے۔ تمہاری بہبود کا ہی انہیں فکر دامنگیر رہتا ہے۔ مومنوں پر وہ نہائت مہربان اور شفیق ہیں۔
۴۔ آل عمران آیت ۱۰۳ تم میں سے ایک ایسا گروہ بادرن ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت کرے جائز باتوں کا حکم اور ناجائز سے منع کرتا رہے۔ اور یہی ہیں۔ جو فلاح پانے والے ہیں۔
۵۔ آل عمران آیت ۱۰۹۔ تم ان میں سے بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوئیں جو معروف کی ہدائت دیتے منکر سے روکتے۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
۶۔ آل عمران آیت ۱۱۲۔ اللہ پر ایمان رکھتے ونیز عاقبت پر۔ معروف کا حکم دیتے۔ منکر سے ہٹاتے اور نیک کاموں میں سرعت سے سعی کرتے ہیں۔ یہی لوگ صالح ہیں۔
۷۔ یہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔

۱۴۔ جہاد اور عالمگیر اتحاد

چونکہ وید اور قرآن مجید اختلافات کو مٹا کر متحد ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اور رسول صاحب اسی کے لئے بار

بار خدا سے دعا مانگتے ہیں۔ اور چونکہ ہجرت اور جہاد کا اصل مدعا بھی یہی ہے۔ کہ سچے مبلغ گھر بار چھوڑ کر جہاں تہاں پہنچیں۔ پوری طاقت اور علمی قابلیت سے لوگوں کے غلط خیالات کو تکذیب باطل سے دور کریں۔ اور تمام سچے اصول ان کے ذہن نشین کریں۔ اور چونکہ ایک ہی قسم کی تعلیم سے سب کے دل مل سکتے ہیں۔ اور دلوں کا ملنا ہی اصل اتحاد ہے۔ اس لئے اگر رسول صلعم کے فرمودہ اصول ہجرت و جہاد پر تمام خدا پرست عالم لوگ عمل کریں۔ تو اس کا وسیع ترین اثر ہی کل دنیا کے انسانوں کو ملکی مذہبی قومی ہر قسم کی تفریق یا پھوٹ سے بچا کر سچے معنوں میں عالمگیر اتحاد کا نظارہ دکھا سکتا ہے۔

باب دوم ۔ ضرورت الہام

۱۰۔ ویدک سدھانت

رگوید کے پہلے منتر میں "اگنم ایڑھے" کا مفہوم جہاں ایشور کا تکشن بتاتا ہے۔ وہاں گیان یا سچے علم کی تعریف بھی اس کا مفہوم ہے۔ کیونکہ اگنی لفظ جس دھاتو سے بنا ہے۔ اس کے معنے گتی کے ہیں۔ اور گتی کے تین معنے ہیں۔ علم۔ حرکت اور وصال پس اگنی کا لفظ سب سے پہلے آنا۔ اور اس کی صحیح تعریف بتانا دلیل اس بات کی ہے۔ کہ علم کی ضرورت سب سے مقدم ہے۔ اگر پرمیشور میں سرشٹی کا علم نہ ہوتا۔ تو دنیا کی پیدائش نہ ہوتی۔ اور اگر انسان کو علم نہ ملتا۔ تو پیدا شدہ دنیا کا کوئی سامان استعمال میں نہ آتا۔ یا بہ الفاظ دیگر پیدائش عالم فعل عبث ہوتا۔ نہ روح کچھ کام کرتا۔ نہ اسے پھل ملتا۔ اور نہ دنیا کا سلسلہ چلتا۔

مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش باب ۷ میں دلائل دے کر ثابت کرتے ہیں۔ کہ

" اگر ابتدائے آفرینش میں پرماتما رشیوں پر علوم وید کا انکشاف نہ فرماتا۔ اور وہ ان علوم کی تلقین دیگر ابنائے جنس کو نہ کرتے۔ تو سب جاہل رہتے۔"

وید میں برہم کو گیان سروپ یا علم بالذات مانا جاتا ہے۔ اور تمام اگنی وایو وغیرہ جڑ دیوتاؤں اور تمام چرند۔ پرند۔ درند وغیرہ حیوانات کو برہم سے گیان پانے کے ناقابل کہا ہے۔ صرف انسانی قالب میں ہی روح علم الہی کے درشن کر سکتا ہے۔ علم یا گیان نہ حواس سے محسوس ہوتا ہے۔ نہ اور کسی مادی ذریعے سے۔ اس کا تعلق روح سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے سوامی دیانند کہتے ہیں۔ کہ

روح گیان کو حاصل کرنے کے لئے مثل آنکھ کے ہے۔

اتھروید ۱۰۔ ۲۔ ۳۲ میں مذکورہ برہم اور دیوتاؤں کا مکالمہ کین اپنشد کے تیسرے کھنڈ میں دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگنی وایو وغیرہ کے سامنے یکھش (برہم) ہے۔ اور باوجودیکہ آگ سب کو جلا سکتی۔ اور ہوا میں سب کو اڑانے کی طاقت ہے۔ وہ برہم کی شکتی کے بغیر کچھ کر نہیں سکتے۔ حتےٰ کہ ایک تنکے کو جلا و اڑا نہیں سکتے۔ نہ برہم سے علم پا سکتے ہیں۔ آخر میں اندر (جیو آتما) میدان میں آتا ہے۔ لیکن برہم اس سے بھی پوشیدہ رہا۔ آخر اسی آکاش میں وہ ایک اُما نام والی خوبصورت عورت کو ملا۔ تو اس نے اسے یکھش یا برہم کا پتہ دیا۔ وہ کین اپنشد (ٹیکا نارائن سوامی جی) میں شنکر آچاریہ اور دیا مابخ آچاریہ کے پرمان سے

لکھا ہے۔ اور یہی اُپنشد کا رسکا نتو یہ ہے۔ کہ استری رُوپ اودیا ودیا ہے۔ اور ساری کتھا کا آشایہ ہے۔ کہ علم ملنے پر ہی منش کچھ کر و جان سکتا ہے۔ اور علم نہ جڑ کو ملتا ہے۔ نہ پشو پکھشی آدی کو

۱۶۔ آریہ سماج کا بنیادی اصول

آریہ سماج کا پہلا اصول ہے۔
"سب ست ودیا اور جو پدارتھ ودیا سے جانے جاتے ہیں۔ ان سب کا آدی مول پرمیشور ہے۔"

مطلب یہ کہ انسان کے لئے سب سے مقدم ضرورت سچے علم کی ہے۔ اسی علم سے اسے تمام پدارتھوں کا گیان ہوسکتا ہے۔ اور سچا علم ہے پرمیشور میں۔ اس لئے اسی سے انسان کو ملتا ہے۔ رُوح علم بالذات نہیں۔ ہاں علم کو حاصل کرنے کی صلاحیت اس میں ہے۔ جیسے آنکھ نور مجسم نہیں۔ لیکن نور کو گرہن یا قبول کرتی ہے۔ چیز ملتی وہیں سے ہے۔ جہاں ہوتی ہے۔ لہٰذا علم بھی علم بالذات پرمیشور سے مل سکتا ہے۔ اور رُوح کو اس طرح کا علم ملنا ہی الہام ہے۔ بعض لوگ علم کے اصل سرچشمے کا خیال نہ کر کے کہدیتے ہیں۔ کہ علم انسان نے رفتہ رفتہ ایجاد کیا ہے۔ اور وہی الہامی کتب کا مصنف ہے۔ لیکن مہرشی دیانند اس خیال کی مدلل تردید کرتے ہیں۔ کوئی انسان موجودہ دنیا یا تاریخ میں موجود نہیں۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ اس نے اُستاد یا ماں باپ کی مدد کے بغیر کوئی بھی بات خود بخود جانی ہے۔ لہٰذا آغازِ عالم کے انسانوں کو خدا ہی سچا گورو ملا۔ اور اسی سے علم پا کر انہوں نے سلسلۂ تعلیم و درس و تدریس چلایا

۱۷۔ قرآن کا فرمان

اسی اصول کو قرآن سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیتوں میں بیان کرتا ہے۔
اَلرَّحْمٰنُ۔ ۱۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ ۲۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ ۳۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ ۴۔
رحمان نے قرآن کا علم دیا۔ اس نے ہی انسان کو پیدا کر کے اسے علم بیان سکھایا۔

یہاں قرآن کا لفظ آغازِ عالم والے الہام کے لئے ہے۔ گویا واضح کیا گیا ہے۔ کہ انسان کی سب سے مقدم ضرورت الہامی علم کی ہے۔ اور اس کی وجہ سورۃ البقر میں وید اور اُپنشد والے اعلیٰ علمی استعارہ میں بیان کی گئی ہے۔

انسان کی پیدائش سے پہلے جو مادی اشیاء اور حیوانات وغیرہ مخلوق ہوئے۔ ان سب کو اس استعارہ میں ملائکہ کہا گیا ہے۔ خدا اور فرشتوں کے مابین ایک مکالمہ سا بیان کر کے الہام کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ میں اپنا خلیفہ یا نائب بنانے والا ہوں۔ واقعی خدا سے دوسرے درجے پر کل کائنات پر حکومت کرنے سے انسان خلیفہ یا نائب ہی ہے۔ اور اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس کے اس شرف کو واضح کرنے کے لئے فرشتوں کی زبانِ حال سے کہلایا گیا ہے۔ کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں ہم کو کیوں نہ خلافت دی جائے۔ چونکہ کل مخلوق اشیاء خدا کی ہی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا مجسم ثبوت ہیں۔ اس لئے بجا طور پر انہیں خدا کی تسبیح و تقدیس کرنے والا کہا گیا ہے۔ لیکن خدا فرماتا ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ تم میں علم نہیں۔ جڑ چیزوں میں علم کہاں۔ اور حیوانات میں علم الٰہی کو قبول کرنے کی صلاحیت کہاں۔ اور بغیر اس علم کے خلافت کی ذمہ واری پوری کس طرح ہو۔ فرشتے زبانِ حال سے اعلان کرتے ہیں۔ کہ

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (بقر - ۳۲)

پاک ذات ہے تیری ہمیں علم نہیں آتا۔ سوائے اس کے جو تو سکھائے مطلب کہ بغیر خدا سے علم ملے دنیا میں علمی سلسلہ چل ہی نہیں سکتا۔ اسی اصول کو واضح کرنے کے لئے یہ اشارہ مقصود ہے۔

۱۸۔ دلائل

اوپر کا اشارۂ کیا گیا بیان مہرشی دیانند اور آنحضرت کا اس مضمون پر کلی اتفاق ظاہر کرتا ہے۔ اور دونوں ہادیوں کی دلائل کا خلاصہ ہم فارسی کے ان اشعار میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہنودے اگر نیّرِ آفتاب	بُدے چشم انسان ظلمت مآب
بدیں نوع ہم روح و عقل بصیر	بہ زندانِ ظلمات بودے اسیر
نہ دادہ بدے علمِ حق ارخدائے	کہ ہم رہنما ہست و مشکل کشائے
بہ سورۂ رحمٰن قرآن گفت	خدا داد علم و بیانش نخست
بسا عالمان و شہان جہان	پس تجربہ کردہ اند این بیان
جدا بچگان از ہمہ داشتیم	خور و نوش شان را نگاہ داشتیم
قطع ربط و ضبطے و گفت و شنید	شدہ سالہا سال آمد پدید
کہ نتوان سخن کرد انسان زاد	نہ از علم ہم تجربش ہیچ داد
ببیں طفلکے راکہ گرگے ربود	بہ آواز و رفتار پس گرگ بود
غذائے بشر ہم نہ مرغوب ماند	نہ دیدارِ انسان مطلوب ماند
نہ پس مُوجدِ علم - بل ایں اصول	نہ دیگراں کند علم انساں حصول
زتاریخ عالم ہویدا است راز	کہ ہر ملک کش را بہ تہذیب ناز
ہمیداشت وحشی و جاہل خطاب	نہ دانست تا صد شمارِ حساب
چو آمد بہ سایۂ قومے دِگر	بہ علم و ہنر در جہاں نامور
بہ راہِ ترقی بشد گامزن	شدہ زینتِ قومہائے زمن
بدیں نوع ہر فرد عالم شود	چو شاگردِ مردِ عالم بود
بگو ناظرِ ہوشمند و ذہین	زکہ علم آموختند اولین
نہ چوں سلسلۂ درس و تدریس بود	نہ از درسگاہ ہیچ روئے نمود
نہ مادۂ تاریک وہم بے شعور	نہ امکاں کہ روح راد ہد ہیچ نور
فقط بود یک ذاتِ پاکِ خدائے	تواں کرد مر نورِ علمش عطائے

ترجمہ :- اگر آفتاب کا منور کرنہ نہ ہوتا۔ تو انسانی آنکھ تاریکی مجسم ہوتی۔ ایسے ہی اگر سچے رہنما اور مشکل کشا خدا نے علم حق عطا نہ کیا ہوتا۔ تو روح اور باریک بین عقل جہالت کے جیل خانہ میں ہی قید ہوتے۔ قرآن سورۂ رحمان میں فرماتا ہے۔ کہ خدا نے انسان کو پہلے علم دیا۔ اور زبان سکھائی۔ کئی عالم اور دنیا کے بادشاہ لوگ تجربہ کر کے بیان کر چکے ہیں۔ کہ ہم نے بچوں کو سب سے الگ رکھا۔ ان کے کھانے پینے پر نگاہ رکھی

نگران کے ربط ضبط اور بول چال کو بالکل منقطع رکھا۔ جب بہت سال اس طرح گذر ے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ انسان کے بچے کلام تک نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی نیچر نے بھی انہیں کوئی علم دیا۔ غور کرو اس ننھے بچے کی حالت پر جسے بھیڑیا اُٹھائے گیا۔ وہ آواز اور چال دونوں طرح سے بھیڑیا ہی ہو گیا۔ نہ انسانی غذا کی طرف اسے رغبت رہی۔ نہ انسان کی شکل دیکھنا اسے گوارا تھا۔ پس انسان علم کا موجد نہیں۔ بلکہ اصول یہ ہے۔ کہ وہ دوسرے لوگوں سے علم حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ سے یہ راز ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ ملک جسے آج تہذیب پر ناز ہے۔ پہلے وحشی اور جاہل کا خطاب پائے تھا۔ سو تک گننا اسے نہ آتا تھا۔ مگر جب وہ کسی ایسی قوم کے سائے میں آیا۔ جسے علم و ہنر کی وجہ سے جہان میں شہرت حاصل تھی۔ تو وہ ترقی کے راستے میں قدم اُٹھانے لگا۔ حتےٰ کہ اپنے زمانے کی قوموں کے لئے موجب زینت بنا۔ اسی طرح ہر فرد انسان عالم ہوتا ہے۔ جب عالم شخص کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ پس عقلمند اور سمجھدار ناظرین بتائیں۔ کہ آغاز والے لوگوں نے کس سے علم سیکھا۔ اس وقت نہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ تھا۔ نہ کوئی تعلیمگاہ بنی ہوئی تھی۔ اور تاریک اور بے شعور مادہ سے ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ روح کو کوئی روشنی دے۔ لہذا محض خدا کی ہی پاک ذات تھی۔ جو انسان کو علم کی روشنی عطا کر سکتی تھی۔

۱۹۔ شہادت

اسی اصول کو مذاہب الاسلام مولفہ مولانا محمد نجم الغنی خاں صاحب رامپوری مطبوعہ ۱۹۰۱ء خادم التعلیم پنجاب لاہور فرقہ معتزلہ کے ہشیمیہ فرقہ کے اعتقاد میں صفحہ ۸۰ پر بدیں الفاظ پیش کرتا ہے۔

"اللہ پر کوئی چیز دنیا میں بندوں کے لئے واجب نہیں۔ جب تک ان کو شرع اور علم کے ساتھ تکلیف نہ فرماوے۔ اور جب ان کو اتنی سمجھ دیدے۔ کہ وہ واجب کے کرنے کو اور قبایح سے بچنے کو جاننے لگیں۔ اور ان میں برے کام کرنے کی خواہش اور اچھے کام کی نفرت پیدا کردے۔ اور اخلاق ذمیمہ ان میں ڈالدے۔ تو اس وقت اللہ پر واجب ہے۔ کہ ان کو قدرت اور استطاعت دے۔ اور بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کے لئے آلات بہم پہنچائے۔ اور ان پر اس چیز کا عطا کرنا ان کو واجب ہے۔ جو ماموراتُ کی طرف لے جاتی ہو۔ اور منہیات سے بچاتی ہو"۔

اس سے پہلے صفحہ ۱۰ پر فرقہ ناجیہ کے بیان میں لکھا ہے۔

"بدر العد پر جائیز نہیں۔ اس لئے کہ محال ہے۔ کہ اللہ پر ظاہر ہووے۔ وہ چیز جو پہلے سے اس پر ظاہر نہ تھی۔ جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا ہے"۔

پس فریقین ضرورت الہام میں متفق ہیں۔ اور وہ آغاز والے الہام کو ہی کامل اور بے بدل مانتے ہیں۔ انسانی عقل کی رہنمائی اور انسان پر سزا جزا کی ذمہ داری یعنی مامورات و منہیات کی تمیز کا سوائے الہام الٰہی کے کوئی ذریعہ نہیں۔

؎۱ یہ بچہ آریہ یتیم خانہ بریلی میں لایا گیا۔ تو اس کی ہر حرکت بھیڑیے کی سی ہو گئی تھی۔ بڑی مشکلوں سے اس میں آہستہ آہستہ تبدیلی کی گئی۔

دفعہ ۱۹ علم اور خدا

بعض قائلین خدا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ علم انسان کی ایجاد ہے۔ اور منکرین خدا تو علمی الہام کو مان ہی نہیں سکتے۔ وہ تو نیچر کی کھلی کتاب کی ہی آڑ لیتے ہیں۔ لیکن دفعہ ۱۸ کی دلایل میں ان کا جواب موجود ہے۔ علاوہ اس کے یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آج تک کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہوا۔ جس نے یہ دعوے کیا ہو۔ کہ فلاں علم میں نے ایجاد کیا ہے۔ نہ دُنیا کے کسی بھی ملک کی تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ فلاں علم پہلے موجود نہ تھا۔ اور فلاں وقت سے وہ ایجاد ہُوا۔ آم کے گرنے سے ایک فلاسفر اگر کشش زمین کا اصول پیش کرتا ہے۔ تو یہ علمی ایجاد نہیں۔ بلکہ اصول کشش کے پہلے سے معلوم علم کا زمین سے تعلق جوڑتا ہے۔ زمین پہلے سے موجود تھی۔ آم بھی ہمیشہ گرتے تھے۔ اور وہ فلاسفر جانتا تھا۔ کہ باپ اور بیٹا جو ایک دوسرے کی طرف کھچے آتے ہیں یا بھائی بھائی جو باہم بغلگیر ہوتے ہیں۔ ان کے مابین محبت کی کشش ہے۔ ایسے ہی اسے معلوم تھا۔ کہ فولاد کی طرف جو لوہا کھچا آتا ہے۔ اس میں طاقت کی کشش ہے۔ کسر تھی۔ تو فقط یہ کہ زمین پر پھل گرتے دیکھ کر اس نے کبھی کشش کے خیال کا تعلق نہ جوڑا تھا۔ اسی طرح جتنی کلائیں ایجاد ہوئیں۔ یہ مادی اشیاء پر اس علم کا عملی استعمال ہُوا۔ جو موجد کو پہلے سے حاصل تھا۔ خواہ بذریعہ استاد۔ خواہ بذریعہ خدا۔ اور اگر استاد سے حاصل ہوا۔ تو اس کا بھی بنیادی تعلق خدا سے ہی تھا۔

رہی نیچر کی کھلی کتاب۔ یہ بھی فضول اور لایعنی سی حجت ہے۔ کتاب تو نیچر کو مان لو۔ لیکن اس کو علم دینے والی نہیں مانا جا سکتا۔ کتاب کو پڑھ وہی سکتا ہے۔ جس میں وہ علم ہو۔ کتاب خود استاد کا کام نہیں دے سکتی۔ کیا گھوڑا۔ گدھا وغیرہ سب حیوانات کے سامنے وہ کھلی کتاب موجود نہیں۔ اگر آغاز عالم سے اب تک ایک بھی جانور ایسا نہیں نکلا۔ جس نے نیچر کی کھلی کتاب سے سبق پایا ہو۔ نہ بینا یا نابینا آدمی نے سکول اور کالج وغیرہ کی بجائے نیچر کی شاگردی کی ہے۔ تو اس خیال میں وزن ہی کیا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت نیچر جائے وقوع ہے۔ اس علم کی جو خدا میں ہے۔ جیسے جغرافیہ اور نقشہ کا تعلق ہے ویسا ہی علم اور نیچر کا ہے۔ جو جغرافیہ کو نہیں جانتا۔ نقشہ کو سمجھ نہیں سکتا۔ بعینہ بے علم انسان کے لئے نیچر بالکل گونگی۔ بہری اور نکمی ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ناستک لوگ یہ اعتراض کرکے اپنی غیر معقولیت کا اظہار کریں اور خدا سے اس وجہ سے انکار کریں۔ انہیں اس معقول بات پر غور کرنا چاہئے۔ کہ دُنیا میں جو علم موجود ہے۔ بہ طور امر واقعہ اور جس سے وہ بھی قائلین خدا کی طرح فیض پا رہے ہیں۔ یہ بذات خود ثبوت ہے۔ خدا کی ہستی کا۔ اگر خدا نہ ہوتا۔ تو علم کہاں سے آتا۔ اشیائے عالم کی صورت کو دیکھتا ہوا انسان اگر سورج کی روشنی یا اس کے وجود سے یا علیم کل سے انکار کرے۔ تو اسے خلل دماغ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انسان میں ذاتی طور پر علم کی عدم موجودگی ایک طرف ہو۔ اور جڑ یا بے جان نیچر جس کو اپنا بھی علم نہیں۔ دوسری طرف ہو۔ تو سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ

؎ باطل است آنکہ مدعی گوید   خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

غرضیکہ اسلام اور ویدک دھرم دونوں کا ضرورت الہام پر متفق ہونا۔ وہ مبارک بنیاد ہے۔ جس پر ان کے باہمی اتحاد کی مضبوط عمارت بہ آسانی تعمیر ہو سکتی ہے۔

تیسرا باب۔ الہام وید

۲۰۔ وید کا دعوے[1]

اُس واجب الوجود عین علم و سرور وغیرہ صفات والے پُرش سے جو سرو ہُت یعنی معبود کل۔ قادر مطلق اور بزرگ ترین خدا ہے رگ، یجو۔ سام اور چھند (اتھرو) نام چاروں ویدوں کا ظہور رہوا۔ (یجر وید۔ ادھیائے ۳۱۔ منتر ۷) (۱)

جس قادر مطلق سے رگ وید ظاہر ہُوا۔ جس بزرگ ترین خدا سے یجر وید کا ظہور ہوا۔ ایسے ہی جس سے سام و اتھرو ظاہر ہوئے۔ نیز جس ایشور کا اتھرو وید مُکھیہ (سب سے مقدم سر) اور سام بمنزلہ بالوں کے ہے۔ یجر وید جس کے ہردے کی جگہ اور رگوید جس کے پران کی بجائے ہے۔ وہ سکنبھ یعنی تمام جہان کو قائم رکھنے والا پرمیشور کہاتا ہے۔ ایسا جانو یعنی یہ اعتقاد رکھو۔ کہ تمام جہان کے قیام کے موجب پرمیشور کے علاوہ کوئی بھی اور دیو وید کو بنانے والا نہیں ہے۔ (اتھرو وید۔ ۱۰۔ ۲۳۔ ۴۔ ۲۰) (۲) اس منتر میں روپک النکار (استعارہ شکل) سے ویدوں کے مضامین کا بھی گیان دیا گیا ہے۔ چونکہ رگوید میں گیان کانڈ ہے۔ اور گیان سب میں مقدم ہے۔ بغیر گیان کے کوئی بھی کام صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ پران روپ ہے۔ یجر وید میں کرم کانڈ ہے۔ اور اس کرم کانڈ کی کامیابی کے لئے ہردے کی اُدارتا یا کشادہ دلی ضروری ہے۔ جس کے بغیر انسان تنگ خیالی اور خود غرضی میں پڑ کر دنیا سے کٹ جاتا ہے۔ اس لئے یجر وید کو ہردے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سام وید میں اپاسنا کانڈ ہے۔ یعنی قرب الٰہی کا مضمون۔ اور چونکہ اس میل کا تعلق پریم کے جذبات کی انتہائی منزل سے ہے۔ اور جذبات کے انتہا کی علامت انسانی جسم کے رونگٹے کھڑے ہونے سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس لئے سام وید کو لوم یا بالوں سے مشابہ بنایا ہے۔ اتھرو وید میں وگیان کانڈ ہے۔ اور علم کی مخصوص قابلیت ہی انسان کو تبلیغ حق کی ذمہ داری یا اس کا ادھیکار دیتی ہے۔ اور تبلیغ حق مکھ سے کیجاتی ہے۔ اس لئے اتھرو انگرس کو مکھ کہا ہے۔

۲۱۔ قرآن مجید کی تائید

(۱) دفعہ ۱۲ میں بیان شدہ سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیتیں صاف بتاتی ہیں۔ کہ جب آغاز عالم میں خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ تبھی قرآن کا علم دیا۔ اور علم بیان (زبان) بھی عطا کیا

तस्मा यज्ञा त्सर्व हुत ऋच: सामानि जज्ञिरे ।
छंदा ॐ सि जज्ञिरे तस्मा यजु स्तस्माद जायत ॥ यजु० ३०, ७ ।
यस्माह चो अपातक्ष न यजुर्यस्माद पाकषन् ।
सामानि यस्य लोमान्यथ र्वाङ्गि, रसो मुखम् ।
स्कम्भ न्तं ब्रूहि कतम: स्वि देव स: ॥ ۲-۴-۲۳-۱۰ اتھرو

ان الفاظ میں ہوبہو وہی بیان ہے۔ جو الہام وید کی تہ میں کام کرتا ہے۔ علم یا گیان میں تین ارکان ہیں۔ اوّل شبد یا الفاظ۔ دوم ارتھ یا معانی اور سوم سمبندھ یا تعلقات۔ معنی یا تعلقات اصل علم ہیں۔ جس کا احساس روح ہی کرتا ہے۔ بہ قول مہرشی دیانند روح گیان کو گرہن کرنے کے لئے مثل آنکھ کے ہے یعنی جس طرح آنکھ سورج کی روشنی کو قبول کرتی ہے۔ کان یا زبان نہیں کرتے۔ اسی طرح اصل علم کو خود روح ہی محسوس کرسکتا ہے۔ کسی دوسری حس کا کام نہیں۔ کہ گیان کو جان سکے۔ رہے الفاظ ان کو زبان اور کان کے ذریعے بولا۔ اور سنایا جا سکتا ہے۔ اس غرض سے کہ ان کے ذریعے اشارہ کرکے معانی کے صحیح احساس کی تحریک کی جاسکے۔ اور چونکہ ہر انسان کی تقریر اس کے اندرونی خیالات کی قائمقام ہے۔ اور صحیح علم جو خدا سے ملتا ہے۔ اس کو کوئی انسانی زبان بیان نہیں کرسکتی۔ اس لئے الفاظ یا علم بیان بھی خدا سے ملنا لازمی ہے۔ محض ویدوں کے الفاظ کا نام گیان نہیں۔ بلکہ خالی الفاظ تو اودیا میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ ہاں معانی اور تعلقات کے ساتھ ہی شبد کو درجۂ الہام ملتا ہے۔ پس قرآن مجید نے ہوبہو یہی پوزیشن لی ہے۔ کہ خدا نے علم دیا۔ بہ صورت معنی و تعلقات اور الفاظ دیئے۔ کہ رشی دوسروں تک علمی تجسس کی تحریک پہنچا سکیں۔

۲۔ سب انسان ایک ہی جاتی یا ایک ہی دھرم والے ہیں۔ خدا نے نبی (رشی) پیدا کئے تھے۔ کہ (نیکوں کو) خوشخبری اور (بدوں کو) ڈراوا دیں۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے علوم کی کتب کا ظہور فرمایا تھا۔ کہ انسانوں کے مابین امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہوتا رہے۔ بقر۔ ۲۱۳۔ (۱)

اس میں بھی تائید اسی امر کی گئی ہے۔ کہ آغاز عالم میں جو نبی ہوئے۔ ان کے ظہور کے ساتھ ہی الہامی علم کا ظہور وابستہ تھا۔ اور اس کی غرض یہ تھی۔ کہ انسان باہمی اختلافات سے بچیں۔ اور متحد رہیں۔ ہر اختلاف کا فیصلہ الہامی کتب سے لے لیا کریں۔

۳۔ سورۂ یونس آیت ۱۹ میں کہا ہے۔ کہ

انسانوں کا ایک ہی دہرم تھا۔ پھر اختلاف ہوگیا۔ اور جب تک تیرے رب سے ملی ہوئی کلاموں کو مقدم درجہ نہ دیا جائے گا۔ امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ نہ ہوگا۔ اختلاف رہیگا۔ (۲)

۲۲۔ قرآن بمعنے وید

یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ آنحضرت سورۂ الرحمٰن کے شروع میں جو قرآن کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ عربی قرآن کے لئے جو تیرہ چودہ صدی سے ظہور پذیر ہوا۔ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آغاز عالم والے الہامی علم کا ہی نام ہے۔ اور آج تک آغاز علم والے الہام کا دعوے سوائے وید کے نہ کسی نے کیا ہے۔ اور نہ کسی نے وید کے سوا کسی کتاب کے آغاز میں ملنے یا وید سے پہلے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ہاں وید کو سب سے قدیم کتاب کل دنیا کے علما سے متفقہ طور پر تسلیم کیا جارہا ہے۔

(۱) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۝ (۲) وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

۲۳۔ اسم با مسمےٰ

قرآن مصدر رہے۔ بمعنے پڑھنا۔ مگر مفعول کے معنے میں استعمال ہو کر کتاب کا نام ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس پر قراءت کا فعل واقع ہوتا ہے۔ .... اور قراءت وہ تلاوت یا پاٹھ ہے جس میں الفاظ وحروف اپنے صحیح تلفظ کے ساتھ بقید صحیح مخرج کے بولے جاویں۔ چونکہ آغاز عالم سے آنحضرت کے زمانے تک ویدوں کا سور سہرت پاٹھ ہوتا آرہا تھا اور شدھ اچارن (صحیح تلفظ) کی شرط وید پاٹھ سے مخصوص تھی۔ اس لئے آنحضرت نے قرآن کا لفظ وید کے لئے منتخب کرنے میں کمال کی باریک بینی کا ثبوت دیا ہے۔

۲۴۔ عجمی اور عربی قرآن

۴۔ اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو کہتے۔ کہ کیوں اس کی آئیتیں کھولی (ہماری زبان میں بیان) نہ کی جاویں۔ کہاں عجمی زبان اور کہاں (ہم) عربی یا عجمی کیا اور عربی کیا۔ کہدو۔ کہ ایمان لانے والوں کے لئے یہ ہدائت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے کانوں میں گرانی اور وہ ان کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ بڑی دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔ کہ ان کو سنائی نہیں دیتا۔ حٰم السجدہ ۴۴ (۱)

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ الہامی علم جس کے دوران بیان میں یہ آئت آئی ہے۔ غیر عربی یا عجمی زبان میں تھا، اگر آنحضرت اسے عجمی میں پیش کرتے یا اس کے منتخبات وغیرہ کو عجمی میں ادا کرتے۔ تو پھر بھی مطالبہ عربی دیا کھیان کا قائم رہتا اس لئے آپ نے اسے عربی جامہ میں پیش کیا۔ اسی سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن کا لفظ آپ نے آغاز عالم والے الہام کے لئے رکھا۔ اور اس کی تفصیل جو عربی میں لکھی۔ اس کو بھی قرآن نام دیا۔ تو عجمی اور عربی دو زبانوں کی نسبت سے اس کی تمیز کرادی۔ جس طرح وید کی جو تفاسیر برہمن گرنتھوں میں ہوئیں۔ ان کو بھی وید ہی مانا اور کہا گیا۔ اسی طرح عجمی قرآن (وید) کے منتروں کو عربی جامہ میں پیش کرنے پر اسے قرآن کہنا عین موزوں ہی تھا۔ اس پر زیادہ روشنی اگلی دفعات میں پڑے گی۔

۲۶۔ الکتاب بمعنے وید

(۵) سورۃ البقر آیت ۱ و ۲۔ کامل ہے۔ وہ کتاب جو زیر ہدائت (منزہ من الخطا) ہے۔ وہ متقی لوگوں کو ہدائت دیتی ہے (۲)

یہ دونوں آئیتیں نہایت معنے خیز ہیں۔ پوری وضاحت کے لئے دیکھو ویدک تفسیر۔ یہاں محض یہ جاننا چاہئے۔ کہ ذالک کا لفظ بعید کے زمانہ گذشتہ والی کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جسے کامل اور منزہ من الخطا کہا گیا ہے۔ سو کامل اور غلطی سے مبرا محض خدا ہے۔ اور اسی کے الہامی علم کے لئے الکتاب کا لفظ

(۱) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ

(۲) الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

ہے۔ وید کو آغاز عالم سے بھی مانا جاتا ہے۔ کامل بھی اور نربہرانت بھی۔ لَارَیْبَ فِیْہِ کا مفہوم یہی ہے۔ کہ جس میں کوئی غلطی یا بھرانتی کی بات نہ ہو۔ لیکن نربہرانت کی اصطلاح کا علم نہ رہنے سے اس کا صحیح ترجمہ ہو ہی نہ سکتا تھا کتاب اس وقت کاغذ پر سیاہی سے چھپی ہوئی ہی مانی جاتی ہے۔ لیکن یہ لفظ کتاب کتبت .... الشیٔ ازاجمعتہ سے ہے۔ جس کے لغوی معنے ہیں۔ فراہم آوردن و حکم کردن و.... گرد کردن اور اس کا مفہوم علوم کو جمع کرنا ہے۔ چونکہ وید میں کل علوم کا خزانہ ہے۔ اس لئے اسے کتاب کہنا موزوں تھا۔ اور تمام دیگر کتب سے الہامی علم کی تمیز کرانے کے لئے اسے کامل اور نربہرانت کہنا بالکل بجا اور معقول تھا۔ بیان القرآن صفحہ ۴۰ پر بھی کتاب کو خدا کا علم اور حکم ہی مانا گیا ہے۔ الفاظ بائیبل اور سنگھتا کا بھی یہی مفہوم ہے۔

۲۶۔ مستند بالذات

وید کو سوتہ پرمان (مستند بالذات) مانا جاتا ہے۔ اور مستند بالذات وہی ہے۔ جو کامل ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ البقر آیت ۲۱۳ میں جو الہامی کتاب کی غرض بتائی ہے۔ کہ اختلافات کے بارے میں وہ ناطق فیصلہ دے" اور سورۃ یونس آیت ۱۹ میں جو یہ کہا ہے۔ کہ بغیر خدا کی الہامی کتاب کی طرف رجوع کرنے کے مذاہب کے اختلافات دور نہ ہوں گے۔ یہ بھی کتاب الہی کے مستند بالذات ہونے کا ثبوت ہے۔ اور چونکہ اس وقت تک بھی آخری فیصلہ وید کا مانا جاتا ہے۔ آریہ سماج اور سناتن دہرم سبھا کے مباحثے میں ہر دو فریق ایک دوسرے سے وید منتر کا حوالہ مورتی پوجا وغیرہ کے متعلق طلب کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ تفسیر میں واضح ہوگا۔ آنحضرت کے وقت میں بھی یہی مطلب ہوتا تھا: اس لئے کامل کتاب کا لفظ وید پر ہی دلالت کرتا ہے۔

۲۷۔ وید والا لکھشن قرآن میں

الکتاب کا لفظ بقر۔ ۲ میں وید کے لئے ہی ہے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن میں ساتھ والی آیت میں دیا ہے۔ (بقر۔ ۳) (متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ عبادت بلا ناغہ کرتے ہیں۔ اور خدا سے ملے ہوئے رزق میں سے (راہ حق پر) خرچ کرتے ہیں۔ (۱)

یہ بیان رگوید اشٹک ۱۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۶ منتر ۱۱ کا لفظی ترجمہ ہے۔ اس وید منتر میں سرسوتی کی تعریف بتائی گئی ہے۔ اور سرسوتی نام ہے وید کا۔ تعریف کیا بتائی ہے۔ کہ

سرسوتی (وید) سنرت (متقی یا دھرماتما دوجوں) کو ہدایت دیتی ہے۔ اور سمتی (اعلےٰ عقل) والوں کو گیان پر قائم یا انہیں چیتائے رکھتی اور یگیہ کو دھارن کراتی ہے (۲)

وید منتر میں کہا سنرت لوگوں کو ہدایت دیتی ہے قرآن میں کہا متقی لوگوں کو ہدایت دیتی

(۱) اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ہ

चोदयित्री सुनृतानां चेतन्ती सुमतीनां यज्ञं दधे सरस्वती

ہے۔ وید منتر میں کہا۔ اعلےٰ عقل والوں کو چھپائے رکھتی ہے۔ قرآن میں کہا۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کو
اور غیب کیا ہے۔ پروکھش گیان یعنی وہ علم جو حواس سے محسوس نہیں ہوتا۔ شاستر کار دو طرح کا گیان
مانتے ہیں۔ ایک تو ہے پرتیکھش جو آنکھ وغیرہ حواس سے روپ (شکل) وغیرہ کا ہوتا ہے۔ یہ معمولی بات
ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جاہلوں سے بھی ویسا ہی ہے۔ دوسرا ہے۔ پروکھش گیان شاستر میں کہا ہے۔ دیوتا
لوگ پروکھش کے پیارے ہیں۔ پرتیکھش سے کنارہ کرتے ہیں۔ (۱)
یہی مطلب غیب پر ایمان لانے کا ہے۔
شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی قرآن مجید مترجم مطبوعہ ۱۳۲۳ھ قاسمی
پریس دہلی صفحہ ۴ کے حاشیے پر لکھتے ہیں
یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ غیب مصدر ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ وہ چیز جو حواس سے غائب ہو۔ پروکھش
کی جگہ ہی غیب آیا ہے۔ یہ خیال ان الفاظ سے پورے طور پر مضبوط ہوتا ہے۔
وید منتر میں آگے کہا تھا۔ یگیہ کو دھارن کراتی ہے۔ اب یگیہ کے وسیع معنوں کو تین قسموں میں بیان
کیا ہے۔
اول دیو پوجا۔ دوم سنگتی کرن۔ اور سوم دان۔
دیو پوجا ہے۔ اشیاء کا سچا علم پانا۔ اور اس علم کے مطابق ان کا استعمال کرنا۔ اور چونکہ مقدم معنے
ہر لفظ کے پرمیشور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے سب دیوؤں میں بڑا دیو جو خدا یا پرمیشور ہے۔ اس کی عبادت
یا اس کی الہامی کتاب کا مطالعہ پوجا کا انتہائی لطیف مفہوم ہے۔ اور اس کے لئے قرآن میں فرمایا
ہے یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ عبادت وغیرہ بلاناغہ کرنے والے۔ دوسرے معنے سنگتی کرن کا مطلب جمع کرنا
کمانا وغیرہ ہے۔ اور دان کا مفہوم خرچ کرنا یا دینا ہے۔ ان دونوں کا مطلب مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
میں آیا ہے۔ خدا نے جو رزق دیا ہے۔ وہ ہے سنگتی کرن یا جمع یا کمائی اور اس میں سے راہ حق پر خرچ
کرنا ہے دان۔
غرضیکہ آنحضرت نے شروع میں ہی وید کو کامل اور نربھرانت کہا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی وہی
تعریف کر دی ہے۔ جو وید نے خود اپنا لکھشن بتایا تھا۔

۲۸۔ سوائے وید کے کچھ مقصود نہیں

مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہاں عربی قرآن کو کتاب کہا
ہے۔ اور اکثر جگہ کتاب لفظ کو توریت انجیل سے منسوب
کیا جاتا ہے۔ لیکن بقرہ ۲ میں کسی بھی ممکن طریق سے
سوائے وید کے کسی طرف اشارہ نہیں جا سکتا۔ کیونکہ عربی قرآن اور دوسری کتب کا ذکر چوتھی آیت
میں جدا موجود ہے۔ متقی لوگوں کے لئے اس کا ماننا بھی ضروری ہے۔ جو رسول صلعم پر نازل ہوا۔ اور
ان سے پہلوں پر (بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ) پس کل رسولوں پر نازل شدہ کتابوں سے

१ प्रोक्षप्रिया हि देव: प्रत्यक्ष द्विषा।

الگ و کامل اور منزہ من الخطا اور مستند بالذات جو کتاب ہے۔ وہ وید ہی ہے۔ اور آیت ہم میں جو قیمتی نکتہ کام کرتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جیسا منو ۲-۱۱ میں کہا ہے۔ کہ وید (الہامی علم) سمرتی (رشیوں کی تصنیفات) برگزیدہ اشخاص کا طرز عمل (سدا چار) اور ضمیر کے مطابق بات۔ یہ چار ذریعے ہیں۔ جن سے دہرم کا صحیح گیان ملتا ہے۔ (۱)

اسی کو قرآن قابل تسلیم بتاتا ہے۔ جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ یہ ہیں قدیم رشی کرت تصنیفات اور جو تجھ پر نازل ہوا۔ یہ ہے قرآن اور آپکا نیک عمل اور ضمیر کا تعلق تو عام ہے۔

۲۹- اُمّ الکتاب بمعنے وید

اتھروید کانڈ ۱۹۔ سوکت ۶۹ منتر ہم میں وید کو ماتا کہا۔ اور اس کی تعریف کی ہے۔ کہ وہ دوجوں کو پاک کرنے والی۔ سب کو ہدایت دینے والی۔ عمر۔ زندگی مال اولاد۔ شہرت۔ دولت و شوکت وغیرہ سب مرادوں کو پورا کرنے والی اور آخر میں روحانی جلال دے کر برہم لوک (نجات) تک پہنچانے والی ہے۔ (۲)

جس طرح دُنیا میں نیک اور سچی ماتا اپنی اولاد کی بنیاد مضبوط کرکے اس کی طاقت وغیرہ کو کامیاب کرتی ہے۔ اسی طرح وید ماتا تمام جسمانی اور روحانی مرادوں کو برلاتی ہے۔ اور اسی خوبی کے احساس سے قرآن میں جابجا اس کا بیان کیا۔ اور اسے ام الکتاب کہا ہے۔ حتےٰ کہ عربی قرآن کا کُلیتہً انحصار ام الکتاب پر ہی رکھا ہے۔

۷۔ سورۃ الرعد آیت ۳۸ میں ہے۔ اللہ جسے چاہتا مٹاتا۔ اور جسے چاہتا قائم کرتا ہے۔ اور ام الکتاب اس کے ساتھ ہمیشہ ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں رسولوں کی مقامی یا زبانی تحریروں کے لئے خدا کے اِذن کی شرط ہے۔ اور اس آیت میں فیصلہ دیا ہے۔ کہ دیگر کتب منسوخ بھی ہوتی ہیں۔ اور قائم بھی رہتی ہیں۔ مگر ام الکتاب بے بدل ہے۔ اور دائم۔

۸۔ سورۃ ھود آیت ۱۔ درشن کرو۔ اس کتاب کے جس کی آیتیں محکم ہیں۔ اب اس کی عقل کل وعلم کل خدا کی حضوری میں تفصیل کی جاتی ہے۔ (۳)

یہ محکم آیتوں والی کتاب اُمّ الکتاب ہی ہے۔ اس کا ثبوت آل عمران آیت ۷ میں ہے۔

۹۔ خدا ہی تم پر اس کتاب کو نازل کرنے والا ہے۔ اس میں دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم یعنی عالمگیر اور بے بدل اصولوں کو بیان کرنے والی اور یہ ام الکتاب کی ہیں۔ اور دوسری نظریں یا متشابہ آیتیں ہیں۔ (۴)

१- वेद: स्मृति: सदाचार: स्वस्य च प्रियमात्मन:।
एतच्चतुर्विधं प्राहु: साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम्॥

२- स्तुता मया वरदा वेद माता प्रचोदयन्ताम पावमानी द्विजानाम्।
आयुं प्राणं प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्वा व्रजत ब्रह्म लोकम्।

۳- الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ

۳۰۔ عربی قرآن اور ام الکتاب

(۱) (۱۰) سورۃ زخرف آیت ۲ و ۳۔
ہم نے گیان والی (علمی) کتاب کو ہی عربی قرآن بنا دیا ہے۔ کہ تمہیں عقل آوے۔ یہ ام الکتاب میں ہی ہے۔ جو ہمارے ہاں اعلیٰ پایہ کی پر حکمت کتاب ہے۔

۳۱۔ عربی قرآن اور وید

(۲) (۱۱) سورۃ یوسف آیت ۱ و ۲
درشن کرو۔ علمی کتاب کی ان کچھ آیتوں کے۔ تحقیق انہیں عربی قرآن میں اتارا گیا ہے۔ کہ تمہیں عقل کی روشنی ملے۔

(۱۲) حٰم السجدہ آیت ۲ و ۳۔
رحمان اور رحیم خدا سے جو الہامی کتاب ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی آیتوں کی عربی قرآن کی صورت میں تفصیل کی جاتی ہے۔ تاکہ یہاں کے لوگوں میں علم پھیلے۔ (۲)
چونکہ الکتاب نام ام الکتاب وید کا ہے۔ اور کتاب مبین بھی اسی کتاب الٰہی کے لئے ہے۔ اس لئے عربی قرآن اور وید کا تعلق ظاہر ہے۔

۱۳۔ سورۃ الواقعہ آیات ۷۷ تا ۸۰۔
"تحقیق یہ قرآن کریم اس کتاب الٰہی میں نہاں ہے۔ جسے نیک پاک لوگوں کے سوا کوئی چھو یا سمجھ نہیں سکتا۔ اور جو رب العالمین سے ظہور پذیر ہوئی ہے (۳) وہ نیک پاک لوگ جن کی طرف۔۔ یہ بیان منسوب ہے۔ وید بھگت آریہ لوگ تھے۔

۳۲۔ لوح محفوظ بمعنے وید

(۴) (۱۴) سورۃ البروج آیت ۲۱۔ ۲۲ میں ہے۔
بے شک وہ قرآن مجید۔ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ لوح محفوظ سے کیا مراد ہے۔ سو چونکہ لوح محفوظ کے متعلق بیان محض وہی ہے۔ جو ام الکتاب۔ کتاب مبین وغیرہ کے ساتھ دیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ قرآن ام الکتاب میں ہے۔ یا کتاب مبین کی آیتوں کی عربی تفصیل ہی قرآن ہے۔ تو لوح محفوظ بھی صریحاً وید کا ہی نام ہے۔ اور اس میں ایک خاص علمی نکتہ ہے۔ کہ الفاظ تو ہیں غلاف بیرونی اور معانی اور تعلقات ان کے اندر نہاں یا محفوظ ہیں۔ اور جب عربی قرآن کتاب الٰہی کی آیات کی ہی تفصیل ہے۔ تو یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ وید قرآن کے لئے لوح محفوظ ہے۔

۱۔ حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
۲۔ حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝
۳۔ اِنَّهٗ لَقُرْءٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
۴۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

ایش اُپنشد منتر ۱۵ میں اس رازِ سر بستہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔
"ہے پربھو! سنہری برتن (ظاہری الفاظ وید) نے اصل حقیقت کے چہرے کو ڈھانپ رکھا ہے۔ سو ہے پرمیشور! اس ڈھکنے یا غلاف کو اٹھا دو۔ کہ ہم سچے دھرم کے درشن کریں۔" (۱)
وید منتروں کے معانی کا سمادھی یا مراقبہ میں انکشاف پانے کے خواہشمند رشی جہاں غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ وہاں سمادھی لگا کر آتما سے الفاظ کے اندر نہاں معانی کے درشن کرتے تھے۔
قرآن سورۂ ھود آیت ایس جو یہ کہا۔ کہ درشن کرو۔ اس کتاب کے جس کی آیتیں محکم ہیں(۲) یہ وید منتر کے ان الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ دیوسیہ پشیہ کاویم نہ ممارنہ جیریتی۔ اس پربھو کے کاویہ کے درشن کرو۔ جو بے بدل ہے۔ یعنی محکم نہ مرنے اور نہ پرانا ہونے والا۔" (۳) یہی مطلب آل عمران آیت ۶ میں ام الکتاب کی محکم آیات کا ہے۔
ایسے ہی رشیوں کے انکشاف علمی پر آنحضرت خود عمل کرتے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ جب وہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ میں علم کل اور واقف اسرار نہانی کی قربت میں معنے جان کر تفصیل کرتا ہوں۔ محفوظ رکھنے کے لئے استحکام کی ضرورت ہے۔ اس لئے محکم آیات والی ام الکتاب وید معقول طور پر لوح محفوظ کہی جا سکتی ہے۔

۳۳۔ ایک معنے خیز حدیث

احادیث سے اگرچہ ہم قرآنی تعلیم کو غلط ملط کرنا نہیں چاہتے۔ تو بھی ہم یہ قبول کرتے ہیں۔ کہ جیسے پرانوں میں کئی ویدک صداقتیں نہاں ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی کئی معنے خیز بیانات موجود ہیں۔ جیسے الم لفظ کے معنے خیز معلوم ماننے پر بھی حدیث میں بیان ہے۔ کہ صوفی اس کے معنے "انالی منی" بتاتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔ انا عربی لفظ بمعنے میں اور الم اتی سنسکرت کا ہے۔ یعنی میں اللہ کامل ہوں۔
اسی طرح ترجمہ اردو صحیح بخاری صفحہ ۵۵ حدیث نمبر ۳۳۴ میں معراج کی مختصر تفصیل میں ذکر ہے۔ کہ۔
"جبرئیل نے آنحضرت کا سینہ چاک کیا۔ اسے آبِ زمزم سے دھویا۔ اور حکمت و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت آپ کے سینے میں انڈیل دیا۔"
جبرئیل نام ہے۔ گرو یا آچاریہ کا جو زر وید باطل سے دل کی بیماری کا اپریشن کرتا ہے۔ یا بہ الفاظ دگر سینے کو چاک کرنا اور آبِ زمزم یعنی سچے اپدیش کے امرت جل سے اسے دھونا۔ اور پھر سچا علم جو سونے کے تھال میں بھر رہا ہے۔ انڈیل دیتا ہے۔ ایش اُپنشد کے پندرھویں منتر میں جو ہرن مئین پاترین کا لفظ

۱۔ हिरण मयेन पात्रेण सत्यस्यापि हितं मुखम्।
तत्त्वं पूषन्नपावृणु सत्यधर्माय दृष्टये।

۲۔ الرا۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

३- देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति।

۷-اسی کا ترجمہ سنہری تھال ہو رہا ہے۔

۴۳۔ ذکر بمعنے وید

۱۵- سورۃ الصافات آیت ۱۶۷و ۱۶۸ میں کہا ہے۔
یہ تو کہتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس آغاز عالم والوں کی علمی کتاب (ذکر) آ دے تو ہم خدا کے مخلص بندے بن جاویں۔ (۱)

سورۃ طٰہٰ۔ آیت ۱۴۔ میں اللہ ہوں۔ میرے سوائے کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میری کلام (ذکر) کے لئے جو عبادت ہے۔ وہ بھی کر"۔ (۲)

قرآن میں صلوٰۃ لفظ درحقیقت یگیہ کے لئے ہے۔ ویدک دھرمیوں کے جو روزانہ پانچ یگیہ ہیں ان سب کے لئے قرآن میں صلوٰۃ کا لفظ ہے۔ محض نماز کے لئے نہیں۔ والدین کی عزت۔ عالموں اور واعظوں کی خدمت بھی صلوٰۃ ہے۔ اور برہم یگیہ میں جہاں سندھیا والی عبادت ہے۔ وہاں کتاب مقدس کا مطالعہ بھی ہے۔ جسے سوادھیائے کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی یہ دونوں باتیں ہیں۔ اس لئے اس آیت میں پہلے تو عبادت کے لئے کہا پھر اپنے ذکر یعنی کتاب مقدس کے لئے جو عبادت ہے۔ اس کے لئے یہی فرمادیا ہے۔

عنکبوت آیت ۴۵ میں کہا ہے۔

۱۴۔ کتاب الہی میں سے جو تم پر وحی کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھو۔ اور عبادت بلاناغہ کرو۔ (۳)

۱۵۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۹۹ میں بھی الہام الہی کا ذکر کیا ہے۔ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ تحقیق ہم نے اپنی جناب سے تمہیں ذکر دیا ہے۔

۱۶۔ اسی سورت کی آیت ۱۱۳۔ ہم نے جو اسے عربی قرآن کی صورت میں ظاہر کیا۔ اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے لکھے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے۔ کہ وہ متقی بن جاویں۔ اور ان کو کتاب الہی (ذکر) کی طرف توجہ ہو۔ (۴)

۱۷۔ لحم السجدہ ۴۱ تا ۴۳ "ان لوگوں نے کتاب الہی (ذکر) سے انکار کیا۔ جب وہ ان کے پاس آئی حالانکہ وہ بڑے پائے کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے ہی پھٹکنے پاتا ہے۔ نہ اس کے پیچھے اس لئے کہ اس کا ظہور اس خدا سے ہوا ہے۔ جو علیم کل اور سزاوار حمد وثنا ہے۔ تم کو وہی کچھ کہا جاتا ہے۔ جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا"۔ (۵)

۱۔ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ
۲۔ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔
۳۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۔
۴۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۔
۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۔

اس حوالہ میں ذکر کی صداقت کے لئے جو یہ دلیل دی ہے۔ کہ اس کا ظہور اس سرو گیہ پرمیشور سے ہوا ہے۔ یہ ہو بہو وہی دلیل ہے۔ جو ویدانت درشن وغیرہ میں وید کے متعلق دی ہے۔

۱۸- یہ آغاز والے لوگوں کے طریق کا ہی انتظار کرتے تھے۔ سو اللہ کے طریق میں تو کوئی تبدیلی نہ پائیگا۔ اور نہ اللہ کے طریق میں تو کوئی تحویل پائیگا۔" فاطر-۴۳- (۱)

صاف ظاہر ہے۔ کہ لوگوں کو قدیم ازلی ابدی دھرم پر ہی اعتقاد تھا۔ اور وہ خواہش رکھتے۔ بلکہ یہی دعائیں مانگتے تھے۔ کہ آغاز والی کتابوں کا ہی علم ہم کو ملے۔ سو وہی کچھ آنحضرت نے کیا۔ ملت ابراہیم جس کی پیروی پر رسول صلعم فخر کرتے ہیں۔ اس کے مطابق سورۃ بقر آیت ۱۲۸ میں ابراہیم کی دعا ہے۔ کہ "اے ہمارے پروردگار ان میں انہی میں سے رسول بھیج کہ ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سناوے۔ اور تیری کتاب اور عقل کی باتیں سکھلانے اور ان کی اصلاح کرے۔ (۲)

سورۃ بقر آیت ۱۵۱ میں (۳)، اس دعا کی قبولیت کے طور پر رسول کے آنے اور کتاب ہی سنانے اور اصلاح وغیرہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ رگوید ۱-۱۰-۹ - ۴ کا ہی مشابہ پیش کرتی ہیں۔ کہ "ہمارے درمیان ایسا عالی شان ہدائیت کنندہ عالم آئے۔ جو وید منتر ہمیں سنانے ان کا مطلب ہمارے ذہن نشین کرائے اور ہمیں اپنے زیر ہدائیت رکھ کر ہمارے علم حکمت اور رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دے۔

۳۵- زُبُر بمعنے وید

۱۹- سورۃ الشعرا آیت ۱۹۶ میں ہے۔ "اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ" یعنی یہ عربی قرآن آغاز والوں کی کتابوں میں ہے۔ یعنی ویدوں میں۔ آیت ۱۹۲ تا ۱۹۵ میں پہلے قرآن پر بحث کی ہے۔ اور پھر کہا ہے۔ یہ آغاز عالم والے رشیوں کی کتابوں میں ہے۔

بائیبل میں جو زبور ہے۔ وہ بھی محض وید منتروں کے ہی برے بھلے ترجمے یا ویدک پرارتھناؤں کے متعلقہ گیت تھے۔ جن کو منتر میں پیش کیا گیا تھا ہے۔

۳۶- وید کی بجائے وُدّ لکھا ہے

۲۰- سورۃ المریم آیت ۹۶ تا ۹۷
تحقیق حق کو قبول اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ہی وہ رحمان وُد کو وقف کرے گا۔ سو ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کر دیا ہے۔ تاکہ تو متقی لوگوں کو خوشخبری دے۔ اور گمراہ مخالفوں کو ڈرا دے (۵)

۱- فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

(۲) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(۳) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(۴) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ - فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ - ۴
اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ،

۵- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

چونکہ کئی دوسری جگہوں میں آچکا ہے، کہ قدیم کتب الہٰی یا وید منتروں کو ہی عربی قرآن کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اور یہاں بھی یہی بیان ہے۔ کہ اس وِد کو عربی زبان میں اُتارا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ وید کو ہی وُد لکھا جا رہا ہے۔ قرآن میں وید کے سلیل لفظ کو کہیں سلالی کہا ہے۔ کہیں صلصال۔ اور اسی طرح کئی الفاظ کا تلفظ بدلا ہوا ہے۔ اس لئے وید کی جگہ وُد ہونا معمولی بات ہے۔ اس مضمون کے اخیر میں ہم نے ایسی کمیوں کے لئے جماعت صحابی کو معذور بنایا ہے۔ اور سر سید احمد خانصاحب کی شہادت سے واضح کیا ہے۔ کہ حالات کے لحاظ سے کامل طور پر قدیم الفاظ کا صحیح حالت میں رہنا بہت مشکل تھا۔ از انجملہ ایک یہ دقت تھی۔ کہ آنحضرتؐ کے نوٹ شدہ کل ویا کمیاں زیادہ تر کوفی زبان میں تھے۔ جس میں نقطے نہ ہوتے تھے۔ موجودہ مہاجنی ہندی یعنی لنڈوں میں نوٹ شدہ الفاظ کبھی صحیح تلفظ سے نہیں پڑھے جا سکتے۔ اگر پڑھنے والے کو خود صحیح علم نہ ہو۔ پھر لغات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وَدّ۔ وِدّ اور وُدّ تینوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ سو حقیقت محض یہی ہے۔ کہ وید کو نقطوں کے بغیر دٰ اور دَ سے ہی نوٹ کیا جا سکتا تھا۔ اور حرکات کے بغیر ہونے سے تینوں طرح پر اس لفظ کو پڑھ سکتے تھے۔

۳۷- الہام روح میں

جہاں کامل۔ زبہر انت بمستند بالذات۔ آغاز عالم والوں کی کتب وغیرہ وغیرہ صفات وید پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ اور قرآن کتاب۔ کتاب مبین۔ کتاب منیر۔ ام الکتاب۔ ام القرآن۔ قرآن کریم۔ کتاب حکیم۔ ذکر۔ زبر۔ فرقان۔ لوح محفوظ۔ کتاب حفیظ۔ وُدّ وغیرہ کے سب نام وید کے ۔۔۔ لئے ہیں۔ وہاں یہ بیان بھی وید کو ہی الہامی کتاب قرار دیتا ہے۔ کہ خدا نے اپنا علم فرشتوں (رشیوں) کے آتما میں ظاہر کیا۔ یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ گورو یا والدین سے جو علم ملتا ہے۔ وہ دل تک پہنچتا ہے۔ اور خدا سے جو علم ملتا ہے۔ وہ روح میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ سو قرآن اس امر کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ سورۃ النحل آیت ۱و۲ میں کہا ہے۔

الہام الٰہی عطا ہوا پس شرک کی جلدی نہ ہوئی۔ وہ پاک ذات ان کے اس شرک سے بالاتر ہے۔ اس نے ان رشیوں کے آتما میں اپنے گیان کا پرکاش کیا۔ جن کو اپنے بندوں میں سے اس نے چاہا یا موزوں سمجھا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ جو پوزیشن آج سوامی دیانند نے وید کے متعلق لی ہے۔ وہی رسولِ صلعم نے چودہ صدی پہلے لی تھی۔ سوامی جی نے کہا۔ آتما میں تو آپ نے بھی کہا تھا۔ آتما میں سوامی دیانند نے کہا۔ چاروں رشیوں کو اس لئے الہام ملا۔ کہ وہ چاروں سب سے زیادہ قابل جانے گئے تھے۔ تو یہی آنحضرتؐ نے کہا تھا۔ کہ انہیں ہی خدا نے اپنے بندوں میں سے چاہا یا قابل سمجھا۔ وید یا گیان کے روح سے اور دوسری کتب وغیرہ کے دل سے تعلق ہونے ہی ۔۔۔ کو سورۃ الشعرا میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵

تحقیق قرآن رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ روح الامین (علم الٰہی کی امانت رکھنے والے

(بقیہ ص۳۸) لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝

۱- اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۝

روح یا حضرت جبرئیل) کے ذریعے وہ تیرے دل پر نقش کیا گیا ہے۔ صاف عربی زبان میں (۱)

یہ الفاظ دیگر علم وید جبرئیل کے روح میں بطور امانت تھا یعنی جبرئیل نے علم الہی کا صحیح طور پر سمادھی میں یا انتہائی غور و فکر سے تین یا وچار کیا ہوا تھا۔ انہوں نے آنحضرت کے دل پر اس علم کو نقش کیا۔

یہ ہو بہو وید اور ویدک رشیوں کی تعلیم ہے۔ گورو خود کوئی تعلیم نہیں دے سکتا۔ وہ واقعی امین ہے۔ اور شاگرد کے حوالے اس امانت کو کرتا ہے۔ وید میں گورو پرماتما کو اور ایجنٹ یا امین انسان گورو کو کہا ہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ آنحضرت نے بعد میں اس حاصل کردہ علم کو معراج روحانی یعنی یوگ بل سے روح سے محسوس کیا۔ ورنہ ناممکن تھا۔ کہ وہ اس قابلیت سے عربی قرآن کے ذریعے اس گیان کو لوگوں تک پہنچا سکتے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ اس حکمت مجسم علیم کل کی صحبت یا قربت میں رہ کر ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں۔

۳۸۔ وید میں سب علوم ہیں!

جس طرح سوامی دیانند نے کہا۔ کہ وید میں سب علوم ہیں۔ اور پہلے نیم میں وید کو ست ودیاؤں کا پستک کہا۔ اسی طرح قرآن میں جا بجا آنحضرت نے ہر علم کے وید میں ہونے کے اشارات دیئے ہیں۔ (سورۃ ھود آیت ۶) روئے زمین پر جتنے بھی جاندار ہیں۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا یعنی پالتا ہے۔ اور وہی ان کے قیام و فنا کے مقام و زمانے کو جانتا ہے۔ اور یہ سارا بیان اس کی علمی کتاب میں ہے۔ (۲) واقعی خشکی تری۔ دیو لوک اور پرتھوی یا سورج۔ چاند وغیرہ لوکوں کے جانداروں اور ان کی عمروں کا بیان سوائے وید کے عالموں کو کہیں سے نہیں ملا نہ مل سکتا ہے۔

(سورۃ التوبہ آیت ۳۶) آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت سے ہی مہینوں کا شمار کتاب اللہ میں بارہ ماہ لکھا ہے۔ (۳)

ستیارتھ پرکاش اور برہمن گرنتھوں میں بتایا ہے۔ کہ وید میں ۳۳ دیوتا ہیں۔ آٹھ وسو۔ گیارہ رُدر اور بارہ آدتیہ اور یہ بارہ آدتیہ ہی بارہ ماہ ہیں۔

سورۃ یونس آیت ۶۱۔ تمہارے پروردگار سے ذرہ بھر شے بھی چھپی نہیں۔ کیا آسمان میں اور کیا زمین میں۔ اور نہ ذرہ سے چھوٹی (جزو لایتجزی) اور نہ بڑی کوئی شے ایسی ہے۔ جو کتاب مبین میں مذکور نہ ہو۔ (۴)

مطلب یہ کہ کرہ سماوی سے زمین کی گہرائی تک کی مادی اشیاء یا مادی ذرات (پرماتوؤں) اور روحوں تک کا سب

---

(۱) وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۔ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۔ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۔

۲۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۔

۳۔ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

۴۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۔

علم وید میں ہے۔

سورۃ الحج آیت ۷۰۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ اللہ کو سب کا علم ہے۔ جو آسمانوں میں ہے۔ یا زمین میں تحقیق یہ کتاب الہی میں ہے (۱)

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۸۔ کوئی بھی بستی نہیں۔ جو زمانہ امن و اتحاد سے پہلے تباہ نہ ہوگی یا عذاب شدید نہ پائے گی۔ یہ بات کتاب الہی میں لکھی ہے۔ (۲)

مطلب یہ کہ گرا وٹوں یا گناہوں یا اتفاق کا پھل بھگت چکنے پر ہی امن و اتحاد یا ترقی کا دور دورہ ہوتا ہے کتاب الہی کا یہ اٹل قانون ہے۔

سورۃ الحدید آیت ۲۲۔ جو بھی مصیبت دنیا میں یا انسانوں پر آتی ہے۔ اس کا قانون پہلے سے کتاب الہی میں لکھا ہے (۳) سورۃ الدخان آیت ۲۔ اور کتاب مبین کو لو۔ اس میں کل علمی مضامین کی تمیز کرائی گئی ہے۔ وہ ہماری طرف سے گیان ہے۔ کیونکہ ہم اس کے بھیجنے والے ہیں۔ وہ رحمت ہے۔ تیرے رب کی۔ (۴)

سورۃ الفاطر آیت ۱۱۔ کسی بھی عمر والے کو عمر دی جاتی ہے۔ یا کسی بھی عمر والے کی عمر کم کی جاتی ہے۔ تو وہ کتاب الہی میں مذکور ہے۔ یہ اللہ کے لئے سوبہاوک ہے۔ (۵)

اکال مرتیو یا بے وقت موت کے متعلق آدمیوں میں اکثر بحث ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ سو برس عمر انسانی ہے تو پہلے کیوں مرتے ہیں۔ یا سو سال سے زیادہ عمر کیوں ہوتی ہے۔ اس کا حل اس آیت میں ہے۔ کہ عمر گو مقرر ہے۔ لیکن کتاب الہی میں خاص عوارضات سے عمر کا زیادہ اور کم ہونا بھی معقول طور پر مذکور ہے۔

۳۹۔ کلام الٰہی

جہاں باب دوم میں خدا اور فرشتوں کے مکالے سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ علم خدا سے ہی اور انسانی روح کو ہی ملتا ہے۔ وہاں الہامی علم کی عظمت آدم کے جنت میں رہنے اور نکالا جانے سے واضح ہوتی ہے۔

سورۃ البقر آیت ۳۲ میں ہے۔ خدا نے آدم کو سب نام سکھائے۔ (۵) (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا) اسم کے معنے اگر لفظ یا کلمہ ہو۔ تو اس کا مطلب علم زبان ہوگا۔ اگر نام لئے جاویں۔ تو تمام اشیاء کے نام مراد ہوں گے۔ صورت اول میں آغاز کا الہامی علم یا کلام الہی مراد ہوگا۔ اور صورت دوم میں کل نام بھی الہام الہی

۱۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۔

۲۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔

۳۔ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۔

۴۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۲ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۔

۵۔ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۔

ہیں ہونے لازمی ہوں گے۔ لیکن آدم کا جنت سے نکلنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسمائے کل سے مراد علم کلام الٰہی ہے۔ کیونکہ اسی میں یہ حکم تھا۔ کہ مادی ممنوعہ درخت کے پھلوں میں مستغرق نہ ہو۔ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے سے انسان مادہ پرست بنا۔ اور اس پر دُکھ نازل ہوئے جو الفاظ دیگر وہ جنت سے نکلا یا نکلتا ہے۔ لیکن اسے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ جنت میں پھر جا سکتا ہے۔ اور طریق اس کا یہ ہے۔ کہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

یعنی انسان اپنے رب کی جانب سے اس کی کلاموں کی تلقین پا کر اس کی طرف پھر لوٹتا یا جنت میں پہنچتا ہے۔ اور اگلی آیت میں اسی لئے خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ میری طرف سے ہدائت پہنچے۔ پر جو کوئی اس پر چلیگا۔ خوف اور دُکھ سے اُوپر اُٹھے گا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ کلام الٰہی کا صحیح طریق پر سننا سُنانا اور اس پر چلنا ہی دُنیا کو سوُرگ بنا سکتا ہے۔ فیصلہ کرکے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا جاوے۔ خواہ پاپیوں کو بُرا ہی لگے۔ (۲)

یہ تمام مُلکوں اور زمانوں کے سچے واعظوں کے لئے مستقل حکم ہے۔ کہ وہ کلام وید کا پرچار کرتے رہیں۔

۴۰۔ وید میں کل نام

اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر وید کلام الٰہی ہے۔ تو اس میں اشیائے کے نام کہاں ہیں۔ اس کا جواب یجروید ادھیائے ۱۸ وغیرہ سے لو۔ جن میں کل نام موجود ہیں۔

پہلے منتر میں۔ واج۔ پرسو۔ پریتی۔ پرستی۔ دہتی۔ کرتو۔ سور شلوک۔ شرو۔ شُرتی۔ جیوتی اور سوہ یہ نام دیئے ہیں۔ (۳) اگلے منتروں کے نام۔

دُوسرے منتر میں۔ پران اپان۔ ویان اسُو۔ چت۔ آدہیت۔ واک۔ من۔ چکھشو۔ شروتر۔ دکھش۔ بل۔

تیسرے منتر میں۔ اوج۔ ستہ۔ آتما۔ تنوُ۔ شرم۔ ورم۔ انگ۔ استھی۔ پرُنشی۔ شریر۔ آیوُ۔ جرا۔

چوتھے منتر میں۔ جیشٹھیہ۔ آدہی پتیہ۔ منیُو۔ بھام۔ نام۔ امبھہ۔ جیما۔ مہما۔ ورما۔ پرتھما۔ ورشما۔ دراگھما۔ بردھ۔ بردھی۔

پانچویں منتر میں۔ ستیہ۔ شردھا۔ جگت۔ دھن۔ مہ۔ کریڑا۔ مود۔ جات۔ جنشیہ مان۔ سُوکت سُکرت۔

---

۱. فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

۲. دوسری جگہ آچکا ہے۔ کہ قرآن کلام الٰہی کی غرض ہی یہ مانتا ہے۔ کہ حق و باطل میں فیصلہ ہوتا رہے

۳. वाजश्च मे प्रसवश्च मे प्रयितिश्च मे प्रसितिश्च मे धीतिश्च मे क्रतुश्च मे स्वरश्चमे श्लोकश्च मे श्रवश्च मे श्रुतिश्च मे ज्योतिश्च मे स्वश्चे मे यज्ञेन कल्पन्ताम ॥

(چھٹے منتر میں) ستیہ امرت۔ ایکشما۔ اناہبت۔ جیواتُ۔ دیرگھہ آیُو۔ ان متر۔ ابھے۔ سکھہ۔ شیون۔ سُشا۔ مُدِن۔ ساتویں میں۔ نیتا۔ دھرتا۔ کھشیم۔ دھرتی۔ وشو۔ مَدَ۔ سنوت۔ گیاتر۔ پرسَو۔ رسیر۔ تے
آٹھویں میں۔ شم۔ مے۔ پریہ۔ انوکام۔ کام۔ سومنہ۔ بھگ۔ درون۔ بھدر۔ شریے۔ وشیہ۔ لیش۔
نویں میں۔ اُرک۔ سُو نرت۔ پیہ۔ رس۔ گھرت۔ مدھو۔ سگدھی سپیتی۔ کرشی۔ برشٹی۔ جیتر۔ اودبھدیہ
دسویں میں۔ رَیی۔ رایے۔ پشٹ۔ پشٹی۔ وبھو۔ پربھو۔ پورن۔ پورن تر۔ کیوم۔ کھشت۔ اَن۔ اکھشت
گیارھویں میں۔ چت۔ وید۔ بھوت۔ بھوشیہ۔ سُگم۔ سپہتہ۔ رِدّہ۔ رِدّہی۔ کلرپت۔ کلرِپتی۔ مَتی۔ سُمتی۔
بارھویں میں۔ برہی۔ یَو۔ گاش۔ تِل۔ مونگ۔ چلوا۔ پرینگو۔ انوا۔ شیاماک۔ نیوارا۔ گودھوم۔ مسُور۔
تیرھویں میں۔ اشم۔ مِرتکا۔ مِتریہ۔ پربت۔ گلتا۔ ہنستی۔ ہرنیہ۔ آیہ۔ شیام۔ لوح۔ سیسہ۔ ترشو۔
چودھویں میں۔ اگنی۔ آپہ۔ ویرُدھ۔ اوشدھی۔ کرشٹ پچیہ۔ اکرشٹ پچیہ۔ گرامیہ پشو۔ آرنیہ۔ وِتّ۔ وِتّی۔ بھوت۔ بھوتی۔
پندرھویں میں۔ وسُو۔ وستی۔ کرم۔ شکتی۔ ارتھ۔ ایم۔ اِتیا۔ گتی۔
سولھویں میں۔ اگنی۔ اندر۔ سوم۔ اندر۔ سوِتا۔ اندر۔ سرسوتی۔ اندر۔ پوت۔ اندر۔ برہسپتی۔ اندر
سترھویں میں۔ مِتر۔ اندر۔ ورُن۔ اندر۔ دھاتا۔ اندر۔ توشٹا۔ اندر۔ مرُت۔ اندر۔ وشوے دیوا۔ اندر
اٹھارھویں میں۔ پرتھوی۔ اندر۔ انترکھش۔ اندر۔ دیُو۔ اندر۔ سما۔ اندر۔ نکھشتر۔ اندر۔ دِشا۔ اندر
انیسویں میں۔ انشو۔ رشمی۔ اداجھیہ۔ ادھی پتی۔ اُپانشو۔ انتریام۔ ایندروایو۔ میترا ورن۔ آشون۔ پرتی پرستھان۔ شکر۔ منھی۔
بیسویں میں۔ آگرین۔ ویشودیوا۔ دھرو۔ ویشوانر۔ ایندراگن۔ مہا ویشودیو۔ مرتوتیا۔ نشکیو لیہ۔ ساوتر۔ سارسوت۔ پاتنی دت۔ ہاریوجن۔
اکیسویں میں۔ سرچ۔ چمسا۔ وایوپانی۔ درون کلش۔ گراون۔ ادھشون۔ پوت بھرت۔ آدھونی۔ ویدی۔ درہی۔ اوبھرتھہ۔ سوگاکار۔
بائیسویں میں۔ اگنی۔ گھرم۔ ارک۔ سوریہ۔ پران۔ اشومیدھ۔ پرتھوی۔ ادِتی۔ دِتی۔ دیُو۔ انگلی۔ شکوریہ۔ دِشا۔
تیئیسویں میں۔ برت۔ رِت۔ تپ۔ سموتسر۔ اہوراتر۔ اُوروشنی وے۔ برہدرتھنتر۔ وغیرہ وغیرہ
اس طرح تمام صفات۔ افعال۔ عادات۔ وسائل۔ اندرونی بیرونی اوزار۔ ان پھل وغیرہ کے نام اور سائنٹفک اصطلاحات کا وید میں موجود ہونا صاف بتاتا ہے۔ کہ قرآن میں خدا کا آغاز کے رشیوں کو علم زبان یا اشیاء کے ناموں کا علم دینا امر واقعہ ہے۔ ان الفاظ کے مصدری معنے اور ان کے وسیع اطلاق و مفہوم کی پوری تحقیقات ہزارہا صفحوں کی کتاب کی ضرورت رکھتی ہے۔ اور اگر ایشور کی عنایت سے موقعہ ملا۔ تو اس امر پر جدا کتاب میں روشنی ڈالی جائے گی۔ کہ ایسے موزوں اور اسم با مسمےٰ نام موجودات عالم کے سوائے ایشور کے الہام کے کسی ذریعے سے بھی ملنے ناممکن ہیں۔ اور اس پر لطف یہ کہ

ہر لفظ کے ساتھ اس علیم کل کی طرف سے یہ حکم ہے۔ کہ یہ میری دی ہوئی ہے۔ اسے یگیہ روپ سے کاروبار میں لاؤ۔ یعنی اُس بھگوان کے حکم کے مطابق ان کا صحیح استعمال یا لین دین کرتے ہوئے ان سے سکھ پاؤ۔ پھر یہ امر اور بھی عجیب ہے۔ کہ باوجود ویدوں سے دور ہونے کے اب تک عموماً وہی الفاظ انسانی بول چال میں ہیں۔ بچہ کی تتلی زبان صحیح تلفظ ادا نہیں کر سکتی۔ ویسے ہی ہماری جہالت سے تلفظ بگڑ رہے ہیں۔

۴۱۔ ملت ابراہیم

قرآن میں آنحضرت کے دھرم کو ملت ابراہیم کہا گیا ہے۔ اس سے بھی الہام وید کا ہی اعتقاد ثابت ہوتا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے آیات ذیل پر غور کرنا کافی ہوگا۔

سورۃ البقرہ آیت ۱۳۰۔ اس کا مفہوم صاف ہے۔ کہ سوائے بیکار یا بے عقل لوگوں کے ملت ابراہیم سے کوئی انحراف نہیں کر سکتا۔ یا یوں کہو۔ کہ تمام نیک یا سچے انسانوں کے دھرم کا نام قرآن ملت ابراہیم رکھتا ہے۔ (۱)

اسی سورۃ کی آیت ۱۳۵ میں ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ۔ تو ہدایت پر آجاؤ۔ انہیں کہہ دو۔ ہم تو حق پرست ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ وہ مشرک نہیں تھا۔ (۲)

سورۃ آل عمران آیت ۶۷۔

ابراہیم نہ یہودی تھا۔ نہ نصرانی بلکہ ایشور کا سچا بھگت اور فرمانبردار تھا۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھا (۳) چونکہ حضرت ابراہیم یہودی یا نصرانی نہیں۔ اور ان مذاہب سے آپ پہلے ہوئے ہیں۔ اس لئے ملت ابراہیم محض ان سے پہلے ویدک دھرم کا نام ہے۔ چنانچہ آیت ۶۴ میں صاف کہا ہے۔ کہ ابراہیم کے متعلق جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ توریت اور انجیل کا ظہور ہی اس کے بعد ہوا ہے۔ الفاظ آیت حسب ذیل ہیں۔

اے اہل کتاب! ابراہیم کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو۔ توریت اور انجیل کا تو اس کے بعد ہی ظہور ہوا ہے۔ کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ (۴)

چونکہ یہود اور نصاریٰ سے پہلے ویدک دھرم ہی موجود تھا۔ اس لئے اسے ہی ملت ابراہیم کہا جانا ضروری ہے۔ پھر لفظ ابراہیم وہی ابراہم ہے۔ جو برہما کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور برہما نام ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم کا۔ اس نکتہ نگاہ سے بھی ملت ابراہم یا اسلام سناتن ویدک دھرم کا ہی نام ہے۔ اور یہ آیت نمبر ۱۲۴ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

ابراہیم کا اس کے رب نے اپنی کلاموں میں امتحان لیا۔ سو وہ اس میں پورا اُترا۔ خدا نے فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ بولا اور میری اولاد میں سے فرمایا۔ اس قانون کو توڑنے والوں سے اس عہد کا

۱۔ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

۲۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥

۳۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥

۴۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

تعلق نہ ہوگا۔" (۱)

چونکہ وید میں برہما سب سے مقدم ہے۔ اور قرآن میں ابراہیم کو امام کہا ہے۔اس سے بھی دونوں کا مدعا ایک ہونا ظاہر ہے۔ ویدک دہرم میں برہا وہ ہے۔ جو چار وں ویدوں کی ڈگری پاس کرے۔ اور یہاں بھی وہی امتحان مذکور ہے۔ اور صاف بتایا ہے۔ کہ جو اس قابلیت کے نہ ہوں گے۔ وہ یہ درجہ نہ پائیں گے۔ اس لئے بھی برہما کا ابراہیم ہونا صاف ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کی تعمیر سے قرآن میں حضرت ابراہیم کا ہی تعلق ہے۔ یہ انہوں نے اشاعت دین کے لئے ایک خاص انسٹی ٹیوشن بنائی تھی۔ اور ان کی دعا یہ تھی۔ کہ یہ امن اور شانتی کا کیندر رہنے۔ یعنی یہاں سے دین حق کی تعلیم پاکر ایسے تپسوی اور قابل مشنری نکلیں۔ جو چار دانگ عالم میں تبلیغ حق سے اہل عالم کو صراطِ مستقیم دکھاویں۔ اور انہیں جہالت اور دکھوں سے بچا کر امن و اطمینان سے جیون یاترا پوری کرنے کے قابل بناویں۔

۴۲۔ حدیث کی شہادت

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔ کہ میں اور شداد ابن معقل ابن عباس کے پاس گئے۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھوڑی ہے۔ کہا کچھ نہیں۔ صرف ایک کتاب دو دفتینوں کے درمیان۔ مولوی علی بخش مرحوم کہتے ہیں۔ کہ وہ اس قرآن موجودہ کی اصل تھی۔ غالباً وہی ام الکتاب کہلاتی تھی۔ وہی الذکر اور قرآن کریم کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اسی کا نام المبین تھا۔ وہ نہایت حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ اور سوائے پاک شخصوں کے اسے کوئی چھونے بھی نہ پاتا تھا۔ وہ کتاب حضرت کو اس قدر پیاری تھی۔ کہ جب آپ کا انتقال ہوا۔ تو دو سنہری دفتینوں کے درمیان قبا کے نیچے آپ کے سینے سے برآمد ہوئی"۔

۲۔ کتاب الاضاحی صحیح مسلم میں ہے۔" کسی نے حضرت علی سے پوچھا۔ کہ رسول اللہ صلعم نے تم کو کس بات میں مخصوص کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم کو کسی شے میں مخصوص نہیں کیا۔ جو سب لوگوں پر عام نہ ہو۔ بجز اس چیز کے جو میری تلوار کے درمیان میں ہے۔ اور پھر انہوں نے ایک لکھا ہوا صحیفہ نکالا۔

۳۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۲ پر ایک حدیث ہے۔ کہ ابوجحیفہ نے علی سے کہا۔ کہ تمہارے پاس قرآن کے سوا کوئی اور کتاب بھی ہے۔ وہ بولے۔ کہ نہیں۔ مگر خدا کی کتاب ہے۔ یا وہ سمجھ جو ایک مرد مسلمان کو دی جاتی ہے۔ یا وہ چند مسائل ہیں۔ جو اس صحیفے میں لکھے ہوئے ہیں"۔

یہاں ایک تو کتاب الٰہی کی موجودگی قرآن وغیرہ کے علاوہ ہے۔ اور دوسرے عقل کا تعلق وہ ہے جو آنکھ کا سورج سے ہے۔

۴۔ اسی ترجمے کے صفحہ ۲۵ پر ایک اور حدیث ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا تو آپ نے ابن عباس کو فرمایا۔ کہ میرے پاس لکھنے کی چیزیں لا۔ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں

۱۔ وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

کہ اس کے بعد تم پھر گمراہ نہ ہوگے۔ عمر نے کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ پر مرض غالب ہے۔ اور ہمارے پاس اللہ کی
کتاب ہے۔ وہ ہمیں کافی ہے۔ پھر صحابہ نے اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ شور بہت ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ
میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اور میرے پاس جھگڑنا نہ چاہئے۔ ابن عباس یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے باہر آگئے۔ کہ
بے شک مصیبت ہے۔ اور بڑی سخت مصیبت۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لکھنے کے درمیان کیا
چیز حائل ہو گئی۔"

حضرت عمر کا کتاب اللہ کو اپنے پاس رکھنا اور اسے کافی سمجھنا وہی خلوص عقیدت ہے۔ جو آریوں کی
وید پر ہے۔ ان حوالوں میں جو صحیفہ مذکور ہے۔ وہ وید منتروں کے متعلقہ نوٹ ہو سکتا ہے۔ یا مقامی اور
زمانی ضروریات پر مبنی تحریر۔ مگر سنہری دفینوں میں محفوظ۔ نیک پاک لوگوں سے چھوٹی جانے والی آنحضرت
سے سینے کے ساتھ رکھی جانے والی۔ اور ام الکتاب یا کتاب اللہ اور قرآن کریم۔ کتاب مبین۔ الذکر وغیرہ
کہلانے والی کتاب سوائے وید کے ہو نہیں سکتی۔ جیسا کہ اس کل باب میں پیش شدہ کثیر التعداد حوالہ جات
سے ظاہر ہے۔ وہی زندگی بھر آپ کی رہنمائی اور وہی قالب عنصری کو ترک کرتے ہوئے کبھی آپ کے سینے
کے ساتھ تھی۔ کاشکہ تمام انسان اسی ماتا کی گود میں جیتے اور مرتے ہوئے بیٹھ سکیں۔

स्तुतामया वरदा वेद माता प्रचोदयन्तां पावमानी द्विजानाम्।
आयुं प्राणं प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्वा ब्रजत
ब्रह्म लोकम्॥

قرآن مجید میں خدا سے جن نعمتوں کے ملنے کا اشارہ ہے۔ وہ ہیں رزق۔ عزت۔ صحت۔ عمر۔ دولت۔ اچھی
شہرت۔ اولاد مال مویشی۔ عقل۔ علم۔ راحت۔ نجات۔ سو اس منتر میں ان کل نعمتوں کا وید ماتا سے ملنا مذکور ہے۔
آیو۔ پران۔ پرجا۔ پشو۔ کیرتی۔ درون۔ برہم ورچس کے مفہوم میں سب نعمتیں جو زندگی میں مل سکتی ہیں۔ مذکور
ہیں۔ اور زندگی کے بعد جو اعلیٰ ترین نعمت نجات کی مل سکتی ہے۔ اسے برہم لوک میں لے جانے سے ظاہر
کیا ہے۔ پہلے حصے میں جو عقلوں کو نیک ہدایت یا روشنی دینا اور دوجوں یعنی متقی لوگوں کو پاک بنانا مذکور
ہے۔ اس کا نتیجہ ایسی ہی کامیابی ہو سکتی ہے۔

۳۴۔ مذاہب الاسلام کی شہادت

اسلام کے ناجی فرقہ یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔
کہ علم سلسلہ بہ سلسلہ دنیا میں چلا آتا ہے۔ یہ عقیدہ اس
عالمانہ اور محققانہ بحث کا ہے۔ جو علم اور الہام کے
متعلق فرقہ ناجیہ کے بیان میں مذاہب الاسلام میں درج ہے۔ اور ہماری رائے میں یہ بیان کامل طور
پر وید اور قرآن کی تعلیم کی توضیح کرتا ہے۔ جو اصولی طور پر ہم نے اب تک بیان کی ہے۔

اول صفحہ ۹-۱۰-۱۱ پر ناجی فرقہ موسومہ ماتریدیہ کے بیان میں اسباب علم یعنی یقین تین لکھے ہیں۔
(۱) حواس خمسہ ظاہریہ یعنی آنکھ۔ کان وغیرہ کی پانچ گیان اندریاں۔ لیکن کہا ہے۔ کہ بعض موقعوں
پر خاص اسباب مانع ہونے سے حواس غلطی کرتے ہیں۔ جیسے بھینگا ایک کو دو دیکھتا۔ اور صفراوی میٹھے کو کڑوا
جانتا ہے۔ یہ خیال ہو بہو وہی ہے۔ جو نیائے درشن میں پرتیکھش پرمان کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حواس اور شے کے تعلق سے پیدا شدہ وہ علم جو اسم اور موسوم کے تعلق والا نہ ہو۔ بلکہ صرف اس شے کا ہو۔ اور غیر فاسد شک و غلطی سے پرے ہو۔ وہ پرتیکھش (ثبوت عین الیقین) ہے۔ (۱)

۲- عقل۔ لیکن یہ بھی بعض اوقات وہم و خیال کی رکاوٹ یا شرائط علم منطق کا لحاظ نہ کرنے سے غلطی کرتی ہے۔ لہذا ان نقائص سے بچتے ہوئے اسے مفید علم یقینی و قطعی سمجھنا چاہیئے۔ یہ ذریعہ وہی ہے۔ جسے منو آدی میں ترک کا نام دیا ہے۔ وید میں ترک کو رشی کہا ہے۔ کیونکہ یہ وید کو سمجھنے میں مددگار ہے۔ منو میں کہا ہے۔

ترک سے ثابت شدہ بات وید دھرم کی ہی ہوتی ہے۔ (۲) اس کے علاوہ نہیں۔ مطلب یہ کہ جو ترک صحیح طریق اور یقینی احساس علم تک پہنچا دے۔ وہی مفید علم یقینی ہے۔

۳- خبر۔ کہ حق تعالےٰ نے علم سامع کے حاصل ہونے کے لئے متکلم کے ماضی الضمیر پر اس کو واضح کیا ہے یہ ہے۔ وہ ذریعہ جو الہامی علم کی طرف مضمون زیر بحث کو کھینچتا ہے۔ خدا روح پر جس علم کو ظاہر کرتا ہے متکلم دوسروں تک اس کو ان کے کانوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ متکلم کے روح پر علم کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے۔ ابتدائے عالم کے رشیوں پر خدا سے اور بعد کے لوگوں پر استاد۔ گورو یا رسول سے یا عام لوگوں سے بھی۔ پہلی قسم کا علم براہ راست خدا سے روح کو ملتا ہے۔ اور دوسری قسم کا علم دل کے ذریعے آتما تک آغاز عالم کے لوگوں کے علاوہ اور لوگوں میں حصول علم کا ذریعہ یہی ہے۔ کہ وہ اسے سنیں اس لئے اسے شرتی کہا جاتا ہے۔ اسی کے لئے علم سامع کا لفظ ہے۔ مگر متکلم خود غرضی سے غلط امور بھی سنا سکتا ہے۔ یا نیک نیت متکلم غلطی بھی کھا سکتا ہے۔ اس لئے علم سامع کے متعلق اطمینان ہونا ضروری ہے۔ کہ اس میں جھوٹھ نہ ہو۔ یعنی قول صادق ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ وہ قول صادق دو طرح کا ہوگا۔ (مذاہب الاسلام کے الفاظ میں)

(۱) خبر متواتر جو ایسی جماعت سے حاصل ہوئی ہو۔ کہ عقل کے نزدیک ان کا کذب بیانی پر متفق ہونا بدیہی طرح پر ممتنع ہو۔ اور اس جماعت نے اسی طور سے جماعت اول سے یقین حاصل کیا ہو۔ وہکذا یہاں تک کہ وہ چیز کسی ایک حس پر مبنی ہو۔

۲- خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ استدلال کے بعد تصدیق ہوئی ہے۔

اس بیان کا مطلب صاف ہے۔ کہ صحیح علم اس طریق سے پہنچتا ہے۔ کہ ہر زمانے کے واقفی راستباز عالم لوگ خدا سے ملے ہوئے الہامی علم کو جیوں کا تیوں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اور لوگ اس کا نتیجہ میں عملی احساس پاتے ہیں۔ اسی قول صادق کا دوسرا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ہے۔ اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیگر لوگوں میں احتمال کذب موجود رہتا ہے۔ لیکن سچے رسول کی عفت و عصمت معتقدوں کو کذب کا احتمال کرنے سے روکتی ہے۔ یہ اعتقاد محض بنائے ورتن ۱-۱-۷ کے مدعا کی ہی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ:۔

۱- इन्द्रियार्थसन्निकर्षोत्पन्नं ज्ञानमव्यपदेश्यमव्यभिचारि व्यवसायात्मकं प्रत्यक्षम्

۲- यस्तर्केणानुसंधत्ते स धर्मं वेद नेतरः ।

आप्तोपदेशः शब्दः

آپت کا اُپدیش شبد پرمان ہے۔

سوامی جی آپت کی تعریف یہ کرتے ہیں۔

"عالم۔ فاضل۔ دہرماتما۔ سب کی بہبودی چاہنے والا۔ راستباز۔ باہمت۔ حواس پر غالب ہو۔ جیسے اپنے آتما میں مانتا ہو۔ اور جس بات سے خود سُکھ پایا ہو۔ اسی کو منہ سے بولنے کی خواہش رکھتا ہو۔ انسانوں کے فائدے کی خاطر اُپدیش کرنے والا ہو۔ پرتھوی سے لے کر ایشور تک جتنے پدارتھ ہیں۔ ان کا علم حاصل کرکے اُپدیش کرتا ہو۔ ایسے پرشوں کے اُپدیش اور نیز کامل آپت پرمیشور کے اُپدیش وید کو ستیہ پرمان سمجھنا چاہئے۔ (ارد و ستیارتھ پرکاش باب۔ چہارم صفحہ ۶۳)

اس تعریف میں دونوں طرح کے قول صادق کی پوری توضیح اور باہمی مماثلت موجود ہے۔

۴۴ - الہام اور خبر متواتر

لیکن واضح رہے۔ کہ ماتریدیہ فلسفہ کے اس بیان میں الہام اور خبر متواتر کو بجا طور پر الگ کیا ہے۔ اسباب علم میں اول خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا ہے۔ اور اس کے بعد حس ہے۔ کہ خطا کا احتمال اگرچہ اس میں نہیں ہے۔ لیکن اشیائے محسوسہ خصوصاً ان کے ظاہر پر منحصر ہے۔ بعد اس کے رتبہ خبر متواتر کا ہے۔ کہ اس کی بنا اور منتہی بھی حس ہے۔ ولیس الخبر کالمعاینۃ۔ پھر عقل ہے۔ اس لئے کہ رایوں کا اختلاف عقلا میں بہت ہوتا ہے۔ اور الہام اولیا چونکہ مختص بہ حواس ہے۔ اور متکلمین اسباب علم عام سے بحث کرتے ہیں۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی علامت ایسی موجود ہوتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ اور حجت ہونے کے قابل اور مطابق واقع کے ہے۔ اور نیز الہام میں مزاحمت وہم وخیال اور کدورت نفسانی اور شیطانی مانع حصول علم یقینی ہیں۔ گو ملہم علیہ کو اس پر پورا اعتماد ہو جائے۔ مگر بغیر قرائن خارجیہ کے نفس الہام ظنیت کے رتبے سے نہیں نکلتا۔ اس لئے اسباب علم میں سے نہیں شمار کیا جاتا۔ عقل بالبداہت حکم کرتی ہے۔ کہ عالم کی چیزوں کی حقیقت ثابت ہے۔ اور علم اس مسئلے کا یقینی ہے۔ فقط وہم وخیال نہیں۔ یعنی پانی پانی ہے۔ اور آگ آگ ہے نہ یہ کہ اگر پانی کو مثل آگ کے سمجھے۔ تو آگ ہو جائے۔ اور آگ کو مثل پانی کے سمجھے۔ تو پانی ہو جائے۔ جیسا کہ فرقہ سوفسطائیوں کا ہے۔

اس کل بحث کا مطلب یہ ہے۔ کہ الہام اور مروجہ اسباب علم سے آگے خبر متواتر کو ایک ہی نہ سمجھا جائے۔ یعنی ان اسباب الہام کو الہام سمجھنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اگلی بحث کی باریکیوں سے واضح ہوگا۔

۴۵ - کلام نفسی و لفظی

"اور اس کا کلام حروف اور آواز سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں۔ اور حق تعالےٰ قدیم ہے۔ اور یہ بات محال ہے۔ کہ ذات قدیم محل حوادث ہو۔ بلکہ کلام الٰہی ایک معنے ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اُسے کلام نفسی کہتے ہیں۔ اور جو کلام اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ کلام لفظی ہے۔ اور کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے۔ کہ یہ صفت ازل سے ابد تک اس کو حاصل ہے۔ اس کے سبب سے جس سے چاہتا ہے۔ کلام کرتا ہے۔ سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے ہے۔ کہ اس کی صفت ہے۔ اور یہ الفاظ اور عبارات قرآن کی جو کلام لفظی ہے۔ اس کو کلام الٰہی اس لئے

کہتے ہیں۔ کہ ماسوائے خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ ان کو خاص اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام نفسی کے سمجھنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں کہ جس کا ثانی بنانا طاقت بشری سے باہر ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ اور قرآن کا اطلاق کلام نفسی، اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔ اور غیر مخلوق قرآن نفسی ہے۔ نہ لفظی۔ اور خدا تعالےٰ کے کلام میں یہ تین مضمون ہیں۔ امر و نہی و خبر... "

ویدک رشی ایشور کو گیان سروپ یا علم بالذات مانتے ہیں۔ اور علم میں الفاظ معنے اور تعلقات ہیں۔ روح میں نفسی کلام کا احساس خدا کی حضوری میں ہوتا ہے۔ اور دنیوی تعلقات میں کلام لفظی کا ہی تعلق ہے۔ فرقہ ماتریدیہ عربی زبان کو کلام لفظی قرار دیتا ہے۔ مگر رسول صاحب قرآن میں یہ پوزیشن لیتے ہیں کہ آغاز میں خدا نے رشیوں کو کلام لفظی دیا تھا۔ اس اعتقاد میں گو ویدک بھاشا اور عربی زبان کا مقابلہ ہے۔ چونکہ قرآن عجمی قرآن کا بھی قائل ہے۔ اور بہ طور امر واقعہ کے رسول صاحب نے اس آیات عجمی قرآن کو ہی عربی میں ادا کیا ہے۔ اور دونوں زبانوں کے قرآن کو شفا قرار دیتا ہے۔ اس لئے دونوں طرح سے کلام لفظی ایک ہی اصول کا قائم مقام ہے۔ خواہ وہ عجمی ہو۔ خواہ عربی۔ اس کے علاوہ صفحہ ۴۶ پر واضح کیا گیا ہے۔ کہ "کلام لفظی الہی کا علم الہی میں کلام نفسی قدیم نام ہے۔" یعنی کلام نفسی کو ہی جب خدا الہام دیتا ہے۔ کلام لفظی کہا جاتا ہے۔ گویا آغاز عالم میں جو الہامی زبان ملی۔ اسے ہی بجا طور پر کلام الہی ماننا چاہیئے۔

۴۶۔ الہام الہی بے بدل ہے

صفحہ ۱۸ مذاہب الاسلام میں ہے۔ بدر اللہ تعالےٰ پر جائز نہیں۔ اس لئے کہ محال ہے۔ کہ ظاہر ہووے۔ اللہ پر وہ چیز کہ پہلے سے اس پر ظاہر نہ تھی۔ جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ الہامی علم میں ترمیم تنسیخ یا تبدیلی ہونے کی تردید کرتے ہیں۔

۴۷۔ ناری فرقہ حدیثیہ

ناری فرقہ ماتریدیہ کے ساتھ فرقہ حدیثیہ جو ناری فرقوں کی ذیل میں لکھا ہے۔ اس کے عقائد کا صفحہ ۲۷ پر بیان ہے۔ اور اس میں یہ لفظ ہیں۔

" اللہ تعالےٰ نے اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان میں ابتداً حیوانات کو عاقل و بالغ پیدا کیا تھا۔ اور بہت کچھ نعمت عطا کی تھی۔ اور علوم بھی بخشے تھے۔"

اس سے ظاہر ہے۔ کہ ابتدائی پیدائش والی جگہ موجودہ دنیا سے نرالی بلکہ جنت نشان تھی۔ اور انسان جوان پیدا ہوئے تھے۔ اور انہیں الہامی علم عطا ہوا تھا۔

۴۸۔ اختلافات کے متعلق معذرت

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ امر صاف کرنا ضروری ہے کہ موجودہ قرآن کو ہم وید کے مطابق اور ہر طرح سے معقول اور اہل عالم کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سے اس امر میں کسی کو کلی اتفاق نہ ہو۔ تو ہم دلیل اور ثبوت سے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ باوجود اس کے اگر بدظنی سے کوئی اختلاف مان بھی لیا جاوے۔ تو بھی آنحضرت پر اس کی ذمہ واری نہیں

آسکتی۔ کیونکہ موجودہ قرآن کی ترتیب بصورت کتاب آنحضرت کے بعد ہوئی ہے۔ احادیث اسلام میں اس ترتیب وتدوین کے متعلق مختلف خیال ہیں۔ مگر چونکہ ہم انہیں پیش کرنے سے نفس مضمون سے دور چلے جائیں گے۔ اس لئے محض اس قدر اشارہ دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جس قدر سے معذرت کو درجۂ معقولیت مل سکتا ہے۔

صحیح بخاری کے مترجم مرزا حیرت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی تکمیل تیئیس سال میں ہوئی۔ یعنی نزول وحی کا سلسلہ اس قدر طویل زمانہ تک جاری رہا۔ آیات نزول کے ساتھ ساتھ صحابہ کو سنائی گئیں۔ وہ انہیں یاد ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ جنگ یمامہ تک ہزارہا حافظان قرآن موجود تھے۔ لیکن جب اس جنگ میں ایسے صحابہ کثیر تعداد میں شہید ہو گئے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خوف ہوا۔ کہ مبادا قرآن کے محافظ صحابہ کم ہونے ہوتے بالکل نہ رہیں۔ اور آئندہ نسلوں کو قرآن مجید اس حزم واحتیاط سے نہ پہنچے۔ اس خوف کی بناء پر قرآن مجید کے انضباط پر کل صحابہ مائل ہو گئے۔ اور سب نے مل کر موجودہ قرآن مجید کی ترتیب دی۔ مرزا صاحب آگے چل کر کہتے ہیں۔

یہ خوف محض اس بے نظیر تعشق کی وجہ سے تھا۔ جو صحابہ قرآن مجید سے رکھتے تھے۔ اور وہ قرآن مجید جو ان کے آخر الزمان نبی کی زبان مبارک سے پہنچا تھا۔ اور یہ قرآن مجید جو آج کروڑہا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت فاروق کے تعشق کی ایک کافی سند ہے۔ جس سے بہتر سند دنیا کے پیغمبروں کا کوئی حواری پیش نہیں کر سکتا۔"

یہ الفاظ کچھ مبہم ہیں۔ ان سے پتہ نہیں چلتا۔ کہ موجودہ قرآن ہوبہو وہی ہے یا نہیں۔ جو آنحضرت کی زبان مبارک سے سنا گیا۔ تاہم اس کے تین سطر بعد لکھا ہے۔

"اسی غیر معمولی تعشق کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج حضور انور کے ہزارہا اقوال کا مجموعہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ نفس کے بندوں نے ان پاک اقوال میں اپنے خیالات کو بہت کچھ خلط ملط کر دیا تھا۔ مگر جس طرح جواہرات میں ٹھیکریاں الگ پہچانی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے اقوال ہمارے علماء نے الگ چھانٹ دئیے۔ اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا۔"

ان الفاظ میں یہ اشارہ موجود ہے۔ کہ جمع و ترتیب قرآن کے وقت آنحضرت کے نام سے جو مصالحہ ترتیب دینے والوں کے سامنے آیا۔ اسے انہوں نے کلہم آنحضرت سے منسوب نہیں کیا۔ اور اس میں سے کانٹ چھانٹ انہوں نے کی۔ اور چونکہ یہ ماننا بعض خیالوں میں محالات سے ہے۔ کہ ترتیب دینے۔ کانٹ چھانٹ کرنے یا آیات قرآن کو جمع کرنے والے لوگ حضرت جبرئیل یا آنحضرت کے برابر قابلیت رکھتے تھے۔ یا انہیں اصل قرآنی آیات کا بے خطا علم تھا۔ اس لئے جہاں یہ امکان ہے۔ کہ کوئی اعلےٰ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ وہاں یہ بھی امکان ہے۔ کہ بندگان نفس کی کسی ملاوٹ کی تہ تک نہ پہنچے سے وہ اسے الگ نہ کر سکے ہوں۔ بہر حال ہر ظنی پر مبنی رائے کا نشانہ آنحضرت کو بنانا کسی طرح یقینی سچائی کا درجہ نہیں پا سکتا۔ ایسے ہی ایک موضوع کو تفسیر القرآن سر سید احمد خاں صاحب جلد اول کے ۱۹ تا صفحہ پر واضح کیا گیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ (اختلاف قرأت)۔ جب قرآن نازل ہوتا تھا۔ تو متفرق ٹکڑوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ سنتے تھے۔ اس کو برزبان یاد بھی کر لیا کرتے تھے۔

مگر جیسا کہ عام قاعدہ فطرت انسانی کا ہے برزبان یاد کرنے والوں کو پیش آتا تھا یعنی جس کا حافظ قوی تھا۔ اس کو نہایت صحت وضبط کے ساتھ یاد نہ رہتا تھا۔ اور اس وجہ سے اختلاف قرات پیدا ہو گئے تھے۔ کسی کو واو کی جگہ ف یاد رہ گئی۔ کسی کو زیر کی جگہ زبر۔ کسی کو سکون کی جگہ تشدید۔ اور کچھ شبہ نہیں۔ کہ ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص بر زبان یاد رکھنے میں کوئی کلمہ یا آیت بھول گیا۔ یا کوئی غیر کلمہ اس کی زبان پر چڑھ گیا۔ جو درحقیقت اس میں نہ تھا۔" اس کے بعد آپ ایسی لغزشوں کے تدارک کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ لکھے ہوئے پرچوں یا صحت وضبط سے یاد رکھنے والوں سے ان کا تدارک ہو جاتا تھا۔

یہ اختلاف روز بروز جیسا کہ عام قاعدہ ہے بڑھتا جاتا۔ اس لئے حضرت ابوبکر کی خلافت میں صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ کہ ان متفرق پرچوں کو جمع کر کر تمام قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ لینا چاہئے۔ تاکہ اختلاف نہ پڑے۔ پس زید بن ثابت نے وہ تمام متفرق پرچے جمع کئے۔ اور اپنے ہمعصروں سے جو قرآن کو بخوبی یاد رکھتے تھے۔ اور جن کے پاس متفرق پرچے لکھے ہوئے تھے۔ مدد لی۔ اور اول سے آخر تک قرآن مجید لکھ لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی کے عہد میں اس قرآن کی بہت سی نقلیں شایع ہو جانے سے سینکڑوں حافظ پیدا ہونے کا بیان ہے۔ مگر اختلاف قرات کامل طور پر دور نہ ہوا۔ کیونکہ سب قرآن قدیم کوفی خط[ع۱] میں تھے۔ جس میں نہ نقطے ہیں۔ نہ اعراب۔ اس پر بعض لفظ قواعد صرف نحو یا اہل عرب کی بول چال کے مطابق کئی اختلافات تلاوت کے باوجود ٹھیک معنے دے سکتے تھے۔ اس لئے وہ اختلاف دور نہ ہوئے۔ مگر تھوڑے دنوں بعد قرآن مجید میں نقاط اور اعراب بھی لگا دیئے گئے۔ اب باقی رہا۔ گنواروں اور اشرافوں یا خواندہ اور ناخواندہ والا اختلاف تلفظ۔ اس کے بعد سر سید صاحب توریت صحیف انبیا اور انجیل کے قلمی نسخوں کے اختلافات پر بحث اور ان کا مقابلہ قرآن مجید کے متعلقہ اختلافات سے کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔

زید بن ثابت نے جب قرآن لکھا تھا۔ اور جس کی نقل عثمان رضی نے کی تھی۔ اس زمانہ میں قواعد رسم خط کے بخوبی منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور اس سبب سے بہت سے الفاظ زید بن ثابت نے اس طرح لکھے ہیں۔ جو ان قواعد رسم خط سے جو بعد کو منضبط ہوئے۔ مختلف ہیں۔

اس قسم کے اقتباسات سے ہم محض یہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کم سے کم وید کی جگہ ود کا موجود ہونا نہایت معمولی بات ہے۔ اور حالات کے لحاظ سے صحابہ اس کے لئے معذور سمجھے جانے چاہئیں۔

۹۴ - عظمت وید کا غیر معمولی احساس

ہم نے تمام ضروری پہلوؤں کے متعلق مستند حوالہ جات پیش کر کے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ قرآن مجید کی رو سے دین اسلام میں بھی وید کو ہی ایشوری گیان مانا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جاوے۔ ہم دو باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول صلعم کے دل میں وید کی عزت اور عظمت اسی طرح تھی۔ جس طرح سوامی دیانند کے دل میں تھی۔ اور دوم یہ کہ دین اسلام ۱۳ یا ۱۴ صدی سے نہیں۔ بلکہ آغاز عالم سے موجود ویدک دہرم

ع۱ قدیم کوفی خط کیا موجودہ سنسکرت یا دیوناگری کی قسم کے رسم الخط میں بھی تو نقطے نہیں ہوتے۔

کا نام ہے۔ سو امر اول کے متعلق اس دفعہ میں ثبوت دیا جاتا ہے۔ مہرشی دیانند کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی پوچھے۔ کہ تمہارا مت کیا ہے؟ تم کہو۔ وید! اپنے متعلق یہ کہا۔ میری جو بات وید کے مطابق ہو۔ وہی مانو۔ خلاف وید کو غلط جانو۔ یہی پوزیشن آپ نے تمام رشیوں اور ودوانوں کے بچنوں یا تصنیفات کے متعلق واضح کی۔ اور ہم جتنا بھی غور کرتے ہیں۔ اتنا ہی ہمیں یقین ہوتا ہے۔ کہ رسول صلعم اس پوزیشن پر نہایت احتیاط سے قائم رہے تھے۔

۱۔ سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۴۴۔ محمد تو محض ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے انیک رسول ہو گذرے ہیں۔ کیا اگر وہ مر جائے یا قتل ہو جائے۔ تو تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو خدا کا کیا بگڑے گا۔ وہ اپنے شکر گذاروں کو جزا دے گا۔ (۱)

بہ الفاظ دیگر آپ کا یہاں یہ فرمان ہے۔ کہ میں کوئی نیا دین نہیں چلاتا۔ دین تو ہمیشہ ایک اور اللہ کا ہی ہے۔ میں اس کا محض مبلغ ہوں۔ اور وہ بھی فانی۔ ہاں اس کی کلامِ حق جاودانی ہے۔ میں رہوں نہ رہوں تم اسی پر ڈٹے رہو۔

۲۔ سورۃ النساء۔ آیت ۶۴۔ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے۔ اسی مقصد سے بھیجا ہے۔ کہ اللہ کے حکم کے تحت میں ہی اسے مانا جاوے۔ (۲)

۳۔ سورۃ آل عمران آیت ۷۹۔ کسی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ کہ خدا تو اسے اپنی کتاب۔ عقل اور نبوت دیوے۔ اور وہ لوگوں سے کہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ یہی کہیگا۔ کہ اپنے پروردگار کے فرمانبردار رہو۔ کیونکہ تم کلام الٰہی کو ہی پڑھتے پڑھاتے رہے ہو۔ (۳)

واقعی آغاز عالم سے اب تک اگر کسی نے اعلےٰ علمی ہدایت دی ہے۔ یا کتاب تصنیف کی ہے۔ تو وہ کلام الٰہی کے ہی پڑھنے پڑھانے کا نتیجہ ہے۔ کسی کو حق نہیں۔ کہ اپنی شخصیت کی نمائش کرنے لگے۔ یہ تمام خود نما اور خود ستا ہادیان کے لئے سنہری حروف میں لکھا جانے کے قابل اصول ہے۔

۴۔ سورۃ آل عمران آیت ۸۰۔ "وہ تم سے نہیں کہیگا۔ کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مان لو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ تم تو خدا کے فرمانبردار بن چکے۔ اور وہ تم کو کفر کا رستہ بتلائے۔" (۴)

۵۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۳۔ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ کہ وہ اس دین الٰہی کو تمام مذاہب پر غالب کرے۔ (۵)

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ؁

۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؁

۳۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ؁

۴۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؁

(۵)۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ؁

گویا، انسانی مذاہب کو نیچا دکھا کر وحیٔ الٰہی کا بول بالا کرنا ہی سچے رسول کا مشن ہے۔

۶۔ سورۃ الانعام۔ آیت ۴۹۔ کہو میں تم کو نہیں کہتا۔ کہ میرے پاس خدا کی سرکار والے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ (رشی) ہوں۔ میں تو بس اللہ کے حکم تک ہی محدود رہتا ہوں، جیسا میری طرف وحی (ذہن نشین) ہوتا ہے۔ کیا نابینا اور بینا ایک برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ (۱)

سوامی دیانند کو کسی نے کہا۔ آپ تو رشی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"رشیوں کی عدم موجودگی میں مجھے رشی کہتے ہو۔ ورنہ کنادوغیرہ کے وقت میں میرا معمولی عالموں میں شمار ہوتا" یہی سپرٹ آنحضرت میں ظاہر ہے۔ رشی ہونے کا دعوےٰ نہیں۔ محض خدا کا حکم جو سمجھا وہی سنایا۔ اپنے آپ کو نابینا اور خدا کو بینا مانا اور کلام الٰہی کی عظمت کے آگے جھکا رہنا ہی آپکے کمال حق پسندی اور ایثار کا ثبوت ہے۔

۷۔ سورۃ البقر آیت ۴۱۔ اور جو تم پر نازل ہوا۔ اسے اس کا مصدق جانو۔ جو تمہارے پاس ہے (۲)

۸۔ آل عمران آیت ۳۔ اس نے تم پر حق والی کتاب نازل کی ہے۔ جو نیز میں موجود صداقتوں کو واضح کرتی ہے۔ اور اس نے پہلے توریت اور انجیل کو بہ طور ہدائت انسانوں کے ظاہر کیا تھا۔ اور اس نے حق و باطل کی تمیز کرانے والا فرقان ظاہر کیا تھا۔" (۳)

ظاہر ہے۔ کہ قرآن توریت انجیل کے علاوہ آغاز عالم والے وید کو ہی فرقان کہا گیا ہے۔ یہی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہر کہیں مانا گیا ہے۔

۹۔ کہاں تک لکھا جاوے۔ کلام الٰہی کی عظمت کا احساس ہر سورۃ اور ہر رکوع میں موجود ہے۔ سورۃ یونس میں پہلے ہی کہا گیا ہو یہ اس علمی کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۴)

سورۃ الرعد میں پہلے ہی کہا۔ یہ کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں۔ اور جو کچھ تیرے رب سے تجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ حق ہے۔ خوب غور کرو۔ (۵)

سورۃ الحجر کے شروع میں بھی ہے۔ درشن کرو کتاب الٰہی اور علمی قرآن (وید) کا (۶)

۱۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ٥

۲۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ٥

۳۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ٥ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ٥

۴۔ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ٥

۵۔ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

۶۔ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ٥

سورۃ الشعرا کے شروع میں ہے۔ اسی کی الہامی کتاب کی یہ آئیتیں ہیں۔ (۱)

سورۃ لقمان کے شروع میں ہے۔ کافی ہیں۔ کتاب حکیم کی آئیتیں۔ نیک عمل والوں کے لئے ہدائیت اور رحمت (۲)

سورۃ الزمر کے شروع میں ہے۔ "طاقت اور حکمت مجسم اللہ سے الہام ظاہر ہوا۔ (۳)

سورۃ المومن کے شروع میں ہے۔ طاقت اور علم مجسم خدا سے الہام ظاہر ہوا (۴)

ایک مسلمان مولوی صاحب نے سوامی جی سے سوال کیا۔ کہ مذہب کونسا سچا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کوئی بھی نہیں۔ کہا گیا۔ آپ تو خود مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور وید مذہبی کتاب ہے۔ سوامی جی نے کہا بالکل نہیں۔ وید مذہبی نہیں۔ بلکہ علمی کتاب ہے۔" ہوبہو یہی پوزیشن آنحضرت کی ہر حوالے سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی دلی لگن محض یہ تھی۔ کہ سب انسان قدیم اور واحد الہام پر متحد ہوں۔ اور اس لئے آپ معقول طریق پر مذاہب کی تردید کرتے تھے۔ اور توریت انجیل کو محض جزوی علم کہتے تھے۔ جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

کیا تم نے ان پر غور کیا۔ جن کو کتاب الہی کا جزوی علم دیا گیا تھا۔ اب ان کو اس کتاب الہی کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کے مابین فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان کا ایک بڑا حصہ منہ موڑ لیتا ہے۔ گویا کہ وہ اس سے منحرف ہے۔" آل عمران - ۲۲) (۵)

کل انسانی مذاہب کا یہی حال ہے۔ کتاب الہی کی بعض باتوں کی وجہ سے جو ان کی مانی ہوئی کتاب میں ہیں۔ وہ اصل کتاب کی طرف نہیں آتے۔

نہ صرف یہ آپ بارہا مذہبی تقسیم پر اظہار افسوس کرتے اور سب کو ایک دہرم میں متحد ہونے کی تحریک اور اسی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ایسے حوالہ جات باب اول میں دیئے جا چکے ہیں۔ کتاب الہی کی اشاعت نہ رہے۔ اور برہمنوں کی خودغرضیوں نیز انسانی دھڑے بندیوں سے کتنے ہی مذاہب جاری ہیں۔ اور ہر طرف سے آپ کی مخالفت ہوتی ہے۔ لیکن آپ اپنے لئے یہی حکم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قدیم اور واحد دہرم کی ہی تبلیغ کریں۔

آپ کا ایثار بے نظیر تھا۔ اور یہ امر کہ انہوں نے اپنی کسی غرض یا شہرت یا بڑائی کے لئے تبلیغی کام کیا یا انہیں اپنا مذہب چلانے اور پیر بننے کا شوق تھا۔ قطعاً غلط ہے۔ آپ عربی قرآن کو منجانب اللہ یا اور کتب سے بہتر کہتے تھے۔ تو محض اس لئے کہ قدیم کتاب الہی کی سچائیوں کا وہ بیان کرتے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے۔ کہ عربی قرآن میں خوبی ہی خوبی ہے۔ اور وہ سب وید یا قدیم کتاب الہی کی ہے۔ سورہ یونس آیت

۱۔ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔

۲۔ الٓمٓ۔ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۔ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ۔

۳۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

۴۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔

۵ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔

۳۸ میں کہا ہے۔

یہ قرآن ایسی کتاب نہیں۔ کہ خدا کے سوائے اسے کوئی اپنی طرف سے بنا سکے۔ لیکن (اس کا مطلب یہ ہے۔) یا کہ یہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ جو خدا کی اس قدرت یا نیچر میں ہے۔ اور یہ تفصیل ہے۔ اس (ا)نت کتاب کی جو رب العالمین سے ظاہر ہوئی ہے۔ (۱)

ہم نے شروع سے اخیر تک قرآن میں یہی سپرٹ دیکھی ہے۔ کہ سوائے ایک ایشور اور اس کے الہام وید کے آنحضرت کو کچھ بھاتا نہ تھا۔ اور اسی لئے وہ انسانی مذاہب کی کھلے بندوں تردید کرتے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ جو کچھ کتاب الٰہی والی بات تمہارے علم میں آوے۔ مانو۔ مخالف انسانوں کے خیالات وغیرہ کی ہرگز ہرگز پیروی نہ کرو۔

دین اسلام سناتن ویدک دھرم ہے

آل عمران آیت ۱۸۔

دین تو اللہ کی طرف سے اسلام ہی ہے۔ اور اہل کتاب اپنے پاس علم آنے کے بعد اختلاف رکھتے ہیں تو یہ باہمی بغض و عناد یا تعصب سے ہے۔" (۲)

دین الٰہی کے اسلام ہونے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے خدا ہے۔ تب سے وہ دین ہے۔ یا جب سے کتاب الٰہی کے ذریعے علم ملا تب سے ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہنا۔ کہ ویدک دھرم سناتن ہے۔ یہی مفہوم رکھتا ہے۔ کہ قرآن میں ازلی ابدی ویدک دھرم کو ہی اسلام مانا گیا ہے۔

اہل کتاب قدیم الہام کے معتقدوں کو کہا ہے۔ اور ان کے دھرم کو سچا اور واحد ایشوری دھرم مانتے ہوئے فیصلہ دیا ہے۔ کہ مذہبی تقسیم اس دھرم پر مبنی نہیں۔ بلکہ باہمی تعصب وغیرہ پر ہے۔

آل عمران ۲۳ میں ہے۔

اور جو کچھ افترا پردازیاں یہ دین میں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دھوکا دے رکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ دین تو پہلے سے ہی تھا۔ لوگوں نے عداوت وغیرہ کے زیر اثر ملاوٹیں کر کے نقصان اٹھائے سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہے۔" رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ تمہارے لئے دین اسلام کو پسند یا منتخب کیا۔ مطلب یہ کہ دین اسلام ہی تھا۔ اور مذاہب بھی۔ آنحضرت نے اسلام کو ہی دین الٰہی سمجھا اور سمجھایا۔ ملت ابراہیم کے مضمون میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ آپ ملت ابراہیم کے پیرو ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اور وہ ملت توریت انجیل سے پہلے کی ویدک دھرم کی ہی ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ ملت ابراہیم ہے۔ برہما والا ویدک دھرم اور اسے قرآن میں اسلام کہا ہے۔ سورۃ النسا آیت ۲۶ میں ہے۔

ایشور کو یہی منظور ہوا۔ کہ تمہیں تمہارے گذشتہ بزرگوں کے طریقے کھول کھول کر سنائے اور تمہیں انہی طریقوں پر چلائے (۳)

۱۔ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

۲۔ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

۳۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔

بھارت ورش کے ہی نہیں۔ تقریباً دنیا بھر کے ماہرینِ تاریخ کل قوموں کے قدیم بزرگ آریہ لوگوں کو مانتے ہیں۔ اور دہرم یا دینِ وید کو۔ اور آنحضرت اسی کی تبلیغ کرنے کی وجہ یا قدیم دہرم و تہذیب و تمدن کے شیدائی ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور ایشور کی ان پر بڑی عنایت سمجھتے ہیں۔ کہ انہیں قدیم آریوں کے دہرم کو پھیلانے اور عوام الناس کو قدیم بزرگوں کے کارناموں اور اعمال کی تقلید کرنے کا موقعہ ملا۔ نظر بریں حالات آپ نے آل عمران آیت ۸۵ میں جو یہ کہا۔ کہ

جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا پیرو ہے۔ اس کا وہ دین قبول نہ کیا جاویگا۔ وہ اپنی عاقبت کو خراب کرے گا۔ (۱)

اور بقر ۱۳۰ میں جو یہ کہا۔ کہ سوائے سکسار یا بے عقل لوگوں کے ابراہیم کی ملت سے کون انحراف کر سکتا ہے۔ (۲)

تو اس کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ سب کو قدیم و یدک دہرم پر چلنا چاہیئے۔ کیونکہ حسب قول انعام ۱۲۶ کے ھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے۔

سورۃ النسا آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵ میں آنحضرت کا اسلام وہی ہے۔ جو نوح ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب۔ آل یعقوب جیسے ایوب یونس۔ سلیمان داؤد سب کا ہے۔ اور حسب قولِ اپانشد برہما سے لے کر جیمنی تک تمام رشی مانتے آئے۔ مانتے ہیں۔ اور مانیں گے۔

۵۲۔ ملت حنا اور دین قیم ؏

(سورۃ انعام۔ آیات ۱۵۵ تا ۱۶۲)

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

۱۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

۲۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ

۳۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔

نیز ہم نے موسیٰ کو کتاب الہیٰ (کی تعلیم) عطا کی۔ تمام اچھی باتوں کے متعلق معہ تفصیل ہر امر کے یہ ہدایت اور رحمت تھی۔ اس غرض سے کہ وہ اپنے رب کے وصل یا دیدار پر یقین کریں ۱۵۵ اور یہی وہ مبارک کتاب ہے۔ جو ہم نے اب ظاہر کی ہے۔ پس اس کی پیروی کرو۔ اور متقی بنو۔ کہ تم پر رحمت نازل ہو۔ ۱۵۶۔ (اس نزول کی غرض یہ ہے) کہ تم یہ نہ کہو۔ کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود اور نصاریٰ) پر ہی کتاب نازل ہوئی تھی۔ جس کے پڑھنے کی ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ ۱۵۷۔ یا یہ کہو۔ کہ کاش ہم پر کتاب نازل ہوتی۔ تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ پس تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ اب اس سے زیادہ گنہگار کون ہوگا۔ جو آیات الہیٰ کی تکذیب اور ان سے انحراف کرے۔ ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے انحراف کریں۔ اس انحراف کے بدلے عذاب شدید دیں گے۔ ۱۵۸۔ کیا وہ اس انتظار میں ہیں۔ کہ فرشتے ان کے پاس آویں۔ یا تیرا رب آوے۔ یا تیرے رب کی کوئی آیت آوے۔ مگر جس دن تیرے رب کی کوئی آیت ظاہر ہوگی۔ اس دن ایمان لانے سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جو پہلے ایمان نہیں لایا یا جس نے ایمان سے نیکی نہیں کمائی۔ ان سے کہدو۔ کہ (تم) انتظار (کرو) ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ ۱۵۹۔ جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا۔ اور مت متانتر چلائے۔ تیرا ان سے کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے ہے۔ وہ ان کے عمل ان کے پیش لائیگا۔ ۱۶۰۔ اور انہیں کہدو۔ کہ مجھے تو میرے رب نے راہِ راست دکھا دیا ہے۔ یعنی ازلی ابدی دھرم یا صراطِ مستقیم یا حق پرست ابراہیم کا دھرم جو مشرک نہ تھا۔

یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) یہ کہ موسیٰ کو کتاب الہیٰ (وید) کا علم حاصل تھا۔ اور حضرت محمد صاحب کو بھی اسی قدیم کتاب کی تعلیم ملی۔ لیکن اگر عام مشہور مقولہ کو لیا جاوے۔ کہ موسیٰ پر توریت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت کو قرآن مجید ملا۔ تو بھی وہی بات ہے۔ کیونکہ دونوں کا انحصار الکتاب یا کتاب الہیٰ پر ہے۔ اور اسی کی انہیں تفصیل کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ کتاب الہیٰ کی تعلیم موسیٰ کو تمام اچھی باتوں کی بابت ملی۔ معہ تفصیل ہر امر کے تَمَامًا عَلَى الَّذِيٓ اَحۡسَنَ کا مطلب بعض لوگ یہ بھی لیتے ہیں۔ کہ تمام اچھے لوگوں کے متعلق لیکن تماماً اور تفصیلاً دونوں لفظوں کا تقاضا یہی ہے۔ کہ تمام اچھے اصولوں کے متعلق معہ تفصیل کے علم حاصل کیا گیا

۳۔ یہ کہ حضرت موسیٰ۔ حضرت محمد اور قدیم کتاب الہیٰ (وید) کی ہدایت ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کتاب الہیٰ کی پیروی کی جائے۔

۴۔ خدا کا انسان پر بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے آغاز میں الہام دیا۔ اور ہر زمانے کے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ رکھنے کے لئے رسولوں کے ذریعے تبلیغ کا کام کرایا۔

۵۔ آیت ۱۵۹ میں کتاب الہیٰ کی پیروی اختیار نہ کرنے والوں کے وسوسات کا ذکر کیا ہے۔ اور انہیں خبردار کیا ہے۔ کہ خدا یا فرشتے یا آیتیں تو آنے سے رہیں۔ اور اگر کوئی آیت آسکتی ہے۔ تو یہ موت وغیرہ قسم کی نشانی یا بیوقت کا علم ہے۔ مگر اس نشانی سے فائدہ کیا۔ کام کا موقعہ تو اس وقت گذر چکتا ہے۔ پس واجب یہی ہے۔ کہ پہلے ہی ایمان لایا اور نیک کمائی کی جاوے۔

۶۔ آیت ۱۶۲ میں ایک ایشوری دھرم کی بجائے مت یا فرقے چلانے والوں کو خدا سے سخت سزا ملنے کا ذکر

ہے۔ مگر رسول کو یہ ہدایت ہے۔ کہ وہ ان سے نفرت یا عداوت نہ کرے۔ نہ ان کی گمراہی کے متعلق غم کرے۔ بلکہ ان کا معاملہ خدا کے حوالے سمجھے۔ وہ ان کو مناسب اجر دیگا۔ ہاں رسول تو محض یہی سنا دیگا۔ کہ مجھے راہِ راست یا صراطِ مستقیم یا دینِ قیم کی تعلیم حاصل ہے۔ اور وہی میں ظاہر کرتا ہوں۔ وہی ملت ابراہیم و یدک دھرم ہے۔

۵۳۔ اوّلین کتاب

سورۃ ۱ مؤمنون آیت ۶۸ تا ۷۱

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ۝

کیا وہ قول (الٰہی) پر غور نہ کریں گے۔ کیا ان پر وہ کچھ نہیں لایا جا رہا ہے۔ جو ان کے آغاز والے بزرگوں پر آیا تھا۔ ۶۸۔ کیا وہ اس سے اس لئے منکر ہیں۔ کہ وہ اپنے رسول کو جانتے نہیں۔ ۶۹۔ کیا یہ کہتے ہیں۔ کہ اسے جنون ہے نہیں۔ بلکہ وہ تو حق لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ مگر ان میں سے اکثر حق سے نفرت کرتے ہیں۔ ۷۰۔ اور اگر حق ان کے خیالات یا جذبات کے پیچھے چلتا۔ تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب میں گڑبڑ ہو جاتی۔ بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی ہی الہامی کتاب لائے ہیں۔ سو وہ اپنی کتاب سے آپ کنارہ کر رہے ہیں۔ ۷۱۔

کس زور سے آنحضرت ان آیات میں یقین دلاتے ہیں۔ کہ میں ان لوگوں کے سب سے پہلے جو بزرگ ہیں الہی کی الہامی کتاب ان کے پاس لا رہا ہوں پس ہر شخص پر حقیقت صاف عیاں ہے۔

رسول ان آیات کے بعد کہتے ہیں۔ میں ان لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر دینے یا پالنے والا خدا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ یہ فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ کھو رہے ہیں۔ ارے جو قول یا کلام الہی میں سناتا ہوں۔ اس پر غور کر کے اسے قبول کرنا ان کا فرض ہے۔ یا تو یہ بات ہو۔ کہ ان پر آغاز والوں کی کتاب میں نہیں لا رہا یا یہ مجھ سے ناواقف ہوں۔ تب تو انکار کے کچھ معنے بھی ہوں۔ لیکن جب کتاب بھی آغاز والی ہے۔ اور مجھے بھی یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ نہ میں کوئی غرض رکھتا ہوں۔ نہ میری کبھی کسی نے برائی دیکھی ہے۔ پھر کنارہ کرنے کے کیا معنے ؟

۵۴۔ استعارہ اور دلیل

نہ صرف قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کے اندر سے اس قسم کے ادبیات سے ثبوت ویدک کے ہی کلام الہی ہونے کے موجود ہیں۔ استعارہ اور دلیل سے بھی اسی کلام الہی کی عظمت کو نقش کرنے کی ہر کہیں کوشش کی گئی ہے۔

ا۔ کہیں یہ بتایا ہے۔ کہ تاریکی میں اگر آگ روشن کی جائے۔ اور ارد گرد کی چیزیں سب روشنی سے جگمگا اُٹھیں۔ مگر انسان کی آنکھ کی روشنی ہی خدا دور کر دے۔ تو اس روشنی سے اسے کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ روح میں جہالت ہو۔ تو خدا کے الہامی علم سے انسان فیض نہیں پا سکتے۔

۲۔ سورۃ النور میں مشہور استعارہ ہے۔ کہ ایک طاق ہے۔ طاق میں قندیل ہے۔ قندیل میں چراغ ہے۔ جو زیتون کے تیل سے جلتا ہے۔ یہ زیتون کا تیل زیتون کے درخت سے آتا ہے۔ جو نہ مشرقی ہے۔ نہ مغربی اور بغیر

احتیاج آگ کے خودبخود روشن تھے۔

اس میں شجر زیتون خدائے علیم کل کو کہا ہے۔ اس کا الہامی علم زیتون کا تیل ہے۔ جیسے وہ خدا مشرق یا مغرب میں قید نہیں۔ سب طرفوں میں اور سب کل ہے۔ ویسے ہی اس کا الہامی علم عالمگیر و کامل ہے۔ اور مستند بالذات وہ کسی بیرونی مدد کا محتاج نہیں۔ پھر گیس لیمپ کا شیشہ جس طرح روشنی کو صاف اور تیز کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں رسول یا مبلغ کو کہا ہے۔ کہ جیسے صاف شیشے والا چراغ اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں کو خدا بہ طور نمونہ انسانوں میں بھیجتا ہے۔

۳- ایک آیت میں الہامی علم کو سورج سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے۔ کہ انسان جتنا سورج سے دور ہو یا سورج جتنا کسی شے سے دور ہو۔ اتنا ہی اس کا سایہ لمبا ہوتا ہے۔ اور جیوں جیوں کوئی سورج کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی سایہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اور سورج سمت الراس پر آتا ہے۔ تو سایہ بالکل کافور ہو جاتا ہے۔
یہ مثال ظاہر کرتی ہے۔ کہ جتنا علم الہی یا وید کا پرچار کم ہوتا ہے۔ جہالت اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اور جیوں جیوں لوگ اس سچے گیان کو حاصل کرتے جاتے ہیں۔ جہالت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور جب وید کا پرچار دنیا میں عملی طور پر زور سے ہوتا ہے۔ جہالت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ نہ توہمات اور جھوٹے مذاہب کا وغیرہ وغیرہ
کاش کہ خدا کے سچے دین یا دہرم کے معتقد ویدک دہرمی اور مسلمان بھائی دونوں دین حق کو دنیا میں غالب کر دکھائیں اور جہالت کا ناش ہو کہ دنیا بقعہ نور اور چشمۂ راحت و سرور بن جائے۔

۵۵۔ سب کو چھوڑ کر وید کو پکڑو

جب اول دفعہ ۸ میں اتحاد کی لازمی شرائط کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ وہ زبان حال سے پکار پکار کر اپیل کر رہی ہیں۔ کہ اے انسانو! تمام دیگر کتب کو چھوڑ کر ایک خدا اور اس کی الہامی کتاب وید کی مضبوط رسی کو پکڑو۔

سورۃ المومنون آیت ۵۳ میں اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ کہ باوجود ایک ہی امت یا جاتی ہونے کے کتاب الہی کے نقطۂ نگاہ سے انسانوں نے اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے یعنی ایک الہامی دھرم کو چھوڑ کر مختلف مذاہب اور کتابیں بنا لی ہیں۔ اور ہر مذہب والا اسی کتاب پرست ہو رہا ہے۔ جو اس کے پاس ہے۔
بعد کی آیات میں اس جہالت کا اور بھی عمدگی سے نقشہ کھینچا ہے۔ کہ عام لوگ اصل دہرم سے غافل اور مال اولاد میں مست ہوتے اپنے نامۂ اعمال کو بگاڑ اور دکھوں کا سامان کر رہے ہیں۔ ہماری آیات کی سچی تعلیم سنتی نہیں۔ کہ دور بھاگتے نہیں یہ کہکر ہی سوال کیا ہے۔ کہ کیا ان کو یہ خیال ہے۔ کہ جو ہدایت میں دیتا ہوں۔ وہ آغاز عالم والے یا اولین رشیوں والی نہیں ہے۔ یا کیا وہ مجھ سے واقف نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں محض قدیم ازلی ابدی الہامی علم کی ہی تبلیغ کرتا ہوں۔ میں نہ کوئی ذاتی غرض رکھتا ہوں۔ نہ غلط بیانی کرنے والا ہوں۔ یہ ان لوگوں کو معلوم ہے۔ پھر بھی یہ بدنصیب راہِ راست پر نہیں آتے۔ سورہ یونس آیت ۵۷ و ۵۸ میں بڑے شدومد سے ہدایت دی ہے۔ کہ
"اے لوگو! یقیناً خدا کی طرف سے تم کو علمی کتاب ملی ہوئی ہے۔ وہ تمہارے امراض قلبی کی دوائے اکسیر اور مومنوں کے لئے

ہدایت اور رحمت ہے۔ پس اللہ کا فضل اور رحمت سمجھ کر اسی پر لٹو ہو جاؤ۔ وہی بہتر ہے اندوختہ ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳ و ۱۴ میں سب نبیوں یا رشیوں پر بے بدل الہامی علم کے انکشاف ہونے۔ اور انہیں یہ ہدایت ملنے کا بیان ہے۔ کہ وہ مذہبی تفرقہ نہ بڑھنے دیں۔ اور محض تعصبات پر مبنی فرقہ بندی کو الہامی کلام الٰہی کو مقدم درجہ دے کر دور کریں

۵۶۔ برہمنوں کی گراوٹ اور رسُول کو وید رکھشا کا حکم

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۴ کا آخری حصہ خاص غور کے قابل ہے۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ۔ یعنی ان سب قدیم رشیوں یا نبیوں کے بعد جو لوگ کتاب الٰہی کے وارث ہوئے وہ خود اس کا یقینی علم نہیں رکھتے۔ پس

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ۔ اب تو اُسی کی طرف دعوت دے۔ اور جیسا حکم دیا ہے۔ اس پر جما رہ لوگوں کے خیالات یا جذبات کے آگے ہرگز نہ جھکنا۔

کیا اس سے بڑھ کر صاف کوئی امر ہو سکتا ہے۔ کہ رسُول کا ربّانی مشن صاف طور پر وید رکھشا ہے۔

حکم کی مزید وضاحت

اگلے الفاظ میں ہے۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ لوگوں کو سنا دو۔ کہ میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ جو اللہ نے اپنی الہامی کتاب میں ظاہر فرمایا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تمہارے مابین حق (انصاف) سے فیصلہ کروں۔ قرآن کا سارا زور رہبر شی دیانند کی طرح وید یا حق پر سب کو متحد کرنے پر تھا۔ چنانچہ آخری الفاظ آیت یہ ہیں۔ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ خدا ہی اپنی عنایت سے ہم میں اتحاد لائے۔ اور وہی ہمارا منزل مقصود ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۶۸ میں انسانوں کی ورنوں والی تقسیم کا اشارہ کر کے برہمنوں کی گراوٹ اور اس کے علاج کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ خلاصہ مطلب۔ قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین کتاب الٰہی کے ٹھیکہ دار بن کر ناجائز اغراض کے دیوانے بن گئے۔ اور کہنے لگے۔ سامرتھ کو نہیں دوش گوسائیں۔ ارے کہاں ان کی یہ حالت اور کہاں ان کا کتاب الٰہی کے متعلق عہد کہ وہ خدا کے متعلق حق ہی حق کہیں گے۔ اور جو کچھ اس میں ہے۔ اسے پڑھتے رہیں گے۔ اور دار الآخرۃ کو ترجیح دیں گے۔ وغیرہ۔ اگلی آیت میں برہمنوں کے اوپر بڑے بڑے عالم سنیاسیوں کی نگرانی کے انتظام کا اشارہ کر کے کہا ہے۔

خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

یعنی خدا نے جو گیان عطا فرمایا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور اس کی تعلیم کی اشاعت کر کے لوگوں کو متقی بنایا جاوے۔ یہ الفاظ دیگر ان حوالہ جات کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ وید الہامی علم ہے۔ اور وید کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا ہی متقی یا مومنوں کا سچا عہد یا مقدم فرض ہے۔

چوتھا باب ـ صفات باری

۵۷ ـ وید اور ایشور

وید میں ایشور کا ذاتی نام ہے اوم اس کی لاانتہا صفات کے نکتہ نگاہ سے اس کے صفاتی نام بھی بے شمار کہے ہیں۔ ویدک ساہتیہ میں تمام رشیوں کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ وید کے منتروں کا انتہائے مقصود اور مقدم ترین مفہوم وہ ایک پرمیشور ہے۔ چنانچہ کیا اوم کا شبد اور کیا اس کے صفاتی نام تمام اس کی صفات حسنہ کو واضح کر کے انسانی روح میں ان صفات کا احساس پیدا کرنے اور اسے روحانیت کی طرف قدم بڑھائے جانے کے قابل بناتے ہیں۔ وشنو سہسر نام میں اس کے ہزار صفاتی نام مذکور ہیں۔ ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں سو صفاتی ناموں کی توضیح مع ان کے مصادر، مصدری معنوں اور ترکیب اشتقاقی کے پیش کئے گئے ہیں۔ آریہ سماج کے پہلے اصول میں ایشور کو سب سچے علوم اور ان علوم سے معلوم ہونے والے پدارتھوں کا آدمی مول یا علت اولین کہا گیا ہے۔ اور دوسرے اصول میں بہ طور نمونہ اس کے صفاتی نام پیش کئے گئے ہیں جو موجودہ زمانہ میں روح۔ انسان وغیرہ حیوانوں۔ مادہ و مادی اشیاء سے اس کی مخصوص اور اعلےٰ ترین پوزیشن کی تمیز کراتے ہیں۔ یہ اصول حسب ذیل ہے۔

" ایشور سچدانند سروپ۔ نراکار۔ سرو شکتیمان۔ نیائے کاری۔ دیالو۔ اجنما۔ اننت۔ نرکار۔ انادی۔ انوپم۔ سرو آدھار۔ سرویشور۔ سرو ویاپک۔ سروانتر یامی۔ اجر۔ امر۔ ابھے۔ نت پوتر اور سرشٹی کرتا ہے۔ اسی کی اپاسنا کرنی یوگ ہے"۔

ان صفاتی ناموں کے متعلق وید منتروں کے حوالہ جات دیئے جاویں تو مضمون بہت طویل ہو جاویگا۔ لہذا محض بطور نمونہ چند منتر پیش کئے جاتے ہیں۔

اندر۔ متر۔ ورن۔ اگنی۔ دویہ۔ سپرن۔ گرتمان سب نام ایشور کے ہیں۔ وہ ہست مطلق ایک ہے۔ مگر عالم لوگ اس کو کئی طرح سے بیان کرتے ہیں۔ جیسے اگنی یم ماترشوا۔ (۱)

وہ اگنی ہے۔ وہ آدتیہ ہے۔ وہ وایو ہے۔ وہ چندرما ہے۔ وہ شکر ہے۔ وہ برہم ہے۔ وہ آپہ ہے۔ وہ پرجاپتی ہے۔ (۲)

۱- इन्द्रं मित्रं वरुणमग्निमाहुरथो दिव्यः स सुपर्णो गरुत्मान् ।
एकं सद्विप्रा बहुधा वदन्त्यग्निं यमं मातरिश्वानमाहुः॥ رگ وید ۱-۱۶۴-۴۶

۲- तदेवाग्निस्तदादित्यस्तद्वायुस्तदु चन्द्रमाः ।
तदेव शुक्रं तद् ब्रह्म ता आपः स प्रजापतिः ॥ یجروید ۳۲-۱

وہ پرماتما محیط کل۔ سریع العمل۔ لامحدود قدرت کا مالک۔ پاک۔ علیم کل۔ منضبط الباطن۔ سب سے اوّل اور اعلیٰ۔ قدیم۔ قائم بالذات ہے۔ وہ اپنی قدیم رعایا یعنی تمام ارواح کو اپنے قدیم علم کے ذریعہ جملہ اشیاد کا دید کی صورت میں صحیح صحیح علم بخشتا ہے۔ (۱)

آپ نور علی نور ہیں۔ مجھ میں بھی اپنے نور کی تجلّی کیجئے۔ آپ کی قدرت لامحدود ہے۔ مجھے بھی اپنے فضل سے ہمت اور قدرت عطا فرمائیے۔ آپ کی طاقت لا انتہا ہے۔ مجھے بھی اپنی طاقت سے مستفیض کیجئے۔ آپ کی قوّت کامل اور بیکراں ہے۔ مجھے بھی اس کامل قدرت سے بہرہ اندوز کیجئے۔ بُرے افعال اور اشخاص پر آپ کی نگاہ غضب ہے مجھے بھی وہ نگاہ غضب عنایت کیجئے۔ آپ مذمت اور تعریف سے مستغنی ہیں۔ اور جو آپ کے خلاف جرم کرے۔ اس کے لئے آپ بے حد تحمّل ہے۔ اپنے فضل سے مجھے بھی ویسا ہی کیجئے۔ یجر وید۔ ۱۹-۹ (۲)

ان منتروں سے کافی اشارہ ملتا ہے۔ کہ وید میں کس طرح ایشور کی صفات اور اس کے صفاتی ناموں کا بیان کیا گیا ہے۔ اس غرض سے کہ انسان اس کی ان صفات پر غور کر کے اپنے اندر ان صفات کو لانے کے لئے دُعا مانگے۔

۵۸۔ قرآن میں صفات واسمائے الٰہی !

قرآن میں اللہ کا ذکر شروع سے اخیر تک اس طرح چلا جاتا ہے۔ کہ گویا بالکل وید کی طرح اسی کا مقدم ترین ذکر اس کا مقدم ترین یا اصل مقصود ہے۔ صفاتی نام بھی ویدک ناموں کی جگہ ہی موجود ہیں۔ اور صفات بھی ہوبہو وہی بیان کی گئی ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے خیال کے مطابق الفاظ کی تاویل کرنا چھوڑ کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے۔ کہ فی الحقیقت کس پہلے سے معلوم صفاتی نام کی جگہ قرآن میں کونسا لفظ استعمال کیا یا عربی میں رکھا گیا ہے۔ تو وید اور قرآن میں اختلاف کا نظر آنا قطعاً مسدود ہو جاوے۔

قرآن اسمائے الٰہی کے متعلق صاف اصول بتاتا ہے۔ کہ کل اچھے نام خدا کے لئے ہیں۔ پس اس کے اچھے اچھے نام لے کر اس سے دعا مانگا کرو۔ (۳)

ویدک اصول جو اوپر بتایا۔ کہ چونکہ تمام صفات حسنہ کا جامع وہ ایک ایشور ہی ہے۔ اس لئے تمام اچھی صفتوں کو ظاہر

۱۔ (१) सपर्य गाच्छु क्रमकायम ब्रणाम स्नापविर ॐ शुद्ध मपाप विद्धम। कविर्मनीषी परिभुः स्वयम्भूर्या थात ध्यतो ऽ र्थानव्यद धाच्छा श्वनीभ्यः समाम्यः॥ यजु یجر وید۔ ۴۰۔ ۸

۲۔ (२) तेजो ऽसि तेजो मयि धेहि। वीर्यमसि वीर्यं मयि धेहि। बलमसि बलं मयि धेहि ओजो ऽस्योजो मयि धेहि। मन्युरसि मन्युं मयि धेहि। सहो ऽसि सहो मयि धेहि। یجر وید۔ ۱۹-۹

۳۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ اعراف رکوع ۲۲

کرنے والے کلمات مقدم طور پر خدا کے صفاتی نام ہوں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس پہلو میں شُتو لاگہ دو کتب بمقدم ہم زبان ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۱۰ میں کہا ہے۔ کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو کسی نام سے پکارو۔ اچھے نام اسی کے ہیں۔

۵۹۔ صفاتی بیان کی مطابقت

۱۔ ویدک تعلیم یہ ہے۔ کہ ایشور بن آنکھوں کے سب کو دیکھنے والا۔ بن کانوں کے سننے والا۔ بن پاؤں کے چلنے والا ہے کین اپنشد میں اس امر کو یوں واضح کیا ہے۔ کہ جس کو زبان بیان نہیں کر سکتی۔ جس کی طاقت سے زبان بولتی ہے۔ اسی کو تو پرمیشور جان۔ اور اس کے سوائے جو عبادت کیا جاتا ہے۔ برہم نہیں۔ جو من سے جانا نہیں جا سکتا۔ مگر جو من کو جانتا ہے۔ اسی کو تو برہم جان۔ ۱ و ۲۔ اس کے آگے ہے۔ جو آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ مگر جس کی بدولت سب آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اسی کو تو برہم جان۔ نہ اس کے ماسوائے کو جو پوجا جاتا ہے۔ ۳۔ وغیرہ (۱)

قرآن میں اس مدعا کو کئی طرح سے واضح کیا گیا ہے۔ از انجملہ سورۃ الانعام آیت ۱۰۴ قابل غور ہے۔ نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ مگر وہ آنکھوں کو دکھاتا ہے۔ کیونکہ وہ لطیف اور خبیر ہے (۲)

اس سے پہلی آیت میں ہے " وہ خدا تمہارا رب ہے۔ اس کے سوائے کوئی تمہارا معبود نہیں ہے جو کل اشیاء کا خالق ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ وہ تمام چیزوں پر مختار ہے۔ (۳)

اس آیت میں اپنشد والے بیان کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۔ رگوید میں جابجا پرمیشور کو سارے نظام عالم کو چلانے والا اور امن اور سلامتی کا موجب بنایا ہے۔ سوستی واچن میں رگوید ۵۔ ۵۱ میں ایشور کے اس انتظام کی خوبی کا علم دے کر ہدایت کی گئی ہے۔ کہ

" تمام لوگ سلامتی کے راہ (سمارگ) پر دانائی اور اتفاق سے چلے جائیں جس طرح سورج اور چاند ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بغیر کسی کو نقصان پہنچائے یا باہم ٹکرائے اپنے صحیح رستہ پر چلے جاتے ہیں۔ (۴)

اس مدعا کو قرآن سورہ یٰسین آیت ۳۸ تا ۴۰ میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

" سورج اپنے مقررہ رستے پر چلا جاتا ہے۔ جو اس مالک و عالم کل نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اور چاند کی منزلیں بھی مقدر ہیں حتیٰ کہ وہ کھجور کی پرانی سوکھی شاخ سا ہی ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے۔ کہ چاند میں مزاحم

۱۔ यच्च क्षुषान पश्यति येन चक्षुंषि च पश्यति ।
तदेव ब्रह्म त्वं विद्धि नेद यदिद मुपासते ॥

۲۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ انعام ۔ ۱۰۴

۳۔ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ انعام ۱۰۳

۴۔ स्वस्ति पन्थामनु चरेम सूर्या चन्द्रमसाविव
पुनर्ददताघ्नता जानता सं गमेमहि ॥

ہو۔ اور نہ رات دن میں مزاحم ہوتی ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں چل رہے ہیں۔ (۱)

۳۔ وید میں پاپوں سے باز رہنے کے لئے ایشور کی ہر جا حضوری کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جو کوئی کھڑا ہو یا چلتا۔ دوسرے کو ٹھگتا یا چھپ چھپ کر کہیں جاتا یا انیاچار کرتا ہو۔ اور کوئی دو پرش باہم مل کر منصوبہ بازی کرتے ہوں۔ پرمیشور ان دو کے ساتھ تیسرا یا ساکھشی ہو کر ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ (۲)

قرآن اس مدعا کو سورۃ المجادلۃ آیت ۷ میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کیا تو نے جانا نہیں۔ کہ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ جو زمین و آسمان میں ہے۔ کوئی سے بھی تین مشورہ کرتے ہوں۔ چوتھا وہ (خدا) ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی پانچ ہوں تو وہ چھٹا۔ غرضیکہ کم ہوں یا زیادہ۔ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ کہیں ہوں۔ (۳)

۴۔ اتھرووید ۱۳-۴-۲۰ میں ہے کہ

ایشور سردآدھار ایک ہے۔ محض ایک ہے۔ آدھار ماتر ایک ہی ہے۔ (۴)

دوسری جگہ کہا ہے۔ وہ اج یا اجنما ہے۔ امر ہے۔ نہ جنتا نہ جنا جاتا ہے نہ جنا جائے گا۔ (۵) قرآن سورہ اخلاص میں ہے وہ اللہ ایک ہے۔ نرادھار ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ کسی سے جنا نہ کوئی اس کا ہمسر یا اس کی مانند ہے۔ (۶)

۵۔ رگوید میں سب سے پہلے لفظ ہے۔ اگنم ایڑے۔ ستتی یا تعریف ہے ایشور کی۔ اس کی جگہ قرآن میں پہلے ہی کہا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تعریف ہے خدا کی۔

۶۔ وید میں کہا ہے۔ سنسار کی چیزیں اس سکل جگت کے پرکاشک پرمیشور کی جو سب کو دکھانے والی نشانیاں یا پتاکا ہیں۔ یجو۔ ۳۳-۳۱-(۷)

رگ ۱۔۱۲۵ دیاگ ۱۔ ہرنی) سوکت منتر ۳ میں کہا ہے۔

ہیں سب کو چمکانے والی۔ نانا پرکار کے ایشوریہ دلانے والی۔ نیک کاموں سے پوجی جانے والی سب سے اعلے

۱۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ ۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ۔ ۳۹۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط

۲۔ यस्तिष्ठति चरति यश्च वंचति यो निलायं चरति यः प्रतङ्कम्।
द्वौ संनिषद्य यन्मन्त्रयेते राजा तद्वेद वरुणस्तृतीयः॥　　اتھرو وید ۴-۱۶-۲

۳۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ج

۴۔ तमिदं निगतं सहः स एष एक एकवृदेक एव।

۵۔ न जातो न जनिष्यसि

۶۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۲۔ لَمْ یَلِدْ ۵ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ ۳ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ط

۷۔ ओं उदु त्यं जातवेदसं देवं वहन्ति केतवः। दृशे विश्वाय सूर्यम्।

گیان والی شکتی ہوں مجھ کو ہی یہ سب پدارتھ یا عالم لوگ اپنی اپنی طرز پر بیان کرتے ہیں۔ (۱)
اسی طرح ایک منتروں میں رات دن۔ سورج۔ چاند۔ ان اناج۔ پھل پھول۔ زندگی موت۔ خشکی اور بارش وغیرہ کو پرمیشور کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کو ظاہر کرنے والے سامان بتایا ہے۔ اور قرآن ہوبہو اسی طرح پر خدا کی عظمت کئی آیتوں میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقر آیت ۱۶۴ میں کہا ہے "آسمان اور زمین کے بنانے۔ رات اور دن کے اختلاف انسانی مفاد کے لئے دریا میں اشیاء کو لے چلنے والی کشتی بادل سے خدا کا برسایا ہوا پانی۔ زمین کا مردہ ہونے کے بعد اس سے زندہ ہونا۔ ہر طرح کے جانداروں کا اس میں پھیلنا۔ ہواؤں کا چلنا۔ آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا کام میں لگے رہنا سب اہلِ عقل کے لئے مظہرات الٰہی ہیں۔ (۲)
اسی طرح ایک آیت میں قرآن فرماتا ہے۔ کہ چوپایہ حیوانات گائے وغیرہ پر غور کرو۔ ان کے جسم کے اندر کے خون وغیرہ کے درمیان دودھ پیدا ہو رہا ہے۔ نباتات سے ان اناج وغیرہ نعمتیں مل رہی ہیں۔ کھجور اور انگور جیسے پھل مل رہے ہیں شہد مکھی جیسی ننھی سی ہستی کو شعور ہے۔ کہ پہاڑوں درختوں وغیرہ میں چھتہ بناتی اور مختلف قسم کے پھولوں سے رس چوس چوس کر لاتی۔ اور اسے جمع کر کے تمہارے لئے شہد جیسی لذیذ اور شفابخش نعمت مہیا کرتی ہے۔ بلاشبہ ان تمام میں سمجھ اور سوچ والے لوگوں کے لئے اس پروردگار کی عظمت کو بیان کرنے والی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔
غرضیکہ بیسیوں آیات ہیں۔ جن میں عجائباتِ عالم و نعمائے الٰہی کا بیان کر کے نہایت سبق آموز منظر پیش کئے گئے۔ اور انسان کی آنکھیں کھولی گئی ہیں۔ کہ ان سب نشانیوں سے خدا کی عظمت کا نقش اپنے دل پر کرے۔
۷۔ وید منتروں میں پرمیشور کی صفات کو بیان کرنے کے لئے بہت سے الفاظ ایک جگہ ملتے ہیں۔ جیسے ایک منتر میں اندر متر ورن اگنی دویہ سپرن گرتمان۔ ایک اور منتر میں اگنی۔ آدتیہ۔ وایو۔ چندرماں۔ شکر۔ برہم۔ آپہ پرجاپتی سب الفاظ اس کی مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک منتر میں تیج۔ ویریہ۔ بل۔ اوج۔ منیو۔ سہ ہیں۔ ایک میں متر۔ ورن۔ اریما۔ اندر۔ برہسپتی وشنو۔ اروکرم ہیں یجر وید ادھیائے ۷ منتر ۸ میں کہا ہے۔ وہ پرمیشور۔ پری اگات۔ شکر۔ اکائے۔ اسناور شدہ اپاپ دوہ کوی منیشی۔ پربھو۔ سویمبھو ہے وہ اپنی تمام رعایا (ارواح) کو اپنے غیر فانی گیان کے ذریعے وید کی صورت میں صحیح صحیح علم بخشتا ہے۔ ایسے ہی ایک منتر میں اریما برہسپتی وات وشنو سرسوتی سوِتہ واجن (۳)

۱۔ अहं राष्ट्री संगमनी बसुनां चिकितुषी प्रथमा यज्ञियानाम् ।
तां मा देवा व्यदधुः पुरुत्रा भूरि स्था त्रां भूर्यावेशय न्तीम

۲۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

۳۔ अयं भरा बृह स्पति मिन्द दानाय चोदय ।
वातं विष्णुं सर स्वतीं सवितारंच वाजि नम ॥

قرآن میں بھی کئی آیتیں ہیں۔ جن میں ایک ساتھ اس کی بہت سی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحشر کی آیت ۲۳ و ۲۴ میں کہا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ملک (بادشاہ) قدوس (تمام برائیوں سے پاک) السلام (خود ہمیشہ سلامت اور سب کو سلامتی دینے والا) المومن (امن و امان کا دینے والا) مہیمن (محافظ کل) جبار (شکستہ کو جوڑنے والا) متکبر (تمام بڑائیوں والا) لاشریک (لوگوں کے شرک سے موثر نہ ہونے والا) ۲۴۔ خالق۔ باری۔ مصور (تمام صورتیں بنانے والا) تمام نیک ناموں والا۔ جس کی ارض و سما تسبیح کرتے ہیں۔ عزیز (غالب کل) حکیم (حکمت اور دانائی والا ہے (۱)

۸۔ یجروید کے پرش سوکت کے پندرھویں منتر میں کہا ہے۔ کہ

سات پردہی (چکر) ہیں۔ اور اکیس سمدھا (اس دنیا کے ہون کنڈ میں جلنے یا جلانے والی لکڑیاں) جب دیو ان لوگ یگیہ کرتے ہیں۔ تو ان کے ذریعے وہ اس پرش کا دھیان کر کے اسے دیکھتے ہیں۔ (۲)

قرآن سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۵ میں اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین مع اپنے سارے سامان کے اسی خدا کی تسبیح کرتے یا اس کی صنعت وحکمت کا زبان حال سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن تم ان کی اس تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ کہ وہ علم اور مغفرت مجسم ہے۔ (۳)

وید کی سات پردہی کی جگہ تو سات آسمان کہے ہیں۔ اور ۲۱ قسم کی سامگری کی بجائے یہ کہا ہے۔ کہ جو کچھ اس وسیع پیدائش میں ہے۔ اور عالم لوگ جو ان کے ذریعے اس پرش کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے لئے کہدیا۔ کہ تم جاہل یا گمراہ لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ یعنی سچے عالم ہی اس کا دھیان کرتے ہیں۔

اشیاء کی سامگری یہ ہے۔ روح۔ مادہ۔ انتہ کرن (من۔ بدھی۔ چت۔ اہنکار) پانچ عنصر۔ آکاش۔ ہوا۔ آگ۔ پانی اور زمین اور پانچ گیان اندریاں اور پانچ کرم اندریاں۔ اس آیت میں ان چیزوں کی تعداد نہیں۔ تو بھی سب کچھ جو آسمان و زمین میں ہے۔ یہی مفہوم رکھتا ہے۔ تو اور ایک اور آیت میں ۱۹ فرشتوں کا دوزخ سے تعلق بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ روح اور مادہ کے بغیر باقی سامگری ۱۹ کی ہے جس کے برے استعمال سے دکھ یا دوزخ کی آگ میں جلنا پڑتا ہے۔

۴۔ المختصر وید کے مختلف اقوال جن میں صفات باری کا بیان ہے۔ ویدک مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی قرآن میں بیان کئے

۱۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

۲۔ सप्तास्यासन्परिधयस्त्रिः सप्त समिधः कृताः ।
देवा यद्यज्ञं तन्वाना अबध्नन्पुरुषं पशुम् ॥

۳۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝

گئے ہیں۔ ویدمیں کہاہے۔ وہ ایک پرمیشور دیُو اور پرتھوی لوک کو پیدا کرتا ہے۔
توقرآن میں کہاہے۔ ایک خدا ہی آسمان وزمین کا خالق ہے۔ ویدمیں کہا۔ میں دشٹوں کا ناش کرنے والی شکتی ہوں ۔جو میرے حکموں کو نہیں مانتے۔ توقرآن میں بھی کہا۔ جو میری آیتوں کو نہیں مانتے۔ میں ان کو صفحہ ہستی سے مٹادیتا ہوں ۔ ویدمیں کہاہے ۔میں ہی الہامی علم کا کہنے والا ہوں۔جو عالم اور غور وفکر کرنے والے لوگ پریم سے اس کو سنتے اور اس کا وچار کرتے ہیں۔ ان کو میں ہر طرح کی طاقت دیتا ہوں۔ جسے چاہتا ہوں ۔برہمن چاروں ویدوں کا عالم بناتا ہوں ۔اورجس کو چاہتا ہوں۔ رشی بناتا اور علم عقل وبیان کی طاقتیں دیتا ہوں۔یہی سب کچھ ہو بہو قرآن میں کہا گیا ہے۔ اس کی توضیح آخری باب میں کی جائے گی۔جس میں ویدمنتر اور ان کے مطابق آیات ایک ساتھ رکھی جائیں گی۔

۶۰۔ با ہر بیاں سے ہے بیاں تیرا

باوجود ہر طرح کے علمی اشارات دینے کے وید پرمیشور کو اننت اور محدود العقل انسان سے پورے طور پر جانا یا اس سے بیان کیا جانے کے ناقابل بتاتا ہے۔ یعنی انسانی علمی طاقت سے اس کے کسی وصف پر پورا حاوی ہونا ناممکن ہے۔
انسان جو کچھ بیان کرسکتاہے۔ وہ محض معلول یا کثیف دنیا کے شکل ذائقہ بو لمس اور آواز کے پانچ ظاہری محسوسات کے متعلق کہہ سکتاہے۔یا انہی پر مبنی تصورات سے خدا روح اور مادی علت کی طرف اشارات کرسکتا ہے۔اس کی زبان نہ کسی لطیف حقیقی ہستی کا احساس کرسکتی ہے۔ اور نہ بیان۔ اسی لئے خدا کے متعلقہ ہر بیان کے متعلق رشی لوگ نیتی نیتی کا لفظ کہتے ہیں۔ اور ویدمیں پیدائش سے پہلی حالت کا بیان فہم اور بحث سے بالاتر بتایا ہے ۔یہی مطلب ایشور کو اننت اپار کہنے سے ہے۔ اور یہی اس کہنے سے کہ سب رشی اور سنت جن کوشش کرتے ہوئے ہار کر رہ گئے۔ تجھے گو ہنا و جان و لکھ نہیں سکے۔ اسی طرح ویدمیں ایشور کو الکھ ۔ اگوچر۔ اگم۔ اکتھ وغیرہ ہی کہاہے۔ ۔ شیوستوتر میں نہایت مشہور قول ہے۔کہ

اَسِت گِرِسمنیات کَجّلم سِندھُو پاترے سُرترُور شاکھا لیکھنی پتر مُروی۔
لِکھتی یدی گرہیتوا شاردا سروکالم۔ تدپی تدگناَ نام ایش پارم نہ یاتی۔

یعنی پہاڑ کی سیاہی بن جاوے۔ سمندر دوات اور درخت تمام قلم اور زمین کاغذ بن جاوے اور شاردا ہمیشہ لکھنے میں لگا رہے۔ تو بھی ہے پرمیشور تیرے گنوں کا پار نہیں پایا جاسکتا۔
قرآن اس خیال کی تائید کتنی ہی آیات میں کرتاہے ۔ اور خدا کی کسی بھی صفت پر انسان کا حاوی ہونا ناممکن بتاتا ہے۔ جیسے کہ شیوستوتر والے قول کا سورہ لقمان آیت ۲۷ میں اور نیز اور جگہ میں بھی بیان کرتاہے۔جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر زمین کے کل درخت قلم بن جائیں۔سمندر سیاہی بن جاوے۔پھر سات سمندر اس کی سیاہی کو بڑھاتے رہیں۔ تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (۱)

۱۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس ایشور کی ایسی عظیم الشان ہستی جو بیان میں نہیں آ سکتی۔ واقعی ایسی صفات رکھتی ہے۔ جو کسی حد کے اندر ہی نہیں۔ رگوید منڈل - ۱۔ سوکت ۱۲۵ منتر ۸ میں کہا ہے۔
میں ہی پران (وایو) کی طرح ہر جگہ موجود ہوں۔ میں سارے لوکوں کو پیدا کر کے دیولوک پر پرتھوی لوک پر انترکھش لوک پر ہاں اس وسیع کائنات پر اپنی مہان طاقت سے ظہور پذیر ہوں۔ یعنی سب کو محیط کر کے اس نظام کو چلاتا ہوں"۔

پران جس طرح جسم میں دیاپک ہیں۔ پرمیشور اسی طرح سارے وشو میں دیاپک ہے۔ پران جس طرح ہر حالت میں چلتا ہے۔ خواہ انسان سوتا ہو یا جاگتا اسی طرح پرمیشور کبھی تھکتا نہ آرام کرتا نہ سوتا نہ اونگھتا ہے۔ اور برابر پورے علم اور انصاف سے بلا احتیاج کسی کی سفارش یا امداد کے اور بغیر کسی تکلیف کے نظام عالم کو چلاتا ہے۔ جس طرح پران ہی زندگی کا موجب ہے۔ اسی طرح پرمیشور خود جیون روپ اور دوسروں کے قیام کا موجب ہے۔ اور دیو۔ انترکھش پرتھوی کے تینوں لوکوں میں اس کا راج سنگھاسن موجود ہے۔ اسی مدعا کو سورۃ البقر آیت ۲۵۵ میں قرآن واضح کرتا ہے۔

خدا ہی ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ خود زندہ اور دوسروں کو زندگی دینے والا۔ نہ اسے اونگھ نہ نیند۔ جو کچھ آکاش اور زمین میں ہے۔ اسی کا ہے۔ اس کے حکم کے سوا کون ہے۔ جو اس کے ہاں سفارش کرے۔ وہ لوگوں کے ظاہر اور باطن یا آگے اور پیچھے کو جانتا ہے مگر وہ اس کے کسی علم کو محیط نہیں کر سکتے۔ اس کا سنگھاسن آکاش اور پرتھوی کی وسعت والا ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اس پر مطلق گراں نہیں۔ وہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (۱) غرضیکہ اس کے متعلقہ ہر امر انسانی کلام کی دسترس سے پرے ہے۔

۱۶۔ صفاتی ناموں کی مطابقت

جب وید کے مطابق ہی قرآن میں صفات الہی مذکور ہیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ صفاتی نام بھی ہر دو کتب مقدسہ میں باہم مطابق ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہم ایک سو نام یہاں درج کرتے ہیں۔ ممکن ہے کسی لفظ کا صحیح مفہوم اس کے علاوہ کسی اور لفظ کے مطابق ہو۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ تاہم اصولاً یہ امر تمام شکوک سے بالاتر ہے۔ کہ قرآنی نام ویدک ناموں کے ہی قائمقام ہیں۔

۱۔ وید میں (अश्ते) (آتے) لفظ ماننا کے مفہوم میں آتا ہے۔ جو مصدر ال بمعنے زینت دینا۔ ہار وغیرہ سے بنا ہے وہ پرمیشور رلاتا ہے۔ اور تمام جیووں کو امرت پتر کہتا اور ان کا محافظ و رازق ہے۔
رگوید ۴ - ۱۸ - ۶ میں (अललाः) لفظ موجود ہے۔ (۲) سواجی دیانند نے اسے اوبکت ارتھ میں

۱- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۵ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

۲- अला ऽ र्षन्त्यललला भवन्ती ऋटतावरी रिव संकोशमाना ॥

بیا ہے۔تاہم ندیوں کا اللہ اللہ شبد کرتے ہوئے سمندر کی طرف جانا کے معنی نہیں انہوں نے ان الفاظ کو لگایا ہے۔اس سے بھی اللا لفظ کو ایشور کے معنے میں لگانا ہی موزوں ہے۔ پرمیشور ہی اس دُنیا کی زینت کا موجب اور اس جگت کا دھارن کرنے والا ہے۔ اس لئے ال مصدر سے بنا ہُوا لفظ اللا بجاطور پر ایشور کا نام ہے۔ اسی سمندر یا منزل مقصود کی طرف تمام مخلوقات روپی ندیاں جاری ہیں۔

قرآن میں بھی یہی اللہ لفظ ایشور کے لئے قریباً جیوں کا تیوں موجود ہے۔

۲۔ ویدمیں ایشور کو پتی کہا ہے۔ اور پیدائش سے پہلے اس ایک پتی کو ہی موجود ملتا ہے۔ بہ قول ہرنیہ گربھاسمورتتاگرے بھوتسیہ جاتاپتی ریک آسیت" قرآن میں ایسے پتی کے لئے رب کا لفظ ہے۔

۳۔ ویدایشور کو وشوپتی۔ بہوپتی۔ ترلوک پتی۔ جگت پتی وغیرہ کہتا ہے۔ قرآن میں اسے رب العالمین وغیرہ کہاہے۔

۴۔ ویدمیں ایشور کا ایک اسم اعظم بھُو ہے۔ جس سے اس کا ہرزمانہ اور ہرجگہ میں موجود بالذات ہونا اور تمام عالموں میں مخلوق جہان سے پتی پن کا تعلق رکھنا ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کے لئے رب العالمین اور مالک یوم الدین کے لفظ کہے ہیں۔

۵۔ ویدمیں ایشور کو شیش کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ مہا پرلے ہونے پر بھی بے بدل اور قائم رہتا ہے۔ قرآن میں اس وجہ سے اسے باقی کہا ہے۔

۶۔ ویدمیں ایشور کے لئے ایک اور اسم اعظم بھُوہ ہے۔ یعنی خود دکھوں سے دُور اور جیو کے دکھوں کو دور کرنے والا۔ قرآن میں اس کے لئے غفور کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۷۔ بھُوہ شبد میں دیا کا مطلب بھی موجود ہے۔ وہ ہمیں دکھوں سے بچانے کے لئے ہمارے لئے زمین سورج چاند وغیرہ سب کچھ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے مہیا کرتا ہے۔ اور تو کیا علمی سوَرج کی روشنی بھی مہیا کرتا اور الہامی علم دیتا ہے۔ ایسے دیالو کے لئے قرآن میں رحمان کا لفظ ہے۔

۸۔ ایک اور اسم اعظم سوہ ایشور کو سکھ سوروپ اور آنند داتا ظاہر کرتا ہے۔ لیکن سکھ اور آنند کا حصول صحیح علم اور عمل پر ایشوری انصاف سے ملتا ہے۔ اور اس کو مدِّنظر رکھ کر قرآن خدا کو رحیم کہتا ہے۔

۹۔ ویدمیں ایشور کو اریما۔ نیائے کاری وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عادل کہا ہے۔ اور یہ امر قابل غور ہے۔ کہ دیالو اور نیائے کاری کے لفظ کی جگہ جب رحمان اور رحیم کو سمجھا جاتا ہے۔ تو ان کی اصل حقیقت محض وہی ہوتی ہے۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں بیان کی ہے۔ کہ دیا اور نیائے دونوں کا اصل مدعا ایک ہی ہے۔ اس کے انصاف میں بھی رحم ہی ہے پاپیوں کو سزا ملنے سے اس کا انصاف ہی ظاہر نہیں ہوتا۔ رحم بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ پاپی سدھرتے اور دوسرے لوگ ان کے مظالم سے بچتے ہیں۔ قرآن میں رحمان اور رحیم کے دو لفظ استعمال کئے جانے اسی صورت میں معقول ہو سکتے ہیں۔ کہ ان کا یہ مفہوم ہو۔ اور جب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ رحمان اور رحیم دونوں رحمت بمعنے رقت قلب سے ماخوذ ہیں۔ تو یقین ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں لفظوں کا باطنی مفہوم ایک ہونا ان کو دیالو اور نیائے کاری کا موزوں جانشین بناتا ہے۔

۱۰۔ ویدمیں ایشور کو دیاپک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے محیط کہا ہے۔ اور رُوح و مادہ کی محدودیت کی نسبت سے اسے سرودیاپک کہیں۔ تو قرآن اسے محیط کل کہتا ہے۔

۱۱۔ ویدمیں ایشور کو شکتیمان کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے قدیر کہا ہے۔ اور رُوح کی محدُود طاقت کی نسبت سے اسے سروشکتیمان

کہیں تو قرآن اسے عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر یا قادر مطلق کہتا ہے۔ ویدک سروشکتیمان لفظ کے متعلق جو شکوک پیش کئے جاتے ہیں وہ قرآن کے لفظ قدیر کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ ویدک تفسیر میں اس اختلاف کا تدارک کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔ وید میں ایشور کو پراگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے خبیر کہا ہے۔

۱۳۔ وید میں ایشور کو گیانا یا سروگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے علیم یا علیم کل کہا ہے۔

۱۴۔ وید میں ایشور کو ([illegible]) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ذوالجلال کہا ہے۔

۱۵۔ وید میں ایشور کو درشٹا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے بصیر اور شہید کہا ہے۔

۱۶۔ وید میں ایشور کو متر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رفیق کہا ہے۔

۱۷۔ وید میں ایشور کو بندھو وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ولی وغیرہ کہا ہے۔

۱۸۔ وید میں ایشور کو رکھشک سہایک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے نصیر کہا ہے۔

۱۹۔ وید میں ایشور کو اشٹ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مصیر کہا ہے۔

۲۰۔ وید میں ایشور کے وبھو وغیرہ نام ہیں۔ تو قرآن میں اسے واسع وغیرہ کہا ہے۔

۲۱۔ وید میں ایشور کو نتیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ازلی ابدی مانا ہے۔ نیز قدیم و سرمد

۲۲۔ وید میں ایشور کو شروتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سمیع کہا ہے۔

۲۳۔ وید میں اسے شاسک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عزیز کہا ہے۔

۲۴۔ وید میں ایشور کو بدھ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حکیم کہا ہے۔

۲۵۔ وید میں ایشور کو اُپاسیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اِلٰہ کہا ہے۔

۲۶۔ وید میں ایشور کو دنڈ کہا ہے۔ اس لئے کہ بغیر رشوت سفارش و رعایت کے وہ اپنے کامل انصاف سے پاپیوں کو سزا دیتا ہے۔ تو قرآن اسے شدید العذاب کہتا ہے۔

۲۷۔ وید میں اسے دُور سے دُور ماننے کے ساتھ ہی (अन्तिके) یعنی اندر یا سمیپ مانا گیا ہے۔ تو قرآن بھی اسے قریب کہتا ہے۔ اور شاہ رگ سے بھی قریب۔

۲۸۔ وید میں ایشور کو ردر کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ پاپیوں کو سخت سزا دے کر رلاتا ہے۔ تو قرآن اسے شدید العقاب کہتا ہے۔

۲۹۔ وید میں ہر عمل کا پھل کرم سے کرم سنسکاروں کے رُوپ میں فوراً ملتا ہے۔ انگریزی میں کہا ہے۔

virtue is its own Reward & vice its own punishment

یعنی نیکی اپنی جزا آپ ہے۔ اور بدی اپنی سزا آپ۔ اسی کے مطابق قرآن خدا کو سریع الحساب کہتا ہے۔

۳۰۔ وید میں ایشور کو اَن۔ اَنّاد وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رازق کہا ہے۔

۳۱۔ وید میں ایشور کو مہَہ۔ جہان۔ برہم۔ گرتمان وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عظیم۔ کبیر۔ اعظم۔ اکبر۔ اللہ اکبر کہا ہے

۳۲۔ وید میں ایشور کو سوِتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے فاطر کہا ہے۔

۳۳۔ وید میں اسے اُتپادک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے خالق کہا ہے۔

۳۴۔ وید میں ایشور کو سہَ (सहः) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حلیم کہا ہے۔

۳۵۔ ویدمیں ایشور کو مینسو ( ) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے قہار کہا ہے۔
۳۶۔ ویدمیں اسے دھن یا دھنی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے غنی کہا ہے۔
۳۷۔ ویدمیں ایشور کو ستیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حق کہا ہے۔
۳۸۔ ویدمیں ایشور کو جیون پران یا جیون دانا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الحی کہا ہے۔
۳۹۔ ویدمیں ایشور کو داتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے وہاب کہا ہے۔
۴۰۔ ویدمیں ایشور کو کھشما کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عفو کہا ہے۔
۴۱۔ ویدمیں ایشور کو مرودیہی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے علی کہا ہے۔
۴۲۔ ویدمیں ایشور کو اج کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے لم یولد کہا ہے۔
۴۳۔ ویدمیں اسے تجس کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے نور کہا ہے۔ یا تجلّی
۴۴۔ ویدمیں اسے ستوم کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حمید کہا ہے۔
۴۵۔ ویدمیں ایشور کو ایک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے احد کہا ہے۔ اور اسی صفت پر توحید کی بنیاد ہے۔
۴۶۔ ویدمیں اسے اگنی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے نار کہا ہے۔ اور اسی نام سے موسیٰ پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔
۴۷۔ ویدمیں اسے سوکھشم کہا۔ تو قرآن میں اسے لطیف کہا ہے۔
۴۸۔ ویدمیں اسے سوامی کہا۔ تو قرآن میں اس کا نام مولا ہے۔
۴۹۔ ویدمیں اسے اننت کہا تو قرآن میں اسے غیر محدود کہا ہے۔
۵۰۔ ویدمیں اسے نراکار کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے غیر مجسّم کہا ہے
۵۱۔ ویدمیں اسے کرتا کہا تو قرآن میں اسے فاعل کہا ہے۔
۵۲۔ ویدمیں ایشور کو رکھشک مانا۔ تو قرآن میں اسے رقیب کہا ہے۔
۵۳۔ ویدمیں ایشور کو ادوتیہ کہا۔ تو قرآن میں اسے لاشریک کہا
۵۴۔ ویدمیں اسے انوپم کہا۔ تو قرآن میں اسے بے مثال کہا۔
۵۵۔ ویدمیں اسے اوناشی کہا۔ تو قرآن میں اسے لایزال کہا۔
۵۶۔ ویدمیں ایشور کو اگم۔ کہا۔ تو قرآن میں اسے المتعال کہا۔
۵۷۔ ویدمیں اسے جنہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے باری کہا ہے۔
۵۸۔ ویدمیں ایشور کو آدتیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے شمس کہا ہے۔
۵۹۔ ویدمیں ایشور کو شنکر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ذوالفضل کہا ہے۔
۶۰۔ ویدمیں ایشور کو ساکھشی وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مہیمن کہا ہے۔
۶۱۔ ویدمیں ایشور کو دھرم راج کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے المومن کہا ہے۔
۶۲۔ ویدمیں ایشور کو سوستی شانتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے السلام کہا ہے۔
۶۳۔ ویدمیں ایشور کو نرادہار کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے صمد کہا ہے۔
۶۴۔ ویدمیں ایشور کو راجا وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ملک کہا ہے۔

۶۵- وید میں ایشور کو شدھ پوِتر وغیرہ کہا ہے۔ اور قرآن میں اسے قدوس کہا ہے۔
۶۶- وید میں ایشور کو کرتا ہرتا وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے جبار کہا ہے
۶۷- وید میں ایشور کو جہان بُنرہ (؟) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے متکبر کہا ہے
۶۸- وید میں ایشور کو چِتر وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مصور کہا ہے
۶۹- وید میں ایشور کو بھگوان وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے معبود کہا ہے
۷۰- وید میں ایشور کو وشومبھر وغیرہ کہا ہے تو قرآن میں اسے القیوم کہا ہے
۷۱- وید میں ایشور کو کرن کرونامئے وغیرہ کہا ہے اور قرآن میں اُسے رؤف کہا ہے
۷۲- وید میں ایشور کو کوٹستھ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے قایم و دائم کہا ہے۔
۷۳- وید میں ایشور کو یم کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ضابطہ کہا ہے
۷۴- وید میں ایشور کو انتریامی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ضابط القلوب کہا ہے
۷۵- وید میں ایشور کو مہادیو کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الملک العظیم کہا ہے۔
۷۶- وید میں ایشور کو برہسپتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے یا ملک القدوس کہا ہے
۷۷ وید میں ایشور کو آنند کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سرور کہا ہے۔
۷۸ وید میں ایشور کو ورُن کہا ہے تو قرآن میں اسے مصطفےٰ کہا ہے
۷۹- وید میں ایشور کو وشو کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے باسط کہا ہے
۸۰- وید میں ایشور کو ہِرنیا اور ریگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے منان کہا ہے۔
۸۱- وید میں ایشور کو ستو کہا ہے تو قرآن میں اسے علم بالذات کہا ہے۔
۸۲ وید میں ایشور کو کامل کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حسیبا کہا ہے۔
۸۳- وید میں ایشور کو ہری کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ستار و غفار کہا ہے۔
۸۴- وید میں ایشور کو الم کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الم کہا ہے۔
۸۵- وید میں ایشور کو آتما کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رُوح کہا ہے
۸۶- وید میں ایشور کو کُوبیر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے کوّر * کہا ہے۔
۸۷- وید میں ایشور کو منگل کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سرور کہا ہے
۸۸ وید میں اسے وجینا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے فاتح کہا ہے
۸۹- وید میں اسے شکتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مُقیت کہا ہے
۹۰- وید میں اسے ماتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اُم کہا ہے
۹۱- وید میں اسے آدی انت کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اول آخر کہا ہے۔
۹۲- وید میں ایشور کو امر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے لایموت کہا ہے۔
۹۳- وید میں ایشور کو پریہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حبیب کہا ہے
۹۴- وید میں ایشور کو اکھشر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے غیر فانی کہا ہے۔

* کوّر کے معنی ڈھانپنے یا کسی شے کے لپیٹنے کے ہیں جیسے اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت

۹۵- وید میں ایشور کو سپرن کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے احسن الخالقین یا احسن الفاطلین کہا ہے۔
۹۶- وید میں اسے آپت کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ہادی کہا ہے۔
۹۷- وید میں اسے پرجاپتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رب اللہ داح کہا ہے۔ یا رب الناس
۹۸- وید میں ایشور کو شنکر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سبحان کہا ہے۔
۹۹- وید میں اسے گنیش یا گنپتی کہا ہے تو قرآن میں اسے رب الافواج کہا ہے۔
۱۰۰ وید میں ایشور کو دہاتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رب العرش کہا ہے۔

پانچواں باب۔ ازلیت روح و مادہ

۴۲۔ ویدک تثلیت

یجر وید کے پرش سوکت کے تیسرے منتر میں کہا ہے۔
پہلے دو منتروں میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سب بیان سے اس پُرش کی ہی مہا بیان ہوتی ہے۔ اور اس کے امرت اور پیدا شدہ کے دو بھاگ جو کہے ہیں۔ ان کی اصلیت یہ ہے۔ کہ تین پاد تو امرت ہیں یعنی ایشور۔ جیو۔ پرکرتی جنہیں دوی کہتے ہیں۔ اور ایک پاد یہ سارا بھوتوں سے پیدا شدہ جگت ہے۔ (۱)
اس سے اگلے منتر میں کہا ہے۔ پُرش ان تین پاد سے اونچا یا اوپر یا آگے ہے۔ اور اس کا ایک (چوتھا) پاد یار بار ہونے والا یہ جگت ہے۔ اسی پاد سے یہ کھانے اور نہ کھانے والا چیتن اور جڑ دونوں طرح کا چراچر جگت گوناگوں شکل میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ (۲)
یجر وید ادھیائے ۳۲ منتر ۸ میں کہا ہے۔ عالم شخص اس کو دیکھتا ہے۔ جو اس نہانی میں موجود ہے۔ جہاں جگت کا ایک ماتر آدھار ہے۔ اسی میں یہ جگت چھپ جاتا ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کل مخلوقات میں اوت پروت ہو رہا ہے (۳)
اس کے اگلے منتر میں ہے: اس امرت (غیر فانی) کا جو نہانی میں موجود ہے۔ گندھرو (وید کو جاننے والا) عالم بیان یا اپدیش کرتا ہے۔ تین پاد مخفی میں موجود ہیں۔ ان کو جو جانتا ہے۔ وہ پتا کا بھی پتا ہے (۴)
ان حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ وید تین لطیف ہستیوں کو ازلی ابدی کہتا ہے۔ اور ایک ہستی یعنی معلول جگت کو تغیر پذیر اور

१- एतावानस्य महिमातो ज्यायांश्च पुरुषः। पादोऽस्य विश्वा भूतानि त्रिपादस्यामृतं दिवि ॥
२- त्रिपादूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशनानशने अभि ॥
३- वेनस्तत्पश्यन्निहितं गुहासद्यत्र विश्वं भवत्येकनीडम्। तस्मिन्निदं सं च वि चैति सर्वं स ओतः प्रोतश्च विभूः प्रजासु ॥
४- प्र तद्वोचेदमृतं नु विद्वान् गन्धर्वो धाम विभृतं गुहा सत्। त्रीणि पदानि निहिता गुहास्य यस्तानि वेद स पितुः पितासत् ॥

فانی بتاتا ہے۔ لیکن اس معلول کا آدھار کوئی جدا نہیں۔ وہی لطیف تین پادہستی ہے۔
رگوید منڈل ۱۔ ادھیائے ۲۲۔ سوکت ۱۶۴ میں ان ازلیت ثلاثہ کا کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔
پہلے منتر میں کہا ہے۔ اس سندر نرمل برھمانڈ کو بنانے والے تین بھائی ہیں۔ ایک تو سب سے بڑا ہے۔ جو اس مھان یگیہ کا ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے چھوٹا یا منجھلا ہے۔ جو دونوں ہی طرف بھوگ کرتا ہے۔ تیسرا وہ بھائی ہے۔ جو اس عامل کے لئے ایک طرف کا رستہ صاف کرتا ہے۔ یہ گویا اس یگیہ کا کنڈ ہے۔ اور اس کنڈ میں جہاں سات شکھاؤں والی اگنی دکھائی دیتی ہے وہیں سات سمندروں والی یہ زندگی کی دنیا دکھائی دیتی ہے۔ (۱)
ان تینوں ازلی ہستیوں کا وجود پیدائش عالم میں ضروری ہے۔ اور تینوں ہی اس سارے ظہور میں صاف طور پر شریک ہور ہے ہیں اس لئے ان کو بھائی کہنا نہایت معقول ہے۔
اسی سوکت کا پانچواں منتر عام طور پر مشہور ہے۔ (پرمیشور اور جیو نام) دو سپرن (آتما) ہیں۔ ملتی جلتی صفات اور محیط و محاط کا تعلق رکھنے والے نیز باہم متر (مانوس) یہ دونوں پیدا شدہ پرکرتی (برکھش) پر حکمران ہیں۔
ایک (جیو) تو اس کائنات کے پھلوں کو بھوگتا ہے۔ مگر دوسرا یعنی پرمیشور اس کے پھلوں کو نہ چکھتا ہے نہ بھوگتا ہے (۲)
موجودہ سنسکرت میں سپرن پکھشی یا پرند کو کہتے ہیں۔ اور برکھش درخت کو۔ مگر ویدک سنسکرت میں سپرن کا مقدم ارتھ ہے یعنی وہ جس کی پالنا سے سکھ ہو۔ اور یہ دو ہیں جیو اور پرمیشور۔ اسی طرح برکھش وہ ہے۔ جو پیدا ہوتا اور بڑھتا ہے یا پھولتا پھلتا۔ پس تینوں ازلیات ہی یہاں مذکور ہیں۔ جو لوگ سپرن کے معنے پکھشی کر کے ایک استعارہ کے ذریعے آتما اور پرماتما کا مفہوم لیتے ہیں۔ وہ بھی سدھانت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ڈالتے۔ مگر معترضوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ وید میں سپرن نام پرماتما کا صاف طور پر مذکور ہے۔ چنانچہ اسی سوکت کے منتر ۴۶ میں اندر مترورن اگنی دویہ سپرن گرتمان سب نام پرمیشور کے ہیں۔ نہ محض یہ حوالہ جات وید کا ہر منتر تین چیزوں کے انادی ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔
ہر منتر علم دینے والا ہے۔ وہ علم علیم کل پرمیشور کی ہستی کا ثبوت ہے۔ جس کو علم دیا جاتا ہے۔ وہ الپگیہ جیو یا روح ہے۔ مادی شے میں علم کا احساس کہاں۔ ہاں جو علم دیا جاتا ہے۔ وہ ایک طرف ایشور کا تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسری طرف مادی دنیا کا بغیر ایشور　جیو اور پرکرتی کو مانے الہام یا علم یا عمل کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔
یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۰ میں کہا ہے۔ "جو غیر معلول مادے کی اپاسنا کرتے ہیں۔ گھور اندھکار میں پرویش کرتے ہیں۔ اور مادی مخلوق اشیاء کے اپاسک اس سے بھی گہرے اندھیرے میں مبتلا رہتے ہیں۔ (۳)
اس منتر کی ہدایت یہ ہے۔ کہ ایشور کی اپاسنا ہو۔ اپاسنا کون کرے۔ جیو۔ اور کس کی اپاسنا نہ کرے۔ یا کس کی اپاسنا سے

۱- अस्य वामस्य पलितस्य होतुस्तस्य भ्राता मध्यमो अस्त्यश्नः। तृतीयो भ्राता घृतपृष्ठो अस्यात्रापश्यं विश्पतिं सप्तपुत्रम्॥

۲- द्वा सुपर्णा सयुजा सखाया समानं वृक्षं परिषस्वजाते। तयोरन्यः पिप्पलं स्वाद्वत्त्यनश्नन्नन्यो अभि चाकशीति॥

۳- अन्धन्तमः प्रविशन्ति येऽसम्भूतिमुपासते ततो भूय इव ते तमो य उ सम्भूत्यां रताः॥

گھورو کھہ منتا ہے۔ وہ ہے پرکرتی - خواہ موجود ہو خواہ معدوم - یعنی حالت پیدائش میں یا فنا میں۔ غرضیکہ تین پادنتیہ یا قدیم ہیں۔ اور ایک فانی یہی نہر کہیں ثابت ہو رہا ہے۔

شویتا شوتر اپ نشد ادھیائے ۲ منترہ میں کہا ہے۔ پرکرتی جیو اور پرمیشور تینوں غیر پیدا شدہ ہیں۔ یہ تینوں اس عالم کی گوناگوں مخلوقات کی علتیں ہیں۔ ازلی جیو اس ازلی پرکرتی کا بھوگ کرتا ہوا اس میں پھنستا ہے۔ مگر پرمیشور نہ اس کو بھوگتا ہے نہ اس میں پھنستا ہے۔ شویتا شوتر اپ نشد میں اس کی مزید ویا کھیا کرتے ہوئے صاف کہا ہے۔

مایا تو پرمیشور کو جان اور اس مایا والا یا مایا کا مالک پرمیشور کو مان۔

بغیر پرکرتی کے کوئی شے بن نہیں سکتی۔ جیسے وشیشک درشن ۱۔۲۔۱ میں کہا ہے۔ کہ

कारणाभावत्कार्याभाव : ।
کارن یا علت یا سبب کے نہ ہونے پر کاریہ یا معلول یا نتیجہ بھی نہیں ہوتا۔ وشیشک ۴۔۱۔۳ میں کہا ہے۔ कारणभावात्त कार्य्य भाव ।। یعنی علت کے ہونے سے ہی معلول ہوتا ہے۔ اس کے متعلق وشیشک ۲۔۱۔۲۴ میں کہا ہے۔ कारण गुण पूर्वक: कार्य गुणो दृष्ट کارن یا علت والے اوصاف ہی کاریہ یا معلول میں ہوتے ہیں۔

گیتا ادھیائے ۲ شلوک ۱۶ میں اس اصول کو یوں بیان کیا ہے۔

नासतो विद्यतेभावो न भावो विद्यते सत:

(نیست سے ہست ہو سکتا ہے۔ نہ ہست سے نیست ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ شکل و حالت میں تبدیلی واقع ہونے سے دو نام بنے ہی ہوں۔ ہستی کی صفت دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔

اس ہستی کو چھاندوگیہ اپ نشد میں پیدائش سے پہلے عملاً موجود تسلیم کیا ہے۔ सदेव सोम्यद मग्र आसीसत
یعنی پیدائش عالم سے پہلے ہے سومیہ ست یا ہستی ہی تھی۔ (عدم مطلق نہ تھا) اس ہستی کو سانکھیہ درشن میں ست رج اور تم کی سامیہ اوستھا یا جامع جوہر پرکرتی کہا ہے۔ اسی ہستی کو وید میں مختلف ناموں سے انسانوں کے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

ऋतंच सत्यंचा भी द्धात्त पसो ऽध्य जायत یعنی گیان اور ستیہ (مادہ) سے مبید ہا تپ ظاہر ہو ا۔ رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۹۰ منتر ۱ میں اسے ابھس لفظ سے بیان کیا ہے۔

اسی سوکت کے دوسرے منتر میں اسے آنیت۔اوات اور سُودھا سے تعبیر کیا ہے۔

اسی سوکت کے تیسرے منتر میں اسے تم اور سلل کی قسم کی شے کہا ہے۔

اسی سوکت کے چوتھے منتر میں اسے کام شبد سے سمجھانے کا یتن کیا گیا ہے۔

اگلے منتر میں رشمی۔ ریتودھا کے الفاظ سے اس کی حقیقت کا تصور کرایا گیا ہے۔

معلول جگت میں تبدیلی پذیر صورت محض مادہ کی ہوتی ہے۔ اس لئے ویدک ساہتیہ میں پرکرتی کے لئے یہ شبد زیادہ تر مستعمل ہوتے ہیں۔ تاہم وید کے مذکورہ بالا سوکت میں تین انادی کی پوزیشن کو ہی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

सत (ہست یا موجود) असत (غیر محسوس) तम (اندھکار سے یا پرمانو روپ) अप्रकेतं सलिल (ناقابل تمیز علتی سمندر) स्वधा, قائم بالذات

منو وغیرہ میں اسے अविज्ञेय ناقابل فہم अप्रतर्क्य ناقابل بحث ہی کہا ہے۔

۶۳۔ قرآن میں تائید ویدک تثلیث

سورۃ الطور آیت ۳۵۔ کیا وہ غیر شئی (نیستی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ یا کیا وہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں (۱)

اس چھوٹی سی آیت میں تینوں ازلی ہستیوں کا بیان موجود ہے۔ سرکش یا نافرمان لوگوں کی حالت پر مختلف طرح سے تبصرہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہا ہے۔ کیا یہ غیر شے (نیستی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ انسان ہیں۔ یعنی رُوح اور جسم کا میل۔ اور نیستی سے نہیں۔ بلکہ ہستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر رُوح بھی قدیم ہے۔ اور مادہ بھی قدیم اور آگے کہا۔ یہ خود بخود پیدا نہیں ہوئے۔ کیا مطلب کہ میں خدا ان کا خالق ہوں۔

سورۃ النحل آیت ۳ میں کہا ہے۔ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق سے پیدا کیا ہے۔ سورۃ الروم آیت ۸ میں کہا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے آسمانوں۔ زمین اور ان کے درمیانی عالم خلا کو حق سے پیدا کیا ہے۔ سو ظاہر ہے۔ کہ پرکرتی کو وید نے ستیہ کہا۔ تو قرآن نے ہو بہو اسی کا مترادف لفظ حق اس کے لئے رکھا ہے۔

سورۃ الحجر آیت ۲۱ میں کہا ہے (۱) کوئی بھی چیز کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں اس کے خزانے بھرے ہیں۔ مگر ہم اسے مقررہ اندازہ سے بھیجتے رہتے ہیں۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ پرمیشور کے خزانۂ غیب میں ارواح اور مادی علت غیر محدود ہے۔ اس میں سے حسب ضرورت ارواح کو مادی قالبوں میں بھیجا جاتا۔ اور انہی کی ضروریات کے مطابق مادی سامان دنیا میں ظہور پاتا ہے۔ اور باقی تمام جیوں کا یتوں خزانۂ غیب میں ایشور کے ساتھ موجود ہے۔

گویا حالت فنا میں کچھ معطل نہیں ہوتا۔ ارواح اور مادہ اسی پرمیشور کے ساتھ رہتا ہے۔ جیسا کہ وید میں تین پاد کو امرت کہا ہے۔

سورۃ النسا آیت ۱ میں نفس واحد سے پیدائش بتائی ہے۔ یعنی ایک ہی مادہ سے۔ اور کہیں یہ ذکر تک نہیں۔ کہ وہ نفس واحد نیستی سے ہوا۔ پس حدوث مادہ کا خیال قطعاً غلط ہے۔

سورۃ القدر میں کہا ہے۔ کہ قانون الہی کے مطابق رُوح اور تمام اشیائے عالم تنزل (پہلی لطیف حالت کی طرف عود) کر کے خدا میں لین ہو جاتے ہیں۔ اور وہیں محفوظ رہتے ہیں۔ حتےٰ کہ پھر پیدائش کا آغاز ہوتا ہے (۲)

اس میں وید کی طرح صاف اس امر کا بیان ہے۔ کہ پیدائش اور فنا کا چکر چل رہا ہے۔ اور حالت فنا میں روح اور مادہ خدا میں رہتا ہے۔ تنزل کا لفظ بالخصوص معنے خیز ہے۔ وید میں کہا تھا۔ تین پاد سے اگلی یا ترقی یافتہ حالت یعنی جب جہان کی پیدائش ہوتی ہے۔ تب پُرش نام ہوتا ہے۔ त्रिपादूर्ध्व چونکہ اُوردہو کا لفظ صاف طور پر ترقی کا مفہوم پیش کرتا ہے۔ اس لئے دنیا کے فنا کی حالت کے لئے اس کی ضد یا لفظ تنزل ہی مستعمل ہونا موزوں تھا۔ اور وہی قرآن میں مذکور ہے

سورۃ السجدہ آیت ۵ میں کہا ہے۔ وہ خدا آسمان سے زمین تک کے نظام کو چلاتا ہے۔ اور پھر وہ وقت آتا ہے۔ کہ انسانوں کے شمار کئے گئے ہزار زمانوں کے عرصہ کے لئے نظام عالم اس کی طرف عود کر جاتا ہے"۔ (۳)

اس میں لفظ یَعْرُجُ اِلَیْہِ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب ترجمے میں لکھتے ہیں۔ آسمان سے (لے کر) زمین تک (وہی ہر ایک) امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر تم لوگوں کی (دنیاوی) گنتی کے (مطابق) ہزار برس کی مدت کا ایک دن

۱۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

۲۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۝

۳۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

ہوگا۔ اس دن تمام (انتظام کا نتیجہ) اس کے حضور (عالی) میں گذر یگا" اس میں پرلے کال کی ویدک میعاد کی لاعلمی سے جو غلطی موجود ہے۔ وہ چھٹے باب کی دفعہ ۲ کے اخیر میں بیان شدہ میعاد کو پڑھنے سے معلوم ہوجائے گی یہاں یَعْرُجُ لفظ کے متعلق کچھ سوچنے کی ضرورت ہے۔ خدا کے حضور عالی میں نتیجہ گذرینگے مفہوم پر آپ نے حاشیہ میں ان الفاظ سے مزید روشنی ڈالی ہے۔ کہ "تمثیلاً یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ جیسے خدا کرسی پر اونچی جگہ بیٹھا ہؤا اجلاس فرما رہا ہے۔ اور کارکنان قضاوقدر انتظام دنیا کی تمام کیفیت اس کے حضور میں گذران رہے ہیں۔ ہم نے اس میں لفظ عروج کو بھی کسی قدر نباہ لیا ہے۔ جس کے معنے چڑھنے کے ہیں۔" جہاں پہلے حوالے میں تنزل کا لفظ نزغے معکوس کے لئے آیا ہے۔ وہاں علویت الٰہی کے نکتہ نگاہ سے روح اور مادہ کے اس میں لین ہونے کے لئے عروج کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا کا تعلق چونکہ پیدائش اور فنا دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ اور تبدیلی محض رُوح اور مادہ کی حالتوں میں ہوتی ہے۔ اور دوسری جگہ قرآن میں تنزّل کا لفظ آ بھی چکا ہے۔ اس لئے اس آیت میں یعرج لفظ کو عروج کے مفہوم سے وابستہ کرنا صحیح نہیں۔ یہ عرج بمعنے لنگڑا ہونے سے منسوب ہے۔ وید میں جو چار پاد کہے تھے۔ پرلے کے وقت ان میں سے چوتھا پاد جاتا رہا۔ لہٰذا لنگڑا پن کا تعلق منسوب کرتے ہوئے یعرج کا لفظ آنا نہایت معنے خیز ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اسے پہلی حالت کی طرف عود کرنا سے ہی تعبیر کیا ہے۔

سورۃ یٰسین آیت ۳۶ میں کل جوڑوں کے پیدا ہونے کے ذکر میں مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ کا لفظ ہے۔ یعنی پیدائش اس ہستی سے ہوتی ہے۔ جسے لوگ جانتے نہیں۔ یہ وید کے لفظ اپرکیت سِل کی جگہ ہے۔ اور سورۃ الدھر آیت ا میں لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا میں پہلی علتوں کو غیر مذکور شے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ وید وغیرہ میں اسے ناقابل بحث و ناقابل بیان کہا ہے۔

سورۃ السجدہ آیت ۷ میں انسان کی پیدائش کی پہلی بنیاد سلال سے بیان کی ہے۔ اور سورۃ المومنوں آیت ۱۲ میں بھی سلال کا لفظ موجود ہے۔ لیکن سورۃ الحجر آیت ۲ میں صلصال کا لفظ ہے۔ اس فرق کی توضیح بھی اگلے باب میں کی گئی ہے۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ وید میں جسے سَل کہا گیا۔ قرآن میں اسے سلال اور صلصال کہا جا رہا ہے۔

سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۴ میں کہا ہے۔ کہ ہم بار بار دنیا کو پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ اس سے یہی ظاہر ہے۔ کہ خدا تو ہے علت فاعلی جس پر اس کا فعل واقع ہوتا ہے۔ وہ ہے مادہ اور جس کے لئے یہ فعل کیا جاتا ہے۔ وہ ہے روح جس کے عملوں کی سزا جزا دی جاتی ہے۔

سورۃ یونس آیت ۶۱ میں کہا ہے۔ "تمہارے پروردگار سے ذرا بھر شے بھی چھپی نہیں۔ کیا دیُو لوک میں اور کیا پرتھوی لوک میں اور نہ ذرہ سے چھوٹی اور نہ ذرہ سے بڑی کوئی شے ہے۔ جو اس کے گیان کی کتاب میں مذکور نہ ہو" (۱)

ذرہ دراصل انو کے لئے ہے۔ اور انو سے مراد وہ ذرات ہیں۔ جو جھروکے میں سوریہ کی روشنی کے داخل ہونے پر اڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ساٹھویں حصے کے برابر پرمانو ہے۔ جو ناقابل تقسیم یا جزو لاتیجزیٰ ہے سو آیت میں ذرہ سے بڑی شے ہر مخلوق شے ہے۔ اور ذرہ سے چھوٹی پرمانو ہے۔ اور رُوح اس سے بھی لطیف ہے۔ پس سب کا بیان کتاب الٰہی میں ہونے سے نیز قدیم خدا پر ہمیشہ ظاہر ہوتے اور مخفی نہ ہونے سے رُوح اور مادہ قدیم ہیں۔ قرآن نے رُوح کے بارہ

---

(۱) وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

میں یہ بیان دیا ہے۔ کہ

تم سے رُوح کے متعلق پوچھیں تو دو باتیں کہہ دو کہ ایک تو یہ امر ربی ہے۔ اور دوسرا محدود العلم (۲)

امر ربّی چونکہ رب کے ساتھ قائم ودائم ہے۔ لہذا روح بھی قدیم ہُوا۔ اور لطیف اور اسے محدود علم ملنا وہی بات ہے۔ جو وید میں اسے الپگیہ کہنا ہے۔ اگر رُوح حادث ہوتا۔ تو سوال کے جواب میں یہ بتایا جاتا۔ کہ وہ فلاں وقت فلاں وجہ سے فلاں مقام میں نیستی سے یا بغیر علت کے پیدا کیا گیا۔ لیکن ایسا بالکل نہیں ہے۔

سورۃ الحجر آیت ۲۹ میں ہے۔ کہ جب انسانی قالب مکمل طور پر تیار ہوگی۔ تب میں نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اس میں میں اپنی ملک روح کو داخل کردونگا۔ اس سے بھی رُوح کا پہلے موجود ہونا ثابت ہے حادث ہونا نہیں۔

سورۃ السجدہ میں کہا ہے۔ ثُمَّ سَوّٰہُ وَ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ اس کو مکمل کیا۔ اور اس میں اپنی ملک روح کو پھونکا۔

سورۃ النحل آیت ۲ میں کہا ہے۔ کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ، کہ پرمیشور نے رشیوں کے آتما میں اپنے گیان کا پرکاش کیا۔

سورۃ الانبیا آیت ۱۰۴ میں کہا ہے۔ "پرلے کال میں یہ پھیلاؤ اس طرح سمٹ جاتا ہے جس طرح مکتوب کتب میں یا مضمون خط میں" (۳)

اس سے بھی صریحاً علتوں کے نہاں ہو جانے کا مفہوم نکلتا ہے۔

سورۃ الانفطار۔ آیت ۱۷ و ۱۸ میں دو بار سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم سمجھتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ یوم الدین وہ وقت یا زمانہ ہے۔ جس میں نفس (رُوح) کا دوسرے نفس (مادہ) پر کوئی اختیار نہ رہے۔ اور کل معاملہ محض خدا سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ یہ مفہوم پرلے کال پر بھی نہایت موزونیت سے عائد ہوتا ہے۔ اور رُوح و مادہ کے ایک دوسرے سے بے تعلق مگر موجود رہنے کا ہی علم دیتا ہے۔ اور پیدائش کے وقت قدیم رُوح و مادہ کے کام میں آنے کا

۶۴ - نیستی

باوجودیکہ ہر دو کتب مقدسہ کی پوزیشن رُوح اور مادہ کے متعلق بالکل ایک ہے۔ تاہم خاص غلط فہمی سے ان کے پیروؤں میں اختلاف ہے۔ وید میں نیستی کو است اور ہستی کو ست کہا گیا ہے۔ لیکن ست اور است کے الفاظ محض پیدائش عالم پر ہی استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ نسبتی لفظ ہیں۔ دھوپ کہیں تو چھایا کہا جا سکتا ہے۔ اگر دھوپ نہ ہو۔ تو چھایا نہیں۔ رات کا لفظ دن کے مقابلے پر ہے۔ اگر دن نہ ہو۔ تو رات کا لفظ بھی بول چال میں نہیں آسکتا۔ پس دنیا کی پیدائش یا اس کے ظہور کے وقت ہی ست اور است کا تعلق ہو سکتا ہے۔ پیدائش نہ ہو۔ تو نہ ست ہے۔ نہ است۔ ولیو ہار میں نہ ہونے کی حالت علت کا تعلق جس ہستی سے ہے۔ اس کا تصور محض دل میں ہی ہو سکتا ہے۔ ست اس کو پیدائش پر

۱- وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا　(بنی اسرائیل رکوع ۱۰، پارہ ۱)

۲- یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ

کہیں گے۔ اور اس کے مقابلے پر پہلی حالت است ہوگی۔ جب قول مذاہب الاسلام معدوم وہ ہے۔ جو موجود نہیں۔ جب وجود ملیگا۔ تب موجود ہوگا۔ غرضیکہ ست اور است کے لفظوں کا تعلق محض دیو ہار ہونے سے ہے۔ وہی کچھ سوامی جی نے کہا ہے۔

چھٹا باب۔ پیدائش عالم

۶۵۔ ویدک علم پیدائش

رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۲۹ منتر ۳ میں کہا ہے۔

پیدائش عالم سے پہلے تم یعنی ناقابل تمیز۔ عدم ترکیب کی حالت ہوتی ہے۔ محض ناقابل فہم سلل یعنی بحر اجزائے لاتیجزی ہوتا ہے۔ جو غیر محدود پرمیشور کے مقابلے میں محض مقامی حیثیت رکھتا ہے۔ محیط پرمیشور کا یہ محاط تھا۔ بعد میں اس قدیر کامل نے اسے حالت علت سے معلول کیا۔ (۱)

اس منتر میں علت مادی کا بھی ذکر موجود ہے۔ اور علت فاعلی کا بھی اور پیدائش عالم کا مطلب محض یہ بتایا گیا ہے کہ علت سے معلول حالت میں تبدیلی ہے۔

یجر وید کے پرش سوکت میں کہا ہے۔ منتر ۲۔

جو ہوا اور جو ہوگا۔ وہ سب کچھ پرش ہی ہے۔ اور وہ امرت یعنی اوناشی یا غیر فانی کا مالک ہے۔ نیز اس کا جو ان سے یعنی علت وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲)

جس طرح انسان کو اپنے جسم اور حواس کا مالک کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ رُوح اور جسم کے میل کی حالت والا پُرش مالک ہے۔ اسی طرح عالم ارواح مادہ اور مادی جسم کے اندر پرمیشور کو موجود مان کر وید اس کا نام پرش رکھتا ہے۔ ہیں امرت تو ہے۔ ایشور جیو اور پرکرتی اور آن یا علت سے پیدا شدہ ہے۔ معلول دنیا۔ کیونکہ اگلے منتر میں کہا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اس کی مہما ہے۔ اور پُرش کی اس سے بڑائی ہے۔ تمام معلول مادی دنیا اس کا ایک پاد ہے۔ اور تین پاد اس کے امرت یعنی غیر فانی ہیں۔ اور اس امرت کا نام دومی ہے (۳)

۱۔ तम आसीत्तमसा गूढमग्रे ऽप्रकेतं सलिलं सर्वमा इदम् ।
तुच्छ्येनाभ्व पिहितं यदासीत्तपस स्तन्महिना जायतैकम् ॥

۲۔ पुरुष एवेदं सर्वं यद्भूतं यच्च भाव्यम् उतामृतत्वस्येशानो यदन्नेनातिरोहति ॥

۳۔ एतावानस्य महिमातो ज्यायांश्च पुरुषः । पादोऽस्य विश्वा भूतानि
त्रिपादस्यामृतं दिवि ॥

پس پرش نام ہے۔ ایشور۔ جیو۔ پرکرتی اور معلول دنیا کے مجموعہ کا۔ ان میں سے آخری معلول دنیا فانی ہے
یہ اگ یعنی مادہ سے بنتی ہے۔ اور پہلے تین پاد غیر فانی یا قدیم ہیں۔
اس سوکت کے چوتھے منتر میں کہا ہے۔ پُرش تین پاد سے پرے یا اگلی معلول حالت نمودار ہونے پر ہوتا ہے۔ اس کا یہ اگلا پاد با بار ہونا رہتا ہے۔ اور اس سے یہ علت اور معلول دو حالتوں والا جگت موجود ہوتا ہے (۱)
پانچویں منتر میں کہا ہے۔ اس سے دراٹ نمودار ہُوا۔ اور دراٹ کے بعد پُرش۔ وہ وراٹ پرش انیک شکلوں میں ظاہر ہوتا گیا۔ اور بعد میں بھومی ظاہر ہوئی۔ اور اس کے بعد جسم یا قالب بنے (۲)
اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ علت اور معلول جگت کا نام دراٹ ہے۔ اور اس میں جیو اور مادہ اور معلول دنیا شامل ہیں۔ اس وراٹ کے ظہور ہونے پر برہم پرمیشور کے اس کے اندر موجود ہونے سے پُرش نام ہُوا۔ اور وہ وراٹ آکاش ہوا۔ آگ اور پانی کی مختلف حالتوں و شکلوں کو اختیار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ زمین پیدا ہوئی۔ اور اس زمین کے بعد تمام قالب بنے۔ مطلب یہ کہ نباتات بھی قالب ہیں اور حیوانات کے اجسام وغیرہ بھی۔ چنانچہ چھٹے منتر میں کہا ہے۔ کہ سب کے معبود پرمیشور نے اس وراٹ پر یگیہ کا عمل کر کے قابل خوردنی پوشیدنی و نوشیدنی اشیاء پیدا کیں۔ اور ان سے گھی وغیرہ کے اندرونی رس ظاہر ہونے پر ان سے جاندار ظاہر ہوئے۔ کیا ہوا میں رہنے والے۔ کیا پانی میں اور کیا زمین پر (۳)
یگیہ کے معنے نہایت وسیع ہیں۔ دنیا میں ہر حرکت اور ہر کام یگیہ کے اندر ہے۔ ذرات کے میل سے شکلیں نمودار ہوتی ہیں۔ اور ان کی کمی بیشی یا جدائی سے بھی اور کثیف لطیف شکلیں بنتی ہیں۔ جس طرح ایک پنساری کی چند چیزوں میں سے کم و بیش تعداد و مقدار میں بے شمار نسخے بنتے ہیں۔ اسی طرح وراٹ سے جن عناصر کا تعلق ہے۔ ان کے میل اور جدائی یا کمی اور بیشی سے دنیا میں تمام قالب بن رہے ہیں۔ چنانچہ حیوانات کی پرورش کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی۔ انہیں اس سروہت یعنی معبود کل نے حیوانوں کو پہلے پیدا کرنے سے پہلے رچا۔ حیوانات کی خوراک ان گھاس وغیرہ ہے۔ اور اس خوراک سے ان کے اندر چربی وغیرہ کی شکل میں رس پیدا ہوتے ہیں۔ سو ان وغیرہ کو اس منتر میں पृषत (پرشت) کہا ہے۔ اور ان کے اندر طاقت وغیرہ دینے والی چیز کو آجیہ आज्य کہا ہے۔ یہاں اس سچے رکھشک پرماتما کی عجیب و غریب علمی اور عملی خوبیوں کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ ایک زاہد یا ایشور بھگت نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو جب دانت دیئے تو کیا اَن نہ دے ہے
جو جل میں تھل میں پنچھی کی سدھ لیت سو تیری بھی لے ہے

१- त्रिपाद्दूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः। ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशनानशने अभि ॥४॥ २ ततो विराडजायत विराजो अधि पुरुषः। स जातो अत्यरिच्यत पश्चाद्भूमिमथो पुरः ॥(३) तस्माद्यज्ञात्सर्वहुत सम्भृतं पृषदाज्यं।
पशूंस्तांश्चक्रे वायव्यानारण्या ग्राम्याश्च ये।

کاہے کو سوچ کرے من مورکھ سوچ کئے کچھ ہاتھ نہ آئے ہے
جان کو دیت اجان کو دیت جہان کو دیت سو تو کو بھی دے ہے

بھگت کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پورشارتھ کو چھوڑ کر آلس اور نکماپن کو اختیار کیا جاوے۔ بلکہ وہ یہ سمجھاتا ہے۔ کہ جس طرح اگیانی انسان آج ہر وقت پیٹ کی فکر میں غلطان اور پاپوں کا شکار ہیں۔ اس کو انسانی فرض سے باہر سمجھیں۔ ہماری ضروریات کا فکر ہمارے سوامی کو ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے۔ کیا کچھ کس کو ملنا چاہئے۔ انسان کا فرض محض یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کو بخوبی سمجھے۔ اور جو کچھ ملتا ہے۔ اسے ہی کافی سمجھ کر اور اس کا بہترین استعمال کرتا ہوا صبر اور استقلال سے اپنی اصل منزل مقصود کی طرف چلتا جاوے۔ یہ وہ کام ہے جس میں عمریں کھپ جاتی ہیں۔ پس صبر نکماپن کا مترادف نہیں گا چنتا کیسی۔ اس انتہائی مبارک جذبہ کی بنیاد اس منتر پر وچار کرنے سے پڑتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے۔ کہ زمین بننے کے بعد سب سے پہلے عالم نباتات کے قالب ظاہر ہوتے اور اس سے ان اور گھی یا خوراک اور ویریہ ظاہر ہوتے اور اس کے بعد پشو یا عالم حیوانات ہُوا۔ قدرت نے پہلے انیک پرکار کے ترکیب اور جدائی کے یگیہ سے اس خوراک اور اس کے رس کو اور اس رس اور ویریہ وغیرہ سے حیوانات کو پیدا کیا۔ یا ان کی رچنا ہوئی۔

ساتویں منتر میں کہا ہے۔ اسی یگیہ سے کامل گیان والے رگ۔ یجو۔ سام اور اتھروید کا ظہور ہوا۔ (۱)

مطلب یہ کہ اسی سرشٹی کا ظہور ہونے پر پرمیشور نے چاروں ویدوں کا گیان دیا۔ گیان پرمیشور میں نتیہ ہے۔ پر انسان پر اس کا ظہور پیدائش پر ہی ہو سکتا ہے۔

آٹھویں منتر میں کہا ہے۔ اسی سے یعنی ویدوں کے ظہور سے اشو وغیرہ جاندار پیدا ہوئے۔ جو دو پنکتی والے دانت رکھتے ہیں۔ اسی سے گو جاتی ظاہر ہوئی۔ اسی سے اجا جاتی ظاہر ہوئی۔ (۲)

اس منتر میں وید گیان کے کمال کا اور بھی زیادہ احساس ہر انسان کر سکتا ہے۔ جب وہ سمجھتا ہے۔ کہ ابتدائی یا آغاز والی قدرتی پیدائش کا بیان چھٹے منتر میں کرنے پر بھی کسی چیز کا نام اس منتر میں نہیں دیا۔ لیکن جب وید کے ظہور کا بیان کیا۔ تو ناموں کی مثال دے دی۔ ایک جاتی حیوانات میں اشو کی ہے۔ یعنی گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا وغیرہ دوسری جاتی گو کی ہے۔ یا گئو وغیرہ کی۔ اور تیسری جاتی اج کی یعنی بھیڑ۔ بکری وغیرہ کی۔ مطلب یہ کہ وید گیان کے ذریعے ہی تمام قالبوں کی تمیز ہوئی۔ اور ان کے نام وغیرہ معلوم ہوئے۔

نویں منتر میں کہا ہے۔ اس یگیہ (دیو) کا پہلے پیدا ہوئے انسانوں کے ہردے میں پرکاش ہوا۔ اس سے وہ عالم لوگ یگیہ کرنے لگے۔ جو سادھیہ اور رشی کہاتے ہیں۔ (۳)

۱۔ तस्माद्यज्ञात्सर्व हुत ऋचः सामानि जज्ञिरे
छंदांसि जज्ञिरे तस्माद्यजुस्तस्मादजायत ।

۲۔ तस्मा दश्वा अजायन्त ये के चोभया दतः ।
गावो ह जज्ञिरे तस्मा त्तस्मा ज्जाता अजावयः ॥

۳۔ तं यज्ञं बर्हिषि प्रौक्षन् पुरुषं जात मग्रतः ।
तेन देवा अयजन्त साध्या ऋषयश्च ये ॥

جب کیٹ پتنگ جیون تک کی پرورش ہو رہی ہے تو انسان کو اوس کی

جیوانات کا ذکر کر کے انسان یا پُرش کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیوانوں کے ناموں کے علاوہ پُرش نام انسانوں کا وید سے ہی معلوم ہوا۔ اور وہی وید پرکاش رُوپی یگیہ کا ان کے ہردے میں پربھاو پڑتا ہے۔ تو اس سے دیوتا یا عالم لوگ بھیے یا بھلے کاموں کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ عالم لوگ وہ ہیں۔ جو سادھیہ یعنی سدھی یا عمل کرنے والے ہوں۔ یا جو رشی یعنی سمادھی میں منتروں کے معانی کا انکشاف پائیں۔

ان نو منتروں میں نہ صرف آغاز عالم کی پیدائش کا نہایت اعلےٰ ترتیب اور علمی کمال سے بیان کیا گیا ہے۔ پرمیشور سے الہامی علم ملنے اور سچے عمل کا تعلق اور سچے عالموں کا فرض بھی واضح کیا گیا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۹۰ میں ایک اور نکتہ نگاہ سے پیدائش کا بیان کیا ہے۔

پہلے گیان اور پرکرتی اور ابھید ھ تپ کا ظہور ہوا۔ اس سے راتری ظاہر ہوئی۔ اس سے ارنو اسمدر کا ظہور ہوا۔ ا ارنو اسمدر کے بعد کال دبھاگ یعنی وقت کی تمیز ہوئی۔ اور جگت کو وش میں رکھنے والے بھگوان نے دن اور رات کو بنایا۔ ۲ جگت کے دھارن کرنے والے پرمیشور نے مثل سابق سورج اور چاند کو بنایا۔ سکھ سوروپ بھگوان نے دیُو لوک۔ پرتھوی لوک اور انترکھش کو بنایا۔ ۳ (۱)

یہاں پہلے گیان اس لئے کہا۔ کہ جب تک فاعل کو کسی فعل کا گیان نہ ہو۔ وہ اس کو کر نہیں سکتا۔ عمارت کا نقشہ معمار کے اور زیور کی شکل سنار کے دماغ میں ہو۔ تبھی عمارت یا زیور بنتا ہے۔ سو پرمیشور کا گیان پہلے تھا۔ دوسری شے علت مادی چاہئے۔ بغیر اینٹ چونہ گارا وغیرہ کے عمارت اور بغیر سونے وغیرہ کے زیور نہیں بن سکتا۔ سو اس کے لئے سنبھہ یا پرکرتی بھی موجود۔ فاعل اور علت دونوں موجود ہوں۔ لیکن تپ نہ ہو۔ تو بھی فعل نہیں ہو سکتا۔ سنار بھی موجود اور سونا بھی موجود۔ مگر سنار بنائے نہیں۔ تو بھی زیور نہ بنے۔ اس لئے کہا گیا۔ کہ ابھید ھ تپ کا ظہور ہوا۔ اس سے پیدائش کا آغاز ہونے لگا۔ تو پرلے یا برہم راتری کا گیان ہوا۔ چونکہ رات اور دن نسبتی لفظ ہیں۔ بغیر دن کے رات کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے پیدائش یا برہم دن کے آغاز نے برہم راتری کا تصور پیش کیا۔ اس کے بعد ارنوہ یا پرمانو سمدر یا سیل کا ویوہار شروع ہوا۔ اور اس سے کال وبھاگ کی تمیز ہوئی۔ یعنی سرشٹی سموت جو چلا آتا ہے۔ یہ اس وقت سے ہے۔ جب سے ارنوہ سمدر کا ویوہار شروع ہوا۔ یہ وقت کی تمیز رات اور دن کی صورت میں ہوئی۔ انہی کے شمار سے میعاد ناپی جا رہی ہے۔ اور یہ دن رات سورج اور چاند سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف سورج اور چاند۔ دیُو پرتھوی اور انترکھش تینوں لوک بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ اسی دفعہ نہیں ہوئے۔ ہر کلپ میں ایسے ہی ہوتے ہیں۔ من میں اس پرمیشور کی رچنا کی عظمت کو نقش کرنے کیلئے ان منتروں میں پیدائش کے متعلق دو خاص امور مد نظر ہیں۔ ایک تو یہ زمانے کے لحاظ سے اس کی عظمت کہ اس برہم دن کے آغاز سے ہی پرماتما کا اس کائنات سے تعلق نہیں۔ پرلے کال میں بھی رت اور ستیہ کا وہ سوامی تھا۔ اور محض اس ایک پرلے میں ہی نہیں۔ اس سے پہلے بھی پیدائش اور فنا کے بے آغاز، چکر کو وہی چلاتا آ رہا ہے۔ دوسری خصوصیت

ओं। ऋतं च सत्यं चाभीद्धात्तपसोऽध्यजायत। ततो रात्र्यजायत ततः समुद्रो अर्णवः॥ ओं। समुद्रादर्णवादधि संवत्सरो अजायत। अहोरात्राणि विदधद्विश्वस्य मिषतो वशी॥२॥ ओं। सूर्याचन्द्रमसौ धाता यथापूर्वमकल्पयत्। दिवं च पृथिवीं चान्तरिक्षमथो स्वः॥३॥

دیش یا جگہ کے لحاظ سے ہے۔ کہ وہ وسیع غیر محدود اور بے شمار نورانی کروں والے دیولوک۔ انترکھش اور پرتھوی لوک کا مالک خدا اس میں موجود ہے۔

وید میں اسی طرح پیدائش کے مضمون کو مختلف نکتہ ہائے نگاہ سے نہایت خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ اور ویدک ساہتیہ میں اسے کہیں آکاش وایو سے شروع کیا ہے۔ کہیں مہت تتو بدھی وغیرہ سے تیتریہ اپنشد میں پیدائش کے سلسلے کو یوں کہا ہے۔

اُس پریشور اور پرکرتی سے آکاش ظاہر ہوا۔ آکاش سے وایو۔ وایو سے اگنی۔ اگنی سے جل۔ جل سے پرتھوی۔ پرتھوی سے بنسپتی بنسپتی سے ان۔ ان سے ویریہ اور ویریہ سے انسان۔ (۱)

اس پیدائش کا سلسلہ سندھیوں میں ختم ہوتا ہے۔ فنا اور پیدائش کے درمیان اسی طرح آہستہ آہستہ ایوولیوشن یا وکاش ہوتا ہے۔ جس طرح رات اور دن کے درمیان صبح کو دھیرے دھیرے اندھیرا دور اور روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ ۶ سندھیوں کی میعاد ۶ چتریگیوں کے برابر ہے۔ اور ایک چترگی تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال کی ہے۔ گویا آکاش۔ وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی اور بنسپتی وحیوانات کے چھ مدارج ان چھ زمانوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

وید میں قیام عالم کا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا بتایا ہے۔ اس زمانے کے ہزار برابر حصے کئے گئے ہیں۔ کہ شمار وغیرہ میں آسانی رہے۔ ان ہزار حصوں کو ستیہ یگ۔ تریتا۔ دواپر اور کلی یگ میں تقسیم کر کے ان کے مجموعہ کو چترگی کہا گیا ہے۔ اور اس طرح ہزار چترگی میں سے چھ چتریگیاں پیدائشی ایوولیوشن کی کاٹ کر ۹۹۴ چتریگیاں انسان کی پیدائش کے وقت سے میعاد قیام عالم کہ مانی گئی ہیں۔ اس ۹۹۴ کے ۱۴×۷۱ کے دو جزو ہو سکتے تھے۔ اس لئے ۱۴ منونتر قیام عالم کے مانے گئے۔ اور ہر منونتر کو ۷۱ چتریگیوں کا سمجھا گیا۔ پس ویدک ساہتیہ میں نہ صرف پیدائش عالم کو مانا گیا ہے۔ اس کے متعلق تمام لوازمات کا بھی صاف بیان کیا گیا ہے۔ اور پیدائش کی ترتیب اور میعاد پیدائش وقیام کا بھی

۶۷۔ قرآن میں ویدک علم پیدائش کی تصدیق !!

وید میں ستیہ (پرکرتی) سے پیدائش کہی۔ تو قرآن میں ہے خدا نے آسمان کو اور زمین کو حق یعنی مادہ کی حقیقی ہستی سے پیدا کیا ہے۔ نحل۔ ۳۔ (۲)

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے دیو۔ پرتھوی اور انترکھش کے تینوں لوکوں کو حق (ستیہ یا مادہ) سے ہی پیدا کیا ہے۔ سورۃ الروم۔ ۸۔ (۳)

جہاں وید نے سروہت یا معبود کل پریشور کو فعل پیدائش کا فاعل قرار دیا۔ وہاں قرآن نے فرمایا جس طرح ہم

-۱ तस्माद्वा एतस्मादात्मन आकाशः सम्भूतः। आकाशाद्वायुः। वायोरग्निः।
अग्नेरापः। अद्भ्यः पृथिवी। पृथिव्या ओषधयः। ओषधीभ्योऽन्नम्। अन्नाद्रेतः।
रेतसः पुरुषः। स वा एष पुरुषोऽन्नरसमयः।

(۱) خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔

(۲) اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

نے پہلی یا سابقہ پیدائش کی تھی۔ اسی طرح ہم نے پھر کی ہے۔ یہ پلا اسوجاؤ ہے۔ تحقیق ہم فاعل ہیں۔ اس آیت میں
کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وید کے الفاظ یتھا پوروم اکلپیت کی جگہ ہیں۔ انبیاء-۴-۱ (۱)

وید میں انسان کی پیدائش زمین کی پیدائش ہوتے پر بتائی ہے۔ اور زمین کی پیدائش سلل سے شروع ہوئے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ کیونکہ اس کے آگے بنسپتی وغیرہ کی پیدائش کا جو یا سلسلہ چلا۔ اس کا تعلق روح سے ہے۔ سورۃ المومنون آیت ۱۲ میں کہا ہے۔

ہم نے انسان کو سُلالہ سے سلسلہ شروع کر کے مٹی سے پیدا کیا۔ (۲)

سورۃ الحجر آیت ۲۸ میں کہا۔ "تیرے خدا نے فرشتوں (مخلوق دیوتاؤں) کو کہا۔ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ صلصال سے بناتے بناتے آخر اسے پاک مٹی سے پیدا کروں گا۔ (۳)

یہ سُلال یا صلصال کے الفاظ محض سِلل لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہیں۔ آنحضرت کے دیا کھیان چونکہ کوفی زبان میں نوٹ ہوتے تھے۔ جس میں نہ اعراب تھے نہ نقطے۔ اس لئے موجودہ عربی رسم الخط میں الفاظ کو منتقل کرتے اور اعراب اور نکتے لگاتے ہوئے ایسا ردوبدل ہونا معمولی بات ہے۔ الفاظ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ اور مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ پر معمولی سا غور کیا جاوے۔ تو یقین ہوتا ہے۔ کہ دو بار مِن کا لفظ آنا سلسلہ کے آغاز اور انجام کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔

سُلٰلہ کے معنے لغت میں یہ ہیں۔ نُطفہ۔ بچہ۔ وہ چیز جو کسی سے کھینچی جائے۔ یعنی خلاصہ یا ست۔ اور عام طور پر اس سے مٹی کا ست مراد لیا جاتا ہے۔ اصل ست تو مراد مٹی کی لطیف حالت ہے۔

جیسے ستیہ اور حق پہلے کہا گیا ہے۔ تاہم عام طور پر یہ لطافت مدنظر نہیں رکھی جاتی۔ اور نُطفہ یا ویریہ کو مٹی کا ست مانا جاتا ہے۔ اور یہی سَلَل لفظ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ لیکن سورۃ السجدہ آیت ۸ میں سُلالہ اور ماءٍ مَّھِیْنٍ دو جدا لفظ ہیں۔ چونکہ ماءٍ مَّھِیْن کے معنے نطفہ یا ویریہ کے ہیں۔ اس لئے سَلَل کے یہ معنے ہو نہیں سکتے۔ ایسا ہوتا تو ایک ہی لفظ کافی تھا۔ اگر کہا جاوے۔ کہ دوسرا لفظ پہلے کی توضیح کرتا ہے۔ تو سوال ہوگا۔ کہ کیا سورۃ المومنون آیت ۱۲ میں مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ میں طِین کو سُلال کی توضیح مانوگے۔ اور اگر ایسا مانا جاوے۔ تو ماءٍ مَّھِیْن اور طین کا ایک ہی مفہوم ہوگا۔ لیکن طین مسلمہ طور پر مٹی ہے۔ اور ماءِ مھین نطفہ یا ویریہ۔ پس یہ دونوں یقیناً ایک نہیں۔ مٹی کے بعد نباتات ہے۔ اور نُطفہ نباتات کے بھی بعد ہے۔ لیکن سُلٰلہ نباتات سے بھی پہلے ہے۔

پس سُلٰلہ نباتات اور مٹی سب کی پہلی حالت ہے۔ اور وہ اصل جوہر جس سے آخر مٹی بھی بنتی ہے۔ اور پھر ہوتے ہوتے نُطفہ یا ویریہ بنتا ہے۔ پس صحیح پوزیشن قرآن کی ظاہر ہے۔ اور سُلٰلہ لفظ کی حقیقت وہی ہے۔ جو رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۲۹ منتر ۳ میں ناقابل فہم سِلل کی ہے۔ یہ الفاظ دیگر سُلٰلہ اور صلصال وید کے لفظ سلل کے ہی مصدق ہیں۔

صلصال کے معنے عموماً کالا اور سڑا ہوا گارا ہی کیا جاتا ہے۔ سورۃ الحجر آیت ۲۸ میں صلصال کے ساتھ

۱- کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ ط وَعْدًا عَلَیْنَا ط اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ ط

۲- وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ۔

۳- وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

دوسرا لفظ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہے۔ اور جہاں سُلٰلہ کی جگہ صلصال ہے۔ وہاں طین کی جگہ یہاں یہ لفظ ہے۔ گویا طین اور حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہم معنے ہیں۔ اور سوکھا کھنکھناتا گارا اس سے مراد لیا جاتا ہے۔ کالا۔ سڑا ہُوا۔ بدبودار۔ کھنکھناتا وغیرہ الفاظ گارے کے ساتھ لگا کر اور اس سے حضرت انسان کی پیدائش بتا کر انسانی جسم کی علت کو حقیر چیز بنایا جاتا ہے۔ اور ماءِ مھین سے پیدائش انسان کہی۔ تو اس کے معنے حقیر پانی کر دیا ہے۔ لفظ مھین کو اہانت سے ماخوذ سمجھا گیا۔ حالانکہ اس کی اصل صحیحاً سنسکرت کا مہان لفظ ہے۔ بمعنے بڑا بزرگ اور چونکہ ویریہ انسانی جسم میں سب سے اعلےٰ یا آخری اور ساتویں قیمتی دھاتو ہے۔ اس لئے مہان شکتی یا اعلےٰ طاقت ویریہ سے اس کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور اسی اعلےٰ ترین رقیق جوہر کو ماءِ مھین قرآن میں کہا گیا ہے۔

قرآن کا لفظ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ بہ بودار گلی سڑی مٹی یا کھنکھناتے گارے میں لے کر علماء اسلام نے ہمیں مرحوم پنڈت لیکھرام جی کے بیان کردہ ایک لطیفہ کی یاد دلائی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ

" جب تک یہاں کے لوگ ایک ایشور کے اپاسک عالم اور نیک چلن رہے۔ تب تک یہاں کے لوگ آریہ کہلائے۔ اور ملک کا نام آریہ ورت رہا۔ اور جب یہاں کے لوگ گر گئے۔ اور خلاف وید اعمال کرنے لگے۔ جو آریوں کے لئے غیر موزوں تھے تب لوگ ہندو کہلائے اور ملک کا نام ہندوستان ہُوا۔

گویا انصاف الٰہی کے مطابق نام وغیرہ بھی بدل جاتے ہیں۔ یہی قانون قرآن کی مذکورہ بالا اصطلاحات کے موجودہ مفہوم میں کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب تک لوگ برہمچریہ کا خیال رکھتے ہیں۔ اور محض صحت اور طاقت والی نیک اولاد پیدا کرنے کے لئے شادی اور صحبت کرتے ہیں۔ تب تک ماءِ مھین کا مفہوم اعلےٰ ترین رقیق جوہر یا نہایت طاقت والا پاک نطفہ ہوتا ہے۔ اور جب جنسی تعلقات کی پاک صورت بھول کر شہوانی جذبات ہی انسان کا مطلوب ہوتے ہیں۔ تب انسان ہی ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔ اس کا ماحصل نطفہ بھی حقیر پانی کہانے لگتا ہے۔

ایسا ہی حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے معنے ہیں۔ سنت کی گئی مٹی۔ سنت سے مراد ویدک لفظ سنسکار کی ہے۔ تمام برائیوں کی آلائش سے پاک کر کے کسی چیز کو اس کی نہایت پاک اور مفید صورت میں لے آنا سنت کرنا ہے۔ جیسے ہم سنسکرت کہتے ہیں۔ یعنی سنسکار کیا گیا۔ اس پاک ذات پرمیشور نے دنیا کو نہایت پاک حالت میں بنایا۔ سطح سمندر سے نہایت پاک زمین برآمد ہوئی۔ اس زمین پر ورشا یعنی بارش کے ذریعے پاک ذرات نازل ہو کر اس کی طاقت کو بڑھاتے رہے اور جب انسان جیسی پاک ترین اور اعلےٰ ترین ہستی کے شان کے لائق قالب تیار ہونے کی اس میں انتہائی پاکیزگی اور صلاحیت ہوئی۔ تب اس سنسکار یا سنت کی گئی مٹی سے انسانی قالب تیار ہوئے۔ انسان کی اصل عظمت کا جب تک علم رہا۔ تب تک انسانی قالب کی عجیب و غریب خوبیاں ہمارے سامنے رہیں۔ اور جب ہمارے علم پر جہالت غالب ہوئی۔ تو بدبودار گلی سڑی مٹی کو آدم انسانوں کی قالبوں کی علت مانا گیا۔ سورۃ النساء آیت ۱ میں ہے۔

" اے انسانو! اپنے خدا سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ پہلے اس سے اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ اور جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں (۱)

۱۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ع

یہاں عورتوں کے حقوق کی مساوات واضح کرتے ہوئے بنیاد دونوں کی ایک ہی مادہ پر رکھی ہے۔ اور ویدمیں جو بہت سے مرد اور عورتیں ابتدا میں جوان حالت میں پیدا ہونے کا بیان ہے۔ اس کی تصدیق بھی کی گئی ہے۔ وید اور منوسمرتی وغیرہ میں یہ کہا ہے۔ کہ پہلے پرکرتی سے پرش (نر) اور استری (مادہ) شکتی کا ظہور ہوا۔ اسی طرح یہاں بھی جوڑا مانا گیاہے۔

نفس واحد سے مراد ایک انسان بنام آدم کی نہیں۔ کیونکہ قرآن میں بہت سے انسانوں کی پیدائش مذکور ہے۔ سورۃ الانعام کی آخری آیت میں ہے "وہی خدا ہے۔ جس نے تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر درجہ کے لحاظ سے فوقیت دے رکھی ہے۔ تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق تمہاری آزمائش ہو جائے" (۱)

گویا ایک انسان خلیفہ نہیں کل انسان خلیفہ ہیں۔ سورۃ الحجر آیت ۲۸ و ۲۹ میں آدم کی جگہ بشر کا لفظ ہے (اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا) پس آدم اور بشر کا مفہوم ایک ہے۔ اور حسب قول سرسید احمد خاں صاحب فی الحقیقت اس سے انسانی جماعت مراد ہے۔

سورۃ الحجر کی ۳۳ آیت میں شیطان کا سجدہ سے انکار کرنا مذکور ہے۔ اور کہا ہے۔ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ شیطان کہتا ہے۔ میں بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ اس سے بھی انسان کی نوعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

وید میں جو کارن اور کاریہ یا سوکھشم اور ستھول کے لفظوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی جگہ قرآن میں عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کا لفظ موجود ہے۔

وید میں جوڑا بنانے کی غرض محدود اور مرکب الخطا انسان کے لئے آرام۔ اطمینان اور راحت کا دینا ہے۔ بہدارنیک اُپ نشد ادھیائے ۱ برہمن ۴ میں کہا ہے۔ کہ پہلے ایک آتما یا پرانی ہوا۔ وہ اکیلا ہونے سے ڈرا۔ مگر یہ سوچ کر کہ دوسرا ہے نہیں۔ تو ڈر کس کا۔ وہ بے خوف ہوا۔ مگر وہ خوش نہیں تھا۔ اس لئے دوسرا فرد پیدا ہوا۔

اس امر کی مزید توضیح کے لئے بعد میں کھول ہی دیا ہے۔ کہ پہلا فرد مرد تھا تو دوسرا فرد عورت ہوئی۔ پہلا گھوڑا تھا تو دوسرا گھوڑی ہوئی۔ گویا تمام جانداروں کے جوڑے ہوئے۔ نہ یہ وجہ کسی خوف کے بلکہ خوشی اور راحت و اطمینان کے لئے۔ ہو بہو یہی مدعا اس آیت میں موجود ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا

وہی خدا ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ تاکہ اسے تسکین یا راحت ملے۔

سورۃ یٰسین آیت ۳۶ میں کہا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ

پاک ذات ہے۔ وہ خدا جس نے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں۔ نباتات ارضی سے۔ ان کی اپنی اپنی جنس سے اور اس چیز سے جس کو لوگ نہیں جانتے۔ چونکہ ویدک سدھانت کے مطابق پرتھوی کے بعد نباتات کی پیدائش ہوتی ہے۔ یا ان کی اور

۱- وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اُنّ سے ویریہ ہوتا ہے۔ جس سے انسان وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن اسکا کی تصدیق کرتا ہے۔ جب انبتت الارض سے جوڑوں کی پیدائش مانتا ہے۔ اگر یہ فلاسفی ٹھیک ہوتی۔ کہ پہلے ایک آدم ہوا۔ اور اس کی پسلی سے حوا ہوئی۔ تو نباتات ارضی سے اس کا جوڑا بننا نہ لکھا جاتا۔ اسی طرح انسان انسان سے گھوڑا گھوڑے سے گیہوں گیہوں سے اور جو جو سے پیدا ہونے کا اصول بھی مسلمہ ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اپنی اپنی جنس سے اور چونکہ اصل علت مادہ یا پرکرتی کا انسان کو احساس نہیں۔ اس لئے مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ کہہ کر وید کے لفظ اپرکیت اَدِ گییہ کی تصدیق کی گئی ہے۔

یہ امر کہ نر اور ناری ابتدا میں جوان حالت میں ہوئے۔ اتھروید کانڈ ۱۱ سوکت ۸ منتر ۱۲ و ۱۳ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ (۱)

جن میں ابتدائی پیدائش کے متعلق قانون بتایا گیا ہے۔ کہ پہلے قالب انسانی کا ڈھانچہ پرتھوی ماتا کی گود میں تیار ہوتا ہے۔ اور جب معقول ترکیب سے بال ناڑی نس۔ ہڈی دوسرے جوڑ رگ پٹھے مانس وغیرہ کے عناصر خمسہ سے بننے پر جسم مکمل ہوتا ہے۔ تب اس میں آتما داخل ہوتا اور جیتا جاگتا انسان قائم یا کھڑا ہوتا ہے۔

قرآن اس کی تصدیق آیت ۲۸ و ۲۹ سورۃ الحجر کے ان الفاظ میں کرتا ہے۔

تیرے رب نے فرشتوں کو کہا۔ میں انسان کو صلصال والے سلسلے میں بنی ہوئی پاک مٹی سے پیدا کرونگا۔ سو جب میں اسے مکمل کر چکوں۔ اور اس میں اپنے روح کو داخل کر دوں۔ تم اس کے آگے سربسجود گرو۔ یعنی اس کے تابع ہوگے (۲)

اس میں ہو بہو وید کے مذکورہ بالا منتروں کا مدعا مذکور ہے۔ کہ پرتھوی ماتا کی گود میں قالب انسان کا ڈھانچہ تیار ہوتا۔ اور روح کے اس میں داخل ہونے پر وہ جیتا پرانی ہوتا ہے۔

وید اور قرآن دونوں میں انسانی جسم کے مکمل ہونے کا بیان ایک ہی ہے۔ اور اس کا مطلب جوان حالت کے بنا ہو نہیں سکتا۔ جہاں اس آیت میں قانون بتایا ہے۔ وہاں دوسری آیت میں اسی کو عملی طریق قرار دیا ہے۔

سورۃ السجدہ میں کہا ہے۔ خدا ہی احسن الخالقین ہے۔ وہ انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کرتا ہے۔ اور اس کی نسل کو سلال سے شروع ہوئے سلسلے میں آخر ویریہ یا نطفہ سے چلاتا ہے۔ اس کے آگے کہا ہے۔

پھر اس کو مکمل کیا۔ اور اس میں اپنی ملک روح کو داخل کیا۔ جس سے تمہارے لئے کان۔ آنکھ اور دل کام کرنے لگے۔ پھر بھی تھوڑے ہی ہیں۔ جو اس کا شکر کرتے ہیں۔ (۳)

۱۔ कुतः केशान् कुतः स्नाव कुतः अस्थीन्या भरत्।
अङ्ग पर्वाणि मज्जानं को मांस कुत आभरत् ॥ १२ ॥
संसिचो नाम तेदेवा ये संभारान्त्स मभरन्।
सर्व संसिच्य मर्त्यं देवाः पुरुष माविशन् ॥ १५ ॥

۲۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝

۳۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

غرضیکہ پیدائش عالم کے متعلق قرآن ہر پہلو میں ویدک تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔
علم یا الہام الٰہی کے ظہور کی بات باقی ہے۔ سو اسکو بھی قرآن ہُوبہُو وید کے مطابق بیان کرتا ہے۔
سورۃ البقر آیت ۲۱۳ میں کہا ہے۔ کہ تمام انسانوں کی ایک ہی اُمت ہے۔ خدا نے نبی یا رشی لوگ مبعوث فرمائے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے گیان کی کتب ظاہر کی تھیں۔ (۱)
گویا آغاز عالم کے رشیوں کے ظہور کے ساتھ ہی الہام ہُوا
پھر جس طرح سوامی دیانند نے لکھا ہے۔ کہ الہام الٰہی کے ذریعے ملا جو سب سے زیادہ قابل انسان تھے۔ اسی کے مطابق سورۃ النحل آیت ۲ میں قرآن فرماتا ہے۔
وہ پرمیشور ان فرشتوں (رشیوں) کے روح (آتما) میں اپنے علم کا ظہور کرتا ہے جنہیں وہ اپنے بندوں میں سے چاہتا (قابل جانتا) ہے۔
باقی رہی ایک بات زمانہ قیام پیدائش کی سو وہ بھی ہوبہو وید والی ہی قرآن میں مذکور ہے۔
وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ
یعنی تیرے رب والا یا برہم دن ان ہزار زمانوں کا ہے جو تم نے گنتی کر رکھے ہیں
یہ ہم دفعہ ۱ میں واضح کر چکے ہیں۔ کہ وید میں قیام عالم کی جو میعاد بتائی ہے۔ اسے رشیوں نے ہزار چتر یگیوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی برہم دن ہزار چتر یگیوں کا ہے۔ سو وہی ہزار زمانے انسانی حساب والے یہاں کہے ہیں۔ نہ صرف قیام عالم کی۔ فنائے عالم والی میعاد بھی یہی لکھی ہے۔ وید میں برہم دن کے برابر ہی برہم راتری ہے۔ سو قرآن میں بھی اتنی ہی میعاد لیلۃ القدر یا برہم راتری کی ہے۔
سورۃ السجدہ آیت ۶۔ وہ خدا آسمان (دیولوک) سے زمین (پرتھوی لوک) تک کل نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات اس کے حضور میں اس زمانہ کے لئے نہاں ہو جاتی ہے۔ جو تمہارے شمار کردہ ہزار زمانوں کا ہے

۶۷۔ باریک رموز

قرآن میں کئی سورتوں میں ایسی آیتیں ہیں۔ جن کے دو معنے الفاظ پیدائش عالم کا مطلب بھی رکھتے ہیں۔ اور پیدائش انسان کا بھی۔ ان کی توضیح اپنے اپنے موقعہ پر آئے گی یہاں سورۃ الفجر اور سورۃ القدر کی کچھ آیتوں کی طرف اشارہ دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو پیدائش عالم کے متعلق محض ویدک اصول کی تائید کرتی ہیں۔ سورۃ الفجر کی پہلی چار آیتیں حسب ذیل ہیں۔
وَالْفَجْرِ ۱۔ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۲۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳۔ وَاللَّیْلِ اِذَا یَسْرِ
اس میں فجر کے معنے انسانی دن کی صبح نہیں۔ بلکہ برہم دن والی اُوشا ہے۔ اور لَیَالٍ عَشْرٍ سے مراد ہماری بارہ بارہ گھنٹے کی دس راتیں نہیں۔ بلکہ الہامی علم کے ملنے یا کاروبار عالم کے جاری ہونے سے پہلے کے دس پدارتھ ہیں۔ جن کو تم یا تاریک حالت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے وبلوہار نہ ہونے کی حالت میں امت یا نیستی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی پیدائش سے پہلے کی مخلوق دنیا کے لئے دس تاریکیوں یا راتوں کا لفظ ہے۔ ست۔ رج۔ تم۔

۱۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ط

بدھی۔ من۔ آکاش۔ ہوا۔ آگ۔ جل۔ پرتھوی۔

اسی طرح شفع اور وتر جس کا ترجمہ جفت اور طاق کیا جاتا ہے۔ دراصل ترکیب اور جدائی یا سنیوگ اور ویوگ کے لئے ہیں۔ اور گذرنے والی رات سے مراد برہم راتری ہے۔ جیسے وید کے منتر میں کہا کہ گیان اور پرکرتی سے ابھید ہاتپ کا ظہور ہونے پر برہم راتری کی تمیز ہوئی۔ ویسے ہی یہاں کہا ہے۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۔ ثبوت اس امر کا کہ فجر سے مراد آغاز پیدائش کی ہے۔ سورۃ القدر میں ملتا ہے۔ اس میں صاف لکھا کہ فرشتے (مادی علتیں) اور ارواح خدا میں لین ہو جاتے ہیں۔ اور فجر کے طلوع ہونے تک اس میں سلامت رہتی ہیں۔ معمولی سا غور بھی فجر لفظ کی حقیقت کو واضح کر سکتا ہے۔

اس سورۃ میں کہا ہے۔ کہ لیلۃ القدر ہزاروں مہینوں سے بڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسلامی فرقے جو ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان کو شب قدر کہہ رہے ہیں۔ من مانی افتراع کر رہے ہیں۔ ہزاروں مہینوں سے بڑی رات کو ۱۲ گھنٹے والی رات سمجھنا صریح غلطی ہے۔

وید میں پرش سوکت کا پہلا منتر ایشور کو ہزاروں سر۔ ہزاروں آنکھ اور ہزاروں پاؤں والا کہتا ہے۔ اور اس سے مراد اس کی غیر محدود طاقتوں کا اشارہ دینے سے ہے۔ یعنے ہزاروں مہینوں سے بڑی رات درحقیقت ۴ ارب بتیس کروڑ سال کی برہم راتری ہے۔

سورۃ الفجر کی پانچویں آیت میں کہا ہے۔ دیکھو اس میں (برہم راتری کے بعد ہونے والی پیدائش میں) اہل عقل کی قسمت کھلتی ہے۔ مدعا یہ کہ علم الٰہی پر عمل کرنے والے لوگ برہم دن میں اعلےٰ مدارج پر پہنچتے ہیں۔ دوسری جگہ میں کہا ہے۔ کہ پیدائش عالم سے خدا کی غرض یہ ہے۔ کہ نیک لوگوں کو جزا یا اچھا صلہ ملے۔ اسی کو یہاں ان الفاظ میں کہا ہے۔

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ

مفسر صاحبان نے قسمت یا بھاگ سے تعلق رکھنے والے لفظ "قسم" سے قسموں یا سوگند کی مراد لینے میں غلطی کی ہے۔ کہاں صدق مجسم ذات باری اور کہاں جھوٹوں کا قسموں والا ہتھیار۔ اسی طرح لَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد کوئی حج کے ختم کی دس راتیں لیتا ہے۔ کوئی عشرہ محرم کی کوئی بقرعید کی دس راتیں۔ اور لیلۃ القدر کو کوئی ۲۳ ماہ رمضان کی رات کہتا ہے کوئی ۲۷ رمضان کی اور کوئی شب معراج۔

لَيَالٍ عَشْرٍ سے اشارہ دسوں سمتوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ وید کے پرش سوکت کے پہلے منتر میں جو یہ کہا ہے۔ کہ وہ پرش بھومی کو سب طرف سے احاطہ کرتا ہوا तिष्ठद्दशांगुलम् دس دشاؤں میں ویاپک ہے۔ اس کے مطابق اس آیت میں دسوں سمتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ کہ ہر طرف سنیوگ اور ویوگ کا عمل شروع ہوا۔ یا شفع اور وتر کے معنے جیو اور پرکرتی اور ایک ایشور ہو سکتا ہے۔ سو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۃ الفجر میں پرمیشور کی رچنا اور اہل علم و عقل کی قسمت کھلنے کا ذکر کر کے عاد اور ثمود کی مثال سے عبرت پکڑنے کی ہدایت دی ہے۔ اور اخیر میں نفس لوامہ کو نفس مطمئنہ بننے پر مبارکباد دی ہے۔ کہ

اے روح مطمئنہ (شانت گیانی آتما) اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

پس سورۃ کا مدعا یہ ہے۔ کہ یہ مخلوق جہاں انسان کو جنت کا حقدار بننے کا موقعہ مہیا کرتا ہے۔

۶۷/۱۔ ازالۂ اوہام

قرآن کی جو پوزیشن پانچویں و چھٹے باب میں ہم نے واضح کی ہے۔ اس کے خلاف علماء اسلام نے جو حدوث روح و مادہ کے خیال کو صحیح سمجھا ہے۔ وہ محض خاص غلط فہمی و غلط استدلال پر مبنی ہے۔ قرآن سورج اور سایہ کی مثال سے سمجھاتا ہے۔ کہ جتنا دور کوئی سورج سے ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اتنا ہی لمبا ہوتا ہے۔ اور جتنا نزدیک ہوتا ہے۔ سایہ کم ہوتا ہے۔ حتےٰ کہ سمت الراس پر جب سورج آتا ہے۔ سایہ مفقود ہو جاتا ہے۔ سو وید یا ایشوری گیان سے تعلق کم ہونے کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ کہ مختلف لوگوں میں مختلف اصولوں کے مختلف مفہوم ہو گئے ہیں۔

(۱) نیستی یا عدم کا لفظ وید کے است لفظ کا قائمقام ہے۔ جس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ معلول شے نہیں۔ ست کا لفظ چونکہ حالت معلول والی اشیا پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے جب کوئی شے اپنی لطیف علت کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ تب وہ اندریوں کے احساس میں نہ آنے سے است کہلاتی ہے۔ اور پیدائش سے پہلی حالت میں چونکہ ست نام مادی علت کا ہے۔ اس وقت اس کے مقابلے پر آکاش کا لفظ است سے مفہوم لیا جاتا ہے جو موجودہ زمانے میں آکاش اور مادی علت دونوں کا علم عام نہ ہونے سے خیال ہو گیا ہے۔ کہ نیستی یا عدم نفی مطلق ہے۔ حالانکہ سائینس بھی زور سے کہتی ہے۔ کہ بغیر علت کے معلول کا ہونا ناممکن ہے۔

قرآن میں غیب کا لفظ ہے۔ خدا کو عالم الغیب کہا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ لطیف مادہ اور ارواح و ذات باری غیب ہیں۔ اور عالم الغیب خدا کو ہی ان کا علم ہے۔ اسی طرح شاستر میں کہا ہے۔ کہ عالم لوگ پروکھش (غیب) کے پیارے ہیں۔ اور پرتیکھش (ظاہر) سے ان کو کنارہ ہے۔ نہ صرف قرآن اسلام کا بعد کا لٹریچر مثل مذاہب الاسلام وغیرہ اس امر کا گواہ ہے۔ کہ اشیاء تغیر پذیر ہیں۔ کبھی وجود میں آتی ہیں۔ کبھی عدم کو جاتی ہیں۔ اور عدم کا مطلب یہ ہے۔ کہ ماہیت تو قائم رہے۔ مگر وجود نہ رہے۔ پھر سارے معتزلہ سوائے کعبی۔ ابو الہذیل اور ابو حسین بصری کے یہ کہتے ہیں۔ کہ معدوم بھی ایک شے ہے۔ جو وجود ملنے پر موجود ہو جاتی ہے۔ پس لکڑی کا جل کر دھوئیں کی صورت میں اور پانی کا اڑ کر بخارات کی صورت میں جانا روز کے مشاہدہ میں آ رہا ہے است دنیت ہو جانا

۲۔ قرآن میں خدا کے لئے خالق کل شئی کا لفظ پڑھ کر یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ اس نے روح اور مادہ کو بھی پیدا کیا ہے۔ حالانکہ خالق کے معنے کہیں بغیر علت کے پیدا کرنے والا نہیں۔ بلکہ غیر مخلوق یا پوشیدہ شے کو مخلوق یا ظاہر کرنا ہی خالق کا کام ہے۔ وید میں اسی لئے مادی علت کو اسمبھوتی (غیر مخلوق) اور معلول دنیا کو سمبھوتی (مخلوق) کہا ہے۔ اور قرآن میں بھی خدا کو پوشیدہ چیز کو ہی ظاہر یا پیدا کنندہ کہا ہے۔

۳۔ علماء اسلام کے اندر خدا کی وحدت کا جو جذبہ قرآن نے بھرا اور اسے شرک سے بالاتر ذہن نشین کیا۔ تو اس کے زیر اثر یہ خیال ہوا۔ کہ روح اور مادہ کے قدیم ہونے کی صورت میں وہ خدا کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر ساتھ ہی یہ سوچا جاتا کہ اگر موجودہ حالت میں روح اور مادہ اور مخلوق دنیا کے ہوتے ہوئے خدا کی ذاتی صفات میں کوئی اس کا مثل یا شریک نہیں۔ تو روح اور مادہ کے پیدائش سے قبل موجود مانا جانے میں وہ خدا کے شریک کیسے ہو سکیں گے۔ ملک میں بادشاہ ایک ہے۔ اور ضلع میں ڈپٹی کمشنر ایک۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وزیر اور فوج اور پولیس و رعیت کو پادشاہ کے ساتھ ماننے سے وزیر وغیرہ پادشاہ کے اور تحصیلدار۔ تھانے دار و دیگر اہلکار ڈپٹی کمشنر کے ماتحت ماننے سے یہ سب ڈپٹی کمشنر کے شریک ہو جائیں گے۔ بلکہ حق پوچھو تو وزیر وغیرہ کے ہونے سے ہی پادشاہ کی اور

تحصیلدار وغیرہ کے پہولے سے ہی ڈپٹی کمشنر کی اصل بڑائی ہے۔

۴۔ خدا کو قادر مطلق مانا گیا۔ تو اس سے یہ اخذ کیا گیا۔ کہ اگر خدا روح اور مادہ کو پیدا نہ کرے۔ یا بغیر روح اور مادہ کے دنیا کو پیدا نہ کر سکے۔ تو اس کا قادر مطلق ہونا بے معنے ہوگا۔ لیکن خدا کو قادر مطلق کہنے کی نوبت آہی تب سکتی ہے۔ جب روح اور مادہ جیسے محدود الطاقت یا بے طاقت پدارتھ موجود ہوں۔ اور چونکہ محدود العلم انسان کا غیر محدود لفظ بھی محدود المعنیٰ ہونا لازمی ہے۔ اور قادر مطلق لفظ کا بھی مفہوم محض خدا کی ذاتی صفات اور اس کے عمل سے ہی مخصوص ہوگا۔ اس لئے جو صفات غیر خدا کی ہیں۔ یا جو انسان کے کام ہیں۔ وہ خدا سے قادر مطلق لفظ کی آڑ میں منسوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ نقصوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔

۵۔ اسی طرح خدا کا مالک اور حاکم ہونا اس معنے میں لیا گیا۔ کہ خدا روح اور مادہ کو پیدا کرے۔ ورنہ اس کا حق ملکیت بے معنے ہے۔ اور قبضہ جابرانہ اور ظالمانہ۔ لیکن اگر حیوانات کی پرورش کر کے ان سے سواری یا باربرداری کھیتی اور دودھ وغیرہ کے متعلق خدمت لینے والا انسان جابر اور ظالم نہیں۔ ایک شخص کو نوکر رکھ کر اسے تنخواہ اور انعام دینے والا ظالم اور جابر نہیں۔ تو روح سے کچھ معاوضہ نہ لے کر اسے رحم سے تمام پدارتھ دینے والا اور انصاف سے اس کو گراوٹ سے روکنے اور سکھ کی طرف لے جانے والا پرمیشور کس طرح ظالم اور جابر مانا جا سکتا ہے۔ بچہ ماں کی گود کی اور لپک رہا ہے۔ فقیر دولتمند کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو رہا ہے۔ شاگرد۔ گورو کے چرنوں میں پہنچنے کے لئے بے تاب ہے۔ تو مادہ کو گوناگوں اعلےٰ صورتیں دینے اور روح کے دکھ دور کرنے والے پرمیشور کے چرنوں میں آنکلے انسان پر جابرانہ و ظالمانہ قبضہ کے الفاظ خدا کے لئے کس طرح موزوں ہو سکتے ہیں۔

۶۔ روح اور مادہ کو واجب الوجود سنکر ایک نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے۔ کہ خدا کی پھر ضرورت ہی کیا ہوگی۔ لیکن اگر یہ امر صحیح ہے۔ کہ لکڑی کو پیدا نہ کرنے اور نہ کر سکنے والے بڑھئی کے بغیر لکڑی کا کچھ بن نہیں سکتا۔ سونے کو نہ پیدا کرنے پر بھی سنار اس سے اپنے حسب منشا زیور بناتا ہے۔ اور چمڑا کبھی موچی کو جوتا بنانے سے نہیں روکتا۔ تو خدا کی پیدائش کے لئے عدم ضرورت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ پس روح اور مادہ کے وجود سے ہی تو خدا کی ہستی کی ضرورت ہے۔ روح میں علم نہیں۔ اس کی یہ کمی کیسے پوری ہو۔ طاقت نہیں۔ راحت نہیں۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے محتاج روح کی حاجت روائی کے لئے خدا کی ضرورت مسلمہ ہے۔ اور مادہ تو محض فضول اور غیر کارآمد رہے۔ اگر خدا نہ ہو۔

۷۔ اعتراض ہوتا ہے۔ کہ اگر روح ازل سے ہے۔ تو اب تک اسے غیر محدود علم اور تجربہ ہوتا لیکن فطرتی محدودیت روح سے الگ ہونی ناممکن ہے۔ کیا آگ نے آج تک اتنی بارشیں ہونے پر بھی اپنے جلانے کے سبھاؤ کو چھوڑا؟ اور ویسے انسانوں میں جس قدر علوم مروج ہیں۔ ان کے حساب سے انہیں غیر محدود علم کا ملنا مانا بھی جا سکتا ہے۔ ہر انسان کو کوئی سا بھی علم چاہو۔ سکھا سکتے ہو جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر علم کے سنسکار اس کے اندر موجود ہیں۔ جو تعلیم دینے سے ابھر آتے ہیں۔ اشاعت علم میں یہ اصول مسلمہ ہے۔ کہ استاد باہر سے کچھ شاگرد کے اندر داخل نہیں کرتا بلکہ اس کا پڑھانا مضمون متعلقہ کے دبے ہوئے سنسکاروں کو سطح پر لے آتا ہے۔

۸۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ محدود حادث ہوتا ہے۔ لہذا روح اور مادہ حادث ہیں۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ ازلیت کا تعلق زمانہ سے ہے۔ نہ کہ صفات سے۔ اور کیا بادشاہ اگر رعیت کی آزادی یا اس کے اختیارات کو محدود کرتا ہے۔ تو وہ اس کا پیدا کنندہ ہے۔

۹- ایک اعتراض یہ کیا گیا۔ کہ اگر خدا نے روح کو پیدا نہیں کیا۔ تو نہ روح کو اس سے محبت ہونی چاہئے۔
نہ خدا کو اس پر رحم۔ لیکن ہزاروں دوست ایک دوسرے کے لئے لاکھوں لوگ اپنے بادشاہ کے لئے جان دیتے
دیکھے جاتے ہیں۔ خاوند اور عورت کا پریم ضرب المثل ہے۔ حالانکہ دوست یا بادشاہ یا خاوند نے انہیں پیدا
نہیں کیا۔ ساتھ ہی دنیا میں ان فیاض طبع رحمدل لوگوں کی بھی کمی نہیں۔ جن کے ذریعے لاکھوں بیکس یتیم
بچوں کی پرورش ہو رہی ہے۔ تب کیا خدا ہی ایسا سنگدل ہے۔ کہ اسے اس لئے روح پر رحم نہ آئے۔ کہ اس نے اسے
پیدا نہیں کیا۔

۱۰- یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اگر خدا روح اور مادہ کو لے کر ہی دنیا کو بنا سکتا ہے۔ تو وہ محض ایک بڑھئی ہوا۔ جو بغیر
لکڑی وغیرہ کے میز نہیں بنا سکتا۔ لیکن کیا کبھی دنیا میں کسی بڑھئی نے کبھی اس کہنے پر ہتک عزت کا دعوے کیا
ہے۔ کہ وہ بغیر لکڑی کے میز نہیں بنا سکتا۔ اور پھر معمولی میز کرسی کو چھوڑ کر ریل وغیرہ اور بڑے بڑے بلوں اور کلاکوشل
کو بنا کر اربوں روپیہ کمانے والے اور دنیا میں اعلےٰ عزت پانے والے بغیر مادی سامانوں کے اپنے کام کرتے ہیں؟ تب کیا
تمام سامانوں اور خود ریل اور تار اور کلاکوشل کے موجدوں کو بھی پیدا کرنے والا خدا ہی مادی علت سے پیدا کرنے کی وجہ
سے متہم ہو سکتا ہے۔ (۱۱) یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ خدا اس طرح پیدائش کے کام میں روح اور مادہ کا محتاج سمجھا جائیگا
کیونکہ لفظ محتاج کسی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ خدا کے پاس جب نہ علم کی کمی نہ مادہ کی کمی نہ ارواح کی کمی۔ تو وہ محتاج
کیسے ہوا۔ اپنے کام کے لئے ضروری چیز کا نہ ہونا تو محتاجی ہے۔ لیکن معترض عجیب ہے۔ کہ خدا کے پاس سب کچھ ہونے کو قابل
اعتراض سمجھتا ہے۔ دولت رام نامی غریب شخص کے لئے تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ لیکن اربوں روپیہ جس
دولتمند کے پاس ہوں۔ وہ تو اسم بامسمےٰ ہی سمجھا جاویگا۔ (۱۲) یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ روح اور مادہ کو خدا نے نہیں بنایا۔
ایسا ماننے سے خدا میں ان کا علم ماننا غلط ہوگا۔ لیکن علم ہونے کے لئے تو اتنا معلوم شے کا ہونا لازمی ہے۔ اگر روح وغیرہ
حادث ہوں گے۔ تو خدا کا علم بھی حادث ہوگا۔ اور اگر خدا قدیم ہے۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے۔ تو لازمی طور پر اس کا
علم بھی قدیم اور جن چیزوں کا اس میں علم ہے۔ وہ بھی قدیم ہوں گی۔ (۱۳) انسان کو حادث مان کر یہ دلیل اخذ کرنا بھی صحیح نہیں
کہ جب کل حادث ہے۔ تو روح اور مادہ جن سے وہ بنا ہے۔ وہ بھی حادث ہوں گے۔ لیکن اگر یہ کہا جاوے۔ کہ چونکہ یہ دنیا
حادث ہے۔ اس لئے جس خدا روح اور مادہ کا اس میں تعلق ہے۔ وہ تینوں حادث ہیں۔ تو کوئی آستک اسے قبول نہ کریگا۔
اس دلیل میں وزن تب ہوتا۔ جب جسم میں روح کی تمیز نہ ہو سکتی۔ بلکہ وہ دونوں مل کر ایسے مکسچر کی صورت اختیار کرتے
کہ الگ نہ ہو سکتے۔ لیکن یہاں تو روح اس پرند کی طرح ہر وقت اڑنے کو تیار بیٹھا ہے۔ جو پنجرے میں بند ہے۔ پس
حادث محض جسم ہے۔ اور روح اس سے الگ ہے۔ بہ فرض محال روح کو حادث بھی مان لیں۔ تو دیکھنا ہوگا۔ وہ
بنا کاہے سے ہے۔ اگر خدا سے ہے۔ تو خدا کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آخر کو ختم ہونا ماننا پڑیگا۔ اور اگر مادہ سے ہے۔ تو خدا اس کے بنانے
کے لئے مادہ کا محتاج ہوگا۔ اور اگر نیستی سے مانیں تو یہ ناممکن ہے۔ اور اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پس روح
غیر حادث ہے۔ اور چونکہ مادی اشیاء بھی محض حالت بدلتی ہیں۔ معدوم مطلق نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ لطیف مادہ
بھی جس میں وہ منتقل ہوتی اور جس سے ظاہر ہوتی ہیں غیر حادث ہے۔

ساتواں باب ۔ سورگ اور بہشت یا مکتی اور نجات

۱۔ فریقین کی بھول

بعض ویدک دہرمی عالم لوگ اسلامی بہشت پر کھلی اڑاتے اور اسلام کو نشانۂ اعتراضات بناتے ہیں۔ اور مسلم علما ان کے مقابلے میں ویدوں کے بہشت (سورگ) کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہردو طرف سے زبانی ہی نہیں۔ تحریری مضامین ایک دوسرے کی مخالفت میں شائع ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں درحقیقت ویدک سورگ یا نجات کی ہی فضیلت کا بیان ہے۔ اور ہردو کتب مقدسہ نیک لوگوں کی دنیوی آسائشوں والی نعمتوں کے نکتۂ نگاہ سے سورگ یا بہشت اور روحانی آنند کے لحاظ سے مکتی یا نجات کا لفظ استعمال کرتی ہیں۔ پس اس مضمون کے متعلقہ تقریری اور تحریری باہمی مخالفت تمام تر غور و خوض کی کمی اور اصل حقیقت کے متعلقہ لاعلمی پر منحصر ہے۔ اس باب میں ہم اوّل آیات قرآن مجید سے بہشت اور نجات کے متعلق کچھ آیات پیش کرتے ہیں۔ اور بعد میں ان کے متعلق ویدمنتروں کے حوالہ جات دے کر ہردو کتب کی اصل پوزیشن واضح کرینگے اور ایک جامع بحث اس موضوع پر کریں گے۔ کہ دونوں طرف ایک ہی اصول اور مدعا کام کر رہا ہے۔

۲۔ قرآنی جنّت

قرآن میں بہت سی آیات میں جنّت کا ذکر ہے۔ جس پر دیگر مذاہب کے علما بہت سے اعتراض ہی نہیں کرتے۔ بانی اسلام کے متعلق بھی طعن و تشنیع اور اسلامی تعلیم کے نہایت درجہ اخلاق سے گرا ہونے وغیرہ کے ریمارکس سے کام لیتے ہیں۔ اسلامی بہشت کی حقیقت نام سے خود راقم نے ایک کتاب لکھ کر قرآنی جنت کو ہر لحاظ سے قابل تضحیک ثابت کیا تھا۔ لیکن یہ سب نکتہ چینی وغیرہ قرآنی آیات کے ترجموں اور ان پر کی گئی مفسرین کی حاشیہ آرائیوں پر مبنی تھی یا موجودہ زمانے کے گرے ہوئے مذاق پر۔ ورنہ اصل حقیقت آخر کار محض یہ ثابت ہوتی ہے کہ عربی قرآن میں محض ویدک سورگ یا نجات کو ہی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معمولی سے الفاظ کے مفہوم کو نہ سمجھ کر عالم لوگ غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے۔ کہ اس مسئلہ کو بھی باہمی مغائرت کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے ہم پہلے کچھ آیات قرآنی معہ ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ویدمنتر معہ ترجمہ دیں گے۔ اور بعد میں ان دونوں کی مطابقت واضح کریں گے۔

(۱) سورت بقر آیت ۲۵۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۚ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور بشارت ہو۔ ان کو جو حق کو مانتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب اس باغ کے پھلوں کی نعمتیں ملتی ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ واہ واہ یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ اور متشابہ پھل لائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کے لئے ازواج مطہرہ ہوں گی۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۲) سورہ اعراف آیت ۴۹۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ تم پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔

(۳) سورت توبہ۔ آیت ۲۱-۲۲۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ان کا رب ان کو اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی بشارت دیتا ہے۔ جہاں ان کے واسطے پائدار نعمتیں ہیں۔ ۲۱۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ تحقیق اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔ ۲۲۔

۴۔ سورہ یونس میں نعمتوں والے باغوں اور ان کے متعلقہ نہروں کا ذکر کر کے آیت ۹ میں لکھا ہے
دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
جنتی لوگ جنت میں یہ لفظ بولا کریں گے۔ "پاک ذات ہے تیری اے خدا!" وہ وہاں عرصہ دراز تک قائم رہنے والی بے عیب زندگی گذاریں گے۔ اور ان کا آخری کلمہ یہ ہوگا کہ تعریف ہو رب العالمین کی۔ یعنی وحید ہو وحدہٗ لاشریک لہٗ جگدیشور!

(۵) سورہ ہود آیت ۱۰۸۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

اور جو لوگ نیک بخت ہیں۔ وہ جنت میں ہوں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ سوائے اس کے جو اللہ کے شایاں ہے۔ یہ عطیہ واقعی غیر منقطع ہی ہے۔

۶۔ سورۂ الرعد آیت ۲۱ و ۲۲ میں جنت کے مستحق نیک لوگوں کے اوصاف یوں بیان کئے ہیں۔
اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝
جو لوگ عہد الٰہی کو پورا کرتے ہیں۔ اور اپنے عہد کو توڑتے نہیں۔ ۲۰۔ اور جو لوگ اس چیز کو حاصل کرتے ہیں جس کے حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہوا ہے۔ اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور حساب کی برائی سے ڈرتے ہیں۔ ۲۱۔ اور جو لوگ اپنے رب کی طرف ہی مائل رہتے ہوئے صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور نمازیں پڑھتے اور خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے کیا پوشیدہ کیا علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور بدی کے مقابلہ میں بھی لوگوں سے نیکی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ۲۲

۷۔ سورۂ الرعد آیت ۲۳-۲۴۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَا جِهِمْ

وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝
دار العاقبت وہ باغوں والا جنت ہے۔ جس میں وہ داخل ہوں گے۔ اور ان کے باپ دادوں۔ بیبیوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے۔ وہ بھی اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آکر کہیں گے۔ ۲۳۔ آپ نے جو صبر کیا۔ اس کی وجہ سے یہ سلامتی ہے۔ تمہاری دُنیا کا یہ اچھا انجام ہے۔ ۲۴۔

۸۔ سورۃ الرعد۔ آیت ۳۵۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۝ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۝ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۝ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۝ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝
متقیوں کے لئے جو جنت مقدر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ اس کے تحت میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں کے کھانے یا پھل پائیدار ہیں۔ اور اس کی چھاؤں بھی یہ ہے انجام متقی لوگوں کا۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

۹۔ سورۃ الحجر۔ آیت ۴۵ تا ۴۸۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝
متقی لوگ بس باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ ۴۵۔ وہ حالت اطمینان میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔ ۴۶۔ ان کے سینے میں جو رنجش ہوگی۔ وہ ہم دور کردیں گے۔ وہ بالمقابل حالتِ سرور میں برادرانہ طور پر رہیں گے۔ ۴۷۔ دُکھ انہیں وہاں چھوئے گا بھی نہیں۔ اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ ۴۸۔

۱۰۔ سورۃ النحل آیت ۳۱ میں جنت کے ذکر میں یہ بھی لکھا ہے۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا۔

۱۱۔ سورۃ الکہف آیت ۳۱۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۝ نِعْمَ الثَّوَابُ ۝ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝
وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جاویں گے۔ باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ان کے زیب تن کئے جائیں گے اور وہ تختوں پر تکئے لگائے ہوں گے۔ وہ کیا اچھا معاوضہ ہے۔ اور کیا اچھا ٹھکانہ ہے۔ (سورہ فاطر آیت ۳۳ میں سونے کے کنگن موتی اور ریشمی لباس کا ذکر ہے)

۱۲۔ سورۃ الکہف آیت ۱۰۷ و ۱۰۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝
تحقیق جو لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ ۱۰۷۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور نہ چاہیں گے۔ کہ وہاں سے الگ ہوں۔

۱۳۔ سورہ مریم آیت ۶۰ تا ۶۳۔ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۝ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝
باغوں والا جنت وہ ہے۔ جو رحمان نے اپنے لطیف علم والے (سوکھشم درشی یا پروکھش وادی) بندوں کے

لئے مقدر کر رکھا ہے۔ بے شک قانون الٰہی اٹل ہے۔ ۶۱۔ وہاں بجائے سلامتی والی بات کے کوئی لغویات سننے میں نہ آئے گی۔ اور انہیں صبح و شام ان کا رزق ملتا رہیگا۔ ۶۲۔ اسی جنت کا وارث ہم اپنے اس بندے کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔ ۶۳۔

۱۴۔ سورۃ الفرقان آیت ۷۵، ۷۶۔ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

ان کو ان کے صبر کی وجہ سے اعلےٰ درجہ ملیں گے۔ اور ان میں وہ عرصہ دراز والی زندگی اور سلامتی پائیں گے۔ ۷۵۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ کیا بلند مقام اچھی جائے قرار اور کیا اچھا مقام ہے۔ ۷۶

۱۵۔ سورۃ الروم آیت ۱۵۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝

ایمان لائے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں سرور پائیں گے۔

۱۶۔ سورۃ السجدہ آیت ۱۷۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۝

سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عملوں کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خدا کی قدرت میں نہاں ہے۔

۱۷۔ سورۃ الاحزاب۔ آیت ۴۴ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

جب وہ وصل الٰہی پائیں گے۔ انہیں پُر امن دیرپا زندگی ملے گی۔ اور افضل ترین اجران کا مقدر ہوگا۔

۱۸۔ سورۃ السبا آیت ۳۷۔ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝

جو ایمان لاکر نیک عمل کرے گا۔ اس کو کئی گنا معاوضہ ملیگا۔ بوجہ اس کے اعمال کے اور وہ اس بلند مقام میں امن سے رہیں گے۔

۱۹۔ سورۃ الفاطر آیت ۳۴ و ۳۵۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝

اور کہیں گے۔ تعریف ہو۔ اس خدا کی جس نے ہمارے دکھ مٹا دیئے۔ بے شک ہمارا رب مغفرت اور بڑا قدر کرنے والا ہے۔ ۳۴۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس دار المقام میں پہنچایا۔ کہ نہ اس میں مشقت ہے نہ تکلیف نہ تھکان۔ ۳۵۔

۲۰۔ سورۃ یٰس۔ آیت ۵۵ تا ۵۸۔ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ مُتَّكِــــُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝

بلاشبہ اہل جنت اس دن اپنے شغل میں مسرور ہوں گے۔ ۵۵۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیئے لگائے ہوں گے۔ ۵۶۔ ان کے لئے وہاں پھل ہوں گے۔ اور جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ ۵۷۔ اور خدائے رحیم کا قول ہوگا۔ "سلامتی" ۵۸۔

۲۱۔سورۃ الصّفّٰت۔ آیت ۴۰ تا ۶۲۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاکِہُ وَھُمْ مُّکْرَمُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝ بَیْضَآءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ لَا فِیْھَا غَوْلٌ وَّلَا ھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَھُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ۝ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۝ یَّقُوْلُ اَئِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۝ قَالَ ھَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰہُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰہِ اِنْ کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَۃُ رَبِّیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ ۝

مگر اللہ کے مخلص بندے ۴۰۔ ان کے لئے رزق مقدر ہے۔ یعنی پھل اور وہ بڑی بزرگی والے ہوں گے۔ ۴۲۔ نعمتوں والے باغوں میں۔ ۴۳۔ تختوں پر بالمقابل۔ ۴۴۔ انہیں بہتے ہوئے جل کا پیالہ بھر دیا جائے گا۔ ۴۵۔ صاف سفید اور پینے والوں کے لئے لذیذ۔ ۴۶۔ نہ اس سے ہلاکت نہ نشہ۔ ۴۷۔ اور ان کے پاس بڑی آنکھوں والی نیچی نگاہ والی ہوں گی ۴۸۔ گویا وہ خود ڈھنی میں محفوظ ہیں۔ ۴۹۔ سو وہ ایک دوسرے کی طرف توجہ کر کے حال پوچھیں گے۔ ۵۰۔ ان میں سے ایک کہیگا۔ میرا ایک ساتھی تھا۔ ۵۱۔ وہ کہتا تھا۔ کیا تم بھی اس کو سچ ماننے ہو۔ ۵۲۔ کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے۔ ہمیں پھر بدلہ ملیگا۔ ۵۳۔ کہیگا کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔ ۵۴۔ سو اسے جھانکا۔ تو دوزخ کے درمیان دیکھا۔ ۵۵۔ کہا بخدا تم نے تو مجھے تباہ ہی کیا ہوتا۔ ۵۶۔ اور خدا کا فضل نہ ہوتا۔ تو میں بھی ان عذاب پانے والوں میں ہوتا۔ ۵۷۔ تو کیا اب ہم مرنے والے نہیں۔ ۵۸۔ سوائے اس پہلی موت کے اور ہمیں عذاب نہیں ملیگا۔ ۵۹۔ یقیناً یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۶۰۔ اور ایسی ہی کامیابی کے لئے اہلِ عمل کو عمل کرنا چاہئے۔ ۶۱ کیا یہ بہتر ضیافت ہے یا تھوہر کا درخت۔ ۶۲۔

۲۲۔سورۃ ص آیت ۵۰ تا ۵۴۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَۃً لَّھُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّکِئِیْنَ فِیْھَا یَدْعُوْنَ فِیْھَا بِفَاکِھَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَھُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ ھٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ ھٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَہٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

بہشت کے باغ۔ کہ جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے۔ بہت سے کھانے کے میوے اور پینے کی چیزیں ہوں گی۔ ۵۰۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہوں گی۔ ہم عمر۔ ۵۱۔ یہ ہے وہ کچھ جو تمہارے لئے روز حساب میں مقدر ہے۔ ۵۲۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جس کے لئے خاتمہ نہیں ہے۔ ۵۳۔

۲۳۔سورۃ الزمر۔ آیت ۲۰۔ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِھَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّۃٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۝ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ ۝

لیکن جو لوگ اپنے رب پر تقوٰی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر مقام ہیں جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ خدا اپنے قانون کو توڑتا نہیں۔

۲۴۔ سورۃ الزمر آیت ۶۱۔ وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ
اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ خدا اُن کی مُرادیں پوری کرکے انہیں نجات دیگا۔ انہیں نہ تکلیف ہوگی نہ دُکھ ملیگا۔

۲۵۔ سورۃ الزمر آیت ۷۳ و ۷۴۔ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا
وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۰ وَ
قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ
اور جو لوگ اپنے رب کا خوف کرتے رہے۔ وہ گروہ در گروہ بہشت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ اس کے پاس پہنچیں گے۔ تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اور جنت کے موکل کہیں گے۔ سلامتی ہو۔ آپ پر۔ آپ خوش نصیب ہیں۔ پس اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو۔ ۷۳۔ وہ کہیں گے۔ تمام تعریف اللہ کی ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور ہمیں اس سرزمین کا مالک بنایا۔ کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں رہیں۔ واہ! اہلِ ایمان کا اجر بھی کیا ہی اچھا ہے۔ ۷۴

۲۶۔ سورۃ المومن آیت ۴۰۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۰
اور مومن خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ جو نیک عمل کریں گے جنت میں داخل ہوں گے۔ جہاں انہیں بے حساب رزق ملیگا۔

۲۷۔ سورۃ الدخان آیت ۵۱ تا ۵۶ میں باغوں۔ چشموں۔ حریر اور دبیز ریشم کی پوشاکوں۔ حوروں اور میووں کا ذکر کرکے آیت ۵۶ میں لکھا ہے۔ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۰
پہلی دنیوی موت کے بعد جنت میں موت کی تلخی چکھنی نہیں پڑے گی۔ اور خدا اُن کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیگا۔

۲۸۔ سورۃ محمد آیت ۱۵۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۰
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۰ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ج وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ
جنت جو متقیوں کے لئے مقدر ہے۔ اُس کا حال یہ ہے۔ کہ اس میں آبِ حیات بہ رہا ہے۔ اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ بدلتا نہیں۔ اور ایسے شراب کی نہریں ہیں۔ جو پینے کے لئے لذیذ ہے۔ اور مصفّٰے شہد کی نہریں ہیں۔ ان کے لئے وہاں بہت قسموں کے پھل ہیں۔ اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔

سورۃ قٓ آیت ۳۴۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ۰ . . . . اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ دیر تک قائم رہنے والی ہمیشگی کا زمانہ ہے۔

۳۰۔ سورۃ الطور آیت ۱۷ تا ۲۵۔ جنتوں میووں۔ نعمتوں کا ملنا۔ عذاب دوزخ سے رستگاری۔ تختوں۔ تکیوں کا نیز کھانے پینے کا ذکر ہے۔ نیز حوروں کا اور جنتیوں کی نیک عمل اولاد کو بہشت ملنے کا بیان ہے۔ پھر لکھا ہے۔ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۔۲۲۔ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّ
هُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۲۴۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۰

جن میووں اور پھلوں کو وہ چاہیں گے۔ ہم انہیں دیں گے۔ ۲۲۔ اس میں وہ ایک دوسرے سے اس پیالے کا لے دے بھی کریں گے جس میں نہ کوئی لغو حرکت ہوگی۔ نہ گناہ۔ ۲۳۔ اور ان کے ارد گرد مثل آبدار محفوظ موتیوں کے لڑکے ہونگے ۲۴۔ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے یا باتیں کریں گے وغیرہ۔

۳۱۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

سورہ القمر آیت ۵۴ و ۵۵۔ بلاشبہ متقی باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ۵۴۔ یعنی صدق والے مقام میں اس شاہ قادر کی قرابت میں۔ ۵۵۔

۳۲۔ سورۃ الرحمٰن آیت ۴۶ تا ۷۷۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ ۴۸ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ (۵۳) فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝

ان آیات میں ۴۷-۴۹ وغیرہ طاق والی آیتیں چھوڑی ہیں۔ سو ایسی ہر آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور جو انسان اپنے رب کے جاہ و جلال سے ڈرتا ہے۔ اس کے لئے ۲ باغ ہیں۔ ۴۶ دونوں کی کئی شاخیں ہیں۔ ۴۸۔ دونوں میں دو چشمے جاری ہیں۔ ۵۔ دونوں میں ہر قسم کے پھل کے جوڑے ہیں اور فرش بچھے ہوں گے۔ ان پر ایسے تکئے لگے ہوں گے۔ کہ ان کے استر تافتے کے ہوں گے۔ اور دونوں کے پھل قریب ہوں گے۔ ۵۶۔ ان میں نیچی نگاہ والی ہوں گی۔ جنہیں ان سے پہلے نہ انسان نے چھوا ہوگا۔ نہ جن نے۔ ۵۸۔ وہ گویا یاقوت اور مونگا ہیں۔ ۶۰۔ کیا نیکی کے عوض میں بھلائی کے سوا کچھ ہو سکتا ہے۔ ۶۲۔ اور ان دونوں کے علاوہ دو اور باغ ہیں۔ ۶۴۔ دونو سرسبز ہیں۔ ۶۶۔ ان دونوں میں پھل ہیں۔ کھجور اور انار۔ ۶۸۔ ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔ ۷۰۔ یہ حوریں ہیں۔ خیموں میں رہنے والی۔ ۷۲۔ انہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا۔ نہ جن نے۔ ۷۴۔ سبز قالینوں اور اچھے اچھے فرشوں پر تکئے لگائے ہوں گے۔ ۷۶۔

نوٹ:۔ جو آیتیں چھوڑی ہیں۔ یعنی طاق والی۔ ان سب کی ایک ہی عبارت ہے۔ کہ "پس تم اپنے رب کی کس کس نشانی سے انکار کرو گے۔"

۳۳۔ سورۃ الحدید آیت ۲۱۔ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو۔ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت ہے۔ اور جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے ہی مقدر کی گئی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ واقعی وہ بڑا ہی صاحب فضل ہے۔ ۲۱۔

(۳۴) سورۃ الدہر آیت ۵ و ۶ - اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

نیکوں کو کافوری آمیزش والا پیالہ پلایا جائیگا۔ ۵ - یہ کافور والا چشمہ ہوگا جس کا پانی بندگانِ خدا پئیں گے۔ یہ کاٹ کر کہیں بہا یا لے جا سکتا ہے۔ ۶ -

۳۵ - سورۃ الدہر آیت ۱۲ تا ۲۱ - وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ۝ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ

اور انہوں نے جو صبر کیا تھا۔ اس کے بدلے انہیں بہشت اور ریشمی کپڑے ملیں گے۔ ۱۲ - تختوں پر تکئے لگائے ہونگے۔ نہ تپش نہ سردی۔ ۱۳ - درختوں کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہیں۔ اور پھل ہیں۔ کہ اُن کے اختیار میں ہیں۔ ۱۴ - اور ان پر شیشے جیسے چاندی کے صاف برتنوں اور آبخوروں کا دور چلیگا۔ ۱۵ - اور شیشے بھی چاندی کے کہ قدرت نے ان کے لئے مقدر کئے ہیں۔ ۱۶ - وہاں انہیں سونٹھ کی آمیزش والے پانی کے پیالے پلائیں گے۔ ۱۷ - بہشت میں اس پانی کا چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے۔ ۱۸ - اور بہشتیوں کے اِردگرد ہمیشہ رہنے والے بچے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت کہ تو انہیں دیکھے۔ تو یہی سمجھے۔ کہ بس بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ ۱۹ - اور جب تو دیکھے گا۔ تو بڑی نعمت اور سلطنت کا وہاں سامان پائیگا۔ ۲۰ - جنتیوں پر کپڑے ہوں گے۔ سبز ریشمی سفید اور دبیز اور ان کو چاندی کے کڑے پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار انہیں پاکیزہ پینے کی چیزیں پلائے گا۔ ۲۱ -

۳۶ - سورہ تطفیف - آیت ۲۲ تا ۲۸ - اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

بے شک نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ ۲۲ - تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ ۲۳ - تو اُن کے چہروں سے ہی خوشحالی کا نظارہ دیکھ پائیگا۔ ۲۴ - ان کو مہر بند خالص شراب پلائی جائے گی۔ ۲۵ - اس کی مہر مشک کی ہوگی۔ رشک کرنے والوں کو اسی کا رشک کرنا چاہئے۔ ۲۶ - اس میں تسنیم کی آمیزش ہے۔ یعنی سب سے بہترین چیز کی۔ ۲۷ - تسنیم ایک چشمہ ہے جس کا پانی مقرب لوگوں کو پلایا جاتا ہے۔ ۲۸ -

۳۷ - سورۃ البیّنت آیت ۸ میں بہشت کا بیان کرتے ہوئے جنتیوں کے لئے لکھا ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ - یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے خوش۔

۳۔ اصل مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ!

آیات محولہ بالا کے اندر بہت سے الفاظ اور فقرات کو سمجھنے میں غلطی کھا کر علماء اسلام اور نکتہ چیں لوگ فضول سی بحثوں میں پڑ رہے ہیں۔ مخالف لوگ ترجموں وغیرہ کے الفاظ کو اپنے خیال کے مطابق اور اکثر بُرے مذاق اور تعصب پر مبنی تمسخر و اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور مترجم و مفسر صاحبان اس ناواقفیت کی وجہ سے جس کا ہم کئی جگہ ذکر کر آئے ہیں۔ اعتراضات کا قلع قمع کرنے کے بالکل ناقابل ہو رہے ہیں۔ جہاں باغوں و نہروں کا ذکر آیا۔ اس دنیا والی نہریں سمجھ لیں۔ اور عیاش لوگ جس طرح خاص موسموں میں اپنی محبوبہ کو ساتھ لئے باغوں وغیرہ کی سیر کرتے اور درختوں کے سائے اور پھل وغیرہ کا عیاشانہ عیش و عشرت کے طور پر برا استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کا وُہی مُدعا سمجھ کر عجیب ہی جولانیء طبع دکھائی گئی۔ اور جنت میں بیویوں کا ذکر دیکھ کر اس عیش پرستی کو حق بجانب سمجھا گیا۔ بیویوں کا لفظ صیغہ جمع میں تھا۔ اس لئے سمجھا گیا۔ کہ ہر جنتی کو بہت سی حوریں یا بیویاں ملیں گی۔ اور خاص وقتوں میں بہتر کا عدد جو پاک سمجھا جاتا تھا۔ حور کے ساتھ ایزاد کیا گیا۔ ایسا ہی غلمان کا لفظ بھی بُرے مفہوم کے ساتھ ملا کر ۷۲ کی تعداد لکھدی گئی۔ زیور۔ پوشاک شراب وغیرہ کے سب الفاظ آج کل کے مذاق کی کسوٹی پر کسے گئے۔ حوروں کو کسی انسان یا جن نے چھوا نہوگا۔ نیز اُن کی بڑی بڑی اور نیچی آنکھیں وغیرہ اس معنی میں لی گئیں۔ کہ شہوت پرست انسانوں کی غیرت کا وہ مطالبہ پورا کیا جاوے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ کسی اور سے اپنی محبوبہ کا تعلق پا کر اسے قتل تک کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ حسن بن صباح نے جو فرضی بہشت اس دُنیا میں تیار کر کے وہ ناکردنی عمل کرائے۔ جن کا بیان ہی بڑے سے بڑے قوی دل کو لرزاتا ہے۔ وہ بھی محض قرآنی بہشت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ ذیل کے چند نمبروں میں اس غلط فہمی کی توضیح کر کے ہم ویدک سُورگ کا بیان پیش کریں گے۔ جس کی تصدیق آیات محولہ بالا کا واحد مقصود ہے÷

۴۔ محض تمثیلی بیان

سب سے پہلی بات قابل غور یہ ہے۔ کہ آیت ۲۵ سورۃ بقر میں اوّل ہی اوّل جنت کا ذکر کر کے آیت نمبر ۲۶ میں کہا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ج وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا ۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۔

تحقیق اللہ کو کسی مثال کے بیان کرنے میں عار نہیں۔ خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز کی۔ سو حق کو قبول کرنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ صحیح ہے۔ اور ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ مگر منکر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس مثال کے بیان کرنے کی خدا کو کیا غرض تھی۔ اکثروں کو وہ اس سے گمراہ کرتا ہے۔ اور اکثروں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فاسق ہی ہوتے ہیں"

گویا قرآن نے فوراً ہی فرمادیا۔ کہ آیت ۲۵ والے بیان جنت کو مثال سمجھو۔ اسے امر واقعہ سمجھنا ضروری

نہیں۔ بیویوں اور نعمتوں کا بیان بطور مثال تھا کہ بہشت کا خیال راحتوں وغیرہ کے نکتہ نگاہ سے عوام کو اپنی طرف مائل کرے۔ اور وہ نیک اعمال کریں۔ منکر لوگ اعتراض کر سکتے تھے۔ کہ رُوحانی نجات کا ذکر اور اس میں عورتوں کا تعلق! لامحالہ خدا کو شایاں نہیں۔ لیکن آنحضرت کا جواب یہ ہے۔ کہ مثال بذاتِ خود کیسی بھی ہو۔ نیک اور ایماندار لوگ اسے قبول کرتے اور اصل مطلب اخذ کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ اکثر لوگوں پر کسی مثال سے کوئی بُرا خیال بھی نقش ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مثال کا قصور یا نقص نہیں۔ اس فسق و فجور کا نقص ہے جو ان کے دلوں میں پہلے بھرا ہوا ہے۔ بہرحال یہ آیت ان لوگوں کے کان اچھی طرح کھول رہی ہے۔ جو سچ مچ حور و غلمان کو ہی آخری منزل سمجھ یا بتا رہے ہیں۔

۵۔ اُلٹے اور سیدھے مطلب

یہ بھی قابل غور امر ہے۔ کہ باغ نہریں بیویاں اور نعمتیں اپنی ظاہری صورت میں بھی قابل اعتراض نہیں۔ ان کا وجود محض عیاش طبع لوگوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ سچ پوچھو تو قدرت نے انہیں ان لوگوں کے لئے مقصود ہی نہیں رکھا۔ نیک۔ خدا پرست اور پرہیزگار لوگ ان کی بدولت شریفانہ زندگی بسر کر کے عاقبت کو سُدھارنے کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کو عیاشی کا ذریعہ بنانا انسان کی گمراہی کا ثبوت ہے۔ نہ کہ عیاشی کے امر معروف ہونے کا۔ پس اگر الفاظ قرآنی کو دنیوی سامانوں اور ان کے عیاشانہ استعمال کے خیال سے کوئی مفسر یا محدث پیش کرتا ہے۔ تو وہ قرآن کے خلاف جاتا ہے۔

۶۔ وہی پہلی نعمتیں

سورگ یا بہشت دو قسم کا ہے۔ ایک جسمانی دوسرا رُوحانی۔ جسمانی جنت کا تعلق ان ہی سامانوں سے ہے۔ جن سے دوزخ والوں کا تعلق ہے۔ نیک لوگ بھی عورت بال بچے اور دولت والے ہو سکتے ہیں۔ اور بد بھی ان نعمتوں کے مالک ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ بد لوگ جہالت کی وجہ سے ان سامانوں کا بُرا استعمال کر کے انہیں اپنے لئے جہنم مجسّم بنا لیتے ہیں۔ اور نیک عالم لوگ علم و ہدایت الٰہی کے مطابق تمام چیزوں سے تعلق رکھ کر انہیں راحت و سکھ کا موجب بناتے ہیں۔ اور اس دنیا میں بہشت کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہی چیزیں ہمیں پہلے ملی تھیں۔ (اور ہماری جہالت سے دُکھ دیتی تھیں)

۷۔ متشابہ پھل

متشابہ پھل والا لفظ دوسرے یعنی روحانی جنت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حالت میں دہی دنیوی سورگ والے سامان نہیں ملتے۔ لیکن ان کے مُشابہ ضرور ملتے ہیں۔ وہ کس طرح۔ دُنیوی سوُرگ میں بھی دوست اور رشتہ دار ہیں۔ تو نجات میں بھی مکت آتما یا نجات یافتہ رُوحوں سے سب کا دوستی وغیرہ کا تعلق ہے۔ اگر دنیوی سامان سے راحت دُنیوی بہشت میں ملتی تھی۔ تو رُوحانی بہشت میں خدا کے قرب سے حقیقی راحت اور سرور ملتا ہے۔ دنیوی بہشت میں بھی عقل اور محسوسات پر مبنی علم حاصل ہوتا ہے۔ تو نجات میں بھی رُوح کو علم کا بے نقاب

انکشاف حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ جیسے مادہ علت ہے۔ اور مرکب اشیاء معلول ہیں۔ اور اس طرح باوجود ہی ہستی نہ ہونے کے دونوں میں ہستی کی مشابہت ہے۔ جیسے رُوح سے محسوس ہونے والا سُکھ ایک نہیں۔ لیکن ان میں مشابہت بیان ہوتی ہے۔ ویسے ہی دنیا میں جو پھل ملتے ہیں۔ وہ جسمانی لحاظ سے ہیں۔ اور جنت نجات میں روحانی لحاظ سے اور وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اور ہزاروں تمثیلیں روز بیان ہوتی ہیں۔ کہ جیسے گیہوں اور آم کے بیج بو کر ہم اناج اور پھل پاتے ہیں۔ ویسے ہی سچے گیان کا بیج بو کر ہم نجات کا پھل پاتے ہیں۔ وغیرہ۔ پس جسمانی اور روحانی تعلقات کے فرق سے نتیجہ ایک نہیں کہا جاسکتا۔ متشابہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

۸۔ ازواج مطہرہ

ازواج جمع ہے زوج کی۔ اور اس کے معنی ہیں ہمنشیں۔ ساتھی یا جوڑے کا دوسرا فرد۔ مرد کا زوج کہیں تو عورت اور عورت کا زوج مرد ہے۔ جسمانی بہشت میں مردوں کو طہارت مآب اور عفت مجسّم عورتوں کا ملنا وہ نعمت ہے۔ جو خانہ داری کی راحت اور کامیابی کا واحد موجب مانا گیا ہے۔ اور ایسی نیک پاک بیویوں کی تعریف قرآن مطہرہ لفظ سے ادا کرتا ہے۔ لیکن ازواج کا لفظ جمع میں آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ ایک مرد کو بہت سی بیویاں ملیں گی۔ بلکہ اہل جنت بھی بہت ہیں۔ اور بیویاں بھی بہت۔ آج کل بھی بڑے بڑے شہروں کیا اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں کیا باعصمت پاکدامن عورتوں کے ہر قسم کے تعاون سے ہی اکثر مرد لوگ جنت میں مانے جاتے ہیں۔ نیک میاں اور نیک بیوی کا میل کون سے سُکھ کو اپنی طرف نہیں کھینچتا۔ پس یہ خیال کہ ایک مرد کو زیادہ بیویاں ملیں گی۔ بہشت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ قرآن کثیر الازدواج کے خلاف ہے۔ سورۃ النساء کے شروع میں یتیم لڑکیوں کی حفاظت کے متعلق فرض بتاتے ہوئے کہا ہے۔ کہ خواہ دو تین یا چار تک نکاح اور عورتوں سے کرو۔ یتیم لڑکی کے ساتھ بے انصافی نہ کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ایک سے زیادہ عورتوں کا ہونا بھی قرآن گناہ مانتا ہے۔ گو یتیم لڑکی سے بے انصافی کا ہونا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً۔ یعنی زیادہ عورتوں کے ہوتے ہیں دھرم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔ پس جب خود قرآن کا حکم صاف ہے۔ تو زیادہ عورتوں یا حوروں کا مطلب لینا چہ معنی۔ آخر جسم والی عورتوں کا تعلق جسمانی یا دنیوی بہشت تک ہی تو ہے۔ رہا روحانی جنت۔ اس میں یہاں والی عورتیں مقصود ہی نہیں ہوسکتیں۔ رُوح کی ازواج جو نجات میں اس کے ساتھ رہتی ہیں محض اس کی فطرتی طاقتیں ہیں۔ اور وہ جب سے رُوح ہے۔ تب سے اس کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حوالہ نمبر ۲۲ سورۃ ص میں ان بیویوں کو جو ہم عمر کہا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے۔ اور ان طاقتوں کو بجا طور پر ازواج مطہرہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر رُوح کی طاقتیں کبھی کسی دوسری رُوح سے تعلق رکھ ہی نہیں سکتیں۔

یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ دنیوی زندگی میں بھی ازواج مطہرہ کی بدولت ہی جنت قائم رہ سکتا ہے۔ نہ نہیں کسی انسان نے چھوا ہو۔ نہ جن نے۔ یہ جو کئی آیتوں میں لکھا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ لڑکی شادی سے پہلے انتہائی پرہیزگار رہی ہو۔ اور شادی کے بعد بھی عورت و مرد مقررہ قواعد کی پابندی کرتے ہوئے باہم مباشرت

کریں۔ میاں بیوی راحت سے گذر بھی اسی صورت میں کر سکتے ہیں۔ شادی شدہ مرد عورت بھی طریق معروف کو توڑ کر شہوت پرستوں اور زانیوں والی تکلیفیں ہی اُٹھاتے ہیں۔ اور اس صورت میں نہ تو مرد پاک اور جنتی ہیں۔ اور نہ ازواج مطہرہ کہلا سکتی ہیں۔

۹۔ نجات کی ہمیشگی

جنت کے متعلق اکثر جگہ یہ لفظ آتا ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ساتھ ہی کہیں اَبَدًا کا لفظ بھی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ نجات غیر محدود ہوگی۔ اس سے پھر کبھی لوٹنا نہ ہوگا۔ لیکن یہ مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر شے کے ساتھ جو لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم اس شے کے فطرتی تقاضا کی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی چھوٹی سی زندگی میں ہمیشہ کا لفظ اکثر ایسے زمانوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کہ جو اس زندگی کا بھی عشر عشیر ہی ہو چھ مہینے اگر ایک مقررہ وقت پر کھانا کھائیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ ۱۱ بجے کھانا کھا لیتا ہوں۔ اگر کسی محتاج سے وعدہ کریں۔ کہ میں ہمیشہ تمہیں دس روپے ماہوار دیتا رہوں گا۔ تو اس کے معنے یہی ہیں۔ کہ جب تک لینے والے کو حاجت ہے۔ یا جب تک دینے والا زندہ ہے۔ یا دے سکتا ہے۔ پس ہمیشہ کے لئے جنت میں رہنے کا بھی محض یہی مفہوم ہے۔ کہ دنیوی جنت میں رہیگا۔ جب تک اس کی یہ زندگی ہے۔ اور روحانی جنت میں رہیگا۔ جب تک انصاف ایزدی کے مطابق محدود العلم رُوح کو نجات کا سکھ ملنا چاہیئے۔ اور اسی لئے تخینہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی دیر پا زندگی ہے۔ ہمیشگی رُوح کے لئے خدا والی ہمیشگی ہو نہیں سکتی۔ وائیسرائے کو بھی مقررہ ماہانہ ملتا ہے۔ گورنر کو بھی۔ تحصیلدار کو بھی اور چپڑاسی کو بھی۔ اگر کہا جاوے۔ کہ وائیسرائے۔ گورنر۔ تحصیلدار اور چپڑاسی سب سرکار سے تنخواہ پاتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا۔ کہ سب کی تنخواہ ایک ہے ایسا ہی اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہسپتال کے ڈاکٹر۔ کمپونڈر۔ ملازم اور مریض سب ایک بجے سے پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ سب کو ایک سا کھانا ملتا ہے۔ پس ہر لفظ کا مفہوم اس ہستی کی حقیقت سے وابستہ ہے۔ جس کے ساتھ وہ تعلق رکھتا ہے۔ اور نجات کی ہمیشگی رُوح کی میعاد نجات تک کے اندر ہی رہیگی۔

۱۰۔ کہاں روحانی سرور اور کہاں لذّات نفسانی

آیات قرآنی میں بار بار یہ ذکر آیا ہے۔ کہ جنت میں نہ رنج ہوگا۔ نہ دُکھ۔ نہ مشقت نہ تھکان نہ موت۔ جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ جو چاہیں گے۔ پائیں گے۔ وہاں کوئی لغو حرکت نہ ہوگی۔ آب حیات پینے کو ملیگا۔ حالت سرور قائم رہے گی۔ پائیدار نعمتیں ملیں گی۔ خدا کی تقدیس اور تعریف ہوتی رہے گی۔ خدا کی رضا۔ خوشنودی اور رحمت شامل حال رہے گی۔ اس قسم کے جملہ بیان پیش نظر رکھتے ہوئے کون شخص اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ قرآنی جنت سے لذّات نفسانی کا تعلق جوڑنے والے لوگ حق بجانب ہیں۔ ان لذّات کے غلام نہ لغو حرکات سے بچ سکتے ہیں۔ نہ دُکھ اور نقصان وغیرہ سے پس پاک رُوحانی سرور اور قرب الٰہی ہی نجات کی خصوصیت ہے۔

۱۱۔ زیور۔ برتن اور کپڑے

سونے۔ چاندی کے زیور۔ برتن اور ریشمی کپڑے اگر غور سے دیکھیں تو دنیوی جنّت میں پہلے عملوں کے عوض میں ملنے اور نیک لوگوں کے لئے موجبِ آرام نیز ان کی فضیلت کا نشان ہیں۔ مالدار ہونا سکھ میں معاون ہوتا ہے۔ اور دنیوی مال سے دوسروں کو سکھ پہنچا کر انسان نیکنامی اور شہرت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر روحانی نجات کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ مادی سامان بالکل غیر متعلقہ ہیں۔ جیسے اگنی کے کثیف معنے مادی آگ اور سورج کے ہیں۔ اور لطیف معنے علم اور عالم آدمی کے۔ اسی طرح مادی جنّت میں جو سونا چاندی وغیرہ کے سامان ہیں۔ روحانی نجات میں وہ علم نیک خیالات۔ قربِ الٰہی اور روحانی سُرور وغیرہ کے معنوں میں ہیں۔

۱۲۔ سر سیّد احمد اور قرآنی جنّت!

تفسیر القرآن میں سر سیّد صاحب نے قرآن کے بیان جنّت کی حقیقت پر اچھی باریک بینی سے غور کیا ہے۔ اور صفحہ ۱۳۱ پر بہشت کی ماہیت کو اس آیت سے منسوب کیا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ السجدہ آیت ۱۷)

یعنی کوئی نہیں جانتا کیا ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے۔ اس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔" اس قُرَّةِ اَعْيُنٍ کی تشریح آپ بخاری اور مسلم کے حوالہ سے یوں کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تیار کی ہے۔ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے۔ اور نہ کسی کان نے سُنی ہے۔ اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا ہے۔ پس اگر حقیقت بہشت کے یہی باغ اور نہریں اور موتی کے اور چاندی سونے کے اینٹوں کے مکان اور دودھ و شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں۔ تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے۔ کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں۔ نہ کانوں نے سُنیں۔ تو بھی وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ سے خارج نہیں ہو سکتیں۔ عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے۔ اور جب کہ ان سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے۔ تو اس کی صفت اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ۔ انسان کے دل میں اس کا خیال گذر سکتا ہے۔ حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ کہ لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ درحقیقت بہشت میں جو قُرَّةِ اَعْيُنٍ ہوگا۔ اس کو سمجھانے کے لئے بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں۔ نہ بہشت کی حقیقتیں"۔ اس کے بعد آپ وجوہات دیتے ہیں۔ کہ جو چیزیں دیکھی یا سُنی نہ گئی ہوں۔ ان کی نہ سمجھ آ سکتی ہے۔ نہ شخص متعلقہ کے لفظوں میں انہیں بیان کیا یا سمجھایا جا سکتا ہے۔ تاہم جب انسان کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کو کہا جائے۔ تو اس کی طرف رغبت یا نفرت ہونے کے لئے نفع نقصان کو سمجھنے کا وہ شخص خواہاں ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو تمثیل یا تشبیہ سے نفع و نقصان بتاتا ہے۔ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کی ماہیت یا حقیقت یا کیفیت یا اصلیت کا بتانا تو

محالات سے ہے۔ اس لئے انبیاء نے ان راحتوں اور لذتوں یا رنج اور تکلیفوں کو جو انسان کے خیال میں ایسی ہیں جو ان سے زیادہ نہیں ہو سکتیں بطور جزا و سزا ان افعال کے بیان کیا ہے۔ اور غرض ان سے بعینہٖ وہی اشیاء نہیں ہیں۔ بلکہ جو رنج و راحت لذت و کلفت ان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو قُرَّةِ اَعْيُنٍ سے تشبیہاً بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ گو وہ تشبیہ کیسی ہی ادنیٰ اور ناچیز ہو۔

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے۔ اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں سرسبز و شاداب درخت ہیں۔ دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقینیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنین پہنتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹ رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بلا مبالغہ ہمارے خرافات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں"۔

صفحہ ۳۴ پر آپ نے پھر ثابت کیا ہے۔ کہ بانیٔ اسلام کا ان چیزوں کے بیان سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی ان چیزوں کا بہشت میں موجود ہونا اور ترمذی کی روایت ثبوت میں پیش کی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

"ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا۔ کہ کیا بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہاں جو چاہو گے سب کچھ ہوگا"۔ پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے۔ کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلےٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے۔ جو ان کے خیال اور ان کی عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلےٰ درجہ کی ہو سکتی تھی"۔

۱۳۔ بیان القرآن کی رائے

تفصیلات میں کچھ اختلاف ہوتے ہوئے بھی مولانا محمد علی صاحب نے اصولاً جنت کے متعلق وہی رائے دی ہے۔ جو آنریبل سرسید کی ہے۔ آپ جنت لفظ کو جن سے مشتق مانتے ہیں۔ اور اس کے معنی یہ پیش کرتے ہیں "کسی چیز کا حواس ظاہری سے مخفی رکھنا (غ) ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ جنت میں پہلی نعمتوں کے متشابہ نعماء ملنے کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جسمانی جنت میں مادی نعمتیں ملیں گی۔ جو حواس سے محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن روحانی جنت یا عالم نجات میں لطیف نعمتیں ہوں گی۔ جو روحانی سرور بخشیں گی۔

اور مولانا صاحب نے جو معنی پیش کئے ہیں۔ وہ صاف طور پر اسی پوزیشن کو واضح کرتے ہیں۔ آگے لکھا ہے۔ بہشت کا نقشہ جو قرآن کریم نے کھینچا ہے۔ وہ گویا بطور مثال ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جنت کی نعمتیں انسان کے حواس ظاہری سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ (غ)

جیسا کہ لفظ جن کے اصل معنی بتاتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے اس اخفاء کو دوسری جگہ خود بیان فرمایا ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ..... (السجدہ ۵-۱۷) اس سے آگے الانہار وغیرہ کو بھی بہ طور مثال ہی مانا ہے۔ صفحہ ۳۶ پر بھی یہی بتایا ہے۔ اور ابن عباس سے روایت پیش کی ہے۔ کہ جو چیزیں جنت میں ہیں۔ وُہ جنت کی کسی چیز سے سوائے نام کے مشابہت نہیں رکھتیں پھر حدیث صحیح اور قرآن سے سرسید احمد صاحب والے حوالہ جات پیش کر کے آخر نتیجہ نکالا ہے۔ کہ جنات سے مراد ایسے باغ تو نہیں جیسے یہاں ہیں۔ اور نہ نہروں سے مراد ایسی ہی پانی کی نہریں ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ اس حقیقت کا علم وہیں ہوگا۔ فی الحقیقت رُوحانی احساس سے تعلق رکھنے والا سرور جسمانی حواس سے محسُوس ہونا ہی ناممکن ہے۔ اسے لفظوں میں بیان کرنا انسان کے احاطۂ سُخن سے ہی باہر ہے۔ صفحہ ۳۶ پر دفعہ ۳۹ میں متشابہ اور مطہرہ کے متعلق نوٹ پیش کرنے کے بعد لکھا ہے۔

خالدون۔ خلد سے ہے۔ اور خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا فساد کے واقع ہونے سے بری رہنا۔ اور اس کا بقا اس حالت پر جس پر وہ ہو۔ (غ)

اور خلود فی الجنۃ کے معنے امام راغب کے نزدیک بھی یہی ہیں۔ یعنی اشیاء کا بقا اس حالت پر جس پر وہ ہیں۔ بغیر اس کے کہ ان میں فساد واقع ہو۔ یہ الفاظ دیگر وہاں تنزل نہیں۔ جس طرح اس دُنیا میں ہے۔ اور ہمیشگی کے معنے اس میں بطور استعارہ ہیں۔ (غ) اور رُوح المعانی میں ہے۔ کہ خلود معتزلہ کے نزدیک بقائے طویل یعنی زمانہ دراز تک رہنا ہے۔ خواہ منقطع ہو جائے۔ خواہ نہ ہو۔ مولانا صاحب جو نجات کو غیر محدود کہتے ہیں۔ اس کا جواب اور جگہ مفصّل دیا گیا ہے۔ یہاں شل اور رگھوں کے وہ خود نجات کو عرصہ دراز کی زندگی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

جنت کے پھلوں کے متعلق یہ کہنا۔ کہ یہ وہ ہے۔ جو ہمیں پہلے یعنی دنیا میں دیا گیا۔ مراد جسمانی پھل تو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ پھل تو سب مومنوں کو دنیا میں ملتے ہیں۔ پس مراد اعمال حسنہ کے اثرات ہیں جن کو روحانی طور پر مومن یہاں بھی پا لیتا ہے۔ اور متشابہ ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ گو وہ آخرت کے پھل الگ ہوں گے۔ مگر اعمال حسنہ کے متشابہ ہوں گے۔ جس طرح بدی کی سزا اس کی مثل ہے۔ اسی طرح نیکی کا پھل بھی اس نیک عمل سے ملتا جلتا ہے۔

۱۴۔ حمائل التفسیر کی رائے

اعمال اور ایمان صالح کے ساتھ جو بندۂ سعید دُنیا سے گذرتا ہے۔ اس کے ساتھ بہت قسم کی خواہشات اور لذات ہوتی ہیں۔ جو جسمانی قوائے کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں۔ وُہ اب رُوحانی عالم میں متمثل ہو کر پیش آتی ہیں۔ جیسا کہ لفظ متشابہ سے ظاہر ہے۔ جو جسمانی لذات از قسم پھل و دُودھ وشہد وازواج بہشت میں گنائی گئی ہیں۔ ان کی کیفیت دُنیاوی چیزوں سے علیحدہ ہے۔ چنانچہ ازواج کی نسبت کہا ہے۔ کہ وہ مطہرہ ہونگی۔ ایسے دُودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ نہیں بدلیگا۔ ایسے پانی کی نہریں ہوں گی۔ جو سڑنے والا نہیں۔ شراب ایسی ہوگی۔ جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والی ہے۔ جس سے نہ تو بدمستی ہے۔ اور نہ خمار۔ عورتیں ہم عمر ہوں گی۔ کوئی لغو یا جھوٹی بات وہاں پر نہ ہوگی۔ تمام جسمانی چیزیں متغیر الکیفیت اور زوال پذیر ہیں۔ لیکن وہ کبھی متغیر نہ ہوں گی۔ اور نہ ان میں زوال آئے گا۔ ان لذات کو

اہل باطن لوگ خوابات اور مکاشفات کی حالت میں اس دنیا میں بھی محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ۵۵/۴۶ اس شخص کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ دو جنت ہیں۔ یعنی ایک اس جہان میں اور ایک اُس جہان میں۔ اصل حقیقت بہشت کی یہی ہے۔ جو نیک بندے کی خواہشات ہوں۔ وہ سب پوری ہوں۔ انسان کی خواہشات اپنے اپنے مذاق اور عادات کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے جس جس قسم کی خواہشات نیک بندہ میں بہشت کے اندر پیدا ہوں گی۔ وہ سب پوری کی جائیں گی خواہ وہ از قسم لذات جسمانی و روحانی ہوں۔ خواہ خالص روحانی۔

۱۵۔ حاصل کلام

بخوف طوالت مزید حوالہ جات پیش کرتے ہیں مانع ہے۔ لہٰذا محض یہ حاصل کلام پیش کرنا کافی ہے۔ کہ کیا قرآن خود اور کیا بعض اس کے فاضل مفسر اس امر کے شاہد ہیں۔ کہ قرآنی جنت کا بیان قرآن میں تمثیلی طور پر کیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس امر کے کافی اشارات دیئے ہیں۔ کہ اس کا باطنی مفہوم بھی ہر اہل عقل کو معلوم ہو سکے۔ اور جب پوزیشن یہ ہے۔ تو ۷۰ حور ۲ ، ۷ غلمان۔ جذبات نفسانی کی سیری۔ اس دُنیا کی مادّی نعمتیں۔ ظاہری پھل۔ پانی کی یا دودھ۔ شہد و شراب کی نہریں جو عوام الناس میں دنیا سے علیحٰدہ کسی جنت میں مشہور کی جا رہی ہیں صریحاً قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان ظاہری الفاظ کے باطنی مفہوم کو سمجھنا اور لطیف رُوحانی نعمتوں کا رُوح سے تعلق ماننا قائلین نجات کے لئے ضروری ہے۔ پھر ان روحانی نعمتوں کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور جنّت کا لفظ اور قرآن والا بیان قدیم سے کس طریق پر مانا جاتا ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ دید کے سوَرگ کا بیان پیش کر کے نفس مضمون کی تمام پیچیدگیوں کو حل کیا جاوے۔ چونکہ قرآن قدیم دھرم کا ہی قائل ہے۔ اور اسی کی تعلیم کا مصدق ہے۔ لہٰذا قرآنی جنت کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ویدک سوَرگ پر غور ہونا لازمی ہے۔

۱۶۔ ویدک سوَرگ

قرآن میں جنت کا لفظ جسمانی اور رُوحانی دونوں طرح کی کامیابی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بہشت میں تمام دنیوی راحتیں اور نعمتیں اور اطمینان قلب انسان کو ملتا ہے۔ تو نجات میں خالص رُوحانی سُرور ملتا ہے۔ وید میں ان دونوں حالتوں کو سوَرگ لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ سُورگ [illegible] بمعنی سُکھ سے مشتق ہے۔ ہر حالت اور ہر مقام جس میں انسان دُکھوں سے بچتا اور راحت پاتا ہے۔ سوَرگ ہے۔ رُوحانی سُورگ کے لئے جو مُکتی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں دُکھوں سے چھوٹنا۔ دُنیوی زندگی میں بھی انسان خاص تعلقات کی قید سے چھوٹتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ میں ان سے مُکت ہو گیا۔ اور سُکھ کے ملنے سے کہتا ہے۔ میں سُورگ میں ہوں۔ سب سے اعلےٰ سُکھ کا معیار رُوح کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ جسم یعنی جنم اور مرن کی قید سے چھوٹ کر راحت اور سرور مجسم پرماتما کے وصل سے خالص آنند پائے۔ پس سرسری نظر پر ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید اور قرآن دونوں میں جنت اور سوَرگ کے دو لفظ ایک ہی مفہوم کو پیش کرتے ہیں۔ عربی اور سنسکرت زبان میں جو فرق ہے۔ اس

کے مطابق قرآنی جنت اور ویدک سورگ میں بھی بیان کا فرق ہونا لازمی ہے۔ ویدک سنسکرت کے الفاظ کے معانی اور تعلقات کے مقابلہ پر عربی وغیرہ کسی اور زبان میں بھی ایسے الفاظ ملیں۔ جو ہو بہو وہی معنے اور تعلقات رکھتے ہوں۔ ناممکن ہے۔ تاہم اصول جو ان دونوں بیانوں کی تہ میں کام کرتا ہے۔ ایک ہی ہے۔ چنانچہ ہم وید منتروں کے حوالہ جات دے کر ساتھ کے ساتھ یہ واضح کریں گے۔ کہ نفس مضمون قرآن میں بھی وہی ہے۔

۱۷۔ سوُرگ کا استحقاق!

اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۳۴۔ منتر۔ ۱

ब्रह्मास्य शीर्षं वृहदस्य पृष्टं वामदेव्य मुदरमोदनस्य ।
छन्दांसि पक्षौ मुखमस्य सत्यं विष्टारीजातस्तपसोऽधि यज्ञः ॥

یگیہ تمام کائنات کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ریاضت (تپ) سے آشکار ہوتا ہے۔ یہ یگیہ ایسا اودن (خوبیوں و طاقتوں کا مجسمہ) ہے۔ کہ برہم (وید گیان) اس کا سر ہے۔ کل کائنات (برہمانڈ) اس کی پیٹھ ہے۔ جو ہری متحرک و غیر متحرک جہان اس کا پیٹ ہے۔ اور گیان (علم) اور کرم (عمل) نام اس کے دونوں پہلو یا بازو چھند ہیں۔ اور اس کا منہ سچائی ہے۔

۱۸۔ یگیہ اور اُودن

وید کا لفظ یگیہ نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا اشارہ دینے کے لئے دیو پوجا سنگتی کرن اور دان کے تین لفظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ پوجا کے معنی عبادت عزت بجا استعمال وغیرہ ہیں۔ اور پرمیشور سب سے بڑا دیوا ور معبود ہے۔ علم عمر اور صلاح وغیرہ کے لحاظ سے تمام بزرگ انسان بھی دیوتا ہیں۔ ان کی عزت تعظیم اور خدمت کی جاتی ہے۔ یہ دیو پوجا کا مفہوم ہے۔ اس کے علاوہ کل اشیائے عالم میں بھی اپنی اپنی قسم کے دیو یگن (روشن صفات) ہیں۔ اور یہ انسان کو بڑا فیض پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ان کا بجا استعمال کرنا بھی دیو پوجا کے ہی اندر آتا ہے۔ دوسرے معنے یگیہ کے سنگتی کرن یعنی ملانے یا ترکیب دینے کے ہیں۔ پرمیشور نے دنیا کی پیدائش کا جو یگیہ رچا ہے۔ اس میں پرمانوؤں کے ملانے کا ہی ظہور کیا ہے۔ لیکن میل کے مقابلے پر جدائی ہے۔ جہاں دنیا میں چیزیں باہم ترکیب کے زیر اثر ہیں۔ وہاں ذرات کے انتشار کا بھی عمل ساتھ ہی ہو رہا ہے۔ سورج کی کرنیں زمین سے تمام چیزوں کے لطیف ذرات جدا کر کے اوپر اٹھائے جا رہی ہیں۔ آگ ایک فٹ ٹھوس لکڑی کو میلوں تک پھیلنے والے ذرات کی صورت میں منتشر کر رہی ہے۔ پیدائش ہے تو موت بھی ہے لیتے ہیں۔ تو دیتے بھی ہیں۔ جمع ہے۔ تو تفریق بھی ہے۔ اور ضرب ہے۔ تو تقسیم بھی۔ پس سنگتی کرن کے مقابلہ پر تفریق یا تقسیم جدا کرنے کے عمل کو ظاہر کرنے والا دان کا لفظ ہے۔ اور یہ امر ہر غور کرنے والے پر آسانی سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تمام کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں۔ وہ ان تینوں میں سے کسی نہ کسی لفظ کے اندر آ جاتے ہیں۔

اسی یگیہ کا ایک نام اودن ہے۔ یہ تمام صفات اور طاقتوں کا مجسمہ کہا گیا ہے۔ اور اس مجسمے کا سر وید یا گیان کو کہا ہے۔ کیونکہ سر کی جو پوزیشن جسم میں ہے۔ وہی پوزیشن گیان کی اس کل کائنات میں ہے۔ وہی سب کا سچا رہنما اور رتبہ میں سب سے بلند اور بدرجہ غایت قابل قدر و عزت ہے۔ اسی کی وجہ سے چاروں

ورنوں میں برہمن کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ گورو نانک صاحب اس عظمت کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ کر وید شاستر سر تیرا۔ سرشٹی چرن سمانی۔ سر کے بعد مادی طاقت کا سٹور ہاؤس، انسانی جسم میں پیٹھ ہے۔ اس کے مقابلے پر اس یگیہ والے اوون کا گودام گھر سارا برہمانڈ ہے۔ لیکن پیٹھ کی طاقت کا سارا راز پیٹ کے کام میں ہے۔ جس میں سب خوراک جاتی اور ہضم ہو کر پیٹھ کو طاقت پہنچاتی ہے۔ اس کے لئے متحرک غیر متحرک جاندار جو ان سب سامانوں کو کام میں لاتے ہیں۔ بمنزلہ پیٹ ہیں۔ اور چونکہ چھند یا ویدمنتروں میں ہر کام کو گیان کے مطابق کرنے کی ہدایت ہے۔ اس لئے علم اور عمل کے دو نو پیکو چھند کو کہا ہے۔ اور مکھ سے ان کو جیوں کا نیوں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے ستیہ کو اس اوون کا مکھ یا منہ کہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سورگ یا سکھ یا نجات کا استحقاق وید کی رُو سے علم اور عمل اور سچائی پر منحصر ہے۔

۱۹۔ قرآن میں یہی بیان

قرآن اوپر کی معنی خیز تعلیم کو لوگوں کے لئے ان سادہ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ (دفعہ ۲ حوالہ نمبر ا) بشارت ہو۔ ان کو جو حق (سچے علم) کو مانتے یا ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ (حوالہ نمبر ۶) جو لوگ عہدِ الٰہی کو پورا کرتے ہیں۔ اپنے عہد کو توڑتے نہیں اسے ہی حاصل کرتے ہیں۔ جس کے حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اپنے رب نیز حساب کے نقصو سے ڈرتے ہیں۔ اور اپنے رب کا ہی دھیان اور صبر کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے۔ خدا کے دیئے ہوئے رزق یعنی حلال کمائی سے خفیہ اور علانیہ دان کرتے اور بدی کے مقابلے میں بھی نیکی کرتے ہیں۔ وہی جنت کے مستحق ہیں۔

(حوالہ نمبر ۱۳) باغوں والا جنت وہ ہے۔ جو رحمان نے اپنے لطیف علم والے بندوں کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اس جنت کا وارث ہم اپنے پرہیزگار بندوں کو بناتے ہیں۔

(حوالہ نمبر ۱۵) ایمان لاتے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں سرور پائیں گے۔

اسی طرح متقی پرہیزگار۔ صبر کرنے والے۔ خدا کے جاہ و جلال سے ڈرنے والے وغیرہ وغیرہ کو جنت کا مستحق بتایا ہے۔

۲۰۔ سورگ میں بہت استریاں

अनस्था : पूता: पवनेन शुद्धा: शुचय:
शुचि मपि यन्ति लोकम् ।
नैषां शिश्नं प्रदहति जात वेदा : स्वर्गे लोके
बहुस्त्रैणं मेषाम॥२

ہڈیاں جن کی نظر نہ آتی ہوں۔ یعنی موٹے تازہ مضبوط۔ پاکیزہ چلن۔ پرانایام یا ضبط دم سے پاک ہوئے اور نیز دل کے بھی پاک۔ لوگ اس دگرہست) کے پاک مقام میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا حاصل کردہ گیان ان کی کام اندری (قوت تولید) کو نشٹ نہیں ہونے دیتا۔ حالانکہ اس سورگ لوک میں ان کے پاس

پاس بہت استریاں رہتی ہیں۔

۲۱۔ خوش فہمی

اس منتر میں بہوسترین (بہت استریوں) کے لفظ نے ان لوگوں کو بڑے چکر میں ڈالا ہے۔ جو برہمچریہ وغیرہ کی عظمت کا احساس نہیں کر سکتے۔ انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ سورگ میں بہت استریاں ملیں گی۔ حتیٰ کہ ستر حوریں ملنے کا خیال مشہور عام ہو چکا ہے۔ یہ سورگ جہاں صحیح معنوں میں اس دُنیا کی خانہ داری کا نام ہے۔ وہاں حقیقت کے ناواقف لوگوں نے اس جنت کو کہیں جُدا بلند مقام پر سمجھ رکھا ہے۔ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ بیوی۔ بچے۔ مکان۔ کھانے پینے پہننے کے سامان۔ دولت۔ مال غرضیکہ آرام و آسائش دینے والی سب نعمتیں اسی دُنیا میں دُنیا داروں کو مل رہی ہیں۔ لیکن چونکہ صحیح علم کی روشنی میں عمل ہو نہیں رہا۔ اس لئے یہ سب نعمتیں جو قدرت نے سُکھ کے لئے دی تھیں۔ اُلٹا دُکھ کا موجب بن رہی ہیں۔ اور دُکھ کی اس کثرت میں اس دُنیا کو سورگ سمجھنا مشکل تھا۔ لہٰذا سُکھ والا جنت کہیں اور ہی خیال کیا گیا۔ اور چونکہ نفسانی لذات کے دام اُفتادوں کا نظریہ محض حیوانی جذبات سے راحت پانے تک ہی محدود ہے۔ اس لئے وہ جنت میں بھی ویسے ہی مزے اُڑانے کی توقع کرتے ہیں۔ اور چونکہ سنسکرت میں ایک خاص مقولہ ہے کہ شہوت سے مغلوب لوگ خوف اور شرم و حیا سے اوپر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مختلف لوگوں نے وہ ساری باتیں قرآن سے منسوب کر دی ہیں جو شہوت پرست لوگوں کے زیر مشق ہیں۔ اور جن کی وجہ سے آنریبل سرسید کو چیلنج کے مقابلے میں جنت کو تولنے کی نا ملائم تحریر لکھنی پڑی۔ پھر جہاں ۷۰ تک عورتوں کا لالچ ملا۔ اس خیال کا بھی جواب دیا گیا۔ کہ اتنی عورتوں سے مباشرت ہو ہی نہیں سکتی۔ اور وہ جواب یہ نکلا کہ خدا جنتیوں کو سو گنا یا ستر گنا طاقت شہوت عطا کرے گا۔ لیکن جنسی تعلقات کے جو قواعد قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔ اور ویدک برہمچریہ کے متعلق انتہائی پرہیز گاری اور سچی طہارت پر جو زور دیا ہے۔ ان کو مدنظر رکھ کر کوئی شخص اس کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ یہ سب یار لوگوں کی اپنی گھڑ منتیں ہیں۔ اور قرآن فرماتا ہے۔ کہ عورت جب حیض سے پاک ہو جائے۔ تب خدا کے فرمودہ طریق پر اس سے صحبت کرو۔ اور اولاد کا پورا خیال رکھو۔ مطلب یہ کہ اولاد پیدا کرنے کے ویدک کرتویہ کو پورا کرنے کے علاوہ قرآن عورت و مرد کے میل کا کوئی مقصد قرار نہیں دیتا۔ سورۂ نور میں سب سے پہلے عورت اور مرد کو یہ ہدایت ہے۔ کہ اپنے اندام نہانی کی پوری حفاظت کریں۔ اور سچ پوچھو۔ تو وید میں گیان پراپتی کا مدار برہمچریہ کے نیم پر ہی ہے۔ اور پاک فعلوں اور پاک خیالات کا مطالبہ جو سورگ کے استحقاق کے لئے لازمی بتایا گیا ہے۔ ان سب خرافات کا شافی جواب ہے۔

۲۲۔ ضبط نفس

بہت استریاں اس جنت میں ہیں ہی۔ لیکن جنتی مرد بھی تو بہت ہیں۔ پس ایک مرد کو زیادہ عورتوں کا ملنا صریحاً غلط ہے۔ اور پھر عورتیں محض کسی شخص کی بیویاں ہی نہیں ہو سکتیں۔ ماں۔ بہن۔ بیوی۔ بھاوج۔ بیٹی۔ چچی۔ تائی۔ موسی۔ ساس

سالی۔ دادی وغیرہ وغیرہ سب عورتیں ہیں۔ جن شہروں یا قصبوں میں وہ شخص رہتا ہے۔ ان میں اور تمام لوگوں کی اسی قسم کے رشتہ والی عورتیں بھی ہیں۔ پس جو برہمچاری نیک چلن۔ پاک دل۔ ضبط دم کی مشق کرنے والا گرہست میں شادی کر کے داخل ہوتا ہے۔ اس کو ضبط نفس کی تعلیم کا خیال دلانا ضروری ہے۔ چونکہ گرہست اولاد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے اسے کثیر التعداد عورتوں کے اپنے اردگرد ہونے کی حالت میں نہایت محتاط رہنا چاہیئے۔ اور قوت تولید کا ناش کرنا یا آتش شہوت کا شکار ہونا نہ چاہیئے یہ ہدایت اس منتر میں دی ہے۔ ویسے یہ منتر ایک طرح سے نہایت حوصلہ افزا طریق پر تعلیم دیتا ہے۔ کہ ہو نہیں سکتا۔ کہ جس نے تمام زمانۂ تعلیم میں نیک چلنی۔ ضبط نفس اور دل کی پاکیزگی کو قائم رکھا ہو۔ وہ گرہست میں بہت استریوں کی موجودگی سے اپنی سداچار کی مضبوطی کا خیال چھوڑ دے۔

۲۳۔ برہمچریہ کی عظمت

ویدک دھرم میں چار آشرم ہیں۔ اور ان میں مردوں کا عورتوں سے یا عورتوں کا مردوں سے محض ایک گرہست آشرم میں ہی مل کر رہنے کا موقعہ ہے۔ پہلی عمر میں تو جوں ہی برہمچاری ہوش سنبھالتا ہے۔ اُسے گوروکل میں بھیجا جاتا ہے۔ اور اصولاً تا اختتام تعلیم اسے لڑکیوں یا عورتوں سے ملنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ بان پرست میں بھی یہ موقعہ نہیں ملتا۔ ہاں خاص صورتوں میں بان پرستھی محض اپنی عمر رسیدہ بیوی کو اپنے نزدیک رکھ سکتا ہے۔ رہا سنیاس آشرم اس میں بیوی کیا دنیا داروں والا کوئی بھی تعلق قائم نہیں رہتا۔ پس عورتوں کا تعلق محض گرہست میں ہے۔ اور وہ بھی محض خاص ضرورت کی وجہ سے مباشرت والا تعلق محض شادی والی عورت سے ہے اور اس میں بھی بہت پابندیاں ہیں۔ پس سوچنا یہ چاہیئے۔ کہ وید نے جو اس تعلق کو اتنا محدود کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ انسان کو جن چیزوں کو بار بار دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ یا کسی طرح کا تعلق رکھنے کا۔ وہ ان ہی چیزوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اگر عورتوں سے ملنے کا موقعہ اسے زیادہ ملے۔ تو وہ شہوت پرست ہو کر ویریہ جیسی قیمتی چیز کو جلا یا ضائع کر سکتا ہے اور چونکہ ویریہ اس جسم میں ساتویں اور آخری اور نہایت قیمتی دھاتو ہے جس سے تمام اعضائے جسمانی کو طاقت اور مضبوطی حاصل رہتی ہے۔ اس لئے عورت کی صحبت کی بداعتدالی اس انتہائی قیمتی جوہر کو نشٹ کر کے یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ کہ انسان ہر طرح کی کمزوری کا شکار ہوتا ہے۔

اس کی عظمت کو ویدک ساہتیہ میں کئی طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک درشٹانت یہ دیا جاتا ہے۔ کہ انسانوں کی حفاظت اور سلامتی کے لئے راج کا انتظام ہے۔ راجہ نہ ہو۔ تو ملک یا شہر باہمی بے انصافیوں اور مظالم سے بالکل برباد ہی ہو جاوے۔ پھر جہاں راجہ کا ہونا ضروری ہے۔ وہاں لائق اور عقلمند منتری کا ہونا اور بھی ضروری ہے۔ ورنہ راجہ اپنی سمجھ کی کمی سے اور بھی بے انصافی وظلم کر سکتا ہے۔ منتری کے علاوہ اہلکار اور فوج وغیرہ بھی چاہیئے۔ ورنہ راجا کے قانون کی پابندی اور امن کا قیام مشکل ہے۔ اس طرح راجہ۔ وزیر۔ اہلکار اور فوج وغیرہ سب کچھ چاہیئے ورنہ راجا کے قانون کی پابندی

اور امن کا قیام مشکل ہے۔ بہ الفاظ دیگر راجہ۔ وزیر۔ اہلکار اور فوج وغیرہ میں سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ضروری ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو یہ سب کارکن تنخواہ یا روپے کے لالچ پر کام کرتے ہیں۔ راجہ کے پاس خزانہ بھرپور ہو۔ تو وہ سب ملازموں کو وقت پر تنخواہ دیتا۔ اور ملازم تندہی سے اپنے فرائض کو بجالاتے ہیں۔ اور اچھے کام پر انعام وغیرہ ملتا ہے۔ تو وہ دل وجان سے راجہ کے حکموں کی تعمیل پر مائل رہتے۔ اور سلطنت کا کام ایسی عمدگی سے چلتا ہے۔ کہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی حملہ کا حوصلہ نہیں ہوسکتا۔ مگر راجہ بدچلن ہو۔ اور ویشیا گمن وغیرہ میں خزانہ کو لٹا دے۔ تو نہ ملازموں کو وقت پر تنخواہ ملتی ہے۔ نہ وہ دل دہی سے اپنے فرائض بجالاتے ہیں۔ اس پر راجا انہیں ڈنڈ دینے کی سوچتا ہے۔ تو وہ اور بھی اس کی نندا کرنے اور ہر طرح کی کمزوری راج میں آتی ہے۔ یہاں تک کہ کمزور سا راجہ بھی چڑھائی کردے۔ تو کبھی پرجا مخالف فریق کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور راجا شکست کھا کر اپنا راج کھو بیٹھتا ہے۔ مطلب یہ کہ خزانہ کی حفاظت نہ کرنا راج کی بربادی کا موجب ہے۔ اور اس کا محفوظ رکھنا راشٹر کی کامیابی کی جان ہے۔

اس درشٹانت سے ہدایت یہ مقصود ہے۔ کہ انسانی جسم ایک نگری ہے۔ من اس میں راجہ ہے۔ گیان اندریاں وزیر ہیں۔ کرم اندریاں اہلکار اور باقی تمام انگ فوج وغیرہ ہیں۔ یہ سب جسمانی نظام میں معاون ہیں۔ مگر خزانہ کی جگہ ویریہ سب سے بڑھ کر ہے۔ جب تک انسان برہمچریہ کا پالن کرکے ویریہ کی حفاظت کرتا ہے۔ تب تک ہی سارے اعضاء میں طاقت رہتی ہے۔ دماغ میں وہ طاقت رہتی ہے۔ کہ لطیف اور طویل مضامین دریا بہ کوزہ مختصر الفاظ کے سوتروں کی صورت میں بند کرکے اعلےٰ سے اعلےٰ اصولوں کو بیان کرنے والے شاستروں کی تصنیف ہوسکتی ہے۔ جن کی تفسیر کے لئے بڑے سے بڑے عالموں کو انتہائی محنت کرنی پڑتی ہے۔ جسم مضبوط اعضاء سڈول۔ چہرہ سرخ۔ بازو طاقتور ہوتے ہیں۔ اولاد بھی ہر طرح کی خوبیوں والی پیدا ہوتی۔ اور خود انسان تندرست اور سکھی رہتا ہے۔ زیادہ کیا وید... کا فرمان ہے۔ کہ برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم لوگ نجات کو حاصل کرتے ہیں برہمچریہ کے تپ سے ہی راجہ اپنے راج کی حفاظت کرسکتا ہے۔ بال وواہ یا ویشیا گمن وغیرہ سے ویریہ کی حفاظت نہیں ہوتی۔ تو سب کمزوریاں انسان پر لاحق ہوتی ہیں۔ دماغ چکراتا ہے۔ سر دکھتا ہے۔ کام کی طاقت نہیں رہتی۔ سستی اور کاہلی سوار ہوتی ہے۔ بیماریوں کا ٹھکانا نہیں رہتا۔ سردی۔ گرمی یا معمولی سی سختی کی بھی برداشت نہیں رہتی۔ معمولی خرابی وغیرہ تو ایک طرف نہایت شرمناک بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں۔ دل کی بے قراری اور عدم استقلال کی وجہ سے کسی بھی کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اور اگر اولاد کو ان خرابیوں کا ورثہ ملے۔ تو مصیبتوں کا سلسلہ تو بس غیر متناہی سمجھو۔ پس انسانیت اور روحانیت کے معراج کی طرف لے جانے والے وید کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اس تعلق کو سخت پابندیوں میں جکڑتا۔ غرضیکہ اس منتر سے برہمچریہ کی انتہائی عظمت کا گیان ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے۔ کہ گوروکل کے قدیم طریق تعلیم

کے ذریعہ عالم اور غالب الحواس ہو کر گرہست میں داخل ہونے سے اور نیز دوران گرہست میں بھی نیموں کی پابندی رکھنے سے ہی گرہست آشرم سورگ ہوتا ہے۔ ورنہ برہمچریہ کے قواعد کو توڑنا نہیں۔ کہ دکھ کے سامان شروع ہوئے نہیں۔ سچ پوچھو تو موجودہ دنیا نرک ہی اس لئے بنی ہے۔ کہ استریوں اور پرشوں میں برہمچریہ اور ضبط نفس کا خیال بہت کمزور ہو گیا ہے۔

۲۴۔ قرآن کا فرمان

وید کے اس مدعا کو قرآن مختلف جگہوں میں اپنے طرز پر بیان کرتا ہے۔ (دفعہ ۲۔ حوالہ نمبر ۱) جنت کے مستحق لوگوں کے لئے باغ ہیں۔ جنّت کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب انہیں اس باغ کے پھلوں کی نعمت ملتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔

جنّت نام اسی گرہست کے سورگ کا ہے۔ خاندان کو بھی باغ کہا جاتا ہے۔ جہاں بیرونی نعمتوں کی نہریں اور رہی ہیں۔ وہاں اندرونی خوبیوں میں ویریہ وغیرہ کی نہریں بھی اس گلشن کی زینت ہیں۔ اور اولاد کا پھل بھی اس جنت کے عالم میں نہایت لذیذ ہے۔

اسی حوالہ میں ازواج مطہرہ کا ذکر ہے۔ عورتوں کی خوبصورتی اور ان کی آنکھوں کے بیان کے ساتھ ان کی نیچی نگاہوں کا ذکر ہے۔ کئی جگہوں میں بے عیب دیرپا زندگی کی خوشخبری ہے۔ کئی جگہ کہا ہے۔ سورگ کا انجام متقی یا پرہیزگار لوگوں کو ملتا ہے۔ حوالہ ع۱۳ میں لطیف علم والوں کو مستحق بتایا ہے۔ دوسری جگہ خدا کے مخلص بندوں کو اس جنت کا وارث بنایا ہے۔ کہیں تقویٰ کرنے والوں کو ان سب کا مدعا دراصل ضبط نفس یا برہمچریہ کی شرط کو پورا کرنا ہے۔ اسی کو تقویٰ کرنا یا لذّات نفسانی کی غلامی سے بچ کر خدا کا مخلص بندہ اور پرہیزگار بننا کہا ہے۔ ازواج مطہرہ کا لفظ بالخصوص سارے مطلب کو مثل دریا بکوزہ بیان کرتا ہے۔ عورتیں طہارت مجسم تبھی رہ سکتی ہیں۔ جب کوئی مرد اپنی بیاہتا عورت کے سوا کسی کی طرف بُری نگاہ نہ رکھتا ہو۔ اور نہ ناجائز تعلق رکھتا ہو۔ اور جب اپنا خاوند بھی صحیح طریق کے علاوہ عمل نہ کرتا ہو۔ پس نیک چلنی کا اس حد تک عام ہونا ضبط نفس اور برہمچریہ کا عملی ثبوت ہے۔ ویدک آدرش کے مطابق میاں بیوی دونو کے لئے گرہست میں بھی برہمچریہ کی پابندی لازمی ہے۔

۲۵۔ منتر ۲ کے ادھیاتمک ارتھ

اوپر جو معنے بیان ہوئے۔ ان کا تعلق اس ظاہری دنیوی بہشت سے ہے۔ لیکن اگر اس منتر کے باطنی مفہوم پر غور کیا جائے۔ تو روحانی نجات کی قیمتی تعلیم سامنے آجاتی ہے۔ اس صورت میں منتر کا ادھیاتمک ارتھ اس طرح ہوگا۔ "اس بے نظیر پرمیشور کے صحیح علم اور اس کے قرب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس قفس عنصری سے آزاد ہو کر روح اس پاکیزگی مجسم پرمیشور کی صحبت سے پاکیزہ ہوتا۔ اور خیال قول اور فعل غرضیکہ ہر لحاظ سے پوری ترقی کے معراج پر پہنچ کر خالص نورانی حالت کو حاصل کرتا ہے۔ تمام کائنات کی حقیقت کا جاننے والا پرمیشور (مادی جسم اور اندریوں کو ان سے الگ کر کے بھی) نجات

یافتہ روحوں کے آنند اور سرور حاصل کرنے کی فطرتی طاقتوں کو نشٹ نہیں کرتا۔ اس لئے حالت نجات میں بھی انہیں بہت سے آنند اور سرور دینے والے سامان ملتے ہیں"۔

۲۶۔ بھوگ کے اوزار اور سامان!

اس منتر میں دو لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں شِشن (शिश्न) اور ستریں (स्त्रियः) پہلے کے مروجہ معنے قوّت تولید اور دوسرے کے عورتیں ہیں۔
لیکن ویدک الفاظ کے معانی کے وسیع تعلقات کے لحاظ سے شِشن لفظ ان تمام قوّتوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ جن سے انسان دنیا کے سامانوں کو بھوگتا ہے۔ اور ستریں لفظ سے مُراد ہے۔ وہ تمام سامان جو بھوگا جاتا ہے۔ اور اسی لئے ظاہری یا کثیف معنے یہی ہیں۔ کہ انسان ضابط الحواس رہتا ہُوا ہی ان سامانوں کو بھوگے رہا۔ باطنی مفہوم۔ اس کے نکتہ نگاہ سے شِشن سے مُراد رُوح کی فطرتی طاقتیں ہیں۔ کیونکہ نجات میں مادی جسم تو ہوتا ہی نہیں۔ اور ستریں سے مراد وہ تمام قسم کا آنند ہے۔ اور وہ تمام لوگ جنہیں رُوح حالت نجات میں آزادی سے برہم میں پھرتا ہُوا بھوگتا ہے۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ رُوح میں مقدم تو ایک ہی طاقت ہے۔ مگر زور۔ ہمت۔ کشش۔ تحریک۔ حرکت۔ خوف۔ تمیز۔ عقل۔ حوصلہ۔ یاد۔ یقین۔ خواہش۔ محبّت۔ نفرت۔ ملاپ۔ جدائی۔ ملانا۔ جدا کرنا۔ سُننا۔ چھُونا۔ دیکھنا۔ چکھنا۔ سُونگھنا اور گیان یہ ۲۴ قسم کی طاقتیں جیو رکھتا ہے۔ ان ہی طاقتوں سے وہ مکتی میں بھی آنند کو حاصل کر کے بھوگتا ہے۔ اور شت پتھ کانڈ ۱۴ کے حوالہ سے رُوح کے اس بھوگنے کی توضیح یُوں کرتے ہیں۔ کہ جب سُننا چاہتا ہے۔ تو کان چھُونا چاہتا ہے۔ تو جلد۔ دیکھنے کے ارادہ سے آنکھ۔ ذائقہ کے لئے زبان۔ سُونگھنے کے لئے ناک۔ سنکلپ وکلپ کرنے کے واسطے من۔ یقین کرنے کے لئے عقل۔ یاد کرنے کے لئے حافظہ۔ اہنکار کے لئے انانیت کی قابلیت والا اپنی ذاتی طاقت سے مکتی میں جیو آتما بن جاتا ہے"۔

انسان اگر اپنے خوابوں پر غور کرے۔ تو خود سمجھ جائے گا۔ کہ بغیر جسم اور اندریوں کے حرکت کرنے کے کس طرح رُوح اس حالت میں سُکھ دُکھ وغیرہ کا احساس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حالت بیداری میں جو کام اعضائے جسم سے لئے جاتے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت رُوح کی طاقتوں سے ہی ہوتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ تو محض بے حرکت اور جڑ ہیں۔ پس اس زندگی اور نجات میں رُوح کے لئے فرق یہ ہے۔ کہ زندگی میں تو رُوح اپنے کام کے لئے جسمانی اوزاروں کا محتاج ہے۔ اور اس کی طاقتیں قیدوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ مگر نجات میں وہ اپنی فطرتی آزاد طاقتوں سے براہِ راست آنند بھوگتا ہے۔ قرآن میں ان فطرتی طاقتوں کو بھی ازواج مطہرہ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ ازواج کے معنی ساتھی یا ہمنشیں کے ہیں۔ اور رُوح کی یہ قوّتیں ہمیشہ رُوح کے ساتھ ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے۔ کہ کسی رُوح کی صفات اس سے کبھی جدا ہوں۔ اور دُوسرے رُوح سے مل سکیں۔ اس لئے وہ مطہرہ بھی انتہائی صحیح معنوں میں ہیں۔ اور چونکہ جب سے رُوح ہے۔ تبھی سے اس کی صفات اس کے ساتھ ہیں۔ اس لئے وہ اس کی ہم عمر بھی ہیں۔ رہے بھوگنے

کے سامان۔ سو اس صورت میں وہی لطیف اور روح سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کثیف صورت میں حواس سے محسوس ہوتے ہیں۔ اور جن کا بیان آگے آئیگا۔

۲۷۔ پیدائش اولاد کا یگیہ

ویدمنتروں میں پرماتما کی یہ ہدایت ہے۔ کہ نسل انسانی کو ترقی دو۔ جیسے دنیا کی پیدائش کا یگیہ ایشور نے رچا ہے۔ ویسے ہی انسان کو حکم ہے۔ کہ بڑھو اور پھلو۔ اسی کو گرہست والے سورگ کے مضمون میں یوں بیان کیا ہے۔

यिष्टारिण भोदनं येपचन्ति नैनान वर्तिः सचते कदाचन ।
आसते यम उप याति देवान्त सं गन्धर्वै मंदते सोमवेभि ॥ ३॥

جو نسل انسانی کو بڑھانے والا یگیہ پختہ طریق پر کرتے ہیں۔ انہیں کبھی کوئی کشٹ نہیں ہوتا۔ وہ ضبط نفس پر عامل یا ضابطہ العالم پریشور کے آسرے رہتے ہیں۔ نیک عالموں کی صحبت کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے گیانیوں اور سوم سوبھاؤ (نیک خصلت) والوں کے فیضان صحبت سے سرور اور خوشی پاتے ہیں۔

۲۸۔ راحت کا مول منتر

گرہست جس کا نام سورگ ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ لیکن لذت نفس کے لئے عیش پرستی کرتے ہوئے جو اولاد ہوتی ہے۔ وہ نسل انسانی کو وسعت دینے والے یگیہ کا مفہوم نہیں رکھتی۔ (पचन्ति) کا لفظ یگیہ کے پختہ ہونے کی ہدایت دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جہاں تک ضبط نفس اور برہمچریہ کے عمل کا امکان ہے۔ وہاں تک پورا عملدر آمد ہو۔ اولاد طاقتور۔ صحت ور۔ دراز عمر اور حصول علم کی استعداد رکھنے والی ہوتی ہی اسی صورت میں ہے۔ کہ کامل طور پر ضبط نفس وغیرہ کی شرط پوری ہو۔ ایسے برہمچاریوں کو کبھی کمزوری بیماری یا دنیوی سامانوں کے متعلقہ تکالیف ہو ہی نہیں سکتی۔ اور بجائے لذات میں پھنسا رہنے کے وہ اپنا وقت بڑے بڑے عالموں کی صحبت میں گذارتے ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے بڑے سے بڑے نیک خصلت اور سچے علوم کے ماہرین سے علمی ہدایت پاتے ہوئے اصلی خوشی اور اطمینان قلبی حاصل کرتے ہیں۔ غرضیکہ گرہست میں سکھی رہنے کے لئے (आस्ते यम) آستے یم کی ہدایت پر عمل کر کے اور ضبط مجسم ہو کر سچی راحت پانی چاہئے۔ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ لذات نفسانی کا سامان ملے۔ تو سیری ہو۔ مگر ہوتا یہ ہے۔ کہ جیسے آگ پر گھی ڈالنے سے وہ اور تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح عیاشی کے حریص کی پیاس بڑھتی جاتی۔ اور وہ خود ان بھوگوں سے بھگت جاتا ہے۔

۲۹۔ منتر ۳ کے ادھیاتمک ارتھ

جو اس انتہائی وسیع گیان کے اودن یا یگیہ کو کمال تک پہنچاتے ہیں۔ ان کو کبھی کوئی کشٹ نہیں ہو سکتا۔ ایسا نجات یافتہ روح اس ضابطہ کل پریشور میں رہتا ہے۔ وہ اپنے سے پہلے نجات یافتوں کا بھی قرب حاصل کرتا ہے۔ اور سوم یعنی برہمانند کے

آبِ حیات کے پینے والے سچے عالموں کے ساتھ ہی سچا رُوحانی سرور حاصل کرتا ہے۔"

گیان کا کمال آواگون کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔ اس لئے اب دُکھ یا کشٹ کہاں۔ اسی خیال کو قرآن بیان کرتا ہے۔ کہ جنت میں نہ دُکھ ہوگا نہ خوف۔ نہ مشقت نہ تھکان۔ ان کے اندرونی دُکھ دُور ہوں گے۔ سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ کوئی لغویات نہ ہوگی۔ جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ آبِ حیات انہیں پینے کو ملیگا۔

وید منتر میں جو یہ کہا ہے۔ کہ نجات یافتہ روح ضابطہ کل پرمیشور میں رہیگا۔ اور اس سے پہلے نجات یافتہ رُوحوں سے بھی قرب حاصل ہوگا۔ اور امرت کے پینے والے اعلےٰ گیانیوں سے وہ سرور حاصل کریں گے۔ اس کو سوامی دیانند یوں بیان فرماتے ہیں "جس طرح دنیوی سُکھ جسم کے سہارے سے بھوگتا ہے۔ اسی طرح پرمیشور کے سہارے مکتی کے آنند کو پاتا ہے۔ برہم کے اندر اپنی خوشی کے موافق چلتا پھرتا ہے۔ پاک علم سے تمام کائنات کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مکتی پائے ہوؤں کے ساتھ ملتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے۔ کہ نجات یافتہ رُوح نئے مکت آتما کا سواگت کرتے اور ان کو ایک دوسرے کے ملنے سے آنند ہوتا ہے۔ قرآن ان ہی اشارات کو یوں بیان کرتا ہے۔ کہ جنت کے موکل ان کا ہر دروازے سے استقبال کریں گے۔ یعنی انہیں مبارکباد دیں گے۔ کہ یہ اس صبر کا پھل ہے۔ جو تم نے کیا تھا۔ دوسری جگہ فرما ہے۔ کہ نیا جنتی ان کو اپنی رام کہانی سناتا ہے۔ کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ وہ مجھے بہکاتا تھا۔ کہ پُنر جنم وغیرہ کوئی نہیں ہوتا۔ اگر خدا کا فضل میرے شاملِ حال نہ ہوتا۔ تو میں تباہ ہی ہو جاتا۔ نہ صرف یہ۔ وہ دوزخ کی طرف جھانکتا۔ یعنی اس دُنیا کو اپنے پاک علم سے دیکھتا ہے۔ تو اس ساتھی کو دُکھوں کی آگ میں جلتے ہوئے پاتا ہے۔ اسی طرح وید میں جو مکت جیو کے اپنی حسب خواہش برہم میں پھرنے کا ذکر ہے۔ قرآن میں بھی اسی کے موافق کئی جگہ کہا ہے۔ کہ ہم جہاں چاہیں رہیں۔

۳۰۔ رُوحانی معراج

विष्टारिणमोदनं ये पचन्ति नैनानयमः परि मुष्णाति रेतः।
रथीह भूत्वा रथ यान ईयते पक्षी ह भूत्वाति दिवः समेति ॥४॥

جو توسیع نسل کے یگیہ کو پختہ کرتے ہیں۔ وہ یم (ضبط یا ضابطہ کل پرمیشور) ان کی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے وہ سچے رتھ سوار کی طرح روحانیت کے معراج کو پاتا ہوا برہم لوک کو حاصل کرتا ہے۔ اور سچے علم اور عمل کے دونوں پہلوؤں کی طاقت سے انتہائی تیج والے برہم میں لین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ادھیاتمک ارتھ میں علمی کمال کے یگیہ کرنے والوں کو وہ ضابطہ کل پرمیشور زیادہ سے زیادہ علمی قابلیت دیتا ہے۔ علم ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑھتا جاتا ہے۔

۳۱۔ انسانی قالب کا رتھ

انسانی قالب کو ویدک لٹریچر میں رتھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ جس طرح رتھ پر سوار ہو کر انسان منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح رُوح انسانی قالب کے ذریعہ نجات کی منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔ جو لوگ لذاتِ نفسانی کا شکار ہیں۔ وہ اس رتھ کی من رُوپی لگام پر قابو نہیں کھ

سکتے۔ اور ان کی اندریوں وغیرہ کے گھوڑے بے لگام ہوکر دوڑتے اور رتھ کو کھائی گڑھے میں گراکر چکنا چور کر دیتے ہیں۔ وید ایسے لوگوں کو رتھی نہیں کہتا۔ بلکہ جو اندریوں کے گھوڑوں کو من کی لگام سے اچھی طرح قابو رکھنے یعنی غالب الحواس اور ضابط الحواس ہوتے ہیں۔ ان کی عقل اور ہوش وحواس سب برقرار رہتے ہیں۔ اور وہ صحیح معنوں میں رتھی ہیں۔ رُوح ان حواس کو قابو میں رکھ کر بے کھٹکے اپنا سفر کرتا ہے۔ یعنی سچا علم پانا اور عمل کئے جانا ہے۔ حتےٰ کہ انتہائی علم والے نورمجسم خدا سے وصل ہوتا ہے۔

قرآن ہر جگہ متقی لوگوں کو ان کے علم عمل اور صبر کے بدلے جنت ملنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور حوالہ نمبر ۱۵ یعنی سورہ رُوم آیت نمبر ۱۵ میں کہتا ہے۔ ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں سُرور پائیں گے۔ حوالہ نمبر ۱۷ سورۃ السبا آیت ۳۷ میں کہا ہے۔ جو ایمان لاکر نیک عمل کرے گا۔ اس کو کئی گُنا معاوضہ ملیگا۔ بوجہ ان کے اعمال کے اور وہ اس بلند مقام میں امن سے رہیں گے۔ حوالہ ۱۹۔ سورۃ الفاطر آیت ۳۵ میں جنتیوں کی طرف سے خدا کی تعریف ہونے کی وجہ بتائی ہے۔ کہ اس نے انہیں اپنے فضل سے ایسے دارالمقام پر پہنچا دیا۔ کہ اس میں مشقت تکلیف یا نقصان نام کو نہیں۔ حوالہ ۱۳۱ سورۃ القمر آیت ۵۵ میں کہا ہے۔ جنت کا مقام کیا ہے۔ صدق والا مقام ہے۔ اس شاہ قادر کی قرابت میں۔ اسی خیال کو ادا کرنے کے لئے حضرت محمد صاحب کے معراج کا خیال ہے۔ رتھ کی جگہ بُراق تجویز ہوا۔ کیونکہ پروں سے اُڑے بغیر اُوپر پہنچنا محال سمجھا گیا۔ اور رتھ کا اُڑ کر اُوپر جانا انہیں قرین قیاس بھی نہیں تھا۔ پھر وید میں دیدار الہی یا وصل الہی کی منزل مقصود کو (اتی دوہ) یعنی انتہائی تجلی والا مقام کہا تھا۔ اسی کے بیان میں ان لوگوں نے معراج کے آخری مقام پر تجلی کے بیان میں عجیب وغریب کمال دکھائے ہیں۔ پروں والا بُراق بھی دماغ میں اس لئے آیا۔ کہ پہلے منتر میں پکھشو کا لفظ جسے ہم نے گیان اور کرم کے دو بازوؤں کے معنی میں لیا ہے دو پروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور اس منتر میں رتھی کے ساتھ پکھشی کا بھی لفظ ہے۔

۳۲۔ آدرش کامیابی

रग्ष यज्ञानां विततो वाहिष्टो विष्टारिरा पृत्कादिवमा विवेश ।
आपड्डीकं कुमुदं सं तनोति विसं शालूकं शफको मुलाली ।
एतांस्त्वाधारा उप यन्तु सर्व ॥ स्वर्गेलोके मधुमत्त पिन्वमाना
उपत्का तिष्ठन्तु पुष्करिणी समन्ता : ॥ ५ ॥

نسل انسانی کی ترقی کے اس سب سے بڑے یگیہ کو تکمیل تک پہنچا کر انسان راحت کے کرّہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس گرہست کے تالاب میں گول کنول کمل نال۔ کمل کند اور دیگر خوبصورت کملوں کو پیدا کرتا ہے۔ یہ سب راحت بخش دھاریں سُورگ لوک میں تجھے سب طرفوں سے حاصل ہوں۔ آنند برساتی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں اور تجھے تقویت یا قرار دیتی ہوئی تیرا انجام اچھا کریں۔

۵۔ اسی منتر کے دوسرے ارتھ یہ ہوں گے۔ وہ پرمیشور سب جیووں سے ہر طرح کی فضیلت رکھنے والا اندر ہر جا موجود ہے۔ ایسے غیر محدود پرمیشور کے علم میں کمال پاکر سچے عالم موکش دھام میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ پرم ہنس

نجات یافتہ رُوح مکتی دھام میں تمام راحت کے سامانوں کو بالمشافہ دیکھتا ہے۔ وہ اس محیط کائنات۔ سرور مطلق سب کے محرک کمل کند کی طرح آنند کند علم مجسّم اور کل کائنات کی علّت اولین میں بچرتا ہے۔

اے طالبان نجات! اس تمام کائنات کو چلانے والی طاقتیں تمہیں حاصل ہوں۔ اور سورگ میں پرسرور آب حیات کو پیدا کر کے ہر طرح سے آتما کو بلوان بنانے والی اور اچھے انجام والی ہوں۔

۳۳- سُکھ کی دھاریں

घृत ह्रदा मधुकूला: सुरोदका: क्षीरेरा पूर्णी उदकेन दध्ना एतास्त्वा०॥६॥ चतुर: कुम्भां श्चतुर्धा ददामि क्षीरेरा पूर्णा उदकेन दध्ना एतास्त्वा०॥७॥

گھی والے۔ شہد سے لبالب بھرے مُسرا یعنی لذیذ نوشیدنی والے اور دوُدھ۔ دہی اور جل کے بھرے ہوئے کلشوں سے بہتی ہوئی دھاریں تجھے پراپت ہوں۔ یہ سب راحت بخش دھاریں سوُرگ لوک میں تجھے سب طرفوں سے حاصل ہوں۔ آنند برساتی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں۔ اور تجھے تقویت یا قرار دیتی ہوئی تیرا انجام بخیر کریں۔ ۶۔ چار قسم کی چیزوں (دوُدھ۔ دہی۔ لذیذ اشیائے نوشیدنی اور سادہ جل) کے چار کلش میں تجھے دیتا ہوں۔ یہ سب الخ (دوسرے معنے) سچے علم اور جلال سے بھرپور۔ شہد کی مانند میٹھے روحانی لذتوں سے بھری ہوئی۔ سرور بخش رس والے پرم آنند روپی آب حیات والی اور کل کائنات کو دھارن کرنے والی طاقتوں سے بھرپور مذکورہ بالا سب دھاریں تجھے حاصل ہوں۔ اور یہ سب سوُرگ میں پُرسرور آبحیات کو پیدا کر کے آتما کو بلوان بنائیں۔ اور انجام بخیر کریں۔ ۷۔ سچے گیان سے بھرے ہوئے چار کمبھ (وید) جو دھرم ارتھ کام اور موکھش کے پھلوں کو دینے والے ہیں۔ گیان۔ کرم اُپاسنا اور وگیان کے چار کانڈوں کے لئے میں تجھے دیتا ہوں۔ مذکورہ بالا سب دھاریں تجھے حاصل ہوں۔ اور یہ سب سوُرگ میں پُرسرور آبحیات کو پیدا کر کے آتما کو بلوان بنائیں۔ اور انجام بخیر کریں۔

۳۴- اولاد کی نعمت

گرہست کا یگیہ نسل انسانی کی ترقی کے لئے مقصوُد ہے۔ اس لئے سب سے پہلے منتر ۵ میں اولاد کی کامیابی کی خوشخبری دی ہے۔ پرانوں میں وشنو کی ناف سے کمل اور کمل سے برہما ہونے کا جو بیان ہے۔ وہ وید کے اس استعارے کی بگڑی ہوئی صوُرت ہے۔ کہ گرہست کے تالاب میں خوبصوُرت کمل پیدا ہوتے ہیں۔ پانی کے اندر نال ہے۔ اور گول خوبصوُرت کمل پانی کے اُوپر ہے۔ ایسے ہی نیلوفر کی نال اور گل نیلوفر کا حال ہے۔ یعنیہ گرہست کے تالاب میں کھلے ہوئے کمل کی طرح اولاد جیسی نعمت ہے۔ اسی کی جگہ حوالہ نمبر ۵ سورۃ الدہر آیت ۱۹ میں کہا ہے۔ کہ جنتیوں کے اردگرد ہمیشہ رہنے والے بچّے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت کہ تو انہیں دیکھے۔ تو یہی سمجھے۔ کہ بس بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ کمل نال محض انسانی نسل کے تسلسل کی قائمقام ہے۔

۳۵۔ قرآنی نہریں چشمے اور نعمتیں!

دفعہ ۲ (حوالہ نمبر ۷) میں کہا ہے۔ کہ اس جنت (دنیا یا گرہست) کی مثال کے لئے باغوں کا لفظ آیا ہے۔ وید میں اس کے لئے اودن کا لفظ ہے۔ اور اسی اودن سے بگڑ کر عدن کا لفظ بنا ہے۔ اودن کے مرّوجہ معنی بھات کے ہیں۔ مگر وید میں اس کے معنے کا وسیع تعلق کل کائنات میں ہونے والے یگیہ یا باغ عالم سے ہے۔ اسی طرح نہروں اور چشموں کے لفظ قرآن کی کتنی ہی آیتوں میں وید کے دہارا اور کنبھ الفاظ کی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ وید میں دودھ سے بھرے ہوئے۔ شہد سے لبریز کلشوں کی دھارا کا ذکر ہے۔ تو قرآن میں دودھ اور شہد کی نہروں کا بیان ہے۔ وید میں پانی کی دھاریں مذکور ہیں۔ تو قرآن میں بھی پانی کی نہریں ہیں۔ وید میں لفظ تھا۔ सुरोदका: سرودکاہ اس کے معنے ہیں۔ وہ تمام قسم کی نوشیدنی چیزیں جو آگ وغیرہ پر مختلف شربتوں اور عرقوں کے رُوپ میں پکائی جاتی ہیں۔ اور لذیذ اور مفید ہوتی ہیں۔ عربی میں شراب کے ہُوبہُو یہی معنی ہیں۔ آج کل بدنصیبی سے ہمارے ہاں شراب ایک نشیلی اور غیر مفید بلکہ مضر شئے کے لئے مشہور ہے۔ اور اسی کا مفہوم جو ہمارے ذہن نشین ہو رہا ہے۔ ہمیں قرآن میں آئے لفظ شراب سے بڑے معنے تجویز کرنے پر مائل کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت شراب نوشیدنی چیزوں کا نام ہے۔ سنسکرت کے سُرا شبد کے معنے بھی ہمارے ہاں بدل گئے ہیں۔ اور اس کا استعمال شراب کے لئے ہوتا ہے۔ مگر وید اور قرآن میں سُرا اور شراب شربت اور عرقیات وغیرہ کے لئے ہیں۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے۔ وہ شراب نہایت لذیذ ہوگی۔ اس میں نہ خمار یا نشہ نہ ہلاکت یا نقصان ہوگا۔ آج کل لیمونیڈ۔ جنجر۔ روز وغیرہ ناموں سے جو پانی بوتلوں میں بھرے جا رہے ہیں۔ اور تمام قسم کے شربت اور عرق سرودکاہ لفظ کے معنے میں آسکتے ہیں۔ ان کے لئے قرآن جو لفظ استعمال کرتا ہے۔ اُسے مترجموں نے کہیں کافوری پانی لکھا ہے۔ کہیں سونٹھ کا پانی اور ان کے بھرے ہوئے کمبھوں یا پانی کی کثرت کے لئے کہیں سلسبیل کا چشمہ کہا ہے۔ کہیں تسنیم کا چشمہ پھر ان پینے کی چیزوں کو سربمہر کہا ہے۔ اور مہر مشک کی کہی ہے۔ یہ بھی آج کل کی بوتلوں والی مہروں اور لیبلوں سے ظاہر ہے۔ وغیرہ وغیرہ شراب پینے کی چیزوں کا نام ہے۔ شرب کا لفظ اکل و شرب (یعنی کھانے پینے کی چیزوں) میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے

۳۶۔ نعمائے عالم نجات

دنیوی جنت کے لئے جہاں یہ نعمتیں ہیں۔ وہاں نجات کے لئے ان ہی الفاظ سے موسوم رُوحانی نعمتیں ہیں۔ اور قرآن جہاں یہ کہتا ہے۔ کہ جنت میں نہ دُکھ ہوگا نہ خوف۔ نہ مشقت نہ تھکان۔ وہاں محض حالت نجات کا بیان ہے۔ سلامتی ہی سلامتی اور سرور ہی سرور کا تعلق اسی حالت سے مخصوص ہے۔ وید میں دنیوی سورگ والی دودھ وغیرہ کی نعمتیں رُوحانی نجات میں کہیں آنند اور سرور کے سامانوں سے تعبیر کی گئی ہیں۔ کہیں سب کامناؤں کے پورا ہونے سے کہیں مختلف قسم کی دھاراؤں سے۔ کہیں امرت سے۔ کہیں گیان سے اور کہیں رُوحانی طاقتوں سے

کہیں جنم مرن سے چھوٹنے سے۔ کہیں سچے گیانیوں کی صحبت وغیرہ سے۔ قرآن میں جنت کی نعمتوں کو پائیدار کہا ہے۔ کھانے بھی پائدار ہیں۔ اور سائے بھی پائدار۔ دودھ کی نہروں کا ذکر کیا تو یوں کہا۔ کہ اس دودھ کا ذائقہ بدلتا نہیں۔ ایسے ہی شراب بھی دنیوی شراب سے نرالا اور بھی سب نعمتیں بدلنے والی۔ چونکہ ایسی نعمتیں سوائے حقیقی علم وغیرہ کے اور ہو نہیں سکتیں۔ اس لئے مُدعا محض وید میں گیان وغیرہ کی سینکڑوں ہزاروں دھاریں بتاتا ہے۔ یا نعمتوں کی بے شمار قسمیں تو قرآن بھی ان نعمتوں کی کوئی حد نہیں بتاتا۔ بار بار بہت قسم کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔

۳۷۔ بہشت اور اس کی وُسعت

اسلام میں جنت کا نام بہشت بھی آتا ہے۔ اور اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت کہی گئی ہے۔ (حوالہ نمبر ۳۳ سورۃ الحدید آیت ۲۱) اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جنت کا مقام محدود یا مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ کل دنیا ہی جنت ہے۔ کتاب حجت الاسلام (مصنفہ مولانا عبد اللہ چکڑالوی) کے صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے۔

"جس جگہ جنت میں اس کی (آدم اور اس کی بیوی کی) سکونت کا ذکر ہے۔ وہاں جنّت سے دنیا کا باغ مراد ہے۔ مولوی عبد الحق صاحب "ویدوں کا بہشت" میں جنت اور نجات کو روحانیت کی سرزمین وغیرہ کہتے ہیں"۔

واقعی ہر کہیں نیک عمل کرنے والے لوگ راحت یا سُورگ یا جنّت ہی بھوگتے ہیں۔ جیساکہ وید سکھ کی ہر حالت اور جگہ کو سوُرگ کہتا ہے۔ اور اس سُورگ کے لئے بار بار (विष्टारिणा) یعنی وسترت یا پھیلا ہُوا یا نہایت وسیع کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بلکہ پہلے منتر میں گیان کو اس کا سر کل کائنات کو اس کی پیٹھ۔ عالم ارواح کو اس کا پیٹ۔ گیان اور عمل کے دو پکھشوں .... کو اس کے بازو اور سنیہ کو اس کا مُنہ کہتا ہے۔ اور یہ وہ وسعت ہے۔ جو انسان کے تخیل میں بھی آنی محال ہے۔ یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ پانچویں منتر میں جو (वहिष्ठ) کا لفظ ہے۔ وہی دنیا میں بہشت کہلا رہا ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ سب سے زیادہ بڑا۔ پس ظاہر ہے۔ کہ کل دنیا کی انتہائی وسعت کے لئے ہی یہ لفظ بولا گیا ہے۔

۳۸۔ کام دھینو

इममोदनं निद घे ब्रह्म रोषु विष्टारिणां लोक जितं स्वर्गम्।
समे मा क्षेष्ट स्वधया पिन्व मानो वि श्व रूपा धेनुः कामदुधा मे अस्तु॥ ८॥

میں اس ہرجا موجود سوُرگ کو جو فاتح جہان اور کل خوبیوں اور طاقتوں کا مجسّمہ ہے۔ برہمنوں (عالمانِ وید) کو دیتا ہوں۔ یعنی ان ہی کے ہاتھ میں سوُرگ کی کُنجی ہے۔ اے پرمیشور! ایسی عنایت کر۔ کہ اَنّ وغیرہ جملہ ضروریات کو پورا کرکے پالنے والا یہ ادون مجھ خانہ دار کے لئے نشٹ نہ ہو۔ بلکہ میرے لئے یہ ایسی کام دھینو ثابت ہو۔ کہ میری سب کا مناؤں کو پورا کردے (دوسرے معنے) ہیں

کل جہان میں پھیلے ہوئے۔ تمام لوگوں میں فتح اور نصرت دلانے والے مکتی نام اودن کا برہم گیانیوں کو شبھ سماچار دیتا ہوں۔ داس لئے اے امرت پترو۔ یہی پرار تھنا کرو۔ کہ ہے پرمیشور! یہ امرت سے سب کو ترپت کرنے والا اودن مجھ طالب نجات کے لئے نشٹ نہ ہو۔ بلکہ میرے لئے کام دھنیو ہو کر میری تمام قسم کی کامناؤں کو پورا کرے۔

۳۹۔ برہمنوں کا فرض

اس منتر میں نہایت خوبی سے سُورگ کے حاصل کرنے کا گر بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ برہمن اس سورگ کے پرماتما کی طرف سے اصل ادھیکاری ہیں۔ وہ گیان اور تپ وسنتوش سے خود سوُرگ میں ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو جہالت اور لذات نفسانی کی غلامی سے بذریعہ وعظ حق بچا کر سکھ اور راحت پانے کا مستحق کرتے ہیں۔ ان سے ملی ہوئی علمی روشنی کے ذریعہ سے تمام لوگ نیک عمل کرتے اور پاک کمائی سے بہ آرام گزر کرتے ہوئے اولاد کی پیدائش۔ پرورش۔ تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے اور دُنیا کو صحیح معنی میں اپنے لئے سوُرگ بناتے ہیں۔ دوسرے معنی میں برہم گیانی ہی نجات کا مستحق ہے۔ یہ برہمنوں کو اس اودن کے یا شبھ سماچار ملنے کا صحیح مطلب ہے۔

۴۰۔ سب مُرادیں پُوری

قرآن میں اس کام دھنیو کا مفہوم مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا ہے۔ (حوالہ نمبر۱ سورۃ النحل آیت ۳۱) جو کچھ وہ چاہینگے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا۔

(حوالہ نمبر۲ سورہ یٰس آیت ۵۷ و ۵۸) ان کے لئے وہاں سب پھل ہوں گے۔ اور جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ اور خدائے رحیم کا قول ہوگا "سلامتی" یہ پھل دھرم ارتھ کام اور موکھش کے ہیں۔ اور ویدمنتروں میں جو ایشور کی اشیر باد سوستی سوستی لفظ کی صورت میں ہے۔ قرآن میں سلامتی کے نام سے ہے۔ (حوالہ نمبر۲ سورۃ الصّافات آیت ۶۰ و ۶۱) یقیناً یہی جنت کا حصول ہی۔ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور ایسی ہی کامیابی کے لئے اہل عمل کو عمل کرنا چاہئے۔

(حوالہ نمبر۴ سورۃ الزمر آیت ۶۱) جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ خدا اُن کی سب مُرادیں پُوری کرکے اُنہیں نجات دیگا۔ انہیں نہ تکلیف ہوگی۔ نہ دکھ ملیگا۔

۴۱۔ فاتح جہاں

اس منتر میں سورگ کو (लोक जितम) فاتح جہاں) کہا ہے۔ اور سام وید ۵ - ۵ - ۹ میں یہی مدعا بیان ہُوا ہے

आविर्भ र्या आवाजं वाजिनो आमन देवस्य सवितु। सवम।

स्वर्ग अर्वन्ती जयत॥

صاحب علم فانی انسان اس سب کے خالق علم مجسم پرماتما کی علم پر مبنی تحریک سے فیض پاتے ہیں۔ اس لئے اے علم والے لوگو! اس سوُرگ میں فتح و نصرت کے ساتھ داخل ہوؤ۔

(حوالہ نمبر ۲ سورۂ اعراف آیت ۴۹) قرآن کہتا ہے۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔
(حوالہ نمبر ۹۴ سورہ ق آیت ۳۴ میں لکھا ہے۔ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا ہی قرآن میں یہ بھی دعا ہے۔ کہ اے خدا ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ جنت میں داخل کر۔ کل دنیا کو جنت کہنا بھی یہی مفہوم رکھتا ہے۔

۴۲۔ دو قسم کا جنت

तत संतु मन्वेके तरन्ति येषां दत्तं पित्र्यं. मायनेन।
अवन्ध्वेके ददतः प्रयच्छन्तो दातचेच्छिक्षान्त्स स्वर्ग एव॥

اتھروید ۶۔ ۱۲۲۔ ۲

جن لوگوں نے دنیا میں پیدا ہو کر پتری رن (قرضہ) چکادیا ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اولاد کو پیدا کر کے ہی تر جاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو بے اولاد ہیں۔ یا دنیوی رشتوں سے قطع تعلق کئے ہیں تو بھی اپنے قرضخواہ کا قرضہ چکانے والے کے مانند ہی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اگر اپنے علم اور دولت وغیرہ کو سب کے دانا پرمیشور کے راہ میں ہی خرچ کر دیں۔ تو یہی ان کے لئے سورگ ہے۔

۴۳۔ ادائے قرض

چونکہ ویدک سدھانت یہ ہے۔ کہ کرم کرتے ہوئے ہی جینے کی خواہش کرنی چاہئے۔ یہی وہ طریق ہے۔ جس میں انسان کے لئے کرم بندھن کا موجب نہیں ہوتے۔ اس لئے کرم کے متعلق فرض ادا کرنے کا ہی نام جنت یا سورگ ہے اور دنیوی سورگ میں یہ فرض دو طرح پورا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انسان اولاد پیدا کر کے پتری رن (پدری قرضہ) سے سرخرو ہو۔ یہ قرضہ کیا ہے۔ والدین کی طرف سے ہمیں پیدا کرنے کا دیوہار۔ جیسے ہمیں زندہ رکھنے اور علم دینے میں مختلف طریقوں سے دیورن اور رشی رن کے ہم زیر بار ہیں۔ ویسے ہی والدین کا قرضہ ہم پر ہے۔ اور اس قرضہ کو چکانے کے فرض سے ہم اس طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ کہ شادی کر کے ہم بھی اسی طرح اولاد پیدا کریں۔ اور یہ سرخروئی ہماری ایک قسم کا سورگ ہے۔ لیکن جو لوگ شادی نہیں کرتے اور اولاد پیدا نہیں کرتے۔ وہ بدستور مقروض رہتے ہیں۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے۔ کہ بغیر اولاد پیدا کرنے کے بھی انسان پتری رن سے مکت ہو جاتا ہے۔ وہ طریق کیا ہے؟ یہ کہ انسان اپنی دولت اپنے علم اپنی طاقت کو راہ حق یعنی دوسروں کی بھلائی میں خرچ کر دے۔ اس قربانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کے ہزارہا بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کامیابی دینے کے لئے اس کی طاقتیں معاون ہوتی ہیں۔ اس کی دولت کئی یتیموں کو موت سے بچا سکتی ہے۔ اس کا علم کئی لوگوں کو روحانی موت سے رہائی دیتا ہے۔ قرآن کے سورۃ الرحمٰن کی آیات ۴۶ تا ۷۷ (حوالہ نمبر ۳۳) میں اول تو بار بار یہ ہدایت دی ہے۔ کہ تم اپنے رب کے ہمیشہ شکر گزار رہو۔ خدا کی نعمتیں یاد دلا دلا کر بار بار یہی کہا ہے۔ کہ تم اپنے خدا کی کس کس نعمت سے انکار کر سکتے ہو۔ پھر آیت ۴۶ میں کہا ہے۔ کہ جو لوگ خدا کے جاہ و جلال سے

ڈرتے ہیں۔ ان کے لئے دو جنّت ہیں۔ سو ایک تو گھر میں بیوی بچوّں والدین وغیرہ کے ساتھ راحت و اطمینان سے رہنا اور دوسرا دُنیوی دولت وغیرہ سے اپنے ہم جنسوں کی ہمدردانہ اعانت ہونا۔ خدا کا خوف دل میں رکھنے سے انسان گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جائز طریق پر اولاد پیدا کرکے اپنے خاندان کے گلشن کو شگفتہ اور سرسبز رکھتا ہے۔ اور اپنی دولت وغیرہ سے بھی اس گلشن عالم کو شاداب کرتا رہتا ہے۔ غرضیکہ برہمن علم کی طاقت سے دوسروں کو بچا کر اور ویش اپنے دھن سے علم اور دھرم کے کاموں میں مدد دے کر اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ تو یہ ہر ایک کے لئے اپنی اپنی قسم کا جنّت ہے۔ سب عمل دیویان یا صراطِ مستقیم کو صاف کرکے سُورگ میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

۴۴۔ دو چشمے

वभ्रं स्वर्यो मुखमेतद् विमृड्ढयज्याय लोकं कृणुहि प्रविद्वान्।
घृतेन गात्रान सर्वा वि मृड्ढि कृण्व पन्थां पितृषु यः स्वर्गः॥

(اتھروید۔ ۱۱۔ ۱۔ ۳۱)

ہے اوہوریو! رعیّت کی رکشا کرنے والے راجہ کو صاف کر اور تو بڑا بھاری عالم ہو کر آجیہ داس کھشاتربل کے بھوگ کے لئے اس لوک کو کردے۔ اور سارے انگوں کو خاص طور پر تیج سے بھردے۔ میں اس سُورگ کے راستہ کو صاف کروں۔ جو بزرگوں کی عنایت سے ملتا ہے۔ (دوسرا حوالہ)

वृषभोऽसि स्वर्ग ऋषीनार्षेयान गच्छ।
सुकृतां लोके सीद तत्र नौ संस्कृतम्॥

اتھروید ۱۱۔ ۱۔ ۳۵

حوالہ نمبر ۳۔

यं वां पिता पचति यं च माता रिप्रान्निर्मुक्त्यै शमलाच्च वाचः॥ स ओदनः शतधारः स्वर्ग उभे व्याप नभसी महित्वा॥

اتھروید ۱۲۔ ۳۔ ۵۔

اے سُورگ تو سُکھ کی بارش کرنے والا ہے۔ تو رشیوں اور رشی سنتان کو حاصل کر۔ تو نیک عمل کرنے والے لوگوں کے مقاموں میں براجمان ہو۔ وہاں ہی ہم کو پاکیزہ حالت میں رکھ (حوالہ نمبر ۲) اے مرد و عورت تو! جس ویریہ یا برہمچریہ بل کو تمہارے ماں باپ تیزی رن چکانے اور بانی کے پاپ سے بچا رہنے کے لئے نہایت پختہ کرتے ہیں۔ وہی سو برس کی عُمر دینے والا سُورگ یا صدہا دھار یا نعمتوں کی ندیوں والا سُورگ ہے۔ وُہی دونوں لوکوں یا موجودہ اور آئندہ سنتانوں کو اپنی عظمت سے اثر پذیر کرتا ہے۔ ان منتروں میں خاص قسم کے دو چشموں کا ذکر ہے۔ اور سُورۃ الرحمٰن آیت ۵ میں بھی لکھا ہے۔ کہ مذکورہ بالا دونوں جنتوں میں دو چشمے ہیں۔ یہ چشمے گویا دونوں باغوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ایک تو ہے برہمچریہ سے رکشا کی گئی ویریہ کی طاقت والا چشمہ جس سے تمام طاقتیں قائم رہتی اور اولاد پیدا ہونے سے گرہست کا باغ سرسبز رہتا ہے۔ اور دوسرا چشمہ ہے علم کا۔ اس سے انسانی سوسائٹی کا وہ تعلق قائم رہتا ہے۔ جو امن اور راحت کا موجب ہو سکتا ہے۔ پہلے حوالے میں رعیت کی رکھشا کرنے والا راجہ یا سارے انگوں کو تیج سے بھرنے والا کھشاتربل اسی ویریہ والے پہلے چشمے کا بیان کرتا ہے۔ اور سُورگ کے لئے

جو دوسری شرط بڑا بھاری عالم ہونے کی ہے۔وہ دوسرے حوالہ میں رشیوں اور نیک عمل لوگوں کے بیان میں ہے۔ تیسرے حوالے میں دونوں چشموں کا بیان ایک ہی جگہ موجود ہے۔ اول ویریہ یا برہمچریہ کا بل جس سے اولاد پیدا کرکے انسان پتری رن سے سرخرو ہوتا ہے۔اور دوسرا اباتی کے پاپ سے بچانے والا علم کا چشمہ

۱۱۱۳۔ دو اور جنت

سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر ۶۲ میں بیان ہے۔ کہ آیت ۴۶ میں بیان شدہ دو جنتوں کے علاوہ دو اور باغ ہیں۔ سو یہ باغ لوک اور پرلوک کے دو باغ ہیں۔ آیت ۴۶ والے باغ تو شخصی تعلق رکھتے تھے۔ یعنی ہر گرہستی کا اولاد پیدا کرنا اور اپنے مال و دولت کو حق پر لگانا۔ لیکن یہ دو باغ بڑے وسیع تعلق والے ہیں۔ وشیشک درشن میں کہا ہے۔

ادھیائے اول شلوک۔ ۲۔ यतो ऽभ्युदय निः श्रेयस सिद्धि : सधर्मः॥ جس سے دنیوی دولت اور موکھش کی یعنی لوک اور پرلوک دونوں کی سدھی ہو۔ وہ دھرم ہے۔ سو دو قسم کے یہی باغ ہیں۔ دفعہ ۸۴ کے حوالہ نمبر ۳ میں سو برس کی عمر دینے اور سینکڑوں دھاروں یا نعمتوں کی ندیوں والا سورگ دونوں لوکوں کو اپنی عظمت سے اثر پذیر کرتا ہے۔ ایک سورگ ہے۔ اس میں دنیوی سکھ ہی ہیں۔ اور ان سکھوں کی بدولت اطمینان کی حالت میں انسان پرلوک کے لئے جو حصول گیان کی تیاری کرتا ہے۔ یہ اس کو دوسرے لوک کے لئے مفید پڑتا ہے۔ وہ دوسرا لوک اتھروید ۱۲-۳-۳۸ میں مذکور ہے۔

उपां स्तरीरकरो लोक मेत मुरुः प्रथताम समः स्वर्गः।
तस्मिंच्छ्रयातै महिषः सुपर्णो देवा एनं देव ताभ्यः प्रयच्छान ॥

اتھروید ۱۲-۳-۳۸

تو خود اس لوک کو بناتا اور پھیلاتا ہے لاثانی سورگ بڑھے اور پھیلے۔ اس میں علم وغیرہ صفات سے موصوف طاقت کل پرمیشور موجود ہے۔ اسے وہ روشن بالذات خود دیوتاؤں کے سپرد کرتا ہے۔

انسان خود اپنے علم اور نیک عملوں کو وسعت دے کر نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ اور ایسے دیوتاؤں یا عالموں کو پرماتما وہ سورگ لوک یا روحانی سرور کی حالت عنایت کرتا ہے۔

آٹھواں باب - قانونِ عمل

۱۱۳- ویدک سدھانت

یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ایشورمنش کو اُپدیش دیتے ہیں۔ کہ انسان کے لئے دُکھ سے بچنے کا طریق یہی ہے۔ کہ سو سال یعنی تمام عمر بھر وید کے مطابق عمل کرتا ہُوا ہی جئے (۱)

اسی ادھیائے کے منتر ۹ میں فرمایا ہے۔ کہ غیر مخلوق مادہ کے اپاسک تاریکی مجسم نیچ قالبوں میں جاتے ہیں۔ اور مخلوق مادی اشیاء کے اپاسک ان سے بھی زیادہ خوفناک حالتوں میں مبتلا ہوتے ہیں

رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۲۰ میں کہا ہے۔ جیو آتما پرکرتی روپی برکھش کے پھلوں کو چکھتا ہے۔ یعنی جیسے ان کو استعمال میں لاتا ہے۔ ویسا ہی پھل پاتا ہے۔

یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۳ میں کہا ہے۔ جہالت مجسم لوکوں کو آتم گھاتی لوگ پراپت ہوتے ہیں۔

اتھروید ۱۹-۵-۱ میں کہا ہے۔ وہ پرمیشور تمام جانداروں اور مختلف شکلوں والے تمام پدارتھوں کا راجہ ہے۔ انسان ان پدارتھوں کے حصُول کے لئے اس پرمیشور کی صحیح معنوں میں ستتی یعنی اس کی یاد کرتے ہوئے ان کا استعمال کرتے ہیں۔ تو وہ انہیں یہ دھن دیتا ہے۔ (۲)

یجروید کے برہمن میں ہے۔ جیو جس کا من میں دھیان کرتا ہے۔ اس کو بانی سے بولتا ہے۔ جسے بانی سے بولتا ہے کرم سے کرتا ہے۔ اور جسے کرم سے کرتا اسے پراپت ہوتا ہے۔ (۳)

اور اس طرح کے عالمگیر اصول کو ان مختصر الفاظ میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

اوشیمیو بھگتویم کرتہ کرم شبھاشبھم

یعنی بھلے بُرے جو کام کئے جاتے ہیں۔ ان کا پھل بھوگنا ہی پڑے گا۔

قانونِ عمل کے متعلق وید کی تعلیم کے زیرِ اثر منو وغیرہ کا فرمان ہے۔ اور مہرشی دیانند نے بھی اسی امر کو ثابت کیا ہے۔ کہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی حرکت بھی بغیر پھل کے نہیں رہتی۔ تعلیم وید کے مطابق انسان کے کل کام جتنے

۱- कुर्वन्नेवेह कर्म्माणि जिजीविषेच्छतं समाः ।
एवं त्वयि नान्यथेतोऽस्ति न कर्म लिप्यते नरे ॥ २ ॥

۲- इन्द्रो राजा जगतश्चर्षणीनामधि क्षमि विषुरूपं यदस्ति ।
ततो ददाति दाशुषे वसूनि चोदद् राध उपस्तुतश्चिदर्वाक ॥

۳- यन्मनसा ध्यायति तद्वाचा वदति यद्वाचा वदति तत्
कर्मणा करोति यत् कर्मणा करोति तदभिसम्पद्यते ॥

کہ دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا چھونا وغیرہ کی حرکات بھی سنسکار کی شکل میں انسان کے اندر نقش ہوتی ہیں۔ یہ سنسکار مٹ نہیں سکتے۔ گویا کہیں بھی چھپ چھپا کر کام کرے۔ لوگوں کو معلوم ہو نہ ہو۔ کرنے والے کے من میں وہ نقش ہو جاتا ہے۔ پورانوں میں اس امر کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ چترا اور گپت نام کے دو دیوتا انسان کے اندر رہ کر اس کے عملوں کو لکھتے رہتے ہیں۔ موت کے وقت دھرم راج کی طرف سے یم کے دوت آتے اور انسان کو پکڑ لے جاتے ہیں تب چتر گپت والا چٹھا دھرم راج کے پیش ہوتا۔ اور انسان کو اس کے مطابق پھل ملتا ہے۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ دھرم راج نام پرمیشور کا ہے۔ مرنے کے وقت یم نام ہوا۔ آکاش کے ذریعے آتما ایک شریر کو چھوڑ کر دوسرے شریر میں جاتا ہے۔ جیسے سنسکار آخیر میں زور پر ہوتے ہیں۔ ویسے ہی قالب کی طرف روح کو رجوع ہوتا ہے۔ اور یہی بات صحیح ثابت ہوتی ہے۔ کہ انت متا سو گتا اور یہی ایشوری انصاف کے مطابق ہے۔ اس لئے ان کی اس صفت کے دویہ گن کی وجہ سے انہیں بھی دیوتا کہا جاتا ہے۔ اور انسان پر واضح کیا جاتا ہے۔ کہ تمہارے واسطے ناممکن ہے۔ کہ تم اپنے کسی گناہ کو پرمیشور سے چھپا سکو۔ اور اس کے دکھ روپ پھل سے بچ سکو۔

۱۱۴۔ قرآنی تعلیم

قرآن میں بھی ویدک تعلیم کے مطابق سکھ دکھ کا مدار اعمال پر ہی رکھا ہے۔ سورۃ البقر آیت ۳ تا ۶ میں کہا ہے۔

جو غیب پر ایمان لاتے۔ عبادت وغیرہ کام بلا ناغہ کرتے۔ اور ہمارا دیا ہوا رزق (بھلائی میں) خرچ کرتے ہیں۔ ۳۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر ظاہر ہوا۔ اور پرلوک (آخرۃ) پر یقین رکھتے ہیں۔ ۴۔ یہی لوگ اپنے خدا کے راہ ہدایت پر ہیں۔ اور یہی فلاح (پھل) پانے والے ہیں۔ ۵۔ (۱) بقر ۷ و ۸۔ تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں انہیں ڈرانا نہ ڈرانا ایک برابر ہے۔ وہ ماننے کے نہیں۔ ۷۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر رکھی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پٹی ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۸۔ (۲)

نوٹ :۔ دلوں اور کانوں پر مہر کرنے کے صحیح مفہوم کے لئے دیکھو ہماری ویدک تفسیر۔

بقر ۲۷ فاسق وہ ہیں۔ جو ازلی عہد اللہ کو توڑتے۔ جس کے حصول کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتے اور دنیا میں خرابی پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں (۳)

بقر ۳۵۔ اور ہم نے حکم دیا تھا۔ کہ اے آدم تم اپنی بیوی کیساتھ جنت میں رہو۔ اور اس میں سے جہاں سے چاہو۔ بے تکلف کھاؤ۔ مگر اس درخت (مادی دنیا کے سامانوں) کا دلدادہ نہ بننا۔ اس سے تم گناہگار ہو گے۔ (۴)

۱۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

۳۔ اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ ۔۔۔ الخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۔ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔

بقر ۳۸ و ۳۹ ۔ سو جب مجھ سے تمہاری طرف ہدایت پہنچے ۔ اس پر جو چلیگا اسے نہ خوف رہیگا نہ رنج ۔ اور جو ہماری تعلیمات سے انحراف اور ان کی تکذیب کریں گے ۔ وہ دوزخ والے ہوں گے ۔ اور اسی میں رہیں گے ۔ (۱)

بقر ۶۲ ۔ تحقیق اہل ایمان کیا ۔ اور یہودی ۔ نصرانی اور صابی کیا ۔ جو بھی اللہ اور عاقبت پر ایمان لائیگا ۔ اور نیک عمل کریگا ۔ اپنے رب سے پھل پائیگا ۔ نہ اس کے لئے خوف ہوگا ۔ نہ رنج ۔ (۲)

بقر ۸۱ و ۸۲ بے شک جس نے برائی کمائی ۔ اور اپنے گناہوں سے گھر گیا ۔ وہ دوزخ والا ہے ۔ اور جنہوں نے ایمان لاکر نیک عمل کئے ۔ وہ اہل جنت ہیں ۔ (۳)

بقر ۱۱۲ و ۱۱۳ کہتے ہیں ۔ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا ۔ سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ۔ یہ ان کی کہنے کی ہی بات ہے کہو ۔ اگر سچے ہو ۔ تو اپنا ثبوت لاؤ ! حق یہ ہے ۔ کہ جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف پھیر لیا ۔ اور نیک عمل بنا اسی کو اپنے رب کے ہاں اجر ملیگا ۔ اور نہ انہیں خوف ہوگا نہ رنج (۴) یہی منشا بقر ۔ ۲۷۷ ۔ آل عمران ۔ ۹۶ و مائدہ ۶۹ کا ہے ۔

بقر ۱۴۱ میں کہا ہے ۔ یہ گذرے ہوئے لوگ ہیں ۔ ان کے واسطے جو انہوں نے کیا ۔ اور تمہارے واسطے جو تم نے کیا ۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائیگا ۔ کہ وہ کیا عمل کرتے تھے ۔ (۵)

بقرہ ۲۸۱ ۔ آل عمران ۲۴ ۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا ۔ (۶)

آل عمران ۔ ۱۹۵ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل ضائع نہیں کرتا ۔ خواہ مرد ہو ۔ خواہ عورت ۔ ۷ ۔

نساء ۔ ۳۲ ۔ اللہ نے جو تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے رکھی ہے ۔ اس کا ارمان نہ کرو ۔ مردوں نے جیسے کرم کئے ہوں ۔ ان کو ان کا بھاگ اور عورتوں نے جیسے عمل کئے ہوں ۔ ان کو ان کا بھاگ ۔ (۸)

نساء ۔ ۱۲۳ ۔ فلاح نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے ۔ نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر بلکہ عمل پر موقوف ہے ۔ پس جو برا کام کریگا ۔ اس کی سزا پائیگا ۔

انعام ۔ ۱۳۳ ۔ جیسے جیسے عمل لوگوں نے کئے ہیں ۔ ان کی ہی رو سے ان سب کے درجے ہوں گے ۔

---

۱ ۔ فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون

۲ ۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (۳) بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ

۴ ۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصری تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین ۔ بلی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

۵ ۔ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ۔

۶ ۔ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون

۷ ۔ فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی ج

۸ ۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن وسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ کان بکل شیء علیما ۔

اعراف ۸ و ۹۔ تول اس دن صحیح ہوگی۔ جن کے نیک عمل کا وزن بھاری ہوگا۔ کامیاب ہوں گے۔ اور جن کے نیک عملوں کا وزن ہلکا ہوگا۔ وہی ہماری آیتوں کی نافرمانی کرتا رہنے کی وجہ سے نقصان اٹھائیں گے۔ (۱)
ھود۔ ۱۱۱۔ اور تمہارا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور پورا پورا دیگا۔ کیونکہ جیسے جیسے عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس کو سب خبر ہے۔ ایسا نہ سمجھنا۔ کہ خدا ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ (۲) انبیاء ۴۷۔ اور قیامت کے دن ہم سچی ڈنڈیاں لگاویں گے۔ کسی پر ذرہ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا۔ تو ہم مجرا دیں گے۔ اور حساب لینا بس ہم پر ختم ہے۔ (۳)

۱۱۵۔ کراماً کاتبین

جس طرح ویدک دہرمی لوگ مانتے ہیں۔ کہ کرم سب سنسکاروں کی شکل میں ہمارے اندر رہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں جگہ بہ جگہ کہا ہے۔ کہ انسان کے اوپر لکھنے والے مقرر ہیں۔ سنسکاروں کو باقیات کہا ہے۔ کہیں اپنے ہاتھ یا اعضا کی کمائی اور جیسے ویدک دھرمیوں نے چتر گپت ودیوتا مانے ویسے ہی قرآن نے کراماً کاتبین دو فرشتے کہے۔
سورۃ الانفطار آیت ۵ و ۶ میں انسان کو مخاطب کیا ہے۔ کہ خدا نے تمہیں عجیب وغریب صورت اور اوصاف عطا فرمائیں۔ مگر تم دھرم سے بے پرواہ ہو۔ اس گمراہی کی وجہ کیا ہے؟ ارے گناہ کرنے والے انسان! یاد رکھ! "یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے تعینات ہیں کون ہیں کراماً کاتبین جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ جانتے ہیں۔ انفطار۔ ۱۲-(۴)
ان سنسکاروں کو ہی قرآن بہترین اندوختہ کہتا ہے۔ اور جیسے ویدک دہرمی مانتے ہیں۔ کہ ان سنسکاروں کے مطابق ہی گتی ہوتی ہے۔ ویسے ہی قرآن بھی کہتا ہے۔ کہ خدا ان کی کمائی ان کے آگے رکھ دیگا۔ یا ان کے اعمال ان پر واضح کر دیگا۔ کہیں یہ لکھا ہے۔ کہ ہاتھ۔ پیر وغیرہ اعضا گواہی دیں گے۔ اور یہ بھی بتایا ہے۔ کہ جس خدا نے ہاتھ پیر وغیرہ کو کام کی طاقت دی ہے۔ وہی انہیں اس وقت طاقت گویائی دیگا۔ مطلب یہ کہ جیسے رات کو خواب میں انسان کے ہاتھ۔ پیر وغیرہ نہیں چلتے۔ مگر ان کے عملوں کی یادداشتوں کے بل پر سب کام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سنسکار اپنی زبانِ حال سے بتاتے ہیں۔ کہ ان اعضا سے کیا کیا حرکات کی گئیں۔ سورۃ المجادلۃ آیت ۱ میں کہا ہے۔
اللہ اس وقت ان کے عمل ان کے سامنے رکھیگا۔ اس نے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ خواہ انسان انہیں بھول گیا ہو۔ اس کے بعد خدا کو حاضر ناظر بتایا۔ اور سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسان کہیں بھی ہو۔ خدا اس کے پاس اس کا نگران ہے۔ جیسے وید میں اسے ساکھشی چیتن کہا ہے۔ سورۃ لقمان آیت ۱۵ و ۱۶ میں کہا ہے۔ آخر لوٹنا تم نے ہماری طرف ہے سو

۱۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ۔
۲۔ وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ
۳۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ۔
۴۔ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ
۵۔ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

جیسے عمل تم کرتے رہے ہو۔ ہم تم پر واضح کردیں گے۔ بیٹا اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی فعل ہو۔ اور وہ کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں پر یا زمین میں ہو۔ تو وہ بھی اللہ لا حاضر کریگا۔ تحقیق وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔ (۱)

اگر غور کیا جاوے۔ تو سچے انصاف کا مدار ہی ایسی شہادت پر ہوسکتا ہے۔ جس میں امکان غلطی کا نہ ہو۔ اور یہ قدرت کا عجیب انتظام ہے۔ کہ سنسکاروں کی بدولت روح اپنے لئے خود شہادت مجسم بنا ہوتا ہے۔ انسانی عدالتیں ہر مقدمہ کے متعلق فیصلہ کا انحصار مثل مقدمہ پر رکھتی ہیں جس میں موقع واردات اور وقوعہ کے متعلق تمام حالات کو جیوں کا تیوں نقش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بذریعہ شہادت و ترک وغیرہ کے۔ یہ سارا انتظام اسی سنسکار والے انتظام کی ہی نقل ہے۔

۱۱۶۔ توبہ و معافی

ویدک تعلیم کی رُو سے ہر گناہ کی سزا لازمی طور پر ملتی ہے۔ مگر بعض علماء اسلام قرآن کے رو سے توبہ کرنے پر گناہ کے معاف ہونے کے غلط عقیدہ کے قایل ہیں۔ یہ ظاہر یہ اعتقاد ویدک تعلیم سے مختلف ہے۔ لیکن حقیقت کے لحاظ سے اس کے عین مطابق ہے۔ توبہ کرنا۔ معافی مانگنا۔ گڑگڑانا وغیرہ بذات خود سزا ہے۔ خفیف سی بُری حرکت پر فوراً اس سے پچھتانا اور آئندہ اس سے باز رہنے کا ارادہ کرنا۔ گو کتنی بھی خفیف سزا سمجھا جاوے جرم کی نوعیت کے لحاظ سے وہ ضرور منصفانہ سزا ہوگی۔ درگذر کرنا یا معافی دینا محض سخت سزا کی عدم ضرورت کا نام ہے۔ اور قرآن توبہ و معافی وغیرہ کا مفہوم محض یہی بیان کرتا ہے۔ کہ انسان خود اپنی ضمیر کی آواز سے یا سوسائٹی سے ندامت پاکر اپنی اصلاح خود کرے دیکھتا دے۔ گویا توبہ سزا سے چھوٹنا نہیں۔ بلکہ برائی سے بچ کر نیکی کی طرف لوٹنا ہے جبلے سمجھی اور عدم تدبر پر مبنی معافی کا خیال گناہ کی ترقی کا موجب ہے۔ بہ مصداق ع کرجائے تو کر جو مار اگستاخ شاعر نے اسی غلطی کا خاکہ ان لفظوں میں کھینچا ہے۔

صد سال بدیں غرض گناہ خواہم کرد ۔۔۔ تا بنگرم کہ فضل تست بیش یا گناہِ من

واقعی سزا نہ ملنے کا اعتقاد خدا کے ذوالفضل ہونے کی صفت کے انتہائی مضر مفہوم کو چیلنج کرتا ہے۔ اور قرآن ایسی توبہ و معافی کو کہیں بھی قابل تسلیم قرار نہیں دیتا۔

بقر۔ ۱۶۰۔ مگر جن لوگوں نے پشچاتاپ کیا۔ اور اپنی اصلاح کی اور صاف صاف گناہ کا اقبال کیا۔ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ (۲)

آل عمران۔ ۸۹۔ ہاں گناہ کرنے کے بعد جو لوگ پچھتاویں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ تو تحقیق خدا غفور اور رحیم ہے۔ (۳)

۱۔ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

۲۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

۳۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

آل عمران۔ ۹۰۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کریں۔ اور کفر میں ترقی کرتے جاویں۔ ان کی توبہ کسی طرح قبول نہ ہوگی۔ یہی گمراہ لوگ ہیں۔(۱)

نساء۔ ۱۷۔ اللہ ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے اور پھر جلدی ہی پشچاتاپ کرتے ہیں۔

نساء۔ ۱۶۔ اور کوئی دو ہستیاں تم میں سے بدکاری کی مرتکب ہوں۔ تو انہیں مارو۔ پیٹو۔ پھر اگر توبہ کرلیں۔ اور اپنی حالت کو سدھار لیں۔ تو ان سے تعرض نہ کرو۔ (۲)

نساء۔ ۱۸۔ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو عمر بھر برے کام کرتے ہیں۔ مگر جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوتی ہے۔ تو کہنے لگتے ہیں۔ اب میری توبہ اور ان کیلئے ہی نہیں۔ جو کفر کی حالت میں مر گئے۔ سب کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے۔ (۳)

نساء۔ ۱۴۶۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی۔ اپنی حالت سدھار لی۔ اللہ پر تقوے کر لیا۔ اور اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کر لیا۔ وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے۔(۴)

اسی طرح مائدہ۔ ۳۹ وغیرہ کتنی ہی آیات میں اس اصول کو بیان کیا گیا ہے۔

جرم کا مدار نیت پر ہے۔ لہذا جو پہلی مرتبہ محض مرکب الخطاء ہونے سے برائی کرتا ہے۔ اس کے دل میں گناہ کا اثر سچے پشچاتاپ سے اڑ جاتا اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ پس ظاہری سزا انسان کے اندرونی خیالات اور اس کے مخصوص گناہ کی نوعیت کے مطابق مختلف قسم کی ہو سکتی ہے۔ معدوم کسی صورت میں مانی نہیں جا سکتی۔ سزا کا معدوم ہونا تو کہاں۔ گمراہ منکروں اور کافروں کی توبہ کی کچھ وقعت ہی نہیں۔

غرضیکہ اس پہلو میں بھی قرآن وید کی پوزیشن کے عین مطابق ہے۔

۱۱۷۔ نہ شفاعت نہ رشوت

بقرہ ۴۸ و ۱۲۳۔ اور ڈرو اس وقت سے کہ کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور نہ کوئی شفاعت قبول ہوگی۔ نہ معاوضہ لیا جائیگا۔ اور نہ کوئی مدد مل سکیگی۔(۵)

انعام۔ ۵۱۔ قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ۔ جو خوف رکھتے ہیں۔ کہ ان کا حشر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کے سوائے ان کا نہ کوئی دوست ہوگا۔ نہ شفیع۔ اس طرح شاید یہ پرہیزگاری

۱۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝

۲۔ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۱۷) وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

۳۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

۴۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

۵۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝

اختیار کریں۔ (۱)

انعام ۔ ۷۰ ۔ جنہوں نے دھرم کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ اور جنہیں دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کو نظر انداز کر۔ ہاں انہیں نصیحت دیتا رہ۔ مبادا کوئی اپنی کرتوت کے بدلے مبتلائے آفت ہو جائے۔ خدا کے سوائے اس کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ سفارشی اور خواہ وہ کتنے ہی معاوضے دے۔ اس سے کوئی معاوضہ نہ لیا جائیگا۔ یہی ہیں جو اپنے عمل سے مبتلائے آفت ہوئے ہیں۔ (۲)

بقر ۔ ۲۵۴ ۔ اے ایمان لانے والو! ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آ دے کہ نہ کوئی سودا ہو سکے۔ نہ دوستی نہ سفارش۔ (۳)

بقر ۔ ۲۵۵ ۔ ویونس ۳ اس کے اپنے اذن (مشیت) کے سوا کون ہے۔ جو اس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے۔ (۴)

المائدہ ۔ ۳۶ و رعد ۔ ۱۸ ۔ جن لوگوں نے کفر کیا۔ اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کا مال و متاع ہو۔ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو۔ اور وہ یہ سب کچھ دے کر قیامت کے عذاب سے بچنا چاہیں۔ تو بھی یہ ان سے قبول نہ ہوگا۔ وہ عذاب ہی پائیں گے (۵)

مریم ۔ ۸۸ ۔ وہاں شفاعت کا اختیار نہ ہوگا۔ ہاں رحمان والے عہد کا، یعنی ہی شفاعت ہوگا۔ (۶)

آل عمران ۹ و ۱۱۶ ۔ اللہ کے ہاں منکروں کے نہ مال کام آئیں گے۔ نہ ان کی اولاد۔ پس یہی ہیں دوزخ کے ایندھن (۷)

۱۱۸ ۔ فلاح کا مدار محض نیکی پر

جہاں رشوت و شفاعت کا خدا کے انصاف میں کوئی دخل نہیں۔ وہاں نیکی کرنے پر اچھا پھل نہ ملنے کا بھی کوئی امکان نہیں اور قرآن تمام امور کا خیال چھوڑ کر نیکی اور محض نیکی یعنی صحیح علم اور عمل پر ہی بھروسہ کرنے کی انسان کو ہدایت دیتا ہے۔

۲- وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ

۱- وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ٥

۳- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

۴- مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ٥

۵- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥

۶- لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا

۷- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ٥

نسآء - ۱۶۱- ان میں سے جو پختہ علم والے مسلمان ہیں۔ وہ ان کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو تم پر اور تم سے پہلوں پر ظاہر ہوئیں۔ وہ نمازیں پڑھتے - زکوٰۃ دیتے۔ اور اللہ اور پرلوک (عاقبت) پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ (۱)

آل عمران ۱۱۳ تا ۱۱۵ - اہل ایمان سب یکساں نہیں۔ کچھ لوگ راتوں کو کھڑے رہ کر آیات الٰہی پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ ۱۱۳ - اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے۔ نیک کاموں کے کرنے کو کہتے۔ برے کاموں سے روکتے۔ اور نیک کاموں میں لپس کو دہی پڑتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہمارے نیک بندوں میں داخل ہیں۔ ۱۱۴ - اور نیکی کسی طرح کی کریں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ کہ ان کی اس نیکی کی قدر نہ کی جائے۔ اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے۔ ۱۱۵ - (۲)

نساء - ۱۳۲ - جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کا ہی ہے۔ اور وکالت بس اللہ پر ہی ختم ہے (۳)

اس طرح بہت سی آیتوں میں پر زور تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اچھا پھل ملنے کے لئے سوائے اپنے نیک عمل اور انصاف الٰہی کے کوئی اور ذریعہ نہیں۔

اتھرو وید کانڈ ۱۲ - سوکت ۳ منتر ۴۸ میں کہا ہے۔ ایشور کے قانون عمل میں کوئی بھول نہیں ہو سکتی نہ سفارش وغیرہ کا سہارا ہو سکتا ہے۔ نہ مددگاروں کے ساتھ جا کر بدعملوں کے نتیجہ سے بچاؤ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا اعمالنامہ جیوں کا تیوں بلا کسی کمی بیشی کے پوشیدہ طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور کرم پھل کی پکائی فصل ہی کرم کرنے یا پکانے والے کو پھر پھر ملتی رہتی ہے۔ یعنی اعمال کا نتیجہ ہی انسان کی پراربدھ یا تقدیر ہے (۴)

اس منتر کے لفظ پاتر کا ترجمہ ہم نے اعمالنامہ کیا ہے۔ اس کی توضیح ۲۷ ویں باب میں کی جاوے گی۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ قانون عمل کے متعلق ہر پہلو کو قرآن صحیح صحیح تسلیم اور بیان کرتا ہے۔ اور اس منتر میں قریباً ان تمام اصولوں کا اجمالی بیان موجود ہے۔ ویدک دھرمی اور اہل اسلام دونوں نے دھرم یا سچائی کی حقیقت کو نہ جان کر رواجات کا نام دھرم رکھا ہے۔ لیکن وید نے کھیتی اور فصل کی حقیقت سے واضح کر دیا ہے۔ کہ کسی نمائشی خیال سے کام نہیں چل سکتا۔ قرآن سورۃ البقر آیت ۱۷۷ میں اچھی طرح کان کھولتا ہے۔ کہ ظاہری رواج کا نام صحیح علم و عمل نہیں۔ اور ساتھ ہی تمام نیک اعمال کی توضیح بھی بالکل وید والی کرتا ہے۔ اس

۱- لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا

۲- يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ -

۳- وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

۴ न कि ल्विवमत्र नाधारो अस्तित्र यन्मित्रैः सममममान एति ।
अनूनं पात्रं निहितं न एतत् पक्तारं पक्वः पुनराविशाति ॥
अ० १२।३।४८ ॥

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

نیکی اس کا نام نہیں، کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے۔ کہ تم خدا۔ عاقبت۔ نیک عالم لوگوں۔ کتاب الہی اور نبیوں کو مانو۔ اور اس کی محبت پر اپنے قریبی لوگوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں (نیتھیوں) بھکھاریوں اور حفاظت کے کاموں میں مال کا استعمال کرو۔ نماز کے پکے۔ زکوٰۃ کے دینے والے اور عہد کر کے اپنے عہد کا ایفا کرنے والے مصیبت اور تکلیف کے وقت اور دوران مصیبت میں مستقل مزاج رہو۔ بس ایسے ہی لوگ صادق ہیں۔ اور یہی متقی ہیں۔ (۱)

نہ صرف کان کھول کر سناتا ہے۔ عقل کی آنکھ سے دیکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے آنکھیں تو تمہارے پاس ہیں۔ پس جو دیکھے یا سمجھے اس کا نفع اس کی ذات کو ہے۔ اور جو دیدہ دانستہ اندھا رہیگا۔ اس کا بار بھی اسی پر ہوگا۔ انعام - ۵-۱۰ - (۲)

ان عملوں سے بے پرواہ یا ان کے خلاف عمل کرنے والوں سے قرآن کفر کا الزام منسوب کرتا ہے۔ اور ان کو شدت کے عذاب کے لازمی طور پر ملنے کا ذکر کر کے مثالوں سے عبرت دیتا ہے۔

انعام ۵۶ میں فرمایا ہے۔ کافروں پر وہی کچھ گذریگا۔ جو فرعون کے لوگوں اور اس سے پہلوں پر گذرا۔ انہوں نے احکام خدا کی بے توقیری کی۔ اور خدا نے انہیں ملیا میٹ کر دیا۔ اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا۔ کہ وہ ظالم تھے۔ ( )

ایک آل فرعون کیا۔ قرآن تمام گذشتہ قوموں کی اسی تقدیر کا اشارہ کر کے برائی سے بچنے اور بھلائی کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انعام - ۶ میں کہا ہے۔

کیا ان لوگوں کو خیال نہیں۔ کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو تباہ کیا ہے۔ ان کی دنیا میں ہم نے وہ دھاک باندھ دی تھی۔ کہ ابھی تک تمہاری نہیں بندھی۔ ہم نے ان پر موسلا دھار مینہ برسایا۔ ان کے لئے نہریں رواں کر دیں۔ مگر جب انہوں نے گناہ کئے۔ ہم نے انہیں سزا دی۔ ان کا ناش کیا۔ اور دوسری امتوں کو ان کی جگہ برسر اقبال کر دیا۔ (۳)

غرضیکہ نیک اعمال کے لئے ترغیب اور تحریص دینے کے لئے اور بدی سے ہٹانے کے لئے قرآن نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور جس طرح ویدک دھرمیوں نے گناہوں کے بدلے میں دکھ ملنے کے اصول کو نرک کے لفظ میں بند کیا۔ اور دکھوں کی آگ یا نار کی وجہ سے ہی اس کا یہ نام رکھا۔ قرآن نے بھی دوزخ یا آگ

۱- لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

۲- قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ

۳- اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ

وغیرہ ہی دکھ کی حالت کا نام رکھے ہیں۔ ویدک دھرمیوں نے آگ میں جلنے۔ گرزوں سے پیٹا جانے۔ سانپوں سے ڈسا جانے۔ پیاس کے مارے زبان نکالنے۔ مگر پانی نہ ملنے۔ الٹا کھولتے ہوئے پانی سے زبان جلنے اور کھانے کے لئے پیپ وغیرہ قسم کی گندگی و نجاست ملنے۔ آروں سے چیرا جانے وغیرہ کے خوفناک چتر جس ڈرکھانے کے لئے کھینچے ہیں۔ قرآن میں بھی اسی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور ہدایت دی ہے۔ کاش تو دیکھے کس طرح فرشتے کافروں کو موت دیتے۔ اور ان کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگاتے۔ اور وہ آتش عذاب میں جلتے ہیں۔ یہ تمہارے ان عملوں کا نتیجہ ہیں جو تم نے اپنے ہاتھوں زادراہ بناکر بھیجے۔ ورنہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ انفال۔ ۵۲ ـ ۵۱ (۱)

غرضیکہ دکھوں سے بچنے کے لئے محض اوپر بیان شدہ نیک اعمال کی ہی ضرورت ہے۔ اور اسی کو اپنا نصب العین بنانے کی ہدایت قرآن بقر۔ ۱۴۸ میں دیتا ہے۔

اور ہر ایک کا اپنا اپنا نشانہ ہے۔ یعنی مذاق جس کی طرف اس کا رجحان رہتا ہے۔ لہذا تم نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔ اس سے جہاں بھی تم ہوگے۔ اللہ سب کو وہیں کھینچ لائیگا۔ (۲)

۱۱۹ - نفس کشی

وید میں جسم کے تمام اعضا سے کام لینے والا من کو کہا ہے۔ اور کام کے متعلق ہدایت یہ ہے۔ کہ وہ گیان یا سچے علم کے مطابق ہو۔ اس علم کا احساس کرنیوالا تمام عقل ہے۔ پس من کا کام عقل سلیم کے ماتحت ہونا لازمی ہے۔ اور اسی لئے گائتری منتر یا سورۃ فاتحہ میں عقل کی روشنی یا راہ ہدایت کی دعا مانگی گئی ہے۔ اور اگر عقل کی رہنمائی نہ رہے یا عقل علمی روشنی سے اس قدر محروم ہو کہ من کو قابو میں رکھ یا راہ نہ دکھا سکے۔ تو من تمام حواس سے کام اس طریق پر لیتا ہے کہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ اور عرصہ پاکر انسان نقصان کو ہی نفع سمجھ لیتا ہے۔ ایسے خودسر یا باغی من کو پھر علم اور عقل کی رہنمائی میں قائم کرنے کے لئے جو عمل کیا جاتا ہے۔ اپنے من کا مارنا۔ مغلوب کرنا یا قتل کرنا کہا جاتا ہے۔ اور بے قابو یا خودسر من کو نفس امارہ یا شیطان کہا جاتا ہے۔ وید میں اہی شبد ہے جس کے معنے بادل ہے۔ جو روشنی یا سورج کے آگے روک ہے۔ اسی طرح سرکش من بھی علم حق کے مطابق عمل نہیں کرنے دیتا۔ سانپ انسان کی ہستی کو ہی مٹاتا ہے۔ غرضیکہ بادل۔ شیطان۔ سانپ من سب اہی کے مفہوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قدیم کتب میں جہاں اہی کا لفظ آتا تھا۔ وہاں مترجموں نے موقعہ و محل و اصول کا علم نہ ہونے سے کوئی سا لفظ لکھ دیا ہے۔ چنانچہ بُرے انسان یا نفس کی بجائے بائبل والے نے حوا کے بہکانے والا سانپ کو لکھ دیا۔ قرآن مجید میں سورۃ البقر میں صفرا کا لفظ ہے۔ لغات میں اور معنوں کے علاوہ اس کے معنے آدمی کے اندر کا یا پیٹ والا سانپ کہا ہے۔ اور یہ نفس امارہ کے لئے ہے۔ فارسی میں سعدی کے شعر میں کہا ہے۔ کہ نالائق بیٹے سانپ سے بھی بُرے ہیں۔ مکاشفات

۱۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ -

۲۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ -

میں ابلیس۔ بادل۔ اجگر۔ سانپ کو ایک ہی ہستی ظاہر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہی لفظ ایک ہی ہے۔ جس کے سارے معنے مختلف موقعوں پر بلاتمیز موقعہ کے لکھے گئے ہیں۔ پارسیوں میں شیطان کا نام اہرمن ہے۔ یہ درحقیقت سنسکرت کا لفظ تھا۔ : अहिमन یعنی اہی من ہے۔ قرآن میں بھی من کو ہی اندر کا سانپ اور ابلیس اور شیطان کہا ہے۔ اگر کوئی آدمی کافر یا شیطان کہلاتا ہے۔ تو وہ محض اسی بے قابو من کی حقیقت واضح کرتا ہے۔ شیطان کی کوئی جدا ہستی نہیں۔ نیک عمل کرنے کے لئے وید میں من کو شیو سنکلپ بنانے کی ہدایت ہے۔ اور بھیسے خیالات والے من کو مارے بغیر نیک عمل کا ہونا ناممکن بتایا۔ اور یہی کچھ قرآن نے سورۃ البقر میں موسیٰ کے نام سے ان لفظوں میں بتایا ہے۔ کہ میرے بھائیو! تم نے بچھڑا بناکر یا پوج کر اپنے آپ کا ہی نقصان کیا ہے۔ پس جناب باری کی طرف رجوع کرو۔ اپنے نفس کو مارو۔ یہی خدا کی جناب میں تمہارے لئے بہتر ہے۔

اسی نفس کے لئے آگے چل کر بقر کا لفظ آیا ہے۔ جس کو لوگوں کے نہ سمجھنے پر مختلف اوصاف نفس بتاکر سمجھایا گیا ہے۔ اور اس کو ذبح کرنیکا مطلب صاف طور پر نفس کشی کو بتایا ہے۔ اور اس کا نتیجہ نور یا گیان کا حصول یا آتما کی پوشیدہ طاقتوں کا ظہور بتایا ہے۔ اس قسم کے اشارات پر غور کیا جاوے۔ تو ویدک دھرم اور اسلام میں گمراہ اور بدعمل لوگوں کو راہ پر لانے یا نیک عمل کرنے کے لئے من کو قابو کرنے کی ایک ہی ترکیب بتائی گئی ہے۔

یہ خیال کہ شیطان لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے۔ محض من کی خودسری کا ہی مترادف ہے۔ لہذا قانون عمل کی کامیابی کے ساتھ پابندی کرنے کے لئے اس نفس کشی کا خیال لازمی ہے۔ اور بڑے سے بڑے مرتاض لوگوں کے واقعات ویدک دھرمی لوگوں اور مسلمانوں میں بھی نفس کشی کی ہی اہمیت کا احساس کراتے ہیں۔ جتے اکر من جیتے جگ جیت یا ایسی ہی اور ضرب المثلوں میں نفس اماره جیسے موذی کا مارنا انسان کو فاتح جہان کا خطاب دیتا ہے۔ اس فتح کا اصل مطلب علم اور عقل کی طاقت کا ترقی پانا ہے۔ وید بھی سچے علم سے من اور حواس کی رہنمائی پر زور دیتا ہے۔ اور قرآن بھی سورۃ المایدہ ۵ آیت ۴ میں کہتا ہے۔ کہ جائز حق یا حلال کا پتہ خدا کے دیئے ہوئے علم سے اپنی کام کی طاقتوں کی تربیت کرنے پر ملتا ہے (۱)

ویدیجروید کے پہلے منتر میں کہتا ہے۔ اشیائے عالم کو بے ضرر طریق پر حاصل کرو۔ اور قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ ان کو بھوگو۔ جن سے تسکین ملے۔

۱۲۰۔ نقد حساب

وید کے مطابق ثمرۂ اعمال انصاف الہٰی سے ساتھ کے ساتھ مل رہا ہے۔ مکتی۔ بندھن سکھ دکھ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اور یہی پوزیشن قرآن کی ہے۔ جیسا کہ اکثر جگہ خدا کو سریع الحساب وغیرہ کہنے سے ظاہر ہے۔

آل عمران۔ ۱۸۔ جو لوگ خدا کی آیتوں سے منکر ہیں۔ اللہ ان سے جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی سزا جزا دیتے ہوئے اسے دیر نہیں لگتی۔ (۲)

آل عمران۔ ۱۹۹۔ اہل کتاب میں سے بے شک کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز اس پر جو تم پر اور

۱۔ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ :

۲۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۔

تم سے پہلوں پر نازل ہوا۔ وہ اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑے سے پر فروخت نہیں کرتے ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ہے۔ اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ (۱)

اسی طرح کئی آیتوں میں خدا کو سریع العقاب کہا ہے۔ یعنی جلد سزا دینے والا۔ ایسا ہی ذو انتقام اور شدید العقاب وغیرہ الفاظ کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ وہ ہمیشہ سزا جزا دینے والا ہے۔ یہ خیال کہ موہوم قیامت کے دن خدا انصاف کریگا۔ اور لوگوں کو بہشت دوزخ میں ڈالیگا۔ وزندار نہیں ہو سکتا۔ جب اس سے پہلے عملاً ساری دنیا کو سکھ دکھ مل رہا ہے۔ تو بہشت دوزخ کیا باقی رہ گئے۔ بعض آیات مثلاً یونس۔ ۱۱ وغیرہ میں کہا ہے۔ کہ خدا سزا دینے کے لئے جلدی نہیں کرتا۔ تاہم اس کا مطلب محض یہ ہے۔ کہ وہ کم ظرف اوچھے آدمیوں کی طرح غصہ اور طیش میں آکر مخالفین حق کو ایذا نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے کامل انصاف سے جس وقت اور جس ترتیب سے جس جس فعل کی سزا یا جزا دینا مناسب ہے۔ اسی وقت اور اسی ترتیب سے دیتا ہے۔

۱۲۱۔ قانونِ عمل اٹل ہے

قرآن میں جب یہ کہا گیا۔ کہ نہ شفاعت نہ رشوت کی خدا کے قانون کے عملدر آمد میں پیش جا سکتی ہے۔ نہ کل دنیا کی کیا اتنی ہی اور دولت کا معاوضہ دے کر بھی کوئی سزا سے چھوٹ سکتا ہے۔ تب یہ ظاہر ہے۔ کہ قانونِ عمل اٹل ہے۔ لیکن آنحضرت اس اصول کی پختگی کو اور طرح بھی واضح کرتے ہیں۔ وہ خدا کو بے مثال اور لاشریک مانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جہاں انسان قانون بدلنے میں مجبور ہے۔ وہاں کوئی اور طاقت بھی اس کو بدل نہیں سکتی۔ نہ خدا کے کسی کام میں کوئی اس کا شریک ہے۔ نہ اس جیسا کوئی اور خدا ہے۔ تب انسان کو دنیوی دولت و رشتہ داروں کی طرح کوئی اور بڑی ہستی ماننے کی بھی نوبت نہیں آسکتی۔ جو خدا سے اپنی طاقت سے سچے انصاف کے خلاف کچھ کرا سکے۔ ایک خیال ہو سکتا ہے۔ کہ سچے رسول کی شفاعت والا اعتقاد صحیح ہو۔ سو اس شے کے لئے آنحضرت خود فرماتے ہیں۔ کہ

"میں تو خود ڈرتا ہوں۔ کہ اگر مجھ سے گناہ ہو گیا۔ تو بڑے دن یعنی برہم دن کا عذاب پاؤنگا۔ یونس۔ ۱۵۔ (۲)

آل عمران آیت ۱۶۱ میں کہا ہے۔ کہ اگر نبی بھی خیانت کریگا۔ تو قیامت کے دن اس کا نتیجہ بھگتے گا۔ (۳)

مطلب یہ کہ ہر شخص عمل کے مطابق پھل پائیگا۔ کسی کے متعلق انصاف ڈھیلا نہ ہوگا۔

اعراف ۱۸۸ و یونس ۴۹ میں کہا ہے۔

میرا اپنا ذاتی نفع نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں۔ جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے) (۴)

اسی طرح وہ بار بار قانون عمل کے متعلق انسانوں کی ذمہ داری کے ٹلنے کی کوئی صورت نہ ہونے کا پُر زور

۱۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔

۲۔ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔

۳۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

۴۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔

بیان کرتے ہیں۔ سبحان اللہ میں کیا چیز ہوں۔ محض تم سا ایک بشر۔ محمد کیا ہے۔ محض ایک رسُول اور رسُول کون ہے۔ محض لوگوں تک کلام الٰہی کا پیغام پہنچانے والا۔ اور محض حکم خدا کے مطابق کہنے سے قابلِ قبول۔ آنحضرت اپنے آپ کو نابینا اور بینا خدا کے رستہ دکھانے کا محتاج اور اسی کی ہدایت پر چلنے کے ذمہ وار بتاتے ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے۔ کہ تم ان تک ہدایت پہنچا دو۔ بس آگے تمہارا اس سے واسطہ نہیں۔ کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق بس ہیں جنوں اور وہ۔ آل عمران آیت ۱۲۸ میں کہا ہے۔ کہ تیرا اس باب میں کوئی دخل نہیں۔ کہ خدا ان پر رحم کرے یا انہیں عذاب دے۔ کاش کہ دنیا وید کے اس اصول کو آنحضرت کی طرح سمجھ سکے۔ کہ

पदा पराँरि राध सो निबोधस्व मह्य आसि। नहित्वा कंचन प्रति ॥

کیا زور سے اور صاف صاف سنا دیا ہے۔ کہ پربھو اتنا مہان اور اس کا قانون اتنا اٹل ہے۔ کہ کوئی اس میں مخل نہیں ہو سکتا۔ اور ہو بھی کیسے۔ جب کوئی اس کا پرتی نہیں۔ یعنی بڑا یا مخالف یا برابر یا اس کا قائمقام غرضیکہ وید اور قرآن کا متفقہ زور اسی پر ہے۔ کہ انسان پختہ اعتقاد رکھیں۔ کہ دکھ سے بچنے کا سوائے خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے کوئی ذریعہ نہیں۔

نواں باب۔ آواگون

۱۲۲۔ اصُولی مطابقت

جب قانونِ عمل میں وید اور قرآن کی تعلیمی مطابقت مسلمہ ہے۔ تو آواگون کے متعلق اختلاف ہونا محالات سے ہے۔ کیونکہ آواگون محض اس قانونِ عمل کا عملی پہلو ہے۔ سورگ اور بہشت کی مطابقت جو ساتویں باب میں دکھائی ہے۔ وہ بھی آواگون کا ہی ایک نام ہے۔ رُوح جب سکھ کی حالت یا راحت بخش کرہ میں ہے یا مادی تعلقات سے آزاد ہو کر اس سرور یا لذات پرمیشور کا وصل پاتا ہے۔ تو وہ گویا ایک حالت سے دوسری حالت میں آتا ہے۔ اور جب پھر دکھی یا مادی تعلقات والی حالت کو لوٹتا ہے۔ تو وہ پھر اسی پہلی حالت میں جاتا ہے۔ پس سورگ اور بہشت یا قانون عمل کی مطابقت آواگون کے متعلق اصولی مطابقت کا ثبوت ہیں۔ اور اس کے علاوہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں ہم نے ایک خاص اعتراض پر بحث کرتے ہوئے اس مضمون پر جامع بحث کر دی ہے۔ تاہم مجملاً اس باب میں بھی کچھ ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

۱۲۳۔ دو راستے

یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ میں ہے۔
دو راستے ہیں۔ ایک گیانیوں کا جس سے سکھ اور نجات کا حصول ہوتا ہے۔ دُوسرا اگیانیوں یا پاپیوں کا۔ جس سے دکھ اور جنم مرن ہوتا ہے۔ ان دیو اور پتری یان نام دو مارگوں میں سنسار چکر لگا رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے۔ (۱)

۱۔ द्वे सृती अशृणवं पितॄणामहं देवानामुत मर्त्यानाम्।
ताभ्यामिदं विश्वमेजत्समेति यदन्तरा पितरं मातरं च ॥

یہ عالمگیر اصول آج تک روئے زمین کی تمام قوموں سے برابر مانا گیا ہے۔ بنیادی اصولوں کی لاعلمی سے اگر کوئی آواگون یا مکتی اور بندھ کا لفظ نہیں بولتا۔ تو بھی سکھ اور دکھ۔ علم اور جہالت۔ نیک اور بد۔ ثواب اور گناہ۔ دہرم ادہرم یا دین اور کفر اور خدا اور شیطان کی حالتوں اور دوہستیوں کا اقبال سب کو ہے۔ اور قرآن میں تو سورۃ فاتحہ میں ہی ان دو رستوں کا واضح بیان کر دیا ہے۔ صراط مستقیم نام ہے دیویان کا۔ اس کو صراط الذین انعمت علیہم کہہ کر بتا دیا ہے۔ کہ نعمتوں یا سکھ اور نجات کے پانیوالے لوگوں کا راستہ ہی دیویان ہے۔ اور غیر مغضوب علیہم والضالین کہہ کر بتادیا ہے۔ کہ اس کی ضد دوسرا رستہ وہ ہے۔ جس پر خدا کے غضب میں۔ مبتلا ہونے والے دکھی یا آواگون میں بھٹکنے والے لوگ چلتے ہیں۔ اسے ہی پتری یان کہنا چاہئے۔

۱۲۴۔ آواگون قانون الہی ہے

رگوید منڈل ۔ ۱۔ سوکت۔ ۲۴۔ منتر ۱ و ۲ میں کہا ہے[1] (سوال منتر ۱) ہم لوگ کس کا نام پاک سمجھیں۔ کون غیر فانی اشیاء کے اندر موجود دیوتا ہمیشہ موجود بالذات سبکو ظاہر کرنیوالا ہے۔ اور ہمکو اس زندگی یا مکتی کی میعاد کے بعد پھر اس دنیا میں پیدا کرتا اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے؟ (جواب منتر ۲) ہم اس تجلی بالذات۔ قدیم۔ ہمیشہ مکت پرماتما کا نام پاک سمجھیں۔ جو ہم کو اس زندگی یا مکتی کا آنند بھوگنے کے بعد پھر دنیا میں پیدا کرتا اور ماں باپ کے درشن کراتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آواگون کو وید میں قانون الہی بتایا گیا ہے۔

قرآن میں یہ فتوےٰ کتنے ہی مقامات پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی چند آیات سے واضح ہوگا۔

۱۔ خدا سے تم کس طرح منکر ہو سکتے ہو جس نے تم مردوں کو حیاتی دی۔ وہ تم کو پھر زندہ کرتا اور مارتا رہیگا۔ حتےٰ کہ تم اس کی طرف لوٹو یا اس کا وصل پاؤ۔ بقر۔ ۲۸ (۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب تک نجات نہ ملے۔ آواگون برابر رہتا ہے۔ یہ قانون اپنے مقنن خدا کا بین ثبوت ہے۔

۲۔ آل عمران آیت ۲۶ میں ہے۔ کہ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت ہے۔ گویا دنیا کا اور انسان کا پیدائش اور فنا نیز مکتی اور بندھ کا چکر ہمیشہ سے چل رہا ہے جیسے ضلہ ہے۔ سزا اور جزا کے لئے بھی اس کا قانون ہے۔ (۳)

۳۔ یونس آیت ۴۔ وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے۔ اور وہی پھر پھر زندگی دیتا ہے۔ کہ اہل ایمان اور نیک عمل والوں کو جزا دے[4]

۴۔ سورہ بقر آیت ۲۵۰ میں ایک شخص کا ذکر ہے۔ کہ سلطنت اور خدا داد اقبال پاکر مغرور ہو گیا۔ اور ابراہیم سے خدا کے

कस्य नूनं कतम स्या मृ ता नां मना महे चारु देव स्य नाम को नो मह्या अदितया।
पुनर्दात् पितरं च दृशेयं मातरं च ॥ १ ॥
अग्न वयं ,प्रथम स्या मृता नां मना महे चारु देवस्य नाम । सनो मह्या
अदितये पुनर्दात पितरं च दृशेयं मातरं च ॥ २ ॥

۲۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

۳۔ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۴) اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ

متعلق جھگڑا۔ ابراہیم نے کہا۔ میرا خدا وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا۔ خدا مشرق سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو مغرب سے نکال دکھا (۱) مطلب یہ کہ جب تو موجود سورج کو دوسری طرف سے نکالنے تک میں مجبور ہے۔ تو پیدا اور فنا کرنے پر کس طرح قادر ہو سکتا ہے۔ یقیناً انسانی نہیں۔ یہ قانون الہی ہے۔

۵۔ سورۂ الواقعہ آیت ۵۸ میں کہا ہے۔ "سوچو تو سہی۔ کہ منی جو تم ڈالتے ہو۔ کیا اس کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے خالق ہیں۔ یقیناً ہم ہی نے تم لوگوں میں موت مقرر کی ہے۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں۔ کہ تمہاری شکلیں بدل دیں۔ اور ایسی شکلوں میں بدل دیں۔ جو تم نہیں جانتے (۲) یجروید ادھیائے ۱۲ منتر ۳۶ میں بتایا ہے۔ کہ جیوآتما جل۔ بنسپتی۔ گربھ سے پھر جنم لیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جلوں میں بھی پرانی جنم لیتے ہیں۔ بنسپتی میں بھی اور گربھ میں بھی لیتے ہیں اور یہ بھی کہ (۳) ورشا جل کے ساتھ بنسپتی نام اوشدھیوں سے بنے ویریہ کے ساتھ گربھ میں آتا اور جنم لیتا ہے۔ ویریہ کو بھی پانی کا قطرہ یا نطفہ کہا جاتا ہے۔ اور بنسپتی وا وشدھی کا یہ آخری جوہر ہے۔ جو خدا کی بنائی ہوئی انسانی یا حیوانی جسم والی مشینری میں بنتا ہے۔ انسان ویریہ کو بنسپتی سے خود نہیں بنا سکتا۔

۱۲۵۔ تبدیلیٔ قالب کا مفہوم

قرآن مجید سورۃ النور آیت ۳۷ میں فرماتا ہے۔ خدا کے نور سے فیض یافتہ شخص وہ ہے۔ جسے دنیا کا کوئی لین دین خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ وہ برابر عبادت کرتا اور دان دیتا رہتا ہے۔ اسے اس دن یعنی پنر جنم کا خوف رہتا ہے جس میں دل اور آنکھیں اور حواس بدل جاتے ہیں (۴)۔ انسان کے کاموں کا مدار دل اور جسمانی اندریوں پر ہے۔ اور پنر جنم میں پہلا دل اور حواس نہیں جاتے۔ ان کی جگہ دوسری قالب میں جیسے اوزاروں کا ملنا قانون الہی کے مطابق مناسب ہو ملتے ہیں اور اسی کی قرآن نے اس آیت میں وضاحت کی ہے۔ وید میں اس اصول کا یجروید ادھیائے ۴ منتر ۱۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ من پران آنکھ۔ کان جسم پھر پھر نئے ملتے ہیں۔ لہذا منش کو یہی پرارتھنا کرنی چاہئے کہ وہ قادر مطلق علیم کل تمام گناہوں سے ہمیں بچائے (۵) اس دعا اور قرآن کی ہدایت دونوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ انسانوں کو اعلےٰ قالب یا نجات پانے کے ہی عمل کرنے چاہئیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل آیت ۸۰ میں یہی دعا مانگی گئی ہے۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے صداقت والے قالب میں ہی داخل فرمائیے گا۔ اور ایسی عنایت کیجئے گا۔ کہ جب میں اس قالب سے نکلوں۔ صدق مجسم حالت میں نکلوں۔ اور اپنی جناب سے غلبہ اور نصرت (موت پر فتح) عطا کیجئے گا (۶)۔ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں جیسا ہم نے شروع میں ہی اشارہ دیا ہے۔ صفحہ ۳۰ تا ۵۸ میں اس مضمون پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن مجید میں اعتقاد تناسخ کے ہر پہلو کے متعلق جو مدلل بیانات دیئے۔ اور منکران تناسخ کی جو پر زور مذمت کی ہے۔ سب پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لہذا یہاں ان چند اشارات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱- اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ - قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ -

۲- اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ -

۳- رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا -

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط

اوم

ویداور قرآن

حصہ دوم۔ ویدک تفسیر قرآن مجید

مُصنّفہ

لکھشمن آریوپدیشک

ملنے کا پتہ

ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنس دہلی

حٰم تنزیل من الرحمٰن الرحیم کتٰب فصلت اٰیٰتہ قراٰنا عربیا لقوم یعلمون

وما کان ھٰذا القراٰن ان یفترٰی من دون اللہ ولٰکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتٰب لا ریب فیہ من رب العٰلمین

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا

(مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی)

علامات و رموز اوقاف

سلسلۂ کلام میں حسب ضرورت و موقعہ کم و بیش ٹھہرنا ضروری ہوتا ہے۔ انگریزی میں کاما (،) سیمی کولن (؛) کولن (:) اور فل سٹاپ (۔) کی علامات مشہور ہیں۔ اسی طرح ہر رسم الخط میں کم و بیش علامات ہیں۔ قرآن مجید کے متعلق اس پہلو میں بہت احتیاط اور پابندی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے تلاوت قرآن مجید سے پہلے حسب ذیل امور کو ذہن نشین کر لینا چاہئے

۱۔ ○ یہ گول نشان آیت کے ختم ہونیکا ہے اسپر ٹھہر جاؤ۔ (۲) ۞ گول نشان پر لآ ہو تو ٹھہرنا امر اختیاری ہے۔ مگر یہ لَا تلاوت میں معدوم سمجھا جاوے۔ (۳) ٹھہرنے کی صورت میں آیت ماسبق اور مابعد کو جدا پڑھنے کے لئے حسب ذیل قواعد کی پابندی ضروری ہے۔

اوّل۔ آیت مابعد کا پہلا حرف مشدد ہو تو تشدید کو معدوم سمجھیں جیسے غَفُوْرًا ۞ وَّاذْكُرُوْا کو غَفُوْرًا ○ وَاذْكُرُوْا پڑھو

دوم۔ اگر آیت مابعد میں پہلے اَل ہو تو اَ پر زبر پڑھی جائیگی جیسے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا جائیگا۔

سوئم۔ اگر آیت مابعد میں پہلے نون قطنی (نِ) ہو۔ تو نونِ قطنی اور اسکی حرکات کو معدوم سمجھا جاوے اور اَ پر زبر پڑھی جاوے جیسے قَدِيْرًا ○ نِ الَّذِيْ کو قَدِيْرًا ○ اَلَّذِيْ پڑھا جاوے

چہارم۔ اگر آیت مابعد کا پہلا حرف صرف اُ ہو۔ اور اسکے بعد ساکن مضموم ہو تو اُ پہ پیش پڑھا جاوے اور اُ کے ساتھ نون قطنی ہو تو اسے معدوم سمجھا جائے جیسے كِتٰبٍ مُّبِيْنِ ۞ نِ اذْكُرُوْا کو كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ اُذْكُرُوْا پڑھا جاوے گا۔

پنجم۔ اگر آیت مابعد کے پہلے حرف آ کے بعد ساکن مفتوح یا مکسور ہو تو ا کے نیچے زیر پڑھی جاوے گی جیسے يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۞ ارْجِعِيْ میں مُطْمَئِنَّةُ ○ اِرْجِعِيْ پڑھا جاوے گا۔

(نوٹ۔ ۱) لا یعنے نہیں کی علامت کا گول نشان کے اوپر آنا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ محض ٹھہرنا لازمی نہیں۔

(۴) مں یہ لازم کا اختصار ہے۔ اور اسکا مطلب یہ ہے کہ ٹھہرنا ضرور چاہئے ورنہ مطلب بگڑ جائیگا۔ (۵) ط مطلق کا قایم مقام ہے۔ مراد یہ کہ بات تو پوری ہولی۔ مگر قائل کو مطلب پورا کرنے کے لئے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ (۶) ج۔ جائز کا مخفف ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ٹھہرنا بہتر ہے اور نہ ٹھہرنا جائز۔ (۷) ز۔ تجاوز سے لیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ گذرنا چاہیئے۔ (۸) ص۔ علامت وقف مرخص ہے اس سے مراد ہے کہ بغیر ٹھہرے ملا کر پڑھو لیکن اگر تھک کر ٹھہر جاؤ تو اجازت ہے۔ مگر واضح رہے کہ ص والے وقف میں ز والے وقف سے ملا کر پڑھنے کو زیادہ ترجیح ہے (۹) صلے۔ الوصل اولی کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔ (۱۰) ق۔ قیل سے لیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ قول مرجوع یہ یہی ہے۔ کہ ٹھہر جائے مگر یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔ (۱۱) صل علامت قد یوصل یعنی اگرچہ عملاً ٹھہرا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی ٹھہرا جاتا۔ تو بھی ترک وصل اولیٰ ہے (۱۲) قف۔ صیغہ امر۔ یعنی ٹھہر جا۔ مگر نہ ٹھہرنے پر بھی مطلب نہیں بگڑتا (۱۳) کذ۔ علامت کذالک یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھو۔ (۱۴) س۔ علامت سکتہ۔ مراد یہ ہے کہ تھوڑا ٹھہرے سانس نہ توڑے (۱۵) وقفہ۔ علامت سکتہ طویل یعنی جتنی دیر میں سانس لیتے ہیں اس سے کم ٹھہرے

(نوٹ ۲،۳) سکتہ کا رجحان وصل کی طرف ہے اور وقفہ کا ترک وصل کیطرف (۱۶) لا۔ اس سے مراد ٹھہرنا جائز نہیں (۱۷) جہاں اوپر نیچے دو علامتیں ہوں وہاں اوپر کی علامت پر عمل ہوگا۔

انضباط آیاتِ قرآن مجید

۱ - دو طرح کی تقسیم

قرآن مجید میں کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں جن کو سات منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے - منزلوں کو سورتوں میں اور سورتوں کو رکوعات میں - دوسری طرح کی تقسیم پارہ اور آیات میں ہے - قرآن مجید کے تمام نسخوں میں پاروں کے رکوعات کا نمبر بھی دیا جاتا ہے اور اس سے بھی آیات کا پتہ چلتا ہے - لیکن دراصل پاروں کی تقسیم رکوعات میں مقصود نہیں - دوسرا پارہ سیقول کی ۱۱۱ آیات ہیں - لیکن اس کے رکوع ۱۶ ہیں - اور یہ ۱۰۷ آیت پر ختم ہوتے ہیں - باقی چار آیتیں پتہ کے لحاظ سے پارہ سیقول کے رکوع میں نہیں آتیں - ہاں سورۃ البقر کے ۳۳ ویں رکوع میں وہ چار اور پارہ ۳ کی پہلی آیت ملا کر پانچ آیتیں ہیں اگر پاروں کو رکوعات میں تقسیم کرنا مقصود ہوتا تو ۱۱۱ آیتیں ختم ہونے پر ۱۷ واں رکوع لکھا جاتا - اسی طرح کئی اور پارے بھی پورے پورے رکوعات میں تقسیم نہیں ہوتے بس دوسری طرح کی تقسیم درحقیقت پارہ اور آیات کی ہے -

۲ مخفی رموز

اس تقسیم میں اول تو ایک خاص علمی اصول کام کرتا ہے جو یہ ہے کہ محدود العلم - محدود العقل محدود الجسم غرضیکہ ہر لحاظ سے محدود انسان کا دماغ ہر علم کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی محسوس کر سکتا ہے - یہ محض غیر محدود - علم بالذات طاقت کل خدا کی فطرت کا ہی تقاضا ہے کہ وہ ایک ساتھ ہر جا - ہر وقت کل ارواح مادہ اور کائنات عالم پر حاوی ہے - زمانہ مقام تبدیل حالت کی قیود و عوارضات سے وہ آزاد ہے - اس کے مقابلہ پر انسانی عمر ہے تو سالوں مہینوں اور دنوں سے ناپی جانے والی اسکے رہنے کی دنیا ہے - تو ملکوں صوبوں ضلعوں اور تحصیلوں وغیرہ میں منقسم ہے - سکول ہیں تو جماعت بندی کے بنا چل نہیں سکتے - کتابیں ہیں تو باب فصل دفعہ صفحہ فقرہ وغیرہ کی تفصیل سے ہی دماغ کی گرفت میں آتی ہیں - اور تو کیا انسانی جماعت خود مختلف قابلیتوں - کاموں اور عوارضات سے گروہوں میں منقسم ہے - دوسری باطنی رمز اس تقسیم میں یہ ہے کہ اس میں اس طریق کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے - جو وید منتروں کو منڈل سوکت کانڈ اشٹک - ادھیائے - آرچک وغیرہ میں تقسیم کرنے کا تھا - وید میں اگر منڈل ہے تو قرآن میں منزل ہے - اسلئے کہ عربی میں ڈ کا حرف ہی نہیں - وید میں سوکت ہے تو قرآن میں سورت ہیں - وید میں رچائیں ہیں تو قرآن میں رکوع ہیں چ بھی عربی میں نہیں اور گ بھی نہیں اسلئے رگ اور رچہ کی جگہ رک لیا گیا اور اس سے رکوع بنا - رہا لفظ آیت سو تو صریحاً سنسکرت کا ہے - آیات (आयाति) آتا ہے - اور یات (याति) جاتا ہے کے لفظ مشہور ہیں - اور گیان (علم) گمن (حرکت) اور پراپتی (حصول) ان الفاظ کے مصدری معنوں کے تعلق سے جو کچھ انسان کو ملے آیت ہے - علم - خیال اشارہ نشانی - سبق عبرت وغیرہ سب آیت کے مفہوم میں ہیں اور انہی معنوں میں قرآن میں یہ لفظ آیا ہے - رگوید میں دو طرح کی تقسیم تھی تو قرآن میں بھی دو طرح کی تقسیم ہے - یجروید میں اگر ادھیائے اور منتر تھے تو قرآن میں یہی محض سورت اور آیت سے کام چلتا ہے یا پارہ اور آیت والی تقسیم ہے - یہی نہیں - قرآن مجید کے علوم کی چار قسمیں ہیں - شریعت - طریقت - معرفت - اور حقیقت تو یہ گیان - کرم اپاسنا

اور گیان کانڈ کے مترادف ہیں -

اول تفصیل منازل

منزل	نمبر سورت	نام سورت	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف
اول	۱	فاتحہ	۱	۷	۲۵	۱۲۲
	۲	بقر	۴۰	۲۸۶	۶۲۱۲	۲۶۷۹۲
	۳	آل عمران	۲۰	۲۰۰	۳۵۲۲	۱۵۳۲۶
	۴	نسار	۲۴	۱۷۶	۳۷۲۰	۱۶۶۶۷
دوم	۵	مائدہ	۱۶	۱۲۰	۲۸۴۲	۱۳۴۶۴
	۶	انعام	۲۰	۱۶۶	۳۱۰۰	۱۲۹۳۵
	۷	اعراف	۲۴	۲۰۶	۳۳۸۷	۱۴۶۳۵
	۸	انفال	۱۰	۷۵	۱۲۵۳	۵۵۲۲
	۹	توبہ	۱۶	۱۲۹	۲۵۳۷	۱۱۳۶۰
سوم	۱۰	یونس	۱۱	۱۰۹	۱۸۶۱	۷۷۳۳
	۱۱	ہود	۱۰	۱۲۳	۱۹۳۶	۷۹۲۴
	۱۲	یوسف	۱۲	۱۱۱	۱۸۰۸	۷۴۱۱
	۱۳	رعد	۶	۴۳	۸۶۳	۳۶۱۴
	۱۴	ابراہیم	۷	۵۲	۸۴۵	۳۶۰۱
	۱۵	حجر	۶	۹۹	۶۶۳	۲۹۰۷
	۱۶	نحل	۱۶	۱۲۸	۱۸۷۱	۷۹۷۴
چہارم	۱۷	بنی اسرائیل	۱۲	۱۱۱	۱۵۸۲	۶۷۱۰
	۱۸	کہف	۱۲	۱۱۰	۱۲۰۱	۶۶۲۰
	۱۹	مریم	۶	۹۸	۹۲۸	۳۹۸۶
	۲۰	طٰہٰ	۸	۱۳۵	۱۲۵۱	۵۴۶۶
	۲۱	انبیا	۷	۱۱۲	۱۱۸۷	۵۱۵۴
	۲۲	حج	۱۰	۷۸	۱۲۸۳	۵۴۳۲
	۲۳	مومنون	۶	۱۱۸	۱۰۷۰	۴۵۳۸
	۲۴	نور	۹	۶۴	۱۴۲	۶۴۱
	۲۵	فرقان	۶	۷۷	۹۰۶	۳۹۱۹
پنجم	۲۶	شعرا	۱۱	۲۲۷	۱۳۴۷	۵۶۸۹
	۲۷	نمل	۷	۹۳	۱۱۶۷	۴۸۷۹
	۲۸	قصص	۹	۸۸	۱۴۵۴	۶۰۱۱
	۲۹	عنکبوت	۷	۶۹	۹۹۰	۴۴۱۰
	۳۰	روم	۶	۶۰	۸۲۷	۳۵۴۷
	۳۱	لقمان	۴	۳۴	۵۵۴	۲۲۱۷
	۳۲	سجدہ	۳	۲۰	۲۷۴	۱۵۷۷
	۳۳	احزاب	۹	۷۳	۱۲۱۰	۵۹۰۹
	۳۴	سبا	۶	۵۴	۸۹۶	۳۶۳۶
	۳۵	فاطر	۵	۴۵	۷۹۲	۳۲۸۹
	۳۶	یٰسین	۵	۸۳	۷۳۹	۳۰۹۰
	۳۷	صافات	۵	۱۸۲	۸۷۳	۳۹۵۱
	۳۸	ص	۵	۸۸	۷۳۸	۳۱۰۷
	۳۹	زمر	۸	۷۵	۱۱۸۴	۴۹۶۵
	۴۰	مومن	۹	۸۵	۱۲۴۲	۵۲۱۳
	۴۱	حم السجدہ	۶	۵۴	۸۰۹	۳۴۰۶
	۴۲	شوریٰ	۵	۵۳	۸۶۹	۳۵۸۵
	۴۳	زخرف	۷	۸۹	۸۴۸	۳۶۵۶
	۴۴	دخان	۳	۵۹	۳۴۹	[illegible]
	۴۵	جاثیۃ	۲	۳۷	۴۹۲	۲۱۳۱
	۴۶	احقاف	۴	۳۵	۷۵۰	۲۷۰۹
	۴۷	محمد	۴	۳۸	۵۵۸	۲۴۷۵
	۴۸	فتح	۴	۳۹	۵۶۸	۲۵۵۵
	۴۹	حجرات	۲	۱۸	۳۵۰	۱۵۷۳
	۵۰	ق	۳	۴۵	۳۷۶	۱۵۲۵
	۵۱	ذاریات	۳	۶۰	۳۶۰	۱۵۵۹
	۵۲	طور	۲	۴۹	۳۱۹	۱۳۳۴
	۵۳	نجم	۳	۶۲	۳۶۵	۱۴۵۰
	۵۴	قمر	۳	۵۵	۳۴۸	۱۴۸۲

منزل	نمبر سورت	نام سورت	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف	منزل	نمبر سورت	نام سورت	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف
	۵۵	رحمن	۳	۷۸	۳۵۱	۱۶۸۳		۸۵	بروج	۱	۲۲	۱۰۹	۴۷۵
	۵۶	واقعہ	۳	۹۶	۳۸۴	۱۷۶۸		۸۶	طارق	۱	۱۷	۶۱	۲۵۴
	۵۷	حدید	۴	۲۹	۵۸۶	۲۵۹۹		۸۷	اعلیٰ	۱	۱۹	۷۲	۲۹۹
	۵۸	مجادلۃ	۳	۲۲	۴۷۹	۲۱۰۳		۸۸	غاشیۃ	۱	۲۶	۹۳	۳۸۴
	۵۹	حشر	۳	۲۴	۴۵۵	۳۴۱۶		۸۹	فجر	۲	۳۰	۱۳۷	۵۸۵
	۶۰	ممتحنۃ	۲	۱۳	۳۷۰	۱۵۹۳		۹۰	بلد	۱	۲۰	۸۲	۳۴۷
	۶۱	صف	۲	۱۴	۲۲۳	۹۹۱		۹۱	شمس	۱	۱۵	۵۴	۲۵۴
	۶۲	جمعہ	۲	۱۱	۱۷۶	۷۸۶		۹۲	لیل	۱	۲۱	۷۱	۳۱۴
	۶۳	منافقون	۲	۱۱	۱۸۳	۸۲۱		۹۳	ضحیٰ	۱	۱۱	۴۰	۱۶۶
	۶۴	تغابن	۲	۱۸	۲۴۷	۱۱۲۲		۹۴	انشراح	۱	۸	۲۷	۱۰۳
	۶۵	طلاق	۲	۱۲	۲۹۸	۱۳۳۷		۹۵	تین	۱	۸	۳۴	۱۶۵
	۶۶	تحریم	۲	۱۲	۲۵۳	۱۱۲۴		۹۶	علق	۱	۱۹	۷۲	۲۹۰
	۶۷	ملک	۲	۳۰	۳۳۵	۱۳۵۹		۹۷	قدر	۱	۵	۳۰	۱۱۵
	۶۸	قلم	۲	۵۲	۳۰۶	۱۲۹۵		۹۸	بینۃ	۱	۸	۹۵	۴۱۳
	۶۹	حاقۃ	۲	۵۲	۲۶۰	۱۱۳۴		۹۹	زلزال	۱	۸	۳۷	۱۰۸
ہفتم	۷۰	معارج	۲	۴۴	۲۶۰	۶۷۷	ہفتم	۱۰۰	عادیات	۱	۱۱	۴۰	۱۷۰
	۷۱	نوح	۲	۲۸	۲۳۱	۹۷۴		۱۰۱	قارعۃ	۱	۱۱	۳۵	۱۶۰
	۷۲	جن	۲	۲۸	۲۸۷	۱۱۲۶		۱۰۲	تکاثر	۱	۸	۲۸	۱۲۳
	۷۳	مزمل	۲	۲۰	۲۰۰	۸۶۴		۱۰۳	عصر	۱	۳	۱۴	۷۴
	۷۴	مدثر	۲	۵۶	۲۵۶	۱۱۴۵		۱۰۴	ہمزہ	۱	۹	۳۳	۱۳۵
	۷۵	قیامت	۲	۴۰	۱۶۴	۶۸۲		۱۰۵	فیل	۱	۵	۲۴	۹۴
	۷۶	دہر	۲	۳۱	۲۴۶	۱۰۹۹		۱۰۶	قریش	۱	۴	۱۷	۷۹
	۷۷	مرسلات	۲	۵۰	۱۸۱	۸۴۶		۱۰۷	ماعون	۱	۷	۲۵	۱۹۵
	۷۸	نبا	۲	۴۰	۱۷۴	۸۰۱		۱۰۸	کوثر	۱	۳	۱۰	۳۷
	۷۹	نزعات	۲	۴۶	۱۸۱	۷۹۱		۱۰۹	کافرون	۱	۶	۲۶	۹۹
	۸۰	عبس	۱	۴۲	۱۳۳	۵۵۳		۱۱۰	نصر	۱	۳	۱۹	۸۱
	۸۱	تکویر	۱	۲۹	۱۰۴	۴۳۶		۱۱۱	لہب	۱	۵	۲۴	۸۱
	۸۲	انفطار	۱	۱۹	۸۰	۳۳۴		۱۱۲	اخلاص	۱	۴	۱۷	۴۹
	۸۳	تطفیف	۱	۳۶	۱۷۲	۷۵۸		۱۱۳	فلق	۱	۵	۲۳	۷۳
	۸۴	انشقاق	۱	۲۵	۱۰۸	۴۴۸		۱۱۴	الناس	۱	۶	۲۰	۸۱

فہرست کتب احادیث

نمبر شمار	نام کتاب	سنہ ہجری وفات مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	سنہ ہجری وفات مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	سنہ ہجری وفات مصنف
۱	موطا امام مالک	۱۷۹	۲۴	معجم ابن قانع	۳۵۱	۴۴	طبقات ابن سعد	۹۱۱
۲	مسند ابوداؤد وطیالسی	۲۰۴	۲۵	صحیح ابن حبان وسنن ابن		۴۵	مسند ابی نصر الدیلمی	دوسری صدی کے بعد
۳	مسند الحمیدی	۲۱۹		حبان	۳۵۴	۴۶	زبا خیری	
۴	سنن سعید بن منصور	۲۲۷	۲۶	العظیمۃ ابی الشیخ	۳۵۴	۴۷	مسند امام شافعی	
۵	مسند مسدد	۲۲۸	۲۷	المعجم الکبیر	۳۶۰	۴۸	امالی مسند الشہاب	
۶	مسند اسحاق بن راہویہ	۲۳۵	۲۸	المعجم الاوسط	۳۶۰	۴۹	قضاء الحوائج ابن ابی الدنیا	
۷	مصنف ابن ابی شیبا	۲۳۵	۲۹	المعجم الصغیر	۳۶۰	۵۰	مصنف عبدالرزاق	
۸	مسند احمد	۲۴۱	۳۰	سنن وعمل الیوم واللیل	۳۶۰	۵۱	ضعفاء عقیل	
۹	نوادر الاصول	۲۵۵	۳۱	ابن سینی وطب نبوی ابن	۳۶۴	۵۲	الترغیب فی الذکر	دوسری صدی کے آخر
۱۰	سنن دارمی	۲۵۵		سینی۔		۵۳	موطا امام محمد	
۱۱	جامع الصحیح بخاری	۲۵۶	۳۲	کامل ابن عدی	۳۶۵	۵۴	مسند الفردوس دیلمی	
۱۲	جامع الصحاح یا صحیح مسلم	۲۶۱	۳۳	سنن دارقطنی وافراد دارقطنی	۳۸۵	۵۵	معجم البغوی	
۱۳	سنن ابن ماجہ	۲۷۳	۳۴	الشعب الایمان	۴۰۳	۵۶	فوائد سمویہ - ۱۲	
۱۴	زیادات عبداللہ ابن احمد	تیسری صدی میں	۳۵	مستدرک	۴۰۵			
۱۵	سنن ابوداؤد	۲۷۵	۳۶	فضائل صحابہ ابونعیم				
۱۶	جامع صحیح ترمذی نوادر الاصول	۲۷۹		ہو کتاب الہدی وحلیہ	۴۳۰			
۱۷	سنن نسائی	۳۰۳	۳۷	سنن الکبیر البیہقی	۴۵۸			
۱۸	کتاب الکنی	چوتھی صدی میں	۳۸	الصلوۃ المروزی	۵۰۰			
۱۹	مسند ابو علی	۳۰۷	۳۹	المجلاء وتاریخ دمشق الخطیب	۵۰۲			
۲۰	کافی کلینی۔	۳۰۲	۴۰	مختارۃ الضیاء المقدسی	۶۴۳			
۲۱	اعتدال القلوب	۳۲۷	۴۱	تاریخ ابن عساکر	۵۷۱			
۲۲	مسند ابی بکر بن ابی شیبا	۳۳۵	۴۲	سنن نووی	۶۷۶			
۲۳	مسند ابی حمید	۳۴۹	۴۳	مسند احمد بن میغ	دوسری صدی کے بعد			

نوٹ :- احادیث کے متعلق چشم دید شہادت موجود نہیں یعنی ایسا نہیں کہ آنحضرت کے عین حیات میں یا آپ کے قالب عنصری کو چھوڑنے کے فوراً بعد کسی پورے محرم حال نے احادیث کو جمع کیا اور اس کی سند پر موطا امام مالک کی تصنیف ہوئی ہو بلکہ اس مسالحہ کا مجموعہ تھی جو آپ کے بعد ڈیڑھ سو سال تک عوام الناس کے مختلف قسم کے مذاق و حالات پر مبنی چہ جوئی نتیجہ تھا۔ اور اسی لئے کسی حدیث کی سند آنحضرت یا قرآن مجید کے متعلق کوئی اعتراض کرنا یا ان کے متعلق یقینی رائے قائم کرنا سچی محققانہ سپرٹ کے قطعاً غیر مطابق ہے

فہرست مضامین حصّہ دوم۔ قرآن مجید کی ویدک تفسیر پارہ الم

ویداورقرآن

حصّہ دوم

قرآن شریف کی ویدک تفسیر

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿٥﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

(شروع) اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

حمد (ستتی)، ہو اللہ کی جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ۲۔ رحمان اور رحیم ہے۔ ۳۔ زمانۂ فنا (پرلے کال) کا مالک ہے۔ ۴۔ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کریں۔ اور تجھ سے ہی مدد مانگیں۔ ۵۔ ہمیں راہ راست (سیدھے دہرم) کی ہدائیت فرمائیے۔ ۶۔ اُن لوگوں کے راہ کی۔ جن پر آپ کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نہ اُن کے راہ کی جن پر آپ کا غضب ہوتا ہے۔ اور جو (آواگون میں) بھٹک رہے ہیں۔ (۷)

۱۔ منگلاچرن

قرآن کے ترجموں میں لکھا جاتا ہے۔" رحمان اور رحیم اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں"۔ اس میں "شروع کرتا ہوں"۔ کا فعل صیغہ واحد متکلم جو محض انسان سے استعمال ہو سکتا ہے۔ اعتراضات کا نشانہ قرآن کو بناتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت اصل آیت میں کوئی لفظ ... جس کا ترجمہ "شروع کرتا ہوں"۔ ہو۔ پس آیت کا اصل مفہوم محض بنی نوع انسان کو یہ ہدایت دینا ہے۔ کہ ہر قسم کے آغاز میں ایشور کا نام لیا یا اس کی یاد کی جاوے۔ اور یہ ہدایت وید میں ہے۔ دیکھو اتھرو وید کانڈ۔۲۔ سوکت۔۱۵۔ منتر۔۴۔

इमे त इन्द्र ते क्यं पुरुष्टत ये त्वास्भ्य चराम्रसि प्रभु वसो ।

नहि त्वदन्यो गिर्वणो गिरः सघत् क्षोणी रिव प्रति नो हर्य तद्वच: ॥

اے قابل تعریف صاحب جاہ وجلال پرمیشور ہم آپ کو ہی پکارتے ہیں۔ بغیر آپ کے ہم بھگتوں کی پکار سننے والا کوئی نہیں۔ اس لئے ہم آغاز میں آپ کا ہی دھیان کرکے اپنے کام کو شروع کرتے ہیں ہے پرمیشور جیسے پرتھوی (زمین) بیج بونے پر ہمیں پھل دیتی ہے۔ ایسے ہی آپ ہماری دعا کو قبول کرنے والے ہیں۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں لکھتے ہیں۔ کہ اصل منگلاچرن تو یہ ہے۔ کہ کتاب کے آغاز درمیان انجام غرضیکہ ہر حصے میں سچا ہی سچا بیان ہو۔ اس کے علاوہ جو آج کل ہری اوم۔ سری گنیشائے نمہ۔ ناراینائے نمہ وغیرہ آغاز میں کہا جاتا ہے۔ اسے وید اور قدیم طریق کے خلاف کہہ کر اوم اور اتھ کا ابتدا میں بولا جانا صحیح قرار دیتے ہیں۔ جو محض وید کے مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل ہے۔ پارسیوں میں "بنام ایزد"۔ اور فارسی میں "بنام جہاندار جاں آفریں" وغیرہ شروع میں بولا جاتا ہے۔ منوسمرتی ادھیائے ۲ شلوک ۷۴ میں تو وید پاٹھ کے شروع اور اخیر میں بھی "اوم" بولنے کی ہدایت ہے۔

ब्रह्मणः प्रणवं कुर्या दा दावन्ते च सर्वदा ।

स्रवत्य नो कृतं पूर्वं पुर स्ताच्च विशीर्यति ॥

یعنی وید پاٹھ کے شروع اور اخیر میں سدا اوم کہنا چاہئے۔ شروع میں نہ کہنے سے پاٹھ کا مدعا چلا جاتا ہے۔ اور اخیر میں نہ کہنے سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ چونکہ انسان کے تمام اعمال بلکہ اس کی ہر حرکت کا تعلق ایشور یا خدا کے حکم یا اپنے فرض کی تعمیل کے ساتھ ہونے سے ہی عمل یا حرکت مفید ہوتی ہے۔ اس لئے اگر اس سے غافل ہو کر کام کو شروع کیا جاتا ہے۔ تو اصل مدعا کا خیال دور رہتا ہے۔ قرآن نے قریباً ہر سورت کے آغاز میں یا ہر پہلی سورت کے خاتمہ اور مابعد کی سورت کے آغاز کے درمیان میں اس بسم اللہ والی آیت کو دوہرا کر قدیم طریق منگلاچرن کو قائم رکھا ہے۔ تاکہ انسان کے مساعی جمیلہ کا تعلق اس پاک اور کامل ذات کے ساتھ پیوست رہے۔

۲۔ اللہ

لفظ اللہ عربی میں ایشور کے ذاتی نام کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ویدک دھرمیوں کے مسلمہ اوم نام کی جگہ اللہ لفظ بولتے ہوئے بھی عام اعتقاد اسلام کا یہ ہے۔ کہ اسم اعظم اور ہے۔ اور وہ پوشیدہ ہے۔ ساتھ ہی ہر پوشیدہ یا غیبی امر کو قرآن جا بجا لوح محفوظ کتاب مبین یا ام الکتاب میں مذکور بتاتا ہے۔ اور یہ تمام نام حصہ اوّل میں قرآن کی کثیر التعداد آیات سے محض وید کے لئے ہی استعمال شدہ ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اسم اعظم واقعی وید کا لفظ اوم ہے۔ اس کے ماننے میں کسی کو تامل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کا لفظ اسی کے قائمقام کے طور پر ہے۔

۳۔ لفظ اللہ کا اصل ماخذ

بیان القرآن صفحہ ۵ میں ہم سے مختلف قسم کی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:

"اللہ باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے۔ اور یہی اسم اعظم ہے۔ اور کل اسمائے الٰہی کے لئے یہ لفظ اسم جامع ہے۔ یہ اَلَہَ سے مشتق نہیں نہ اس کا اصل اِلٰہ ہے۔ کیونکہ اِلٰہ غیر اللہ معبود پر بولا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا لفظ نہ اسلام میں اور نہ اسلام سے پہلے کبھی دوسرے معبود پر بولا گیا ہے۔ نہ یہ اَلْاِلٰہ کا مخفف ہے۔ کیونکہ یا اللہ کہا جاتا ہے یا الالہ یا یاالرحمٰن نہیں کہا جاتا۔ پس ال اس میں زائد نہیں۔ عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں!"

۱۔ مولانا نے یہ الفاظ محض بطور دعوے پیش کئے ہیں۔ دلیل یا ثبوت سے کام نہیں لیا۔ ۲۔ لفظ اللہ کو تو ہم بھی ایک متبرک نام سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن نے کہیں اسے اللہ کا ذاتی نام کہا ہو۔ یہ ہمارے علم میں تو سارے قرآن سے کہیں نہیں آیا۔ ۳۔ اَلَہَ یا اِلٰہ وغیرہ کے ماخذ اگر صحیح نہیں۔ تو خود صحیح مادہ یا ماخذ کا پتہ بھی تو دیتے۔ ۴۔ لفظ اللہ کل اسمائے الٰہی کا جامع ہے۔ اس قسم کا دعوے تو خدا کے ہر نام کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے اسکے خصوصیت کے ساتھ جامع اسمائے الٰہی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ آپ نے اپنے دعوے کی اپنی ساری تفسیر میں کہیں توضیح کی ہے۔ (۵) اگر اللہ سوائے خدا کے کبھی کسی دوسرے معبود پر نہیں بولا گیا۔ تو نہ سہی۔ سوال یہ ہے۔ کہ اسے ذاتی نام قرار دینے کی سند کونسی ہے۔ ۶۔ یہ لکھنا کہ کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں۔ ایک قابل اعتراض بڑا بول ہے۔ یجروید کے آخیر میں اوم کو ایشور کا ذاتی نام بتایا ہے۔ ओ३म् खं ब्रह्म (اوم کھم برہم) اس میں اوم ذاتی نام ہے۔ اور کھم برہم سے اس کی صفات وغیرہ کی وسعت کا اشارہ دیا گیا ہے۔ (۷) سنسکرت لٹریچر کی بہت سی کتب میں مدلل بحث موجود ہے۔ کہ اوم خدا کا ذاتی نام اور جامع صفات الٰہی ہے۔ ۸۔ اس کے علاوہ بائیبل کتاب مکاشفات کے آخری فقرات بھی اسی صداقت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ لکھا ہے "میں الفا اور اومگہ ہوں۔ یعنی ابتدا اور انتہا میری ہدایت پر کوئی بڑھائے گھٹائے نہیں۔ میں پیاسے کو آب حیات کے چشمے سے پلاؤنگا"۔ اس کے بعد حالت نجات کا بیان کر کے پھر لکھا ہے۔ "میں الفا اور اومگہ ہوں۔ یعنی ابتدا اور انتہا۔ میری ہدایت پر کوئی بڑھائے گھٹائے نہیں۔ میں پیاسے کو آب حیات کے چشمے سے پلاؤں گا"۔ یہ اَلِفا اور اومگہ لاطینی زبان کے حروف تہجی ہیں۔ ان کے میل سے اوم بنتا ہے۔ وہی اوم اپنے سے وصل پانے والے روح کی پیاس بجھاتا اور روحانی سرور کا آبحیات پلاتا ہے۔ یہ آب حیات نام وید کے امرت لفظ کی جگہ ہے۔ اور نجات یافتہ روحوں کو امرت ملتا ہے۔ یہ عام مسلمہ اصول ہے۔ اس کے علاوہ الفاظ بالا میں خاص علمی رمز ہے۔ کہ اوم کھم برہم میں کھم کی آواز گلے سے شروع ہوتی۔ اور برھم کا لفظ آواز کو ختم کرنے والے ناک کے سوراخ اور ہونٹوں کے میل یعنی دونوں ذریعوں پر ختم ہوتا ہے۔ جس سے ابتدا و انتہا کے الفاظ والی کلام اور اوم نام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اوم کھم برہم کے الفاظ یجروید کے اخیر میں ہیں۔ اور اوپر کے الفاظ مکاشفات کے اخیر میں مکاشفات کے معنے ہیں۔ اندرونی مفہوم ومعانی کا روح پر ظاہر ہونا جو وید کا مدعا ہے۔ اس لئے بائیبل کا آخری حصہ مکاشفات محض وید منتروں سے وابستہ ہے۔ مولانا صاحب کا یہ دعوے۔ کہ کسی اور زبان میں خدا کا ذاتی نام موجود نہیں غلط ہے۔ ۸۔ اگر عربی زبان میں ہی اللہ کا لفظ خدا کا ذاتی نام ہوا۔ تو یہ ایک

تاریخی واقعہ ہوگا۔ نہ کہ ایک مستقل اصول۔ اور اس کا معتبر ثبوت بھی درکار ہوگا۔ کہ فلاں وقت سے یہ ذاتی نام قرار پایا۔ اور یہ وقت عربی زبان کے ظہور کے بعد کا ہوگا۔ اور یہ نام الہامی نہیں۔ بلکہ انسانی ایجاد ہوگا۔ ۹۔ تاریخی ثبوت اوم کے ذاتی نام ہونے میں تو صاف موجود ہے۔ کہ وید جو مسلمہ طور پر قدیم ترین کتاب ہے۔ اس سے لے کر خالص مت تک میں بھی اوم کو ذاتی نام مانا گیا ہے۔ ۱۰۔ بیان القرآن میں کہا ہے۔ کہ عربی میں جو ال زیادہ لگتا ہے۔ اللہ کے لفظ میں وہ ال نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ انگریزی کے THE (دی) کی جگہ عربی میں جو آل لگتا ہے۔ وہ اللہ میں نہیں۔ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ سنسکرت میں جو آل مصدر ہے۔ وہ اس کا اصل ماخذ ہے۔ سدھانت کومدی میں اس کا لفظ یہ بتایا ہے۔

√अल् भूषण पर्याप्ति धारणेषु

وید کی لوک دیو سنا میں اس کے فاضل مصنف نے دیباچہ کے صفحہ ۱۱۳ پر انگریزی میں یوں لکھا ہے۔

ALLAH (Ar.) अल् To adore, be competent, able, ward off

چونکہ خدا ہی کل دنیا کی اصل زینت اور پوجا کے قابل ہونے کی صفات وغیرہ سے موصوف ہے۔ اس لئے مصدر ال سے مشتق ہوا لفظ اللہ خدا کے نہایت اعلیٰ صفاتی نام کے طور پر استعمال ہونا معقول اور بجا ہے۔

۴۔ اللہ لفظ وید کا ہے۔

وید میں اللہ لفظ ماتا کے لئے آتا ہے۔ چونکہ کل جہان کو مادر حقیقی کی طرح اللہ ہی پالتا ہے۔ اس لئے یہ نام خدا کے لئے معقول ہے۔ ایک مغربی محقق صاحب کا خیال ہے۔ کہ اللہ لفظ وید کے ارہہ (अरह:) لفظ سے بنا ہے۔ جینیوں کے معبود کا نام ارہنت دیو ہے۔ اور وہ ارہہ لفظ سے بنا ہے۔ اس لئے یہ محقق صاحب اپنے خیال کو مضبوط سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جب ال مصدر موجود ہے۔ اور معنے و مفہوم کی مطابقت بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ال سے اللہ کو مشتق ماننے کی بجائے ارہہ لفظ کا اسے بگاڑ مانا جاوے۔ رگوید ۴۔ ۱۸۰۔ ۶ میں یہ لفظ موجود ہے۔

एता अर्ष न्त्य ललला भवन्ती ऋतावरीरिव संक्रोशमानाः ॥
एता विपृच्छ किमिदं मनन्ति कमापो अद्रिं परिधिं रुजन्ति ॥

اس منتر میں ندیوں کے اللہ اللہ شبد کرتے ہوئے سمندر کی طرف جانے کا جو ذکر ہے۔ وہ محض اسی قدر یہاں قابل بیان ہے۔ کہ جیسے بچہ ماتا کی ہی یاد پکار کرتا ہے۔ ویسے ہی ندیوں کا سمندر کی یا پانی کا بادلوں کی طرف رجحان ہے۔ پس جہاں اللہ لفظ کی اصلیت اظہر من الشمس ہے۔ وہاں یہ علمی رمز بھی ظاہر ہے۔ کہ عربی میں ال لفظ جو دوسرے الفاظ کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ یہ محض وید سے استعار لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے معنے ہیں زیب و زینت دینا۔ سنسکرت میں سم کا لفظ ہر کام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جو صحیح نیم کے مطابق ہو۔ ویسے ہی عربی میں ال کا لفظ دوسرے الفاظ کو زینت و خوبصورتی دیتا ہے۔

بیان القرآن کے الفاظ پر اعتراض کی معافی مانگتے ہوئے ہم ترجمان القرآن صفحہ ۸ کے ان الفاظ کو دور اندیشی پر مبنی سمجھتے ہیں: "نزول قرآن سے پہلے عربی میں اللہ کا لفظ خدا کے لئے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا جیسا کہ شعراء جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمام صفتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی

تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا۔ اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی۔" گویا فی الحقیقت یہ ایک رواج ہے۔ نہ کہ حقیقی امر رہا۔ یہ امر کہ یہ لفظ کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا تھا۔ سو یہ واقعی معنے خیز ہے۔ کیونکہ ویدمیں بھی اللہ لفظ کسی خاص معنے میں نہیں آیا۔ ندیوں کا اللہ اللہ شبد پکارتے جانا اسے محض اویکت لفظ تبانا ہے۔ تاہم آزاد صاحب کا اُلا یا ولا کو اللہ کا ماخذ ماننا صحیح نہیں۔

۵۔ رحمان اور رحیم

رحمان یا رحیم خدا کے صفاتی نام ہیں۔ علمائے اسلام ان سے مختلف معنے منسوب کرتے ہیں جیسے بہت مہربان۔ نہائت رحم والا بخشش کرنے والا مہربان۔ نہائت رحم والا مہربان وغیرہ۔ لیکن ان کی تشریحات سے پایا جاتا ہے۔ کہ ان کا مفہوم محض وہ دو صفات ہیں۔ جو ویدک لٹریچر میں دیا (رحم) اور نیائے (انصاف) کے الفاظ سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ یہ دونوں الفاظ رحمت سے ماخوذ اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ اور رحمت کے معنے "رقت قلب" کے ہیں۔ اس لئے ظاہرا ان دونوں میں نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور بعض اوقات دونوں کو ہم معنے سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن میں ان دو الفاظ کا کثرت سے استعمال ہے اور بغیر جدا مفہوم کے دو لفظوں کا لکھنا معقول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دو مفہوم یوں بتائے جاتے ہیں۔ کہ سورج چاند زمین وغیرہ کی بیرونی نعمتوں کا انحصار تو رحمان کی صفت پر ہے۔ جو بلا تردد خدا نے رحمان کی طرف سے کل انسانوں کے لئے میسر ہیں۔ اور ان خدا داد قوتوں سے اشیائے عالم کا روح سے جو بھلا و بُرا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بدلہ ملنا بھی اس کے رحم کا ہی تقاضا کرتا ہے۔ مگر اس رحم کا مفہوم عملوں سے وابستہ ہے۔ اور اسے انصاف یا نیائے کہا جاتا ہے جس کا تعلق صفت رحیمیت سے ہے۔ حمائل التفسیر کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:۔

" الرحمٰن۔ یہ اللہ تعالےٰ کا وہ اسم ہے۔ جس کے طفیل سے تمام جاندار مخلوق کو ان کے مناسب حال اعضا ملے۔ اپنی اپنی غذا کی شناخت پیدا ہوئی۔ اور اس کے حاصل کرنے اور بقائے نوع کے طریقے معلوم ہوئے۔ الرحیم وہ اسم الٰہی ہے۔ جس پر انسان ضعیف البنیان کی تمام اُمید اور کامیابی منحصر ہے۔ ... رحمت الٰہی سچے ایمان اور سچے اعمال کے ساتھ مخصوص ہے ...... رحمت الٰہی ان انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو تمام خداداد طاقتوں اور لیاقتوں کو سچے اور پورے طور پر کام میں لاکر ربوبیت اور رحمانیت کے تمام سامانوں سے فائدہ اٹھاتے۔ اور اپنے سچے ایمان اور سچے اعمال اور سچی محبت سے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔" یہ الفاظ ایک طویل تفصیل کا اجمالی جزو ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں۔ کہ رحمان اور رحیم کا مفہوم وہی ہے۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں دیا۔ اور نیائے کے متعلق دیا ہے۔ ویدک دھرم میں انسانی قالب میں جو اعمال کی ذمہ واری بتائی گئی ہے۔ اس پر قانون عمل کی مطابقت سے جو پھل ملتا ہے۔ وہ بھی گو ایشور کی دیا کا ہی ثبوت ہے۔ تاہم اس کے لئے نیائے کا جدا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور سوامی دیانند اس امر کو پختہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ دیا اور نیائے دونوں کی اصل غرض ایک ہی ہے اور وہی رحمان اور رحیم کے دو الفاظ سے یہاں منسوب ہو رہی ہے۔ جو ایک ہی ماخذ رحمت سے مشتق ہیں۔

ا۔ بیان القران میں بار بار اسی اصول کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اقتباسات ذیل سے ظاہر ہے۔

ا۔" رحمانیت یا وہ صفت جو ہر شے کے اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے ضروری اسباب اس کے وجود میں بھی آنے سے پہلے مہیا فرماتی ہے۔ اور رحیمیت یعنی وہ صفت جو ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر یا قانون کی خلاف ورزی پر سزا دیتی

ہے۔ تاکہ نظام عالم قایم رہے۔ (صفحہ ۱)

۲۔ صفت رحمانیت میں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بلا بدل رحمت کرتا ہے۔ کفارہ کے عقیدہ کی تردید ہے۔ یہ رحمانیت چاہتی ہے۔ کہ خدا کا رحم انسانوں پر بلا بدل ہی ہو۔ جیسا کہ اس کی مخلوق میں ہم کو نظر آتا ہے۔ کہ انسانوں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے وہ ان کے لئے سامان مہیا فرماتا ہے۔ صفت رحیمیت میں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان کے اعمال پر جو اس کے قوانین کی فرمانبرداری میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اجر دیتا ہے۔ (صفحہ ۲)

۳۔ اگر غور کیا جائے۔ تو سامانوں کا مہیا ہونا اور جب ان تمام سامانوں کو کام میں لایا جائے۔ تو ان پر اجر مترتب ہونا بھی سلسلہ نظام عالم ہے۔ جس پر کل کاروبار کا مدار ہے۔ جس قدر سامان زندگی اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیئے ہیں۔ جیسے ہوا۔ پانی۔ اناج وغیرہ یہ سب کچھ صفت رحمانیت کا ظہور رہے۔ اور جب ان چیزوں کو ہم اپنے کام میں لاتے ہیں۔ تو ان سے نتایج کا پیدا ہونا صفت رحیمیت کا ظہور ہے ۔۔۔ یہی حالت ہماری روحانی ترقی کی ہے۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ صفت رحمانیت کے تقاضا سے ہمیں اپنی طرف سے قانون اور شرایع انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے عطا فرماتا ہے (اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ)، اور جب ان شرایع و قوانین کو ہم عمل میں لاتے ہیں۔ تو ان پر نتائج مترتب فرماتا ہے۔ یعنی تمام جسمانی اور نماز روحانی دونوں کا قیام انہی دو صفات سے ہے (صفحہ ۴)

۴۔ بعض نے یوں فرق کیا ہے۔ کہ رحمان کا لفظ اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں قایم ہے۔ اور رحیم اس صفت پر جو اس شخص کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے جس پر رحم کیا گیا ہو۔ پس رحمان وہ ذات ہے۔ جس کا رحم بہت ہی بڑا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی پیدایش سے پہلے وہ انسان کے لئے سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ رحمان ہے۔ اور ان سامانوں سے فائدہ اُٹھانے پر جب انسان کوشش صرف کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ دینے والا رحیم ہے۔ زمین۔ پانی آگ وغیرہ کا پیدا کرنا صفت رحمانیت کا تقاضا ہوا۔ زمین میں ہل چلا کر پانی دے کر انسان ایک دانے کے سو بنا لیتا ہے۔ یہ تقاضائے رحیمیت ہے۔ (صفحہ ۵)

پس ظاہر ہے۔ کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ایشور نے تمام ضروری سامان مہیا کئے۔ تو اس کے پیدا ہونے پر اس کی رہنمائی کے لئے الہامی علم بھی ضرور دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ رحمانیت و رحیمیت دونوں کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جو دیا اور نیائے کا ہے۔

یہاں مہرشی دیانند کے یہ الفاظ قابل غور ہیں

"دیکھو ایشور کی رحمت کا ملہ تو یہ ہے۔ کہ اس نے تمام جیووں کی حاجت براری کے لئے دنیا میں سب چیزیں پیدا کر کے عطا کر رکھی ہیں۔ پس اس سے بڑھ کر رحم اس کے ماسوا اور کونسا ہے۔ باقی رہا انصاف۔ اس کا نتیجہ صریح دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ سکھ دُکھ کے کم و بیش ہونے کی حالت اس نتیجہ کو آشکارا کر رہی ہے۔ ان دونوں میں فرق اتنا ہی ہے۔ کہ من میں سب کو سکھ ہونے اور دکھ دفع ہونے کی خواہش و تدبیر رحم ہے۔ اور بیرونی حرکات یعنی قید و قطع عضو وغیرہ سے ٹھیک ٹھیک سزا دینا انصاف کہلاتا ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی سب کو پاپ اور دکھوں سے چھڑا دینا۔ (ستیارتھ پرکاش)

۶- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حمد کا لفظ محض اللہ کی تعریف کے لئے مخصوص ہے۔ کسی انسان یا اور شے کے لئے حمد کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تمام صفات اپنی کامل اور اصل حالت میں اللہ میں ہی موجود ہیں۔ انسان میں جملہ نیک صفات کسی حد تک محض عارضی طور پر آتی ہیں۔ والدین۔ اُستاد و دیگر عالم انسان یا خدا کے تعلق سے یہ صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان کی ذاتی یا فطرتی نہیں۔ مگر اللہ میں کوئی صفت عارض یا حادث نہیں۔ اس لئے اس کی تعریف کا صحیح مفہوم ادا کرنے کو حمد کا ہی لفظ مخصوص ہے۔ رگوید میں سب سے پہلا لفظ ہے۔

अग्निमीळे (اِگنیم ایڑے)

اس کا مقدم مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ ایشور ہی تعریف کا سزاوار ہے۔ ویدک الفاظ کی صفت کثیر المعانی کے مطابق اگنی لفظ کے معنے مختلف موقعوں پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن تمام رشیوں کا اور اپنشد آدی کتابوں کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ وید منتروں کا انتہائی مفہوم یا مقصود ایک پاک ذات برہم ہی ہے۔ اور اسی ذات اقدس کی جمیع صفات کاملہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن میں سب سے اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا لفظ آیا ہے۔ جو سچی توحید یا وحدت پرستی کی مضبوط بنیاد ہے:

۷- رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمام جہانوں کا رب۔ تمام مخلوقات اور غیر مخلوق تمام ہستیوں کا مالک محافظ اور ان کی پرورش و تربیت وغیرہ کا مقدم ترین ذریعہ ہونے سے وہی اللہ ہمیشہ سے سب کا رب ہے۔ اور عالمین سے مراد وہ کل مخلوق اشیا یا غیر مخلوق موجودات ہیں۔ جو کسی بھی زمانے میں اور کہیں بھی ہوں۔ اور بہ لحاظ نوعیت ان کی جدا جدا تمیز ہو سکے۔ جیسے عالم ارواح۔ عالم حیوانات عالم نباتات۔ عالم جمادات وغیرہ۔ ایسا ہی مختلف حالتوں پر بھی یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ جیسے عالم بیداری۔ عالم رویا۔ عالم طفولیت۔ عالم شباب۔ عالم پیری۔ غرضیکہ انفرادی۔ مجموعی ہر نوعیت۔ ہر حالت۔ ہر شے۔ ہر جگہ اور ہر زمانے سے اس کی ملکیت وغیرہ کا تعلق ظاہر کرنے کے لئے اسے رب العالمین کہا ہے۔ ٹھیک اسی معنے میں جس میں ویدا سے جگت سوامی وغیرہ واضح کرتا ہے۔ دنیا کی ہر شے اور ہر حالت خدا کی قدرت۔ اس کی حکمت و صنعت اور اس کی انتظامی کمالیت کی بے نظیر مثال ہونے سے اس کی افضل ترین ہستی کا علم دیتی ہے۔ اس لئے بجا طور پر اسے عالم کہا جاتا ہے۔ اور اللہ کو رب العالمین۔

۸- مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

اس کے معنے روز جزا یا انصاف کا مالک کہے جاتے ہیں۔ یا قیامت کے دن کا مالک۔ لیکن ہم نے یہاں یوم الدین لفظ کو ویدک لفظ پرلے کال سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ پہلے لفظ رب العالمین آچکا ہے۔ جو حالتِ پیدائش و قیام عالم کے کل مخلوق جہانوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ ان کا مالک کہنے کے بعد صفت مالکیت کی تکمیل کے لئے محض حالتِ فنا کا ہی تعلق باقی رہتا ہے۔ اور اس زمانہ فناءِ عالم کو ویدک پرلے کال کا لفظ ہی ادا کرتا ہے۔ قرآن میں قیامت کے دن سے مختلف موقعوں پر مختلف مراد لی جاتی ہے۔ زمانہ قیام عالم نیز جنم وغیرہ اور انصاف الٰہی کے لحاظ سے ہر لمحہ پر یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ ایشور کا قانون انصاف ہر وقت دنیا میں کام کر رہا ہے۔ جنم ہونے پر بھی اعمال کے مطابق سزا

وجزا الحق ہے۔ اس لئے یوم الدین کے معنے کا وسیع تعلق ہے ساتھ ہی واضح رہے۔ کہ قرآن میں یوم کا لفظ ۲۴ گھنٹہ کے انسانی دن کے لئے ہی نہیں آتا۔ بلکہ وقت کا ہر مقررہ حصہ اپنے اپنے مخصوص موقعہ پر یوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور خدا کو کسی خاص حصہ وقت کا مالک جتانا قرآن کو کہیں مقصود نہیں۔ محض جزا کے نکتہ نگاہ سے ہر وقت رُوح کا تعلق حد تک ہی محدود جتایا گیا ہے۔ تاکہ جہالت پر مبنی بت وغیرہ قسم کے معبودوں سے انسان دُور رہیں۔ نہ صرف جھوٹے معبود۔ دنیوی رشتہ داروں ماں باپ۔ بیوی۔ بچے حتےٰ کہ اپنے جسم دل عقل کسی کا بھی اپنے پر یا اپنا کسی پر کوئی وزن دار اختیار نہ سمجھا جاوے۔ ہر وقت ہر کہیں بدلہ یا جزا کا تعلق محض خدا سے ہے۔ قرآن خود یوم الدین کی تعریف واضح اور جامع الفاظ میں کرتا ہے بسورۃ انفطار آیت ۱۷ میں سوال کیا گیا ہے۔ اور آئت نمبر ۱۸ میں سوال کو دہرایا گیا ہے۔ تاکہ ناظرین کے کان اچھی طرح کھل جاویں۔ اور وہ اس اصطلاح کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

سوال۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۔ ۱۷ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ

تم کیا سمجھے کہ یوم الدین کیا ہے۔ ۱۸۔ تم سے پھر سوال ہے کہ تم کیا سمجھے کہ یوم الدین کیا ہے۔

جواب ۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۔ ۱۸

(یوم الدین) وہ وقت (ہے) جب کسی نفس کا کسی نفس سے کوئی تعلق یا کسی کا کسی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا محض اللہ کا ہی حکم یا اختیار ہوتا ہے"۔ پس عرصہ کی قید یوم الدین کے لئے نہیں۔ بلکہ کل دیگر تعلقات سے کنارہ جس حالت میں ہو۔ اور روح کا محض خدا پر انحصار ہو۔ وہی یوم الدین ہے۔ موت کے وقت سوائے خدا کے کسی کا اختیار نہیں۔ بدعملوں کے نتیجے میں سزا ملنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ماں باپ۔ دوست آشنا۔ مال دولت شفاعت کسی کا کوئی تعلق نہیں۔ حتےٰ کہ روح کا اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں رہتا۔ اب یا وہ ہے یا خدا کا قانون انصاف۔ اس کی فعل مختاری کام کرے گی۔ اور نتیجہ محض خدا کے ہاتھ ہے۔ پس دوسرے جنم کا وقت بھی یوم الدین ہے۔ .. موت کے وقت کو قرآن میں عموماً اَلسَّاعَۃ کہا گیا ہے۔ جیسے عام طور پر موت کی گھڑی کہا جاتا ہے۔ سوال ان الفاظ میں ہے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ (تجھ سے اس گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں) جواب میں بار بار یہی کہا ہے۔ کہ میں تو صرف اس گھڑی کا خیال دلا کر ڈرانے والا ہوں۔ وقت کا علم خدا کو ہے۔ کیا جانے وہ قریب ہی ہو۔ اسی طرح حالت فنا میں اشیا لطیف مادی علت کی حالت میں مع ارواح کے خدا میں ہی رہتے ہیں۔ لہذا وہ بھی یوم الدین ہے پچاس ہزار سال کا یوم۔ ہزار زمانوں کا یوم۔ اور ایک ساعۃ کا بھی یوم قرآن میں مذکور ہے۔ اور ۲۴ گھنٹے کا بھی مگر قطع نظر میعاد کے بڑا چھوٹا ہونے کے۔ سورہ انفطار کی تعریف محض اس ایک شرط پر مبنی ہے۔ کہ روح پر سوائے خدا کے جس وقت کسی کا تعلق نہ ہو۔ وہ یوم الدین ہے۔ چونکہ پرلے کال میں مسلمہ طور پر خدا کا ہی اختیار ہے۔ اور پیدائش و قیام عالم کے لئے اختیار یا رب العالمین کا لفظ کہنے کے بعد نفس مضمون و موزونیت موقعہ کا تعلق یہی تقاضا کرتا ہے۔ کہ خدا کو حالت فناء کا بھی مالک بتایا جائے۔ اس لئے ہم نے یوم الدین کو پرلے کال سے تعبیر کرنا منشائے کلام کے مطابق سمجھا ہے۔

۹- برہم راتری

قرآن کہاں تک سورۂ فاتحہ کے لفظ یوم الدین کے متعلق ہماری پوزیشن کو صحیح قرار دیتا ہے۔ اس کے لئے ہم کو برہم راتری کی میعاد بھی قرآن سے پیش کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بیان القرآن صفحہ ۷ پر لکھا ہے "یوم سے عموماً مُراد وُہ وقت ہے۔ جو طلُوع آفتاب سے غرُوب تک ہے لیکن اکثر اس سے مُراد زمانہ کی کوئی مدت ہوتی ہے۔ خواہ وہ بہت ہی کم ہو۔ یا بہت ہی زیادہ (رع) چنانچہ کل یوم ھو فی شان (الرحمن ۵۵۔۳۰) میں یوم سے مراد ایک آن ہے۔ اور فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (المعارج ۷۰۔۴) میں ایک یوم پچاس ہزار سال کا فرمایا"۔

ویدک ساہتیہ میں پرلے کال کا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا ہے۔ اور قرآن میں بھی اسے کئی جگہ یوم عظیم کہا ہے۔ یہ ہوبہو برہم دن یا برہم راتری کا ترجمہ ہے۔ دن یا رات دونوں کے لئے یوم کا لفظ ہے۔ اور برہم کے لئے عظیم ہے۔ اور یوم عظیم وغیرہ کی صحیح میعاد کے متعلق کئی آیتوں میں لکھا ہے۔ کہ تمام میعادوں کا صحیح بیان کتاب مبین۔ کتاب الہٰی یا لوح محفوظ میں ہے۔ سورۂ ھُود آیت ۶ میں ہے۔

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (اور وہی ان کے قیام و فنا کے زمانے اور مقام کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ کتاب مبین میں لکھا ہے۔ چونکہ روشن یا علم حق کی کتاب قرآن کے رُو سے وید ہی ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقر کی پہلی دو آیات کی تشریح میں ہم نے بخوبی ثابت کیا ہے۔ اس لئے اس کی صحیح میعاد کا پتہ وید سے ہی لینا چاہئے۔ چنانچہ قیام عالم کو وید برہم دن اور حالتِ فنا کو برہم راتری کہتا ہے۔ اور اس کی میعاد اتھروید ۸۔ ۱۔ ۲۔ ۲۱ میں صاف لکھی ہے۔

शतं ते युत हायनान द्वेयुगे त्रीणि चत्वारि कृण्मः

قرآن صرف کتاب مبین کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اس میعاد کو سورۂ الحج آیت ۴۷ میں ان الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ

"اور تحقیق تمہارے رب والا زمانہ یعنی برہم دن یا برہم راتری تمہارے شمار کردہ ہزار زمانوں کے برابر ہے"۔

یہ یاد رہے۔ کہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا زمانہ ویدک لٹریچر میں ہزار زمانوں میں ہی تقسیم کیا گیا ہے۔ جنہیں ہزار چترجگیاں کہا جاتا ہے۔ علماء اسلام تک بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ویدک دھرموں میں وقت کی تقسیم گھڑی پل دن ہفتہ اور مہینہ سے گزر کر سال تک پہنچی ہے۔ اور چار لاکھ بتیس ہزار سال کا کل یگ۔ اس سے دوگنی میعاد کا دواپر اس سے تگنی میعاد کا تریتا اور اس سے چوگنی میعاد کا ست یگ نام ہے۔ اور چاروں زمانوں کا مجموعی نام چترجگی ہے۔ جس کے ۴۳ لاکھ ۲۰ ہزار سال بنتے ہیں۔ اور یہ ہی وہ آخری شمار زمانہ کا ہے۔ جو انسانوں میں مروج ہے۔ ایسے شمار کردہ ہزار زمانوں کا برہم دن یا برہم راتری یا سورۂ فاتحہ میں واقعہ شدہ یوم الدین سب کا ایک ہی مفہوم اور ایک ہی میعاد وید اور قرآن سے ثابت ہے۔ جو مفسر صاحبان سَنَۃ کا ترجمہ سن یا سال کرتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ لغات میں سال کے علاوہ زمانہ۔ عرصہ بھی اس کے معنے لکھے ہیں۔ اور ہزار سالوں کا کوئی زمانہ انسانوں کے شمار میں مروج ہی نہیں۔ چاروں یگوں کا مجموعی شمار چترجگی ہی مقرر ہے۔ اور ایسے ہزار زمانوں کا عرصہ برہم دن یا برہم راتری کی میعاد کتبِ قدیم میں درج ہے۔

۱۰- اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

اس میں اللہ کی ہی عبادت اور اسی سے مدد مانگنے کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ عبادت محض خدا کی ہی ہوتی ہے۔ اور ہونی چاہئے۔ کیونکہ اسی سے انسان کو مدد ملتی ہے۔ اور انسان کی کمیاں پوری ہوتی ہیں۔ دُنیوی لوگ تمام اپنی غرض کے غلام ہیں۔ کوئی کسی کی مدد کرنی چاہے بھی تو خود محتاج اور اپنے تفکرات میں غلطاں ہونے سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اوّل تو سامان کی کمی۔ اور پھر کمی کا قائم رہنا بھی مشکوک و محال۔ برخلاف اس کے خدا کے ہاں ہر چیز کے ہمیشہ بھر پُور اور غیر محدود خزانے ہیں۔ مادی روحانی جملہ سامان انسان کے لئے خدا ہی مہیا کرتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کی ذاتی صلاحیت کے نقص یا اس کے حقیقی فوائد اس سامان کے اسے نہ ملنے کا تقاضا نہ کرتے ہوں۔ کام کے لئے جسم اور اس کے تمام اعضا اسی کا عطیہ ہیں۔ آنکھ کو مدد دینے والا سورج ہے۔ تو اسی کا۔ کان کو مدد دینے والا آکاش ہے۔ تو اسی کا۔ اور چھونے کے لئے لمس کی صفت والی ہوا ہے۔ تو اسی کی۔ پھر ہماری اخلاقی روحانی و علمی ترقی بھی اسی کی عبادت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ تمام عمدہ صفات حسنہ۔ جملہ سچے علوم۔ اور اعلیٰ ترین روحانیت کا وُہی منبع اور وہی مخزن ہے اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ چیز وہیں سے مل سکتی ہے۔ جہاں ہو۔ بتوں میں نہ علم ہے۔ نہ اخلاق۔ نہ احساس۔ اور انسانوں میں خود کمی محدودیت اور محتاجی ہے۔ اس لئے ان پر انحصار رکھنے کا لازمی نتیجہ دکھوں اور کمیوں کی ترقی ہے۔ اور یہی حالت خالص توحید کی عدم موجودگی میں انسانوں کی ہو رہی ہے۔ پس قرآن بجا فرماتا ہے۔ کہ تمام پہلوؤں سے کامل اور غیر محدود طاقتوں کا مجسمہ ہونے سے خدا ہی قابل عبادت ہے۔ اور اسی سے مدد مانگنی انسان کا فرض ہے۔ جیسے سردی سے بچنے کے لئے آگ یا گرمی کی ہی قربت تلاش کی جاتی ہے۔ ویسے ہی ہر کمی کے لئے خدا کی ہی اپاسنا چاہئے۔

۱۱- اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ

اس میں دُعا مانگی گئی ہے۔ کہ ہمیں راہِ راست کی ہدائیت دے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں دو قسم کے راستے ہیں مستقیم اور غیر مستقیم۔ اور نیز یہ کہ انسان کو ہمیشہ سچے اور سیدھے رستے پر چلنا اور جہالت کے ٹیڑھے یا تاریک رستے سے بچنا چاہئے۔ وید میں بھی یہی دو رستے بتائے ہیں۔ یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ میں فرمایا ہے۔

द्वे सृति ऽअशृणवं पितॄणाम हं दे वान मुत मर्त्यो नाम् ।
ताभ्यां इदं विश्वमेजत् समेति यदन्तरा पित रं मातरंञ्च ॥

دو راستے ہیں۔ ایک گیانیوں کا جس سے سکھ اور آخر میں نجات ملتی ہے۔ دوسرا اگیانیوں یعنی جاہلوں کا راستہ جس سے دُکھ اور جنم مرن ملتا ہے۔ انہی دو راستوں میں سنسار چکر لگا رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے "دیو" "مرتیہ" "سُوریہ بادل۔ زندگی موت۔ پن پاپ۔ دہرم ادہرم نیکی بدی۔ علم جہالت۔ روشنی تاریکی۔ ودیا۔ اودیا کوئی سا لفظی جوڑا استعمال کرو۔ انہی دو راستوں کا پتہ دیگا۔ یجر وید ادھیائے ۱ منتر ۵ میں انسان سے خاص عہد (برت) منسوب کیا جاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے

इदमहम अनृतात सत्यमुपैमि

میں جھوٹھ سے بچ کر سچ کو حاصل کروں گا۔ اسی بھاو کو اپنشد میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ

असतो मा सद गमय तमसो मा ज्योतिर्गमय।
मृत्योर्मा ऽ मृतं गमय॥

مجھے جھوٹھ سے بچا کر سچ کی طرف۔ تاریکی سے بچا کر روشنی کی طرف اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے چلئے۔ ویدک پرارتھنا کا مشہور منتر ہے۔

विश्वानि देव सवित दुरितानि परासुव।
यद्भद्रं तन्न आसुव॥

ہمیں تمام برائیوں سے ہٹائیے۔ اور تمام بھلائیوں سے بہرہ یاب کیجئے۔ یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۳ بھی یہی دعا رکھتا ہے۔ بلکہ کل سورۂ فاتحہ اور اس کے معانی میں غیر معمولی مشابہت ہے۔

अग्ने नय सुपथा राये ऽ स्मान विश्वानि देव वयुनानि विद्वान्।
युयोध्य स्म ज्जुहुराण मेनो भूयिष्ठान्ते नम उक्तिं विधेम॥

"اے علم بالذات نور مجسم سب جہان کو روشن کرنے والے۔ تمام راحتوں کے دینے والے پرمیشور! آپ تمام علوم کے مخزن ہیں۔ از راہِ عنایت ہم لوگوں کو گیان اور راجیہ وغیرہ دولت کے حصول کے لئے نیک دھرماتما لوگوں کا راستہ دکھائیے۔ جس سے تمام پرگیان اور اعلےٰ علم حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور ہم سے کٹِلتا یکت بدافعال کو دور کیجے۔ جس سے ہم نمرتا پوریک آپ کی ستتی کرتے ہوئے آنند میں رہیں۔"

غرضیکہ قرآن میں راہِ راست کی ہدایت کے لئے ہوبہو وہی دعا ہے۔۔۔ جو قدیم سے ویدک لٹریچر میں مانگی گئی ہے۔

۱۲- صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ

صراط مستقیم کی دعا کے ساتھ یہ واضح کرنا بھی ضروری تھا کہ وہ ہے کیا۔ اس کے لئے اس حصہ میں بتایا ہے۔ کہ اس راستے پر چلنے والے لوگوں پر خدا کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ گویا دفعہ ۱۴ والے وید منتر دیجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷) کے اس حصے کا ترجمہ ہے جس میں گیانیوں کے راستے کو سکھ اور نجات کا راستہ یعنی نعمتوں والا راہ قرار دیا ہے۔ اسی کو اوپر درج شدہ یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۶ کے الفاظ رایہ۔ وشوانی دیونانی وغیرہ الفاظ سے ادا کیا ہے۔ اس جہان کی تمام راحتیں اور ان کے بعد نجات کی انتہائی نعمت کو پانے والے لوگ ہی فی الحقیقت دوسروں سے تقلید کیا جانے کے لائق ہیں۔ اور اسی کے لئے ان الفاظ میں ترغیب دی گئی ہے۔ ویدک دھرم میں وید کے بعد سمرتیاں یعنی خدا رسیدہ عالموں کی علمی تصنیفات اور سدا چار یعنی خدا کے برگزیدہ بندوں کے طریق عمل کو بھی دھرم کے متعلق رہنمائی پانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور انہی کو قرآن "انعمت علیہم" میں صراط مستقیم پر چلنے والے کہتا ہے۔

۱۳- غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ

اس حصے میں مدعا کو اور بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ یعنی صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ نہیں۔ جن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور جو بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ گویا

دفعہ ۱۴ میں بیان شدہ دوسرے راستے کا بیان ہے۔ جو دکھ پانے والے اور جنم مرن کے چکر میں بھٹکنے والوں کا راستہ ہے۔ جہانت کا راستہ زندگی میں دکھ اور موت کے بعد ادنیٰ قالبوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اور مختلف قالبوں میں جنم اور مرن کا شکار ہوتے رہنا ہی آواگون میں بھٹکنا ہے۔ ہندی شاعر "بھٹک بھٹک گیا ہارا" لاکھ چوراسی بھٹکت بھٹکت جیورا بھیو ہے ادھیر" وغیرہ اقوال میں بھٹکنا۔ گمراہ ہونا۔ اور آواگون میں پھنسنا سب کا ایک ہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ قرآن کی بھی ہو بہو یہی پوزیشن ہے مغضوب لوگ تو وہ ہیں۔ جو اس زندگی میں غضب الٰہی سے دکھ پاتے ہیں۔ اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے برے اعمال یا غیر مستقیم راہ پر چلنے کی وجہ سے آواگون میں بھٹکتے رہیں گے۔ چنانچہ اور جگہ قرآن صاف بتاتا ہے۔ کہ ضال لوگ وہ ہیں۔ جو مختلف قالبوں میں جاتے رہتے ہیں۔

۱۴۔ وید منتر اور سورۃ فاتحہ کی مطابقت

یہ ظاہر ہے۔ کہ دفعہ ۱۴ میں مذکور یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۶ اور سورۃ فاتحہ کی آیات میں الفاظ معنے اور تعلقات کے لحاظ سے صریح مطابقت ہے۔ منتر کا پہلا حصہ "اگنے نیہ سپتھا" ہو بہو عربی کے الفاظ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں ادا کیا گیا ہے۔ منتر میں اگنے دیو وغیرہ ایشور کے نام ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں رب العالمین۔ رحمان۔ رحیم وغیرہ نام ہیں۔ منتر میں ہے "بھوشٹھانتے نم اُکتیم ودھیم" ہم عجز و انکساری سے آپ کی بنتی کرتے اور آپ سے سہائتا چاہتے ہیں۔ تو اس کی جگہ سورۃ فاتحہ میں ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ منتر میں رائے وشوانی وَیونانی وغیرہ الفاظ راہ راست پر گامزن لوگوں کو ملنے والی نعمتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ہیں۔ اور منتر میں یویودھیہ اشمجہورانم کے الفاظ بد اعمال یا بد طینت لوگوں سے پوری جدوجہد کے ساتھ بچنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے الفاظ ہیں۔ اگنی دیو وغیرہ الفاظ سے ہمیشہ منور بالذات اور ماضی حال و مستقبل میں کیا حالت علت اور کیا معلول ہر دو زمانوں کا مالک ایشور کو سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا کو سورۃ فاتحہ میں مالک یوم الدین اور رب العالمین کہا ہے۔

غرضیکہ سورۃ فاتحہ کی حمد و ثنا۔ مناجات وغیرہ نہائت اعلیٰ صداقتوں اور علمی و روحانی رموز پر مبنی ہے۔ اور وید کے عین مطابق بلکہ ہو بہو وید کا ہی مدعا عربی الفاظ میں نہائت جامع اور واضح پیرایہ میں ادا کیا گیا ہے۔

۱۵۔ سورۃ فاتحہ کی بے نظیر عظمت — اوّل اسلامی لٹریچر کی رو سے

اہل غور و فکر محققین پر مخفی نہ ہے کہ اس سورت کے صحیح مفہوم کے متعلق دو تین امور ہیں ہمارا بعض مترجمین قرآن نیز بعض دیگر مفسر صاحبان سے اختلاف ہے۔ جن کی توضیح اس سے پہلے دلیل اور ثبوت کے ساتھ موقعہ مناسب پر کچھ تو ہم کر آئے ہیں۔ اور کچھ اس سورۃ کو ختم کرنے سے پہلے کریں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس پر توجہ کریں۔ ہمیں اس سورت کی مخصوص اور اعلیٰ پوزیشن کا احساس ....

کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی لٹریچر کی رُو سے تمام دیگر سورتوں اور تمام مذاہب کی تعلیم کے مقابلے پر اس کو نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ (۱) قرآن میں سب سے اول اس سورت کو جگہ ملنا اس کی عظمت کا ہی نتیجہ ہے۔ ۲۔ علمی رموز کا اس میں وہ کمال بتایا جاتا ہے۔ کہ دریا کوزہ میں بند ہے۔ اور (۳) قرآن کی دیگر آیات میں اس کی عظمت کا ثبوت موجود ہے۔ سورۃ بقر آیت ۲۲ میں خاص چیلنج دے کر واضح کیا ہے۔ کہ انسانی تصنیف میں اس کا مثل ہونا ناممکن ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ٥

اور اگر تمہیں اس (سورت) میں غلطی کا خیال ہو۔ جو ہمارے بندے پر نازل ہوا ہے۔ تو تم بھی اس جیسی سورت بنا تو لاؤ۔ اور سوائے خدا کے جتنے بھی شاہد چاہو۔ بلا لو۔ اگر سچے ہو۔

یہ خیال کہ اس چیلنج کا تعلق ہر سورت سے ہے غلط ہے۔ یہ چیلنج سورۃ بقر میں ہے۔ جو دوسرا سورۃ ہے۔ پس سوائے پہلے سورۃ فاتحہ کے اس کا تعلق کسی اور سورۃ سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی چیلنج اور جگہوں میں بھی ہیں۔ (سورۃ ھُود آیت ۱۳)

وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ٥

(ترجمہ) یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس نے قرآن کو اپنے دل سے بنا لیا ہے۔ تم کہو کہ اگر سچے ہو۔ تو تم بھی اس طرح کی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو بھی مدد کے لئے بلا سکو بلا لو"

اس میں دس سورتوں کے لئے چیلنج ہے۔ اس لئے کہ ھُود گیارھواں سورۃ ہے۔ اس سے پہلے فاتحہ۔ بقر۔ آل عمران۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ توبہ اور یونس ان دس کے بعد سورۃ ھود ہے۔ جب گیارھویں سورۃ میں دس کے لئے چیلنج ہے۔ تو دوسرے سورۃ میں پہلے سورۃ فاتحہ کا ہی چیلنج ہونا لازمی ہے سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں جو چیلنج ہے۔ اس میں سورۃ کا نہیں۔ ھٰذا القرآن کا لفظ صاف ہے۔ اور اس کا تعلق کل قرآن سے ہو سکتا ہے۔ پس محض ایک سورۃ فاتحہ کے نکتہ نگاہ سے للکار کر تمام انسانوں کو اس جیسا بنانے میں قاصر بتانا محض سورۃ فاتحہ کی غیر معمولی خوبی کا یقین دلاتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ بقر آیت ۸۷ میں اس کی عظمت ایک اور پہلو سے بتائی ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ

"اور ہم نے دوہرائی۔ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں عطا کیں۔ جو قرآنِ عظیم ہے۔"

چونکہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ اور وہ نماز کی ہر رکعت میں دوہرائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ آیت بھی اس سورت کی عظمت کا ہی نشان ہے۔ جسے قرآن خدا کا خاص عطیہ اور اس کی رحمت بتاتا ہے۔ مترجم و مفسر صاحبان بھی سب سے زیادہ زور اسی کی توضیح پر دیتے ہیں۔ اور اس کی خوبیوں کا احساس کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف نام استعمال کرتے ہیں۔

۱۔ فضائل علوم کا مبدا اور سب سے اوّل واقعہ ہونے سے اسے فاتحہ۔ فاتحہ الکتاب۔ فاتح عظیم الشان وغیرہ کہتے ہیں۔

۲۔ اللہ کی تعریف اور سب سے اول الحمد کا لفظ ہونے سے اسے سورۃ الحمد کہتے ہیں۔
۳۔ حمد وثناء الہی انسان میں شکر گذاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اس لئے اسے سورۃ الشکر کہا جاتا ہے۔
۴۔ حسب قول حضرت علی (منزلت سورۃ الفاتحۃ من تحت العرش) سورۃ فاتحہ عرش کے خزانے کے نیچے سے اتری ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ الکنز ہے۔
۵۔ نمازی اس کے ساتھ درگاہ الہی میں مناجات کرتا ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ المناجات ہے۔
۶۔ حمد وثنا کے ساتھ شروع میں ہی عبادت الہی کی ہدایت دے کر نماز کو معراج دین بتانے سے اسے سورہ وافیہ کہا ہے۔
اسی طرح سورۃ التفویض۔ سورۃ الشفا۔ سورۃ الشافیہ۔ سورۃ الرقیہ۔ سورۃ الاساس۔ سورۃ الصلوٰۃ۔ سبع المثانی۔ قرآن العظیم۔ تعلیم۔ مسئلہ۔ سورہ کافیہ۔ ام الکتاب۔ ام القرآن وغیرہ سب نام اس سورۃ کے ہیں۔ غور وفکر کرنے سے جو علمی رموز یا ہدایات اس سے اخذ ہوتی ہیں۔ انہی کے نکتہ نگاہ سے اس کے مختلف نام رکھے گئے۔ اور رکھے جا سکتے ہیں۔
اس کے علمی کمالات کے متعلق مفسر صاحبان کے طویل اقتباسات پیش کئے جائیں۔ تو ہزاروں صفحوں پر نہ سمائیں۔ اس لئے محض اشارۃً ذکر کیا جاتا ہے۔
مرزا حیرت دھلوی صاحب کا قول ہے۔ کہ فخر الدین رازی نے اس سورۃ سے دس ہزار مسئلے نکالے ہیں۔ الحمد سے انعمت علیہم تک علم اصول ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی الحمد سے رحیم تک اس کے اوصاف بیان ہوتے ہیں۔ مالک یوم الدین میں معاد کو بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔ انعمت علیہم میں معرفت کو بیان فرمایا ہے۔ اور اس مجموعہ کا نام علم اصول ہے۔ ایاک نعبد میں علم فروع کی تشریح کی گئی ہے۔ کیونکہ فروعات میں سب سے بڑی چیز عبادت ہے۔ خواہ مالی ہو۔ خواہ بدنی ایاک نستعین سے مستقیم تک علم اخلاق بیان کیا گیا ہے۔ اور انعمت علیہم سے اخیر تک اس امر کو ثابت کیا ہے۔ کہ اگلی امتوں میں فلاں جماعت سعید اور فلاں شقی تھی۔ اور اس کا نام علم تاریخ ہے۔
بعض مفسرین نے اس میں تین طرح کے علوم مانے ہیں۔ شریعت۔ حقیقت اور طریقت۔ اسلام کا پہلا اصول توحید اور انکساری ہے۔ وہ اس سورت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور اس سے بہتر توحید کی تعلیم دنیا کی کسی الہامی کتاب میں نہیں مل سکتی۔ اس سورۃ سے قرآن کریم کا جلال اور بزرگی پائی جاتی ہے۔ اور یہی سورۃ اسلام کا زبردست ستون ہے۔ مکہ کو ام القریٰ کہنے سے پایا جاتا ہے۔ کہ مکہ عرب کے تمام دیگر مقامات کی فضیلتوں کا جامع ہے۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ کو ام القرآن کہہ کر اسے قرآن کی تمام خوبیوں کا مجموعی مظہر اور مایہ ناز مانا جاتا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بہت سی روایتیں ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ رسول صاحب اسے بہترین اور اعلےٰ ترین سورت کہتے تھے۔
حمائل التفسیر کے مصنف مولوی ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خاں صاحب ایم۔ بی لکھتے ہیں:۔
"یہ سورت اگرچہ نہایت ہی چھوٹی ہے۔ مگر اس کی ترتیب اور ترکیب ایسے اکمل اور ابلغ نظام پر واقعہ ہے۔ کہ ایسی صفات عبادات اعمال اور تقویٰ اور امراض روحانی اور اخلاقی کے متعلق جو کچھ تعلیم

اور تلقین ضروری ہے۔ وہ تمام اس سورت میں موجود ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ اور لفظ اپنے معانی اور اسرار کے لحاظ سے ایک بحر بے کنار کے طور پر ہے۔ اس میں ہزارہا روحانی اور اخلاقی امراض کا علاج موجود ہے۔ جس کی مختصر تشریح کے واسطے بھی علیحدہ علیحدہ ضخیم جلدیں درکار ہیں۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد تفسیر سورۃ فاتحہ میں مذکورہ بالا قسم کی تمام فضیلتوں کا اشارہ دینے کے بعد اس مضمون پر بحث کرتے ہیں۔ کہ سورۃ فاتحہ میں دین حق اور خدا پرستی کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے۔ اور قرآن کے اس حصے میں اجمال اور باقی کل قرآن میں اس اجمال کی تفصیل مانتے ہیں۔ آپ کا دعوٰے ہے۔ کہ اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے۔ صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کرلے۔ جب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کرلے گا۔ اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے۔

احادیث اس امر میں متفق ہیں۔ کہ لاصلوٰۃ الا بقراۃ امنہ الکتاب بغیر سورۃ فاتحہ کو پڑھے۔ نماز نہیں ہوتی ام الکتاب اور ام القرآن اور قرآن عظیم وغیرہ کے ناموں سے تو اور بھی مضبوطی سے اس سورۃ کے جامع اور کل قرآن کی تعلیم کا مظہر ہونے نیز اسی کے کلمۂ اعظم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب سورۃ فاتحہ جلد اول صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں:۔

یہ عاجز اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ فی الحقیقت سورۃ فاتحہ مظہر انوار الہی ہے۔ اس قدر عجائبات اس سورۃ کے پڑھنے کے وقت دیکھے گئے ہیں۔ کہ جن سے خدا کے پاک کلام کی قدرومنزلت معلوم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارک کی برکت سے اور اس کے تلاوت کے التزام سے کشف مغیبات اس درجہ تک پہنچ گیا۔ کہ صدہا اخبار غیبیہ قبل از وقوع منکشف ہوئیں۔ اور ہر ایک مشکل کے وقت اس کے پڑھنے کی حالت میں عجیب طور پر رفع حجاب کیا گیا۔"

خزینۃ المعارف جلد ا تفسیر سورۃ فاتحہ حصہ سوم وچہارم صفحہ ۲۴۹ پر آپ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ اس عاجز نے اپنی نظر کشفی میں سورۃ فاتحہ کو دیکھا۔ کہ ایک ورق پر لکھی ہوئی اس عاجز کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک ایسی خوبصورت اور دلکش شکل میں ہے۔ کہ وہ کاغذ جس پر سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ سرخ سرخ اور ملائم گلاب کے پھولوں سے اس قدر لدا ہوا ہے۔ کہ اس کا کچھ انتہا نہیں۔ اور جب یہ عاجز اس سورۃ کی کوئی آیت پڑھتا ہے۔ تو اس میں بہت گلاب کے پھول ایک خوش آواز کے ساتھ پرواز کرکے اوپر کو اڑتے ہیں۔ اور وہ پھول نہایت لطیف اور بڑے بڑے سندر۔ تروتازہ اور خوشبودار ہیں۔ جن کے اوپر چڑھنے کے وقت دل اور دماغ نہایت معطر ہو جاتا ہے۔ اور ایک ایسا عالم مستی کا پیدا کرتے ہیں۔ جو بے مثل لذتوں کی کشش سے دنیا و مافیہا سے نہایت درجہ کی نفرت دلاتے ہیں۔ اس مکاشفے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گلاب کے پھول کو سورۃ فاتحہ سے ایک روحانی مناسبت ہے"

کہاں تک لکھا جاوے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ کی تعریف میں دفتروں کے دفتر اسلامی لٹریچر میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس میں مبالغہ حسن ظن کھینچ تان اور نمائش کا دخل ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک یہ بحث غیر متعلق ہے۔ اور چونکہ یہ سورت فی الحقیقت رکھتی بھی نہایت اعلےٰ امتیازی پوزیشن ہے۔ اس لئے اس کی عظمت کے متعلق بیانات کے تاریک پہلو کا خیال کرنا بھی غیر موزوں ہے۔ تاہم مرزا غلام احمد صاحب کے الفاظ واقعی

کھٹکنے والے اور قابل نوٹ ہیں۔ دیگر علما کی تحریروں میں جہاں اس سورۃ کے متعلق معقولیت اور عقیدت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہاں مرزا صاحب کے الفاظ بجائے اس سورۃ کی عظمت ظاہر کرنے کے ان کی اپنی غرض یا دلی سپرٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس تعریف میں کوئی خوبی تو آپ کیا بیان کرتے۔ اپنی کشفی نظر اور خدا سے غیبی علم ملنے یا اپنی پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کی پہارنی رٹ دی ہے۔ کہاں تو قرآن کا بار بار یہ پکارنا۔ کہ رسول کے پاس غیب کے خزانے نہیں۔ عالم الغیب محض خدا ہے۔ اور کہ رسول یا نبی کا کام محض پیغام حق پہنچانا ہے۔ اور کہاں سورۃ فاتحہ جیسے علمی۔ اخلاقی اور روحانی اعلیٰ اصولوں کو معقولیت سے بیان کرنے والی سورۃ پر ریویو کرتے ہوئے اپنی غیب دانی وغیرہ کی غیر معقول سی باتیں لکھنا۔ لیکن کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ قرآن کا سب سے عظیم الشان حصہ اور قابل تعظیم و ہدایت مجسم سورۃ یہی سورۃ فاتحہ ہے۔ اور اگر مرزا صاحب اس کی آڑ میں اپنی اشتہار بازی کرتے ہیں۔ تو وہ عملی طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے لئے انتہائی عقیدت دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ بیڑی کے ساتھ جس طرح لوہا تر جاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کی تعریف کی آڑ میں ان کے اپنے مشن کا بیڑا بھی پار ہو جاویگا۔

دوم۔ ویدک لٹریچر کی رُو سے

اسلامی لٹریچر سے اس سورۃ کی عظمت کے اشارات دینے کے بعد ہم ویدک لٹریچر سے اس کی فضیلت دکھاتے ہیں۔ اور یہی دراصل وہ راز ہے جس سے اس سورۃ کی اس قدر شہرت قائم ہوئی ہے۔ سنسکرت یا عربی زبان یا عالمگیر اصولوں کی ناواقفیت اور موجودہ فرقہ وارانہ منافرت کی وجہ سے آریہ اور مسلمان اصل پوزیشن سمجھ اور سمجھا نہیں سکتے۔ تاہم جب بھی اخلاص اور فراخدلی سے غور ہوا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو قدیم ویدک تعلیم کا بہترین شاہد مانا گیا ہے۔ آریہ سنیاسی سوامی درشنانند جی نے ٹریکٹوں آریہ عالموں کے لکچروں اور ہماری کتنی ہی تصنیفات میں اکثر ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ اگنے نیہ سپتھا ...... (یجروید ۴۰-۱۶) کا ترجمہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے دفعہ ۷ میں واضح کیا ہے۔ لیکن ایک مسلمان عالم یعنی رسالہ اتحاد مذاہب عالم کی تحریر نے ہمیں یہ اشارہ دیا۔ کہ یہ سورۃ فاتحہ وید کے گائیتری منتر کا عربی زبان میں قائمقام بنایا گیا ہے۔ یہ اشارہ پاکر ہم نے غور کیا۔ تو صاف معلوم ہو گیا۔ کہ واقعی ویدک دھرمیوں میں جس طرح سب سے مقدم اور سب سے زیادہ خوبیوں کا منظہر گائیتری منتر کو مانا جاتا۔ اور اسے گورو منتر کہا جاتا ہے۔ ہوبہو اسی طرح کی بازگشت عربی میں سورۃ فاتحہ کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ سلسلہ تعلیم کے آغاز میں ماں باپ اور استاد سب کی طرف سے گائیتری منتر ہی سکھایا جاتا ہے۔ یگیوپویت وغیرہ سنسکاروں میں اسی کی مقدم ہدایت ہوتی ہے۔ سندھیا یعنی روزانہ عبادت میں صبح شام اسی کا ورد اور وچار ہوتا ہے۔ آج کل برہمن ورن کی پہچان کا سب سے زندار طریق یہ جاننا ہے۔ کہ وہ گائیتری منتر کو جانتا ہے یا نہیں۔ اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو بارہا جپنے کی ہدایت ہے۔ حتیٰ کہ اکثر مالدار دکھشنا دے کر ہزارہا بلکہ لکھو کھا بار اس کا جپ کراتے ہیں۔ غرضیکہ اس گورو منتر کی عظمت تمام زمانوں میں مسلمہ علی آئی ہے۔ اور اس کی جگہ عربی میں سورۃ فاتحہ جیسا کلمہ اعظم لوگوں کے سامنے آنے کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ کہ

ہے سے خلوص عقیدت سے سر اور ماتھے پر لیا جاوے۔ نہ صرف معانی مفہوم اور علمی رموز وغیرہ سے یہ پورے غور کا مستحق ہے۔ قرآن خود فتوٰے دیتا ہے۔ کہ یہ سات آیتیں نعمتِ عظیم اور بار بار پڑھی جانے کے لائق ہیں۔ سورت الحجر آیت ۸۵ میں ہے۔ کہ ہم نے آسمان زمین اور ان کے درمیانی حصے (دیئو پرتھوی اور انترکھش) کو صحیح علم سے بنایا ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس لئے اعلےٰ نیکیاں کما لو۔ یہ کہہ کر آیت ۸۶ تا ۸۹ میں نہائت قیمتی اور اعلےٰ ترین ہدایات ان نیکیوں کے متعلق ان الفاظ میں دی ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

تحقیق تمہارا رب علم مجسم خالق ہے۔ ۸۶۔ (اس سے) ہم نے تمہیں وہ سات آیات دی ہیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ اور جو قرآن عظیم کہاتی ہیں۔ ۸۷۔ تو اس مال و متاع کا خیال نہ کر۔ جو ہم نے کئی قسم کے لوگوں کو دیا ہے۔ نہ ان کی حالت پر رنج کر ہاں مومنوں کے آگے ہی جھک۔ ۸۸۔ اور یہی خیال رکھ۔ کہ تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہے۔ ۸۹۔

ان آیتوں میں گائیتری منتر کی ہی جھاں ہے۔ اس لئے کہ ان میں خداوند خالق عالم کی اسی صفت علم کا خیال دلایا ہے۔ جس سے عقل کو روشنی ملتی اور تمام انسانی کام مفید اور کامیاب طریق پر سرانجام پاتے ہیں۔ اور جو گائیتری منتر کی مخصوص دُعا ہے۔ علم مجسم خالق کی ہدائیت کے مطابق اس سورۃ فاتحہ کا بار بار کا جپ ہی، انسان کا فرض ٹھہرایا جانا لازمی تھا۔ چنانچہ وُہی ہدائیت موجود ہے۔ اور اسے قرآن عظیم یعنی گورو منتر بتا کر۔ اس کی مسلمہ عظمت کا نقش کیا گیا ہے۔ عام لوگ دنیوی مال و متاع اور عزت و اختیار کے لئے ہی دعا مانگتے ہیں۔ موجودہ عیسائی لوگ خدا سے ہر روز اس دن کی روٹی مانگتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ یہ سب سامان عارضی اور ناپائیدار ہیں۔ پھر اس مال و متاع والے بُرے کاموں میں مبتلا پائے جاویں۔ تو قرآن فرماتا ہے۔ اس پر رنج اور دُکھ نہ مناؤ۔ ہاں اپنے تبلیغ حق کے فرض کو ہی پورا کرتے جاؤ۔ اس سے ان کی عقلیں روشن ہوں گی۔ اور وہ عارضی سامانوں پر پائیدار رُوحانی و اخلاقی فوائد کو ترجیح دیں گے۔ اگر اس فرض میں کوتاہی کرو گے۔ تو تم بھی دنیوی دولت کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔ اور اگر ان کے عیاشانہ رویہ پر دل میں دُکھ بھی مناؤ گے۔ تو اس سے تمہاری تو گراوٹ ہوگی۔ اور ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا۔ پس خوشی غمی وغیرہ کے جذبات سے اوپر اٹھو۔ اور علم حق کی اشاعت سے عقلوں کو روشن کئے جاؤ۔

سوامی دیانند نے خاص ویدک اصول بتایا ہے۔ کہ نیک شخص خواہ کتنا ہی مفلس ہو۔ اس کی عزت و تعظیم کرو۔ اور اس سے ڈرو۔ اور بد شخص خواہ شہنشاہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تخریب و تذلیل کے ہی درپے رہو۔ یہی ہدائیت یہاں ہے۔ کہ مومنوں یعنی دھرماتما لوگوں کے لئے ہی اپنے دل میں محبت اور عزت رکھو۔ پس سورۃ فاتحہ عقل و علم کے لئے ہی خدا کی طرف انسان کا رُخ پھیرتا ہے۔ جیسا کہ وید میں گائیتری منتر کا واحد مدعا بتایا ہے اور اسی لئے وہ واقعی اسی عظمت اور شہرت کا مستحق تھا۔ جو اسے حاصل ہوئی ہے۔

۱۶۔ گائیتری منتر اور سورۃ فاتحہ کا میلان

یہ امر کہ سورۃ فاتحہ عربی میں گائیتری منتر ہے۔ ہر دو کے الفاظ کے معانی پر غور کرنے سے خود بخود روشن ہو جاتا ہے۔

منتر کے الفاظ یہ ہیں۔

ओ३म् भूर्भुवः स्वः तत्सवितुर्वरेण्यं भर्गो देवस्य धीमहि धियो यो नः प्रचोद्यात

اور حسب ذیل امور سے ان الفاظ میں سورۃ فاتحہ کی مطابقت واضح ہوتی ہے۔

۱۔ گائیتری منتر جس طرح سب سے پہلے گورو اپنے شاگرد کو سکھاتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تعلیم ہے۔

۲۔ گائیتری منتر میں سب سے پہلے اوم شبد ہے۔ جسے ایشور کا ذاتی نام مانا جاتا ہے۔ ویسے ہی سورۃ فاتحہ میں اللہ کی حمد کی ہدائیت ہے۔ اور یہ اللہ لفظ وید کا ہے۔ اور عرب میں بہ طور خدا کے ذاتی نام کے بولا جاتا تھا۔

۳۔ گائیتری منتر میں بھو۔ بھوَہ۔ سوہ کے تین اسمائے اعظم اس کی خاص اعلےٰ صفات کے سبب سے ہیں۔ انہیں وہیادیا ہرتیاں کہا جاتا ہے۔ ان کی جگہ سورۃ فاتحہ میں رب العالمین۔ رحمان اور رحیم نام ہیں۔ "بھو" کے معنے تمام عالم کی زندگی کا سہارا ہیں۔ تو رب العالمین بھی تمام مخلوق جہانوں کا پروردگار ہے۔ "بھوَہ" بمعنے اپان اگر دکھوں سے خود الگ ہے۔ اور اپنے وصل سے دوسروں کے دکھ دور کرنے والی ہستی کا نام ہے۔ تو رحمان بھی اسی رحم مجسّم ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ جو دیا (رحم) کی صفت سے سب کے دکھ مٹاتا ہے۔ سوہ بمعنے دیان اگر جگت میں موجود رہ کر سب کو سب سکھ پہنچاتے والے ایشور کا نام ہے۔ تو رحیم بھی تمام مستحق لوگوں کو سکھ پہنچانے والے خدا کا نام ہے۔ گائیتری منتر میں اگر ایشور کو سوتہ۔ دیو۔ وریَنیم۔ بھرگو جیسے صفاتی نام دے کر پیدا کنندہ علم مجسّم قابل قبول اور پاکیزگی مجسّم کہا ہے۔ تو سورۃ فاتحہ میں بھی اسے مالکِ یوم الدین یعنی پرلے کال کا سوامی کہا ہے جس سے اپنے ملک یعنی مادہ کو حالت علت میں لانے کا تعلق ظاہر ہے۔ صراط مستقیم کا ہدائیت کنندہ مان کر اسے علم مجسّم۔ قابل عبادت مان کر قابل قبول اور عارفوں کو علم وغیرہ نیز نجات تک کی پاکیزہ نعمتیں دینے سے پاکیزگی مجسّم کہا ہے۔ دہی مہی سے ان تمام صفات کے جامع اوم کا دھیان کرنے کی گائیتری منتر شکشا دیتا ہے۔ تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے سورۃ فاتحہ بھی اُسی کی عبادت کی ہدائیت دیتا ہے۔

دھیو یونہ پرچودیات سے دعا کی جاتی ہے۔ کہ وہ ایشور ہماری عقلوں کو روشنی عطا فرماوے۔ تو سورۃ فاتحہ میں بھی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے راہِ راست دکھانے یا عقل سلیم عطا کرنے کی مناجات ہے۔ یہاں یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ عقلوں کی روشنی اور راہِ راست کی ہدائیت دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ کھوٹے اور کھرے یا سچ اور جھوٹھ کی تمیز ہونا۔ نیکی سے سکھ اور نعمتیں اور بدی سے غضب الٰہی اور آواگون ملنا بھی انہی دو راستوں کا پتہ دیتا ہے۔ جو عقل کی روشنی ملنے اور نہ ملنے کی دو حالتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ سورۃ اعراف کی آیت ۳۰ اس مدعا کو دو فریقوں سے بیان کرتی ہے۔

فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

ایک فریق ہدایت پر ہے۔ اور ایک گمراہی میں۔ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا ولی بنایا ہے۔ مگر سمجھتے یہ ہیں۔ کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔

پس ہر لحاظ سے سورۃ فاتحہ اور گائیتری منتر باہم مطابق ہیں۔ دونوں کی عظمت اور تقدیس مسلمہ ہے۔ اور دونوں ہی عبادت الٰہی میں باربار پڑھے جاتے ہیں۔

۱۷۔ ہماری تائید

مولانا محمد حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ اتحاد مذاہب عالم رنگون آج سے تیس سال پہلے سورۃ فاتحہ اور گائیتری منتر کی اسی مماثلت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچ چکے ہیں۔

گائیتری از یجر وید ادھیائے ۳۶ منتر ۳ کے طوطا مینا کی طرح رٹے جانے والے الفاظ محض یہ ہیں۔

اوم بھور بھوُوہ سوہ۔ تت سوِیتُروَریَنم بھرگو دیوسیہ دِہی مہی دھیویونہ پرچودیات۔

مگر معنے یہ ہیں۔ اے رب العالمین! اے کل عالم کے حیات کے سہارے۔ عین راحت محیط کل۔ کل دنیاؤں کے خالق۔ عظمت بخش سبھوں سے افضل۔ قابل قبول۔ علیم مطلق۔ بے عیب۔ پاک۔ نورِ مجسم۔ تمام راحتوں کا عطا کنندہ! ہم تیری ہی ذات واحد کو اپنے دل میں جگہ دیں: تاکہ وہ "ثانی خدا ہماری عقلوں کی رہبری کرکے برائیوں سے باز رکھ کر بھلائیوں پر چلائے"۔

مثل اس گائیتری کے قریب المعنیٰ الہامی ترجمے با تو اُردو مندرجہ قرآن سورۃ فاتحہ (الحمد للہ رب العالمین) کے بے شمار مقاموں پر اصلی صداقتوں کی باہمی مطابقتوں کو متفق پاکر اس کا بھی پتہ لگا۔ کہ وہ وید جو بہ لحاظ قدامت اولیت اور ذاتی جوہروں کے موجودہ تمام مذاہب کا مذہبی بوڑھا باوا ہے۔ جس کے ذاتی اثر سے ہندوستان ایک زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے فنون وعلوم روحانیت سے مالامال رہ چکا ہے۔ اور قریباً سب سے پہلے جس نے خداپرستی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی تہذیب ایشیا میں رائج کی تھی۔ افسوس وہ وید جو روحانی وفلسفی قریباً جملہ علوم کی تعلیموں سے بھرپور ہوں۔ وہ وید جو پہلے ہند کا آفتاب تھا۔ افسوس آج اسی کی اُمت میں سب سے زیادہ خرابیاں بُت پرستی۔ ننگ پرستی۔ توہمات پرستیاں و تنتیس کروڑ دیوتا بجائے واحدہ لاشریک اونکار کے موجود ہوگئی ہیں۔ یہ تمام بُرائیاں میرے ہندو بھائیوں کے اٹھارہ پرانوں تانترک روایتوں۔ بڑھیوں جیسوں کی من گھڑت خلاف عقل کہانیوں وغیرہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ (اتحاد مذاہب عالم نمبر ۲ صفحہ ۵۲)

پس گائیتری منتر چونکہ آغاز عالم سے سب سے افضل منتر گنا اور جپا جاتا تھا۔ اور حضرت صاحب کے زمانہ کے اہل عرب نیز یہود نصاریٰ میں اسی کے گورومنتر ہونے کے ویدک سنسکار موجود تھے۔ اس لئے جب اسے عربی جامہ میں پیش کیا گیا۔ اور اسے سورۃ فاتحہ کی شکل دی گئی۔ تو اس کا نہایت پُرتپاک خیرمقدم ہوا۔ اور علمائے اسلام اسی وقت سے اب تک اس کی خوبیوں کا اس حسن عقیدت سے اعتراف کرتے آرہے ہیں۔ جس کا اشارہ ہم نے سورۃ فاتحہ کی عظمت کے مضمون میں دیا ہے۔

۱۸۔ سورۃ فاتحہ ہی اصل کلمہ اسلام ہے

مروجہ اسلام میں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ گو کلمہ مانا جاتا ہے۔ اس کا پہلا حصہ لا الہ الا اللہ محض

سنسکرت کے قول ایکمیوادویتم برہم وغیرہ کی جگہ ہے۔ اور شرک کے امکانات کو دور کرنے کے لئے یعنی اس اندیشہ سے کہ کہیں مسلمان محمد صاحب کو خدا نہ مان بیٹھیں۔ یا غیر معتدل مردم پرستی کا شکار نہ ہو جائیں۔ دوسرا حصہ محمد الرسول اللہ والا ملا دیا گیا ہے۔ گویا خدا کو ہی خدا سمجھا جائے۔ اور محمد صاحب کو اس کا محض ایک رسول یا مبلغ۔ اس غرض سے اس کلمہ کا استعمال شروع ہُوا تھا۔ اور یہ قرآن کے مُدعا کے مطابق تھا۔ کیونکہ اس میں ہدائیت ہے۔ کہ دین اللہ کا ہے۔ محمد محض ایک رسول ہے۔ وہ مر جائے یا مارا جائے۔ تمہیں راہ راست سے قدم نہ ہٹانا چاہئے۔ یہ نہائیت مبارک چتاونی تھی۔ لیکن اسے مستقل کلمہ بناکر نہائیت قابل اعتراض پوزیشن پیش کی جارہی ہے۔ تاہم یہ امر معقولیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی شکیہ یا قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کہ اصلی کلمۂ اسلام محض سورۃ فاتحہ ہے۔ جیساکہ ویدک دھرمیوں کا گورمنتر گائیتری ہے۔

۱۹۔ راہِ راست اور عقل کی روشنی کا واحد مفہوم

اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ گائیتری منتر میں تو عقل کی روشنی کے لئے دُعا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ میں راہ راست کی ہدائیت کے لئے دُعا ہے۔ لہٰذا مطابقت قائم نہیں۔ لیکن یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ کیونکہ قرآن کثیر التعداد آیات میں یہ شہادت مہیا کرتا ہے۔ کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ عقل کی روشنی کا مُدعا ہی یہ ہے۔ کہ ہم عقل سے صحیح راستہ دیکھ سکیں۔ اور راہِ راست دکھانے کی دُعا میں عقل کی روشنی ملنے کا ہی مطلب ہے۔ بغیر اس کے راہِ راست نظر ہی نہیں آسکتا۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی علم کا ذکر آتا ہے۔ عقل و حکمت کا بھی ساتھ ہی بیان ہوتا ہے۔ علم اور عقلِ سلیم دونوں کو ایک ساتھ رکھنے کا مطلب وہی ہے۔ جو سورج اور آنکھ کے تعلق کا ہے۔ علم الہامی بمنزلہ سورج ہے۔ اور روح و عقل بمنزلہ آنکھ کے ہیں۔ سورۃ بقر آیت ۲۱۳ میں ہے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ اللہ جسے چاہے راہِ راست دکھائے لیکن آیت نمبر ۲۶۹ میں اس مدعا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔
اللہ جسے مناسب ہوتا ہے۔ عقل عطا فرماتا ہے۔ اور یقیناً جسے عقل ملی۔ اس نے بڑی دولت پائی۔ اور نصیحت بھی وُہی مانتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں۔ پس نہ صرف عقل کی روشنی اور راہِ ہدائیت کا ایک ہی مطلب ہے۔ گائیتری کے گورمنتر ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ کہ عقل جیسی افضل ترین نعمت کے لئے اس میں دعا ہے۔ سورۃ اعراف آیت ۲۰۲ میں بھی الہامی علم عقل اور راہِ راست کی ہدائیت کو بالکل ایک جان کر دیا ہے۔

ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ یہ خدا کی طرف سے بصیرت یا عقل کی باتیں ہیں۔ اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔" ظاہر ہے۔ کہ عقل کی باتوں اور ہدائیت کی باتوں کو یہاں ایک ہی مفہوم میں مانا گیا ہے۔

۲۰۔ سورۃ فاتحہ اور ویدک سدھانت

سورۃ فاتحہ کی بے نظیر عظمت کے متعلق تو جملہ مفسرین بھی متفق ہیں۔ تاہم خاص الفاظ کی تاویل میں بعض صاحبان کا باہم اختلاف ہونا معمولی بات ہے۔ کیونکہ حالات کے لحاظ سے ان کو الفاظِ قرآن میں ویدک تعلیمات نظر نہ آسکتی تھیں۔

اول۔ مہرشی دیانند سے پہلے اس ملک میں سچے علم کی اشاعت کی طرف توجہ نہ تھی۔ ویدک دھرمی وہ دوان خود اصل اصولوں تک پہنچ نہ سکتے تھے۔ تو مسلم علما کی ان سے ناواقفیت میں کلام ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور جب علماء مفسرین کے دل میں وہ تعلیم نہ ہو۔ تو الفاظ قرآن میں وہ ان کو کیسے نظر آ سکتی تھی۔

دوم۔ ویدک سنسکرت اور عربی زبان میں بہت دوری پیدا ہو چکی تھی۔

سوم۔ مفسرین قرآن کا علمی احساس حضرت صلعم کے برابر نہ ہونے سے وہ الفاظ قرآن کی دوسری زبانوں میں صحیح تاویل نہ کر سکتے تھے۔

چہارم۔ قرآن کا کوئی صحیح اور آزاد ترجمہ ان کی رہنمائی کے لئے موجود نہ تھا۔ جب صحابی جماعت نے رسول صلعم کے بعد قرآن مجید کو ترتیب دیا۔ اس وقت احادیث کا دور دورہ تھا۔ بہ قول بخاری چھ لاکھ اور بہ قول مسلم تین لاکھ حدیثیں بن چکی تھیں۔ صحاح ستہ میں بخاری اور مسلم کی دو معتبر کتب حدیث میں محض تین چار پانچ یا چھ ہزار حدیثوں کو صحیح اور باقیوں کو بے وزن مانا گیا ہے۔ اور ان چند ہزار کے متعلق بھی صحاح ستہ تک کا اختلاف ہے۔ ایک میں جو صحیح ہے۔ دوسرے محدث کے نزدیک وہ غیر صحیح ہے۔ اور یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ جن احادیث کی اپنی یہ حالت ہے۔ ان کے ہی زیر اثر قرآن کے تراجم و تفاسیر ہیں۔

قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ احکام القرآن کے نام سے ۲۰۴ھ کے قریب تیار ہوا۔ مگر موطا امام مالک نامی حدیث کی کتاب اس سے ۲۵ سال پہلے ۱۷۹ھ میں تیار ہو چکی تھی۔ اور اشاعت حدیث کا کام مختلف طریقوں سے اس سے بہت عرصہ پہلے زور پکڑ چکا تھا۔ احکام القرآن کے بعد تفسیر اسحاق بن راہویہ ۲۳۸ھ میں تیار ہوئی۔ اور دیگر ۷۰ - ۸۰ تفاسیر محض اپنے سے پہلی تفسیروں کی مدد سے اور انہی کی تقلید میں لکھی گئیں۔ غرضیکہ حدیثوں کے اثر سے پاک آج تک کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ کسی بھی آیت کا کوئی لفظ کسی حدیث میں پایا گیا۔ مفسرین نے آیت کا اسی حدیث سے تعلق جوڑ دیا۔ یا ان کے خیال میں جس طرح کسی واقعہ سے الفاظ کا تعلق موزوں معلوم ہوا۔ اسی طرح واقعہ بیان کیا گیا۔ آنحضرت کی خواہش کے مطابق عالمگیر اصولوں کا مفہوم اوجھل میں ہی رہا۔ گویا قرآن مجید محض احادیث کا گواہ بن گیا۔ اور راویوں کے اختلافات بیان بھی قرآن پاک کے گلے کا ہار بن گئے۔ اور ویدک سدھانتوں کیخلاف مفہوم نکالے گئے

۲۱۔ قدامت رُوح و مادہ

بیان القرآن کے فاضل مصنف صاحب صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:

"ان چار صفات (ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت) میں دوسرا کمال یہ ہے۔ کہ مذاہب عالم کے کل اصول باطلہ کی ان میں تردید ہے۔ صفت ربوبیت میں اس بات کا رد ہے۔ کہ خدا کی ذات وصفات میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ وہ رُوح اور مادہ کا بھی رب ہے۔ اس لئے رُوح اور مادہ اس کی کسی صفت میں جیسے غیر مخلوق ہونا۔ شریک نہیں ہو سکتے۔" ان الفاظ کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ویدک دھرم میں جو روح اور مادہ کو غیر مخلوق مانا جاتا ہے۔ یہ باطل اصول ہے۔ اور قرآن کا لفظ رب اس کی تردید کرتا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا محض مخلوق چیزوں کا رب ہے۔ غیر مخلوق کا نہیں۔ اور اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ مولانا صاحب رُوح اور مادہ کو غیر مخلوق ماننے سے شرک کا نتیجہ نکالتے اور اس نقص کو دُور کرتے کرتے الٹا خدا کی مالکیت کو محدود کرتے ہیں۔ غیر محدود خدا اگر غیر مخلوق رُوح اور مادہ کا مالک نہیں۔ تو وہ کل مالک کہلا ہی کس طرح سکتا ہے۔ اور وہ خود غیر محدود کیسے رہ سکتا ہے

نہ ربوبیت کا یہ تقاضا ہے۔ نہ قرآن کہیں بھی رُوح اور مادہ کو مخلوق کہتا ہے۔ اور دلیل یا منطق سے بھی یہی عیاں ہوتا ہے۔ کہ رُوح اور مادہ کی ازلیت سے خدا کی غیر مخلوقیت میں کوئی شرکت پیدا نہیں ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے رُوح اور مادہ کے مخلوق ماننے کی حالت میں اب خدا کی ہستی میں روح اور مادہ کو شریک نہیں مانا جاتا۔ انسان اس وقت عالم ہیں۔ بیان القرآن کے راقم مولانا صاحب خود عالم ہیں۔ لیکن ان کا یا کسی اور کا عالم ہونا خدا کی صفت علمیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

لیکن عقلی دلائل کی بجائے ہم یہ واضح کرنا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن وید کی ہی تائید کرتا ہے۔ اس میں نہ کہیں نیستی سے پیدائش ہونے کا بیان ہے۔ نہ حدوث روح و مادہ کا۔ نہ کہیں کوئی اشارہ ہی اس امر کا ہے۔ کہ فلاں وقت فلاں وجہ سے خدا کو عدم مطلق سے رُوح اور مادہ کو پیدا کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ برخلاف اس کے جہاں بھی پیدائش کا ذکر آتا ہے۔ وہاں ہم کسی نہ کسی طرح علّت مادی کی بھی ساتھ ہی توضیح پاتے ہیں۔ اور روح کے بھی پیدائش سے پہلے موجود ہونے کا ثبوت ہر کہیں موجود ہے۔

۲۲۔ پیدائش حق سے ہوئی

قرآن بہت جگہ فرماتا ہے۔ کہ خدا نے حق سے ہی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ حق مادہ کی واجب الوجود ہستی کا ہی نام ہے۔ سورۃ عنکبوت آیت ۴۴ میں کہا ہے۔ (نیز سورۃ نحل آیت ۳) خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

یعنی خدا نے آسمان کو اور زمین کو حق یعنی مادہ کی حقیقی ہستی سے پیدا کیا ہے۔

سورۃ الروم میں خاص لوگوں کی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ محض ظاہری زندگی پر مر رہے ہیں۔ انہیں پر لوک کا کچھ خیال نہیں۔ اس کے بعد آیت ۸ میں کہا ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِہِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے دیُو پرتھوی اور انترکھش کے سب لوگوں کو حق سے ہی پیدا کیا ہے۔ اب جائے غور ہے۔ کہ کیا حق حادث ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور جب قرآن پیدائش سے پہلے حق کو موجود مانتا ہے۔ اور علیم کل خدا خالق ہے۔ تو کیا وید کے اس بیان کی تصدیق و تائید میں کوئی کسر ہے۔ کہ

ऋतंच सत्यंचा भीद्धात्तपसो ऽध्य जायत

رت یعنی گیان اور ست یعنی مادہ سے ابھیدھا تپ ظاہر ہُوا۔ مادہ کو وید میں ست کہا ہے۔ اور اس کے لیے عربی میں حق کا لفظ ہی موزوں ہے۔

۲۳۔ خدا علّت فاعلی ہے

قرآن سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۴ میں اس بات کو صاف طور پر قبول کرتا ہے۔ کہ خدا علت فاعلی ہے۔

جس طرح ہم نے پہلی یا سابقہ پیدائش کی تھی۔ اسی طرح ہم نے پھر کی ہے۔ یہ ہم پر واجب یا لازمی ہے۔ بتحقیق ہم فاعل ہیں۔ پیدائش کے متعلق وید کا فرمان بھی صاف یہی ہے۔ کہ

यथा पूर्वमक ल्पयत्

کہ جیسے پورو اپنی تھی۔ اسی طرح اب ہوئی ہے۔
قرآن میں پوروکی جگہ اول کا لفظ ہے۔ اور سارا مضمون ان الفاظ والا بھی موجود ہے۔

۲۴۔ علت مادی کی موجودگی

سورۃ الحجر میں خدا سے ہی تمام کائنات کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ خود محتاج انسان دوسروں کو رزق دینے والا نہیں۔ خدا ہی سچا رازق ہے۔ اور کل جاندار جن تک انسانی جودوسخا کی رسائی تک بھی مشکل ہے۔ اسی رازق سے پرورش پا رہے ہیں۔ یہ کہکر آیت ۲۲ میں کہا ہے۔

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

کوئی بھی چیز کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں اس کے خزانے کے خزانے بھرے ہیں۔ مگر ہم اسے مقررہ اندازے سے بھیجتے رہتے ہیں"۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اس دائما ہست مطلق قادر مطلق علم مجسم خدا کے قبضۂ قدرت میں ارواح اور مادی علت ہمیشہ موجود ہیں۔ اور محض مخلوقات کی ضرورت کے مطابق معلول اشیاء دنیا میں پیدا ہوتی ہیں۔ خدا کے بھیجنے کا یہ مطلب تو ہے ہی نہیں۔ کہ بنی بنائی چیزیں وہ ڈاک وغیرہ کے ذریعہ سے بھیجتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ اشیاء دھیرے دھیرے قوانین الہٰی کے مطابق تیار ہو کر قابل استعمال صورت میں آتی ہیں۔ گیہوں وغیرہ اناج اور آم وغیرہ پھل کس طرح کھیتوں میں تیار ہوتے اور پکتے ہیں۔ یہ انسانوں کے مشاہدہ میں عام طور پر آرہا ہے۔ اور ظاہر کر رہا ہے۔ کہ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ پس بھرے خزانے سے مراد مادی علت کا با افراط خدا کے قبضہ میں ہونا ہے۔ یہ بیان کہیں موجود نہیں۔ کہ یہ خزانے فلاں زمانے میں خدا کے قبضہ میں آئے۔ ہاں یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ جب سے خدا ہے۔ تب سے ہی اس کے خزانے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر قدیم نیز یں خدا کے روح اور مادہ کے بھنڈار بھی قدیم ہیں۔

سورۃ یونس آیت ۶۱ میں ہے۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

تمہارے پروردگار سے ذرہ بھر شے بھی چھپی نہیں۔ کیا ڈیولوک میں اور کیا پرتھوی لوک میں اور نہ ذرہ سے چھوٹی نہ اس سے بڑی کوئی شے ہے۔ جو اس کے گیان کی کتاب میں مذکور نہ ہو۔
ذرہ کہتے ہیں۔ انو کو۔ اس سے بڑی چیز وہ ہے۔ جو زیادہ تعداد ذرات سے مل کر بنی ہو۔ اور چھوٹی وہ جسے پرمانو کہتے ہیں۔ یعنی اجزائے لاتیجزی یا ناقابل تقسیم ذرات۔ قرآن کا مطلب صاف ہے۔ کہ پرمانو سے لے کر پرتھوی تک سب اشیاء کا علم خدا کی گیان والی کتاب میں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا کے ساتھ ہی پرمانو وغیرہ بھی قدیم ہیں۔ جو ذرات سے بھی چھوٹے ہیں ؀

۲۵۔ علت فاعلی و مادی دونوں کا اقبال

سورۃ الطور آیت ۳۵۔
اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝
کیا وہ بغیر کسی شے دھتی یا علت مادی) کے پیدا

ہوتے ہیں۔ کیا وہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں۔
غور سے دیکھا جائے۔ تو اس چھوٹی سی آیت میں مثل دریا بہ کوزہ پیدائش کے تمام لوازمات کو بیان کیا گیا ہے۔ سرکش یا نافرمان لوگوں کی حالت پر مختلف طرح سے تبصرہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہا ہے۔ کہ کیا یہ غیر شئے سے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی نیستی سے قرآن اس آیت میں سرکشوں کو نیچا دکھاتا ہے۔ کہ اگر ایسے ہی نیس مار خاں تھے۔ تو غیر شئے اور نیستی سے پیدا ہو دکھاتے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کی کل مخلوقات ہستی یا مادی علت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ لوگ بھی اسی سے اور ان قوانین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ تو سرکشی کا کیا مطلب؟ دوسرے مزے کی بات یہ کہی ہے۔ کہ کیا یہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں بھی اوروں کی طرح علت فاعلی خدا نے ہی پیدا کیا ہے۔ لہذا ان کا خدا سے کفر کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ الفاظ آیت کا لہجہ ایسا طنز آمیز ہے۔ کہ ہر سمجھدار مسلمان یہی کہے گا۔ کہ قرآن کی رُو سے نیستی سے پیدا ہونے کا ذکر ایک قسم کی دشنام ہے۔ اور ایسا ہی خدا کے بغیر کسی کو پیدا کنندہ ماننا بھی کذب بیانی ہے۔

۲۶۔ نفس واحد سے پیدائش

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (سورۃ النساء)

اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ پہلے اس سے اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ اور پھر اس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔
اس آیت میں عورتوں کے حقوق کی مساوات کا بنیادی پتھر رکھا گیا ہے۔ کہ چونکہ تمام انسان کیا مرد کیا عورت ایک ہی مادہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی مساوات ظاہر ہے۔
اس کے علاوہ ویدک طریق پیدائش عالم کی بھی سرسری طور پر تصدیق کی گئی ہے۔ وید اور ہنود دھرم شاستر وغیرہ میں کہا ہے۔ کہ پہلے پرکرتی سے پُرش (نر) اور استری (مادی) شکتی کا ظہور ہوا۔ اور ان دو طاقتوں کے میل سے اور جوڑوں کی طرح بہت سے مرد اور عورتیں آغاز عالم میں پیدا ہوئیں۔ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا۔ کہ ایک نہیں انیک انسان آغاز میں پیدا ہوئے۔ ٹھیک یہی کچھ آیت زیر بحث میں بیان ہو رہا ہے۔ کہ پہلے جوڑا بنا۔ اور پھر کثیر التعداد مرد اور عورت۔

۲۷۔ نفس واحد سے مراد آدم نہیں

مفسر صاحبان نفس واحد کی تعبیر حضرت آدم سے کر رہے ہیں۔ اور اس آیت کو بائبل کے اس بیان کی تصدیق کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کہ پہلے خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ اور پھر اس کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت آبادی پھیلی۔ لیکن قرآن کے متعلق یہ خیال سراسر غلط ہے۔ بوجوہات ذیل:۔
اول۔ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کرنے کا ذکر محض موجودہ بائبل سے پیش کیا جاتا ہے۔ جو ترجمہ در ترجمہ ہوتے ہوئے ایک لمبے سلسلے کے بعد ہمارے سامنے پیش ہو رہی ہے۔ اصل بائبل جو قدیم سنسکرت کی کتابوں کا مجموعہ تھی۔ اور جس کا پہلے ہیبرو میں پھر لیٹن میں اور بعد میں اور زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ہمارے سامنے نہیں۔ اور

چونکہ ترجموں میں زبانوں۔ زبانوں اور مترجموں کے علم اور عقل کے اختلاف سے اصل حقیقت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ظفر ڈ ہینڈ کیا سیکنڈ ہینڈ شہادت بھی قابل وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ اور اس لئے بھی کہ خود علمائے اسلام بائیبل میں تحریف و تصریف کے قائل ہیں۔ اور قرآن نے موجودہ بائبیل کے بیان پر کہیں بھی انحصار نہیں رکھا۔ اس لئے اس قصے کو آیت زیر بحث کی حقیقت کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ بالخصوص بائیبل کے یہ لفظ کہ وہ دونوں دوتن ایک جان ہونگے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آدم اور حوا کا بیان ہر مرد اور اس کی بیوی کی پوزیشن کی نمائیندگی کرتا۔ اور ویدک دھرمی جو عورت کو مرد کا آدھا انگ کہتے ہیں۔ اسی کو استعارۃً بیان کرتے کرتے آخر پسلی سے حوا کے پیدا کیا جانے کا قصہ چلا ہے۔ نہ مرد کی پسلی سے انسان عورت کو پیدا کر سکتا ہے۔ نہ کہیں قانون ہی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا اصل بائیبل کا مقصود محض عورت کو مرد کی اردھنگی کہنا تھا۔ اور یہ کل نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص اور اس کی عورت سے۔

دوم۔ بائیبل کا لفظ آدم بائیبل سے ہی آغاز عالم والی انسانی جماعت کے لئے استعمال ہوا ثابت ہوتا ہے۔ اور ابتداء میں بہت سے مرد اور عورتوں کے پیدا ہونے کا اصول ہی بائیبل میں مذکور ہے۔ دیکھو پیدائیش کی کتاب باب ۱۔ آیت ۲۷ و ۲۸۔

پرمیشور نے منش کو اپنے سوروپ کے انوسار سرجا۔ اپنے ہی سوروپ کے انوسار پرمیشور نے اس کو سرجا۔ ناری اور نر کرکے اس نے منشیوں کو سرجا۔ ۲۷۔ اور پرمیشور نے ان کو آشیش دی۔ اور ان سے کہا۔ کہ پھولو۔ اور پرتھوی میں بھر جاؤ۔" یہاں منش کا لفظ صاف طور پر انسانی جماعت کے لئے ہے۔ اور نر اور ناری کے لئے بار بار اُن کا لفظ (اسم ضمیر)، استعمال کرکے اور منشیوں کا لفظ صیغہ جمع میں لکھ کر اصل حقیقت کو صاف کر دیا ہے۔ نہ صرف ہی مزید غور کرنے پر باب ۵ کی آیت ۱ تا ۲ سے قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کہ آدم ایک کا نام نہیں۔ کثیر التعداد مرد اور عورتوں کا ہے۔ جو پہلے پہل پیدا ہوئے۔ چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں۔

" آدم کی ونشاولی یہ ہے۔ جب پرمیشور نے منشیہ کو سرجا تب اپنی سمانتا میں بنایا۔ نر اور ناری کرکے اس نے منشیوں کو سرجا۔ اور ان کے پیدا ہونے کے دن ان کا نام آدم رکھا۔"

مطلب یہ کہ ایک شخصیت نہیں۔ آغاز عالم کی کل انسانی جماعت کا نام آدم ہے۔ اور جب یہ سمجھ آتی ہے۔ کہ ویدک دھرمی آغاز میں پیدا ہوتے والوں کو आदिम آدِم کہتے ہیں۔ تو اس امر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ کہ آدِم سے ہی بدل کر آدم کا لفظ مشہور ہوا ہے۔ اور اس طرح آدم اسم بامسمےٰ بھی بن جاتا ہے۔

سوم۔ یہ خیال بھی کہ قرآن میں آدم ایک خاص شخصیت کا نام ہے۔ غلط ہے۔ کیونکہ سورۃ بقر میں جہاں خلیفہ یا نائب بنانے کا ذکر ہے۔ وہاں غور کرنے پر انسان کے لئے ہی آدم کا لفظ استعمال ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کل کائنات عالم پر انسان حکمران ہے۔ اسی مدعا کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سر سید احمد خاں صاحب جیسے فاضل مفسران قرآن بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ آدم تمام انسانی جماعت کا نام ہے۔ بہت سے موقعوں پر آغاز میں ہونے والی انسانی جماعت کے لیے آوَلِیْنَ کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کا سنسکرت میں ترجمہ आदिम کی ہی صورت میں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ البقر میں خلیفہ کے لئے آدم کا لفظ کہا۔ تو سورۃ الحجر آیت ۲۸ و ۲۹ میں اس کے لئے بشر

(انسان) کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ خدا فرشتوں کو کہتا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا پس آدم اور بشر لفظ ہم معنی ہیں۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۳۳ میں شیطان کا سجدہ سے انکار کرنا مذکور ہے۔ ان الفاظ میں لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ کہ میں ایک انسان کو سجدہ نہیں کرتا۔

اس سے بھی زبردست ثبوت سورۃ الانعام آیت اخیر میں موجود ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔
وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ

وہی خدا ہے۔ جس نے تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر درجہ کے لحاظ سے فوقیت دے رکھی ہے۔ تاکہ جو کچھ اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق تمہاری آزمائش ہو جائے"۔ یہاں نہ صرف اس دنیا کو انسانوں کے لئے امتحان گاہ بنایا ہے۔ اس بات کو بھی قطعی طور پر صاف کر دیا ہے۔ کہ تمام انسان خلیفہ ہیں۔ پس کیا قرآن اور کیا انجیل دونوں میں لفظ آدم انسانی جماعت کا دیسا ہی نمائندہ ہے۔ جیسا کہ منش لفظ وید و سنسکرت زبان کی دیگر کتب میں ہے۔ یا جیسا کہ لاطین کا لفظ man is mortal (انسان فانی ہے۔) میں ہے۔

چہارم۔ کسی بھی لغت میں نفس واحد کے معنے آدم کے نہیں لئے گئے۔ بلکہ سب میں بالاتفاق یہ معنی لکھے ہیں۔ نفس۔ جان۔ رُوح۔ حقیقت شے کی۔ ہستی۔ عین ہر چیز کا۔ ذات چونکہ ہستی شے کی حقیقت۔ عین ہر چیز کا۔ سب سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پیدائش مطلق نیستی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ہستی یا مادہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے نفس واحد کے لئے آدم کا لفظ لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ مضمون مساوات کا تقاضا ہی یہ تھا۔ کہ واحد کا لفظ علت مادی کے لئے آوے۔ ایک شخص سے سب کے پیدا ہونے سے یہ دلیل اخذ نہیں کی جا سکتی۔ کہ عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں۔ کیونکہ مرد اور عورت کیا ایک باپ سے پیدا شدہ تمام مرد بھی اختلاف قابلیت سے یکساں نہیں مانے جا سکتے۔ علت مادی میں قابلیت کا سوال نہیں اٹھتا۔ اس لئے مساوات کا معیار اسے ٹھہرانا ہی زیادہ معقول تھا۔ آدم کی پسلی سے حوا کے پیدا ہونے کی صورت میں مساوات رہ ہی نہیں سکتی۔

پنجم۔ آدم سے اس کی عورت حوا پیدا ہوئی۔ اور ان دونوں آدم اور حوا سے بہت سے مرد اور عورتیں ہوئیں۔ اس بیان کا پہلے بیان کے مطابق ہونا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ موجودہ انسانوں کو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تم کو آدم سے پیدا کیا۔ اور سلسلہ آدم کا محض پہلی پشت تک مذکور ہو۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابتداء سلسلے مرد اور عورتیں ان سے ہوئے نہ کہ ہم موجودہ لوگ۔

ہم سب کے والدین جُدا جُدا ہونے سے آیت والے مخاطب لوگ نفس واحد سے پیدا شدہ نہیں ہو سکتے۔ پس نفس واحد سے مُراد ایک ہی مادی علت ہے۔

ششم:۔ نفس سے یہاں مادہ کی مراد لینا ہی معقول ہے۔ کیونکہ گو قرآن میں رُوح اور مادہ دونوں کے لئے نفس کا لفظ بھی استعمال ہُوا ہے۔ یہاں رُوح کا مفہوم لینا صحیح نہیں۔ خَلَقَكُمْ (تم کو پیدا کیا) میں رُوح تو مخاطب ہے۔ اور روح کی پیدائش ہوتی ہے۔ مادی جسم کے میل سے۔ پس جس نفس واحد سے روح کی پیدائش ہوتی۔ وہ دوسری چیز مادہ ہی ہے۔

۲۸۔ رُوح اور مادہ دونوں قدیم

یہ امر کہ قرآن میں لفظ نفس دونوں کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الانفطار آیت ۱۷ اور ۱۸ سے صاف ظاہر ہے۔ اس میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ ایک بار نہیں تاکید کے لئے کہا ہے۔ ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ۔ پھر تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ اگلے الفاظ میں ان کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

یعنی یوم الدین یا پرلے کا زمانہ وہ ہے جس میں ایک نفس (رُوح) کا دوسرے نفس (مادہ) پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ خدا کے ہی قبضۂ قدرت میں ہوتا ہے۔

چونکہ پرلے کال میں روح کا مادہ پر اختیار نہیں رہتا۔ جیسا کہ زمانہ قیام عالم میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ تمام معلول جہان علت مادی میں منتقل ہو کر برہم یا خدا ہی میں لین ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بیان بالکل معقول ہے۔ قرآن پرلے کال کی حقیقت ہی یوم الدین لفظ سے ادا کرتا ہے۔ اور سورۃ القدر میں صاف بیان موجود ہے۔ کہ۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

یعنی قانون الٰہی کے مطابق روح اور تمام اشیائے عالم تنزل کر کے اسی خدا میں لین ہوتے ہیں۔ اور اس حالت میں محفوظ رہتے ہیں حتیٰ کہ پھر فجر کا طلوع یا آغاز عالم ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہے۔ کہ مادہ اور رُوح ازلی اور ابدی ہیں۔ دنیا کی پیدائش اور فنا کا چکر چل رہا ہے۔ اور رُوح اور مادہ جب۔۔۔ فنا یا پرلے ہوتی ہے۔ برہم میں محفوظ رہتے ہیں۔ ان ہی کا دوسری یا اگلی پیدائش میں معلول دنیا کی حالت میں ظہور ہوتا ہے۔

غرضیکہ ایک انسان کیا کل کائنات کا ظہور ایک ہی ازلی مادہ سے ہو رہا ہے۔ قرآن اس بات کو نہایت عمدگی سے واضح کر رہا ہے۔ محض سورۃ القدر میں ہی نہیں۔ سورۃ السجدہ آیت ۵ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

یعنی وہ خدا آسمان سے زمین (دیولوک سے پرتھوی لوک) تک کل نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات اس کے حضور میں اس زمانہ میں نہاں ہو جاتی ہے۔ جو تمہارے شمار کردہ ہزار زمانہ کا ہے۔

۲۹۔ پیدائش کے متعلق تین اصُول

سورۃ یٰسین۔ آیت ۳۶

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

پاک ذات ہے وُہ خدا جس نے یہ کُل جوڑے پیدا کئے ہیں۔ نباتات ارضی سے۔ ان کی اپنی اپنی جنس سے۔ اور اُس چیز سے جس کو لوگ نہیں جانتے۔

یہاں پیدائش کے متعلق تین اصُول بیان کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ جاندار زمین کی نباتات سے پیدا ہوئے ہیں۔ سو ویدک لٹریچر میں ہر کہیں سلسلہ پیدائش نبستی تک پہنچا کر پھر حیوانات کی پیدائش بیان کی گئی ہے۔ تیتری اُپنشد میں آکاش۔ وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی کے سلسلہ وار پیدا

ہونے کا ذکر کرکے آگے لکھا ہے۔

पृथिव्याद्‌ऽ न्नम अन्नाद्रेतः। रेतसः पुरुषः।

یعنی پرتھوی سے اَن۔ اَن سے ویریہ۔ ویریہ سے پُرش پیدا ہوئے پس یہ اصُول قرآن کی آیت میں مِمَّا تُنۢبِتُ الْاَرْضُ سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا اصُول یہ ہے۔ کہ ہر جاندار اپنی جنس سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے گیہوں سے گیہوں اور آم سے آم۔ ویسے ہی انسان سے انسان اور گھوڑے سے گھوڑا وغیرہ اس اصول کو قرآن مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے ظاہر کرتا ہے۔

تیسرا اصول یہ ہے۔ کہ یہ سب نباتات یا جانداروں کے گروہ بعد میں ہیں۔ پہلے ان کی پُشت میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو عام انسان نہیں جانتے۔ اور وہ چیز کیا ہے۔ پرکرتی یا مادہ۔ جو لطیف ہونے سے حواس سے محسوس نہیں ہوتا۔ اس کو مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ سے بیان کیا ہے۔ جب یہ اقبال موجود ہے۔ کہ کوئی ایسی ہستی ہے۔ جس سے پیدائش ہوئی۔ تو انسان خواہ اس کو جان وسمجھ نہ سکے۔ علت مادی کا ثبوت موجود ہے۔ خواہ اسے پرکرتی کہیں مادہ کہیں۔ یا اور کچھ۔

۳۰۔ ناقابل بیان شے

سورۃ الدہر۔ آیت ۱

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا

کیا انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں گذرا جس میں کوئی ایسی شے تھی۔ جو بیان میں نہیں آسکتی۔ ان الفاظ سے بعض لوگ یہ مراد لے سکتے ہیں۔ کہ یہ ماں کے حمل میں ہونے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حمل کے ہر زمانے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اس کے متعلق غیر مذکور کا لفظ نہیں آسکتا۔

اور ہم نے انسان کو سلال سے (شروع کرکے آخر) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ کی صورت میں محفوظ جگہ میں رکھا۔ ۱۲

پھر نطفہ کو ہم نے علقہ (منجمد خون آلود لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے اس علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنایا پھر ہم نے مضغہ سے ہڈی بنائی۔ پھر ہم نے ہڈی پر گوشت چڑھایا حتیٰ کہ ہم نے اسے دوسری ہی شکل میں بنا کھڑا کیا یہاں نطفہ سے لے کر حمل سے باہر آنے تک کی ہر حالت میں انسان کو ایک مذکور شے کی شکل میں ہی ظاہر کیا ہے۔ پس آیت زیر بحث کے الفاظ کا تعلق زمانہ حمل سے نہیں۔ اور نہ حمل سے پہلے کسی قریب کے زمانہ سے تعلق ہے۔ کیونکہ مسئلہ آواگون کی رُو سے پہلے خواہ کسی قالب میں ہو یا نجات میں۔ ہر دو حالتیں انسانی ذکر و بیان میں آرہی ہیں کوئی بھی قالب ہو مخصوص نام سے تمام تحریروں (تقریروں) میں مذکور پائی جاتی ہے۔ پس وہ زمانہ جس میں کوئی مذکور شے نہ ہو۔ سوائے پیدائش عالم سے پہلے زمانے کے کوئی ہو نہیں سکتا۔ اور اس زمانہ کے متعلق وید میں بھی یہی کہا ہے کہ اشارات ایسے دیئے جا سکتے ہیں کہ پہلے کی ہستی کا خیال عالموں کے اندر نقش ہو جائے۔ ورنہ صحیح بیان اس حالت کا کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۲۹ میں اس پوزیشن کو نہایت عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ پہلے منتر میں یہ الفاظ ہیں:۔

नासदासीन्नो सदासीत्तदानीं नासीद्रजो नो व्योमा परो यत्।

یعنی پیدائش عالم سے پہلے نہ است (میستی) تھا۔ نہ ست (ہستی) نہ رجس (یہ دیسلع لوگ) تھے۔ نہ اس سے بھی پرے

والا پرم آکاش دوسرے منتر میں پہلے حسب ذیل الفاظ ہیں:۔

न मृत्युरासीद् मृतं न तर्हि न रात्र्या अन्ह आसीत्प्रकेतः।

اسی طرح نہ موت تھی نہ زندگی۔ نہ رات تھی نہ دن کا گیان تھا۔ تیسرے منتر میں پہلے الفاظ یہ ہیں:۔

तम आसीत्तमसा गूढ़ मग्रेऽ प्रकेतं सलिलं सर्वमा इदम्।

یعنی پیدائش سے پہلے یہ سب عالم تم (تاریک ناقابل تمیز۔ عدم ترکیب حالت میں) تھا۔ محض ناقابل فہم سیل (بحر اجزائے لاتیجزیٰ) سا تھا۔

چوتھے منتر میں اس حالت کا اور بھی پُر کمال اشاروں میں بیان کیا ہے۔

कामस्त दग्रे समवर्तताधि मनसोरेत: प्रथमं यदासीत्।

सतो बन्धमसति निर्विन्दन्हृदि प्रतीष्य: कवयो मनीषा ॥

پیدائش کے قبل من سے ہونے والی کامنا کی قسم کا ہی وہ نطفہ یا بیج تھا۔ جو پہلے موجود تھا۔ انتہائی باریک بین عالم لوگ اپنے ہردے میں بار بار غور کر کے ہی اس پوشیدہ تتو میں کسی ظاہر تتو کا تصوّر باندھنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے۔ کہ پہلے منتروں میں ایسے الفاظ بھی دیئے ہیں۔ جن سے اس گو نگو ہستی کا ودوان لوگ تصوّر باندھ سکیں۔

اور پانچویں منتر میں ان تمام اشارات کا خلاصہ یکجا دے کر مادی علت کو سورج کی طرح اوپر نیچے ویاپک اور پھیلا ہوا بتایا ہے۔ اور چھٹے منتر میں یہ بتایا ہے۔ کہ کوئی انسان اس حالت کو ٹھیک ٹھیک نہیں جان سکتا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جب جان نہیں سکتا۔ تو بیان کیسے کر سکتا ہے۔ اس منتر کا پہلا حصہ حسب ذیل ہے۔

को अद्धा वेद कइह प्रवोचत्कुत आजाता कुत इयं विसृष्टि:।

یہ سوال کہ یہ عالم کہاں سے جلوہ گر ہوا۔ اور یہ گوناگوں رچنا کس علت اوّلین سے پیدا ہوئی۔ کوئی انسان ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا۔ اور نہ کوئی اسے ٹھیک ٹھیک بیان کر سکتا ہے۔

پس قرآن کا پہلی حالت کے لئے لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا کہنا وید کے سچے سدھانت کی ہی تصدیق کرتا ہے۔

۱۳۱۔ موقعہ کا گواہ

لیکن آیت زیر بحث میں جو غیر مذکور شئے کا لفظ ہے۔ وہ انسان کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کے لئے ایسا نہیں۔ اسی طرح سورہ یٰسین آیت ۳۶ کا حوالہ جو دفعہ ۱۵ میں دیا ہے۔ اس میں جو لفظ مِمَّا لَا يَعْلَمُونَ آیا ہے۔ اس کا بھی مطلب یہ ہے۔ کہ وہ علت مادی انسان کے علم میں نہ تھی۔ خدا کے علم میں تھی۔ یہی تعلیم وید کی ہے۔ اور رگ وید منڈل ۱۰ کے اسی ۱۲۹ سوکت کے آخری منتر میں کہا ہے۔

इयं विसृष्टिर्यत आबभूव यदि वा दधे यदि वा न।

यो अस्याध्यक्ष: परमे व्योमन्तसो अङ्ग वेद यदि वा न वेद॥

یعنی یہ کائنات جس علت سے پیدا ہوئی۔ اس کا صحیح علم اس کائنات کے منتظم اعلےٰ کو ہی ہے۔ خواہ وہ جگت کو دھارن کرے۔ خواہ نہ کرے۔ اور خواہ اور کوئی جانے یا نہ جانے

چونکہ پہلے منتروں سے انسان کو علت مادی کا صحیح علم نہ ہونے کے بیان سے اس کی ہستی مشتبہ ہو سکتی تھی۔

اس لئے آخر میں کہدیا۔ کہ وُہ تتو شے اس محیط کل ضابط عالم کے علم میں عین اپنی صحیح حالت میں ہے۔ اس علت کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو پیدائیش عالم میں اس کا دھارن کیا جانا اور دوسری حالت فنا میں اس کا دھارن نہ کیا جانا۔ سو وید کہتا ہے۔ دونوں حالتوں میں یکساں طور پر اس کے علم میں ہے۔ مضائقہ نہیں۔ کہ کوئی انسان اس کو نہیں جانتا۔ لیکن اس پر سوال ہوسکتا ہے۔ کہ انسان کو جب بھگوان علم دیتا ہے۔ تو اس پہلی حالت کا صحیح علم کیوں نہیں دیتا۔ اس کا جواب اس سے پہلے چھٹے منتر کے دوسرے حصے میں ہی دیا جاچکا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

अर्वाग्देवा अस्य विसर्जनेनाथा कोवेदयत आब भूव ॥

یعنی جس تتو سے یہ مخلوقات بنی ہے۔ دیوتا (عالم لوگ) اس سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے جو کچھ پہلی حالت فی الحقیقت تھی۔ اسے کون عالم ٹھیک ٹھیک جان سکتا ہے۔ آہ! کیسی پختہ اور قوی دلیل ہے۔ شہادت اُسی کی ہے۔ جو موقعہ پر موجود ہو۔ کیونکہ اسے ہی واقعہ کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔ پیدائیش عالم سے پہلے انسان ہی موجود نہ تھا۔ تو عالم لوگوں کو اس کا صحیح علم ہونے کے معنی کیا۔ خدا کی ذات بابرکات ہی حالتِ فنا میں لاتعداد ارواح اور پرکرتی کو اپنی گود میں سُلا رہی تھی۔ لہٰذا وہی اس موقعہ اور حالت کا گواہ ہے۔ اور اسے ہی اس کا صحیح علم ہے۔ یہ وید اور قرآن دونوں کا فرمان ہے

۳۲۔ پیدائیش انسان کا فلسفہ

سورۃ السجدہ آیت ۷۔ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝
انسان کی پیدائیش مٹی سے ہوئی۔ اور اس کی نسل کا سلسلہ سلال سے شروع ہوکر آخر وبریہ سے چلا" گویا دو امور یہاں مذکور ہیں جسم انسان اور نسل انسان کا سلسلہ۔

اور ہم نے انسان کو سلال سے شروع کرکے آخر مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ کی صورت میں محفوظ جگہ میں رکھا۔ ۱۲۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ (منجمد خون آلود لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے مضغہ سے ہڈی بنائی۔ پھر ہم نے ہڈی پر گوشت مڑھا۔ حتیٰ کہ آخر ہم نے اسے دوسری ہی شکل میں بنا کھڑا کیا۔

(۳) سُورۃ الحجر آیت ۲۸۔
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝
تیرے خدا نے فرشتوں (مخلوق دیوتاؤں) کو کہا۔ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ صلصال سے بناتے بناتے آخر اسے پاک مٹی سے پیدا کروں گا۔

ان آیات کی اصلیت کو جاننے کے لئے نہایت باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس کی توضیح کریں۔ ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اُوپر کی قسم کے بیان اور بھی کئی آیتوں میں موجود ہیں۔ ہر کہیں انسان کی پیدائیش مٹی سے بتائی ہے۔ یا نطفہ سے یا سلال سے یا صلصال سے۔ مگر جاننا کہ کہیں بھی عدم مطلق سے پیدا ہونے کا ذکر ہو۔

۳۳۔ رُوح کی مسئلہ ازلیت

۱۔ قریباً تمام ثبوت جو ازلیت مادہ کے متعلق بیان ہوئے۔ ازلیت رُوح کے حق میں بھی دلیل مہیا کرتے ہیں۔ قرآن

میں کہیں بھی رُوح کو حادث نہیں کہا۔ حتیٰ کہ سوالی و جواب میں خاص طور پر رُوح کی تعریف بتاتے ہوئے بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا گیا۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

تم سے رُوح کے متعلق پوچھیں۔ تو دو باتیں کہہ دو۔ ایک تو یہ کہ یہ امر ربی ہے۔ اور دوسری یہ کہ تمہیں محض محدود یا تھوڑا علم ملا ہے۔ امر ربی کا مطلب صاف ہے۔ کہ وہ غیر مادی اور لطیف ہے۔ بغیر علم الہٰی کی روشنی کے وہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور دوسرے یہ کہ وہ محدود العلم ہے۔ امر ربی کبھی رب سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ پس جب سے رب ہے۔ تب سے رُوح ہے۔ یوم الدین کی جو تعریف سورۃ الانفطار میں کی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ٥

یعنی اس وقت رُوح کا مادہ پر اختیار نہیں رہتا۔ بلکہ دونوں نفس یعنی رُوح و مادہ اللہ کے ہی ارپن ہوتا ہے۔ پس پرلے یا قیامت میں بھی اس کی ہستی ثابت ہے۔ اور وید کی تعلیم کے مطابق ہی اسے لطیف (سوکھشم) اور محدود العلم (الپگیہ) کہا ہے۔

۲۔ سورۃ الحجر آیت ۲۸ میں کہا ہے:۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥

پس جب میں اسے (انسانی جسم) کو مکمل کر کے اس میں اپنی طرف سے رُوح داخل کر چکوں۔ تم تو اس کے آگے سر بسجود گر پڑنا۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مادہ سے تیار شدہ جسم نہیں۔ بلکہ رُوح کی وجہ سے یہ جسم انسان نام پاتا اور دُنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ رُوح ازلی ہے۔ اگر رُوح پہلے سے خدا کے پاس موجود نہ ہوتی۔ اور اس کی ملک نہ ہوتی۔ تو داخل کیسے کیا جاتا۔

۳۔ سورۃ السجدہ میں کہا گیا۔ خدا ہی احسن الخالقین ہے۔ وہ انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کرتا ہے۔ اور اس کی نسل کو سلالہ سے شروع ہوتے سلسلے میں آخر ورہ یا نطفہ سے چلاتا ہے۔ اس کے آگے کہا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۚ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥

پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور اس میں اپنی (ملک) رُوح کو پھونکا اور تمہارے لئے کان۔ آنکھ اور دل بنائے۔ پھر بھی تھوڑے ہی ہیں۔ جو اس کا شکر کرتے ہیں۔

اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ رُوح پہلے سے خدا کے قبضۂ قدرت میں موجود تھی۔

کہاں تک لکھیں۔ جہاں بھی رُوح کا ذکر ہے۔ اس کی قدامت اور ازلیت کا ہی پتہ چلتا ہے۔

(۴) سورۃ النحل آیت ۲ میں کہا ہے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ ٥

وہ پرمیشور فرشتوں (رشیوں) کے رُوح میں اپنے علم کا پرکاش کرتا ہے۔ ان رشیوں کے روح میں جنہیں وہ اپنے بندوں میں سے قابل سمجھتا ہے یا چاہتا ہے۔ پس خدا ازلی رُوح کو علم دیتا ہے۔ نہ کہ نیستی سے اسے پیدا کرتا ہے۔

اسی مضمون کے متعلق سورۃ القدر کی آیات جو پہلے آچکی ہیں۔ ان سے شہادت ملتی ہے۔ کہ برہم راتری میں ارواح اور اشیائے عالم اپنی پہلی حالت کو عود کر کے پرمیشور میں رہتے ہیں۔ اور پھر آغاز عالم میں صحیح وسالم یا محفوظ حالت میں پیدائیش کے کام آتے ہیں۔ سورۃ السجدہ آیت ۶ میں بھی یہی کہا ہے۔ کہ پرمیشور دیولوک سے پرتھوی لوک تک کے تمام نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات انسانوں کے شمار کردہ ہزار زمانوں کے برابر عرصہ تک اسی خدا میں نہاں رہتی ہیں۔

غرضیکہ رُوح اور مادہ پیدائیش اور فنا کی دونوں حالتوں میں ہمیشہ موجود اور قدیم و ازلی ہیں۔

۳۴۔ مذاہب الاسلام کی شہادت

مولانا محمد نجم الغنی صاحب خلف مولانا عبدالغنی صاحب مرحوم رامپوری اپنی کتاب مذاہب اسلام مطبوعہ ۱۹۰۱ء مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور معتزلہ کے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں:۔

" ممکن اپنے عدم کے وقت میں ثابت ہے۔ اور موجود نہیں ہے۔ اور منشاء اس قول کا یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں اور ماہیت میں فرق ہے۔ کبھی ماہیت ہوتی ہے۔ اور اس کو وجود عارض نہیں ہوتا۔ یہی مرتبہ تقرر کا ہے۔ اسی کو معدوم ثابت کہتے ہیں۔ مگر وجود نہیں کہہ سکتے۔ موجود جب کہیں گے۔ کہ اس کو وجود مل جائے"۔ اس سے پہلے صفحہ ۷۵ پر لکھا ہے۔ کہ

سارے معتزلہ سوائے کعبی اور ابو الہذیل اور ابوالحسین بصری کے یہ کہتے ہیں۔ کہ معدوم بھی ایک شے ہے۔ اور عالم واقعہ میں ثابت ہے۔ مگر اسی قدر ہے۔ کہ اس کو وجود نہیں ملا ہے۔ اگر وجود مل جائے۔ تو وہ موجود ہو جائے"

۳۵۔ نجات عارضی ہے

ایک اور غلط نتیجہ صفحہ ۲ بیان القرآن میں اخذ کیا گیا ہے۔ اول تو صفت روحانیت سے بلا بدل رحم کا مطلب لے کر عیسائی مذہب کے کفارہ کی تردید اخذ کی گئی ہے۔ جو کئی وجوہات سے غیر معقول ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ امر غیر متعلق ہے۔ ہاں صفت رحیمیت کے مفہوم میں۔ ایک ویدک سدھانت کے خلاف نتیجہ نکالا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ "صفت رحیمیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کے اعمال پر جو اس کے فرائض کی فرمانبرداری میں ہوں۔ اللہ تعالےٰ بڑے بڑے اجر دیتا ہے۔ اس سے ایسے عقائد کی تردید ہوتی ہے۔ جو انسان کے اعمال پر ان کے محدود ہونے کی وجہ سے ان کے اجر کو بھی محدود قرار دیتے ہیں۔ اور اس سے نجات کو عارضی ٹھہراتے ہیں"۔ یہ ریمارک بھی خلاف تعلیم قرآن اور مولانا صاحب کے دماغ پر موجودہ فرقہ وارانہ فضا کا خاص اثر ہونے کا ہی نتیجہ ہیں۔ کیونکہ قرآن کہیں بھی نہیں کہتا۔ کہ محدود فعل کا پھل غیر محدود ہوتا ہے۔ بہشت کے آرام و آسائش کے متعلقہ تمام سامان مثل دودھ۔ شہد۔ شراب۔ زیور وغیرہ سب محدود ہیں۔ رہے بڑے بڑے اجر۔ سو ویدک دھرم خود بتاتا ہے۔ کہ انسان کو سچے گیان کے حصول پر ایشور کے وصل سے جو آنند ملتا ہے۔ وہ اتنا عرصہ رہتا ہے۔ جو چھتیس (۳۶) ہزار بار دنیا کی پیدائیش و قیام میں لگتا ہے۔ یعنی ۳۱ نیل ۱۰ کھرب ۴۰ ارب سال (۳۱۱۰۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہم نہیں سمجھتے۔ خدا کی شان۔۔ کے مطابق جو بڑے بڑے اجر ہونے چاہئیں۔ ان کا اس سے زیادہ اعتراف کونسا انسان کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا اجر تو کسی بڑے سے بڑے عالم کے تخیل میں بھی کبھی نہ آیا ہوگا۔ لیکن یہ نہ سمجھا جاوے۔ کہ خدا اس میں کسی بے انصافی یا غیر معمولی اور غیر معقول دریا دلی سے کام

بنتا ہے۔ بلکہ گیان جیسی بیش بہا صفت کا تقاضا ہی بسے عرصہ کا سکھ ملنا ہے۔ ڈاکٹر ۲ کا ایک ٹیکہ لگا کر اگر ایک مرتے ہوئے شخص کو بچا دے۔ اور وہ شخص اس کے بعد بچاس سال تک زندہ رہے۔ اور دس لاکھ روپیہ کا لیوے۔ تو اس میں ڈاکٹر کی علمی خصوصیت کام کرتی ہے۔ علم اور عقل کی بدولت اگر ڈاکٹر یا وکیل یا عہدہ والے لوگ ہزار ہا روپیہ ماہوار کماتے اور ان سے بڑھیا جسم یا ڈیل ڈول والے مزدور محض ۸ روپیہ پاتے ہیں۔ تو یہ فرق علمی صفت یا قابلیت کا ہے۔ بے انصافی کی وجہ سے نہیں۔ اس کے علاوہ یاد رہے۔ کہ اجر خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ غیر محدود نہیں ہوگا۔ کیونکہ خود قرآن زور سے کہتا ہے۔ کہ محدودیت روح کا فطرتی خاصہ ہے۔ اور فطرتی خاصہ کسی بھی حالت میں روح سے جدا ہو۔ یہ ناممکن ہے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

تجھ سے روح کے متعلق استفسار کرتے ہیں۔ انہیں یوں جواب دو۔ کہ روح امر ربی ہے۔ اور نیز یہ کہ تمہیں محض محدود علم دیا گیا ہے۔

اس آیت کے متعلق مترجموں کے الفاظ کے نکتہ نگاہ سے اعتراض ہوتا ہے۔ کہ قرآن روح کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ لہذا جواب کو ٹالتا ہے۔ لیکن درحقیقت اوپر کے الفاظ میں تسلی جواب موجود ہے۔ اور معترض خود خاص لطیفہ کا مصداق بن رہے ہیں۔ ایک شخص بینگن کا خیال رکھ کر دوسرے سے پوچھتا ہے۔ کہ شام رنگ۔ گول گول اور سر پر ٹکٹ رکھنے والی شے کونسی ہے۔ جواب والا کہتا ہے۔ "بتاؤں" سوال والا کہتا ہے۔ "بتاؤ" جواب ملتا ہے۔ "بتاؤں" وہ پھر کہتا ہے۔ بتاؤ۔ (جواب) "بتاؤں" سوال والا حیران ہے۔ کہ بار بار اجازت مانگتا ہے۔ کہ کیا میں بتاؤں۔ مگر بتاتا نہیں۔ اور مجیب حیران ہے۔ کہ میں نے اس چیز کا صحیح نام بھی بتایا ہے۔ پھر بھی یہ بار بار بتاؤ کہے جاتے ہیں۔ اب حقیقت تو یہ ہے۔ کہ پوچھنے والے کو اس چیز کا نام بینگن معلوم ہے۔ اور اس کا دوسرا نام "بتاؤں" معلوم نہیں۔ اور مجیب کو اس کی اس لاعلمی کا علم نہیں۔ نتیجہ میں دونوں مغزپچی کا شکار ہو رہے ہیں۔ بعینہٖ امر ربی کہکر قرآن نے بتادیا۔ کہ روح کوئی کثیف یا حواس سے محسوس ہونے والی شے نہیں۔ وہ امر ربی ہے۔ یعنی لطیف۔ اور ساتھ ہی تم روحوں کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ یعنی تم الپگیہ ہو۔ ویدک دھرمی لوگ بھی روح کو لطیف مانتے ہیں۔ اور الپگیہ یا محدود العلم۔ اور قرآن بھی روح کی یہی تعریف بتاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے مسلمان اور آریہ علماء سمجھ رہے ہیں۔ کہ قرآن جواب کو ٹالتا ہے۔ ایسا ہی ایک اور مشہور لطیفہ ہے۔ کہ ایک شخص نے جو خود عربی نہ جانتا تھا۔ اپنے بیٹے کو ایک مولوی کے ہاں عربی زبان کی تعلیم دلائی۔ تین چار سال گذرنے پر ایک دن آپ کو بیٹے کا امتحان لینے کی سوجھتی ہے۔ اور ایک کتاب لے کر آپ بیٹے کے سامنے رکھ کر کہتے ہیں۔ کہ جس لفظ پر میری انگلی ہے۔ اس کو پڑھو۔ بیٹا پڑھتا ہے "لا اعلم" باپ پوچھتا ہے۔ اس کے معنے کیا ہیں۔ بیٹا کہتا ہے "میں نہیں جانتا"۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ والد بزرگوار اپنے پیارے اور ہونہار بیٹے کے منہ پر ایک چانٹا رسید کرتے ہیں۔ کہ نالائق اتنے سال کے بعد بھی اگر تو اس ایک لفظ کے معنے نہیں جانتا۔ تو پڑھا کیا ہے۔ خاک۔ بیٹا کہتا ہے۔ والد بزرگوار بین کروں کیا۔ جو لفظ آپ نے مجھ سے پڑھوایا ہے۔ اس کے معنے ہی یہ ہیں۔ کہ میں نہیں جانتا۔ غرضیکہ حقیقت الامر کے لحاظ سے روح کی فطرتی محدودیت اس کی نجات کی محدودیت کا تقاضا کرتی ہے۔ قرآن میں شفاعت کی تردید اور پورا پورا انصاف ہونے حتیٰ کہ تل برابر

بھی بے انصافی نہ ہونے کا ہی ذکر ہے۔ پس غیر محدود اجر تو کہاں انصاف کے تناسب سے تل برابر زیادہ نجات ملنا بھی ناممکن ہے۔ بہ الفاظ دیگر قرآن سے نجات کی غیر محدودیت کا مفہوم لینا خلاف منشائے اسلام و رسول ہے۔ اور فرقہ درانہ تعصب کا ظہور قرآن تو صاف فرماتا ہے۔ (سورۃ البقر آیت ۲۸۶)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

"خدا کسی وجود پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ سوائے اس مقدار کے جس کی اس میں قابلیت ہے۔ جس نے اچھے کام کئے۔ اپنے لئے کئے۔ اور جس نے بُرے کئے۔ اپنے لئے کئے۔" اس آیت کا باقی حصہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَاۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَاۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖۚ وَاعْفُ عَنَّاٙ وَاغْفِرْ لَنَاٙ وَارْحَمْنَاٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اے ہمارے رب اگر ہم سے سہو یا خطا ہو جائے۔ تو ہم سے اس کا مواخذہ نہ کر۔ ہمارے پروردگار! ہم سے پہلے لوگوں پر جو عذاب پڑے ہیں۔ اس سے بچا۔ اور اے ہمارے مالک۔ ہم سے وہ کچھ نہ اٹھوا۔ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہاں ہماری خطاؤں سے درگذر کر۔ ہمارے گناہوں کو ہم سے دور فرما۔ ہمارے رب! ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہمارا نجات دہندہ ہے بس ہمیں کافر لوگوں پر فتح نصیب کر۔" یہ سورۃ بقر کی آخری آیت ہے۔ اور اس آیت کے پہلے حصے میں اس اصول کا ذکر ہے۔ کہ خدا ہر شخص کو اتنی ہی سزا جزا دیتا ہے۔ جتنے اس کے فعل ہیں۔ استطاعت یا قابلیت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کیا جاتا۔ اور دوسرے حصے میں روح کی دعا بھی یہی ہے۔ کہ ہمارے فطرتی تقاضائے محدودیت کا خیال رہے۔ پس قانون الہی اور روح کی فطرت دونوں کی رو سے نجات کا غیر محدود ہونا ناممکن ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ دکھ کے متعلق تو دعا ہو سکتی ہے۔ کہ ہماری طاقت برداشت سے تجاوز نہ کرے۔ لیکن سکھ پر پابندی کون چاہتا ہے۔ ہمارا جواب ہے۔ کہ کسی کی ذاتی خواہش غیر محدود سکھ کی ہو۔ تو یہ اس کی بے سمجھی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر انسان سکھ کے مناسب مقدار سے زیادہ ملتے ہی دکھی ہوتا ہے۔ لذیذ ترین کھانا بھی اندازہ سے زیادہ کھایا نہیں۔ کہ ذائقہ بدل جاتا ہے۔ طبیعت ایسی سیر ہوتی ہے۔ کہ ذرا زیادہ ٹھوسا جانے پر قے آتی ہے۔ اس کی شکل تک دیکھنی گوارا نہیں رہتی۔ ہیضہ وغیرہ کا انسان شکار ہوتا ہے۔ قے۔ دست ہیضہ۔ بھش بدہضمی وغیرہ کی تمام بیماریاں بداعتدالی کا ثبوت ہیں۔ اور یہ بداعتدالی انسان کی جہالت پر مبنی ہے۔ نہ خدا کے رحم پر۔ تب راحت نجات کی بداعتدالی روح کے لئے کس طرح قابل برداشت ہے۔ مصنف بیان القرآن نے فی الحقیقت قرآن کے لفظ رحیم کی سخت گمراہ کن تاویل کی۔ اور نجات کے غیر محدود ہونے کا نہایت غلط نتیجہ ہی پیش نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں کچھ اپنی ضمیر پر بھی غیر معتدلانہ دباؤ ڈالا ہے۔ کیونکہ ہم نجات کے متعلقہ الفاظ جو مختلف آیات میں آئے ہیں۔ ان کا مولانا صاحب کا اپنا ترجمہ اپنے حق میں دیکھتے ہیں۔ آیات میں جہاں بھی نجات یا بہشت کے ذکر میں لفظ خَلِدِیْنَ آیا ہے۔ بیان القرآن میں اس کے لئے عرصہ دراز تک قائم رہنے والی۔ زندگی یا دیرپا زندگی ہی لکھا ہے۔ غیر محدود زندگی مانی ہی نہیں۔ ویدک دھرم میں روح کی ناپائیدار زندگی انسانی قالب میں سو سال کی اوسط والی بتائی ہے۔ اور نجات والی بڑی پائیدار زندگی برہم دن رات کے حساب سے سو سال کی۔ یعنی تین سو ساٹھ برہم دن رات کا ایک سال اور ۱۰۰ × ۳۶۰ یعنی ۳۶۰۰۰ برہم دن رات کی میعاد نجات ہے

چونکہ ایک برہم دن ۴ ارب بتیس کروڑ سال کا ہے۔ اس لئے اس میعاد کو ۳۶۰۰۰ سے ضرب دینے پر نجات کی میعاد بنتی ہے۔ جو ہم نے پہلے لکھدی ہے۔ چونکہ یہ طویل میعاد فی الحقیقت نہایت دیرپا زندگی ہے۔ لہٰذا مولانا صاحب کے اپنے ترجمے سے ہی غیر محدود نجات کا خیال رد ہوتا ہے۔

۳۶۔ تناسخ

ایک اور بھاری غلطی مولانا صاحب نے لفظ مالک سے تناسخ کی تردید اخذ کرنے میں کی ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۲ پر آپ لکھتے ہیں۔

"صفت مالکیت میں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اگو قانون کی نافرمانی پر سزا دیتا ہے۔ مگر اس کا معاملہ اپنی خلق کے ساتھ مالک کا معاملہ اپنی ملکیت کے ساتھ ہے۔ تناسخ وغیرہ عقائد کی تردید ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے ہر گناہ کی پاداش میں انسان کو بیشمار جونوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔"

ہمیں تعجب ہے۔ کہ فاضل مولانا صاحب نے قرآن یا کسی اور مذہبی یا علمی کتاب یا عقلی دلیل سے یہ امر واضح ہی نہیں کیا۔ کہ مالک کا معاملہ اپنے ملک کے ساتھ لازمی طور پر فلاں قسم کا ہوتا ہے۔ نہ یہ واضح کیا ہے۔ کہ قانون کی نافرمانی پر سزا دینے والے خدا کو معافی دینے والا ماننے میں متضاد بیان ثابت نہیں ہوتا۔ کیا قایلان تناسخ نے کبھی یہ دعوےٰ بھی کیا ہے۔ کہ آواگون قانون کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں۔ جب آپ خود اقبال کرتے ہیں۔ کہ قانون کی نافرمانی پر خدا سزا دیتا ہے۔ تو فرمائیے۔ مرنے والے کو سزا سوائے تناسخ یا مختلف جونوں کے کس ذریعے سے دی جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ امر بھی کہیں واضح نہیں کیا۔ کہ قانون کی نافرمانی کو نظر انداز کر کے مالک اور ملک کے تعلق کا کونسا پہلو ہے جس کے لحاظ سے معافی کرنا خدا کا فرض ٹھہرتا ہے۔ جس خدا کو قرآن عادل مانتا۔ ایسا عادل کہ رائی کے دانہ برابر بھی ناانصافی نہیں کرتا۔ جیسے سریع الحساب یعنی گناہ کی پاداش میں نقد سزا دینے والا۔ شدید العقاب یعنی سخت سزا دینے والا ذو انتقام یعنی گناہ کا پورا بدلہ لینے والا مانتا ہے۔ جس کے متعلق کہیں بھی بلاوجہ معافی کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اس سے ایسا غیر معقول خیال منسوب ہونا ٹھیک نہیں۔ توبہ پر معافی ہونے کا جو بیان آتا ہے۔ اس کے متعلق ہر کہیں یہ لکھا ہے۔ کہ جو انسان پچھتائے اپنی اصلاح کرے۔ اور پھر وہ گناہ نہ کرے۔ اسی کا گناہ معاف ہوتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ معمولی سے معمولی گناہ پر بھی پچھتاوا ندامت وغیرہ اور آئندہ کے لئے پوری احتیاط رکھنے کی سزا بھوگنی پڑتی ہے۔ گویا اس معافی میں سزا بھی موجود ہے۔ اور انسان کے دل سے ارتکاب گناہ کے اسباب کو دور کرنے کا بھی بیان ہے۔ جیسے وید میں آتا ہے۔ दुरितानि परासुव یعنی ہماری برائیاں دور کیجئے۔ کامل انصاف ہی نہیں۔ خدا کے دیگر اوصاف مندرجہ قرآن بھی اس بے بنیاد اعتقاد اور غیر معقول جذبہ کی تردید ہی کرتے ہیں۔ شفاعت کا خدا کے انصاف میں کہیں بھی دخل مانا نہیں گیا۔ نہ رشوت کی گنجائش مانی ہے۔ کل دنیا کی دولت اور اتنی ہی اور دولت کے فدیہ سے بھی خدا کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔ تب اُسے مالک لفظ کی آڑ میں اپنی تمام صفات حق و انصاف کو توڑنے والا بیان کرنا جھوٹی افترا یا بہتان کے بنا کچھ نام نہیں پا سکتا۔ مولانا صاحب نے بعض جاہل یا بے اصولے مالکوں کے عمل کو قدرت کا عالمگیر اصول سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ اس پر تو اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی مثال صادق آتی ہے۔ کہ بے قصور کو اس لئے پھانسی دیوے۔ کہ رسہ اس کے موٹے گلے میں فٹ آتا

ہے۔ اور بدچلن بدمعاش کو موجیں اڑانے دے۔ اس لئے کہ اس سے خدا کی فیاضی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن خدا کو علیم حکیم خبیر مانتا ہے۔ رسول صاحب فرماتے ہیں۔ میں بھی اپنے اعمال کا جوابدہ ہوں۔ اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی پر مستوجب سزا۔ پس خدا کی صفت مالکیت یا سورۃ فاتحہ کے کسی لفظ سے گناہ کی معافی یا تناسخ کی تردید منسوب کرنا قرآنی تعلیم کی عظمت کو مٹانا ہے۔ اس سورۃ میں صاف طور پر نیکوں کو نعمتیں ملنے اور بدوں کے غضب الٰہی میں مبتلا ہونے اور (جنم مرن کے چکر میں) بھٹکنے کا ذکر موجود ہے۔ اگر آواگون نہ مانا جائے اور گناہوں کی معافی کا اصول صحیح ہوتا۔ تو نہ سورۃ فاتحہ خدا کی عبادت کا خیال دلانا نہ لوگوں کے لئے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے فرائض ہوتے نہ راہِ راست کی ہدایت کے لئے دعا مانگی جاتی۔

۳۷۔ غلط فہمی

پنر جنم کے لفظی معنی تو ہیں پنہ یعنی پھر یا دوبارہ پیدا یا زندہ ہونا اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ آواگون یا جنم مرن کا چکر۔ ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی مانی جائے۔ تو دوسری زندگی کے بعد بھی پھر پیدا ہونے کا اطلاق کرنے سے بار بار پیدا ہونا و مرنا کا ہی مفہوم نکلیگا۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان مترجمان و مفسران قرآن نے اصطلاحی معنی کو نہیں سمجھا۔ اور قرآن کی جس بھی آیت میں دوبارہ پیدا ہونے کا ذکر آیا۔ انہوں نے صرف دو ہی بار کی زندگی مانی۔ اور انہیں یہی دور کی سوجھی۔ کہ ایک تو ہے۔ موجودہ زندگی دوسری ہونی چاہئے۔ خاتمہ دنیا پر۔ اور اس کے لئے قیامت کے دن مردوں کے قبروں سے نکلنے کی خاص فلاسفی سوچی گئی۔ جو نہ صحیح ہے۔ نہ معقول۔ دوبارہ جنم ہونا ہے روح کا۔ وہ روح جسم سے خارج ہوا تبھی موت ہوئی۔ قبر میں دفنایا گیا مردہ جسم۔ روح وہاں ہے نہیں۔ تو قیامت کے دن زندہ کون ہوگا۔ جسم یا لاش بھی سو دو سو برس کے بعد قبروں میں ڈھونڈے بھی نہیں ملتی۔ بقول

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند	کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند
واں پیر لاشہ راکہ سپردند زیر خاک	خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

قبروں میں دفن شدہ بڑی سے بڑی نامور ہستیوں کا بھی نام و نشان کہاں۔ جب کہ زمین کا پیٹ انہیں اسی طرح ذرات ہم جنس کی طرف منتقل کر چکا ہے۔ جس طرح انسان کے پیٹ میں غذا مختلف دھاتوؤں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام مردہ جسم قبروں میں دفنائے ہی نہیں جاتے۔ زیادہ تر جلائے جاتے ہیں۔ کئی آگ لگنے سے جل کر مرتے ہیں۔ کئی مردہ جسم مختلف درندوں یا پرندوں کا کھاجا بنتے ہیں۔ وہ قبروں میں رکھے ہی نہیں گئے۔ پس یہ غیر معقول خیال محض پنر جنم کی حقیقت کو نہ سمجھنے اور غلط فہمی کا شکار ہونے کا ہی نتیجہ ہے۔ ہم یہاں کثیر التعداد اور صاف صاف قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ اور ناظرین سے التجا کرتے ہیں۔ کہ وہ پورے غور سے اطمینان کریں۔ کہ محض آخری بعثت کے لئے قرآن شریف میں کہیں بھی قیامت کا لفظ نہیں آیا بعض مترجم صاحبان ہی خط وحدانی کے اندر اپنی طرف سے قیامت کا لفظ ایزاد کئے جاتے ہیں۔

۳۸۔ سورۂ فاتحہ اور پنر جنم

قرآن شریف کے جس سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کی عظمت اور فضیلت میں کل اسلامی لٹریچر متفقہ طور پر رطب اللسان ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ پنر جنم کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ رحمان اور رحیم ہے۔ اس لئے روح کو بعد موت نیا جسم یا مکتی ملنا لازمی ہے۔ بغیر اس کے

روح کو نہ ترقی کا موقعہ مل سکتا ہے۔ اور نہ سچی راحت کا۔ اور نہ اللہ کی ان صفات کا کوئی عملی فائدہ ہو سکتا ہے۔ وہ مالک یوم الدین ہے۔ انسان کی موت کے وقت بھی وہی مالک ہے۔ اور کل جہان کی موت یعنی پرلے یا قیامت میں بھی ہر دو صورتوں میں اپنے ملک کو اس کی قابلیت کے مطابق کام میں لانا اللہ کا کام ہے۔ روح کو مادی سامانوں کو کام میں لانے کے لئے اس کی قابلیت کے مطابق جسم دینا اور مردہ جسم کے مادی ذرات کو نئے سامانوں میں استعمال کرنا اگر بند ہو جائے۔ تو اس کی ساری ملک نکمی ہو جائے۔ اللہ کی عبادت اور اعانت کے متعلق دعا بھی پنر جنم کا تقاضا کرتی ہے یا مکتی کا اگر دعا کرتے کرتے روح کسی قدر عرفان تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ اور موت لاحق ہوتی ہے۔ تو کامل عرفان کی منزل تک پہنچنے کے لئے اسے کیوں پھر موقعہ نہ ملے۔ یقیناً خدا ایسی نیک خواہشوں کے آگے کبھی روک نہیں بن سکتا۔ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) ہمیں جس راہِ راست کی ہدائیت کے لئے دعا ہے۔ وہ تو مردہ عابد کے لئے آئندہ زندگی کا مطالبہ کرتی ہی ہے۔ آخری دو آئیتیں کل دنیا کے انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچ کر پنر جنم کی صداقت پر مہر ثبت کرتی ہیں۔ وہ جن پر خدا نعمتوں کی بارش کرتا ہے۔ اور وہ جن پر اس کا غضب نازل ہوتا ہے۔ انصاف مجسم اور رحیم کامل خدا سے پہلی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ملنے کا ثبوت ہے۔ اور ضالین جن بھٹکنے والوں کا اشارہ کرتا ہے۔ وہ آواگون کے چکر میں پڑے ہوئے ارواح ہیں۔ بھٹکنے کا لفظ روح کے ساتھ استعمال ہونے پر سوائے اس کے کچھ مطلب نہیں دیتا۔ اس کل سورۃ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ راہِ راست پر چل کر انسان سکھ و نجات پا دیں۔ اور اس سے منحرف ہو کر دکھ وغیرہ نہ پا دیں۔ یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ (द्वे सृती) میں کہا ہے۔ کہ دو راستے ہیں۔ ایک تو ہے عارفوں کا جو راحت و نعمت حتیٰ کہ نجات تک پہنچاتا ہے۔ اور دوسرا ہے معمولی انسانوں یا جاہلوں کا راستہ۔ جو دکھ یا بندھن کا موجب ہے۔ ان ہی دو راستوں میں سارا سنسار چل رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے۔ گائتری منتر میں جو یہ دعا ہے۔ کہ ہماری بدھیوں کو پرکاشت کرو۔ اگنے یہ سمجھتا ہیں جو یہ دعا ہے۔ کہ اے خدا ہمیں راہِ راست دکھاؤ۔ اُپنشد میں جو یہ پرارتھنا ہے۔ کہ استوما سدگمیہ وغیرہ یعنی ہمیں جھوٹھ سے۔ بچا کر سچائی کی طرف چلاؤ۔ اندھکار سے بچا کر روشنی کی طرف اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے چلو۔ سب کا جو منشاء ہے۔ ہو بہو سورۂ فاتحہ میں وہی بیان ہو رہا ہے۔ اور آواگون کی صداقت کو نہایت معقول طور پر واضح کرتا ہے۔

۳۹۔ پنر جنم کا نہایت واضح ثبوت

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ بقرہ ۲۸

تم اس ایشور سے کس طرح منکر ہو سکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ حالت سے زندہ کیا۔ پھر وہی تمہیں مار یگا۔ اور وہی زندہ کرے گا۔ حتیٰ کہ تم اس سے وصل حاصل کرو گے

اس آیت میں صریحاً بار بار کا جنم مرن تاوقتیکہ نجات نہ ملے۔ ہو بہو ویدک سدھانت کے مطابق مذکور ہے۔ فاضل علماء اسلام پہلے موت کے لفظ کو عدم مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوبارہ زندہ کرنے کے ساتھ قیامت کے دن کا تعلق جوڑتے ہیں۔ پر یہاں عدم مطلق یا قیامت کا کوئی ذکر نہیں۔ پس خواہ مخواہ اپنے ذاتی اوہام یا دساوس کو گھسیڑ کر ترجمے کو اصل آیت کے منشاء کو فوت کرنے کا موجب بنانا کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا۔ ایک اور نکتہ

یہاں قابل غور ہے۔ آیت زیر بحث خدا کی طرف لوٹائے جانے تک جنم مرن کا چکر جاری رہنا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن تمام ارواح خدا سے واصل نہیں ہوں گی۔ کچھ تو جائیں گی جنت میں اور کچھ جائیں گی دوزخ میں۔ پس خدا کی طرف لوٹ جانے کا مفہوم محض ویدک اعتقاد مکتی کی جگہ ہے۔ مکتی کی ہی حالت میں جنم مرن کا سلسلہ بند بتایا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب قرآن مجید مترجم (غرائب القرآن) میں قیامت کا لفظ اس آیت کے ترجمہ میں ایزاد تو کرتے ہیں۔ لیکن حاشیہ والی عبارت میں ان کے یہ الفاظ ان کی اندرونی حالت کا اشارہ دیتے ہیں۔ کہ

"وحی ہم کو یہ بتاتی ہے۔ کہ بعد مرگ بھی ایک طرح کی ہستی ہوگی۔ اور ہمارا دل بھی اس ہستی کے ہونے کو قبول کرتا ہے۔ اس ہستی کے تفصیلی حالات کا ہم کو علم نہیں ہے۔"

گویا ڈپٹی صاحب انسانی فطرت کا تقاضا یہ بتاتے ہیں۔ کہ پنر جنم کو مانا جاوے۔

۴۔ جنم مرن کا سلسلہ بارات دن کا چکر

مہرشی دیانند سرشٹی کے پرواہ سے انادی ہونے کی تشریح میں رات اور دن کے چکر کی مثال دیتے ہیں۔ اور جنم مرن کے سلسلے میں بھی ٹھیک وہی بیان قرآن کی کئی آیات میں موجود ہے۔ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ آل عمران ۲۶

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے اسی طرح وہ مردہ کے بعد زندہ اور زندہ کے بعد مردہ کرتا ہے۔ اور مشیت ایزدی کے مطابق کسی کو بحساب رزق ملتا ہے۔ معمولی سا غور بھی ہر بے تعصب محقق کو یقین دلاتا ہے۔ کہ سرشٹی کا پرواہ سے انادی ہونا اور پنر جنم کے دونوں امور اس آیت کا اصل نشانہ ہیں۔

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ بقرہ ۲۵۸

ابراہیم نے کہا۔ میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ

خدا ہی دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔ جو زندہ کو مردہ سے ظاہر کرتا اور وہی زندہ کو مردہ کرتا ہے۔ وہی تو خدا ہے۔ پھر اس سے انحراف کیسا۔

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ اعراف ۲۹

جس طرح تم پہلے پیدا کئے گئے تھے۔ دوبارہ بھی پیدا کئے جاؤ گے۔

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (اعراف ۱۵۸) توبہ ۱۱۶

آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۔ (یونس ۵۶)

وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہی تمہاری منزل مقصود ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

پوچھو کہ تمہارے ٹھہرائے شریکوں میں کوئی ہے۔ جو مخلوقات کو پیدا کرے۔ پھر انہیں مار کر دوبارہ پیدا کرے۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہہ دو کہ اللہ ہی مخلوقات کو پیدا کرتا ہے۔ اور وہی انہیں مار کر پھر پیدا کرے گا۔ پس تم انحراف کیسے کر سکتے ہو؟

وَاِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِیۡتُ وَنَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ (حجر ۲۳)

ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے رہتے ہیں۔ اور ہم ہی سب کے والی وارث ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝

وہی ہے۔ جو اپنی رحمت کی خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں۔ تب ہم اسے مردہ زمین کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ اور اس سے پانی برسا کر ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ تاکہ تم غور کر کے حقیقت کو جان سکو۔

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ۝ قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِیۡدًا ۝ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا یَكۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِكُمۡ ۚ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ یُّعِیۡدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۝

یہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم ہڈیاں اور راکھ ہو جائیں گے۔ کیا اس کے بعد بھی ہم از سر نو پیدا کیا جا سکیگا۔ ۴۹۔ کہہ دو کہ خواہ تم پتھر ہو یا لوہا (۵۰) یا ایسی اور بری سخت چیز جو تمہارے نزدیک پیدا نہ ہو سکتی ہو۔ ضرور پیدا ہو گے۔ اس پر کہیں گے۔ کون ہم کو پھر پیدا کرے گا؟ کہہ دو وہی جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ۝ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ۝

یہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم ہڈیاں اور ذرہ ذرہ ہو جائیں گے۔ کیا اس کے بعد بھی ہم کو از سر نو پیدا کیا جا سکیگا۔ ۹۸۔ کیا ان لوگوں نے سمجھا نہیں۔ کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اس پر بھی قادر ہے۔ کہ ان جیسے دوبارہ پیدا کر دے۔ ۹۹ (بنی اسرائیل)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمۡ ؕ وَنُقِرُّ فِی الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ؕ وَتَرَی الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ (۵) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَاَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ (الحج - ۵ و ۶)

اے لوگو! اگر تم کو بعث جسم کے متعلق شک ہو۔ تو تم دیکھو ہم نے اول تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے لوتھڑے سے۔ پھر مکمل اور غیر مکمل مضغہ سے تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔ اور رحم میں ہم جسے چاہیں مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے پھر پالتے ہیں۔ تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ کوئی ایسے بڑھاپے کو پہنچتا ہے۔ کہ سب کچھ جاننے پیچھے کچھ سمجھتا نہیں۔ نیز زمین کو دیکھو۔ کہ بے حس و حرکت تھی۔ ہم نے پانی برسایا۔ تو وہ لہلہائی۔ اور پھولی پھلی۔ اور ہر طرح کی خوشنما پیداوار ہوئی۔ ۵۔ یہ تمام اس

منزل ۱-۵ مُخَلَّقَةٍ وَّغَیۡرِ

امر کی دلیل ہیں۔ کہ اللہ برحق ہے۔ اور یقیناً وہ مردوں کو زندہ کرتا اور ہر شے پر قادر ہے۔

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ٥ نمل - ۶۴

وہ کون ہے۔ جو مخلوقات کو پیدا کرنے کی ابتدا کرتا۔ اور پھر اسی طرح کی مخلوقات بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور کون تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ٥ روم - ۲۷

وہی ہے۔ جو مخلوقات کو اول بار پیدا کر کے پھر پیدا کرتا رہے گا۔ یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ ٥ روم

اللہ ہی ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو روزی دی۔ وہی پھر تم کو مارے گا۔ پھر جلائے گا۔ جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو۔ کیا کوئی بھی ان میں سے کوئی کام کر سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ مومنوں - ۸۰

وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ رات اور دن کا رد و بدل کرتا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ٥ ق - ۱۵

کیا ہم اول بار پیدا کرنے میں تھک گئے تھے۔ (کہ پھر پیدا نہ کر سکیں) نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کو پنر جنم کے متعلق بھرانتی سی ہو گئی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ٥ ق - ۴۳

بے شک ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف لوگوں کو آنا ہے۔

(ایسے ہی ایک آیت میں یوں کہا ہے)

کیا وہ پہلے منی کا قطرہ نہیں تھا۔ جو رحم میں ٹپکائی گئی پھر لوتھڑا ہوا۔ پھر خدا نے اسے بنایا، اس کے جوڑ بند درست کئے۔ اور آخر میں اس کی دو قسمیں کیں۔ مذکر اور مؤنث۔ کیا وہ خدا جس نے یہ سب کچھ کیا۔ پھر زندہ نہ کر سکیگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ٥

ایسے ہزاروں لوگوں کے حال پر غور کرو۔ جو موت کے خوف سے گھروں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ لیکن اللہ کے حکم سے مرتے ہیں۔ اور اللہ انہیں نیا جنم دیتا ہے۔ بقرہ - ۲۴۳

۱۴ پنر جنم کا مدعا۔ ثمرۂ اعمال

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ٥ اعراف - ۱۶۶

جب وہ ممنوع کام میں حد سے بڑھ گئے۔ تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل و خوار بندر بن جاؤ۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سب کی منزل مقصود وہی ہے۔ اس کا قول سچا ہے۔ وہی پہلے خلقت کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی ان کو پھر زندگی دیگا۔ تاکہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے لوگ انصاف کے ساتھ بدلہ پا سکیں۔ یونس - ۴

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

وَالْخَنَازِیْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ٥ مائدہ ۔ ۶
(ان لوگوں سے) تم کہو کیا میں بتاؤں۔ کہ خدا کے نزدیک کون بدتر بدلہ پانے کے حقدار ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی۔ اور اپنا غضب نازل کیا۔ اور بعض کو بندر اور سؤر بنا دیا۔ انہوں نے شیطان کی پرستش کی۔ اس لئے یہ درجہ میں بدتر ٹھہرے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے۔

۲۴۔ منکران تناسخ کی مذمت از روئے قرآن

اور بھی بہت سی آیات میں پنرجنم کا اقبال ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل غور یہ امر ہے۔ کہ قرآن منکران تناسخ کو بُری طرح جھاڑتا اور ان کی مذمت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے لئے وہ تمام بُرے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو غیر مسلموں کے لئے ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں کہا ہے۔ کہ

کافر کہتے ہیں۔ کہ جو یہ ہماری موجودہ زندگی ہے۔ اس کے علاوہ اور زندگی نہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کہ ہم مرے پیچھے پھر زندہ کئے جائیں گے"۔

ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن سچے مسلمانوں سے پنرجنم کا انکار منسوب ہی نہیں کرتا۔ وہ اس کے منکروں کے لئے کافر کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ رعد ۔ ۵

اگر عجیب بات جاننا چاہو۔ تو کافروں کے اس کہنے کو عجیب سمجھو۔ کہ کیا ہم کو مٹی میں مل جانے یا گل سڑ جانے کے بعد نیا جنم ملیگا۔ یہی لوگ ہیں۔ جو اپنے مالک کی قدرت کے منکر ہیں۔ اور ان ہی کی گردنوں میں آخر کو طوق پڑیں گے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ
اور یہ منکر خدا کی بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔ کہ جو مر جاتا ہے۔ خدا اُسے زندہ نہیں کریگا۔ لیکن نہیں خدا کا قول سچا ہے۔ خواہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ النحل ۔ ۳۸

اس آیت سے پہلے منکر منافق کافر گمراہ کاذب وغیرہ لوگوں کا ذکر ہے۔ اور ان ہی سے پنرجنم کے خلاف قسمیں کھانے کا عمل منسوب کیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ هود ۔ ۷
اور اگر تم کہو۔ کہ مرے پیچھے تم زندہ کئے جاؤ گے۔ تو منکر لوگ ضرور یہی کہیں گے۔ یہ تو بس صریح جادو ہے۔ پس کسی سچے مسلمان یا معتقد رسول وقرآن کو پنرجنم سے انکار نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلمان تو کیا کافر کے انکار تناسخ کو بھی قرآن عجیب غلطی قرار دیتا ہے۔

۴۳۔ پنرجنم کے متعلق قرآنی دلائل

قرآن کیوں انکار تناسخ پر اس قدر تعجب اور مذمت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔ کہ جب اپنی موجودہ زندگی کو سب مانتے ہیں۔ تو پھر جنم ہونے میں شک کیا۔ کیا قادر مطلق خدا کو پھر پیدا کرنے کے نااہل ماننا کسی خدا پرست کا کام ہو سکتا ہے۔ مشکل تو پہلی پیدائش کی ہو سکتی

ہے۔ جب وہ ہو ئی اور مانی گئی۔ تو آگے تو بالکل آسانی ہی آسانی ہے۔ سورہ مومنون آیت ۸۲ و ۸۳ میں منکروں کی پوزیشن اس طرح بیان کی ہے۔

"کہتے ہیں۔ کہ جب ہم مرجائیں گے۔ اور مٹی ہوجائیں گے۔ اور ہڈیاں اس وقت کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے۔ (۸۲) ہم سے اور ہمارے آباد اجداد سے یہ قول تو ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ صرف پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں (۸۳)

اس کے بعد آیت ۸۴ تا ۸۹ میں اس کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ پہلے منکروں سے یہ سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ کس کا ہے ؟ (۸۴) منکروں کا جواب بتایا ہے۔ اللہ کا۔ اس پر تعجب کیا گیا ہے۔ کہ یہ جانتے و مانتے ہوئے کیا تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ کہ وہ پھر زندہ کر سکتا ہے۔ پھر سوال ہے۔ سات آسمانوں کا مالک کون ہے۔ اور عرش عالیشان کا کون ؟۔

جواب فریق دوم یہ بتایا ہے۔ کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اس پر کہا ہے۔ کہ یہ جانتے و مانتے ہوئے بھی اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ یعنی کیوں بلا وجہ پنر جنم سے منکر ہو۔ آیت ۸۸ و ۸۹ میں پوچھا ہے۔ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ جو پناہ دیتا ہے۔ جس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ جواب یہ ہے۔ کہ یہ سب صفتیں تو اللہ کی ہی ہیں۔ اس پر منکروں کو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ جانتے و مانتے ہوئے تمہاری عقل اس وقت کہاں جاتی ہے۔ جب پنر جنم کا سوال پیش ہوتا ہے۔

معزز علماء اسلام اگر ذرا بھی غور سے کام لینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ تو نہیں ماننا پڑے گا۔ کہ یہاں زیر بحث صرف ایک دوسرا جنم نہیں۔ بلکہ مسئلہ آواگون اپنے وسیع معنے میں زیر بحث ہے۔ کیونکہ یہاں پہلے آباؤ اجداد سے جس مسئلہ کو منسوب کیا گیا ہے۔ اور جسے پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے کہا ہے۔ وہ سوائے آواگون کے ہو نہیں سکتا۔

سورہ النحل آیت ۳۸ میں یہ واضح کیا گیا تھا۔ کہ لوگوں کو خواہ کسی امر کا علم ہو نہ ہو۔ خدا کا قول اس کے متعلق صحیح ہے۔ اس کا صاف مفہوم یہ ہے۔ کہ چونکہ خدا کا فرمان تناسخ کو برحق بتاتا ہے۔ اس لئے مخالفانہ انسانی علم یا اعتقاد کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس کے علاوہ آیت ۳۹ میں ایک اور دلیل دی ہے۔

لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ۔

(پنر جنم اس لئے ضروری ہے۔ کہ) جن جن امور میں انسان حق سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کو وہ صاف دیکھ سکیں۔ اور کافروں کو معلوم ہو جاوے۔ کہ ہم واقعی کاذب تھے۔

یہ ہو بہو وہ دلیل ہے۔ جو ہم شروع میں دے آئے ہیں۔ ایک انسان کسی سچے اصول سے اختلاف رکھتا ہے۔ وہ اس کی اصلیت کو سمجھنے کے واسطے یتن کر رہا ہے۔ کہ اس کی موت ہو جاتی ہے۔ تب کیا اس کے مشن کی تکمیل کا موقعہ اسے نہ دینا خدا کا کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یہی حال تمام نیک خواہشات کا ہے۔ اس کے علاوہ بدعمل والا اگر جسم میں نہ پڑے۔ تو اسے اپنے کفر و کذب کے لئے پچھتانے اور اپنا سدھار کرنے کا موقعہ نہ ملنا اور بھی ظلم ہے۔ اس کے آگے آیت نمبر ۴۰ میں اور دلیل دی ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔

جب ہم کسی کام کا ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمارا اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے۔ کن فیکون پر عام طور پر اعتراض ہوتے ہیں۔ لیکن ہم اپنی تصنیف ویدک سدھانتوں کی ویا پکتا اور اسلام میں جلوہ وید وغیرہ میں واضح

کر چکے ہیں۔ کہ اس کا مطلب محض خدا کے لئے پیدائش وغیرہ کے کام کا آسان ہونا ہے۔ اپنشد میں جو یہ کہا ہے۔ کہ سوبھاوکی گیان بل کریا چہ یعنی پرمیشور میں سوبھاوک یعنی فطرتاً ہی علم طاقت اور عمل ہے۔ اُسے کسی قسم کے تردد کے بغیر کل نظام عالم کو برقرار رکھنے کا فطرتی خاصہ حاصل ہے۔ اسی مدعا کو قرآن بار بار خدا کے لئے آسان اور اچھا کے ہوتے ہی کام ہو جانے وغیرہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہی پنرجنم کے امر واقعہ ہونے اور جاری رہنے کی زبردست دلیل ہے۔

اس سے اگلی آیت میں اور بھی بڑھیا دلیل ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ۔

جن لوگوں نے مظلوم ہو کر اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ ان کو ضرور ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا ملنا چاہئے۔ گو آخرت کا اجر بڑا ہے جس کا انہیں علم نہیں۔

ہماری رائے میں یہ دلیل پہلی دلیلوں میں شامل ہے۔ لیکن حضرت صاحب نے اسے صاف طور پر جدا لکھنے میں کمال کی دور اندیشی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقلوں کو نہائت زور سے اپیل کرتی ہے۔ کہ جو لوگ راستی کی خاطر دنیوی رشتوں وغیرہ کی پرواہ نہ کریں۔ اور راستی کی خاطر انہیں فریق مخالف اذیتیں دیوے۔ جس سے انہیں پیارے گھر اور وطن تک کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوش رہنا یا ہجرت کرنی پڑے۔ وہ آخرت کے بڑے اجر کو سمجھیں نہ سمجھیں۔ انہیں یہ خیال ضرور ہوتا ہے۔ کہ کاش ہم کہیں آرام کی جگہ میں رہ سکیں۔ انہیں اکثر دکھ سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ اوہ! کتنا اندھیر ہے منکر اور کافر تو اپنے محلوں میں بیٹھے موج اڑا دیں۔ اور ہم خدا کی فرمانبرداری کرنے والے دشت نوردی کریں۔ ایسے مظلوموں کی خواہش جس مرکز پر جمع ہے۔ اس کے گرد دائرہ کھینچنا لازمی ہے۔ موت اگر روک ثابت ہوتی ہے۔ تو خدا کی طرف سے نہائت محفوظ مقام پر اور اعلیٰ حالت میں ان کے تمام نقصانوں کی تلافی کرنے والی آئندہ زندگی ملنی چاہئے۔

۴۴۔ پنرجنم کی منکر اولاد سے خدا کی پناہ

سورہ احقاف میں مومن باپ اپنے اور اپنے ماں باپ کے متعلق دعا مانگنے اور خدا کی شکر گذاری کے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کرتا ہے

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ احقاف۔ ۱۵

اے میرے پروردگار! میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر۔ وہ میرے لئے موجب راحت ہو۔ میں آپ کی ہی طرف رجوع کرتا اور آپ کے ہی فرمانبردار بندوں میں ہوں۔

اس آیت میں نیک بختی یا اَصْلِحْ کا خاص مطلب تناسخ کو ماننا ہے۔ کیونکہ بغیر اس اعتقاد کے خدا۔ اس کے انصاف۔ اس کے رحم، اپنے نیک اعمال سب کے متعلق انسان کا اعتقاد و عمل کچا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایسی دعا مانگنے والے کی حوصلہ افزائی کے کلمات کہنے کے بعد، آیت میں اس اصل حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔

اور تناسخ کی منکر اولاد کے متعلق والدین کے جذبات کا خاکہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدَانِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور جس نے اپنے والدین کو کہا۔ کہ تم پر تف ہے۔ کیا تم مجھے پتے دیتے ہو۔ کہ میں پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ حالانکہ کسی گذشتہ

اُمت کو ہرگز زندہ ہوتے دیکھا نہیں گیا۔ اس پر والدین دُہائی دیتے ہیں۔ کہ ہت تیرا جائے ناش! ایمان لا۔ بے شک خدا کا قول سچا ہے۔ وہ اس پر بھی کہتا ہے۔ یہ تو محض پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اس پر اگلی آیت میں انہیں عذاب کے مستحق لوگوں میں شامل بتایا گیا ہے۔

۳۵۔ مختلف قالبوں کا اصُول

ویدک دھرمی لوگ آواگون کے اصُول کے متعلق یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ کہ رُوح کو اپنے اعمال بد کی وجہ سے مختلف قالبوں میں جانا پڑتا ہے۔ ان قالبوں کے لئے کہیں یونی کا لفظ آیا ہے۔ کہیں لوک کا۔ کہیں اسھقان کا کہیں، اوسفا کا۔

असूर्य्या नाम ते लोका अन्धेन तमसा ऽऽ वृता : ।

तांस्ते प्रेत्यापि गच्छन्ति ये के चात्म हनोजना : ॥ यजु० ।४० ।३

جو لوگ آتم ہتیا کرتے یعنی علم اور نیک اعمال کی بجائے جہالت اور گناہوں کے دلدادہ ہیں۔ وہ مرنے کے بعد گہری تاریکی کے مجسمہ قالبوں میں داخل ہوتے ہیں۔ جنہیں اسُریہ یا پشُو وغیرہ کہتے ہیں۔

अन्धन्तम : प्रविशन्ति येऽ संभूति मुपासते।

ततो भूय इवते तमो य उ संभूत्य। १० रता:

جو لوگ غیر معلول مادے کے آپاسک ہیں۔ وہ گہرے اندھیرے (جہالت مجسم) قالبوں کو پاتے ہیں۔ اور جو معلول مادی اشیاء کی عبادت کرتے یا ان میں مستغرق ہیں۔ وہ اور بھی زیادہ تاریک یا نیچ قالبوں میں داخل ہوتے ہیں۔

اسی مدعا کو سورۂ نور میں واضح کیا گیا ہے۔ نمازی اور زکوٰۃ دینے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

اُس دن سے ڈرتے ہیں۔ جس میں دل اور آنکھیں منقلب ہوں گی۔" اس کے بعد جن لوگوں کی تقدیر کا ویدمنتر میں ذکر کیا ہے۔ اُن کا خاکہ آیت ۳۹۔ ۴۰ میں کھینچا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۳۹

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۴۰

جو کافر ہیں۔ اُن کے اعمال مثل سرابِ ریگستان کے ہیں۔ جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ مگر جب پاس پہنچتا ہے۔ تو کچھ نہیں پاتا۔ ہاں خدا کو پاتا ہے۔ جو اس کا حساب اسے پورا پورا دیتا ہے۔ کیونکہ خدا کے ہاں نقد حساب ہے۔ ۳۹۔ یا یوں سمجھو۔ کہ گہرے سمندر میں اندھیرے ہیں ان کے اوپر لہر۔ اس پر اور لہر۔ اس پر بادل کی تاریکی جو اوپر کے اور بادلوں سے ڈھک رہی ہے۔ گویا ہاتھ پسارا دیکھا نہ جائے۔ بے شک جسے اللہ روشنی نہ دے۔ اُسے کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔

ویدک دھرم میں مانا جاتا ہے۔ کہ جیسے دنیا میں اہل علم کے درجے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھیا عالم ہے۔ اور جیسے حالت نجات میں بھی گیان کے ایک دوسرے سے بڑھ کر مدارج ہیں۔ جس رُوح کو جتنا زیادہ گیان ہے۔ اُتنا ہی زیادہ

اُسے آنند حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی جہالت کے درجوں کا بھی ٹھکانا نہیں۔ انسان بھی بڑھ چڑھ کر جاہل ہیں۔ اور ان سے بھی زیادہ جہالت والے مختلف قالب حیوانی ہیں۔ حتیٰ کہ انتہائی جہالت کے مجسمہ درختوں کے قالب ہیں۔ اسی کے مقابلہ پر کافروں کے لئے جو سراب عالم پر عمر برباد کر جاتے ہیں۔ درجہ بدرجہ تاریکیوں والی قالبوں کو تہ در تہ اندھیروں کی مثال سے بیان کیا ہے۔ ویدک دہرمیوں کے بھوساگر کے لفظ کی جگہ یہاں سمندر کو لے کر تاریکی در تاریکی کا خیال ظاہر کیا ہے۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ دن رات کے چکر سے جنم مرن کو صدہا اور جگہوں کی طرح تشبیہ دی ہے۔ اور آیت نمبر ۴۵ میں مختلف قالبوں کا خیال دلایا ہے۔ کوئی پیٹ پر چلنے والا۔ کوئی دو پاؤں والا کوئی چار پاؤں والا۔ یہاں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں جو الفاظ قلب کے مشتقات ہیں سب کے اندر قالبوں کی ہیر اپھیری کا مفہوم ہے۔ الشعرا کی آخری آیت میں یہ الفاظ ہیں۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ وگنہگار لوگ جان لیں گے۔ کہ کس کس قالب میں وہ پھیر پھیر کر جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی آیتوں سے مضمون زیر بحث کی شہادت ملتی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی ط ۱۲۴

اور جو کوئی میری عبادت سے منہ پھیرے گا۔ اس کے لئے تنگی کی زندگی ہوگی۔ اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

عبادت یا تعمیل ارشادات الٰہی سے منہ پھیرنے والوں کو تنگی کی زندگی ملنا اور نیز ان کا اندھا پیدا ہونا صریح طور پر آواگون کی مختلف قالبوں کا ہی اصول ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۝ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝ النمل ۸۳

اور جب قول (موت کا آنا) ان پر واقع ہو جائے گا۔ ہم ان کے لئے زمین سے جانور نکالیں گے۔ جو ان میں (زبان حال سے) یہ وچی کہیگا۔ کہ ہماری ہدایات پر یہ لوگ یقین نہ کرتے تھے۔ ۸۲۔ اور جس دن ہر قسم کی یونی میں ہماری ہدایتوں کی تکذیب کرنے والے گروہ در گروہ پیدا ہوں گے۔ وہ گناہ سے رک جائیں گے۔ ۸۳۔ اگرچہ دیگر تفاسیر میں ترجمہ ہم سے مختلف ہے۔ تاہم موقعہ ومحل یا ماقبل اور مابعد اور نیز معقولیت کے لحاظ سے سوائے اس کے کوئی مفہوم اس کا لیا ہی نہیں جا سکتا۔ کہ نافرمان لوگ دوسرے ادنیٰ قالبوں میں جائینگے۔ مدعا یہ کہ جن قوا کو برا استعمال کرنے کا عادی روح ہو چکا ہے۔ وہ خاص قوا نہ ملنے سے وہ گناہ نہ کر سکے۔ اور سدھر جاوے۔ اسی کو قرآن رک جانا کہتا ہے۔ ادنیٰ قالبیں واقعی اس امر کو واضح کرتی ہیں۔ کہ ہدایات الٰہی سے انحراف ہوا تھا۔ اگلی آیات میں یہ ہی ذکر ہے۔ کہ وہ بات نہ کریں گے۔ چونکہ نطق کا تعلق بھی ادنےٰ قالبوں میں نہیں رہتا۔ اس لئے ویدک سدھانت سے پوری مطابقت ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اِلٰی جَھَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ فرقان ۳۴

جن لوگوں کی تقدیر میں مونہہ کے بل دوزخ کی طرف جانا ہے۔ وہ گمراہ برے یا دکھدائی قالبوں میں جائیں گے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں۔ جو منکر جنوں اور انسانوں کے سابقہ گروہوں کے ساتھ ہی وعدہ عذاب کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔ یقیناً یہ زیان کار ہی تھے۔ احقاف ۔ ۱۹

وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِیُوَفِّیَھُمْ اَعْمَالَھُمْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ ۲۰

اور اپنے اپنے عمل کے مطابق سب کے اچھے یا بُرے درجے ہوں گے۔ تاکہ خدا ان لوگوں کے اعمال کا پُورا پُورا بدلہ دے اور کسی طرح کی بے انصافی نہ ہو۔ چونکہ اعمال میں بہت فرق ہیں۔ اس لئے ان کا پھل دینے کے لئے بھی بہت قسم کے قالبوں کا ہونا ضروری ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ۝

اور یوں دعا مانگا کر کہ اے میرے پروردگار! مجھے اچھے قالب میں داخل فرمائیگا۔ اور اچھے ہی قالب سے نکالیے گا۔ اور اپنے ہاں سے مجھے موت و دشمنوں پر کامیابی و فتح دیجیئے گا۔ بنی اسرائیل - ۸۰

اکثر فاضل مترجمین قرآن اس آیت کا تعلق مکہ کے چھوڑنے اور مدینہ میں داخل ہونے اور بطور ایک مظفر و منصور کے مکہ میں آنے سے جوڑتے ہیں۔ لیکن (۱) رسول صاحب ہر کہیں عالمگیر تعلیم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ شخصی یا ذاتی حالات یا تاریخ پیش کرنا نہیں چاہتے (۲) رسول صاحب حدیثوں سے واسطہ رکھنا نہ چاہتے تھے۔ اور وہ اس طریق سے منع بھی کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کو حدیثوں کے تابع کرنا یا ان کا محتاج بنانا قرآن اور رسول کی توہین ہے۔ اس لئے ترجمہ پر ہجرت کی حدیث کو حاوی کرنا مناسب نہیں۔ ۳۔ یہ دعا ہر شخص کی طرف سے ہمیشہ کے لئے ہو سکتی ہے اور ہر شخص کو نہ مکہ چھوڑنا نہ مدینہ جانا۔ پس دعا کے مدعا کو فوت کرنا چہ معنی؟ ۴۔ ہجرت سے تعلق زیادہ تعداد کا ہے دعا کا تعلق انفرادی ہے۔ ۵۔ مدخل اور مخرج کے دو لفظ یہاں قالب کے بغیر اور معنی رکھ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ رُوح قالب میں ہی داخل ہوتا اور قالب سے ہی نکلتا ہے۔ اگر مکہ اور مدینہ سے مراد لی جائے گی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جیسے ناموافق حالات پیدا ہوتے سے مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ ویسے ہی حالات مدینہ میں پیدا ہونے اور وہاں سے نکالے جانے کی دُعا مانگی جا رہی ہے۔ اور یہ سراسر محال عقلی ہے۔ ۶۔ ایک سچے خدا پرست کی دُعا سب سے بڑھیا یہی ہو سکتی ہے۔ کہ جب رُوح اس جسم کے مخرج سے نکلے۔ آرام سے نکلے۔ نہ اسے جسمانی تکلیف محسوس ہو۔ نہ موت کا اس کو رنج ہو۔ یعنی وہ نفس پر حکمران کی طرح کوڑا رکھ سکے۔ اور موت پر فتح پا سکے۔ (۷) یہی مدعا آیات ماقبل کے مطابق ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۷۸ و ۷۹ میں عبادت وغیرہ کی ہدایت ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ ۷۸
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ۷۹

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو۔ اور صبح کی قرآن یعنی سو ادھیائے کا فرض بھی ادا کرو۔ کیونکہ صبح کے سو ادھیائے کا وقت نور ظہور کا وقت ہے۔ (۷۸) اور کچھ رات رہی میں تہجد پڑھا کرو۔ یہ تمہاری نفل ہے۔ عجب نہیں۔ کہ اس طرح تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر پہنچا دے۔ ۷۹۔

چونکہ یہاں صاف الفاظ میں نماز یا عبادت اور مطالعہ پر غور و فکر کی ہدایت ہے۔ اور اخیر میں مقام محمود یعنی اعلیٰ درجہ یا نجات پر پہنچنے کی خوشخبری ہے۔ اس لئے اس سے اگلی آیت میں مدخل و مخرج کا لفظ قالب یا درجہ وغیرہ کے سوا اور مطلب نہیں رکھ سکتا۔ مابعد کی یعنی ۸۱-۸۲ کی آیات بھی ہمارے دعوے کی ہی تائید کرتی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ۸۱
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۸۲

کہدو کہ حق آیا اور باطل گیا۔ اور باطل تو ہے ہی نشٹ ہونے کے لئے ۸۱۔ اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں نازل کرتے ہیں۔ جو اہل ایمان کے لئے روحانی شفاء اور موجب رحمت ہیں۔ ۸۲۔ پس یہ سارا بیان اصُولی اور اعلیٰ درجہ یا نجات کے لئے عبادتِ الٰہی کی ہدایت دینے کو ہے۔ اور جھوٹ یا گناہ یا دُکھ سے بچنے کو۔

اس کے علاوہ دفعہ ۶ میں اعراف۔ ۱۶۷ کے حوالہ سے نافرمانوں کو بندر کا قالب ملنے کا بیان پہلے آچکا ہے۔ اور مائدہ ۶۰ کے حوالہ سے بندر اور سوُر کے قالبوں کا بیان بھی اسی دفعہ میں آچکا ہے۔ سورۂ واقعہ میں مرنے پر نئے اور مختلف شکلوں میں جنم ہونے کا بھی علم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہوگا۔

۲۶۔ پُنر جنم پر پُرزور دیا کھیان

یوں تو قرآن شروع سے اخیر تک پُنر جنم کے اصول کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔ مگر سورۂ واقعہ میں اور بھی نفیس طریق پر پُرزور ویاکھیان موجود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ہ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۔ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ

اب بھی ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے۔ تب تم پھر پیدا کئے جانے کو سچ کیوں نہیں سمجھتے۔ سوچو تو سہی۔ کہ منی جو تم ڈالتے ہو۔ کیا اس کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اس کے خالق ہیں۔ یقیناً ہم نے تم لوگوں میں موت مقرر کی ہے۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں۔ کہ تمہاری شکلیں بدل دیں۔ اور ایسی شکلوں میں تمہیں پھر پیدا کریں۔ جو تم نہیں جانتے۔ واقعہ ۵۸تا۶۱۔

یہاں صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا جی اٹھنا۔ دوسری زندگی کا صحیح مفہوم نہیں۔ بلکہ آواگون کا اصول ہی مدنظر ہے۔ کیونکہ موجودہ شکل سے غیر شکلوں میں پیدا ہونا محض آواگون سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ نہ صرف یہ جو لوگ کہتے ہیں۔ ماں اور باپ کے میل سے اولاد ہو سکتی ہے۔ اس سے خدا کا کیا تعلق۔ ان کے بھی کان کھولے گئے ہیں۔ کہ ویریہ درج جو پیدائش کا موجب ہے۔ وہ کوئی باپ یا ماں بنا تو دکھائے۔ پس وہ سچا خالق اس امر پر بھی قادر ہے۔ کہ مختلف قالبوں میں روح کو داخل کرے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ہ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ہ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ہ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ہ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ہ

اور جب تم کو پہلی پیدائش کا اقبال ہے۔ تب پُنر جنم کو کیوں نہیں مانتے ۶۲۔ بھلا دیکھو۔ تو سہی۔ کہ تم لوگ جو کھیتی کرتے ہو۔ ۶۳۔ اس کو تم اُگاتے ہو۔ یا ہم اگاتے ہیں۔ ۶۴۔ ہم چاہیں۔ تو اسے چوراچورا کردیں۔ اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ ۶۵۔ کہ ہم پر تو چٹی پڑ گئی۔ ۶۶۔ بلکہ ہمارے نصیب پھوٹ گئے۔ ۶۷۔

یہاں اور بھی صاف طور پر بتایا ہے۔ کہ پیدائش کا کام صرف خدا کا ہے۔ انسان کو اس میں درک نہیں۔ اس لئے پُنر جنم کے متعلق شک کرنے کا اسے حق نہیں۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۶۸ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۶۹۔ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۷۰۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۷۱۔ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۷۲ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۷۳۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۷۴

ایسے ہی جو پانی تم پیتے ہو۔ ۶۸۔ کیا بادل سے اس کو تم برساتے ہو۔ یا ہم برساتے ہیں۔ ۶۹۔ ہم چاہیں۔ تو اس کو ایسا

کھاری کر دیں۔ کہ زبان پر بھی نہ رکھ سکو۔ پس تم کیوں شکر نہیں کرتے۔ ایسے ہی ذرا سوچو۔ تو کہ آگ جو تم سلگاتے ہو۔ ۷۱۔ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ۷۲۔ ہم نے اسے بادِ الٰہی اور تمام قوتوں والی پونجی کے طور پر پیدا کیا ہے۔ ۷۳۔ پس اُس پُرجلال رب کے نام کی تسبیح و تقدیس کیا کرو۔

اَن۔ پانی۔ آگ سب کا پیدا کنندہ اور محافظ خدا کو بتا کر پوچھا یہ گیا ہے۔ کہ جب تمام پیدائش کا چکر ہے۔ بیج سے اَن اور اَن سے بیج ہوتا ہے۔ بادل سے جل اور جل سے بادل بنتا رہتا ہے۔ تو انسانی جسم کے چکر سے انکار کیسا؟

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ۷۵۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۷۶۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۷۷۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۷۸۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۷۹۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۸۰۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۸۱۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۸۲۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۸۳۔ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۸۴۔

پھر ہم ستاروں کے مقام کی تقسیم کرتے ہیں۔ اور سمجھو۔ تو یہ بڑی تقسیم ہے۔ یہ قرآن کریم ہے۔ جو اس کتاب میں نہاں ہے۔ جس کو سوائے پاک لوگوں کے کوئی چھو نہیں سکتا۔ وہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ کیا تم اس کی اس (پنر جنم کی) حدیث سے انکار کرتے ہو۔ کیا تم نے اسے جھٹلانے میں ہی اپنی کمائی سمجھ رکھی ہے۔ بس ہو گا کیا۔ اسی حال میں پران گلے میں آ جائیں گے۔ اور تم بمصداق ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ کچھ نہ کر سکو گے۔

آہ! کس خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات سے متحرک ہو کر اور کس سچے اور معقول جوش کے ساتھ پنر جنم کے اصول کو دلوں پر نقش کرنے کی کھٹائی جا رہی ہے۔ اَن۔ آگ۔ پانی وزمین سے ہٹا کر اب نظام شمسی یا بروج کی طرف انسان کی توجہ دلا کر کہا گیا ہے۔ کہ یہ نظارہ عجیب و غریب ہے۔ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اور یہ دیو لوک کی ضخیم کھلی کتاب ہر منکر کو جو نیک نیت ہے۔ ایشور کے پھر پیدا کرنے پر پورا اعتقاد رہنے کا یقین دلاتی ہے۔ اس دیو لوک کا پورا حال آغاز عالم سے نازل شدہ محفوظ علمی کتاب وید میں ہے۔ یعنی اس کتاب میں جس کے معنی محض روحانی پاکیزگی حاصل کئے ہوئے رشی منی یوگی پرش سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر زیر بحث حدیث یعنی پنر جنم کے پیغام کو اس کتاب کا پیغام بتایا۔ اور بجا طور پر پارعب آپدیش دیا گیا ہے۔ کہ اس پاک کتاب کے بیان پر ایمان نہ لا کر مرنا ذلیل موت مرنا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کی ان آیات کا مفہوم یہ ہے۔ کہ بغیر پنر جنم کو مانے انسان اس زندگی میں سچے معنوں میں نیک اعمال کی طرف راغب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ چارواک کا یہ اعتقاد اس امر کا گواہ ہے۔

यावज्जीवं सुखं जीवे ऋणं कृत्वा घृतं पिबेत् ।
भस्मी भूतस्य देहस्य पुनरागमनं कुत : ॥

جب تک زندہ رہے۔ تب تک سکھ سے زندگی بسر کرے۔ قرضہ لے کر گھی پیئے۔ یہ جسم راکھ ہو جاتا ہے۔ پھر کس نے آنا اور کون دینے کا ہے۔ گویا پرلوک یا پنر جنم کا اعتقاد بالکل نہ رہے۔ تو دنیا میں بد اعمالی ہی بد اعمالی بڑھ جاوے۔

۴۷۔ حضرت ابراہیم کا پنر جنم کے متعلق اطمینان

دلائل وغیرہ کے علاوہ قرآن بڑے بڑے اعلیٰ درشٹانتوں سے پنر جنم کے متعلقہ شکوک کو دور کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقر میں ہی حضرت ابراہیم کے متعلق ایک عجیب قصہ بیان ہوا۔ مترجم و مفسر صاحبان اس کی صحیح عظمت کا احساس نہیں کر سکے۔ اس لئے غیر معقول تاویلات سے حضرت صاحب کا اصل مطلب ہی فوت ہو گیا ہے۔ تاہم کوئی بھی نیک نیت عالم اصل الفاظ قرآن

پر جب بھی غور کرے۔ فضل الٰہی سے اس پر اصل راز جوں کا توں منکشف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو آیت نمبر ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؀

حضرت ابراہیم نے خدا سے درخواست کی۔ کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا۔ کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا۔ کیا تجھ کو یقین نہیں۔ بولا ہے تو سہی۔ پر چاہتا ہوں۔ کہ دل کو پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ فرمایا۔ کہ چار پرندے کر اپنی طرف ملاؤ۔ پھر ان میں سے ایک ایک کر کے الگ الگ پہاڑ پر بٹھا دو۔ اور ان کو بلاؤ تمہاری طرف دوڑے چلے آئیں گے۔

کئی ترجموں میں لکھا ہے۔ کہ ان پرندوں کی بوٹی بوٹی کر کے اس میں سے ایک ایک ٹکڑا پہاڑ پر رکھا۔ تفسیر کبیر مولانا فخر الدین صاحب رازی کی تفسیر کا ترجمہ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تم چار پرندے لاؤ۔ اور ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ان میں کا کچھ کچھ حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ آؤ۔ پھر اپنے قیام پر پہنچ کر ان کو بلاؤ۔ سو ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ان کو بلایا۔ تو ہر پہاڑ سے اس کا حصہ ان کی طرف دوڑا اور راستے ہی میں ہوا میں ملے جلے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے حصوں میں آن ملے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے۔ اور سب کے سب یعنی چاروں زندہ ہو گئے۔ واللہ اعلم کہتے ہیں۔ کہ یہ چار پرند مور۔ گدھ۔ کوّا اور مُرغا تھے" صفحہ ۱۴۹

بعض مترجم ٹکڑا ٹکڑا کی بجائے قیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی بیان نہ معقول ہے۔ نہ ممکن الوقوع نہ قابل تسلیم۔ اور حسب قول راقم حمایل، التفسیر نہ الفاظ قرآنی سے ثابت ہے۔ نہ کسی حدیث اور نہ کسی اور معتبر سند سے آپ کہتے ہیں۔ اگر قیمہ سے زندہ جانور کر کے دکھانا تھا۔ تو چار پرندوں اور ان کے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو خالص کرشمہ نمائی کا تھا۔ (جیسا کہ اکثر مداری دکھاتے ہیں۔)

دیگر تفاسیر پر مخالفانہ رائے زنی کر کے راقم صاحب اصل مطلب آیت زیر بحث کا ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ کہ خدا ابراہیم کو فرماتا ہے۔ کہ پرندوں کے تیرے پاس آنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن پرندوں کو تو نے تھوڑی سی مدت پرورش کیا۔ ان میں ایسی کشش تیرے ساتھ ہو گئی۔ کہ تو نے دُور دُور پہاڑوں پر ان کو بٹھلا دیا۔ اور وہ بلانے سے دوڑے چلے آئے۔ اسی طرح تمام ذرات اور ارواح عالم جو ہمیشہ سے خداوند عالم کی ربوبیت میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جائیں گے۔"

ہم اس تاویل میں خاص صداقت اور زور سمجھتے ہیں۔ اور یہ معقول بھی ہے۔ دیگر مترجم صاحبان جزء و لفظ کی وجہ سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور قیمہ یا ٹکڑے ٹکڑے کے الفاظ جزء و لفظ کے لئے ہی رکھے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت چار پرندے چار جگہ رکھے جانے سے ہر ایک کل چار کا جزء و مانا جا رہا ہے۔ اور چونکہ کاٹنے وغیرہ کا کوئی لفظ اصل آیت میں ہے نہیں۔ ساتھ ہی پہاڑ پر رکھ کر جو بلانے کا حکم ہے۔ وہ سوائے زندہ پرندوں کے کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ اصل مُدعا یعنی مترجم پر اس آیت کو معقولیت سے چسپاں کرنے کے لئے بھی ایک طرف انسان اور پرندوں اور دوسری طرف خدا اور رُوح و مادہ کی باہمی کشش و تعلق کا لازمی تعلق ہے۔ پس یہ تاویل معقول اور پُر مطلب ہے مگر باوجود اس کے ہماری رائے میں مصنف قرآن کے اصل مُدعا کو یہ تاویل پُورا پُورا ادا نہیں کرتی۔ مترجم کے متعلق دیدک

سدھانت یہ ہے۔ کہ آتما اور مادی ذرات سے بنے ہوئے جسم کا میل ہونا جنم یا پیدائش ہے۔ اور رُوح کا جسم سے علیحدہ ہونا موت ہے۔ اسے سنسکرت ساہتیہ میں یوں کہا ہے۔ کہ سینوگ جنم ہے۔ اور دیوگ مرن۔ مادی ذرات جن سے جسم بنتا ہے چار قسم کے ہیں۔ آگ۔ ہوا۔ پانی اور مٹی۔ انہی کو اربعہ عناصر کہا جاتا ہے۔ اور ان ہی کو مدّ نظر رکھ کر چار پرندے کا لفظ تجویز کیا گیا ہے۔ ایک وقت میں ابراہیم کو پرندوں کو اپنی طرف ملانے یعنی انہیں پالنے کا حکم ہے۔ جس کا مفہوم ہے۔ کہ پرندوں اور ابراہیم میں کشش کا قایم کرنا مقدم ہے۔ دوسرے وقت میں حسب الحکم خداوند ابراہیم سے الگ کرکے جُدا جُدا مقاموں پر رکھے جاتے ہیں۔ یہ دو حالتیں سینوگ اور ویوگ یعنی زندگی اور موت کی ہیں۔ ابراہیم نامی روح چار پرند نامی عناصر کے جسم سے اور وہ عناصر باہم پہلے ملتے اور پھر جُدا ہوتے ہیں۔ اب وہ اصل بات آتی ہے جس کے لئے یہ سارا قصّہ بیان ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ تیسری حالت میں ابراہیم انہیں بلاتا ہے۔ اور وہ پرند اس سے مانوس ہونے کی وجہ سے اس کی طرف آ ملتے ہیں۔ گویا حضرت صاحب نے نہایت صاف اور معقول اور کامل طور پر قرآن میں پُنر جنم کے متعلق بڑے سے بڑے شک کا ازالہ کر دیا ہے۔ اور سمجھا دیا ہے۔ کہ پُنر جنم روز کے عام مشاہدات اور تجربات سے بالکل عیاں ہے۔ اور جیسے دُنیا میں کسی قسم کے وصل کے بعد جُدائی اور جدائی کے بعد وصل ہوتے ہیں۔ ویسے ہی موت کے بعد زندگی ہوتی رہتی ہے۔ اور روح کے اندر مادہ کا پریم پُنر جنم کا محرک ہے۔

۴۸۔ پُنر جنم کے متعلق شکوک کا ازالہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

کیا تم نے اس شخص کا خیال نہیں کیا۔ جو خدا سے سلطنت ملنے پر مارے شیخی کے ابراہیم کے ساتھ خدا کے بارے میں جھگڑا۔ ابراہیم نے کہا۔ میرا خداوہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا۔ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا۔ اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو مغرب سے نکال دکھا۔ اس پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہاں یہ جتایا ہے۔ کہ جو انسان دولت عزت اور مرتبہ پاکر مغرور ہو جاتے ہیں۔ وہ سچائی کے متعلق انڈ بنڈ باتیں کہنے لگتے ہیں۔ اگر زندہ کرنا اور مارنا اللہ سے منسوب ہو۔ تو وہ حماقت سے کہتے ہیں۔ کیا ہم جو لوگوں کی جان بخشتے و انہیں مارتے ہیں۔ خدا سے کم ہیں۔ اس میں ہم سے زیادہ خصوصیت کیا ہے۔ ان کو اگر یہ کہا جاوے۔ کہ اللہ جس طرح پیدائش کرتا ہے۔ یعنی رحم مادر و نطفۂ پدر کے ذریعہ۔ تم کسی اور طرح پیدا تو کر دکھاؤ۔ پس جب انسان کسی اور طرح پیدائش نہیں کرسکتا۔ تو خدا کے جنم اور مرن کے چکر پر اس کی حجت بازی فضول ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

کیا اس شخص کا خیال کیا جو ایک اُجڑی بستی کے پاس سے گذرا جس کی چھتیں گری پڑی تھیں۔ اسے خیال گذرا۔ کہ اللہ اس اُجڑے دیار کو کیسے آباد کرے گا۔ اس پر اللہ نے اس پر سو سال کی موت طاری کی۔ اور پھر اسے زندہ کر کے کہا۔ کتنی مدت مردہ رہے ؟۔ وہ بولا کوئی دن بھر یا کم رہا ہوں گا۔ فرمایا نہیں۔ تم تو سو برس رہے۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو۔ کوئی لُبسی یا پرانی نہیں۔ سب تر و تازہ ہیں۔ ایسے ہی اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ اور لوگوں کے لئے نشان ہدایت ہو۔ اور ہڈیوں کی طرف غور کرو ہم کس طرح انہیں بناتے اور ان پر گوشت مڑھتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت کھلی۔ بول اٹھا میں جان گیا۔ کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اکثر مفسرین اس آیت کا تعلق حضرت نحمیا یا خرقیل علیہ السلام سے جوڑتے ہیں۔ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر کے معبد کو جلا دیا۔ اور شہر کو ویران کر دیا تھا۔ ۴۶۷ قبل مسیح میں نحمیا نبی کو یہ نظارا دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس وقت ان کو خدا نے کشفی طور پر سو سال کی موت دی۔ اور ان کو مایوسی سے بچایا۔ بعد میں ارتخششتا کے بادشاہ نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی۔ اس قصہ کا تفصیلی حال اور مفسرین کی حاشیہ آرائیاں نہایت طویل ہیں۔ اور بغیر ان پر مدلل و باثبوت بحث کئے انہیں توہمات باطلہ کی اشاعت کا موجب ہونے سے روکنا ناممکن سا ہے۔ اس لئے ہم محض یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ رسول صاحب کا مدعا نہ یہاں خانہ کعبہ سے ہے۔ نہ کسی نبی سے۔ وہ تو محض پُنر جنم کی صداقت کے لئے اسے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ جتاتے ہیں۔ کہ اب جن چیزوں کو جس حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ سو سال بعد دیکھو۔ تو اسی حالت میں وہ چیزیں ملتی ہیں۔ سبزی۔ دودھ آٹا اناج جواب ہے۔ سو سال پہلے بھی تھا۔ گدھا۔ گھوڑا جو اب ملتے ہیں۔ سو سال بعد بھی اسی حالت میں مل سکتے ہیں۔ چونکہ ان ہی چیزوں کا سو سال قائم رہنا اور ان کی حالت نہ بدلنا ناممکن ہے۔ اس لئے سو سال بعد ان کا تر و تازہ یا جوان اور کام کے قابل ملنا ان کے ناش ہوتے اور بنتا رہنے یا مرتے اور پیدا ہوتے رہنے کی دلیل ہے۔ یہی رہسیہ سبزی وغیرہ میں ہے۔ یہی گدھے وغیرہ میں اور یہی بستی وغیرہ میں۔ بربادی اور آبادی کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے۔ ایک دن یا اس سے کم کا مطلب یہاں درحقیقت کھشن ماتر ہے۔ کہ جیسے ایک آن کی آن میں چیزیں جیوں کی تیوں دکھائی دیتی ہیں۔ ویسی ہی سو سال کے بعد بھی اسی طرح مل سکتی ہیں۔ محض پُنر جنم کی برکت سے نئے نئے پنجر بنتے ہیں۔ ہڈیاں ظاہر ہیں۔ ان پر گوشت مڑھا جاتا ہے۔ اور کارخانہ پیدائش جاری رہتا ہے۔ ہندی شاعر کہتا ہے۔ ہڈیوں کے پنجر نے تنبل۔ اکت لگائے تیل۔ تو چا کا چڑھائے پردہ چام وہ ہر مڑھی ہے۔

۴۹۔ مکتی یا نجات والا پنر جنم

جسم کی موت اور پیدائش کا چھوٹا چکر ہے۔ اور کل عالم کی پیدائش اور فنا کا بہت بڑا چکر ہے۔ اور روح کی مکتی اور بندھ کا چکر اور بھی بڑا ہے۔ ویدمیں پہلے چکر کی سو سال دوسرے کی چار ارب بتیس کروڑ سال اور تیسرے کی ۳۱ نیل دس کھرب ۴۰ ارب سال عمر بتائی ہے۔ چونکہ اتنا لمبا عرصہ ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے عام بول چال میں نجات نام جنم مرن سے چھوٹ جانے کا ہے۔ اب پُنر جنم کی بحث ختم ہونے کے بعد یہ اعتراض ہوگا۔ کہ دنیا بار بار پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے۔ سو ہم سورہ قدر کی آیات اور جگہ پیش کر آئے ہیں۔ کہ برہم راتری یا لیلۃ القدر میں ہی اشیاء اور ارواح برہم میں لین ہوتے اور آغاز پیدائش ہونے پر نکلتے ہیں۔ اب سوال ہوگا کہ وہ مکتی جس میں جسمانی پیدائش نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں کہاں

ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ اس کے لئے سورۂ صافات موجود ہے۔

مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش سملاس ۹ میں مکتی کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مکت جیو بے انتہا ہر جگہ موجود برہم کے اندر اپنی خوشی کے موافق چلتا پھرتا ہے۔ پاک علم سے تمام کائنات کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مکتی پائے ہوؤں کے ساتھ ملتا ہے۔ پیدائش کی حکمت کو ترتیب وار دیکھتا ہوا تمام مختلف دنیاؤں کو دیکھتا ہے"۔ اس کے مقابلے پر قرآنی آیات دیکھئے۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ۝ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ۝ قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۝ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ۝ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ۔

پھر یہ جنتی یا نجات یافتہ باہم پوچھا پاچھی کرتے ہیں۔ ۵۰۔ ایک کہتا ہے۔ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا۔ ۵۱۔ جو کہتا تھا کیا تو بھی آواگون کے قابل ہے۔ ۵۲۔ کیا فی الحقیقت ہمیں مرجاتے اور مٹی اور ہڈی ہوجانے کے بعد پھر جنم اور کرم کا پھل ملیگا۔ ۵۳۔ وہ کہے گا۔ کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔ ۵۴۔ یہ کہکر وہ جھانکتا ہے۔ تو اسے دوزخ کے بیچوں بیچ پاتا ہے ۵۵۔ بول اٹھتا ہے۔ خدا جانتا ہے۔ تو مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا۔ ۵۶۔ اور اگر خدا کا فضل نہ ہوتا۔ تو میں بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا۔ جو گرفتار ہیں۔ ہم نے جو پہلی بار مرنا تھا مرلئے۔ ۵۸۔ اب آگے نہ ہمیں مرنا نہ دکھ پانا۔ ۵۹۔ بے شک یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۶۰۔ چاہئے۔ کہ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والے لوگ عمل کریں۔ ۶۱۔

ان آیات میں نجات کی حالت کو خاص طرز بیان سے ادا کیا گیا ہے۔ تو بھی جنتی یا نجات یافتہ روحوں کا باہم ملنا اور پاک علم سے تمام دنیاؤں کو دیکھنا کائنات کی حقیقت کو جاننا سب ظاہر ہے۔ اور سب سے بڑھیا بات یہ کہنا ہے۔ کہ ہم پیدائش اور دکھ سے آزاد ہیں۔ بُرے جنم و نیک اعمال سے منحرف لوگوں کی طرح گرفتار نہیں۔ پس جب مرنا نہ ہونے سے پیدا نہ ہونا بھی ہوگا۔ تو مکتی کی تعریف قرآن میں ثابت ہی ہے۔ اور چونکہ اس جنم مرن سے آزاد ہونے کو سب سے بڑی کامیابی کہا گیا ہے۔ اور اس کامیابی کے لئے انسانوں کو عمل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس لئے مکتی کے متعلق کل ویدک بیان اجمالی طور پر قرآن میں ثابت ہے۔ یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۲۔ "کُروَنّے ویہہ کرمانی" میں جو کہا ہے۔ کہ انسان کو نیک عمل کرتے ہوئے ہی سو سال تک جینے کی خواہش کرنی چاہئے۔ یہی صحیح طریقت ہے۔ جس سے کرم بندھن کا موجب نہیں بنتے۔ بلکہ نجات کا موجب بنتے ہیں۔ اس سب کی ترجمانی قرآن کی مذکورہ بالا آخری آیات میں موجود ہے۔

۵۰ - علماء اسلام کے لئے خاص حکم

دفعہ ۴۲ والی آیات سورۃ النحل آواگون کے اصول پر اچھی روشنی ڈالتی ہیں۔ اور یہ دلیل بھی مہیا کرتی ہیں۔ کہ راہ حق میں ہجرت کرنے اور تکلیف اٹھانے والے لوگوں کو اچھی پوزیشن ملنا لازمی ہے۔ اور آخرت میں بڑا اجر۔ ان الفاظ سے زندگی کے بعد اچھا قالب یا نجات دونوں کا اشارہ ہے۔ اور بعد کی آیات اور بھی معنی خیز ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

اور ہم نے تم سے پہلے جو بھی لوگ بھیجے۔ ان پر یہی وحی ہوئی تھی۔ یعنی تناسخ کا اعتقاد ان کے مافی الضمیر میں تھا۔ پس اگر تمہیں علم نہ ہو۔ تو ان اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو جنہیں سچے اصولوں اور کتابوں والا علم ملا ہے۔ اور تیری طرف بھی وہی ذکر نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں پر وہ واضح کردے۔ جو ان پر نازل ہوا تھا۔ اور وہ سوچ سکیں۔ ان الفاظ سے حسب ذیل امور ثابت ہیں۔

اول یہ کہ آواگون کا اصول آغاز عالم سے لے کر رسول صلعم کے بزرگوں تک کے دلوں میں بمنزلہ وحی نقش تھا

دوم یہ کہ علمائے اسلام کو اس کے متعلق جو کچھ سمجھ میں نہ آوے۔ وہ خلوص عقیدت سے قدیم اہل ذکر سے پوچھ لیا کریں۔

سوم یہ کہ اہلِ ذکر سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہیں مسلمات کا علم اور الہامی کتب ملی ہوئی ہیں۔

چہارم۔ یہ کہ رسول صاحب کو بھی پہلے والا ہی ذکر یعنی الہامی علم ملا۔ اس غرض سے کہ وہ لوگوں پر قدیم تعلیم کو ہی واضح کریں۔ اور وہ لوگ غور و فکر کرکے حق کو جان سکیں۔

پس مصنف بیان القرآن صاحب کا یہ فرض ہے۔ کہ اہلِ ذکر سے رفع شکوک کریں۔ نہ یہ کہ تمام گذشتہ لوگوں یا نبیوں کی طرف وحی شدہ بے بدل اصول کی تردید کا مطلب قرآن مجید سے نکالیں۔ جو درحقیقت آغاز والا ہی ذکر ہے۔

۵۱۔ فرقہ ہائے اسلام کی شہادت

آواگون کے حق میں گذشتہ اور حال کے کتنے ہی عالم لوگ اپنی کتب میں دلائل و ثبوت دے چکے ہیں۔ لیکن ہمیں محض خاص مضبوط ثبوتوں یعنی قرآن مجید تک ہی محدود رہنا ہے۔ اس لئے ہم سب سے درگذر کرتے ہیں۔ تاہم یہ شہادت غیر ضروری نہیں ہوسکتی۔ کہ مذاہب الاسلام میں کتنے ہی فرقوں کا اعتقاد تناسخ پر مانا گیا ہے۔ حدثیہ۔ کاملیہ۔ جناحیہ۔ معمریہ۔ راوندیہ اسماعیلیہ وغیرہ۔

۵۲۔ خلاصہ مطلب

سورۂ فاتحہ یا گائیتری منتر کل بنی نوع انسان کے لئے گورو منتر یا کلمۂ اعظم ہے۔ اور یہ حسب ذیل قسم کی اعلےٰ ترین اور بیش بہا تعلیمات دیتا ہے۔

اول یہ کہ حمد و ثنا اور مناجات کا تعلق انسان کا محض خدا سے ہے۔ جو لوگ مردم پرستی یا بُت پرستی میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ بتوں میں تو خود انساں کی طرح بھی علم یا طاقت یا حرکت نہیں۔ اور انسانوں میں اگر کوئی صداقت یا نیک صفت یا طاقت ہے۔ تو وہ ان کی اپنی نہیں۔ عارضی طور پر انہیں خدا یا دوسرے انسانوں کے تعلق سے ملی ہے۔ پس اصل سرچشمہ تمام علوم۔ تمام نیکیوں اور تمام طاقتوں کا چونکہ خدا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں وہی قابل ستائش ہے۔ ہمیشہ تغیر و تبدل کے ماتحت کسی محدود العلم انسان کی تعظیم و تکریم اور تعریف میں لگے رہنے والے انسان اگر ایک اچھا سبق حاصل کرتے ہیں۔ تو کئی بُرائیاں بھی ان پر قبضہ کرلیتی ہیں۔ جو ضعیف الاعتقاد لوگوں کے کسی فانی انسان پر بھروسہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ سوامی دیانند نے کل انسانی مذاہب کے گورو ڈم کے خطرناک نتائج پلٹ کرکے ایک پرشور اور اس کے سچے گیان کا ہی سکہ بٹھایا ہے۔ اور حضرت محمد صاحب نے بھی چودہ صدی پہلے

اسی اعلےٰ ترین اصول کو تمام تعلیمات پر فوقیت دی تھی۔

دوم یہ کہ خدا کسی انسانی جماعت یا کسی ملک یا کسی خاص شخص کا طرفدار نہیں۔ بلکہ رب العالمین ہے۔ لہذا اس کے سچے معتقدوں کو کسی حصہ زمین یا گروہ کا طرفدار نہ بننا چاہیئے۔ بلکہ کل انسانوں اور جوانوں کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا چاہیئے۔ اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے رحم اور انصاف کی دونوں صفات اختیار کرنی چاہئیں۔

سوم۔ حمد و ثنا کے ساتھ خدا سے جو پرارتھنا کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس جمیع صفات کاملہ کے بھنڈار سے نیک اوصاف اور ہر کام کی کامیابی کے وسائل رُوح کو بطور مدد کے ملتے ہیں ورزش جسمانی سے جسم کو طاقت ملتی ہے۔ تو اس خدائے کامل کے حضور میں نیک ارادوں اور خواہشات کے بار بار کے اظہار کی ورزش روحانی طاقت دیتی ہے۔

چہارم۔ انسان کے لئے سب سے بڑھ کر مفید اور کارآمد شے علم اور عقل ہے۔ اور سچے علم سے عقل کو روشنی کا ملنا ہدائیت کہلاتا ہے۔ اس علم و عقل یا ہدائیت کا ہی ہر کامیابی سے تعلق ہے۔ بے عقل یا بے علم انسان کوئی کام صحیح طور پر کر ہی نہیں سکتے۔ تو وہ کامیاب کیسے ہوں۔ برخلاف اس کے جسم۔ روح۔ ملک قوم سب کے لئے مفید اور ضروری کاموں کو علم اور عقل ہی کامیاب بنا سکتی ہے۔ اسی لئے قرآن گائیتری منتر یا سورۃ فاتحہ میں راہِ راست کی ہدائیت کے لئے دُعا مانگنا سکھاتا اور صاف کہتا ہے۔ جس نے عقل پائی سب کچھ پالیا۔ پس خدا سے روٹی یا دولت یا زمین یا اولاد یا مقدمہ کی فتح وغیرہ کے لئے دعا مانگنا صحیح نہیں۔ راہِ راست کی ہدائیت یا عقل کی روشنی والی دُعا کی مقبولیت تمام مشکلوں کو دور کر کے ہر کوشش کو کامیاب کر دے گی۔

پنجم۔ انسان جسم اور رُوح کا میل ہے۔ مادی جسم کو غیر معتدل طور پر پیار کرنا۔ مادہ پرست بناتا اور رُوح کا تعلق دنیا کی مصیبتوں اور آلائیشوں سے بڑھاتا اور اسے ادنےٰ ترین قالبوں میں بھٹکاتا ہے برخلاف اس کے اس رُوح عالم یا خدا سے پیار کرنا رُوحانیت کے اعلےٰ معراج پر انسان کو پہنچاتا ہے۔ پہلی حالت آواگون کی ہے۔ اور دوسری نجات تک پہنچاتی ہے۔ پس علم و عقل یا ہدائیت کی دُعا کا مفہوم راہِ نجات پر چلنا ہے۔ انسانی عمل تپ کہاتا ہے۔ اور یہ تپ دونوں طرح کے لئے کرنا ہوتا ہے۔ گو نتیجہ بالکل جدا اور مختلف ہے۔ ایک طریق ہے۔ تپ سے راج اور راج سے نرک۔ اور دوسرا طریق تپ سے گیان اور گیان سے مکتی کا مفہوم رکھتا ہے۔ سورۃ فاتحہ انسانی تپ کو دوسرے مفہوم سے ہی جوڑنے کی ہدائیت دیتا ہے۔

ششم۔ نجات والا طریق ہی صراط مستقیم ہے۔ یہ کسی خاص مذہب یا ریفارمر کا ایجاد کردہ نہیں۔ خدا کا بے بدل و کامل عطیہ دینِ حق یا دھرم ہی سیدھا راستہ ہے۔ جس طرح خدا کو کسی کی رو رعایت سے غرض نہیں اسی طرح اس کا صراط مستقیم ہر انسان کے لئے کھلا ہے۔ کوئی بھی اس پر چلے۔ دنیا میں بھی راحت پائے اور عاقبت میں بھی سربلند اور سرخرو ہو۔ وشیشک درشن میں لوک اور پرلوک یا دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی دینے والا دھرم کو مانا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ میں بھی ایسی نعمتیں پانے والوں سے ہی صراط مستقیم کا تعلق جوڑا ہے۔

سورة البقرة مدنيّة وهي مائتان وست وثمانون آية وأربعون ركوعًا

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الٓمّٓ ⑴ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ⑵ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑶ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ⑷ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑸ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑹ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑺

١- کتاب الٰہی اور متقی و کافر لوگ

کامل ہے۔ ١- وہ منزہ من الخطا کتاب الٰہی جو متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے۔ ٢- متقی وہ ہیں۔ جو غیب پر اعتقاد رکھتے۔ عبادت الٰہی باقاعدہ کرتے۔ اور ہم سے ملی ہوئی دولت میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ٣- نیز جو تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر ظاہر شدہ سچائی کو قبول کرتے۔ اور آخرت (پرلوک) پر یقین رکھتے ہیں۔ ٤- یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستے پر ہیں۔ اور یہی فلاح (کلیان) پائیں گے۔ ٥- تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے۔ وہ ماننے کے نہیں۔ ٦- ان کے دلوں اور کانوں پر (گویا) اللہ کی مہر لگ رہی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پٹی (بندھ رہی) ہے۔ اور وہ عذاب عظیم کے مستحق ہیں۔ ٧

٢- وجہ تسمیہ

بقر کے مروجہ معنے گائے یا بیل کے ہیں۔ بہ طور جنس کے۔ لیکن آنحضرت بقر کا لفظ وید کے گوشبد کی جگہ لیتے ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ عربی زبان کے پہلے عالموں یا موجدوں کا بقر لفظ سے وید کا کثیر المعانی گوشبد ہی مراد تھا۔ جس کے معنے گتی یا حرکت والی یا حرکت کی موجب ہر شے تھا۔ چنانچہ زمین بھی متحرک ہونے کی وجہ سے گو ہے۔ جسم کی اندریاں بھی گو ہیں۔ زبان جو منہ کے اندر حرکت کرتی ہے۔ گو ہے۔ گائے جس پر انسانی جماعت کی ترقی اور مرفہ حالی یا اچھی گتی کا انحصار ہے۔ گو ہے۔ سورج کی

کرنیں کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں۔ من یا نفس کتنا تیزی سے کہیں کا کہیں پہنچتا ہے۔ یہ سب گو ہیں۔ سورۃ البقر میں الہامی علم جس کی شعاعیں روح کو منوّر کرتی ہیں۔ اس کا بیان ہے۔ ہر زمانہ اور ملک کے عالموں کی اصلاح کرنے والی تصنیفات کا ذکر ہے۔ ان سچے علوم سے بے پرواہ لوگوں کی جہالت اور کذب پر مبنی حالت جہنم اور اس علمی نعمت سے مالامال لوگوں کی حالت جنّت مذکور ہے۔ اکثر قوانین مذہبی و اخلاقی جن سے روحانی اور جسمانی ترقیات کا تعلق ہے۔ اس سورت میں موجود ہیں۔ گویا سورۃ فاتحہ میں جیسی راہِ راست کی ہدایت کی دعا تھی۔ اس کا بیان مفصل اس سورۃ میں موجود ہے۔ اور اسی لئے اس کو سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجے پر خدا کی اعلےٰ ترین نعمت مانا جاتا ہے۔

کامل کتاب الٰہی اور اس کے مطابق رشیوں یا نبیوں کی تصنیفات کو ماننے والے لوگوں کو فلاح کا مستحق بتاکر یاسی باز۔ دروغ بیان۔ فاسق۔ منافق۔ کافر وغیرہ لوگوں کا جو بیان ہے۔ وہ دلوں کی تاریکی پر مبنی ہے۔ اسی تاریکی کو موسیٰ کے لوگوں کی بچھڑے کی مشرکانہ پرستش کی شکل دے کر نفس کو مارنے کی ہدایت دی ہے۔ اسی نفس کو ابلیس کے رُوپ میں لیا ہے۔ کہ تمام اشیائے عالم پر تو انسان قابو پا رہا ہے۔ مگر یہ شیطان اس کے آگے سجدہ نہیں کرتا۔ یعنی نفس انسان کے قابو کا نہیں۔ اسی نفس کو بقر کے نام سے ذبح کرنے کی ہدائیت موسیٰ کے مُنہ سے دلائی ہے۔ اور اس بقر کو ذبح کرنے کا مفہوم صاف طور پر نفس کشی کو بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اس نفس کشی کا نتیجہ ہی نور اور گیان کا ملنا ہے۔ پس کیا نفس اور حواس کے لحاظ سے اور کیا گو شبد کے معانی کی مطابقت سے اس سورۃ کو سورۃ البقر کہنا عین موزوں ہے۔

۳۔ لغوی معنے

عربی لغات میں بَقَرَ [illegible] کے معنے ماندہ شدن کے ہیں۔ اور انسانی جماعت جب نا ملائم تکلیفات سے عاجز آجاتی ہے۔ تو خدا کے حضور میں گائے کی شکل میں پکار کرتی ہوئی کئی مذاہب میں بیان کی جاتی ہے۔

پھر بقر بسکون اوسط شگافتن یا فراخ کشادن کے معنے رکھتا ہے۔ تبَقّر کہتے ہیں "فراخی در مال و علم" کو۔ دیکھو صراح صفحہ ۲۸۶ -

پس سورۃ البقر وسیع علمی رموز و ہدایات کا بیان کرنے سے بھی اسم بامسمےٰ ہے۔

۴۔ دیباچہ یجروید کی سپرٹ

سورۃ البقر میں درحقیقت یجروید کے پہلے منتر کی توضیح ہے جو بجا طور پر یجروید کا دیباچہ کہا جا سکتا ہے۔ اور جس میں کرم کانڈ کا مقصد کامیابی کے وسائل کے حصول اور ناکامی کے اسباب کا تدارک موجود ہے۔ اور دُعا کی ہے۔ کہ ([illegible] यदवम हन्या) (اگھنیا یا نہ مارنے یا نہ نقصان پہنچانے والی اور نہ ماری یا تکلیف پہنچائی یا خراب کی جانے والی اشیاء) ترقی پا دیں۔ ان اشیا کے مالک کو اسی منتر میں "گو پتو" کہا ہے۔ پس اگھنیا اور گو کے دونو الفاظ یہاں مترادف ہیں۔ اور گائے کے علاوہ ان کا مفہوم کل وہ اشیاء ہیں۔ جن سے انسان سکھ پاتا اور اسی لئے ان کی ترقی و حصول کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ کھانے کے قابل اشیاء ٹھیک طریق پر استعمال میں آنے سے صحت اور طاقت دیتی ہیں۔ اور بصورت مخالف انسان کو تباہ کرتی ہیں۔ اسی طرح ایمانداری سے کمایا گیا مال اور علم وغیرہ کے اعلےٰ اوصاف انسانی راحت کو بڑھاتے

اور تَتَبُّقَرُ لفظ کے معانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے سورۃ البقران کی فراخی و وسعت کے متعلق ہر پہلو سے بحث کرنے میں زبانِ حال سے اپنی خوبی کا خود بیان کر رہا ہے۔

۵۔ الٓمٓ

ا۔ ل۔ م کا یہ مرکب لفظ اب تک علماء اسلام سے مخصوص مفہوم کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکا۔ مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ جن کا مفہوم سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ تاہم قیاس آرائیاں مختلف طور پر جاری ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے۔ کہ الم کے الف سے مراد ہے۔ کہ خدا احد اول آخر ازلی ابدی ہے۔ ل سے لطیف اور م سے مالک مجید منان مراد ہے۔ بعض بزرگ ا سے آدم۔ ل سے بنی اسرائیل اور م سے موسےٰ مراد لیتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ یہ اس امر کی پیشگوئی ہے۔ کہ کسی زمانے میں حروف سے ناموں کی تعبیر ہوگی۔ جیسے این۔ سی نہال چند یا نانک چند کی جگہ اور ایم۔ ڈی محمد دین کے لئے لکھا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کوئی خیال صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بولنے اور لکھنے میں جو لفظ آ گیا۔ اس کے معنے کا پردۂ راز میں رکھا جانا چہ معنے۔ پھر خدا کی پاک ذات وہ ہے۔ کہ اپنے بندوں کے لئے ہر وقت سب کچھ ظاہر کر رہی ہے۔ روشن سورج کی غرض ہی یہ ہے۔ کہ کوئی مادی شئے پوشیدہ نہ رہے۔ اور اس کے علم الہام کی غرض یہ ہے۔ کہ کوئی علمی راز روح پر مخفی نہ رہے۔ ملک اور قوم کا تعلق اس کے عالمگیر اصول کو محدود نہیں کرتا۔ اور زمانہ اس کے لئے تین کی قید سے آزاد ہے۔ وہ نور مجسم روشنی کل ہمیشہ ایک ہی طرح سے اپنی پاک فطرت سے تمام اصولوں پر روشنی ڈال رہا ہے۔ انسانی روح یا عقل جہالت سے کسی چیز کا ادراک نہ کر سکے۔ یہ جدا بات ہے۔ خدا کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس نے کوئی علم پوشیدہ یا اپنے لئے مخصوص رکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ اگر مقطعات کی طرح الم وغیرہ الفاظ کے مختلف قیاسی معنے لگا دیں گے تو جتنے منہ اتنی باتیں ہونے سے قرآن کی کوئی مقررہ اور یقینی پوزیشن سمجھنا غیر ضروری ہو جائے گا۔ اور مشکل بھی حمائل التفسیر کا حسب ذیل اقتباس اس امر پر روشنی ڈالنے کو کافی ہے۔ کہ مفسرین کی موجودہ پوزیشن کس قدر مبہم ہے۔

"اسرار قرآن میں سے مقطعات بھی ایک راز ہیں۔ جن کی حقیقت پر ابھی تک اختلاف ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق فرماتے ہیں۔ کہ ہر کتاب میں خدا تعالےٰ کا راز ہے۔ اور قرآن پاک میں اس کا راز اوائل سور ہیں۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر کتاب میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا علم خدا تعالےٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ اور اس کتاب میں ایسی چیز حروف تہجی ہیں۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ عَجَزَتِ الْعُلَمَاءُ عَنْ اِدْرَاكِهَا۔ علماء ان کے ادراک میں عاجز ہیں۔ متکلمین نے آیات اور حدیث کی بناء پر ان کے معانی بیان کرنے میں کوشش کی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ کسی وقت ہیں ان کی حقیقت پر یقینی علم ہو کر اتفاق ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم وعدہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۲۹/۲۵ تحقیق جو لوگ ہم میں ہو کر یعنی ہماری خوشنودی کے لئے مجاہدہ کریں گے۔ ہم ضرور ان کو اپنے رستے دکھائیں گے۔ چنانچہ اب تک جو ان کے مختلف معانی بیان کئے گئے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں۔ الم کے ا سے مراد ہے۔ کہ خدا احد اول آخر ازلی ابدی ہے۔ اور ل سے مراد ہے۔ کہ وہ لطیف ہے۔ اور م سے مراد ہے۔ کہ وہ مالک مجید منان ہے۔ اسی طرح وہ کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر

یں فرماتے ہیں۔ کاف سے مراد ہے کافی۔ ھا سے ھادی۔ عین سے عالم صاد سے صادق۔ دوسرے معنے ابن عباس یہ کرتے ہیں۔ الم سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ المص سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَفْضَلُ الرا سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَرٰی

۲۔ بعض صوفیہ الم سے مراد لیتے ہیں۔ اَنَا لِیْ مِنِّیْ۔

۳۔ بعض اکابر نے الم میں ا سے مراد آدم لؔ سے مراد بنی اسرائیل اور م سے مراد موسٰی لی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں ان تینوں کا ذکر ہے

۴۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے۔ کہ یہ حروف مقطعات پیشگوئی کے طور پر ایک زمانہ کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ جس میں مقطعات پر خطابوں عہدوں کارخانوں ملکوں اور انسانوں وغیرہ کے نام بکثرت رکھے جائیں گے۔ جو روحانی اور جسمانی ترقیات کے لحاظ سے عظیم الشان عجائبات کا زمانہ ہوگا۔ جیسا کہ فی زمانہ ہو رہا ہے۔ اشیاء کے نام خطابوں عہدوں اور کارخانوں کے نام مقطعات پر رکھے جاتے ہیں۔ علمی ترقیات کی کچھ انتہا نہیں۔ ہر کام کے واسطے عجیب در عجیب کلیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ روح کل ادیان پر دین حق کا جلال ظاہر کر رہی ہے۔ اور لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۲۸ کے آثار ہر ملک و ہر دیار میں نظر آرہے ہیں۔ چھاپہ خانوں کی کثرت سے کتابوں۔ اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعے سے تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔

۵۔ حروف مقطعات میں ایک یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ آسانی اور کمالیت کے لحاظ سے قرآن مجید کو حروف تہجی کے ساتھ مشابہت ہے۔ جس طرح پر حروف تمام الفاظ اور عبارتوں کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر قرآن مجید تمام کلمات اور مسائل دینیہ کی بنیاد ہے۔ جس طرح پر چھوٹے اور آسان الفاظ سے لے کر بڑی سے بڑی عبارتیں حروف سے بنتی ہیں۔ اسی طرح ہر ادنیٰ مسائل سے شروع ہو کر اعلےٰ سے اعلےٰ اور ادق سے ادق مسائل دینی بھی اس قرآن سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح پر کہ حروف کی اصلیت اور ضرورت پر اعتراض کرنا یا ان کے مفید ہونے میں شبہ کرنا سراسر بیہودگی ہے۔ اسی طرح پر قرآن کی صداقت اور ضرورت میں شبہ کرنا یا اس کے لاانتہا برکات سے انکار کرنا سراسر لغو ہے"

اس کے بعد قرآن کی فضیلت کے متعلق اور بھی حسن ظن کا اظہار ہے۔ جس کا قرآن ہر طرح مستحق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا قرآن کی خوبیوں کے بیان سے اس حقیقت الامر کو چھپایا جاسکتا ہے۔ کہ الم اور اسی قسم کے دیگر الفاظ کی اصلیت خود علماء اسلام کے علم میں اب تک نہیں آئی۔ نہ کسی نے جرأت سے اب تک یہ دعوٰے بھی کیا ہے۔ کہ مجھ پر الم کے معانی کا صحیح انکشاف ہو گیا ہے۔ بر خلاف اس کے قیاسی تشریحات اور اٹکل کی تفصیلات شکوک کو بڑھا رہی ہیں۔ خدا یقیناً کوئی امر نہیں چھپاتا۔ نہ کوئی کلمہ بغیر معنے کے ہو سکتا ہے۔ پس سورج۔ چاند ان۔ اناج۔ زمین۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بجلی تک سب کچھ ہمیں دینے والا فیاض خدا الم کی حقیقت انسان سے چھپائے یا رمز رو رکھے۔ محض خیال خام ہے۔ وہ ہر خود غرضی یا طرفداری سے اوپر ہے۔ اور اگر اس کا مخفی رکھنا صحیح ہو۔ تو علماء کو اس کی تحقیقات کی طرف راغب کرنے کا کیا مطلب۔ اور مذکورہ بالا جد وجہد کرنیوالے علما خدا کے نافرمان یا فضول کے تضیع اوقات کرنیوالے کیوں نہ سمجھے جاویں کیا ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ خدا حضرت جبرئیل اور حضرت محمد صاحب سے کسی اور شخص کو بڑا درجہ دے۔ اور

جو کچھ ان سے مخفی رکھا ہے۔ وہ کسی اور عالم پر ظاہر کرے۔ پس اصل حقیقت محض یہ ہے۔ کہ مفسرین الم لفظ کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے۔

۶۔ الم لفظ وید کا ہے!

در حقیقت الم وید کا لفظ ہے۔ اتھروید ۶۔ منتر ۱۰۹۔

पिप्पली क्षिसभेषज्यू उताति वि द्ध
भेषजी । तां देवा ः समकल्पन्नियं जीवित वा अलम्॥

یہاں الم کافی یا کامل کے معنے میں آیا ہے۔ اور یقیناً اسی معنے میں سورہ بقر میں اول ہی یہ لفظ آیا ہے۔ علم اور سچائی کا اظہار کرتے وقت پہلے علیم کامل خدا یا اس کے کامل الہام کا ہی ذکر ہونا چاہئے۔ رگوید میں سب سے اول اگنی کی تعریف بتائی گئی ہے۔ جس کے مقدم معنے علم مطلق خدا یا گیان ہے۔ جو ہر قسم کی روشنی کا موجب ہے۔ صوفیہ جو انا لی متی مراد لیتے ہیں۔ وہ الم کو اللہ کا نام قرار دیتے ہیں۔ ابن عباس نے مختلف بیان دیئے ہیں۔ تاہم انا اللہ اعلم دمیں اللہ جانتا ہوں بھی صوفی علما کی ہی تائید کرتا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب نے جو اس کا یہ ترجمہ دیا ہے۔ کہ میں اللہ کامل علم رکھتا ہوں۔ یہ بھی ان صوفیہ کی ہی تقلید اور معقول بات ہے۔ انا معنے ہیں۔ اور الم اتی بمعنے کامل۔ اور اگر مذکورہ بالا وید منتر کا کسی کو خیال ہوتا۔ تو اب تک یہ مبہم اور مشکوک بیان تفاسیر سے معدوم ہو چکے ہوتے۔ خدا اور اس کی خاص صفات کا بیان سورۃ فاتحہ میں کر کے اب اس کے الہام کا ذکر ہونا تھا۔ اور عملاً الم کے بعد ذالک الکتاب کا لفظ ہے۔ نیز سورۃ کے شروع میں اللہ رحمان اور رحیم کے نام سے بسم اللہ بھی ہو چکی ہے۔ اس لئے یہاں الم کو خدا کے معنے میں لینا غیر ضروری سا ہی ہے۔ ہاں کتاب الٰہی کے کامل ہونے کا مفہوم ہی یہاں الم لفظ سے موزوں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ کامل ہے۔ وہ کتاب الٰہی۔ ویدک دھرمی لوگ اب تک الم لفظ کا استعمال پورا یا کامل ہونے کے معنے میں کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی خط یا تحریر پوری ہوتی ہے۔ نیچے لکھا جاتا ہے

الم اِتی — अलमिति — یا اِتی الم — इत्य लम

۷۔ ذالِکَ الکِتاب

الم کے بعد ذالکَ الکتاب کا لفظ ہے۔ اور ترجمہ یہ ہے۔ کہ "کامل ہے وہ کتاب" سوال ہوگا۔ کونسی کتاب۔ مترجم صاحبان جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید "وہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ الم۔ یہ وہ کتاب ہے۔ اور یہ سے مراد قرآن کی ہے لیکن ذالک لفظ اشارہ بعید کے لئے ہی آ سکتا ہے۔ عربی قرآن کا ذکر اس کے آگے آیت ۴ میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ کہ بِمَا اُنزِلَ اِلَیکَ جو تجھ پر نازل ہوا ہے پس دوسری آیت میں بیان شدہ کتاب محض بعد کے زمانہ والی بلکہ آغاز عالم سے ظاہر شدہ کتاب ہی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن ذالک لفظ سے یقیناً وید کو ہی مُشارٌ الیہ قرار دیتا ہے۔

۸۔ توریت وغیرہ ذالِک کا مُشارٌ الیہ نہیں

کہا جا سکتا ہے۔ کہ توریت انجیل ژند یا ژند بھی گذشتہ زمانہ کی کتب ہیں۔ ان میں سے کسی کی طرف ذالک لفظ اشارہ کر سکتا ہے۔ لیکن پارسی مت کی کتاب مقدس ژند یا ژند تو قرآن کی کسی بھی آیت میں اشارہ یا کنایہ سے بھی مذکور نہیں رہی توریت انجیل وغیرہ ان کا کئی جگہ

ذکر ہے۔ مگر کہیں بھی ان میں سے کسی کو کامل نہیں مانا۔ ہاں یہ بیان ضرور ہے۔ کہ توریت انجیل سے بہت پہلے کے مذہب کے ہم پیرو ہیں۔

سورۃ البقر آیت ۱۳۵ میں ہے۔ (۱)

کہتے ہیں۔ کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ تو ہدایت پر آجاؤ۔ ان سے کہدو۔ کہ ہم تو حق پرست ابراہیم کے دہرم کو مانتے ہیں۔ وہ مشرک نہ تھا" پس جب وہ یہودی یا نصاری کو مانتے ہی نہیں۔ ابراہیم کی ملت میں ہونے پر فخر کرتے ہیں تو توریت انجیل کو کامل کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے آیت ۱۳۰ میں آتا ہے۔ (۲)

اور سوائے سبکسار یا بے عقل شخص کے ملتہ ابراہیم سے انحراف کر ہی کون سکتا ہے۔

چونکہ ابراہیم۔ ابرام۔ ابرہم وغیرہ ایک ہی شخصیت کے مختلف نام برہما لفظ کا بگڑا ہوا روپ ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے ان آیات کی تفسیر میں ثابت کیا ہے۔ قرآن کے حضرت ابراہیم کی کل باتیں ویدک برہما والی ہی ہیں اور برہما ڈگری ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم کی۔ کیونکہ آغاز عالم کے رشیوں سے جس نے چاروں وید پڑھے۔ برہما کہایا۔ نیز قدیم سے ہی ویدک دھرم برہما کا دہرم کہاتا آیا ہے۔ حتیٰ کہ سناتن دہرمی لوگ چار رشیوں کی بجائے برہما پر ہی ویدوں کا نازل ہونا ماننے لگے ہیں۔ اس لئے معاملہ بالکل صاف ہے۔ کہ قرآن وید کو کامل مانتا ہے۔ توریت انجیل کو نہیں۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ برہما سے ابراہیم کی شخصیت جدا ہو۔ اور یہود و نصاری کا ابراہیم توریت والا ہی مذہب رکھتا ہو۔ اس کا جواب سورہ آل عمران آیت ۶۴ میں قرآن نہایت واضح طور پر دیتا ہے (۳)

اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ (کہ وہ یہودی ہے یا نصرانی) کیونکہ توریت اور انجیل کا تو نزول ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔"

کیا اس آیت میں اس امر کا قطعی فیصلہ نہیں۔ کہ توریت، اور انجیل کے مذہب کو آنحضرت اپنی ملت نہیں سمجھتے ہاں ان مذاہب سے پہلے کا ابراہیم والا دہرم ہی ان کا دہرم ہے۔ اور اسی کی تلقین قرآن مجید کے ذریعے آپ نے کی سورۃ فاتحہ والدکلمہ اعظم یا گورو منتر وید کے گائیتری منتر کا ہی عربی ترجمہ ہے۔

لہٰذا سورۃ فاتحہ کے بعد یہ جتانا ضروری تھا۔ کہ یہ کلمہ اعظم کامل کتاب الہی والا ہے۔ اور اس لئے گائیتری وغیرہ چھندوں والے وید کو ہی سورہ بقر میں کامل کتاب مانا جانا واجب ہے۔ چنانچہ قرآن کی کتنی ہی آیتوں میں مذکور ہے۔ کہ ہر امر کا صحیح بیان آغاز عالم سے کتاب الہی میں موجود ہے۔ جسے کہ عربی قرآن بھی اسی ام الکتاب میں ہے۔

۱۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۰

۲۔ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۰

۳۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

۹۔ ذالک کا مشارٌ الیہ وید ہی ہے

جب تمام قرآن میں قدیم دھرم اور وید کی عظمت ہے۔ توریت انجیل وغیرہ سے پہلے ابراہیم کا مذہب سوائے وید کے کوئی ہونا ممکن ہی نہیں۔ اور وید کے ہی کامل الہام الٰہی ہونے کے اس قدر ثبوت موجود ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ ذالک کا مشارٌ الیہ بھی وید ہی ہے۔ ذا اسم مبہم برائے اشارہ بعید ل برائے بُعدِ مشارٌ الیہ اور کاف برائے خطاب اب باقی رہا۔ یہ امر کہ کتاب کا لفظ کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ مصدر ہے۔ اور کتبت الشیٔ از اجمعتہ سے بنا ہے۔" اور علوم کے جمع ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ چونکہ قرآن ہر کہیں کتاب مبین یا ام الکتاب میں ہی تمام علوم کو جمع مانتا ہے۔ جسے کہ قرآن عربی کو بھی اس میں تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے ذالک الکتاب سے محض آغاز عالم کا وہ کامل الہام الٰہی یا وید ہی مراد ہے۔ خواہ رشیوں کے آتما میں ظہور ہونے کی صورت میں اور خواہ لوح یا کاغذ پر لکھا جانے کی صورت میں۔ (دیکھو۔ حوالہ جات مندرجہ حصہ اول باب سوم)

۱۰۔ لَارَیْبَ فِیْہِ

رَیب کے معنے شک کے لے کر ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ جس میں شک نہیں۔ بعض یوں لکھتے ہیں۔ جس کے (کلام الٰہی ہوتے میں) کوئی شک نہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ معنے لینے سے اصل مفہوم سے کچھ انحراف ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ شک تو ہر کتاب ہر انسان اور ہر شے پر ہو سکتا ہے۔ شک کا تعلق خدا سے نہیں انسان سے ہے۔ اور اس کی وجہ محض انسان کی محدودیت ہے۔ کتابیں اور چیزیں تو کیا انسان خدا تک کے متعلق شک کرتے بلکہ صریح انکار کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ پھر آیات قرآن میں لوگوں کے اعتراض اور شکوک درج کر کے ان کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اس لئے یہ ترجمہ کرنا صحیح نہیں۔ نہ یہ کہ اس کے کلام الٰہی ہوتے میں شک نہیں۔ کیونکہ خود قرآن میں ان شکوک کا ذکر ہے۔ پہلے جو کامل کتاب کا لفظ کہا۔ اس کا مطالبہ یا تقاضا یہی ہو سکتا ہے۔ کہ اگلے الفاظ میں اسے ہر نقص یا غلطی سے پاک مانا جائے۔ علم کی دو صورتیں مسلمہ ہیں۔ ایک میں تو اس کا تعلق حواس ... سے ہے۔ اور دوسری میں رُوح سے۔ اسی لئے قدیم کتب میں اپرا اور پرا ودیا کا بیان ہے۔ مادی حواس خمسہ تو کیا عقل بھی ناقص اور انتہائی صداقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ عقلی دلائل تبھی تک رہتی ہیں۔ جب تک شکوک بنے رہتے ہیں۔ رُوح جب علم کا براہِ راست احساس کرتا ہے۔ شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ اور اسی حالت کا علم غلطی سے مبرا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ علیم کل خدا کے تعلق سے ملتا ہے۔ اور غلطی نقص یا شکوک وغیرہ عوارضات سے پاک ہونے کی وجہ سے ویدک لٹریچر میں نربھرانت اور سوتہ پرمان یعنی منزہ من الخطا اور مستند بالذات کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہی متقی لوگوں کو ہدایت دے سکتا ہے۔ خود جس کی سند اوروں پر منحصر ہو یا جس میں غلطی وغیرہ عوارضات ہوں۔ وہ ہی اگر انسانوں کو ہدایت دینے کا ذریعہ ہو۔ تو گمراہی کا پھیلنا لازمی ہے۔ انسان پہلے ہی محدود العقل اور اس کو رہنما بھی ملا سہو و خطا کا پتلہ۔ تو گمراہی میں شک ہی کیا ہے۔ رشی یا رسول یا مبلغ جو ہدایت پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنے الفاظ میں اپنے سمجھے ہوئے مدعائے کامل الہام کو دوسروں پر ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کے پیرو اپنی عقل کی رسائی کے مطابق اس مدعا کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے کسی انسان کا کہنا یا لوگوں کا کچھ سمجھنا مستند بالذات نہیں۔ ہاں اس کامل الہام کے مطابق سمجھا جانے سے ہی اس کی سند ہو سکتی ہے۔ رسول یا مبلغ خود متقی

ہیں۔ ان کا دکھایا ہوا طریق کامل اور سچا الہام نہیں۔ بلکہ الہام کامل وہ ہے۔ جو ان کو یہی رستہ دکھاتا ہے۔ پس جب سے متقی انسان دنیا میں ہوئے۔ تب سے ہی راہِ حق دکھانے والی منزہ من الخطا اور مستند بالذات جو کتاب ہے۔ وہی یہاں مذکور ہے۔ کسی بعد کے زمانے کی کوئی کتاب نہیں۔

۱۱۔ متقی کون ہیں

متقی لفظ کی تعریف آیت ۳ میں وہی ہے۔ جو آریہ لفظ کی کیجا سکتی ہے۔ دوج یا دیوتا یا نیک انسان پر بھی اس تعریف کو چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سوائے آریہ (شگشت) لوگوں کے علم الٰہی سے نہ کوئی ہدائیت پاتا ہے۔ نہ پا سکتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ جو متقی ہے۔ اسے ہدائیت کی ضرورت کیا ہے۔ یعنی اگر ہدائیت ملنے سے پہلے متقی ہو سکتا ہے۔ تو راہِ حق کے بغیر کوئی اور ذریعہ زیادہ مفید ماننا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اتقا جس سے متقی لفظ بنا ہے۔ پرہیز کے معنے رکھتا ہے۔ بیمار جس طرح سے اسی صورت میں فائدہ پا سکتا ہے۔ کہ وہ پرہیز رکھے اور ڈاکٹر کی ہدائیت کے مطابق دوائی کا استعمال کرے۔ اسی طرح علم الٰہی سے فائدہ پانے کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے۔ ان کو رکھنے والا انسان متقی ہے۔ اندھا سورج سے فائدہ نہیں پا سکتا۔ اور بینا کے لئے سورج غیر ضروری نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وعظ حق سے فائدہ پانے والے غالب الحواس یا راہِ حق کے طالب انسان ہی متقی ہیں۔ انہی کا نام آریہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ عقل اور علم سے محروم ہیں۔ انہیں شودر نام ویدک دھرم میں دیا گیا ہے۔ وہ محض جسمانی کام کے قابل ہیں۔ روحانی یا علمی امور ان کی سمجھ میں آ نہیں سکتے۔ اور برہمن۔ کھشتری اور ویش علم کی دولت رکھتے ہیں۔ ان کا نام دوجما ہے یا دوج۔ وہ علم الٰہی سے ہدائیت پانے والے ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی متقی کہا گیا ہے۔ اور ان کی جو تعریف بتائی گئی ہے۔ وہ بھی دوج آریوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلی دفعہ میں بیان ہوتا ہے۔

۱۲۔ یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ

پہلی صفت متقی کی یہ ہے۔ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب کیا ہے۔ "حواس سے غائب"۔ ایشور جیو اور پرکرتی کی تین ازلی ابدی ہستیاں جو حواس کی پہنچ سے پرے ہیں۔ وہ غیب یا (سنسکرت لٹریچر کی رُو سے) پروکھش کہاتی ہیں۔ اور عالم لوگ جسمانی حواس سے محسوس ہونے والی کثیف چیزوں تک محدود نہ رہ کر ان لطیف ہستیوں پر غور کرتے ہیں۔ شودر لوگ ناقص دماغ اور کند ذہن ہونے کی وجہ سے ان کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کو کثیف اشیاء کا ہی خیال اور ہاتھ پاؤں سے ہونے والے کام ہی میں دلچسپی ہو سکتی ہے۔ لیکن علم عقل اور دماغی طاقت سے کام لینے والے دوج لوگ جسمانی زندگی ہی نہیں رکھتے۔ تو علم حاصل کر کے دوسری اعلےٰ یا روحانی زندگی پاتے اور دوجما کہاتے ہیں۔ ان کو لطیف علمی مضامین ہی مرغوب ہیں۔ اسی لئے شاستر کار کہتے ہیں:

प्रोक्ष प्रियाहि देव: प्रत्यक्षद्विष:

دیوتا یا عالم یا دوج لوگ پروکھش (غیب یا لطیف) کے پیارے ہیں۔ وہ پرتیکھش یعنی حواس سے محسوس ہونے والے وشیوں کی چنداں قدر نہیں کرتے۔ چونکہ اس غیب پر ایمان لانا متقی کا کام ہے۔ اور وہ عملاً آریہ عالموں یا دوجوں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے متقی لفظ کا صحیح مفہوم دوج یا آریہ کا ہی ہے۔

۱۳۔ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ

صلوٰۃ یا نماز یا روزانہ فرائض کو قائم رکھنے یعنی باقاعدہ اور بلاناغہ عبادت وغیرہ کرنے والے لوگ بھی آریہ ہی کہلاتے ہیں۔ آغاز عالم سے صبح وشام دونوں وقت برہم یگیہ کرنا اور کل کاموں کو حکم و ہدایت الٰہی کے مطابق کرنا دوجوں کا فرض چلا آتا ہے۔ اس لئے متقی کا یہ وصف بھی آریوں کا ہی ہے۔ آریہ دوج کی زندگی میں ترقی کا معیار سنیاس تک پہنچتا ہے۔ اور سنیاسی کا برہم یگیہ ہر وقت جاری ہے۔ برہم کا وچار۔ خلق خدا کا ستھار نیز کتاب الٰہی کا پاٹھ اور اس کی وعظ یہ ہی ان کا شغل ہے۔ پس اگر آریوں کے روزانہ فرائض یعنی پانچ مہایگیوں میں سے سب سے مقدم برہم یگیہ کی حقیقت پر غور کیا جاوے۔ تو یُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ کا مفہوم صاف طور پر سمجھ میں آتا اور متقی اور آریہ کو ہم معنے بتاتا ہے۔

۱۴۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ

ایشور کے دیئے ہوئے رزق میں سے راہ حق میں خرچ کرنے کا مفہوم بجنسہ وہ ہے جو یجروید ادھیائے ۴۰ منترا کے ان الفاظ کا مطلب ہے۔ کہ

तेन त्यक्तेन भुंजी था

مفسرین عموماً اسے دولت دنیوی میں سے زکوٰۃ نکالنے تک محدود سمجھتے ہیں۔ لیکن وید منتر کے منشا کے مطابق علم طاقت اخلاق اولاد صحت وغیرہ سب رزق یا دولت میں شامل ہیں۔ جسمانی طاقت اگر کھشتری کو ملی ہے۔ تو وہ اس دولت میں سے کمزور لوگوں کی حفاظت کے لئے خرچ کرتا ہے۔ علم کی دولت اگر برہمن کو ملی ہے۔ تو وہ اس دولت کو تمام دوسرے انسانوں کی جہالت دور کرنے میں صرف کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر شخص اپنی ہر قسم کی دولت کو جو خدا نے دی ہے۔ اپنے ہمجنسوں کے مفاد کے لئے خرچ کر کے متقی لفظ کو با معنے ثابت کر سکتا ہے۔ پھر جہاں دوسروں کی خدمت مدنظر ہے۔ وہاں حرام یا بددیانتی کی کمائی سے روکا گیا ہے۔ نیک نیتی اور ایمانداری سے کی گئی کوشش کے نتیجے میں انصاف الٰہی سے جو کمائی ملتی ہے۔ وہی حلال ہے۔ اور اس میں سے خرچ کرنے کی یہاں ہدایت ہے۔ کیونکہ خدا کی دی ہوئی دولت حلال کی ہی کمائی کا نام ہے۔

۱۵۔ یگیہ لفظ ان کل صفات کا جامع ہے

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ یجروید میں جس یگیہ کا بیان ہے اس میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو متقی کی بیان ہوئی ہیں۔ یگیہ کے معنے ہیں۔ دیو پوجا د عالموں اور تمام اشیائے عالم کی قدر و عزت اور ان کا بجا استعمال) سنگتی کرن (ملانا فراہم کرنا) اور دان دینا یا علیحدہ کرنا۔ غیب پر ایمان لانا۔ چونکہ ازلی ابدی ہستیوں کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا وصف رکھتا ہے۔ اس لئے یہ دیو پوجا میں آتا ہے۔ نماز یا عبادت کا باقاعدہ کرنا چونکہ اس خالق حقیقی جیسے علیم کل اور سب سے بڑے دیو کی پوجا ہے۔ اس لئے یہ بھی دیو پوجا میں ہی ہے۔ اور اسی طرح خدا سے اس کی عبادت کے ذریعے وصل پانا اور اس کے حکم کے مطابق نیک کمائی فراہم کرنا سنگتی کرن میں ہے۔ اور تمام قسم کی نیک کمائی کو راہ حق میں خرچ کرنا دان ہے۔ پس یہ تینوں صفات درحقیقت یگیہ لفظ کی تشریح ہیں۔ اور سب دوج لوگوں، پر تینوں قسموں کا یگیہ فرض ہے۔ اس لئے متقی کی یہ تعریف بھی ہماری اوپر کی تحریر کی ہی تائید کرتی ہے۔

۱۶۔ وید منتر

ان آیتوں میں پہلے تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقر کا تعلق جوڑا گیا ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ یا گائیتری منتر کی حقیقت بیان کرنے والی کتاب ہی کا مل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کتاب

ہیں فلاں وصف ہیں۔اور لطف یہ کہ اس کتاب کا سارا وصف وہی کہا ہے۔جو وید کا وید میں بتایا ہے۔ دیکھئے رگ وید اشٹک ۱۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۶ منتر ۱۱

चोदयित्री सुनृतानां चेतन्ती सुमतीनां यज्ञं दधे सरस्वती

سرسوتی (کلام وید) سچے علم اور عمل والے لوگوں کو ہدایت دیتی۔ اہل عقل کو چتیائے رکھتی ہے۔ نیز یگیہ یعنی فیض عام کے کاموں کو اختیار کراتی ہے۔ اس میں سنسکرت لفظ انہی دوج لوگوں کے لئے ہے۔ اور پہلا لفظ "چودیتری سنرتانام" کا صحیح ترجمہ عربی میں ھدًی لِلْمُتَّقِیْن ہے۔ ایک اور وید منتر میں وید کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے

स्तुता मया वरदा वेदमाता प्रचोदयन्तां पावमानी द्विजानाम् ।

आयुं प्राणं प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्वा व्रजत ब्रह्मलोकम्

اتھرووید کانڈ ۱۹ سوکت ۷۱ منتر ۱۔ اس میں وید ماتا کا لفظ عربی میں اُم الکتاب کا نام پا رہا ہے۔ اور اس کی تعریف یہ کی ہے۔ کہ وہ ور دینے والی یعنی نیک ارادوں کو کامیابی کی طرف لے جانے والی۔ دوجوں (متقی) لوگوں کو پاک کرنے والی اور راہِ راست کی طرف لے جانے والی ہے۔ آیو۔ پران۔ پرجا۔ پشو۔ کیرتی۔ دروِن برہم ورچس غرضیکہ سب کچھ مجھے دے کر اخیر میں برہم لوک یعنی حالت نجات میں پہنچاتی ہے۔ قرآن میں رزق۔ عزت۔ عمر۔ دولت شہرت اولاد۔ مال مویشی۔ عقل۔ علم۔ راحت نجات کو رزق کہا ہے۔ اور انہی سب رزقوں کا وید منتر میں ذکر ہے۔ اور جنہیں پہلے منتر میں سنسرت کہا۔ انہیں اس منتر میں دوج کہا۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ متقی اور سنسرت اور دوج کا مفہوم اس جگہ ایک ہی ہے۔ اور کلام وید ان کو ہدایت دیتی ہے۔ اگلے حصے میں کہا۔ یہ اہل عقل کو چتیائے رکھتی جس کا مطلب قرآن غیب پر ایمان لانے والوں سے منسوب کرتا ہے۔ اور چونکہ علم وعقل والے دوج لوگ لطیف مضامین سے باخبر رہتے ہیں۔ اس لئے وید کا لفظ چیتنتی نہایت موزوں طور پر قرآن میں واضح ہو رہا ہے۔ اگلی صفات عبادت ونماز اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی وید منتر کے ان الفاظ میں ہیں۔ کہ "یگیم ددھے سرسوتی" کلام وید یگیہ یعنی عبادت الٰہی اور فیض عام کے کاموں کو اختیار کراتی ہے۔ یگیہ کے معنے ہے دیو پوجا۔ اس کے لئے عبادت کو قایم کرنا کہا۔ دوسرے معنے ہیں سنگتی کرن۔ اس کے لئے پرمیشور کا رزق دینا کہا۔ اور تیسرے معنے ہیں دان اس کے لئے خرچ کرنا کہا۔ پس عربی میں اس وید منتر کا فصیح ترجمہ ہی پہلی تین آیتوں میں پیش ہوا ہے۔ یہی یہ بات کہ پہلے حوالے میں تعریف موجود ہے۔ تو دوسرے منتر میں وید کی تعریف کی کیا ضرورت تھی۔ اور نیز یہ کہ دونوں تعریفوں میں الفاظ جدا ہیں۔ اس کے لئے واضح رہے۔ کہ سرسوتی یعنی علمی کلام جو ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی اس وصف کے نکتہ نگاہ سے پہلے حوالے والی ہی تعریف ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے حوالے میں وید کے لئے ماتا کا لفظ ہے۔ اس لئے ماتا کے تعلق سے جو جو کچھ اولاد کو مل سکتا ہے۔ اسی کے لحاظ سے دوسرے حوالے میں واضح تعریف کی گئی ہے۔

۷ اِلَیْکَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ

اس کے معنے ہیں۔ جو تجھ پر نازل ہوا۔ متقی کی تعریف جو پہلے ہوئی۔ اس میں اور ایزادی کی گئی ہے۔ کہ کتاب الٰہی سے ہدایت پانے والے متقی لوگ اس صداقت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو تجھ رسول یا مبلغ کے ذریعے ان تک پہنچے۔ کیونکہ سچائی میں فرق نہیں ہوتا۔ ازلی ابدی الہام کامل کے ہی سرچشمے سے سچائی نکلتی اور مبلغوں کے ذریعے۔۔

عوام الناس تک پہنچتی ہے۔ اور جو بیان کلام الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کے زمرے میں آ ہی نہیں سکتا۔

۱۸۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ وہ بھی متقی لوگوں کے لئے قابل قبول ہے۔ کیونکہ قرآن میں بہت جگہ یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ یہ امر ہو نہیں سکتا۔ کہ خدا کسی کو علم عقل اور نبوت دے۔ اور وہ لوگوں کو حق کے خلاف کہے۔ پس گذشتہ سچے مبلغوں کے متعلق حسن ظن کا تقاضا ہے۔ کہ وہ ان پر ظاہر شدہ صداقتوں پر بھی ایمان لاویں۔ سورۃ النسا آیت ۶۴ میں اس کا اصل گرآن الفاظ میں آتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (ہم جو بھی رسول بھیجتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ کے حکم کے تحت سے اس کا کہنا مانا جاوے۔

۱۹۔ منوسمرتی کی شہادت

کلام الٰہی میں عام لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راغب کرنے کے لئے برہمن اور سنیاسی یا واعظ لوگ ہیں۔ قرآن سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ میں فرمایا ہے۔(۱) تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ معروف یعنی حکم الٰہی کے مطابق باتوں کی طرف مائل کرے اور خدا سے منع کی گئی باتوں سے روکے۔ سورہ انعام آیت ۸۹ میں ہے۔ کہ یہی لوگ ہیں۔ جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی ہے۔ پس اگر لوگ انکار کریں۔ تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔(۲)

یہ ہدائیت محض برہمن یا سنیاسی پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں کو کئی موقعوں پر اعلا انسان کہا ہے۔ پس حکم الٰہی کے ماتحت تبلیغ کرنے والے بھی قابل تسلیم ہیں۔ اور اس لئے کہا گیا۔ کہ تجھ پر نازل ہوا۔ اور جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ قابل قبول ہے۔ منوسمرتی میں دھرم یا حق کی تحقیق کے لئے پرم پرمان یا مستند بالذات تو محض کلام الٰہی یا شرتی کو کہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے شلوک یعنی ادھیائے ۲ شلوک ۱۲ میں کہا ہے۔

वेदः स्मृतिः सदाचारः स्वस्य च प्रियमात्मनः।
एतच्चतुर्विधं प्राहुः साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम्॥

اس میں وید (کلام الٰہی) کو سب سے مقدم رکھ کر تین اور ذریعے بھی تمیز حق کے بتائے ہیں۔ ۱۔ سمرتی یعنی عابد لوگوں کے وید کے مطابق بنائے ہوئے شاستر (۲) سدا چار یعنی نیک لوگوں کا رویہ اور (۳) اپنے ضمیر آتما کی پسندیدگی۔ قرآن میں جو تجھ سے پہلے نازل ہوا کہکر سمرتی اور سدا چار کی بات کہی ہے۔ کیونکہ گذشتہ عابدوں کی تصنیفات جہاں سمرتی شاستر ہیں۔ وہاں ان کے نیک اعمال کے تاریخی بیان بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ رہی اپنے آتما کی پسندیدگی۔ سو یہ تمام مذاہب میں اخلاق کا صحیح بنیادی اصول مانا جاسکتا ہے اور مشہور ضرب المثل ہرچہ برخود پسندی بر دیگران مپسند کی تعلیم اسی کا نتیجہ ہے پس اپنے آتما کی پسندیدگی یا ضمیر کی رہنمائی بھی ہر انسان پاتا ہی ہے۔ "جو تجھ پر نازل ہوا" کا مفہوم جہاں آنحضرت

(۱) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ

یا کسی اور رسول پر علم کا منکشف ہونا ہے۔ وہاں ہر انسانی روح بھی اس ہدائیت کا مخاطب ہے۔ کہ اے انسان جو تیرے اندر سچا علم منکشف ہوتا۔ جو تیرا روح یا مافی الضمیر بتاتا ہے۔ کہ حق ہے۔ وہ بھی تحقیق حق میں وزندار ہے۔

۲۰۔ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

آخرت پر یقین بھی متقی لوگوں کو ہونا ضروری ہے۔ یہ اگرچہ اوپر بیان شدہ ہدائیت کا جزو ہے۔ لیکن اس کو خاص طور پر بیان کرنا اس لئے ضروری تھا۔ کہ عام لوگ اسی زندگی کو پہلی اور آخری زندگی سمجھ کر عیاشی میں مستغرق ہوتے جاتے تھے۔ اور یہ فلاسفی زور پکڑ رہی تھی۔ کہ جب تک جیو سکھ سے جیو۔ قرض لے کر گھی پیو۔ نہ کسی نے پھر آنا۔ اور نہ کسی کا دینا۔ یا اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے کا ہی جاپ ہو رہا تھا۔ ویشیشک درشن میں دہرم کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ کہ

यतो ऽभ्युदय निः श्रेयस्सिद्धिसधर्मः ।

جس سے دنیا و دین یا لوک پرلوک دونوں کا بھلا ہو۔ وہ دہرم ہے۔ یعنی زندگی میں ہر قسم کی دولت اور سکھ اور موت کے بعد راحت اور نجات ملے۔ چونکہ ہمیشہ سے ویدک دھرمیوں میں اس موجودہ زندگی کو محض بعد کی زندگی کے لئے تیاری کا موقعہ کہا جاتا رہا ہے۔ اس لئے وہ نجات کے طالب رہ کر ہمیشہ نیک اعمال میں راغب رہتے تھے۔ اگر نجات کی طلب نہ رہے۔ تو نیک اعمال سے تعلق رہ ہی نہیں سکتا۔ لہذا آخرة کا ایمان بھی متقی کے لئے لازمی ہے۔ اور یہی ایمان ہے۔ جو اسے کتاب الہی اور احکام الہی کی طرف کھینچتا ہے۔

۲۱۔ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

مذکورہ بالا صفتوں والے متقی لوگ ہی قرآن کے نکتہ نگاہ سے اپنے رب کے راہ ہدائیت پر ہیں۔ گو یا سچا علم اور عمل خواہ براہ راست کتاب الہی سے بحالت مراقبہ حاصل ہو۔ خواہ خدا کے نیک اور عالم لوگوں کی تصنیفات یا صحبت وغیرہ سے سب متقی یا آریہ بنانے والا اور خود خدا کی طرف سے ہی ہے۔ کیونکہ نیک عالم انسان ذاتی خیالات کی نہیں۔ علم الہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

۲۲۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ

رکوع

فلاح کا لفظ درحقیقت کہ फल (پھل) کی جگہ ہے۔ کیونکہ عربی میں پ نہ ہونے سے ف کے ذریعے ہی تلفظ ظاہر ہو سکتا تھا۔ راہ ہدائیت حق پر چلنے والے متقی ہوئے۔ اور یہ راہ یعنی دہرم ہوا ہی راحت کی طرف لے جانیوالا۔ اور حسب قول سنسکرت لٹریچر دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکھش کا پھل دلانے والا تو قرآن میں بھی یہ کہنا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ نہائیت موزوں ہے۔ دفعہ ۱۶ میں اتھروکانڈ ۱۹ سوکت ۶۹ منتر ۳ میں جو آیو پران وغیرہ کے پھل گنائے گئے۔ وہ بھی بجا طور پر فلاح کی ہی ذیل میں ہیں۔ یجر وید کے پہلے منتر میں بھی کہا ہے۔ کہ جو لوگ اشیائے عالم کے مالک بن کر ان کا راہ حق میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ سچے معنے میں یجمان یا یگیہ کرنے والے ہیں۔ اور انہی کے مال و دولت وغیرہ محفوظ رہتے ہیں۔ وید کے لفظ یہ ہیں یजमान स्व पशून पाहि واقعی ایسے لوگوں کا اقبال دیرپا رہ سکتا ہے ورنہ حسب قول "مایا کاگ بنیرے دا" دولت کوے کے دیوار پر بیٹھنے اور اُڑ جانے کے ہی مشابہ ہے ؂

٢٣۔ کانوں اور دلوں پر مہر

قرآن کے ان الفاظ پر عام اعتراض ہوتا ہے۔ کہ جب خدا نے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے تب اگر وہ راہِ راست پر نہیں آتے۔ تو ان کا کیا قصور۔ اس کا ذمہ وار تو خدا ہی ہوا۔ لیکن واضح رہے۔ کہ محض خاص طرز میں ایک عام سچائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں متنفی کی خند کافر ہے۔ یعنی جو علم عقل عاقبت سے بے پرواہ ہیں۔ اور حقیقی ترقی اور اس کے وسائل سے غافل ہیں۔ کتنے ہی لائق سے لائق واعظ ان کو ہدایت دیں۔ وہ اپنے خیال کے خلاف نہ سننا چاہتے اور نہ مانتے ہیں۔ تمام مبلغوں کو اکثر ایسے لوگوں سے عموماً پالا پڑتا ہے۔ چونکہ نیک ہدائیت کے لئے قدرتاً اور فطرتاً ان لوگوں میں رغبت نہیں ہوتی۔ اس لئے قانون الہی کے مطابق ان پہ ہدایات کا اثر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لئے ویدک لٹریچر اور تمام اور کتابوں میں بھی کہا ہے۔ کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے سنتے ہوتے نہیں سنتے۔ ان کے دل ہیں۔ پر اس سے کام نہیں لیتے۔ اور اسی امر کو قرآن دلوں اور کانوں پر خدا کی مہر کے محاورہ سے ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جہالت کے خیالات جب دل پر قابو پاتے ہیں۔ تو سننے والا آدمی خواہ کتنا ہی نا راستی پر ہو۔ اسے سوجھتا ہی نہیں۔ کہ میرے خیال کے غلط ہونے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔ یہ توہمات باطلہ اور خیالات فاسدہ بمنزلہ مہر کے ہیں۔ اور جاہلوں کے دل ان میں جکڑے رہتے ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے۔ تو رسول یا اپدیشک لوگوں کا وعظ کرنا چہ معنے۔ اور قرآن خود کہتا ہے۔ کہ ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے۔ لیکن یاد رہے۔ کہ جب تک ان کے خیال کو پلٹا نہیں ملتا۔ تب تک کے لئے ہی ان الفاظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ یا غیر محدود زمانے تک وہ ایسے ہی رہیں گے۔ ہمیشہ کی تو ان کی زندگی ہی نہیں۔ پس جن کو خدا روشنی نہ دے۔ ان کو کوئی روشنی نہیں دے سکتا۔ کے مطابق ہی یہاں بھی سمجھنا چاہئے۔ کہ جب وہ جہالت سے نکلیں گے۔ خدا ان پر عنایت کرے گا۔ اور وہ حق کو قبول کریں گے۔ محدود انسان کے متعلق ہر بیان محدود معنوں میں لیا جائیگا۔ جیسا کہ مکتی تک کو ہم محدود ثابت کر آئے ہیں۔ دنیا میں ایک عالم شخص کسی دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر محتاط ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بھی ایسے کاموں سے بچے۔ جن کا نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی ہیں۔ کہ ایک کیا ہزاروں کو مصیبت میں دیکھتے ہوئے بھی سوچتے اور سنبھلتے نہیں۔ پس یہی کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ رہی ہے۔ تبلیغ حق کو سن کر جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ سچے مبلغ کی مخالفت کرتے اور اسے اذیتیں دیتے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی کہی جاتی ہے۔ پس بجائے اعتراض کے اصل مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ مہر گویا جہالت پر مبنی خیالات و افعال کے بدلے عذابِ عظیم ملنے کے قانون کی صداقت کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے بعد پالیسی باز چالاک لوگوں کا بیان ہے۔

٢٤۔ پالیسی باز چالاک لوگ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰ ٨

خِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَ ٨

۹ عُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ② فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ

۱۰ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ③ وَاِذَا قِيْلَ

۱۱ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ④

۱۲ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑤ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

۱۳ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ

۱۴ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ

۱۵ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑧ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

۱۶ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑨

پھر بعض انسان ایسے ہیں۔ کہ کہتے تو یہ ہیں۔ کہ ہم اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں۔ مگر در اصل وہ مانتے نہیں۔ ۱۔ اس طرح وہ خدا اور اس کے ماننے والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر وہ سوائے اپنی ذات کے کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔ اور وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں۔ ۲۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی۔ وہ اللہ نے اور بڑھادی۔ اور چونکہ انہوں نے کذب بیانی کی۔ اس لئے عذاب دردناک کے مستحق ہوئے۔ ۳۔ ان لوگوں کو اگر کہا جائے۔ کہ دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو محض میل جول کرنیوالے ہیں۔ ۴۔ مگر سمجھ لو۔ کہ یہ ہیں فسادی گو سمجھتے نہیں۔ ۵۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ جیسے اور لوگ حق کو مان گئے۔ تم بھی ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ کیا ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ ہیں بیوقوف خود۔ ہاں اپنی بیوقوفی کو محسوس نہیں کرتے۔ ۶۔ پھر ان کی یہ حالت ہے۔ کہ) ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ہم آپ کو سچا مانتے ہیں۔ مگر جب اپنے ساتھی شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں۔ تو ان کو کہتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ تو ہم مخول کر رہے تھے۔ ۷۔ مگر اللہ ان کی وہ تضحیک کراتا ہے۔ اور ان کو ایسا چلاتا ہے۔ کہ اپنی بدعنوانیوں میں حیران و سرگرداں پھرتے ہیں۔ ۸۔ یہی لوگ ہیں۔ جو نور ہدائیت کی جگہ جہالت خرید رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ نہ تو انہیں تجارتی (دنیوی) فائدہ ہوگا۔ اور نہ راہِ راست یا نورِ ہدائت ملیگا۔ ۹۔

۲۵۔ اپنے آپ کو دھوکا دینا

جو لوگ غلط بیانی کر کے اپنے آپ کو ایماندار بتاتے ہیں۔ وہ اپنے مخاطب کو کسی اپنی غرض کے لئے دھوکا دیکر کام نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ دوسرے کو نہیں۔ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ مخالفتی باتوں ہی میں گھر پورا کرتے ہیں نہ مومنوں کے ساتھ ہو کر تعلیم حق پاتے نہ نیک عمل کرتے۔ لہذا برائیوں میں لگے رہ کر عذاب الہی کا شکار ہوتے ہیں۔ غلط بیانی سے اگر انسان کوئی دھوکا کھا بھی جاوے۔ تو خدا سے تو اس کا اندرونہ بھی چھپ نہیں سکتا۔ اور نہ دُکھ کی سزا سے کوئی بچ سکتا ہے۔ پس اس نے کوشش تو کی کسی فائدے کے لئے۔ لیکن ملا عذاب۔ تو یہ اس کا اپنی ذات کو ہی دھوکا دینا ہوا۔ پھر خدا سے ایسے دھوکا باز کو آخر سزا کے ملنے پر ہی یہ دھوکا معلوم نہیں ہوتا۔ اس انسان سے بھی اکثر صریح دھوکہ ہوتا ہے۔ جس کو دھوکا دے کر کام نکالا جاتا ہے۔ زید کا بکر کے پاس سو روپیہ جمع ہے۔ وہ عمر کا سو روپیہ چرا لاتا اور وہ بھی بکر کے پاس جمع کراتا ہے۔ اب دو سو روپیہ زید کا بکر کے پاس ہے۔ عمرو کی رپورٹ پر پولیس تلاشی لیتی ہے۔ تو زید کے پاس کچھ نہیں نکلتا۔ اور وہ پولیس کو دھوکا دینے کے لئے حلفیہ بیان دیتا ہے۔ کہ میرا نہ بکر کے ہاں کچھ جمع ہے۔ نہ کہیں اور۔ اس بیان سے وہ بری تو ہوتا ہے۔ مگر جب چند ماہ بعد بکر سے روپیہ طلب کرتا ہے۔ وہ مکر جاتا ہے۔ اور وہی پولیس والا بیان اُسے اُلٹا جھوٹا قرار دیتا ہے۔ تب اسے ہوش آتی ہے۔ کہ اوہ کتنا دھوکا میں نے خود کھایا۔ کہ نہ صرف چوری والا اپنا سو روپیہ بھی گنوایا۔

۲۶۔ اللہ کا بیماری بڑھانا

اس سے خدا پر یا قرآن پر اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ کسی نیک آدمی کو دکھی کرنے کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ انہی دھوکا دینے والے چالاک لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کا عمل ان کی اپنی ذات کو دھوکا دینے والا کہا ہے۔ چونکہ قانون الہی کے مطابق پرہیز نہ رکھنے والا یا دوائی کا باقاعدہ استعمال نہ کرنے والا انسان زیادہ سے زیادہ مریض ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ مذہبی مبلغوں سے ہدایت سننے سے کتراتے یا ایماندار لوگوں سے زبانی جمع خرچ کر کے پرے رہتے ہیں۔ ان کے اندر اصلی نیک تعلیم داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اور گناہ یا برائی والے خیال اور بد اعمال یا خواہشات سے دلبستگی کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی ان کی مرض کا بڑھنا ہے۔ چونکہ یہ قانون الہی کے مطابق ہے۔ اس لئے مرض کا بڑھنا اللہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف جب انسان علم حق کی تحصیل اور نیک عالموں کی صحبت سے نیکی میں ترقی کر کے راحت پاتا ہے۔ تو بھی اسے خدا سے راہ حق کی ہدایت ملنا ہی کہا جاتا ہے۔

۲۷۔ بے اصولا پن

پالیسی باز چالاک لوگ کسی سچے اصول پر قائم نہیں ہوتے۔ وہ گنگا گئے۔ تو گنگا داس اور جمنا گئے۔ تو جمنا داس۔ ان کے عمل سے اختلاف دور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بڑھتا ہی ہے۔ کیونکہ وہ محض ابن الوقت ہیں۔ سب فریقوں سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ اور جیسا موقعہ ہو۔ ادھر کی اُدھر لگاتے ہیں۔ انہیں کہو۔ کہ آپ کے طریق سے اختلاف اور فساد بڑھتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ نہیں ہم تو دونوں سے محبت رکھتے اور میل جول کراتے ہیں۔ چونکہ سچے اصول کے بغیر میل جول ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے ان کی پیچیدہ اور دورخی باتیں غلط فہمی ہی پھیلاتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ پر غور کریں۔ تو ہر ملک اور قوم میں نیک نیتی پر مبنی سمجھوتے کی کوششیں بھی مستقل میل نہیں کرا سکیں۔ بلکہ نفاق کی بنیاد کو مضبوط کرتی آرہی ہیں۔ تب

مطلب پرست لوگوں کی سمجھ نے اور میل جول کی نمائشی باتوں سے کیا بنتا ہے۔ نتیجہ فساد یا اختلاف کی ترقی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ہدائیت یہ ہے۔ کہ میل یا اصلاح کے لئے محض سچے با اصول عالموں سے ہی کارگر کوشش ہو سکتی ہے۔ بے اصولے مطلب پرست پالیسی باز لوگ خواہ کتنے دعوے میل جول کے کریں۔ وہ درحقیقت موجب فساد ہی ہوں گے۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ ہم چونکہ فی الحقیقت حق پر ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ہماری طفیل میل جول ہو ہی کیسے سکتا ہے۔

۲۸- پالیسی باز لوگ دراصل بیوقوف ہیں

آیت ۱۳ میں واقعی بڑے تجربے کی اور معرکے کی بات کہی ہے۔ جس قدر لوگ حکمت یا بناوٹی باتوں سے مطلب براری کرنے کے عادی ہیں۔ وہ درحقیقت دوسروں کو بیوقوف بنانا یا انہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ ہم بڑے عقلمند ہیں۔ اور انہیں اتنا غرور ہوتا ہے۔ کہ اگر انہیں کہا جائے۔ کہ بناوٹی باتوں کو چھوڑو۔ اور جس خلوص عقیدت سے اوروں نے حق کو قبول کیا ہے۔ تم بھی کرو۔ تب وہ کہتے ہیں۔ اجی ان لوگوں کو عقل ہی کیا ہے۔ دہرم دہرم کرتے ہوئے برباد ہو جاتے ہیں ہم دہرم کو ملتے بھی ہیں۔ اور دنیوی نقصان بھی نہیں اٹھاتے۔ بات عقلمندی کی یہی ہے۔ ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان کیوں لائیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ ان کی عقل انہیں خود غرضی کا پتلہ بناتی۔ ان سے ناکرونی کراتی ہمجنسوں کی نظروں سے گراتی اور خدا کے عذاب میں انہیں پھنساتی ہے۔ اور اس طرح معمولی دنیوی فائدہ کی بجائے نقصان عظیم اٹھانے سے درحقیقت وہ خود بیوقوف ہیں۔ مگر اس کا احساس غرور کی وجہ سے وہ پہلے کر نہیں سکتے۔ واقعی پائدار روحانی فوائد سے غافل رہنے سے بڑھ کر بیوقوفی ہو ہی کیا سکتی ہے۔

۲۹- اللہ کا تضحیک کرنا

آیت ۱۴ میں ان لوگوں کا اور بھی اچھا خاکہ کھینچا ہے۔ کہ یہ دل سے تو کسی طرف کے نہیں۔ محض غرض پرست ہیں۔ مسلمانوں سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اسلام سے بڑھ کر ہمیں اور کیا چاہئے۔ لیکن مخالفین اسلام سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ہمارا مسلمانوں سے کیا مطلب۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ہونے کی بات تو محض ہنسی مذاق کی ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ کہ اوروں کے ساتھ مخول کیا۔ یہ خود خدا کی طرف سے قابل تضحیک ہیں۔ اور وہ اپنی بدعنوانیوں یا خلاف حق عملوں میں آخر اتنے منہمک ہوتے ہیں۔ کہ دکھوں میں حیران و سرگرداں ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آتی۔ کہ کس طرح اب دکھوں سے نکلیں۔ تیزی طراری سب معطل ہو جاتی ہے۔ نہ دنیوی فائدہ ملتا ہے۔ نہ دینی۔ بعض تو آفات میں برباد ہوتے ہیں۔ بعض عیاشی میں اپنے تئیں اجاڑتے ہیں۔ روشنی کی بجائے تاریکی میں مبتلا ہو کر انصاف الہی کے مطابق دکھ اٹھاتے ہیں۔ دین کو چھوڑا دنیا کے لئے۔ اور دنیا میں ہوئی ناکامیابی بس وہی بات ہوئی۔ کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم — نہ ادہر کے رہے نہ ادہر کے ہوئے

۳۰- ایک قابل نوٹ نکتہ

ان آیات میں اگر انسان کے خدا کو دھوکا دینے کا ذکر آیا ہے۔ تو خدا کا اس انسان کو دھوکا دینا مذکور ہے۔ اور اگر ہنسی یا مضحکہ

کا ذکر ہے۔ تو خدا کا اس کی تضحیک کرنا مذکور ہے۔ اس امر کا مجمل بیان ہم اوپر کر چکے ہیں۔ لیکن اس کی ایزادی میں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ قرآن میں دراصل خاص طرزِ کلام ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ کہ انسان کوئی بھی برائی کرے۔ وہی برائی بدلے میں اس کی اپنی ذات پر عاید کی جاتی ہے۔ اس امر کو نہ سمجھ کر لوگ مختلف اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۲ میں بھی ہے۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ منافق لوگ تو اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور اللہ ان کو دھوکا دیتا ہے۔ سورۃ نحل کی آیت ۵۰ میں ہے۔ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ اور انہوں نے ایک مکر کیا۔ اور ہم نے بھی ایک مکر کیا۔ کہ وہ جانتے ہی نہ تھے۔

اب اس قسم کی آیتوں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ خدا دھوکا یا مکر کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت محض اتنی ہے۔ کہ جو کچھ انسان بوتا ہے۔ وہی کاٹتا ہے۔ جو دوسروں سے دھوکا یا مکر کرتا ہے۔ خدا کی طرف سے وہ سلوک پاتا ہے۔ کہ خود اس تکلیف میں مبتلا ہو۔ جو وہ دوسروں کو دینا چاہتا ہے۔ ایک شخص کسی کو قتل کرنے کے لئے وار کرنے کو دوڑتا ہے۔ معمولی خربوزہ کے چھلکے سے اس کا پاؤں پھسلتا اور وہ دھڑم سے زمین پر گر کر چوٹ کھاتا بلکہ مر بھی جاتا ہے۔ تو کہیں گے۔ کہ اس نے تو وار کیا ہی تھا۔ پر خدا نے کہا۔ جاتا کہاں ہے۔ میرا بھی تو وار دیکھ لے۔ پس مکر لفظ کے معنے تدبیر ہو حکمت ہو یا مکر۔ کسی انسان کے برے عمل کے موقعہ پر اس کے معاوضہ میں جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہونا تقاضائے انصاف الٰہی ہو۔ اس کے لئے وہی لفظ خدا کی طرف سے اس پر عاید کیا جاویگا۔ جس سے اس کا قابل اعتراض عمل بیان ہوا تھا۔

۱۲۱۔ بُرائی کی بیخ کُنی!

اس قسم کے لوگوں سے خبردار اور محتاط رہنے کے لئے قرآن میں یہ باتیں بڑے تجربے کی لکھی ہیں۔ اور یہ وید کی اس ہدایت کی ہی ذیل میں ہیں جو یجر وید ادھیائے ۱ منتر ۷ میں ہے۔ کہ بُرے لوگوں یا راکششوں کی بیخ کنی کرو۔ جو لوگ دھرم کے یا نیک عمل نہیں کرتے۔ ان کو بھی نیست و نابود کرو۔ کسطرح؟ ایسے سلوک سے کہ بدخصلت۔ بد افعال لوگوں کو ہمیشہ خجالت اور ندامت سے ذلیل ہونا پڑے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمہارے اردگرد راحت بخش کرّہ قائم رہے گا۔ نیتی کار کہتے ہیں۔ بد عمل شخص کا زبان سے بھی آدر نہ کرنا چاہئے۔ اور واقعی اگر جھوٹے چور شرابی۔ کبابی لوگوں یا عبادت الٰہی اور خیرات وغیرہ نیک عملوں سے غافل انسانوں کو سوسائٹی میں ذلت نصیب ہو۔ اور راجہ و برادری کے ڈنڈ سے انہیں ہر وقت اپنے کئے پر پچھتانے کا خیال ہو۔ تو کل سوسائٹی تمام خطرات سے محفوظ۔ راحت سے محفوظ اور دولت امن سے مالا مال ہو سکتی ہے۔ علمی اخلاقی روحانی ہر قسم کی ترقی محض ان برائیوں کی بیخ کنی سے ہو سکتی ہے۔ اگرچہ راجہ خاص صورتوں میں پھانسی کی سزا سے بُرے انسان کے وجود کو ہی مٹاتا ہے۔ تاہم یہ اسی حالت میں ہے۔ کہ اس کے سدھار سے مایوسی ہو۔ ورنہ قید۔ تنبیہ۔ جرمانہ۔ اظہار نفرت سب بد انسانوں کو پچھتانے اور توبہ کرنے پر ہی مائل کرتی ہیں۔ خاص کر عالم لوگوں کا وعظ نہایت مؤثر اور زوردار الفاظ میں ان کے دلوں کو چونکا دیتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن ایسے لوگوں کو خوف دلاتا ہے۔ کہ نور کی بجائے انہیں تاریکی ملیگی۔ نہ دنیوی اغراض جن پر یہ لٹو ہیں۔ پوری ہونگی نہ راہِ راست ملیگا۔ پس تبلیغ حق سب سے مقدم اور مؤثر ذریعہ ہے۔ جس سے بُرا انسان بھلا بن سکتا۔ یعنی اس کی برائی بھی دور ہوتی ہے۔ اور وہ خود محفوظ ہو جاتا ہے۔

تیسری حالت یہ ہے۔ کہ جیسے تاریکی میں مبتلا لوگوں کو بجلی کی چمک بعض اوقات صحیح رستہ دکھا جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی عقلیں وعظ کو سُن کر انہیں حق کی طرف مائل کرتی ہیں۔ لیکن جیسے بجلی کی چمک نہایت قلیل عرصے تک رہتی ہے۔ اور اس سے مسلسل راستہ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اور چند قدم چل کر پھر تاریکی میں گھرے ہوئے انسان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ جلدی ہی پھر مثل سابق گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چوتھی حالت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ خدا ان کو پہلی قسم کے کافر لوگوں کا سا بنا دے۔ یعنی ان کی سُننے و دیکھنے کی قدرت کو ہی سلب کر دے۔ جہاں یہ ممکن ہے۔ کہ وہ وعظ سے کنارہ کئے رہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ان کی چشم عقل چند چھپا جاوے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ وعظ سے کچھ عارضی فائدہ پا دیں۔ وہاں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ان کی عقلیں پہلی قسم کے کافروں کی سی ہو جاویں۔ اس لئے قرآن نے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے۔ اور بارش کی مثال کو ان پر پورا صادق کر دکھایا ہے۔

۳۵۔ الفاظ غور طلب

آیت نمبر ۲۰ میں لَوْ شَآءَ اللّٰہُ کا لفظ قابل غور ہے۔ قرآن میں شآءَ کا لفظ چاہنے کے معنے میں ہی عموماً لیا جاتا ہے۔ اس پر معترض کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ کہتے ہو۔ کہ اللہ چاہے سو کرے۔ تو اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خدا محض ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح کسی قاعدہ یا قانون کا پابند نہیں۔ اپنی خود رائی سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ انصاف کا پابند نہیں۔ دوسرا لفظ قابل غور شئے ہے۔ اور تیسرا لفظ قدیر۔ خدا کل کاموں یا چیزوں کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مفہوم بعض علماء اسلام یہ لیتے ہیں۔ کہ وہ رُوح اور مادہ کو بھی پیدا کرتا ہے۔ یعنی اس کے قادر مطلق ہونے کی صفت میں رُوح اور مادہ کو پیدا کرنے کا وصف بھی شامل ہے۔ آریہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اگر اس کی قدرت کے مفہوم میں کوئی پابندی نہیں۔ تو کیا خدا خود بھی موت یا عدم کا شکار ہو سکتا ہے۔ جھوٹ بول۔ چوری کر زنا وغیرہ کا مرتکب ہو سکتا یا دوسرا خدا بنا سکتا ہے۔ غرض دلیل یہ ہے۔ کہ اگر اور باتیں اس کے لئے ناممکن مانی جانے پر بھی وہ قادر مطلق ہی مانا جائیگا پس محض اس دلیل پر انحصار رکھنا صحیح نہیں۔

اسی طرح اللہ کے چاہنے کا مطلب بھی غیر قانونی یا بے انصافانہ عمل کا نہیں ہو سکتا۔ خدا کے چاہنے میں محض مناسب موزوں یا انصاف پر مبنی امور ہی آسکتے ہیں۔ خدا جسے چاہے راہِ راست دکھائے۔ جسے چاہے گمراہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو جس قابل ہوتا ہے۔ اسے اس حالت میں بناتا ہے۔ خدا کی خواہش میں جاہل انسانوں کی ناقص خواہشوں کا کچھ تعلق نہیں۔ ان شآءَ اللّٰہ کا تعلق ایک طرف مشیت ایزدی سے ہے۔ اور دوسری طرف انسان متعلقہ کی قابلیت سے بیان القرآن کے صفحہ ۲۳ پر لکھے حسب ذیل الفاظ اس پہلو میں قابل غور ہیں۔

"اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس پر یہ اعتراض آریہ سماج کی طرف سے ہوا ہے۔ کہ پھر وہ اپنے جیسا قادر مطلق خدا بنا سکتا ہے یا نہیں ۲) اپنی ملکیت سے کسی کو خارج کر سکتا ہے یا نہیں ۳) یہ امور اس کی صفات کاملہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ قدرت کا سوال ہی اس بات پر آتا ہے۔ جو اس کی صفات کے خلاف نہ ہو مثلاً اگر کہا جاوے۔ کہ فلاں شخص اتنا امیر ہے۔ کہ وہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پیئے۔ تو یہ ایک احمقانہ سوال ہے۔ کہ کیا وہ غلاظت کھا سکتا ہے یا گندے چیتھڑے پہن سکتا ہے ۴) علاوہ ازیں لفظ شئی کو اختیار کر کے قرآن شریف نے خود بتا دیا۔ کہ اس کی قدرت ان چیزوں پر ہے۔ جو وہ چاہتا ہے۔ یعنی جو اس کی صفات کے

تقاضا کے خلاف نہیں ۔ اور ظاہر ہے ۔ کہ دوسرے قادر مطلق خدا کا ہونا یا اس کی مملکت سے باہر کسی اور ملکیت کا ہونا اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف ہے ۔ اور اسی لئے شئی کا اطلاق ہی اس پر نہیں ہو سکتا ۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ بات ہے ۔ کہ آج سے سینکڑوں سال پیشتر جب ان اعتراضات کا نام نہ تھا ۔ اس وقت بھی قدیر کے معنے ائمہ لغت نے یہی کئے ۔ کہ اس چیز کا کرنے والا جیسے وہ چاہے اور اس اندازے پر جو اقتضائے حکمت کے مطابق ہو ۔ نہ اس سے زیادہ ہو ۔ اور نہ کم پس خود لغت ہی ان اعتراضات کا فیصلہ کرنے کو کافی ہے ۔" اس سے پہلے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے ۔

"قدیر قدرت سے ہے ۔ اور جب یہ انسان کی صفت ہو ۔ تو مراد اس سے ایسی حالت ہے ۔ جس میں انسان کسی چیز کے کرنے کی طاقت رکھتا ہے ۔ اور جب اللہ تعالےٰ کی صفت ہو ۔ تو مراد اس سے ہر قسم کے عجز یا کمزوری کی نفی ہوتی ہے ۔ اور سوائے اللہ تعالےٰ کے قدرت مطلقہ کا لفظ دوسرے پر بولا نہیں جاتا ۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ فلاں امر پر قادر ہے ۔ اور قدیر کے معنی ہیں ۔ الفاعل لما یشاء علی قدر ما تقتضی الحکمۃ لا زاید اعلیہ ولا ناقصا عنہ یعنی کرنیوالا اس کا جیسے وہ چاہے اس اندازے پر جو حکمت کا اقتضا ہے ۔ نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم (رغ)

مولانا صاحب نے ان الفاظ میں ہوبہو آریہ سماج کی دلائل کو نقل ہی نہیں کیا ۔ بلکہ یہ بھی ثبوت پیش کیا ہے ۔ کہ آریہ سماج کی دلائل کو لغت بھی معقول بتاتی ہے ۔ اور وہ خود بھی ۔ ہاں فرق ہے ۔ تو محض یہ کہ مولانا صاحب طرفداری کے جذبہ سے اوپر نہیں اُٹھ سکے ۔ جو قرآن جیسی بے نظیر کتاب کے مفسر کا لازمی فرض تھا ۔ صفات الٰہی کے تقاضے کا اصول مانتے ہوئے بھی اور خلاف صفات الٰہی کو اس کی قدرت کاملہ سے خارج مانتے ہوئے بھی حدوث رُوح و مادہ کے متعلق جب آریہ سماج اس دلیل کو پیش کرتا ہے ۔ اس پر غور نہیں فرماتے ۔

اسی صفحہ پر آپ خدا اور انسان کی صفات کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ کہ ہیں تو انسان میں بھی وہی صفات مگر اللہ تعالےٰ کی صفات اس پر غالب ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی مشیت کو بھی انسان کی مشیت پر غالب بتایا ہے ۔ اور کہا ہے ۔ کہ ہم اگر اللہ تعالےٰ کی مشیت کے ماتحت نہ ہوں ۔ تو ہماری مشیت بھی اس کی مشیت کی طرح کامل ہو گی ۔ اور یہ شرک ہے ۔" کیا ہی بہتر ہو ۔ کہ مولانا صاحب اپنے منطق کا اطلاق انصاف کے ساتھ کریں ۔ جب آپ سمجھتے ہیں ۔ کہ خدا کی قدرت ان چیزوں پر ہے ۔ جو اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف نہ ہوں تو رُوح اور مادہ کو حادث مانتے ہیں آپ غلطی پر کیوں نہیں ۔ کیونکہ غیر حادث خدا کی صفت کا تقاضا یہی ہے ۔ کہ اس کی ملک غیر حادث ہو ۔ ورنہ خدا کا مالک رازق عالم ۔ خالق رحمان ۔ رحیم ۔ رب العالمین ہونا وغیرہ کی کل صفات حادث ہوں گی ۔ کیونکہ رُوح اور مادہ کے حدوث کے بعد ہی ان صفتوں کا اس پر اطلاق ہوسکیگا ۔ رہی لغت ۔ اس کی آپ تاویل ہی غلط کر رہے ہیں ۔ کسی چیز کو مقرر اندازے کے مطابق پیدا کرنا نہ قابل اعتراض ہے ۔ نہ اس امر کا یہاں تعلق ہے ۔ کیونکہ نیستی سے یا بغیر علت کے پیدا کرنا تو کہیں لکھا ہی نہیں ۔ اور پیدا کرنا کے معنے ظاہر کرنا ہے ۔ اس چیز کا جو مردہ یا پوشیدہ ہے ۔ پس لغت اعتراضات کا فیصلہ نہیں کرتی ۔ بلکہ ان کی تائید کرتی ہے ۔ جب آپ خدا اور انسان میں ایک ہی قسم کی صفات مانتے ہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ کی صفات یا مشیت کو انسان کی صفات یا مشیت پر غالب مانتے ہیں ۔ تو رُوح اور مادہ کا غیر حادث ہونا خود بخود ثابت ہے ۔ اس سے صفات بھی یکساں ثابت ہوں گی ۔ اور خدا کی مشیت کا غلبہ بھی ہو گا ۔ حدوث کی صورت میں حدوث سے پہلے خدا کی انسان کی سی صفات اور اس کے غلبۂ مشیت کا عدم محض ہو گا ۔ جو

ماسوا اللہ ہر قسم کے شرک سے بھی بڑا گناہ اور بُری طرح کا دہریہ پن ہے۔ یہ خیال کہ رُوح اور مادہ کی ازلیت ماننے سے یہ دونوں ہستیاں خدا کے برابر ہوں گی۔ اور شرک کا نقص عائد ہو گا۔ بالکل غلط ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ رُوح اور مادہ حادث ہونے کی صُورت میں بھی اس وقت موجود ہیں۔ اور خدا بھی موجود ہے۔ اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ بہ طور امر واقعہ مانتے ہیں۔ کہ تینوں اس وقت ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی قسم کے جہانوں میں موجود ہیں۔ اور ہستی کی صفت کے لحاظ سے تینوں کامل طور پر یکساں ہیں۔ اچھا تو جب تینوں کی موجودگی میں بھی آپ علے الاعلان خدا کو لاشریک مان رہے ہیں۔ تو آپ کے موہومہ حدوث سے قبل بھی اگر تینوں ہستیاں موجود ہوں۔ تو خدا کس وجہ سے اس وقت لاشریک نہیں رہیگا۔

سوامی دیانند جی ستیارتھ پرکاش میں آپ سے پہلے سروشکتیمان یا قادر مطلق کا مطلب یہ واضح کر گئے ہیں۔ کہ "ایشور اپنے کام یعنی پیدائش پرورش فنا وغیرہ کرنے اور تمام جیووں کے پُن پاپ کے متعلق آئین کو واجب طور پر چلاتے ہیں کسی کی ذرہ بھی امداد نہیں لیتا۔ اس کے بعد اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ کہ ایشور چاہے سو کرے۔ آپ سوال کرتے ہیں۔" کیا یہ ایشور اپنے آپ کو مار سکتا ہے۔ بہت سے ایشور بنا سکتا ہے۔ خود بے علم ہو سکتا ہے چوری۔ بدکاری وغیرہ پاپ کے کرم کر سکتا ہے۔ اور دکھی بھی ہو سکتا ہے؟ یہ کام اگر ایشور کے صفات فعل اور عادات کے خلاف ہیں۔ تو تمہارا یہ قول کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا"

ہم پھر کہتے ہیں۔ کہ بیان القرآن والا اقتباس محض یہ ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کہ سوامی جی کے الفاظ کا ہی اعادہ کیا گیا۔ اور لغت کے حوالے سے فریقین کی باہمی پرانی مطابقت کا پتہ دیا گیا ہے۔ مگر طرفداری کے جذبہ کے زیر اثر الفاظ کے پردہ میں تاویل اُلٹی کر دیگئی ہے۔ ورنہ اگر آپ رُوح اور مادہ کو پیدا کرنے والا خدا کو مانتے ہیں۔ تو اور خداؤں کا پیدا کرنا بھی لازمی بلکہ رُوح اور مادہ سے بھی زیادہ ضروری ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ انسانی رُوح جیسا کم علم اور محدود الفعل و محدود الطاقت رُوح اور بے علم۔ بے حس و حرکت جڑ مادہ کو پیدا کرنے سے خدا کی قدرت کاملہ ظاہر نہیں ہوتی۔ ایسا نتیجہ نکالنا بہت اغلب ہے۔ کامل قدرت کا تقاضا تو یہی ہوتا۔ کہ وہ اپنے جیسے بے شمار کامل خدا بنا دکھاتا!!

جس طرح ملک میں ایک بادشاہ ماننے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ صُوبوں کے حاکم یا وزیر یا رعیت کے اور لوگ کوئی نہیں۔ اور نہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ بادشاہ کے ساتھ دوسرے حاکموں کا وجود ماننے سے بادشاہ کی ہستی کے متعلق کوئی شک یا اس سے بغاوت کا قیام ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح رُوح اور مادہ کا ازل سے ہونا خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ہم قرآن کے کثیر التعداد حوالوں سے ہی قدامت رُوح و مادہ کا صحیح ہونا حصہ اوّل میں ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا قرآن کے خلاف ان وسوسوں کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

۳۶- فیضانِ الٰہی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۲۱

۲۱ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ

بِنَآءً ص وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

۲۲ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ

مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ

۲۳ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ

لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ

۲۴ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا

مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ط وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِیْهَا

۲۵ خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً

فَمَا فَوْقَهَا ج فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا م یُضِلُّ بِهٖ

۲۶ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ط وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۶﴾ الَّذِیْنَ

یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ق وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ

۲۷ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۷﴾

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹﴾

۲۸ ۲۹ رکوع ۳

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو پیدا کیا۔ تاکہ تم متقی ہو۔ ۱۔ (تمہارا رب وہ ہے۔) جس نے تمہارے لئے زمین کا وسیع فرش اور آسمان کو بمنزلہ عمارت بنایا۔ اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے لئے قسم قسم کے پھلوں سے رزق پیدا کیا۔ پس اگر سمجھدار ہو۔ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو یعنی کسی کو اس کا ہمسر نہ بناؤ۔ ۲۔ اور جو سورت ہم نے اپنے بندے پر ظاہر کی ہے۔ اگر تمہیں اس کی صداقت میں شک ہو۔ اور تم صادق ہو۔ تو تم بھی اس جیسی سورت بنا دکھاؤ۔ اور ماسوائے اللہ کے اپنے شاہدوں کو بھی دعوت دے کر دیکھ لو۔ ۳۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو۔ اور یقیناً نہ کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اور جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ ۴۔ اور بشارت ہو ان کو جو حق کو مانتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب اس باغ کے پھلوں کی نعمتیں ملتی ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ آہا یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ اور مشابہت والے بھی ملیں گے۔ اور وہاں ان کے لئے ازواج مطہرہ ہوں گی۔ اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ ۵۔ تحقیق اللہ کو کسی مثال کے بیان کرنے میں عار نہیں۔ خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز کی۔ سو حق کو قبول کرنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ صحیح ہے۔ اور ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ مگر منکر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس مثال کے بیان کرنے کی خدا کو کیا غرض تھی۔ اکثروں کو وہ اس سے گمراہ کرتا ہے۔ اور اکثروں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فاسق ہی ہوتے ہیں۔ ۶۔ یعنی وہ لوگ جو عہدِ الٰہی کو پختہ کرنے کے بعد ان سے انحراف کرتے ہیں۔ اور جس کے جوڑنے اور حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس سے قطع تعلق کر کے دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ۷۔ تم اس خدا سے کس طرح انکار کر سکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ ہونے پر زندہ کیا۔ وہ تمہیں پھر مارے گا۔ پھر جلائے گا۔ حتےٰ کہ تم اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ یعنی اس سے واصل ہو جاؤ۔ ۸۔ وہی خدا ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل کائنات پیدا کی۔ اور زمین سے اوپر کی طرف بھی اسی کا ظہور ہے۔ کہ اس نے سات آسمان آراستہ کر دیئے۔ کیونکہ وہ کل چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ۹۔

۳۷۔ فیضانِ الٰہی اور انسانوں کا فرض

ان آیتوں میں خدا کی مہربانیوں اور بخششوں کا بیان کر کے انسان کو اس قسم کے مقدم فرض کا خیال دلایا ہے۔ کہ وہ خدا

کی عبادت کر کے اپنی زندگی کو کامیاب بنا دے۔ ہمیں خدا نے پیدا کیا۔ جن بزرگوں نے ہمیں پالا۔ اور ہمیں دُنیا میں کسی قابل بنایا۔ ان کا پیدا کنندہ بھی خدا ہے۔ اسی نے بارش برسائی۔ جس سے اَن اناج اور پھل وغیرہ نعمتیں ہیں۔ اور ہمارے جسم بڑھے اور قائم رہے۔ اسی نے انسان کو علم دیا۔ سورۃ فاتحہ یا گائیتری منتر جیسا رموز غیبی کا جامع گور منتر اس سچے پرم گورو کا ہی عطیہ ہے۔ وہ عطیہ جس کی تعلیم کی نظیر سب انسان مل کر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ وہی صراط مستقیم سے منحرف لوگوں کو دکھوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ آئندہ کے لئے وہ اپنے دکھوں کا سامان کرنے اور دوسرے لوگوں کی تکلیف یا گمراہی کا موجب نہ ہوں۔ وہی نیک اور ایماندار لوگوں کو راحتیں اور نعمتیں دیتا ہے۔ قسم قسم کے سچے علوم اصول اور امثلہ جات سے انسانوں کو راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔ وہی زندہ کرتا وہی مارتا وہی نجات دیتا ہے۔ وہی زمین اس کی کل کائنات۔ عالم بالائی اور سات طبقات سماوی کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ لہذا وہی عبادت کا مستحق ہے۔ کوئی اور ہستی اتنا فیض نہیں پہنچا سکتی۔ اتنا کیا سمندر کے مقابلے پر بوند جتنا بھی بھلا نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس کے برابر نہ کوئی ہمارا محافظ ہے نہ مددگار نہ ہماری عبادت کا مستحق۔ لہذا اس معبود حقیقی کی ہی عبادت کرنا جملہ انسانوں کا مقدم فرض ہے۔ قرآن میں جہاں اور کئی مقامات پر بھی خدا کے فیضان کا مؤثر بیان ہے۔ وہاں وید کے انیک منتروں میں بھی یہی کچھ منکشف کیا گیا ہے۔ ہم وہ وید منتر اور آیات جن میں ایک ہی مضمون اس فرض کے متعلق ہے۔ ایک خاص ضمیمہ میں بالمقابل دکھائیں گے۔ یہاں محض ایک مشہور منتر کو پیش کر دینا ہی کافی ہے۔

हिरराय गर्भः सम वर्त्त ताग्रे भूत स्य जातः पतिरेक ग्रासीत ।
सदाधार पृथिवीं द्यामुते मां कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥

رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۲۱۔ منتر ۱

اس میں فرمایا ہے۔ کہ اے انسانو! تم سب کو اس راحت مجسّم خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جو تمام روشن کروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ سب کی پیدائش سے پہلے موجود بالذات و ساری مخلوق غیر مخلوق دنیا کا واحد مالک زمین اور دیو یعنی نظام شمسی یا کرہ سماوی کا پیدا کنندہ اور ان کا قائم رکھنے والا ہے۔ اسی طرح ہر کہیں اسے علم مجسّم انسانوں کی رہنمائی کے لئے الہامی علم کا دینے والا۔ بارش کے ذریعے سے تمام جانداروں کی پرورش کے لئے اَن اناج اور نباتات کو پیدا کرنیوالا۔ اگیانیوں کو آواگون میں بھٹکانے اور دکھ دینے والا اور گیانیوں کو سکھ حتےٰ کہ نجات کے راحت بخش فضا میں پہنچانے والا ہے۔ غرضیکہ آرام تکلیف زندگی موت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا تمام انسان خلوص عقیدت سے اس پرماتما کی عبادت کریں۔

۳۸۔ عبادت الٰہی کا مقصد

انسان جن چیزوں کا چنتن یعنی جن پر غور یا دھیان کرتا رہتا ہے۔ انہی کے اوصاف سے وہ متاثر ہو سکتا ہے۔ صحبت کا اثر ایک عالمگیر اصول ہے۔ نیک صحبت سے اور نیک عادات و افعال میں لگا رہنے سے نیک بنتا اور نیکی میں ترقی کرتے جانا لازمی ہے۔ خدا چونکہ تمام نیک صفات اور افعال حسنہ کا مجسّمہ ہے۔ اس لئے اسی کے اوصاف کا چنتن کرتے سے انسان پر سب سے زیادہ نیک اثرات پڑتے اور انسانیت کا کمال حاصل ہوتا ہے وید میں ایسی دعا مانگی گئی ہے۔ کہ ہے ایشور! تو تیج ہے مجھ میں تیج ڈال۔ تو بل یا طاقت مجسّم ہے۔ مجھ کو طاقت

دے۔ وغیرہ حقیقت یہ ہے۔ کہ انسانی رُوح فطرتی طور پر تمام صفات الٰہی سے محروم ہے۔ لیکن اس میں یہ صلاحیت ہے۔ کہ وہ صحبت کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ مادی اشیاء کے تعلق سے اس میں جہالت یا جڑپنا آتا ہے۔ اور ایشور کی طرف رجوع کرنے سے علم وغیرہ اعلےٰ اوصاف حاصل کرتا ہے۔ یعنی انسان کی بھلی بُری حالت سب عارضی ہے۔ فطرتی نہیں۔ سنگت یا عادت کے بدلنے سے اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اسی لئے وہ انسان مبارک سمجھے جاتے ہیں۔ جو خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اس سے ان پر نیک اوصاف نازل ہوتے ہیں۔ جن سے وہ نیک عمل اور نتیجے میں راحت پاتے ہیں۔ سنسکرت میں ستتی پرارتھنا اور اپاسنا کے الفاظ بڑے پُر مطلب ہیں۔ ستتی سے ایشور کے اوصاف کا بیان کرنا اس لئے ہے۔ کہ اس سے ان اوصاف کی طرف زیادہ سے زیادہ کشش ہمارے اندر ہوتی جاتی ہے۔ اور پرارتھنا کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان کے اندر ان اوصاف کی مانگ بڑھتی ہے۔ ان کے حاصل کرنے کے لئے خواہش پیدا ہو کر کوشش ہوتی ہے۔ اور اپاسنا کے معنے پاس بیٹھنا کے ہیں۔ کہ انسان خدا کے نزدیک ہو جس طرح آگ کی قربت سردی سے محفوظ کرتی ہے۔ اسی طرح خدا کی عبادت دکھوں سے بچاتی ہے۔ اور انسان کو نیک اوصاف کا مالک بناتی ہے۔ اور ان نیک اوصاف والوں کو آریہ یا متقی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن فرماتا ہے کہ خدا کی عبادت کرو۔ تاکہ تم متقی بنو۔ اور فلاح دارین حاصل کر سکو۔

۳۹۔ کھُلا چیلنج

خدا کی خاص الخاص مہربانی یہ ہے۔ کہ اس نے علم انسان کو دیا۔ خدا کا علم نقص سے پاک ہے۔ حضرت محمد صاحب آغاز سے ملے ہوئے الہامی علم کی ہی اشاعت کرتے تھے۔ اور سورۃ فاتحہ کو یا گائیتری منتر کو افضل ترین کلمہ سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد بالکل بجا تھا۔ کہ جیسے کوئی انسان سورج یا چاند نہیں بنا سکتا۔ نہ زمین اسی طرح وہ علم بھی ایجاد نہیں کر سکتا۔ اور نہ علم الٰہی کا یا سورۃ فاتحہ کی تعلیم کا مقابلہ کسی انسانی اختراع سے ہونا ممکن ہے۔ اس پختہ اعتقاد کا ہی نتیجہ وہ چیلنج ہے۔ جو آیت ۲۳ میں دیا گیا ہے۔ مفسرین کا اس کے متعلق باہمی اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ کی یکتائی ظاہر کی گئی ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ شعر موزوں کر دینا معمولی سی بات تھی۔ لونڈیاں تک مختلف مضامین میں ایسے برجستہ اشعار کہہ دیا کرتی تھیں۔ کہ آج اچھے سے اچھا ادیب ان کی مثل نہیں کہہ سکتا۔ ایسے وقت میں ایک ان پڑھ پیغمبر کا پکار پکار کر یہ کہنا۔ کہ اس طرح کی ایک ہی سورۃ بنا یا بنوا لاؤ۔ بڑی وقعت رکھتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے۔ کہ تا قیامت　　ہے۔ لیکن یہ پوزیشن صحیح نہیں۔ نہ حضرت محمد صاحب اس معنے میں امی تھے۔ کہ وہ بالکل بے علم تھے۔ کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اور وہ بڑے ذہین اور تجربہ کار شخص واقع ہوئے تھے۔ نہ زباندانی یا فصاحت کا مقابلہ علم الٰہی کے ماننے والے کے نزدیک وقعت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت اور اصل معانی کا شیدائی ہے۔ نہ کہ بیرونی لفظی غلاف کا۔ نہ کوئی امی شخص خود ایسا یقین کر سکتا ہے۔ کہ واقعی فلاں کلام یا جزو کلام فصاحت کے لحاظ سے بے نظیر ہے نہ وہ اپنے دعوے کی امتیازی پوزیشن کو بمقابلہ اوروں کے محسوس کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اہل عرب علم الٰہی سے منحرف تھے۔ ان کی شعر گوئی بھی بُرے مذاق کی تھی۔ اس لئے سورۃ الشعرا آیت ۲۲۴ میں کہا گیا۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ۔

شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر کہا وہ ہر وادی میں سرگرداں ہیں۔ کیا جھوٹی تعریف جھوٹی مذمت اور کیا مبالغہ آمیز غیر منتقیانہ خیالات۔ جو ان میں سے راہِ راست پر آکر نیک عمل ہو جاویں۔ ان کے علاوہ کیلئے یہ کہا کہ ان ظالموں کو یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ کس کس قالب میں منقلب ہوتے ہیں۔" علم عروض میں زباندانی کا کمال ہے۔ لیکن عرب کے شعرا نے اسے سچائی اور نیکی سے جدا کر دیا تھا۔ اور مذہبی امور کے متعلق وہ طبع آزمائی کرتے ہی نہ تھے۔ جس سے مذہبی تعلیم سے تعلق رکھنے والے کلام فصیح و بلیغ کا مقابلہ شعرا کے لئے ناممکن تھا۔ پس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ مضامین کی لطافت اور خیالات کی رفعت یا علم الٰہی پر مبنی سورۃ فاتحہ کے معانی کا مقابلہ کرنے کو ہی یہ چیلنج مقصود تھا۔ محض زباندانی والی فصاحت و بلاغت سے آنحضرتؐ کو سروکار نہ تھا۔ ان کا دعوےٰ محض اپنی مذہبی تعلیم کے منجانب اللہ اور قدیم دھرم کے مطابق ہونے کا تھا جس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جو حقیقی لاثانی فضیلت آنحضرتؐ عربی قرآن میں سمجھتے تھے۔ وہ آپ نے خود ہی واضح بھی کر دی ہے۔ سورہ یونس آیت ۳۷ میں کہا ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ "یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں۔ کہ خدا کے سوا کوئی اسے بنا سکے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اس کی قدرتی میں موجود قوانین کی تصدیق کرتا ہے۔ اور رب العالمین کی منزہ من الخطا کتاب کی تفصیل ہے۔

پس جو وجہ خود قرآن بالکل صاف طور پر پیش کر رہا ہے۔ اسے چھوڑ کر قرآن کے چیلنجوں کے متعلق مفسرین کا ذاتی خیالات پر مبنی تفصیلوں کو پیش کرنا کسی طرح معقول نہیں ہو سکتا۔

۴۰۔ فَاتَّقُوا النَّارَ

پس آگ سے ڈرو۔ اس آگ کا مفہوم دکھوں کی آگ سے ہے۔ اور اسے قرآن میں جہنم۔ عذابِ عظیم۔ عذابِ الیم۔ نارِ جہنم وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض جگہ ہمیشہ جلتا رہے۔ اور پینے کو کھولتا پانی ملنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ لیکن ہر طرز بیان سے مقصود دکھوں کا ملنا ہے۔ اور سارے بیان موجودہ ویدک دھرمیوں کے نرک کے بیان کی طرح ہیں۔ جس کا خاکہ ان لوگوں نے نہایت خوفناک تصویروں میں کھینچا ہے۔ گرز مارے جا رہے ہیں۔ آروں سے چیرے جا رہے ہیں۔ آگ میں جل رہے ہیں۔ پیاس سے زبان باہر لٹک رہی ہے۔ وغیرہ۔ یہ سب کچھ اس ہدایت کے لئے مقصود ہے کہ انسان دھرم یا سچائی سے منحرف نہ ہوں۔ گناہ کے بدلے خوفناک سزا کا نظارہ عام لوگوں کو بدی کرنے سے روکتا ہے۔ آنریبل سر سید احمد صاحب بھی جہنم کے متعلق کل بیانات قرآن کا مفہوم دکھ یا رنج سے ہی لیتے ہیں۔ اور واقعی یہی صحیح ہے۔ چونکہ آیت ۲۴ میں اس آگ کا پتہ دیا ہے۔ کہ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مراد دکھوں سے ہے۔ کیونکہ مادی آگ جو جلتی ہے۔ اس میں لکڑی کا ایندھن ہوتا ہے۔ انسانی جسم کا نہیں۔ موت کے بعد اگر جسم جلایا جاتا ہے۔ تو وہ ایندھن والی آگ سے جلایا جاتا ہے۔ خود بطور ایندھن انسانی جسم جلے۔ ایسی ضرورت کبھی پیش نہیں آسکتی۔ نہ ایسا ہوتا ہے۔ پس جس طرح یہ کہا جاتا ہے۔ کہ غم انسان کا گوشت کھاتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا ہے۔ کہ بد انسان اس (دکھوں والی) آگ میں جلائے جاتے ہیں جس کا ایندھن آدمی ہیں۔ ساتھ ہی ہے لفظ پتھر کا۔ پتھر کا کوئلہ تو ایندھن کا کام دیتا ہے۔ پتھر نہیں۔ اور انسانوں کے ساتھ پتھر کا ذکر آنے سے عیاں ہے۔ کہ مراد ایسے لوگوں سے ہے۔ جو بڑے پتھروں سے تشبیہ پاتے ہیں۔ یعنی مشہور طاقتور لوگ یا بڑے سنگدل لوگ

جو بڑے کاموں کی وجہ سے قادر مطلق خدا کے قانون سے سزا پاتے ہیں۔ ویدک طریق پر نار کو پتھر جیسے مضبوط لوگوں کو جلانے والا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ گیان یا تپ کی آگ سے بڑے بڑے پختہ بُرے خیالات بھی جل جاتے ہیں۔ پتھر دل بھی سچائی کی آگ سے پگھل جاتے یا نرم ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی سچائی یا گیان کے معنی موز کو ہیں۔ تو چیلنج دینے اور یہ کہنے کے بعد کہ انسان ہرگز ہرگز سارے مل کر بھی ایسی سورت نہیں بنا سکتے فاتقوا النار کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ علم الہی والی آگ پر تقوے کرو۔ وہ سارے تعصبات اور بڑی سے بڑی جہالت کی باتوں کا صفایا کر دے گی۔ کافروں کے لئے یہ آگ مخصوص اس لئے ہے۔ کہ ان کے توہمات باطلہ و خیالات کے لئے محض علم الہی کی آگ ہی کام دے سکتی ہے۔ اگرچہ مطلب دونوں طرح سے اچھا نکلتا ہے۔ تو بھی عام استعمال اس نار لفظ کا دوزخ یعنی دکھوں والی آگ کے معنے میں ہی ہوتا ہے۔

۴۱۔ جنت

آیت ۲۵ میں نیک لوگوں کے لئے جس جنت کا ذکر ہے۔ اس سے مراد دنیا کا سورگ بھی ہے۔ اور روحانی نجات بھی اس کا مفصل بیان حصہ اول باب ہفتم میں آ چکا ہے۔ دیکھنا چاہئے یہ کہنا کہ یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ دنیوی سامان ملنے پر انسان اگر ان کا بُرا استعمال کر کے دُکھ پاتا ہے۔ تو انہی کا اچھا استعمال کر کے سورگ بھی بھوگتا ہے سامان وہی ہے۔ جو نرک یا دوزخ کی مصیبت لا سکتا ہے۔ اور نیک لوگ اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں۔ کہ سچائی نیکی اور علم کی بدولت وہی سامان ہمارے سکھ کا موجب بن گئے ہیں

۴۲۔ متشابہ پھل

متشابہ پھل کا تعلق نجات سے ہے۔ دنیوی سورگ میں جس طرح کی جسمانی راحتیں ملتی ہیں نجات میں اسی قسم کی رُوحانی نعمتیں ملتی ہیں۔ یا یوں کہو۔ کہ جو کام ہم دنیوی زندگی میں حواس وغیرہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ انہی کے مشابہ کام نجات میں رُوح اپنی ذاتی طاقت سے کرتا ہے۔ گو جسمانی اور رُوحانی سکھ مختلف ہیں۔ لیکن سکھ کے لحاظ سے وہ باہم مشابہ ضرور ہیں۔ زبان سے ذائقہ ہم اب لیتے ہیں۔ لیکن نجات میں اسی کے مشابہ لذت رُوح اپنی ذاتی طاقت سے رس روپ ہو کر براہِ راست لیتا ہے۔

۴۳۔ ازواج مطہرہ

عفت اور عصمت کی مجسمہ نیک پاک یا پورے طور پر برہمچریہ پر عمل کرنے کے بعد شادی کرنیوالی عورتیں دُنیا میں بہترین قسم کا سورگ قائم کرتی ہیں۔ اور بدچلن عورت جہنم مجسم ہے۔ بہ قول ؎

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ۔۔۔ ہم دریں عالم است دوزخِ او

پس ازواج مطہرہ کا جنت میں ملنا واقعی صحیح ہے۔ لیکن حالت نجات میں ازدواج مطہرہ نام رُوح کی ذاتی چوبیس قسم کی طاقتوں کا ہے۔ جو رُوح کے ساتھ عالم نجات میں اس کے آنند بھوگنے کا سادھن ہیں۔ ازواج کے معنی لغت میں درحقیقت ساتھی ہی ہیں۔

۴۴۔ تمثیل

سورگ اور نجات کے ساتھ نعمتوں اور عورتوں کا ذکر سُن کر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ بالخصوص نجات میں ازدواج کا لفظ اعتراض کا نشانہ بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن آیت ۲۶ میں واضح کرتا ہے۔ کہ علمی اصول تمثیلوں سے بیان کرنا معقول

ہے۔ مثال خواہ مچھر اور مکھی جیسی حقیر ہستیوں کی ہو۔ نیک لوگ اس سے اصل مفہوم کو سمجھ کر راہ حق پر چلتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ کہ بعض لوگ اُلٹے اور گندے مطلب نکالتے ہیں۔ کیونکہ یہ نتیجہ ان کے اپنے اندرونی گندے خیالات کا ہے۔ مثال کا نہیں۔

۴۵ - فاسق

آیت ۲۶ میں یہ کہا گیا تھا۔ کہ کسی مثال سے بُرا اثر پانے یا گمراہ ہونے والے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو فاسق ہیں۔ اس پر سوال ہُوا۔ کہ فاسق سے یہاں کیا مراد ہے۔ اس کا جواب آیت ۲۷ میں یوں دیا۔ کہ فاسق وہ لوگ ہیں۔ جو عہد الٰہی کے اس روز ازل سے پختہ ہونے پر بھی اس سے انحراف کرتے ہیں یعنی حق سچ جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک مستقل عہد ہے۔ جب سے خدا ہے۔ اور جب سے انسان ہے۔ تب سے ہی اس عہد کا دائمی تعلق ہونا لازمی ہے۔ قرآن میں اور جگہوں میں بھی اس عہد کی طرف اشارہ ہے۔ اور کئی جگہ بہت سے عہدوں کا ذکر ہے۔ جیسے سورۃ آل عمران میں ہے۔ اے حق پرستو! "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ اگرچہ نظرِ عمیق سے قرآن کا مطالعہ کرنے والے ان عہدوں کی حقیقت قرآن سے اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ تاہم صریح اور صاف الفاظ میں ان کا بیان نہیں ہوا۔ اور قرآن کا لہجہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ عہد پہلے سب لوگوں کو معلوم ہیں۔ لہذا اگلی دفعہ میں عہد الٰہی کی توضیح کر کے باقی عہدوں کا حسب موقعہ بیان کیا جائیگا۔

۴۶ - عہد اللہ

قرآن کی طرح بائیبل میں بھی عہد اللہ اور دوسرے عہدوں کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس کی صحیح اور معقول توضیح وہاں بھی صاف الفاظ میں نہیں۔ کہیں ختنہ کو عہد اللہ کہنے کا اشارہ ملتا ہے۔ کہیں کسی اور بات کو۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ حمل کی تکلیف سے رہائی پانے کے لئے ہر روح دُعا مانگتا اور پیدا ہو کر عبادت اور نیکی کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ وہی اس عہد اللہ کا اصل مفہوم ہے۔ لیکن ایسے تمام قیاسات نہ کسی علمی اصول کا نام پا سکتے ہیں۔ نہ ان کو کسی مسلمہ سند کی بناء پر صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ قرآن وید کو ہی کامل الہام مانتا ہے۔ اور اس میں بیان شدہ تمام سچے اصول اُمُّ الْکِتَاب میں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۷ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ "هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ" یعنی قرآن میں جو محکم یا سچے علمی اصولوں کو بیان کرنے والی آیتیں ہیں۔ وہ ام الکتاب کی ہیں۔ یعنی ویدکی۔ چونکہ عہد الٰہی ایک مستقل علمی اصول ہے۔ اس لئے یہ عہد وہی ہونا لازمی ہے۔ جو وید میں مذکور ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہی معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یجر وید ادھیائے ۱ منترہ میں اس عہد کا بیان روز آریوں کے مطالعہ میں اب بھی آتا ہے۔ یہ منتر حسب ذیل ہے۔

अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छकेयं तन्मे राध्यताम्। इदमहमनृतात्
सत्यमुपैमि॥ यजु० १।५।

اے تمام عہدوں (برتوں) کے مالک یا پورا کرنے والے! میں برت (عہد) دھارن کرتا ہوں۔ ایسی عنایت کیجئے۔ کہ میں اسے پورا کر سکوں۔ وہ عہد کیا ہے؟ یہ کہ "میں جھوٹ کو ترک کر کے حق کو قبول کرتا رہونگا"

انسانی سوسائیٹی کی کامیابی کی اصل جان محض اس عہد کا ایفا ہے۔ اور تمام گراوٹوں اور تکلیفوں کا اصل موجب اس عہد کو توڑنا ہے۔ نفاق - فساد اور دکھوں کا ایکدم قلع قمع ہی ہو جائے۔ اگر قبول حق کا خیال انسانی جماعت میں عملی طور پر جاگزین ہو جاوے۔ آیت ۲۷ میں فاسق کا خاصہ یہ بتایا ہے۔ کہ جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتا ہے۔ دید منتر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدا کا حکم ستیہ (حق) سے وصل اختیار کرنا۔ اور انرت (باطل) سے فصل یا جدائی اختیار کرنا ہے۔ ہر سمجھدار شخص جانتا ہے۔ کہ ہر سوسائٹی یا کمپنی کی ممبری اختیار کرتے ہوئے۔ تخت حکومت پر بیٹھتے ہوئے۔ کسی کونسل یا پارلیمنٹ کے متعلق ذمہ داری لیتے ہوئے ہر شخص یا بادشاہ وغیرہ کو اپنے اپنے عہدہ کی نوعیت کے مطابق حلف لینا پڑتا ہے۔ آریہ سماج یا کسی اسلامی انجمن یا کانگرس کے ممبروں کو خاص مقاصد اور قواعد کی پابندی کے لئے فارم پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک قسم کا عہد ہے۔ اور اس کی تعلیم کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے۔ جو مذکورہ بالا منتر میں مذکور اور عہداللہ کے نام سے قرآن میں مرقوم ہے۔ اور یقیناً اس عہد حق کو توڑنے کا فاسقانہ عمل ہی انسانی جماعت کے تمام نقصانوں کا اصل موجب ہے۔

۴۷ - آواگون اور آسنگتا

آیت نمبر ۲۸ میں یہ بتایا گیا۔ کہ ہم پہلے مرے تھے۔ اور خدا نے ہمیں اس موت کے بعد پیدا کیا ہے۔ چونکہ مرتا وہی ہے۔ جو زندہ ہو۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ہم پہلے زندہ تھے۔ خدا نے ہمیں مرنے کے بعد پھر یہ زندگی دی ہے۔ وہ ہمیں پھر مارے گا۔ اور پھر زندہ کریگا۔ حتےٰ کہ ہم اس کی طرف لوٹیں یا نجات پائیں گے۔ اس آیت میں بار بار کے پیدا ہونے یا مرنے کا صاف ذکر کر کے مسئلہ آواگون کی صداقت پر مہر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک خاص اصول اور بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ اس آواگون کے معتقد کا ناستک یا دہریہ ہونا محال بلکہ ناممکن ہے۔ زندگی۔ موت۔ نجات سب کو خدا سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ انسان خود مرنا نہیں چاہتا۔ اور مر کر پیدا ہونا روح کے اپنے بس کی بات نہیں۔ چہ جا کہ نجات پانے پر وہ خود قادر ہو۔ قرآن کا اصول صاف ہے۔ کہ زندگی۔ موت اور نجات جس اعلےٰ طاقت کے اختیار میں ہے۔ اس کو تسلیم نہ کرنا شرط عقل نہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر آواگون اور آسنگتا کا اعتقاد لازم ملزوم ہیں۔ اور آواگون کو نہ ماننے سے خدا پر سچا اعتقاد ہونا محال ہے۔ اسی لئے سوال کیا گیا ہے۔ کہ تم اس ایشور سے کس طرح انکار کر سکتے ہو۔ جو تمہیں وصل الٰہی یا نجات کے حاصل ہونے تک زندہ کرتا و مارتا رہتا ہے۔ یہ وہی اصول ہے۔ جو رگ وید ۱-۲۴-۱ میں اس سوال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ غیر فانی اشیاء میں سے وہ کونسا دیوتا ہے۔ جو ہمیشہ موجود بالذات اور سب کو پیدا یا ظاہر کرنے والا ہے۔ اور ہم کو مکتی کی راحت بھگتوا کر اس دنیا میں پیدا کرنا۔ اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے تو سوال یہ ہے۔ کہ مکتی سے بندہ میں ڈالنے والا کون ہے۔ لیکن دوسرے معنے یہ ہیں۔ کہ موت کے بعد ہمیں زندگی دینے والا کون ہے؟ اس کا جواب اگلے منتر میں بدیں الفاظ دیا گیا ہے۔

अग्नेर्वयं प्रथमस्या मृतानां मना महे चारु देवस्य नाम ।
सनो मह्यं अदित्यै पुनर्दात पितरं च दृशेयं मातरं च ॥

اے لوگو! ہمیں اس تجلی بالذات۔ قدیم۔ ہمیشہ مکت پرماتما کے نام کو پاک سمجھنا چاہئے۔ جو ہمیں مکتی

کا سکھ بھگتوا کر دنیا میں پھر جنم دیتا اور ماں باپ کے درشن کراتا ہے۔ اس منتر کا مدعا محض یہ ہے۔ کہ زندگی موت اور نجات دینے والا وہ پرمیشور ہے۔ یا یہ کہ زندگی اور موت وغیرہ کو دنیا میں دیکھتا ہوا انسان ایشور سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ چونکہ اس کے بعد مضمون آغاز عالم کے انسانوں کی پیدائش کا چلتا ہے۔ اور وید گیان کو دھارن کرنے والے مکتی سے لوٹے ہوئے رشیوں کا۔ اس لئے اس آیت کا رگوید کے منتر کے مدعا کو لے کر پہلے واقعہ ہونا نہایت معنے خیز ہے ؞

۴۸۔ سات آسمان

پیدائش عالم کا بیان مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک طریق یہ ہے۔ کہ کل پیدائش کو ارض و سما کے دو لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے وید میں دیاوا پرتھوی द्यावा पृथिवी کہا ہے۔ جس پر ہم رہتے ہیں۔ وہ زمین مع کل مخلوقات کے اس صورت میں ارض ہے۔ اور زمین کے اوپر کی طرف کل اشیا یا ستاروں حتےٰ کہ کرہ آفتاب تک کو سماء لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق قرآن میں اس کرہ ارض کے متعلق کہا۔ کہ یہ زمین خدا نے بنائی۔ اور اس کے اوپر کی طرف کی تمام پیدا شدہ چیزوں یا کروں کا خالق بھی وہی ہے۔ چنانچہ اس نے سات آسمان آراستہ کئے ہیں۔ بعض لوگ یہ مانتے ہیں۔ کہ یہ آسمان ایک دوسرے سے بہت دور اور مختلف دھاتوں کے مثل چھت کے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن درحقیقت سات کیا ایک بھی آسمان ایسا نہیں۔ جس چیز کو آج عام انسان آسمان کہتے ہیں۔ وہ محض بخارات ہیں۔ جو دور سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور چھت یا خیمہ سا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں پر وہی آسمان بخارات کی صورت میں اڑتے۔ بلکہ پاؤں کی طرف گہری کھڈوں میں منتشر نظر آتے ہیں۔ پس سات آسمان کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

۴۹۔ سات پردھی

اور اس کا پتہ یجر وید پرش سوکت منتر ۱۵ سے چلتا ہے۔

सप्ता स्यासन परि ध्य स्त्रि सप्त समिधा: कृता ॥

یعنی سات پردہی ہیں۔ اور اکیس سمدھا ہیں۔ سمدھا سے کیا مراد ہے۔ اور اکیس سمدھا کون کون سی ہیں۔ ان کا یہاں تعلق نہیں۔ غرض سات پردہی سے ہے۔ اور ان کی توضیح مہرشی دیانند نے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں اس طرح کی ہے۔

" اس عالم میں جس قدر دنیائیں ہیں۔ ان کے گرد سات کرے ہیں۔ پہلے کرہ آب یا سمندر ہے۔ اور اس کے اوپر ترسرینو سے بھری ہوئی ہوا کا کرہ ہے۔ پھر اس کے اوپر بادلوں کی وایو ہے۔ چوتھا کرہ آب باراں کا ہے پانچواں کرہ ایک اور ہوا ہے۔ جو اس سے بھی اوپر ہے۔ چھٹا کرہ نہایت لطیف دھننجے ہوا والا کرہ ہے۔ اور سب جگہ محیط سوتر آتما یعنی بجلی کا ساتواں کرہ ہے۔ اس طرح ہر دنیا کے سات سات پردے ہوتے ہیں۔ جن کو پردہی کہتے ہیں۔ انہی سات پردہی کو قرآن میں سات آسمان کہا ہے۔

۵۰۔ سماء

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آسمان محض پردہی کے ہی معنوں میں آتا ہے۔ بلکہ بائیبل اور قرآن میں مختلف موقعوں پر یہ لفظ مختلف معنے رکھتا ہے۔ ارض و سما کہنے پر تو کل مخلوقات کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک زمین اور ایک اس کے اوپر۔ اور اس صورت میں اوپر کی ہوا۔ آکاش۔ ستارے۔ سورج وغیرہ سب سماء لفظ کے اندر ہیں۔ اور جہاں کہیں

تین کا ذکر ہے۔ ارض۔ سماء۔ وَمَا بَیْنَھُمَا یعنی زمین۔ آسمان۔ اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے۔ وہاں وید والے تین لوک مراد ہیں۔ یعنی پرتھوی۔ دیُولوک اور انترکھش۔ اس صورت میں سَمَاءٌ سے مراد دیُو یا سورج وغیرہ نورانی کرّوں والا لوک ہے۔ اور جو کچھ زمین آسمان کے بیچ میں ہے۔ یہ الفاظ انترکھش کے لئے ہیں۔ ایسا ہی کہیں آسمان کا لفظ انترکھش کے لئے آتا ہے۔ جیسے فضا یا آکاش یا خلا بھی کہتے ہیں۔ کہیں یہ لفظ محض اوپر کی جہت کے لئے اور کہیں بادل کے لئے بھی آتا ہے۔ تاہم زیر بحث آیت نمبر ۲۹ میں سات آسمان کا لفظ سات پردہی کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ اور صورت ہوتی۔ تو خالی سماء کا لفظ ہوتا۔ یا تین لوک کے مترادف الفاظ کا۔ اور چونکہ عام خیال ہے۔ کہ آسمان لفظ آس بمعنے چکی اور مان بمعنے مانند سے مرکب ہے۔ اور

۵۱۔ آسمان بمعنے طبقات

چونکہ یہ نظر آنے والی چکی محض چند میلوں کی بلندی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے سات آسمانوں کا تعلق ہر کرّہ کے گرد مانے گئے سات کرّوں یا محیطوں تک ہی ہے۔ اور اسی لئے قرآن میں ان کے لئے طبقات کا لفظ بھی آیا ہے۔

حمائل التفسیر (مولوی ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خانصاحب ایم۔ بی) میں ہمارے اس خیال کی پوری تائید اور وضاحت کی گئی ہے۔ جیساکہ اقتباس ذیل سے واضح ہوگا۔

"سات کے عدد سے طبقات مراد ہیں۔ جیساکہ اور مقام پر ہے۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۶۷/۱۳ سات آسمان از روئے طبقات کے۔ کسی شے کے طبقات کئی طرح پر مقرر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اضافی امر ہے۔ آیات قرآنی میں آسمانوں کی نسبت سات کیفیتوں کا ذکر ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ یہ سات طبقات ان کیفیتوں کے لحاظ سے ہوں یا اور طرح پر۔ واللہ اعلم۔ ذیل میں ہم وہ آیات درج کرتے ہیں جن میں سات طبقات سماوی کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ وہ طبقہ جس میں ہمارا رزق۔ ہمارا مسکن اور دیگر ضروریات کا مخزن ہے۔ جیسے فرمایا ہے وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۵۱/۲۲ یعنی آسمان میں ہی تمہارا رزق اور موعود چیزیں ہیں۔

۲۔ وہ طبقہ جس میں پرندے اڑتے ہیں۔ جیسے فرمایا ہے۔ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ ۱۶/۷۹ کیا پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے۔ جو صفیں باندھے آسمانی فضا میں (پھرتے) ہیں۔

۳۔ وہ طبقہ جس میں اولے بنتے اور کھیتوں اور باغوں کو ویران کردیتے ہیں۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۲/۵۹

۴۔ وہ طبقہ جس سے مینہ آتا ہے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۲/۲۲۔

۵۔ وہ طبقہ جس میں ستارے اور ستارے گرتے ہیں۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۶۷/۵

۶۔ وہ طبقہ جس میں ستارے ہیں۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۱۵/۱۶

۷۔ وہ طبقہ جو ان سب سے اوپر بہشتیوں کی جگہ ہے۔ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۳/۱۳۳"۔

۵۲۔ غیر یقینی رائیں

بیان القرآن صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔ سبع یا سات کو اعداد نامہ میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور لسان العرب میں ہے۔ کہ عرب لوگ سات اور ستر اور سات سو کے اعداد کو کثرت کے موقعہ پر استعمال کرتے ہیں۔ ابن اثیر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور مثال دی ہے۔ کمثل حبتہ انبتت سبع سنابل (۲۶۱) گویا سات خوشوں سے مراد بہت سے خوشے ہیں۔ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ (التوبہ - ۸۰) گویا ستر مرتبہ سے مراد کئی دفعہ ہے۔" اس اقتباس سے آسمانوں کی تعداد کے متعلق اختلاف رائے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن قطع نظر سوال تعداد کے بیان القرآن سے آسمانوں کا طبقات ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور سات طبقات سے یقینی انکار نہیں ثابت نہیں ہوتا۔ صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے۔

" سبع سماوات میں ممکن ہے۔ محض تکثیر مراد ہو۔ یعنی کئی آسمان۔ یوں جو اُوپر کوئی عالم ہم کو نظر آتا ہے۔ ایک تو خود ہمارا نظام شمسی ہے۔ جس میں زمین کے علاوہ سات بڑے سیارے ہیں۔ وہ سب چونکہ زمین کے اُوپر ہم کو نظر آتے ہیں۔ اس لئے بلحاظ ہماری زمین کے وہ سماء ہیں۔ اور ایک جگہ ان کو سبع طرائق (المومنون ۲۳ - ۱۷) یعنی سات رستے بھی کہا ہے۔ اور کل فی فلک یسبحون (یٰسٓ ۳۶ - ۴۰) میں یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ سیارے اپنے اپنے فلک میں گردش بھی کرتے ہیں۔ پس ایک تفسیر سبع سماوات کی ہمارا نظام شمسی بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسری تفسیر کل ستارے جو ہم کو نظر آتے ہیں۔ اب تک سائینس والوں نے ان ستاروں کے جو کھلی آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ سات طبقے لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ کوئی ان میں سے بڑا اور کوئی چھوٹا نظر آتا ہے۔ ممکن ہے آئندہ جب افلاک کا علم اور بڑھ جاوے۔ تو کوئی اور سات تقسیمیں معلوم ہو جاویں"

اس قسم کے اقتباسات کے مقابلے پر ان مفسرین کے عمل کو مدنظر رکھا جاوے۔ جنہوں نے مختلف دھاتوں کے سات آسمان مانے ہیں۔ تو واضح ہوگا۔ کہ سات آسمانوں کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ اور نیز یہ کہ کوئی بھی مفسر کوئی یقینی رائے یا دعوے پیش نہیں کرتا۔ اپنی اپنی معلومات و تخیلات کے مطابق غیر مقررہ سی ممکنات کا اشارہ دے کر آیات کے مفہوم کو مشتبہ سا بنانے کی طرف ہی تفسیروں کا عملی رجحان ہے۔ اس کے مقابلے پر وید منتر میں بیان شدہ سات پردھی کی جگہ قرآن میں سات آسمانوں کا کہا جانا نہایت معقول اور طبقات والا خیال عین موزوں ہے۔ پھر طبقات کے متعلقہ تفاصیل میں فروعی اختلاف کتنا بھی ہو۔ اصل آیت کا لفظ سبع سموات سات پردھی کے لئے استعمال ہونے میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

۵۳۔ ساتواں طبقہ اور جنّت

حمائل التفسیر میں جو ساتویں طبقے کو جنّت لکھا ہے۔ یہ بظاہر کتنا ہی غیر معقول معلوم دے۔ اور ممکن ہے۔ خود مصنف نے بھی دوسروں سے نقل کرتے ہوئے اس کی اصلیت کو نہ سمجھا ہو۔ تاہم وید میں سوُرگ کو دِوی (दिवि) سے منسوب کیا ہے۔ اور دِوی نام ہے۔ تین ازلی ہستیوں والے عالم کا یعنی ایشور جیو اور پرکرتی کا بلا تعلق مخلوق عالم کے چونکہ مادی جسم سوامی دیانند کی بیان کردہ ساتویں پردھی میں بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں روح نجات پا کر بے روک

ٹوک اس بلکہ اس سے بھی اوپر کے لوکوں میں آزادانہ طور پر بچرتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے سوُرگ یا جنّت کا لفظ استعمال ہونے میں چنداں غیر معقولیت ہو نہیں سکتی۔

۵۴۔ آسمان دھوآں ہے

اخیر میں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں کہیں ایسا ذکر نہیں کہ آسمان کسی دھات کے بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ جیسا ہم آسمان کو بخارات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ ویسا ہی سورۃ الدخان آیت ۱۰ میں لکھا ہے۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔ پس انتظار کرو۔ اس وقت کا کہ آسمان صریح دہوآں ہو جاوے۔

حٰم السجدہ آیت ۱۱ میں ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ کہ خدا آسمان میں بھی موجود ہے۔ جو بخارات یا دُہوآں ہے۔

۵۵۔ ایک خاص غلطی

آیت ۲۹ کی تفسیر میں ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ کا ترجمہ عمومًا یہ کیاجاتا ہے۔ کہ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن یہ ہر لحاظ سے غلط اور غیر معقول ہے۔ اول تو ثُمَّ کو ہر کہیں پھر کے معنے میں لینا غلطی ہے۔ اگر اس آیت میں اس کا ترجمہ پھر کیا جاوے۔ اور کل آیت کے مضمون میں سلاست قائم رکھی جاوے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ پہلے خدا نے رُوئے زمین پر جو کچھ ہے۔ انسان کے لئے پیدا کیا۔ اور سب کچھ پیدا کرنے کے بعد اسے آسمانوں کے بنانے کا خیال آیا۔ بہ الفاظ دیگر پہلے انسان بنا۔ اس کے بعد اس کے لئے کل اشیاء ارضی بنیں۔ اور اس کے بعد آسمان بنا۔ پیدائش کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ لطیف حالت سے کثیف حالت میں تبدیلی ہوتی گئی۔ اور تمام پیدائش کے بعد انسان بنا۔ اس لئے آیت ۲۹ کے یہ معنے تمسخر آمیز ہیں۔ نیز منشائے قرآن کے خلاف۔ دوم۔ استوی اِلٰی کے لغوی معنے ہیں۔ کسی چیز کی طرف پہنچنا۔ اپنی ذات سے یا تدبیر سے چونکہ خدا ہر جا موجود ہے۔ اس لئے وہ ہر کہیں ہر وقت پہنچا ہوا مانا جاتا ہے۔ اور ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ کے معنے بھی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ کہ نیز وہ آسمانوں میں بھی موجود یا دیاپک ہے۔ کل بیان اس طرح نہایت معقول بن جاتا ہے۔ کہ کائنات ارضی کو تو خدا نے انسان کے لئے پیدا کیا ہی ہے۔ زمین کے اوپر آسمانوں میں بھی اسی کی موجودگی یا حکمت سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی اس زمین کے متعلقہ سات طبقات اسی خدا نے آراستہ کئے ہیں۔ سورہ انعام آیت ۱۵۴ کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ وہ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ تم پرہیزگار رہو۔ اس کے بعد اگلی آیت کے شروع میں ہے۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ۔ اس کا ترجمہ اگر یہ کیا جاوے۔ کہ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جو نیک لوگوں کے لئے کامل تھی۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ پہلے خدا نے اوروں کو پرہیزگاری کے لئے نصیحت کی۔ اور پیچھے موسیٰ کو کتاب دی۔ ۱؎ یہی نیز کا لفظ ثُمَّ کیلئے اور آسمان میں موجود ہونے کا لفظ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ کے لئے ہم نے استعمال کیا ہے۔ ایسا ہی فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کا ترجمہ کوئی کرتا ہے۔ سات آسمان ہموار بنائے۔ کوئی لکھتا ہے۔ انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا۔ کوئی لکھتا ہے۔ ان کو سات آسمانوں میں درست کیا۔ اس کے علاوہ بیان القرآن میں اور بھی لطف کی بات ہے۔ ترجمہ نواب ؛ لفاظ کا یہ کیا گیا۔ کہ انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا

 ۱؎ جو سراسر نامعقول بات ہے پس ترجمہ یوں ہوگا وہ تمکو نصیحت کرتا ہے کہ پرہیزگار ہو نیز اس نے موسیٰ کو کتاب دی۔

مگر تشریح یا فٹ نوٹ میں لکھ دیا ہے۔ کہ سات اور ستر اور سات سو کثرت کا مفہوم دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ٹھیک سات آسمان نہیں بنائے۔ بہت آسمان بنائے۔ یہ صریحاً اجتماع ضدین ہے۔ یا یقینی رائے کی عدم موجودگی کا ثبوت۔ نیز قرآن کی علمی خوبیوں و کمالات کے تقاضا اور سلاست مضمون کے خلاف ہے۔

۵۶۔ حضرت انسان کی خاطر

آیت ۲۹ میں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ جو کچھ بھی مخلوق روئے زمین پر ہے۔ سب حضرت انسان کے لئے خدا نے پیدا کی ہے۔ خدا خود بے نیاز اور مستغنی ہے۔ اسے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اور روح کو بذاتہ یا فطرتاً مخلوق مادی اشیاء سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مادی جسم کے ساتھ پیدا ہونے پر ہی مخلوق مادی اشیاء سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حیوانات وغیرہ کا مادی خوراک وغیرہ پر گذر اوقات ہوتا ہے۔ لیکن حیوان بھی انسان کی سواری بار برداری یا کھیتی وغیرہ کی ضروریات میں کام دیتے ہیں۔ پس معدنیات نباتات۔ حیوانات سب دراصل انسان کے ہی کام آتے ہیں۔ اور ان کے بجا و بیجا استعمال کے مطابق ہی انسان کو سکھ یا دکھ ملتا ہے۔ یہ جہاں انسان کی بزرگی یا فضیلت کا ہی ثبوت ہے۔ وہاں اس سے بھی بڑھ کر خدا کی فضیلت و برتری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ انسان کے عمل کا خدا کے علم اور حکم وغیرہ سے تعلق ہے۔ قانون الٰہی سے ہی انسان کو سزا جزا ملتی ہے۔ اور علم الٰہی کے تعلق سے ہی اسے حیوانات پر شرف حاصل ہے۔ اسی شرف سے کل مخلوقات عالم اس کے زیر نگین ہیں۔ اور اسی شرف کو مد نظر رکھ کر کہا جاتا ہے۔ کہ ؎

جو کچھ کہ ہے جہاں میں سب انساں کیلئے ہے۔ آراستہ یہ گھر اسی مہماں کیلئے ہے

۵۷۔ شرفِ انسانی

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۲) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (۳) قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

۳۰ ۳۱ ۳۲

فضیلتِ آدم

لَكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا۔ کہ میں دنیا میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا تو دنیا میں اسے خلیفہ بنائے گا۔ جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ اور ہم (کو نہیں جو) تیری حمد کی تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ہم وہ کچھ جانتے ہیں۔ جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ ۱۔ اور خدا نے آدم کو کل چیزوں کے نام بتائے۔ پھر انہیں فرشتوں کے پیش کیا۔ کہ اگر سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ۲۔ انہوں نے کہا۔ تو پاک پروردگار ہے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے جو تو ہمیں بتائے۔ تحقیق تو ہی عالم اور دانا ہے۔ ۳۔ فرمایا۔ اے آدم تو ان کو وہ نام بتا دے۔ اور جب آدم نے وہ نام بتا دیئے۔ فرمایا۔ کیا ہم نے تمہیں نہ کہا تھا۔ کہ آسمان و زمین کے سربستہ رازوں اور تمہارے سب ظاہر و باطن یعنی کثیف و لطیف حالت کو ہم جانتے ہیں۔ ۴۔

۵۸۔ علمی رموز

۱۔ ان آیات میں خدا اور فرشتوں میں ایک خاص مکالمے کا بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مقدم غرض انسانی قالب کو افضل ترین اور انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنا ہے۔

۲۔ شرف انسانی کی وجہ محض یہ بتائی گئی ہے۔ کہ محض انسان ہی خدا سے علم حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ فرشتے نام تمام مخلوق اشیائے کا ہے۔ کیا جاندار اور کیا بے جان۔

۴۔ آدم نام آغاز عالم کے رشیوں کا۔ بلکہ اول پیدا شدہ جملہ انسانوں کا ہے۔ آنریبل سر سید احمد خاں صاحب کا قول ہے۔ کہ "آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے۔ جس کو عوام الناس اور مسجد کے مُلا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے۔ جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے۔ وما المقصود بآدم آدم وحدہ اور خود خدا تعالے نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ پس ثُمَّ کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے۔ اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسان مراد ہے"!!

۵۔ کل اشیا کے نام سکھانے کا جو ذکر ہے۔ اس سے مراد شبد یا علم الفاظ یا زبان ہے۔ جو علم الہی کا ظاہری یا بیرونی خول ہیں۔ یعنی جن میں الہامی علم یا حقیقی معانی محفوظ یا مخفی رہتے ہیں۔ علم کو روح قبول کرتا ہے مگر اس علم کو دوسروں تک پہنچانا تبھی ممکن ہے۔ کہ پہلے بذریعہ الفاظ دوسروں کو اس علم کا اشارہ دیا جائے۔ پس کل نام سکھانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ کامل علم کا اظہار کرنے والا مکمل شبد گیان دیا۔

۶۔ خلیفہ سے مراد ایسی ہستی ہے۔ جو مخلوقات میں خدا سے دوسرے درجے پر فضیلت رکھتا ہو۔

۷۔ چونکہ تمام مادی عنصر اور ان کے مرکبات بھی روشن صفات رکھتے ہیں۔ اور خدا سے پیدا کی گئی کل مخلوق اشیاء خدا اور روح اور مادہ کی تین ازلی علتوں کی روشن صفات کی ہی زبان حال سے تعریف کرتی یا تصدیق کرتی ہیں۔ اس لئے کل مخلوقات علت اور معلول ہر دو صورتوں میں اپنی روشن صفات کی وجہ سے فرشتہ کہاتی ہیں۔ ویدک لٹریچر میں انہیں دیوتا کہا جاتا ہے۔ بوجہ ان کے دویہ گنوں کے۔

۸۔ فرشتوں کا یہ کہنا۔ کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ یہ مراد رکھتا ہے۔ کہ ہر شے پر غور کرنے سے خدا کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت ملتا ہے۔

۹۔ کل مخلوقات میں سے سوائے انسان کے کسی کو خدا نے علم نہ دیا۔ اور ان کی زبان حال سے یہ اعلان قرآن نے کرایا۔ کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جہاں مادی اشیاء علم کے احساس سے بالکل محروم اور حیوانات علم حقیقی کے ویدار یا ادراک کے ناقابل ہیں۔ وہاں انسان اس علم کو قبول کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔

۱۰۔ یہ الفاظ فرشتوں کی زبان سے اور بھی معنے خیز نکلوائے گئے ہیں۔ کہ بغیر تیرے سکھائے ہم کو کوئی علم نہیں آسکتا۔ یہ ہو بہو وہی پوزیشن ہے۔ جو سوامی دیانند نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ کہ آغاز عالم میں خدا سے الہامی علم ملے بغیر انسانوں میں علم کا سلسلہ چلنا ناممکن ہوتا۔

۱۱۔ انسان کو جو خلافت حاصل ہوئی یا شرف۔ اس کی وجہ محض علم ہے۔ ورنہ نہ انسان حیوانوں سے افضل ہوتا۔ نہ جڑ یا بیجان مخلوق اشیاء سے۔

۱۲۔ وید اور اُپنشد میں اس قسم کے استعارات ہیں۔ کہ ایشور اور اگنی وغیرہ دیوتاؤں کا مکالمہ کرا کر واضح کیا جاتا ہے۔ کہ سوائے ایشوری علم و طاقت کے کوئی دیوتا کچھ نہیں کر سکتا۔ بعض مکالموں میں فضیلت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ جسم میں سب سے زیادہ پروپکاری پران ہے۔ ایسے مکالمے جڑ پدارتھوں کی زبان حال کو سمجھ کر ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی کل مخلوق اشیاء کی زبانِ حال سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ ان میں علم نہیں۔ انسان ہی علم پا سکتا ہے۔ اور اگر ایشور سے اسے علم نہ ملے۔ تو وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہی نکتہ ضرورت الہام کی دلیل ہے۔

۵۹ - ملائکہ

ہم نے اُوپر جو فرشتے کا مفہوم دیا ہے۔ وہ جامع ہے۔ لیکن بعض لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ فرشتے نظر نہ آنے والی نورانی ہستیاں ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ روح لطیف مادہ اور خاص لطیف اشیاء پر ہماری پیش کردہ تشریح کے مطابق بھی نظر نہ آنے والی ہستیوں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس مکالمہ میں یہ صفت قطعاً غیر ضروری ہے نظر آنے والی اشیاء بھی شعائر اللہ ہونے سے روشن یا نورانی ہستیاں ہیں۔ اور جب مقابلہ فرشتوں کا آدم سے ہے۔ جو نظر آنے والی ہستی ہے۔ تو خواہ ظاہری شکل وغیرہ کا ذکر نہیں۔ بلکہ علم کا فرق ہی۔ ہر دو فریق میں تمیز کراتا ہے۔ تو بھی لازمی طور پر یہاں نظر آنے والی ہستیوں کو۔ خواہ وہ مادی اشیاء ہوں۔ خواہ انسان کے علاوہ اور ذیجان۔ فرشتہ ماننا چاہئے۔ اور جب مضمون خلیفہ بنانے کا ہے۔ اور مخلوق اشیاء زیر بحث ہیں۔ تو نظر نہ آنے کی شرط قطعاً غیر متعلق ہے۔

بیان القرآن صفحہ ۴۱ پر یہ پوزیشن لی گئی ہے۔ کہ فرشتے اللہ تعالےٰ کی طرف سے رسُول یعنی وسایط ہیں۔ اس کی دلیل آپ یہ دیتے ہیں۔ کہ دیکھنے کے لئے انسان کے اندر جو قوت ہے۔ اس کے لئے ایک واسطہ روشنی کا ہے۔ جس کے بغیر وہ قوت کام نہیں دے سکتی۔ سننے کی اندرونی قوت کے لئے بھی بیرونی قوت معاون ہے۔ اسی طرح باطنی قوتوں کے لئے باطنی وسایط چاہئیں۔

چنانچہ نیکی کی قوتوں کو محرک کرنے والے ملائکہ ہیں۔ اور بدی کی قوتوں کو جن یا شیطان حرکت دیتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ نیک عالم لوگ بھی ملائکہ ہیں۔ اور ان کی کلام یا صحبت کے فیض سے انسان کے اندر نیکی کے لئے تحریک ہوتی ہے۔ ایسے ہی بُرے لوگ برائی کے محرک ہیں۔ انسان کے اپنے خیال بھی نیکی کی طرف ہی اسے کھینچتے ہیں۔ اور بُرے خیال بدی کی طرف۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا کوئی اور مخصوص اور غیر محسوس ہستیاں علاوہ خدا اور انسانوں کے ہمارے اعمال کی محرک خدا نے مقرر کر رکھی ہیں یا کیا بھلے اور بُرے کاموں میں جو انسان کرتا ہے۔ اس کی اپنی ذمہ واری نہیں جو چونکہ راحت اور رنج کا احساس روح کو ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی اپنی فعل مختاری صاف ظاہر ہے۔ ورنہ ملائکہ اور شیطانوں کو پیدا کرنے اور انہیں انسانوں کے اعمال کی تحریک کی ڈیوٹی پر لگانیوالا خدا خود ذمہ وار ہوتا۔ نہ کہ رُوح۔ یہ امر مسلّم ہے۔ کہ خدا کی طرف سے علم کی روشنی نیکی اور بدی کی تمیز کرنے کے لئے، انسان کو مل رہی ہے۔ اور اس علم سے بے پرواہ انسان گناہ کی طرف مائل رہتا ہے۔ پس فعل مختار انسان کے بھلے اور بُرے عملوں کا انحصار اس کے اپنے علم اور جہالت پر ہے نہ کہ موہومہ ملائکہ اور شیطانوں پر۔ روح کی نیکی کرنے کی قوت کا معاون سچّا علم ہے۔ جیسا کہ اس کی دیکھنے کی قوت کا معاون سورج ہے۔ اگر انسانوں کے خیالات۔ ہادی رسول اور علم الٰہی جیسے روحانی سورج کی موجودگی میں بھی نیک عملوں کے محرک اور ملائکہ مان لئے جاویں۔ تو اس میں نہ کوئی معقولیت ہے۔ اور نہ اس طرح خدا۔ اس کے علم رسول اور پرہیزگاری کی ضرورت رہتی ہے۔ محض ان ملائکہ یا شیطانوں کے رحم پر انسان کا مقدمہ ہوگا۔ جو خود قرآن اور بیان القرآن کے تمام بیانات کے قطعاً خلاف ہے۔

ایک اور دلیل بیان القرآن کی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جہاں دل میں کوئی بات ڈال کر انسان سے کلام کرتا ہے۔ وہاں جبرئیل نام رسول کو بھیج کر بھی کلام پہنچاتا ہے۔ پس اگر یہ محض اندرونی شے ہوتی۔ تو باہر سے یعنی رسول کے ذریعے کلام پہنچانا ناممکن ہوتا۔ بے شک یہ دلیل وزندار ہے۔ لیکن راقم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس سے الٹا موہومہ ملائکہ اور شیاطین کی تکذیب ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نہ جبرئیل رُوح کے اندر سچا علم پہنچاتا ہے۔ نہ کوئی اور۔ رسول یا ہادی لوگ تو محض حقیقی علم یا سچائی کی طرف اپنی کلام سے متوجہ کرتے ہیں۔ جیسے آنکھ کی بیماری کو دور کرنے یا بینائی کو قوت دینے کے لئے سُرمہ ڈالا جاتا ہے۔ رسول کی کلام محض عقل کی کمزوری یا بیماری کو دُور کرتی ہے۔ نہ سُرمہ بنانے والا حکیم سُورج ہے۔ اور نہ رسُول کی کلام کا نام حقیقی علم ہے۔ بلکہ جیسے تندرست آنکھ سُورج سے روشنی پاتی ہے۔ ویسے ہی علم حقیقی کو حاصل کرنے کے لئے روح بمنزلہ آنکھ ہے۔ اور علم مجسم خدا سوُرج۔ قرآن خود فرماتا ہے۔ سورۂ نحل آیت ۲۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

"وہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا یا قابل پاتا ہے۔ ان کے روح میں اپنے علم کو منکشف کرتا ہے"

پس رسول محض اپنی استعداد کے مطابق لوگوں کے اندر دعمل خدایا اس کے علم کے حصول کے لئے اشتیاق پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے اثر کو قبول کرنے والا اور عقل سلیم رکھنے والا انسان خود غور و فکر یا مراقبہ سے حقیقی معانی کا انکشاف پاتا ہے۔ لہذا دلیل زیر بحث حصول علم کے حقیقی مفہوم کو مدنظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ جب علم حقیقی سوائے خدا کے کسی میں ہے ہی نہیں۔ اور اس کا انکشاف سوائے روح کے کسی پر ہوتا ہی نہیں۔ جیسے سورج کی روشنی کو صرف آنکھ ہی قبول کرتی ہے۔ اور پھر جب خدا اور روح کے درمیان کوئی اور شے حایل ہی نہیں۔ تو سچا علم خدا سے براہ راست روح کو ملنا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ویدک رشی تمام جسمانی تعلقات سے اوپر اٹھ کر سماہی میں وید منتروں پر وچار کر کے ان کے حقیقی معانی کا درشن کرتے رہے۔ رسول یا مبلغ کے الفاظ ہینڈ پوسٹ (Hand post) یا ہاتھ بلا ہیں۔ وہ صحیح راستے کی طرف انگلی کرتے ہیں۔ نہ وہ منزل مقصود ہیں۔ نہ خود چلے بغیر انسان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا ملائکہ یا شیاطین کی کوئی موہوم ناقابل دید ہستیاں انسان کے عمل کی محرک نہیں۔ اس کی اپنی علمی یا روحانی قوتیں۔ اس کے اپنے خیال اور علم پر اس کے عملوں کا مدار ہے۔

۱۸۸۔ سر سید صاحب کی بحث

آنریبل سر سید احمد خانصاحب نے اپنی تفسیر میں ملائکہ لفظ پر بڑی طویل بحث کی ہے۔ آپ ملک کے معنے ایلچی یا پیغامچی لکھ کر خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچانے والے کے لئے قرآن میں یہ لفظ مخصوص بتاتے ہیں۔ اور توریت میں عام ایلچی۔ مذہبی۔ پیشوا۔ بادل۔ ہوا اور وبا کے لئے اسے مستعمل کہتے ہیں۔ اس کے بعد عام لوگوں کی جہالت پر مبنی خاص عادت کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

" فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیال ہیں۔ انسان کی یہ ایک طبعی بات ہے۔ کہ جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو۔ جس کو وہ نہیں جانتا۔ تو خواہ مخواہ اس کے دل میں اس مخلوق کے ایک جسمانی جسم متغیر کا جس کے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو۔ خیال جاتا ہے۔ پھر ان کے اوصاف پر خیال کرتے کرتے ان کی ایک صورت جو ان اوصاف کی مقتضی ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں قرار پاتی ہے۔ اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہے۔ کہ میں اس مخلوق کو نہیں جانتا۔ نہ میں نے اس کو کبھی دیکھا ہے۔ اور یوں جاننے لگتا ہے۔ کہ وہ مخلوق ویسی ہے۔ جو میرے خیال میں ہے۔ اور جب وہ خیال لوگوں میں نسل در نسل چلا آتا ہے۔ تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اس میں شک و شبہ مطلق ہے ہی نہیں۔ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے۔ ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ۔ نوری شمع کی مانند باہیں۔ بلور کیسی پنڈلیاں۔ ہیرے کیسے پاؤں۔ ایک خوبصورت انسان کی شکل۔ مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے۔ آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے۔ آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے ان کے پر لگائے ہیں۔ کسی کو شان دار اور کسی کو غصہ ور و غضبناک کسی کو کم شان کا کسی کسی کو صور پھونکتا۔ کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہ برساتا خیال کیا ہے۔ بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے۔ تو ان کے لئے نہ جسم مانا ہے۔ اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور اس لئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور ان کے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قایل ہیں۔ اور ایک وہ کہ ان کے متحیز ہونے کے قایل نہیں "۔

اسی سلسلہ میں آپ بت پرستوں کا عقیدہ نیز مجوسیوں کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ کہ نور کی اولاد فرشتے اور

ظلمت کی اولاد شیطان ہیں۔ حکماء عقول ہی فرشتے ہیں۔ آسمانی فرشتے آسمانوں سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں۔ جس قسم کا ہمارے بدن سے رُوح کا تعلق ہے۔ ان میں سے محض ذات باری میں استغراق کا تعلق رکھنے والے مقربین ہیں۔ ان کے علاوہ زمینی فرشتے ہیں۔ نیک کام کرنے والے فرشتہ کہاتے ہیں۔ اور بد کام کرنے والے شیطان' اس کے بعد یہودیوں اور عرب کے بُت پرستوں کے اعتقاد کا بیان کر کے آپ فرماتے ہیں۔ کہ انسان سے فروتر مخلوق کا سلسلہ ہے۔ تو برتر مخلوق سے انکار کرنے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ مگر یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ ایسی خلقت کے ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں نہ ثبوت' پھر کہا ہے۔ 'قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے۔ ثابت نہیں ہوتا۔ پھر آیات قرآن پیش کر کے لکھا ہے۔ کہ۔

" جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوئے کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ اس کے بعد آپ مختلف اکابر اسلام مثل امام محی الدین ابن عربی - شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالجندی کی تحاریر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں۔

بے شک آنریبل صاحب نے اپنی اس بحث میں کئی توہمات باطلہ کو دُور کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کہ قرآن میں ملائکہ سے مراد محض قوئے ہیں۔ جن سے مخلوقات موجود ہوئی۔ اور جو مخلوقات میں ہیں۔ اگر ایسا مانا جائے تو آدم کا مقابلہ خلافت حاصل کرنے کے لئے اپنے قوائے سے ماننا ہوگا۔ اور چونکہ وہ قوئے اس کے اندر خلیفہ بننے پر بھی شامل رہے۔ اس لئے مقابلے کے اس صورت میں معنے ہی کچھ نہیں رہے ہے۔ پس حقیقت وہی ہے۔ جو ہم نے علمی رموز کے مضمون میں بیان کی ہے۔ کہ آیات زیر بحث میں فرشتہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوق اشیاء کو کہا ہے۔ اس کی مزید توضیح چند حقائق مستقلہ کے مضمون میں ہوگی

۱۱- عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

خدا نے آدم کو کل اسم سکھائے۔ اس کے متعلق سر سیّد صاحب فرماتے ہیں۔ " اسماء کے لفظ کے معنے اکثر مفسرین نے وہ سمجھے ہیں۔ جن کو ہم نام کہتے ہیں۔ جیسے گھوڑا۔ گدھا۔ ٹٹو یا کلو نتھو بدھو۔ مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بیضاوی نے اسماء کی تفسیر میں اس کے اشتقاقی معنے مراد لئے ہیں۔ پس عَلَّمَ اٰدَمَ الاسماء سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے۔ جو در حقیقت اس وقت خارج میں موجود بھی نہ تھیں۔ بلکہ جو قوی اس میں پیدا کئے ہیں۔ اور جن کے سبب اس کا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اس کو اسماء کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ اور جو کہ یہ قوے ایسے تھے۔ جن سے انسان تمام چیزوں محسوسات و معقولات کو جان سکتا ہے۔ اس لئے کلہا کے لفظ سے اس کی تاکید کی ہے۔ جس سے اس بات کا اشارہ ہے۔ کہ تمام چیزوں کے جاننے کا مادہ اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ ان قوائے کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں بڑا دقیقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا۔ جو کچھ وہ جانتا ہے۔ وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں۔ پس عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کہنا بالکل انسان کی فطرت کے مطابق اور اس کے بیان کے نہایت ہی مناسب ہے۔" اس کے بعد تفسیر کشف الاسرار سے آپ علم یا لقوی کا ذکر کر کے آیت کے یہ معنے اخذ کرتے ہیں۔ کہ خدا

تعالیٰ نے انسان میں ایسے قوائے پیدا کئے ہیں جن سے ہر ایک چیز کو سمجھ سکتا ہے۔ اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کرسکتا ہے۔" سرسید صاحب کی پوزیشن کو سمجھ کر اور اس کے مقابلے میں ہمارے بیان کو رکھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کرسکتا ہے کہ۔

سرسیّد صاحب کے الفاظ میں یہاں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ خدا نے وہ شبد گیان یا علمی کلام آدم یا آغازِ عالم کے رشیوں کو دی۔ جو دوسرے انسانوں تک علم پہنچانے کا ذریعہ ہوسکتی تھی۔ چنانچہ سورۃ رحمٰن میں قرآن خود فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ رحمان قرآن کی تعلیم دینے والا ہے۔ وہ انسان کو پیدا کرکے اسے اس کا بیان کرنا سکھاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جب انسان پیدا ہوا۔ خدا نے اسے قرآن (وید) کا علم دیا۔ اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لئے شبد یا الفاظ دیئے۔ انہی شبد گیان یا علم زبان کے لئے اسماء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اگر اسماء کے معنے اتنے وسیع نہ مانے جاویں۔ تو بھی کل چیزوں کے نام خدا سے معلوم ہوئے بغیر انسان خود نام ایجاد نہ کرسکتا تھا۔ کل اسم سکھائے نہ کہ کل چیزوں کے اسم۔ اس سے بھی علم زبان کا ہی مفہوم نکلتا ہے۔ لیکن محض اشیاء کے نام سکھانے سے بھی قوائے علمی ملنے کا مفہوم نہیں نکل سکتا۔ قوائے علمی تو روح کی فطرت میں ہیں۔ جیسے زبان میں ذائقہ کا احساس ہے۔ ویسے ہی روح میں علم کا احساس ہے۔ لیکن جیسے انسانی آنکھ بغیر سورج کی روشنی ملے کچھ دیکھ نہیں سکتی۔ اسی طرح انسانی روح بھی خدا سے علم ملے بغیر کچھ جان نہ سکتا تھا۔ قوائے اس وقت بھی سب کو میسّر ہیں لیکن بغیر تعلیم حاصل کئے کوئی عالم ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ کہنا کہ انسان حقیقت اور ماہیت کو نہیں جان سکتا۔ اس لئے عالی اسم کا لفظ ہی مناسب تھا۔ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کوئی اسم بغیر موسوم کے اور کوئی کلمہ بغیر معنے کے نہیں ہوسکتا۔ اور جہل الفاظ خدا کی قسمان سے بعید ہیں ویدک اصطلاح میں علم کے تین رکن مانے گئے ہیں۔ الفاظ معنی اور تعلقات (شبد ارتھ اور سمبندھ) پس علیم کل خدا کی طرف سے جو اسم سکھائے جائیں۔ وہ بغیر مطلب یا معانی کے نہیں ہوسکتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں۔ کہ انسان حقیقت و ماہیت کو نہیں سمجھتا۔ بلکہ بیرونی حقیقت مثل شکل وغیرہ کا احساس تو آنکھ وغیرہ سے ہر انسان کرتا ہے۔ اور اندرونی باریکیوں کا احساس عقل سے کرتا ہے۔ اور حالت مراقبہ یا خدا کی حضوری میں حقیقت کا بھی جیوں کا تیوں احساس کرتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کہ چیزیں تو خارج میں اس وقت موجود ہی نہ تھیں پس نام بتائے تو کس کے۔ ہم کہتے ہیں۔ چیزیں خارج میں موجود تھیں۔ کل مادی اشیا اور پھر عالم نباتات اور حیوانات بن چکنے کے بعد ہی تو انسان پیدا کیا گیا تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جاوے۔ کہ آدم نے اپنے قواء کی بدولت ہی تمام محسوسات و معقولات کو جانا۔ تو نہ آغاز عالم میں وید کی ضرورت رہ سکتی ہے۔ نہ اب قرآن کی ہمیں افسوس ہے۔ کہ قرآن کے آغاز عالم والے الہام کے اصول کو نہ سمجھنے سے سب نے مغالطہ کھایا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا	۶۲۔ شیطان

۳۴ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑤

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ چنانچہ اس تکبر کرنے کی وجہ سے اس کا کافروں میں شمار رہا۔

۶۳۔ لفظ ابلیس کی اصلیت

ابلیس لفظ درحقیقت رگوید ۱۔۳۳۔۱۲ میں واقعہ شدہ اِلی بش (इलिबिश) کا بگاڑ ہے۔ اِلی بش کے معنے بادل وغیرہ کے ہیں۔ جو سورج کے آگے رکاوٹ بن کر روشنی کو روکتا ہے۔ ایسے ہی نیک کاموں کو کرنے سے انسان کو روکنے والا نفس امارہ یا گمراہ کن انسان بھی الی بش کے معنے میں آتا ہے۔ اور یہی آخری مفہوم اس آیت میں ہے۔ فرشتوں کو آدم کے آگے جھکنے کا حکم جو خدا نے دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ دنیا کی تمام چیزیں انسان کے زیر نگین ہیں۔ اور وہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتا ہے۔ مگر نفس امارہ انسان کے قابو میں نہیں۔ کوئی خاص عالم ہی روحانی طاقت سے اس پر غلبہ پا سکتے ہیں۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ بڑے موذی کو مارا۔ نفس امارہ کو گر مارا۔ نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا۔

۶۴۔ آدم کا جنت سے نکلنا

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ

۳۵ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑥ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ

عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

۳۶ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ⑦ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ

۳۷ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ⑧

اور ہم نے کہا۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ اور اس میں سے جہاں سے چاہو۔ بے تکلف کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جاؤ۔ ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ ۶۔ مگر شیطان نے انہیں بہکایا۔ اور جہاں وہ تھے وہاں سے انہیں نکلوایا۔ اور ہم نے کہا۔ نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمہارے لئے زمین میں ہی مقررہ وقت تک ٹھہرنا اور گزر کرنا ہوگا۔ ۷۔ پس آدم نے اپنے رب سے اس کی کلاموں کی تلقین پائی۔ اور وہ

اس پر پھرا۔ بے شک خدا تواب اور رحیم ہے۔۸۔

۶۵۔ جنت کے متعلق خیالات پریشان

ہم اس سے پہلے واضح کر آئے ہیں۔ کہ جنت سکھ والی حالت یا مقام وغیرہ کا نام ہے جو وید کے لفظ سورگ کا صحیح مفہوم ہے۔ مگر علمائے اسلام میں اس کے متعلق بہت اختلافات اور خام خیال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ایک طرف تو قرآن سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ آغاز کے پیدا شدہ لوگوں کے لئے آدم لفظ ہے۔ لیکن دوسری طرف فرشتوں اور شیطان کا ذکر پڑھا جاتا ہے۔ تو بعض علماء یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ حضرت آدم سے پہلے دنیا میں اور قومیں آباد تھیں۔ ورنہ خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس رائے کی تائید میں قرآن سورۃ ص آیت ۲۶ کو پیش کیا جاتا ہے۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ کہ جیسے داؤد علیہ السلام کی حکومت اور عدالت کے لئے خلافت کا عہدہ ہے۔ ویسے ہی حضرت آدم کے لئے تھا۔ اور چونکہ فرشتوں کو علم نہ تھا۔ اس لئے آدم سے انہوں نے فساد اور خونریزی کو منسوب کیا۔ اور آدم صاحب کی علمی زندگی نے ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ شیطان کے لئے کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ کہنے سے ہی شیطانوں کا ایک بڑا گروہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس خیال میں کچھ وزن نہیں۔ کیونکہ نہ کسی معتبر تاریخ سے ایسی شہادت ملتی ہے۔ نہ اصول سے۔ جس خدا نے آغاز سے آدم تک بغیر خلیفہ کے خود دنیا کو چلایا۔ اس میں آدم کے وقت کیا کمزوری آ گئی تھی۔ کہ وہ انتظام کے لئے آدم کا محتاج ہوا۔

۲۔ مجاہد ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جن سے پہلے یہاں ایک لوگ رہتے تھے۔ جنہیں جن۔ بن۔ طم اور رم کہا جاتا تھا۔ مگر وہ سب ناپید ہو گئے۔ (دیکھو اخبار الدول اور آثار الاول) لیکن اگر آدم صاحب ان کے خلیفہ تھے تو کیوں ہو گیا وہ خدا کے قابو کے نہ رہے تھے۔ یا کیا ان کا انتظام موجودہ کارخانہ عالم سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ ساتھ ہی

۳۔ تفسیر فتح البیان میں ہے۔ "کہ جنوں نے زمین پر فساد برپا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ملائکہ کو بھیجا۔ وہ ان کو پہاڑوں اور سمندروں کی طرف بھگا کر ان کی جگہ آباد ہو گئے" یہ یا تو پارسیوں والے اہرمن کے متعلق بیان کی بازگشت ہے۔ یا مغربی مورخوں کے اس بیان کی کہ آریوں نے آریہ ورت میں آباد ہونے کے لئے اصلی باشندوں کو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھگا دیا۔ ورنہ اگر واقعی ایسے جنوں کو بھگانے والے فرشتے ہوتے۔ تو خدا آدم کو خلیفہ نہ بناتا۔ انہی فرشتوں میں سے کسی کو خلیفہ بناتا۔ اور جب قرآن ان فرشتوں کو چیزوں کے نام تک سے ناواقف قرار دیتا ہے۔ تو ان میں جنگ کے علم اور عمل کو ماننا چہ معنے۔

۴۔ تفسیر سراج المنیر میں ہے۔ کہ جن زمانہ دراز تک دنیا میں آباد رہے۔ پھر ان میں حسد اور بغاوت پھیل کر فساد

ظاہر ہوئے۔ تب اللہ تعالےٰ نے ان پر ایک ملائکہ کا گروہ بھیجا۔ جو جن کہلاتے تھے۔ یہ اس جنت کے پاسبان تھے۔ اس لئے انکا نام جن ہوا۔ ان کا سردار ابلیس تھا۔ لیکن اگر ایسا تھا۔ تو آدم کی ضرورت اور بھی منقطع ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام فرشتے بہشت کے پاسبان اور سردار بھی موجود تھا۔ جب تک واقعات کی بناء پر یہ ثابت نہ ہو۔ کہ ابلیس اور اس کے ماتحت فرشتوں نے خدا سے بغاوت کی۔ اور خدا کو اس کے فرو کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ تب تک آدم کی خلافت وغیرہ کی تدبیر کی بنیاد ہی نہیں پڑتی۔

۵- ایک راوی کا کہنا ہے۔ کہ امام محمد باقر کہتے تھے۔ آدم سے پہلے ہزارہ در ہزار آدم گذر چکے ہیں۔ اگر ویدک منادی پرواہ کے مطابق مانا جاوے۔ کہ ہر پیدائش کے آغاز میں ایسے لوگ ہوئے جنہیں آدم کہا گیا۔ تب تو معقول ہے۔ ورنہ کسی بھی تاریخ کی عدم موجودگی میں ایسا بیان بے معنے ہے۔ ہزار در ہزار کہاں دو چار کا بھی تو کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا۔

۶- فتوحات مکیہ باب حدوث الدنیا میں حضرت شیخ محی الدین عربی فرماتے ہیں۔ میں ایک دفعہ کعبہ کا طواف کرتا تھا۔ کچھ لوگ طواف کرتے ملے۔ ان کی حالت سے معلوم ہوا۔ یہ کوئی روحانی گروہ ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کو کہا۔ آپ کون لوگ ہیں۔ اس نے کہا۔ ہم تیرے پہلے باپ دادوں سے ہیں۔ میں نے کہا۔ تمہیں کتنا عرصہ ہوا۔ کہا قریب پچاس ہزار سال کے۔ میں نے کہا۔ ہمارے اس آدم کو تو اتنے برس نہیں ہوئے۔ اس نے کہا۔ تو کس آدم کی بابت کہتا ہے۔ اس اپنے قریبی آدم کی بابت یا کسی اور آدم کی بابت۔ سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں مجھے ایک حدیث یاد آ گئی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے اس معلوم آدم سے پہلے لاکھ آدم پیدا کئے۔" لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر ہزار در ہزار سے گذر کر لاکھ کی تعداد کا بیان دوسری حدیث کر سکتی ہے۔ تو کروڑ تک کا بیان کوئی اور راوی بھی کر سکتا ہے۔ اور جب ایک اور آدم کا بھی صحیح بیان کہیں نہیں ملتا۔ تو ہزار لاکھ یا کروڑ کی تعداد کا کیا مطلب۔

۷- ایک اور خیال یہ ہے۔ کہ فرشتوں نے جو فساد اور خونریزی کا خیال خلیفہ سے منسوب کیا۔ وہ گذشتہ تجربہ کی بناء پر تھا۔ اور ان کی لاعلمی کا ثبوت جسے انہوں نے خود آیات زیر بحث میں قبول کیا ہے۔ اور خدا نے فرشتوں پر چیزوں کے نام کے متعلق سوال کر کے انہیں لاجواب کیا۔ اور آدم کی زبان سے وہ نام کہلوا دیئے۔ یہ اس لئے تھا کہ آدم کی اصلیت کا سکہ بٹھا کر انہیں آدم کی خلافت منظور کرنے پر مائل کرے۔ لیکن اس صورت میں سوال یہ ہے۔ کہ خدا نے پہلے فساد اور خونریزی کے وقت انتظام کیوں نہ کیا۔ اور کیا علم والے خلیفے سے فساد اور خونریزی رکی۔ قابیل اور ہابیل آدم کے ہی بیٹے ہیں۔ اور ایک بھائی دوسرے کا خون کرتا ہے۔ اور اس کا خون زمین سے پکار رہا ہے۔ تو آدم کو عالم بنانے سے خلافت میں کونسی نئی اصلاح واقعہ ہوئی۔ جو ابلیس کی سرداری میں نہ تھی۔

۸- فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کو بعض لوگ فرشتہ پن کی توہین سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کی رائے میں فرشتے دو قسم کے ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرے عالی مقام کے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ عالی مقام والے آدم کے آگے

ہرگز ہرگز جھک نہ سکتے تھے۔ پس شیطان کا انکار اگر اس کا تکبر سمجھا گیا۔ تو اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ زمینی فرشتہ تھا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر جنت آسمان پر تھا۔ اور خدا نے آدم کو وہیں رکھا تھا۔ تو سجدہ کرنے والے زمینی فرشتے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر زمین پر تھا۔ تو باقی سب فرشتوں کے خلاف شیطان نے کیوں انکار کیا۔ یعنی اس میں آسمانی فرشتوں والا جذبہ پیدا کیسے ہُوا۔

۹۔ کہا جاتا ہے۔ کہ چونکہ آیت قرآن میں یہ ہے۔ کہ میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے وہ جنت زمین پر تھی۔ اور چونکہ اصل بہشت کے اوصاف یہ ہیں۔ کہ وہاں تمام خواہشات کے متعلق ضروریات مہیا ہوں گی۔ وہاں نہ لغو ہوگا۔ نہ جھوٹ نہ دکھ درد نہ رونا۔ اس لئے وہاں سے آدم کی مصیبت یا حکم عدولی کا کیا تعلق۔ لیکن اس صورت میں جہاں وہ نکال کر پہنچایا گیا۔ وہاں باغ نہ تھا۔ یا ہو نہ سکتا تھا۔ اس کا مزید ثبوت کیا۔ اور باغ جنت کی جو خصوصیت خاص درخت کی ہے۔ اس کا پھل جب مصیبت کا موجب ہوا۔ تو وہ جنت کیسے ہوا۔ اور جس نئی جگہ میں اسے رکھا گیا۔ جہاں شجر ممنوعہ تھا ہی نہیں اس کا نام جنت نہ ہو۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

۱۰۔ ممنوعہ درخت کی بابت ایک رائے یہ ہے کہ وہ گیہوں کا تھا۔ اور دوسری یہ کہ انگور کا تھا۔ لیکن اگر گیہوں کا تھا۔ وہ تو اب بھی سب انسان کھاتے ہیں۔ اور اگر انگور کا تھا۔ تو اب بھی ساری دنیا کھا رہی ہے۔ کسی کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ مدارک میں ہے۔ کہ انگور کا درخت ہی سب فتنوں کی جڑ ہے۔ اور جو عداوت اس سورۃ کی ۳۶ آیت میں ہے۔ وہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ انگور کو الشجر اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اپنے نتائج کے لحاظ سے فساد مجسم ہے۔ اور شجر لفظ کے معنے ہی جھگڑے کے ہیں۔ یہ اشارہ انگوری شراب کی طرف ہے۔ جس کا ذکر تک قرآن میں نہیں۔ اور ساتھ ہی شراب انگور کے علاوہ اور چیزوں سے بھی بنتی ہے۔ وہ فساد مجسم کیوں نہیں۔

۱۱۔ جنت سے آدم صاحب کہاں بھیجے گئے۔ اس کا بھی قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تو بھی کہا یہ جاتا ہے۔ کہ وہ ہند یا سراندیپ میں گئے۔ لیکن کہاں ہند اور کہاں سراندیپ کا ٹاپو نہ علاقہ مخصوص نہ مقام کا پتہ۔ غرضیکہ اس قصے کے متعلق تمام تفصیلات غیر مقررہ مہمل غیر معقول اور ان تمام اصولی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ جو ایک عالمگیر مذہب کی شان کے شایاں ہو سکتی ہیں۔ پس یہ اصولی تعلیم سے ناواقف لوگوں کے خیالات اور ان کے توہمات باطلہ کی مظہر ہیں۔ اور اصل حقیقت وہی ہے۔ جو ہم جنت کے مضمون میں داخل کر آئے ہیں۔

۶۶۔ خروج کا صحیح مفہوم

آغاز عالم کی دنیا کو اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اُدیان (باغ) کہا جاتا تھا۔ اسی اُدیان کا بگاڑ یا بدلا ہوا لفظ عدن ہے۔ سب سے اول انسان کی پیدائش تروشٹپ میں ہوئی۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۸ وہار مونیم بھاگ ۵۔ پروفیسر ادکن وائے جے ڈیوس کی رائے) یہی تروشٹپ آج

تبت کہاتا ہے۔ اور امرکوش کانڈ ۱۔ شلوک ۶ میں تروشٹپ کو سورگ سُرلوک وغیرہ کہا ہے۔ اسی کے مطابق آدم کو جنت کا ساکن بتایا گیا ہے۔ اور ایشوری حکم کے مطابق انسانی عمل رہیں یعنی دہرم اور قانون اعتدال کا انسان پابند رہے۔ تو وہ راحت اور سکھ ہی پاتا۔ اور اس کے لئے دنیا سورگ ہی ثابت ہوتی ہے لیکن دہرم کے خلاف عمل یعنی افراط و تفریط کا شکار ہوتے سے انسان ہر طرح کی تکلیفات میں پھنستا ہے۔ اور یہی اس کا جنت سے نکلنا یا خارج ہونا ہے۔ شجر کو سنسکرت میں برکھش کہتے ہیں جس کے مصدری معنے بڑھنے یا پھیلنے یا پھلنے پھولنے کے ہیں۔ چونکہ پرکرتی یا مادہ کا بھی یہ وصف ہے۔ اور اسی سے اس دنیا کے پھیلاؤ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے وید میں اسے بجا طور پر برکھش کہا ہے۔ انسان اپنے فرض سے بے پرواہ ہو کر مادی دُنیا کی آسائشوں کا دلدادہ اور عیاش بن جاتا ہے۔ تو روحانیت وغیرہ نعمتوں سے محروم رہ کر دکھ پاتا ہے۔ اور اس طرح جنت سے نکلنے کا قانون اس پر عائد ہوتا ہے۔ رگوید۔ ۱ - ۲۲ - ۱۶۴ - ۲۰ کا مشہور منتر اس امر کو بالکل صاف کرتا ہے۔

द्वासु पर्णा सयुजा सरवा या समानं बृक्षं परिष स्वजाते ।
तयो रन्यः पिप्पलं स्वा द्वत्य नश्नन्नन्यो अभि चाक शीति ॥

اس میں کل دنیا کی حقیقت اور قانون کرم کو مثل دریا بہ کوزہ بند کیا گیا ہے۔ کہ اس میں دو قابل حصول ہستیاں آتما اور پرماتما ہیں۔ جن کا تعلق پرکرتی روپی برکھش (شجر) سے ہے۔ پرماتما اپنی صنعت کاملہ سے اس سے عجیب و غریب معلول اشیاء پیدا کرتا ہے۔ اور جیو آتما کو جو ان کو بھوگتا ہے۔ سالکھشی ہونے سے فعلوں کی سزا جزا دیتا ہے۔

اس اصول کو مدنظر رکھنے سے سارا قصہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور جنت سے نکلنے کا ارتھ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے پیدا شدہ سامانوں کا غیر مناسب استعمال کر کے جنت نشان عالم کو جہنم بناتا اور دُکھ پاتا ہے۔

۷۔ خاص صداقتیں

انسان کو آغاز عالم میں باغ عالم مثل جنت کے ملتا ہے۔ اور ایشوری حکم کے مطابق وہ اشیائے عالم کا استعمال کرتا اور سکھ سے جیتا ہے یہی جنت ہے۔ اور جب نفس کے زیر اثر مادی سامانوں میں مستغرق ہوتا ہے دکھ پاتا ہے۔ شجر جس کی قربت سے منع کیا ہے۔ پرکرتی یا مادہ نامی شجر ہے۔ قربت کا مفہوم اپاسنا ہے۔ اور پرکرتی کی اپاسنا کا مفہوم دنیوی بھوگوں میں مستغرق ہونا ہے۔ اور یہی تنزل یا جنت سے نکلنا ہے۔ بائبل نے اس اصولی بات کو کچھ تاریخی صورت دی ہے۔ مگر قرآن نے اس کو بہت حد تک اصول کی شکل میں بدل دیا ہے۔ اور مفسر صاحبان قرآن نے پھر اس کو ایک بے سر پیر کے قصے کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ علماء اسلام اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ حمائل التفسیر (ڈاکٹر مولوی محمد عبدالحکیم خاں صاحب) میں ان بیانات کے متعلق صاف طور پر

ہماری پوزیشن کی تائید ہی کی گئی ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "قرآن مجید میں جس قدر مضامین ہیں۔ وہ تمام کے تمام عالمگیر اور مستقل صداقتوں کی تمثیل یا بیان ہیں۔ جن کے نظارے ہر زمانے ہر ملک اور ہر قوم میں مشاہدہ ہو سکتے ہیں۔ کوئی قصہ یا کوئی حکم یا کوئی تمثیل ایسی نہیں۔ جو کسی خاص زمانہ یا خاص ملک یا خاص قوم سے ہی متعلق ہو۔ پھر ہر ایک بیان میں الفاظ اور معانی کے لحاظ سے لاانتہا اسرار بھرے ہوئے ہیں۔ جو ہر ایک طبقہ انسانی کے واسطے دلکشا اور روح افزا ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ قصہ ہے" یہ لکھ کر آپ اس کے مستقل دائمی حقائق کا بیان کرتے ہیں۔

"ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تمام مخلوقات خدمت انسان میں مصروف ہے۔ ہوا اور پانی سے تو انسان کی زندگی ہے۔ زمین اس کے رہنے اور تمام کاروبار کے واسطے ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت پر اس کی ہزارہا ضروریات کا انحصار ہے۔ تمام حیوانات۔ نباتات اور جمادات اس کی دوا یا دیگر ضروریات کے کام آتی ہیں۔ پھر ملائکہ ہیں۔ جو تمام ظاہری مخلوقات کے مبدا اور منتظم ہیں۔ ان کی تمام تدبیریں اور انتظامات بھی انسانوں کی خدمت کے واسطے ہیں۔ اس طرح پر تمام ملائکہ انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا کہ انسان زمین میں خدا کا خلیفہ ہے۔ اور تمام مخلوق اس کو سجدہ کر رہی ہے۔۔۔۔ انسان کے سوائے جب دوسری مخلوق پر سجدہ کا لفظ بولا جائے۔ تو اس کے معنے اطاعت و خدمت ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیات قرآنی سے ظاہر ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۱۳/۱۵ کیونکہ بیجان سیدل اور ہوائی اشیا اور ارواح میں وہ سجدہ ممکن ہی نہیں۔ جو انسان کے واسطے غیر خدا کے لئے ممنوع ہے۔ اور نہ ہم کسی حیوان یا درخت یا ستارہ یا کسی اور شے کو اس طرح کا سجدہ کرتے دیکھتے ہیں۔ الغرض ملائکہ کے سجدہ سے وہ خدمت مراد ہے۔ جس میں وہ ہر وقت انسان کی ضروریات کے واسطے لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ سجدہ تمام ملائکۃ الارض ہر ایک انسان کے واسطے خواہ نیک ہو یا بد ہمیشہ کو اسطے کر رہے ہیں۔ جس کا مشاہدہ ہم خود دن رات کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان نے علم کے زور سے تمام مخلوق کو اپنا مطیع بنا رکھا۔ اور ہر ایک شے سے اپنے اپنے مفید کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بہت سی مخلوقات ظاہری و باطنی ایسی بھی ہیں۔ جو اس کی دشمن اور اس کے دین و دنیا کو خراب کرنے والی ہیں۔ وہ بجائے خدمت و اطاعت کے سرکشی پر مائل رہتی ہیں۔ مثلاً ظاہری دشمنوں میں شراب جوا زنا وغیرہ اور باطنی دشمنوں میں تکبر طمع غضب شہوت وغیرہ ان تمام کا جو محرک اور موید ہے۔ وہ شیطان ہے۔ چنانچہ ابلیس کی سرکشی مخالفت اور اغوا کے نظارے دن رات ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ وہ ہمارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اس کا کام دن رات دلوں میں وسوسہ ڈالنا ہے۔ انسان کے اندر تکبر غضب شہوت اور ضد و عناد کی آگ بھڑکاتا ہے۔ جو خود چھپا رہتا پر ہر قسم کے بدکام کراتا ہے۔ علم کے زور سے انسان تمام چیزوں کا حاکم و بادشاہ ہے۔ اور تمام مفید و غیر مفید باتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ دن رات آرام و آسائش

کے نئے نئے سامان ایجاد کرتا رہتا ہے۔ اپنی زندگی کو ایسے چین اور امن سے گذار سکتا ہے۔ کہ گویا بہشت میں ہے۔ جہاں اس کی تمام مرادیں پوری ہوں۔ کوئی دشمن نہیں ستائے گا۔ کوئی دکھ یا درد یا غم پیش نہیں آئے گا۔ مگر شیطان ایسا اس کے پیچھے پڑا ہے۔ کہ اس کو چین و آرام لینے نہیں دیتا۔ اور ہمیشہ غرور طمع محبت اور شہوت کی بے جا صورتوں میں پھنسا کر جنت سے نکال دیتا ہے۔ جو باتیں انسان کے واسطے ممنوع و مضر ہیں۔ وہی کروا دیتا ہے۔ اور ماشاء اللہ انسان کی عالمگیر حکومت۔ اس کے علمی کمالات۔ اس کے عیش و آرام کے لا انتہا اسباب اس کے ساتھ شیطانی مخالفت و اغوا اس کا ناجائز فعلوں میں پڑ کر جنت سے نکلنا یہ ایسے عام نظارے ہیں۔ جو ہر وقت اور ہر ملک میں ہر ایک انسان کے پیش نظر رہے اور رہیں گے"۔ اس طویل اقتباس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ فرشتے محض ویدک دیوتا ہیں۔ اور آدم کو سجدہ کرنا اشیائے عالم کے انسان کی خدمت اور اس کے فوائد و استعمال کے لئے ہونا ہے۔ اور بہکانے والا ابلیس وہ ہے۔ جو تمام ظاہری و باطنی انسانی کمزوریوں کا محرک و موید ہے۔ یہ سوائے نفس امارہ کے اور کسی کی صفات نہیں۔

۶۸۔ قصہ آدم و شیطان کی اصلیت

۱۔ بائبل کے مختلف مقامات پر غور کرنے سے بھی یہی صداقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس میں شیطان نام کہیں سانپ کا آتا ہے۔ کہیں بادل کا۔ کہیں اژدہا اور کہیں اجگر کا۔ کہیں ابلیس کا۔ لیکن نئے عہد نامہ کے اخیر میں جو مکاشفات کی کتاب ہیں یہ کہدیا ہے۔ کہ یہ اژدہا اجگر بادل ابلیس وغیرہ سب ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ قدیم بیانات کو ترجموں کے نقالیں نے مختلف صورتیں دے رکھی ہیں۔ ورنہ یہ تمام الفاظ ایک ہی اصول سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ وہ اصول رگ وید۔ اشٹک ۱۔ ادھیائے۔ ۲ ورگ ۳۶ میں اندر اور ورتر کے جنگ سے ظاہر کیا ہے۔ اور اس کا مدعا نیکی۔ بدی۔ سوریہ بادل۔ دیواسر وغیرہ ہر سنگرام سے ہے۔ جو کل دنیا میں صدہا شکلوں میں ہر وقت ہو رہا ہے۔ ان منتروں میں اندر نام سورج یا نیک طاقتوں کا ہے۔ اور ورتر بادل یا بری طاقتوں کا۔ سورج کی روشنی کو چھپانے والے میگھ کو آخر سورج چھن بھن کر کے اپنا نور دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اسی طرح بعد بڑی جد و جہد کے راستی کی ناراستی پر فتح ہوتی ہے۔ گناہ اور برائی کی مظہر اہی طاقتوں کو رگوید ۵۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۲۱ میں اہی (अहि) شبد سے ظاہر کیا ہے۔ اور سانپ۔ بادل شیطان سب اہی کے معنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس اہی لفظ کے معنے مختلف جگہوں میں بلا تمیز موقعہ و محل کے مختلف کر دیئے گئے ہیں۔ اور چونکہ اصل بنیاد تمام برائیوں کی من میں ہوتی ہے۔ اس لئے ویدک رشیوں کے نزدیک من اہی ہے۔ کہا گیا ہے अहिमन : (اہر مِنہ) اسی اہرمن (بہ ہائے مکسور) لفظ سے بدل کر اہرمن بہ ہائے مفتوح مروج ہو گیا ہے۔ جو پارسی لوگ شیطان کا نام رکھتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے۔

گر آں دو عارض رخشاں ز فعل یزداں است ۔ ز فعل اہرمن است آں دو زلف چوگاں زن
بدیں دلیل ہے مانوی درست کند کہ خیر ہست ز یزدان و شر ز اہرمن

پس پارسیوں کا یزدان اور اہرمن اور عیسائی مسلمانوں کا خدا اور شیطان درحقیقت دیو اور اسریا بھلائی اور برائی کے مظہر مجسمے ہیں۔ قرآن نے اس اصول کو سورۃ النساء آیت ۷۹ میں بدیں الفاظ ادا کیا ہے۔ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ۔ تجھ کو جو فائدہ پہنچے ۔ وہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ اور جو نقصان پہنچے ۔ وہ تیرے نفس سے ہے ۔ پس صاف ظاہر ہے ۔ کہ قرآن بھی نفس امارہ کا ہی شیطان نام رکھتا ہے ۔

۳ ۔ پارسیوں کی ایک اور کہانی اس امر پر مزید روشنی ڈالتی ہے ۔ اور وہ یہ ہے ۔ کہ یزدان جہان میں رہتا تھا ۔ اس نے ایک بار خیال کیا ۔ کہ مبادا کوئی میری ضد پیدا ہو جاوے ۔ کہ وہ میرا دشمن ہو ۔ اس فکر کرنے سے اہرمن وجود میں آ گیا ۔ بعض کہتے ہیں ۔ کہ اہرمن جہان سے باہر تھا ۔ اس نے سوراخ میں سے جھانکا ۔ یزدان کو جاہ و مرتبہ کے ساتھ دیکھ کر ، سے رشک آیا ۔ اور شر و فساد کرنے لگا ۔ یزدان نے اس کے دفعیہ کے لئے ملائکہ کو پیدا کیا ۔ مگر ان کی مدد سے بھی جنگ میں اہرمن مغلوب نہ ہوا ۔ تو اس شرط پر صلح ہو گئی ۔ کہ اہرمن کچھ عرصہ تک جہان میں رہ کر چلا جاوے ۔ کہتے ہیں ۔ کہ جب اہرمن چلا جاتا ہے ۔ جہان میں نیکی اور شانتی کا راج ہو جاتا ہے ۔ (دیکھو دبستان المذاہب نظر ۱۲ تعلیم اول)

چونکہ جہان کسی مکان کی طرح نہیں ۔ کہ جس میں کھڑکی کے ذریعے جھانکا جا سکے ۔ نہ جہان کے علاوہ کوئی اور جگہ ہو سکتی ہے ۔ کہ اس میں کوئی اور اہرمن نام کی ہستی رہ سکے ۔ اس لئے سوائے خاص استعارہ کے اس کا مطلب ہو نہیں سکتا ۔ چنانچہ حکیم ارجاماسب اس کی یوں تعبیر کرتے ہیں ۔ کہ جہان سے مراد جسم ہے ۔ یزدان سے مراد روح اور اہرمن سے نفس امارہ اندریاں (آنکھ ۔ ناک ۔ کان) وغیرہ سوراخ ہیں ۔ جن کے ذریعے باہر کے کل ذائقہ وغیرہ کے وشے انسان کے اندر داخل ہو کر روح پر حملہ کرتے ہیں ۔ فرشتے نیک اوصاف ہیں و نیک خیال ۔ جن سے انسان بیرونی وشیوں کا شکار نہیں ہوتا ۔ مگر چونکہ یہ جنگ جاری رہتا ہے ۔ اور جسمانی حفاظت کے لئے بیرونی مدد کی ضرورت لازمی ہے ۔ اس لئے من یا وشیوں کا ناش نہیں ہو سکتا ۔ ہاں صلح کا اصول قائم کیا گیا ہے ۔ کہ اشیائے عالم کا خاص پابندی قواعد سے بھوگ کیا جائے ۔ تاکہ اعتدال قائم رہے ۔ اور خرابی نہ ہونے پاوے ۔ کھانا کھاؤ ۔ لیکن لذت کے غلام ہو کر اسے بدہضمی پیچش ہیضہ وغیرہ کا موجب نہ بناؤ ۔ جسم کی حفاظت و پرورش کے لئے ضروری اندازے کا خیال رکھو ۔ پس حقیقت کے لحاظ سے یہ بھی وید کی اس آگیا کی ہی تفسیر ہے ۔ کہ

तेन त्यक्तेन भुंजीथा

ایشور سے جس انداز سے ملتا ہے ۔ بھوگو یا دنیاوی اشیاء کو تیاگ بھاو سے بھوگو ۔ یعنی اشیاء کا مناسب استعمال کرو ۔ ان کے لوبھ یا موہ کے شکار نہ بنو ۔ بہ قول دست با کار و دل با یار ۔ خدا کی کسی چیز کے ہمیں دینے

سے اصل غرض کیا ہے۔ اس کے علم کو سامنے رکھتے ہوئے عملاً اس کا استعمال کرو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ ہم نے جو ظالموں سے بد اعتدالیوں والی تقدیر منسوب کی ہے۔ یہ بالکل بجا ہے۔ کیونکہ ظلم نام ہی قانون سے تجاوز کرنے کا ہے۔ اور قانون محض اعتدال کے قیام کا موجب ہے۔

۴۔ اکثر علماء مختلف طریقوں سے بھی شیطان کو نفس امارہ ہی ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً وقائع نعمت خاں عالی میں ایک نظم میں شیخ کا خواب بیان کیا گیا ہے۔

شیخ در خواب دید شیطان را رہزن دین و دشمن ایمان را۔ الخ

اس خواب میں انہوں نے شیطان کو دیکھا۔ اور اسے اپنا کھلا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کے رخسار پر زور کا طمانچہ رسید کیا۔ جس پر شیخ جی کو جاگ آ گئی۔ اور انہوں نے دیکھا۔ کہ اپنا ہی ہاتھ اپنی ڈاڑھی کو پکڑے ہے۔ اور اپنا ہی رخسارہ اس تھپڑ کی وجہ سے دکھتا ہے۔ اس پر شیخ صاحب کو ہوش آئی۔ اور جنگ با دیو نفس آمدیاد یعنی نفس کے شیطان والی جنگ کا نقشہ یادداشت کے سامنے آ گیا۔

۶۹۔ الہام الٰہی اور اس کی غرض

آیت نمبر ۳۰ میں آ چکا ہے۔ کہ آدم کو خدا نے کل نام سکھائے۔ جس کا صحیح مفہوم ہماری رائے میں یہ ہے۔ کہ الہامی علم کے تا مقام کل کلمات یا زبان کا بھی خدا نے علم دیا۔ اس کے علاوہ مکالمہ کی دوسری آیات میں یہ واضح ہوا ہے۔ کہ خدا سے علم ملے بغیر انسانوں میں سلسلہ تعلیم چلنا ناممکن تھا۔ کیونکہ انسان جب کوئی علم نہ رکھتا تھا۔ وہ زبان ایجاد کرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ نیز یہ کہ سوائے انسان کے علم کو کوئی اور ہستی حاصل نہیں کر سکتی۔ اب آیت نمبر ۳۷ میں کہا ہے۔ کہ آدم نے خدا سے کلام کی تلقین پائی۔ اس سے بھی الہامی علم اور زبان یعنی وید گیان کا آغاز کے لوگوں کو خدا سے ملنا ثابت ہے۔ جو انسان شیطان یعنی نفس وغیرہ کے بہکانے سے مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن ثابت ہوتے ہیں۔ مگر خدا سب کا سچا دوست ان کو تمام دکھوں یا مصیبتوں سے بچانے والا ہے۔ اور اس غرض کی تکمیل کا واحد ذریعہ علم حقیقی یا کلام الٰہی ہے۔ اس سے نہ صرف دکھ کا دفعیہ ہوتا۔ سچا سکھ ملتا ہے۔ خدا سے دعا مانگنا۔ بدی کر کے پچھتانا۔ آئندہ بدی سے بچنے کے لئے ارادہ و کوشش کرنا۔ اور نیک اعمال میں لگنا سب اسی سچے علم کی وجہ سے ہے۔ اس لئے خدا کو غفور یعنی مغفرت یا بخشش کنندہ اور رحیم بھی کہا ہے۔

۷۰۔ کل ناموں کا پتہ

لیکن اگر کل نام سکھانے سے کامل الہامی زبان کا ملنا تسلیم نہ کیا جاوے۔ محض کل چیزوں کے نام کا سکھانا ہی مانا جاوے۔ تو بھی یہ امر الہام کی ہی ذیل میں شامل

ہے۔ جیسا کہ حصہ اول باب سوم میں واضح ہوا ہے۔ یجر وید ادھیائے ۱۸ کے منتروں میں کل اشیا کے نام بھی مذکور ہیں۔ مثال کے لئے پہلے ہی منتر کو لیجئے۔

اس میں واج۔ پرسو۔ پریتی۔ پرستی۔ دہیتی۔ کرتو۔ سور۔ شلوک۔ شرون۔ شرتی۔ جیوتی۔ سوہ نام ہیں۔ اور اسی طرح اگلے منتروں میں سلسلہ وار مختلف نوعیتوں کے نام چلے جاتے ہیں۔ تمام صفات افعال عادات۔ اندرونی و بیرونی قوتیں یا اوزار۔ جملہ قسم کے ان اناج۔ میوہ پھل۔ مادی اشیاء۔ ساتھ ہی جاندار حیوانات چرند پرند درند وغیرہ سب کے نام ہیں۔ اور سب کے استعمال وغیرہ کا بیان بھی وید میں ہے اس پر اور خوبی یہ کہ ہر منتر میں بہت سے نام دے کر اخیر میں यज्ञेन कल्पन्ताम का قانون مدنظر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے یعنی یہ کہ ان اناج پھل علم۔ دولت ان کے حصول کے طریقے۔ نیک استعمال کی کوششیں۔ وسائل۔ انتظام۔ حفاظت۔ قیام۔ دھیان۔ عقل۔ حوصلہ آزادی۔ جلال۔ شلوک۔ کلام۔ سننا سنانا اور جو سنا جاتا ہے۔ (شرتی) اور جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ (راحت وبہبود) سب فیض عام کے کاموں میں استعمال ہوں۔ ایسے ہی جن منتروں سے برائی یا جہالت کے دور ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور جن سے اس برائی کو دور کرنے والی بھلائیوں کا گیان ہوتا ہے۔ وہ تمام انسان کو پھر خدا یا راحت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہی کی طرف کلمات لفظ کا اشارہ ہے۔ اور اس کے معنے سوائے رگ یجو سام اور اتھرو نام کی کلاموں کے اور ہو نہیں سکتے۔

۷۱- وعظ حق کی عظمت!

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠﴾

ہم نے کہا۔ سب اس جنت سے الگ ہو جاؤ۔ ہاں مجھ سے جو ہدایت پہنچے۔ اس پر جو چلیگا۔ اسے نہ خوف ہوگا۔ نہ رنج وغم۔ ۹۔ اور جو کفر اختیار کریں گے۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے۔ وہ دوزخ میں پڑیں گے۔ اور اسی میں رہیں گے۔ ۱۰

۷۲- قدیم رشیوں کا اصول

اس آیت میں ہمیشہ کے لئے انسان کو مستقل قانون بتایا ہے کہ وہ تمام لوگ جو پرکرتی نامی درخت کے پھلوں کے بھید

ہوں گے۔ سُکھ سے محروم رہیں گے۔ وید منتروں میں اسی اصول کا رشیوں کو اُپدیش دیا گیا تھا۔ اور انہوں نے وعظ حق کو اپنی زندگی کا خاص مشن بنایا تھا۔ سانکھیہ درشن کا ایک مشہور سوتر سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں تبلیغ حق کی عظمت واضح کرنے کو نقل کیا ہے۔ (۳-۷۶ و ۸۱)

उपदेश्योपदेष्टृत्वात् तत्सिद्धिः इतरथान्धपरम्परा ॥

یعنی جب اچھے ہادی یا واعظ ہوتے ہیں۔ تبھی ہر طرح کی کامیابیاں ہوتی ہیں۔ اور جب اچھے واعظ اور سامعین نہیں رہتے۔ تب تاریکی کا دور چلتا ہے" لاکھوں کروڑوں انسان اگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو یہ ان مذاہب کے تبلیغی کام کا نتیجہ ہے۔ اور اگر تبلیغ حق پر زور دیا جائے۔ تو تمام کمیاں پوری ہو کر ترقی ہی ترقی کے راستے کھل سکتے ہیں۔ زور بازو یا دولت سے بھی لوگ دنیا میں کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن جس زور سے وعظ حق کے ذریعے تمام لوگ واعظ کے زیر اثر آ اور ہو سکتے ہیں۔ اس زور سے کوئی بھی طاقت دوسروں پر حکومت نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن جنت یا سکھ سے محروم ہوئے انسانوں کو بھی یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ جب میری ہدایت ان کو پہنچے۔ اور وہ اس پر عمل کریں گے۔ تو ان کے دکھ بھی دور ہوں گے۔ اور انہیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے جو وعظ حق سے انکار یا بے پرواہی کریں گے۔ دُکھوں میں مبتلا ہوں گے۔ یوں تو جھوٹے مذاہب بھی کسی نہ کسی طرح اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے اپنے پیرو بڑھاتے دیکھے جاتے ہیں۔ پر اگر سچے مذہب یا دھرم کے لئے تبلیغی طاقت کا پورا استعمال ہو۔ تو کامیابی میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔

۷۳۔ ایک بیش بہا سرمن

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَوۡفُواْ بِعَهۡدِيٓ أُوفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ ۝١ ۴۰ وَءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلۡتُ مُصَدِّقٗا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُونُوٓاْ أَوَّلَ كَافِرِۭ بِهِۦۖ وَلَا تَشۡتَرُواْ بِـَٔايَٰتِي ثَمَنٗا قَلِيلٗا وَإِيَّٰيَ فَٱتَّقُونِ ۝٢ ۴۱ وَلَا تَلۡبِسُواْ ٱلۡحَقَّ بِٱلۡبَٰطِلِ وَتَكۡتُمُواْ ٱلۡحَقَّ وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ۝٣ ۴۲-۴۳ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرۡكَعُواْ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ۝٤ أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ وَأَنتُمۡ تَتۡلُونَ ٱلۡكِتَٰبَ

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۞ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ ۴۴
إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۞ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۞ ۴۵-۴۶ الربع
يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۞ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ ۴۷
نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا
هُمْ يُنْصَرُونَ ۞ ۴۸

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کا چرچا کرو۔ جو میں نے تمہیں عطا کی ہے۔ اور میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ ۱۔ اور جو ہم نازل کرتے ہیں۔ اسے حق مانو۔ یہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ اس کے پہلے منکر تم ہی نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے بدلے ادنےٰ قیمت وصول نہ کرو۔ ہاں میرا ہی تقوےٰ رکھو۔ ۲۔ اور سچ کو جھوٹ سے غلط ملط نہ کرو۔ اور نہ حق بات کو چھپاؤ۔ جیسے تم جانتے ہو۔ ۳۔ اور عبادت کیا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ ۴۔ کیا تم اور لوگوں کو نیکی کی ہدایت دوگے۔ اور خود عمل نہ کروگے۔ اس صورت میں کہ تم کتاب الٰہی کو پڑھتے بھی ہو۔ کیا عقل سے کام نہ لوگے۔ ۵۔ اور صبر اور عبادت کرتے ہوئے مدد مانگا کرو۔ یہ یقیناً بڑا بھاری مشکل امر ہے۔ مگر عجز اور فرمانبرداری کرنے والے لوگوں کے لئے نہیں۔ ۶۔ جن کا اپنے رب کے وصل اور اسی کی طرف رجوع کرنے کا پختہ ارادہ ہے۔ ۷۔ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کا چرچا کرو۔ جو میں نے تمہیں عطا کی ہے۔ تحقیق میں نے ہی تمہیں تمام کائنات میں فضیلت دے رکھی ہے۔ ۱۔ اور اس وقت سے ڈرتے رہو۔ جن میں کوئی شخص کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور جس میں نہ سفارش قبول ہوگی۔ نہ معاوضہ۔ اور نہ مدد پہنچے گی۔ ۲۔

۴۷۔ بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کے ظاہری معنے ہیں۔ اسرائیل کی اولاد۔ بائبل میں بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے۔ قطع نظر اسرائیل کی شخصیت کے یہ لفظ توریت اور انجیل سے پہلے کی انسانی جماعت کے لئے اسی طرح استعمال ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ہندو قوم آریہ جاتی یا منظم قوم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بالخصوص آریہ ستان کی جگہ بنی اسرائیل کا لفظ عین موزوں

تھا۔ کیونکہ اسرائیل لفظ ایشور ایل سے بگڑ کر بنا ہے۔ یہ امر قرین قیاس بلکہ نہایت اغلب ہے۔ ویدک دھرمی لوگ رگوید میں سب سے پہلے جو منتر پڑھتے ہیں۔ اس میں پہلا لفظ ہے "اگنیم ایلے" چونکہ اگنی کا یہاں ایشور ہی مقدم ارتھ ہے۔ اس لئے اگنیم ایلے کی بجائے ایشور ایلے کہہ دینے میں بھی بات وہی رہتی ہے۔ اور ایشور کی ستتی کرنے والے یا ایشور بھگت کو ایشور ایل کہا جائے۔ اور اس سے بگڑ کر اسرائیل کا لفظ مروج ہو جاوے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور اگر معمولی سا بھی غور کیا جائے گا۔ تو واضح ہو جائیگا کہ جن الفاظ کے پیچھے ایل آتا ہے۔ وہ عموماً "اگنیم ایلے" کو مد نظر رکھ کر ہی رائج ہوئے ہیں۔ پارسی میں اگنی کے لئے گبر لفظ آتا ہے۔ اور اس میں اگنیم ایل کی جگہ گبرئیل آتا ہے۔ عربی میں پ چ ژ اور گ میں نہیں۔ اس لئے جہاں دوسری زبان میں گ آتا ہے۔ وہ عربی میں ج سے بدل جاتا ہے۔ انگریزی میں بھی جی کو گ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے جی اور او مل کر گو بولا جاتا ہے۔ عربی میں گناہ کی جگہ جناح کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح گبرئیل کی جگہ جبرئیل ہے۔ اس نکتے کو سامنے رکھ کر ایشور ایل کی جگہ اسرائیل بولا جانا بھی کسی سمجھدار سے ناقابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ پہلی انسانی جماعت کا نام آریہ متفقہ طور پر تمام تاریخوں سے ثابت ہے۔ اور ابراہیم جس کے مت کو بائبل اور قرآن مانتے ہیں۔ آغاز عالم کی ہی برگزیدہ ہستی ہے۔ جسے ہم برہما کہتے ہیں۔ اس لئے اس وقت کی آریہ جاتی کو ایشور بھگت ابراہیم کے تعلق سے بنی اسرائیل کہنا آریہ سنتان کا ہی مطلب دیتا ہے۔

دیگر مفسرین بنی اسرائیل کی عموماً یہ تعبیر کرتے ہیں۔ کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ جو اسرا اور ایل سے مرکب ہے۔ اسرا بمعنے بندہ اور ایل بمعنے اللہ۔ اور یہ حضرت یعقوب کا نام ہے۔ اور اس لئے بنی اسرائیل سے مراد یعقوب کی اولاد یا یہودی لوگ ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کا بندہ یا ایشور بھگت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور جو نعمت الہام کی مذکور ہے۔ اس کا تاریخی تعلق صریحاً آغاز عالم سے ہے۔ تب قرآن میں بنی اسرائیل کے لفظ سے محض وہ آریہ سنتان مراد ہو سکتی ہے جس کا تعلق آغاز عالم کے لوگوں سے ہے۔ نہ یعقوب اور ابراہیم یہودی تھے۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ نہ محض یعقوب کی اولاد کے لئے ہی بنی اسرائیل کا لفظ آ سکتا ہے۔ بلکہ یعقوب خود بنی اسرائیل میں سے تھے۔

۷۵۔ سرمن کی توضیح

آیات بالا میں جو سرمن دیا گیا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے حسب ذیل نکات کار آمد ہوں گے۔

اول۔ آیت ۴۰ میں جس نعمت کا ذکر ہے۔ وہ الہامی علم ہے کیونکہ آیات ماقبل میں انسان کو علم دینے کا ہی مضمون چل رہا ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ کل مخلوقات سے کیا بلحاظ اوصاف اور کیا بلحاظ اعمال وغیرہ اس خلیفۃ رب العالمین یعنی حضرت انسان کو شرف اور امتیازی پوزیشن دینے والا محض الہامی علم ہے۔

دوم۔ اس کا ذکر یا چرچا کرنا جو بنی اسرائیل کا فرض ٹھہرایا ہے۔ یہ محض وید ہی کی ہدایت ہے۔ کہ میری پاک کلام کو ہر انسان تک خواہ وہ کتنا ہی نیچ کیوں نہ ہو۔ پہنچاؤ۔ یا تمام لوگوں کو نیک (آریہ) بناؤ۔

سوم۔ میرے عہد کو پورا کرو کا مطلب یہ ہے۔ کہ سچ کو قبول اور جھوٹ کو ترک کرو۔ جیسا کہ

یجروید ادھیائے ۱۔ منتر ۵ (اگنے برت پتے الخ) کے حوالہ سے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

چہارم۔ اللہ تعالیٰ کا عہد کو پورا کرنا انسان کی کوشش کو کامیاب کرنے کا نام ہے۔

پنجم۔ آیت ۴۱ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب کو جو علم ملا ہے۔ وہ اس الہامی کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلے سے بنی اسرائیل کے پاس ہے۔ بعضوں کا خیال ہے۔ وہ پہلے سے موجود کتاب توریت یا انجیل ہے۔ لیکن ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔ کہ آنحضرت توریت اور انجیل سے پہلے کے مذہب یا ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ پھر اور مقام پر یہ بیان ہے۔ کہ جو کچھ محمد صاحب پر نازل ہوا۔ یا ان سے پہلے انبیاء پر نازل ہوا یعنی توریت انجیل زبور وہ بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے سے الہامی کتاب انسانوں کے پاس ہے۔ پس ان سب کتابوں کے علاوہ محض الہام وید کی طرف ہی اشارہ یہاں دیا گیا ہے۔

ششم۔ یہ کہنا۔ کہ پہلے منکر تم ہی نہ ہو۔ خاص طور پر اہل کتاب سے رسول صاحب کو بڑی توقع ہونے کا ثبوت ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ انہی کے مسلمہ الہام کی اصل حقیقت کی اشاعت ہو۔ اور وہ الٹا اس سے عدم تعاون کریں۔ اس سے زیادہ افسوسناک امر کیا ہوگا۔

ہفتم۔ آیات کے بدلے تھوڑے دام یا ادنیٰ قیمت لینے کی مذمت کرنا اس امر کی شہادت ہے۔ کہ آنحضرت کو ان برہمنوں کے عمل سے سخت نفرت تھی۔ جو روحانی ترقی اور اشاعت حق کے افضل ترین کام کو چھوڑ کر آیت الہی سے ٹکے یا دنیوی دولت کمانے پر لٹو ہو رہے تھے۔

ہشتم۔ آیت ۴۲ میں سچ کو جھوٹ سے غلط ملط نہ کرنے اور سچی بات کا اخفا نہ کرنے کی ہدایت ہے۔ یہ بھی قبول حق و ترک باطل والے عہد کی مزید تائید ہے۔

نہم۔ حق کو ہی ماننے اور حق کو ہی ظاہر کرنے کی ہدایت کے علاوہ آیت ۴۳ میں جو عبادت۔ زکواۃ اور رکوع کی ہدایت ہے۔ اس کا مدعا بھی ویدک یگیہ کے متعلقہ فرائض کو بہ احسن الوجوہ بجا لانا ہے۔

دہم۔ آیت ۴۴ میں اس امر پر زور دیا گیا ہے۔ کہ دوسروں کو سدھارنے کے لئے پہلے انسان کو خود عامل بننا چاہیئے۔ خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت والی بات ٹھیک نہیں۔

یازدہم۔ آیت ۴۴ میں یہ کہنا۔ کہ تمہیں اس لئے خود عمل کئے بغیر اُپدیش کرنا شایاں نہیں۔ کہ تم کتاب الہی پڑھتے ہو۔ یہ نہایت زور سے غیرت دلانے کے لئے ہے۔ واقعی وید کو ماننا اور اسے پڑھنا مگر عمل نہ کرنا اور ٹکوں کی کمائی کو مقدم سمجھنا نہایت قابل اعتراض ہے۔

دوازدہم۔ عقل سے کام نہ لینے کا طعن بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے مخاطب کا خاص فرض سمجھتے ہیں۔ کہ وہ حق پر عمل بھی کرے۔

سیزدہم۔ آیت ۴۵ میں خدا سے دعا مانگنے کا مستحق اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ جو دو شرطوں کو پورا کرے ایک تو صبر سے کام لے۔ یعنی استقلال سے۔ معمولی سی ترغیب کا شکار ہو کر یا کسی مشکل سے گھبرا کر کام کو نہ چھوڑ دے۔ یا معاوضہ کار میں لالچ نہ کرے۔ بلکہ جو نتیجہ ملے۔ اسی پر قناعت اور شکر کرے۔ اور دوسرے خدا کی عبادت میں ناغہ نہ کرے۔ بے صبر۔ جلد باز اور باقاعدہ عبادت نہ کرنے والے لوگ خالی دعا سے کچھ پا نہیں سکتے۔ کیونکہ عبادت الہی کے بغیر عملی کام کی طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے جلد گھبرا

کر کوشش کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

چہاردہم۔ صبر اور عبادت کو بہت مشکل امر کہا ہے۔ مگر بتایا ہے۔ کہ جو لوگ منکسر المزاج یا عاجزانہ خصلت کے مالک ہیں۔ ان کے لئے یہ مشکل نہیں۔ کیونکہ ان کا رجحان کلہم خدا کی طرف ہے۔ اور وہ اس کے وصل کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ہر وقت اپنے سے زبردست طاقت کا خیال رکھنا انسان میں عاجزی پیدا کر کے غرور و تکبر کو دُور کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ گھبراتے نہیں۔ صبر اور عبادت ان کا پختہ شعار ہو جاتا ہے۔

پانزدہم۔ آیت ۴۶ میں بتایا ہے۔ کہ صبر اور عبادت کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں۔ جو سچے دل سے خدا کی طرف پھرنے یا خدا سے ملنے کے خواہاں ہیں۔

شانزدہم۔ آیت ۴۷ میں پھر اُوپر کے سہرمن کا لب لباب پیش کیا ہے۔ کہ بس الہامی علم کو ہی نعمت اعلےٰ سمجھو۔ اور اسی کی قدر و اشاعت کرو۔ کیونکہ شرف انسانی کا واحد موجب یہی ہے۔

ہفتدہم۔ آیت ۴۸ میں نیک بننے کا مول منتر اور بتایا ہے۔ اور وہ ہے موت کا خوف۔ موت کے وقت نہ کسی کی سفارش سے کام چل سکتا ہے۔ نہ معاوضہ یا رشوت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ نہ گھر بار والے یا دنیوی سانھیوں کی مدد پہنچ سکتی ہے۔ یہ سب اس وقت جدا ہوتے ہیں۔ مدد پہنچانے کا تو کہنا ہی کیا۔ ساتھ بھی کوئی جا نہیں سکتا۔ سچائی اور نیکی جو صبر۔ عبادت۔ زکوٰۃ اور اشاعت حق کے متعلق فرض کی تعمیل سے کمائی ہوگی۔ وہی اس وقت ساتھ جا سکے گی۔ یہ ہو بہو وہی بات ہے۔ جو منوادھیائے ۴۔ شلوک ۲۳۵ میں بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے۔

नामुत्र हि सहायार्थं पिता माता च तिष्ठतः।।
नपुत्र दारा न ज्ञाति धर्मस्ति ष्ठति केवलः।।

پرلوک میں نہ ماں نہ باپ نہ بیٹا نہ بیوی نہ کوئی اپنے گوتر والا مددگار ہو سکتا ہے۔ محض دھرم ہی ساتھ جاتا ہے۔ ایسا ہی یہ بھی کہا ہے۔ کہ سب رشتہ دار ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بیوی تو مردہ لاش کے ساتھ دروازہ تک ہی جاتی ہے۔ دوسرے لوگ شمشان تک اور بس۔ ایک شلوک میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ مردہ جسم کو مٹی کے ڈھیلے کی طرح دفنا دینے یا لکڑی کی طرح جلا دینے کے علاوہ رشتہ داروں سے کچھ بن ہی نہیں پڑتا۔ دفنا یا جلا کر بندھو لوگ اُلٹے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ دھرم ہی اس رُوح کے ساتھ جاتا ہے۔

۴۹۔ فرعون کی نظیر

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

۴۹

اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۝۴

اور اس وقت کا خیال کرو۔ کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی۔ جو تمہیں بڑی اذیتیں دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو مارتے اور تمہاری عورتوں (مونث لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش مقصود تھی۔ ۳۔ اور ہم نے تمہارے لئے دریا کی حالت میں فرق کر دیا۔ کہ تم کو تو نجات مل گئی۔ اور فرعون کے لوگ تمہارے دیکھتے دیکھتے غرق ہو گئے۔ ۴۔

۷۷۔ ظلم اور صبر

فرعون کی نظیر ظلم کا مجسمہ ہے۔ جو بنی اسرائیل پر ہوا۔ اور اس ظلم سے بنی اسرائیل کے صبر کا امتحان ہوا۔ ۵۴ آیت میں کہا تھا۔ کہ نیک خصلت اور نرم مزاج لوگوں کے لئے صبر اور عبادت مشکل کام نہیں۔ اسی کا یہ مطلب ہے۔ کہ مغرور اور ظالم لوگوں کے لئے صبر اور عبادت مشکل کام ہے۔ اول الذکر کے لئے بنی اسرائیل اور موخر الذکر کے لئے فرعون کی مثال ہے۔ علاوہ محنت مزدوری اور بیگار کے متعلقہ مظالم کے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دینا اور ان کی بیٹیوں کو مصری لوگوں کے نکاح میں لاکر بنی اسرائیل کا نام و نشان مٹانے کی تدبیر کرنا ظلم کی انتہا تھی۔ اور اس ظلم و غرور سے صبر اور شکر یا نیک باطنی اور فروتنی کی صفات کا صفایا ہونا لازمی تھا۔ یہی وجہ ہوئی۔ کہ فرعون کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے تعاقب میں بے صبری سے کام لیا۔ اور دریا میں غرق ہو گئے۔

۷۸۔ دریا کی حالت میں فرق

آیت ۵۰ کے الفاظ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ کے معنے ایک مفسر صاحب یہ لیتے ہیں۔ کہ تمہارے لئے دریا کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دوسرے صاحب یہ لیتے ہیں۔ کہ ہم نے دریا کو تمہارے سبب سے الگ الگ حصوں میں کر دیا۔ مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ماری۔ اور دریا دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل پانی کی دو دیواروں کے بیچ میں خشک رستے پر گذر گئے۔ اور فرعون کا لشکر جب تعاقب کرتا ہوا درمیان میں پہنچا۔ تو دریا پھر مل گیا۔ اور وہ غرق ہو گئے۔ یہ بات درحقیقت بلا سوچ سمجھے ہر بیان کو صحیح مان لینے والے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ہی اپیل کر سکتی ہے۔ ورنہ لاٹھی کی زد سے دریا کا پانی دو ایسی دیواروں کی شکل میں کھڑا ہو جائے۔ کہ ان کے بیچ میں گذرنے کے لئے سڑک ہو۔ کسی اہل علم و عقل کے لئے قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں تو فرق کا لفظ ہے۔ اور دوسرے موقعہ پر فلق کا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں پھٹنا۔ مگر فرق اور فلق ہر دو کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے۔ لہٰذا مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے گذرنے کے وقت دریا کی جو حالت تھی۔ وہ اس سے مختلف تھی۔ جو فرعون کے لشکر کے گذرنے کے وقت

ہیں تھی۔ یعنی ان کے پار ہونے کے وقت پانی بڑھ گیا تھا۔
جیسا کہ اکثر دفعہ دریاؤں میں واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگ بیان میں معقولیت لانے کے لئے یہ کہتے ہیں۔ کہ فرعون کے لوگ بے صبری اور گھبراہٹ کی وجہ سے محفوظ موقعہ کا پتہ نہ لے سکے۔ اور بنی اسرائیل جس پایاب یا کم گہرے موقعہ سے پار ہوئے۔ اس کی بجائے وہ غیر محفوظ موقعہ میں پھنس گئے۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ جب فرعونی لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا۔ تو ضروری تھا کہ وہ بنی اسرائیل والے راستے پر ہی چلتے۔ اور اس لئے جوار بھاٹے کی وجہ سے پانی کے بڑھ جانے کا ہی خیال صحیح ہے۔ کچھ ہی ہو۔ قرآن محض صبر والوں کی آزمائش اور ظالموں کو سزا ملنے کے لئے اس نظیر کو پیش کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ایک غیبی قانون کی طاقت کا مظاہرہ ہے۔ کرشن کے پیدا ہونے کے وقت جب بندی گرہ سے نکال کر انہیں راتوں رات جمنا پار پہنچایا گیا۔ تو اس وقت کے متعلق بھی کہا جاتا ہے۔ کہ کرشن جی کا پاؤں جمنا کے پانی سے چھوا تو پانی گھٹ گیا۔ بلکہ دریا میں خشک رستہ نکل آیا۔ یہ کرشن جی کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسا دریا کو لاٹھی مار کر ٹکڑے ٹکڑے کرنیکا معجزہ موسیٰ سے منسوب ہوتا ہے۔ لیکن اصل حقیقت سوائے پانی کے بڑھتا گھٹتا رہنے کے کچھ نہیں۔ اور قرآن کا فرق لفظ اسی امر کو ظاہر کرتا ہے۔

آنریبل سر سید احمد صاحب اپنی تفسیر میں اس امر پر مفصل بحث کرتے۔ اور مذکورہ بالا پوزیشن کی ہی تائید کرتے ہیں۔ آپ اس تاویل کی بنیاد ضَرَبَ لفظ سے اٹھاتے ہیں۔ جو اسی واقعہ کے بیان میں اور جگہ استعمال ہوا ہے۔ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ۔ در عام طور پر اس کے یہ معنے لئے جاتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے موسےٰ کو کہا۔ کہ اپنی لاٹھی سے سمندر کو مار۔ چنانچہ انہوں نے لاٹھی ماری اور سمندر پھٹ گیا۔ لیکن سر سید صاحب کا خیال ہے۔ کہ یہ معنے محض اس وجہ سے کئے جاتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں پہلے سے یہ خیال جما ہوا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ کے لاٹھی مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا۔ اور زمین نکل آئی تھی۔ اور لاٹھی کی ضرب سے پتھر میں سے پانی بہہ نکلا تھا۔ پس اس خیال کی وجہ سے اضرب لفظ کے یہ معنے لئے گئے۔ مگر دراصل قرآن میں یہ مفہوم نہیں۔ بلکہ جیسے ضرب فی الارض سے اہل عرب یہ معنے لیتے ہیں۔ کہ زمین پر چلا یا دوڑا۔ ویسے ہی قرآن میں بھی چلنے یا دوڑنے کا ہی مطلب ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (نساء) یعنی جب تم زمین پر چلو۔ تو اس میں کچھ ہرج نہیں۔ اگر تم نماز میں کمی کرو۔ پس اصل مطلب یہ تھا۔ کہ لاٹھی کے سہارے دریا میں چل دو۔ وہ پایاب ہو رہا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں بھی موسیٰ کو یہی ہدایت ہے۔ کہ میرے بندوں کو راتوں رات سمندر میں سوکھے رستے سے لے کر نکل چل۔ سو ایسا ہی ہوا۔ مگر جب دن کے وقت فرعون نے تعاقب کیا۔ تو پانی چڑھ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے :۔

"پس برو برائے ایشاں در راہِ خشک"۔ غرضیکہ جتنا بھی زیادہ معقولیت سے غور کیا جائے گا۔ اتنا ہی یقین ہوتا جائے گا۔ کہ بنی اسرائیل کے گذرنے والا مقام جوار بھاٹے کی وجہ سے رات کو پایاب اور دن کو گہرا ہوا۔

۷۹ ۔ موسیٰ اور اس کی قوم	وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى

۵۱ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۵﴾
۵۲ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶﴾ وَإِذْ اٰتَيْنَا
۵۳ مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۷﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى
لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلٰى
بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ
۵۴ عَلَيْكُمْ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۸﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُؤْمِنَ
۵۵ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۹﴾
۵۶ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ
الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
۵۷ رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱﴾ وَإِذْ قُلْنَا
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيدُ
۵۸ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ
۵۹ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۳﴾ ع
وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَا
شْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١﴾ ۶۰
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ
لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا
مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٢﴾ ۶۱ ع ۷

اور یہ کہ ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کی خوشخبری دی۔ تو تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنایا۔ اور گنہگار رہے ہوئے۔ ۵۔ مگر اس کے بعد ہم نے تم سے درگذر کیا۔ کہ تم شکر گذار رہو۔ ۶۔ اور نیز یہ کہ موسیٰ کو کتاب دی یعنی فرقان تاکہ تمہیں ہدایت ملے۔ ۷۔ اور نیز یہ کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ بھائیو تم نے بچھڑا بنا کر اپنے اوپر ہی ظلم کیا ہے۔ اب اپنے پروردگار کے حضور میں توبہ کرو۔ اور نفس کشی سے کام لو۔ تمہارے رب کے نزدیک تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ وہ تمہاری توبہ قبول کریگا۔ یقیناً وہ بڑا تواب اور رحیم ہے۔ ۸۔ اور یہ کہ تم نے موسیٰ سے کہا۔ کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہم خدا کو پرتیکھش (ان آنکھوں سے) نہ دیکھ لیں گے۔ وہیں تمہیں تجلی نے آدبوچا۔ اور تم دیکھتے رہ گئے۔ ۹۔ پھر ہم نے تمہاری اس موت کے بعد تمہیں زندہ کیا۔ کہ تم شکر کرو۔ ۱۰۔ اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا۔ اور تم پر من اور سلویٰ اتارا۔ کہ ہماری دی ہوئی ان پاک (دلپشند) چیزوں کو کھاتے رہو۔ اور وہ لوگ ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے تھے۔ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے رہے۔ ۱۱۔ اور یہ کہ ہم نے حکم دیا۔ کہ آبادی میں داخل ہو جاؤ۔ اور بہ طریق احسن کھاؤ پیو۔ مگر دروازہ میں سر جھکائے داخل ہونا۔ اور منہ سے حطۃ (ہم سے گناہ دور رہے) کہتے جانا۔ ہم تمہارے نیکی کرنے والوں کو برکت دیں گے۔ ۱۲۔ مگر ان ظالموں نے جو کچھ انہیں کہا گیا تھا۔ اسے بدل کر اور کا اور کہنا شروع کردیا۔ اس لئے جنھوں نے ایسا گناہ کیا۔ ان پر ان کی بدعہدی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ ۱۳

اور یہ کہ موسیٰ نے اپنے لوگوں کے لئے پانی چاہا۔ تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی کے سہارے بس چٹان پر چلا جا۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہیں۔ اور سب لوگوں کو ان کا گھاٹ بتا دیا گیا۔ کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھائیں پئیں۔ اور دنیا میں فساد نہ پھیلاتے پھریں۔ اور یہ کہ تم نے موسیٰ کو کہا۔ کہ ہمیں ایک ہی کھانے پر تو صبر نہیں آ سکتا۔ (ہمارا دل بھر گیا ہے) اس لئے اپنے خدا سے ہمارے لئے دعا کر تاکہ وہ ہمارے لئے زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں نکالے۔ یعنی ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں مسور اور پیاز۔ اس نے کہا۔ کیا تم ایک بہتر چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ کسی شہر میں اتر پڑو۔ تو جو تم مانگتے ہو۔ تمہیں مل جائے گا۔ مگر ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی۔ اور وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ آیات الٰہی سے انکار کرتے۔ اور بلاوجہ نبیوں کو قتل (یا ان سے جھگڑا تکرار) کرتے تھے۔ گویا وہ گناہ کرتے۔ اور مریادائوں کو توڑتے تھے۔ ۲

۸۰ - انسان اور خدا

ان آیات میں موسیٰ اور اس کے لوگوں کے متعلقہ واقعات کو پیش کر کے یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسان نے حق کے متعلقہ عہد کو پورا کرنے میں کوتاہی کر رکھی ہے۔ مگر خدا اس کی طرف ہمیشہ ہی متوجہ ہے۔ وہ اسے عذاب دیتا ہے۔ تو اس کی اصلاح کے لئے اور اپنی عنایات ہی اس پر نازل کرتا رہتا ہے۔ موسیٰ جیسے مبلغ نے چلہ کیا۔ اور عبادت الٰہی میں ہی مصروف رہنے سے وہ اپنی قوم کو ہدایت دینے سے قاصر رہا۔ تو اس کے لوگ بت بنا کر پوجنے لگ گئے۔ اس سے نصیحت ملتی ہے۔ کہ سنیاسی وغیرہ کو کبھی لوگوں کو وعظ سنانے میں ناغہ نہ کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ ایشور دھیان جیسے اعلیٰ ترین کام کی وجہ سے بھی تبلیغ حق میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ مہرشی دیانند کا کہنا ہے۔ کہ میں نے سمادھی کے آنند کی بھی پرواہ نہ کر کے ستیہ اپدیش کے فرض کو مقدم سمجھا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی ہے۔ عبادت الٰہی سے تو یہ لوگ ذاتی راحت یا سرور پا سکتے ہیں۔ مگر وعظ حق سے تمام ہم جنسوں کو گناہ اور دکھ سے بچانے اور سکھ پانے کے قابل بناتے ہیں۔ لوگ گنہگار ہو کر مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہوں۔ اور نبی یا سنیاسی وغیرہ اس کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنی ذاتی خوشی یا آنند کی ہی دھن میں رہیں۔ تو یہ ایک قسم کی خودغرضی ہے۔ اور چونکہ ان کی اس خودغرضی سے دھرم اور نیکی کی طرف رجحان کم ہو کر آئندہ سنیاس یا رسالت کے اعلیٰ درجہ تک پوری قابلیت سے پہنچنا ناممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے سنیاسی کی تبلیغ حق کے متعلق غفلت خود سنیاس کی بھی قاتل ہے۔ اور آتم ہتیا کا پاپ کرانے والی۔ موسیٰ نے جب پھر لوگوں پر ان کے اس عمل کی برائیاں ظاہر کیں۔ تو وہ پچھتائے۔ اور خدا کے شکر گذار ہوئے۔ تو ان کے دلوں سے اس گناہ کا بار اتر گیا یا بہ الفاظ آیت ۵۲ خدا نے ان کے گناہ سے درگذر کیا۔

آیت نمبر ۵۳ میں سچے سنیاسی کے فرض کو اور بھی واضح کیا ہے۔ موسیٰ کو کتاب ملی۔ اور فرقان کتاب تو بہ استثنائے خاص موقعوں کے قرآن میں ازلی ابدی سچائیوں کا علم دینے والے الہام سے مراد ہے۔ اور ہمیشہ اسی علم کو حاصل کر کے ہی انسان اوروں کو راہِ حق دکھانے کے قابل ہوتا ہے۔

فرقان نام بھی الہام الٰہی کا ہی ہے۔ اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان ناطق فیصلہ دیتا ہے۔ لیکن انسانی عقل کو بھی اس تمیز کا موجب ہونے سے فرقان کہہ سکتے ہیں۔ جنگ کے ذریعے سے مذہبی مباحثہ سے۔ مقدمہ کے ذریعے سے غرضیکہ جس ذریعے سے بھی سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو۔ اسے فرقان کہا جا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے موسیٰ کی قوت عقلی یا اس کی کتاب وغیرہ فرقان کہا سکتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے قرآن نامی فرقان حضرت محمد صاحب کے اور ستیارتھ پرکاش نامی فرقان سوامی دیانند کے ذریعے ظہور میں آیا۔ آیت زیر بحث میں صاف کہا ہے۔ کہ موسیٰ کو کتاب اور فرقان دینے کی غرض ہی یہ ہے۔ کہ لوگوں کو ہدایت ملے۔ کاشکہ یہ نکتہ تمام ان لوگوں کی سمجھ میں آجاوے۔ جو تبلیغ حق کے ذمہ وار ہیں۔

آیت نمبر ۵۴ میں انسانوں کو تمام دکھوں یا گناہوں سے بچنے کا مول منتر بتایا گیا ہے۔ کہ نفس کو مارا جائے۔ چونکہ سب برائیوں کی ترغیب اسی شیطان سے ملتی ہے۔ اس لئے اس کو قابو میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بقول من کے ہارے ہار ہے اور من کے جیتے جیت یا من جیتے جگ جیت۔ وید میں اس مدعا کی تکمیل کے لئے من کے حقیقی اوصاف بتا کر پرارتھنا کی گئی ہے۔ اور بار بار دوہرائی گئی ہے۔ کہ तन्मे मन: शिव संकल्प मस्तु یعنی ایسے اوصاف والا میرا من شیو سنکلپ ہو۔ یقیناً اچھے سنکلپوں یعنی نیک علم خیال و ارادے کے بغیر نفس شیطان مجسم ہے۔ اور اس پر ضبط پا لینا پھر بھلائی کی طرف لوٹنا یا توبہ کرنا ہے۔ اور اسی توبہ کو خدا منظور کرتا ہے۔ خالی توبہ کا لفظ بولنا بے معنی بات ہے۔

آیت نمبر ۵۵ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ خدا اپنے بے شمار مظہرات سے ہر وقت پرتیکھش دکھائی دیتا ہے۔ موسیٰ کے لوگوں نے کہا۔ خدا نظر تو آتا نہیں۔ مانیں کیسے۔ وہیں بجلی نے انہیں آدبوچا۔ اور ثابت ہو گیا۔ کہ خدا اپنی قدرت اور کام سے ہر کہیں نظر آرہا ہے۔ وہ آنکھ سے دیکھنے کی شے نہیں۔ صاعقہ کے لفظ کے بعد وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کا لفظ واقعی معنے خیز ہے۔ کہ یہ واقعہ کیا ہے۔ گویا تم نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ لیا۔ صاعقہ کے معنے موت اور عذاب مہلک بھی ہیں۔ آیت نمبر ۵۶ میں ہدایت دی ہے۔ کہ جیسے بجلی کی کڑک کی دہشت جلد دور ہو جاتی ہے۔ یا زلزلہ کے بعد انسان سنبھل کر خدا کا شکر کرتا ہے۔ اسی طرح تمہیں موت کے بعد پھر پیدا ہونے میں خدا گویا پرتیکھش نظر آسکتا ہے۔ آیت نمبر ۲۸ میں جو آواگون اور آستکتا کو لازم ملزوم بتایا ہے۔ اس کو اور آیت ۵۵ و ۵۶ کے سے واقعات کو ملا کر غور کرنے سے یہ آیت بہت مفید سبق دیتی ہے۔

۸۱۔ طیب خوراک

آیت نمبر ۵۷ میں خوراک کے متعلق ہدایت دی گئی ہے۔ قاعدہ ہے۔ کہ جیسی خوراک کھائی جاتی ہے۔ ویسا ہی من بنتا ہے۔ بقول "جیسا کھائیے اَن ویسا ہی بنتا ہے من"۔ اس لئے نفسانی شیطان کو قابو کرنے کے لئے طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت دی ہے۔ سنسکرت میں طیب کے لئے ساتوک یا بھکشیہ (قابل خوردنی) اشیاء کا لفظ موزوں نیت سے عائد ہوتا ہے۔ من اور سلویٰ کو بطور نمونہ خوراک

پیش کرکے قرآن اس اصول کی مزید توضیح کرتا ہے۔ اور آیت کے آخری حصے میں ہنسایا تنگ گوشت خوری کی ہدایت دیتا ہے۔ کہ اگر اناج یا پھل کو چھوڑ کر جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ تو اس سے خدا کا نقصان نہیں۔ وہ تو سود و زیاں سے بے نیاز ہے۔ ہاں گوشت خور اپنا کام بگاڑتا اور شیطانی اوصاف کا پتلا بنتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ گاؤں یا شہر میں بھی مناسب اور موزوں طریق پر رزق پانا اور کھانا چاہیئے۔ اور جہاں جائیں۔ عاجز و نرم مزاج ہوکر یا سر کو جھکائے یا دل سے خدا کو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اور یہ دعا مانگتے جائیں۔ کہ ہم سے گناہ دور رہے۔ یعنی ہم کسی ناجائز طریق پر یا گناہ سے نہ کچھ حاصل کریں نہ کھائیں۔ ایسی نیت والے لوگ سچ مچ گناہ و دکھ سے بچے رہتے ہیں۔ اور ایسے نیک عمل والوں کو ہی برکت ملتی ہے۔

آیت نمبر ۵۹ میں مذکورہ بالا طریق کے خلاف عمل کرنے والے اکھڑ باز یا بدنیت لوگوں کو مستوجب عذاب بنایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۶۰ میں یہ ہدایت ہے۔ کہ بجائے جھگڑے فساد یا ظلم کرنے کے سب کو عمدہ انتظام سے زراعت وغیرہ کے ذریعے رزق حاصل کرنا اور کھانا پینا چاہیئے۔ جیسا موسیٰ نے کیا۔ کہ الگ پہاڑ کے چشموں کی اپنے لوگوں کے لئے آب رسانی کے متعلق مناسب تقسیم کردی۔

آیت نمبر ۶۱ میں فیصلہ کن ہدایت ہے۔ کہ انسان کی خوراک ویجیٹرین ہی ہے۔ من اور سلویٰ کا پہلے ذکر آیا تھا۔ اور ان کو طیب کہا گیا تھا۔ یعنی ساتوک چیزیں۔ اور یہاں جو بنی اسرائیل کی خواہش اور خوراک ملنے کی مذکور ہے۔ اس کا تعلق بھی ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں۔ مسور۔ پیاز جیسی تمام نباتاتی پیداوار سے ہے۔ اسی آیت میں یہ ہدایت بھی ہے۔ کہ انسان کی ہر طاقت اور اس کا ہر عمل محدود ہے۔ حتےٰ کہ اچھی سے اچھی چیز من اور سلویٰ سے بھی طبیعت بھر جاتی ہے۔ جب وہ زیادہ عرصہ تک کھائی جاوے۔

۸۲ - غیر ضروری تفصیلات

حضرت موسیٰ کے حالات بائیبل میں لکھے ہیں۔ اس لئے آیات بالا کی تفسیر میں مفسر صاحبان بائیبل کے اقتباسات دے دے کر بحث کرتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کا ہرگز ہرگز ایسی تفصیل سے سروکار نہیں۔ انہوں نے محض مجمل طور پر یہ اشارہ دینا تھا۔ کہ انسان بے صبری سے کام لیتے ہیں۔ اور خدا ان کی آزمائش کرنا۔ عین عدل سے ان پر عذاب نازل کرنا۔ اور ساتھ ہی فطرتی رحم و محبت کے تقاضا سے ہر حال میں انسان کی حفاظت و پرورش بھی کرتا آتا ہے۔ ان تدابیر سے آپ کا مدعا محض اصول کی عظمت بتانا ہے۔ تاریخی بحث کرنا نہیں ہے۔

۸۳ - چلہ

موسےٰ سے چالیس رات کا عرصہ منسوب ہونا محض یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ صوفیوں نے جو خاص عبادت کے لئے چالیس دن کے مراقبہ کا طریق چلایا تھا۔ اس کے

مطابق چلا گیا۔ اور چونکہ قرآن کا مخصوص طرز بیان ہر بھلائی و برائی کو خدا سے منسوب کرتا ہے۔ اس لئے حِلہ کو بھی خدا سے منسوب کیا۔ 'وعدہ' کے معنے خوشخبری دینا ہے۔ یعنی حِلہ کے نیک پھل کی۔

۸۴ - فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اس کے معنے ہیں۔ اپنے نفسوں کو قتل کرو یا نفس کشی سے کام لو۔ مگر بعض مفسر یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے لوگوں کو مار دو کوئی توریت کتاب خروج کے حوالے دیتا ہے۔ کہ " اور اس نے انہیں کہا۔ خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے۔ اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکرگاہ میں پھریں۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک اپنے دوست کو اور ہر ایک اپنے قریبی کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق ایسے کیا۔ چنانچہ اس دن ان لوگوں میں سے قریب تین ہزار مرد مارے پڑے۔ اور موسیٰ نے کہا۔ کہ آج اپنے تئیں خداوند کے لئے مخصوص کرو۔ ہر ایک اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے۔ تا کہ وہ تجھے آج ہی برکت دیوے۔"

ہم ان الفاظ میں نہایت غیر معقولیت پاتے ہیں۔ موسیٰ کے زبانی کہنے کو تو وہ مانتے نہیں۔ جب تک خدا کا ان آنکھوں سے دیدار نہ پائیں۔ تب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کا نام لے کر وہ انہیں بھائیوں اور بیٹوں۔ دوستوں اور قریبیوں کو مارنے کو کہے۔ تو وہ انہیں قتل کرنے لگ جاویں۔ اگر واقعی ہر ایک کا یہ فرض ہوتا۔ تو سب کا صفایا ہو جاتا۔ اور اپنے تئیں خدا کے لئے مخصوص کرنے والا کوئی رہتا ہی نہیں۔ نہ خدا کی شان کے شایاں ہے۔ کہ اپنے مخلوق کو بیٹے اور بھائی پر حملہ کرنے کا حکم دے نہ لوگ ایسے پاگل ہو سکتے ہیں۔ کہ خود بیٹوں کو مارنے لگیں۔ اور نہ بیٹوں کا مارنا فوراً برکت ملنے کا موجب ہے۔ پس حقیقت محض یہ ہے۔ کہ جس طرح وید اور قرآن خاص ٹائپ کے مفسرین کی عنایت سے غلط فہمیوں کا شکار رہے ہیں۔ بائبل پر بھی ناقابل مترجموں کی طفیل وہی تقدیر پیش آئی ہے۔ یہ کسی عیسائی یا مسیح کی تصنیف نہیں۔ بلکہ یہ محض قدیم تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ ہونے سے اس قسم کے بھدے بیانات کا مجموعہ بن رہی ہے۔ سنسکرت سے عبرانی۔ عبرانی سے لاطینی اور لاطینی کے بعد مصری۔ یونانی۔ انگریزی وغیرہ میں ترجمہ در ترجمہ اور وہ بھی بے علمی اور جہالت کے زمانہ میں ہوتے ہوتے موجودہ صورت میں آ گئی ہے۔ حضرت محمد صاحب نے کوئی ایسی تفصیل نہیں دی۔ نہ ایسے واقعہ پر چسپاں ہونے والے الفاظ قرآن میں ہیں۔ بلکہ آپ نے بچھڑے والی عبادت کا تعلق نفس کے شیطان سے جوڑا ہے۔ اور نفس کو ہی قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ بیان القرآن میں بھی شہوات نفسانی پر قابو پانے کے معنوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور بعد میں جو توبہ کا خاص بیان ہے۔ اس سے بھی نفس پر قابو پانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور نیز یہ امر بھی کہ جنہوں نے گناہ کیا۔ انہیں اپنے بے گناہ بیٹوں اور بھائیوں پر حملہ کرنے یا دوستوں اور قریبیوں کو مارنے کا حکم دینے میں اصلی مجرموں کو سزا نہ ملی۔ اس امر کی تائید کرتا ہے۔ کہ نفس پر قابو پانے کی ہدایت کے بغیر

اور معصوم ہو ہی نہیں سکتا۔ در اصل اپنے نفس کی جگہ اپنے لوگ ترجمہ میں لکھ کر اپنے لوگوں کو مارنے کی بے بنیاد حکایت گھڑ دی گئی ہے۔

۸۵ - منّ اور سلوٰی

ابر کا سایہ جو خدا کی نعمت ہے۔ اس سے اب بھی عام لوگ اکثر فائدہ پاتے ہیں۔ لہذا یہ کوئی خاص معجزہ نہیں۔ اس کے بعد مفسرین نے من کے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ رات کو جو اوس پڑتی۔ تو ترنجبین کی طرح کی کوئی میٹھی چیز جنگلی درختوں کے پتوں پر جم جاتی تھی۔ اسے کھرچ کر شیرینی کے طور پر کھاتے تھے۔ اور اسے منّ کہتے تھے۔ اور سلوٰی ایک جانور کا نام تھا۔ جو بیٹر کی شکل کا تھا۔ یہ جانور بڑی کثرت سے آپ سے آپ بنی اسرائیل کے قیام گاہ پر آجاتے تھے۔ اور اسے بھون کر کھایا جاتا تھا۔ ترجمان القرآن منّ سے درخت کا شیرہ مراد لیتا ہے۔ جو گوند کی طرح جم جاتا ہے۔ اور خوش ذائقہ اور مقوی ہوتا ہے۔ مفسر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے خود منّ کا حلوہ کھایا ہے۔ جو فلسطین لوگ بنایا کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ منّ در اصل ۴۰ سیر وزن والے من کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد بھاری نعمت کا ملنا ہے۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ من پکی پکائی بڑی روٹی کا نام ہے یا کھانے کی کسی ایسی شے کا۔ جس کے لئے نئی تیاری یا تردد کی ضرورت نہ ہو۔ بخاری کہتا ہے۔ منّ کھمبی کا بھی نام ہے۔ اسی طرح سلوٰی کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ لغوی معنے سلوٰی کے اس چیز کے ہیں جو انسان کو تسلی دے۔ سلو۔ سُلوٌ۔ تسلی کے معنے خورسندی اور بے غمی کے صراح میں لکھے ہیں اور سلوٰی کے معنے دترنج دعسل کے ہیں۔ ایسی حالت میں منّ کو اور سلوٰی کو نہایت مختلف تاویلوں سے غلط فہمی کا موجب بنانا مفسرین کی ذمہ واری پر ہے۔ نہ کہ قرآن پر۔ کیونکہ قرآن میں کوئی بھی اشارہ ایسا نہیں ملتا۔ کہ سلوٰی لفظ کسی جانور مثل شکل بٹیر کے لئے ہے۔ جسے بھون کر کھایا جاتا ہو۔ یہ معنے گوشت خور مفسرین اور گوشت خور پیروان اسلام سے قابل اعتراض نہ سمجھے جاویں۔ تو یہ جدا بات ہے۔ ورنہ قرآن جانوروں کو خدا کی نشانیاں کہہ کر انہیں مارنے سے اور ہر قسم کے مردار کا گوشت کھانے سے نہایت زور کے ساتھ منع کرتا ہے۔ (سورۃ المائدہ) اس کے علاوہ منّ اور سلوٰی کا لفظ لکھ کر طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت دینے سے بھی من اور سلوٰی کو طیب ماننا لازمی ہے۔ گوشت کو کہیں بھی غذائے طیب قرار نہیں دیا گیا۔ اُلٹا من اور سلوٰی کو غذائے طیبہ یا خدا کا دیا ہوا رزق کہہ کر یہ لکھا ہے۔ کہ جو ظلم کرتے یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف چلتے ہیں۔ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ہیں۔ یہ وہ بیان ہے۔ جو قرآن میں جا بجا گوشت خوری سے لوگوں کو روکنے کے لئے دیا گیا ہے۔ منّ در اصل کوئی بڑی بھاری نعمت تھی۔ جو ان دنوں اس جنگل میں کھانے کے لئے مہیا تھی۔ اور سلوٰی نام کا شہد وغیرہ کے لئے ہونا لغت سے ظاہر ہے۔ منّ کے متعلق تو کہا جاتا ہے۔ کہ اب بھی ترنجبین کی قسم کی شے درختوں پر جمی ملتی ہے۔ مگر سلوٰی کے متعلق کوئی بھی دعوٰے نہیں کرتا۔ کہ وہ بٹیر کی قسم کا جانور فلاں جگہ موجود ہے۔ اور وہ سلوٰی کہلاتا ہے۔ بہر حال منّ اور سلوٰی کی تاویل غلط ہو رہی ہے۔ منّان نام خدا کا ہے۔ اور وہ

بڑا نعمت دہندہ ہے۔ اس سے منّ کو خاص بڑی نعمت ماننا بالکل صحیح ہے۔ اور سلویٰ یا تو اسی منّ کا نام ہے۔ اور اس سے بھوک وغیرہ کے دور اور بنی اسرائیل کے دلی اطمینان ہونے کو ظاہر کرتا ہے یا یہ پینے کی شہد وغیرہ قسم کی چیز کا جس سے پیاس وغیرہ کے خلاف تسلی ملے۔ اور چونکہ منّ اور سلویٰ سے پہلے بادل کا ذکر ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ وزن دار مفہوم یہ ہے۔ کہ بارش سے قابل خوردنی من اور سلویٰ پیدا ہوا۔ یا بھوک کو دُور کرنے والا اَن۔ بعد میں ایک ہی چیز سے دل اچاٹ ہونے کا ذکر اور سبزی ترکاری کی دعا ہے۔ اس لئے پہلی چیز کا مخصوص اَن ہونا صحیح ہے۔ بیان القرآن کے یہ لفظ وافعی وزن دار ہیں۔ کہ طعام طیب از روئے شریعت وہ ہے۔ جو اس طرز سے لیا جائے جو جائز ہے۔ اور اس ارادے سے لیا جائے جو جائز ہے۔ اور اس مکان سے لیا جائے جو جائز ہے۔ (غ) اور اگر ذرا بھی غور سے کام لیا جائے۔ تو گوشت کو اس بیان سے بھی طیب نہیں کہا جا سکتا۔

۸۶ - مانس اور سلویٰ

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلویٰ لفظ سنسکرت کے مانس لفظ کی جگہ ہے۔ کیونکہ جہاں سلویٰ انسان کو تسلی دینے والی چیز ہے۔ وہاں مانس بھی دراصل من کے لئے مرغوب یا تسلی دینے والی شے ہی ہے۔ مگر موجودہ زمانے میں مانس لفظ گوشت کے لئے ہی مخصوص ہو گیا ہے۔ اور ایسے ہی سلویٰ کو بٹیر کی شکل کے جانور کے معنے میں لے کر خدا سے انہیں گوشت بہم پہنچانے کا خیال منسوب کیا گیا ہے۔ مانس لفظ मन ज्ञाने من گیانے دھاتو (مصدر) سے بنا ہے۔ اُنادی سوتر मनो दीर्घश्च سے س (س) کی علامت مل کر اور اشباع (دراز ہے حرکت) کے عمل سے لفظ مانس بنا ہے۔ اور یاسک آچاریہ جی اپنی مشہور تصنیف نرکت میں لکھتے ہیں۔ منو سیدتیہ اسمنتی مانسم मनो सी दत्य स्मि क्षिति मां सं من کے لئے جو فطرتاً مرغوب ہے۔ وہ مانس ہے۔ اور علم۔ نیک خیال۔ نیک افعال وغیرہ اس کے مقدم معنے ہیں۔ اور ساتوک یا ویجیٹرین غذا جسے قرآن طیب کا نام دیتا ہے۔ اس کے فروعی معنے ہیں۔ لیکن دور جہالت میں سب اعلےٰ مطالب تو نظر انداز ہوئے۔ اور مانس لفظ صرف گوشت کے لئے استعمال ہوا یہی تغیر سلویٰ لفظ کے پیش آئی ہے۔ کہ بجائے دل کو تسلی دینے والی خوراک یا شہد وغیرہ کسی طیب شے کے اسے غیر طیب گوشت بہم پہنچانے والے بٹیر کی شکل کے جانور پہ عائد کر دیا گیا ہے

۸۷ - هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

اس کے معنے صاف ہیں۔ کہ اس یا فلاں گاؤں میں داخل ہو یا اس آشرم (گرہست) میں۔ گویا گاؤں سے غرض نہیں۔ محض مجمل طور پر نظیر پیش کر کے آپ خاص اصل اصول واضح کرنا چاہتے ہیں مگر مفسر صاحبان گاؤں کی تحقیق کرنے لگتے ہیں۔ اور اصل گاؤں کا یقینی پتہ دینے کی بجائے اختلاف رائے کا ہی شکار ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ بستی بیت المقدس ہے۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ اریحا مراد ہے۔ اور تیسری رائے یہ ہے۔ کہ مصر سے مراد ہے۔ چوتھی یہ کہ معنم سے مراد ہے۔ چونکہ اس طرز تفصیل سے اصل اصول جس کے لئے نظیر دی جا رہی ہے۔ نظر انداز ہو کر مقامی یا زمانی یعنی

جغرافیہ وتاریخ والی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اور مذہبی تعلیم کی اصل غرض پس پشت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے یہ تفصیل ہے ہی فضول۔

۸۸ - ہدایات داخلہ

دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور مغفرت کے لئے حِطَّةٌ حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کی یہ تشریح کی جاتی ہے۔ کہ بہ طور فاتحہ بیت المقدس میں داخل ہونا مراد ہے۔ اور آیت ۵۹ میں جو بات کو بدلنے کا ذکر ہے۔ اس کی یہ تعبیر کی جاتی ہے۔ کہ حِطَّةٌ کی جگہ انہوں نے حبۃ فی شعرۃ کہا یعنی بال میں دانہ۔ مدعا یہ کہ جنگ کے ذریعے فتح کرکے داخل ہونے سے انکار کیا۔ اور زراعت کرنے کا اشارہ کیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حِطَّةٌ کی جگہ انہوں نے حنطۃ یعنی گیہوں کہا۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب اس واقعہ کا تعلق حضرت موسیٰ کی موت کے بعد حضرت یوشع سے جوڑتے ہیں۔ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو ملک شام کے وعدے یاد دلا کر قوم عمالقہ سے جنگ یا جہاد کرنے پر آمادہ کیا۔ اور بنی اسرائیل نے علاقہ کنعان کے چند شہر فتح کئے۔ مگر بنی اسرائیل ایک حالت پر قائم نہ رہتے تھے۔ تھوڑی سی فتح ہونے پر شرارتیں کرنے لگتے۔ حکم تھا۔ کہ جب پہلا شہر فتح کرو۔ تو اس میں خدا کو سجدہ کرتے ہوئے اور استغفار پڑھتے ہوئے داخل ہونا۔ مگر اریحا کو فتح کرکے اس میں داخل ہونے لگے۔ تو سجدہ کی جگہ بچوں کی طرح گھٹنوں چلنے اور حِطَّةٌ (گناہ دور ہوں) کی جگہ حِنطۃ (گیہوں) کہنے لگے۔ غرض حکم خدا کا استخفاف کیا۔ اس کی یہ سزا ہوئی۔ کہ وبا پھیلی۔ اور "فتح کیا ہوا ملک پھر ہاتھ سے نکل گیا"۔ لیکن ایسا کوئی لفظ یہاں موجود نہیں۔ جس سے قرآن کے الفاظ کا موسیٰ کے بعد کے کسی واقعہ سے تعلق ثابت ہو۔ یا جہاد یا فتح و شکست سے بلکہ اگلی آیتوں میں موسیٰ کو بارہ چشمے ملنے کا بیان ہے۔ اور فتنہ وفساد سے بچنے کا۔ پس یہ تفصیلات باہم مختلف۔ غیر ضروری اور قرآن کے یقینی اور اصولی مفہوم کو مشتبہ بنانے اور پڑھنے والوں کے شکوک کو بڑھانے والے ہیں۔ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس سے نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ فتح کرکے داخل ہونے کا حکم ہے۔ لیکن چونکہ شِئْتُمْ کے معنے میں خواہش کے ساتھ مناسب یا معقول یا مبنی برحق وانصاف یا موزونیت کا مفہوم وابستہ ہے۔ اس لئے فتح والے جبر کا تعلق یہاں ہے نہیں۔ اور محض باہمی رضامندی۔ نیک سلوک۔ تجارت یا زراعت سے کمانے اور خوشی واطمینان سے کھانے کی ہدایت ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں عذاب ملنے کی مجمل طور پر نظیر پیش کی گئی ہے۔ خواہ طاعون ہو یا اور وبا۔ قطع نظر ان تمام تفصیلات کے اصولی ہدایت یہ ہے۔ کہ جہاں کہیں داخل ہوں۔ عاجزی سے سر کو جھکائے ہوئے اور یہ دعا کرتے ہوئے داخل ہوں۔ کہ ہم کوئی گناہ نہ کرنے پائیں۔ سب دیولوہار یہاں دھرم کے مطابق کریں۔

۸۹ - بارہ چشمے

اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ پتھر پر اپنی لاٹھی مارو۔ پس بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ بائبل والے اس امر کو موسیٰ کا معجزہ مان رہے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت سے ہر طرح معقول مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ اگر پہاڑوں پر لاٹھی مارنے سے پتھروں کو توڑا جائے۔ اور

تیچے سے پانی کا چشمہ رواں ہو پڑے۔ تو پہاڑوں میں یہ عین ممکن ہے۔ اور ہر شخص سے یہ معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح بارہ چشمے ظاہر ہونا معمولی اور معقول بات ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں۔ کہ اپنی جماعت کے ساتھ چٹان یا پہاڑ پر چلے جاؤ۔ چونکہ عصا کے اصل معنے اجتماع ہونے یا جماعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ معنے بھی معقول ہیں۔ کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ جہاں اس نے بارہ چشمے پائے۔ اور عصا کے معنے لاٹھی ہونے سے یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ پس وہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ ہر دو صورتوں میں پہاڑ پر جانا اور وہاں بارہ چشمے پانا صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تورات (خروج باب ۱۵ درس ۲۷) میں یہ لفظ ہیں۔ "بعد ازاں بہ ایلیم آمدند۔ ودر آنجا دوازدہ چشمہ آب یافتند۔ و ہفتاد درخت خرما بود۔ ودر آنجا بہ پہلوئے آب اردو زدند"۔ یعنی بعد ازاں ایلیم (کی وادی) میں آئے۔ یہاں انہیں پانی کے بارہ چشمے ملے۔ ستر درخت خرما کے تھے۔ یہاں پانی کے پاس انہوں نے خیمے ڈالے"۔ آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ موسیٰ جیسے نیک رہنما کے ہوتے ہوئے نہ صرف مصر سے بنی اسرائیل باسلامت نجات پا سکے۔ انہیں پر امن گذران کرنے کے سامان بھی مل گئے۔

۸۹۔ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ

آیت ۶۱ میں بنی اسرائیل پر ذلت۔ غضب الہی اور محتاجی نازل ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔ کہ وہ آیات الہی سے انکار کرتے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ خدا کے حکموں سے انکار کا ثبوت تو ترک عبادت یا راہِ راست کے خلاف چلنا ہے۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور بھی بھاری وجہ ان پر غضب الہی کے نازل ہونے کی تھی۔ لیکن کون کون نبی قتل ہوا۔ اس کی فہرست قرآن میں کہیں دی نہیں۔ اور جتنے نبیوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کی گردنیں ہی کاٹی گئی ہوں۔ اس کا کسی تاریخ میں بھی ذکر نہیں۔ ساتھ ہی یقاتلون سے جیسا کہ ہم باب اوّل حصہ اوّل میں ثابت کر آئے ہیں۔ مذہبی جنگ کا مراد لیا جانا ہی منشائے قرآن کے مطابق ہے۔ چنانچہ ہر نبی کی مخالفت اور اس سے جھگڑا تکرار جاری رہے یا اذیتیں ملنے کا تعلق ہر نبی سے رہا ہے۔ پس یقتلون النبین کا مطلب نبیوں کی مخالفانہ کوششوں سے تنگ کرنا یا اذیتیں دینا ہی ہے۔ بغیر الحق کا لفظ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کہ مخالفت کرنے والے لوگ حق یا سچائی کو سمجھے بغیر ایسی مخالفت کرتے ہیں۔ جھگڑا تکرار کرنے کا وہ شخص تو مستحق ہے۔ جو سچائی کا طرفدار ہے۔ لیکن جو لوگ حق سے تعلق نہیں رکھتے۔ محض اپنے جذبات وخیالات کے زیر اثر تعصب وغیرہ پر مبنی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا عمل واقعی قابل افسوس ہے۔

لفظ نبی نباء بمعنے خبر سے مشتق ہے۔ اور ہر نیک۔ عالم وغیرہ شخص جو خدا کی خبر دینے والا ہے۔ نبی کہلا سکتا ہے۔ پھر نبوت بمعنے رفعت سے بھی بلند مرتبہ انسان نبی کہا سکتا ہے۔ اور یہ امر کہ مخالفین حق ہر سچے عالم اور ناصح شخص سے کتراتے بلکہ جذبۂ مخالفت کے زیر اثر اسے ستاتے ہیں۔ نہایت وسیع معنے میں بھی نبیوں کے قتل کا مفہوم پیش کرتا ہے۔

۹۰۔ عالمگیر اصول

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ①

بے شک جنہوں نے حق کو قبول کیا۔ خواہ وہ یہودی ہوں خواہ نصاریٰ اور خواہ صابی۔ جس نے اللہ اور عاقبت کو مان کر نیک عمل کئے۔ اپنے خدا کے ہاں نیک اجر پانے کا حقدار ہو گیا۔ ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا۔ اور نہ وہ آزردگی پائیں گے۔ ۶۲

۹۱۔ تمام تعصبات کی بیخ کنی

وید میں ہر امر کا انحصار انسان کی صفات۔ عادات اور افعال پر ہے۔ ورن کی تشخیص کرنی ہو۔ تو صفات اور قابلیت پر ہی اس کا مدار ہے۔ لڑکے لڑکی کی شادی ہو۔ تو گن کرم کی مطابقت کا حکم ہے۔ تعریف و مذمت کا تعلق ہے۔ تو علم اور عمل یا جہالت اور گناہ پر۔ خوشی اور اعلیٰ جنم کا مدار ہے تو اعمال پر اور نجات کا انحصار ہے تو حقیقی علم کے کمال پر۔ اور تو کیا آریہ لفظ کا اطلاق ہے تو گناہ اور کفر سے بچنے والے پر۔ بے رو رعایت طور پر قابلیت کو ہی مقدم سمجھنا وید کی عالمگیر تعلیم کا لب لباب ہے۔ اور ہو بہو یہی پوزیشن قرآن نے اس آیت میں پیش کی ہے۔ اور کل آیات بالا کا لب لباب یہی پیش کیا ہے۔ کہ خدا کے ہاں ہر نیک عمل انسان کے لئے اجر ہے۔ وہاں مذہب و ملت یا دنیوی پوزیشن کو نہیں دیکھا جاتا۔ یہودی نصرانی صابی غرضیکہ کوئی بھی ہو۔ خدا اور عاقبت کو ماننے اور نیک عمل کرنے سے نیک اجر پانے اور خوف و رنج سے نجات پانے کا مستحق ہے۔

۹۲۔ سابقہ تعصب

اس آیت کو خاص اہمیت اور نمایاں پوزیشن دینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہود و نصاریٰ اور صابی سب متعصبانہ رویہ پر کاربند تھے۔ نحن ابناء اللہ و احباءہ۔ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ لن تمسنا النار الا ایاماً معدودۃ۔ گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی ہی نہیں۔ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا۔ یہودیوں کے سوائے کوئی جنت میں جانے پائے گا وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کے متعصبانہ قول بولے جا رہے تھے۔ مگر قرآن میں ان مذہبی جھگڑوں کی جگہ عالمگیر دھرم کی صداقت بتائی گئی۔ کہ مذہب کی وجہ سے نہیں۔ سچے ایمان اور عمل پر فلاح کا انحصار

ہے ۔

۹۳- حالی کا تعصب

آیت زیر بحث عالمگیر ازلی ابدی اور نوع انسان کے اس واحد دھرم کے درشن کراتی ہے۔ جسے عربی میں بجا طور پر اسلام کہا گیا ہے لیکن اس پر بھی بعض مفسرین اسلام کا اطلاق محض اس انسانی گروہ پر کرتے ہیں۔ جو بلا لحاظ علم و عمل اور بلا تمیز حق و باطل کے بہ طور ایک مذہب یا دھڑے کے مسلمان کہلانے والے لوگوں کا مجموعہ ہے۔ بیان القرآن کے حسب ذیل اقتباس میں تو آیت زیر بحث کی سپرٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

"اسلام اس بات کا انکار نہیں کرتا۔ کہ دوسرے مذاہب میں بھی صداقت ہے۔ ہاں اس صداقت میں باطل کی آمیزش ہو گئی ہے۔ مگر وہ صداقت اپنے کمال میں صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون کی حالت جو اس دنیا میں ہی انسان کو بہشتی بنا دیتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا کامل قرب عطا فرماتی ہے۔ صرف اسلام سے ہی مخصوص ہے۔ ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا کہ عیسائی رہ کر اور تثلیث اور کفارہ پر ایمان رکھ کر بھی انسان نجات پا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی تمام تعلیم کے خلاف ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران ۔ ۱۸) ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (آل عمران ۔ ۸۴) اور بیسیوں آیات نجات کامل کے لئے آنحضرت صلعم پر ایمان کو ضروری ٹھہراتی ہیں۔ بدون وساطت خاتم النبین اب کوئی شخص خدا کے قرب کو حاصل نہیں کر سکتا۔" (صفحہ ۳۷)

ہمیں عیسائی یا کسی اور غیر اسلام مذہب سے سروکار نہیں۔ محض قرآن کے فراخدلی اور اصل حقیقت پر مبنی الفاظ کا اثر محفوظ رکھنے کے لئے کہنا پڑتا ہے۔ کہ جب عیسائی ہوتے پر اجر کا مدار ہی نہیں۔ تو تثلیث اور کفارہ کیا باقی رہ گئے۔ اور جب رسول کا دعوےٰ ہی یہ ہے۔ کہ میں محض حق کو پہنچاتا ہوں اور حق ہر زمانے میں یکساں ہے۔ اور جب قرآن فرماتا ہے۔ کہ دین اللہ کا ہے۔ رسول کا فرمان حکم الٰہی کے مطابق ہونے پر ہی مانا جاتا ہے۔ اور جب آنحضرت خود فرماتے ہیں۔ کہ خدا جسے علم حکمت اور نبوت دے۔ اس بشر کے لئے شایاں نہیں۔ کہ خدا کی بجائے لوگوں کو اپنا پیرو کہے۔ اور جب لفظ اسلام عالمگیر دھرم یا مذہب الٰہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی دھرم کے کمال کی وجہ سے محمد صاحب کے تبلیغی مشن نے انہیں خاتم النبیین بنایا ہے۔ ان کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اسلام کو کامل نہیں مانا گیا۔ اور سب سے بڑھ کر قرب خدا حاصل کرانے والی محمد صاحب کی وساطت سے ملی ہوئی قرآنی تعلیم ہے جس کا لب لباب اس آیت میں بیان شدہ عالمگیر اصول ہے۔ تب قرآن کے جامع الفاظ کے ساتھ آپ کی مذکورہ بالا تحریر مطابقت نہیں کھا سکتی۔ کیونکہ جہاں ایک عیسائی کے لئے خاص اعتقادات اسلامی وساطت سے فائدہ اٹھانے میں روک ہیں۔ وہاں ایک مسلمان کے لئے بھی اعمال صالحہ کی عدم موجودگی نجات حاصل کرنے میں بھاری روک ہے۔

یہ کہنا کہ "اللہ اور آخرت پر ایمان لانا قرآن کی رو سے مسلمان ہونا ہے۔ خالی اعمال صالحہ تو کافی نہیں"۔ یہاں اور بھی قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ کوئی عیسائی ایسا نہ ہو گا۔ جو اللہ اور آخرت پر

ایمان لانے کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانا بذاتِ خود اعمال صالحہ میں ہے۔ اس لئے آپ کے کہنے کے خلاف اعمال صالحہ مسلمان ہونے کے لئے کافی ہو گئے۔ المختصر بیان القرآن کے الفاظ سے اس تعصب کی افسوسناک موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ جسے قرآن کی آیت زیر بحث نے دور کیا تھا۔ مسیح پر ایمان لانا عیسائیوں کے خیال میں اللہ پر ایمان لانا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

۹۴ - الہام الٰہی اور تناسخ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٤﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٥﴾

۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶

اور یہ کہ ہم نے تم سے یہ عہد لے کر تمہیں پہاڑ کی مانند سر بلند کیا۔ کہ جو تمہیں عطا کیا گیا ہے۔ ا سے مضبوطی سے پکڑو گے۔ اور جو اس میں ہے۔ اس کی اشاعت کرو گے۔ تا کہ تم لوگ متقی بنے رہو۔ ۲۔ مگر اس کے بعد تم نے اس سے انحراف کیا۔ سو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی۔ تو تم نقصان اُٹھاتے۔ ۳۔ اور تم یقیناً ان لوگوں کو جانتے ہو۔ جنہوں نے تم سے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا۔ سو ہم نے انہیں کہا۔ تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ ۴۔ سو ہم نے انہیں ان کے وقت کے اور بعد کے لوگوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔ اور متقی لوگوں کے لئے موجب نصیحت۔ ۵۔

۹۵ - رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ

اس کے معنے مفسرین نے یوں کئے ہیں۔ "ہم نے طور (پہاڑ) کو اُٹھا کر تمہارے اوپر لٹکایا۔" "ہم نے تمہارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا۔" ہم نے تمہارے اُوپر طور (پہاڑ) کو اُٹھایا۔" (تم نیچے کھڑے تھے۔ اور ہم نے) کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں۔" وغیرہ

سر سید صاحب رفع لفظ کو دوسرے مقام پر واقع شدہ نتق لفظ کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور بیضاوی سے نتق کے معنے ایک طرح سے پہاڑ کو اوپر . . . . کرنے کے بتا کر قاموس کے ہلا دینے والے

معنے کو یہاں صحیح قرار دیتے ہیں۔ کہ ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا جس سے اس کے گر پڑنے کا گمان ہو۔ آپ واقعہ کی توضیح اپنے خیال کے مطابق یوں کرتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل جو خدا کو دیکھنے گئے تھے۔ طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے تھے۔ پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے سایہ کے تلے تھے۔ اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلے میں تھا جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے۔ کہ ان کے اوپر گر پڑیگا۔ پس اس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے۔" اس کے ساتھ ہی سرسید صاحب نے دوسرے مفسرین کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے عجائباتِ روزگار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھا ہے۔ اور اپنی تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ سرسید صاحب نے مقابلتہً معقولیت سے کام لیا ہے۔ اور مفسرین کی نسبت بھی بجا فرمایا ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ سرسید صاحب نے الفاظ زیر بحث کی صحیح تاویل کر دی ہے۔

مفسرین نے یہ بات تو بالکل ہی تمسخر آمیز بیان کی ہے۔ کہ پہاڑ ان کے سر پر لا کھڑا کرنے کا مطلب یہ تھا۔ کہ بنی اسرائیل کو دھمکی دی گئی یا ڈرایا گیا۔ کہ عہد کرو۔ تو بہتر ورنہ ابھی پہاڑ جو تمہارے اوپر لٹک رہا ہے۔ تم پر گر پڑیگا۔ اور تمہیں کچل دیگا۔ لیکن نہ یہ ترجمے صحیح ہیں۔ نہ یہ مطلب۔ نہ ایسا واقع ہوا۔ نہ اس آیت کا موسےٰ اور اس کی قوم سے تعلق ہے۔ ان کے خطاب والا مضمون آیت ۶۱ پر ختم ہو چکا۔ اس کا خلاصہ عالمگیر اصول کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اور کل نوع انسان کے لئے ہدایت دی گئی کہ محض اللہ اور آخرت پر ایمان اور اعمال صالحہ پر ہی بلا لحاظ مذہب و ملت انحصار ہے۔ آیت زیر بحث میں پہلے جس عہد کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق بھی محض بنی اسرائیل سے نہیں ہو سکتا۔ کل انسانوں کے لئے حق کو قبول کرنے کا عہد ہے۔ اور اس آیت میں اس کی نوعیت الہامی علم کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل اور اس کی اشاعت کرنے سے ہے۔ یہ نوعیت انسان کے سر کو اونچا کرنے والی ہے۔ اور اس رفعت کو پہاڑ سے تشبیہ دینا ایک بالکل معقول بات ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے یا انسانی قالب کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ لیکن انسانوں میں بھی سب سے سر بلند یا چوٹی کی پوزیشن والے وہ ہیں۔ جو علم الٰہی کے عالم و عامل اور اس کے اشاعت کنندہ ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ کہ جو الہامی علم تمہیں عطا ہوا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور جو اس میں تعلیم ہے۔ اس کا ذکر کرو۔ یعنی اپنے عملی کام اور تبلیغ حق سے اس کی اشاعت کرو۔ وید میں کہا ہے۔ یہ انسانی قالب بطور آگ کے ہے۔ جیسے آگ ذرات کو الگ الگ کر کے اوپر اٹھا لے جاتی ہے۔ ویسے ہی انسانی قالب کے ذریعے تبلیغ حق ہو کر انسان اعلےٰ معراج پر پہنچتے ہیں۔ یہ بھی ہدایت ہے۔ کہ مرد۔ عورت ادنےٰ اعلےٰ سب میں کلام الٰہی کی تلقین کرو۔ اور یہ بھی کہ تمام انسانوں کو نیک (آریہ) بنا دکھاؤ۔ یہ کام برہمنوں اور سنیاسیوں کا ہے۔ اور اپنے فرض کو پورا کرنے والے برہمن اور سنیاسی فی الحقیقت ہر زمانے میں خاص نمایاں بلندی پر سمجھے جاتے ہیں۔ اور چوٹی (طور) کی پوزیشن رکھتے ہیں۔

خدا جس نے انسان کا فعل مختار ہونا واضح کیا ہے۔ اور جو قول و فعل کی آزادی کی وجہ سے ہی انسان کو سزا و جزا کا ذمہ وار بناتا ہے۔ جو روح کے اندر موجود ہوتے ہوئے بھی محض نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت

کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ فعل سے جبراً رو کنے کی تجویز نہیں کرتا۔ اس سے پہاڑ گرانے کی دھمکی دے کر عہد لینا منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ نیکی کی ترغیب کا بہترین طریق ذاتی فضیلت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ سو یہی ہم نے اپنے ترجمہ میں مدنظر رکھی ہے۔

نوٹ :- جن لغو اور بیہودہ عجائبات کو بھرنے کا سہرا سید صاحب نے مفسروں کے متعلق ذکر کیا ہے۔ وہ الفاظ زیر بحث کے متعلق اس قسم کے ہیں۔ کہ بعض کہتے ہیں۔ طور پہاڑ کو گرانے کی دھمکی دی گئی بعض کہتے ہیں۔ نہیں بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اکھاڑ کر ہوا میں اڑا لایا تھا۔ اور پانچ میل کا لمبا اور پانچ میل کا چوڑا تھا۔ تاکہ بنی اسرائیل کا سارا لشکر ایک ہی دفعہ اس کے نیچے کچل جائے۔

۹۶ - الٰہی عطیہ

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ۔ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اس کا مطلب محض الہامی علم پر مضبوط اعتقاد رکھنا ہے۔ کیونکہ ہر کہیں شرف انسانی کا انحصار اسی پر رکھا ہے۔ اور اسی کے پرچار کی ہدایت دی ہے۔ اور یہاں بھی یہ کہا ہے۔ وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ۔ کہ جو کچھ اس میں ہے۔ اس کا چرچا کرو۔ پس کتاب یا الہامی علم کا عطیہ ہی یہاں مقصود ہے۔ اسی میں بیان شدہ تعلیم کا لفظ ذکر سے تعلق ہو سکتا ہے۔

مفسرین کا خیال ہے۔ کہ یہاں توریت کے ذکر کا مطلب ہے۔ لیکن جب یہاں نہ موسےٰ کا تعلق ہے۔ نہ بنی اسرائیل کا۔ تو توریت کا تعلق کیا۔ قرآن کہیں بھی توریت و انجیل کو آخری سند یا کل انسانوں میں اشاعت کرنے کے قابل قرار نہیں دیتا۔ بلکہ صاف کہتا ہے۔ کہ ہم تو ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ ہم نہ یہودی ہیں نہ نصرانی۔ یہ مذہب تو پیچھے سے چلے ہیں۔ اور توریت و انجیل کا ظہور ہی ابراہیم کے بعد ہوا ہے۔ اور پھر اسی سورۃ کی آیت ۲ میں جس کتاب کو کامل اور منزہ من الخطا کہا گیا ہے۔ اسی کے لئے لکھا ہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی وہ متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے۔ اور یہاں بھی اس کتاب کی اشاعت کا نتیجہ یہی لکھا ہے۔ کہ اس سے تم لوگ متقی رہو گے۔ پس جیسا آیت ۲ کی تفسیر میں کہا گیا۔ یہ الٰہی عطیہ محض وید گیان ہے۔

۹۷ - ادنےٰ قالب

الٰہی عطیہ یا علم الٰہی سے انحراف کرنیکا نتیجہ آیت نمبر ۶۴ میں یہ لکھا ہے۔ کہ انسان خسارہ یا نقصان یا تنزّل پاتا ہے۔ اور یہ تنزل ادنےٰ قالب ملنے کے لئے مخصوص کیا جائے۔ تو بیجا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہی ذکر ہے۔ کہ سبت کا قانون توڑنے پر ذلیل بندر بنایا گیا۔ یہ بندر کی مثال خاص طور پر وزندار ہے۔ نیک خیال پر قائم نہ رہنا چنچلتا کا ثبوت ہے۔ اور بندر بھی بہت چنچل ہے۔ پھر بندر نقل اُتارتا ہے۔ سمجھ نہیں رکھتا۔ اس میں ان لوگوں کی نظر ہے۔ جو نمائشی و رسمی طور پر مذہب کا سوانگ اُتارتے ہیں۔ حقیقت سے تعلق نہیں رکھتے۔ عربی میں زنا جیسے فعل شنیع کی کثرت کو بندر سے منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ تناسخ کا تعلق گناہ کی صورت میں ان قالبوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جو رُوح کے سنسکاروں

کی نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے بندر کے قالب کو بہ طور نظیر بیان کرنا موزوں تھا۔ اور چونکہ ادنےٰ قالبوں کو دیکھ کر کیا اس وقت کے اور کیا بعد کے آنے والے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ کہ جہالت اور گناہ سے بچنا چاہئے۔ اور متقی لوگوں کو اس سے نیک عملوں کے لئے نصیحت ملتی ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر ۶۶ میں کہا ہے۔ اس لئے مضمون کی سلاست کا تقاضا یہی ہے۔ کہ سچے علم اور دھرم سے انحراف کرنے والوں کے لئے جو نقصان یا تنزل آیت ۶۴ میں لکھا ہے۔ اسے ادنےٰ قالبوں کی صورت میں ملنا جاوے۔

۹۸۔ سبت

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ سبت کا لفظ سپت کی جگہ ہے، عربی میں پ۔ چ ژ اور گ کے حروف نہیں۔ اس لئے سپت کے پ کی جگہ ب آیا ہے۔ سپت سے ہی سپتاہ بنا ہے۔ اور سپتاہ کا ہی بگڑا ہوا رُوپ ہفتہ ہے۔ عیسائیوں میں اتوار مسلمانوں میں جمعہ کا دن متبرک تھا۔ اور یہودیوں میں ہفتہ کا دن متبرک تھا۔ آیت میں ذکر ہے۔ کہ سبت کے متعلق وہ حد سے بڑھ گئے۔ یعنی انہوں نے عہد یا قانون کو توڑا۔ وہ قاعدہ یا قانون کیا تھا۔ ایک مفسر کہتا ہے۔ عبادت الٰہی۔ اس کی بجائے وہ سبت کے دن دنیوی کاموں میں لگے رہتے تھے۔ کئی مفسر یہ کہتے ہیں۔ کہ سبت کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی۔ مگر بنی اسرائیل شریر تھے انہوں نے چالاکی سے کام لیا۔ جمعہ کے دن دریا کے کنارے گڑھے کھودتے اور نالیوں کے رستے ان میں پانی پہنچاتے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی آجاتیں۔ جنہیں ہفتے کے دن پکڑ لیتے۔ اور حجت پیش کرتے۔ کہ یہ ہفتہ کا شکار نہیں۔ جمعہ کا شکار ہے۔ ایک اور مفسر یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ دریا کے کنارے پر ایک بستی تھی۔ وہاں کے لوگ مچھلیوں کے شکار میں بہت مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہفتہ کا دن جو عبادت کے واسطے مخصوص تھا۔ انہی کے شکار میں گذار دیتے۔ اور ان کی آزمائش کے لئے خدا کا یہ حکم تھا۔ کہ مچھلیاں ہفتہ کے دن کثرت سے آئیں۔ اور دنوں میں نہ آئیں۔ اور لوگوں کو یہ حکم ہوا۔ کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا کریں۔ مگر انہوں نے دریا کے قریب حوض کھود لئے۔ اور دریا سے اس میں نالیاں نکال کر ملا دیں۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں ان حوضوں میں گھیر لیا کرتے۔ اور اگلے دن پکڑ لیتے۔ اس استہزائے دین سے ان پر دھتکار پڑی۔

لیکن یہ سب خام خیالیاں اور توہمات پر مبنی قیاسات ہیں۔ ہفتہ کے دن عبادت نہ کرنے سے اگر اس وقت ذلیل بندر بنے۔ تو اب کیوں نہیں بنتے۔ آجکل تو سب اہل مذاہب اپنے مانے ہوئے پاک دن میں عیش اور نفس پرستی کا شکار رہیں۔ اور اگر مچھلی کے شکار کی اس وقت سبت کے روز ممانعت تھی۔ تو اب کیوں نہیں۔ اور اگر مچھلیوں کو چالاکی سے وہ لوگ جمعہ کے دن گڑھوں میں لے آتے تھے۔ یا خدا ان کی آزمائش کے لئے جمعہ کے دن ہی مچھلیاں ان میں بھیجتا تھا۔ تو دونوں صورتوں میں اصل جُرم تو مچھلی کھانا ہی ہوا۔ یہ تو کہیں لکھا ہی نہیں۔ کہ باقی دنوں میں مچھلیاں کھانے کی خدا کی طرف سے اجازت تھی۔ اور یہ امر تو ظاہر ہی ہے۔ کہ گوشت خوری پاک عمل نہیں۔ کیونکہ سبت کے پاک دن میں جس کی اجازت نہیں۔ وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ پس محض گوشت خوری کے جُرم سے ہی وہ ذلیل بندر بنے۔ اور اسی لئے ہمارا یہ ترجمہ صحیح ہے۔ کہ انہوں نے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا۔

لیکن قطع نظر ہفتہ کے پاک دن والی تاویل کے سبتؔ لفظ عربی ہیں اور یہی مفہوم رکھتا ہے۔ اس کے اصلی معنے قطع کے ہیں چونکہ یہودی لوگ ہفتہ کے دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تمام دنیوی تعلقات قطع کر کے عبادت الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ اس لئے وہ اسے سبت کہتے تھے۔ لیکن آیت زیر بحث میں سبت لفظ اس تاویل سے بھی آزاد ہے۔ اور چونکہ اس کے معنے کاٹنا ہیں۔ جیسے سنسکرت میں ہنسا کہتے ہیں جس کی قدیم دھرم میں پوری ممانعت ہے۔ اس لئے اصل مطلب ویسے ہی صاف ہے۔ کہ اُنہوں نے ہنسا کے متعلقہ قانون کو توڑا۔ پھر سبت کے معنے آسایش و روزگار کے ہیں۔ اس لئے یہ مفہوم سب سے وزن دار ہو سکتا ہے۔ کہ آسایش یا اقبال ملے تو ادھرم یا ظلم نہ کرنا۔

۹۹- ذلیل بندر

کُونُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ کی تفسیر میں مفسر لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ سچ مچ بندر بن گئے تھے۔ امام مجاہد کا قول ہے۔ دل مسخ ہوئے تھے۔ صورتیں نہیں۔ مفردات میں منقول ہے۔ اخلاق بندروں کے سے ہو گئے۔ بیان القرآن میں حسب ذیل آیات اس دعوے کی تائید میں دی ہیں۔

(سورہ نساء آیت ۴۷) ہم ان پر لعنت کریں۔ جیسا سبت والوں پر لعنت کی۔ چونکہ رسول اللہ کے دشمن بندر نہیں بنائے گئے۔ بلکہ ذلیل کئے گئے۔ اس لئے یہاں بھی ذلت سے ہی غرض ہے۔

سورۃ المایدہ آیت ۶۰۔ ان میں سے بندر اور سور بنائے۔ اور وہ جس نے شیطان کی پرستش کی۔ یہ لوگ بہت بُری حالت میں ہیں۔ اور سیدھے راستے سے بہت دُور بھٹکے ہوئے۔ یہ انسان کو ملزم کرنے کا طریق ہے نہ حیوان کو۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ قرآن میں کسی کو گدھے سے مثال دی ہے۔ کسی کو کتے سے۔ بندر نقل کرتا ہے۔ اس لئے یہاں انہیں بندر کہنے سے مراد محض نقالی کے طور پر رسوم ادا کرنا اور حقیقت سے بے خبر ہونا ہے یا ذلت کے لحاظ سے بندر کہا ہے۔ عربی میں بندر کی مثال زنا کی کثرت کے لئے دی جاتی ہے۔ اور یہودیوں میں اس بدی کی کثرت کی بائبل شہادت دیتی ہے۔۔۔۔ ان باتوں کے لحاظ سے وہ بندر بنے!

غرایب القرآن میں مچھلیوں کے شکار والی فلاسفی متعلقہ سبت کا ذکر کر کے لکھا ہے۔ کہ" ان کو خدا نے سزا دی۔ کہ صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دئیے۔ اور ان پر پھٹکار برسنے لگی۔ حمائل التفسیر میں غرایب القرآن سے مختلف قسم کی مچھلی فلاسفی بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ

"جب متواتر سرکشیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے کسی انسان پر لعنت پڑتی ہے۔ تو اس کے قوائے ظاہری و باطنی ایسے مارے جاتے ہیں۔ کہ سب کا میلان بے دینی اور بدراہی کی طرف ہو جاتا۔ اور نیکی اور خدا ترسی کے مذاق اور احساس بالکل مارے جاتے ہیں۔ اس لعنت کو قرآن مجید کئی صورتوں سے بیان فرماتا ہے۔ مثلاً دل پر زنگ بیٹھ جانا۔ آنکھوں پر پردہ پڑ جانا۔ کانوں میں ڈاٹ لگ جانا۔ زندگی سے محروم ہو جانا۔ گونگے اور بہرے ہو جانا۔ شر الدواب بن جانا۔ چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہو جانا۔ ایسا ہی بندر سور اور بندہ شیطان بن جانا بھی ایک قسم کی لعنت الٰہی ہے جس میں ان کے تمام قوائے انسانی مارے جا کر بندروں سوروں اور شیطانوں کے مشابہ ہو جاتے

ہیں۔ ان کے چہرے پھٹکارے ہوئے نظر آتے۔ اور ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔ یہ انتہا درجہ کی لعنت ہے۔ کہ باطنی پھٹکار کے ساتھ چہرہ اور ظاہری جسم بھی پھٹکارا جاوے۔ اس کے بعد قرآنی آیات سے اسی دعوے کو دوہرا کر کہا ہے۔" جو شخص انتہا درجہ کا بدکار بیدین شریر ہے پاک ہو جاتا ہے۔ تو آخرکار اس کا چہرہ پھٹکارا جاتا ہے۔ اس کے چہرہ سے لعنت کے آثار برستے ہیں۔ مگر مسخ صورت انتہا درجہ کی بدکاری اور بیدینی کے بعد ہوتا ہے"

سر سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کُوْنُوْا قِرَدَۃً کے متعلق مفسرین نے عجیب وغریب باتیں بیان کی ہیں۔ اور لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ سچ مچ صورت و شکل و خاصیت بھی بندر ہو گئے تھے۔ بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تیسرے دن مر گئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ بندر جو اب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اُچھلتے پھرتے ہیں۔ انہی بندروں کی نسل میں سے ہیں۔ ان سب باتوں کو لغو خرافات کہہ کر آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک گروہ یہودیوں کا سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا ان کی قوم کے مشایخوں نے منع کیا۔ جب نہ مانا۔ تو ان کو قوم سے منقطع۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے سے الگ۔ میل جول سے علیحدہ کر دیا۔ اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور اسی لئے ان کی حالت بندروں کی سی ہو گئی تھی۔ جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ یعنی جس طرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار و رسوا ہو۔ جس کے سبب اس زمانے کے لوگوں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ آنے والے ان کی ذلت و رسوائی کا حال سُن کر عبرت پکڑیں۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ کہ ان کا سچ مچ بندر ہونا سوائے اہل الجثہ کے کسی کو تسلیم نہیں۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس سے انکار کیا ہے۔ بیضاوی سے مجاہد کا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ ان کی صورتیں بندر کی سی نہیں ہو گئی تھیں۔ بلکہ ان کے دل بندروں کے سے ہو گئے تھے۔ اور اسی لئے بندروں سے ان کی تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے گدھے کے ساتھ بے عمل کتابوں والوں کی دی جاتی ہے۔ لیکن یہ جملہ بیانات محض اپنی اپنی اٹکل کی باتیں ہیں۔ اور یہ محض اس لئے ظہور میں آ رہی ہیں۔ کہ ایک غلطی یا جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی غلطیوں اور جھوٹوں کی پناہ لی جا رہی ہے۔ ایک آواگون کے سچے اور لازمی اصول کو مانا ہوتا۔ تو علمائے اسلام کو اس طرح پر تاریکی میں دشت نوردی کرنی نہ پڑتی۔ سورہ آل عمران کی آیت ۶ میں بالکل بجا لکھا ہے۔ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآن کی متشابہ آیات یعنی نظایر اور فروعی امور پر بحث کرتے مختلف تاویلات پیش کرتے۔ اور دنیا میں اختلافات پھیلاتے ہیں۔ آواگون کی صداقت کا ثبوت ہم خود قرآن کی ہی کثیر التعداد آیات سے اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور انکار تناسخ صریحاً قرآن اور رسُول کے فرمان کے خلاف ہے۔ اس لئے مفسرین کے اوپر کے بیانات سب نقش بر آب ہیں۔ قرآن میں کہیں یہ نہیں لکھا۔ کہ مرنے کے بعد بندر اور سور بننا ناممکن ہے۔ یوں ہر خیال کا مفسر گناہ کی وجہ سے بندر یا سور بننے کا امکان تو قبول کرتا ہے۔ مگر کوئی تو اس زندگی میں ہی دل کا اور صورت کا مسخ ہونا مانتے ہیں۔ اور کوئی جسم کے لحاظ سے بعد موت ہی تبدیلی مانتا ہے۔ اور کوئی محض ذلت وغیرہ

کی صورت میں بندر پن کے ظہور کا قایل ہے۔ مگر کچھ ہی ہو۔ ویدک آواگون کو ہوبہو اسی صورت میں نہ ماننا غلطی ہی غلطی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے۔ کہ گنا ہگاروں کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ کن کن قالبوں میں انہیں بھٹکنا پڑتا ہے۔ (سورہ انفطار) اور دیل بھی صاف ہے۔ کہ اگر ایک شخص اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو فریق مخالف کے خیال کے مطابق مسخ دل وصورت کا مستحق ہے۔ لیکن قبل عمل درآمد اس مسخ کے وہ مرجاتاہے۔ تو اسے وہ جسم اور دل فی الواقعی کیوں نہ ملے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کے علاوہ بیان القرآن کی پیش کردہ ہر دو آیات کا مفہوم بھی تناسخ کی تائید کرتا ہے۔ اور ابطال تناسخ کی کامل تردید۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۴۷ کا وہ خود یہ ترجمہ دیتا ہے "اے لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ جو ہم نے اتارا ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم بڑے بڑے لوگوں کو مٹادیں۔ اور ان پر ذلت یا لعنت وارد کریں۔ جس طرح کہ ہم نے سبت والوں پر لعنت کی۔ اور اللہ کا حکم تو ہو ہی چکا ہوا ہے" کیا یہاں بڑے لوگوں کا مٹایا جانا یعنی مرنا اور ذلیل ہوتا یا لعنت کیا جانا کا ایک ہی مفہوم نہیں۔ اور موت یا ایسی لعنت سے پہلے کتاب یا ہدایت کو قبول کرنے کی تاکید نہیں۔ واقعی انسانی زندگی میں ہدایت الہی کو قبول نہ کیا گیا۔ تو موت آنے پر وہ ذلت اور لعنت نصیب ہو گی۔ جو اصحاب سبت کو نصیب ہوئی۔ یعنی وہی بندر اور سؤر بننا۔ پس مٹایا جانے کے بعد ہی ادنےٰ قالبوں میں جانا ہوگا۔ انسان کا پھٹکارا جانا یہاں مراد نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی مفسر صاحب آج بڑے سے بڑے بدکاروں بدبینوں اور بدراہوں میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ پتہ دے سکتے ہیں۔ کہ اس کا چہرہ صاف طور پر بندر یا سؤر کی ذلت اور پھٹکارا والا ہے۔ یا اس کا دل بندر کا سا ظاہر ہو رہا ہے۔ آخری الفاظ کہ اللہ کا حکم تو ہو ہی چکا ہوا ہے۔ صاف بتاتے ہیں۔ کہ خواہ زندگی میں انسان کو ان کے اندر کی یہ حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ تو بھی اللہ تو عالم الغیب ہے۔ وہ تو اپنے سچے قانون یا حکم کے مطابق ان کو بندر یا سؤر کے قالب کا ہی مستحق قرار دے چکا ہے۔

دوسرا حوالہ المائیدہ ۶۰ کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔

"کہو میں تم کو بتاؤں۔ کہ اللہ کی طرف سے اس سے بدتر بدلہ پانے والا کون ہے۔ وہ جس پر اللہ نے پھٹکار کی۔ اور اس پر ناراض ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سؤر بنائے۔ اور وہ جس نے طاغوت کی پرستش کی۔ یہ مرتبہ میں بدتر اور سیدھے رستے سے بہت دور بھٹکے ہوئے ہیں۔"

ان الفاظ میں خود بیان القرآن نے تناسخ کی وہ پُر زور تائید کی ہے۔ کہ کسی بیرونی یا اندرونی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس مضمون میں بد لوگوں سے گذر کر بدتر لوگوں کا پتہ دیا گیا ہے۔ کہ ان پر اللہ پھٹکار کرتا۔ اور ناراض ہوتا ہے۔ اور انہی میں سے ان کے اعمال کے مطابق کسی کو بندر بناتا ہے۔ کسی کو سؤر وغیرہ

اس کے علاوہ آیت کے یہ الفاظ بڑے معرکے کے ہیں۔
شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی وہ برے درجے یا قالب یا ٹھکانے والے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے الفاظ غیر المغضوب علیھم والضالین کی تشریح کرتے ہوئے

ہم نے لکھا تھا کہ یہ بھٹکنے والے وہ ہیں جو آواگون کے چکر میں ہیں۔ سو یہاں بھٹکنا کا لفظ راہِ راست سے انحراف کرنے والوں کے لئے بندر اور سؤر وغیرہ بننے کے معنے میں صاف استعمال ہو رہا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں بھی صراط المستقیم پر نہ چلنے والے ہی ضالین ملنے گئے ہیں۔

۱۰۰ - تذبیح بقر

وَاِذْ

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُ نَا
۶۷ هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ⑥ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ
۶۸ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ⑦ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
۶۹ لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ⑧
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ
۷۰ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ⑨ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا
۷۱ تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْ
هَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ⑩

ع ۸

۷۲ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ①
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
۷۳ تَعْقِلُوْنَ ②

اور موسےٰ نے اپنے لوگوں کو کہا۔ کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے۔ بقر کو ذبح کرو۔ انہوں نے کہا۔ کہا تو ہمیں دکھ یا بیہودہ تمسخر کی بات کہتا ہے۔ کہا پناہ بخدا کہ میں ایسا جاہل بنوں۔ ۶۔ انہوں نے کہا (تب) ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو۔ کہ وہ ہم پر واضح کرے۔ کہ بقر ہے کیا۔ کہا خدا فرماتا ہے۔ کہ یہ بقر نہ بوڑھا (بڑا) ہوتا ہے۔ اور نہ بچہ (پہلی حالت والا) ہاں ان دونوں حالتوں میں وہ جوان یا سہارا دینے والا ہے۔ پس کرو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے۔ ۷۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے لئے (پھر) اپنے رب سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں صاف علم دے۔ کہ اس بقر کی نیچر یا نوعیت کیا ہے۔ بولا خدا فرماتا ہے۔ یہ بقر آدمیوں کا شکمی سانپ ہے۔ شوخ تیز مزاج کا مگر اہل نظر کے لئے مسرت بخش ہے۔ ۸۔ بولے۔ ہمارے لئے (ایکبار اور) رب سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں صاف پتہ دے۔ کہ بقر کیا ہے۔ کیونکہ یہ (اب بھی) ہمارے لئے مشتبہ ہے۔ تحقیق اللہ نے چاہا۔ تو (اب کے) ہم ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ ۹۔ کہا اللہ فرماتا ہے۔ کہ بقر نہ ہل چلانے کے لئے تمہارے مطیع ہے۔ نہ کھیتی کی آبپاشی کے لئے۔ بالکل بے داغ رکھنے کے لئے سپرد کیا گیا ہے۔ بولے اب آپ نے صحیح پتہ بتایا۔ پس انہوں نے اسے ذبح کیا۔ مگر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔ ۱۰۔ اور جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تو اس سے تمہیں نور مل گیا۔ اس طرح اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات ظاہر کرتا ہے۔ ۱۱۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ اس بات کو کسی نفس پر چسپاں کرو۔ اسی طرح اللہ مردہ کو زندہ کرتا ہے۔ اور اپنی آیتیں تمہیں دکھاتا ہے۔ کہ تم عقلمند ہو جاؤ۔ ۱۲۔

۱۰۱ اختلاف تاویل

قبل اس کے کہ ان آیات کی تعلیم کی خوبیاں اور اپنے ترجمے کی صحت کے متعلق کچھ لکھا جاوے۔ یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی مختلف تاویلات اور الٹے معانی پیش کر کے قرآن مجید کے متعلق ہی غلط فہمی نہیں پھیلائی گئی۔ تمام انسانی جماعت کی تباہی کا سامان کیا گیا ہے۔ حمائل التفسیر میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ ایک گائے کو ذبح کرو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کیا تو ہم سے مخول کرتا ہے۔ موسےٰ نے کہا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا۔ ہماری خاطر اپنے رب سے دعا کر۔ کہ اس کی ماہیت ہم کو بتا دے۔ کہا وہ فرماتا ہے۔ کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو۔ نہ بچھیا۔ دونوں میں بیچ کی راس ہو پس کرو۔ جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اپنے رب سے دعا کر۔ ہمیں اس کی رنگت بتلا دے کہا وہ فرماتا ہے۔ وہ گائے ہو زرد۔ اس کا رنگ خوب گہرا۔ کہ دیکھنے والوں کو خوش کرے۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے واسطے رب سے دعا کر۔ کہ ہم کو بتلا دے۔ کہ وہ کیسی ہو۔ ہم کو تو ایسی بہت سی گائیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور انشاء اللہ ہم ضرور ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ موسیٰ نے کہا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ گائے نہ تو کمیری ہو۔ کہ زمین جوتتی ہو۔ اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ صحیح سالم۔ اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا۔ اب تو نے حق بتلا دیا۔ پس انہوں نے گائے ذبح تو کی۔ مگر قریب تھے۔ کہ نہ کریں۔ اور جب تم نے ایک نفس کو مارا۔ پس اس (نفس کشی) میں تم نے نور حاصل کیا۔ اور اللہ تمہارے

پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ اس کی بعض باتوں کو بعض کے ساتھ مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کیا کرتا ہے۔ اور تم کو اپنی آیتیں دکھاتا ہے۔ کہ تم عقل پکڑو۔"

ترجمان القرآن میں یہ ترجمہ دیا ہے۔

"اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ (سیدھی سادی) بات کہی تھی۔ کہ خدا کا حکم ہے۔ ایک گائے ذبح کردو۔ (بجائے اس کے کہ راست بازی کے ساتھ اس پر عمل کرتے لگے۔ طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے۔ پہلے) کہا۔ (بھلا کیونکر ممکن ہے۔ کہ خدا نے ایسی بات کا حکم دیا ہو۔) معلوم ہوتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا۔ نعوذ باللہ۔ اگر میں (احکام الہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا شیوہ اختیار کروں۔ یہ سن کر وہ بولے۔ اگر ایسا ہی ہے۔ (تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ کھول کر بیان کردے۔ کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہیئے۔ (یعنی ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہے۔ کہ ایسی گائے ہو۔ جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو۔ نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہے۔) چاہیئے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (لیکن انہوں نے پہلے سوال کا جواب نہ پا کر ایک دوسرا سوال پیدا کردیا) کہنے لگے۔ اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی بتلادے۔ کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہیئے۔ موسیٰ نے کہا۔ حکم الہی یہ ہے۔ کہ اس کا رنگ زرد ہو۔ خوب گہرا زرد۔ ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہو جائے۔ (جب رنگ کی خصوصیت بھی متعین ہو چکی۔ تو انہوں نے ایک اور الجھاؤ پیدا کردیا۔) کہنے لگے (ان ساری باتوں کے بعد بھی) ہمارے لئے (مطلوبہ) جانور کی پہچان مشکل ہے۔ اپنے پروردگار سے کہو۔ کہ (اور زیادہ وضاحت کے ساتھ) بتلادے۔ کہ جانور کیسا ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ ہم ضرور پتہ نکال لیں گے۔ اس پر موسیٰ نے کہا۔ اللہ فرماتا ہے۔ ایسی گائے ہو۔ جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو۔ نہ کبھی آبپاشی کے لئے کام میں لائی گئی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم۔ داغ دھبے سے پاک صاف (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا۔ تو پھر عاجز ہو کر بولے۔ ہاں اب تم نے ٹھیک بات بتلادی۔ چنانچہ جانور ذبح کیا گیا۔ اگرچہ ایسا کرنے پر وہ دل سے آمادہ نہ تھے۔" اور پھر (غور کرو۔ وہ واقعہ) جب تم نے (تمہاری قوم نے) ایک جان ہلاک کردی تھی۔ اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے۔ اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ اور (جرم و معصیت کی) جو بات تم چھپانا چاہتے تھے۔ خدا اس کو آشکارا کردینے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ کہ ہم نے حکم دیا۔ اس (شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے (بعض اجزائے جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا۔ تو حقیقت کھل گئی۔ اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مردوں کو زندگی بخشتا۔ اور تمہیں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے۔ تاکہ فہم و دانش سے کام لو۔

غرائب القرآن میں قریباً ایسا ہی ترجمہ آیت ۷۱ تک کا ہے۔ مگر آخری دو آیات کا ترجمہ یہ دیا ہے۔

"اور (اے بنی اسرائیل) جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا اور لگے (اس کے بارے میں) جھگڑنے (کوئی کسی کو قاتل بتاتا کوئی کسی کو) اور جو تم چھپاتے تھے۔ اللہ کو (اس کا پردہ) فاش کرنا (منظور) تھا۔ پس ہم نے کہا۔ کہ گائے (کے گوشت) کا ٹکڑا مردے (کی لاش) کو چھوا دو۔ اسی طرح (قیامت

ہیں) اللہ مُردوں کو جلائے گا۔ اور (وہ دنیا میں) تم کو اپنی (قدرت کی نشانیاں) دکھاتا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔ (کہ قیامت کا ہونا برحق ہے)"

بیان القرآن میں آیات ماقبل کے ترجمے میں خفیف سے فرق کے ساتھ آخری دو آیات کا یہ ترجمہ ہے۔ "اور جب تم نے ایک شخص کو (اپنی طرف سے) قتل کر دیا۔ پھر آپس میں اس (قتل) میں اختلاف کیا۔ اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ جو تم چھپاتے تھے۔ پس ہم نے کہا۔ اس کو اس کے بعض سے مارو۔ اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

حمائل التفسیر میں بڑا طویل نوٹ دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس قوم کی جہالت بیدینی گاؤ پرستی وغیرہ کی وجہ سے خدا نے یہ حکم دیا۔ مقصود یہ تھا۔ کہ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے یہ نظارہ دکھایا جاوے۔ کہ گائے خدا نہیں۔ گائے کے متعلق جو بار بار سوال ہوئے۔ اس کی بابت یہ لکھا ہے۔ کہ یہ محض کج بحثی تھی۔ اور اس قوم کی بد معاشی وغیرہ کا ثبوت۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ انہوں نے گائے ذبح تو کی۔ مگر ایسی بیدلی اور مجبوری کے ساتھ کہ نہ کرنے کے برابر تھی۔ لیکن چونکہ آپ نے ۲۷ آیت کے ترجمے میں ایک نفس کو قتل کرنا لکھا ہے۔ اور عملی طور پر گائے کے ذبح کرنے کا مطلب نفس کو ہی مارنا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ کہہ دیا ہے۔ کہ موسیٰ سے جو تذبیح گاؤ والا حکم ہوا۔ وہ جدا واقعہ ہے۔ اور ایک نفس کو قتل کرنے والا جدا واقعہ ہے۔

بیان القرآن میں مَاکَادُوْا یَفْعَلُوْنَ کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص گائے تھی۔ اور چونکہ قوم کے دل میں اس کی محبت اور عظمت تھی۔ اس لئے ذبح نہ کرنا چاہتے تھے۔ بار بار کی ہیرا پھیری کا مطلب ہی یہی تھا۔ کہ کسی طرح یہ حکم ٹل جائے۔"

بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہ کوئی معمولی گائے نہ تھی۔ بلکہ آسمان سے اُتری تھی۔ حالانکہ سب چارپائے خدا سے ہی اُترے ہیں۔ یعنی پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح اکثر مفسر صاحبان تو کہتے ہیں۔ گائے ذبح ہوئی۔ مگر بہت سے کہتے ہیں۔ گائے ذبح نہیں ہوئی۔ بلکہ محض ارادہ کیا گیا۔ کیونکہ کادَ کے معنے بعض اوقات ارادہ بھی آتے ہیں۔ یعنی اس نے ارادہ کیا۔

پھر یہ امر کہ یہ حکم کیوں ہوا۔ غرایب القرآن میں اس طرح مذکور ہے۔ (صفحہ ۲۲۳) مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہودیوں میں ایک خون ہو گیا تھا۔ اور اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اور اس کو مارا تھا۔ اسی کے وارثوں نے اور وہی دعویدار بنے تھے۔ حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے ایک گائے ذبح کرائی۔ اس کا کوئی ٹکڑا مُردے کو چھوا دیا۔ مُردے نے تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہو کر قاتل کو بتا دیا۔ حمائل التفسیر میں بھی یہ قصہ دیا گیا ہے۔ کہ ایک بنی اسرائیل نے ورثہ کے لالچ سے اپنے ایک عزیز کو قتل کر کے چوراہے میں گرا دیا تھا۔ پھر آنحضرت موسیٰ کے پاس حاضر ہو کر اس نے شکایت کی۔ کہ میرے عزیز کو کسی نے قتل کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے قاتل کی تحقیقات کی۔ تو کچھ پتہ نہ چلا۔ تب بنی اسرائیل نے التجا کی۔ کہ آپ اپنے رب سے اس کا حال دریافت فرماویں۔ تب انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس امر کو پہلے بنی اسرائیل

نے مسخرہ پن سمجھا۔ اور اس کی ماہیت رنگت اور خاص علامات کی بابت سوال کرتے رہے۔ آخر کار اسے ذبح کیا۔ تو بیدلی اور مجبوری سے اس کے بعد اللہ نے حکم دیا۔ کہ اس گائے کا ایک عضو لے کر مقتول کی نعش پر مارو۔ وہ زندہ ہو کر خود بتلا دیگا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ مقتول زندہ ہو گیا تب اس نے قاتل کا نام بتلا دیا۔ اور وہی قاتل ثابت ہوا۔ جو شکایت لے کر آیا تھا۔

بیان القرآن میں بھی بتایا ہے۔ کہ گائے کے ذبح والا واقعہ جدا ہے۔ اور آخری دو آیتوں والا واقعہ جدا۔ مگر دوسرے جدا واقعہ کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ بعض تو نفس کشی کی ہدایت لیتے ہیں۔ اور بعض ایک شخص کو قتل کرنے کی کہانی اخذ کرتے ہیں۔ جو یہ ہے۔ کہ

ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا۔ تاکہ اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی جائداد کا وارث ہو۔ مگر ایک بیان سے یہ بھتیجا اور چچا والی بات بھی غلط کہی جاتی ہے۔ اور حضرت مسیح کی طرف ان آیتوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے۔ کہ آیت نمبر ۷۱ میں دو جرموں کا ذکر تھا۔ آیتوں سے انکار اور نبیوں کا قتل۔ سو آیت ۷۲ والا نفس کوئی عظیم الشان انسان یا نبی ہے۔ کسی معمولی شخص کو قتل کرنا قوم کو ملزم نہیں بنا سکتا۔ ہاں نبی کے قتل پر کل قوم ملزم ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ بتایا یہ گیا ہے۔ کہ اپنی طرف سے قتل کر دینے کے بعد پھر ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ اور دوسرے یہ کہ وہ قتل میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ کہ جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے۔ اللہ نے اُسے ظاہر کرنا تھا چونکہ حضرت مسیح کے واقعہ کے متعلق یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اس لئے یہ ذکر انہی کا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے۔ کہ انہوں نے اس کو قتل کیا۔ نہ صلیب پر مارا۔ بلکہ ان کے لئے وہ مشتابہ بالمقتول کر دیا گیا۔ اور سورہ نساء آیت ۱۰۷ میں کہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا سے بھی یہی مطلب پیش کیا جاتا ہے۔ کہ بعض یا کسی قدر قتل کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ پورا قتل نہیں ہوا۔ جیسا مسیح کے متعلق اعتقاد ہے۔ ایسا ہی یُرِيكُمْ آيٰتِهٖ کے متعلق بھی مختلف رائیں ہیں۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ مسیح جو تم کو مُردہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اسے خدا نے زندہ کر دکھایا۔ اسی طرح تم کو جو ایک مردہ قوم ہو۔ خدا زندگی عطا کرے گا۔ غرایب القرآن لکھتا ہے۔ کہ ذبح گائے سے قاتل کا پتہ لگنا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ یعنی جس طرح مذبوح کا مُردہ کو چھوا دینے سے مردہ جی اُٹھا۔ اور سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ مُردے کے چھوا دینے اور اس کے جی اُٹھنے میں کیا تعلق تھا۔ اسی طرح قیامت کے دن ہزاروں ہزار برس کے مردوں کا جی اُٹھنا کسی کو سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر ہو گا ضرور"۔

یہ محض اشارۃً لکھا گیا ہے۔ اگر ہر امر کے متعلق اختلافات کا پورا پورا بیان تمام تفسیروں سے دیا جائے تو نہایت ہی طویل ہو گا۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ لیکن ایک اور امر کا بیان اختلافات کے نمونوں کے مضمون میں سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور وہ ہے سر سید احمد صاحب کی رائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ توریت میں یہ ذکر ہی نہیں۔ کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے بقر کا اتا پتا پوچھا۔ اور اس کے ذبح کرنے کے بعد کا جو قصہ توریت میں ہے۔ وہ قرآن مجید میں نہیں۔ ہاں بیل کے ذبح کرنے کا حکم قرآن اور توریت دونوں میں ہے۔ پس سر سید صاحب سرے سے گائے کی بجائے بیل کے معنے لیتے ہیں۔ اور

اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں۔ کہ بُقرۃٌ بالتحریک و معہ التائے گائے اور بیل دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ لا ذلول تُثیر الارض ولا تسقی الحرث صاف طور پر بیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ زمین جوتنے اور پانی دینے میں بیل کو ہی لگایا جاتا ہے۔ آپ کی یہ بھی رائے ہے۔ کہ قرآن میں بتائے گئے نشانوں اور نشانیوں سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ وہ بیل بت پرستوں یا کافروں کے طریقہ پر چھوڑا ہوا تھا۔ تفسیر کبیر میں بھی مسلمہ کی تفسیر چھوٹے ہوئے سانڈ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ موسیٰ نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ مگر بنی اسرائیل اسے بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے اس کے اتنے پتے پوچھتے تھے۔

ایک نفس کو قتل کرنے کے واقعہ کے متعلق آپ نے لکھا ہے۔ کہ قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ حالانکہ وہ ان لوگوں میں ہی تھا۔ جو موجود تھے۔ تب حضرت موسیٰ کے دل میں خدا نے یہ ڈالا۔ کہ مقتول کے اعضاء سے مقتول کو ماریں۔ اس میں راز یہ تھا۔ کہ جو قاتل نہیں۔ وہ اپنی بے قصوری کے یقین سے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے۔ مگر اصلی قاتل کے دل میں خوف ہوگا۔ کیونکہ فطرت کے تقاضے سے اور جہالت کے زمانے میں ایسا خوف ہر مجرم کے دل میں طاری ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہیں مارے گا۔ مبادا مردہ زندہ ہو کر میرا نام بتا دے۔ ایسا ہی آپ اس امر پر بحث کرتے ہیں۔ کہ ایک قصہ ماننا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اور کئی مفسرین کی رائے ہے۔ بلکہ یہ دو قصے ہیں۔

۲-۱۔ تمام تاویلات غلط ہیں

چونکہ قرآن میں ہر امر کو عالمگیر اصُول کے تحت اور تعلق میں رکھنے کا خاص نظریہ ہر کہیں زیر عمل ہے۔ اور گائے کی لاش کا ٹکڑا مردہ لاش سے چھوا کر زندہ کرنے کا اصُول عالمگیر تو کہاں، کسی بھی ملک میں قابل عمل نہیں۔ نہ کسی پہلے زمانے میں اس پر عمل ہوتے کے تاریخی ثبوت ملتے ہیں۔ بلکہ معقولیت سے اس کا امکان بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قصہ محض توہمات باطلہ کے ضمن میں ہی آ سکتا ہے۔ اور حمائل التفسیر میں جو یہ طور امر واقعہ نفس کشی کو قبول کیا ہے۔ اس سے بھی بقر لفظ سے چوپایہ گائے نہیں۔ بلکہ نفس کا ہی مطلب نکلتا ہے۔ پھر ظاہرا ترتیب اور الفاظ قرآن سے اس قصہ کی صاف طور پر تصدیق نہ ہونے اور ذبح گاؤ کی پُر زور تردید ہونے میں حسب ذیل وجوہات دی گئی ہیں۔

۱۔ ذبح گائے کا بیان پہلے ہے۔ اور قتل نفس کا بیان بعد میں۔

۲۔ موسیٰ کی کلام والا واقعہ جدا یا دو لایا گیا ہے۔ اور نفس کو قتل کرنے والا جدا۔

۳۔ یہ کہنا۔ کہ جو کچھ چھپایا جاتا ہے۔ اللہ اسے عیاں کر دیتا ہے۔ ایک مستقل یا دوامی قاعدہ کی طرف دلالت کرتا ہے۔

۴۔ کنتم تکتمون سے چھپانے والے بہت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر قصہ سے محض ایک قاتل ہی چھپانے والا ظاہر ہوتا ہے۔

۵۔ آخری آیت میں مردوں کو زندہ کرنے کا دوامی قاعدہ ہے۔ مگر گائے کے عضو کو چھوانے سے کبھی اور کہیں مردہ زندہ ہوتا دیکھا نہیں گیا۔

۶۔ موتٰے کا لفظ قدرتی موت ظاہر کرتا ہے۔ مگر قصہ والا مقتول ہے۔
۷۔ موتٰے کا لفظ جمع ہے۔ اور قصے والا مقتول واحد ہے۔
۸۔ آیات جو خدا دکھاتا ہے۔ وہ جمع ہیں۔ مگر مقتول نشان واحد ہے۔
۹۔ الفاظ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ نشان دکھاتا ہے۔ مگر قصے والا نشان تو آنحضرت کے عہد میں دکھایا نہ جا سکتا تھا۔ وہ تو محض ماضی کی ایک خبر ہو سکتی تھی۔
۱۰۔ یُرِیْ فعل مضارع ہے۔ جو حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ ماضی پر نہیں۔
۱۱۔ مضارع کے صیغے عموماً قرآن مجید میں قواعد کلیہ پر دلالت کرتے ہیں۔
۱۲۔ لعلکم تعقلون سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس بیان کا معقولیت سے تعلق ہے۔ مگر قصہ والا واقعہ خلاف عقل نہ مشاہدہ ہے۔ اور مداریوں کے شعبدہ کے مشابہ ہے۔
۱۳۔ ماتکتمون عام مکتوبات کے شامل ہے۔ ایک خاص پر کیسے محدود ہو۔
۱۴۔ الفاظ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ گائے کا ٹکڑا مارنے سے وہ مقتول زندہ بھی ہوا۔ بلکہ موت اور زندگی کا عام اصول بیان ہوا ہے۔
۱۵۔ حشر نشر کے قائل کرنے کا مطلب لیا جائے۔ تو بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ نہ بنی اسرائیل کو اس سے انکار تھا۔ نہ اس کا سوال تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ مفسرین کا تاویلات میں اختلاف ہے۔ یقینی نتیجہ کوئی نکل نہیں سکتا۔ حتے اکہ اخیر میں وہ واللہ علم کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے قصص کا بیان نہ قرآن میں ہے۔ نہ حدیث میں۔ نہ کوئی معتبر کتاب یا اور یقینی ذرائع ان کی صحت کے ہیں۔ لہذا جیسے مریمؑ اور اصحاب کہف وغیرہ کے متعلق بعض امور قرآن میں اخبار غیب میں شامل بتائے گئے ہیں۔ اس پر زیادہ بحث کرنے کی نسبت اس کے متعلق سکوت سے کام لینا بہتر ہے۔"

جہاں مفسرین خود ان تاویلات کی بدولت آیات کے حقیقی مفہوم کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ وہاں ترجموں کے نقص بھی صحیح تاویل تک پہنچنے میں بھاری رکاوٹ ہیں۔

اول بقر کا ترجمہ یہاں گائے سے کرنا بالکل غیر موزوں ہے۔ کیونکہ جب موسیٰ نے خدا کا حکم سنایا۔ تو موسیٰ کے لوگ بقر کو عام رواج کے مطابق گائے سمجھے۔ اور ان کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ اور وہ جھنجھلا کر بولے۔ کہ یہ دل لگی یا مخول ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اس پر موسیٰ نے غلط فہمی کو دور کیا۔ معذرت چاہی اور صاف بتایا۔ کہ ایسا قول جاہلوں کا ہو سکتا ہے۔ (میرا مطلب گائے سے نہیں۔) پس شروع میں ہی جب ایسے لفظ موجود ہیں۔ تو یہ گائے کے علاوہ اور ہی کچھ مقصود ظاہر کرتے ہیں۔

دوم۔ غلط فہمی دور ہونے پر جب وہی لوگ بار بار کہتے ہیں "مَا هِيَ" وہ کیا ہے۔ اور نیز یہ کہ بقر ہمارے لئے اب بھی مشتبہ ہے۔ یعنی اس کا صحیح مفہوم اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ تو کسی مترجم کا کیا حق ہے۔ کہ وہ بقر کو گائے کے معنے میں لے۔

سوم۔ اگر واقعی بَقَرَۃ لفظ کا گائے سے تعلق ہوتا۔ تو کسی سوال کی گنجائش ہی نہ تھی۔ کیونکہ بنی اسرائیل کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ کہ گائے مشہور چوپایہ حیوان ہے۔ جو دودھ دیتا ہے۔

چہارم۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ انہوں نے پاک یا مطلوبہ گائے کے اوصاف جاننے کے لئے اگلے سوال کئے۔ تو بھی یہ سوال غلط ہیں۔ کیونکہ خدا کی پیدا کردہ ہر ایک گائے پاک ہے۔ اگر کسی گائے میں خاص اوصاف ہونا ذبح کے حکم سے تعلق رکھتا۔ تو خدا خود اپنے الہامی علم میں فرما دیتا۔ وہ آدمیوں کے سوال کا محتاج نہ رہتا۔ یعنی ذبح بقر کے ساتھ پہلے ہی مطلوبہ گائے کے اوصاف ہوتے۔

پنجم۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے۔ کہ بقر کیا ہے۔ تب تک اس کے کوئی معنے لکھے نہیں جا سکتے۔ ہاں بقر کی جو جو تعریف بیان ہوگی۔ وہ سب سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کل بیان گائے پر عائد ہوتا ہے۔ یا کسی اور پر۔ مثال کے طور پر یوم الدین کو لیجئے۔ اس کا ترجمہ یہ کہیں قیامت کا دن کیا جاتا ہے۔ اور سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ اس سے مراد وہی دن ہے۔ جو دنیا کے خاتمے پر آئیگا۔ اور جس میں مُردے قبروں سے اٹھیں گے وغیرہ۔ لیکن سورہ انفطار میں قرآن سوال کرتا ہے۔ وَمَا ادراک ما یوم الدین کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ یوم الدین کیا ہے۔ اگلی آیت میں کہا ہے۔ تم سے پھر پوچھتے ہیں۔ کہ یوم الدین کیا ہے۔ اب اگر اس کا ترجمہ ہو بہو قیامت کا دن رکھ کر سوال کیا جاتا ہے۔ تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلے یوم الدین کی تعریف سمجھنی ہوگی۔ اور بعد میں اگر وہ تعریف اس قیامت کے دن پر صادق آئے گی۔ تب اس کا ترجمہ قیامت کا دن کرنا بجا ہوگا۔ ایسا ہی اور جگہ قرآن سوال کرتا ہے۔ وَمَا ادراک ما لیلۃ القدر۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ اس کا ترجمہ اگر پہلے ہی [٢]شب قدر پر عائد ہوتی ہے یا نہیں۔ پس جب سوال یہ ہے۔ مَا هِيَ۔ مَا هِيَ تو اس سے پہلے ہی بقر کو گائے کہنا صحیح نہیں۔

ششم۔ جب گائے لفظ کا بقر کی جگہ ابھی لکھنا غلط ہے۔ تو الفاظ بوڑھی اور بچہ اور جوان گائے کے ساتھ کس طرح لگ سکتے ہیں۔ اور پھر تینوں لفظ گائے کے لئے کس طرح آسکتے ہیں۔ بچہ یا کم سن کے لئے بچھڑا یا عجل کا لفظ آتا ہے۔ اسے گائے کہتے ہی نہیں۔

ہفتم۔ بقر کے متعلق بیان ہوا۔ کہ وہ نہ بوڑھا ہوتا ہے۔ نہ بچہ۔ دونوں حالتوں میں جوان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی بھی گائے ایسی نہیں۔ جس پر بچپن۔ جوانی اور بڑھاپا تینوں حالتیں نہ گذریں۔ لہذا بقر کا لفظ گائے پر عائد کرنا سراسر غلط ہے۔

ہشتم:۔ آیت ۶۹ میں لَوْن کا ترجمہ رنگ کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا حکم خدا سے پہلے ملا ہی نہ تھا۔ کہ گائے کی قربانی کرتے ہوئے پہلے مجھ سے پوچھ لینا۔ کہ میں کس رنگ کی گائے چاہتا ہوں۔ واقعی یہ ترجمہ تمسخر آمیز ہے۔ کیونکہ نہ رنگ سے قربانی پر اثر پڑتا ہے۔ نہ ذائقہ یا تاثیر وغیرہ پر۔ کیا زرد کے علاوہ اور رنگوں کی گائیں ناپاک ہیں۔

نہم۔ صراح میں لَوْن کے معنے لکھے ہیں۔ گونہ چوں زردی و سرخی و مانند آں۔ و نوع وغیرہ جب اس کے معنے نوعیت پر بھی عائد ہو سکتے ہیں۔ اور نوع کا استدلال خو یا فطرت پر بھی مائل ہے۔ جیسے متلون جو لون سے بنا ہے۔ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو ایک خو پر قائم نہ رہے۔ ایسی صورت میں بقر کی فطرتی صفت کا خیال چھوڑ کر گائے کا رنگ پوچھنا کس طرح ایک عالمانہ تحریر پر راہنمائی کا استحقاق دے سکتا ہے۔ منتخب اللغات میں بھی صراح والے ہی معنے ہیں۔ لون کے معنے ہیں گون

[٢] شب قدر کر دیا جاوے۔ اور اس کا مفہوم مروجہ ماہ رمضان کا لیا جاوے۔ تو غلط ہوگا۔ کیونکہ پہلے تو لیلۃ القدر کی تعریف قرآن سے جو آپ سے جانی*

اور گُوں کے معنے ہیں۔ رنگ۔ قسم ڈھنگ طور۔ طریقہ۔ اسلوب اور جواب میں جو صفرا کا لفظ ہے۔ وہ بھی رنگ کا نہیں۔ حقیقت کا پتہ دیتا ہے۔ پس ترجمہ میں رنگ لکھنا، اس موقعہ پر صحیح نہیں۔

ہم۔ جب رنگ کا سوال ہی غلط ہوا۔ تو شوخ یا تیز رنگ، کا جواب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ترجمہ کرنے سے پہلے قدیمی اور اعلیٰ لغات سے صَفْرَاءُ فَاقِعٌ کے متعلق تحقیق کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بجائے رنگ کے صراح جلد اول صفحہ ۳۳۹ پر صفرا کے معنے "مار در شکم مردم" صاف لکھے ہیں۔ اور اگر قرآن کے صحیح مفہوم کو جاننے کے لئے اس مضمون کے متعلق محنت سے کام لیا جائے۔ تو یہ الفاظ تمام عقدوں کو حل کر دیں گے۔

یازدہم۔ لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ذلول لفظ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر اسی پر معقولیت سے غور کیا جاتا۔ تو بھی معاملہ صاف ہو جاتا۔ ذلول کے معنے رام مطیع وغیرہ ہیں۔ اور آیت میں کہا گیا ہے۔ کہ بقر نہ زمین جوتنے کے لئے (انسان) کے مطیع کیا گیا ہے۔ نہ کھیت کو پانی دینے کے لئے۔ اب بقر کو گائے کے معنے میں لیں۔ تو بچھڑا بیل۔ گائے کی کل نوع پر یہ لفظ عائد ہوگا۔ اور زمین جوتنے کا کام نہ لو۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ بقر جو ذبح کرنا ہے۔ وہ زمین جوتنے یا کھیتی کو پانی دینے کے لئے انسان کے مطیع نہیں کیا گیا۔ انسان کے قابو کا نہ ہونے والا بقر بھی گائے بیل نہیں ہو سکتا۔ اور یقیناً گائے کی جاتی میں یہ وصف ہو نہیں سکتا۔ وہ تو کھیتی کی اغراض سے مخصوص ہے۔*

غرضیکہ کہاں تک لکھا جاوے۔ ترجمے غلط ہونے سے بھی تاویلات غلط ہو رہی ہیں۔ اور غور و تعمق کی کمی سے بھی اس نقص کو مدد مل رہی ہے۔ اور گو کشی کا رواج بھی قرآن کو سمجھنے میں روک ہے۔ بار بار کا یہ سوال کہ وہ (بقر) کیا ہے۔ کج بحثی اور ٹال مٹول پر محمول ہو رہا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ایسا ہوتا۔ تو موسیٰ جیسا اولوالعزم نبی فوراً ان پر ڈانٹ بتاتا۔ اور خدا عذاب نازل کرتا۔ اس کے علاوہ اہل موسیٰ نے جب تین بار سمجھنے کے لئے سوال کرنے کے بعد خود ہی کہدیا۔ کہ ہاں ہاں اب ہمارا جواب آگیا۔ تو کیا۔ یہ کج بحثی اور ٹال مٹول کی تہمت کا کافی و شافی جواب نہیں ہے۔ بقر کے ذبح کرنے سے اگر گائے کی ہی مراد ہوتی۔ تو سوال یہ ہو سکتا تھا۔ کہ مذکر کو ذبح کریں یا مونث کو۔ بڈھے کو یا جوان کو۔ سو یہ سوال ہوا ہی نہیں۔

پھر یہ بیان کہ گائے کی لاش کا ٹکڑا چھوا دینے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ اور بھی ناقابل تسلیم ہے۔ اگر مردوں کو زندہ کرنے کے لئے اُس زمانہ میں یہ امر نشانی تھا۔ یا قیامت کے وقت ہو سکتا ہے۔ تو کیوں نہ عملی طور پر آج کوئی شخص یا جماعت جو اس کی قائل ہو۔ یہ نظارہ دکھا کر معاملہ کو نپٹا دے۔ کیا اگر یہ تاویل صحیح اور معقول ہوتی۔ تو گورنمنٹ اور پولیس ہر ملک میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے اس طریق کو کام میں نہ لاتی۔ کس قدر پیچیدہ مقدمات رونما ہو رہے ہیں۔ اور تحقیقات کرنے والوں کو کس قدر مغز پچی کرنی پڑ رہی ہے۔ کیوں نہ ان کو اس مصیبت سے رہائی دلانے کے لئے عملی کارروائی کی جاوے۔ یہ تاویل کہ حضرت مسیح کا تعلق ہے۔ اس واقعہ سے کہ انہوں نے ایک نفس کو مارا۔ خود قرآن ہی سے رد ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی پوزیشن یہ ہے۔ کہ نہ مسیح قتل ہوئے۔ نہ مصلوب۔ بلکہ ان کو محض شبہ ہوا۔ تب

* اور پانی دینے کے کاموں سے بری کیا گیا کوئی بھی بقر معلوم نہ ہوگا۔ کیونکہ رواج خواہ کہیں بیل کو کسی کام سے اور گائے کو کسی کام سے بری رکھے۔ فی الحقیقت نہ۔

یہ واقعہ زندہ کرنے اور مارنے کے لئے نظیر کیسے ہُوا۔

یہ تاویل کہ یہ کوئی خاص گائے تھی یا بیل۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ سب کو چھوڑ کر خدا محض ایک گائے یا بیل کو قتل کرنے کا حکم دے۔ معقول نہیں ہوسکتا۔ اور یہ امر بھی کہ یہ ایک خاص گائے تھی۔ جس کی محبّت اور عظمت کی وجہ سے لوگ اسے قتل نہ کرنا چاہتے تھے۔ ایسا ہوتا۔ تو صحیح پتہ ملنے پر وہ ذبح کیوں کرتے۔ پھر خدا اور پتے کیوں دیتا۔ اس گاؤ کے مقام کا پتہ دیا جاتا۔ بجائے اور نشانیوں کے۔ اور وجہ بتائی جاتی۔ کہ اس کو کیوں ذبح کیا جاوے۔ اگر بچھڑے کو پُوجنے کا گناہ کچھ لوگوں نے کیا تھا۔ تو اس کی سزا ان کو ملتی۔ نہ کہ کسی بے زبان گائے کو۔ اور یہ تاویل کہ خدا کو دکھانا منظور تھا۔ کہ گائے خدا نہیں۔ خدا کی اور بھی توہین کرتی ہے۔ کیونکہ جس کا علم کامل ہے۔ اور جو تمام سچی تعلیمات سے عقلوں کو روشن کرکے یہ واضح کر رہا ہے۔ کہ میں ہی انسانی جماعت کا واحد معبود ہوں۔ اسے گئو کو مروا کر یہ سبق دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت جب لوگ بغیر گائے کے ذبح ہونے کا نظارہ دیکھنے کے کتابی تعلیم اور ہدایت سے مان رہے ہیں۔ کہ گئو محض حیوان ہے۔ کیا اس وقت کے لوگوں پر یہ علم سے واضح نہ ہوسکتا تھا۔ اس طریق استدلال سے تو مردم پرستی کے الزام سے بچنے کے لئے نبیوں کو قتل کرنا لازمی ہوگا۔ یہ ثبوت دینے کے لئے کہ نبی خدا نہیں

دوازدہم۔ تذبیح بقر اور ایک جان کو مار دینا کے جدا واقعات ماننے سے بھی مشکل حل نہیں ہوتی۔ اگر اس گائے کے جسم کا ٹکڑا مقتول کو چھوآیا گیا۔ تب تو دونوں امور کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہوا۔ اور اگر مقتول کے جسم کا ٹکڑا ہی لاش کو مارا گیا۔ تو گائے کے ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور یہ آیات فعل عبث کا مفہوم پیش کرتی ہیں۔

۱۰۳ بقر سے مراد من یا نفس ہے

اس کل بحث میں قرآن لفظ بقر کو نفس یا من کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کے لئے حسب ذیل ثبوت قابل غور ہے۔

۱۔ آیت نمبر ۵۴ میں بچھڑا بنا کر پُوجنے کی بناء پر مُوسیٰ نے اپنے لوگوں کو کہا ہے۔ کہ خدا کے نزدیک تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تم اپنے نفسوں کو مارو۔ یعنی من کو وش میں کرو۔ اس کے چند آیات بعد یعنی آیت ۶۷ میں اگر مُوسیٰ گائے کو ذبح کرنے کا حکم سنائے۔ تو یہ اجتماع ضدین ہوگا۔ کیونکہ اصل واقعہ وہی ہے۔ جو پہلے مذکور ہوا۔ پس فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مندرجہ آیت ۵۴ اور تَذْبَحُوْا بَقَرَةً مندرجہ آیت نمبر ۶۷ کا ایک ہی مطلب ہونا لازمی ہے۔ یعنی نفس کو قتل کرنا۔

۲۔ زیر بحث بقر کی یہ تعریف بتائی ہے۔ کہ وہ نہ بوڑھا ہوتا ہے۔ نہ بچہ۔ بلکہ وہ دونوں حالتوں میں جوان ہے۔ اور یہ بیان سوائے من کے کسی پر عائد نہیں ہوتا۔ کیا بچہ اور کیا بوڑھا دونوں میں من جوان ہے۔ کہا بھی ہے۔ کہ چوں مرد پیر شود حرص جواں گردد۔ یعنی جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حرص جوان ہو جاتی ہے۔

یہاں تین الفاظ پر خاص غور کرنے کی ضرورت ہے۔ فارِض۔ بِکر اور عوان
فارض کے لغوی معنے ہیں۔ "ہرچہ کلاں و بزرگ جثہ باشد" (منتخب اللغات) گاؤ پیر بھی اس

کے معنے میں لکھا ہے۔ لیکن یہ محض ان ترجموں سے لغات میں نقل کیا گیا ہے۔ جن کا نمونہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ پس فارض کا اصل مفہوم محض یہ ہے۔ کہ شے معلومہ پہلی حالت سے بڑھتے بڑھتے عمر اور طاقت یا جسامت کسی بھی لحاظ سے ترقی والی حالت کو پہنچی ہو۔

بکر فارض کی ضد ہے۔ دوشیزہ یا کنوارنی لڑکی کو بکر کہہ سکتے ہیں یا غلط الہام باکرہ۔ لیکن اس صورت میں یہ عوان کی ضد ہے۔ پس یہاں اس کا اصل معنے پہلی حالت ہے۔ خواہ کسی بھی شے کی ہو۔ پیدا ہوا بچہ بکر ہے۔ اور اوائل عمر کے لحاظ سے پانچ یا دس سال کا بچہ بھی بکر کہا سکتا ہے۔ اور آیت ۶۸ میں چونکہ دونوں حالتوں کی نفی ہے۔ اس لئے یہاں گائے سے مراد نہیں ہو سکتی۔ جس پر یہ دونو حالتیں گذرتی ہیں۔ ہاں من یا نفس ہے۔ جو پہلی اور پچھلی حالت یا بچپن اور بڑھاپا یا چھوٹی اور بڑی دونوں حالتوں سے الگ ہے۔

عوان کے معنے ہیں۔ جنگی کہ یکبار دراں کارزار کردہ شود (منتخب اللغات) اس معنے کے لحاظ سے آہستہ آہستہ ترقی ہوتے یا بڑھنے کی تردید پائی جاتی ہے۔ اور اس کے علاوہ شوہر والی عورت۔ میانہ سال گائے۔ یا عورت یا ہر چیز کو بھی عوانَ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن عوان عَون سے ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ یاری کردن بنز پشتیاں یا سہارا دینے والا۔ چونکہ من بچپن کی حالت میں بھی جسم کا ویسا ہی سہارا اور حواس واعضائے جسم سے کام لینے والا ہے۔ جیسے بڑھاپے میں۔ اس لئے اسی کے واسطے "عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ" کہنا موزوں ہے۔ یہ معنے لینا۔ کہ بچپنے اور بڑھاپے کے درمیان کی عمر والی گائے ہو۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں وسطی حالت کی طرف اشارہ ہی نہیں۔ کہ اوسط نکالی جاوے۔ اور اگر دونوں حالتوں کے مابین مراد لی جاوے۔ تو پیدا ہوئے بچے اور بوڑھے کی درمیانی حالت ۱۰ یا ۴۰ سال سے لے کر ۷۰ یا ۸۰ سال تک کی ہر گنتی پہ عاید ہو سکتی ہے۔ مگر اس صورت میں فارض اور بکر کے بعد عَوَانٌ بَیْنَہُمَا کا لفظ ہونا چاہیئے۔

پس عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ پہلی حالت میں بھی عوان ہے۔ اور پچھلی میں بھی۔ جیسا کہ نفس واقعی ہے:

۳۔ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ" اس کے معنے مفسرین نے شوخ زرد رنگ کئے ہیں۔ اور لغت میں اس معنے کی کچھ گنجائش بھی ہے۔ لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے۔ کہ فی الحقیقت یہاں بقر سے گائے ہی مراد ہے۔ تب تک رنگ کے معنے لگانا موزوں نہیں ہو سکتا۔ کہا جائیگا۔ سوال چونکہ لَوْن کے متعلق ہے۔ اور لَوْن کے معنے رنگ ہے۔ اس لئے جواب میں شوخ زرد رنگ کا ہونا معقول ہے۔ لیکن لَوْن کے معنے یہاں جیسا کہ ہم دفعہ ماقبل کے ضمن ۹ میں بتا آئے ہیں۔ خو۔ فطرت۔ نوعیت ہے۔ اور اس بحث میں سوال بقر کے متعلق خو یا سوبھاؤ کا ہونا ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ رنگ کا نہیں۔ اس لئے جواب میں بقر کی خو وغیرہ ہی آ سکتی ہے۔ اور یہ صراح کے حوالہ سے دفعہ ماقبل ضمن ۱۰ میں واضح ہو چکا ہے۔ کہ صَفَرَ کے معنے مار در شکم مردم ہے۔ یعنی انسان کے پیٹ میں جو سانپ ہے۔ شیطان کے متعلق بحث کرتے ہوئے ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ ویدک سنسکرت کے اہی ورتر۔ اہی بش الفاظ کے معنے سانپ۔ اجگر۔

اژدہا ۔ بادل ۔ برے خیال ۔ بڑا انسان وغیرہ ہیں۔ بائیبل وغیرہ میں شیطان کو سانپ لکھا ہے۔ جس نے حوا کو بہکایا ۔ سعدی بھی ناخلف اولاد کو سانپ سے بدتر قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

زنان باردار اے مردِ ہشیار　　اگر وقتِ ولادت مار زایند
ازاں بہتر بنزدیک خردمند　　کہ فرزندان ناہموار زایند

یعنی حاملہ عورتیں اگر زچگی کے وقت سانپ جنیں۔ تو عقلمند آدمی کے نزدیک یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ ناخلف بیٹے جنیں۔ پس برے آدمی تو باہر کے سانپ یا شیطان ہیں۔ اور نفس نامی شیطان انسان کے پیٹ والا سانپ ہے۔ فَاقِعٌ کے معنے تروتازہ اور شوخ بھی ہیں۔ چونکہ من تھکتا نہیں۔ ہر وقت تازہ دم اور شوخ یا تیز مزاج ہے۔ خیال کرتے ہی ہزاروں میلوں پر پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی من پر ہی دلالت کرتا ہے۔

۴۔ "تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ" اس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں کہ "دیکھنے والوں کو بھلی لگے"۔ لیکن یہ صفت گائے کی نہیں کہی۔ بلکہ بتایا ہے۔ کہ بقر وہ ہے۔ جو اہل نظر کو بھلا لگتا ہے۔ اور بھلا لگنا بھی موزوں لفظ نہیں ہو سکتا۔ سُرُّ کے معنے خوشی شادمانی مسرت ہے۔ چونکہ من ہی اہل نظر کو مسرت دیتا ہے۔ یا من سے ہی تمام چیزیں مرغوب ہو سکتی ہیں۔ آنکھ وغیرہ سے نظر آنے والی شئے بھی سامنے پڑی ہو۔ مگر من کی ادھر رغبت یا توجہ نہ ہو۔ تو نظر نہیں آتی ۔ اس لئے ناظرین کو خوشی دینے والا یا دنیا کی اشیاء کو انسان کے لئے مرغوب بنانے والا بقر بھی من ہی ہے۔ اور جو من روح کے قابو میں ہو ۔۔۔ ہو۔ اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ سچے ناظر یا گیانی کے لئے وہ موجب راحت ہے۔ اور نفس کو جیتنے والے جب گیان حاصل کرتے ہیں۔ تو انہیں سچا سرور یا آنند ملنا بھی مسلمہ ہے۔

۵۔ آخری بات یہ بتائی گئی۔ کہ بقر نہ تو زمین جوتنے کے لئے انسان کے مطیع کیا گیا ہے۔ نہ پانی دینے کے لئے۔ چونکہ بَقَرَۃ بیل اور گائے دونوں کے لئے آ سکتا ہے۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ زمین جوتنے یا پانی دینے کے لئے انسان کے مطیع نہیں کیا گیا۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ بیل ۔ گائے پر ہی کھیتی کا مدار ہے۔ کہیں گائے سے ہل جوتنا وغیرہ کا کام نہیں لیا جاتا۔ تو اس کے بیٹوں سے تو لیا جاتا ہے۔ پس یہ بیان بھی گائے پر نہیں۔ من پر ہی چسپاں ہوتا ہے۔ ہل جوتنے یا کھیتی کی اغراض والا بقر یہاں مقصود نہیں۔ بلکہ وہ بقر جو ان کاموں میں نہیں آتا۔ وہی مراد ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ من ان کاموں کے لئے مقصود نہیں۔

۶۔ مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا سے بھی من ہی کی مراد ہے۔ جب کہا گیا ہے۔ کہ بقر زیر بحث کھیتی کے کام کے لئے انسان کے مطیع نہیں کیا گیا۔ تو سوال پیدا ہوا۔ کہ پھر کس کام کے لئے مطیع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ صحیح و سالم رکھنے یا سلامتی کے لئے دیا گیا ہے۔ اس لئے نہیں۔ کہ گناہوں سے داغدار کیا جاوے۔ وید میں جو من کی پوترتا کو سنتیہ سے قائم رکھنے کی ہدایت ہے۔ اور من کو شیو سنکلپ بنانے کی اسی غرض کا اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے۔ شِیَۃَ لفظ سے مراد وہ دھبہ یا داغ ہے۔ جو سارے وجود کے رنگ سے مختلف ہو۔ مگر من کا وصف یہ ہے۔ کہ اس میں ایک وقت میں ایک ہی خیال رہتا ہے

اس میں دوسرے رنگ کی سمائی نہیں۔

(۷) آیت ۷۱ میں جو یہ کہا۔ کہ ہاں اب تو صحیح پتہ لایا۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آخر ان کو پتہ لگ گیا۔ یا سمجھ آ گئی۔ کہ بقر سے کیا مراد ہے۔ اور یہ کہ بقر والا سارا مضمون محض ایک معمہ یا بجھارت ہے۔ جیسے یہ پہیلی ہے۔ کہ

یکے مرغ دیدم نہ پاؤ نہ پر ۔۔۔ نہ از شکم مادر نہ پشتِ پدر

نہ بر آسمان و نہ زیر زمیں ۔۔۔ ہمیشہ خورد گوشتِ آدمی

پہلے کہا۔ میں نے ایک جانور دیکھا۔ حالانکہ یہ جانور کا نہیں۔ بلکہ غم کا بیان ہے۔ پھر کہا۔ اس کے نہ پاؤں ہیں نہ پر۔ جواب دینے والا سوچتا ہے۔ کہ وہ جانور ہی کیا ہوگا۔ جس کے نہ پر ہوں نہ پیر۔ مگر جب یہ سنا کہ نہ وہ ماں کے پیٹ سے ہے۔ نہ باپ کی نسل سے۔ تو حیرانی اور بھی بڑھ گئی۔ بغیر ماں باپ کے کوئی جانور ہو نہیں سکتا۔ اس لئے مجیب نے سمجھ لیا۔ جانور کا لفظ فرضی ہے۔ دراصل مراد کسی اور چیز سے ہے۔ اس پر اور پتہ ملا۔ کہ نہ آسمان پر ہے۔ نہ زمین پر۔ مگر کام یہ کرتا ہے۔ کہ ہمیشہ انسان کا گوشت کھاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجیب کو یاد آتا ہے۔ کہ چنتا یا غم کی بابت سنا ہوا ہے۔ کہ انسان کو کمزور دبلا پتلا کرنا۔ اور گوشت وغیرہ کو پنپنے نہیں دیتا۔ اس لئے وہ اوپر کی سب باتوں کو اس پر عائد کرتا۔ اور جب تسلی ہو جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ ہاں ہاں ایسا جانور غم ہے۔ بعینہ بقر کی سب علامات سن کر آخر میں موسیٰ کے لوگوں کو معمہ کی سمجھ آ گئی۔

۸۔ وہ سمجھ کیا آئی۔ یہ کہ بقر یہاں من یا نفس کو کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا۔ کہ انہوں نے اس (بقر) کو ذبح کیا۔ تو آگے اس کو یوں لکھا۔ کہ "اور جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تو تمہیں اس نفس کشی میں صحیح معنوں میں ادراک یا نور حاصل ہوا۔" جو لوگ فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ وہ اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس درء مادہ سے تدارء مشتق ہے۔ اس کے معنے دفع یا دور کرنا ہے۔ جھگڑنا نہیں۔ اور چونکہ پہلی آیات میں کہا گیا تھا۔ کہ بقر کے متعلق ہمیں شبہات ہیں۔ اس لئے جب ٹھیک پتہ ملا۔ تو شبہات کا دفع یا دور ہونا ہی لازمی تھا۔ نہ کہ جھگڑنا۔ اور جب شبہات دور ہوئے تو چیز کی حقیقت کا انکشاف یا اس کے متعلق روشنی ملنا ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے نور حاصل کیا۔ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چونکہ یہاں آخری نتیجہ نفس کشی کا لکھا ہے۔ اور نفس یا من کو قابو کرنے پر ہی انسان عالم مراقبہ میں صحیح علم کا نور حاصل کرتا ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے۔ کہ شروع سے حکم وذکر نفس کو قابو یا قتل کرنے کا ہی چلا آتا ہے۔

(۹)۔ آیت ۷۲ میں جو یہ کہا۔ کہ اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرتا ہے یا اس کو ظاہر کرتا ہے جو تمہارے اندر نہاں ہے۔ یہ بھی پُرزور تائید ہمارے دعوے کی کرتا ہے۔ کیونکہ رشی لوگ من کو مار کر یا اس کے تعلقات کو علیحدہ کر کے ہی اپنے اندر دھیان کرتے اور علمی کمالات کا دیدار پاتے ہیں۔

۱۰۔ اس سے پہلے آیت ۷۱ میں یہ کہا۔ کہ انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ مگر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے۔ یہ الفاظ بھی اصل حقیقت کے متعلق قطعی فیصلہ دیتے ہیں۔ اگر مجسم گائے ذبح ہوتی۔ تو یہ فعل سب کو نظر

آسکتا تھا۔ مگر جس تذبیح بقر کا ان آیات میں بیان ہے۔ وہ معلوم نہ ہوئی۔ مَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ کا سوائے اس کے کوئی مفہوم نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ من یا نفس پر قابو پانے کا فعل اندر ہی اندر سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہرا ہوتے ہوئے معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بیان من کے متعلق ہی صحیح ہے۔

۱۱۔ آخری یعنی ۷۳ آیت میں اس ہدایت کو انسانوں پر چسپاں کرنے کو کہا گیا ہے۔ جو خالی خالی ہیں۔ جس کسی کو نفس کشی سے نور حاصل ہوگا۔ وہ گویا نئی زندگی پائے گا۔ اور اپنی مثال سے بتائے گا۔ کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ نیز اپنی آیتوں کے اندر حقیقی علم دکھاتا ہے۔ اور لوگوں کی عقلوں کو روشن کرتا ہے۔ رشی لوگ سمادھی میں وید منتروں کے جو معانی دیکھتے تھے۔ اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اور نیز نفس کشی کی ضرورت اس سے واضح کی گئی ہے

۱۰۴۔ قابل غور حقیقتیں

۱۔ ویدک دھرم میں پنچ مہا یگیہ ہر روز کرنے کی ہدایت ہے۔ اور خاص قسم کے اور یگیہ مختلف موقعوں کے لئے رکھے گئے ہیں انسان کی حالت کی تبدیلی کے خاص مرحلوں پر جو یگیہ ضروری ہیں۔ انہیں سولہ سنسکاروں کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ کل انسانوں کے لئے موسموں کی تبدیلی وغیرہ کے ساتھ یا اور ضروریات کی تکمیل کے واسطے جو یگیہ کئے جاتے ہیں۔ ان کا نام تیوہار بھی ہے۔ قطع نظر ان کے خاص یگیوں میں سے تین یگیہ مشہور مروّج تھے۔ اشومیدھ۔ نرمیدھ۔ گومیدھ

اشومیدھ یگیہ یہ تھا۔ کہ راجہ انصاف کرے۔ دھرم سے رعیت کو پالے۔ اور ایسا یتن کرے۔ کہ علم و ہدایت دینے والوں کا علم وغیرہ بڑھتا جائے۔ نیز آگ میں گھی وغیرہ کا ہوم کرے۔ نرمیدھ یہ تھا۔ کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کو ایسے عمدہ طریق پر جلایا جائے۔ کہ اس کی لاش سے دوسرے لوگوں کی صحت پر مضر اثر نہ ہو۔ گومیدھ کا مطلب یہ تھا۔ کہ اَن اناج زمین وغیرہ نیز حواس خمسہ اور من۔ بدھی وغیرہ اندرونی حواس کو پاکیزہ رکھا جائے۔ مگر جہالت کے زمانے میں اشومیدھ کی صورت یہ ہوئی۔ کہ گھوڑے کو مار کر یگیہ یا ہوم میں ڈالا جائے۔ نرمیدھ کے معنے انسان کی۔ اور گومیدھ کے معنے گائے کی قربانی ہوئی۔ اور اسی گومیدھ کو عربی زبان میں خاص زمانے میں بقر عید کا نام دیا گیا۔ اگر علم کا قاعدہ جاری رہتا۔ اور گو لفظ کے مصدری معنے بھولا نہ دیئے جاتے۔ اور انسان جہاں اپنی سب طاقتوں کو پاک رکھتا۔ وہاں تمام دنیوی اشیاء کو جن سے اس کا تعلق ہوتا۔ نہایت مفید طریق پر اپنے استعمال میں لاتا۔ گو لفظ اپنے مصدری معنے کے لحاظ سے ہر گتی یا حرکت والی شے کے لئے آتا ہے۔ سورج کی کرنیں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں۔ انسانی جسم والی اندریاں کس طرح اصول حرکت کے زیر اثر جسم کی مشینری کو چلا رہی ہیں۔ زمین سورج کے گرد اور اپنے محور پر دو گردشیں کر رہی ہے۔ اس لئے ان سب کو گو کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں جب بھی پاپ بڑھا۔ اور کسی بڑے آدمی کا ظہور ہوا۔ اہل مذہب نے اس کا بیان یوں کیا۔ کہ پرتھوی نے گؤ کی شکل میں پرمیشور سے پرارتھنا کی۔ یہ گؤ کی شکل زمین کو اس لئے دی گئی۔ کہ گو کے مصدری معنے کے مطابق زمین پر گو کے لفظ کا اطلاق ہونا بجا ہے۔

ہٹ یوگ پردیپکا میں زبان کے لئے گو شبد آیا ہے۔ اس لئے کہ منہ کے اندر یہ بھی حرکت کرتی ہے۔ اور

جیوا کو خاص عمل کر کے تالو میں ٹکانے یا بے حرکت رکھنے کو یہ لوگ گو مانس بھکشن کہتے ہیں۔ اس طرح گو کے مختلف معنے ظاہر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ موزوں یہ ہے۔ کہ اس سے من مراد لی جاوے۔ کیونکہ سارے جسم میں ایسا عضو کوئی نہیں۔ جو من کے برابر تیزی سے حرکت کرے۔ اور اسی لئے گو میدھ سے نفس کشی کا ہی مفہوم نکلتا ہے۔ چونکہ عربی قرآن قدیم تعلیم کی صداقتوں کو ہی پھیلانے کا دعوے کرتا ہے۔ اور عربی میں گو کے مقابلے پر کوئی لفظ سوائے بقر کے مل نہ سکتا تھا۔ اس لئے نفس کشی کے مفہوم والے گو میدھ کا ترجمہ تذبیح بقر ہی ہو سکتا تھا۔ اور وہی کیا گیا۔

دوم۔ گائے گھوڑا وغیرہ نرم مزاج حیوانات کے ساتھ انسان کا تعاون ہے۔ یہ بھی گویا آدم کے آگے جھکنے والے فرشتوں میں سے ہیں۔ اور انسان کے مطیع کئے گئے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں بھیمۃ الانعام کو جو حلال بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی محض یہ ہے۔ کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لے اور کھیتی۔ باربرداری یا سواری کا اور اس کے عوض میں ان کی حفاظت و پرورش کرے۔ ان چوپایوں کی یہ اطاعت اور انسان کی طرف سے ان کی پرورش گویا باہمی تعاون ہیں۔ اور قرآن فرماتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

کہ یہ تعاون نیکی اور پرہیزگاری کا ہو۔ گناہ اور ہنسا کا نہ ہو۔ چونکہ تذبیح گاؤ میں نہ نیکی ہے۔ نہ پرہیزگاری اور تعاون کا سلسلہ بالکل ٹوٹتا ہے۔ گناہ اور ہنسا کا اس سے تعلق رہتا ہے۔ اس لئے قرآن کے الفاظ سے "تذبیح گاؤ" کا مطلب نکالنا اس کی اصل اور سچی سپرٹ کا ناش کرنا ہے۔

سوم۔ یجر وید ادھیائے ۳۴ میں من کے عجیب و غریب اوصاف کا بیان ہے۔ تمام نیک کام۔ عمدہ انتظام علوم کا حصول۔ پاک اوصاف۔ راحت۔ جو پرمیشور علیم کل۔ موجود کل اور شاہد کل نیز طاقت کل ہے۔ اس کی صنعتوں اور حکمتوں کا ظہور اور جہالت وغیرہ کا دفعیہ سب کچھ اس من کے ذریعہ انسانوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ خواب اور بیداری ہر حالت میں دور دور پہنچنے والا۔ نہایت تیز۔ ہر دم تازہ دم یہ من شیو سنکلپ نہ ہو۔ تو تباہی اور بربادی کے سوا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن اس مدعا کو مد نظر رکھ کر ہی کہتا۔ کہ یہ سلامت اور بے داغ یا پاک رکھا جاتے کو تمہیں دیا گیا ہے۔ جہاں گائے بیل کی جاتی ہل چلانے اور پانی دینے کو ہے۔ وہاں بقر نفس اس لئے ہے۔ کہ کنول کی طرح پانی میں رہے۔ اور دنیوی کام کرتا ہوا بھی اس سے الگ کا الگ رہے۔ خواہشات میں مستغرق یا گناہ آلود من نہ خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ اس کا مالک انسان مقبل بارگاہ الہی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس کا بے داغ ہونا ضروری ہے۔

چہارم۔ جو لوگ قربانی کے نام سے تذبیح گاؤ کا جواز تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں واضح رہے۔ کہ یہ لفظ یگیہ کی جگہ ہے۔ خدا کے نام پر قربانی دینا یا خدمت خلق کے لئے وقف کرنا یا ہونا سب یگیہ کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ اور یگیہ ایذا رسانی یا ہنسا سے بالاتر ہے۔ گائے کا ایک نام اگھنیا ہے۔ یعنی نہ ماری جانے والی۔ اور یگیہ کو ادھور کہا جاتا ہے۔ یعنی ہنسا سے الگ۔

پنجم۔ ویدک دھرمیوں میں نفس کشی کے متعلق نہایت زوردار ہدایات موجود ہیں۔ اور من کے ہارے ہار ہے۔ من کے جیتے جیت یا من جیتے جگ جیت وغیرہ کے اقوال عام انسانوں تک کے علم

میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف کتھاؤں اور دا مثلہ جات سے بھی نفس کشی کی عظمت کا سکہ بٹھایا جاتا ہے مثلاً مشہور ہے۔ کہ راجہ جنک وصل خدا کرانے والے کو منہ مانگی دکھشنا دینے کا اعلان کرتا ہے۔ عالم لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مگر راجہ کی مراد بر نہیں آتی۔ یہ خبر جاسُن کر ایک نہایت کمزور کبڑے اشٹا بکر نام رشی پہنچتے۔ اور یہ عہد کرتے ہیں۔ کہ ہم برہم کا درشن کرائیں گے۔ مگر یہ بتاؤ دکھشنا کیا دوگے۔ راجہ کہتا ہے۔ آپ چاہیں تو سارا خزانہ لے لیں۔ رشی کہتے ہیں۔ خزانہ تو رعیت کی امانت ہے۔ آپ مجھے وہ چیز دیں جو آپ کی ہے۔ راجہ کہتا ہے۔ میں اپنے سارے دیش کا راج دے سکتا ہوں۔ رشی جواب دیتے ہیں۔ ملک تو زبردست کا ہے۔ کل کوئی اور راجہ چڑھائی کر کے تم سے حکومت چھین سکتا ہے۔ راجہ سوچ کے بعد کہتا ہے۔ میں اپنا بیٹا دیدونگا رشی کہتے ہیں جسے تو بیٹا کہتا ہے۔ اسے تیری رانی بھی بیٹا کہتی ہے۔ میں وہ چیز لے سکتا ہوں۔ جو خاص آپ کی ہو۔ راجہ کہتا ہے۔ تو اچھا میں اپنی رانی دے سکتا ہوں۔ رشی کہتا ہے۔ تو رانی کو اپنی کہتا ہے۔ اور وہ تجھے اپنا کہتی ہے۔ پس پہلے تو یہ فیصلہ ہو کہ تیری رانی ہے یا تو رانی کا ہے۔ پھر جسے تو اپنی رانی کہتا ہے۔ تیرا بیٹا اسے اپنی ماتا کہتا ہے۔ الغرض راجہ ہر طرح لاجواب ہوکر کہتا ہے۔ اچھا تو میں آپ کو اپنا من دکھشنا میں دیتا ہوں۔ رشی کہتے ہیں۔ یہ بھی تیرا نہیں ہو سکتا۔ مگر خیر چونکہ تیرے پاس اپنا کچھ ہے نہیں۔ اس لئے میں اسے قبول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چل پڑتے ہیں۔ کہ کل برہم درشن کرا دیں گے۔ سو رشی چلے گئے۔ راجہ محل میں پڑے ہیں۔ نہ حرکت کرتے ہیں۔ نہ بولتے ہیں۔ نہ سوچتے ہیں۔ جب من رشی کا ہو چکا۔ تو راجہ اس سے اپنے کام کا وچار کیسے کرے۔ ساری رات ویسے ہی شانت پڑے رہے۔ اگلے روز رشی آتے ہیں۔ تو راجہ بلانے پر بھی نہیں بولتا۔ رشی حقیقت کو سمجھ جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ راجہ میں تمہیں تمہارا من واپس دیتا ہوں۔ اس سے میرے سوال کا جواب دو۔ راجہ فوراً اُٹھتا اور رشی کے پاؤں پکڑ کر کہتا ہے۔ کہ رشی ورا مجھے برہم مل گیا۔ ٹھیک یہی فلاسفی قرآن کے ان الفاظ میں ہے۔ کہ انہوں نے بقر کو ذبح کیا۔ مگر ذبح کرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے۔ اور جب وہ نفس کشی کر چکے۔ تو انہیں نور مل گیا۔ فی الحقیقت نفس کی قربانی کے معنے ہی یہی ہیں۔ کہ روح کو اس سے الگ کیا جاسکے۔ تاکہ بجائے دنیوی تعلقات کے خدا سے روح کا تعلق ہو۔ اور سچ پوچھو۔ تو قربانی ہے ہی وہی جو خدا کا قرب دلاتی ہے۔ اور اس کا راز نفس کشی میں ہے۔

ششم:۔ جہاں نفس کشی کو وصل خدا کا موجب بتایا گیا ہے۔ وہاں نفس کو برائی کے موقع نہ دینے کے لئے خاص تمثیلیں بھی دی جاتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ ایک سیٹھ کو ایک شخص نوکری کی درخواست دیتا ہے۔ تنخواہ پوچھی جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ میں کچھ نہیں لوں گا۔ صرف ایک شرط پر کام کروں گا۔ کہ مجھے لگاتار کام ملتا رہے۔ اگر نہ ملیگا۔ تو میں خالی نہ بیٹھوں گا۔ جو چاہونگا نقصان کا کام کرونگا۔ سیٹھ نے کہا۔ یہ تو دونوں باتیں فائدے کی ہیں۔ کہ تنخواہ دیں گے نہیں۔ اور کام ہر وقت لے سکیں گے۔ الغرض تقرری ہوگئی۔ اور نوکر کام کرنے لگا۔ وہ ایسا تیز نوکر ثابت ہوا۔ کہ ہر کام آن کی آن میں ختم۔ سیٹھ کو ہر وقت کام کی فکر پڑی۔ اور جب مجبور ہو گیا۔ تو اس نے اسے پڑوسیوں کے کام پر لگایا۔ مگر وہ بھی ختم۔ سیٹھ حیران ہے اب کیا کام بتاؤں۔ مگر نوکر اس کے سوچنے کے وقت میں بھی خالی نہیں رہتا۔ ادھر برتن گراتا۔ ادھر چارپائی پھینکتا۔ کہیں کپڑے پھاڑتا اور کہیں مکان گراتا ہے۔ سیٹھ کی سب خوشی غمی میں تبدیل ہو گئی۔ اور

وہ سخت تکلیف محسوس کرنے لگا۔ اتفاق سے ایک مہاتما پہنچے۔ سیٹھ صاحب نے اس نوکر سے آپ کی سیوا کرائی۔ اور بھوجن آدی کے بعد ہاتھ جوڑ کر اپنا قصہ سنایا۔ کہ میں اس نوکر کے ہاتھوں ایسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ مہاتما بولے۔ یہ کیا بڑی بات ہے۔ معمولی سے علاج سے آپ کی تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ صحن میں ایک اونچا کھمبا گاڑ دو۔ اور جب یہ خالی ہو۔ تو اسے کہدو۔ کہ اس کھمبے پر چڑھتے اور اترتے رہو۔ یہ کام چونکہ ختم ہو ہی نہ سکتا تھا۔ اس لئے سیٹھ کو از حد خوشی ہوئی۔ اور وہ اس طریق سے تمام نقصانوں سے بچ گیا۔

اس مثال والا نوکر من ہے۔ جو ہر کام کے لئے پھرتی اور تیزی دکھاتا ہے۔ اور جو نہی کام نہیں ملتا۔ گندی۔ شرارت و عداوت کی باتیں سوچنے لگتا ہے۔ جس سے روح کی تمام نیک کمائی نشٹ ہونے لگتی ہے اور اس نقصان سے بچنے کے لئے ایشور کا دھیان یا اس کے نام کا جپ بطور کھمبا کے ہے۔ ضرب المثل ہے کہ

آدمی زادہ چوں شود بیکار		یا شود دزد یا شود بیمار

موسیٰ کے لوگوں سے اگر بچھڑے کے بت کی پوجا کرائی۔ تو اس شیطان نفس نے کرائی جس نے موسیٰ کی غیر حاضری میں ان کو بے صبر کر دیا۔ پس قرآن کا فرمان ہے۔ کہ اس نفس کو ذبح کرو۔ یعنی اسے اپنے وش میں رکھو۔

۱۰۵ قربانیٔ حیوانات کی ممانعت

گائے کو ذبح کرنے کا ہرگز ہرگز کوئی بیان نہیں۔ اس کے لئے ایک زبردست ثبوت یہ ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن میں قربانیٔ حیوانات کی اصولاً ہر کہیں ممانعت ہی ممانعت ہے۔

۱۔ سورۃ الحج آیت ۳۷۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ

خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون۔ بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو تمہیں ہدایت دی ہے۔ اس کے مطابق تم اس کی مہاگاؤ۔ اور نیک عملوں کو بشارت دو۔"

یہ آیت ہماری رائے میں قرآن کا قطعی فیصلہ سناتی ہے۔ کہ مروجہ قربانی اور گوشت خوری اصولاً ممنوع ہے۔ جو لوگ کہیں بھی قرآن کے ترجمہ میں اس کسوٹی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے اصل مدعا کو زائل کرتے اور نیز اس پر اجتماع ضدین کا الزام لگا کر اس کی بے حرمتی کرتے اور کراتے ہیں۔ اس آیت میں بھی تقویٰ پر ہی زور دیا ہے۔ اور تقویٰ کا تقاضا ان غریب حیوانات کی حفاظت اور پرورش ہی ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ المائدہ اور کئی سورتوں میں یہ بھی اعلان کر دیا ہے۔ کہ یہ حیوان کھینی۔ باربرداری۔ سواری وغیرہ کے متعلق تمہاری خدمت یا تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تمہیں دیئے گئے ہیں۔ ان کے فوائد کا خیال کر کے خدا کی تعریف یا اس کی بڑائی کرو۔ بائیبل یسعیاہ۔ باب اہیں ہے۔

تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام۔ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے سیر (بیزار یا تنگ) ہوں۔ اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکروں کا لہو نہیں چاہتا۔ جب تم اپنے

تمہیں میرے حضور آ کے دکھاتے ہو۔ تو کون تم سے یہ چاہتا ہے۔ کہ میری بارگاہوں کو روندو۔ اب آگے کو جھوٹے ہدیے مت لاؤ۔ ۔ ۔ ۔ جب تم اپنے ہاتھ پھیلاؤ گے۔ تو میں تم سے چشم پوشی کرونگا۔ اور جب تم دعا پر دعا مانگو گے۔ تو میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ تو خون سے بھرے ہیں "

گویا حیوانوں کی قربانی کرنے اور گوشت کھانے والے اس بات کے مستحق ہی نہیں۔ کہ خدا کے دربار میں حاضر ہوں۔ یا ہاتھ پھیلا دعا مانگ سکیں۔ جن کے ہاتھ خون سے بھرے ہیں۔ ان کی طرف نہ التفات ہوگی۔ نہ ان کی دعا سنی جائے گی۔

۲۔ اسی سورۃ کی ۳۲ آیت میں ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔
اس میں اس تقوٰے کی توضیح ہے۔ جو آیت ۳۷ میں مذکور ہے۔ یعنی دلی تقوی یہ ہے۔ کہ خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی جائے۔

۳۔ ان حیوانات کو کہیں رزق کہا ہے۔ کہیں رزق کا ذریعہ۔ کیونکہ انہی کے تعاون سے انسان کو وجہ معاش ملتی ہے۔ آیت ۲۸ میں کہا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ اور ان مقررہ دنوں (ایام حج) میں خدا کے نام کی یاد کرو۔ کہ اس نے تمہیں ان چوپائے حیوانوں کی قسم کا رزق دیا ہے۔

۴۔ آیت ۳۰ میں ان حیوانات کو حرمت اللہ کہکر ان کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسے خدا کے نزدیک بہتر بتایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ المائدہ میں ان حیوانات سے جو تعاون مذکور ہے۔ اس کا اشارہ کرکے کہا ہے۔ کہ بتوں والی ناپاکی اور جھوٹ بات سے بچو۔ یعنی بتوں کے آگے قربانی چڑھانے کا جو ناپاک عمل جاری ہے۔ اور جو جھوٹ ہے۔ تم اس کو ہرگز نہ کرو۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ہم نے تمام اُمتوں کے لئے یہ ویدی یا عبادت گاہ بنادی ہے۔ کہ جو رزق اہنک چوپایوں کی شکل میں یا ان کے ذریعے ملا ہے۔ اس پر خدا کی یاد کرتے رہو۔ سو تمہارا معبود خدا ایک واحد ہے۔ اسی کی فرمانبرداری کرو۔ اور اہنسا وادی لوگوں کو خوشخبری سنادو۔ یعنی ان لوگوں کو جن کا دل خدا کا ذکر آتے ہی پگھل جاتا ہے جو مصیبت کا صبر اور برداشت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور جو عبادت میں قائم اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنے والے ہیں۔ ۳۵۔ اور ہم نے انسانی جسموں کو تمہارے لئے خدا کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ (کیونکہ انسانی قالب نجات کا دروازہ ہے) پس تم ان پر صف بستہ ہو کر اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ ہر لحاظ سے پختہ ہو جاویں۔ ان کے ذریعے کما کر کھاؤ۔ اور قانع اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ تاکہ تم شکر کرتے رہو۔

نوٹ۔ آخری ۳۶ آیت کا لفظ وَالْبُدْنَ جمع ہے۔ بدنۃ کی اور حقیقت میں یہ انسانی بدن کے معنے میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ اونٹ کی قربانی کرنے والوں کے عمل کو مد نظر رکھ کر مفسرین نے بوجہ جسم کی جسامت دفربہی کے اونٹ پر اس کو لگایا ہے۔ سو اگر اس البُدْن کو اونٹ کے لئے سمجھیں۔ تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔

اب اونٹ کو لو۔ ہم نے تمہارے لئے یہ بھی اللہ کی خاص نشانی بنائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے بڑی بہتری ہے۔ پس ان کا دودھ دوہتے ہوئے اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ بچہ جنے۔ اس کے ذریعے خود کھاؤ۔ اور اہل قناعت وحاجت کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ تاکہ تم شکر کرتے رہو۔

۶- سورۃ المایدہ آیت ۲ میں بطور شرعی حکم یا مستقل ہدایت کے کہا ہے۔ لَاتُحِلُّوا شَعَائِرَ اللّٰہِ یعنی اللہ کی نشانیوں کو نہ مٹاؤ۔ اور چونکہ تمام حیوانات اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لہذا ان کو ذبح کر کے ان کو مٹانے کی صورت میں قربانی کرنا ممنوع ہے۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۷ جو عام اصول پیش کرتی ہے۔ وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اور قرآن اجتماع ضدین کا محل ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بھی اور آیت سے مروجہ قربانی وگوشت خوری ثابت کی جاوے۔ ہماری رائے یہ ہے۔ کہ اس مضمون کے متعلق قرآن متضاد بیانات نہیں دیتا۔ ہاں غلط ترجموں کی بدولت ایسا نقص واقعہ ہو رہا ہے۔ اوپر جو آیات سورۃ الحج کی ہم نے پیش کی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قربانی کا رد ہی رد قرآن میں موجود ہے۔ اور جیسے وید کی ہدایت ہے۔ کہ سب چیزیں یگیہ میں لگیں۔ یعنی ان کا نیک استعمال کر کے انہیں بنی نوع انسان کے لئے فیض رساں بنایا جاوے۔ اسی طریق یگیہ کا قرآن اعادہ کرتا ہے۔ چنانچہ ان مظہرات الٰہی کی قدر ومنزلت یا عزت وعظمت کی ہدایت کا لازمی تقاضا ہے۔ کہ انہیں قائم رکھا جاوے۔

۷- آیت ۳۴ میں فرمایا ہے۔ کہ ان حیوانوں پر ہی انسان کے رزق کا انحصار ہے۔ لہذا ان کا میسر ہونا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس خدائے واحد کی یاد کی جاوے۔ اور اس کی ہستی کو تسلیم اور قابل پرستش سمجھا جاوے۔ اور نرم مزاج یا اہنسا وادی لوگوں کو خوشخبری سنائی جاوے۔ مُخْبِتِیْنَ کے معنے عاجزانہ مزاج کے انسان ہیں۔ جو ظلم اور بدی سے خائف رہتے ہیں۔ اس معنے کو اہنسا وادی لفظ پورے طور پر ادا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ نہ کسی کو ایذا دینا چاہتے ہیں۔ نہ دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قربانی کی صاف ممانعت یہاں مقصود ہے۔ کیونکہ نرم مزاج لوگ ہی جنت کی بشارت کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں پھر ان کے اوصاف یہ بتائے ہیں۔ کہ رقت بھرا دل رکھتے ہیں۔ جو خدا کا نام سنتے ہی پگھل جاتے ہیں۔ مصیبت کا صبر اور برداشت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کے دیئے ہوئے ہر قسم کے رزق کو فیض عام میں لگاتے ہیں۔ نرم مزاج لوگوں کا ذکر کر کے اور ان کی یہ اوصاف بتا کر ایک گونہ جذبات سے اپیل کی گئی ہے۔ کہ کوئی ان بے زبان پروپکاری جانوروں کا خاتمہ نہ کرے۔ جو محض جہالت ظلم اور سنگدلی کا کام ہے۔

۸- آیت ۳۶ میں سب سے پہلا لفظ وَالْبُدْنَ ہے۔ ہم نے پہلے اسے انسانی جسم پر لگا کر ترجمہ دیا ہے۔ اور پھر غلط العام صحیح کے مصداق اونٹ پر اسے چسپاں کر کے دوسرا ترجمہ دیا ہے۔ مگر کسی بھی صورت میں

اس سے قربانی کا مطلب نہیں نکلتا۔ تاہم دیگر مفسر صاحبان عموماً اس آیت کو اونٹ یا اونٹ اور گائے دونوں کی قربانی پر لگاتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب غرایب القرآن میں وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ کے متعلق حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔ کہ بدن جمع ہے۔ بدنۃ کی جس طرح خُشُب خشنۃ کی۔ اور اس سے مراد ہے۔ اونٹ۔ عظیم بدن کی وجہ سے اسے بدنہ کہا گیا۔ مگر پیغمبر صاحب نے گائے کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ حیث قال البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ پھر البُدْنَ منصوب ہے۔ فعل مقدر کی وجہ سے جس پر فعل مذکور جعلنا دلالت کر رہا ہے۔" انسان کسی لفظ کو کسی معنے میں اپنے کار رواج ڈالدیں۔ جدا بات ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ آنحضرت کا اس سے کیا مدعا تھا۔ فربہ جسم والے انسان بھی ہیں۔ اور اونٹ سے بھی بڑے جسم والا ہاتھی ہے۔ پھر بھی مفسرین اونٹ پر ہی اسے چسپاں کر رہے ہیں۔ مگر چونکہ بہیمۃ الانعام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور ان کے فوائد کے لحاظ سے خدا کی یاد اور اس کا شکر کرنے کی ہدایت بھی دی جا چکی ہے۔ اور چونکہ اونٹ ان حیوانات میں شامل ہے۔ اس لئے اب ذکر انسانی جسم کا ہونا ہی ضروری ہے۔ اور جب حیوانوں کو شعائر اللہ کہا۔ تو انسانی جسموں کو کیوں نہ کہا جاوے۔ پھر جو پیغمبر صاحب پرہیزگاری۔ سچی فلاح۔ رقت قلب۔ عبادت الٰہی وغیرہ کا نام لے کر مذبح حیوانات سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ ان کی کلام کو اونٹ جیسے مفید جانور کو مارنے اور نعوذ باللہ گائے کو بھی اونٹ کے ساتھ شامل کرنے پر لگانا نہایت خطرناک دیدہ دلیری ہے۔ اللہ کی نشانیوں کو اس کی بزرگی و عظمت کا موجب بنانا۔ ان سے ملنے والی نعمتوں کا بجا استعمال کرنا۔ اور شکرگذاری میں ان سے اہل عالم کو فیض پہنچانا۔ پھر حیوانوں سے آگے۔ انسانی جسم کو ایشوری صنعت کا مظہر سمجھنا۔ اور اس کے بلوغت پانے پر اس سے نیک کمائی کرنا کے اعلےٰ سلسلہ ہدایت کو چھوڑنا۔ اور انہیں بے رحمی سے مار کر درندہ پن کو انسانی شعار بنانا واقعی قابل افسوس ہے۔

اسی طرح وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا کے معنے ڈپٹی صاحب سقطت کے کہتے ہیں۔ مگر وجبت۔ وجوب کے معنے ثبوت یا ٹھہر جانا ہیں۔ یہ مصنف بیان القرآن کو تسلیم ہے۔ باوجود اس کے اونٹ کے گر جانے (قربانی کئے جانے) میں دونوں متفق ہیں۔ کیونکہ وجبت الشمس کے معنے غربت یا غروب آفتاب کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن غروب آفتاب کا اصل مفہوم کیا دن کا وقت پورا ہو چکنے کا نہیں۔ اور وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا سے کیا البدن کا انسانی جسم کے لئے مخصوص ہونے پر انسان کا جوان یا بالغ ہونا مراد لینے میں کوئی رکاوٹ ہے۔ لیکن اگر البُدْنَ کو اونٹ پر لگا دیں۔ تو بھی یہاں وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا کے معنے اونٹ کے ذبح ہو کر گرنے کے نہیں۔ بلکہ بچہ جننے کے وقت کی اونٹنی کی حالت دکھانا مقصود ہے۔ صَوَافَّ کے معنے صف میں کھڑا کرنے کے لیں۔ تو جب تک قرآن سے یہ ثبوت نہ ملے۔ کہ قربانی کے لئے ان کو اتنی تعداد میں صف بستہ کر کے فلاں طریق پر ذبح کیا جاوے۔ تب تک وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا کے معنے کسی پہلو پر ذبح ہو کر گرنے کے نہیں لئے جا سکتے۔ اور اگر صراح میں جو صَوَافَّ کے معنے دیئے ہیں۔" دردو محلبہ یا بیشتر درپے یکدیگر دوشیدن ناقہ را۔ یعنی اونٹ کا یکے بعد دیگرے دو یا زیادہ دوہنوں میں دوہنا تو اس آیت سے پہلوؤں پر گرنے کا مطلب محض بچہ جننے کا مفہوم ہی ہوگا۔ ایسا ہی البدن کو انسانی جسم پر لگا کر اور قطاروں

میں نماز باجماعت کے ذریعے سارے ارکان نماز پورا کپ چلنے کے بعد کھانے وغیرہ کی طرف توجہ کرنے کے لئے جائیں۔ تو اور بھی بہتر ہے۔ سندھیا میں منسا پرکرما کے منتروں سے ساری طرفوں میں من کو گھمایا۔ اور نمہ نمہ کہہ کر جو دل کو جھکایا جاتا ہے۔ یہ بھی وَجَبَتْ جُنُوبُهَا کے معنے ہیں آ سکتا ہے۔ لیکن اونٹ کی قربانی کا مفہوم اس سے لینا کسی طرح معقول نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص اس لئے۔ کہ اس کے ساتھ ہی احسان وادی لوگوں کو خوشخبری دینے کا ذکر ہے۔ اونٹ کے ذبح کرنے کا کوئی حکم صاف نہیں۔ بلکہ شعائر اللہ کہہ کر حکم تذبیح کے امکان کو ہی ناممکن بنایا گیا ہے۔ اور اس کی اگلی آیت میں گوشت اور خون کے خدا کو نہ پہنچنے اور پرہیزگاری وغیرہ کے پہنچنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان جیوانوں کے ذریعے وجہ معاش ملنے کے بدلے عبادت بایاد الٰہی اور شکر گذاری کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۰۶۔ نتیجۂ بحث

الغرض سورۃ بقر کی آیات زیر بحث سے قربانیٔ گاؤ کا ہرگز ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ آیت ۶۵ میں نفس کو مارنے کی جو ہدایت تھی۔ اسی کو آیت ۶۷ میں تذبحو بقرۃ سے ادا کیا۔ اور اسی کی تعمیل کو آیت ۷۲ میں نفس کشی سے تعبیر کرکے نور حاصل ہونے اور پوشیدہ کمالات کے ظاہر کئے جانے کے مدعا پر محمول کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ تذبحو بقرۃ والے حکم اور نفس کے قتل کرنے کو دو جدا واقعات کی رنگت دی جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے ہردو واقعات سے منسوب شدہ آیات میں ایک ہی عمل نفس کشی کو موجود ثابت کیا ہے۔ اور یہ امر موجب مسرت ہے۔ کہ بعض مفسرین نے باوجود موقعہ ومحل کے خلاف ترجمہ میں بقر کی جگہ گائے کا لفظ رکھنے کے بھی تشریح میں نفس کشی کو ہی اصل مفہوم بتایا ہے۔ حمائل التفسیر کا حسب ذیل فٹ نوٹ اس امر کا کافی ثبوت ہے۔

"اب ہم اپنے ترجمے کی تشریح کرتے ہیں۔ انسان کے اندر نیکی بدی کے لحاظ سے تین نفس ہیں۔ اول نفس امارہ جو بدی کی طرف حکم کرتا ہے۔ ... دوم نفس لوامہ جو بدی کے بعد انسان کو ملامت کرتا اور امارہ کے خلاف نیک باتوں کی ترغیب دیتا ہے۔ ... نفس لوامہ اپنی نیک باتوں کی تعلیموں سے نفس امارہ کی بدیوں کو مارتا رہتا ہے۔ اسی کا نام نفس کشی ہے۔ ... سوم نفس مطمئنہ جو نفس امارہ کے بالکل نیست یا ہلاک ہو جانے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہوتی ہے۔ لاخوف علیھم ولاھم یَحْزَنُونَ ۲۶ اور وہ راضیۃ مرضیۃ بن جاتا ہے۔ یعنی وہ خدا کو خوش کرنیوالا اور وہ خدا کی طرف سے خوش کیا گیا۔ اس مضمون کو جس کی تشریحات سے تمام قرآن بھرا پڑا ہے۔ نہایت مختصر الفاظ میں اس جگہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ جب تم نفس کشی کرتے ہو۔ اس وقت اس نفس کشی سے ایک روایت یعنی نور حاصل کرتے ہو۔ اور اللہ بہت سے عجیب عجیب انسانی کمالات اور قواء کو ظاہر کرنیوالا ہے۔ جو پہلے چھپے ہوئے تھے۔ یعنی تمام انسانی کمالات خدا کے فضل سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ نفس امارہ کو نفس لوامہ سے مارا کرو وغیرہ۔"

گویا راقم کے نزدیک سارا قرآن نفس کشی کی تشریح سے بھرا ہے۔ ہم نے ذبح بقر کو بھی نفس کشی کے مترادف ثابت کیا ہے۔ اور خدا نے نفس کشی کا حکم اس لئے دیا ہے۔ کہ کمال کی لطیف حقیقتوں

کا انسان پر انکشاف ہو۔ چنانچہ ویدک رشیوں پر علمی رموز کے منکشف ہونے کی خوبی کا مدار بھی من کوشش
میں کرنے ہی پر تھا۔ ہماری رائے میں عالمگیر صداقتوں سے جو محبت آنحضرت کو تھی۔ اور ان کی اشاعت
کے لئے جو لگن آپ میں تھی۔ اس کا بیّن ثبوت یہ مضمون مہیا کرتا ہے۔ گو لفظ کے متعلق عربی میں بقر کے
سوا کوئی اور لفظ نہ ملتا تھا۔ اس لئے آپ نے مجبوری سے بقر ہی رکھا۔ لیکن غلط فہمی کے امکان کو
دور کرنے کے لئے آپ نے نہایت عالمانہ طور پر بقر کی حقیقت کو واضح کیا۔ یہ بیان بائیبل میں نہیں۔
آپ نے نفس کشی کی قدیم تعلیم کو عام فہم بنانے کے لئے خود یہ بحث لکھی۔ اور بحث کے شروع میں
ہی ایسی پر احتیاط عبارت لکھی۔ اور گائے کے متعلقہ عام جذبات کا اس طرح اظہار کیا۔۔۔۔ کہ بقر لفظ
سے گائے کا تعلق جدا کرنے کو لوگوں کا جھنجھلانا اور موسیٰ کا معذرت چاہتا بیان کر دیا۔ اور تین
سوالوں میں وہ حقیقت بند کی۔ جو نفس کے معنے میں ہی بقر لفظ کو بند کرتی ہے۔ پس اگر ان کا
مدعا پورا نہ ہوا۔ اور غلط فہمی اب تک جاری ہے۔ تو آنحضرت کا قصور نہیں۔ ہماری ذہنیتیں
اس کے لئے ذمہ وار ہیں۔ کاشکہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے خدا سے مدد کے طلبگار
ہوں۔ اور خود کوشش کر کے حقیقت کو سمجھ سکیں ⁂

۱۰۷- دھرم سے بے التفاتی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ
أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ
وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ
مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴﴾ أَفَتَطْمَعُونَ
أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّ
فُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۲﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ
أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ
الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ؕ
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ وَ
قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ؕ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْٓئَتُهُ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١٠﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١١﴾

پھر اس کے باوجود تمہارے دل ایسے سخت رہے۔ کہ گویا پتھر ہیں۔ بلکہ پتھر سے بھی سخت۔ کیونکہ ان پتھروں میں بھی ایسے ملتے ہیں۔ کہ ان سے نہریں نکالی جاتی ہیں۔ اور کئی ایسے ہیں۔ جن کے ٹوٹنے پر پانی بہنے لگتا ہے۔ اور بعض اللہ کے خوف یا قانون سے گر بھی پڑتے ہیں۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ جو تم کرتے ہو۔ ۳۔ کیا تم یہ توقع رکھتے ہو۔ کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے۔ ان میں ایک گروہ ایسا ہے۔ کہ کلام اللہ کو سنتا ہے۔ مگر بعد میں دیدہ دانستہ جو عقل میں آتا ہے۔ اس کے مطابق اس میں تحریف کر دیتا ہے۔ ۴۔ یہ لوگ جب ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ مگر جب خلوت میں ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کیا جو باتیں اللہ نے ہم پر واضح کی ہیں۔ تم وہ ان کو بتلا کر انہیں موقعہ دیتے ہو۔ کہ تمہارے رب کے ہاں تم سے حجت بازی کریں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ ۵۔ کیا یہ لوگ جانتے نہیں۔ کہ علانیہ یا پوشیدہ جو کچھ بھی یہ کریں۔ خدا جانتا ہے۔ ۶۔ اور ان میں ایسے امی بھی ہیں۔ جو خالی الفاظ اور نری خیالی باتوں کے سوا کتاب الٰہی کو سمجھتے ہی نہیں۔ ۷۔ پس افسوس ہے ان پر کہ اپنے ہاتھوں کتاب لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ کچھ ٹکے کمالیں

پس افسوس ہے۔ ان کے اپنے ہاتھ سے لکھنے پر۔ اور دھکار ہے۔ ان کی ایسی کمائی پر۔ ۸۰ - اور کہتے ہیں سوائے ان گنتی کے دنوں کے ہمیں آگ چھونے کی نہیں۔ ان سے پوچھو۔ کیا تم نے خدا سے عہد لے لیا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہو۔ کہ وہ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا۔ یا بے جانے بوجھے اللہ کے متعلق انڈسنڈ کہے چلتے ہو۔ ۹ - اصلی حق بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے پاپ کمایا اور گناہ کے چکر میں آیا۔ وہ تو دُکھ کا سزاوار ہو گیا۔ وہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔ ۱۰ - اور جنہوں نے حق کو مان لیا۔ اور نیک عمل کئے۔ وہ اہلِ جنت ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ۱۱ -

۱۰۸- تجربے کی باتیں

آیت ۷۴ میں کہا تھا۔ کہ نفس کشی کی کامیابی خال خال کے حصے میں ہی آتی ہے۔ اب آیت ۷۴ میں کہا۔ کہ اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہی رہے۔ پتھر جیسے سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ مطلب یہ کہ وعظ حق سُن کر بھی یہ لوگ اثر قبول نہیں کرتے۔ اپنے غلط خیال پر ہٹ کئے جاتے ہیں۔ جیسے پتھر کو جونک نہیں لگتی۔ اس کے مصداق ان کا دل ہے۔ اور وہ پتھر سے زیادہ سخت اس لئے ہے۔ کہ پتھر تو پھر بھی رگڑ کھا کھا کر گھس جاتا ہے۔ پتھر ٹوٹنے سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ پتھروں ہی سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ حکم الٰہی سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی پتھر گر پڑتے ہیں۔ مگر یہ لوگ کیا مجال مٹس سے مس تک بھی کریں۔ گو ان کو خدائے علیم سے ہی بُرا بھلا پھل ملتا ہے۔ مبلغوں کا کام محض حق کا پہنچانا ہے۔ عمل نہ کرنے والوں کے متعلق غم کرنا نہیں۔ تو بھی خدا کے امیٹ قانون پر مدار نہ رکھ کر کئی مبلغین اس حالت سے نراشا کا شکار ہوتے ہیں۔

آیت ۷۵ و ۷۶ میں کہا ہے۔ کہ یہ توقع رکھ کر تبلیغ نہ کرو۔ کہ وہ ضرور ہی تمہاری بات مانیں گے بلکہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان میں سے بہت سے لوگ کلام اللہ کو سننے اور سمجھتے بھی ہیں۔ مگر دیدہ دانستہ اس میں ردّ و بدل کرتے اور کلام کو اور کی اور صورت دیتے ہیں۔ یہ دورُخی چال چلتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی تمہاری باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر جب آپس میں ملتے ہیں۔ تو اس امر کو خاص پالیسی بتاتے ہیں۔ کہ ہم نے اس واسطے بات کو طوالت نہ دی تھی۔ کہ مبادا ہماری باتوں کو جان کر ہم سے حجت بازی کریں۔ لیکن ان چالاکیوں کی خدا کے ہاں پیش نہیں جاتی۔ وہ تو ظاہر اور باطن دونوں کو جانتا ہے۔ آیت ۷۸ میں ان کی ایک اور چالاکی بتائی ہے۔ کہ ان میں سے کئی لوگ کتاب الٰہی کا لفظی پاٹھ کر سکتے ہیں۔ مگر مطلب کو سمجھتے نہیں۔ ہاں من گھڑت باتیں اور ذاتی خیالات سُنا سُنا کر کلام الٰہی کا تو نام دیتے ہیں۔ اور اپنی لکھی کتاب کو خدا سے منسوب کر کے جاہل لوگوں سے ٹکے بٹورتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ لعنت ہے۔ ان کے اس عمل پر۔ اور لعنت ہے ان کی اس کمائی پر۔

آیت ۸۰ میں کہا ہے۔ کہ یہ لوگ حکمت عملیوں اور چالاکیوں سے دہوکا دیتے میں کامیابی پاتے ہیں۔ تو اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا چتر سمجھتے ہیں۔ انہیں اوّل تو اپنے عمل کے بُرے معاوضے کا خیال ہی نہیں آتا۔ اور اگر آتا ہے۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ اگر کچھ دن دکھ ملیگا بھی تو کونسی بڑی بات ہے

اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

قرآن فرماتا ہے۔ یہ غلطی پر ہیں۔ خدا نے ان سے کوئی عہد نہیں کر رکھا۔ نہ پٹہ لکھ دیا ہے۔ وہ تو مطابق اعمال کے پوری سزا دیگا۔ پاپی کو جہنم اور نیک کو جنت ملیگا۔

دہرم اور سچائی سے گمراہ لوگوں کے متعلق ایسے تجربے ہر ریفارمر کو ہوئے ہیں۔ ویدک تعلیمات کے متعلق جو تحریفات تحریری اور تقریری ہوئی۔ اور ہو رہی ہیں۔ وہ ایک دنیا پر روشن ہیں۔ اصولاً اس چندروزہ زندگی کی بے بساطی کے باوجود ایسے عمل واقعی قابل افسوس ہیں۔ لیکن عجب قسمت کی مارہے ان پتھر دلوں پر۔ جن پر کلام الہی کے اعلےٰ ترین وعظ وغیرہ کا اثر ہی نہیں پڑتا۔

۱۰۹ اُمی لوگ

آیت ۷۸ میں کہا ہے۔ کہ ان میں ایسے اُمی لوگ ہیں۔ کہ خالی الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سوا کتاب الہی کا مطلب سمجھتے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ امی لفظ سے کیا مراد ہے۔ عموماً ان پڑھ کو اُمی کہا جاتا ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ ان پڑھ نکلتا ہے۔ ویسا ہی ان پڑھ آنحضرت کو ظاہر کر کے انہیں اُمی نبی کہا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت اُمی اُم یعنی ماں سے منسوب ہے۔ حضرت محمد صاحب نہ ان پڑھ تھے۔ نہ اس معنے میں اُمی۔ بلکہ سچ پوچھو۔ تو حضرت محمد صاحب سے بڑھ کر اس زمانہ میں کوئی عالم نہ تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ ان دنوں کی گندی علمیت اور شاعری کی طرف ان کا رجحان نہ تھا۔ مگر یہ بھی صحیح ہے۔ کہ علمی اور مذہبی مذاق کے وہ واحد اور اعلےٰ ترین شخص تھے۔ قرآن میں کہیں بھی مطلق ان پڑھ کے لئے امی لفظ نہیں آیا۔ بالخصوص حضرت محمد صاحب کا اپنی مادری زبان عربی پر پورا عبور تھا۔ وہ اس میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ قرآن میں وہ لوگوں کے اس شک کی تردید کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی اور شخص کے سکھانے سے یہ باتیں کہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جس شخص کے متعلق لوگوں کا شک ہے۔ اس کی زبان تو عجمی ہے۔ اور میری زبان عربی ہے۔ میں جو عربی میں یہ تعلیمات سنا رہا ہوں۔ وہ میری اپنی قابلیت کا ثبوت ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ آغاز عالم سے ملی ہوئی الہامی کتاب کی کچھ آیتوں کی ویاکھیا میں عربی قرآن کی صورت میں کرتا ہوں۔ تاکہ یہاں کے لوگ سمجھ سکیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ انہیں عجمی پر بھی علاوہ عربی کے عبور حاصل تھا۔ حضرت خدیجہ کے وسیع تجارتی کام اور حساب کتاب کے متعلقہ کامیابی آپ کی وسیع قابلیت اور تجربہ کا ثبوت تھی۔ پس ان پڑھ ہونے کی وجہ سے ان کو اُمی کہنا و ماننا ہر طرح غلط ہے۔ ام القریٰ (مکہ) کے تعلق سے بھی انہیں امی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ہر ساکن مکہ امی ہوگا۔ پس جیسا کہ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔ ام الکتاب (وید) کو ماننے کے تعلق کے بغیر کسی اور وجہ سے ان کا امی ہونا معقول نہیں ہوسکتا۔ سورہ آل عمران آیت ۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم اور متشابہ۔ محکم آیتیں ام الکتاب ہیں۔ سورہ رعد۔ آیت ۳۸ میں ہے۔ کہ خدا جسے چاہے منسوخ کرتا۔ اور جسے چاہے قائم کرتا ہے۔ اور اصل کتاب یا کتابوں کی ماں اس کے پاس ہے۔ یعنی ام الکتاب سورہ زخرف آیت ۲ و ۳ میں ہے۔ کہ ہم نے علمی کتاب کو عربی قرآن کی صورت دی ہے۔ تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔ یہ ام الکتاب میں ہے۔ جو بڑے پایہ کی علمی کتاب ہے۔ بخاری میں ہے۔ کہ مرنے کے

وقت آنحضرت صلعم کے پاس سے ایک کتاب نکلی تھی۔ جو دو دفینوں میں بند آپ کی چھاتی سے لپٹی ہوئی تھی۔ غالباً اسے بھی وہ ام الکتاب کہتے تھے۔ پس ام الکتاب کے تعلق سے ہی ان کا امی کہلانا معقول اور بجا تھا۔ اور آیت زیر بحث میں جو لفظ اُمِّیُّوْن آیا ہے۔ وہ بہت لوگوں کو امی کہتا ہے۔ مگر آن پڑھ کے معنے میں نہیں۔ بلکہ ان کو جو کتاب الہی کو پڑھتے ہیں۔ صرف الفاظ کی صورت میں مطلب نہیں سمجھتے۔ ہاں اپنی طرف سے باتیں بنا بنا کر خدا سے منسوب کرتے ہیں۔ یَظُنُّوْنَ کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ کتاب اللہ کا مفہوم ظنیات پر منحصر رکھتے تھے۔ اور چونکہ آج کل بڑے سے بڑے عالم لوگ بھی وید کے معنے اپنے ظنیات کے مطابق کرتے اور اصل مفہوم کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ بغیر سماوھی یا مراقبہ کے وید کے معانی کا صحیح انکشاف رُوح پر ہونا ہی ناممکن ہے۔ اور حالت سماوھی میں پہنچے پر اپنشد کار کہتے ہیں۔ اس ایشور کے درشن ہوتے اور ہردے کی گانٹھ کھلتی اور تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ اس حالت کے علاوہ انسان ظنیات سے ہی کام لے۔ پس امی لوگوں کے کتاب اللہ کا مطلب نہ سمجھنے سے ان کی علمی قابلیت کا عدم مراد نہیں۔ اور دوسری جگہ پر قرآن فرماتا ہے۔ کہ امی لوگوں میں امی پیغمبر آیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ امّ الکتاب کی اشاعت کرنیوالا نبی آیا۔ ورنہ تمام اہل عرب اور نبی کی توہین ہے۔ کہ وہ قطعاً بے علم تھے۔ سورہ صافات آیت ۱۶۷ و ۱۶۸ میں ہے۔

وَاِنْ کَانُوْا لَیَقُوْلُوْنَ ۝ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِکْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ

یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ کاش آغاز عالم کے لوگوں والی کتاب الہی ہمارے پاس آتی۔ اور بقول ان کے آنحضرت اسی کتاب کی تلقین کے دعویدار تھے۔ اور لوگ اسی کی ہدایت کے خواہاں تھے۔ اور وہ ذِکْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ہی ام الکتاب تھی۔ پس کیا رسول اور کیا دوسرے لوگ سب کے لئے امی کا لفظ قرآن میں ام الکتاب (وید) کے تعلق سے ہی آیا ہے۔ اور ویدک دھرمیوں کا نام امی ہے۔

۱۱۰ - اَمَانِیَّ

اَمَانِیَّ جمع ہے۔ امینہ بمعنے امید کا۔ چونکہ علم یا حقیقی معانی کے جاننے کی امید پر ہی پہلے بغیر معنے کے پاٹھ ہوتا ہے۔ اس لئے امانی کا لفظ خالی الفاظ یا زبانی پڑھنے کے لئے یہاں بالکل موزوں ہے۔ اور چونکہ آگے یَظُنُّوْنَ کا لفظ ہے جس سے ذاتی توہمات یا تخیلات والا علم مراد ہے۔ اس لئے امانیہ کا خالی زبانی علم پر عائد ہونا بالکل صحیح ہے۔ جس کا معنے و تعلقات سے تعلق نہ ہو۔ کیونکہ محض اسی صورت میں انسان ظنیات پر انحصار... کرتا ہے۔

۱۱۱ - آگ نہ چھوئے گی

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کے معنے کئے جاتے ہیں۔ آگ ہم کو نہ چھوئے گی۔ یعنی ہم دوزخ میں نہ جائیں گے۔ اگلا حصہ ہے۔ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً اس کے ساتھ ملا کر اس کے یہ معنے لئے جاتے ہیں۔ کہ گنتی کے دن ہی عذاب ہو گا۔ اس خیال کی تائید میں یہودیوں کا یہ اعتقاد پیش کیا جاتا ہے۔ کہ ہمیں صرف چالیس دن اور بقول بعض سات دن اور حسب بیان سیل صاحب زیادہ سے زیادہ ایک سال عذاب ہو گا۔ لیکن پرانا۔ نیا

کسی بھی عہدنامہ میں ایسے خیال کی نسبت کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اس لئے ایسے موہومہ قول کی طرف الفاظ آیت کا اشارہ ماننا قطعاً غلط ہے۔ اور چونکہ یہ خیال ہی غلط ہے۔ کہ اَلکتٰب سے یہاں توریت مراد ہے۔ بلکہ قرآن کے عام اعتقاد کے مطابق اور اُم الکتاب کو ماننے کی وجہ سے اِس کا لفظ مذکور ہونے کے سبب محض آغاز عالم والا الہام ہی مقصود ہے۔ اسی سورۃ کی دوسری آیت میں اَلکتٰب کا لفظ وید کے لئے ہی مخصوص ہونے کے ہم بہت سے ثبوت پیش کرچکے ہیں۔ اور چونکہ آیت ۷۵ میں تحریفات وغیرہ کرکے کمانے کا خیال ان زبانی رٹنے والوں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے قرآن جس خیال کی پرواہ نہ کرکے ان کے عمل اور ان کی کمائی کی مذمت کرتا ہے۔ وہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ہم اس سے مالدار ہو جائیں گے۔ اور ہماری موجودہ تکلیف یا دُکھ فوراً دُور ہو جائیں گے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہوئے یہ سوچتے ہیں۔ کہ اب ہمیں تھوڑے ہی دن اور دُکھ ہوگا۔ اس لئے قرآن آیت ۸۰ میں ان کے اس خیال کا ذکر کرکے ہی آیت میں فرماتا ہے۔ کہ یہ ان کا خیال خام ہے۔ خدا نے ان سے یہ عہد تھوڑا ہی کر رکھا ہے۔ آیت ۸۱ میں صاف کہا۔ کہ پاپ کی کمائی سے تو دکھ کا ہی حق ملتا ہے۔ دُکھ دُور نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔

۱۱۲ - عہد اور عہد شکنی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ
حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ
مُّعْرِضُوْنَ (۱) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ ۸۳
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (۲) ثُمَّ اَنْتُمْ ۸۴
هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى

تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ‌ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ‌ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ‌ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴﴾

ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ۔ رشتہ دار۔ یتیم۔ محتاج سب کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ لوگوں سے اچھی طرح بات چیت کرنا۔ نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ مگر سوائے تھوڑے شخصوں کے تم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے مُنہ موڑ لیا۔ ۱۔ اور نیز یہ کہ ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا۔ کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے شہروں سے جلا وطن کرنا۔ اور تم نے سوچ سمجھ کر یا بہ اقرار صالح اس کا اقرار بھی کیا۔ ۲۔ مگر تم ہی وہ لوگ ہو۔ کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو۔ اور بعضوں کو ان کے شہروں سے گناہ اور ظلم پر مبنی زیادتی کر کے نکالتے ہو۔ وہی لوگ اسیری کی حالت میں تمہارے پاس آتے ہیں۔ تو چٹی بھر کر انہیں چھڑاتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ تب کیا تم کتاب کی کسی بات کو مانتے ہو۔ اور کسی کو نہیں۔ سو جو کوئی تم میں سے ایسا کرے۔ اس کی سزا ئے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ دنیوی زندگی میں ذلیل ہو۔ اور پھر جنم کے وقت عذاب شدید پا وے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا اس سے بے خبر نہیں۔ ۳۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو دنیوی زندگی کے لئے عاقبت کو قربان کرتے ہیں۔ پس نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی۔ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ ۴۔

۱۱۳۔ نیک شہری

آیت ۸۳ میں نیک شہری (Good Citizen) کے فرائض بتائے ہیں۔ اور ہر شخص سمجھ سوچ سے کام لینے پر ان کی عظمت کو مانتا اور ان کو پورا کرنے کا اپنے تئیں ذمہ وار سمجھتا ہے۔

۱۔ خدا کو اپنا واحد معبود سمجھنا۔ ۲۔ والدین سے نیک سلوک کرنا۔ ۳۔ قریبی رشتہ داروں۔ دوستوں یا ہمسایوں سے حسن اخلاق بھرا سلوک کرنا۔ ۴۔ یتیموں پر توجہ رکھنا۔ ۵۔ مسکینوں کی مدد کرنا۔ ۶۔ تمام لوگوں سے حسن سلوک (اخلاق) سے گفتگو کرنا۔ ۷۔ نماز پڑھنا۔ اور ۸۔ زکوٰۃ دینا۔ معمولی سے غور پر ہر شخص کو سمجھ آجائے گی۔ کہ قدرتاً اسی طرح درجہ بدرجہ انسان کے گرد تعلقات کے دائرے کھنچ رہے

ہیں۔ ورنی الحقیقت قرآن نے اچھی ترتیب سے کام لیا ہے۔ ایک خدا کو معبود سمجھنے کے بعد والدین کے حقوق کا خیال ہونا ضروری ہے۔ رشتہ دار یا دیگر احباب ان کے بعد آئیں گے۔ اور پھر یتیم اور مسکین پر توجہ ہوگی۔ اور پبلک سے جو محض تہذیب اور محبت بھری بول چال کا ہی تعلق ہو سکتا ہے۔ اس کو اس کے بعد ظاہر کیا ہے۔ پھر آیت ۸۴ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ اور نہ اپنے لوگوں کو جلاوطن کرنا۔ یہ ہدایت اپنے جیسے شہری لوگوں کے مساوی حقوق سمجھنے کا ہر ایک شخص کو ہدایت دیتی ہے۔ آیت ۸۳ میں ایک طرف تو خدا کو واحد معبود سمجھنے کی ہدایت سے خدا سے انسان کا مقدم تعلق بتایا ہے۔ اور دوسری طرف دنیا کی خدمت کے لئے زکوٰۃ کا تعلق قائم کر کے آیت ۸۴ میں تمام شہریوں کو ہر ظلم اور زیادتی سے بچنے اور باہم اتفاق و محبت سے رہنے کا خیال دلایا ہے۔

۱۱۴۔ اُلٹے کام

عہد اور فرض تو وہ جو اوپر بیان ہوئے۔ مگر عمل بالکل اُلٹا۔ اپنے لوگوں کو قتل تک کرنے سے بھی عہد شکن لوگ نہیں چوکتے۔ اور ظلم اور زیادتی سے لگے قابو اپنے سے کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے بلکہ شہر اور ملک سے ہی بے دخل کرتے ہیں۔ ملکوں اور قوموں کی پارٹیاں ایک دوسرے کو کچلنے میں لگ رہی ہیں۔ سچے اور کمزور لوگوں پر اس لئے ظلم اور جبر ہو رہا ہے۔ کہ اپنا ساتھی خواہ کتنا بھی بے انصافی پر ہو۔ اس کی مدد کرنا لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تاکہ آئندہ اگر وہ خود لالچ کے قابو آ کر دوسروں کے حقوق محض اپنی طاقت کے گھمنڈ پر چھیننا چاہیں۔ تو ان کے وہ دوست ان کی مدد کریں۔ جن کی وہ کر چکے ہیں۔ موجودہ دنیا اور مہذب ممالک و اقوام کا ہر عمل آج اس صداقت کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔ اور سوائے خال خال لوگوں کے سب عہد شکن بن رہے ہیں۔ دھڑے بندی کا یہ عالم ہے۔ کہ آج خود ہی جن کو ملک اور قوم سے نکال رہے ہیں۔ کل وہی دوسری قوم یا ملک والوں کے قیدی بن جاویں۔ تو انہیں روپیہ ادا کر کے چھڑاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خواہ کوئی کتنا بھی بُرا یا بدچلن ہو۔ اس کا بھی غیروں سے بچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ محض دوسری پارٹی کے مقابلے کی وجہ سے۔

۱۱۵۔ اٹل سزا

اگلی آیات میں قرآن واضح کرتا ہے۔ کہ تمہاری یہ پارٹیاں یا تمہارے دھڑے کی الحقیقت (؟) جائز نہیں۔ تو تمہیں اس سے ہرگز ہرگز فائدہ نہ پہنچیگا۔ خدا انصاف کا مجسمہ ہے۔ وہ تمہارے ہر عمل کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے ان حکمت عملیوں اور چالاکیوں کے بدلے میں تمہیں سزا ملے گی۔ وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی ذلت نصیب ہوگی۔ اور عاقبت میں بھی وہ بے یار و مددگار عذاب پائیں گے۔ اس وقت دنیا میں جو تمام ممالک اور اقوام اور مذہبی جماعتیں اس قسم کی منصوبے بازیوں سے کام کر رہی ہیں۔ ان کے تمام لوگ دن بدن زیادہ تکلیفوں میں پڑتے جا رہے ہیں۔ جو محض ایشوری قانون کے اٹل ہونے کا ثبوت ہے۔ دنیا کی نظروں میں چالاکی سے دھول ڈالی جا سکتی ہے۔ مگر خدا سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ حکومت کی خاطر آج ایک مسلمان بادشاہ دوسری اسلامی حکومت پر حملہ کر کے اسے تباہ کرتا ہے۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد ایک عیسائی سلطنت اس سے اسی ملک کو چھیننے کے لئے تیار ہوتی ہے

تو وہ اس ملک کے بچاؤ کے لئے اپیلیں کرنے لگتا ہے۔ اہالیانِ ملک اس کے اندرونے کو نہ جان سکیں۔ آنحضرت کا اصول کہ ہر حالت میں سچائی اور انصاف مدنظر رہے۔ ان اپیلوں کو کوئی وقعت نہ دیگا۔ کیونکہ اس کی نیت لوگوں کے بچاؤ کی نہیں۔ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ہے۔ جونہی مخالفوں کو دبا لیگا۔ پھر اخراجات جنگ وغیرہ کے بہانے سے لوگوں سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگیگا۔ اور حسب عادت ظلم و زیادتی سے کام لیگا۔ اس قسم کی آیات کی تہ میں خاص تاریخی واقعات کام کر رہے ہیں۔ لیکن قرآن کا طرزِ بیان ان کو بھی اصولی سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس لئے جو مفسر صاحبان آیات کو خاص واقعات کی تفصیل کے ساتھ چسپاں کر کے دکھاتے ہیں۔ قرآن کے مدعا کو زائل کرتے اور اختلاف رائے کے موقعے مہیا کرتے ہیں ؞

۱۱۶- مبلغانِ حق اور اہلِ عالم

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ① ۸۷
وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ② ۸۸
وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ
اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ③ ۸۹ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ④ ۹۰ وَاِذَا قِيْلَ

لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ۹۱
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا ۹۲
مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا
يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۷﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ ۹۳
الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ ۹۴
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ ۹۵
وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۱۰ ۹۶

اور تحقیق ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی۔ اور اس کے بعد پے بہ پے رسول بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسےٰ کو سچی تعلیمات دیں۔ اور روح القدس سے اس کی مدد کی۔ مگر جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسی تعلیم لے کر آیا۔ جو تمہارے منشا کے خلاف تھی۔ تم اکڑ بیٹھے۔ کسی کو جھٹلاتے اور کسی کو قتل کرتے رہتے اور سمجھتے رہے۔ کہ ہمارے دل (سچائی کے) غلاف میں محفوظ ہیں۔ مگر نہیں ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے انہیں لعنتی بنا رکھا ہے۔ سو وہ شاذ و نادر ہی ایمان لاتے ہیں۔ یا ایسے لوگ کم ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں ۲۔

اور جب اللہ کی طرف سے ان کو وہ کتاب ملی۔ جو ان کے پاس پہلے موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ تو باوجودیکہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں اپنی فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ جب وہ چیز آئی۔ جسے وہ جانتے پہچانتے بھی تھے۔ پھر بھی لگے انکار کرنے۔ پس لعنت ہو۔ کافروں پر خدا کی۔ ۳۔ اوہ! کیا بُرا معاوضہ ہے۔ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا ہے۔ یعنی اللہ سے نازل شدہ کتاب سے محض اس وجہ سے باغی ہو بیٹھے۔ کہ وہ ان پر نہیں۔ بلکہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ اپنا فضل نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب در غضب میں مبتلا ہوئے۔ بے شک منکروں کے لئے عبرتناک عذاب ہے۔ ۴۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ خدا سے جو نازل ہوتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو اسی کو مانتے ہیں۔ جو ہم پر اترا۔ اور ماسوائے اس کے کو نہیں مانتے۔ خواہ وہ سچی ہو۔ اور اس کتاب کے مطابق ہو۔ جو ان کے پاس ہے۔ ان سے کہو۔ اگر تم ایمان والے ہوتے۔ تو پہلے پیغمبروں کو قتل ہی کیوں کرتے۔ ۵۔ پھر موسیٰ یقیناً تمہارے پاس سچی تعلیمات لے کر آیا۔ مگر اس کی غیر حاضری میں تم بچھڑا لے بیٹھے۔ کیونکہ تھے تم واقعی گنہگار۔ ۶۔ اس کے علاوہ ہم نے تم سے عہد لے کر تمہیں سربلند کیا تھا۔ پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور غور سے سنو۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے اسے سن لیا ہے۔ مگر اسے مانتے نہیں۔ بات یہ ہے۔ کہ ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں بس رہا تھا۔ ان سے کہہ دو۔ کہ اگر مومن ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ تمہارا ایمان تمہیں بُری بات کا حکم دیتا ہے۔ ۷۔ انہیں سنا دو۔ کہ اگر اللہ کی طرف سے دار الآخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے۔ اوروں کے لئے نہیں۔ تو کیوں نہ تم مرنے کی خواہش کرو۔ اگر صادق ہو۔ ۸۔ مگر جو عمل وہ اپنے ہاتھوں سے پہلے کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے۔ بے شک اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ ۹۔ اور یقیناً تو لوگوں سے زیادہ انہیں لمبی عمر کا خواہشمند پائے گا۔ حتےٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے۔ کہ اے کاش! مجھے ہزار سال کی عمر مل جائے۔ مگر لمبی عمر ملنے پر بھی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۱۰

۱۱۷۔ خوئے بد را بہانہ بسیار

ان آیات میں دنیا پرست لوگوں کی حالت کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ نہ صرف ام الکتاب اور عالمگیر اصولوں سے لوگ بے پرواہ رہتے ہیں۔ ضرورت یا مصلحت مقامی و زمانی پر مبنی تعلیمات پر بھی وہ التفات نہیں کرتے جب بھی کوئی مبلغ حق کی دعوت دیتا ہے۔ عام لوگ اس کی مخالفت کرتے۔ اسے جھٹلاتے۔ حتےٰ کہ قتل تک بھی کرتے۔ اور مختلف قسم کی حجتوں و بہانوں سے قبول حق سے گریز کرتے ہیں۔ موسےٰ نے قدیم الہام الٰہی والی ہی تعلیم دی۔ کئی رسول بعد میں اسی مشن کو پھیلاتے رہے۔ عیسےٰ نے بھی انہی مسلمات کو پھیلایا۔ تمام نیک پاک لوگوں سے اس کی تائید ہوئی۔ مگر جاہل عوام الناس نے از راہِ تکبر اپنے خلاف باتوں پر برافروختہ ہو کر مخالفت کی۔ بوجہ کفر یہ بد نصیب حق کو کم ہی مانتے ہیں۔ مگر کہتے یہ ہیں۔ کہ ہم خود خوب جانتے ہیں۔ کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی حضرت محمد صاحب کی تعلیم ہر چند پہلی الہامی تعلیم کی عظمت

کو ہی نقش کرتی تھی۔ اور لوگ اس امر کو پہچانتے و سمجھتے بھی تھے۔ کہ یہ واقعی ہماری پرانی تعلیم ہے۔ مگر پھر بھی انکار ہی کر دیتے۔ کہ ہم پر تو اس کا انکشاف ہُوا نہیں۔ یہ قدیم کتاب کے مطابق تھی۔ اور وہ کافروں کو نیچا دکھانے کے خواہاں بھی تھے۔ مگر جب وقت آیا۔ تو فضول سے بہانے کی آڑ میں باغی ہو بیٹھے۔ انہیں حق کی طرف دعوت دو۔ تو کہتے ہیں۔ حق تو وہ ہے۔ جو ہم سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ حق پر ہوتے۔ تو پہلے پیغمبروں کو اذیتیں ہی کیوں دیتے۔ موسیٰ کی غیبت میں بچھڑا کیوں پوجتے۔ اور کیوں توحید الٰہی کی ہدایت سُن کر بھی بچھڑے کو اپنے دل پر مسلط کرتے پس اگر یہ واقعی حق پسند یا مومن ہوں۔ تو سمجھ لیں۔ کہ ان کا موہومہ مذہب یا ایمان انہیں بُری تعلیم دیتا ہے۔ ایسے بہانہ باز اور متکبر لوگوں کے لئے آیت نمبر ۹۴ میں ایک لاجواب نکتہ پیش کیا گیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ آخرت کا گھر یا بہشت تمہیں ہی ملنا ہے۔ تو مرنے کی خواہش کیوں نہیں کرتے۔ واقعی اگر سچے ہوتے۔ تو جلدی مرنے کی کوشش کرتے۔ اور بہشت میں پہنچتے۔ لیکن نہیں مرنا نہیں چاہتے۔ ہر شخص لمبی عمر چاہتا ہے۔ حتے اکہ ہزار سال جینے کا خواہاں ہے۔ اور اگر اتنی عمر مل جائے تو اور بھی لمبی عمر کا خواہاں ہو۔ پس ان کا اپنا عمل ظاہر کرتا ہے۔ کہ نہ یہ حقیقی معنوں میں سچے ہیں۔ نہ انہیں بہشت ملنے کا کوئی یقین ہے۔

۱۱۸۔ لمبی عمر کا لالچ

اوپر کے خلاصہ مطلب سے ان آیات کا مفہوم سلیس اور مدلل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مفسر صاحبان بعض اوقات اصل مضمون سے الگ ہو کر غیر ضروری بحث پر جھک جاتے ہیں۔ مثلاً یہاں لمبی عمر کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کا اس سے یہ منشا نہیں۔ کہ کسی خاص مت یا دیگر تمام مذاہب کے لوگوں کے متعلق یہ کوئی الزام ہے۔ کہ وہ لمبی عمر چاہتے ہیں۔ لیکن ایک صاحب اسی پر حوالہ جات پیش کرنے لگتے ہیں۔ اور مشرک مجوس عجمی اور عیسائی لوگوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ دنیا پرست یہودی تو لمبی عمر کے حریص ہیں ہی ان کے مشرک بھائی یعنی عیسائی ان سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ ایک اور صاحب لکھتے ہیں۔ کہ قیامت کو نہ ماننے والے مشرکوں کا دنیوی زندگی کا لالچ موجب تعجب نہیں ہو سکتا۔ مگر تعجب تو ان پر ہے۔ کہ قیامت کے بھی قائل ہیں۔ اور پھر بھی دنیا کی چند روزہ زندگی پر حریص ہیں۔ لیکن درحقیقت یہاں اس امر کا تعلق ہی نہیں۔ کہ کون لمبی عمر کا لالچی ہے۔ اور کون نہیں۔ نفس مضمون محض یہ ہے۔ کہ جو منکر یا کافر بار بار سمجھانے پر بھی یہی ضد کرتے ہیں۔ کہ ہم ہی راستی پر ہیں۔ ہمیں کسی سے کچھ سمجھنا نہیں۔ انہیں دلیل دی گئی ہے۔ کہ اگر واقعی تم ہی سچے اور بہشت کے مستحق ہو۔ تو تمہیں مرنے میں خوش ہونا چاہئے۔ تاکہ جلد بہشت میں پہنچو۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں۔ کہ لمبی عمر پر کوئی اعتراض ہے۔ نہ یہ کہ لمبی عمر کے خواہاں لوگوں کا جھوٹے مذاہب سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ تو قریباً تمام انسانوں کی خواہش ہے۔ یہاں چارواک مت کا ایک قول اصل پوزیشن کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

पशुश्चेन्निहित: स्वर्ग ज्योलिष्टोमे गभिष्यति ।
स्वपिता यजमानेन तत्र कस्मान्न हिंस्यते ॥

اگر یگیہ میں حیوان کو مار کر ہون کرنے سے وہ حیوان سورگ کو جاتا ہے۔ تو یجمان اپنے باپ کو مار کر اور

ہون کر کے اسے سورگ میں کیوں نہیں بھیجتا۔
چونکہ یگیہ میں پشوؤں کی بلی چڑھانے والوں نے یہ ایک جھوٹی دلیل گھڑی تھی۔ کہ بلی والا پشو سورگ میں جاتا ہے۔ لہٰذا یہ اس پر ظلم نہیں۔ اس لئے اس کی تردید میں یہ دلیل دی ہے۔ کہ اگر واقعی ایسا ہوتا۔ تو پہلے لوگ اپنے آپ اور اپنے باپ وغیرہ کو بہشت میں پہنچاتے۔ پشوؤں کے خیر خواہ نہ بن بیٹھتے۔ بعینہٖ اپنے آپ کو سچا اور جنت کا مستحق سمجھنے والے کافروں کو دلیل دی ہے۔ کہ اگر واقعی تمہیں جنت ملنا ہوتا۔ تو تم سب خیال چھوڑ کر مرنے کی سوچتے۔

۱۱۹۔ غور طلب الفاظ

۱۔ اَلکِتٰب جو آیت ۸۷ میں ہے۔ اسی کامل الہامی علم کے لئے ہے۔ جو آیت ۲ میں مذکور ہے۔ مفسرین اسے توریت کے لئے قرار دیتے ہیں لیکن قرآن میں جہاں بھی کسی نبی کو اَلکِتٰب عطا ہونے کا ذکر ہے۔ اُسے آغاز والے علم کے عطا ہونے کے لئے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جیسا ویدک دھرمی کہتے ہیں۔ کہ جو بھی رشی ہُوا۔ وید کی تعلیم سے ہی فیضیاب ہُوا۔ اسی طرح قرآن میں خدا کی عنایت سے سب نبیوں کو الکتب عطا ہونے یا وید کی تعلیم ملنے کا ذکر ہے۔ توریت اور انجیل کو بھی کتاب کہا گیا ہے۔ جیسے یہاں آیت نمبر ۸۹ میں کتاب کا لفظ آیا ہے۔ اور اس خصوصیت کو سمجھنے کا معیار یہ ہے۔ کہ جہاں کسی بعد کی کتاب کا ذکر آتا ہے وہاں اسے پہلی کتاب کی مصدق کہا گیا ہے۔

۲۔ بَیِّنٰت سے مراد ہے تمام بیّن یا صریح یا ہر کہیں آشکارا یا عالمگیر مسلمات کی۔ جیسے سدھانت یا بذاتِ خود ثابت سچائیاں کہا جاتا ہے۔ اور انہیں ہی وید کی تعلیمات کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ جہاں ۸۷ آیت میں موسیٰ کو الکتب ملنے کا ذکر ہے۔ وہاں آیت ۹۲ میں اس کے بینات کے ساتھ آنے کا بیان ہے۔ آیت ۸۷ میں عیسےٰ ابن مریم کی خصوصیت بھی وہی بینات ہیں۔ پس ان سب الفاظ کا اصل مفہوم ایک ہی ہے۔ اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ توریت وغیرہ پر بینات و الکتب کا لفظ اس معنے میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو موسیٰ والی توریت کا ہی عیسیٰ پر بھی ظہور ہوتا۔

۳۔ رُوحُ القدس سے مراد مفسرین جبرئیل کی لیتے ہیں۔ اور عیسےٰ کے ذکر میں بائبل کے مطابق رُوح القدس کا لفظ جبرئیل کے لئے سمجھا جانا معمولی بات ہے۔ لیکن ہم نے اس کا اطلاق تشریح میں تعمیم پر کیا ہے۔ کہ سب نیک پاک رُوح انہی تعلیمات کی تائید کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف معقول بات ہے۔ جبرئیل کی بحث میں واضح ہوگا۔ کہ آنحضرت کا اصل مُدعا بھی یہاں یہی ہے۔

۴۔ مَا عَرَفُوْا جسے جانتے پہچانتے تھے یا جس سے ان کا تعارف تھا۔ مراد ان امور سے ہے۔ کہ لوگوں کے دل ان سے واقف ہیں۔ کہ یہ واقعی پرانی تعلیم ہے۔ اور یہ مبلغین کے تجربہ میں اکثر آتا ہے۔ کہ لوگ ان کی وعظ سن کر کئی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ کہ یہ سچی ہیں۔ مخالفت کے جذبہ میں وہ اپنے انکار کو جاری رکھتے ہیں۔ جیسے بُت پرستی کو خلاف وید سمجھنے والے کئی عالم بھی خاص نیتی سے اس کے حق میں کہے جاتے ہیں۔

۵۔ غُلْفٌ و جمع ہے اغلف کا جو غلاف میں ہو۔ اسے اغلف کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے۔ کہ اپنی ضد پر قائم رہ کر لوگ کہتے ہیں۔ ہم پہلے ہی محفوظ ہیں۔ ہمیں نئی وعظ کی ضرورت نہیں:

۱۲۰۔ جذبۂ عداوت اور حق سے انکار

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞۱ مَنْ ۹۷
كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ
عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞۲ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ ۹۸
اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۞۳ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۹۹
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞۴ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۱۰۰
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ
اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۵ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ ۱۰۱
عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا
يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ
مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ

عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۣ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۲ ۱۲ ع ۱۰۳ ۱۲

جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے۔ اسے کہدو۔ کہ بے شک اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل میں وہ علم داخل کیا ہے۔ جو اس کی قدرت میں موجود قانون کی تصدیق کرتا ہے۔ اور مومنوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے ۱۔ جو شخص خدا اس کے فرشتوں اس کے رسولوں نیز جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے۔ بے شک ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔ ۲۔ اور تحقیق ہم نے تم پر سچے علم والی آیات نازل کی ہیں۔ جن سے سوائے فاسق کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ۳۔ یہ کیا ہی بری بات ہے۔ کہ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی فریق اس کو پھینک ہی دیتا ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو اسے قبول ہی نہیں کرتے۔ ۴۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا۔ اور اس نے ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق بھی کی۔ تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب الہی کو ایسا پس پشت ڈالا۔ کہ گویا اسے اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ ۵۔ اور ان لغویات کی پیروی کرنے رہے۔ جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیطان سنایا کرتے تھے۔ مگر سلیمان کا کفر سے تعلق نہ تھا۔ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔ کہ لوگوں کو جادو سکھاتے۔ اور وہ باتیں جو بابل میں ہاروت اور ماروت نام دو فرشتوں کے ذریعے چلی تھیں۔ مگر وہ کسی کو یہ باتیں سکھاتے نہ تھے۔ بلکہ پہلے یہ صاف کہدیتے تھے۔ کہ ہم تو محض فتنہ ہیں۔ تم کافر نہ ہو۔ پس وہ ان سے ایسی باتیں سیکھ لیتے۔ جیسے میاں اور بیوی میں تفرقہ ڈالنا۔ مگر خدا کے حکم کے بغیر کسی کو اس سے وہ ضرر نہ پہنچا سکتے تھے۔ گویا وہ ایسی باتیں سیکھتے ہیں۔ جو انہیں ہی نقصان دیتی ہیں۔ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ اور یقیناً ان کو علم ہوتا ہے۔ کہ ان باتوں کا خریدار عاقبت کے لحاظ سے بدنصیب ہوتا ہے۔ اور کاشکہ وہ جانتے۔ کہ یقیناً بری چیز کے بدلے انہوں نے اپنے جی جان کی بازی لگائی ہے۔ ۶۔ اور اگر وہ ایمان لاتے۔ اور پرہیزگار بن جاتے۔ تو خدا کی درگاہ سے بہتر ثواب پاتے۔ کاشکہ وہ اس نکتے کو سمجھ سکتے۔ ۷۔

۱۲۱۔ ترک ایمان فی الہام

آیت ۹۷ سے پایا جاتا ہے۔ کہ بعض لوگ حضرت جبرئیل سے دشمنی رکھتے تھے۔ اور اس لئے آنحضرت ان سے وحی پا کر جس بات کی اشاعت کرتے۔ وہ لوگ مانتے نہ تھے۔ انہیں سمجھانے کے لئے یہ کہا گیا۔ کہ جبرئیل جو تعلیم دیتا ہے۔ اس کی ذاتی نہیں۔ بلکہ وہ خدا کا حکم ہے۔ اور جو الہامی کتاب تمہارے پاس ہے۔ اسی کی صداقت کے مطابق ہے۔ اور مومنوں کے لئے بشارت۔ آیت ۹۸ میں کہا۔ کہ نظر بریں حالات یہ جبرئیل کی عداوت نہیں۔ خدا رسولوں فرشتوں جبرئیل

میکائیل سب کی عداوت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خدا سے ملی ہوئی سچائیوں کو پھیلاتے ہیں۔ اور جب ان سے نفرت ہوئی۔ تو صریح کفر ہُوا۔ اور کفر والوں کا اللہ دشمن ہے۔ پھر علم کے لحاظ سے چونکہ ان آیات میں ایسی سچائیاں ہیں۔ جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس لئے ان سے انکار کرنا فسق صریح ہے۔ مگر افسوس کہ جذبہ عداوت کے زیر اثر یہ لوگ اول تو ایمان لاتے نہیں۔ اور اگر کسی صداقت کے متعلق کچھ عہد کرتے بھی ہیں۔ تو کوئی نہ کوئی فریق اس عہد پر عمل نہ کر کے اسے فضول ہی سدھ کرتے ہیں۔ اور رسول اگر ایسی ہدایت دیتا۔ جو کتاب الہی کی تعلیم کے مطابق ہوتی۔ تو وہ کتاب کو ہی پسِ پُشت ڈال کر اس سے بالکل اجنبی سے بن بیٹھے اب ثبوت ہو۔ تو کیا۔

۱۲۲- ہاروت و ماروت

سلیمان کے زمانہ میں شہر بابل میں ہاروت ماروت نام کے دو شخص تھے۔ انہیں ہی دو فرشتے کہا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی سیرت نیک تھی۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ دو بادشاہ تھے۔ لیکن کچھ بھی ہوں۔ بڑے شعبدہ باز مشہور تھے۔ گو شعبدہ بازی کو کفر سمجھتے تھے۔ جادو کے کھیل دکھاتے۔ تو کہہ دیتے۔ کہ ہم تو جو ہوئے سو ہوئے۔ تم اس کفر سے بچو۔ یہ ہو بہو وہی بات ہے۔ جو آج کل کے مداری لوگ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم کوئی معجزہ یا ناممکن بات نہیں دکھا سکتے۔ ہاتھ کی صفائی ہے۔

۱۲۳- جادو کی مذمت

جبرئیل کے دشمن جذبۂ عداوت کے زیر اثر نہ تو حضرت محمد صاحب کی تبلیغ پر توجہ دیتے۔ نہ قدیم الہام سے اس کی مطابقت پر التفات دیتے۔ ہاں ہاروت و ماروت کی شعبدہ بازیوں کے شیدائی ہوئے۔ اور ان سے شعبدہ بازی سیکھتے رہے۔ وہ صاف کہہ بھی دیتے۔ کہ ہم تو بد نصیب ہیں ہی۔ تم کافر نہ بنو۔ لیکن انہوں نے ایسی باتیں سیکھیں۔ کہ میاں بیوی میں لڑائی کیسے ڈالی جا سکتی ہے۔ وغیرہ۔

قرآن ان سب باتوں کو شیطانی خرافات بتا کر ان کی مذمت کرتا ہے۔ اور ان کے شیدائیوں کو بدنصیب کہتا ہے۔ اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے عداوت کر کے اپنے آپ کو برباد کر لیا۔ ورنہ حق کو ماننے اور پرہیزگار رہنے سے خدا انہیں اعلےٰ اجر دیتا۔ یہ کہنا۔ کہ سلیمان کا لغو باتوں سے تعلق نہ تھا۔ ان کے سنانے والے شیطان تھے۔ نیز یہ کہنا۔ کہ وہ ان باتوں سے کسی کو ضرر نہ پہنچا سکتے تھے۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ باتیں واقعی قرآن سے مذموم قرار دی گئی ہیں۔ اور یہ کہنا۔ کہ خدا کی اِذن کے بغیر نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ یہ معنے نہیں رکھتا۔ کہ خدا کی اِذن سے ان باتوں سے ضرر پہنچتا تھا۔ بلکہ یہ کہ اگر کسی کو نقصان یا تکلیف پہنچے۔ تو خدا کی رضا یا اذن سے سمجھنی چاہئے۔ کسی جادو وغیرہ عمل کا اس نقصان سے تعلق نہ سمجھنا چاہئے۔

۱۲۴- جبرئیل

مانا جاتا ہے۔ کہ جبرئیل ایک فرشتہ ہے۔ جو خدا کی طرف سے حضرت محمد صاحب پر وحی لاتا تھا۔ عام لوگ اسے نظر نہ آنے والا سمجھتے ہیں۔ سر سیّد احمد صاحب کا خیال ہے۔ کہ جبرئیل میکائیل وغیرہ نام یہودیوں نے مقرر کئے تھے صحف انبیا میں کوئی صفت صفات باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی۔ تو رفتہ رفتہ وہ نام فرشتے

کا تصور ہونے لگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جبرئیل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ قوۃ اللہ یا قدرت اللہ۔ یہود کے نزدیک جبرئیل بنی اسرائیل کیلئے قابض ارواح ہیں۔ اور ان کی روحیں انہی کے پاس رہتی ہیں۔ کہیں جبرئیل کو ملک النار لکھا ہے۔ کہیں ان کو رعد پر حکمران بتایا ہے۔ اور میووں کا پکانا ان سے متعلق کیا ہے۔ علمائے یہود یہ جبرئیل کو بڑے زباندان مانتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ بابل میں جو خدا نے ستر زبانیں کردی تھیں۔ ان سب کو وہ جانتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت یوسف کو سب زبانیں سکھائی تھیں۔ اور کلدانی اور سریانی زبان سوائے جبرئیل کے کسی اور فرشتے کو نہیں آتی۔

سر سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ غالباً جبرئیل کی شہرت زباندانی کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے یہ تصور کیا ہے۔ کہ وہ خدا کی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سن کر یاد کر لیتے تھے۔ اور آنحضرت کو آکر سناتے تھے۔

بیان القرآن میں ہے۔ کہ (بخاری۔ قول عکرمہ) جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل سب بمعنے عبد اللہ جبر بمعنے عبد اور ایل بمعنے اللہ۔ اور معنے یوں دیئے ہیں۔ کہ جبر کے معنے کسی قسم کے غلبہ سے کسی چیز کی اصلاح کرنا۔ اس لئے جبر سلطان کو بھی کہتے ہیں (رغ) اور ایل اول سے ہے۔ یعنی رجوع کرنے والا۔ پس جبرئیل وہ ہے۔ جو اصلاح کرنے والے بادشاہ کی طرف بار بار رجوع کرے۔

ایک اور مفسر صاحب فرشتوں کے متعلق بڑی طویل تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ تمام نظام عالم کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے۔ کہ ہر کام کے لئے مدبر ضرور ہیں۔ مصنوعی کاموں میں مدبر انسان اور قدرتی کاموں میں ملائکہ جیسے انسانی انتظام میں فوجوں میں سپاہی۔ حوالدار۔ جمعدار۔ کرنیل میجر۔ کمانڈر انچیف کے مدارج اسی طرح سلسلہ نظام ملائکہ میں ہے۔ قرآن مجید نے اعلیٰ درجہ کے ملائکہ چار کہے ہیں۔ جو اب عرش کو اٹھا رہے ہیں۔ انہی میں جبرئیل اور میکائیل ہیں۔ کثیر التعداد حوالہ جات کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے۔ آپ سورۃ النجم کی آیات پیش کرتے ہیں۔ کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔۳۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔۴ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۔ ۵۔ یعنی محمد یہ کلام اپنی خواہش سے نہیں کرتا۔ بلکہ وہ وحی ہے۔ جو اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اس کو زبردست طاقتوں والے نے تعلیم دی ہے۔" سورۃ الشعراء کی یہ آیت پیش کی ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ یعنی اس قرآن کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے دل پر اتارا ہے۔ سورۃ کوثر آیت ۱۹ تا ۲۱ کا حوالہ دیا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۱۹ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۲۰ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۲۱ یہ بزرگ استاد کا قول ہے۔ جو صاحب قوت ہے۔ صاحب عرش کے پاس عزت یافتہ ہے۔ اور اطاعت کیا گیا و امانت دار۔

آیات قرآن کے علاوہ بائبل کے بہت اقتباس دیئے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فرشتوں کے یہ اوصاف ہیں۔ اور وہ نظام قدرت میں فلاں فلاں کام پر تعینات ہیں۔ پھر کسی حوالہ سے انہیں مجسم بتایا ہے۔ کسی سے غیر مجسم۔ کسی سے فرشتوں کا روح کے مشابہ ہونا پایا جاتا ہے۔ کسی سے ان کا روح ہونا مگر باوجود اس قدر کوشش کے کسی صحیح اور یقینی نتیجہ پر آپ نہیں پہنچے۔ بلکہ آخر میں لکھتے ہیں:

"فرشتوں کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ کے منشا یا کلام کو سمجھتے اور پھر کس طرح اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان سوالات کا حل کرنا انسانی ادراک سے باہر ہے"۔ اس کے بعد آپ روح اور مادہ کی ماہیت کے متعلق بھی باوجود طول طویل بحثوں کے کچھ صحیح نتیجہ نکلنے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح فرشتوں کے متعلقہ سوالات کے متعلق لکھتے ہیں۔

مفسرین نے اس بارہ میں طول طویل بحثیں اٹھائی ہیں۔ کہ ملائکہ کی کیا حقیقت ہے۔ وہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ کے منشا اور کلام کو سنتے اور پھر کس طرح پر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور خود ہی طرح طرح کے سوال کر کے پیچ در پیچ اور لاینحل مشکلات میں پڑ گئے ہیں۔ ایک سوال کو حل کرتے ہوئے اور صدہا لاینحل سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ بحثیں ناقابل اختتام انسانی ادراک سے بالاتر اور نتائج کے لحاظ سے فضول ہیں۔ اس لئے ہم ان کو عمداً ترک کرتے اور ان کے حالات کے واقعی بیان پر جیسا کہ کلام الٰہی کی رو سے اوپر کیا جا چکا۔ بس کرتے ہیں"۔

اسی طرح ملائکہ کی نسبت اور مفسرین نے بھی بڑی طویل تحریروں سے حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ثابت یہ کیا ہے۔ کہ وہ خود بھی اس کو نہیں سمجھے۔ اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔ بلکہ اوروں کو روکتے ہیں۔ کہ اس بحث میں پڑنا ہی نہیں۔ سر سید صاحب نے بھی ملائکہ لفظ کے متعلق کسی سے کم طویل بحث نہیں کی۔ لیکن کیا لفظ فرشتہ۔ کیا جبرئیل اور کیا میکائیل کسی کے متعلق بھی اختلافات و شکوک بڑھانے کی خرابی سے بچ نہیں سکے۔ اور اپنی ذاتی رائے اخیر میں ایسی ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ جبرئیل کا فی الحقیقت کوئی وجود نہیں۔ یہ محض حضرت محمد صاحب کے ملکۂ نبوت کا نام ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

ان دونوں (جبرئیل و میکائیل) کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں۔ جیسے کہ زید و عمر۔ بلکہ انہی آیتوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ جس شئے کو یہودی جبرئیل تعبیر کرتے تھے۔ وہ کوئی جداگانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے۔ کہ بے شبہ اس نے (جبرئیل نے) ڈالا ہے۔ تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہے۔ اس چیز کو جو اس سے پیشتر ہے"۔ دل میں ڈالنے والی کوئی ایسی مخلوق جو اس شخص سے جس کے دل میں ڈالا گیا ہے۔ جداگانہ ہو۔ نہیں ہوتی۔ پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے تھے۔ اور جس کا نام حکایتاً خدا نے بیان کیا ہے۔ وہ ملکہ نبوت خود آنحضرت میں تھا۔ جو وحی کا باعث تھا۔ اس سے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ نے بلا ذکر جبرئیل کے فرمایا ہے۔ کہ بے شک ہم نے بھیجی ہیں۔ تیرے پاس کھلی ہوئی نشانیاں۔ ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اس قدر تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ اسی ملکہ نبوت پر جبرئیل کا اطلاق ہوا ہے"۔

کہاں تک لکھا جاوے۔ اور بیسیوں طرح کے امور کی مانند جبرئیل کے متعلق بھی عجیب و غریب اختلافات خیال موجود ہیں۔ حتیٰ کہ جبرئیل کے جن دشمنوں کا ذکر آیت ۹۸ میں ہے۔ ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں نے اپنے عندیہ میں دو جداگانہ فرشتے ٹھہرا رکھے تھے۔ ایک جبرئیل اور ایک میکائیل۔ پچھلے کو اپنا دوست جانتے تھے۔ اور پہلے کو اپنا دشمن۔ اور چونکہ دین محمدی کو وہ

اپنے برخلاف خیال کرتے تھے۔ تو یہ سمجھتے تھے۔ کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو یہ باتیں سکھاتا ہے"۔ علماء و مفسرین کے اس قسم کے خیالات سے جبرئیل کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا نہایت مشکل کام ہے۔ لیکن اگر محض قرآن تک ہی تحقیقات کو محدود رکھا جائے۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن میں کہیں ایسا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ کہ یہودیوں کے خیالی دشمن اور محض ایک موہومہ ہستی کی طرف اس میں اشارہ ہے۔ نہ یہ ذکر ہے۔ کہ جبرئیل کے دشمن یہودی ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کسی فرقہ میں سے کوئی بھی شخص دشمن ہو سکتا ہے۔ جبرئیل کو امین کہا گیا ہے۔ رسول کریم کہا گیا ہے۔ مطاع کہا گیا ہے۔ علم کا آنحضرت کا دل میں ڈالنے والا کہا گیا ہے۔ اور تمام استاد جو کچھ پڑھاتے ہیں۔ وہ کان کے ذریعے شاگرد کے دل میں ہی پہنچتا ہے۔ ہر استاد اور لائق شخص یا مبلغ شاگردوں۔ ہمنشینوں یا سامعین کے دلوں میں نیک خیال ڈالتا ہے۔ تو کیا کوئی استاد وغیرہ کے وجود سے منکر ہو سکتا ہے۔ اور محض شاگرد وغیرہ کے ملکۂ علمیت پر ہی تحصیل علم کا انحصار رکھ سکتا ہے۔ پس جبرئیل کی خاص شخصیت ہے۔ اور وہ آنحضرت کو سچے دھرم یا الہام کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے۔ کہ اے پڑھنے والے میرے پیچھے آہستہ آہستہ پڑھ۔ جلدی نہ کر۔ اس کا مفہوم میں تمہارے ذہن نشین کرونگا۔ قرآن میں آیا ہے۔ کہ گورو۔ شاگرد کو کہہ رہا ہے۔ کہ اے سونے والے جاگ۔ اوروں کو جگا۔ بت پرستی کی ناپاکیزگی ہٹا۔ خواجہ حسن نظامی قرآن آسان قاعدہ میں واضح کرتے ہیں۔ کہ جبرئیل باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ اور آنحضرت ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ بخاری میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرت کی وعظ کے دوران میں ایک بزرگوار پہنچے۔ انہوں نے سوال کئے۔ کہ خدا کیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ ایمان کیا ہے۔ آنحضرت نے جواب دیئے۔ جسے اس بزرگوار نے صحیح قرار دیا۔ اور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آنحضرت نے سامعین کو کہا۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ یہ صاحب کون ہیں۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ آپ ہی حضرت جبرئیل ہیں۔ آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے انہوں نے یہ سوال مجھ سے کئے ہیں۔ غرضیکہ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ کوئی خاص ہستی نہ تھے۔ نہ یہ کہ وہ نظر نہ آتے تھے۔ نہ یہ کہ محض یہودی پہلے سے انہیں ایک فرضی دشمن مانتے تھے۔ بلکہ حقیقت وہی ہے۔ جو ہم پہلے کئی جگہ کہہ آئے ہیں۔ کہ ویدک مبلغ یا مشنری ہمیشہ سے تمام ملکوں میں پہنچ کر اشاعت حق کے متعلق اپنا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ اور ان رشیوں یا سنیاسیوں کا ہی جبرئیل نام تھا۔ رگوید کے پہلے اگنم ایلے لفظ ہے۔ اگنی کے معنے آگ کے لے کر آتش پرست لوگ (پارسی) ان کو گہرئیل کہتے تھے۔ کیونکہ گہر کے معنے آتش کے ہیں۔ لیکن یہودی لوگ گ نہیں بولتے وہ گ کو ج سے بدل کر الفاظ بولتے ہیں۔ جیسے گناہ کو وہ جناح کہتے ہیں۔ پس ویدک دھرمی مبلغوں کو اگنم ایل۔ گبرئیل۔ جبرئیل کہنا ہر طرح ظاہر ہے۔ عربی وغیرہ زبانوں کا لفظ ان کو کہنا صحیح نہیں کیونکہ ان زبانوں میں یہ الفاظ ام اللسان (سنسکرت) سے آئے ہیں۔ ان کے اپنے نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی قدیم زمانے سے ویدک دھرمیوں کا ہی رواج ہے۔ کہ گورو سے تعلیم کو شروع کراتے ہی ایسے الفاظ کہلواتے جاتے تھے۔ کہ اصل گورو پرمیشور ہے۔ ہم اس کے ایجنٹ یا امین کے طور پر اسی پرمیشور والا علم تم تک پہنچاتے ہیں۔ وہ گورو بلوان یا ذی قوۃ تھے۔ وہ ایشور کے حکم کے مطیع تھے۔ وہ تمام اہل عالم کی عزت

کے مستحق تھے۔ اور جو تمام ممالک میں پھرتے تھے۔ وہ بھاشائیں یا زبانیں بھی ان ملکوں کی جانتے تھے۔ اس لئے جبرئیل اس وقت کے اُستاد زمان تھے۔ فرضی ہستی نہ تھے۔

۱۲۵ میکائیل

جہاں جبرئیل نام آچاریہ یا اُستادِ زمان کا ہے۔ وہاں میکائیل نام اس سے بھی بڑے عالم کا ہے۔ جو آفتاب کی مانند دُنیا میں چمکتا ہے۔ ویدک ساہتیہ میں آدِتیہ برہمچاری اسے کہتے ہیں۔ جو ۴۸ سال کا برہمچریہ رکھ کر علم میں کمال پاتا ہے۔ اور آدتیہ آفتاب کو کہتے ہیں۔

مگر مفسرین جبرئیل کی طرح میکائیل کے متعلق بھی کوئی یقینی علم نہیں دیتے۔ ایک صاحب اس کے معنے بھی عبداللہ یعنی بندۂ خدا کہتے ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں۔ اس کے معنے ہیں "من کا اللہ" سرسید صاحب اسے بھی موہومہ ہستی سمجھتے ہیں۔ اور یہودیوں کا محض ایک خیال یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ قوم بنی اسرائیل کا محافظ اور نگہبان ہے۔ جیسا کہ جبرئیل اُس قوم کا دشمن ہے۔ اس قسم کی توہمات کے مقابلے پر ہم محض بائیبل کتاب مکاشفات کے اقتباس کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ میکائیل آفتاب کا نام ہے۔

" پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا۔ یعنی ایک عورت نظر آئی۔ جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی۔ اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔ اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر وہ حاملہ تھی۔ اور درد زہ سے چلاتی تھی۔ اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی۔ پھر ایک نشان آسمان پر دکھائی دیا۔ یعنی ایک بڑا لال اژدہا اس کے سات سر اور دس سینگ تھے۔ اور اس کے سروں پر سات تاج۔ اور اس کی دم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پر ڈال دیئے۔ اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا۔ جو جننے کو تھی تاکہ جب وہ جنے۔ تو اس کے بچے کو نگل جائے۔ اور وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کریگا۔ اور اس بچہ کو یکایک خدا اور اس کے تخت تک پہنچا دیا گیا۔ اور وہ عورت اس بیابان کو بھاگ گئی۔ جہاں خدا کی طرف سے اس کے لئے ایک جگہ تیار کی گئی تھی۔ تاکہ وہاں ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کی جائے۔ پھر آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اور اس کے فرشتے اژدہے سے لڑنے کو نکلے۔ اور اژدہا اور اس کے فرشتے ان سے لڑے۔ لیکن غالب نہ آئے۔ اور اس کے بعد آسمان پر ان کے لئے جگہ نہ رہی۔ اور وہ بڑا اژدہا یعنی وہی پرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے۔ اور سارے جہاں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ زمین پر گرا دیا گیا۔ اور اس کے فرشتے بھی اس کے ساتھ گرا دیئے گئے۔

اور جب اژدہے نے دیکھا۔ کہ میں زمین پر گرا دیا گیا ہوں۔ تو اس عورت کو ستایا۔ جو بیٹا جنی تھی۔ اور اس عورت کو بڑے عقاب کے دو پر دیئے گئے۔ تاکہ سانپ کے سامنے سے اڑ کر بیابان میں اپنی اس جگہ پہنچ جائے۔ جہاں ایک زمانے اور زمانوں اور آدھے زمانے تک اس کی پرورش کی جائے گی۔

اور سانپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے منہ سے ندی کی طرح پانی بہایا۔ تاکہ اس کو اس ندی سے بہا دے۔ مگر زمین نے اس عورت کی مدد کی۔ اور اپنا منہ کھول کر اس ندی کو پی لیا۔ جو اژدہے نے اپنے منہ سے بہائی تھی۔"

وید میں اس بیان کی اصلیت

اوپر کا اقتباس محض رگوید منڈل اسوکت ۳۲ کے منتروں کا قائمقام ہے۔ ان منتروں میں اندر اور اہی کا بیان ہے۔ یہ دو لفظ تمام مخالف جوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ دیوتا نام اندر کا ہے۔ اور اہی نام اسر یا راکھشس کا اس لئے ان منتروں میں دیو اسر سنگرام کا مفہوم موجود ہے۔ دیوتا نام نیک کا ہے۔ اہی نام بد کا۔ دیوتا نام روشنی کا ہے۔ اور اہی نام تاریکی کا۔ یعنی گیان اگیان۔ پنیہ۔ پاپ وغیرہ سب جوڑے اندر اور اہی الفاظ سے بیان ہو سکتے ہیں۔ یعنی اندر بمعنے راجہ دیو ہے۔ تو چور۔ ڈاکو وغیرہ اہی بمعنے اسر ہیں۔ آتما اندر ہے۔ تو کام کرودھ وغیرہ اسر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ کثیف یا موٹا مفہوم جسے سب آسانی سے سمجھ سکیں۔ مہرشی دیانند نے سوریہ اور بادل کے باہمی جنگ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ سورج کا لشکر اس کی کرنیں ہیں۔ جو سب پدارتھوں کو چھیدا کرتی ہیں۔ اور اہی یا بادل کا لشکر اس کی کالی گھٹائیں یا بخارات ہیں۔ جو سورج کی روشنی کو روکتی ہیں۔ مگر ان تمام کالی گھٹاؤں کو آخر سورج کی کرنیں تتر بتر کر دیتی ہیں۔ اس قسم کے بہت سے قابل غور نکات رگوید کے اس سوکت میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا ہمارے نفس مضمون سے کچھ تعلق نہیں۔ جتانا محض یہ ہے۔ کہ بائیبل کی کتاب مکاشفات والے مذکورہ بالا اقتباس میں میکائیل اور اس کے فرشتوں کا ذکر ہے۔ یہ سورج اور اس کی کرنوں سے مراد ہے۔ جو تاریک بادلوں کو چھن بھن کرتی ہیں۔ یعنی مینہ کی صورت میں انہیں زمین پر بہا دیتی ہیں۔ جس سے مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ بخوف طوالت منتر اس کے معانی اور ان معانی کی اقتباس بالا سے مطابقت کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں۔ نہ اس امر کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ مکاشفات کے اقتباس والے الفاظ عورت۔ دروزہ۔ بچہ جننا۔ اژدہا وغیرہ سے کیا کیا مراد ہے۔ کیونکہ سرسری نظر پر پڑھنے سے ہی اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ میکائیل نام سورج کا ہے۔ جسکے کرنوں والے فرشتے بادل نام اژدہا سے لڑتے ہیں۔ اور اس سے مینہ کا پانی زمین پر گرتا ہے۔ جسے زمین پی جاتی ہے

پس نظام شمسی میں سورج کو میکائیل کہتے ہیں۔ جو سنسکرت میں آدتیہ کہاتا ہے۔ اور اگر کسی کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے اسے آفتاب علم کہتے ہیں۔ تو وہ بھی آدتیہ ہی ہے یا میکائیل۔

اس کے علاوہ یہ خیال بھی قابل غور ہے۔ کہ سنسکرت میں جیسے ایشور کی خاص صفات کو برہما۔ وشنو اور شیو نام تین دیوتاؤں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہودیوں میں خدا کی صفات کے لحاظ سے فرشتوں کے نام تھے۔ اور یہی وہ بات ہے۔ جس نے سرسید صاحب کو ان فرشتوں کے خاص وجود ماننے سے ہٹایا ہے۔ عزرائیل نام فرشتہ موت کا مانا جاتا ہے۔ اور میکائیل موکل ارزاق ہے۔ یعنی ہر قسم کی دولت سونا۔ چاندی اولاد۔ زمین۔ علم وغیرہ کا عطیہ دینے والی صفت ربانی کا مظہر لفظ میکائیل ہے۔ عزرائیل موت کا امین ہے۔ تو جبرئیل علم یا وحی کا امین ہے۔ اور میکائیل خدا کے تمام فیضان کا امین ہے۔ اسی نے میکائیل کو دولتمند پادشاہ کہتے ہیں۔ بائیبل دانیال باب ۱۲ میں میکائیل کو بڑا سردار کہا ہے۔ اور اس سے مراد خدا سے بھی ہے۔ جو نجات اور زندگی و موت بموجب قابلیت و اعمال کے دیتا ہے۔ اس باب کی آیت نمبر ا

کے الفاظ قابل غور ہیں۔

اور اس وقت میکائیل وہ بڑا سردار تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے۔ اُٹھیگا۔ اور یہی تکلیف کا وقت ہوگا۔ جو امت کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک کبھی نہ ہُوا تھا۔ اور اس وقت تیرے لوگوں میں سے ہر ایک جس کا نام کتاب میں لکھا ہوگا۔ رہائی پائے گا۔ اور ان میں سے بہتیرے جو زمین پر خاک میں سو رہے ہیں۔ جاگ اُٹھیں گے۔ بعضے حیات ابدی کے لئے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لئے پر اہل دانش فلک کی چمک کی مانند چمکیں گے۔ اور وہ جس کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے۔ ستاروں کی مانند ابد الاباد تک۔"

یہاں میکائیل بڑا سردار یا خدائے عز وجل ہے۔ جو مستحق لوگوں کو نجات عطا کریگا۔ اور دوسروں کو ان کی قابلیت کے مطابق دکھدائی قالبوں میں ڈالے گا۔ اہل دانش کا فلک پر چمکنا انہیں سورج بناتا ہے۔ اور ان کی کوشش سے اور لوگوں کا ستارے بننا۔ پس خدا کی عنایت سے فلک پر چمکنے والے سورج کو میکائیل کہنا بھی نہایت معنے خیز ہے۔

۱۲۶۔ حاسد مخالف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ② مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ③ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ④ أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ⑤

۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۶﴾

۱۰۹

اے ایمان لانے والو! رٰعِنا نہ کہا کرو۔ اُنظُرنا کہا کرو۔ اور غور سے سنا کرو۔ اور (سمجھ لو) کہ کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے۔ ۱۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں۔ نیز مشرک لوگ نہیں چاہتے۔ کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ بے شک خدا بڑا افضل کرنے والا ہے۔ ۲۔ ہم کوئی آیت منسوخ یا متروک کرتے ہیں۔ تو اس سے عمدہ یا اس جیسی آیت لاتے بھی تو ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے۔ اور اس کے بغیر تمہارا نہ کوئی ولی ہے۔ نہ مددگار۔ ۴۔ کیا تم اپنے رسول سے اس طرح سوال کرنا چاہتے ہو۔ جس طرح قبل ازیں موسیٰ سے کیا گیا تھا۔ پر جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لیتا ہے۔ وہ گویا راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔ ۵۔ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ بوجہ حسد چاہتے ہیں۔ کہ تمہارے ایمان لاتے اور ان پر حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی تمہیں پھر کفر کی طرف لوٹا دیں سو تم معافی اور درگذر سے کام لو۔ حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم یا فیصلہ صادر فرمائے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۶۔

۱۲۷۔ رَاعِنَا وَ اُنْظُرْنَا

راعِنا لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اور وقتوں میں تو کیا مخالف لوگ وعظ کے وقت بھی شرارت کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ رَاعِنا لفظ کے معنے ہیں۔ ہماری طرف کا بھی خیال کیجئے۔ یا ادہر بھی دھیان کیجئے۔ ایسا ہی یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ذرا انتظار فرمائیے کہ ہماری سمجھ میں آجائے۔ اور سامعین کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ تو اکثر آوازیں بھی آتی ہیں۔ کہ ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ یا ادھر بھی کچھ سنائی دینا چاہئے۔ اور تعداد کم ہو۔ تو بھی پوری دلچسپی سے سمجھنے کی کوشش کرنے والے لوگ اپنے ہادی کو کہہ دیتے ہیں۔ کہ ذرا ہمیں سمجھ جانے دیجئے وغیرہ۔ لیکن مخالف یا شریر لوگ طنز یا تمسخر آمیز الفاظ بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ راعنا لفظ بولنے سے اپنے نیک نیت بھگتوں کو آنحضرت نے منع کیا، مخالف لوگ راعنا کو اوپر بیان شدہ خیال کی بجائے اس طریق پر بگاڑ کر بولنے لگے۔ کہ اس کا مفہوم ہوتا۔

اے احمق شیخی باز۔ اور رَ عَ کو کھینچ کر بولتے۔ تو معنے ہوتے۔ اے ہمارے گڈریے یا چرواہے۔ چونکہ اندیشہ تھا۔ کہ ان مخالفوں کی تقلید میں مسلمان بھی شرارت میں حصہ دار نہ ہونے لگیں۔ اس لئے اُنظُرنا

کی ہدایت دینا شرافت اور تہذیب کا لازمی تقاضا تھا۔

۱۲۸۔ دُور اندیشی

نہ صرف راعنا لفظ کو ترک کرایا گیا۔ دور اندیشی سے کام لینے کی ہدایت دی کہ یہودی یا نصرانی وغیرہ مخالفوں سے محتاط رہنا چاہیئے۔ ان کے دلوں میں تعصب اور حسد کام کر رہا ہے۔ انہیں تمہاری بہتری ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ لیکن اللہ کا جس پر فضل ہو۔ اُس کا یہ بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں۔ پس غلط یا غیر ضروری بات کا منسوخ ہونا اور بہتر یا ضروری بات کا قبول ہونا ہی صحیح ہے۔ یعنی یہودی یا نصرانی مذاہب نے جو الہام الٰہی کے خلاف باتیں جاری کردی ہیں۔ ان کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ جیسا راعنا متروک اور اُنظُرنا مقبول ہُوا۔ ہمارا ولی یا کارساز اور مددگار سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ اور چونکہ وہی شا بدکل ہے۔ اس لئے اسی کا حکم ماننا چاہیئے۔ اور ان مخالفوں کی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ خدا قادر مطلق ہے۔ وہی ان کو مناسب بدلہ ایسی بری باتوں کا دے سکتا ہے۔ تمہیں ان سے نہ خوف کرنا چاہیئے۔ نہ ان کی بہکاوٹ میں آکر ایمان کے بدلے کفر لینا چاہیئے۔ نہ اس قسم کے بے عقلی کے سوالوں میں وقت ضائع کرنا چاہیئے۔ جیسے موسےٰ سے یہ لوگ کرتے تھے۔ کہ ہمیں ان آنکھوں سے خدا دکھاؤ وغیرہ غرضیکہ یوگ درشن میں جو ایک وقت اہنسا اور دوسرے وقت کھشما کی ہدایت ہے۔ اور وید منتروں میں جو انصاف الٰہی پر انحصار رکھنے کی ہدایت ہے۔ وہی یہاں مذکور ہے۔

۱۲۹۔ اَھلُ الکِتٰب

آیت ۱۰۵ و ۱۰۹ میں اہل الکتاب کا لفظ آیا ہے۔ مفسرین ان کا اطلاق یہودی اور نصرانی لوگوں پر کرتے ہیں۔ اور اس میں کلام نہیں۔ کہ مخالفت اور حسد وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے ہی منسوب ہو سکتا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر یہی دو مذہب مقابلے پر تھے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ان کو اھل الکتٰب کیوں کہا گیا۔ کہا جائیگا وہ توریت اور انجیل کو مانتے تھے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے وہ اہل الکتاب تھے۔ لیکن ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ الکتٰب کا لفظ عمُوماً قرآن میں آغاز عالم والے الہام (وید) کے لئے مستعمل ہُوا ہے۔ اور یہی پوزیشن یہاں بھی ہم مانتے ہیں۔ اول اس وجہ سے کہ اھل الکتاب ایک فریق ہے۔ اور توریت اور انجیل کے لحاظ سے دو فریق بنتے ہیں۔ دوم قرآن میں یہ پوزیشن کئی جگہ واضح کی گئی ہے۔ کہ توریت انجیل قرآن سب اس قدیم الہام کے مصدق ہیں۔ اور اسی کتاب یا حکم الٰہی کے مطابق ہونے سے ان کی تعلیم قابل قبول ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ ان سب مذاہب کی ایک ہی دہرم پستک مانتے تھے۔ اور توریت۔ انجیل کو محض مقامی یا زمانی ضروریات کے لئے رہنما تسلیم کرتے تھے۔

سوم۔ مخالفت یہاں محض ان اہلِ کتاب سے منسوب ہو رہی ہے۔ جو حسد یا تعصب یا شرک کا شکار ہیں۔ بلا لحاظ یہود و نصاریٰ یا بلا تخصیص توریت و انجیل کے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حق پرست اور غیر متعصب اہل کتاب مخالفت نہیں کرتے۔ اور کئی جگہ آیا ہے۔ کہ سمجھدار لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ میں تبلیغ کرتا ہوں۔ وہ قدیم تعلیم کے مطابق ہے یا اس کتاب کے جو پہلے سے ان کے پاس ہے۔ قرآن کا یہ کہیں دعوےٰ نہیں۔ کہ وہ توریت یا انجیل کے مطابق ہے۔ بلکہ وہ توریت انجیل کو بھی اپنے ساتھ قدیم کتاب کا مصدق

بتاتا ہے۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے۔ وہ ہر کہیں ایک ہی الہامی علم ہے۔ جو شروع سے ہے۔

چہارم یہودی و نصرانی فرقہ بندی کا شکار نہ تو تھے۔ مگر وہ فرقہ بندی محض اس نوعیت کی مانی جا سکتی ہے جو اسلام میں عام ہے۔ اور ہندوؤں میں بھی۔ ورنہ خود بائیبل میں ہر کہیں ابتدائی الہام کا اقبال ہے۔ یوحنا کی انجیل کے سب سے پہلے الفاظ یہ ہیں۔

"ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام ہی خدا تھا"۔

چونکہ کلام الٰہی کا مفہوم علم ہے۔ اس لئے کہ کلام مجموعہ ہے کلمات کا۔ اور کلمات جمع ہے کلمہ کی اور کلمہ وہ ہے۔ جو معنے رکھتا ہے۔ پس معانی یا علم والی کلام محض ایشوری گیان کا ہی نام ہے۔ ابتدا میں ایشوری گیان تھا۔ اسی سے اور اسی کے مطابق پیدائش ہوئی۔ کیونکہ علم کے بغیر کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ علم خدا کے ساتھ تھا۔ کیونکہ علم بغیر عالم کے رہ نہیں سکتا۔ اور چونکہ خدا علم بالذات ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ کہ کلام ہی خدا تھا۔ واعظ کی کتاب آیت ۱۲ تا ۱۴ میں ہے۔

"میں حماقت اور جہالت کے دیکھنے پر متوجہ ہوا۔ کیونکہ وہ شخص جو بادشاہ کے بعد آویگا۔ کیا کریگا۔ مگر وہ جو قدیم سے لوگ کرتے آئے ہیں۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ جیسی روشنی کی تاریکی پر فضیلت ہے۔ ویسے ہی حکمت میں جہالت سے شرافت ہے۔ دانشور اپنی آنکھیں سر میں رکھتا ہے۔ پر احمق اندھیرے میں چلتا ہے"۔

یہاں قدیم سے ہی جو علم ہے۔ وہ ہی ہمیشہ کے لئے رہتا مانا گیا ہے۔ اسی کو روشنی اور حکمت اور آنکھوں کا نام دیا گیا ہے۔ اور جگہ یہ لکھا ہے۔

اگلے زمانہ میں خدا نے باپ۔ دادوں سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا"۔۔۔۔۔ اب اس بات کی حاجت ہے۔ کہ کوئی شخص خدا کی کلام کے ابتدائی اصول تمہیں پھر سکھائے"۔

(عبرانیوں کے نام کا خط باب ۲۔ آیت ۱ و ۲) یوحنا کہتا ہے۔ اے بی بی میں تجھے کوئی نیا حکم نہیں۔ بلکہ وہی جو شروع سے ہمارے ہیں ہے۔ لکھتا۔ اور تجھ سے منت کر کے کہتا ہوں۔ کہ آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ وہ محبت یہ ہے۔ کہ ہم اس کے حکموں پر چلیں۔ یہ وہی حکم ہے۔ جو تم نے شروع سے سنا ہے۔ کہ تمہیں اس پر چلنا چاہئے"۔ عیسائی لٹریچر کو مطالعہ کرنے کے بعد سینٹ آگسٹس اپنی تحقیقات کا لب لباب ان الفاظ میں دیتا ہے "جو دین اس وقت دین عیسوی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ متقدمین میں موجود تھا۔ اور وہ نوع انسان کی پیدائش سے حضرت عیسےٰ کے قالب انسانی میں آنے تک (یعنی اس وقت تک جب سے کہ سچا دین جو پہلے سے موجود تھا۔ دین عیسوی کہلایا) غیر موجود نہ تھا"۔

نہ صرف یہ ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ بائبل کی کل کتابیں نہ یہودیوں کی تصنیفات ہیں۔ نہ نصرانیوں کی۔ نہ کسی عیسائی۔ پادری اور نہ مسیح کی۔ یہ کل آریوں کی تصنیفات تھیں۔ اور سنسکرت میں تھیں۔ جس طرح سکھوں کے ایک گورو صاحب نے ایک وقت میں سب بھگتوں کے نوشتے جمع کر کے گرنتھ صاحب کا بیڑہ باندھا۔ اسی طرح یہ کل کتب ضبط میں لائی گئیں۔ سنسکرت سے ان کو عبرو میں ترجمہ ہوا۔ اور عبرو سے لاطینی میں۔ اور لاطینی سے مصری۔ انگریزی وغیرہ دیگر زبانوں میں۔ ترجمہ در ترجمہ ہوتے

ہوئے قدیم تعلیم سے ناواقف مترجموں کی بدولت ان کی حالت بدل گئی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ان کا اصل دہرم قدیم دہرم ہی مانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ توریت اور انجیل کا اگلی آیات میں صاف طور پر نشیدہ ہے۔ غرضیکہ یہ امر شک سے بالاتر ہے۔ کہ الکتٰب کا لفظ یہاں بھی قدیم الہام کے لئے ہے۔

۱۳۰۔ یہود اور نصاریٰ کا بطلان

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷ ۱۱۰

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۸ ۱۱۱

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۹ ۱۱۲ ع ۱۳

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۰ ۱۱۳

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ کیونکہ جو نیک کمائی اپنے لئے پہلے سے بھیجو گے۔ یعنی موت سے پہلے کما لوگے وہی اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ تحقیق اللہ تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ ۷۔ اور یہود کہتے ہیں۔ کہ یہود کے اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ نصاریٰ کے سوائے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ لیکن یہ ان کی من مانی باتیں ہیں انہیں کہو۔ کوئی دلیل بھی تو دو۔ ۸۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اور نیک عمل کئے۔ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں نیک اجر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے نہ خوف ہے۔ نہ آزردگی۔ ۹۔ پھر یہود کہتے ہیں۔ نصاریٰ کچھ نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہود کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں کتاب پڑھتے

والے ہیں۔ اسی طرح کی باتیں جو علم نہیں رکھتے۔ کرتے رہتے ہیں۔ سو اللہ ہی امن و اتحاد کے زمانہ میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کریگا۔ ا۔

۱۳۱۔ مسلمانوں کا فرض

ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ کہ مذاہب کو چھوڑ کر دہرم کو ہی قبول کیا۔ اور عمل میں لایا جاوے۔ دہرم کیا ہے۔ نیک عمل جو ہر انسان کو سکھ دینے والے ہیں۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا وغیرہ۔ خدا عملوں کو دیکھتا ہے۔ زندگی کے بعد اسے اسی کمائی کا بدلہ ملیگا۔ جو اس نے زندگی میں کی ہے۔ آیت ۱۱۲ میں سب سے اعلےٰ نیک عمل یا دہرم اسے کہا ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو قطعی طور پر خدا کی رضا پر چھوڑ دے۔ یعنی سکھ دکھ۔ نفع نقصان۔ تعریف مذمت سب کا خیال چھوڑ کر جو کچھ ایشور کی اچھیا ہے۔ اسی پر قناعت کرے۔ ایسے لوگ نشکام یعنی بے غرض عمل کرتے ہیں۔ یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ہدایت ہے۔ کہ انسان سو برس تک جینے کی کامنا کرے۔ مگر کرم کرتے ہوئے۔ مطلب یہ کہ پھل کی خواہش چھوڑے رہے۔ کرم کو کبھی نہ چھوڑے۔ اسی طرح کے عمل نجات کا موجب ہیں۔ اور کوئی طریق انسان کو بندھن سے بچانے والا نہیں۔ اور اسی لئے آیت ۱۱۲ میں قرآن کہتا ہے۔ کہ اس طرح رضائے الہی پر انحصار رکھنے والے لوگ سب طرح کے خوف اور دکھوں سے چھوٹ جاتے ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کا وہی فرض بتایا گیا ہے۔ جو وید میں آریوں کا بتایا ہے۔ اس کے علاوہ اور مذہبی تعلیمات محض پھوٹ ڈالنے اور دکھ کی طرف لے جانے والی ہیں۔ جیسا سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں دکھایا ہے۔ کہ تمام مذاہب اپنی اپنی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے جھوٹی باتیں بنا رہے ہیں۔ شیومت والے کہتے ہیں۔ وشنو والے جھوٹے۔ اور وشنو والے کہتے ہیں۔ شیو والے جھوٹے۔ پھر ہر ایک کہتا ہے۔ ہمارے مت کے ماننے والوں کے سوا کسی کی مکتی نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طریق پر قرآن کہتا ہے۔ کہ یہودی کہتے ہیں۔ نصاریٰ کچھ نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہودی کچھ نہیں۔ نیز یہودی کہتے ہیں۔ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم ہی جائیں گے۔ حالانکہ دونوں کتاب الہی کو مانتے و پڑھتے ہیں۔ مگر باتیں ایسی بے علموں یا گنواروں والی کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمان لوگ مذاہب سے بچ کر بے غرض طور پر دہرم کے مطابق نیک عمل کریں۔ مذاہب کے جھگڑے میں نہ پڑیں۔ یہ جھگڑے چونکہ کوئی اصولی نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کے حق میں دلیل بھی قاطعہ نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک یہ مٹ نہ جائیں۔ امن و اتحاد نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ یوم القیامت کے معنے جو لوگ دنیا کے خاتمہ والی موہومہ قیامت سمجھتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن انہی کے قول کے مطابق خدا تو فعلوں کی سزا جزا دینی ہے۔ لوگوں کے باہمی اختلافات یا مذہبی جھگڑوں کی تحقیقات نہیں کرنی۔ نہ ان کا فیصلہ دینا ہے۔ نہ اس وقت کا فیصلہ کچھ فائدہ دے سکتا ہے۔ جب فریقین ہی نہ رہے۔ تو فیصلہ کہاں رہا۔ برخلاف اس کے یہاں ہم نے امن و اتحاد کے معنے لکھے ہیں۔ وہ ہر سمجھدار کے لئے قابل تسلیم ہیں۔ کیونکہ عام اصول ہے۔ کہ امن و اتحاد کے وقت اختلافات نہیں رہتے۔ اختلافات مٹنے پر اتحاد اور امن ہوتا ہے۔ اور قیامت کے معنے ہیں۔ قائم یا کھڑا ہونا نہ کہ فناہ ہونا۔

۱۳۲ - مسجدوں میں جانے سے روکنا

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲﴾ ۱۱۴

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳﴾ ۱۱۵

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لیا جانے کو منع کرتا ہے۔ اور ان کی خرابی کے درپے رہتا ہے۔ یہ لوگ خود اس قابل نہیں۔ کہ مسجدوں میں آنے پاویں۔ سوائے اس کے کہ ڈرتے ہوئے آویں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے۔ اور آخرت میں بھی بھاری عذاب ہے۔ ۲۔ اور سب سمتیں اللہ کی ہیں۔ کیا مشرق اور کیا مغرب۔ اس لئے جس طرف بھی منہ کرو۔ ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے بتحقیق اوہ وسعت کل اور علم کل یعنی سردویاپک اور سروگیہ ہے۔ ۳۔

۱۳۳ مختلف بیان

ان آیات میں یہ ہدایت دینا مقصود ہے۔ کہ اللہ کی مسجدوں میں کھلی اجازت ہونی چاہئے۔ کہ لوگ بے روک ٹوک انمیں آکر اللہ کا نام لیں۔ یا اس کی عبادت کریں۔ لیکن علماء اسلام نے ان آیتوں سے خاص واقعات جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ایک بیان یہ دیا جاتا ہے۔ کہ کفار قریش ابتدائے اسلام میں پیغمبر صاحب اور ان کے چند اتباع کو جو اس وقت تھے۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے[۴] کے دوران میں ہی آکر زبردستی ان سے نا یہ لپٹ گئے۔ اور ان کا گلا انہوں نے گھونٹا ایک بار سجدے میں تھے۔ کہ اونٹ کی اوجھری گلے پر رکھ دی وغیرہ۔ مدینے کو ہجرت کرنے کے چھٹے برس عمرہ نام ایک قسم کا حج کرنے کو آپ مکہ جانا۔۔ چاہتے تھے۔ لوگوں نے نہ آنے دیا۔ اس خیال والے لوگ اس ظلم کا تعلق اس واقعہ سے جوڑتے ہیں۔ اور آیت ۱۱۵ کی تاویل یہ لوگ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کو داخل نہ ہونے دیا گیا۔ تو مسلمانوں کی دل شکنی کو دور کر کے انہیں تسلی دینے کے لئے کہا گیا۔ کہ خدا کی عبادت کہیں کر لو۔ خانہ کعبہ کی شرط کیا ہر کہیں قبلہ ہے۔ مشرق یمغرب کہیں بھی ہو۔ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لو۔ قبول ہو گی۔ کیونکہ روئے زمین تمہارے لئے خانہ کعبہ ہے۔ دوسرے خیال کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس میں قبلے یا خانہ کعبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ عام اصول کی بات ہے۔ کہ مسجدیں عبادت

۴ سے مانع ہوتے تھے۔ پیغمبر صاحب کے رستے میں کانٹے انہوں نے بچھائے۔ پیغمبر صاحب کے نماز پڑھنے

الہی کے لئے ہیں۔ اُن میں نہ آنے اور نہ ان میں نماز پڑھنے دینا ان کی بربادی کے مترادف ہے۔ لہذا وہ سزا کے مستحق ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے جس طرح ایک دوسرے کو روکا۔ اور ایک دوسرے کے جانی دشمن اور درپے تخریب رہے۔ ان کے اس واقعہ سے حضرت محمد صاحب کے دشمنوں کی ناکامی کی پیشگوئی کو یہ لوگ اس آیت سے منسوب کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہود و نصاریٰ بھی مشرکین کے ساتھ اس امر میں مل گئے۔ مگر سب ناکام ہوئے۔ اور آنحضرت بطور فاتح مکہ میں داخل ہوئے۔ بعض لوگ مشرق اور مغرب کے الفاظ اس پیشگوئی سے منسوب کرتے ہیں۔ کہ مسلمان جس طرف جائیں گے۔ فتوحات پائیں گے۔ لیکن نہ پیشگوئیوں کو خود رسول صاحب مانتے ہیں۔ نہ یہ خیال معقولیت پر مبنی ہے۔ رسول صاحب تو یوں فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں اپنے مستقبل کو جانتا۔ تو بہت فائدے پاتا۔ افسوس علماء کو معقولیت یا علمی اور عقلی دلائل وغیرہ پر اسلام کی عظمت کا انحصار رکھنے کی طرف توجہ ہی نہیں رہی۔ وہ تو پیشگوئیوں کا نام لے لے کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو خوش کرنے میں ہی اپنی علمیت کا کمال سمجھتے ہیں۔

۴۳۱۔ اصل حقیقت

ان دو آیتوں میں عبادت الہی کے مقدم فرض کو ادا کرنے میں تنگ خیال لوگوں سے جو رکاوٹیں ہوسکتی ہیں۔ ان کو دور کرنا مقصود ہے۔ اور چونکہ عبادت الہی سب سے بڑا فرض ہے۔ اس لئے اس میں رکاوٹ ڈالنے یعنی مسجد میں کسی کو جانے اور عبادت کرنے سے روکنے والا شخص سب سے بڑا ظالم اور گنہگار سمجھا گیا ہے۔ اس قسم کی روک سے مسجدوں کی بے رونقی ہو رہی ہے۔ چونکہ ایسے لوگ مسجدوں اور خدا کی عبادت کی فضیلت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے انہیں مسجدوں کے متعلق کھلا اختیار نہ دیا جائے۔ حتےٰ کہ وہ خود بھی آویں۔ تو خوف کھاتے ہوئے آویں۔ مسجد میں آنے جانے والے سچے معنوں میں خدا کے معتقد اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں۔ تو اس قسم کے لوگوں پر واقعی مسجد کا ایسا رعب ہو سکتا ہے۔ کہ بے تکلفی سے آجا ہی نہ سکیں گے۔ کسی مخالف پر اس میں حملہ نہیں۔ نہ یہ کسی اپنی تکلیف وغیرہ کی یاد کرانے کو ہے۔ بلکہ مسجدوں کی کامیابی اور عبادت میں سہولتیں یا حوصلہ افزائی مہیا کرنے کے لئے ہے۔ آنحضرت کے اخلاقی معراج سے یہ بات بعید ہے۔ کہ وہ کسی بھی پہلو میں کینہ سے کام لیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کرنے والے .... آئندہ ظلم سے کنارہ کش رہیں۔ وہاں فاتح کی صورت میں داخل ہونے پر انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا امر

" اے مسلمانو! یاد رکھو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ کے زیر اثر کہیں کسی پر زیادتی نہ کر بیٹھنا" پس جہاں اوروں نے یہ برا کام کیا وہاں مسلمان بھی کہیں انتقام کے جذبہ سے متحرک ہو کر مسجدوں میں آنے سے انہیں روکنے نہ لگیں۔ یہی مدعا آیت زیر بحث کا ہے۔ اور کیا مسلمان اور کیا ان کے مخالف سب کو مسجدیں سب کے لئے کھلی رکھنے اور عبادت وغیرہ کی ترقی میں حصہ لینے کی ہدایت دی گئی ہے۔ مزید بریں آنحضرت نے خاص مغرب کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھنے کی قید کو توڑا ہے۔ اور ہر طرف کو قبلہ قرار دیا ہے۔ لوگ اس پر ناراض ہوئے تھے۔ اور رسول صاحب اور ان

گے لوگوں کو اس آزادانہ رویہ سے روکنے لگے تھے۔ تاہم انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ کہ ہر جگہ اور ہر طرف موجود خدا کو خاص طرف میں مقید مانا جاوے۔ اور دوسرے خیال کے لوگوں کو ادائے نماز کے لئے مسجد میں گھسنے ہی نہ دیا جاوے۔ مشرق مغرب کا جھگڑا فضول ہے۔ خدا سب سمتوں میں موجود ہے تو نماز میں خاص طرف کی قید کیوں؟ پس خدا کا ہر جگہ موجود اور علیم کل ہونا تقاضا کرتا ہے۔ کہ خاص طرف کی شرط اڑا دی جاوے۔ وید میں پرمیشور کو سروویاپک اور سروگیہ کہا ہے۔ اور سندھیا کے منسا پرکرما کے منتروں میں جو ہر طرف اس کی موجودگی اور حفاظت کا یقین دلایا گیا ہے۔ اسی کی تقلید کو اس آیت میں مسلمانوں کا فرض بتایا گیا ہے۔

۱۳۵ - اللہ کا بیٹا

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۴ (۱۱۶)

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۵ (۱۱۷)

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝۶ (۱۱۸)

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝۷ (۱۱۹)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝۸ (۱۲۰)

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ (۱۲۱) ع ۱۴

یہ یوں بھی کہتے ہیں۔ کہ خدا کے بیٹا ہوا۔ مگر وہ اس سے پاک ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے زیر فرمان ہے۔ ۴۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب اس کی مرضی ہوتی ہے۔ کہ فلاں چیز ہو۔ وہ اس کے لئے کہتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔ ۵۔ مگر جو علم نہیں رکھتے کہتے ہیں۔ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ اور کیوں ہمارے پاس ہدایت نہیں لاتا۔ اسی طرح ان سے جو پہلے تھے۔ وہ بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے دل ایک ہی طرح کے ہیں۔ بے شک اہل یقین کے لئے ہم اپنی ہدایت واضح کر چکے ہیں۔ ۶ تحقیق ہم نے تجھے حق کے ساتھ محض اس لئے بھیجا ہے۔ کہ نیکوں کو بشارت دے۔ اور بدوں کو ڈرائے۔ اور دوزخ والوں کی بابت تجھ سے بازپرس نہ ہوگی۔ ۷۔ اور یہود اور نصاری تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تو ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرے۔ انہیں کہدو۔ ہدایت تو وہی ہے۔ جو اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اگر تو ان کے خیال یا توہمات کی پیروی کریگا۔ بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا۔ تو اللہ کی طرف سے تیرا کوئی ولی یا مددگار نہ ہوگا۔ ۸۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی۔ وہ اسے پڑھتے ہیں۔ جیسا پڑھنے کا حق ہے۔ تو یہی لوگ ہیں۔ جو صحیح معنوں میں اسے مانتے ہیں۔ اور جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ وہی نقصان اٹھاتے ہیں۔ ۹۔

۱۳۶۔ عیسائی عقیدہ کا بطلان

عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ قرآن ان آیات میں اس کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ اول سُبحٰنہٗ یعنی وہ تمام عارضی اور محدود تعلقات وعوارضات سے پاک ہے۔

دوم۔ وہ کل چیزوں کا مالک ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ پس سب انسان اس کے بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے کا کیا مطلب۔

سوم۔ بیٹے کی غرض نسل چلانے وغیرہ سے ہے۔ لیکن خدا خود ہمیشہ آسمان و زمین کو بمعہ تمام کائنات ارضی وسماوی کے پیدا کرتا رہتا ہے۔ کسی بیٹے کے ذمے اس نے کوئی سلسلہ پیدائش لگا نہیں رکھا۔ اس کا اپنا محض قول یا ارادہ ہی کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے کافی ہے۔ پس بیٹے کی اسے کیا حاجت ہے؟

چہارم۔ بے علم لوگ کہدیتے ہیں۔ کہ خدا کے لئے ہم سے کلام کرنا یا ہم کو ہدایت دینا ضروری ہے۔ اس لئے وہ بیٹے کے ذریعے ہم سے کلام کرتا۔ اور ہم کو ہدایت دیتا ہے۔ آیت ۱۱۸ میں کہا ہے۔ کہ اسی طرح کی دلیلیں یہ عیسائی لوگ ہی نہیں کرتے۔ ان سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کرتے یعنی اوتار وغیرہ مانتے تھے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو صداقت پر یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ خدا سے انسانوں کو سچا علم مل چکا ہوا ہے۔ اس لئے بیٹے کے ذریعے کلام وہدایت ملنے کی حاجت نہیں۔

پنجم۔ رسول یا مبلغ جو سچا علم پاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو دھرم کی وجہ سے راحت اور نجات تک ملنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اور بدوں کو بدی کے انجام یا دکھ ملنے کے خیال سے ڈراتے ہیں۔ خود حضرت محمد صاحب کی یہی پوزیشن ہے۔ اگر لوگ گنہگار یا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ تو یہ ان کے اعمال کا پھل ہے۔ رسول یا مبلغ کی ذمہ واری نہیں۔ اس کا کام سچائی کا پہنچانا یا خوشخبری دینا اور ڈرانا ہی ہے۔

مطلب یہ کہ اگر علم اور ہدایت الہام کی صورت میں سمجھی جاوے۔ تو بھی بیٹے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خدا خود آغاز عالم سے وہ دے چکا ہے۔ اور اگر بعد کی تبلیغ سے غرض ہو۔ تو جیسا موہومہ بیٹا ... ہونے سے پہلے رشی منی یا سنیاسی وغیرہ وعظ کرتے تھے۔ اب اس کے بعد بھی واعظ لوگوں سے وہ کام ہو رہا ہے۔ گویا بیٹا ہونے کی یہ غرض بھی پوری نہیں ہوئی۔ پس اللہ کا بیٹا ماننا قطعاً غلط عقیدہ ہے۔

۱۳۷- کُنْ فَیَکُوْنَ ۴

اس امر پر اور لوگوں کے ساتھ ویدک دھرمی بھی اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔ کہ خدا کہتا ہے۔ ہو اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے۔ کس کو حکم دیا جاتا ہے۔ کون حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اور کس طرح یا کاہے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جاوے۔ تو یہ محض اس ویدک تعلیم کی بازگشت ہے۔ کہ خدا کو دنیا کے بنانے کے لئے کسی تردد یا تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ اُسے کوئی سامان اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ نہ وہ اوزاروں کا محتاج ہے۔ نہ وہ وقت یا جگہ کی حاجت رکھتا ہے۔ ہر چیز کے متعلق حقیقی علم اور تمام ضروری سامگری و سامرتھ اس کی ذات میں موجود ہے۔ اور اسی لئے اپنشد میں کہا ہے۔

स्वाभाविकी ज्ञान बल क्रिया च

یعنی ایشور میں فطرتاً ہی گیان یعنی علم۔ بل یعنی طاقت اور کریا یعنی فعل ہے۔ یا وہ علم مجسم۔ طاقت مجسم اور فعل مجسم ہے۔ ایسی حالت میں محض خدا کا حکم یا ارادہ ہی ایک چیز کو کارن یا علت یا عدم کی حالت سے معلول حالت یا وجود میں لا سکتا ہے۔ پس قرآن کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کہ

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ

جب وہ کسی امر کا ہونا چاہتا ہے۔ وہ اس کے لئے کہتا ہے۔ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔ ایتریے اُپنشد ادھیائے ا میں یہ شبد ہیں۔

स ईक्षत लोकान् सृजा इति

اس نے ایکھشن کیا۔ کہ میں جہانوں کو پیدا کروں۔ سو ایکھشن کا لفظ ہی قضٰی سے ادا کیا گیا ہے۔ وید میں ایشور کے تپ کا بھی پیدائش عالم سے تعلق مذکور ہے۔ لیکن رشی کہتا ہے۔ گیانم

حیم تپہ یعنی اس کا تپ بہ صورت علم ہے۔ یعنی خدا کے علم میں دنیا نہاں تھی۔ وہ علم ظاہر ہو گیا

۱۳۸- الہامی علم اور انسانی علم

آیت نمبر ۱۲۰ میں نہایت اعلےٰ علمی اصول پیش کیا ہے۔ کہ ہدایت یا علم صحیح معنوں میں محض وہی ہے۔ جو خدا سے ملا ہے۔ اور دراصل وہ الہامی علم ہی ہے۔ اور دوسری طرف انسانی علم محض اس کے ذاتی توہمات تخیلات یا ظنیات ہیں۔ انہیں قرآن اَهْوَآءَهُمْ یعنی ان کے ہوا و ہوس پر مبنی یا خیالی باتیں کہتا ہے۔ علم کے متعلق یہ نہایت معقول بیان اور علمی رمز ہے۔ حقیقی علم محض خدا میں ہے۔ وہی بذریعہ الہام آغاز عالم میں رشیوں یا ملائکہ کے رُوح میں ظاہر ہوا۔ اور اس کے بعد انسانوں میں جو سلسلہ چلا۔ ہر ایک اپنے خیالات کے مطابق بعد میں آنے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔ مگر یہ حقیقی علم نہیں۔ انسان اس علم کے متعلقہ اپنی یادداشتوں کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ دکھنی لوگ

اپنے خیالات یا یادداشتوں کو سمرتیوں کی صورت میں آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑتے ہیں۔ اور دوسرے گورو وغیرہ جیسا علم ابھی کر اپنی یادداشت میں بٹھا سکے ہیں۔ ویسا ہی اپنے لفظوں کے ذریعے دوسروں پر ظاہر کرتے ہیں۔ اہل مذاہب میں سے ہر ایک اپنے مذہب کو ہی سچا کہتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے خیالات واحساسات کے دائرے میں گھر رہا ہے۔ آسے اور حقیقی علم محسوس ہی نہیں ہوتا۔ اسی سے ہر طرف ضد اور ہٹ کا زور ہے۔ اسی سے اپنے اپنے خیالات کے غلام لوگ تعصب اور طرفداری کا شکار ہو کر مذہبی تفریق بڑھا رہے ہیں۔ مگر الہامی علم سب کے لئے مفید اور ہمیشہ یکساں ہونے سے یکسانیت اور اتحاد کا موجب ہے۔ دونوں طرح کے علموں کا مقابلہ دکھا کر کہا ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ حق کو تو کیا قبول کریں گے۔ تجھے اپنے توہمات کا قائل کرنا چاہتے ہیں۔ سو اگر سچا علم پا کر یعنی حق کو قبول کر چکنے کے بعد تو ان کی پیروی کریگا۔ تو خدا کی سرپرستی اور نصرت سے محروم ہونا لازمی ہوگا۔

۱۳۹۔ سچے معتقد

آیت ۱۲۱ میں پھر سب کے لئے نہایت قیمتی اور صاف ہدایت دی ہے۔ کہ جو لوگ خدا سے ملے ہوئے الہام یا علمی کتاب کو ایسے طریق پر پڑھتے ہیں۔ جو پڑھنے کا حق ہے۔ وہی سچے معنوں میں اس کو ماننے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ خالی ماننا یا محض زبانی یا لفظی پڑھائی سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ الہام کا قایل ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اسے اس طریق پر پڑھا جاوے۔ جو پڑھنے کا حق ہے یعنی اس کے معنے اور مفہوم پر پورا غور و تعمق کرتے ہوئے سچائی کو دل پر نقش کیا جاوے۔ اسی کے مطابق بولا۔ اور اسی کے مطابق عمل کیا جاوے۔ برخلاف اس کے الہامی علم کو چھوڑ کر محدود العقل انسان کے خیالات کا شکار رہنا کفر اور موجب نقصان و سزا ہے۔ پس انسانی مذاہب کے ساتھ علم الہی کے قایلین کا راضی نامہ ہو نہیں سکتا۔

۱۴۰۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بدیع کا مصدر ابداع ہے۔ اس کے معنے کئے جاتے ہیں۔ نادر چیز یا ایسی نئی چیز پیدا کرنا جس کی نظیر پہلے موجود نہ ہو۔ بیان القرآن صفحہ ۱۰۹ پر لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ پر جب یہ لفظ استعمال ہو۔ تو معنے ہوتے ہیں۔ بغیر اللہ اور مادہ اور زمانہ اور مکان کے کسی چیز کا وجود میں لانا (غ) قضیٰ لفظ کی تشریح میں لکھا ہے۔ "مادہ کے غیر مخلوق ہونے کے قایل اعتراض کرتے ہیں۔ کہ کس کا حکم کس کو دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ اس علم یا چیز کو جو علم الہی میں موجود ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قضا سے پہلے قدر ہے۔ اور وہ چیز اندازہ الہی میں آ چکی ہے۔ گو ظاہر میں اس کا وجود نہیں۔ مادہ کا مخلوق ہونا تو خود بدیع لا کر بتا دیا۔ یہاں یہ بتاتا ہے۔ کہ جو کچھ انسانوں کے نزدیک ناممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ وہ ہی کر دکھلائے گا۔ اس کے ہاں ناممکن کچھ بھی نہیں۔ اور انسان کی محدود طاقت پر اللہ کی غیر محدود طاقت کا اندازہ کرنا غلط ہے"۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ بدیع لفظ کو مادہ کے مخلوق ہونے کے مفہوم کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جو ایک نہایت بعیدی تاویل ہے۔ جب قرآن کی کسی آیت میں مادہ کے ہونیکی تردید

ہی نہیں کی گئی۔ نہ صاف طور پر کسی آیت میں مادہ کے مخلوق ہونے کا ذکر ہے۔ نہ عدم مطلق سے پیدائش ہونے کا۔ تو خالی من مانی تاویلات کو اصول تھوڑا ہی مانا جا سکتا ہے۔ قرآن میں تو اُلٹا یہ ضرور لکھا ہے۔ کہ خدا کے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں۔ اور وہ اندازے کے مطابق دنیا میں بھیجتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے۔ کہ خدا کے خزانے کبھی خالی نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا عدم مطلق کے لئے کبھی اور کہیں اور کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی قرآن واضح کرتا ہے۔ کہ ذرات اور ذرات سے لطیف شے یعنی پرمانو بھی اس کے علم میں موجود رہتے ہیں۔ اور خود اُوپر کے اقتباس میں صاف کہا گیا ہے۔ کہ ایشور کے علم اور قدرت میں ہر چیز موجود رہتی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو۔ چونکہ علم بغیر معلوم کے ہو نہیں سکتا۔ اس لئے لازمی طور پر اس شے کا پہلے موجود ہونا بھی ناقابل تردید ہے۔ سُنار کے پاس زیور نہ ہو۔ اور کمہار کے پاس گھڑا نہ ہو۔ لیکن سنار کو سونا دے دو اور کمہار کو مٹی۔ زیور بھی بن جائیگا۔ اور گھڑا بھی۔ اس لئے کہ سنار کے علم میں زیور موجود تھا۔ اور کمہار کے علم میں گھڑا۔ اس کے علاوہ ان کا زیور اور گھڑے کو بنا دینا ثابت کرتا ہے۔ کہ انہوں نے زیور اور گھڑا بنانے کا طریق بھی سیکھا ہوا ہے۔ بعینہ خدا کے علم میں کسی چیز کا موجود ہونا اور اس کا اسے معلول حالت میں لانا یہ بتاتا ہے۔ کہ معلول اشیاء بھی خدا کے لئے ممکن ہے۔ کچھ معنے نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ راقم علم و عقل کی طاقت سے اپنے دعوے کی صداقت ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ اس دلیل کی آڑ میں سائنس کی مسلمہ ناممکنات کو بھی ممکن ماننا پڑے گا۔ اور یقینی طور پر کوئی تعلیم اس دعوے کے ساتھ نہ دی جا سکے گی کہ یہ حق ہے۔ اس سے علم اور عقل کو بھی جواب دے دینا حضرت انسان کا فرض ٹھہرے گا۔ یہ توضیح ہو سکتا ہے۔ کہ خدا اپنے کامل علم اور کامل قدرت سے جو کچھ بنا سکتا ہے۔ محدود العلم و محدود العقل انسان وہ کچھ نہیں بنا سکتا۔ لیکن ان الفاظ کو اس مفہوم میں پیش کرنا کہ انسان سے ممکن اور ناممکن کی تمیز الگ کر دی جاوے۔ نہایت خطرناک ہے۔ فی الحقیقت علمی اصول کے لحاظ سے انسان اسے ہی ناممکن کہ سکتا ہے۔ جو خدا کے سچے علم میں بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ ناممکنات کا علم بھی انسان کو خدا نے ہی دیا ہے۔ انسان اپنے اپنے علم اور احساس کے مطابق ان ناممکنات کی حقیقت کو محسوس کر سکتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے ممکنات کی حقیقت کو۔ انسان آگ میں ہاتھ ڈالے۔ تو اس کا جلنا ضروری ہے۔ اب یہ کہنا۔ کہ خدا کے لئے یہ ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کے ہاتھ کو جلنے نہ دے۔ غلط ہوگا۔ سوال ہوگا۔ کہ کیا خدا اپنے قانون کو آپ توڑ لگا۔ اگر مثبت میں اس کا جواب ہو۔ تو نظام عالم کا کوئی اصول مستقل طور پر صحیح ماننا ناممکن ہو جائیگا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ایسی چیز ہاتھ پر ملی جا سکتی ہے۔ جو ہاتھ کو آگ میں جلنے نہ دے۔ تو یہ تو انسان بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ خدا سے علم پا کر ہی انسان اس چیز کو ہاتھ پر ملیگا۔ خدا نے خود تو انسان کو بے ہوش کر کے یہ عمل نہیں کرنا۔ اگر مولانا صاحب روئی کے ڈھیر میں آگ لگانے والے کی محنت کو ناکامیاب بنا دکھاویں۔ یا ان کو تجربہ ہو۔ کہ کبھی خدا نے روئی کو دیا سلائی لگنے یا جلنے نہیں دیا۔ تو وہ ثبوت پیش کریں۔ ورنہ سمجھ لیں۔ کہ جیسے انسان کی محدود طاقت پر اللہ تعالےٰ کی غیر محدود طاقت کا اندازہ کرنا غلط ہے۔ ویسے ہی کسی

انسان کا یقینی طور پر یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ انسان کے لئے جو کچھ ناممکن ہے۔ خدا اسے ضرور ہی ممکن کر دکھاتا ہے۔ پس بدیع السموات والارض کا یہ معنے کرنا تو صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ ہر کلپ کے آغاز میں خدا نئے آسمان اور نئی زمینیں بناتا ہے۔ لیکن یہ کہنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ کہ وہ بغیر مادہ کے پیدا کُن ہونے کے ناممکن کام کو ممکن کر دکھاتا ہے۔

۱۴۱۔ آخری دم تک تبلیغ حق کرو

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ⁽١⁾ وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٞ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَٰعَةٞ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ ⁽٢⁾ ۱۲۲ ۱۲۳

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کا ذکر کرتے رہو۔ جو میں نے تمہیں دی ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں تمام اہلِ عالم پر فضیلت دی ہے۔ ۱۔ اور اس دقت سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور نہ کسی سے معاوضہ قبول ہوگا۔ نہ شفاعت سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ مدد پہنچے گی۔ ۲

۱۴۲۔ نعمت

قرآن میں نعمت کا لفظ اکثر دفعہ آیا ہے۔ مفسر صاحبان بنی اسرائیل کے ساتھ جہاں نعمت کا ذکر پاتے ہیں۔ اسے خدا کے احسانات کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور بجائے کسی اصولی احسان کے تاریخی واقعات پیش کر کے خدا کی طرف سے شکر گذاری وغیرہ کے مطالبات پیش کر دیتے ہیں۔ اتنا خیال بھی نہیں کیا جاتا۔ کہ نعمت کا لفظ یہاں الہامی علم کی افضل ترین نعمت کے لئے ہے۔ کیونکہ مضمون ہی کتاب الہٰی کا اندر علم حقیقی کا چل رہا ہے۔ اس سے پہلے مضمون میں تو صاف طور پر کتاب الہٰی کے علم وعمل کو سچے ایمان اور اس کے انکار کو کفر کی کسوٹی بتایا ہے۔ پس اسی افضل ترین نعمت کو کل بنی نوع انسان تک پہنچانا اس کا ذکر کرنا ہے۔ جیسا وید کہتا ہے۔ اس کلیانی بانی کو تمام انسانوں تک پہنچاؤ۔ برہمن۔ کشتری اور ویش کیا۔ شودر و پنچ اور چانڈال تک کو بھی اس سے فیض پہنچاؤ۔ یہ مفہوم لینا صحیح نہیں۔ کہ خدا کے احسان یاد کرو۔ کہ اس نے موسیٰ کی طفیل فرعون کے لوگوں سے تمہیں نجات دلائی۔ یا تمہیں زرخیز قطعہ زمین عطا کیا۔ چشمے دیئے۔ من اور سلویٰ دیئے۔ کیونکہ ایسی نعمتوں کے ساتھ تکلیفات بھی تو نہیں خانہ بدوشوں

کی طرح بنی اسرائیل کا مارے مارے پھرنا۔ کھانے پینے کے متعلق بڑی مصیبتیں سہارنا وغیرہ۔ پھر اس خدائے بے نیاز کی شان کے خلاف ہے۔ کہ وہ بار بار غرضمند آدمی کی طرح شکریہ کا مطالبہ کرے۔ اور بزرگوں پر کی گئی مہربانیوں کا معاوضہ نسلاً در نسلاً مانگتے آنا اور بھی انصاف سے بعید ہے۔ پس ظاہر ہے۔ کہ یہاں مضمون الہامی علم کا ہے۔ جو واقعی افضل ترین نعمت ہے۔ اور ذکر یا چرچا اسی کا کرنا انسان کے لئے خاص عہد الہی ہے۔ اور سب قوموں پر بنی اسرائیل کو فضیلت ملنے کے معنے بھی سچے علم کا ملنا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اور طرح کی نعمتیں تو بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اوروں کو ملی ہوں گی۔ منو نے اسی فضیلت کو اس شلوک میں بیان کیا ہے۔

एतद्देश प्रसूत स्य सकाशा दग्रजन्मनः ।
स्वं स्वं चरित्रं शिक्षेरन पृथिव्यां सर्वमानवः ॥

اسی (آریہ ورت) ملک میں پیدا شدہ برہمنوں یعنی عالموں سے دیگر ممالک کے لوگ بھی اپنے اپنے لائق علم وعمل کی ہدایت حاصل کریں"۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل سے آریہ سنتان مراد ہے۔ اور ایشور کے عطا کردہ علم الہی کی دولت سے مالامال رہنے کے سبب سے یہ سب سے افضل ہے۔ یہاں آکر دیگر ممالک کے محققوں نے سچائی کا علم پایا۔ یا یہاں کے لوگوں نے اور جگہ پہنچ کر گیان کی گنگا بہائی۔ ہر دو صورتوں میں یہ خدا کی دی ہوئی اس نعمت کی سچی قدردانی ہے۔

۱۴۳۔ موت کی یاد

آیت ۱۲۳ میں جس وقت سے ڈرنے کی ہدایت ہے۔ وہ موت کا وقت ہے جس میں کوئی بھی رشتہ دار کام نہیں آسکتا۔ اس وقت اگر کوئی چاہے۔ کہ میری کروڑوں۔ اربوں کی دولت لے کر مجھے پانچ۔ دس منٹ تو اور جینے دیا جاوے۔ تو یہ معاوضہ قبول نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی بھی سفارش قبول ہو سکتی ہے۔ نہ کسی بھی طرح سے کسی کی مدد پہنچ سکتی ہے۔ گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ دنیوی تعلقات کا کوئی وزن نہیں۔ خدا کا ہی بھروسہ رکھو۔ اور نیک عمل یا اس کے حکموں کی تعمیل کرو۔

یہ موت کی یاد انسان کی گناہوں کے متعلقہ جرأت کو ہٹاتی ہے۔ کیونکہ وہ جب یہ سمجھ جاوے۔ کہ بیٹے۔ جورو۔ والدین۔ بھائی اور دوست جن کی خاطر مکروفریب اور چوری۔ ڈاکہ وغیرہ ہو رہے ہیں۔ کوئی اعمال کی سزا میں حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ تو وہ گناہ کریگا ہی کیوں۔

۱۴۴۔ ابراہیم امام بنے

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ

۱۲۴

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳﴾

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے اپنی کلاموں میں آزمایا۔ تو وہ ان میں پورا اُترا۔ فرمایا۔ کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ یعنی پیشوا ابراہیم نے کہا۔ اور میری اولاد میں سے فرمایا۔ میرا یہ قول ظالموں پر لاگو نہ ہوگا۔ ۳

۱۴۵ - برہما

حضرت ابراہیم کا امام بنایا جانا بعد اس کے کہ وہ خدا کی کلام کے متعلقہ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ صاف طور پر اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ قرآن کا ابراہیم ویدک برہما کی ہی شخصیت ہے۔ یا یہ کہ ابرام۔ ابراہم۔ ابراہیم کے سب الفاظ برہما لفظ کے بگڑے یا بدلے ہوئے روپ ہیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح کرنے کے لئے حسب ذیل امور نہایت ضروری ہیں۔

اول۔ برہما ویدک ساہتیہ میں چار وید کے عالم کا نام ہے۔ جو عالم چار وید کا امتحان پاس کرے۔ برہما کی ڈگری پاتا ہے۔ قرآن ان ویدوں کو کلمات کہہ رہا ہے۔ اور ابراہیم کا امتحان لیا جانا بھی واضح کر رہا ہے جس میں ابراہیم پاس ہوتا ہے۔

دوم۔ ابراہیم پاس ہونے پر امام یعنی پیشوا بنائے جاتے ہیں۔ تمام مذہبی کاموں میں امام رہنما ہے۔ اور ویدک دھرم میں برہما کا تمام یگیہ وغیرہ میں سب سے اونچا درجہ ہے۔ یگیہ کے لئے چار ویدوں کے نقطہ نگاہ سے یہ ہی پد ہیں۔ رگوید کا پرتی ندھی رتوج ہے۔ یجر وید کا ادھوریو۔ سام وید کا اُدگاتا۔ اور اتھروید کا برہما۔ یجر وید کا پرتی ندھی رگوید کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور سام وید کا رگ اور یجو دونوں کا اور اتھرو وید کا نمائندہ برہما۔ رگ یجو اور سام تینوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ یہ چار پد اپنے اپنے فرائض رکھتے ہیں۔ اور چاروں میں برہما پردھان ہے۔ اسی کے زیر ہدایت یگیہ کا سب کام سر انجام پاتا ہے۔ پس امام کو قرآن پیشوا کہتا ہے۔ تو برہما کو وید پیشوا کہتا ہے۔ منڈک اُپنشد میں شروع میں ہی آتا ہے۔ کہ

برہما دیوں میں سب سے اول ہوئے

ابتلی کے معنے مفسر صاحبان عام طور پر "آزمایا" کے لیتے ہیں۔ مگر حسب قول امام راغب یہ دو معنوں پر حاوی ہے۔ واقفیت حال اور خوبی ونقص کا اظہار۔ یہی دو باتیں برہما کے لئے ہیں۔ ایک تو ویدوں کا علم ہونا اور دوسرے اس علم کے ذریعے بھلائی۔ برائی یا حق و باطل کا ظاہر کرنا۔ پس کیا نام۔ کیا صفات اور کیا کام۔ ہر طرح سے برہما اور ابراہیم ایک ہیں۔

۱۴۶ - برہما کی اولاد

ابراہیم کے امام بنائے جانے پر اس نے سوال کیا" اور میری اولاد کے متعلق؟" جواب ملا۔ آپ کی اولاد میں سے جو ظالم یعنی مخالف حق یا صفات اور اعمال کے لحاظ سے ناقابل ہونگے

ان پر میرا یہ قول عائد نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ جو آپ کی طرح ہی عالم اور عامل ہوں گے۔ وہ امام کا پد پائیں گے اور جو نا قابل ہوں گے۔ وہ نہیں۔ یہی اصول برہما پد کے متعلق ہے۔ صفات اور اعمال کے لحاظ سے گرا ہوا یہ پد نہیں پا سکتا۔ مگر واضح رہے۔ کہ بیٹے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو عورت مرد کے میل سے جسمانی پیدائش والی اولاد اور دوسرے ودیا ماتا اور گورو نامی باپ سے علمی یا روحانی جنم پانے والی اولاد۔ یہ دوسرا جنم اعلےٰ ہے۔ اور ان دو جنموں کے لحاظ سے برہمن۔ کھشتری اور ویش دو جنموں والے یا دوجنا کہاتے ہیں۔ پس برہما کی اولاد علمیت کے لحاظ سے ہے۔ یعنی برہما کے شاگرد۔ سو ان میں سے جو بھی چاروں ویدوں کے عالم ہوں گے وہ بھی برہما یا امام ہی کہلائیں گے۔ اور جو شاگرد علم میں کمال حاصل نہیں کرتا۔ اور اس لئے سچے علم کی اشاعت نہیں کر سکتا۔ وہ عہد شکن ظالم ہے۔ برہما نہیں ہو سکتا۔

۱۴۷۔ کلمات

حضرت ابراہیم کی آزمائش کس میں ہوئی۔ کلمات میں۔ کلمات کیا ہیں۔ مفسرین اس کے مختلف مفہوم لیتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ روحانی اور جسمانی طہارت سے تعلق رکھنے والی باتوں میں خدا نے انہیں آزمایا۔ معانی طہارت جیسے توحید وغیرہ اور جسمانی طہارت جیسے ختنہ۔ ناخن ترشنا مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا پانی سے استنجا کرنا وغیرہ۔ بعض مفسرین کلمات کو احکام کے معنے میں لیتے ہیں۔ بیان القرآن میں حضرت ابن عباس سے روایت لکھی ہے۔ کہ یہ تیس احکام ہیں۔ دس مومنوں کی صفت ہیں۔ سورہ برات میں۔ دس احزاب میں۔ دس معارج میں۔ ایسے ہی بعض لوگ حضرت ابراہیم کے متعلق خاص واقعات آزمائش پیش کرتے ہیں۔ سورہ بقر آیت ۱۳۱۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ خدا نے خواب میں (حج) اسمٰعیل کا واقعہ یاد دلایا۔ تو آپ فوراً اس کو خدا کی راہ میں ذبح کرنے کو تیار ہو گئے۔ جب ہاجرہ اور اسمٰعیل کو بیابان میں چھوڑ جانے کا حکم ہوا۔ تو بے پس و پیش چھوڑ کر چل دیئے وغیرہ۔

سر سید احمد صاحب اِذِ ابْتَلٰٓی کا ترجمہ کرتے ہیں۔ جب مبتلا کیا۔ اور صفحہ ۱۴۴ پر نوٹ میں لکھتے ہیں۔ (وَاِذِ ابتلی) اب خدا تعالےٰ بزرگیوں کا ذکر کرتا ہے۔ جو حضرت ابراہیم کو دی تھیں۔ سب سے بڑی بزرگی وہ ہے۔ جب کہ انہوں نے کہا۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اسی نعمت کا خدا نے ذکر کیا ہے۔ کلمات کے لفظ سے عجائبات صنع باری تعالےٰ مراد ہیں۔ حضرت ابراہیم ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھ کر عجائب صنع باری تعالےٰ میں متحیر ہو گئے تھے۔ اور انہی پر خدا تعالےٰ کا گمان کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو غلط سمجھا۔ اور پورے طور پر خدا کا یقین کیا۔ اسی کی نسبت خدا نے فرمایا۔ فَاَتَمَّھُنَّ۔

اس کے بعد لکھا ہے۔ کلمات کے لفظ سے ہم نے عجائب صنع الٰہی مراد لی ہے۔ یہ لفظ سورہ لقمان میں بھی آیا ہے۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ مَا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ صاحب تفسیر کبیر نے اس مقام پر بھی عجائب صنع الٰہی مراد لی ہے۔ اور یہ بہت درست ہے۔ لفظ کلمہ اور کلمات کا استعمال ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے۔

جن کو خدا نے پیدا کیا ہے"!

اس طرح دیگر بیسیوں مضامین کی طرح کلمات کے مفہوم بھی کچھ سے کچھ سمجھے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ تمام مفسرین کی ذاتی رائیں ہیں۔ نہ قرآن میں ان میں سے کسی کے حق میں قطعی ثبوت موجود ہے۔ نہ کوئی مفسر کلی طور پر بائیبل کے بیان سے متفق ہے۔ نہ یہ قرین قیاس ہے۔ کہ کلمات سے کسی ایسی بعیدی تاویل کا تعلق ہو۔ جب کہ یہ لفظ بالکل عام بول چال کا ہے۔ اگر طہارت کا امتحان مقصود ہوتا۔ تو لفظ طہارت ہی استعمال ہو سکتا تھا۔ اور بلا امتحان بھی خدا کو اس کا علم ہونا لازمی تھا۔ اور ختنہ وغیرہ کے متعلق امتحان ہو۔ تو حضرت ابراہیم کی امامت بے معنے ہے۔ ختنہ۔ ناخن کٹوانا۔ مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا یہ امتحان تو جاہل سے جاہل بھی پاس کر سکتا ہے۔ کیا ان باتوں سے کوئی انسان امام یا پیشوا بن سکتا ہے۔ اور کلمات کے معنے تیس احکام ہوں۔ تو بھی حضرت ابراہیم سے ان کے متعلق امتحان کیا لیا جا سکتا تھا۔ اور کب یہ خدا نے کہا تھا۔ کہ تیس احکام کے امتحان میں پاس ہونے پر امامت ملے گی۔ اور یہ امر بھی کہ خواب میں... اسماعیل کا واقعہ دیکھ کر آپ بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کوئی شخص گارنٹی نہیں کر سکتا۔ کہ انہیں یہی خواب آیا تھا۔ اور اگر اور خواب بھی آئے۔ تو ان کی تعمیل بھی ان سے ہونی چاہئے تھی۔ ایسا ہی ہاجرہ اور اسمٰعیل کو چھوڑنے کا حکم بھی امامت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس عمل سے امامت والی ذمہ داری اور لیاقت کا کوئی تعلق نہیں۔ رہی سرسید صاحب کی رائے۔ اس میں کلمات کو عجائب صنع الہی کے معنے میں لینے کا کوئی ثبوت قرآن میں نہیں مل سکتا۔ سورہ لقمٰن کے الفاظ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ آپ نے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ اور تفسیر کبیر سے اپنی تائید چاہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم لینا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ آیت زیر بحث میں کلمات کا امتحان ہونے پر لکھا ہے۔ فَاَتَمَّهُنَّ ابراہیم نے انہیں تمام یا پورا کیا۔ یا وہ اس میں پورے اترے۔ لیکن سورہ لقمٰن والے الفاظ یہ بتاتے ہیں۔ کہ اگر تمام درخت قلم بن جاویں۔ اور سمندر سیاہی ہو جاوے۔ اور سات سمندر اس سیاہی کی مدد کریں۔ تو بھی کَلِمٰتِ اللہ تمام نہ ہوں۔ پس ان الفاظ سے تائید نہیں۔ سرسید صاحب اور تفسیر کبیر کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ غرضیکہ امام یا پیشوا بنانے کے لئے علمی قابلیت کی جانچ ہی موزوں ہو سکتی ہے۔ اور علمی قابلیت کا تعلق سوائے علم یا کلام الہی کے کسی اور سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسے مفسر بھی ہیں۔ جو کلمۃ سے مفرد لفظ ہی مراد نہیں لیتے۔ کلام کی مراد لیتے ہیں۔ جیسے الکہف آیت ۵ میں ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً۔ اس کے علاوہ اتنی دور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سورہ بقر آیت ۳۷ میں اس مضمون کے متعلق تمام شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ یعنی آغاز کے رشیوں نے الیشور سے اس کی ﴿رگ۔ یجر۔ سام اور اتھرو نام کی﴾ کلامیں سیکھ لیں۔ پس جو علوم خدا نے الہام میں دئیے تھے۔ انہی کے علم اور اشاعت کے متعلق امتحان لے کر امام بنانا ضروری تھا۔ اور رب اور کَلِمٰت کے دونوں لفظ اس آیت میں دے کر واضح کیا گیا ہے۔ کہ آیت ۳۷ میں جو اصولی علم مذکور تھا۔ اسی کا عملی امتحان یہاں ہے۔

۱۴۸ - خانہ کعبہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ
مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۱۲۵

اور یہ کہ ہم نے خانہ کعبہ کو انسانوں کا مرجع اور جائے امن بنایا۔ اور (حکم دیا) کہ ابراہیم کے مقام کو عبادتگاہ رکھو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا۔ کہ ہمارے گھر کو طواف۔ اعتکاف۔ رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ ۱۲۵۔

۱۴۹ - اَلْبَيْتُ اور مقام ابراہیم

بائبل اور احادیث سے اس آیت کی تفسیر میں خانہ کعبہ کے متعلق مفسرین بہت سی پیشگوئیاں پیش کرتے ہیں۔ اور البیت و مقام ابراہیم کے متعلق مختلف بیان دیتے ہیں۔ لیکن اس بات میں سب متفق ہیں۔ کہ یہ عرب کا قدیم ترین مقدس مقام ہے۔ بیت الحرام یعنی عزت والا گھر۔ بیت الاعایا دعا مانگنے کا مقام۔ بیت العتیق یا قدیم گھر بیت اللہ یعنی خانۂ خدا سب نام خانۂ کعبہ کے ہیں۔ بائبل میں ابراہیم کے جس بیت ایل کا ذکر ہے۔ اس کے مقام کے متعلق اختلاف ہونے سے بائیبل کے بیان کو بعض لوگ ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت ابراہیم کا عرب والے خانہ کعبہ سے کیا تعلق ہے۔ اس کا جواب بعض مفسرین یہ دیتے ہیں۔ کہ بائبل میں جو یہ قصہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو اور جگہ چھوڑ آئے۔ وہ اس سوال کا جواب شافی مہیا کرتا ہے۔ سورۂ ابراہیم آیت ۳۷ کی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ حضرت ابراہیم دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب۔ میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے بیت الحرام کے پاس اس غیر مزروعہ وادی میں آباد کی ہے۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ کہ بائیبل میں جو لکھا ہے۔ کہ ان کو فاران میں چھوڑا گیا۔ غلط ہے۔ عیسائی فاران کو ملک شام کا کوئی جنگل سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کا بیان اس کے خلاف ہے۔ عرب اسمعیل کی اولاد ہے۔ اسمعیل کے بڑے بیٹے کا نام قیدار (پیدائش ۲۵ : ۱۳) ہے۔ اس لفظ کا استعمال بائبل میں قوم عرب کی جگہ پایا جاتا ہے۔ (زبور ۱۲۰ : ۵ یسعیاہ ۴۲ : ۱۱ و ۶۰ : ۷ وغیرہ) دوسری طرف عرب کی روایات حضرت عیسےٰ کے یہاں آنے کو یقینی ٹھہراتی ہیں۔ خود کعبہ میں حضرت ابراہیم کی یادگار موجود ہے۔ صفا اور مروہ میں حضرت ہاجرہ کی اور عربوں کے نسب نامے حضرت اسماعیل تک چلتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی بتائی گئی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل

کو جو خانہ کعبہ کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سے پہلے موجود تھا۔ مگر وہاں بت وغیرہ رکھ دیئے گئے تھے۔ اس لیئے اس بدعت سے خانہ کعبہ کو محفوظ رکھنے کے لیئے مذکورہ بالا عمارت کا حکم ہوا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ پہلے شہر نہ تھا۔ صرف خانہ کعبہ تھا۔

۱۵۰۔ ویدک انسٹی ٹیوشن

مذکورہ بالا اور اس قسم کے اور خیالات اپنی اپنی اٹکل کی باتیں ہیں۔ ان کی بناء پر کسی یقینی نتیجہ پر پہنچنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ حضرت ابراہیم اگر چھوڑنے آئے تھے۔ تو ایک بیوی اور ایک بیٹے کو۔ لیکن اوپر کے حوالے میں وہ اپنی کچھ اولاد کو بیت الحرام کے پاس لا کر آباد کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ہاجرہ اور اسماعیل کو چھوڑ جانا تو کہاں۔ ابراہیم کا خود یہاں رہنا ثابت ہوتا ہے۔ پس تاویلیں سراسر غلط ہیں۔ خانہ کعبہ کو پاک رکھنے کا یہ مطلب لینا۔ کہ پہلے بت رکھے گئے تھے۔ اور بھی بعیدی تاویل ہے۔ کیا اگر یہ مانا جاوے۔ کہ خانہ کعبہ کو پہلے پہل حضرت ابراہیم نے ہی بنوایا۔ اور آئندہ کے لئے اس کی غور و پرداخت یا اچھے انتظام سے عبادت کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے یا بت پرستی وغیرہ سے اسے پاک رکھنے کی ذمہ داری ابراہیم اور اسماعیل پر رہی۔ تو اس میں کوئی بات آیت کے صاف اور سیدھے معنے کے خلاف پائی جا سکتی ہے۔ کیا یہ قابل اعتراض رویہ نہیں۔ کہ ہر اصولی بات کو تاریخی واقعات یا احادیث کے تابع کر کے مختلف تاویلوں سے آیات کے مفہوم کو مشتبہ بنایا جاوے۔ یہاں اصل امر صاف ہے۔ کہ حضرت ابراہیم ویدک برہما ہے۔ اس کا کام عبادت الٰہی کی طرف لوگوں کو مائل کرنا اور یگیہ کرانا نیز علم کی اشاعت کرنا ہے۔ اور ہر شخص جو ویدوں کا عالم اور اوصاف مذکورہ سے متصف ہے۔ برہما ہے۔ ایک ہی برہما ہوا۔ یہ خیال ہی غلط ہے۔ پس البیت سے مراد ویدی ہے۔ یا یگیہ شالا ہو۔ برہما کے ٹھہرنے کا مقام صحیح معنوں میں عبادت گاہ ہے۔ برہما کی شاگرد منڈلی اس کی اولاد ہے۔ ویدوں میں آتا ہے۔ ر

इयं वेदि भुव नस्य नाभि: (یعنی یہ ویدی یا یگیہ شالا سارے سنسار میں بمنزلہ ناف ہے۔ جیسے نابھی سے سب طرفوں کو ناڑیاں جاتیں یا جسم کے ایک ایک اندرونی جوڑ کا تعلق اپنی خوراک وغیرہ کے لئے نابھی سے ہے۔ ویسے ہی کل بنی نوع انسان کا تعلق یگیہ والی ویدی یا فیض عام کے کاموں سے ہے۔ جیسے ہون کنڈ کے ذریعے بلا قید رشتہ وغیرہ کے سب کی صحت وغیرہ کی ترقی کا کام ہوتا ہے۔ یا جیسے مرکز سے محیط تک سارے برابر خطوط جاتے ہیں

۔ اور چونکہ یگیہ والی ویدی یا فیض عام کے کاموں سے وسیع محبت اور خدمت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیئے اس سے عام طور پر امن نصیب ہوتا ہے۔ یگیہ کے موقعہ پر برہما وغیرہ سوستی اور شانتی کا پاٹھ پڑھتے ہیں۔ حتےٰ کہ ایک منتر میں یہ دعا ہے۔ کہ ڈیولوک (آسمان) انترکھش یعنی درمیانی فضا اور پرتھوی یعنی زمین۔ نیتر۔ پانی۔ دوائیں۔ نباتات۔ تمام دیوتا۔ برہم غرضیکہ سب کچھ ہمارے لئے امن اور سکھ کا موجب ہوں۔ پس اس بیت یا مخصوص جگہ کو سب کے مرجع یا عبادت گاہ اور سب کو امن اور سکھ دینے والی جگہ بنانا ویدک یگیہ شالا کا لکھشن ہے۔ جوں جوں زمین سطح آب سے ظاہر ہوتی گئی۔ آریہ لوگ ہر کہیں

پہنچ کر اسے آباد کرتے اور فیض عام کے سامان مہیا کر کے سکھ اور شانتی کی تجویز کرتے رہے۔ تو کیا عرب میں اگر برہما پہنچ کر تعلیم و تدریس اور فیض عام کے لئے کوئی ویدک انسٹی ٹیوشن جاری کرتا ہے۔ اور ویدی و عبادت گاہ بنتی ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات ہو سکتی ہے۔ پھر حوالہ پیش شدہ میں جو دعا مانگی گئی ہے۔ وہ کس عمدگی سے اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ ان لفظوں پر غور کرنے سے واضح ہو سکتی ہے۔ ”اے پرماتما! تیرے بھروسے پر میں نے اس غیر مزروعہ دور کے علاقے میں اپنے ان بیٹوں کو لا بسایا ہے۔ تو ہی ان کی پرورش وغیرہ کے لئے لوگوں کے دلوں میں تحریک کرنے والا اور ضروری رزق مہیا کرنے والا ہے“۔ غرضیکہ حضرت محمد صاحب جیسے مبلغ یا رسول سے ظہور یافتہ قرآن کی آیت زیر بحث کا مطلب جو ان کے پختہ اعتقاد کے نکتہ نگاہ سے آغاز عالم والے دھرم کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ وہ اس کے الفاظ سے صاف عیاں ہے۔

۱۵۱- حضرت ابراہیم کی دُعا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵ (۱۲۶) وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ (۱۲۷) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۷ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ (۱۲۹)

ع ۱۵ / ۸ / ۱۵

اور ابراہیم نے دُعا مانگی۔ میرے رب اس جگہ کو شانتی کا کیندر (دار الامان) بنا۔ اور اس کے ساکنین میں سے جو اللہ اور عاقبت کو ماننے والے ہوں۔ انہیں پھلوں کا رزق دے خدا نے فرمایا۔ مگر جو منکر ہوگا اسے محض چند روزہ متاع ہی ملیگا۔ اور پھر وہ آگ کے عذاب یعنی بُرے قالبوں میں مبتلا ہوگا۔ ۵۔ اور ابراہیم اور اسماعیل نے اس بیت المقدس کے انتظام کو بہت اعلےٰ کر دیا۔ اور کہا۔ اے رب ہمارے اس خدمت کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔ ۶۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں اپنا فرمانبردار گروہ پیدا کر۔ اور ہم کو ہمارے طریقے یعنی فرائض پر عمل کرنا سکھا۔ اور ہم پر نظر عنایت کر۔ تحقیق تو بڑا تواب اور رحیم ہے۔ ۷۔ اور اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے رسول بھیجیا رہ۔ جو انہیں تیری آئیتیں سنایا اور کتاب اور عقل کی باتیں سمجھایا کرے۔ اور ان کی اصلاح ہوتی رہے۔ بے شک تو ہی سچا حاکم اور صاحب حکمت ہے۔ ۸۔

۱۵۲۔ ویدک پرارتھنا

اُوپر جو دعائیں ابراہیم کی مذکور ہیں۔ وہی ویدک برہما کی وید میں ہیں۔ یگیہ شالا کیا گھر۔ مکان اور شہر سب انسانی جماعت کے لئے ارشاد الہی کے مطابق نیکی اور فیض عام کی جگہ ہیں۔ اور وید میں ہر کہیں شانتی اور امن کے قائم کرنے کی ہدایت ہے۔ اور دعا مانگی جاتی ہے۔ کہ سب کو شانتی ملے۔ سکھ ملے۔ علم ملے۔ عقل روشن ہو۔ آن اناج وغیرہ ملے۔ پھر ایشور سے ملی ہوئی ان تمام نعمتوں حتےٰ کہ اپنے جسم و جان تک کو بھی خلق خدا کی خدمت یعنی یگیہ کے لئے وقف کرنے کی ہدایت ہے۔ اس پر عامل شخص کی یہی دعا ہوتی ہے۔ کہ اے پرمیشور ہماری خدمت یا جو کچھ ہم تیری رعیت پر خرچ کرتے ہیں۔ اسے قبول فرما۔ سام وید کا مشہور منتر ہے۔

अग्न आयाहि वीतये गृणानो हव्यदातये ॥
नि होता सत्सि बर्हिषि ॥

ہے پرمیشور! آپ سے میری یہی التجا ہے۔ کہ جو بھی کارآمد چیز میں نے یگیہ میں دان کی ہے۔ اسے قبول فرما۔ میری دُعا کو اپنی عنایت سے پھل دے کر سپھل کیجئے"۔ ایسے ہی یہ پرارتھنا کی جاتی ہے۔ کہ ہمیں ایسی عقل دو۔ کہ ہم آپ کے حکموں کی تعمیل کر سکیں۔ اور آپ کے فرمانبردار رہیں۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۴۱ منتر ۴ میں ایشور اپاسنا کرتے ہوئے یہ دعا مانگی گئی ہے۔

यथा नः सर्व इज्जनः संगत्यां सुमना असत्

کہ ہمارے لوگ سب مل کر رہیں۔ سمن یعنی اچھے پر کار منن کرنے یا ایشور کے حکموں کو ماننے والے ہوں خود آریہ لفظ کے معنے نیک یا قانون الہی کا پابند یا ایشور کا آگیا کاری ہے۔ یہی معنے مسلم کے ہیں۔ غرضیکہ ابراہیم کی دُعائیں بھی ویدک برہما والی ہیں۔ بالخصوص آیت نمبر ۱۲۹ میں جو رسول یا مبلغ کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔ وہ بھی رگوید منڈل ۱۔ اشٹک ۱۔ ورگ ۱۹۔ منتر ۴ کا ہی ترجمہ ہے۔

एहि स्तो मां अभिस्वरा थि: गृणी ह्मारुव ।
बृहनच नो वसो सचन्द्र यज्ञं च वर्धय ॥

اے پرمیشور! ایسی عنایت کیجئے۔ کہ ہمارے درمیان ایسا عالی شان ہدایت کنندہ آوے۔ جو وید منتروں کو ہمیں سنا دے۔ ان کا مطلب ہمارے ذہن نشین کرادے۔ اور ہمیں اپنے زیر ہدایت رکھ کر ہمارے علم حکمت اور رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دے۔

ثمرات

حضرت ابراہیم کی دعا ہے۔ کہ یہاں کے رہنے والوں کو ثمرات عطا ہوں۔ مفسرین اس کو پھلوں یا پھل پہلا دی کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح ہو۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب جو حضرت ابراہیم کے مذہب کو ہی صادق اور قابل قبول بتاتے ہیں۔ وہ کبھی گوشت خوری کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ بلکہ پھل اہار کے لئے ہی لوگوں کو کہہ سکتے تھے۔ لیکن موقعہ محل کے لحاظ سے ہمیں یہاں آم۔ سیب وغیرہ پھل نہیں۔ بلکہ دہرم۔ ارتھ۔ کام اور موکھش نام چار پھل ہی مقصود معلوم دیتے ہیں۔ یہی اعلےٰ درجہ کی دعا ویدک برہما سے بجا طور پر منسوب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آم۔ کھجور وغیرہ کے پھل تو سب لوگوں کو مل رہے۔ اور مل سکتے ہیں۔ خواہ وہ خدا اور عاقبت کو نہ ہی مانتے ہوں۔ ویدک دہرم میں سچے دہرماتماؤں کو چار پھل ملنے کا اصول ہے۔ اور وہی قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ جو خدا اور عاقبت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں پھل ملیں۔ اور ساتھ ہی اس کے بعد کفر کرنے والوں کے لئے یہ لکھا ہے۔ کہ انہیں محض چند روزہ سامان ملیں گے۔ اس سے بھی نیک لوگوں کے لئے دہرم ارتھ وغیرہ چار پھل ہی ماننا صحیح ہے۔ کیونکہ آم۔ انار وغیرہ پائیدار پھل نہیں۔ یہ چند روزہ سامان ہیں۔ ان کے مقابلہ پر انتم چار پھل ہی مذکور ہو سکتے ہیں۔ جو ایسے اعلےٰ ویدک انسٹی ٹیوشن کے ذریعے سچا علم پانیوالے لوگوں کا لازمی حصہ ہو سکتے ہیں۔

۱۵۴۔ قواعد

قواعد قاعدہ کی جمع ہے۔ اس کے معنے بنیاد بھی ہو سکتا ہے۔ اور قاعدہ قانون انتظام وغیرہ بھی۔

مفسرین کا خیال ہے۔ یہ دعا حضرت ابراہیم نے اس وقت مانگی تھی۔ جب وہ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ لیکن اگر ایسا ہو۔ تو یہ ماننا لازمی ہوگا۔ کہ حضرت ابراہیم نے یہاں نئی عمارت قائم کی تھی۔ اور وہ خود بطور معمار کام کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں آسانی سے قبول نہیں کی جا سکیتیں۔ آیت نمبر ۱۲۵ میں جو اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ کا لفظ ہے۔ اس میں تعمیر عمارت کا ذکر نہیں۔ بلکہ بیت یا ویدی کا نکشن بتایا ہے۔ کہ انسانوں کے لئے وہ ویدی رجوع کرنے کے لائق اور شانتی دینے والی جگہ ہے۔ اس کے بعد وہاں کے رہنے والوں کے لئے دعائے خیر بھی مانگی جا چکی ہے۔ یہ کہہ چکنے کے بعد جو لفظ قواعد آیا ہے۔ اس کا ترجمہ بنیادیں اُٹھانا نہیں ہو سکتا۔ نہ اور لوگوں کے ہوتے ہوئے ابراہیم اور اسمٰعیل کے خود بنیادیں اُٹھانے اور ساتھ کے ساتھ دعا مانگنے کا ذکر آ سکتا ہے۔ بلکہ جن علمی کمالات سے ابراہیم امام بنے۔ انہی کمالات سے انتظام کو ایسا اعلےٰ

کرنا مقصود ہو سکتا ہے۔ کہ علم اور نیک چلنی وغیرہ کی ترقی سے اس کی شان بڑھے۔ ارفع کے معنے بلند تر کرنا ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ ابراہیم نے اس کی پہلی عزت وعظمت میں اپنے تپ سے چار چاند لگادئیے۔ اور اطراف وجوانب میں اس کی وہ نیک شہرت پھیلائی۔ کہ اس پر جنگل میں منگل کی ضرب المثل صادق آئی۔

۱۵۵ بئس المصیر

مصیر کے معنے ہے۔ پھرنے کی جگہ یا انسان کے انتقال کے بعد کی حالت عذاب النار یا ترک کی تعبیر سوائے بعد کے اوتار قالب کے ہو نہیں سکتی۔ اور بئس کے لفظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اہل کفر کا روح جس مصیر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ بری یا دکھدائی ہے۔ اس لئے ہم نے ترجمے میں برے قالبوں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الشعرا کی آخری آیت کے یہ الفاظ بھی اسی بئس المصیر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور مصیر لفظ کی جگہ قالب کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

اور گنہگار لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ کس کس پھرنے کی جگہ (قالب یا مصیر) میں پھرتے ہیں۔

۱۵۶۔ ملت ابراہیم

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ① إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ ۱۳۰
أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ② وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَ ۱۳۱
يَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ③ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ ۱۳۲
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ④ ۱۳۳

تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون
عما كانوا يعملون ۞ وقالوا كونوا هودا او نصرى تهتدوا قل
بل ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين ۞ قولوا امنا بالله
وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم واسمعيل واسحق ويعقوب والا
سباط وما اوتي موسى وعيسى وما اوتي النبيون من ربهم لا نفرق
بين احد منهم ونحن له مسلمون ۞ فان امنوا بمثل ما امنتم
به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم في شقاق فسيكفيكهم الله
وهو السميع العليم ۞ صبغة الله ومن احسن من الله صبغة و
نحن له عبدون ۞ قل اتحاجوننا في الله وهو ربنا وربكم ولنا اعمالنا
ولكم اعمالكم ونحن له مخلصون ۞ ام تقولون ان ابراهيم واسمعيل
واسحق ويعقوب والاسباط كانوا هودا او نصرى قل ءانتم اعلم
ام الله ومن اظلم ممن كتم شهادة عنده من الله وما الله بغافل
عما تعملون ۞ تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم
ولا تسئلون عما كانوا يعملون ۞

اور ابراہیم کے طریق سے انحراف کرہی کون سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو اپنے آپ کو احمق ثابت کرے۔ بے شک

ہم نے اس کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا۔ اور آخرت میں بھی۔ وہ صالحین میں سے ہوں گے۔ ۱۔ جب اس کے رب نے اسے حکم دیا۔ کہ خدا کا فرمانبردار ہونا کہا۔ میں رب العالمین کا ہی ہو چکا۔ ۲۔ اور اس کے متعلق ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ اور یعقوب نے بھی۔ کہ بیٹو اللہ نے تمہارے لئے اس دہرم کو ہی پسند کیا ہے۔ پس تم نے مرنا تو دہرم پر ہی مرنا۔ ۳۔ کیا تم نے یہ نظارہ دیکھا۔ کہ موت یعقوب کے سامنے آ کھڑی ہے۔ اور وہ اپنے بیٹوں سے پوچھتا ہے۔ کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ آپ کے معبود آپ کے باپ دادوں یعنی ابراہیم۔ اسماعیل اور اسحاق کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اور اسی کا حکم مانیں گے۔ ۴۔ یہ لوگ تھے۔ جو اپنے وقتوں میں ہو گذرے۔ ان کے عمل ان کے ساتھ تھے۔ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائیگا۔ کہ تمہارے بڑے کیا کرتے تھے۔ ۵۔ یہ کہتے ہیں۔ یہودی ہو جاؤ۔ نصاری ہو جاؤ۔ تو راہِ راست پر آجاؤ گے۔ ان سے کہہ دو۔ کہ دہرم تو ابراہیم موحد والا ہی ہے۔ وہ مشرک نہ تھا۔ ۶۔ ان سے کہو۔ کہ ہم تو اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا۔ اور جو ابراہیم۔ اسماعیل اسحاق۔ یعقوب اور آل یعقوب پر نازل ہوا۔ نیز جو موسیٰ۔ عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار سے ملا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں پاتے۔ اور ہم اس خدا کے تسلیم کرنے والے ہیں۔ ۷۔ پس اگر وہ بھی انہی باتوں کو مان لیں۔ تو بس وہ راہِ راست پر آگئے۔ اور اگر انحراف کریں۔ تو سمجھو۔ تمہاری ضد پر ہیں۔ اس صورت میں اللہ تمہارے لئے ان کے مقابلے پر کافی ہوگا۔ وہ سمیع اور علیم ہے۔ ۸۔ رنگ چاہیئے اللہ کا اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں۔ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ ۹۔ ان لوگوں سے کہو۔ اللہ کے متعلق کیا جھگڑا لے بیٹھتے ہو۔ وہی تمہارا رب۔ وہی ہمارا رب۔ ہمیں ہمارے عملوں کا پھل دیگا۔ تمہیں تمہارے عملوں کا۔ ہم تو اسی کے مخلص معتقد ہیں۔ ۱۰۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم۔ اسمعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اس کی اولاد یہود یا نصاری تھے۔ ان سے پوچھو۔ کہ تم بہتر جانتے ہو۔ یا اللہ۔ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ کہ اللہ کی طرف سے شہادت اس کے پاس موجود ہو۔ اور وہ اسے چھپا دے۔ مگر اللہ ان باتوں سے بے خبر نہیں۔ جو وہ کرتے ہیں۔ ۱۱۔ یہ لوگ تھے۔ جو اپنے وقتوں میں ہو گذرے۔ ان کے عمل ان کے ساتھ گئے۔ تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہیں۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ۱۲۔

۱۵۷۔ ویدک دہرم

اول۔ ان کل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس دہرم کو حضرت محمد صاحب مانتے ہیں۔ اور منوانا چاہتے تھے۔ وہ اسے نیا یا اپنا چلایا ہوا۔ مذہب نہیں کہتے۔ بلکہ ابراہیم کا دہرم کہتے ہیں جس کا قدیم ترین زمانہ سے تعلق ہے۔ اور جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں۔ وہ ویدک دھرم ہے۔

دوم:۔ قرآن مجید کا یہ فتوےٰ ہے۔ (آیت ۱۳۰) میں کہ ابراہیم کا دہرم کل۔ اہلِ علم و عقل سے قابل قبول ہے۔ اس کو نہ ماننا۔ محض اپنی ذاتی کجی کا ثبوت دینا ہے۔

سوم ۔ ابراہیم والا دہرم ان کو دنیا میں برگزیدہ اور عاقبت کے لحاظ سے صالح بنانے کا موجب ہُوا۔ یہ گویا ویشیشک درشن میں جو دہرم کی تعریف کی گئی ہے ۔ اسی کی بازگشت ہے۔ کہ

यतो ऽ भ्युदय निः श्रेयास्साद्धः स धर्म :

یعنی جس سے دُنیا اور آخرت یا لوک اور پرلوک دونوں کی سدھی ہو۔ وہ دہرم ہے۔

چہارم ۔ خدا یا اس کے حکم کے آگے جھکنا یا اپنے تئیں برہم کے ارپن کر دینا برہما کا واحد فرض ہے۔ اور وہی ابراہیم سے یہاں منسوب ہو رہا ہے۔ ویدوں کا ہر عالم انہی کے وچار اور پرچار میں اپنی زندگی کی بازی لگا دیتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بھی مہرشی دیانند کے عمل سے ظاہر ہے۔

پنجم :۔ ابراہیم صرف اپنے تئیں ہی برہم کے ارپن نہیں کرتا۔ اپنے بیٹوں کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت دیتا ہے ۔ یہ اُسی نصیحت کی بازگشت ہے۔ جو ویدک گورو اپنے یگیوپویت لینے والے بالک کو کہتا ہے۔ (प्रजा पतये त्वा परि ददामि) نہ صرف پرجاپتی پرم آتما کے لئے وقف ہونا بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ تو دنیا میں ویسا بن جیسا جسم میں پران ہے۔ ارتھات تمام سنسار کی خدمت کے لئے اپنی ہر طاقت کو لگانے کا خیال رکھو!

ششم :۔ ابراہیم سے یہ نصیحت پانے والا یعقوب اپنی باری پر اپنی اولاد کو یہی نصیحت کرتا ہے۔ تو یہ اس گورو پرمپرا کا ثبوت ہے۔ جو برہما سے نسلاً در نسلاً اپدیش کی صورت میں چلی آئی ہے۔

ہفتم :۔ آیت ۱۳۲ میں کہا ہے ۔ خدا نے تمہارے لئے دین یا دہرم کو ہی پسند کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ گو لوگ مکان مال دولت وغیرہ کے خواہاں ہیں یا نفسانی خواہشات کے شکار۔ جن متبرک ہستیوں کا یہاں ذکر ہے۔ وہ دہرم کو سب سے مقدم سمجھنے والی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہاں یہ ثبوت ملتا ہے۔ کہ یہ جسمانی اولاد سے خطاب نہیں۔ علمی یا روحانی یا برہما کے شاگردوں والی اولاد ہے۔ جو دوسرا جنم پاتی ہے ۔ مفسرین جو یہ مطلب لے رہے ہیں ۔ کہ خدا نے دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب کیا۔ انہیں واضح ہو کہ یہاں دین یا دہرم مذہب کے مقابلے پر نہیں۔ بلکہ دنیوی سامانوں کے مقابلے پر ہے۔ جب اس وقت مذہب ہی نہ تھے۔ حتےٰ کہ یہود اور نصاریٰ کا بھی ابراہیم کے وقت میں وجود نہ تھا۔ تو یہ مفہوم نکل ہی کیسے سکتا ہے۔ پس مقصود یہی ہے۔ کہ دنیوی خواہشات کی بجائے خدا نے تمہارے لئے دین کی دولت کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی اسلام یا خدا کی فرمانبرداری یا سلامتی والا ہے۔

ہشتم :۔ یہاں چند باتیں اور سمجھنی ضروری ہیں۔

ابراہیم لفظ کو ہم برہما کی تبدیل شدہ صورت کہتے ہیں۔ تو اس کی وجوہات بھی ہم بہت دیتے ہیں۔ مگر ایک وجہ اور بھی زبردست ہے ۔ ابراہیم کی عورت کا نام سرہ ہے۔ تو برہما کا بھی سرہ سے ہی تعلق ہے۔ وید جس کے لئے برہما وقف ہے۔ سرسوتی کہاتا ہے۔ اور سرسوتی لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ سرہ اور وتی (सरः+वती) وتی لفظ تو وِدیاوتی۔ کلاوتی۔ لیلاوتی سب میں عام ہے۔ خصوصیت یہاں سرہ نام سے ہے۔ اور چونکہ برہما کی علمیت کو یہ لفظ ظاہر کرتا ہے ۔ کسی عورت کو نہیں۔ جس سے برہما کا بیاہ ہُوا۔

اس لیے جہاں بیانوں کی مطابقت ظاہر ہے۔ وہاں اولاد یا بیٹوں کے متعلق بھی یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ وہ علم میں کمال یافتہ شاگرد ہیں۔ بائیبل میں سرہ کے یہاں بڑھاپے میں بیٹا ہونے کا جو ذکر ہے۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ عمر رسیدہ تجربہ کار گوروسے لائق شاگرد رُوپی بیٹا ہُوا۔ سرہ یا ودیا کے تعلق سے۔

نہم۔ یہ ہدایت کہ مرنا تو دہرم پر ہی مرنا۔ اور بھی اس مدعا کو صاف کرتی ہے۔ کہ سچے دہرم میں اپنی زندگیاں لگانے والے عالموں کا یہاں ذکر چل رہا ہے۔ نام گو بدل چکے ہیں۔ اصل حقیقت نہیں بدلی۔

دہم۔ آیت ۱۳۳ میں یعقوب کی موت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ سچے دہرم کے اعلیٰ ترین اصول توحید کی عظمت ظاہر کرتا ہے۔ کہ سوائے اس پاک خدا کے کوئی انسان کا معبود نہیں۔

یازدہم:۔ یعقوب کے بیٹوں نے مرتے ہوئے باپ کو جواب دیا۔ کہ وہ اس خدائے واحد کی عبادت کرتے رہینگے جس کی ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق جیسے سب بزرگ کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان سارے بزرگوں کا ایک ہی دہرم تھا۔ کسی نئے مذہب کی ان کے وقت میں ایجاد نہ ہوئی تھی۔

دوازدہم۔ آیت ۱۳۴ میں کہا ہے۔ کہ ہر شخص خود نیک عمل کر کے ہی سکھ پا سکتا ہے۔ بزرگ لوگ اپنے وقت میں ہم سے پہلے کام کر گئے۔ تو انہوں نے اس کا پھل پایا۔ ہم لوگوں سے یہ نہ پوچھا جاویگا۔ کہ تمہارے بڑے کیا کام کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہ تم نے خود کیا کیا ہے۔

سیزدہم:۔ آیت ۱۳۵ میں کہا ہے۔ کہ اہل مذاہب لوگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں یہودی بن جاؤ۔ نصاریٰ کہتے ہیں۔ نصاریٰ بن جاؤ۔ اس کا جواب یہ بتایا گیا۔ کہ دہرم یا دین تو ابراہیم موحد والا ہے۔ وہ تم مشرکوں میں نہ تھا۔ گویا ویدک دہرم اور مذاہب میں جو فرق ہے۔ وہی ملت ابراہیم اور یہود وغیرہ مذاہب میں ہے

چہاردہم۔ آیت ۱۳۶ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ ہم انسانوں پر نہیں۔ اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو علم ہمیں ملا ہے۔ اس پر چلنا چاہتے ہیں۔ سچا دہرم بمصداق سَوَسیانے اکومت۔ سب حق پرستوں کو یکساں قبول ہوتا ہے۔ لہٰذا ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب۔ عیسیٰ۔ موسیٰ سب پر خدا کی عنایت سے ایک ہی قسم کی سچائیاں ظاہر ہوئیں۔ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالکل وہی بات ہے۔ جو مہرشی دیانند نے کہی۔ کہ ہر فرد و بشر کے لئے مفید دہرم وہی ہے۔ جس کو ہمیشہ سے سب مانتے آئے مانتے ہیں۔ اور مانیں گے بھی۔ جس کا کوئی مخالف نہیں ہو سکتا۔ برہما سے لے جیمنی تک سب رشی منی کپل پتنجل۔ گوتم۔ ویاس نیز رام۔ کرشن وغیرہ سب بزرگ اسی ویدک سناتن دہرم کے معتقد رہے ہیں۔ اور اسی خالص دہرم کو ماننا سب کا فرض ہے۔

پانزدہم:۔ آیت ۱۳۷ میں کہا ہے۔ کہ یہود نصاریٰ وغیرہ مذاہب کا خیال چھوڑ کر سچے دہرم کے معتقد رہو۔ بلکہ ان مذاہب والوں کو سمجھاؤ۔ اگر وہ تمہارے سچے خدا اور اس کے سچے دہرم کو قبول کر لیں۔ تو وہ راہِ راست پر آ گئے۔ ورنہ انہیں اپنا مخالف سمجھ۔ ان کے دم جھانسے میں نہ آؤ۔ ہاں اللہ کے بھروسے پر تبلیغ حق میں کوشاں رہو۔ یہی پوزیشن ویدک دہرم کی سدا مانی گئی اور آریہ سماج کو اب بھی تسلیم ہے۔

شانزدہم۔ آیت ۱۳۶ میں کہا ہے۔ کہ سب پیغمبروں کی تعلیم جو ایک سی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ

تمام ایک ہی خدا کے معتقد تھے۔ اور اسی خدا کو ہم مانتے ہیں۔ لہذا ہماری تعلیم وہی قدیم کی سچی تعلیم ہے۔

ہفدہم۔ آیت ۱۳۸ میں کہا ہے۔ اختلافات اور مذہبی تفریق کو چھوڑ کر ایک اللہ کے ہی اصلی اور پختہ رنگ میں رنگے جاؤ۔ گویا انسانی مذاہب کچے اور پھیکے رنگ ہیں۔ اور ویدک دہرم پختہ اور شوخ رنگ ہے۔

ہشدہم:۔ آیت ۱۳۹ میں ہدایت ہے۔ کہ اللہ سب کا ایک ہے۔ اس کے متعلق جھگڑا فضول ہے۔ فرق ہے تو ہماری عقلوں میں ہے۔ اور اسی سے انصاف الہی کے مطابق ہمارے عملوں میں فرق ہے۔ پس ان اعمال کو ایک خدا کے قانون کے سانچے میں ڈھال کر عملی طور پر اختلافات کو مٹانا عالم لوگوں کا فرض ہے۔

نہدہم۔ آیت ۱۴۰ میں نہایت معقول لکھا ہے۔ کہ مذہب کے طرفدار لوگ قدیم بزرگوں کو اپنے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ گویا ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب یا اس کے جانشین یہودی یا نصرانی تھے۔ لیکن قرآن ان کی تکذیب یہ ڈانٹ بتا کر کرتا ہے۔ کہ خدا سے انسان بھلا بہتر کس طرح جان سکتا ہے۔ پس ان بڑی بڑی ہستیوں کو کیا غرض پڑی ہے۔ کہ دین خدا کی بجائے ان انسانی مذاہب سے تعلق رکھیں۔ سچے دہرم میں کسی انسانی مذہب کا ذکر نہیں۔ ہاں نئے مذاہب میں قدیم دہرم ضرور موجود ہے۔ پس قدیم تعلیم کو چھپانا اور سچے دہرم سے لوگوں کو ہٹانا گناہِ عظیم ہے۔

بستم:۔ آیت ۱۴۱ میں کہا ہے۔ کہ اہلِ مذاہب قدیم بزرگوں کے کارنامے سنا کر اپنی بڑائی کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ تم سے پوچھتا ہی کون ہے۔ کہ بزرگوں نے کیا کیا تھا۔ تم تو اپنے عملوں سے ہی فائدہ پا سکتے ہو۔ گویا دہرم نام دھارن کرنے یا عمل میں لانے کا ہے۔ شیخی بگھارنے کا نہیں۔

ان تعلیمات پر دلائل اور حوالہ جات سے بحث ہو۔ تو بہت طویل ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ غرض محض اس امر کا اشارہ دینا ہے۔ کہ ابراہیم کی ملت ویدک دہرم کو ہی کہا جا رہا ہے۔ اس لئے زیادہ لکھنا ضروری نہیں۔ اور یہ امر کہ احمق لوگوں کے بغیر کوئی ملت ابراہیم سے منحرف نہیں ہو سکتا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اہلِ علم وعقل اسی کو قبول کرتے ہیں۔ یہ منو کے اس اصول کی تائید ہے۔ کہ

यस्तर्केणानुसंधत्ते स धर्मं वेद नेतरः ॥

وید دہرم محض وہ ہے جو ترک پر پورا اترتا ہے۔

وید اور قرآن

لکھشمن

شکایتیں چھوڑو - اپنا فرض پورا کرو۔

مجھ سے کہا جاتا ہے کچھ ہی ہو مسلمان ماننے کے نہیں۔ میں کہتا ہوں یہ شکایت محض اس شیطان کی ایجاد ہے جس کا عکس ایک دوسرے کے اندر نظر آکر ہمیں جدا رکھتا آرہا ہے ورنہ

دل را بہ دل رہیست دریں گنبد سپہر — از سوئے کینہ کینہ۔ واز سوئے مہر مہر

کے مطابق میرے سامنے نظارہ ہی اور ہے۔ وید اور قرآن کی باہمی مطابقت کا یقین ہونے کے بعد سے میں اپنی تحریر اور تقریر کے متعلق مسلمان بھائیوں سے بے تعصبانہ ریمارک ہی سنتا آرہا ہوں۔ میرے کانوں میں آوازیں آتی ہیں۔

(۱) اگر یہی پوزیشن ٹھیک ثابت ہو۔ تو ہمیں تعصب ہی کیا ہو سکتا ہے۔ باہم مل جاویں گے۔

(۲) اس قسم کی تحقیقات کی قدر کرنا ہمارا فرض ہے (چھاتی پر ہاتھ رکھ کر) ہم اس میں تعاون کیلئے حاضر ہیں۔

(۳) ایک آریہ بھائی مسلمان کہہ رہے ہیں لکچر سننے کے بعد ہمیں رات بھر نیند نہیں آئی۔ اوہ! ہم وید کو کیا سمجھ رہے تھے۔ یہی معلوم ہوتا ہے تیرہ صدی کے بعد آج قرآن کی اصل صورت ہمارے سامنے آئی ہے۔

(۴) (ایک مسلمان بزرگ) اگر آپ یہاں زیادہ نہیں ٹھہر سکتے تو میری عرض ہے یہ کام کرتے جائیے اور اس باہمی جھگڑے کو نپٹائیے۔ ان کو نہ دیکھو۔ خدا کو دیکھو وہی آپ کو اس کا اجر دے گا۔

(۵) (ایک عمر رسیدہ مسلمان عالم) پبلک گفتگو کے دوران میں اپنے کسی بھی آیت کے پیش کردہ ترجمے کی غلطی کی وجوہات سنکر بلا تامل سر ہلا کر غلطی کو قبول کرتے ہیں۔ اور مقابلے پر میرے ترجمہ پر اعتراض کر کے جواب سنتے ہیں تو پھر سر ہلا کر فرماتے ہیں بیشک اس طرح تو یہی ترجمہ صحیح ہے۔

(۶) (ایک معترض مسلمان) دوران لکچر میں سماج منتری سے وقت مانگتا ہے۔ اور لکچر کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔ منتری ویدمان سے یہ ذکر سنکر جلسے کے بعد میں رکتا اور اس بھائی کو بلواتا ہوں مگر منتری جی موصوف آکر سناتے ہیں کہ وہ کہتا ہے میں نے اعتراض کیلئے وقت نہ مانگا تھا۔ بلکہ شکریہ ادا کرنے کیلئے واقعی ماسٹر صاحب کا ترجمہ ٹھیک ہے ہمارے ترجموں میں نقص ہیں۔ مگر افسوس یہ امر بہت دیر بعد معلوم ہوا۔ جب حالات بگڑ چکے ہیں۔ کاش کہ آریہ سماج پہلے اس طرح تحقیقات کرتا وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی آوازیں یقین دلاتی ہیں کہ کوئی بھی قرآن مجید اور حضرت محمد صاحب کا سچا بھگت مسلمان ترجموں کے متعلق تعصب و طرفداری سے کام نہیں لے سکتا۔

کتاب کی اشاعت کے متعلق دیری کی شکایت صحیح نہیں ہو گی۔ میں اپنی جی جان کی بازی لگائے اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہوں۔ محض جلد دوم کی اشاعت کے ایاٰے میں لگا رہنے سے ہر حرج اور خرچ کو گوارا کیے میں آٹھ ماہ سے باہر تک نہیں گیا جنگ و جدل کا زمانہ۔ پبلک میں دھرم یا مذہب کے متعلق دلچسپی کی کمی۔ کاغذ کی غیر معمولی گرانی پیشگی گراہکوں کی تعداد کی کمی بقایا بھیجنے میں گراہکوں کی تساہلی سب کے ہوتے ہوئے ہر ممکن جد و جہد کام کی تکمیل کیلئے ہو رہی ہے۔ اگر اتحاد اور حق پسند معاونین ذرا بھی خاص توجہ فرمائیں اور اپنا فرض پورا کریں تو ہمت مرداں مدد خدا کے مطابق اتنا بڑا کام چند ماہ میں ہی تکمیل پا سکتا ہے۔

(العاقل تکفیہ الاشارہ)

لکھشمن

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه

اوم

وید اور قرآن

جلد دوم

حصہ اول۔ مطابقت تعلیم وید قرآن کے ۱۰ سے ۱۴ اباب تک

حصہ دوم ویدک تفسیر قرآن مجید کے پارہ سیقول و تلک الرسل

مصنفہ

لکھشمن آریوپدیشک

ملنے کا پتہ

ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنیس دہلی

قیمت تین روپے ۳

حم تنزيل من الرحمن الرحيم كتاب فصلت آياته قرآنا عربيا لقوم يعلمون

وما كان هذا القرآن ان يفترى من دون الله ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين

ان الذين امنوا وعملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودا. فانما يسرناه بلسانك لتبشر به المتقين وتنذر به قوما لدا

مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ اول جلد دوم

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ دوم۔ جلد دوم

وید اور قرآن جلد اول کا سواگت

ایشور کی کرپا سے ملی ہوئی تھوڑی بہت اپنی بساط کے مطابق جو کچھ مجھ سے ہوسکتا تھا۔ اسکا نتیجہ پبلک کے سامنے آرہا ہے۔ حالات ناموافق ہیں۔ قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر نے وید سے اسکا تعلق منقطع کر رکھا ہے۔ معتقدان وید و قرآن میں دوری بڑھتی جارہی ہے۔ ان ہی تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کی گئی نکتہ چینی نے اصل اسلام پر اور بھی تاریکی ڈال رکھی ہے۔ فرقہ وارانہ مکدر فضا نے تعصب اور باہمی منافرت کو اس انتہا تک پہنچا رکھا ہے کہ ایک کی تعریف۔ عزت یا ترقی تک دوسرے کو نہیں بھاتی۔ تبادلۂ خیال یا علمی مباحثہ وغیرہ سے اختلاف کو دور کرنا تو کہاں باہمی میل جول اور ایک دوسرے کی ہستی تک گوارا نہیں۔ ایسی حالت میں بچھڑوں کو ملانے والی وید اور قرآن نامی تصنیف کی تقدیر وہی ہوسکتی ہے جو نقار خانہ میں طوطی کی آواز کی ہوتی ہے بالخصوص مادہ پرستی سے پیدا شدہ خوفناک شور و شر اور جنگ و جدل کے زمانہ میں دھرم یا مذہب کی بات سننا یا مذہبی کتب و مضامین کا مطالعہ کرنا امر غیر مانوس ہی ہو رہا ہے۔ تاہم نہ انسان کی کسی حالت کو ثبات ہے نہ مادہ پرستی کے دور دورے کو قیام۔ نہ صداقت اور حقیقت کے بغیر کوئی شے انسان کے لئے حقیقی مفید ہوسکتی ہے نہ ناپائدار ناموافق حالات سے ڈر کر اشاعت حق کے فرض میں پہلوتہی یا کوتاہی کرنا شرط انسانیت ہے۔ اسلئے میں نے ناموافق حالات کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے جانا ہی اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اور مجھے یہ ظاہر کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ سچائی کی طاقت نہایت کامیابی کے ساتھ تمام ناموافق حالات پر غلبہ پاتی ہے۔

راستی پسند۔ امن پسند اور حقیقی اتحاد و ترقی کے خواہاں علم دوست اصحاب تہ دل سے اس سچے اور واحد اتحادی مخزن کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ وید اور قرآن کا مطالعہ نہایت توجہ اور غور سے کیا جارہا ہے۔ کئی اصحاب زیادہ تعداد میں کتب منگا کر ہندو مسلم علماء کو مطالعہ کے لئے بہم پہنچا رہے ہیں۔ بے تعصب اصحاب نہایت کشادہ دلی سے اسکے اثرات کو قبول کر رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر خیالات میں پوری کرانتی لانے اور کسی دنیوی غرض یا مقابلہ کے لئے نہیں سچے اتحاد کی خاطر ہندو مسلمانوں کو متحد کرنے کی معمولی سی کوشش بھی ہوگئی۔ تو یہ کتاب برسوں کا کام دنوں میں پورا کرنے میں بےنظیر مدد دے گی۔

شری یت مہتہ جیمنی جی بی۔ اے ویدک مشنری حال سوامی گیانانند جی کی رائے :۔

(مہتہ جی آریہ سماج اور ویدک دھرم کے شیدائی اور تحریر و تقریر دونوں کے دھنی ہونے کے علاوہ شہرۂ آفاق ویدک مشنری پرانے تجربہ کار حقیقت شناس اور نکتہ رس عالم ہیں۔ آپ نے نہایت توجہ اور شوق سے کتاب کو مطالعہ کیا اور وزندار رائے دی ہے)

میں نے ماسٹر لچھمن آریوپدیشک کی تصنیف کردہ کتاب وید و قرآن کے ہر دو حصص کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ ماسٹر جی نے اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کوئی نیا الہام یا نئی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ وید کا صحیح ترجمہ و مفہوم ہی ہے۔ آپ نے بڑی متانت اور دلائل سے واضح طور پر قرآن کی تفاسیر سے انحراف کرکے قرآن کے الفاظ کے مصدری معنی لیکر انکشاف کیا ہے کہ قرآن اور وید کے مفہوم اور مضامین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ نے سیاق عبارت کو مدنظر رکھ کر اور الہام کے اصل اصول کو لیکر نیک نیتی اور صداقت سے اس کی سپرٹ کو لیکر دکھلایا ہے کہ قرآن اور وید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہر دو کتب پرماتما کے گیان کی دو مختلف زبانوں میں تاویل ہیں۔ ماسٹر جی کی تحقیقات تجسس اور خوض و فکر واقعی قابل داد ہیں۔ آپ نے حدیثوں اور مولویوں کے تعصبات اور بوسیدہ خیالات اور قیاسات کو بالائے طاق رکھ کر آزادانہ اور مدلل اور معقول ترجمہ پبلک کے پیش کیا ہے۔ اور زمانہ حال کے حق شناس مولویوں اور غیر متعصب محققوں کے سامنے ایک وسیع میدان تحقیقات کھول دیا ہے کہ اس ترجمہ پر غور کریں۔ اگرچہ میرا ذاتی طور پر چند نکات اور امور میں ماسٹر جی کے ترجمہ

کے ساتھ اتفاق نہ ہو۔ گو میں اسلامیہ علم ادب اور مذہبی کتابوں کا کوئی مستند قاری نہیں ہوں۔ مگر ماسٹر جی نے جو قابلیت جانفشانی عرقریزی اس ترجمہ کے کرنے اور اسلامیہ علم ادب و تفاسیر کے مطالعہ کرنے میں دکھلائی ہے۔ وہ قابل ستائش ہے اور اس کے لئے میں انہیں مبارکباد کہتا ہوں۔ ماسٹر جی کی یہ ان تھک کوشش ہندو مسلم اتحاد کے لئے اور مذہبی عناد و تفرقہ بازی دور کرنے کے لئے ایک بڑا کاری ذریعہ (سادھن) ہوگی۔ اور اسی مدعا کو ملحوظ خاطر رکھ کر ہی انہوں نے اس اہم مسئلہ کو طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ ماسٹر جی کا ترجمہ اٹکل پچو یعنی قیاس آرائیوں اور من گھڑت تاویلوں پر انحصار نہیں رکھتا بلکہ دلائل ساطع اور براہین قاطع اور مستند لغات پر مبنی ہے۔ متلاشیان حق اور امن و شانتی کے پیغام رسانوں اور اتحاد ملت کے حامیوں کے لئے یہ کتاب روشن مینار کا کام دیگی۔ اور رموز معرفت کے حصول کے لئے اور مذہبی اختلافات و تنازعات کے رفع کرنے اور اتحاد یگانگت و رشتہ اخوت قائم کرنے کے لئے یہ کتاب پایونیر (ہادی اور رہبر) کا کام دیگی۔ بیسویں صدی میں قرآن کا اس قسم کا ترجمہ اپنی قسم کا عجوبہ روزگار اور نادر تحفہ سمجھا جاویگا جسے ہم سرسری نگاہ سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس جی کا یہ کار عظیم مذہبی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جاوے گا۔ اور جوں جوں لوگ اسے کشادہ دلی اور تجسس رموز حقانی کی نیت سے مطالعہ کریں گے ایسے گوہر نایاب حاصل کریں گے۔

شری یت پنڈت گنگا پرشاد جی اپادھیائے پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا یو۔پی

میں نے جب قرآن شریف کو پڑھا تو مجھے اکثر یہ خیال ہوا کہ قرآن شریف کی اصلی تعلیم اور مسلمانوں کے موجودہ عقیدوں میں اسی طرح زمین و آسمان کا فرق ہے جس طرح ویدوں کی اصلی تعلیم اور ہندوؤں کے موجودہ عقیدات میں۔ قرآنی آیتوں کا اصلی مطلب۔ احادیث۔ ملکی رسم و رواج اور یونانی حکماء کے مختلف اوقات کے اثرات کے باعث اسی طرح فوت ہو جاتا ہے جیسے طرح پرانوں کی تصنیفات۔ ہندوؤں کے مقامی رسم و رواج۔ اور بودھ و شنکر جینی دراشنکوں کے زیر اثر ویدوں کے منتروں کا۔ میں نے اکثر چاہا کہ قرآن اور وید کے مشترکہ سدھانتوں پر کچھ لکھا جائے۔ لیکن کئی وجوہات سے میں اپنی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا میں نے کئی دوستوں سے بھی اسکا ذکر کیا۔ مجھے یہ جان کر نہایت خوشی ہوئی کہ شری لکھشمن جی نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اور مجھکو کئی چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ دئے۔ جن کو میں نے پسند کیا۔ مجھے اور بھی زیادہ خوشی ہوئی جب میں نے ان کی ایک بڑی تصنیف "وید اور قرآن" دیکھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آریہ سماجی اور مسلمان عالموں کا خیال اس طرف رجوع کیا جاوے۔ اور وہ ٹھنڈے دل سے سنجیدہ طور پر ان دو مذہبی کتابوں کے اصلی عقیدت کا پتہ لگانے کی کوشش کریں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ موجودہ اختلافات فروعی ثابت ہوں۔ اور وید اور قرآن کے سدھانت اتنے مختلف نہ ہوں جتنے ہندو اور مسلمانوں کے موجودہ اعتقادات سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ہندو اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات ہی خوشگوار ہوں گے۔ بلکہ تحقیق حق میں خاص مدد ملیگی۔ سچائی کی تلاش ہر ایک کا فرض ہے۔

میں مہاشہ لکھشمن کو مبارکباد دیتا ہوں۔ جنہوں نے اتنا اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے۔

شری یت لکشمی نارائن جی۔ منیجر لکشمی بک ڈپو امروہہ ضلع مراد آباد

آپ خود ساہتیہ کے ریمی اور یوگیہ لیکھک ہیں۔ جو پرشاک عیر مقدم آپ نے اس کتاب کا کیا ہے وہ آپ کے کثیر التعداد خطوط اور اشاعت کے متعلقہ تعاون سے میرے دل پر نقش ہے۔ دوسری جلد کی دیری نے آپ کے دل کو عرصہ دراز کے شبانہ روز انتظار کا جو کشٹ دیا ہے۔ وہ بھی آپ کے اگادھ پریم کا ہی ثبوت ہے۔)

شریمان پنڈت جی نمستے۔ جلد اول مل گئی۔ وید اور قرآن واقعی ایک لا جواب پستک ہے۔ یہ دو ظلمات کے درمیان ایک سورج ہے۔ پوربی اور مغربی ممالک کے ہزاروں برس پہلے کے فراموش علم بر موقوف عقائد کو بدلائل متواتر روشناس کرا کر اتحاد و اتفاق کا دم کم بڑھا ہے جس کی اچھا بیسویں صدی کے مہارشی سوامی دیانند کو تھی۔ اور پنڈت لیکھرام بھی جس کے لئے جیون کی بھینٹ دے گیا۔ بادلیل

معلومات کا خزانہ اتفاق و اتحاد و احاطۂ تحریر میں لا کر مغرب میں آفتاب دکھایا ہے۔ زبان قلم لکھنے سے قاصر ہے ؎

باہر بیان سے ہے باہر بیان جس کا

جناب کی کشافانہ قابلیت کی جس قدر داد بھی دیجائے کم ہے۔ کیونکہ تیرہ سو برس کے رسول اللہ کی زبان مبارک سے فرمائی ہوئی اس حدیث کو جامۂ دلائل پہنا کر سچ کر دکھایا ہے۔ "وقت آئیگا کہ قرآنی مطالب کو آسان کیا جائیگا"۔ جب اس کا مقابلہ موجودہ صدی میں جہان رشی دیانند کے اس قول مبارک سے کرتے ہیں "مختلف عقائد کی تنقید سے میرا مدعا مخلوق خدا کو امور حقہ کی طرف لے جانا ہے" تو ہم نے گویا تسبیح خدا کے بہت سے دانوں میں سے دو دانوں کے پرکھنے میں بھول نہیں کی ہے۔ بہت اہم کام کیا ہے۔

کتاب کے تکمیل تیج پر لکھے ہوئے آپ کے سمرن سے اتفاق کرتے ہوئے پرارتھنا کرتا ہوں کہ پرماتما وہ دن جلد لائیں کہ ہم سب اس خوش آیند درخت کو بار ور دیکھیں۔ نیز ہمیشہ ہمیشہ آپ کی زندہ تحریر و تقریر سے مستفیض ہوں۔ جملہ لائبریریوں، درباعلم و با انتظا عق بھائیوں کے لئے بھی استدعا کرتا ہوں کہ کتاب ہذا کی اشاعت میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔

آخر میں مشورہ دونگا کہ ہندوستانی بولی کے مختلف رسم الخط کے علاوہ عربی زبان میں بھی شائع کیجائے تو سنسار کا بڑا اپکار ہوگا۔

اخبار پرکاش لاہور

دید اور قرآن (اردو) لیکھک ماسٹر لکشمن جی آریوپدیشک۔ سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ پہلا حصہ ۱۸۰ صفحات۔ دوسرا حصہ ۲۰۲ صفحات۔ کتابت و طباعت اچھی۔ کاغذ عمدہ قیمت ڈیڑھ روپیہ فی حصہ۔ دونوں حصوں کی قیمت تین روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ ویدک پستکالیہ برلا لائنز آریہ سماج دہلی

ویسے تو ماسٹر لکشمن جی کی تمام تصانیف جو اس وقت تک ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ ایک سے ایک بڑھکر ہیں۔ لیکن جو محنت اور تحقیق اس نادر تصنیف کی تیاری میں کی گئی ہے۔ وہ شاید ہی کسی آریہ مصنف نے آج تک کی ہو۔ ماسٹر جی نے وید اور قرآن کی تعلیم کی مطابقت ثابت کرنے کے لئے جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی یہ دو جلدیں ہیں۔ ۰ جلدیں ابھی اور شائع ہوں گی۔ ماسٹر جی نے اپنی اس تصنیف میں ثابت کیا ہے کہ قرآن میں وید کی شکشائیں ملتی ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انہوں نے وید کے منتر اور قرآن کی آیتیں جن کا مطلب ایک ہی ہے۔ پیش کی ہیں۔ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی شاندار عمارت کا یہ بنیادی پتھر ماسٹر جی نے رکھ دیا ہے۔ مسلم علماء اور ہندو ودوانوں کو اس تصنیف سے لابھ اٹھانا اور ہندو مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنا چاہئے۔ ہندو مسلم اتحاد کے خواہشمند اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ حکومت پنجاب کو چاہیئے کہ لائق مصنف کو اس قابل قدر کارنامہ کے لئے انعام دے۔ اور اس طرح اس کی قدر و عزت افزائی کرے۔

شری بیت بہاری لال جی گورنمنٹ پنشنر رام تال آشرم مہرولی

میں نے شریمان ماسٹر لکشمن جی کی تصنیف و تالیف کردہ پستک وید اور قرآن کو پڑھا ہے۔ آپ نے وید اور قرآن سے اور دیگر حوالجات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کی تعلیم عین ویدک تعلیم کے مطابق ہے۔ دونوں تعلیموں میں کچھ فرق نہیں۔ سوائے اس کے کہ وید کی تعلیم سنسکرت میں دی گئی ہے اور قرآن کی تعلیم عربی زبان میں جیسا کہ مقامی لحاظ سے ہونا ضروری تھا۔ نیز ثابت کیا ہے کہ جو بیہودہ اور جہالت کی باتیں قرآن سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ تفسیر کرنے والوں کی غلط فہمی اور نفس مضمون کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں کتاب کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتوں کو کھینچ تان کر بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سوامی دیانند جی کے ویدوں کے ترجمہ کے وقت معلوم ہوتا تھا۔ جبکہ انہوں نے گومیدھ کے معنی گائے کی قربانی کی جگہ من کی قربانی لگائے تھے۔ ماسٹر جی کی یہ کوشش نہایت مبارک اور ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے والی ہے۔ وقت آئیگا کہ ماسٹر جی کی یہ محنت اپنا پھل لائے گی۔ گو شروع میں دونوں طرف سے اس کی مخالفت ہوگی۔ جن خود غرض لوگوں نے فرقہ پرستی اور مذہب کو ہتھیار بنا رکھا ہے اور مذہب کے پردے میں جہالت اور نفرت کی اشاعت کر رہے ہیں۔ اور اس طرح لوگوں کو بہکا کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ وہ بھلا صداقت کو کب مانیں گے وہ تو طرح طرح کے معجزے بیان کر کے اپنا الو سیدھا کرینگے۔ نیز جو لوگ ان جہالت کی باتوں کو سنکر نفرت پھیلانا اور ان کا کھنڈن کرنا ہی اپنا عقیدہ

بنا رہے ہیں۔ وہ بھی اس کی مخالفت کرینگے۔ کیونکہ اُن کی تمام سابقہ کوششیں بیکار جائینگی۔ لیکن صداقت صداقت ہے اور وہ ظاہر ہوکر رہیگی۔ اگر تمام لوگ ان جہالت سے بھرے خیالات کو تسلیم کرلیں اور صداقت و ایمان کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں جسکی اشاعت کرنا اور جس کے لئے طرح طرح کی مصیبت جھیلنا پیشوایانِ دین کا منشاء تھا۔ تو ملک سے فرقہ پرستی آج دُور ہوجائے۔ عالم مسلمان اور خاص کر وہ مسلمان جو قرآن کے بعض تراجم پڑھکر شرمندہ ہوتے تھے۔ وہ اس نئی تفسیر کو پڑھکر نہایت خوش ہونگے اور مذہبی دُنیا کے سامنے سر بلند کر سکینگے۔ میں سمجھتا ہوں علماء کے اندر اس کتاب کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور اس کے حق میں و بر خلاف دلائل پیش ہوں تاکہ بحث مباحثہ کے بعد صداقت ظاہر ہوجائے۔ ماسٹر جی کا بھی فرض ہے کہ جگہ جگہ گھوم کر ان خیالات کی اشاعت کریں۔ اور اعتراضات سُن کر اُن کے جوابات دیں۔ غور کی نظر سے دیکھا جائے کہ ویدک دھرم اور اسلام کے بنیادی اصول ایک ہیں۔ اگر فرق ہے تو فروعات میں! یہ فرق مقام۔ وقت اور شخصیت کے لحاظ سے ہمیشہ رہا ہے اور رہیگا اور رہنا بھی چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ماسٹر جی کو اپنے مقدس لعنیک مشن میں کامیابی نصیب ہو۔ اور دُنیا سے جہالت و تفریق دور ہوکر بھائی بھائی پھر مل جائیں۔ اور لوگ فرقہ پرستی کا جامہ اُتار کر انسانیت کا جامہ پہن لیں۔ فرقہ پرستی کے جامہ کے اندر اپنے مذہب اور دھرم کو بدنام کرکے اس کی توہین کرنا بند کردیں۔ حالی کے لفظوں میں سچے انسان بن جائیں ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا ÷ مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

مہتہ سیتا رام جی دت کویراج آدتیہ رسائن انار کلی لاہور

شریمان جی نمستے! میں نے آپ کی پُستک کا مطالعہ کیا ہے اور اسے بہت پسند کیا ہے۔ اس کی دوسری کاپیاں بہت اچھے ہاتھوں میں دی ہیں۔

(مہتہ جی اپنی دھن کے لحاظ سے آپ ہی اپنی نظیر ہیں۔ وید اور قرآن کا سندیش اپنے بڑے چھوٹے جانکاروں تک پہنچانے اور میری صحت کی طرف آپ نے دلی توجہ دی ہے۔)

جناب ظہیر صاحب سفیر اللہ دار الفلاح قرول باغ دہلی

(آپ اپنے تبئیں بہ طور نبی قائم کرنے کی قابل اعتراض کوشش کر رہے ہیں اور آپ کے جذبات نبوت نے ہی مجھے آپ کا رُوحانی فرزند بنایا ہے۔ تاہم ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ مطالعہ غور و فکر اور تحریری کام کی طرف لگن رکھتے ہیں)

پیارے لکشمن! دعائے فوز و فلاح کے بعد معلوم ہو کہ کل میں ایک آریہ دوست سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ انہوں نے رخصتی کے وقت بہ اصرار مجھے آپ کی ایک تصنیف (وید و قرآن) مطالعہ کرنے کے لئے دی تھی۔ چونکہ میں آج کل ایک اہم مضمون لکھنے میں مصروف ہوں۔ اسلئے ان کے اصرار سے میں نے قبول تو کرلیا تھا۔ مگر خیال یہ تھا کہ کبھی فرصت میں دیکھونگا۔ چنانچہ اپنے مقام پر آکر میں اس مضمون کی تکمیل میں مصروف ہوگیا۔ جب طبیعت میں اُلجھن اور انتشار پیدا ہوا تو آپ کی تصنیف قریب تھی۔ اُس کا دیباچہ دیکھنے لگا۔ اس نے اس قدر اپنی طرف متوجہ کیا کہ اس کو ختم کرا کر چھوڑا۔

دیباچہ پڑھنے کے بعد میں یہ خط لکھنے اور آپ کو اپنا روحانی فرزند تصوّر کرنے پر مجبور ہوا اور اپنے روحانی فرزند سے ملنے کا وہی جذبہ۔ بے اختیار۔ پیدا ہوا جسکا ذکر آپ کے دیباچہ ۳۲ میں موجود ہے۔

دیباچہ کی تعریف و توصیف کو ملاقات پر موقوف رکھتے ہوئے شوق وصال کی خواہش دامنگیر ہے۔ جو آپ کے اختیار میں ہے۔ براہِ کرم اپنا پورا پتہ تحریر کرکے یا تو مجھے بلائیے۔ یا ذیل کے پتہ پر مجھ سے ملنے کا شرف بخشئے۔ کیا اس کی توقع رکھوں۔ میرا تعارف منسلکہ خطبہ کرائیگا۔

پتہ

دار الفلاح، قرولباغ، نائی واڑہ گلی ۱

مشتاق دید

سفیر اللہ

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

آپ آریہ سماج اور اسلامی حلقے میں ایک مشہور اور تجربہ کار مناظر مانے گئے ہیں۔ آپ نے اپنے اہلحدیث میں ہمارے اتحادی مضمونوں کو مبارک فال بتایا اور خواہش ظاہر کی یا آشیرباد دی کہ ہمارے ذریعہ سے دونوں جماعتوں کا پرانا جھگڑا ختم ہو۔ اور آپکو یہ شعر کہنے کا موقعہ ملے ؎

جنگ کردی آشتی کن زانکہ نزد عاقلاں　　　این مثل مشہور اول جنگ آخر آشتی

کتاب کے متعلق آپ نے لکھا "آپ نے بڑی محنت کی ہے۔ اخبار اہلحدیث میں کچھ لکھا گیا تو پرچہ بھیجدونگا۔ اُمید ہے آپ ہمیشہ ملاپ جاری رکھیں گے۔

آپ کا باوفا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

پروفیسر مظفر حسین صاحب ناظر جرنلسٹ ایجوکیشنل اینڈ جنرل آتھر۔ ڈرامیٹسٹ اینڈ سکرین سٹوری رائٹر پوئٹری کالج لاہور چوک انارکلی

میں نے کتاب "وید اور قرآن" کا مطالعہ خاص شوق اور دلچسپی سے کیا۔ مہاشہ لکشمن جی نے سخت مشقت اور خاص قابلیت صرف فرمائی ہے اور آپ دمینجر ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنس دہلی) بھی اس کی اشاعت کے سلسلے میں مستحق مبارکباد ہیں۔

میں جلد اول کا مطالعہ کرسکا ہوں۔ اس سے علمیت اور تحقیق حق کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں غلامی اور دماغی غلامی کا دور دورہ ہے۔ جنکی خاطر سے زحمت گوارا کی گئی ہے۔ انکا فی الحال اسے قبول کرنا ذرا دشوار ہی نظر آتا ہے۔ بہرحال ایک فرض ادا کیا گیا ہے۔ جو ضروری تھا۔

شری لالہ مولراج جی بی۔ اے۔ ایڈووکیٹ گجرات

میں نے آپکی پستک "وید اور قرآن" کا مطالعہ کیا ہے۔ تھوڑی سی باقی ہے۔ واقعی آپ نے بڑی محنت گہری study اور اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ آپ نے خداداد استعداد کا اظہار کیا۔ نہایت خوبصورتی اور علمی قابلیت سے آپ نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اور انکو ویدک منتروں سے اخذ کردہ ظاہر کیا ہے۔ ویدک شبدوں کے ارتھوں کو سامنے رکھکر جابجا قرآنی مفسروں کی غلط تعبیر کو ثابت از بام کیا ہے۔ اور بیّن طور پر ثابت کیا ہے کہ قرآن ویدک منتروں کا بعض جگہ بلکہ اکثر جگہ لفظی ترجمہ ہے۔ اور سارے قرآن میں moder extract ویدک سدھانتوں کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپکی کتاب مقبول عام ہو۔ اگر آپ بذریعہ رسالوں کے نکالتے تو شاید جلد بکری ہوتی۔ بعض جگہ آپ نے قرآنی آیات کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے اور محمدؐ صاحب کی اتنی تعریف کی ہے جتنی آجتک کسی لیکھک آریہ پرچارک نے نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کٹر آریہ اسکو پسند نہیں کرتے۔ اگلی جلدوں میں اس امر کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ ہمیں حتی الوسع کتاب کی اشاعت کرنا رہیگا۔ عقلمند اور وچاروان آریہ تو آپ کی لیاقت کا لوہا مانیں گے۔ اور داد دینگے۔ میں نہایت خوش ہوں کہ آپ نے ویدک دھرم کی اور ویدوں کی برتری نہایت خوبی سے قائم کی ہے۔ وید ہی اصلی الہام ہے اور الہام ہوسکتا ہے۔ ام الکتاب کتاب مبین۔ اور لوح محفوظ وید ہی ہیں ابراہیم پیغمبر کا وقت ابراہیم ویدک دھرم ہے اور ویدوں کا انوواد پیغمبر کے سرہانے رہتا تھا۔

شری ماسٹر تہتن لال جی مصنف سندھیا پردیپکا۔ ہون یگیہ پردیپکا وغیرہ منتری آریہ سماج جگادھری (انبالہ)

شریان ماسٹر جی نمستے۔ مہتہ جیمنی جی دوارا آپ کی ارسال کردہ وید و قرآن کی دو جلدیں موصول ہوئیں۔ میں اس کتاب کا اتنا شتاق تھا کہ رات کو بھی بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ حقیقت میں آپ نے یہ کتاب بڑی محنت سے تیار کی ہے۔ اور مجھے آپ کی قابلیت کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ آپ نے ایک بالکل نیا خیال دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مگر افسوس ہندوستان میں قدر نہیں ہے۔ آپ کی ریسرچ ایک بے نظیر ریسرچ ہے۔ چھپائی کی بڑی سُندر بنی ہے۔

دو قابل نوٹ باتیں

باہمی نکتہ چینی اور نقصوں کو دور کرنے کی خواہش علم حق کی اشاعت میں ازبس معاون ہے - اور مجھے توقع تھی کہ آریہ اور مسلم علماء اس کتاب کی مخصوص سپرٹ کے مطابق ہر ممکن کمی کو پورا کرنے میں مجھے امداد دیں گے لیکن اس وقت تک ترجمہ تفسیر یا تعلیم کے لحاظ سے کسی بھی غلطی یا نقص کی اطلاع نہیں ملی - اسلئے اپنی توجہ کو آئندہ کے لئے جاری رکھتا ہوا دو باتوں کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جو میرے نوٹس میں آئی ہیں - انہیں اعتراض کہنا تو صحیح نہیں لیکن پبلک کے اطمینان کے لئے ان کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے -

اول تذبیح بقر اور نفس کشی

سورۂ بقر کی جن آیات میں تذبیح بقر کا مضمون ہے - ان کے ترجمہ میں میں نے بقر کو گائے سے نہیں بدلا - اسکا ترجمہ نفس یا من کیا ہے - لیکن تفسیر میں ثابت کیا ہے کہ اس مضمون میں بقر لفظ سے من مراد ہے - سارے مضمون کو پڑھکر اور اسپر غور کرکے ہر بے تعصب شخص کو خوشی ہوتی ہے کہ اصل صداقت کے یہی درشن ہوئے اور باہمی جھگڑے اور نفاق کی جڑ ہی کٹ گئی - لیکن کئی سجنوں کا خیال ہے کہ یہ تحقیق ہونا چاہیئے کہ مسلم علماء نے اس سے پہلے کبھی یہی تاویل کی ہے یا نہیں؟ میں اس کو اعتراض اس لئے نہیں کہتا کہ میں قرآن مجید کے اس وقت تک کے پیش شدہ تمام تراجم و تفاسیر کو قرآن کے اصل مفہوم کا نمائندہ نہیں سمجھتا اور کسی بھی اختلاف کے متعلق ان کی سند پر فیصلہ کا انحصار نہیں رکھتا - اس لئے مجھپر نہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ مجھ سے مطالبہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی دوسرے ترجمہ کی شہادت دوں - کوئی عدالت کسی فریق سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ اپنے مخالف فریق کو اپنی گواہی میں پیش کرے - میرے بیان کی صداقت کی جانچ کے لئے گرامر لغات اور اس سے بھی زیادہ موقعہ محل اور سب سے زیادہ قرآن کی شہادت ہی کام دے سکتی ہے - تاہم مجھے یقین ہے کہ کسی کو اتنی دلچسپی نہیں کہ جو وسوسہ پیدا ہو - اسے خود حق و باطل کی تحقیقات سے دور کرے اور ساتھ ہی یہ کہ ایسے اہم امر متنازعہ میں دوسرے مسلم علماء کا میرے ساتھ اتفاق کرنا باہمی حسن عقیدت اور اتحاد کی ترقی میں مدد دے سکتا ہے - اسلئے اس خدمت کو بھی بخوشی سرانجام دیتا ہوں -

زندہ شہادت

تفسیر شیخ محی الدین صاحب ابن العربی جلد اول مطبوعہ مصر میمنیہ سنہ ۱۳۱۷ھ صفحہ ۲۱ و ۲۲ پر تذبیح بقر کے متعلقہ آیات کی عربی میں نہایت عالمانہ تفسیر کی گئی ہے - جس کا آغاز اس طرح ہوا ہے -

(واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ) ھی نفس الحیوانیۃ و ذبحھا قمع ھواھا الذی ھو حیاتھا و منعھا عن افعالھا الخاصۃ بھا بشفرۃ سکین الریاضۃ (ترجمہ) بقر مراد نفس حیوانی سے ہے اور اسکا ذبح کرنا اشارہ ہے - اسکی خواہشات کا قلع قمع کرنے کی طرف - جو اسکی زندگی ہے نیز اسکی خاصیت سے ہونے والے فعلوں کی مناہی کی طرف - ان خواہشات اور افعال کا قتل ریاضت (تپ) کی چھری و تلوار سے ہوتا ہے پس خاص فن دار شہادت ہماری تائید میں موجود ہے -

مشہور استعارہ اور اسکی تاویل

نہ صرف اوپر کی عبارت فاضل مفسر نے اگلی سب آیتوں کو نفس پر ہی چسپاں کیا اور اگلے رکوع کی پہلی آیت (اذ قتلتم ...) یعنی نفس کے قتل کرنے کو ہی تذبیح بقر کے حکم کا سبب قرار دیا ہے - اور جو حکایت واقعہ قتل کے متعلق ناقص صورت میں پیش کی جا رہی ہے اسے نہایت خوبصورت استعارے کی شکل میں پیش کیا ہے - اور کہا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار بوڑھا شیخ تھا اسکا ایک جوان بیٹا تھا - جسے اسکے دو یا زیادہ چچیرے بھائیوں نے قتل کر دیا - اور اسے راہ میں پھینکدیا - تحقیقات پر جب نہ پتہ تو تذبیح بقر کے حکم کی نوبت آئی اور اسے بعض کے ساتھ چھوا دیا گیا تو مردہ نے زندہ ہوکر قاتل کی خبر دی -

اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ قتل ہونے والا جوان دل ہے - عربی الفاظ یہ ہیں -

ھو القلب الذی ھو ابن روح الموسر باموال المعارف و الحکم و قتلہ منعہ عن حیاتہ الحقیقیۃ و لذات العشق الحقیقی الذی ھو حیاتہ بعینہ باستیلاء قوتی الشہوۃ و الغضب اللذین ھما ابناعمہ النفس الحیوانیۃ او جمیع قواھا علیہ اذ الروح و النفس اخوان باعتبار فیضانہما وولادتہما عن اب ھو عقل الفعال المسمی روح القدس ..... وغیرہ

یعنی بوڑھا مالدار رئیس روح ہے جو معرفت اور حکمت کا مال رکھتا ہے - اور اسکا بیٹا قلب ہے اور اسکا قتل کیا ہے اسے حقیقی زندگی اور حقیقی عشق کی لذتوں سے روکنا - یہ زندگی کام اور کرودھ (شہوت اور غضب یعنی نفس حیوانی) نام چچا کے دو بیٹوں پر غلبہ پانے سے حاصل ہوتی ہے یا کام کرودھ لوبھ موہ اہنکار نام ساری طاقتوں کے بیٹوں پر غلبہ پانے سے - روح اور نفس اپنے فیضان کے لحاظ سے دو بھائی ہیں - اور ان کی پیدائش روح القدس ایک باپ سے ہوتی ہے یعنی روح القدس کے بیٹے روح اور نفس ہیں - لہذا کام کرودھ وغیرہ روح کے بیٹے قلب کے چچیرے

بھاتی ہیں۔ جب کام کرودھ وغیرہ کے مغلوب ہونے کے بعد نفس رُوح کے ساتھ بستیا ہے۔ تب اس کے اندر گیان کا بطریق احسن پرکاش ہوتا ہے۔ جو اسکی حقیقی زندگی ہے۔

اس طرح کا استعارہ بقر کو گائے کے معنی میں نہ لینے سے تعلق رکھتا ہے اور آیات کے طرزِ بیان کا رجحان اس طرف ہے کہ بقر لفظ کو گائے کے معنے میں نہ لیکر قرآن میں بیان شدہ سب نفس پر چسپاں کئے جاویں۔ لیکن غلطی سے جو گائے کو بقر کی جگہ لکھکر سارے پتے اسپر چسپان کئے جاتے ہیں تو سے بھی اس تفسیر میں استعارہ کی شکل بدل کر واضح کیا گیا ہے۔

اس صورت میں کہا ہے کہ بوڑھے رئیس کے پاس قرآن میں مذکور صفات والی گائے تھی وہ اسے اپنی بڑھیا کے پاس لایا جس نے کہا یہ میرے بیٹے کے لئے ہے۔ وہ بڑا ہوکر اس سے فائدہ پائیگا۔ اسلئے اس نے اسے چراگاہ میں بھیجدیا۔ ادھر سے بنی اسرائیل میں ایک قتل ہوا۔ وہ چالیس سال تک ایسی صفات والی گائے ڈھونڈتے رہے۔ بڑھیا نے یہ واقعہ سُنا۔ اس نے اپنے بیٹے کو خبر کی جو اس کو چراگاہ سے لے آیا۔ اسکی خرید فروخت کی شرائط کے متعلق گفتگو ہوئی تو اتنا سونا مقرر ہوا جتنا اسکی کھال میں سماجائے وغیرہ۔

اسمیں بوڑھا رُوح ہے۔ بڑھیا انسان کی طبیعت ہے۔ چراگاہ دنیا کے وشے بھوگ ہیں قتل ہونیوالا من ہے کھال بھر سونے کا مفہوم اعلیٰ درجہ کے علوم کا نفس امارہ کے مر جانے کے بعد انسانی قالب میں ظہور ہوتا ہے۔ چالیس سال کی تلاش مراد ریاضت یا تپ سے ہے۔ اور خرید فروخت کی بات چیت سے مراد قوائے روحانی اور توہمات کا باہمی جھگڑا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

پس ہر لحاظ سے معنی خیز استعارہ ہی یہاں نفس کشی کی ہدایت دینے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

دوسری شہادت تحفۃ المؤمنین صفحہ ۱۹۵ پر اسکی تاویل کے دوران میں کہا ہے۔ التاویل بذبح البقرۃ اشارۃ الی ذبح النفس البہیمیۃ یعنی گائے کو ذبح کرنے کی تاویل یہ ہے کہ یہ اشارہ ہے حیوانی نفس کو مارنے کی طرف۔

ہی انہ بقرۃ نفس تظلم الذبح بسیف الصدق۔ یعنی بقر یہاں نفس ظالم ہے جسے سچائی کی تلوار سے ذبح کیا جاتا ہے۔ تحفۃ المؤمنین حکمت کی مشہور کتاب ہے۔ ایسے ہی اور کتب ہائے حکمت میں بیان ہے۔ اور قدیم تفسیروں میں بھی۔

سنسکرت کتب کی تقلید لیکن عربی زبان میں یا قرآن مجید میں یہ استعارہ کوئی نیا نہیں۔ سنسکرت میں گو من اور اندریوں کے معنے میں بھی آتا ہے۔ اور اسی کی تقلید عربی میں ہوئی ہے۔ ہٹ یوگ پردیپکا اپدیش ۳ شلوک ۴۷ و ۴۸ میں گو کو جوا یا زبان کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

गो मांसं भक्षयेन्नित्यं पिबेदमर वारुणीम । कुलीनं तमहं मन्ये चेतरे कुल घातका: ॥

गो मांस नोविलां जिह्वा तत्प्रवेशोहि तालुनि । गो मांसे भक्षणं तत्तु महापातक नाशनम् ।

پہلے شلوک میں کہا کہ جو روز گو مانس کھائے اور وارنی پیوے اسے ہی عالی نسب جانو۔ اس کے علاوہ سب کو کل گھاتک سمجھو۔ دوسرے میں کہا کہ یہاں گو سے زبان مراد ہے۔ اور اس کا تالو میں پرویش کرنا گو مانس کھانا ہے جو بڑے بڑے پاپوں کا ناش کرتا ہے۔ پس گو کا سنسکرت میں اور بقر کا عربی میں من وغیرہ کی جگہ آنا ایک ہی اصول پر مبنی ہے۔

دوم سارے قرآن کا وید کے مطابق ہونا

ایک خیال یہ پیش ہوتا ہے کہ قرآن میں کئی باتیں وید کے مطابق ہیں۔ تو بھی یہ کہنا صحیح نہیں کہ سارا قرآن وید کے مطابق ہے۔ لیکن یہ خیال قرآن مجید یا مجھ پر اعتراض نہیں مانا جاسکتا۔ اول اسلئے کہ جتنا حصہ میں پیش کر چکا ہوں اس میں سے کوئی بات وید کے خلاف پیش نہیں کی گئی اور غیر طبع شدہ کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ اسکے علاوہ یہ خیال بذات خود مطابقت لفظ کے مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ وید اور قرآن کی مطابقت کا مطلب محض اصولی تعلیم کی مطابقت کا ہی ہوسکتا ہے۔ وید میں دیا کھیان یا تفصیل یا فروعی تعلیم نہ ہے نہ ہونی چاہئے پس سارے قرآن میں اصولی طور پر کوئی امر خلاف وید نہ ہو تو سارا قرآن وید کے مطابق ہوگا۔ اس اصول اور فروع کی تمیز نہ کرنے سے سارے مقامی اور زمانی جھگڑے دہارمک سبھاؤں کے گلے کا ہار بنتے اور انہیں فرقہ در فرقہ کئے جاتے ہیں۔ قرآن نے خود سورۃ آل عمران آیت ۶ میں واضح کردیا ہے کہ عالمگیر تعلیم یا مستقل اصولوں والی آیتیں قرآن میں ام الکتاب یعنی مول سکشا بھگ ہیں۔ اور ان کے علاوہ متشابہ یعنی فروعی یا تفصیل

والی آیتیں۔ یہ بلکہ فروجات کی بحث میں پڑنے سے اس خیال کیساتھ پورا کیا ہے کہ جن کے دلوں میں جہالت ہے وہ فروعی امور کی مختلف تاویلات سے فتنہ یا جھوٹ پڑا رہے ہیں ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ تجربہ کار اور پختہ علم والے لوگ ہر قدیمی بیان سے جو اصولی تعلیم یا نصیحت مقصود ہے اسے ہی قبول کرتے ہیں پس اگر کوئی بھائی قرآن کی متشابہ آیات کو وید کے غیر مطابق کہے تو وہ خود غلطی پر ہے اسلئے کہ وید میں متشابہ کے نہ مطابق بیان ہے نہ غیر مطابق۔ جب ہم خود ایسے درشٹانت سنتے اور سناتے ہیں جنمیں صریحاً غیر ممکن بیان ہے۔ اور ان سے محض اصولی مفہوم کیطرف اشارہ پاکر اطمینان پاجاتے ہیں تو کیوں ہمیں سچے آرتھ کے تقاضے سے قرآن کی متشابہ آیتوں سے اس نصیحت کو قبول کرنے پر قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ جو ان کا اصل مقصود ہے۔ مثلاً ایک درشٹانت ہے کہ گیدڑ اور گیدڑی جنگل میں تھے۔ گیدڑی نے کہا پیاس لگی ہے کیا نزدیک پانی ہے۔ کہا ایک میل پر تالاب ہے۔ پر وہاں شیر رہتا ہے۔ (گیدڑی) شیر تو مار دیگا میں وہاں نہیں جاتی۔ (گیدڑ) میرے پاس سو عقل ہیں اگر تجھ میں بھی کچھ عقلیں ہوں تو شیر سے ضرور بچ آئیں گے۔ (گیدڑی) میرے پاس تو بس ایک ہی عقل ہے۔ (گیدڑ) بس تو ڈر ہی کیا ہے۔ ایک سو ایک عقل کیا تھوڑی ہے۔

دونوں چلدئے کچھ دور ہی گئے تھے کہ گیدڑ بولا مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے پچاس عقلیں نمار د ہوگئی ہیں۔ کچھ اور آگے گئے تو کہا اب تو ۲۰ ہی رہ گئیں ہیں اور تالاب پر پہونچے تو کہا اب تو کوئی بھی عقل نہیں رہی تو مجھے اپنی ایک عقل سے بچالے چل۔ (گیدڑی) اچھی بات۔ پانی پی لیں ابھی لے چلتی ہوں سو دونوں نے پانی پیا۔ ادہر سے شیر آگیا۔ اور دھمکانے لگا تمنے بنا اجازت کے پانی کیسے پیا اور یہاں آئے کیوں ؟ (گیدڑی) جیٹھ جی مہاراج! آپ ہمارے جنگل کے بادشاہ ہیں میں آپ کے دربار میں درخواست لائی تھی۔ اور پانی سے پیاس بجھا کر بس آپکی خدمت میں حاضر ہونے کو ہی تھی۔ (شیر) کیا درخواست لائی ہو۔ (گیدڑی) جیٹھ جی۔ یہ میرا پتی ہے پر اب مجھے علیحدہ کرنا چاہتا ہے ہمارے چار بیٹے ہیں۔ بڑے موٹے تازے۔ میں نے انہیں بڑے کشٹ اٹھا کر پالا۔ اور تیار کیا ہے پر یہ ظالم مجھے ایک ہی بچہ دیتا ہے اور تین آپ رکھتا ہے سو آپ انصاف کر دیجئے۔ شیر نے سوچا۔ ان دو کو ہی کیوں چاروں کو ہی کھاؤں تو کام بنے۔ (شیر) تم کہاں رہتے ہو۔ (گیدڑی) یہاں سے ایک میل پر (شیر) اچھا چلو موقعہ پر ہی تمہارا فیصلہ کریں گے۔ اس جگہ پہنچکر گیدڑی نے کہا۔ لاؤ بچوں کو حضور کے سامنے پیش کرو۔ اور اشارہ سے سمجھا دیا کہ نیچے ہی بیٹھے رہنا۔ سوراخ میں کے اندر کے گہرے دراڑ کے اندر گیدڑ محفوظ بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد شیر بولا دیر کیوں کر رہا ہے (گیدڑی) حضور یہی تو اسکی خرابی ہے۔ جس سے میں تنگ آکر آپ کے پاس پہنچی۔ مجھے حکم ہو تو اسے پکڑ کر لاؤں۔ شیر نے کہا جلدی لاؤ۔ اب گیدڑی بھی سوراخ میں داخل ہوگئی اور آدھ گھنٹہ بعد گیدڑ سے بولی۔ جاؤ دیکھو شیر کھڑا ہے یا گیا۔ گیدڑ نے کہا مجھے تو ڈر لگتا ہے سو گیدڑی آئی اور سوراخ سے سر نکال کر شیر سے بولی۔ جیٹھ جی آپ تشریف لیجائیے۔ آپکی عنایت سے ہمارا فیصلہ ہوگیا ہے۔ ہمنے دو دو بچے بانٹ لئے ہیں۔"

جہاں تک اس حکایت کے الفاظ کا تعلق ہے۔ یہ بالکل من گھڑت اور جھوٹ ہے۔ نہ شیر اور گیدڑ و گیدڑی انسانی بولی بول سکتے ہیں نہ کسی اور قسم کے اشاروں سے ایک دوسرے سے ایسی گفتگو کرسکتے تھے کہ وہ من میں بھی ایسے وچار نہیں لاسکتے۔ مگر لیکچرار کہتے ہیں کہ اس درشٹانت سے ہمارا مقصود یہ سمجھانا ہے کہ گیدڑ کی سو عقل کی طرح لوگوں کی بے شمار چالاکی اور چترائی کی باتیں نکمی اور گیدڑی کی ایک عقل یعنی عقل سلیم اچھی۔ اس سے بڑھکر دنیا میں انسان کی مشکلوں کو دور کرکے اُسے کامیابی دینے والا ذریعہ کوئی نہیں۔

اب اس اصول کے لحاظ سے یہ سارا بیان معقول پند عالموں کی تعلیم کے مطابق بن جاتا ہے۔

نہ صرف ناممکن باتوں والا بیان تاریخی واقعات بھی ہزارہا ویدک تعلیم کے خلاف سنسکار ڈالتے ہیں۔ مہرشی دیانند کے حقہ یا بھنگ پینے کا ذکر سب کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ لیکن جب ساتھ ہی یہ ذکر آجاتا ہے کہ سوامی جی نے ان بری عادتوں کو بڑی مردانگی سے ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا تو اثر سدھار کا پڑتا اور وہی واقعہ مخالفت کی بجائے مطابقت کا مضمون بن جاتا ہے۔

یہی حال قرآن مجید کی متشابہ آیات کا ہے۔ کہیں گذشتہ قابل اعتراض واقعہ کا آئندہ کی ممانعت کے لئے کھلے الفاظ میں ذکر آتا ہے تو معترض اپنے تعصب یا مخالفانہ رائے کے زیر اثر کل مضمون کی سلاست کو سمجھنے کا یتن نہیں کرتے یا کر نہیں سکتے اور اس واقعہ کی بناء پر الزام لگانے لگ جاتے ہیں اور پھر اور غلطی یہ کرتے ہیں کہ تیرہ چودہ صدی پہلے کے عرب جیسے غیر ملک کے گرے ہوئے زمانہ کے واقعات کو یا تو آغاز عالم کے آدرش یا موجودہ زمانہ کے بھارت ورش کے دیانند جیسے ریفارمر کے ترازو پر تولنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ کے اصل موقعہ اور زمانہ وغیرہ کے حالات کے دائرے کے اندر ہی مقدمہ کی مسل محدود رہ سکتی ہے۔ اس نکتہ کو مدنظر رکھنے سے فروعی جھگڑا ہی ہو نہیں سکتا۔ اور اصولی مطابقت وید اور قرآن کی امر مسلمہ ہے۔ پس سارے قرآن کو وید کے مطابق ماننے کے خلاف اعتراض مقصود ہے۔

دسواں باب - ورن ویوستھا

۱- ویاوہارک ورن

وید میں چار ورنوں کا ودھان ہے۔ اول برہمن جس کا کام دہرم اور ودیا کی اشاعت کرنا ہے۔ دوسرے کھشتری جن کے ذمہ حفاظت وغیرہ کا کام ہے۔ تیسرے ویش یعنی تجارت اور کھیتی والے اور چوتھے شودر جو خدمتگار ہیں۔ یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۱ میں برہمن کو مکھ سے کھشتری کو بھجا سے۔ ویش کو ارو سے اور شودر کو پاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (۱) اور اس استعارے سے ان چاروں ورنوں کی صفات اور افعال نہایت عالمانہ طور پر واضح کر دیئے ہیں۔ اور بھی انیک منتروں میں اس تقسیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور منو وغیرہ میں ورنوں کی صفات وغیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور گو اس اصول کی لطافت کا احساس آج کل بہت کم علما کو ہے۔ تاہم غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل ملکوں اور قوموں میں عملی طور پر اس کی صداقت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ پادری۔ واعظ۔ بھکشو۔ مبلغ وغیرہ نام برہمن ورن کا کام کرنے والے کے ہیں۔ پادشاہ۔ راجا ملٹری۔ فوجی وغیرہ الفاظ کھشاتر دہرم کے نمائندہ ہیں۔ تجار۔ کاشتکار۔ ٹریڈر۔ ایگری کلچرل وغیرہ ویش ورن کا پتہ دیتے ہیں۔ اور مینیل۔ کمین۔ غلام۔ خدمتگار وغیرہ شودروں کے نام ہیں۔

۲- قرآن کی تقسیم

قرآن میں اس تقسیم کو خدا کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۶۸ تا ۱۶۹ میں ہے

ہم نے ان کو دنیا میں الگ الگ گروہوں (ورنوں) میں تقسیم کیا۔ ان میں صالح (برہمن) ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور ورن (غیر برہمن) ہم نے سکھ دکھ دونوں طرح سے ان کو آزمایا۔ کہ یہ دہرم یا پہلی حالت کی طرف رجوع رہیں۔ مگر ان کے ایسے ناخلف جانشین ہوئے۔ کہ کتاب الٰہی کے مالک ہی بن بیٹھے۔ اور لگے دنیوی مال بٹورنے اور یہ کہنے کہ ہمیں سب کچھ معاف ہے۔ لہذا کچھ بھی دنیوی شے ملی ہضم۔ کیا ان کو کتاب الٰہی والے عہد کا خیال نہیں۔ کہ ہم حق بات کے سوائے خدا سے کوئی بات منسوب نہ کریں گے۔ اور الہامی کتاب کے علم پڑھتے پڑھاتے رہیں گے اور کیا یہ اتنی بھی عقل نہیں رکھتے۔ کہ متقی لوگوں کے لئے پرلوک یا دار الآخرت ہی بہتر ہے -۲-

---

۱- ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद् बाहू राजन्यः कृतः ।
ऊरू तदस्य यद्वैश्यः पद्भ्यां शूद्रो अजायत ॥ ११ ॥

۲- وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

ان آیتوں سے حسب ذیل امور عیاں ہیں۔

اول۔ خدا کا حکم ہے۔ کہ انسانی جماعت میں ورن یا قابلیت کے مطابق کام کی تقسیم ہو

دوم۔ اس تقسیم میں ایک ورن کو صالح یا برہمن کہتے ہیں۔ اور دیگر ورن بھی ہیں۔ جو غیر یا نان برہمن حصے میں شامل ہیں۔

سوم۔ خدا کی طرف سے نیکی کے بدلے میں جو سکھ ملتا ہے۔ اس سے انسانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اور وہ زیادہ مستعدی سے دھرم کے راہ پر چلتے ہیں۔ اور بدی کرنے میں جو دکھ ملتا ہے۔ اس سے برائی سے بچ کر بھلائی کی طرف آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ سو دونوں طرح کا مدعا یہی ہے۔ کہ دھرم کی طرف رجحان رہے۔ اور صالح لوگوں پر بھی دونوں طریقوں کا استعمال ہوتا رہا اور ہوتا ہے۔

چہارم۔ باوجود اس کے صالح یا برہمن لوگ گرتے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی اولاد ایسی ناخلف ہوئی۔ کہ روحانیت یا علمی کمالات سے غافل ہو کر ہیچ اور عارضی دنیوی اغراض کی دلدادہ ہو گئی۔ اور جس بھی طرح سے ہو سکا۔ من گھڑت باتوں سے لوگوں سے ٹکے بٹورنے لگی

پنجم۔ اگر ان کو کوئی خیال بھی دلاتا۔ کہ ایسے عمل کیوں کرتے ہیں تو وہ کہتے ہم برہمن ہیں۔ ہمارے لئے سب کچھ معاف ہے۔ بقول سامرتھ کو نہیں دوش گوسائیں۔ اس طرح کی باتوں سے یہ خوب مال مارتے رہے۔

ششم۔ دھرم کے مطابق برہمنوں کا فرض یہ ہے۔ کہ وہ کتاب الٰہی یعنی وید والے اس عہد کو پورا کریں۔ کہ سوائے سچائی کے جو ایشور کی طرف سے ہے۔ اس کے نام سے کبھی کوئی بات نہ سنائیں۔ اور اسے پڑھتے پڑھاتے رہیں۔

ہفتم۔ ان کے اس اعلیٰ کام کا معاوضہ کیا ہے۔ اس کے لئے یہ واضح کیا ہے۔ کہ وہ دنیوی فواید کو ہیچ سمجھیں۔ بے غرض دل سے خدمت کریں۔ تو ان کو پرلوک یا عاقبت کی کامیابی نصیب ہوگی۔ مگر

ہشتم۔ انہوں نے اوروں کے کتاب الٰہی کے پڑھنے کا حق ہی غصب کر لیا۔ اگر ان آیات پر غور کیا جاوے۔ تو صاف واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ سوامی دیانند اور آریہ سماج کی پوزیشن تھی۔ وہی پوزیشن آنحضرت کی تھی۔ اور جو کچھ آریہ سماج نے تجربہ حاصل یا محسوس کیا۔ وہی کچھ آنحضرت نے محسوس کیا۔ اور جو کچھ ہم نے بھارت ورش میں سمجھایا۔ وہی آنحضرت اور ان کے پیرووں نے عرب والوں کو سمجھایا۔

۱۳- برہمن ورن کی مہما

سورہ آل عمران آیت ۹۵-۹۶-

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط

تحقیق انسانوں کے لئے سب سے مقدم حصہ یا درجہ وضع ہوا۔ وہ اس کی طرح ہے۔ جو گردن میں دکھ والا حصہ ہے بڑی فضیلت والا جہانوں کے لئے موجب ہدایت۔ ۹۵۔ اس میں علمی آیتیں یعنی ابراہیم والا مقام ہے۔ جو اس میں داخل ہوا۔ نشانتی یا امن پا گیا۔ اور رحمت الوہیہ اس درجہ تک پہنچنے کا قصد کرنا اللہ واسطے کا فرض ہے۔ ۹۶۔

ان آیات میں وید کے دو واکیوں کی مہما کھیا ہے۔ ایک تو اس دو گیہ کی کہ

ब्रह्मा देवानो प्रथमो बभूव

عالموں میں سب سے اوّل برہما ہے۔ باب سوم میں ہم واضح کر آئے ہیں۔ کہ ابراہیم لفظ کا اصل مقصود برہما ہے۔ اور ویدک دھرمی لوگ چاروں ویدوں کے عالم کو برہما کہتے ہیں۔ اور یہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ جو انسان کو مل سکتا ہے۔ سو سب سے

مقدم درجہ کو ہی بابرکت موجب یا ذریعہ ہدایت اور علمی آیات کی وجہ سے مقام ابراہیم کہا ہے۔ اور کل انسانوں کو ترغیب و تحریص دی گئی ہے۔ کہ استطاعت حاصل کرو۔ کہ اس پدوی تک پہنچو۔

دوسرا واکیہ جس کی ان آیتوں میں دیا کھیا کی ہے۔ یہ ہے

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीत

یعنی برہمن وراٹ پرش میں مکھ ہے۔ یا یہ کہ جیسے انسانی جسم میں سر والا حصہ سب سے اوپر اور خوبیوں کا مجسمہ ہے۔ ویسا ہی کل انسانی جماعت یا کائنات میں برہمن قابل اور قابل تعظیم ہے۔

الغرض ہوبہو وید والی جہاں ہی برہما اور برہمن کی قرآن میں مذکور ہے۔

۴۔ رفع اختلاف

آیات محولہ بالا کا ترجمہ دیگر مفسر صاحبان نے اور ہی طرح کیا ہے۔ مثلاً ایک ترجمہ یہ ہے یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ مکان ہے۔ جو کہ مکہ میں ہے۔ جس کی حالت یہ ہے۔ کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔ اور جو شخص اس میں داخل ہووے۔ امن والا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔ دوسرا نمونہ یہ ہے۔ لوگوں کے واسطے جو پہلا گھر بنایا گیا۔ وہ مکہ میں ہے۔ مبارک ہے۔ اور جہانوں کے واسطے موجب ہدایت ہے۔ اس میں آیات بینات ہیں مقام ابراہیم ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوا امن میں آگیا۔ اور اللہ کے واسطے ان لوگوں پر جو اس گھر تک جانے آنے تک کی طاقت رکھتے ہوں۔ حج فرض ہے۔ وغیرہ۔ مفسرین کے باہم کم و بیش فرق اردو الفاظ اور نیز اصل مفہوم کے متعلق تو عام طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے جو ترجمہ کیا ہے۔ وہ سب سے مختلف ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ یہی صحیح اور واحد اصل مفہوم ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل وجوہات ہیں۔

اوّل۔ اوّل بیت سے مراد یہاں اینٹ مٹی وغیرہ کا بنا ہوا مکان مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مکہ والا خانہ کعبہ انسانوں کے لئے سب سے پہلا گھر بنا ہو۔ یہ کوئی شخص دعوے یا قبول نہیں کر سکتا۔ خانہ کعبہ تو کہاں مکہ شہر سب سے پہلا شہر نہیں۔ اور عرب پہلا ملک نہیں۔ اور خود مکہ شہر اور عرب کا ملک خانہ کعبہ سے پہلے تھا۔ اور اس میں انسانوں کے لئے گھر بھی تھے۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ بیت سے مراد عبادت گاہ ہے تو بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ مسلمہ طور پر پیدائش سب سے اول تبت میں ہوئی۔ اس کے ساتھ سطح سمندر پر بھارت ورش کا ظہور رہا۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ دیگر ممالک پانی یا سمندر میں سے ظاہر اور آباد ہوتے رہے عرب کا بہت بعد کا نمبر تھا۔ اور خود قرآن کی شہادت ہے۔ کہ شروع سے ہی نبی یا وحشی لوگ ہوتے اور راہ ہدایت دکھاتے آرہے ہیں۔ اور عبادتگاہوں کا بھی انسانوں کو الہامی علم ملنے کے بعد عبادت کے لئے ہر ملک میں ہونا مسلمہ ہے۔ اور یہ امر محال بلکہ ناممکن ہے۔ کہ قرآن جیسی راست بیان کتاب مکان یا عبادت گاہ کے لحاظ سے ایسی خلاف واقعہ بات کہے۔ کہ مکہ والا گھر سب سے پہلے وضع ہوا۔

دوم۔ آیت میں مکہ کا لفظ بھی نہیں۔ اور قرآن کہیں نہیں بتاتا۔ کہ بکہ دراصل مکہ کا پہلا نام تھا۔ نہ کسی اور طرح بکہ سے مکہ مقصود ثابت ہوتا ہے۔ اور دینی یا عالمگیر تعلیم کی حامی کتاب کو تاریخ یا جغرافیہ کی شہادت سے واضح کرنا بھی اس کی توہین کرنا ہے۔ اور جب بیت کے معنے یہاں گھر نہیں۔ تو بکہ سے مراد کسی شہر کی کس طرح ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی آل عمران آیت ۹ میں بتایا ہے کہ

محکم آیات قرآن ام الکتاب کی ہیں۔ چونکہ اس میں للناس کے لفظ سے کل انسانی جماعت کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے تعلق والی آیت لازمی طور پر ام الکتاب کی ہونی چاہیئے۔ اور ام الکتاب سے مخصوص مقام یا زبان کا بیان مقصود نہیں ہو سکتا اس لئے بکہ لفظ کا اصل مفہوم سمجھنا ہوگا۔ اس کے لئے لغات کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ شہادت ملتی ہے۔

بکک۔ بکۃ۔ باز داشتن و مزاحم شدن (روکنا و مزاحمت کرنا) و بک عنقہ (گردن) ۔ (راح جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

جن لوگوں نے بکہ کو مکہ کے قائمقام جانا۔ وہ بھی مصدری معنے کے لحاظ سے ہی وجہ بتاتے ہیں۔ کہ لغات میں بکہ اس کو کہتے ہیں۔ جو مخالف کی گردن توڑے۔ چونکہ تمام مخالف مکہ کے مقابلے میں ذلیل ہوتے رہے۔ اور آج تک کوئی اس پر متسلط نہیں ہو سکا۔ اس لئے مکہ کا نام بکہ ہے۔ لیکن اگر ایسا مانا جاوے۔ تو یہ نام تاریخی واقعات کا نتیجہ ہوگا۔ اور قدیم نام مکہ ہی ہوگا۔ پھر تاریخی ثبوت بھی اس کا کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ لغوی معنے مخالف کی گردن توڑنا بھی صحیح نہیں۔ محض روکنا و مزاحمت کرنا ہی۔ اور بِبَکَّۃَ میں ب حرف جار ہے۔ اور مجرور بکہ ہے۔ یہ اسم ہے۔ اور اس کے معنے عنقہ یا گردن کے بنا ہو نہیں سکتے۔ بکہ کاف مشددہ والا ہی اسکا بکت بتکیت سے اشتقاق ماننا صحیح نہیں۔ لیکن مانا جاوے تو اس بکت کے معنے بھی درستی یا تنبیہ کرنا ہے۔ اور اگر غلبہ پانا اس کے معنے ہیں۔ تو وہ حجت یا بحث میں غلبہ پانا ہے۔ جس سے درستی یا اصلاح مقصود ہے۔ گردن توڑنا نہیں۔ چنانچہ آیت میں بھی ہدایت ہی اس سے منسوب ہے۔ اور وہ وید میں برہمن سے منسوب ہے مکان ہدایت نہیں دیتے۔ پس سوائے اس کے کہ بیت کے معنے درجہ یا حصہ اور بکہ کے معنے گردن کیا جاوے۔ اور ام الکتاب وید سے اس محکم آیت کی اصل تلاش کی جاوے۔ اور کوئی بات معقول نہیں ہو سکتی۔ اور وہ تعلق ہم نے جو پہلے ہی وید کے دو واکیہ درے دیئے ہیں۔ ان سے صاف طور پر واضح اور ظاہر ہو رہا ہے۔

رہا یہ سوال کہ بیت کے لغوی معنے گھر کے ہیں۔ حصہ یا درجہ نہیں۔ سو اس اعتراض کی وجہ محض یہ ہے۔ کہ قرآن کے خاص لطیف اور علمی طرز بیان پر غور نہیں کیا گیا۔ ورنہ سورۃ النور کی آیت ۳۸ میں صاف طور پر بیوت لفظ انسانوں کے مفہوم میں بیان ہوا ہے۔ آیت ۳۷ میں اللہ کا نور ہی ارض و سما میں بتا کر کہا ہے۔ کہ یہ ان گھروں میں روشن ہوتا ہے۔ جن کے متعلق اللہ کا حکم ہے۔ کہ ان کی فضیلت قائم رکھی جاوے۔ اور ان میں اللہ کے نام کی یاد ہو۔ اور صبح اور شام اس کی تسبیح و تقدیس ہو۔ یہ کہکر ۳۹ آیت میں واضح کیا ہے۔ کہ یہاں وہ انسان بیوت سے مراد ہیں۔ جن کو دنیا کا کوئی لین دین وغیرہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا۔ وہ عبادت کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور موت کے وقت سے ڈرتے ہیں۔ آیات کے الفاظ یہ ہیں

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ .....

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن بیوت کا آیت ۳۸ میں ذکر ہے۔ وہ ہیں محض وہ انسان جو کسی بھی دنیوی غرض سے یاد الٰہی یا دینی کام وغیرہ کو نہیں چھوڑتے وہی انسانی قالب کی عظمت یا اس کے اشرف ہونے کی اصلیت کو جانتے ہیں پس بیت کے لئے انسانی جسم یا جماعت کا کوئی حصہ یا درجہ مراد لینا عین منشائے قرآن کے مطابق ہے۔ اور یہ وید کے کلام کو صحیح طور پر سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ قرآن میں مصباح (چراغ) طارق (ستارہ) نیز حبل یا سبیل کے لفظ سے کئی جگہ رسول یا علم الٰہی مراد لیا ہے۔ جبل سے بڑے بڑے عالم اور طاقتور لوگ مراد لئے ہیں۔ بقر سے وید کے گو شبد کی تقلید میں من وغیرہ کی مراد لی ہے۔ تب اس امر میں کسی طرح بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ آنحضرت جسم کے حصوں کی مشابہت سے ورنوں کی تقسیم کو سمجھ کر آیت زیر بحث میں برن سے برہما

یا برہمن کے اعلےٰ درجہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور اس کو وید کی طرح مکھ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

آیت کے دوسرے الفاظ بھی اسی مفہوم پر موزونیت سے چسپاں ہوتے ہیں۔ برکت یا فضیلت والا بھی برہما یا ابراہیم یا برہمن ہے۔ کل جہانوں میں ہدایت دینے والا بھی برہمن ہے۔ اور اس سے تشبیہ پانے والے گردن والے حصے میں ہی آیات بیینات ہیں بعض کہدیتے ہیں۔ کہ مقام ابراہیم اس میں ہے۔ لیکن اول تو آیات کا لفظ اور مقام ابراہیم کا لفظ یہاں مفہوم کے لحاظ سے یکجان ہیں۔ آیات کو ہی ابراہیم کا مقام کہا گیا ہے۔ لیکن آیات جمع ہے۔ اور مقام واحد پس جب تک مقام ابراہیم خاص صفات کا مجسمہ نہ ہو۔ تب تک یہ مطابقت ہو نہیں سکتی۔ پھر آیات وہ ہیں۔ جو کچھ باریک رمز سمجھا دیں یا سبق دیں۔ لیکن وہ چھوٹی سی جگہ جسے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ نہ ہدایت دے سکتی ہے۔ نہ کوئی علمی رمز بہم پہنچاتی ہے۔ یہ کام رسول یا نبی یا مبلغ کا ہے۔ آنحضرت طیبا موحد شخص اور قرآن جیسی توحید کی ترجمان کتاب مکان یا نشان کی وکالت نہیں کرتی۔ جب قرآن عبادت کے لئے سمت کی قید کو اڑاتا ہے۔ اور ماسوائے خدا کے کسی مخلوق ہستی حتےٰ کہ مسیح وغیرہ تک کو اہمیت نہیں دیتا۔ تو خاص جگہ کو اتنی اہمیت دے۔ یہ ناممکن ہے۔ ہاں علمیت کے لحاظ سے ابراہیم کا درجہ ہر کہیں قرآن نے بہ طریق احسن سب سے افضل واضح کیا ہے۔ اور اس کو جس گردن سے تشبیہ دی ہے۔ اس میں آیات بینات صریحاً موجود ہیں۔ ویدک دہرمی رشیوں نے نہایت قابلیت اور کمالیت سے ان علمی رموز کا بیان کیا ہے۔ جو برہمن کو مکھ کہنے سے مترشح ہوتی ہیں۔

پہلی نشانی مکھ والے حصہ میں یہ ہے۔ کہ اس میں آنکھ۔ ناک۔ کان اور زبان اور چمڑے کی سب گیان اندریاں ہیں۔ جو اس ہدایت پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ برہمن میں خصوصیت کے ساتھ گیان ہونا چاہئے۔

دوسری نشانی یہ ہے۔ کہ مکھ والے حصے میں کرم اندری محض زبان ہے۔ اور اس سے یہ سبق ملتا ہے۔ کہ برہمن کا کام زبان سے اپدیش دینا ہے۔ جیسے گورو نانک جی کا کہنا ہے۔ کہ چھوں درناں کو دے اپدیش۔ نانک تس پنڈت کو سدا آدیش۔

تیسری نشانی یہ ہے۔ کہ مکھ والا حصہ ظاہری شان کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ برہمن میں دنیوی نمود شان وشوکت یا دولت کا تعلق نہیں۔ اس لحاظ سے اس میں ویراگ کی صفت ہوگی۔

چوتھی نشانی یہ ہے۔ کہ یہ حصہ سب سے اوپر ہے۔ اسی طرح برہمن انسانی جماعت میں سب سے اعلےٰ اور قابل تعظیم ہے۔

پانچویں نشانی یہ ہے۔ کہ گیان اندریوں میں سے جس طرح آنکھ سب سے اوپر ہے۔ اور دور سے دیکھتی ہے۔ کوئی اور طاقت اتنی دور تک مار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح برہمنوں میں بھی وہ اعلےٰ ہیں۔ جو آنکھ کی طرح راستہ دکھاتے اور ٹھوکروں سے بچاتے ہیں۔

چھٹی نشانی یہ ہے۔ کہ تعظیم دینے کے لئے سر کو ہی جھکایا جاتا ہے۔ اسی طرح سچی تعظیم اور اس کے استحقاق کا صحیح احساس برہمن کو ہی ہو سکتا ہے۔

ساتویں نشانی یہ ہے۔ کہ انسانی زندگی کے لئے سر کی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ گردن کٹی نہیں۔ کہ اس کا خاتمہ ہوا نہیں۔ اسی طرح انسانی سوسائٹی کے لئے دہرم اور علم والے طبقہ کی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ اگر برہمن اور سنیاسی گر جاویں۔ تو سوسائٹی کی تباہی ہی تباہی ہوتی ہے۔

آٹھویں نشانی یہ ہے۔ کہ خوراک جس سے تمام جسمانی اعضاء نشوونما پاتے اور طاقتیں قائم رہتی ہیں۔ منہ کے اندر پہلے ڈالی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام اشیاء کے استعمال کا صحیح علم برہمنوں کو ہو ان سے اسی طرح دوسروں کیلئے۔ جس طرح منہ کے ذریعہ خوراک تمام اعضا تک پہنچتی۔ اور جدا جدا قوتیں دیتی ہے۔ ساتھ ہی برہمن کے لئے یہ امر اختیاری نہیں۔ بلکہ فطرتی ہے۔

جس طرح منہ میں پہنچی ہوئی غذا منہ میں رہ نہیں سکتی۔ اسی طرح برہمنوں کی فطرت ہی یہ ہوگی۔ کہ ان کا علم بغیر دوسروں کو فائدہ پہنچائے انہیں دم نہیں لینے دیگا۔

نویں نشانی دماغ کی ہے۔ جو سر والے حصے میں ہے۔ نظام جسم کا انحصار اسی پر ہے۔ دماغ میں خلل آنا انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ اور اس کی سلامتی سے تمام اعضا کا باہمی ربط ضبط قائم رہتا ہے۔ اسی طرح انسانی سوسائٹی کا نظم ونسق برہمن اور سنیاسی وغیرہ کی حالت پر منحصر ہے حتےٰ کہ راجہ وغیرہ کا کام بھی درحقیقت انہی کی قابلیت سے کامیاب ہوسکتا ہے۔

دسویں نشانی یہ ہے۔ کہ کان بھی اتنی ہی بلندی پر ہے۔ جتنی پر آنکھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جتنا اعلے سے اعلے علم انسان روحانی آنکھ سے مراقبہ میں پا سکتا ہے۔ اتنا ہی اعلےٰ علم شرتی کے اندر پاتا ہے۔ یعنی شرتی کے شبدوں کے ہی ارتھ کا انکشاف سمادھی میں ہوتا ہے۔

گیارھویں نشانی یہ ہے۔ کہ زبان ایک ہے۔ اور کان ناک آنکھ کے سوراخ دو دو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اپدیش دینے سے ہی زیادہ خیال برہمنوں کو شرتی کو سننے اس پر منن کرکے سچ جھوٹھ کی تمیز کرنے اور حقیقت کا علم بالمشافہ پانے کا رکھنا چاہئے۔

بارھویں نشانی یہ ہے۔ کہ آنکھ اور کان چہاں برابر ہیں وہاں بلندی دونوں کی یکساں ہے۔ وہاں آنکھ فرنٹ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ برہمن کا نصب العین سننے اور دیکھنے میں علم بالمشافہ تک پہنچنے کا ہی ہوگا۔

تیرھویں نشانی یہ ہے۔ کہ آنکھ اور کان کی بلندی سے کم بلندی پر ناک ہے۔ جو خوشبو اور بدبو کی تمیز کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ شرتی اور علم بالمشافہ کے ماتحت ہی سچ اور جھوٹ کی تمیز ہوگی۔

چودھویں نشانی یہ ہے۔ کہ زبان جو ان سب سے نیچے ہے۔ یہ سبق دیتی ہے۔ کہ علم بالمشافہ۔ شرتی اور حق وباطل کی تمیز کے ماتحت ہی اپدیش دینا ہی برہمن کا کام ہے۔

پندرھویں نشانی یہ ہے۔ کہ چمڑا یا چھونے والی اندری جس طرح محض سر والے حصے میں ہی نہیں۔ سارے جسم میں ہے اسی طرح برہمن کا علمی تعلق تمام انسانوں سے ہوگا۔ کھشتری۔ ویش اور شودر تک سے یہ تعلق رہنا لازمی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے غور کرنے والے جتنی ہدائیتیں چاہیں اس گردن والے حصے سے اخذ کر سکتے ہیں۔ یہی مقام ابراہیم یا برہما کا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ہدایت مجسم ہے۔

اس کے علاوہ آیات کا لفظ منتر کے لئے ہے۔ اور بینات کا لفظ صریح اور مسلمہ صداقتوں یا ساری نیچر میں ظہور پذیر قوانین کے لئے ہے۔ جو ہر شخص کو ظاہر طور پر نظر آ سکتے ہیں۔ اور سچا علم دیتے ہیں پس آیات بینات کے معنے علمی آئتیں ہیں اور چونکہ علم یا گیان حقیقت میں محض وید لفظ کا ارتھ ہے۔ اس لئے آیات بید کا صحیح ترجمہ وید منتر ہے۔ اور برہما یا ابراہیم کا درجہ ویدمنتروں پر عبور حاصل کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس معنے کا تعلق بھی ویدک تعلیم سے ہی ہے۔ خود قرآن کا فرمان ہے۔ کہ خدا نے ابراہیم کا اپنی کلاموں میں امتحان لیا۔ وہ اس میں پورا اترا۔ تب خدا نے فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ اور اگر آیات بینات کا ترجمہ گیان اندریاں کیا جاوے۔ تو براہِ راست وہ گردن والے حصہ میں ہیں ہی غرضیکہ ہر لحاظ سے آیات بینات اور مقام ابراہیم بالکل ہم مطلب ہیں۔

۷۔ عقل کا تقاضا!

آیت کے اگلے الفاظ پر اگر عقلمندی سے غور کیا جاوے۔ تو دلایل سے بھی مذکورہ بالا مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِناً۔ جو اس میں داخل ہوا۔

امن پا گیا۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں اس چھوٹی سی جگہ کا بیان نہیں۔ جسے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ امن کا تعلق اگر جسم تک محدود رکھیں۔ تو اس مقام میں داخل ہونے سے کسی کی بیماری یا اشانتی دور نہیں ہو سکتی۔ نہ دشمن سے پناہ لینے کے لئے اس میں کوئی داخل ہوتا ہے۔ پس یہ امن اطمینان قلبی ہے یا روحانی شانتی اور اس کا تعلق سچے علم سے ہے۔ جو برہما یا برہمن یا ابراہیم کا خاصہ ہے۔ اگر جسمانی تعلق مقصود ہوتا۔ تو تمام بیماروں اور کمزوروں کو اس میں پناہ دینے کو کافی جگہ اور انتظام ہونا چاہئے۔ اور یہ کیا جاتا۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ مکہ کے علاقے میں بد امنی کرنے والے نہیں پہنچ سکتے۔ یا اسے مغلوب نہیں کیا جا سکا۔ تو اول تو تاریخ کے رو سے یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ نشانی مقام ابراہیم کے متعلق نہ رہیگی۔ بلکہ اس علاقے سے منسوب ہوگی۔

ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ یہاں یہ مطلب نہیں۔ کہ اس بیت سے خانہ کعبہ مراد لیا جاوے۔ کیونکہ النّاس کا لفظ تمام انسانوں سے منسوب ہو سکتا ہے۔ اور جو قرآن سچی توحید کا علمبردار ہے۔ وہ کل انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے خاص جگہ کا حج لازمی نہیں کر سکتا۔ سچے عالم اور عامل رسولوں اور نبیوں کے فیضان صحبت کی تحریک کی بات جدا ہے۔ مخصوص مقام کی زیارت کی ہدایت خاص اغراض کے لئے انسان دے سکتے ہیں۔ خدا تو اطمینان قلب کے لئے ہر جگہ کی تحریک کریگا۔ جہاں سے فیضان علم و عمل حاصل ہو۔ پھر حِجُّ الْبَيْتِ کے معنے ہیں۔ اس مقام کا قصد کرنا۔ اگر حج کسی مقام کا ہوتا۔ تو کہا جاتا۔ کہ سب انسان پہنچیں۔ یہ نہ کہا جاتا۔ کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یعنی جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ کون انسان ہے۔ جو کسی خاص جگہ تک پہنچ نہیں سکتا۔ دولتمند سواری سے پہنچ سکتے ہیں۔ تو غریب پیدل بھی جا سکتے ہیں۔ حتےٰ کہ بیمار اور نادار بھی اوروں کی مدد سے پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر یہی مطلب ہوتا۔ کہ مقام ابراہیم میں داخل ہونے سے امن نصیب ہوتا ہے۔ تو اولو العزم مسلمان اپنا سب کچھ خرچ کر کے بھی سارے انسانوں کو امن نصیب کرا چکے ہوتے۔ پس حقیقت یہ ہے۔ کہ ہدایت اور ترغیب دی جا رہی ہے۔ کہ اس اعلےٰ علمی درجہ کو جو حاصل کر سکے اس کا قصد کرے۔ یہ خدا واسطے کا فرض ہے۔ اور بغیر علمی و روحانی استطاعت کے حاصل کئے اس کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

۷۔ موقعہ و محل کا تقاضا!

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے۔ کہ آیت زیر بحث کا کس مضمون یا موقعہ و محل سے تعلق ہے۔ سو کئی رکوع پہلے سے الہامی اور انسانی مذاہب کی بحث چھڑ رہی ہے۔ آنحضرت محض اللہ اور اس کے سچے الہام کو مانتے ہیں۔ اور اس کا سب سے پہلا وکیل حضرت ابراہیم کو قرار دیتے ہیں۔ مسیح یا کسی اور نبی یا توریت اور انجیل کو ملت ابراہیم پر ترجیح دینا تو کہاں اس کے مطابق ہونے سے ہی ماننے کے لائق سمجھتے ہیں۔ اور ایک طرف تو صاف کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم پہلے ہوئے۔ توریت اور انجیل سب ان کے بعد کی ہے۔ اور دوسری طرف مسیح کو ماننے کی عقلی دلائل سے تردید کرتے۔ اور سب نبیوں کو ایک ہی سچے سدھانتوں کا معتقد بتلاتے ہیں۔ اور اہل مذہب پر الزام لگاتے ہیں۔ کہ یہ لوگ غلط اعتقاد پھیلاتے۔ حتےٰ کہ کتاب میں کچھ ہوتا ہے۔ سناتے کچھ ہیں۔ نام خدا کا لیتے ہیں۔ مگر وہ بات خدا کی نہیں ہوتی۔ اخیر میں اہل کفر کو لازمی طور پر سزا ملنے کا بیان کر کے اس سورۃ میں پہلے یہ کہا۔ کہ دھرم یا نیکی کمانے کے لئے اپنی پیاری چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اور خدا جانتا ہے۔ کس نے کیا خرچ یا قربان کیا ہے۔ یہ کہکر اس امر کا اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل پر کل غذائیں حلال تھیں۔ باستثنائے اس کے جو یعقوب نے اپنی ذات کے لئے حرام کر لی تھیں۔ اس کہنے سے ایک تو وہ غذا کے متعلق قانون الہی کی اپنی خلاف ورزی پر پردہ ڈالتے تھے۔ دوسرے اس سے گذشتہ نبیوں کا باہمی اختلاف یا دھرم میں ترمیم تنسیخ کا نقص عاید ہوتا تھا۔ اس

لئے آنحضرت نے چیلنج دے کر انہیں توریت کی رو سے جھوٹا کیا۔ اور کہا اب بھی کوئی خدا کے نام سے ایسی غلط بیانی کریگا۔ تو بڑا گناہگار ہوگا۔ اس کے بعد کہا گیا۔ کہ بس سچ وہی ہے۔ جو خدا سے ہے۔ وہی ملۃ ابراہیم ہے۔ پس اسی کی پیروی کرو۔ ابراہیم ہی سچا موحد تھا۔ اور مشرک نہ تھا ایسے کہنے کے بعد آپ نے ابراہیم کی فضیلت کا ثبوت دیا۔ اور آیت زیر بحث سنا کر قدیم الہامی کتاب وید میں جو برہما کو سب سے اوّل اور مقدم ریو کیا گیا تھا۔ اور برہمن کو مکھ سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس کی طرف توجہ دلا کر اپنے دعوے کی صداقت ثابت کی ہے۔ خانہ کعبہ یا کسی جگہ کا مضمون سے تعلق ہی نہیں۔

۸- آیات مابعد کا مفہوم

نہ صرف سلسلہ مضمون ماقبل آیات مابعد سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے لوگو! خدا کی آیتوں کا انکار نہ کرو۔ نہ جان بوجھ کر باتیں بنا بنا کر راہِ خدا پر چلنے والوں کے مزاحم بنو۔ اور اے حق کو قبول کرنے والو! تم اہل کتاب کے اس فریق کی بات نہ مانو۔ جو تمہیں پھر کفر کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اور تم بھلا کفر کی طرف جا ہی کیسے سکتے ہو۔ تمہیں تو خدا والی آیتیں سنائی جا رہی ہیں۔ رسول تمہارے درمیان ہے۔ اور راہِ راست یا دھرم پر ہوتا ہی وہی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ پر ہی مضبوط اعتقاد رکھتا ہے۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ خدا کا ایسا تقویٰ رکھو۔ جو تقویٰ کا حق ہے۔ اور مرتے دم تک اسی کے فرمانبردار رہو۔ تمام کے تمام اللہ تعالےٰ کی رسّی یعنی دھرم کو مضبوط پکڑو۔ فرقہ بندی نہ کرو۔ خدا کی الہامی علم والی نعمت کی ہی اشاعت کرو۔ دیکھو تم حق کو قبول کرنے والے سب دلوں میں باہم عداوت رکھتے تھے۔ مگر اب تم میں اس نے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اس کی اس علمی نعمت کی بدولت تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے ہو۔ مانو تم دکھیا نار جہنم کے گڑھے میں گرنے والے تھے۔ کہ اس نے اپنی عنایت سے تمہیں اس سے بچا لیا۔ یہ ہے خدا کا اپنی شان دکھانا۔ جس سے تم سبق لے سکتے ہو۔

پس آیات مابعد میں بھی مکان کا تعلق نہیں۔ دین الٰہی یا ملت ابراہیم کا ہی تعلق ہے۔ اور اس سے آگے تو اور بھی صاف طور پر برہمن ورن کے اوصاف اور اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ دیکھئے۔

۹- برہمن ورن کی ضرورت

آل عمران آیت ۹۷ میں اشارہ کیا ہے۔ کہ حالانکہ عملوں کی سزا جزا دینے والا خدا سب کے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔ پھر بھی جہالت سے لوگ آیات الٰہی سے انکار کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ آیت ۹۸ میں یہ اشارہ ہے۔ کہ جہاں لوگ آیات الٰہی سے بوجہ اپنی جہالت کے منحرف ہو رہے ہیں۔ وہاں خود غرض عالم یا برہمن لوگ بھی جان بوجھ کر ان کو حق پر چلنے سے روکتے ہیں۔ ان کی ایسی حالت کا ہی تقاضا ہے۔ کہ رسول لوگوں کو خبردار کرتے ہیں۔ کہ اے حق پرستو! ایسے لوگوں کی بہکاوٹ سے کفر کی طرف مت جاؤ۔ بالخصوص اب کہ میں تمہیں صاف طور پر احکام الٰہی سنا رہا ہوں۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ محض خدا سے ڈرو۔ اور مرتے دم تک سچے دین پر قائم رہو۔ حق کو قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کا عہد اللہ والی وہ مضبوط رسی ہے۔ جو ٹوٹنے والی نہیں۔ باقی سب مت متانتر پھوٹ اور فرقہ بندی سے تباہ کرنے والے ہیں۔ خدا کا الہامی علم جو اعلےٰ ترین نعمت ہے۔ اسی کا دنیا میں پرچار ہونے سے یہ تفرقہ در تفرقہ کی خرابی دور ہو سکتی ہے۔ دیکھو! تم اے مسلمانو! تم پہلے کس طرح ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ مگر اب سچی کتاب کی ہدایت کو سن کر تم سب کے دل مل گئے ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہو۔ اس طرح کی وعظ سے آنحضرت واضح کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو گمراہی اور خود غرض

غالوں سے بچانے کے لئے سچے واعظوں کی یا برہمن ورن کی اشد ضرورت ہے (۱)

۱۰۔ برہمن ورن کا عملی قیام

چنانچہ آئندہ آیات میں عملی سکیم پیش کرتے ہیں (آیت ۱۰۴) تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف راغب کرے۔ مشروع کاموں کے کرنے کی ہدایت دے۔ اور غیر مشروع سے منع کرے۔ اور یہی ہیں (جو دھرم ارتھ کام موکش نامی) پھل پانے والے ہیں۔ (۲) (۱۰۴) تم ان لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ جو باہم فرقہ بندی پیدا کرتے یا علمی روشنی پاکر اختلاف پھیلاتے ہیں (۳) اس کے آگے آیت ۱۱۰ میں کہا ہے۔ لوگوں کے لئے جو امتیں یا ورن بنائے گئے ہیں۔ ان میں تم لوگ بہترین ورن والے ہو۔ جو مشروع باتوں کی ہدایت دیتے اور غیر مشروع سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر توکل رکھتے ہو۔ (۴)

ان حوالجات میں برہمن ورن کا اعلیٰ فرض بھی واضح کیا گیا ہے۔ اور جیسے وید برہمن کو مکھیہ یا سب سے اونچا مانتا ہے۔ ویسے ہی یہاں بہترین امت انہیں کہا گیا ہے۔

سورۃ الانعام رکوع ۹ میں مشرک اور موحد نام دو فریق کا ذکر کرکے اخیر میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ بتاؤ ان دونوں میں سے امن کا مستحق کون ہے۔ جواب غیر مشرک کے حق میں دے کر رکوع ۱۰ کی پہلی آیت میں کہا ہے۔ کہ ایسی حجت کی بناء پر ابراہیم کا درجہ خدائے حکیم وعلیم نے اس کی قوم پر اونچا کیا تھا۔ اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب دئیے جن میں سے ہر ایک نے ہماری ہدایت پائی تھی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی تھی۔ اور اسی کے سلسلہ میں داؤد سلیمان ایوب یوسف موسیٰ ہارون جیسے نیک عملوں کو نیز زکریا یحییٰ۔ عیسیٰ اور الیاس کو ہدایت ملی۔ یہ سب صالح تھے۔ ساتھ ہی اسمعیل نے یسع۔ یونس۔ لوط میں سے ہر ایک کو اہلِ جہان پر فضیلت دی وغیرہ یہ کہہ کر آیت ۷ میں کہا ہے۔ "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کے واسطے ایک قوم (دوسری) کا ذمہ لگا

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

۲۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۳۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

۴۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

رکھا ہے۔ جو اس کام سے انکار کرنے والی نہیں (۱)

یہاں تمام گذشتہ نبیوں کا ایک ہی الہامی کتاب سے تعلق بتایا گیا ہے۔ اگر وید کے علاوہ کا کتاب لفظ سے تعلق ہوتا تو محض توریت اور انجیل کے متعلقہ دو نبیوں کا ذکر ہوتا۔ اس کے علاوہ کتاب اور حکمت اور نبوت کا ملنا ان تمام ہادیوں۔ رہنماؤں یا واعظین حق سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عملی طور پر لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے میدان میں آتے ہیں۔ اور یہ برہمن سے ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں من الصّٰلحین کیا گیا ہے۔ اسی سے اگلی (۹۰) آیت میں کہا ہے۔ یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔ پس تو بھی ان کی ہدایت کی پیروی کر اور سنا دے۔ کہ میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ تو تمام جہان کے لئے بھلائی اور نصیحت کا کام ہے (۲)

اس آیت سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ آنحضرت نے بھی انہی گذشتہ ہادیوں کے سلسلے میں اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ دوم یہ کہ سچے واعظوں کا کام بے غرضانہ سپرٹ سے ہوتا ہے۔ رسول صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تمام جہان کی بہتری اور بہبود کے کام یعنی تبلیغ حق کے لئے معاوضہ طلب کرنا اس کام کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے تمام بعد سے اس کو جاری رکھا۔ سوم یہ کہ جو بھی سچے برہمن کے فرض کو پورا کرتا ہے۔ وہ صالح ہے۔

اسی امر کو آل عمران رکوع ۷ آیت ۵ میں اس طرح واضح کیا ہے۔

تحقیق ابراہیم کے قریبی لوگ وہ ہیں۔ جو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ نبی ہیں۔ اور اہل ایمان اور اللہ اہل ایمان کا ولی ہے (۳)

گویا ابراہیم کی اولاد سچے دھرم کے عالم اور سچے واعظ یا نبی لوگ ہی ہیں۔ بوجہ علمی اور عملی شاگردی کے۔ انہی لوگوں کے متعلق اعراف ۱۸۱ میں کہا ہے۔

"ہماری مخلوقات میں ایک گروہ ایسا ہے۔ جو حق بات کی ہدایت کرتا۔ اور حق سے ہی انصاف کرتا ہے (۴)

سورۃ التوبہ ۔ ۱۲۲ میں ہدایت ہے۔ کہ

مومنوں کو یہ مناسب نہیں۔ کہ سب کے سب نکل پڑیں۔ کیوں نہ ایسا کیا جاوے۔ کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ (چیدہ) آدمی دین میں غور و فکر کرنے کو نکلیں۔ اور جب اپنے لوگوں کی طرف لوٹیں۔ انہیں (گناہ سے) ڈرائیں۔ تاکہ وہ محتاط ہوں (۵)

یہ سکیم سچے اپدیشکوں کے تیار کرنے کے لئے محض بان پرست آشرم کی عظمت کا مظہر ہے۔ گھروں سے کہ محض دینی تعلیمات

۱- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝

۲- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۝

۳- إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۴- وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝

۵- وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

کو جا سمجھنا اور غور و فکر کرنا اور اس امر میں مہارت حاصل کر کے اپنے لوگوں میں آنا اور انہیں تبلیغ حق سے مستفیض کرنا ہو بہو وید کے اشرم مریاد لے ہے۔ اور کم سے کم اس امر کو تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ آنحضرت کا یہ مدعا نہ تھا کہ ایرا غیرا نتھو خیرا سب مذہبی پلیٹ فارم کے گلے کا ہار بن جاویں۔ بلکہ آپ محض قابلیت حاصل کر لے گئے بعد واعظ ہونے کا مشورہ دیتے تھے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی ظاہر ہے۔ کہ جہاں بھی انفرو لفظ سے حفاظت دین کے لئے نکلنے کی ترغیب قرآن میں دی ہے۔ اس کا تعلق اشاعت حق کے لئے جنگ سیف کرنے سے نہیں۔ بلکہ علمی جنگ سے ہے۔

۱۱۔ سچے اور جھوٹے برہمن

دفعہ ۱۰ میں اس امر کا بھی بیان موجود ہے۔ کہ سچے اور جھوٹے برہمن میں کیا فرق ہے۔ تاہم اس کے متعلق جدا اور مخصوص اشارہ دینا ہی ضروری ہے۔ آل عمران رکوع ۸ میں مختلف قسم کے مخالفین حق کا بیان ہے۔ ان میں جملہ آیت ۷ میں ایسے خود غرضوں کا بیان ہے۔ کہ وہ اپنی زبان سے کتاب کا تعلق جوڑتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ سمجھو وہ کتاب الٰہی کی ہی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ان کی بات کتاب میں ہوتی نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ یہ بات خدا کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے ہوتی نہیں۔ اس طرح وہ دیدہ دانستہ خدا کے متعلق کذب بیانی کرتے ہیں۔ رکوع ۱۱ میں ایسے لوگوں کو تفرقہ انداز اور سچے اصولوں کا علم ملنے پر بھی اختلاف پھیلانے اور عذاب عظیم پانے والے کہا ہے۔ اور ان کو سیاہ رو کہا ہے۔ اور سچے براہمنوں اور واعظوں کو ہر کہیں سرخرو اور جنت کا مستحق بتایا ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق کہا ہے (انعام - ۸۹) کہ لوگ مانیں نہ مانیں تبلیغ کام کے لئے ہم نے جس ترن کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہ اس کام سے انکار نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ تبلیغ حق سچے برہمن کا فطرتی خاصہ بن جاتا ہے۔ اعراف ع ۱۶ میں ان لوگوں کی عظمت اس طرح بیان کی ہے۔

سبت (ہفتہ) کے متعلقہ گناہ کرنے والوں کو سمجھانے کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرنے لگے۔ کہ جنہیں خدا سے عذاب ہی ملنا ہے۔ انہیں نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب یہ ملا۔ کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں اگر نہ کریں۔ تو ہم پر خدا سے الزام آئے۔ اور یہ بھی خیال ہے۔ کہ ممکن ہے یہی سدھر جائیں (۱)

اگلی آیت میں یہ ذکر ہے۔ کہ برہمن جو نصیحت کرتا ہے۔ اسے لوگ بھول جاتے ہیں تو خدا انہیں عذاب دیتا ہے۔ مگر نصیحت کرنے والے کو دکھ سے نجات دیتا ہے (۲)

سچے برہمنوں کی فضیلت بتانے کے لئے جھوٹے برہمنوں کو آل عمران رکوع ۸ کی آیت ۷۹ میں یوں سمجھایا ہے۔ کہ کسی انسان کو موزوں نہیں۔ کہ خدا اسے حکمت اور نبوت دے۔ تو وہ لوگوں کو یہ کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا کو چھوڑ دو۔ بلکہ یہی کہے کہ ربانی (اللہ والے) بن جاؤ۔ اس لئے کہ تم کتاب الٰہی ہی پڑھاتے ہو اور اس لئے کہ اسے پڑھتے ہو۔ (۳)

۱۔ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

۲۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

۳۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ

واقعی جو علم انسان کو ملا۔ کتاب الٰہی کے ذریعے ملا۔ کوئی بھی پڑھے۔ اور کوئی بھی پڑھاوے۔ سچّا علم کتاب الٰہی والا ہی ہے۔ اور اس کتاب اور اس کی بدولت دانائی اور پھر نبوت یعنی وعظ و تلقین حق کی ذمہ داری کا غرور خود غرضی احسان فراموشی اور حماقت ہے۔ اس لئے ہر عالم کو اپنی ذات کو وعظ حق میں بے تعلق جتا کر ہدایت یہی دینی چاہئے۔ کہ ربّانی یعنی خدا کے بندے بن جاؤ۔

اس سے اگلی آیت میں اس امر کو اور بھی واضح کیا ہے۔

اور نہ ہی وہ یہ کہیگا۔ کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب مان لو۔ کیا وہ تمہارے اسلام قبول کرنے کے بعد تم کو کفر کی بات کہیگا[۱]

۱۱۔ کھشتری ورن کی ضرورت

آل عمران کے بارھویں رکوع میں آٹھویں آیت تک برہمن ورن کا بیان کر کے آیت ۹ میں کہا ہے۔ کہ اہل ایمان کو چاہیئے۔ کہ سوائے ایماندار لوگوں کے کسی کو اپنا اندرونی جز و قبول نہ کریں۔ کیونکہ غیر مومن یا اناریہ لوگ ہمیشہ نقصان پہنچاتے اور رخنہ باتیں دیتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ہی یہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں تو نہ جانے کیا بُرے منصوبے کام کر رہے ہیں۔ آیت ۱۰ میں افسوس کے ساتھ اپنے اس احساس کا اظہار کیا ہے۔ کہ کہاں مومنوں کے دل میں ان کی محبت اور ان کے سدھار کی خواہش اور کہاں ان کی سرد مہری۔ کہاں ان کا محض کتاب الٰہی کے جزوی تعلیم پر اعتقاد اور کہاں مومنوں کا کل کتاب الٰہی پر ایمان۔ یہ ملنے پر اگر یہ بھی کہدیں۔ کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ تو بھی صحیح نہیں۔ خلوت میں یہ دانت پیس پیس کر مومنوں کی ذلت کے مشورہ کرتے ہیں۔ مومنوں کے سکھ سے ان کو دکھ ہوتا ہے۔ اور ان کے دکھ سے یہ خوش ہوتے ہیں۔ اب سوال ہے۔ ان کا تدارک کیسے کیا جاوے۔ اس کا جواب آیت ۱۱ میں یہ دیا ہے۔ کہ ان کے مقابلے میں صبر اور بردباری سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ ہزار منصوبے کریں۔ مومنوں کا جو اہل تقوی ہیں۔ کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ خدا ان کے عملوں کو جانتا اور ان کو سزا دینے والا ہے[۲] لیکن سب انسان ایسے صابر اور بردبار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے خدا کی طرف سے برہمن ورن ان کی زندگی میں پلٹا دینے کی کوشش کرتے ہوئے لیکن ہر حالت میں وقت پر برہمن والا اپائے ہونا بھی ممکن نہیں ظالموں کی روک تھام کے لئے جسمانی مقابلہ کے بغیر بچاؤ ہونا محال ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت کے لئے رکوع ۱۳ میں کھشتری ورن کی ضرورت ہے۔ وید کا فرمان راکھش اراتی اور دسیو لوگوں کی بیخ کنی کرنے کا ہے۔ اور وہ یا تو علمی طاقت سے ہوتا یا جسمانی سے منو کہتا ہے۔ جاتی دلیش اور تنکتی سے پاپیوں اور راکھشوں کو الگ کرو۔ اور راجہ کا فرض ہے۔ کہ ان دشٹوں کو فوج اور پولیس کے ذریعے ڈنڈ دے کر ان کا قلع قمع کرے۔ اور جیسے صبح سب سے پہلے برہم یگیہ یعنی عبادت الٰہی اور مطالعہ کتاب مقدس فرض ہے۔ ویسے ہی سچے رسول

---

[۱] وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ؏

[۲] يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓأَنْتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَإِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ؏

یا مبلغ کا فرض ہے۔ کہ جسمانی سزا یا جنگ سیف کی اشد ضرورت کا احساس ہو۔ تو مومن یا آریہ لوگوں کو ویسے ہی سویرے بذریعہ ہدایت واضح کر دے۔ کہ کس کس موقعہ پر جنگ سیف ضروری ہو سکتا ہے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جنگ کی ضرورت کے موقعوں کی خبر دی جانی چاہئے۔ اور اس ہدایت کا مدعا یہ ہے۔ کہ یہ موقعہ کھشتری ورن کے جوہر دکھانے کا ہے۔

۱۲۔ اس انتظام کا اصل مُدعا

رکوع ۱۳ کی دوسری آیت میں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کھشتری ورن کی ضرورت کا احساس دو گروہوں کا یہ مطالبہ کراتا ہے۔ کہ امن جاری رہے۔ مفسرین قرآن نے اس کا ترجمہ یہ کر دیا ہے۔ کہ دو گروہوں نے ارادہ کیا۔ کہ ہمت ہار دیں۔ اور دو گروہ کون سے ہیں۔ اور ہمت ہارنے کا یہاں مفہوم کیا ہے۔ اور کیا وجہ ہوئی کہ ان کو ایسا خیال ہوا۔ ان امور کے متعلق مختلف قسم کے بیان دیئے جا رہے ہیں۔ الفاظ قرآن سے نہ کسی ایسے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے نہ کوئی کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ ساری تاویلات بالکل غیر متعلق ہیں۔ اور ہم ان کے لئے تفسیر آیت کا موقعہ ہی موزوں سمجھ کر یہاں یہ واضح کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ طَآئِفَتٰنِ کے معنے جو دو گروہ ہیں۔ وہ برہمن اور ویش ہیں۔ کہ سو جو مہ بنو حارث ربنو سلمہ یا اور لوگ۔ مضمون چل رہا ہے۔ ورن دیوستھا کا۔ اور وہ بھی کھشتری ورن کا۔ اور اس کا انتظام اس غرض سے کیا گیا ہے۔ کہ برہمن اور ویش لوگ بلا کھٹکے اپنے اپنے کام جاری رکھ سکیں۔ برے آدمیوں سے سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہونے کی صورت میں برہمن اطمینان اور امن سے علمی تجسس و اشاعت کا کام نہیں کر سکتے۔ اور ویش بھی ہر وقت لٹ جانے کے خطرے کی وجہ سے اطمینان سے تجارت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان دونوں ورنوں کا آئندہ کسی ممکن بدانتظامی کے دفعیہ کے لئے خیال ہونا ضروری ہے۔ هَمَّتْ هَمّ سے ہے۔ جو اس غم یا فکر کے لئے ہے۔ جو آئندہ کی کسی تکلیف کے خیال سے ہو۔ اور تَفْشَلَا کے لغوی معنے ہیں۔ ”رواں شدن آب“ پانی کا جاری ہونا اور اس کا با محاورہ مفہوم اس کا قائم رہنا ہے۔ پس قرآن بجا طور پر فرماتا ہے۔ کہ برہمنوں اور ویشوں کا مطالبۂ قیام امن کو پورا کرنا ہی کھشتری ورن کا مدعا ہے۔

۱۳۔ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتے

باب اول میں جہاد کے مضمون پر بحث کرتے ہوئے ہم نے کہا تھا۔ کہ جنگ بدر کا سورۃ الانفال کی آیات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ عملاً بدر کے مقام پر جنگ ہوا۔ سورۃ الانفال کی کسی آیت میں اشارہ یا کنایہ سے بھی بدر کے مقام کا ذکر ہے۔ لیکن سورۃ آل عمران رکوع ۱۳ آیت ۲ میں کہا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ۔ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی۔ اور اس مضمون کو ہی مفسرین نے عملی جنگ پر لگایا ہے۔ لیکن یہاں بدر کا لفظ ہونا اس بات کو کسی طرح ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ سورۃ انفال میں بھی جنگ بدر کا ذکر ہے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ وہاں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ جنہیں وہاں مُردفین یعنی رہنما کہا ہے۔ اور یہاں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ جنہیں مُنزلین اور مُسوّمین کہا ہے۔ پس انفال والا بیان قطعاً جدا ہے۔ اور مفسرین کا اس سے جنگ بدر کا مفہوم لینا اس آیت والے بدر لفظ کے مدعا کے خلاف ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس آیت میں جو بدر کا مقام مذکور ہے۔ وہاں تو جنگ ہوا ہی ہو گا۔ سو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ بیان یہ ہے۔ کہ اللہ برہمن اور ویش کا نگہبان ہے۔ اور

ان مومنوں کا اللہ پر ہی توکل ہے۔ لہذا جب ان لوگوں کو ناموافق حالات کے علم سے اندیشہ ہوا تو رسول نے لوگوں کو آگاہ کیا
کہ ہر موقعہ پر برہمن کا اپدیش ہی محفوظ نہیں کرتا۔ کھشتریوں کو جنگ سے بھی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ آپ کے اپدیش پر تین
ہزار واہنا حفاظت کے لئے مستعد ہو گئے۔ اور رسول نے مومنوں کو کہا۔ کہ خدا کا شکر بجا لاؤ۔ کہ تین ہزار سہمے ہوئے [illegible]
سے اس نے تمہاری مدد کی ہے۔ اور اگر صبر اور استقلال سے کام ہو تو پانچ ہزار سجے سجائے بہادر تیار پاؤ گے۔ اس میں بھی
عملی لڑائی کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ آیت ۶ میں صاف کہہ دیا ہے۔ کہ

یہ محض خدا نے تمہارے لئے خوشخبری کا سامان بنایا ہے۔ اور محض اس لئے۔ کہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ملے (۱)
مطلب یہ کہ کھشتری ورن کے حفاظتی مشن کے لئے بدر کے مقام کی مثال دی ہے۔ کہ حالات ناموافق اور نازک ہونے پر
جب کھشاتر دھرم کے عملی ظہور کا انتظام ہوا۔ تو مومنوں کو اس سے خوشی اور اطمینان نصیب ہوا۔ اور رسول چونکہ خدا کے متعلق
انتہائی خلوص عقیدت رکھتا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ یہ مدد صرف اللہ کی ہی طرف سے ہے۔ جو غالب کل اور صاحب حکمت ہے (۲)
پھر آیت ۷ میں اور بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ اس انتظام کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ کچھ کافر مر جاویں یا ذلیل و خوار ہو کر مٹ
جاویں۔ اگر یہ بیان ہوتا۔ کہ اتنے کافر مرے یا محض یہ بیان ہوتا۔ کہ کافر ناکام لوٹ گئے۔ تو عملی جنگ کا یہ نتیجہ سمجھا جاتا۔ لیکن
یہاں تو انتظام کی غرض بتائی ہے۔ اور نتیجہ دو قسم کا ممکن بتایا ہے۔ اور پھر ۸ و ۹ آیت میں ہی بتایا ہے۔ کہ اے نبی یا انسان کچھ
بھی نتیجہ ہو۔ تیرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ یہ محض خدا کا کام اور اسی کی شان ہے۔ خواہ وہ ان کے سدھر جانے سے ان پر توجہ کرے
خواہ ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دے (۳)

۱۴۔ ویدک راج دھرم

ویدک ورن ویوستھا میں گو برہمن اور کھشتری کے دو جدا جدا ورن ہیں۔
لیکن اندرونی غرض دونوں کی ایک ہے۔ اور صفات میں بھی برہمن اور
کھشتری کی مطابقت ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ برہمن من بدھی وغیرہ
اندرونی اوزاروں کو صحیح و سالم رکھنے یا مضبوط کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور کھشتری جسمانی اور مالی حفاظت کے انتظام
اور سوسائٹی کے بیرونی نقائص کے تدارک یا بد امنی وغیرہ کی روک تھام کا ذمہ دار ہے۔ برہمن بھی پورا نیک چلن عالم وید
ہونا چاہئے۔ اور کھشتری کے لئے بھی وید وغیرہ سچے شاستروں کا عالم ہونا ضروری ہے۔ دونوں ہی ضبط نفس کے پابند
ہیں۔ اور برہمن کے کام میں کھشتری معاون ہے۔ اگر راجا امن قائم نہ رکھے۔ تو برہمن کا پرچار یعنی تبلیغ حق و اشاعت علم
کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں گویا اپنے اپنے مخصوص طریق پر جدوجہد کر رہے ہیں۔ کہ سچی انسانیت کی سڑک
کے کانٹے دور کر کے روح کو نجات کی منزل مقصود تک پہنچیں۔ دو بیا۔ رگوید ۵۔۶۶۔۶ میں ہدایت دی ہے کہ
"اے باہم متنازع رکھنے والے لوگو با علم پر اپنے قول و فعل کا مدار رکھنے والے عالم بن کر آؤ۔ ہم آپ ہنر آپ کے

۱۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ
۲۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ
۳۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ
عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

بنہ ہو جن سب مل کر ہنتوں سے رکشا کرنے کے قابل (چکرورتی) سوراجیہ کے لئے کوشاں رہیں (۱)
اس میں صاف ہدایت ہے۔ کہ سوراجیہ کے لئے کوشش کرنے کے حق دار وہ لوگ ہیں۔ جو باہم متحد یعنی متفق ہوں۔ سچے علم کی صفت سے موصوف ہوں۔ اور ساتھ ہی ان کے دل ان کی زبان اور ان کے اعمال اس علم کے مطابق ایک ہوں ایسے ہی لوگ اپنی متحدہ کوشش سے چکرورتی راجیہ پا سکتے ہیں۔
گویا ہر انسان اپنے آپ کو ضبط میں رکھ کر اپنی ذات پر سوراجیہ حاصل کرے۔ تب وہ اپنے جیسے دوسروں سے مل کر وسیع سلطنت پر راجیہ کرنے کا حقدار ہوتا ہے۔
منو ادھیائے ۷ شلوک ۲ میں ہے۔ کہ کھشتری بھی فاضل برہمن کی مانند عالم اور تربیت یافتہ ہو۔ اپنی تمام سلطنت کی حفاظت ٹھیک طور پر کرے۔ (۲)
منو ۷۔ ۴۳ میں کہا ہے۔ کہ کھشتری لوگ چاروں ویدوں کی تعلیمات سے واقف اور حکومت کے متعلق تین علوم یعنی علم تدبیر۔ انصاف و اخلاق نیز عوام الناس سے گفتگو کرنے کے طریق کے ماہر ہو کر راج سبھا کے ممبر یا سبھا پتی بن سکتے ہیں۔ (۳)
اس سے اگلے شلوک میں کہا ہے۔ کہ راج سبھا کے ممبر اور سبھا پتی اپنے حواس کو مغلوب کر کے اپنے قابو میں رکھیں۔ اور ہمیشہ دہرم پر عمل کریں۔ ادہرم سے بچیں۔ مقررہ وقت پر یوگ کی بھی مشق کریں۔ کیونکہ اپنے اندرونی حواس پر قابو پائے بغیر کوئی شخص باہر کی سلطنت پر اپنا صحیح معنوں میں تسلط جما نہیں سکتا۔ اس طرح کے سینکڑوں حوالہ جات سے ویدوکت راج ودیا کے اصل اصولوں کا علم ہو سکتا ہے۔

۱۵۔ قرآن کی راج ودّیا

سورۃ البقر رکوع ۳۲ میں قرآن میں بھی وید کی تعلیم کے مطابق ہی راج ودّیا کا بیان ہے۔ جس طرح برہمن اور کھشتری دونوں کا فرض ہے۔ کہ اپنی زندگی اور اپنی علمی و جسمانی طاقت کو اوروں کی خدمت کے لئے وقف رکھیں۔ سچا برہمن اپنی جان تک لینے والے ظالم انسان کو بھی دکھ یا سزا دینے کی خواہش نہیں رکھتا۔ محض اس کی بدمعی کو پلٹا دینے کا خواہاں ہے۔ اور سچا کھشتری اپنے راجیہ کے ادنےٰ سے ادنےٰ انسان کی حفاظت کے لئے بھی اپنی جان تک کھو سکتا ہے۔ اسی اصول کے زیر اثر قرآن اس رکوع کی پہلی آیت میں تعلیم دیتا ہے۔ کہ برہمن اور کھشتری کو موت کا ڈر چھوڑ دینا چاہئے۔ کہا ہے۔ کہ ہزاروں لوگ موت کے ڈر سے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ لیکن خدا کا حکم

१- आपद्घामीष चक्षसा मित्र वयं च सूर्य्यः ॥
व्यचिष्टे बहुपाय्ये यते महि स्वराज्ये ॥
२- ब्राह्मं प्राप्तेन संस्कारं क्षत्रियेण यथा विधि ।
सर्वस्यास्य यथान्यायं कर्तव्यं परिरक्षणम् ॥ २ ॥
३- त्रैविद्येभ्यस्त्रयीं विद्यांदण्डनीतिं च शाश्वतीम् ।
आन्वीक्षिकीं चात्म विद्यां वार्तारम्भांश्च लोकतः ॥ ४३ ॥

جو موت کا تھا۔ وہ دوسری جگہ بھی پورا ہو کر رہا۔ پس موت کا ڈر فضول ہے۔ بالخصوص جب خدا نے پھر زندگی دے دی ہے تو موت کی چنتا کیوں۔ بلکہ ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرنا انسان کا کام ہے (۱)

یہ کہکر دوسری آیت میں کہا۔ کہ راہ حق میں جنگ کرتے رہو۔ مت سمجھو۔ کہ اس میں تمہیں نقصان ہوگا۔ خدا سنتا اور جانتا ہے (۲)

یہ یقین رکھو۔ تمہاری جدوجہد کا معاوضہ تمہیں پورا پورا ملیگا۔ اس معاوضہ کے اصول کو تیسری آیت میں یوں بیان کیا ہے۔ کہ راہ حق کی جدوجہد کیا ہے۔ گویا خدا پر قرض حسنہ ہے۔ وہ اپنی شان کے مطابق نیکی کا بہت گنا معاوضہ دیتا ہے۔ جیسے ایک دانہ کا بیج سینکڑوں دانوں کا پھل لاتا ہے۔ اے انسان! دنیا میں جو کہیں تنگی ہے۔ اور کہیں فراخی ہے۔ اسے انسان سے انہیں خدا سے مان۔ اور اسی کو ہی تو اپنا مرجع جان (۳)

مطلب یہ کہ برہمن اور کھشتری وغیرہ اپنے فرض کی تکمیل میں جی جان کی بازی لگاتے رہیں

چوتھی آیت میں اس جدوجہد کی کامیابی کا گر بتایا ہے۔ ویدک تعلیم کے مطابق برہمن ورن کا کام تو آغاز عالم کے رشیوں پر وید نازل ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ بعد میں جب انسانوں میں کچھ گراوٹ آئی۔ جسمانی حفاظت کے لیے بھی انتظام کرنے کو راج سبھا بنی۔ اس سبھا میں پہلے برہمن پروہتوں کی رائے و تجربہ سے فائدہ اٹھا کر راجا کا چناؤ ہوا۔ چنانچہ راج تلک پروہت ہی دیتے آئے۔ جیسے وششٹھ جی نے رام چندر جی کو راج تلک دیا۔ اسی کے مطابق اس چوتھی آیت میں ایک بحث لکھی ہے کہ بنی اسرائیل (آریہ جاتی) کی جماعت نے موسیٰ کے بعد ایک نبی کو کہا۔ کہ ہمارے لیے راجا منتخب کیجئے (راج تلک دیجئے) تاکہ ہم راہ حق میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا ایسا تو نہ ہوگا۔ کہ تم پر جنگ کا جو فرض لگے۔ تم جنگ نہ کرو۔ انہوں نے کہا۔ کیا ہماری عقل ماری ہے۔ راہ حق میں جنگ نہ کریں۔ جبکہ اپنے شہروں اور اپنی اولاد تک کو چھوڑ آئے ہیں۔ مگر جب ان کے لئے جنگ کا حکم ہوا۔ تو باستثنائے قلیل تعداد کے سب پھر گئے (۴)

اصول یہاں یہ بتایا ہے۔ کہ دھرم کا پرچار ہو یا علم کا یا جنگ صفا۔ سب کے عملی طور پر ہونے کے لئے سبھاپتی یا راجا کا ہونا لازمی ہے۔ اسی انتظام سے مجموعی طاقت مطلوبہ جدوجہد میں کام کر سکتی ہے۔ اس کے بعد پانچویں آیت میں ذکر ہے کہ

طالوت بعد بحث کے راجا چنا گیا

نبی کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اعتراض ہوا طالوت ہم پر کیسے حکمران ہو سکتا ہے

۱۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

۲۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

۳۔ مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

۴۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

اس سے زیادہ تو ہم مستحق ہیں۔ ا سے کچھ مال و دولت تک بھی میسّر نہیں۔ نبی نے جواب دیا۔ خدا نے تم پر اسے بڑی فضیلت دی ہے۔ اور اسے راجا چنا ہے، اس لئے کہ اس میں علم اور جسمانی صحت ڈیل ڈول کے لحاظ سے سب پر فوقیت دی ہے۔ سو جسے خدا موزوں سمجھتا ہے۔ اپنا ملک دیتا ہے۔ کیونکہ وہی تمام وسعت والا اور علم کل ہے (۱) اس بحث کا مطلب یہ ہے۔ کہ راجا کے انتخاب میں مادی دولت کی صفت کو نہ دیکھنا چاہئے۔ بلکہ علمی صفت دیکھنی چاہئے اور جسمانی حالت۔ موجودہ زمانہ کے حکمرانوں کی نسبت وید اور قرآن کے مطابق آدرش راجا ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ جو بکر ماجیت کی طرح خزانہ کا استعمال محض بہبود عام کے لئے کریں۔ اور خود اپنے کمرے کے لئے چٹائی اور پانی کی ٹھلیا کو کافی سمجھیں۔ بغیر اس آدرش کے صحیح معنوں میں پرجا محفوظ نہیں رہ سکتی۔ چونکہ طالوت ان صفات میں فوقیت رکھتا تھا۔ لہذا مالی غربت کے ہوتے ہوئے بھی وہ بادشاہ بنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے۔ کہ یہ راج وغیرہ انسان کے لوبھ لالچ کرنے اور جھگڑے وغیرہ سے نہیں ملتے۔ بلکہ انصاف ایزدی سے جسے ان کا ملنا موزوں ہوتا ہے۔ انہیں ہی خدا سے ملتے ہیں۔ بہ قول سعدی یہ خدا کا عطیہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چھٹی آیت میں طالوت کے علمی صفت کے کمال کا بیان کیا گیا ہے۔ کہا ہے کہ اس کے بادشاہ ہونے کی خاص الخاص علامت یہ ہے۔ کہ وہ تابوت تمہارے پیش کرتا ہے۔ جس میں تمہارے رب والی تسکین اور آل موسیٰ و ہاروں والے ترکہ کا بقیہ ہے۔ اور جسے فرشتے یعنی رشی اور عالم لوگ اٹھاتے ہیں۔ بلاشبہ سچے مومنوں کے لئے یہ سب سے بڑھکر آیت یا کشش کی چیز ہے۔ ۲۔

اس رکوع میں عموماً اور اس آیت میں خصوصاً کئی لفظ معانی کے لحاظ سے بحث طلب ہیں۔ مگر ان کو بیان کرنا محض طوالت کا موجب ہوگا۔ آیات کی تفسیر میں ہم نے ایک ایک لفظ پر واضح اور فیصلہ کن بحث کردی ہے۔ یہاں محض یہ بتانا کافی ہے۔ کہ اس آیت میں تابوت سے مراد لکڑی کے صندوق کی نہیں۔ بلکہ طالوت کے من کی ہے۔ جس میں رب والی تسکین یعنی آتما کو شانتی دینے والا وید گیان ہے۔ وید کے منتر میں آتا ہے جس طرح رتھ کے پہیئے کے دھرے میں آرے پروئے جاتے ہیں۔ اسی طرح رگ، یجو، سام اور اتھرو نام وید شیو سنکلپ من میں جڑے ہوتے ہیں۔ اور موسیٰ اور ہاروں کی اولاد کے ترکہ کا بقیہ یعنی توریت وغیرہ یا سمرتی گرنتھوں کا علم بھی اس میں ہے۔ گویا طالوت شرتی سمرتی کا ماہر عالم اور جسمانی طاقت میں بھی لاثانی تھا۔

بائیبل میں طالوت کا قصہ جس طرز پر بیان ہوا ہے۔ وہ بھی اصل کلام کو نہ سمجھنے والے مترجموں کی بدولت نہایت

۱۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

۲۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ع

گمراہ کن ہے۔ حضرت محمد صاحب نے اس بیان کی ہرگز ہرگز تقلید نہیں کی۔ تاہم مفسرین قرآن نے بائیبل کے الفاظ کا سہارا لیت
اور اس لئے اس آیت کی تاویل بطور ایک پیشگوئی کے کردی ہے۔ کہ اس کے پادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ صندو
جس میں تمہارے پروردگار کی بھیجی ہوئی تسلی (تورات) ہے۔ اور نیز موسیٰ اور ہارون جو (یادگار) چھوڑ مرے ہیں۔ ان میں
کی بچی کھچی چیزیں (بھی) اس میں ہیں۔ وہ (بے لڑے) تمہارے پاس آجائیگا۔ اور فرشتے اس کو اٹھا لائیں گے۔ اگر تم ایمان
رکھتے ہو تو تمہارے لئے کافی نشانی ہے۔"

لیکن قرآن ایسی پیشگوئی کا سخت مخالف ہے۔ نہ یہ معقول مفہوم ہے۔ کہ پادشاہ اب بنا ہیں۔ اور علامت لید میں پوری ہ
پھر آنحضرت توریت کو تسکین بھی نہیں مانتے وہ توریت اور انجیل سے پہلے کی ملت ابراہیم کو تسکین مانتے ہیں۔ اور اگر
موسیٰ اور ہارون کی اولاد کی یادگار کی بچی کھچی چیزیں صندوق میں رکھی مانیں۔ تو اول تو وہ صدہا شمار ہو سکتی ہیں۔ اور کسی
بھی صندوق میں ان کی سمائی محال ہو۔ لیکن اگر ایک دو معمولی چیزیں مانیں تو ان کا صاف بیان آیت میں بہ آسانی
ہو سکتا تھا۔ پھر فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یہ بھی مہمل ہے۔ کہاں سے اٹھا کر لائیں گے۔ کتنے فرشتے ہوں گے۔ اور عام ب
علم بوجھ اٹھانے والوں کو چھوڑ کر فرشتے اسے اٹھائیں۔ یہ کیوں اور عملاً فرشتوں کا اٹھا کر لانا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ بیان یہ ہے
کہ جالوت والوں نے اس صندوق کو چھکڑے پر لاد کر طالوت کے لشکر کی طرف ہانک دیا۔ کہ یہی مادہ فساد ہے۔ لیکن بائیبل
میں یہ ذکر ہے۔ کہ تگئے گو زخفہ میں جوڑ کر صندوق کو پہنچایا گیا۔ پھر جالوت اگر اتنا غالب آیا۔ کہ وہ اسی صندوق کو چھین
لے گیا۔ تو وہ اس کو خودبخود واپس کرے۔ ایسی حالت میں کہ جنگ بند بھی نہیں ہوئی۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑھ کر
یہ امر قابل غور ہے۔ کہ اب اس صندوق کا نہ کہیں وجود ہے۔ نہ اس کے ضائع ہونے کی تاریخ کا کہیں بھی علم ملتا ہے۔ کہا
جاتا ہے۔ کہ صندوق واپس ملنے کے بعد یروشلم لایا گیا۔ اور حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس
کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالانکہ بعد کا زمانہ قریب کا ہے۔ پس لکڑی کا صندوق دراصل مقصود ہی نہیں۔ فرشتے یعنی رشی اور عالم
لوگ جس تابوت کو اٹھاتے ہیں۔ وہ ان کا شیوسنکلپ من ہے۔ جس میں علم جمع رہتا ہے۔ کیا شرتی کا اور کیا سمرتی کا اور
نبی نے طالوت کے بجا طور پر خدا اسے پادشاہ بنایا جانے کو۔ اس قوم کے دلوں پر نقش کیا۔ یہی یہاں صحیح مفہوم ہے۔ اور وید
کے مطابق راجا بنانے کے لئے جو صفات دیکھنی چاہئیں۔ وہ بھی یہی ہیں۔ اتھرووید کانڈ ٦ انوواک ١٠ ورگ ٩٨ منتر ا
میں کہا ہے۔

اے انسانو! جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ شان و شوکت والا ہو۔ جو دشمن کو جیت سکے۔ اور آپ ان سے
مغلوب نہ ہو سکے۔ جو پادشاہوں میں سب پر حاوی اور غالب ہو۔ سبھا کا اعلےٰ افسر ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہو۔ قابل
تعریف اوصاف و افعال و عادات والا ہو۔ لائق تعظیم ہو۔ اس لائق ہو کہ لوگ اس کے پاس جائیں۔ اور پناہ لیں۔ جس
کی سب آرزو کریں۔ اس کو میر مجلس اور پادشاہ بنانا چاہیے۔" (١)

یجروید ادھیائے ۹ منتر ۹ میں اس مدعا کو اس طرح بیان کیا ہے

١- इन्द्रो जयाति न परा जयाता अधिराजो राजसु राजयातै ।
चर्कृत्य ईडयो वन्द्यश्चोपसद्यो नमस्यो भवेह ॥ २॥

اے ذی علم مدبران سلطنت اہل رعایا تم لوگ تمام روئے زمین کی ایک سلطنت ہونے کی غرض سے سب سے اعلیٰ مرتبہ پانے کے منشا سے ایسی حکومت کے مدعا سے جس میں بڑے بڑے عالم و فاضل شامل ہوں۔ نیز غایت درجہ کی جاہ و حشمت رکھنے والی سلطنت اور دولت کی ترقی کے لئے بالاتفاق ایسے عہدیدار سبھا یعنی راجہ کو جو ہر موقعہ پر رو رعایت سے بری پورا عالم و با اخلاق ہو۔ سب کا دوست ہو۔ حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے روئے زمین کو دشمنوں سے خالی کرو۔

اس قسم کے تمام حوالجات سے پایا جاتا ہے۔ کہ جسم و دل کی اعلیٰ صفات اور وید وغیرہ ستیہ شاستروں کا علم اور نیک چلنی کی اعلیٰ صفات ہی راجا کو رعیت کے طبقے سے تمیز کراتی ہیں۔ اور نیز یہ کہ قرآن میں وید کے آدرش راج دھرم کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے

۱۶- کھشتری کا ضبط

راجا کے اوصاف بتا کر تمام کھشتریوں کا مشترکہ وصف ضبط یا غالب الحواسی کا رکوع ۳۳ میں بتایا ہے۔ جس کی پہلی آیت میں بتایا ہے کہ طالوت نے پادشاہ ہو کر جنگ کے لئے فوج کشی کی۔ تو فوجیوں کو بتایا۔ کہ خدا نہر سے تمہارا امتحان لیتا ہے۔ دیکھو جو اس سے پی لیگا۔ وہ ہمارا ساتھی نہ ہو گا۔ اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے گا۔ وہ ہمارے ساتھیوں میں ہو گا۔ ہاں جو اپنے ہاتھ سے محض چلو بھر لے مستثنےٰ ہے۔ مگر بہ استثنائے قلیل تعداد کے سب نے پی لیا۔ اور جب طالوت اور اس کے ساتھی نہر سے گذر گئے۔ کہنے لگے۔ اس وقت ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ مگر جن لوگوں کو خدا کے وصل کا خیال تھا کہنے لگے اکثر ایسا ہوا۔ کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں خدا کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آتی ہیں۔ نیز یہ کہ خدا صابر یا مستقل مزاج لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۔

اگلی آیت میں کہا ہے۔ کہ یہ لوگ جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آگے۔ دعا مانگنے لگے۔ اے ہمارے خدا ہمیں استقلال عطا فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے پر ہمیں مدد دے۔ (۲)

ان آیتوں میں ویدک تعلیمات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ اس دنیا کا نام سنسکرت ساہتیہ میں بھوساگر آتا ہے۔ اس دنیا کے سامانوں کو بھوگنے کی خواہشوں کو ترشنا کہا جاتا ہے۔ اور عموماً اس ترشنا روپی ندی میں پاپی انسان بہتے و غوطے کھاتے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور اسی ندی سے طالوت کھشتری فوجیوں کو آزمایا جانے کا اپدیش دیتا ہے۔ وید ہدایت دیتا ہے۔ کہ دنیا میں تیاگ بھاؤ سے اپنے سامانوں کو بھوگو۔ ان میں آسکت نہ ہو جاؤ۔ کرم یا نیک کام کرتے چلے جاؤ۔ پھل کا خیال یا لالچ نہ کرو۔ یہ تو ایشوری انصاف سے سب کو خود بخود پورے انصاف سے ملیگا۔ کئی جگہ دنیا کو سرور یا تالاب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور اس میں کنول کے پتوں سے جو پانی کے اوپر نکلے رہتے ہیں۔ اور پانی جن پر قابو نہیں پا سکتا۔ ان کی مثال سے انسانوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔ کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے مت ہو۔ بلکہ پرمیشور کے ہو۔ دنیا کے سامانوں کو محض جسم کے قیام کے

۱- فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

۲- وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

لئے استعمال میں لاؤ۔ کھاؤ تو محض اتنا جتنا صحت کے لئے ضروری ہو۔ استری کا بھوگ ہو تو محض اس قدر کہ صحیح معنے میں گرہستھ دھرم ہو۔ غرضیکہ محض ایشور کے احکام کی تعمیل کو نصب العین بناؤ۔ اس سے زیادہ مادی دنیا سے تعلق نہ رکھو۔ مہابھارت کے یکھش یدھشٹر سمواد میں آتا ہے۔ کہ جلا وطن ہوئے نکل۔ سہدیو۔ بھیم۔ ارجن چاروں باری باری پیاس بجھانے و پانی لانے کو ایک سرو ور پر پہنچے۔ تو وہ سب مرتے گئے۔ اس لئے کہ اس سرو ور کے راجا کا قانون تھا۔ کہ جو شخص اس کے سوالوں کا جواب دیئے بغیر سرو ور کا پانی پئے گا۔ وہ مر جائے گا۔ چونکہ یہ چاروں بھائی پیاس سے بے تاب ہو کر یکھش کے سوالوں کے جواب کی بجائے پانی پینے پر مصر ہوتے۔ اور پی لیتے رہے۔ اس لئے وہ مرتے گئے۔ لیکن جب یدھشٹر آئے۔ اور یکھش نے اسے اپنا قانون بتا دیا۔ تو انہوں نے پانی پینے کو ملتوی کر کے جواب دینے کو مقدم فرض سمجھا۔ اور جب وہ جواب دے چکے۔ تو انہوں نے پانی بھی پیا۔ اور زندہ بھی رہے۔ اور پھر مزید عقلمندانہ گفتگو سے خوش ہو کر یکھش نے اس کے چاروں بھائی بھی زندہ کر دیئے۔

اس طول طویل کتھا میں دنیا کو تالاب کہا ہے۔ یکھش پرمیشور کو جو اس دنیا کا سچا راجا ہے۔ اور اس کا قانون یہ ہے۔ کہ پہلے علم کو حاصل کرو۔ دنیا کا کیا کیا سامان کس کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے استعمال کا صحیح طریق کیا ہے۔ سب کچھ برہمچریہ اوستھا میں سیکھ کر پیچھے شادی وغیرہ کرو۔ اگر سچے علمی سوالات کو حل کئے بغیر دنیا میں کوئی شخص بھوگ کریگا۔ تو وہ اس میں غرق ہو کر اپنے تئیں تباہ کرے گا۔ اور ان سامانوں کو بھی بے قیمت کریگا۔ چنانچہ موجودہ دنیا میں ایشوری گیان کو نظر انداز کر کے کل انسانی جماعت دکھ اور ذلّت کا ہی شکار ہو رہی ہے۔ اور وہ سامان جو ہماری صحت اور آرام کا موجب تھے۔ دکھدائی بن رہے ہیں۔ اور ہم روحانی موت مر چکے ہیں۔ جب کبھی دیانند وغیرہ جیسے گیانی اصل سوالوں کو علمی قابلیت بڑھا کر حل کرتے ہیں۔ انسانی جماعت میں جیون آجاتا ہے۔

غرضیکہ تالاب یا ندی یا سمندر کی مثال سے دنیوی خواہشات کے پانی پینے کو ویدک لٹریچر میں دھرم سے گمراہ یا گنہگار ہونے کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہی کچھ قرآن اس رکوع کی پہلی آیت میں کہتا ہے۔ کہ نہر کے پانی سے امتحان ہوگا۔ جو اس وشے واسنا کے جل کو نہ پیئے یا پیئے تو محض حاجت روائی کے لئے وہ تو سچا کھشتری ہے۔ اور جو اس پانی کو پی لے۔ یعنی وشیوں کا شیدائی بن جاوے۔ وہ راجہ کے کام کا نہیں۔ شہوت پرست بنکر جو دیریہ (آدی) کا ناش کرے۔ وہ جنگ کے قابل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ ذکر کر کے کہ باستثنائے چند کے سب نے پانی پی لیا تھا۔ کہ جب میدان میں سامنے ہونے کا وقت آیا۔ تو اس سے پہلے ہی یہ لوگ جواب دے بیٹھے۔ کہ ہمارا تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ نہ ہم میں طاقت ہے۔ برخلاف اس کے جن تھوڑے سے فوجیوں نے خدا کے فضل کی خواہش سے اس ندی کا جل نہ پیا۔ وہ بہادری کا مجسمہ بن کر کہنے لگے۔ مضائقہ نہیں ہم تھوڑے ہیں۔ بارہا تھوڑے سے لوگ ایشور کی عنایت سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آتے ہیں۔ سو انہوں نے سچے کھشتریوں کی طرح لڑنے کا مصمّم ارادہ کیا۔ اور خدا سے دعا مانگی۔ کہ ہمیں صبر۔ استقلال اور کافروں کے مقابلے پر مدد عطا فرمایئے۔ غرض یہ کہ خود ضبط مجسّم ہو کر پورا شار تھ کرنا اور خدا سے دعا مانگنا ہی کھشتری کا وصف ہے۔ اور ایسا کھشتری ہی فتح کا مستحق ہے۔ چنانچہ تیسری آیت میں ہے۔ کہ اس (طالوت) نے خدا کے حکم سے اس (جالوت) کو شکست دی۔ اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا۔ غرضیکہ سچی فتح کے لئے کھشتری کے آدرش دھرموں کا ہی قرآن میں بھی بیان ہے۔ اور جس طرح ویدک دھرم میں دنیوی بھوگوں میں مستغرق ہونے سے یہ کہکر روکا جاتا ہے۔ کہ ان میں سکھ نہیں۔ یہ تو محض مرگ ترشنا جل ہیں۔ یعنی جیسے دور سے ریت کو دیکھ کر ہرن پانی سمجھتا اور دوڑتا ہوا وہاں پہنچتا پر وہاں پانی نہ پا کر نراش ہوتا اور تڑپ تڑپ کر مرتا ہے۔ اسی

طرح نفسانی خواہشات سے سکھ کی تلاش کرتے ہوئے انسان جہالت میں اپنی قیمتی زندگی اور اعلیٰ ترین انسانی قالب کو برباد کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق قرآن سورۃ النور رکوع ۵ آیت ۵ میں کہتا ہے کہ
کافروں کے اعمال ایسے ہیں۔ جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت۔ جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ مگر جب وہاں پہنچتا ہے۔ تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ ۱۔ ان تمام بیانات سے ظاہر ہے۔ کہ جس طرح تمام انسانوں اور کھشتریوں کو بالخصوص ایک ضبط اور غالب الحکم کی وید تعلیم دیتا ہے۔ قرآن اس کی پوری تقلید کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت جو اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا۔ وہ دوسرے لاکھوں کروڑوں پر کس طرح حکومت کر سکتا ہے۔

۱۷۔ جنگ کی غرض

کھشاتر دھرم کا جنگ سے تعلق ہونے سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ خدا نے جنگ سے کیا مصلحت سمجھی ہے۔ لڑائی کرانا تو بعید از اخلاق ہے قرآن اس کا جواب اسی تیسری آیت کے آخری حصے میں دیتا ہے۔ کہ اگر خدا اس طرح نہ کرے۔ کہ برے فریق کو اچھے فریق کے ذریعے ناش کرتا رہے۔ تو دنیا میں فساد ہی فساد بھر جائے (۲)
دوسری جگہ قرآن کہتا ہے۔ امن و بہبود کے قیام سے پہلے جنگ ہوتا ہی ہے۔ واقعی اگر راجہ قاتلوں کو پھانسی اور چوروں کو سزا نہ دے۔ تو ظالم لوگ اس درجہ دلیر ہو جاویں۔ کہ اہل سوسائٹی کو امن سے جینا بھی دشوار ہو جائے۔

۱۸۔ ویش ورن

ویدک دھرم میں برہمنوں اور کھشتریوں کے علاوہ ویش بھی دوِجنما کہلاتے ہیں۔ اور وہ بھی علم اور عمل کے لحاظ سے برہمنوں اور کھشتریوں کی سی ہی ذمہ داری رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ برہمن کے کام کا تعلق جہاں روح وغیرہ سے ہے۔ کھشتری کا تعلق جسمانی و مالی حفاظت سے ہے۔ وہاں ویش کا تعلق تمام ضروریات کی بہم رسانی سے ہے۔ اگر ضروریات زندگی کو کھیتی تجارت وغیرہ سے ویش پورا نہ کریں۔ تو نہ برہمن اپنے کام میں ماہر ہو سکتے ہیں۔ نہ کھشتری۔ ہر کام میں ہر شخص کا تعلق ہو۔ تو یہی ضرب المثل صادق آئے گی۔ کہ

Jack of all trades but master of none.

ساتھ ہی ویش خود غرضی سے اپنی کمائی کے پیچھے پڑ جاویں۔ تو وہ اپنا معاوضہ بڑھا کر دوسروں کے لئے بوجھ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے دوسرے ورنوں کی خدمت کے خیال کے زیر اثر انہیں اپنی کمائی میں خود غرضی کو داخل نہ کرنا چاہئے۔
وید کہتا ہے جس طرح سر۔ بھجا اور ارو والے سارے حصے ایک جسم کو بناتے ہیں۔ اسی طرح برہمن کھشتری اور ویش انسانی سوسائٹی روپی جسم کے انگ ہیں۔ اور سب کا دکھ سکھ نفع نقصان سانجھا ہے۔ اسی آدرش کو قرآن سورۃ آل عمران رکوع ۱۴ میں بیان کرتا ہے۔
اے اہل ایمان وہ ربا نہ کھاؤ کہ دگنے چوگنے ہوتے چلے جائیں۔ اللہ سے ڈرو۔ جس سے تمہارا بھلا ہو۔ ۱۔ نیز اس

۱۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۔
۲۔ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

آگ سے ڈرو۔ جو کافروں کے لئے مقدر ہے۔ ۲۔
اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ تاکہ رحمت الہی تمہارے شامل حال ہو۔ ۳۔
اور تیز قدمی سے اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف چلو۔ جو دئیو اور پرتھوی لوک پر پھیل رہا ہے۔ اور متقی لوگوں کے لئے مقدر ہے۔ ۴۔
- یعنی ان لوگوں کے لئے جو فراخی تنگی ہر حال میں راہ حق میں خرچ کرتے۔ غصے کو دباتے اور لوگوں پر کھشما (درگذر) کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ایسے نیک عمل والوں سے پیار کرتا ہے۔ ۵۔
- نیز ان لوگوں کے لئے جو برا کام یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ اور دیدہ دانستہ اپنے بیجا عمل پر اصرار نہیں کرتے۔ ۶۔
- یہی لوگ ہیں۔ جنہیں اپنے رب کی طرف سے مغفرت کی شکل میں بدلہ ملنا ہے۔ یعنی وہ جنت جس کے تحت میں نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ واقعی نیک کام کرنے والوں کے لئے بڑا اچھا اجر ہے۔ ۷۔
- تم سے پہلے بھی بڑے بڑے صاحب ثروت گذر چکے ہیں۔ پس ذرا تاریخ دنیا کا مطالعہ کرو۔ اور دیکھو کہ مکذبوں کا انجام کیسا ہوتا رہا ہے۔ ۸۔ (۱)

ان آیات میں حسب ذیل امور کا ویش ورن کے متعلق بیان ہے۔

اول۔ ربا سے بچیں۔ مفسرین ربا کے معنے سود کے لیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس کے معنے بڑھوتری کے ہیں۔ اور یہ اس ناجائز سود پر بھی عاید ہوتا ہے۔ جو حرام کی کمائی میں داخل ہے۔ اس رقم پر بھی جو اشد ضرورت کا موقعہ دیکھ کر مجبور مقروض سے سو کے ڈیڑھ دو سو لکھوا لئے جاتے ہیں۔ اور اس منافع پر بھی جو دُگنے چوگنے کراتا ہے۔ خواہ زمین یا مکان کی خرید و فروخت ہو۔ خواہ پیداوار ارضی کی۔ اس ظلم کی کمائی سے بچنے کے لئے خدا کا خوف دلایا گیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ اور دکھوں کی جلانیوالی آگ سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ دوم۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں۔ یہ حکم جو دوسری آیت میں ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے۔ کہ ویش لوگ خدا کے حکموں کو کبھی نہ بھولیں۔ اس کے سچے گیان کی رہنمائی میں ہی اپنے فرض کا احساس کرتے ہوئے کمائی کریں۔ اور رسول جو خدا کے حکموں کو پورے غور و فکر سے سوچتا ہوا لوگوں کو دھرم پر مائل رکھتا ہے۔ اس کا کہا ماننا بھی ان کا فرض ہے۔ کم سے کم ان سے صحیح رہنمائی انہیں مل سکتی ہے۔ اور بھارت ورش میں تو ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ کہ ویش لوگ عموماً برہمنوں یا گیانیوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا فلاں کام میں پاپ تو نہ ہوگا۔ جہالت میں کئی صورتوں میں یہ پوچھ تاچھ بری شکل اختیار کر رہی ہے۔ جیسے برہمنوں یا جھوٹے جیوتشیوں سے پوچھنا کہ کس صورت میں کیا سودا کریں۔ کہ ایک دم گہرے ہو جائیں۔ تاہم

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

اصل مدعا ویشیوں کے اس پوچھنے کا یہی ہے۔ کہ کہیں حرام کی کمائی ان کے یہاں آنہ جاوے۔

سوم۔ چوتھی آیت میں ہدایت ہے۔ کہ وہ محض ایسے فعل کریں جس سے خدا کی خوشنودی ہو کر برائیاں دُور ہوں۔ اور سورگ یا سکھ ملے۔ وہ سکھ کیا دیولوک اور کیا پرتھوی لوک، ہر کہیں موجود ہے۔ اور میسّر ہوتا ہے۔ مگر شرط محض یہ ہے۔ کہ متقی بنا جاوے یعنی نیک اور پرہیزگار۔

چہارم۔ ان متقی لوگوں کے اوصاف کو پانچویں اور چھٹی آیت میں واضح کیا گیا ہے۔

۱۔ فراخی تنگی ہر حال میں مستقل مزاج رہنا۔ دھرم میں دھن صرف کرنا۔ کیونکہ تنگی میں بھی جب اصل سرمایہ سے اپنی ساری ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ تو دھرم یا نیکی میں خیرات کو بند کیوں کیا جاوے۔ ایسا ہونے سے تو تنگی اور دکھ کے بڑھنے کے ہی سامان ہوں گے۔

۲۔ غصے کو دبانا۔ ۳۔ انسانوں پر درگذر کرنا۔ اور خدا کا پیارا بننا۔

۴۔ بُرا کام ہو جائے۔ تو خدا سے اس کی دوری کے لئے دُعا مانگنا۔ ۵۔ اپنے بیجا عمل اور جھوٹ پر ضد نہ کرنا۔ بلکہ نیک عمل اور سچائی پر قائم رہنا۔

۶۔ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کر کے غرور سے بچنا۔ یہ جان کہ ہماری ہستی ہی کیا ہے۔ ہم سے بہت زیادہ ثروت رکھنے والے بے شمار لوگ گذر چکے۔ تو کیا ہم یا ہمارا مال و دولت ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۷۔ ساتھ ہی یہ بھی نصیحت تاریخ سے پکڑو کہ جو جھوٹ پر چلے یا سچائی کی تکذیب کرتے رہے۔ وہ عذاب الٰہی سے بدانجام یا تباہ ہو گئے۔ اگر غور کیا جاوے تو اس رکوع میں منوسمرتی کے دھرم کے لکھشنوں پر چلنے کی بھی صاف ہدایت ہے۔ غرضیکہ کھیتی یا تجارت وغیرہ سے حق حلال کی کمائی کرنا دوسروں کی ضرورت بہم پہنچانا ہے۔ دھرم میں دھن کو لگانا بری کمائی اور بُرے خرچ سے بچنا۔ اور خدا کے قانون اور نیک عالم لوگوں کی رہنمائی میں چلنا اور دھرم کے سارے لکھشنوں کو مدّنظر رکھنا ویش کے فرائض میں داخل ہے۔

سورۃ البقر میں ہدایت ہے۔ کہ

رکوع۔ ۳۷۔ اے اہلِ ایمان! اس کمائی میں سے (راہِ حق میں) خرچ کرو۔ جو تم نے کمائی ہے۔ یا جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے۔ اور مضر صحت یا بے ایمانی پر مبنی ملاوٹوں سے بچنے کے علاوہ اس میں سے ایسی گندی یا رذیل چیزیں نہ دو جو تم لیتے نہیں۔ سوائے اس کے کہ چشم پوشی کرو۔ اور جان لو۔ کہ خدا غنی اور قابلِ تعریف ہے۔ (۱)

اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ویش لوگ تجارت سے حلال کمائی کریں۔ اس میں دوسروں پر مہنگائی سے ظلم نہ ڈھائیں اور ساتھ ہی اس کے ایشور کی عنایت سے بذریعہ کھیتی جو ان اناج انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس میں سے راہِ حق پر خرچ کریں۔ اس کے بعد کی آیتوں میں دان کے متعلق ہو بہو وہی ہدایتیں ہیں۔ جو وید منو آدی دھرم شاستر میں ہیں۔ یعنی دان کپاتر کو نہ دو۔ ان کو دو جو مستحق ہیں۔ اس میں دانائی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ظاہر کر کے دو۔ پوشیدہ طور پر دو۔ دو

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

ضرور۔ پر اس دان کا پھل یہ نہ ہو۔ کہ اس سے تم تبدیل مذہب وغیرہ کی اغراض پوری کرو۔ بلکہ اس کا پھل ایشوری نیم کے مطابق تمہیں ملیگا دان دوسروں کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنے لئے سمجھو۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لئے پھر دان بالخصوص ان کو دو۔ جو اشاعت حق میں دکھ اٹھا رہے ہیں وغیرہ۔ اس طرح سوچ سمجھ کر جو لوگ رات دن اپنی دولت وغیرہ کو فیض عام میں لگاتے ہیں۔ بڑا پھل پاتے ہیں۔ اور ان کے دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ یہ کہکر رکوع ۳۸ میں کہا ہے۔

جو لوگ ربا خوار ہیں۔ وہ اس پوزیشن میں ہیں۔ کہ گویا شیطان نے انہیں چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہے۔ یہ ان کے اس کہنے کا نتیجہ ہے۔ کہ ربا تو بس بیع کی ہی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور ربا کو حرام۔ پس جس کے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پہنچی۔ اور وہ باز آگیا۔ تو جو پہلے لے چکا۔ وہ اس کا یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی ربا لیں۔ تو سمجھ لو۔ وہ دوزخی ہیں۔ وہ تو بس وہیں کے ہو چکے۔ خدا ربا کو مٹاتا۔ اور صدقات کو بابرکت کرتا ہے۔ وہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔ (۱)

یہاں پھر ربا لفظ قابل غور ہے۔ ربا۔ ربو کے لغوی معنے ہیں۔ فزونی و فزوں شدن۔ و برآمدن بر بلندی و تالہر (صراح) یہ صحیح ہے۔ کہ غیر معمولی شرح خود بھی بڑھوتری ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جائز سود بھی حرام ہے۔ ایسا ہو۔ تو قرآن تجارتی ترقی کو روکنے کا موجب ہوسکتا ہے۔ بنک کو قرضہ دینے والا سود نہ لے۔ اور بنک اس روپیہ سے تجارتی کام جاری کرے۔ منافع لیتا رہے۔ یہ شرط انصاف نہیں۔ ایک شخص قرضہ لے کر عالی شان مکان بنوا لے۔ اور اسے دو گنے تگنے داموں پر کسی مالدار کے ہاتھ بیچ دے۔ مگر قرض دینے والے کو کچھ نہ دے۔ یہ بھی معقول نہیں ہوسکتا۔ پس ربا کا اطلاق محض اس بڑھوتری پر ہوگا۔ جو مقروض پر ظلم ہے۔ غریب غرضمند کا کوئی انتظام نہ ہوسکے تو اسے سو روپیہ دے کر ڈیڑھ دو سو لکھوا لینا۔ اور میعاد کے اندر ادا نہ ہونے پر راس المال میں اور زیادتی کر دالینا یا سود کو ساتھ شامل کر کے سود در سود چارج کرنے لگنا۔ یعنی شریف و غریب کی مصیبت کو زیادہ سے زیادہ شکنجے میں کھینچنے کا موجب بنانا ربا کا صحیح مفہوم ہے۔ سود کے معنے تو ہے منافع اور جب لین دین میں جائز منافع حلال ہے۔ تو روپیہ کے لین دین میں نفع کس طرح نظر انداز ہوسکتا ہے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ قرآن میں ایک جگہ تو ربا بیع لفظ کی ضد ہے۔ اور اس رکوع کی دوسری آیت میں صدقات کی ضد ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ ربا نہ تو جائز تجارت ہے۔ نہ حلال کمائی۔ خدا اسے مٹاتا ہے۔ اور صدقات میں برکت دیتا ہے۔ اس کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ظلم کی کمائی سے کمانیوالا تباہ ہوتا ہے۔ اور صادق کمائی یا خیرات سے کمائی میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حرام کمائی کی مثال آیت ۲۶۳ میں یوں دی ہے۔ کہ باپ بوڑھا ہو گیا ہے۔ بیٹا معصوم ہے۔ اس نے اپنی کمائی سے بڑا باغ بنایا ہے۔ جو پھل پھول اور لہلہا رہا ہے۔ اور بوڑھا سمجھتا ہے۔ بیٹا میرے بعد بھی اس سے گذارہ کر کے میرا نام روشن کرتا رہیگا۔ لیکن ہوتا یہ ہے۔ کہ ایک دم وہ باغ آگ کی نظر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات کیا ہوگی۔ پس نصیحت دی گئی ہے۔ کہ جس اولاد کی

۱۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

خاطر ظلم کرتے ہو۔ حرام کی کمائی سے تم انہیں کامیاب نہیں کر سکتے۔ پاپ کا بھانڈا ابھر کر پھوٹتا ہے۔ آگ لگنے سے ساری کمائی اس وقت برباد ہو سکتی ہے۔ جب کہ خود انسان بوڑھا ہو کر کمائی نہ کر سکے۔ اور بیٹا بھی بالکل انجان اور ناتواں ہے۔ اب نہ کچھ ہاتھ پلے نہ کوئی کچھ کما سکے۔ اس مصیبت کا بھی بھلا کچھ ٹھکانا ہے۔ یہ تو ہے مثال خراب کمائی کی۔ اسی طرح پاپ میں خرچ کر نیکی مثال دی ہے۔ کہ چٹان پر مٹی پڑی ہے۔ اس میں بیج بویا گیا ہے۔ تو جب مینہ برستا ہے۔ نہ مٹی رہتی ہے۔ نہ بیج دونوں بہ جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے پر حق حلال کی کمائی اور دان کو اس بلندی پر پہنچے کا ذریعہ کہا ہے جیسے پیڑ لگا یا ہوا باغ تیز سے تیز بارش سے بھی ضروری فائدہ پاتا ہے۔ اور ہلکی سے ہلکی بارش کو بھی جذب کر سکتا ہے۔ اور ایک ایک دانے کے سو سو دانے ملتے اور ہر طرح کی برکت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔ پس ربا ظلم کی یا غیر مشروع بڑھوتری ہے اور قرآن اس کی پرزور مذمت کرتا ہے۔ مفصّل توضیح اس کی تفسیر میں موقعہ مناسب پر کی گئی ہے۔ یہاں محض اتنا کہنا کافی ہے کہ ربا کے متعلق اسلام میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ اور ربا کی تفسیر ہم سے نہیں فرمائی۔ اسی سے اختلاف ہوا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جاوے۔ تو اختلاف کو قرآن بالکل مٹا دیتا ہے۔ مذہبی اور اخلاقی ترقی میں لین دین کے متعلق جو بڑھوتری مانع ہو سکتی ہے۔ وہ ربا ہے۔ بالخصوص ان آیات میں قرآن سود یا منافع کو تو لازمی سمجھتا ہے۔ بغیر اس کے تجارت کے لئے روپیہ کا لینا دینا کیسے ہوگا۔ ہاں ربا کو تجارت کی ترقی کے منافی ہونے سے حرام قرار دیتا ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ اگر سوسائٹی کی حالت اس قدر اعلےٰ ہو جاوے۔ کہ لوگ اپنی دولت کو دوسروں کی مشکلات دور کرنے کے لئے بلامعاوضہ دیں۔ تو اس سے زیادہ کچھ بہتر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس صورت میں تمام ان اناج مکان مویشی کے دام بھی دوسروں سے چارج کرنیکا کوئی حقدار نہ ہوگا۔ غرضیکہ ربا کی ممانعت اور حلال کمائی اور دان کی ہدایت ویش ورن کے لئے کامیابی کی کلید ہے۔ ساتھ ہی آیت ۲۶۲ سورۃ البقر میں یہ بھی ہدایت ہے۔ کہ خیرات کرکے احسان نہ جتاؤ۔ (نیکی کر دریا میں ڈال) نہ دان لینے والے کو ایذا پہنچانا اپنا حق سمجھ بیٹھو۔ بلکہ اس سے بامروت اور شیریں زبانی سے بولو۔ اور دکھاوے کے لئے بھی دان نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۹ - شودر ورن

ویدک دھرم میں بے علم طبقہ محض جسمانی خدمت کے قابل ہونے سے برہمن۔ کھشتری اور ویش کی خدمت کرنے کے لئے ہے۔ اور اسے شودر کہتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی ہدایت دینا اور ان کی اولاد کو علم وغیرہ کے حصول سے دوج بننے کا موقعہ دینا سوسائٹی کے مکھیا لوگوں کا کام ہے۔ عرب میں آنحضرت کے سامنے غلام طبقہ شودروں کی جگہ میں تھا۔ اور وہ اس کو کارِ ثواب بتاتے تھے۔ کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں کسی مذہبی قانون کو توڑنے پر پرائشچت کا ذکر آتا ہے۔ وہاں یتیموں یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے ساتھ ایک دو غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی بیان ہے۔ بہ الفاظ دیگر غلاموں کو آزاد کرنا گناہ اور گراوٹ سے بچانے کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ اور جیسے ویدک دھرم میں شودروں کے برہمن وغیرہ بننے کا اصول اور مثالیں بھی موجود ہیں۔ ویسے ہی اسلام میں غلاموں کے بادشاہ تک بننے کی ہی مثالیں موجود ہیں۔

گیارھواں باب - برہمچریہ

۱- وید مریادا

ویدک دہرم میں برہمچریہ برت کے پالن کرنیکی ہدایت سب سے مقدم ہے۔ انسانی زندگی کی جو چار اہم منزلیں ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلی منزل برہمچریہ آشرم کہلاتی ہے۔ اس میں تمام دنیا وی کاروبار اور رشتہ داروں سے الگ رہکر محض تحصیل علم میں لگنا ہوتا ہے۔ اس آشرم کے پورا ہونے کے بعد شادی کرکے (خانہ داری) گرہست آشرم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور محض سنتان اتپتی کے لئے خاص قواعد کی پابندی کے ساتھ استری پرش کا میل ہونے کے علاوہ کل دوران خانہ داری میں غالب الحواس رہنا ہوتا ہے۔ تیسرا آشرم بان پرستھ اور چوتھا سنیاس آشرم کہلاتا ہے۔ ان دونوں میں بھی کامل برہمچریہ رکھنا ہی انسان کا فرض ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وید قریباً ساری عمر میں ایک دہرم یا فرض کو مسلسل پالنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ فرض ہے برہمچریہ برت۔ اور یہ ہے بھی معقول اس لئے کہ انسانی جسم میں جو خون ہڈی مجا مانس وغیرہ کی سات دہاتو ہیں۔ ان میں سے سب سے افضل ویریہ یا منی ہے۔ اور اس ویریہ سے جسم کے ہر عضو میں طاقت پہنچتی ہے۔ حتےٰ کہ دماغی طاقت پاکر انسانی عقل لطیف سے لطیف مضامین کو سمجھتی اور روح کو سچا علم اور سچی راحت پانے کے قابل بناتی ہے۔ جو لوگ اس لائن پر ویریہ کا استعمال نہیں کرتے۔ وہ ویریہ کو لذت نفسانی کے شیدائی ہوکر فضول گنواتے ہیں۔ یا اس کو اولاد پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ انسان کے لئے اصل ہستی روح کی طاقت اور ترقی ہی سب سے زیادہ مفید اور مقصود ہے۔ اس لئے اسی طرف ویریہ کی گتی لے جانے کے لئے ایشور نے ساری آیو بھر کے لئے مقدم فرض ویریہ کی رکھشا کرکے اوردھ ریتا برہمچاری بننے کو بتایا۔ اور مرد عورت کے باہم ملنے کے موقعوں کو نہایت تنگ دائرے میں قید کیا ہے۔ ساتویں باب میں کتنے ہی وید منتروں کے حوالے دے کر ہم نے سورگ کی مہاں تبائی ہے اور ثابت کیا ہے۔ کہ خانہ داری میں بھی ضبط مجسم رہنے سے ہی سکھ ملتا ہے۔ اور برہمچریہ کے تپ سے آخر نجات نصیب ہوتی ہے۔ وید کا فرمان ہے۔ برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم یا دیوتا لوگ موت پر فتح پاتے ہیں۔ برہمچریہ کے تپ سے ہی آتما اور اندریوں میں بل آتا ہے۔ اور برہمچریہ کے تپ سے ہی راجا راشٹر کی رکھشا کر سکتا ہے۔ (۱)

منو ادھیائے ۳ شلوک ۲ میں کہا ہے۔ کہ اَوِپلُت یعنی اکھنڈ یا نا شکست برہمچریہ کی شرط پوری کرنے والے ہی وید

ब्रह्मचर्येण तपसा राजा राष्ट्रं वि रक्षति। अथर्व ११।५-१७,१९-१
आचार्यो ब्रह्मचर्येण ब्रह्मचारिण मिच्छते ॥१७॥
ब्रह्मचर्येण तपसा देवा मृत्युमुपाघ्नत।
इन्द्रो ह ब्रह्मचर्येण देवेभ्यः स्वरामरत् ॥१९॥

ودیا کو حاصل کر کے شادی کرنے کے حقدار ہوتے ہیں

رگ ۔ ۳ ۔ ۵۵ ۔ ۱۶ میں لڑکی کو अप्रदुग्धा धेनवा یعنی کسی سے نہ دوہی گئی گائے کی مانند کہکر شادی کے قابل بتایا ہے ۔ (۲)

رگ ۱ ۔ ۱۷۹ ۔ ۱ میں لڑکے کے لئے پورن برہمچاری ہونے کی شرط کا پورا ہونا ہی اسے شادی کا مستحق ٹھہراتا ہے (۳)

اتھرو ۱۱ ۔ ۲۴ ۔ ۳ ۔ ۱۸ میں حکم ہے ۔ کہ کنیا برہمچارنی رہ کر جوان پتی سے بیاہ کرے (۴)

اس قسم کے بے شمار حوالہ جات سے پایا جاتا ہے ۔ کہ ویدک مریادا کے مطابق دنیاداری میں داخل ہونے کی بنیاد اور دنیا میں کامیابی پانے کا اصل ذریعہ برہمچریہ ہی ہے ۔ اسی سے صحت طاقت ۔ عمر اور راحت ملتی ہے ۔ اور اسی فرض میں غفلت کرنے سے کمزوری بیماری دکھ اور موت نصیب ہوتی ہے ۔

مہرشی دیانند بالکل بجا فرماتے ہیں ۔ کہ جس ملک میں برہمچریہ ۔ علم اور ویدک دھرم کا پرچار جیسا کہ چاہیئے رہتا ہے ۔ وہی ملک خوش نصیب ہے ۔

۲ ۔ قرآن میں برہمچریہ مریادا

سورۃ النور آیت ۳۰ میں ہدایت ہے ۔ مسلمانوں (مردوں اور لڑکوں) کو کہدو ۔ کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں ۔ اور اپنے اندام نہانی (شرمگاہ) یا برہمچریہ کی رکھشا کریں ۔ یہی مومنوں کا سداچار ہے (۵)

اس کے آگے آیت ۳۱ میں ہے ۔ مسلمان ۔ عورتوں اور لڑکیوں کو کہدو ۔ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں ۔ اور اپنی شرمگاہ یا برہمچریہ کی حفاظت کریں (۶)

گویا وید کی طرح دونوں فریقوں کو بالمقابل صاف الفاظ میں وید والی مریادا کو پالنے کا ہی حکم دیا گیا ہے ۔ اور اس میں کامیابی ہونے کے لئے ویدک لٹریچر سے جو ہدایات ملتی ہیں ۔ ان میں سب سے اہم ہدایت جس پر ہر کہیں ہر شخص بغیر کسی خرچ کے عمل کر سکتا ہے ۔ نگاہ کو نیچا رکھنا ہے ۔ ویر لکشمن کے متعلق رامائن کا مشہور ترین واقعہ کس بھارت باسی کو معلوم

---

۱ ۔ वेदान धीत्यवेदौ वा वेदं वापि यथाक्रमम् ।
अविप्लुतब्रह्मचर्यो गृहस्थाश्रममाविशेत ॥ २ ॥

۲ ۔ आधेनवो धुनयन्ता मशिश्वीः सबर्दुघाः शशया अप्रदुग्धाः ।
नव्यानव्या युवतयो भवन्तीर्महद्देवानामसुरत्वमेकम् ॥ २ ॥

۳ ۔ पूर्वीरहं शरदः शश्रमाणा दोषावस्तोरुषसो जरयन्तीः ।
मिनाति श्रियं जरिमा तनूनामप्यु नु पत्नीर्वृषणो जगम्युः ॥

۴ ۔ ब्रह्मचर्येण कन्या ३ युवानं विन्दते पतिम् ॥

۵ ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

۶ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

نہ ہوگا۔ رام کو چودہ برس کا بن باس ملتا ہے۔ بیوی ورنا سیتا راج محلوں کو لات مار کر اپنے پتی کا ساتھ دیتی ہے۔ لکشمن بھی اپنے بڑے بھائی کی خدمت کو افضل سمجھتا ہوا بھائی اور بھاوج کے پیچھے چلتا ہے۔ لیکن بن باس کا ایک ہی سال رہتا ہے کہ راون سیتا کو چرا لیجاتا ہے۔ سیتا اس مصیبت میں بھی اپنے اوسان نہیں کھوتی۔ زیور اتار کر پھینک جاتی ہے۔ رام کو سیتا کی تلاش کرتے کرتے جب زیور ملتے ہیں۔ تو لکشمن سے سوال کرتے ہیں۔ کہ پہچانو تو کیا یہ زیور سیتا کے ہیں۔ لکشمن ایک ایک زیور کو دیکھ کر اپنے آپ کو صحیح پہچان کے ناقابل بتاتا ہے۔ لیکن جب پازیب دکھائی جاتی ہے۔ تو کہتا ہے بے شک سیتا ماتا کی ہے۔ میں روز ماتا کے چرنوں کو بندنا کرتا ہوا انہیں دیکھتا رہا ہوں۔ (۱)

آہ! کیا غضب کا واقعہ ہے۔ راج محلوں میں دیور اور بھاوج رہتے رہے۔ جنگلوں میں برسوں اکٹھے رہتے گذرے مگر کیا مجال کہ دیور بھاوج کے منہ کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ رامائن وید کی تعلیم کا عملی پہلو اس سبق آموز واقعہ کی صورت میں پیش کر رہی ہے۔ سدا چار کی اس بلندی تک رسائی یقیناً برہمچریہ کی عظمت کے پورے پورے احساس کا نتیجہ تھی۔ اور اس احساس کو عمل میں مضبوط طور پر قائم کرنے کا ذریعہ نگاہ کو نیچا رکھنا تھا۔ یہی وہ عمل ہے جو آریہ جاتی کو موجودہ دنیا کے سامنے بھی سربلند اور سرفراز کر رہا ہے۔ اور یہی نیچی نگاہ والی تعلیم قرآن دے رہا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں بہشتی باغوں میں ایسی نیچی نگاہ والیوں کا ذکر ہے۔ جن کو اپنے پتی سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہو نہ جن نے (۲)

آیت ۷۰ میں دوسری قسم کے باغوں میں بھی خَیْرَاتٌ حِسَانٌ یعنی خوبصورت عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور آیت ۷۲ میں انہیں حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ یعنی خیموں میں باعزت رہنے والی خوبصورت عورتیں کہا ہے۔ اور آیت ۷۴ میں ان کے متعلق بھی یہی ذکر ہے۔ کہ انہیں اپنے پتی سے پہلے کسی جن یا انسان نے چھوا تک نہیں۔ یہ ہو بہو وہی مفہوم ہے جو ویدک ساہتیہ میں کسی سے بندہ وہی گئی گٹھڑی کی مانند کہنے کا ہے۔ یعنی یہ کہ برہمچریہ اکھنڈ ہے۔ اس قانون کے عمل میں لغزش یا شکست نہیں ہوئی۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی ان کے لئے قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ کا لفظ آیا ہے۔ اور نیچی نگاہ والیوں کی صفت کو کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ کہکر آہنی خود میں محفوظ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عام طور پر بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ کا ترجمہ محفوظ انڈے کیا جاتا ہے لیکن قطع نظر صرفی غلطی کے قرآن کے عظمت اور عفت کے جذبہ کو ظاہر کرنے کے لئے "بیض" لفظ کو آہنی خود کے معنے میں لینا ہی موزوں ہے۔ جیسے محصن اور محصنہ لفظ میں برہمچاری اور برہمچارنی کے چلن کو حصن یعنی قلعے کی طرح محفوظ کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی بیضٌ مکنون میں آہنی خود ہی مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ انڈوں کے معنوں میں لینے سے آنکھ کی شکل کی تشبیہ کا ہی مفہوم آسکتا ہے۔ عفت کی حفاظت کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن خود سے جس طرح تمام حملوں کی روک تھام ہوتی ہے۔ اسی طرح شرم و حیا کا جذبہ نیچی نگاہ کے ذریعے عفت کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ آیت ۲۵ میں بہشت کو ازواج مطہرہ یعنی نیک پاک بیویاں ملنے کا ذکر ہے کہ

नाहं जानामि केयूरे ना हं जानामि कुण्डले,
नूपुरे त्वेव जानामि, नित्यं पादाभिवन्दनात।

۲۔ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ میں قسم کے تمام حوالجات کا صاف مطلب ہے کہ آنحضرت کا اصول یہ ہے۔ کہ نیک پاک۔ باعصمت اور باعفت اور نیچی نگاہ والی بیویوں کا ملنا واقعی جنت یا بہشت ہے۔ وہ بہشت کو کسی الگ اور اونچے مقام پر معلق یا آویزاں نہیں مانتے۔ سورۃ الحدید آیت ۲۱ میں وہ بہشت کی وہی وسعت بتاتے ہیں۔ جو ارض و سما کی ہے۔

جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا

مطلب یہ کہ کل وسیع عالم ایمان والوں سے یا نیک عمل والوں سے جنت بنتا ہے۔ اور بدعمل والوں سے جہنم۔ جیسا سعدی نے کہا ہے۔

زنِ بد در سرائے مردِ نکو۔ ہم دریں عالم است دوزخِ او

۳۔ رحموں کے متعلق پرہیزگاری

اتھروویدہ کانڈ ۴ سوکت ۳۴ منتر ۱ میں کہا ہے۔ کہ انسانی نسل کی ترقی کے نیک عمل کو پختہ اور صحیح طریق پر کرنے سے اس جنت عالم میں کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اس لئے استری پرش ضبط مجسّم رہیں۔ اور گرہست آشرم کے علاوہ وقتوں میں عالموں کی صحبت میں رہیں۔ اور ویدوں کے اعلےٰ نیک خصلت عالموں کے اپدیش سے خوش و خورم رہیں۔ (۱)

مطلب یہ کہ خانہ داروں کو بھی برہمچریہ اور ضبط الحواسی کے خواص کا پورا احساس ہونا لازمی ہے۔

قرآن سورۃ النسا کی پہلی آیت میں مرد اور عورت کی مساوات کا اشارہ دیکر فرماتا ہے۔

"اللہ سے ڈرو۔ جس کے آگے تم جواب دہ ہو۔ اور رحموں (گرہست آشرم) کے متعلق پرہیزگار رہو۔ قرآن مرد کو محصن اور عورت کو محصنہ کہتا ہے۔ اور ان لفظوں کے معنے بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورت کے ہیں۔ جو پرہیزگار ہوں۔

پس وید کے ضبط مجسّم ہونے کی تعلیم دینے والے یم لفظ کی جگہ ہی قرآن میں محصن اور محصنہ کے الفاظ ہیں۔ اور جنسی تعلقات میں رحموں کے متعلق خدا کا خوف اور پرہیزگاری رکھنے کا مفہوم یہی ہے۔ کہ شادی شدہ جوڑا بھی برہمچریہ کا پورا پورا احساس رکھے۔

۴۔ محصن اور محصنہ

سورۃ المائدہ آیت ۵ میں کہا ہے۔ کہ مومنوں کی محصنہ لڑکیاں نیز تم سے پہلے کتاب الٰہی والوں (ویدک دہرمیوں) کی برہمچارنی لڑکیاں تم پر حلال ہیں۔ اس شرط پر کہ تم ان کا بدلہ خود محصن بن کر دیبھچار (شہوت پرستی) نہ کرتے ہوئے دو۔ اور انہیں بطور عشق بازی قبول نہ کرو۔ (۲)

اس آیت میں جہاں مونث فریق کے لئے محصنت کا لفظ ہے۔ وہاں مذکر فریق کے لئے محصنین کا لفظ ہے۔ صیغہ جمع ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح وید دونوں فریق سے کامل برہمچریہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی کرتا ہے۔ لغوی

विष्टारिणमोदनं ये पचन्ति नैनानवर्तिः सचते कदा चन।
आस्तेयम उप याति देवान्त्सं गन्धर्वैर्मदते सोम्येभिः॥ ३॥

۲۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ

معنے محصن کے ہے۔ روکنا۔ منع کرنا یا محفوظ رکھنا اور حصن قلعے کو کہتے ہیں جو دشمن کے حملے کو روکتا اور اپنے پناہ گزینوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ مرد اور عورت محصن اور محصنہ ہیں۔ جو برہمچاری رہ کر اپنے نیک چلن یا عصمت اور عفت کو محفوظ رکھتے ہیں۔ بیاہا ہوا پرہیزگار شخص بھی ازروئے لغت محصن کہلاتا ہے۔ اس سے بھی گرہستیوں کے لئے گربھادھان کے علاوہ عورتوں اور مردوں کو برہمچریہ کی عظمت کو قائم رکھنے کی ہدایت ہے۔

سورۃ النسا آیت ۲۴ میں ہدایت ہے۔ کہ محصنہ لڑکیاں یا عورتیں بہ استثنائے ان کے جو قول وقرار سے تمہاری بیوی بنیں تم پر حرام ہیں۔ اور ان کے علاوہ جنہیں تم اپنے مالوں سے محصن (ضابط الحواس) رہتے ہوئے وبھچار سے بچتے ہوئے پاؤ۔ حلال ہیں۔(۱)

اس کے آگے آیت ۲۵ میں ہدایت ہے۔ کہ اگر کوئی مومن محصنہ عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ (بوجہ مالی تنگی کے) تو وہ اس مومنہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ جو قول وقرار سے اس کی پتنی بنے۔ اللہ تمہارے ایک دوسرے کے ایمان سے واقف ہے۔ سو ان سے ان کے لوگوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور حسب طریق شرع قدیم انہیں ان کا اجر دو۔ وہ محصنہ رہیں وبھچاری نہ ہوں۔ اور جذبۂ عشق کے ماتحت قبول نہ کی جائیں (۲)

اس قسم کے تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن ایک تو مومن لفظ ایمان یا دھرم والے یا قدیم آریہ لفظ کی جگہ استعمال کرتا ہے اور قدیم ویدک دھرم والوں سے ہی مومنوں کا رشتہ ناطہ جائز ٹھہراتا ہے۔ دوسرا برہمچریہ کا ہر حالت میں پابند رکھتا ہے۔ خواہ کسی خاندانی لڑکی سے نکاح ہو۔ خواہ کسی لونڈی سے تیسرے ویدک ریتی سے قول وقرار ہوتے پر ہی نکاح کو جائز ٹھہراتا ہے۔ چوتھے مالی کمزوری کی صورت میں بڑے خاندانوں سے رشتہ داری کو معیوب بتاتا ہے۔ پانچویں قول وقرار سے نکاح میں آئی عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں کو حرام ٹھہراتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بیاہتا بیوی کے علاوہ سب عورتیں مثل اپنی ماں بہن کے سمجھی جاویں۔ چھٹے شادی شدہ جوڑے میں سے ہر ایک فریق کے حقوق مساوی ہیں۔ جو ہدایت مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے ہے۔ اور یہ تمام باتیں ویدک مریادا کی ہیں۔ اسی لئے حکم دیا ہے۔ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی ودھی یا حکم الٰہی کے مطابق ان کا معاوضہ دو۔ قرآن میں معروف اور منکر کے دو الفاظ ویدک دھرمیوں کے ودھی اور نشیدھ کی جگہ ہیں۔ جو بات وید کی ہدایت کے مطابق ہے۔ اسے ودھی مانا جاتا ہے۔ اور خلاف وید کو نشیدھ کہا جاتا ہے۔ قرآن قدیم دھرم کو مانتا ہے۔ وید کو ایشور وکت کہتا ہے۔ برہمنوں کا فرض بتاتا ہے۔ کہ لوگوں کو معروف یعنی ودھی کا حکم دیں۔ اور منکر سے روکیں۔ اس سے عورت اور مرد کے میل میں بھی معروف کا لفظ طریق وید یا حکم الٰہی کے لئے ہی ہے۔ اور اس کے علاوہ یہاں آپ کا کوئی اور مطلب نہیں۔ اس کا ثبوت اس سے اگلی ۲۶ آیت میں ہی موجود ہے جس میں صاف کہا ہے۔ کہ خدا کو یہی منظور ہوا کہ تمہیں تمہارے گزشتہ لوگوں کی سنت (شریعت) کا علم اور اسی کی ہدایت دے۔ اور

حوالہ صفحہ ۲۱۹

۱۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۵

۲۔ क्षेत्रभूता स्मृता नारी बीजभूत: स्मृत: पुमान ।
क्षेत्रबीजसमायोगात्सम्भव: सर्वदेहिनाम् ॥३३॥

تم پر توجہ فرمائے۔ کیونکہ وہ صاحب علم و حکمت ہے۔ (۱)

یہی نہیں۔ سورۃ البقرہ رکوع ۲۸ کی پہلی آیت میں حیض کو ناپاکیزگی اور حائضہ عورت سے صحبت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور حیض سے پاک ہونے کے بعد ان سے گربھادہان کا عمل کرنے کی ہدایت ہے۔ یہی کچھ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش اور سنسکار ودھی میں لکھا ہے۔ جس دن لڑکی رجسلا (حیض والی) ہو کر جب نہا دھولے۔ تب ویدی اور منڈپ بنا کر خوشبودار چیزیں اور گھی وغیرہ کا ہوم نیز اپنے (واقف کار) فاضل مرد عورتوں کی مناسب عزت کریں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ جس دن رتودان دینا مناسب سمجھیں۔ اسی دن سنسکار ودھی کتاب میں لکھے طریق کے مطابق پانی گرہن اور پھر وقت مقررہ پر خلوت میں جا کر گربھادہان کریں۔ جس کی ودھی بھی صاف لکھی ہے۔ سارا بیان بالکل ایک ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ کا ترجمہ صحیح طور پر سمجھا نہیں جا رہا۔ قرآن کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طریق سے گربھادہان کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے ان کے ساتھ عمل کرو۔ گویا جہاں اور جگہوں میں بالمعروف کا لفظ لکھا۔ یہاں اس کی جگہ۔ اللہ کا حکم لکھ دیا ہے۔ اب اگر یہ فیصلہ کرنا ہو۔ کہ خدا کے حکم کی تشریح یہاں کیا ہو۔ تو سوائے قدیم طریق گربھادھان سنسکار کے اس کی کوئی حقیقت معلوم نہ ہو گی۔ اور یہ امر کہ اس آیت میں گربھادھان ہی زیرِ غور ہے۔ اس رکوع کی دوسری آیت سے ثابت ہے جس میں لکھا ہے۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتیوں سے اس طریق پر تعلق کرو۔ جو تمہیں شایاں یا مناسب ہے۔ (۲)

جس طرح کھیتی میں کاشتکاری کے صحیح پروگرام کے مطابق بیج ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح گربھادہان کے طریق میں استری کو ویریہ دان دیا جاتا ہے۔ سوامی جی نے بھی کھیتی کی مثال سے ہی ویریہ کے جائز استعمال اور پیدائش اولاد اور مناسب طریق پر زور دیا ہے۔ منو دھرم شاستر میں بھی یہی کہا ہے کہ

استری کھیت کی جگہ ہے۔ اور پرش کو بیج کی جگہ سمجھو۔ کھیت اور بیج کے میل سے ہی سب جسموں کی پیدائش ہوتی ہے۔ (۳)

سو قرآن نے بھی اسی ہدایت اور حکم الٰہی والی قدیم ودھی کا اشارہ کیا۔ اور نہایت سنجیدگی سے اس مضمون میں اولاد اور اپنی صحت کا خیال دلایا ہے۔ اور جیسے اس پہلے سنسکار میں ویدک ریتی میں ایشور سے پرارتھنا اور اس کے حکموں کی تشریح کی گئی ہے۔ ویسے ہی قرآن پاکیزگی پرہیزگاری دعا وغیرہ کے خیال کو پوری اہمیت دیتا ہے۔

پس معروف اور منکر یا حکم اللہ محض ویدک دھرمیوں کے ودھی یا نشیدھ اور مطابق وید یا خلاف وید کے لئے ہی ہے۔

۵۔ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ

سفح کے معنے ہے۔ ریختن آب و خون وجز آں و رواں شدن اشک و رواں کردن آں (منتخب اللغات) قرآن شریف کے مدعا اور موقعہ و محل کے مطابق پانی یا خون یا آنسو بہانا کی بجائے ویریہ یا منی کا گرانا ہی اصل مقصود ہے۔ چنانچہ لغت میں بھی سفاح کے معنے

حوالہ ۲۴۸

۱۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ

۲۔ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ

حوالہ ۲۴۹

۱۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

زنا کرنا ہے۔ اور غیر مسافحین کے لفظ سے ہر دو فریق کو ہدایت ہے۔ کہ وہ اس حرکت کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔ شادی شدہ جوڑا بھی صحیح طریق گرہستھ دہرم کے خلاف چلیگا۔ تو گناہگار ہوگا۔ جان کون ایم۔ ڈی مصنّف سائینس آف نیو لائف نے ان لوگوں کی بجا طور پر مذمت کی ہے۔ جو شادی کو شہوت پرستی کی لائسنس کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ شادی کا یہ مفہوم لینے والے محدود العلم و محدود العقل سوسائٹی کی زد میں آویں نہ آویں۔ نیچر شادی شدہ مرد عورت کو بھی شہوت پرستی کے ارتکاب پر وہی سزا دیتی ہے۔ جو رنڈی بازی کے مرتکبوں کو دیتی ہے۔ پس قرآن کی ہدایت بھی یہی ہے۔ کہ ویریہ اور رج کو غیر عورت یا مرد سے وہ بھچار میں ضائع نہ کیا جاوے۔ اور سوامی دیانند بھی ذیل کے الفاظ میں اسی مدعا کو ظاہر کرتے ہیں۔

"اب اس پر عورت اور مرد کو دھیان رکھنا چاہئے۔ کہ ویریہ اور رج کو بیش بہا سمجھیں۔ جو کوئی اس بیش قیمت چیز کو بیگانی عورت رنڈی یا برے مردوں کی صحبت میں کھوتے ہیں۔ وہ بڑے بے عقل ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسان یا مالی جاہل ہوکر بھی اپنے کھیت یا باغیچے کے سوائے اور کہیں بیج نہیں بوتے۔ جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے۔ تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی جسم کے درخت کے بیج کو برے کھیت میں کھوتا ہے۔ وہ بڑا ہی بیوقوف کہاتا ہے۔ کیونکہ اس کا پھل اس کو نہیں ملتا۔ اس کے آگے لکھتے ہیں۔

جس سے ایسے ایسے نیک نہاد اور بلند خیال انسانوں کے جسم پیدا ہوتے ہیں۔ اس کو رنڈی وغیرہ برے کھیت میں بونا یا خراب بیج اچھے کھیت میں ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

المختصر قرآن مرد کے لئے غیر مسافحین اور عورت کے لئے غیر مسافحت کا لفظ لکھ کر پیدائش اولاد کے علاوہ ناجائز طریق پر ویریہ اور رج جیسی بے نظیر چیز کو ضائع کرنے سے روکتا ہے۔

۶۔ لا متخذی اخدان

اخدان جمع ہے۔ خدن کی بمعنے دوست و معشوق اور مخادنۃ کے معنے ہے۔ دوستی کرنا۔ پس لا متخذی اخدان کے معنے یہ ہیں۔ کہ بطور معشوق یا بغرض عشق بازی عورت کو قبول یا گرہن نہ کیا جاوے۔ یہ وید کے اس قول کے مطابق ہے۔ کہ اموہسمی (अमोहमस्मि) یعنی میں موہ یا جذبۂ عشق و محبّت سے پاک ہوں۔ وید میں حکم ہے۔ کہ شادی صفات و اعمال و عادات کی مطابقت سے ہو۔ لیکن جذبۂ شہوت کے غلام اس شرط کو پورا نہیں کر سکتے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی مغلوب الحواس ہو جاتے اور رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور شادی ہونے پر بھی انتظام خانہ داری اور پیدائش و تربیت اولاد پر مایل نہیں رہتے۔

مغربی ممالک میں کورٹ شپ کا رواج ہوا۔ تو اس کی اصلیت محض یہ تھی۔ کہ لڑکا اور لڑکی خوب دیکھ بھال اور سوچ سمجھ کر اپنے عمر کے ساتھی کا انتخاب کریں۔ جیسا کہ ویدک سوئمبر کا مدعا تھا۔ لیکن جب برہمچریہ کا احساس کم ہوا۔ تو لڑکے لڑکی مغلوب الحواس ہو گئے۔ کورٹ شپ کا موقعہ پاکر وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے ہی فریفتہ ہونے لگے۔ اور اسی فریفتگی میں نکاح ہونے لگے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہنی مون (Honey moon.) یعنی نکاح کے بعد کے پہلے دو ہفتوں میں ان کے جذبات بدل گئے۔ نفسانی سکھوں کو ویدک لٹریچر میں کھشن بھنگر یعنی لمحہ بھر میں دور ہونے والا کہا ہے۔ پس جب اپنے عمل اصل راحت کے خلاف ثابت ہوئے ظاہری کشش مفقود ہوئی۔ اور محبّت کی جگہ

نفرت نے لی۔ حتےٰ کہ ہنی مون کے بعد ہی طلاق کی درخواست کے ساتھ دولہا صاحب عدالت میں جا پہنچے۔ اس لئے وید کا حکم ہے۔ کہ عمر بھر کا تعلق نبھنے کے لئے موہ سے الگ ہو کہ ایک دوسرے کی اعلےٰ صفات کے آدھار پر قبولیت دو۔ اور اسی نکتہ نگاہ سے قرآن لا متخذی اخدان کا لفظ لکھ کر گرہست کی اصل ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور علم اور عقل کی طاقت سے ساری ذمہ داریوں کو پورا کرنے والی باہمی مطابقت کے لئے جگہ نکالتا ہے۔

۷۔ زنا اور اس کی سزا

سورہ بنی اسرائیل رکوع ۴ آیت ۲ میں حکم ہے۔ کہ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ بلاشبہ یہ بڑی فحش بات اور برا راستہ ہے۔ سورۃ المومنون میں مومنوں کے لکشن بتاتے ہوئے آیت ۵ تا ۷ میں کہا ہے۔ کہ وہ اپنی گپت اندریوں پر قابو رکھتے ہیں۔ ہاں اپنی قول و قرار سے بنی ہوئی بیویوں سے مباشرت ہونے پر ملامت نہیں ہو سکتی۔ پس اس کے علاوہ کے طلبگار لوگ شرع کو توڑنے والے ہیں (۱)

سورۃ النور میں سب سے پہلے اس سورت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ کیونکہ اس میں علمی آیتوں کے نزول اور برہمچریہ کے متعلقہ خاص فرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسری آیت میں زانی مرد یا عورت کو سو کوڑے یا بینتوں کی سخت سزا کا حکم ہے۔ اور صاف کہا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سچے دین کے نکتہ نگاہ سے کسی کو زانی مرد یا عورت پر سزا میں ذرا رحم نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ایک طرح سے سوگند دی گئی ہے۔ کہ اگر اللہ اور عاقبت پر تمہارا اعتقاد ہے۔ تو اس جرم کی سزا میں ہرگز ہرگز رحم کو دخل نہ دینا۔ بلکہ ان کی انتہائی ذلّت اور بد نامی اور دوسرے مومنوں کی عبرت نیز جرم زنا کی روک تھام کے لئے ایسا انتظام ہونا چاہئے۔ کہ مسلمانوں کی بھاری تعداد ان کے اس انجام کو دیکھنے کے لئے موجود رہے۔ (۲)

نہ صرف یہ تیسری آیت میں ہدایت ہے۔ کہ کوئی مومن نوجوان کسی زانی یا مشرک لڑکی سے شادی نہ کرے۔ نہ کوئی مومنہ لڑکی زانی یا مشرک مرد سے نکاح کرے۔ مومنوں پر ایسا نکاح حرام ہے۔ (۳)

یہ ہو بہو وید اور منوسمرتی کا ہی فرمان ہے۔ دھرم اور نیک چلنی کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے والا کسی اچھی جگہ بیاہا نہیں جا سکتا۔ ہاں رذیل آدمی رذیل عورت سے ہی میل کر سکتا ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۶ میں کہا ہے۔ کہ خواہ کوئی خاندان کتنا ہی صاحب مال و دولت ہو تو بھی وہ ان دس خاندانوں میں سے ایک ہو۔ تو اس میں شادی نہ ہو۔ گویا شخصی عیبوں کا ہی روکنا مقصود نہیں۔ خاندانوں میں برائی کے داخل ہونے کے امکانات کی روک تھام ضروری ہے۔ چنانچہ نیک عملوں سے گرا ہوا۔ نیک انسانوں سے خالی۔ تعلیم وید کے خلاف (مشرک وغیرہ) اور خاص بیماریوں والے خاندان شادی کے لئے ممنوع ہیں۔

۱- وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

۲- اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۳- اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۸- تحقیقات اور اصلاح

لیکن زنا کے خلاف اتنا زبردست جذبہ ہونے پر بھی سزا میں شرطِ عقل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا گیا۔ پہلی و دوسری رکوع سورۃ النور میں دونوں کے متعلق تحقیقات کرنے شہادت لینے اور اس کے معتبر و غیر معتبر ہونے کے امکانات و اغلبات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور جو چھپائیں اور اپنا سدھار کر لیں۔ ان سے نفرت دور کرنے کی بھی ہدایت ہے۔ دوسرے لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اسے خدا کا فضل سمجھ کر اس کا شکریہ بجا لاؤ۔ کہ تم کو نیک اور اعلیٰ اخلاق کا مالک بنایا اور ایسی ذلت سے بچایا ہے۔ اگر تم سے ایسی حرکت ہو تو تم ضرور اصلاح کا موقعہ چاہو گے۔ پس دوسروں کے متعلق بھی اصلاح کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔

اس کے علاوہ بدچلنی کے خیالات کی اشاعت کی روک تھام اور جھوٹی افواہوں سے کسی کو بدنام و ذلیل کرنے کی مذمت کا بھی اس صورت میں انتظام موجود ہے۔ افواہ کو بغیر تحقیق کے صحیح مان لینا اور اسے مزید اشاعت دینا بھی جرم مانا گیا ہے۔ مومنوں سے عام حسن ظن کا جذبہ بھی کسی مخالفانہ چرچے کو صحیح ماننے کے خلاف ہے۔ لہٰذا ایسی افواہوں کو وہیں دبا دینا اور تحقیقات کر کے انصاف سے کام لینا ہی شرطِ عقل ہے۔ اس کے علاوہ بدنام شدہ فریق کو سمجھایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی افواہ اڑانے والے کے ساتھ عداوت کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ ہونے دے۔ بلکہ انہیں اپنے میں سے ہی سمجھے۔ اور اگر وہ صادق ہے۔ تو یقین رکھے۔ کہ جنہوں نے اس کے خلاف جتنا بُرا یا شرارت کا کام کیا ہے۔ بعد تحقیقات اتنا ہی خمیازہ اُٹھائیں گے۔ اور تمہاری سرخروئی ہو کر پوزیشن صاف ہو جائے گی۔ (۱)

۹- آدابِ خانہ داری

ایام خانہ داری میں خاص آداب و حسن اخلاق کا خیال رکھنے سے برہمچریہ برت کے متعلق انسان کے اندر اچھا احساس قائم رہتا ہے۔ اس لئے قرآن میں ایسے اخلاقی فرائض کے بھی اشارات دیئے گئے ہیں

رکوع ۳ کی پہلی آیت میں ہدایت ہے۔ کہ اے ایمان والو! اپنے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر میں بغیر اجازت کے اور گھر والوں کو سلام کہے بغیر داخل نہ ہو۔ (۲)

دوسری آیت میں کہا ہے۔ کہ اگر اجازت دینے والا آدمی جاتے ہی نہ پاؤ۔ تو ٹھہرو۔ جتنے کہ اجازت مل جاوے۔ اور اگر لوٹ جانے کو کہا جائے۔ لوٹ جاؤ۔

چوتھی آیت میں کہا ہے۔ کہ مرد اور عورتیں نیچی نگاہیں رکھیں اور اپنے اندام نہانی کی حفاظت کریں۔ مزید بریں یہ بھی حکم ہے۔ کہ عورتیں سوائے ہاتھ وغیرہ کے کھلے رہنے والے حصوں کے اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ اور اپنے سینوں پر چادریں ڈالے رہا کریں۔ اور شوہر یا باپ یا بیٹے یا معصوم بچوں اور لونڈیوں وغیرہ کے سوائے کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور مومنوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اللہ کا ہی دھیان رکھیں۔ جس سے ان کا بھلا ہو۔

اس حکم سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن برقعہ وغیرہ قسم کے پردہ کی ہدایت نہیں دیتا۔ جس سے عورتوں کو سانس لینے

۱- إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥

۲- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥

کے لئے کھلی اور صاف ہوا کا ملنا بھی دشوار ہو کر ان کی صحت کے لئے خطرات مہیا ہو رہے ہیں۔ بلکہ ہر لحاظ سے اس قسم کی ہدایت دیتا ہے جس سے بے حیائی اور برائی کی ترغیب دلوں میں پیدا نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ سوامی دیانند نے جو لکھی ہے۔ کہ پتی برتا استری سوائے اپنے پتی کے کسی کو اپنی خوبصورتی یا زینت نہیں دکھاتی۔ ویسے ہی قرآن بھی شوہر سے ہی اس امر کو منسوب کرتا ہے۔ ہاں گھر کے کام کاج اور ضروری نقل و حرکت میں باپ وغیرہ قریبیوں سے سخت اور معیوب پردے کا التزام عاید نہ ہو۔ اس کے لئے اتنی ترمیم ضرور کر دی ہے۔ کہ وہ خاص قریبی ہستیاں جن کے دلوں میں کسی استری کی زینت دیکھ کر قابل اعتراض خیال آنا قریباً ناممکن ہے۔ وہ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہو سکتی ہیں۔

چھٹی آیت میں حکم ہے۔ کہ غریب بے نکاح لوگوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرا دیا کرو۔ ساتویں آیت میں لونڈیوں کے متعلق ہدایت ہے۔ کہ ان کو ویبھچار کے لئے مجبور ہونے کے موقعے مہیا نہ ہوں۔ اس حکم میں بعض خود غرض اور بدنیت مالکوں کو بھی ایک قسم کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آٹھویں آیت میں ہدایت ہے۔ کہ جو علمی رموز۔ گذشتہ لوگوں کے نظایر۔ اور متقی لوگوں کے لئے نصیحتیں اس پہلو میں قرآن وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں۔ ان سب کو زیر غور رکھو۔

اس کے بعد پانچویں رکوع میں اللہ کے نور یا علم حق کی فضیلت بتا کر کہا ہے۔ کہ اس کا سچا علم ہی انسان کو لوگوں کے سامنے اچھے نمونے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اور یہ ان انسانوں میں چمکتا ہے۔ جو انسانی قالب کی عظمت کو سمجھتے۔ صبح و شام عبادت اور نام خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے اور کوئی بھی تجارتی کام یا لین دین کریں۔ دل سے خدا کی طرف رغبت رکھتے اور نماز و زکوٰۃ کے مستقل طور پر پابند رہتے ہیں۔ ان کے دل میں (پُنر جنم کے) اس وقت کا خوف رہتا ہے۔ جس میں دل اور آنکھیں بدل جائیں گی۔ اور جہاں نیک عمل والوں کو بے حساب رزق ملیگا۔ وہاں کافروں کے عمل مثل سراب ہوں گے۔ اور وہ تاریک سے تاریک یا جہالت مجسم قالبوں میں جائیں گے۔ یہاں ایک تو یہ ہدایت ہے کہ سچے علم والے لوگ ہمیشہ دست با کار و دل بایار کی کہاوت پر کاربند رہتے ہیں۔ اور دوسرے یہ بتایا ہے۔ کہ جس دل یا آنکھ وغیرہ سے تم بری حرکتیں کرتے ہو۔ یہ بھی ہمیشہ تمہارے نہیں ہوں گے۔ بلکہ موت ہونے پر یہ سنسکاروں کے ذریعے تمہارے خلاف شہادت دیں گے۔ اور دوسرے جنم میں یہ بدل جائیں گے۔ مطلب یہ کہ مادی دل اور آنکھ کی بجائے نئے جنم میں نئے دل اور نئی آنکھیں وغیرہ ملتی ہیں۔ وید نے पुन: चक्षु: , पुन मैन: آدی کے الفاظ سے اسی حقیقت کا سب سے پہلے اپنے منتروں میں اعلان کیا تھا۔

گھروں میں اجازت لے کر جانے کے متعلق جو کہا گیا۔ اس میں خاوند اور نابالغ بچوں کا ذکر نہ تھا۔ گویا انہیں ایک طرح سے میل جول کی کھلی اجازت ہے۔ لیکن اس صورت کے آٹھویں رکوع میں ان پر بھی یہ پابندی تجویز کی گئی ہے۔ کہ تین وقتوں میں وہ بھی اجازت لیں۔ اوّل صبح کی نماز (پراتہ کال کی سندھیا) سے پہلے دوسرے دوپہر کے وقت جب گھروں میں کپڑے اتار کر بھی لیٹنے و بیٹھنے کا رواج ہوتا یا ہو سکتا ہے۔ اور تیسرے بعد نماز عشا (سایں کال کی سندھیا کے) اس سے یہ اشارہ ملتا ہے۔ کہ نابالغ لڑکوں کے متعلق بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی حکم ہے۔ کہ جب وہ بچے بالغ ہو جاویں۔ تب تو مثل دیگر بڑے آدمیوں کے ہر وقت اجازت لینے کا ہی قانون ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ بچہ کیا اور بڑا کیا سب پر ہر حرکت کا خاص اثر پڑتا ہے۔ بچوں کی تربیت دراصل

گربھادھان یا استقرار حمل سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس لئے وید میں گربھادھان کا خاص سنسکار رکھ کر والدین کو ان کی ذمہ داری کا احساس کرایا گیا ہے۔ اور پھر حمل کے نو ماہ میں بھی اور سنسکار ہیں۔ اور بچہ پیدا ہوتے ہی جو سنسکار ہوتا ہے۔ اس میں سونے یا چاندی کی سلائی سے شہد کے ساتھ بچے کی زبان پر اوم لکھا جاتا ہے۔ اور اس کے کان میں وید وسی کا شبد سنایا جاتا ہے۔ بظاہر موٹی عقل کے آدمی اس پر تعجب کر سکتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ تعلیم کی بنیا دہیں۔ والدین اور رشتہ دار وغیرہ جو بچوں کو چومنے چاٹنے اور چھاتی سے لگانے وغیرہ میں اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں بچہ بالکل معصوم ہے۔ وہ یاد رکھیں۔ کہ بڑے ہو کر اپنی بیوی یا اولاد کے متعلق فضول حرکات کی خواہش۔ ان میں اسی چومنے چاٹنے وغیرہ کے نظاروں نے مضبوط کی ہے۔ ورنہ نہ یہ کوئی حقیقی محبت ہے نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ اسلام میں پردہ سخت مضر صورت اختیار کر گیا ہے۔ تاہم اس کی تہ میں جو خیالات کام کرتے تھے۔ وہ حق بجانب تھے۔ بعض مسلمان غیروں کے دو تین برس کے معصوم بچوں سے بھی اپنے گھروں کی آمد و رفت میں پرہیز روا رکھتے ہیں۔ تو دوسرے ان پر مخول اڑاتے ہیں۔ لیکن علمی اصول کے لحاظ سے اندرونی تاثرات کے لئے ہر عمر میں احتیاط لازمی ہے۔ ایک مشہور مسلمان مصنف نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ

"رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کان کا سبق آنکھ کے سبق سے مقدم ہے چنانچہ حضور کے سامنے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا، تو اس کے دائیں کان میں اذان کہتے تھے۔ اور بائیں میں تکبیر" اسی سے بھی ظاہر ہے۔ کہ ہر حالت میں ہر حرکت اپنا اثر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نیک چلنی اور پرہیز گاری کے متعلق بار بار خوف خدا دلا کر مناسب عمل یا حرکت کرنے کی ہی ہدایت دیتا ہے۔

بوڑھی عورتوں کے متعلق عام طور پھر سے یا چھاتی سے چادر یا دوپٹہ اترا ہوتے میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔ اور قرآن بھی عام حالتوں سے اس میں فرق سمجھتا ہے۔ تاہم ان کو بھی ہدایت یہی دیتا ہے۔ کہ وہ زینت دکھانے سے اجتناب کریں۔ اور حتے الوسع محتاط رہیں۔

سورۃ الفرقان کے چھٹے رکوع کی چودھویں آیت میں نیک لوگوں کو جو سورگ یا بہشت کے خواہاں ہیں۔ یہ دعا مانگنے کی ہدایت ہے۔ کہ

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما (۱)

یعنی ایسی عنایت کر کہ وہ نیک چلن اور صحت ور رہیں۔

سورۃ الاحزاب میں اس لحاظ سے بہت سے نکتوں کو حل کیا گیا ہے۔ رسول کا مومنوں پر ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ حق بنایا ہے۔ اور رسول کی بیویوں کو مومنوں کی ماں کہا گیا ہے۔ لیکن حقیقت کے لحاظ سے ایسے الفاظ کو محض ایک نمائشی تہذیب کے مفہوم کے لئے بھی مقصود بنایا ہے۔ اور سمجھایا ہے۔ کہ رسول کا جو یہ حق بنایا۔ کہ اپنی ذات سے بھی افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ہر شے جو مومنوں کی ہے۔ رسول اس کا مالک ہو سکتا ہے۔ بلکہ رسول کا کام محض ان تک حق پہنچانے کا ہے۔ یا ان کو ہدایت دینے کا۔ چونکہ یہ سب سے

۱- وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ٥

مقدم اور ضروری چیز ہے۔ اس لئے اپنے ذاتی خیالات پر ضد نہ کرکے رسول والی ہدایت کی قدر کرنا اور اسے سب سے زیادہ قابل تعظیم سمجھنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ سب کچھ گورو کے لئے وقف کرنے کو تیار رہو۔ اسی نکتہ کو نہ سمجھ کر کئی ملکوں میں خود غرض اور بدنیت گورووں یا سادھوؤں و فقیروں کے وشواس گھات کا شکار کئی لوگ ہوتے اور اپنی قسمت کو روتے دیکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی رسول کی بی بی اگر مومنوں کی ماں کہی جاتی ہے۔ تو اس کا بھی یہ مطلب نہیں۔ کہ جس طرح وہ اپنے جسمانی باپ کی بیوی کے پاس بے تکلفانہ جا آسکتے ہیں۔ ویسے ہی رسول کے ہاں جانے کی کھلی اجازت ہے۔ اسی لئے رکوع ۷ سورۃ الاحزاب میں صاف کہا۔ کہ

اے ایمان لانے والو! رسول کے گھر میں مت جایا کرو۔ ہاں جب کھانا تیار ہو کر تم کو بلایا جاوے۔ تب جاؤ۔ اور جب کھا چکو۔ اُٹھ کر چلے جاؤ۔ وہاں باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ یہ نبی کو گوارا نہیں۔ وہ لحاظ سے نہ کہیں یہ جدا بات ہے۔ اللہ کا حکم صاف ہے۔ (۱)

اس رکوع کی تیسری آیت میں اس بات کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ جہاں تمہارے متعلق یہ احتیاط ہے۔ وہاں ان کے باپ بیٹوں۔ بھائیوں بھتیجوں۔ بھانجوں اور گھر کی دیگر عورتوں یا بیویوں کے متعلق ایسی پابندی نہیں" مطلب یہ کہ جس جسمانی باپ وغیرہ کے ساتھ گفتگو کرنے سے بوجہ پاک تعلق کے معنوں میں برے خیال پیدا ہوتے عام طور پر ناممکن سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے اس پہلو میں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اور خارجی طور پر بنے ہوئے دہرم کے باپ اور بھائی ان کی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ عام مذہبانہ گفتگو کا انسان کا چلایا ہوا رواج خدا کے بنائے قدرتی اور اصل رشتہ پہ مبنی حقیقی تہذیب کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس نبی کی بیوی کو ماں کہنا نبی کی عزت کا ثبوت ہے۔ لیکن اصل ماں وہی ہے۔ جو تمہیں جنم دیتی ہے۔

نہ صرف یہ رسول صاحب سورۃ الاحزاب میں اپنی بی بیوں کو جو ہدایت دیتے ہیں۔ وہ قابل غور ہیں۔ آیت ۳۰ میں کہا ہے۔ کہ رسول کی بی بیوں میں سے کسی سے فحش کا ارتکاب ہوگا۔ تو ڈبل سزا کی مستحق ہوں گی۔ اور جو اللہ اور رسول کی فرمانبردار اور نیک عملوں والی ہوں گی۔ دُگنا اجر پائیں گی۔

آیت ۳۱ میں کہا ہے۔ اے رسول کی بی بیو! تم کسی عام عورت جیسی نہیں ہو۔ اگر تم خدا کا تقوی رکھو۔ تو بات میں نرمی مت کرو۔ جس سے دل کے پاپیوں کو حوصلہ ہو۔ اور ہمیشہ قول معروف یعنی دہرم کی بات کہو۔

آیت ۳۲ میں کہا ہے۔ اپنے گھروں میں ٹھہرو۔ اور سابقہ جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار نہ کرتی رہو۔ ہاں نماز بلا ناغہ کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ تم سے ناپاکی دور رہے۔ اور تم ایسے پاک ہو جاؤ جیسا کہ پاک ہونے کا حق ہے۔ پھر آیت ۳۳ میں کہا ہے۔ کہ اللہ کی جو آیتیں اور علمی باتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ تحقیق اللہ لطیف اور خبیر ہے۔ اس سے اگلی آیت میں ان صفات کا بیان ہے۔ جس سے مرد اور عورتیں مغفرت اور اجر عظیم

۱۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ

کے مستحق ہوتے ہیں۔ کہا ہے کہ
تحقیق مسلم مرد اور مسلم عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد فرمانبردار عورتیں سچے مرد اور سچی عورتیں صابر مرد اور صابر عورتیں۔ دان کرنے والے مرد اور دان کرنے والی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ برہمچریہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کی یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ہی ہیں جن کے لئے خدا کی مغفرت یا اجر عظیم مقدر ہے۔ اس آیت میں گویا سچے دھرم کے لکشن بیان کر دیئے گئے ہیں۔

عرب میں شادیوں کے متعلق کوئی قید نہ تھی۔ اسی سے رسول صاحب کی بھی زیادہ بیویاں ہوئیں۔ لیکن رسول صاحب کو جب یقین ہوا۔ کہ دھرم کے مطابق ایک ہی نکاح ہونا چاہئے۔ تو آپ نے اس کا صاف اعلان کر دیا کہ دھرم کے لحاظ سے نکاح کے لئے قانون ایک کا ہے۔ خود اپنے لئے بھی خدا کا حکم بتایا۔ کہ آگے تو نہ اور نکاح کر سکتا ہے۔ نہ بدل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو نکاح سے مذہبی مشن میں تقویت حاصل کرنے کا ہی خیال تھا۔ اور آخر میں آپ بی بیوں کے تعلقات سے الگ ہو کر خالص اور بے لاگ مشنری کے کام کو زیادہ عمدگی سے کرنے کی بھی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ بیویاں بھی اللہ اور عاقبت کی خواہاں ہو کر اور دنیوی خواہشات کو ٹھکرا کر تعاون کرنے کو مستعد تھیں۔ علیحدگی کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بیویوں کو ویراگنا بنتے۔ بناؤ سنگار کا خیال نہ کرنے۔ گھروں میں آیات الہی اور دھرم کی باتوں کا چرچا ہونے اور استریوں کو ان آیتوں کے یاد کرنے نیز اللہ کی بکثرت یاد کرنے اور برہمچریہ کی پوری حفاظت کرنے اور نیک صفات کی تلقین و تحصیل سے اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی کو پانے۔ اور نماز زکوٰۃ وغیرہ فرائض کو پورا کرنے وغیرہ کی جتنی بھی ہدائتیں ہیں۔ سب سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ کے دیدۂ دل کے سامنے بھی گرہست کا وہ خاص بہشتی منظر آگیا تھا۔ جو قدیم رشیوں کے آتما میں وید کے ذریعہ منکشف ہوا اور جس کا صحیح نقشہ دنیا میں کھینچا ہوا دیکھنے کے لئے انہوں نے اپنشدوں اور منو وغیرہ دھرم شاستروں کی رچنا کی تھی۔

سورۃ التحریم سے بھی پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت نے اپنی بی بیوں کو اپنے ہاں رہنا اسی صورت میں مناسب بتایا کہ وہ دولت ایمان اور خدا اور عاقبت کی طالب ہوں۔ اور برہمچریہ اور پرہیزگاری پر عامل۔ ایسی اعلیٰ صفت کا عملی سبق پڑھانے کے لئے آپ نے بری اور بھلی دونوں طرح کی عورتوں کی نظیریں بھی پیش کیں۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ایک طرف تو نوحؑ اور لوطؑ کی دو عورتیں مذکور ہیں۔ جو خدا کے صالح بندوں کی بیویاں ہونے پر بھی اپنی عاقبت کو بگاڑ گئیں۔ اور دوسری طرف فرعون کی بیوی کی مثال ہے۔ جو یہ دعا کرتی رہی۔ کہ اے خدا مجھے فرعون اور اس کے عمل نیز تمام گناہگار لوگوں سے پناہ دے۔ دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی ہے۔ جو برہمچریہ برت کو کامیابی سے پورا کر سکی۔ اس میں پاک روح پھونکا گیا۔ یعنی وہ ایک پوتر آتما ہوئی۔ جس نے خدا کی تعلیموں اور کلاموں کی صداقت کی اشاعت کی۔ اور خدا کی فرمانبردار رہی۔

غرضیکہ قرآن کی ساری تعلیمات میں وید کے آدرش سدا چار اور برہمچریہ برت پالن کی تلقین ہے۔ اور جس طرح منو دھرم شاستر میں اس پہلو میں انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ہدایت ہے۔ اور جس طرح سوامی دیانند نے منو کے

مدعا کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ جو اُستاد و اُستانیاں اور نوکر چاکر ہوں۔ ان میں سے لڑکیوں کے مدرسے میں عورتیں اور لڑکوں کے مدرسے میں مرد ہونے چاہئیں۔ زنانہ مدرسے میں پانچ برس کا لڑکا اور مردانہ مدرسہ میں پانچ برس کی لڑکی بھی نہ جانے پائے۔ یعنی جب تک برہمچاری اور برہمچارنی رہیں۔ تب تک عورت و مرد کا دوچار ہونا۔ چھونا۔ تنہائی کی ملاقات۔ گفتگو عشقیہ باتیں۔ باہمی کھیل کود۔ شہوانی خیال وصحبت ان آٹھ قسم کی جذبہ انگیز حرکتوں سے الگ رہیں۔ اور اُستاد ان کو ان باتوں سے بچائیں۔ تاکہ اعلیٰ تعلیم وتربیت عمدہ و نیک خصلت اور جسمانی و روحانی طاقت پاکر ہمیشہ راحت بڑھا سکیں"۔

نہ صرف پہلے آشرم کے لئے یہ ہدایت ہے۔ گرہست آشرم کے واسطے بھی جیسا کہ شروع میں اشارہ دیا گیا یہی پابندیاں ہیں۔ اور اسی طرح قرآن نے بھی نابالغ لڑکوں۔ نوجوانوں اور مردوں نیز لڑکیوں وعورتوں کے لئے ضروری اشارات واضح کر دیئے ہیں۔ ویدک لٹریچر میں لڑکے اور لڑکیوں یا مردوں اور عورتوں کی نزدیکی کو گھی اور آگ کی نزدیکی سے تشبیہ دی ہے۔ اور جہاں کہیں اور جب بھی جس سوسائیٹی نے اس قسم کی ٹھوس ہدایات کو نظر انداز کیا ہے۔ انسانیت اور راحت کو کھویا ہے۔ ایک مسئلہ کو ایجوکیشن (مخلوط تعلیم) کو ہی لے تو جن جن ملکوں میں بلا سوچے اس طریق کو اپنایا گیا۔ اس ہی ملک کے نوجوانوں کے اخلاق پر بُرا اثر پڑا۔ اور وہیں کے لائق مصنفوں کو بڑے دکھ کے ساتھ خطرناک اور رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات سامنے رکھ کر کہنا پڑا کہ شادی سے پہلے ہی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کیرکٹر اور صحت کے لحاظ سے برباد ہوئے۔ اور سوسائٹی کی عمارت کی بنیاد کھوکھلی ہو گئی۔ مہرشی دیانند جیسا آدرش بال برہمچاری جب چار سال کی لڑکی کو دیکھ کر ماتری شکتی کی یاد سے ہی اپنے خیالات کی پاکیزگی کو قائم رکھ سکتا۔ اور مہاتما کی مائی بھگوتی جیسی دھرم بھگنی سے گفتگو کرنے کے لئے بیچ میں پردہ کراتے ہیں۔ اور جب وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ استری کی شکل آنکھ کے ذریعے برہمچاری کے اندر گھس جاتی ہے۔ تب عام چھوٹے بچوں اور کیرکٹر کی پختگی سے محروم نوجوانوں اور مردوں کو اس سہل گیری سے ترغیبوں کے مقابلے میں کھڑا کرنا وید اور قرآن جیسی کتب مقدسہ کی نافرمانی کرنے اور خدا سے دکھوں اور مصیبتوں کو جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ نازل کرنے کی دعا کے ہی مترادف ہے۔

بارھواں باب۔ دیوتا اور ملائکہ

۱۔ ویدک دیوتا واد

وید اور ویدک لٹریچر میں دیوتا واد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اور دیوتا کا لفظ نہایت کثرت سے استعمال میں آتا اور وسیع معنے رکھتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں دویہ گن یا روشن صفات نہ ہوں۔ جب ان سب کا آدی مول پرمیشور ہے۔ جو تمام سچے علوم اور نیک اوصاف کا غیر محدود بھنڈار ہے۔ تو اس

کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں روشن اور اعلےٰ صفات کا پایا جانا لازمی ہے۔ اس لئے ہر شے کو خواہ وہ بیجان ہی کیوں نہ ہو۔ دیوتا کہہ سکتے ہیں۔ وید میں اگنی۔ وایو۔ چندرماں۔ سوریہ وغیرہ سب کو دیوتا کہا ہے۔(۱)

تینتیس قسم کے دیوتا جو مشہور ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

زمین۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ خلا۔ سورج۔ چاند اور ستارے یہ آٹھ وسو بھی دیوتا ہیں۔ پران اپان ویان اداں اور سمان۔ نیز ناگ۔ کورم۔ کرکل۔ دیودت۔ دھننج اور جیو آتما یہ گیارہ رُدر بھی دیوتا ہیں۔ اور سال کے بارہ مہینے یعنی بارہ آدتیہ بھی دیوتا ہیں۔ اور اندر یعنی بجلی اور پرجاپتی یعنی یگیہ بھی دیوتا ہے۔ یہ سب مل کر تینتیس ہوئے اور پرمیشور بھی سب روشن صفات کا مجسّمہ ہونے سے دیوتا ہے۔ مگر یہ سب سے بڑا ہونے اور امتیازی پوزیشن رکھنے سے مہادیو کہلاتا ہے۔

وید کے ہر منتر کا مضمون یا ہر کتاب یا لکچر کا مضمون اس کا دیوتا ہے۔ کیونکہ اس منتر میں اسی کی صفات کا بیان ہوتا ہے۔ کسی مشہور یا ضروری اور مخصوص علمی رمز رکھنے والے لفظ کو بھی دیوتا کہتے ہیں۔ مثلاً چترگپت نام کے دو دیوتا مشہور ہیں۔ جن کی بابت کہا جاتا ہے۔ کہ وہ انسان کے تمام افعال اور حرکات کو لکھتے جاتے ہیں۔ اور ان کا تیار کیا ہوا اعمالنامہ ہی موت کے بعد کی حالت یعنی سورگ یا نرک میں پہنچانے کا موجب ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے۔ کہ کوئی خاص ہستیاں ہمیں اپنے اندر قلم۔ دوات اور کاغذ لئے لکھتی ہوئیں تو نظر نہیں آتیں۔ باوجود اس کے ہماری یادداشتیں گذشتہ واقعات کی بابت ہم سب کے اندر موجود ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ہمارے سارے کاموں کی بابت سنسکار ہمارے اندر نقش ہوتے ہیں۔ اور اس نقش ہونے کا ہی نام چتر ہے۔ اور چونکہ وہ نظر نہ آتے ہوئے بھی ہمارے اندر پوشیدہ ہیں۔ اس لئے انہیں گپت کہا جاتا ہے۔ گویا چتر اور گپت کے دو لفظ تھے۔ جو ہمارے قانون عمل کی ترجمانی کرتے تھے۔ اس لئے ان الفاظ کو دو دیوتا کہا گیا۔

انسان جو علمی صفات سے متصف ہوں۔ اخلاق حسنہ کے مالک ہوں۔ اور کسی قسم کی بھی عمدہ صفات رکھتے ہوں وہ بھی دیوتا کہلاتے ہیں۔ اور ہر نیک عالم آدمی کے لئے یہ لفظ خصوصیت سے بولا جاتا ہے۔

۲۔ قرآنی ملائکہ

قرآن میں ملائکہ کا لفظ فرشتے کے معنے میں لیا جاتا ہے۔ مگر وہ ایسی موہومہ ہستیوں کو مانا جاتا ہے۔ جنہیں بہ طور حقیقی ہستیوں کے ماننا عقل سلیم کے لئے دشوار ہے۔ اکثر ملائکہ کو نظر نہ آنے والی ہستیاں مانا جاتا ہے۔ اور جب اس اعتقاد سے ان کے کسی عمل کا صحیح شکل میں تعین کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ تب کہدیا جاتا ہے۔ وہ مجسّم ہو گئے۔ اور پھر غائب ہو گئے وغیرہ۔ ضعیف الاعتقادی یا کم علمی سے کوئی کتنے بھی زور سے آمنّا وصدّقنا کہکر ان بیانوں کو صحیح مان لے۔ علمی اور تحقیقی دنیا میں ان بیانات کا کوئی وزن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم نے قرآن کے لفظ ملائکہ پر زیادہ مستعدی سے اور نظر تعمق سے غور کیا۔ تب حقیقت کھلی۔ کہ آنحضرت نے ملائکہ لفظ کو محض وید کے دیوتا لفظ کے قائمقام کے طور پر ہی قرآن میں لیا ہے۔

अग्निर्देवता वातो देवता सूर्यो देवता चन्द्रमा देवता वसवो देवता रुद्रा देवतादित्या देवता मरुतो देवता। म्य देवा देवता बृहस्पतिर्देवतेन्द्रो देवता वरुणो देवता ॥२०॥

۳۔ خدا سے بحث کرنیوالے ملائکہ

سورۃ البقر آیت ۳۰ سے فرشتوں اور خدا کا مکالمہ شروع ہوتا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ خدا نے فرشتوں کو کہا۔ کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب پیدا کرونگا۔ فرشتوں نے کہا۔ کیا تو اس کو اس دنیا میں مامور کریگا۔ جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ خدا نے کہا۔ میں جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے" (۱)

اسلامی لٹریچر میں اس آیت کی تفسیر میں کئی پہلوؤں سے باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ فرشتے کون تھے۔ کب سے تھے۔ اور ان کی حمد اور تسبیح و تقدیس سے کیا مراد ہے۔ اس پر اتفاق ہونا مشکل ہے۔ اس لئے کہ الفاظ قرآن پر تدبر سے کام نہیں لیا جاتا۔ مان لیا جاتا ہے۔ کہ اس بیان کا خاص آدم سے تعلق ہے۔ جس سے پہلے کئی آدم ہوگئے یا یہ کہ یہ فرشتے نظر نہ آنے والے پہلے سے ہی تھے۔ لیکن قرآن نے اس سے پہلے ۲۸ آیت میں یہ بتایا ہے۔ کہ خدا سے تم کیسے انکار کرسکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ حالت سے زندہ کیا۔ وہ تمہیں پھر مار یگا۔ پھر جلائیگا۔ حتےٰ کہ تم اس سے وصل حاصل کرو۔ ۲۔

اس میں ہرہستی کے اور کل دنیا کے مرنے اور پیدا ہونے کے چکر کا بیان ہے۔ جیسے ویدک لٹریچر میں پرواہ سے انادی کہا جاتا ہے۔ یہ کہکر آیت ۲۹ میں کہا ہے۔ خدا وہ ہے۔ جس نے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ جو دنیا میں ہے نیز دیُولوک کی طرف بھی وہی بلند ہے۔ یعنی اس کی صنعت آسمان میں بھی کام کرتی ہے۔ یا وہ دیُولوک میں بھی موجود ہے۔ سو سات آسمانوں میں آراستگی ہوئی۔ کیونکہ اسے ہرشئے کا علم (یا وہ سروگیہ) ہے۔ ۳۔

ان الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ یہ نئے کلپ کی پیدائش کا بیان ہے۔ اور آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ وہ سب پیدا ہوچکے۔ صرف انسان کی کسر تھی۔ تب خدا نے فرشتوں کو کہا۔ سو یہ فرشتے صریحاً وہ تمام اشیائے عالم ہیں۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوئے۔ خلا۔ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ زمین۔ نباتات اور حیوانات۔ چونکہ انسان پیدائش کے متعلقہ ایوولیوشن کی آخری کڑی ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت اس کی اہمیت اور فضیلت واضح کرنے کے لئے یہ مکالمہ پیش کیا گیا ہے۔ خدا سے دوسرے درجے پر انسان ہی اشیائے عالم پر حکمران ہے۔ اس لئے وہ اس کا خلیفہ یا نائب ہے۔ اشیائے عالم جو پہلے پیدا ہوئیں۔ سب اپنے وجود سے خدا کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت دے رہی ہیں۔ اس لئے وہ زبانِ حال سے خدا کی حمد اور تسبیح و تقدیس کرتی ہیں۔ اور چونکہ بے جان اشیاء کسی کو ستانے یا فساد وغیرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ اور انسان گمراہ ہوکر ہر طرح کی رذیل حرکات کرسکتا ہے۔ اس لئے فرشتوں کی زبان حال سے یہ اپیل پیش ہوتی ہے۔ کہ آگے سلسلہ پیدائش بند ہو۔ اسی سے انسان کے لئے یہ نصیحت مہیا کی گئی ہے۔ کہ وہ فساد اور خون خرابے سے باز رہے۔ کیونکہ اس صورت میں دوسری بے جان چیزیں اور حیوان اس کے مقابلے پر بے ضرر اور اشرف ہوں گے۔ پھر آخری الفاظ میں بتایا گیا ہے۔ کہ خدا میں جو علم ہے۔ اس کو وہ فرشتے حاصل

۱۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۲۔ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

۳۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضرورت اس ہستی کی ہے جو خدا کے علم سے فیض پا سکے۔ وید میں یہ مضمون کئی صورتوں میں آیا ہے۔ اور کین اپ نشد میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ آگ ہوا وغیرہ دیوتاؤں نے اپنی طاقت کے گیت گائے۔ مگر خدا کی طاقت کے بغیر آگ ایک تنکے تک کو جلا نہ سکی۔ اور ہوا تنکے کو اڑا نہ سکی۔ تب اندر یعنی جیو آتما میدان میں آیا۔ وہ بھی اس وقت کامیاب ہوا۔ جب وہ اُما نامی عورت یعنی ودیا کو ملا۔ اس کا بھی مطلب یہی ہے۔ کہ پہلے جو دیوتا آگ ہوا وغیرہ ہوگئے۔ اور بعد میں جو نباتات وحیوانات ہوئے۔ یہ سب گیان کے نااہل ہونے سے ناکام رہے۔ اور جب جیو آتما نے گیان کو پایا۔ یعنی انسانی قالب کا ظہور ہونے پر جب اسے الہامی علم ملا۔ اس کی عظمت اور سرفرازی کا سکہ بیٹھ گیا۔ چنانچہ ۳۱ آیت میں ہے۔ کہ

"خدا نے آدم کو کل نام سکھائے۔ نیز انہیں فرشتوں کے بھی پیش کیا۔ اور کہا۔ اگر سچے ہو تو ہمیں ان چیزوں کے نام بتاؤ"۔ (۱)

اس پر ان کا جواب اگلی ۳۲ آیت میں ہے۔

"انہوں نے کہا۔ پاک ذات ہے تیری ہمیں اس کے سوائے کوئی علم نہیں۔ جو تم نے ہم کو دیا۔ تو ہی علم اور حکمت مجسم ہے۔ (۲)

آیت ۳۳ میں ہے۔ خدا نے کہا۔ اے آدم تو انہیں وہ سب نام بتا دے۔ سو جب اس نے ان کے نام بتا دیئے۔ کہا میں نے تم کو کہا نہ تھا۔ کہ میں آسمان وزمین کے پوشیدہ رازوں اور تمہاری کثیف و لطیف دونوں حالتوں کو جانتا ہوں۔ ۳۔

آدم سے مراد انسانی جماعت کے نمائندہ آغاز عالم میں پیدا ہوئے لوگ ہیں۔ یہ ان آیات کی تفسیر میں واضح کیا گیا ہے۔ سو خدا نے انسان کو کل نام یا شبد گیان دیا۔ جسے وید کہا جاتا ہے۔ یہ علم فرشتوں کے بھی پیش ہوا۔ مطلب یہ کہ جڑ مخلوق اشیاء رحیوان علم کو حاصل نہ کر سکتے تھے۔ ورنہ جیسے ایشور سب میں اور سب کے ساتھ ہے۔ ویسے ہی ان اشیاء کے سامنے بھی علم ہے۔ مگر وہ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔ اور وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر ایک گونہ یہ سنا رہے ہیں۔ کہ علم خدا کے دینے سے ہی ملتا ہے۔ اور محض انسان کو جو اس کا احساس کر سکتا ہے۔ نہ ہم کو جو جڑ ہیں۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کے غرور کا سر نیچا کیا گیا ہے۔ جو علم کو انسان کی ایجاد کہتے یا نیچر کو اپنا گرو مان رہے ہیں۔ ارے گونگی۔ بہری اور جڑ نیچر کو تو خود اپنا بھی علم نہیں۔ تمہیں کیا دیگی۔ ہاں یہ اس علیم کل خدا کا ہی عطیہ ہے۔ جن کی بدولت تم نیچر کو جان اور سمجھ سکتے ہو۔

غرضیکہ وید کے دیوتا شبد کی طرح ہی ان آیات میں ان کل اشیاء کو ملائکہ کہا ہے۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوئی تھیں

۱۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

۲۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

۳۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

۴- آدم کو سجدہ کرنے والے ملائکہ

سورۃ البقر آیت ۳۴ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس نے انکار اور غرور کیا۔ اور کافر ہوا۔ (۱)

اس سجدہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ کل اشیائے عالم انسان کے زیر فرمان ہیں۔ اور اس کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ مگر ابلیس اس کے بس کا نہیں۔ یہ ابلیس ویدکا الی بیش (इल्लिबिश) شبد ہے۔ بمعنے من یا نفس امارہ کے کون نہیں جانتا۔ کہ اہنکار کے قابو آکر انسان ناکردنی کرتا اور ہر وقت دکھ کا شکار ہوتا ہے۔ اور اس اہنکار کا مطلب محض من کا سرکش و خود سر ہونا ہے۔ آگے ذکر آتا ہے۔ کہ میں کیوں انسان کے آگے جھکوں۔ میری پیدائش آگ سے ہے اور انسان کی مٹی سے۔ چونکہ جھکنا جسم کے آگے ہوتا ہے۔ جو مٹی کے زیادہ حصے سے بنتا ہے۔ اور مٹی میں ہے تمو گن۔ برخلاف من کے ستو گن کے جو اس اگنی کا گن ہے۔ جس سے من بنتا ہے۔ اس لئے بتایا ہے۔ کہ من تو خود اعلےٰ حیثیت رکھنے سے جسم پر حکمران ہے۔ یہ اس کے آگے جھک نہیں سکتا۔ ہاں آگے ذکر آئیگا۔ کہ گیان یا علم کی طاقت رکھنے والا جیو آتما ہی ہے۔ جو من کو مار یا اسے قابو میں رکھ سکتا ہے۔

پس ساری بحث میں ملائکہ کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اور ان کی تسبیح و تقدیس کا بھی۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں کہا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہیں۔ اور کوئی بھی شے نو۔ اس کی تسبیح و الی تقدیس کر رہی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں (۲)

سورۃ النور آیت ۴۱ میں کہا ہے۔ کیا تو نے دیکھا نہیں۔ کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ سب اللہ کی تسبیح و تقدیس کر رہا ہے (۳)

اس طرح ہر کہیں اس تسبیح و تقدیس کا یہی مطلب ہے۔ کہ اشیائے عالم اپنے وجود سے اور زبانِ حال سے خدا کی صنعت اور شان و شوکت کی شہادت دے رہی ہیں۔

اور مکالمہ کا یہ طریق صحیح علم پانے اور حقیقت کو سمجھنے میں بڑا معاون ہے۔ وید میں ہر بے زبان چیز کو مخاطب کر کے اس کے اوصاف کو بیان کرنے کا طریق عام ہے۔ جیسے اگ آگ ہوا او کہل موسل تک سے خطاب کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بے جان چیزوں کو متشخص (Personified Objects) مان کر کلام کیا جاتا ہے۔ اردو میں کہا جاتا ہے۔ ہائے ری ظالم موت! تو نے بڑے بڑے خاندانوں کو تباہ کیا ہے۔ فارسی کا مشہور شاعر سعدی موت کا نظارہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۱- وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

۲- تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

۳- أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

کوسِ رحلت بکوفت دست اجل اے دو چشمم وداعِ سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو ہمہ تودیع یک دِگر بکنید

مطلب یہ کہ کوچ کی گھنٹی بجنے پر ساری طاقتیں جواب دیتی ہیں۔ تو اس وقت مرنے والا زبانِ حال سے اپنے تمام اعضا مثلاً۔ آنکھ۔ سر۔ ہاتھ کی ہتھیلی۔ کلائی بازو وغیرہ کو ایک دوسرے کو الوداع کہنے کا حکم دیتا ہے۔ پس وید نے جس طرز بیان کی بنیاد ڈالی۔ اور قرآن نے جس کی تقلید کی۔ وہ ہر زبان اور ملک میں رائج ہونے سے کسی شک کا نشانہ نہیں بن سکتا۔

سورۃ القدر میں چوتھی آیت میں جو ملائکہ کا لفظ ہے۔ وہ بھی صریحاً ان اشیائے عالم کے لئے ہے۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوتی ہیں۔ اس آیت میں کہا ہے۔

تمام عالموں (جمادات۔ حیوانات۔ نباتات) کے متعلقہ فرشتے اور ارواح لیلۃ القدر (برہم راتری) میں ایشوری قانون کے مطابق تنزّل کر جاتے ہیں۔ (۱)

وہ اس طرح (دوسری پیدائش کی) فجر یعنی آغاز تک سلامت رہتے ہیں۔ (۲)

ان حوالوں میں قرآن ویدک سدھانتوں کی صداقت کے متعلق معرکے کی شہادت دیتا ہے۔ ایک لفظ تو ہے" مِن کُلِّ اَمْرٍ"۔ اس میں امر کے معنے ہر طرح کی پیدائش کے ہیں۔ خواہ جمادات ہوں خواہ نباتات وغیرہ ویسے امر کے معنے حکم کام معاملہ۔ علم وغیرہ اور بھی ہیں۔ لیکن اس آیت میں کُلّ امر سے مراد موقعہ ومحل کے لحاظ سے سوائے مختلف قسم کی پیدائش کے ہو نہیں سکتے۔

دوسرا لفظ قابل غور تنزّل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس حالت سے ترقی کر کے موجودہ حالت تک رسائی ہوئی تھی۔ پھر اسی ادنےٰ حالت کو لوٹ جانا۔ یعنی معلول حالت سے حالت علت میں چلا جانا۔ اس میں خاص علمی رمز یہ ہے۔ کہ یجر وید کے پُرش سوکت میں کہا ہے۔ کہ اس جہان میں ایشور جیو اور پرکرتی نام تین پاد انادی ہیں۔ اور کاریہ یا معلول دنیا والا ایک پاد لطیف عناصر کی ترکیب سے بنا ہوا متغیر یا حادث ہے۔ اسی پرش سوکت کے چوتھے منتر میں کہا ہے۔ کہ تین پاد سے اونچی یا اگلی یا ترقی یافتہ حالت ہی پرش ہے۔ جس کا ایک معلول پاد بار بار ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی اس پر پیدائش اور فنا کا چکر جاری رہتا ہے (۳)

پس ایشور جیو اور پرکرتی نام تین انادی ہستیوں کو معلول اور مرکب دنیا کے ساتھ ملا کر پُرش کہا جاتا ہے۔ اور یہ تین انادی سے اگلی ترقی یافتہ حالت ہے۔ یہاں ارتہاپتی سے یہ مطلب نکلتا ہے۔ کہ جب دنیا فنا ہوگی۔ اس وقت معلول دنیا پھر حالت علت میں چلی جائیگی۔ یعنی حالت پیدائش کو ترقی کی حالت سمجھیں۔ تو فنا کی حالت کو تنزّل کی حالت کہیں گے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن نے یہ کہا۔ کہ فرشتے اور ارواح برہم راتری میں تنزل کر جاتے ہیں۔ اب سوال ہے۔ تنزل کر کے

---

۱ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۲۔ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

त्रिपादूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः।
ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशनानशने अभि ॥ ४ ॥

کہاں جاتے ہیں جواب صاف ہے۔ کہ ملائکہ بے جان اشیاء ہیں۔ جو پھر لطیف مادہ کی صورت میں ہو جائینگی۔ اور ارواح سے بھی مادی سامانوں کا تعلق نہ رہ جائیگا۔ باقی صرف ایک ہستی ایشور کی رہی۔ سو روح اور مادہ اسی میں رہیگا۔ اور جب پھر پیدائش کا وقت آئیگا۔ تو برہم میں جو رُوح اور مادہ لین ہونے تھے۔ وہی پیدائش کے کام آئیں گے۔ سو یہی قرآن فرماتاہے۔ کہ ملائکہ اور ارواح حالت تنزل میں برہم کے اندر صحیح سلامت رہیں گے۔ یہاں تک کہ پھر دنیا کی پیدائش کی فجر میں وہ کام آویں۔

گویا اس آیت میں ملائکہ لفظ سے اشیائے عالم کا قائمقام ہونے کا ہی قطعی فیصلہ نہیں دیا گیا۔ یہ بھی طے کردیاہے۔ کہ رُوح اور مادہ حادث نہیں۔ بلکہ انادی کال پرمیشور کے ساتھ ہیں۔ اور معلول دنیا کے بگیہ میں بہ طور سامگری کام دیتے ہیں محدود العلم حضرت انسان اس دنیا میں کل اشیائے کو اپنی مرضی سے کام میں لاتا اور اس آزادی کی وجہ سے اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہے ان آیات کی تفسیر میں ملائکہ لفظ کے مفہوم پر بعض دیگر مفسرین کی شہادت سے بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے زیادہ تفصیل وہیں دیکھی جائے۔

۴۔ ملائکہ لفظ رشیوں کے لئے

سورۃ النحل آیت ۲ میں کہاہے۔
"پرمیشور اپنا گیان ان رشیوں کے آتما میں پرکاشت کرتاہے۔ جن کو اپنے بندوں میں سے موزوں یا قابل سمجھتاہے۔ (۱)

اس آیت میں ملائکہ لفظ سوائے آغاز عالم کے رشیوں کے اور کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ سورۃ الرحمن میں قرآن کہتاہے۔ کہ وہ پرماتما ہی قرآن کا علم دیتا اور انسان کو پیدا کرتے ہی اسے اس کا بیان کرنا بھی سکھاتاہے یہاں قرآن کو وید کے معنے میں لیاہے۔ اور ویدک دہرمیوں کے اس اصول کو واضح کیاہے۔ کہ وید کا شبد گیان پرمیشور نہ دیتا تو انسان دوسروں تک علم کو پہنچا نہ سکتا۔

اس گیان کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں اعتراض آتاہے۔ کہ چار ہی رشیوں پر کیوں وید کا ظہور ہوا۔ اس کا جواب سوامی جی یہ دیتے ہیں۔ کہ وہ چاروں ہی سب انسانوں میں لائق اور وید گیان کو گرہن کرنے کے قابل تھے۔ سوامی پوزیشن کو سورۃ النحل کی اس آیت میں واضح کیاہے کہ پرمیشور نے اپنے بندوں میں سے جنہیں قابل پایا یا موزوں سمجھا۔ ان کے ہی آتما میں گیان کا پرکاش کیا۔

ایک اور نکتہ بھی یہاں قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ ویدک سدھانت کے نکتہ نگاہ سے اصل گیان نہ اندریوں کا دشے ہے۔ نہ دل کا اور نہ عقل کا اسے رُوح ہی قبول کرسکتاہے۔ اور وہی قرآن کہتاہے۔

۵۔ جبرئیل فرشتہ

یہ خیال کہ فرشتے نظر نہ آنے والی ہستیاں ہیں۔ اس لحاظ سے تو صحیح ہے۔ کہ قرآن مادی ذرّات کو بھی ملائکہ کہتاہے۔ نیز تمام ارواح۔ نجات یافتہ ارواح اور رُوح کی لطیف طاقتیں بھی ملائکہ ہیں۔ لیکن کسی انسان کے ساتھ ان کا غیر مجسّم صورت میں کوئی تعلق یا اس پر ان کا کوئی اعتبار ہو۔ قرآن اس کی کہیں تائید نہیں کرتا۔ ایسے ہی جبرئیل کے متعلق جو یہ خیال ہے۔ کہ وہ

۱۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

نظر نہ آنے والا فرشتہ تھا۔ مگر مجسّم ہوکر بھی آتا تھا۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ پیدا ہونا و مرنا تو روح اور جسم کے ملنے وجدا ہونے کا نام
لیکن عملاً یہ بات آج تک کوئی نہیں دکھا سکا کہ کوئی روح پیدائش اور موت کے قانون الہی کے بغیر جب چاہے کسی آدمی کی شکل
اختیار کرے۔ اور جب چاہے اس کا جسم نظر نہ آوے۔ نہ روح نیستی سے جسم کو ظاہر کر سکتا ہے۔ نہ جسم کو ناقابل دید بنا
سکتا ہے۔ بہرحال جبرئیل کے متعلق قرآن مجید سے سوائے اس کے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ ایک بڑے عالم اور فاضل
مذہبی مشنری اور انسان تھے۔ جنہوں نے عرب میں اس وقت خاص کام کیا۔ اور آنحضرت کو ایک ایسی ہستی سمجھا۔ کہ مخی
روز گار ہو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو قدیم دھرم کی تعلیم دی۔ اور اشاعت حق کے کام پر لگایا۔ باب سوم دفعہ ۳۸ بموجب
آیت ۱۹۳ تا ۱۹۵ میں لکھا گیا ہے۔

"تحقیق قرآن رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ روح الامین (علم الہی کو امانت رکھنے والے روح) کے ذریعے
وہ تیرے دل پر ٹھیٹھ عربی زبان میں نقش کیا گیا ہے۔ اور تحقیق وہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے"۔ چونکہ جمیع علما کا
اس پر اتفاق ہے۔ کہ روح الامین نام جبرئیل کا ہے۔ اس لئے اس پر بحث نہ کرکے ہم یہ بتا دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ ویدمیں آچاریہ
گورو کو پرمیشور کا ایجنٹ یا امین ہی مانا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو محض اس علم کے سکھانے کے لئے قبول کیا جاتا ہے۔ جو
خدا کا علم ہے۔ گورو کا یہ اختیار نہیں۔ کہ وہ اپنے ذاتی خیالات یا جذبات کی پیروی شاگرد سے کرائے۔ بلکہ وہ صاف کہتا
ہے۔ اصل آچاریہ تمہارا پرمیشور ہے۔ میں محض بہ طور اس کے امین یا قائمقام یا نمائندہ کے ہوں۔ اور میں اسی کا علم تمہارے
ذہن نشین کرونگا۔ سو یہی اصول روح الامین کے لفظ میں قرآن میں موجود ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ جبرئیل کسی خاص شخصیت کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ڈگری ہے۔ جیسے کہ آچاریہ یا گورو کی
ڈگری ہے۔ بائیبل میں بھی اسی لئے اس لفظ کا عام استعمال ہوا ہے۔ اور اس کی حقیقت بھی ظاہر ہے۔ پارسیوں کی کتاب
مقدسہ زند اوستا میں مرقوم ہے ۔ کہ ویاس جی زردشت کے پاس بہ غرض اشاعت دھرم گئے۔ اور وہ گبرئیل کے
خطاب سے وہاں یاد کئے گئے ہیں۔ چونکہ پارسی اور عربی میں یہ فرق نمایاں ہے۔ کہ پارسی والا گ عربی میں نہیں ہے۔
اس لئے عموماً عربی میں گ کی جگہ ج بولا جاتا ہے۔ جیسے گناہ کو عربی میں جناح کہتے ہیں۔ پس گبرئیل کی جگہ عربی میں
آچاریہ کو جبرئیل کہتے ہے۔ اور گبرئیل کی حقیقت یہ ہے۔ کہ آچاریہ کو یا عالم کو جو بھارت ورش سے ان ممالک میں
جاتے تھے۔ وید کے تعلق سے وید کے پہلے لفظ اگنم ایڑے یا اگنم ایلے سے پکارا جاتا تھا۔ جیسے آج کل سوامی دیانند کو
ویدوں والا رشی کہتے ہیں۔ اسی طرح ان دنوں مشنری عالموں کو اگنم ایل کہا جاتا تھا۔ اور پارسی میں اگنی کی جگہ گبر کہا
جاتا ہے۔ پس اگنی ایل کو گبرائیل کہا گیا۔ یہ بھی ظاہر ہے۔ غرضیکہ آیت محولہ بالا میں روح الامین یعنی جبرئیل کا آنحضرت کو
قرآن کی تعلیم دینا ظاہر ہے۔ اور قرآن نام یہاں پہلی الہامی کتاب کا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرحمن کی پہلی آیتوں کے اور نیز اور
حوالوں سے ہم کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ یہ امر اس آیت کے الفاظ سے بھی بہ احسن الوجود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امین
سے جو چیز ملتی ہے۔ وہ پہلے سے موجود ہوتی۔ اور بہ طور امانت کے اس تک پہنچتی ہے۔ پس آغاز عالم والے قرآن یعنی وید
کی امانت آنحضرت کو آچاریہ سے ملی۔ یہ مفہوم صاف ہے۔ اور حضرت جبرئیل کے ذریعے دل پر نقش کیا جانا یہ واضح کرتا ہے
کہ قرآن کلام الہی بھی محض اس لئے ہے۔ کہ جبرئیل نے جیوں کا تیوں علم کو پہنچایا۔ ورنہ دل پر نقش ہونے والا علم الہی نہیں
ہوتا۔ بلکہ الہامی علم روح پر منکشف ہوتا ہے۔ استاد یا گورو کی روح تک رسائی نہیں۔ دل تک اس کی پہنچ ہے۔ اور دل

سے روح جو خیال ادا کرتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت مراقبہ یا سمادھی میں خود پرمیشور کی حضوری میں دیکھتا ہے۔ پھر ایک زبان سے دوسری زبان میں ظاہر کرنا بھی انسان گورو کا کام ہے۔ خدا ایک کامل زبان میں جو بے بدل ہے۔ الہام دیتا ہے۔ وہ انسانوں کی ناقص زبانیں بولنے والا نہیں۔ اور ہر طرح پرثابت ہے۔ کہ بطور گورو یا آچاریہ کے قدیم الہٰی علم کی تعلیم آنحضرت کو جبرئیل سے ملی۔ اور اخیر میں تو یہ امر بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ جب یہ الفاظ سامنے آتے ہیں۔ کہ اِنَّہٗ لَفِیۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِیۡنَ (تحقیق یہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے) مطلب یہ کہ جو تعلیم دی گئی عربی زبان میں وہ پہلے الہام وید کی ہی ہے۔

سورۃ النحل آیت ۱۰۲ میں کہا ہے۔ کہو کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے ٹھیک ٹھیک یا جیوں کا تیوں ظاہر کیا ہے۔ تاکہ خدا اہلِ ایمان کو دھرم پر قائم کرے۔ اور فرمانبرداروں کے حق میں یہ ہدایت اور رحمت ہو (۱)

یہاں روح الامین کی جگہ روح القدس یعنی پوتر آتما کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ لازمی ہے۔ کہ سچا آچاریہ یا گورو کا آتما پوتر ہو۔ ورنہ وہ گورو بننے کے ناقابل ہے۔

مختصر یہ کہ جبرئیل کوئی نظر نہ آنے والا یا غیر انسانی ہستی نہیں۔ بلکہ اعلےٰ پایہ کا عالم فاضل اور پوتر آتما گورو ہے۔

۶۔ جبرئیل کے دشمن

سورۃ البقر آیت ۹۷ میں کہا ہے۔ جو لوگ جبرئیل کے دشمن ہیں۔ ان سے کہدو۔ کہ یہ کلام جبرئیل نے اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نقش کی ہے۔ یہ پہلی کلام کی مصدق اور مومنوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والی ہے۔ (۲)

غور کرنا چاہئے۔ کہ اگر جبرئیل نظر آنے والا فرشتہ ہو یا محض آنحضرت تک ہی اس کا تعلق محدود ہو تو لوگوں سے ان کا دوستی و دشمنی کا تعلق کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس اصل حقیقت محض یہ ہے۔ کہ حضرت جبرئیل ایک بڑے عالم انسان تھے۔ اور چونکہ وہ محض ایک سچے ایشوری دھرم کے پرجوش مشنری تھے۔ اور انسانی مذاہب کے مخالف اس لئے ان کے تکذیب باطل یا کھنڈن کے کام کو لوگ برا مناتے تھے۔ اور رسول صاحب کی وعظ پر جبرئیل کی عداوت کی وجہ سے التفات نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان کو سمجھانا ضروری ہے۔ کہ یہ کوئی جبرئیل کا ذاتی کلام نہیں۔ خدا کا حکم ہے۔ اور الہام میں ملی ہوئی کتاب الہیٰ کی صداقتیں ہی ہیں۔ جن کی اشاعت کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان کی دشمنی کی وجہ سے خدا اور اس کی سچی ہدایتوں سے کنارہ کرنا خود اپنا نقصان کرنا ہے۔

بعض صورتوں میں ایسا ہونا بھی لازمی ہے۔ کہ آنحضرت کے کھنڈن سے دکھی ہو کر لوگ جبرئیل کے دشمن بنیں اس خیال سے کہ اصل سکھانے والا جبرئیل ہی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل آیت ۱۰۳ میں کہا ہے۔

۱۔ قُلۡ نَزَّلَہٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝

۲۔ قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝

ہم کو تحقیق معلوم ہے۔ کہ کافر یہ شبہ کرتے ہیں۔ کہ ہو نہ ہو اس کو وہ شخص سکھاتا ہے مگر جس شخص کی طرف پٹی پڑھانے کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کی زبان تو عجمی ہے۔ اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ (۱)

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل اور حضرت محمد صاحب دونوں صدق دل سے کلام الہی کی اشاعت اور انسانی مذاہب کی تردید کرتے تھے۔ اور دونوں کے ہی کئی لوگ دشمن ہوتے تھے۔ اور بعض اوقات لوگ آنحضرت سے درگذر بھی کرتے تھے۔ اس لئے کہ سمجھا جاتا تھا اصل شرارت کی جڑ جبرئیل ہے۔ جو اس کو سکھاتا ہے۔ لیکن آنحضرت گو روپر ذمہ داری نہ ڈالتے تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ کہ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ خود اس کا ذمہ دار ہوں۔ میں کسی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہیں۔ ان کی زبان عجمی یا سنسکرت ہے۔ اور میں تمہیں ٹھیٹھ عربی میں سناتا ہوں۔ اور اس کے متعلق میں ہی ذمہ دار ہوں۔ یہاں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے۔ کہ آنحضرت اپنے آپ پر بے علمی کے معنے میں امی لفظ منسوب کرانے کے حق میں نہیں۔ کیونکہ وہ یہاں اپنے عالم ہونے اور اپنی ذمہ واری کو سمجھ کر عربی میں انسانی مذاہب کے خلاف کہنے کی پوزیشن اختیار کرتے ہیں۔

۷۔ اور فرشتے

ان واقعات کے ہوتے ہوئے حضرت جبرئیل کو نظر نہ آتے والا فرشتہ نہیں مانا جاسکتا۔ بلکہ یقیناً وہ اعلےٰ پایہ کے انسان اور بے نظیر عالم و فاضل آچاریہ تھے۔ کیا کوئی بھی ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ مخصوص عجمی زبان کا ماہر شخص نظر نہ آنے والا ہو۔ یا یہ کہ نظر نہ آتے والے فرشتے "عجمی سیکھتے" اور بولتے ہیں۔

اسی طرح میکائیل فرشتہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ اور بھی بڑا عالم ہے۔ اس تفسیر میں ہم نے میکائیل کے متعلق بائبل کے اقتباسات دے کر ثابت کیا ہے۔ کہ کتاب مکاشفات میں میکائیل نام اندر یا سورج کا ہے۔ جس کا ورتر نام بادل سے جنگ ہونا عموماً دیکھا جاتا ہے۔ اور جہاں وید میں سورج کو آدتیہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کامل ۴۸ برس کا برہمچریہ دھارن کرکے جو ایسا عالم بنتا ہے۔ کہ مثل آفتاب کے جہاں میں چمکتا ہے۔ وہ بھی آدتیہ برہمچاری کہاتا ہے۔ اور اُسے قرآن میں میکائیل کہنا بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح اسرائیل نام ایشور ایل یا پربھو کے بھگت کا ہے۔ وغیرہ۔

۸۔ احادیث کے اشارات

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید ہست صنادید عجم را

اس شعر کے مدعا کے مطابق احادیث سے بھی مذکورہ بالا قسم کے ہی نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

مثلاً جبرئیل کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ابھی تو نظر آتے تھے۔ ابھی غائب ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب محض یہ ہی معقول ہوسکتا ہے۔ کہ وہ نہایت مستعدی اور تیزی سے جہاں تہاں پہنچتے تھے۔ ایک جگہ زیادہ ٹھہرتے نہ تھے۔

۱۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ حدیث نمبر ۳ میں ہے۔ کہ (غار حرا میں) فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ پڑھو۔ حضرت نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں۔ فرشتے نے آپ کو پکڑ لیا۔ اور زور سے دبایا۔ یہاں تک آپ کو تکلیف ہوئی۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ کہ پڑھو۔ آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اور فرشتے نے اسی طرح آپ کو پکڑا۔ تین دفعہ یہی عمل ہوا۔ چوتھی دفعہ فرشتے نے کہا۔ اقراء باسم ربک کہ اپنے رب کا نام لیکر پڑھ۔

اس کے آگے ذکر ہے۔ کہ محمد صاحب بہت خوفزدہ ہوئے اور گھر میں آکر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔

پھر یہ ذکر آتا ہے۔ کہ حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے آپ کو ڈھارس بندھایا اور آپ کی مستقبل نبوت کی پیشگوئی کی اس کے بعد آپ نے ایک مرتبہ چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی اور نظر اٹھا کر اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا۔ کہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر معلق بیٹھے ہیں۔ آپ خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آکر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس حال میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آئیتیں نازل ہوئیں۔

"اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ۔ اور ناپاکی کو چھوڑ دے"۔ مطلب یہ کہ انسانی چولے کو بے داغ اور کامیاب بنا۔ یہ بیانات بظاہر کتنے ہی عجیب معلوم ہوں۔ ان سے معقول مفہوم بھی نکل سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جو کچھ آنحضرت کو حاصل ہوا۔ حضرت جبرئیل کی معرفت ہوا۔ اور حضرت جبرئیل نے مجسم انسان گورو کی شکل میں آپ کو تعلیم دی۔ بارہا آپ کو گورو نے تاڑنا بھی کی۔ اور آپ کو کبھی مایوسی کے خیال آتے رہے۔ لیکن آپ کو نزدیکی تعلق والوں نے بھی حوصلہ افزائی کے طور پر یہی کہا۔ کہ اگر کامیابی سے سچے علوم حاصل کر لئے۔ تو دنیا کی صحیح رہنمائی کر سکو گے۔ غرضیکہ حضرت جبرئیل نے زبان سے کہا۔ آپ نے کان سے سنا۔ اور غار حرا کے کنج تنہائی میں گورو اور شش کے اس عجیب و غریب جوڑے نے خلق خدا کی رہنمائی کے لئے سچے تپسویوں کی طرح وہ تیاری کی۔ جس کی نظیر اس وقت تک کی تاریخ عالم یا کم سے کم عرب میں ملنی محال ہے آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر گورو کا معلق بیٹھنا ایک تو یہ مفہوم رکھتا ہے۔ کہ جو تعلیم آپ کو ملی۔ وہ عالمگیر تھی۔ اور دوسرے یہ کہ اونچے سنگھاسن پر بیٹھے ہوئے گورو نے آپ کو دیکھا دی۔ اور آپ کو تامل یا خوف ہوا۔ کہ اتنی بڑی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی۔ بہرحال سوامی ورجانند اور دیانند جیسے گورو اور شش کے جوڑے نے جو نظارہ متھرا میں دیکھا والا تاریخ میں چھپا گیا ہے۔ یہ اسی بات کا ثبوت ہے۔ کہ قابل تریں عالم لوگ ہر زمانہ اور ملک میں ایک ہی اصول پر مبنی تاریخ کو دوہراتے آ رہے ہیں۔

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ حدیث نمبر ۴ میں ہے۔ کہ نزول قرآن میں آنحضرت اپنے دونوں ہونٹ جاری جلدی ہلاتے تھے۔ کہ وحی یاد ہو جائے۔ اس لئے آیت نازل ہوئی۔ کہ

اے محمد قرآن کو یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی تمہارے سینے میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھانا جس وقت ہم پڑھ چکیں۔ تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ یعنی اس کو سنو۔ اور چپ رہو۔ پھر یقیناً اس کا مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر بے شک اس کے مطلب کا سمجھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمے ہے کہ تمہیں یاد ہو جائے۔ تاکہ تم

اس کو پڑھو۔

اس طریق درس وتدریس سے بھی حضرت جبرئیل کا انسان گورو نامی فرشتہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ غیر مجسّم فرشتہ ہونا نہیں۔

اس حدیث کے آخری حصّے میں ہے۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد یہ حالت رہی۔ کہ جب آپ کے پاس جبرئیل کلام الٰہی لیکر آتے تھے۔ تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبرئیل چلے جاتے۔ تو اس کو بھی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے جس طرح جبرئیل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا۔

الغرض قریباً ہر حدیث اور آیت سے حضرت جبرئیل کے نظر نہ آنے والا فرشتہ ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت جبرئیل کے متعلق حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے تبلیغی کام شروع کرنے پر آپ اس کا معائنہ اور اپنا اطمینان بھی کرتے تھے۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۱۲ حدیث نمبر ۴۷ میں ہے۔

"ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک آپ کے پاس ایک مرد آیا۔ اور اس نے آپ سے پوچھا۔ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ ایمان یہ ہے۔ کہ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور آخرت میں اللہ کے ملنے پر اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ اور قیامت کا یقین رکھو۔ (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ اسلام کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اسلام یہ ہے۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اور نماز پڑھو۔ اور زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ تم اللہ کی عبادت اس خشوع وخلوص سے کرو۔ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر (یہ حالت) نہ (نصیب) ہو۔ کہ تم اس کو دیکھتے ہو۔ تو (یہ خیال رہے کہ) وہ تمہیں دیکھتا ہے (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ قیامت کب ہوگی؟ (اس کے جواب میں) آپ نے فرمایا۔ کہ جس سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے۔ وہ (خود بھی) سائل سے زیادہ اس بات کو نہیں جانتا۔ اور میں تم کو اس کی علامتیں بتا دیتا ہوں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن اللہ عندہ علم الساعۃ پوری آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد وہ شخص پیچھے پھرا تو آپ نے فرمایا۔ اسے میرے پاس واپس لاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کے واپس لانے کو گئے۔ مگر کسی کو نہ دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جبرئیل تھے۔ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم کرنے آئے تھے"۔

مسلم میں اس حدیث کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس شخص کے کپڑے نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے بہر حال یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت جبرئیل آنحضرتؐ کی تبلیغی مجلسوں میں پہنچ کر مناسب طریق سے مدد دیتے اور پرچار کے کام کو عمدگی سے ہوتا دیکھ کر پرسن (خوش) ہوتے تھے۔

۹۔ ایک مسلم عالم کی شہادت

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی تصنیف قرآن آسان قاعدہ میں لکھتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے جب پہلی دفعہ قرآن نازل کیا۔ تو حضرت جبرئیل پڑھتے جاتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوہراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد بھی قرآن کی وحی اسی طرح نازل ہوتی رہی یعنی قرآن لکھا ہوا نازل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ منہ زبانی پڑھایا جاتا تھا۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔ قرآن شریف پہلے تو منہ زبانی یاد کیا جاتا تھا، اس کے بعد لوگ لکھ کر اس کو پڑھتے تھے"۔ ذرا اور آگے چل کر آپ فرماتے ہیں "لکھنے کی ایجاد سے پہلے انسان کی قابلیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حکیم ارسطو کے بعد یونان میں کوئی اور حکیم نہیں ہوا۔ اور مشہور ہے۔ کہ لکھنا اسی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے لوگ علم کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور زبانی پڑھنے کے سبب بڑے بڑے نامی حکیم وفلاسفر بن جاتے تھے۔ جب سے لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہوا۔ انسان کی علمی قابلیت کم ہوتی گئی"۔ حکیم ارسطو کے فن تحریر کا موجد ہونے کے متعلق آپ نے نہ ثبوت دیا ہے۔ نہ یقینی دعوے کیا ہے۔ لہذا اس پر کچھ لکھنا امر غیر متعلقہ ہوگا۔ ہاں یہ امر بخوبی واضح ہورہا ہے۔ کہ رشی لوگوں کا وید کو شرتی کہنا بالکل معقول ہے۔ کیونکہ پہلے وہ سلسلہ وار سُن سنا کر ہی حفظ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی سچی شہادت ہے۔ کہ تحریر کی ایجاد سے پہلے قابلیت بہت زیادہ تھی۔ شاستروں میں جو تمام ضروری علوم مثل دریا بہ کوزہ بند ہیں۔ اور تمام محققین ماضی وحال کو محو حیرت کرتے آرہے ہیں۔ یہ اسی قابلیت کا ثبوت ہے۔ جو قدیم رشیوں کو مخصوص امتیازی پوزیشن دیتی ہے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے۔ لیکن جس امر کا یہاں تعلق ہے۔ وہ محض یہ ہے۔ کہ واقعی قابل ترین انسان گورو کو ہی حضرت جبرئیل مانا گیا تھا۔ کسی نظر نہ آنے والے فرشتے کو نہیں۔

۱۰ ب۔ قرآن مجید کی پوزیشن

دیباچہ وید اور قرآن۔ دفعہ ۲۲ بمضمون آیات وفرشتے کا نزول میں قرآن مجید کی یہ پوزیشن واضح ہوچکی ہے۔ کہ فرشتے جو نظر نہ آئیں۔ علم وغیرہ کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ نہ کوئی کتاب آسمان سے اترتی ہے۔ سورۃ یونس آیت ۲۰ میں اس اعتراض کا جواب ہے۔ کہ کیوں رسول پر آیت نازل نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ تحقیق اللہ کے لئے غیب ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آیت نام الفاظ کا نہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یا صحیح معانی کے ظاہر ہونے کا ہے۔ جسے غیب یا پردہ کھشش کہتے ہیں۔ اور یہ حقیقی علم ہمیشہ اللہ میں رہتا ہے۔ ہاں جو لوگ صبر کے ساتھ کوشش کئے جاتے ہیں۔ قابلیت بڑھاتے بڑھاتے آخر وہ اس حقیقت یا معانی کا دیدار یا انکشاف پاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ گیان کبھی کسی انسان کی فطرت کا جزو نہیں بن جاتا۔ بلکہ خدا سے ہی اس کا مستقل تعلق ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ یوگ کی مشق کرنے سے آخر وہ علم کے درشن کرے۔ یعنی جس طرح مادی سورج کی روشنی سورج میں رہتی ہے۔ اور آنکھ کی محض مدد کرتی ہے۔ آنکھ کو روشنی مجسم نہیں بناتی۔ اسی طرح انسان کو علم الہی کا دیدار ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کیا رسول اور کیا دیگر لوگ سب صبر سے کام لے کر آخر کامیاب ہو سکتے ہیں۔

دوسری طرح پر اس آیت سے سبق ملتا ہے۔ کہ اللہ سے جو علم ملتا ہے۔ وہ خالی الفاظ نہیں ہوتے۔ بلکہ الفاظ اور معانی ہوتے ہیں۔ پس آیت کے نزول کا مطلب صحیح نہیں۔ اور معانی کے لئے ہم سب کو صبر سے انتظار کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ کہ غلط سا اور بے سمجھے سوال کرنے کی۔

سورۃ النسا آیت ۱۵۳ میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ آسمان سے کوئی کتاب اتار دو تو جانیں اس سوال کو بھی قرآن غلط قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ تم تو اسی پر تعجب کرتے ہو۔ موسیٰ کو انہوں نے کہا تھا۔ ہمیں ان مادی آنکھوں سے خدا کا دیدار کراؤ۔ تو جانیں۔ اس جہالت بھرے سوال یا مطالبے پر بجلی نے آپکڑا۔

پھر سورۃ الانعام آیت ۷ تا ۹ میں کہا ہے۔ کہ ان جاہل لوگوں کے سوال ہوتے ہی ردی ہیں۔ کسی علمی تحقیق کے لئے نہیں ہوتے۔ چنانچہ اگر بہ فرض محال کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب آسمان سے اتر بھی آوے۔ اور ان کے ہاتھ سے چھوا بھی دی جاوے۔ تو بھی یہ مانیں گے تھوڑا ہی۔ اسے جادو یا دھوکا کہہ دیں گے (۱)

پھر یہ کہتے ہیں فرشتہ نازل ہو۔ یہ بھی بیہودہ سوال ہے۔ اور یہ اس لئے کرتے ہیں۔ کہ کہتے ہیں۔ رسول تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ ہماری طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے۔ پس فرشتہ آوے تو مانیں۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سوال فضول ہے۔ یہ فرشتہ اسے کہتے ہیں۔ جو نظر نہ آوے۔ سو اگر ایسا فرشتہ آوے تو نظر نہ آنے سے وہ کہیں گے ثبوت کیا۔ اور اگر اسے نظر آنے والا بنائیں۔ تو وہ انسان کی شکل کا ہوگا۔ اور پھر یہی کہا جائیگا۔ کہ یہ تو ہماری طرح ہی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے۔ اس میں خصوصیت کیا ہوئی ــ

سورۃ الحجر آیت ۶ تا ۱۰ میں کہا ہے ــ

"یہ لوگ کہتے ہیں۔ اے ذکر (الہامی علم) کے ظاہر یا منکشف ہونے کے دعویدار تو دیوانہ ہے۔ اگر سچا ہے تو کیوں ہمارے پاس فرشتے نہیں لے آتا۔ ۷۔ ہم جو بھی فرشتے (رشی) ظاہر کرتے ہیں۔ علم حق کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ مگر وہ ایک دم علم بالمشافہ نہیں پا جاتے۔ تحقیق ہم نے ہی ذکر (الہامی علم) نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۹۔ اور تحقیق آغاز عالم والے گروہ میں تجھ سے پہلے ہم نے ایسے رشی بھیجے تھے۔ ۱۰۔ ان آیات میں الہامی علم اور رشیوں کے متعلق انتہائی صداقتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ ایسے رشی جو ایک ساتھ آیات اور ان کے معانی کا علم بالمشافہ پاویں آغاز عالم میں ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اگنی۔ وایو آدتیہ انگرہ کے متعلق ویدک دھرمی مانتے ہیں۔

ایسے ہی یہ بھی سچا سدھانت قرآن نے واضح کر دیا ہے۔ کہ خدا ہی سچا علم دیتا ہے۔ اور وہی اس کی رکھشا کرتا ہے اور اس کی رکھشا کا طریق یہ ہے۔ کہ وہ رشی بھیجتا ہے۔ اور جو بھی رشی ظاہر ہوتا ہے۔ علم حق کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ رشی نام ہی منتر درشٹا یا اصل معانی کے دیدار کرنے والے کا ہے۔ لیکن یہ سوال اوچھے پن کا ہے لاؤ ہمارے پاس وہ رشی یا فرشتے قرآن کہتا ہے۔ یہ حالت ایک دم نصیب نہیں ہوتی۔ جو بھی صحیح طریق پر عمل کرے گا۔ اور غور و فکر سے وسمادھی یا مراقبہ میں کوشش کریگا۔ ان معانی کے دیدار کے قابل ہوگا۔ غرضیکہ آیات معہ معانی و تعلقات آغاز عالم میں نازل ہوتی ہیں۔ اور معانی کا درشن ہمیشہ رشی لوگ سمادھی میں کرتے ہیں۔ ایسے ہی سورۃ الفرقان آیت ۹ میں ان لوگوں کو بھٹکے ہوئے یا گمراہ کہا ہے۔ جو فرشتے خزانے یا باغ کا مطالبہ کرتے یا رسول کو مجنوں یا جادو کا معمول سمجھتے ہیں ــ

پس اگر سنجیدگی اور غور سے قرآن کی پوزیشن پر غور کیا جاوے۔ تو وہ نظر نہ آنے والے فرشتوں کے متعلقہ سوالات اور سوالات کو بالکل بیہودہ توہمات قرار دیتا ہے۔ اور فرشتے فی الحقیقت اشیائے عالم اور عالم و نیک انسان ہی ہیں۔

---

(۱) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

تیرھواں باب ۔ ترک باطل و قبول حق

۱۔ سچا برت

آریہ سماج کا چوتھا نیم ہے "سچ کے قبول کرنے میں اور جھوٹ کے چھوڑنے میں ہمیشہ مستعد رہنا چاہیئے۔ یہ نیم ایسا نہیں۔ کہ آریہ سماج کی ساٹھ ستر سالہ زندگی سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ درحقیقت یہ اُس عہد کا قائمقام ہے۔ جو ہر زمانہ کے ہر انسان کا واحد مستقل اور نہ بدلنے والا عہد ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بے بدل اور علیم کل خدا کے سچے الہام (وید) کے سب سے مقدم اور اہم اُس فرمان پر ہے۔ جو کرم کانڈ کا بیان شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے یجروید ادھیائے اکے پانچویں منتر میں دیا گیا ہے۔ اور جو یہ ہے۔

اے تمام برتوں (عہدوں) کے مالک یا ان کے محافظ پرمیشور! میں یہ عہد کرتا ہوں۔ کہ میں جھوٹ کو ترک کرکے حق کو قبول کرتا رہوں گا۔ پربھو! ایسی عنایت کیجئے۔ کہ میں اس عہد کو پورا کرسکوں۔ (۱)

اس حکم کے مطابق انسان نہ کوئی کام کرسکتا ہے۔ اور نہ کسی کام میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ جب تک وہ اپنے اس عہد کو نہایت احتیاط کے ساتھ ہر وقت اپنے سامنے نہ رکھے۔ اور اس پر عمل نہ کرے۔

اس کے بعد اسی ادھیائے کے ساتویں منتر میں کہا ہے۔

دہرم کے خلاف رکھشش (راکھشس لوگوں یا بُرے خیالات اوصاف اور اعمال وغیرہ) کی بیخکنی کردو۔ ارانی یعنی دہرم کرم سے محروم بے رحم انسانوں یا سچائی کے علاوہ خیالات وغیرہ کو جڑ سے اکھاڑ دو۔ ایسے راکھشس اور ادہرمی لوگ دکھوں کی آگ میں یا پشچاتاپ میں جلتے ہیں۔ تبھی تمہارے اردگرد کا کرۂ سکھ سے بھر پور ہوگا۔ (۲)

یہ تعلیم کس قدر لازمی اور معقول ہے۔ اس ایشور کے بنائے سورج کی مثال سے تمام اہل عقل کے سامنے ہے سورج طلوع ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے۔ کہ ایک دم تاریکی کو نیست و نابود کرتا ہے۔ بعینہ وید گیان اودیا (جھوٹ) کا ناش اور ودیا (سچائی) کی برِدھی کرتا ہے۔ اور اس کے علم کا معتقد شخص تکذیب باطل اور اشاعت حق پر ہی مستعد رہتا ہے۔ کاشتکار زمین میں بیج بونے سے پہلے جھاڑ جھنکاڑ کو اکھیڑتا اور زمین میں ہل چلا کر اسے کریدتا ہے۔ اور بیج بونے کے بعد بھی نلائی کرکے خود رو بدگیوں کی بیخکنی کرتا ہے۔ راجہ چور وغیرہ کو سخت سزا دیتا ہے۔ اس

---

۱ अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छकेयं
तन्मे राध्यताम्। इदमहमनृतात्सत्यमुपैमि ॥५॥

۲ प्रत्युष्टꣳ रक्षः प्रत्युष्टा अरातयो निष्टप्तꣳ रक्षो
निष्टप्ता अरातयः। उर्वन्तरिक्षमन्वेमि ॥७॥

کی فوج اور پولیس مقصود ہی اس لئے ہے۔ کہ امن و عافیت سے انسانی جماعت کے بسر اوقات ہونے میں جو بھی طاقتیں رخنہ انداز ہوں۔ ان کو کچل دیا جاوے۔ بدبودار جگہ یا کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر کوئی ہون نہیں کرتا۔ بلکہ ہر گندی شے کو پرے پھینک کر اور جھاڑو و لیپ پوت ہونے کے بعد ہی کسی جگہ پر سامگری وغیرہ رکھی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر کئی مریضوں کو جلاب دے کر اور ان کے پیٹ کو صاف کرکے ہی دوائی کا اثر ہونے کی امید رکھتا ہے۔ اور دوائی بھی وہی دیتا ہے۔ جو پیٹ کے اندر رہنے والے بیماری کے جرمز کو ہلاک کرے۔ ایسے ہی پھوڑے کو نشتر چلا کر مریض کو نہایت زور کی چیخ پکار کا موقع دینے والا اور سبب بنانے والا ڈاکٹر مریض کا دشمن نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی حالت میں مذاہب باطلہ کی تردید اور حق کی مدلل بلا ثبوت تائید کرکے جھوٹ سے نفرت اور سچ سے محبت پیدا کرنے والا عالم شخص اور اس کا کام کس طرح معیوب ہو سکتا ہے۔ سوامی ورجانند کے سچے علم کے طلبگار دیانند کو حکم دیتے ہیں۔ کہ قرآن کے خلاف کتابوں کو جمنا میں بہا دو۔ تو اس کا صاف یہی مطلب ہے۔ کہ قرآن کی عزت اور توقیر کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے وہ خلاف قرآن کی انتہائی بیخکنی کو لازمی سمجھتے تھے۔ شنکر آچاریہ نے دہریہ یا ناستک پن کی بیخ کنی کے لئے بودھوں کا بھارت ورش سے ہی تعلق دور ہونے میں بہتری سمجھی۔ سوامی دیانند جیسے سچے سنیاسی نے پاکھنڈ جال سے بچانے اور مذہبی تفرقے کے خوفناک نتائج سنانے میں جس بے خوفی سے کام لیا۔ وہ دل آزاری کے لئے نہ تھی۔ بلکہ نفاق اور دکھ کی بیخ کنی کے لئے تھی۔

منو وغیرہ دھرم شاستروں میں جو خاص قماش کے لوگوں کو سوسائٹی سے بالکل منقطع کرنے پر زور دیا ہے۔ (۱)

اور بتی کار جو ایسے لوگوں کی خالی زبانی یا لفظی عزت کرنے کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں (۲)

یا سرکاری حکام جو اپنے جیسے ہی دوسرے انسانوں کو خاص جرموں کے ارتکاب کی صورت میں قید جرمانہ بیت کوڑا حتےٰ کہ پھانسی تک کی سزا دیتے ہیں۔ تو یہ ظلم یا عداوت نہیں۔ بلکہ شرط انصاف اور حفاظت عام کا کام ہے۔

تعزیرات ہند میں نیک نیتی سے کی گئی۔ سچائی پر مبنی اور پبلک مفاد کے لئے ضروری نکتہ چینی کو جرم کی زد سے آزاد اور مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ لاہور کے فاضل سٹی مجسٹریٹ مسٹر کلورٹ نے مقدمہ گوپی ناتھ بنام منشی رام کے فیصلہ (مجریہ ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء) میں صاف لکھا۔ کہ

پبلک آدمیوں کے پبلک افعال پر نکتہ چینی کرنے کا حق ہر ایک رعایا سرکار کو حاصل ہے۔ اور کہ وہ تصنیف لائبل نہیں ہو سکتی۔ جس کی غرض واقعات کی غلط بیانی کو درست کرنا۔ لٹریچر میں شرر انگیز مذاق کو فاش کرنا۔ یا جو کچھ کہ اخلاق کے مخالف ہو۔ اس کو ملامت کرنا ہو۔ ملزمان نے ایک ایسے آدمی کی دلیرانہ پردہ دری سے جس کی متعلق پالیسی مکاری جھوٹھ اور دغا سے روپیہ حاصل کرنے کی رہی ہے۔ تمام ذی عزت ہندوؤں کے شکریہ کا استحقاق حاصل کیا۔ اور زیادہ تر خصوصیت کے ساتھ ان زیادہ تر سناتنی ہندوؤں کے جن کے قدیم دھرم کو اپنی جیب پر کرنے کے لئے اس نے حمایت کرنے اور تقویت پہنچانے کے بہانے سے پلید اور ذلیل کیا ہے۔

۱- योऽवमन्येत ते मूले हेतुशास्त्राश्रयाद् द्विजः।
ससाधुभिर्बहिष्कार्यो नास्तिकोवेद निन्दकः॥११॥

۲- वाङ्मात्रेणापि नार्चयेत

اخیر میں لکھا ہے۔ پبلک کی یاد داشت کی کمزوری مشہور ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس میں عامہ خلائق کا فائدہ ہے۔ کہ گوپی ناتھ سے آدمیوں کا پبلک چال و چلن کبھی کبھی کھول کر ظاہر کیا جاوے۔

رگوید منڈل ا سوکت ۵۱ میں راج کرمچاریوں نیز سچے عالموں کا فرض ہی یہ بتایا ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے موزوں طریق پر دسیو وغیرہ کا ناش اور بھلے پرشوں کی رکھشا کریں۔

پانچویں منتر میں آخری الفاظ ہیں

प्र ऋजिश्वानं दस्युहत्येष्वाविथ।

یعنی دسیوؤں کو مار کر نیک پاک لوگوں کی رکھشا کرو

अگلے منتر میں ہے۔ سدا ہی دسیوؤں کے ناش میں ہمت دکھا!

हत्याय

सनादेव दस्यु ^ जज्ञिषे।

ایک منتر میں کہا ہے۔ دسیوؤں کا ناش کر کے آریہ ورن کی رکھشا کرو۔

راجا لوگ جسمانی سزاؤں سے دسیو یا راکھشوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور سچے عالم لوگ جھوٹھ کے برے نتائج کو دلائل اور اثبات سے اس موثر طریق پر عوام کے ذہن نشین کرتے ہیں۔ کہ ان کو لوگ اہمیت دیں۔ اور ان کی دلائل وغیرہ کی روشنی میں اپنی گھنونی تصویر کو دیکھ کر وہ شرم محسوس کرتے اور ایسا پشچاتاپ کرتے اور ایسا رونا روتے ہیں۔ کہ کھشتری راجہ سے دی گئی کوئی بھی جسمانی سزا دلیا دکھ نہیں دے سکتی۔ اسی لئے آپ نند کا رشی کی تقلید کرتے ہوئے ہر انسان کو سچ سے پریم اور جھوٹ سے نفرت کرنی اور عجز و انکسار سے اس پرمیشور کے حضور میں یہی دعا کرنی چاہئے۔ کہ

"ہے پرمیشور ہمیں جھوٹ سے سچ کی طرف لے چل"

۲۔ قرآنی عہد الہٰی

قرآن مجید وید کے اس عہد کو سوا آنے صحیح ماننا اور اس پر قائم رہنا اسلام کا اعلےٰ ترین اصول اور ہر مومن کا مقدم فرض بتاتا ہے۔ سورۃ البقر آیت ۲۷ میں کہا ہے۔

"فاسق وہ لوگ ہیں۔ جو عہد اللہ کو روز ازل سے پختہ ہونے کے باوجود توڑتے اور جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتے اور دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔(۱)

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ خدا نے کس کے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے یا کس عہد کے ٹوٹنے پر دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔ سو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ جب تک لوگ سچ کو قبول کرنے کے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ تبھی تک دنیا میں اتحاد اور امن رہتا ہے۔ اور جب جھوٹ کا دورہ دورہ چلتا ہے۔ پھوٹ اور تفریق کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ لہذا ترک باطل و قبول حق کا عہد یہی ہے جس کو توڑنے پر انسان فاسق کہاتا ہے۔ سورہ اعراف آیت ۱۶۹ میں ہے۔ کہ قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین کتاب الہٰی کے مالک ہی بن بیٹھے۔ اور اس کی بدولت ناچیز دنیوی دولت کمانے لگے۔ اس کے بعد کہا ہے۔

"کیا کتاب الہٰی والا عہد ان پر عائد نہ ہوتا تھا۔ کہ ہم اللہ کے متعلق سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے۔ اور جو کچھ کتاب

۱۔ اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

الہی میں ہے۔ اسی کی درس وتدریس کرتے رہیں گے۔" (۱)

ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن صاف طور پر وید والے برت کو ہی عہد اللہ کہہ رہا ہے۔ اور قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین برہمن لوگوں کو جس طرح آریہ سماج جھاڑ بتاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت بتاتے رہے۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کا جو نمبر ۳ نیم ہے۔ کہ "وید سچے علوم کی پستک ہے وید کا پڑھنا پڑھانا سننا سنانا آریوں کا پرم دہرم ہے۔" ٹھیک اسی کے مدعا کی طرف آنحضرت اشارہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ عہد اللہ تو ہے ترک باطل وقبول حق اور اس کا لیا ہونا ہے۔ وید کے پڑھنے پڑھانے سے۔ چونکہ یہ عمل جاتا رہا۔ اس لئے اللہ کے نام سے غیر حق باتیں کہہ کہہ کر ناخلف جانشینوں نے بجائے روحانی ترقی کے اعلےٰ فواید کے چند ٹکوں کی خاطر دہرم کو کھو دیا۔ اس امر کا ثبوت کہ واقعی آپ کا اشارہ قدیم الہامی کتاب کے مطالعہ کے فیض سے حق و باطل کی تمیز کرنے کی طرف ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت ۷ وہ سے ملتا ہے۔ جس میں الہام الہی کا واحد مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ کی مرضی یہی ہے۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کو ہی صحیح طور پر واضح کیا جاوے اور کافروں کی بنیاد کاٹی جاوے۔ تاکہ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جاوے۔ قطع نظر اس کے کہ مجرم یا گناہگار لوگوں کو یہ برا لگتا ہے۔ ۲۔

اس طرح قرآن کا عہد الہی اور الہام اس کی غرض و غایت وغیرہ سب امور ویدک سدھانت کے نکتہ نگاہ کی ہی تائید کرتے ہیں۔

۳۔ بے رو رعایت سچائی

سورۃ الانعام آیت ۱۵۳ میں ہے۔ "جب بات کہو سچی یا انصاف کی کہو۔ خواہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ والے عہد کو پورا کرو۔ جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تمہیں سچی ہدایت ملے۔ (۳)

اس آیت سے بھی یہ بخوبی ظاہر ہے۔ کہ حق کے قبول کو ہی عہد اللہ کہنے میں ہم بالکل حق بجانب ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں ہے۔ "اے حق پرستو! سچائی یا انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو۔ کسی انسان کی خاطر نہیں۔ سچائی کو پاک امانت الہی سمجھ کر خدا کے لئے گواہی دو۔ خواہ تمہاری اپنی ذات۔ تمہارے اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ جائے۔ غریبی امیری کا خیال نہ کرو۔ اللہ ان کا تمہاری نسبت بہتر کارساز ہے۔ پس اگر انصاف چاہو۔ تو نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اور اگر پیچدار شہادت دو گے یا اظہار حق سے پہلوتہی کرو گے۔ تو یاد رکھو۔ اللہ کو تمہاری ہر حرکت کا علم ہے۔ (۴)

۱۔ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا

۲۔ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ٥

۳۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

قرآن میں پرہیز گاری زہد تقویٰ سب کو عموماً سچائی کے علم اور عمل پرہی لگایا ہے۔ اورجیسا کہ حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے۔ طرفداری کو چھوڑ کر دہرم یا انصاف سے کام لینا ہی فرض ٹھہرایا۔ اوروں کی تو کیا ماں باپ اور اپنی ذات کی بھی پرواہ نہ کر کے سچائی کو ہی ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے سوامی دیانند نے بت پرست والدین کی پرواہ نہ کر کے محض سچائی کی خاطر مورتی پوجا کی وہ تکذیب کی۔ کہ باید وشاید۔

ستیارتھ پرکاش کے اخیر میں سوامی جی نے دہرم کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ

"جو بے رو رعایت انصاف کا رویہ راستگوئی وغیرہ سے موصوف (یعنی) ایشور کے احکام ویدوں کے خلاف نہیں میں اس کو دہرم مانتا ہوں" ساتھ ہی ادہرم کی بھی تعریف کر دی ہے۔

"جو رو رعایت سے پُر۔ بے انصافی کا رویّہ دروغ گوئی وغیرہ ایشور کی حکم عدولی یعنی ویدوں کے خلاف ہے۔ اس کو ادہرم مانتا ہوں"۔

نہ صرف یہ ویدک دہرم کی ہدایت ہے۔ کہ خود والدین اور اُستاد اپنے بچوں و شاگردوں کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ ستیہ کے خلاف کوئی بھی کہے۔ خواہ ہم ماں۔ باپ اور گورو ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے کہے کو مت مانو تیتریہ برہمن پر پاٹھک ۷ انواک ۱۱ میں کہا ہے کہ

ماں باپ اور اُستاد اپنی اولاد اور شاگردوں کے اچھی طرح ذہن نشین کر دیں۔ کہ ہماری صرف وہی بات ماننی اور عمل میں لانی چاہیئے۔ جو سچرت یعنی دہرم کا یا نیک عمل ہے۔ اس کے علاوہ کو ہرگز نہ مانو۔(۱)

منوسمرتی میں کہا ہے۔ سچ سے بڑا کوئی دہرم نہیں۔ اور جھوٹ سے بڑا کوئی پاپ نہیں۔ (۲)

بھرتری ہری کا قول ہے۔ کہ پالسی باز یا مصلحت بین تعریف کریں یا مذمت۔ دولت آئے یا جائے۔ ابھی مرنا پڑے یا لاکھوں سال کی عمر ملے۔ مستقل مزاج کا قدم راہِ حق سے کسی بھی ترغیب یا اذیت سے نہیں ڈولتا۔(۳)

کئی وید منتروں میں چٹان یا دہرو ستارہ وغیرہ کی مثال دے کر سچ پر قائم رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور منو میں انسان کا بچاؤ دہرم کے بچاؤ پر اور انسان کا ناش دہرم کے ناش پر منحصر بتایا ہے۔(۴)

قرآن اسی کی تائید میں کتنی ہی امتوں اور بستیوں کی نظیریں پیش کرتا ہے۔ کہ تکذیب حق کی وجہ سے تم سے بڑی بڑی شاندار قوموں کا نشان صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ وید اور قرآن دونوں کی تعلیم ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ کے ساتھ آلودہ نہ ہونے دو۔ دونوں کا اصول ہے۔ کہ ہر شخص اسی درجہ تک سکھ اور دکھ کا مکلف ہوگا۔ جس درجہ تک اس کے اعمال کا حق و باطل سے تعلق ہے۔ اور انتہائی صداقت پسندی کی سپرٹ دیکھنی ہو۔ تو قرآن کی اس تعلیم پر غور

۱- यान्यस्माक ॐ सुचरितानि तानि त्वयों पास्यानि नो इतराणि।

۲- नहि सत्यात्परो धर्मो नान्दता त्पातकम् परम्।

۳- निन्दन्तु नीतिनिपुणा यदि वास्तुवन्तु, लक्ष्मीः समाविशतु गच्छतु वा यथेष्टम्।
अद्यैव वा मरण मस्तु युगान्तरे वा, न्याय्यात्पथः प्रविचलन्ति पदं न धीराः॥

۴- धर्म एव हतो हन्ति धर्मो रक्षति रक्षितः। तस्माद्धर्मो न हन्तव्यो मानो धर्मोहतो वधीत्

کرو۔ کہ

تمہارے بڑے ہوں یا والدین اگر وہ تم کو نیکی یا ایمان یا عبادت الٰہی کے خلاف کہیں تو بالکل نہ مانو ماں باپ کا حق تم پر بہت ہے۔ انہوں نے تمہارے لئے بہت تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ دو سال تک ماں کس شکل سے گود میں رکھ تمہیں دودھ پلاتی اور پالتی رہی۔ لیکن باوجود اس کے ان کے شرک کے متعلق کہنے کو کبھی نہ ماننا وغیرہ (۱)

(سورۃ التوبہ آیت۔ ۲۳) مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور بھائی بھی ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں۔ تو انہیں رفیق نہ بناؤ۔ اور جو تم میں سے ایسے باپ اور بھائیوں کو رفیق بنائیگا۔ خدا کے نافرمانوں میں ہوگا۔ (۲)

(توبہ۔ ۱۱۴) ابراہیم نے جو اپنے باپ یا بزرگ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی۔ وہ ایک وعدے کی وجہ سے تھی۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ وہ دشمن خدا ہے۔ وہ اس بزرگ سے دست بردار ہو گئے۔ (۳)

(سورۃ التوبہ) ۱۱۹۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور راستبازوں کے ہی ساتھ رہو۔ (۴)

۴۔ فتح سچ کی ہی ہوتی ہے

وید میں سچائی کو سب سے بڑی طاقت کہا ہے۔ اور سچے عالموں کا موٹو ہی یہ ہے۔ کہ

ستیہ میو جیتے نانرتم

سچ ہی فتح پاتا ہے۔ جھوٹ نہیں۔ سچ کو ہی دیویان یعنی نجات تک پہنچانے والا صراط مستقیم کہا ہے۔ اسی کے مطابق سورۃ الفاتحہ میں صراط مستقیم پر چلنے والوں کو خدا سے نعمتوں کا ملنا، اور اس سے خلاف والوں کو غضب الٰہی اور جنم مرن کی سزا ملنا مذکور ہے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۱ میں کہا ہے۔ کہ "کہدو۔ بس حق آیا نہیں۔ کہ باطل کافور نہیں ہوا اور یقیناً باطل ہے ہی نیست ہونے کو (۵)

سورۃ الانبیا آیت ۱۸ میں کہا ہے۔ اس امر کو یاد رکھو۔ ہم حق کو باطل پر اس زور سے مارتے ہیں۔ کہ اس کا سر کچل

۱۔ ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون ۝ (سورہ لقمٰن رکوع ۲ آیت ۱۴)

۲۔ یایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون ۝

۳۔ وما کان استغفار ابرھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم ۝

۴۔ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین ۝

۵۔ وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۝

کراس کا بھیجا نکال دیتے ہیں۔ پس وہ تو مٹ جاتا ہے۔ پر تم پر جو جھوٹ گھڑتے ہو۔ افسوس رہتا ہے (۱)

سورۃ الرعد میں سچے مبلغ کے وعظ حق کو بجلی سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ وہ بے خوف ہو کر ناحق کے خلاف آواز اُٹھاتا اور ڈنکے کی چوٹ باطل پرستوں کو للکارتا ہے۔ اس سورت کی آیت ۱۵ میں نہایت مدلل اور واضح طور پر ایک مثال کے ذریعے جھوٹ کی شکست کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ بدیں الفاظ

(وہ واحد قہار) بادل سے پانی برساتا ہے۔ تو ندیاں اپنی اپنی بساط کے موافق پانی پاکر بہ نکلتی ہیں۔ اور سیلاب (پانی کا زور) کثیف جھاگ کو جو پھول رہی ہے۔ اُٹھالے جاتا ہے۔ (ٹھہرنے نہیں دیتا) ایسے ہی زیور وغیرہ بنانے کے واسطے تم آگ میں کچھ پگھلاتے ہو۔ تو بھی ویسی ہی جھاگ اُٹھتی ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جھاگ تو گئی رائیگاں اور جو انسانوں کے لئے نفع دیتا ہے۔ وہ موقع پر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے خدا کا مثال دینے کا طریق۔ (۲)

بارش کا زور خدا کی رحمت کی نشانی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں نجاست یا کثافت کی جھاگ یا کذب و بطلان کا پول کھولنا مقصود اور اسے نیچا دکھانا مطلوب ہے۔ اس لئے آیت ۱۶ کے آخری لفظ واحد القہار سے یہ عمل منسوب کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ جھوٹ محض اس فضول غیر مفید بلکہ مضر جھاگ کی مانند ہے۔ اور جھوٹے فریق کے بڑے بڑے بول محض جھاگ کے پھولنے کی مانند ہیں۔ تبلیغ حق اور مباحثہ جات سے واقعی جھوٹ کا پول کھولنا ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور سچے واعظ اور مناظر کی مدلل اور باثبوت تقریر کی آگ فریق مخالف کے جھوٹ کو مثل کوڑا کرکٹ یا سونے وغیرہ دھاتوں کی میل کے جلادیتی ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۳۳ میں کہا ہے۔" اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ کہ دین الٰہی (سچے دھرم) کو تمام مذاہب پر غالب کر دکھائے (۳)

یہ امر کہ کل دنیا کے مذاہب سچے دھرم کے ایک ہی مبلغ سے شکست کھا سکتے۔ اور دین حق سب پر غالب آسکتا ہے۔ سب سے زبردست ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ سچائی کی فتح اور اس کی بے نظیر طاقت اور عظمت امر مسلمہ ہے۔

۵۔ تکذیب باطل کا عملی کام

قرآن مجید نہ صرف جھوٹ وغیرہ کے کھنڈن کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ عملی طور پر تمام غیر شرعی اور گناہ یا جرم کے کاموں کا کھنڈن کرتا ہے۔ مثلاً بت پرستی وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ مختلف امور کے متعلق چند حوالجات۔

۱۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ٥

۲۔ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ٥

۳۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ٥

اوّل - بُت پرستی و شرک

سورۃ اعراف - آیت ۱۹۱ تا ۱۹۵

وہ ایسے بتوں کو شریک بناتے ہیں - جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ اور خود پیدا کئے یا گھڑے گئے ہیں۔ نہ ان مشرکوں کی مدد کر سکتے ہیں - نہ آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر انہیں راہ راست بتاؤ تو اس پر چل نہیں سکتے۔ انہیں پکارو یا نہ پکارو۔ دونوں باتیں یکساں ہیں۔ خدا کے سوائے جن کو تم پکارتے ہو وہ خود تمہارے جیسے بندے ہیں۔ انہیں پکار دیکھو۔ اگر تم سچے ہو۔ تو انہیں تمہارا کہا کر دینا چاہئے۔ کیا ان کے ایسے چلنے کے پاؤں ہیں یا پکڑنے کے ہاتھ دیکھنے کی آنکھیں۔ یا ایسے سننے کے کان۔ کہو بلا لو اپنے شریکوں کو اور مجھ پر جو چاہو تدبیر کر لو۔ تم مجھے کچھ دکھا نہ سکو گے۔ ۱۹۵ (۱)

آیت ۱۹۷ و ۱۹۸ (اعراف) اور خدا کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تو انہیں ہدایت کی دعوت دے تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور گو نظر تمہاری طرف ہے۔ مگر دراصل وہ دیکھتے نہیں۔

یونس - ۱۸ - مشرکین خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں - جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں۔ نہ نقصان۔ اور سمجھتے یہ ہیں۔ کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ انہیں کہو کیا تم اللہ کو ایسی بات کا پتہ دیتے ہو جسے نہ وہ آسمان میں پاتا ہے۔ نہ زمین میں وہ ان کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔ (۲)

سورۃ العنکبوت رکوع ۱ آیت ۸ میں کہا ہے۔

ہم نے انسان کو حکم دے رکھا ہے۔ کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ یہ کوشش کریں۔ کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک بنائے۔ جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان لوٹنا تم نے میری طرف ہے میں تمہارے عمل تمہارے پیش لاؤں گا۔ (۳)

سورۃ لقمان آیت ۱۴ و ۱۵ میں اسی بات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق نصیحت کی ہے۔ کہ تو اپنے والدین کا اور میرا شکر گذار رہو۔ اس لئے کہ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا۔ دو برس تک وہ دودھ پلاتی رہی۔

۱- اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ۞ وَ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ لَہُمۡ نَصۡرًا وَّ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ۞ وَ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَتَّبِعُوۡکُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡہُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ۞ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۞ اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ۞

۲- وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۞

۳- وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حُسۡنًا ؕ وَ اِنۡ جَاہَدٰکَ لِتُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡہُمَا ؕ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ

لیکن اگر وہ یہ کوشش کریں۔ کہ تو اس شئے کو میرا شریک بنا دے۔ جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان۔ ہاں دھرم کے مطابق دنیا میں ان دونوں کا ساتھ دے۔ اور رستے پر اسی کے چل جو میرا بھگت ہے۔ (۱)

نساء ۹۴ و ۱۱۷۔ اللہ اس گناہ کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جاوے۔ اور یقیناً جس نے خدا کا شریک گردانا۔ اس نے طوفان برپا کیا۔ یعنی بہت بڑا گناہ اور ہم اسے جانتے تھے۔ (۲)

سورۃ الانبیا۔ رکوع ۵ میں حضرت ابراہیم اور بتوں کا نہایت سبق آموز قصّہ بیان ہوا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔ تحقیق اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی راست روی کا وصف عطا فرمایا تھا۔

اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم کے لوگوں کو کہا۔ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی عبادت میں تم لگ رہے ہو۔ (۲) وہ کہنے لگے ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی ہی عبادت کرتے پایا تھا۔ (۳) ابراہیم نے کہا تحقیق آپ اور آپ کے بزرگ صریح گمراہی میں ہو (۴) انہوں نے کہا۔ کیا تم ہمارے سامنے سچّی بات لائے ہو یا یوں ہی دل لگی کر رہے ہو۔ (۵) ابراہیم نے کہا ہاں ہاں تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں خود اس پر ایک درشٹا یا شاھد ہوں۔ (۶) اور بخدا کہ جب آپ یہاں سے منہ پھیر کر چلے جائیں گے۔ میں آپ کے بتوں کا علاج کروں گا۔ (۷) سو اس نے اس کے بڑے بت کے علاوہ سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (۸) وہ بولے کس ظالم نے ہمارے دیوتاؤں سے یہ حرکت کی ہے۔ (۹) (کسی نے) کہا۔ ہم نے اس شخص کو ایسی بات کہتے سنا تھا۔ جسے ابراہیم کہتے ہیں (۱۰) کہا اسے سب لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ تاکہ اس سے شہادت لی جاوے (۱۱) پوچھا۔ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے دیوتاؤں سے یہ حرکت کی ہے۔ (۱۲) کہا اجی کسی نے کیا ہو۔ یہ ان کا بڑا تو موجود ہے۔ اس سے پوچھو۔ اگر یہ بولدے (۱۳) سو انہوں نے اپنے دل میں سوچا۔ اور اپنے تئیں کہا ارے ظالم تو تم خود ہو۔ (۱۴) پھر اپنی گردنوں کو جھکایا۔ اور بولے۔ اے ابراہیم۔ یہ تو تو جانتا ہی ہے۔ کہ یہ بولتے نہیں۔ (۱۵) کہا تب کیا تم اس کو پوجتے ہو۔ جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتا ہے۔ نہ نقصان (۱۶) تف ہے تم پر اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں (۱۷) کہنے لگے اگر کچھ کرنا ہے۔ تو اسے جلادو اور اپنے دیوتاؤں کی فتح کرلو۔ (۱۸) ہم نے کہا۔ اے آگ تو ابراہیم کے لئے سرد اور سلامتی کا موجب ہوجا (۱۹) اور انہوں نے اس پر خاص تدبیر کی۔ مگر ہم نے انہیں ناکام کیا۔ (۲۰)

سورۃ الصافات میں بھی یہ قصّہ مذکور ہے۔ اور اس میں لکھا ہے۔ کہ لوگ چلے گئے۔ تو ابراہیم بتوں میں جا گھسے۔ اور کہنے لگے۔ کیوں جی! اتنے چڑھاوے تمہارے سامنے رکھے ہیں۔ کھاتے کیوں نہیں۔ تمہیں ہوا کیا ہے۔ بولتے کیوں نہیں۔ سورۃ الفرقان رکوع ۲ میں واضح کیا ہے۔ کہ اگر خدا ایک وقت ان جھوٹے عابدوں اور ان کے معبودوں کو اکٹھا کرکے معبودوں سے پوچھے۔ کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا۔ تو وہ کہیں گے

۱۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی۔ کہ ہم آپ کے سوا اور ولی بنا دیں۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ یہ خود اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارنے والے ہیں۔ آپ نے ان کو اور ان کے بزرگوں کو آسودگی دی۔ حتےٰ کہ یہ آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ مطلب یہ کہ بت وغیرہ معبود خود جڑ ہونے سے لوگوں کو اپنی پوجا کرنے کو نہیں کہتے۔ یہ محض عابدوں کی جہالت کا نتیجہ اور انہی کی ذمہ داری ہے۔ جو خدا کی عنایت سے آسودگی پا کر خدا سے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الشعراء رکوع ۵ میں کہا ہے۔ کہ آخرت یعنی پرلوک میں گمراہ دوزخ یا دکھ میں ڈالے جائیں گے۔ انہیں کہا جائیگا۔ کہاں ہیں تمہارے معبود جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے۔ نہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ نہ اپنی۔ تب وہ گمراہ لوگ کیا شیطانی لشکر سب باہم گفتگو کریگا۔ کہ بلاشبہ ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جبکہ ان بتوں کو خدا کے برابر کرتے تھے۔ افسوس ہمیں ہمارے بڑے بڑے گناہگاروں نے خراب کیا۔

اسی امر کو سورۃ یونس رکوع ۳ میں صاف کیا ہے۔ کہ شریک اور مشرک دو فریق کو خدا اکٹھا کریگا۔ تو ان میں پھوٹ پڑے گی۔ اور یہ شریک یا معبود کہیں گے۔ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ خدا جانتا ہے۔ کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہ تھی وغیرہ۔

ایسے ہی اور موقعہ پر میں بتوں کو بالکل بے بس بتایا ہے۔ حتےٰ کہ مکھی کو بھی ان سے طاقتور کہا ہے۔ نہ بت مکھی کو اڑا سکتے ہیں۔ اور نہ اگر مکھی ان سے کچھ اچک لے جاوے۔ تو یہ اس سے واپس لے سکتے ہیں۔

دوم ۔ ابنیت مسیح

سورۃ التوبہ آیت ۳۰ یہود کہتے ہیں۔ کہ عزیز۔ اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں۔ لگے کافروں کی سی باتیں گھڑنے جو ان سے پہلے گذرے ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے۔ کدھر کو بھٹکائے جا رہے ہیں (۱)

اس میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ علی الاعلان رد کیا ہے۔ اور اس اعتقاد والوں کو کافر اور گمراہ بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ آیت ۷۵ و ۷۶ میں کہا ہے۔

"مریم کے بیٹے مسیح محض ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے بہت رسول ہوئے۔ ان کی ماں بھی خدا کی بندی تھی۔ ماں بیٹا دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (۲)

گویا مسیح اور اس کی والدہ اور انسانوں کی مانند تھے۔ اور راہِ حق کی طرف لانا یا رسالت کا کام ان کی خصوصیت تھی۔ آگے کہا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں۔ مشایخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ بنا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ حکم انہیں ایک ہی واحد معبود کی عبادت کا تھا۔ جو ان کے شرک سے پاک اور سمیع وعلیم ہے

۱- وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ٥

۲- مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ٥

نساء - ۱۷۲ مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں نہ خدا کے اپنا فرشتوں کو۔ اور جنہیں خدا کا بندہ ہونے سے عار ہو۔ اور وہ اپنی بڑائی کی شیخی کریں۔ ان سب کا حشر خدا کے ہاتھ میں ہے (۱)

سورۃ البقرہ رکوع ۱۴ - آیت ۴ میں کہا ہے۔ کہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے بیٹا بنایا ہے۔ مگر وہ اس سے بالاتر ہے۔ ہاں جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے۔ اسی کا ہے سب اس کے محکوم ہیں۔ (۲)

(سورۃ المایدہ رکوع ۱۶ آیت ۱۱۶ میں خدا فرماتا ہے "اے عیسےٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لینا۔ (عیسےٰ کا جواب) پاک ذات ہے تیری۔ مجھ سے کس طرح ہو سکتا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا۔ تو آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کا حال جانتے ہیں۔ پر میں جو آپ کی ذات میں ہے۔ اس کو نہیں جانتا۔ تحقیق آپ تمام عیبوں کو جانتے ہیں۔ ا۔ میں نے انہیں محض وہی کچھ کہا تھا۔ جس کے کہنے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ کہ تم خدا کی بندگی اختیار کرو۔ جو میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی رب ہے۔ جب تک میں ان میں رہا میں ان کا شاہد تھا۔ اور جب آپ نے مجھے وفات دی۔ تو آپ ہی ان کے نگہبان رہے۔ کیونکہ آپ ہر امر کے شاہد ہیں۔ (۳)

پس آنحضرت جہاں حضرت مریم اور مسیح کو خدا کا عابد اور پیغمبر مانتے ہیں۔ وہاں مسیح کو خدا یا اس کا بیٹا کہنے کے سخت خلاف ہیں۔ اور اس کو شرک کی خطرناک صورت سمجھتے ہیں جس کی ذمہ داری بعد کے جاہل پیرووں پر ہے۔ ورنہ حضرت مسیح لوگوں کو خدا کی عبادت کا ہی سبق دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح کیا سارے رسولوں کی نسبت آپ کی یہی پوزیشن ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران آیت ۷۹ میں کہا ہے۔ کہ انسان کو زیب نہیں دیتا۔ کہ خدا تو اسے علم حکمت اور نبوت دے۔ اور وہ لوگوں کو کہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ نہیں بلکہ وہ یہی کہیگا۔ کہ ربانی یعنی اپنے خدا کے فرمانبردار ہو۔ اس لئے کہ تم کتاب الہی کو ہی پڑھتے پڑھاتے ہو۔

اسی سے اگلی آیت میں ہے "وہ تم کو نہیں کہیگا۔ کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مان لو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ تم تو خدا کے فرمانبردار بن چکے۔ اور وہ تم کو کفر یا نافرمانی کا رستہ بتائے۔

سوم - خودغرض علما کی مذمت

سورۃ التوبہ آیت ۳۴ - اکثر عالم اور مشایخ لوگوں کے مال ناحق ڈکوستے اور راہِ خدا سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ

۱- لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝

۲- وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝

۳- وَقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

سونا اور چاندی جمع کرتے رہے۔ مگر راہِ حق میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں عذاب دردناک کا سماچار سنا دو (۱)

بقرہ ۷۸ و ۷۹۔ بعض ان میں سے ام الکتاب والے ہیں۔ مگر وہ کچھ بڑبڑا لینے کے سوا کتاب کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور فقط خیالی تکے چلاتے رہتے ہیں۔ پس افسوس ہے۔ ان لوگوں پر کہ اپنے ہاتھوں سے تو کتاب لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خدا کے ہاں سے ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے سے کچھ ٹکے کمائیں۔ سو دھکار ہے۔ اس پر کہ اپنے ہاتھوں سے انہوں نے لکھا اور دھکار ہے۔ اس پر جو کمائی یہ کرتے ہیں۔ (۲)

انعام۔۹۳۔ اس سے بڑھکر ظالم کون ہے۔ جو دعوے کرتا ہے۔ کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ ایسا تو میں بھی اتار دوں۔ کاش ایسے ظالموں کو تو اس وقت دیکھے کہ موت کی بے ہوشیاں طاری ہوں۔ اور فرشتے ان پر ہاتھ بڑھا رہے ہوں۔ کہ اپنی جانیں نکالو۔ (۳)

بقرہ۔۱۷۴۔ جو لوگ کتاب الہی کی تعلیم کو چھپاتے اور اس کے عوض میں کچھ ٹکے کماتے ہیں۔ یہ محض اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں (۴)

انعام۔۱۶۰۔ جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلافات پیدا کر کے مختلف فرقے بنا دیئے ہیں۔ تمہارا ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے ہے۔ وہ انہیں نیک و بد کا اجر دیگا (۵)

چہارم - توہمات باطلہ

۱۰۳۔ اللہ نے نہ کوئی بحیرہ[۱] مقرر کیا نہ صائبہ[۲] نہ وصیلہ[۳] نہ حام[۴]۔ یہ کافروں کے خدا کے خدا پر باندھے ہوئے بہتان ہیں۔ کیونکہ ان کی کثرت بے سمجھ ہے (۶)

(نوٹ۔ بحیرہ[۱] وہ کن پھٹی اونٹنی ہے۔ جو پانچ بچے ایسے دیتی کہ پانچواں نر ہوتا۔ اس کے کان چیر کر اسے بتوں کے لئے آزاد کرتے تھے۔ سواری۔ کھیتی۔ دودھ وغیرہ کا کوئی کام اس سے نہ لیا جاتا تھا۔

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

۲۔ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ

۳۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ ۖ

۴۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا

۵۔ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

۶۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۙ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

ع۲ صائبہ سفر سے واپس شدہ بیماری سے بچی ہوئی یا دس بچے دینے والی تیوں کے لئے آزاد کی گئی اونٹنی کا نام ہے۔

ع۳ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہوں۔ وہ متبرک سمجھ کر آزاد کی جاتی تھی۔

ع۴۔ حام۔ وہ شتر نر جس کو کئی بچے ہونے کے بعد آزاد کیا جاتا۔

انعام ۱۳۸ تا ۱۴۱۔ اسی طرح ان کے شریکوں نے مشرکوں میں سے بہتوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے سمجھا دیا ہے۔ کہ بچہ کشی دہرم ہے۔ اس سے ان کا دہرم مشتبہ بنتا ہے۔ کاشکہ اللہ کی مشیت سے وہ ایسا نہ کرتے۔ پس ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اور کہتے ہیں۔ کہ فلاں چارپائے اور کہیتی ممنوع نہیں۔ مگر ان کو وہ کھا سکتا ہے۔ جسے اپنے خیال میں یہ چاہیں اور ایسے چوپائے ہیں جن پر بوجھ لادنا منع ہے۔ اور ایسے چوپائے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب اللہ پر ان کی افترا ہیں اس کی سزا اللہ انہیں دیگا۔ پھر کہتے ہیں۔ فلاں چوپائے کے پیٹ میں جو ہے۔ وہ محض مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں پر حرام ہے۔ اور مردہ ہو۔ تو عورت مرد دونوں شریک ہیں۔ تحقیق ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی اور نادانی سے قتل کیا۔ اور جو روزی اللہ نے دی تھی۔ اس کو جھوٹ بہتان باندھ کر اپنے اوپر حرام کر لیا۔ تحقیق یہ گمراہ اور ہدایت کے نااہل ہیں۔ (۱)

پنجم۔ شراب اور جوا

سورۃ البقر رکوع ۲۷۔ آیت ۲۱۶ میں شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انہیں کبیرہ گناہ ہے۔ اور گو انسانوں کے لئے کچھ نفع بھی ہے۔ لیکن ان کا گناہ اس نفع سے بہت زیادہ ہے۔

ششم۔ توریت وغیرہ میں جزوی علم

آل عمران ۲۳۔ کیا تم نے ان لوگوں پر نظر کی جن کو کتاب الہی سے جزوی علم دیا گیا تھا۔ اب ان کو اس کتاب الہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان کا ایک بڑا حصہ اس سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گویا کہ وہ اس سے منحرف ہے (۲)

۱۔ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا هٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

۲۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت یہود اور نصاریٰ کے متعلق تعجب کرتے تھے۔ کہ کتاب الٰہی کی کچھ سچائیاں توریت انجیل کے ذریعے ان کے علم میں آئیں۔ لہٰذا ان کا فرض تھا۔ کہ اس تعلیم کی بدولت اصل سرچشمہ اور کامل الہام کی طرف رجوع کرتے۔ لیکن حالت یہ ہے۔ کہ وہ اس اصل کتاب کی ہدایت سے جو ہم دیتے ہیں۔ پہلوتہی کرتے ہیں۔

بہت سی جگہوں میں توریت اور انجیل کو بھی کتاب الٰہی کا مصدق کہا ہے۔ یعنی یہ بھی آغاز عالم والی کتاب کی صداقتوں کی ہی قائل اور اسی کی اشاعت کے لئے مقصود ہیں۔

سورۃ آل عمران آیت ۶۴ میں کہا ہے۔ اے اہلِ کتاب! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو (کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی) کیونکہ توریت اور انجیل کا نزول ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

اس سے نہ صرف توریت اور انجیل کا مستند بالذات نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ وہاں اصل اور قدیم ابراہیم (برہما) والے دہرم پر آنحضرت کا اعتقاد اور اسی دہرم کی طرف لوگوں کو پھر مائل کرنے کی آپ کی خواہش ظاہر ہے۔ اور نیز یہ کہ آپ نے ہر امر میں یہود کی تردید اور مسیح کی تائید و فضیلت کو ہی مدنظر رکھا ہے۔

چودھواں باب گوشت خوری و قربانی

۱۔ وید کا فرمان

وید میں اہنسا کی تعلیم ہے۔ جس کا وسیع مفہوم یہ ہے۔ کہ دل زبان یا فعل کسی سے بھی کسی کو ایذا یا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ بالخصوص پشو وغیرہ کو مارنا یا ان کا گوشت کھانا قطعاً ممنوع ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ بعض موذی انسانوں یا درندہ جیوانوں کو مارنا بھلائی یا دہرم کا کام بتایا گیا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی جملہ دیگر انسانوں و حیوانوں کے فوائد کے تقاضا ہی سے ایسی اجازت ہے۔ جن وجودوں کے ناش کئے بغیر خلق خدا سکھ کی نیند نہیں سو سکتی۔ ان کا مارنا اہنسا ہی ہے۔ ویدوں میں اس مضمون کو کس عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ذیل کے حوالہ جات سے اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے۔

अग्नेयं। यज्ञमध्वरंविश्वतः परिभूरसि,
। स इद्देवेषुगच्छति ॥ ४॥ رگوید ۱-۱-۴

اے عالم انسان! ہنسا وغیرہ عیوب سے پاک یگیہ جو سارے وشو (تمام لطیف و کثیف اشیا) میں ہر کہیں ویاپک ہے۔ سب دیووں یعنی کیا اعلیٰ اوصاف والی مادی چیزیں اور کیا نیک انسان سب میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ اس منتر میں اوّل تو یگیہ کو اہنسا روپ کہا ہے۔ منتر کے لفظ अध्वर ادھور کے متعلق نرکت ۱-۳-۳ میں کہا ہے۔

अध्वर इति यज्ञ नाम, ध्वरति हिंसा कर्मा तत्प्रतिषेधः।

یعنی ادھور کہتے ہیں یگیہ کو۔ کیونکہ دھور نام ہے ہنسا کرم کا۔ اس کا پرتی شیدھ (دفیعہ) یگیہ سے ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں

جتنی بھی صحیح تفاصیل اہنسا اور ہنسا کے متعلق ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ اصول ان سب پر نہایت معقولیت سے حاوی ہے۔ اور جتنی بھی مخالفانہ رائیں آج کل علما سے اہنسا کے متعلق ظاہر ہو رہی ہیں۔ وہ سب وید منتر کے یگیہ اور ادہور دو الفاظ کو نہ سمجھنے پر مبنی ہیں۔ یگیہ میں دنیا کے اندر ہونے والی ہر حرکت شامل ہے۔ مقصد گو ہر حرکت کا عالمگیر ہے۔ یعنی حصول راحت۔ لیکن عملاً دکھ بھی بہت مل رہا ہے۔ اس لئے عام طور پر ہنسا اور اس کے نتیجہ میں دکھ کا موجود ہونا یگیہ کے وسیع مفہوم کی طرف انسانی رجحان کو جانے نہیں دیتا۔ لیکن اگر ذرا بھی عقل سے کام لیا جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ دنیا میں جتنا بھی دکھ ہے۔ انسانی اعمال کی پاداش میں پرمیشور سے مل رہا ہے۔ اس پرمیشور کی طرف سے جو مسلمہ طور پر دیالو اور نیائے کاری یعنی رحمان اور رحیم ہے۔ چونکہ علم حکمت انصاف اور رحم و محبت مجسم پرمیشور نہ کسی سے عداوت رکھتا ہے۔ نہ کسی کو ایذا پہنچاتا ہے۔ بلکہ سب سامان ہماری راحت کے لئے پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے اگر اس کے رحم اور انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ کہ ہمیں دکھ ملے۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ظالموں کو سزا دے کر خلق خدا کو بچانے کے لئے انتہائی مفید اہنسا کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یہی اس کے بچے چھتر دکار انسانوں کا فرض ہے۔ یعنی ہنسا کے دفعیہ کے لئے کوشاں رہیں۔ خود ہر ایذا رسانی سے بچیں۔ اور غلط کار لوگوں کو زبان سے ہدایت دے کر یا ملامت کر کے یا جسمانی سزا دے کر جیسے بھی تبے ہنسا سے روکیں۔

شت پتھ ۱۔ ۴ میں بھی ہنسا یا دکھ سے رہت مارگ کو ہی ادہور کہا ہے

ध्वरो हिंसा तदभाभावो यत्र।अविद्यमानो ध्वरो यस्य सः।अहिंसित इत्यर्थ। देशान वै यज्ञेनयजमानान सपला असुरादुधूर्षाञ्चक्रु:। ते दुधूर्षन्त एव न शेकुर्धूर्वितुं

اس میں بھی اہنسا سے رہت کو ادہور یا یگیہ کہا ہے۔ اور ہنسا کو جس طرح بھی رد کیا جانا چاہئے۔ اسے بھی اہنسا میں شمار کیا ہے

य: पौरुषयेण क्रविषा समङ्क्त यो अश्व्येन पशुना यातुधान:।

यो अघन्याया भरति क्षीरमग्ने तेषां शीर्षाणि हरसापि वृश्च ॥ १६॥ رگوید ۱۰۔ ۸۷۔ ۱۶

اے عالم انسان! جو دوسروں کو ایذا پہنچا کر اپنی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ یا جو دوسروں کو ایذا دے کر گھوڑے جیسے تیز رفتار پشو یا اپنے آپ کو پالتا ہے۔ یا گائے کے دودھ سے محروم کرتا ہے۔ تو اسے یا اس کی عزت کو اپنے علم کی طاقت سے مٹا دے یا ایسے سچے کھشتری! تو ایسے ظالم کو اپنی شکتی سے نیچا دکھا۔

۲۔ یجروید ادھیائے ۱ منتر ۱ میں انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ کہ اپنی تمام اندریوں اور طاقتوں کو نہایت اعلیٰ افعال کرم میں لگا دیں جس سے آپ्यायध्वं अघन्या گائے وغیرہ نہ مارنے کے قابل حیوانات ترقی پاویں۔ مطلب یہ کہ ایشور کا حکم ان سب کو محفوظ رکھنے کا ہے۔

۴۔ اسی منتر کے اخیر میں ہے۔

अस्मिन् गोपतौ स्यात बह्वीर्यजमानस्य पशून्पाहि ॥ १॥

(نہایت اعلیٰ افعال کرم میں اپنی طاقتوں کو لگا کر جو گئو وغیرہ حیوانوں کی ترقی اور حفاظت کرتا ہے۔) اس محافظ و مالک حیوانات کے پاس یہ بڑی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ لہذا اے پرمیشور (یہی پرارتھنا ہے کہ) یجمان یا عام فیض پہنچانے والے انسان کے پشو محفوظ رہیں۔ مطلب یہ کہ دنیوی مال و دولت مویشی وغیرہ کبھی ان لوگوں کے پاس ٹک نہیں سکتے۔ جو ان کا برا استعمال کرتے یا ان کی ہنسا کرتے ہیں۔ پس جو نیک بلکہ انتہائی نیک افعال سے گائے وغیرہ حیوانات اور دولت کو حاصل کرتا ہے۔ وہ گوپتی ہے۔ اور جو ان سب مال مویشی وغیرہ سے فیض عام پہنچاتا ہے۔ وہی اس امر کا مستحق ہے

کہ حیوان کہلاوے - اور اس کا مال و دولت محفوظ رہے - گویا منک لوگ نہ مستحق ہیں نہ ان کے پاس پشو وغیرہ مستقل طور پر رہ سکتے ہیں

۵ - یجروید ادھیائے ۳۲ - منتر ۳ ادھیائے ۱۲ منتر ۱۰۲ میں ہے हिंसी मा मा ہنسا مت کرو۔

۶ - یجروید ادھیائے ۳ - منتر ۳۷ میں ہے - × सुवीरो वीरैः सुपोषः पोषैः। नर्य प्रजां मे पाहि शंस्य पशून्मे पाह्यथर्य

ہے نروں یا بہادروں کے بہادر - میری پرجا کی حفاظت کر - ہے قابل تعریف انسان - میرے پشوؤں کی رکھشا کر - ہے میرے سچے گیانی - میرے ان کی رکھشا کر -

یہاں پرجا کی حفاظت کا مدار سچے نر یا بہادر پر تایا ہے - اور جیوانوں کی رکھشا کا قابل تعریف لوگوں پر - کیونکہ حیوانات جنگ یا مقابلہ انسان سے نہیں کرتے - انہیں سچی انسانیت یا اخلاق کے تقاضا سے ہی انسان بچاتا یا محفوظ رکھتا ہے - اس لئے قابل تعریف انسان وہی ہیں - جو حیوانات کا گوشت کھانا تو کہاں - ان پر کسی درندہ کا حملہ گوارا نہیں کر سکتے - چونکہ بہادر کھشتری راجہ وغیرہ سزا دے کر ہی پرجا یا پشوؤں کو مارنے یا نقصان پہنچانے والوں کو روک سکتے ہیں - اس لئے مطلب یہ ہے - کہ قانون شکن ظالموں کو خوب سزا دی جاوے -

۷ - یجروید ادھیائے ۳۶ - منتر - ۸

इन्द्रो विश्वस्य राजति। शं नो अस्तु द्विपदे शं चतुष्पदे ॥ ८॥

اس میں اندر یا راجہ کی پرمیشور سے اپمان دی گئی ہے - جیسے پرمیشور سارے وشو یا جہان میں موجود ہے - ویسے ہی راجہ بذریعہ اپنے قانون دنڈ کے اپنے سارے راجیہ میں موجود ہے - اور اس کا فرض یہ ہے - کہ جہاں وہ اپنے دو پیر والے اپنے ہمجنس انسانوں کی حفاظت کرے - وہاں چار پاؤں والے چوپایہ حیوانوں کی حفاظت کو بھی اپنا ویسا ہی فرض جانے یا جیسے انسانوں کو تکلیف پہنچانے والے سزا پاتے ہیں - ویسے ہی دوسرے جاندار حیوانوں کو مارنے والا ان کا گوشت کھانے والوں کو قابل عبرت سزا دے -

۸ - یجر ۲ ادھیائے ۱۳ منتر ۴۸

इमं मा हिंसीरेकशफं पशुं कनिक्रदं वाजिनं वाजिनेषु।
गौरमारण्यमनु ते दिशामि तेन चिन्वानस्तन्वो निषीद।
गौरं ते शुगृच्छतु यं द्विष्मस्तं ते शुगृच्छतु ॥४८॥

اے انسان خوشی سے ہنہناتے غفرو کی آواز و سب قسم کے کنٹ سہنے والے ایک کھر کے گھوڑا - گدھا - خچر وغیرہ پشو کو مت مار جنگل کے گورنام بارہ سنگا کی بر وہی سے بھی سبق لے کر اپنے شریر کی رکھشا کر - اس کھیتی کو نقصان پہنچانے والے موذی گور کو سزا دے - جس سے ہمارا دویش ہے - اسے دنڈ دے -

۹ - یجر - ۱۳ - ۴۷ -

इमं मा हिंसीर्द्विपादं पशुं सहस्राक्षो मेधाय चीयमानः।
मयुं पशुं मेधमग्ने जुषस्व तेन चिन्वानस्तन्वो निषीद।
मयुं ते शुगृच्छतु यं द्विष्मस्तं ते शुगृच्छतु ॥४७॥

اے بہادر کھشتری! تو سکھ وغیرہ کے لئے برابر ترقی کرتا ہوا اس دو پائے انسان اور اس کے معاون جاندار وغیرہ کو مت مار

اے عالم انسان۔ نوان وغیرہ پیدا کرنے والے جنگلی پشو کو بھی ہرگز نہ مار۔ بلکہ ان سے پریم کر۔ ان کی ترقی کی خواہش کر۔ اور اس سے اپنی جسمانی ترقی وصحت پا۔ تیرا کرودھ محض جنگلی جانوروں پر ہو۔ یعنی اُن پر جن سے ہم انسانوں کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ اتھرو ۱-۱۶-۴

यदि नो गां हंसि यद्यश्वं यदि पूरुषम् ।

तं त्वा सीसेन विध्यामो यथा नोऽसो अवीरहा ॥ ४॥

اگر ہنسک پشو یا انسان ہمارے گائے گھوڑے یا انسان کو مارے تو اسے سکے کی گولی سے بندھا جائے۔ تاکہ کوئی ویروں کو مارنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

۱۱۔ اتھرووید ۷-۵-۵

मुग्धा देवा उत शुना यजन्तोत गोरङ्गैः पुरुधायजन्त ।

य इमं यज्ञं मनसा चिकेत प्र णो वोचस्त मिहेह ब्रवः ॥ ५॥

جو کتے یا گائے کے اعضا سے یعنی کسی پشو کو کاٹ کر اس کے اعضا سے یگیہ کرتے ہیں۔ وہ اگیانی ہیں۔

۱۲۔ اتھرو۔ ۴۔ ۳۶۔ منتر ۷ و ۸ نیز کانڈ ۵۔ ۲۶ منتر ۱۰ و ۱۲ میں راکھش پشاچ یعنی گوشت خور وغیرہ سے ہر طرح کے تعلقات منقطع رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱۳۔ اتھرو۔ ۸۔ ۶۔ ۲۳

य आमं मांसमदन्ति पौरुषेयं च ये क्रविः ।

गर्भान् खादन्ति केशवास्तानितो नाशयामसि ॥ २३॥

جو کچے مانس کو کھاتے ہیں۔ اور جو پکے مانس کو کھاتے ہیں۔ جو انڈوں کو کھاتے ہیں۔ ایسے دشٹوں کا میں ناش کروں۔

۱۴۔ اتھرو۔ ۶۔ ۷۰۔ ۱

यथा मांसं यथा सुरा यथाक्षा अधिदेवने ।

यथा पुंसो वृषण्यत स्त्रियां निहन्यते मनः ।

एवा ते अघ्न्ये मनोऽधि वत्से नि हन्यताम् ॥ १ ॥

جیسے مانس۔ جیسے شراب۔ جیسے جوا اور جیسے ویبھچار سے من ہنن ہوتا ہے۔ ایسے ہی اے استری تیرا من بھی غیر پرش میں ہنن ہوتا ہے۔

۱۵۔ رگوید ۱۔ ۲۲۔ ۱۶۲۔ ۱۲

ये वाजिनं परिपश्यन्ति पक्वं य ईमाहुः सुरभिर्निर्हरेति ।

ये चार्वतो मांसभिक्षामुपासत उतो तेषामभिगूर्तिर्न इन्वतु ॥ १२॥

جو لوگ ان اور جل کو شدھ کرنا پکانا اور اس کا بھوجن کرنا جانتے۔ اور مانس کو چھوڑ کر بھوجن کرتے ہیں۔ وہ آدمی ہوتے ہیں۔

۱۶۔ یجو۔ ۱۲۔ ۳۲

प्रेदग्ने ज्योतिष्मान् याहि शिवेभिरर्चिभिष्ट्वम् ।

बृहद्भिर्भानुभिर्भासन् मा हिꣳसीस्तन्वा प्रजाः ॥ ३२

اے عالم راجہ یا طاقتور انسان! تو تیری اعلےٰ اوصاف اور طاقتوں سے بھرپور سکھ پہنچاتا ہوا دنیا میں پھیلا ہوا در پرجاؤں

کو جسم سے مت مار۔

۱۷ - یجر وید - ادھیائے ۳۶ - منتر ۱۸

दृते दृंह मा मित्रस्य मा चक्षुषा सर्वाणि
भूतानि समीक्षन्ताम्। मित्रस्याहं चक्षुषा सर्वाणि
भूतानि समीक्षे। मित्रस्य चक्षुषा समीक्षामहे ॥ १८॥

اے دکھ دُور کرنے والے پرمیشور! مجھے ہر طرح کی مضبوطی دے۔ سب پرانی مجھے مِتر کی آنکھ سے دیکھیں۔ اور میں بھی سب پرانیوں کو مِتر کی آنکھ سے دیکھوں۔ ہم سب ایک دوسرے کو مِتر کی آنکھ سے ہی بھلی پرکار دیکھا کریں۔

۱۸ - یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۵۱ کا بھاوارتھ سوامی جی اس طرح لکھتے ہیں۔

منشیوں کو اچت ہے۔ کہ بکری اور مور وغیرہ سریشٹ پشو پکھشیوں کو نہ ماریں۔ اور ان کی رکھشا کر کے اپکار کے لئے من لگائیں۔ منتر ۱۵ کا بھاوارتھ یہ لکھا ہے۔ جن بھیڑ وغیرہ کے بال اور کھال انسانوں کے لئے سکھدائی ہیں۔ جو اونٹ بوجھ اٹھاتے اور انسانوں کو آرام دیتے ہیں۔ ان کو مارنے والے دشٹ لوگ دنیا کو دکھ دینے والے ہیں۔ ان کو اچھی طرح سزا ہونی چاہئے۔

یجو۔ ۱۳۔ ۲۱ - اے راج پرشو! جن بیل وغیرہ کے ذریعے سے دنیا میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اور جن گؤ وغیرہ سے دودھ گھی وغیرہ ملتے ہیں اور جن کے دودھ سے پرجا کی پالنا ہوتی ہے۔ ان کو ہرگز نہ مارو۔ اور جو ماریں انہیں راجہ وغیرہ عادل لوگ عبرتناک سزا دیویں۔ وغیرہ وغیرہ

۱۹ - اتھرو - ۳ - ۲۸ - ۱

एकैकयैषा सृष्ट्या संबभूव यत्र गा असृजन्त भूतकृतो
विश्वरूपाः। यत्र विजायते यमिन्यपर्तुः सा पशून् क्षिणाति रिफती रुशती ॥

جب انسان کی عقل خاص طور پر ماری جاتی ہے۔ تب وہ پشوؤں کو تیز ہتھیار سے مارتا یا کسی دوسری طرح ہنسا کرتا ہوا ناش کرتا

۲۰ - اتھرو - ۲ - ۲۴ - ۱

शेरभक शेरभ पुनर्वो यन्तु यातवः पुनर्हेतिः किमीदिनः
यस्य स्थ तमत्त यो वः प्राहैत्तमत्त स्वा मांसान्यत्त ॥

اے بید رد قاتل یا ہتیارے قصائی! اور اے سرو بھکشی پاپی لوگو! یہ تمہارے دکھدائی کام آخر تمہارا ہی ناش کریں گے۔ اور دوسروں پر جو ہتھیار چلاتے ہو۔ وہ تمہارے ہی گلے پر چلیں گے۔ ارے جس کا ساتھی ہونا اسی کو کھانا جو نیک راہ بتا دے۔ اسی کو مارو ارے کوئی ساتھی نہ رہیگا۔ تو اپنے سمبندھیوں کو کھاؤگے۔ اور آخر اپنا ناش کروگے۔

غرضیکہ وید اہنسا کا نہایت زور سے بیان کرتا ہے۔ کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچانا بلکہ سب کی تکلیفات کو دور کرنے میں کوشاں رہنا انسان کا فرض بتاتا ہے۔ پرانی ماتر سے پریم کا یہ جذبہ ہو تبھی اس کا یہ آدرش پورا ہو سکتا ہے۔

۲ - اجتماع ضدین

جو تعلیم وید کی ہم نے بہت سے حوالہ جات دیکر پیش کی ہے وہ عوام الناس کے لئے ایک عجیب گورکھ دھندا یا معمہ بن رہی ہے۔ وید کا جب یہ حکم ہوا کہ موذی درندوں کو مارو چوروں۔ ڈاکوؤں۔ اور قاتلوں کو عبرتناک سزائیں دو تو یہ سزا تو بذات خود ہنسا ہوئی۔ لہذا اہنسا کا دعویٰ غلط ہوا یا اجتماع ضدین کا نقص ثابت ہوا۔ ایسا انہیں خیال آتا ہے اور وہ شش و پنج میں پڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ آجکل اس ملک میں ہنسا اہنسا پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں عالم لوگ لیکچر دیتے ہیں مگر عوام الناس کا یقینی نتیجہ پر پہونچنا مشکل ہو رہا ہے۔ اس گڑبڑ کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہنسا کو محض پر چرانے

میں سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وسیع مفہوم اسکا ہر قسم کے نقصان پر اطلاق پاتا ہے۔ ایک شخص لاٹھی سے ضرب لگاتا ہے تو اسے ہنسا میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ کسی کا روپیہ چھین لیتا یا اس کے کپڑے اتار لیتا ہے یا اسے فیض عام کے کام سے روکتا ہے تو اسے رہزنی - ڈاکہ یا گمراہی وغیرہ نام دیا جاتا ہے۔ یہ خیال نہیں آتا کہ یہ سب جرائم ہنسا کی ایک گونہ شاخیں ہیں - اور شل کے دفعیہ کے تمام درپ کی سہتا کی ذیل میں آتے ہیں۔

۲- ویدک ہنسا

درندہ حیوانوں کو مارنے - چور - ڈاکو وغیرہ بدمعاشوں کو ڈنڈیا تعزیر کا ہتھیار استعمال کرنے بلکہ قاتل کو پھانسی تک دینے کی اجازت جو کھشتری یا راجہ کو ملتی ہے۔ اس پر معترض کہتا ہے۔ کہ جن زندہ حیوانوں کو مارا جاتا ہے یا جن آدمیوں کو جسمانی سزا دی جاتی ہے۔ انہیں درد یا تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ تب ہنسا سے پرہیز کہاں ہوا۔ لیکن سوامی دیانند کا قول ہے۔ کہ ممانعت گوشت خوری کا مدار محض پیڑا کے نکتہ نگاہ پر نہیں۔ بلکہ اپکار یا فیض کے سبب سے ہے پیڑا تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔ جب انسان کھانے پر سے اسے اڑاتا ہے۔ باپ یا گورو بیٹے یا شاگرد کو تاڑنا وغیرہ کرتا ہے۔ تو اس سے بھی لڑکا دکھ مانتا ہے۔ ڈاکٹر پھوڑے پر نشتر چلاتا ہے۔ تب بھی مریض چیختا چلاتا ہے۔ مریض کو بچانا کیا ہے۔ بیماری کے جرمز کا ناش کرنا پس دیکھنا محض یہ ہے۔ کہ قدرت نے کس اپکار یا فیض کے لئے کس چیز کو بنایا ہے۔ اور کوشش یہ کرنا چاہئے۔ کہ اس اپکار یا فیض میں رخنہ انداز ہونے والے اسباب کو مٹایا جاوے۔ قدرت الہی کے لا انتہا فیضوں کے باوجود انسان اس کی حدود کو توڑتے ہیں۔ تو سخت سے سخت عذاب اسی رحمان سے پاتے ہیں۔ پس انسان جو ہنسا اس غرض سے کرتا ہے۔ کہ اہنسا کا راج ہو۔ وہ نیچر کو مدد دیتا ہے۔ اور گناہ کی بیخکنی میں خدا کا سہیوگی ہے۔ خود ہنسا کا مجرم نہیں ہوتا۔ اسی لئے سنسکرت لٹریچر میں یہ مقولہ عام ہے۔ کہ ویدک ہنسا ہنسا نہ ہوتی۔

اوّل - سورۃ البقر

۲- قرآن مجید میں ویدک اہنسا واد

۱- رکوع ۲۱- آیت - ۱- اے انسانو! تم وہ چیزیں کھاؤ- جو زمین میں حلال اور طیب ہیں۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو- فی الواقع وہ تمہارا کھلا دشمن ہے(۱)

اس آیت میں "فی الارض" لفظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں - ایک تو دنیا میں دوسرے زمین میں۔ لیکن مطلب دونوں طرح سے ایک ہے۔ بائیبل پیدائش کی کتاب میں پہل آن اناج وغیرہ جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہی انسان کے کھانے کے لئے ہیں۔ یہ مستقل قانون بتایا ہے۔ وید میں پہلے سے ہی پیداوار ارضی میں سے بھکشیہ پدارتھ کھانے کا حکم ہے۔ بر کھشوں میں جیو ماننے والے لوگوں کی خاص اہم دلیل ہے۔ کہ جیسے گورنمنٹ اپنے قیدیوں کے لئے رسوئیا وغیرہ سے کھانا بنواتی ہے۔ اور وہ رسوئیا بھی قیدی ہی ہوتے یا ہو سکتے ہیں۔ ویسے ہی عقل سلیم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ پرماتما نے ضرور آغاز عالم سے یہی انتظام چلا رکھا ہے

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

اور برکھش یا بنسپتی والے جیو تمام انسانوں کے لئے غذا بہم پہنچانے کے لئے مقرر ہیں۔ زمین میں آلو وغیرہ پیدا ہوتے ہیں گیہوں کی کھیتی سے خوشوں کے برتنوں میں گیہوں سب کے لئے پر ساجا رہا ہے۔ پھل درختوں کے ساتھ لگ کر اور شاخوں کو جھکا کر نیچر اعلان کر رہی ہے۔ کہ مینتوں کے لئے کھلا دستر خوان بچھ رہا ہے۔ یہی برکھش اور بنسپتی حیوانات کو پالتی ہیں۔ گویا حیوان اس قسم کے دستر خوان میں انسان کا ہی شریک اور قریباً اس کے برابر ہی نیچر کے عطیہ کا حقدار ہے۔ یا اس کا ایک قسم کا بھائی ہے انسان کا اپنے ایسے قدرتی شریک یا بھائی کو کھانے لگ جانا کبیرہ سے کبیرہ گناہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے۔ وہی انسان کی خوراک ہے۔ یہ مستقل قانون بتاتا ہے۔ اگر مانا جاوے۔ کہ ارض کے معنے دنیا ہو سکتا ہے۔ اور دنیا میں حیوان بھی ہیں۔ لہٰذا ان کا گوشت کھایا جاسکتا ہے[۲]۔ جس کو بڑے سے بڑا گوشت خور انسان بھی صحیح نہیں مان سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے حلال اور طیب کی شرط لگائی ہے۔ کوئی جاندار کھانے کے لئے حلال ہو۔ یہ ہدایت قرآن انسان کے لئے کہیں بیان نہیں کرتا۔ ہر کہیں جائز طریق پر حاصل کی یا کمائی گئی چیز کو حلال کہا ہے۔ اور اس سے وہ فائدہ پانے کی ہدایت کی ہے۔ جس کے لئے وہ قدرتاً مقصود ہے۔ دوسرا لفظ طیب پاک یا ساتوک کے لئے ہے۔ اور حلال اور طیب دونوں کا مفہوم وید شبد بھکشیہ یعنی قابل خوردنی ہی ہے۔ گوشت کو غذائے طیب نہیں کہا۔ ہاں ہر کہیں اس کے غیر طیب ہونے کا ہی اشارہ دیا ہے بالخصوص اس آیت میں شیطان کے قدم بہ قدم چلنے سے روکا گیا ہے۔ قانون غذا کے بیان میں شیطان کی پیروی کرنے کا سوائے اس کے کوئی منشا نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر حرام شے بالخصوص گوشت سے پرہیز کیا جاوے۔

۲۔ اسی رکوع کی پانچویں آیت میں ہے" اے اہل ایمان! تم وہ پاک یا ساتوک چیزیں کھاؤ۔ جو ہم نے تمہیں بطور رزق دی ہیں۔ اور اگر تم اللہ کے ہی بندے ہو۔ تو اس کا شکریہ ادا کرو۔ (۱)

ایشور کا دیا ہوا رزق عام طور پر ان اناج کو مانا جاتا ہے۔ بالخصوص پاک یا ساتوک چیزیں پھل ان دودھ وغیرہ ہی ہیں۔ اور جیسے شیطان کی پیروی سے پہلے حوالے میں روکا تھا۔ ویسے ہی اس آیت میں طیب رزق کو کھانا ہی خدا کے کلاموں یا بندوں کا کام بتایا گیا ہے۔

۳۔ اس سے اگلی چھٹی آیت میں قانون غذا کو اور طرح سے صاف کیا ہے۔

تمہارے لئے بس حرام ہی ہے۔ مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ کے لئے نامزد جانور۔ لیکن حالت اضطراب یا مجبوری کی صورت میں بغیر جھوٹ یا خدا کی حکم عدولی کے اور بغیر عادی ہونے کے جو ایسا عمل کرے۔ اس پر گناہ نہیں (۲)

جب مردار حرام ہو گیا۔ تو گوشت خوری کی قطعی ممانعت کے بغیر اس کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک خطرناک تاویل سے اس قانون کی عالمگیر اصولی اہمیت کو بے وزن کیا گیا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے۔ کہ میتہ وہ جانور ہے جس کی جان بغیر ذبح کئے ہوئے نکل جائے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ اس تاویل سے انصاف پسند گوشت خوروں اور غیر گوشت خور محققوں پر بھی محض یہی اثر پڑتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی عالمگیر تعلیم پر واقعی انسانی عادات اور خیالات نے تاریکی پھیلا رکھی ہے۔ کیا ذبح کیا ہوا حیوان مردہ نہیں ہوتا۔ کیا اس لفظ کے مصدری یا لغوی معنے سے کسی بھی طرح یہ تاویل جائز ہو سکتی ہے۔ جبکہ ذبح شدہ کے لئے میتہ کے مقابلے

۲ تو یہ دلیل انسان کے متعلق بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ اور سب بچے مرد عورت کھائے جا سکیں گے۔

۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

۲ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پر کوئی لفظ لغات میں ہے نہیں۔ نیز جبکہ اگلا لفظ خون کو حرام کرتا ہے۔ ذبح کرنے میں بھی خون ہی کیا جاتا ہے۔ تب ایسی تاویل کی گنجائش کہاں۔ کہا جاتا ہے۔ آگے لفظ ہے لحم الخنزیر کا۔ اس میں سؤر کے گوشت کو حرام کہا ہے۔ اگر سب جانوروں کا گوشت حرام ہوتا۔ تو محض سؤر کے متعلق تخصیص نہ ہوتی۔ لیکن اگر گوشت کھانے کا کہیں جواز قرآن مجید میں مذکور ہو۔ تب تو یہ عذر کچھ معنے رکھ سکتا ہے۔ چونکہ کہیں ایسا ذکر نہیں۔ اس لئے اس لفظ کا ذکر محض اس لئے ہے۔ کہ گوشت سب جانوروں کا ان کے فواید کے سلسلے قائم رکھنے کے لئے حرام ہے۔ مگر سؤر جیسا ناپاک جانور انسان کے تعاون کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا کوئی کہہ سکتا تھا کہ اگر اسے مار کر کھا لیا جاوے۔ تو اس میں کیا ہرج ہے۔ اس وسوسے کے خلاف قرآن فتوےٰ دیتے ہوئے صاف کہتا ہے۔ کہ سؤر کا گوشت بھی حرام ہے۔ چنانچہ اس کا اگلا حصہ بھی اسی مدعا کو واضح کرتا ہے۔ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ دیوتاؤں پر جو لوگ بکرا وغیرہ چڑھائیں اور انہیں مار کر پکائیں تو اس گوشت میں کیا ہرج ہے۔ نہ ہم نے مارا نہ خون بہایا اور گوشت لے لیا۔ قرآن فرماتا ہے۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔ مطلب یہ کہ مردار خواہ قدرتی موت مرا ہو یا کسی انسان نے کسی بھی وجہ یا طریق سے خون بہایا ہو۔ گوشت ہر حال میں حرام ہے۔

اسی آیت میں جو حالت مجبوری میں بغیر خدا کی حکم عدولی یا گوشت خوری یا ہنسا کی عادت کے گوشت کے استعمال کے لئے کوئی گناہ نہیں بتایا۔ یہ صاف ثابت کرتا ہے۔ کہ عالمگیر اصول گوشت نہ کھانے کا ہی اوپر مذکور ہے۔ استثنےٰ اصول کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ویدک سدھانت میں بھی آپت کال یا مجبوری میں قانون کی سخت گیری قائم نہیں رہتی۔ اوراتی ہاس سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ کہ محض جان بچانے کے لئے کسی نے ماس کھایا۔ تو اس پر مواخذہ نہیں ہوا۔ پر خدا کا باغی اور موذی گوشت خور انسان کسی بھی صورت میں قابل درگذر نہیں۔ یہ اصول اس استثنےٰ سے بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

(۴) ستقویں آیت میں گوشت خوروں کو نہایت زوردار جھاڑ بتائی اور انہیں جو سخت سزا ملتی ہے اس کا بھی صاف بیان دیا ہے "تحقیق جو لوگ اس بات کو چھپاتے ہوئے ناپایدار معاوضے پا رہے ہیں۔ جو خدا نے وید یا کتاب الٰہی میں ظاہر فرمائی ہے۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی آگ بھرتے ہیں۔ نیز جنم میں انہیں نہ اللہ نطق دیگا۔ اور نہ انہیں پاک کریگا" ا۔

مطلب صاف ہے۔ کہ کلام الٰہی میں بھی گوشت خوری منع ہے۔ لیکن لذّت کے غلام اصل ہدایت کو چھپا کر خدا کے نام پر ذبح کرنے کا رواج چلا رہے ہیں۔ ایسے گوشت خور محض اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ گویا انتہائی دکھ کا سامان کر رہے ہیں۔ جیسے اگلے جنم میں نطق کا نہ ملنا یعنی انسانی تناسب کی بجائے حیوانی اور ناپاک قالبوں کا ملنا اور گھور دکھ پانا۔

۶۔ اسی سورۃ کے رکوع ۶ آیت ۱۱ میں بھی نبی اسرائیل پر جو من اور سلویٰ خدا کی عنایت سے ان کی دشت نوردی کے زمانے میں نازل ہوا محض طیب یا پاک چیزیں تھیں۔ یہ الفاظ آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔

ا إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

مَنّ کے متعلق اتفاق رائے ہے۔ کہ وہ درختوں سے لگنے والی ترنجبین کی قسم کی شے تھی۔ اور سلویٰ کے لغوی معنے بھی ساتوک شے ہی سدھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں واضح کیا ہے۔ پھر رکوع ۷ آیت ۲ میں موسیٰ سے جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ گوشت کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمارے خدا سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں از قسم سبزی۔ ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں۔ مسور اور پیاز کے پیدا کرے" (۱)

یہ تمام اشیاء بنی اسرائیل کو ویجیٹیرین ثابت کرتی ہیں۔ اگر وہ گوشت خور ہوتے تو ضرور گوشت کا مطالبہ کرتے اور بعض لوگوں نے جو سلویٰ کی تشریح من مانے طور پر ایک قسم کا بٹیر جیسا جانور کر دیا ہے۔ یہ بھی صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ اس حالت میں لازمی تھا۔ کہ وہ اس جانور کے علاوہ بکری۔ مرغا۔ اونٹ وغیرہ کے گوشت کا مطالبہ کرتے۔

رکوع ۸ آیت ۴ و ۵ میں کہا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے۔ کہ تم میں سے جنہوں نے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا ہم نے حکم دیا۔ ذلیل بندر بنو۔ سو ہم نے اسے اس وقت کے اور اس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت اور متقی لوگوں کے لئے نصیحت بنایا (۲)

اس رکوع میں تذبیح بقر کے متعلق موسیٰ کے ذریعے جو خدا کا حکم ملا۔ اسے نہایت واضح طور پر نفس کشی کے مفہوم میں واضح کر کے اہنسا واد کی عظمت کو بحال رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کئی جگہ بالتوضیح بیان کیا ہے۔

اسی سورت کی ۳۷ رکوع کی پہلی آیت میں اپنی پوزیشن کو اور بھی واضح الفاظ میں قرآن مجید نے پیش کر دیا ہے۔

اے اہل ایمان اپنی کمائی ہوئی پاک چیزیں ہی راہِ حق میں خرچ کرو۔ یعنی خیرات میں دو۔ اور وہ جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کی ہیں۔ گویا گوشت جیسی غیر طیب شے کا دان دینا بھی گناہ ہے۔ اور اسلام میں جہاں بھی مسکینوں اور فقیروں کو خیرات دینے کا بیان ہے۔ ان اناج وغیرہ ہی مقصود ہیں۔

سورۃ آلِ عمران

رکوع ۱۰ آیت ۱ و ۲۔ تم نیکی نہ کما سکو گے۔ جب تک اپنی پیاری چیز کو قربان یا خرچ نہ کرو گے۔ اور جو چیز بھی تم قربان کرو گے۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ نزول توریت سے پہلے سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنی ذات کے لئے حرام کر لی تھی۔ انہیں کہدو۔ اگر سچے ہو تو ہمارے سامنے لا کر توریت کو پڑھو تو۔

۱۔ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

۲۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪

ان آیتوں میں پہلے تو یہ اصل ہدایت ہے۔ کہ گوشت خوری تم کو پیاری ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ نیکی بغیر پیاری چیزوں کی قربانی کے کمائی ہی نہیں جا سکتی۔ اس پر کہا جاتا ہے۔ کہ توریت سے پہلے سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ مطلب یہ کہ بنی اسرائیل گوشت کھاتے تھے۔ ہاں یعقوب نے محض اپنی ذات کے لئے اسے حرام کیا تھا۔ اس پر چیلنج دیا جاتا ہے۔ کہ لاؤ توریت اور پڑھ کر سناؤ۔ کہ کہاں لکھا ہے۔ یعقوب نے یہ اپنے لئے ہی حرام کیا تھا۔ مفسرین اور طرح کی تاویل کرتے ہیں۔ جس کا لب لباب یہ ہے۔ کہ یعقوب نے ایک بیماری کی وجہ سے منت مانی تھی۔ کہ میں اچھا ہو گیا۔ تو اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی یہودیوں نے بھی چھوڑ دیا۔ اس طرح اونٹ کا گوشت حرام ہو گیا۔ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے۔ جو یعقوب سے پہلے ہوئے۔ جب اونٹ حلال تھا۔ لیکن جب قرآن مجید مردار خون کو حرام کرتا ہے شیطان نفس کی لذت پرستی سے روکتا۔ تقویٰ پر زور دیتا۔ محض پیداوار ارضی میں سے حلال اور طیب کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس آیت سے کہیں اونٹ کا اشارہ نہیں ملتا۔ کہ یعقوب نے اسے ہی حرام کیا تھا۔ گوشت یا خاص اونٹ کے ہی گوشت کو کہیں غذائے طیب مانا ہے۔ نہ ابراہیم جو حنیف یا فنافی اللہ ہے۔ گوشت کو اپنا پیارا بنا سکتا ہے۔ اس لئے آیت کا مطلب سوائے اس کے ہو نہیں سکتا۔ کہ توریت کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں گوشت کا جواز ہے۔ جو بنی اسرائیل پر بھی حلال تھا۔ بالکل غلط ہے۔ اور یہ کہنا کہ محض یعقوب نے اپنے لئے حرام کیا تھا۔ یہ بھی غلط ہے۔ ہاں جیسا ابراہیم کے وقت میں حرام تھا۔ ویسا ہی اب بھی حرام ہے۔ اسی آیت کے بعد ورن ویوستھا کا مضمون چلتا ہے۔ اور پہلے برہمن ورن کی فضیلت بتائی ہے۔ تاکہ لوگوں کی اس قسم کی گمراہی سے ان کو بچانے کا انتظام ہو۔

رہی یہ بات کہ ویدیا الشوریٰ آ گیا کے مطابق جو ہنسا ہے۔ وہ بھی اہنسا میں ہی شمار ہوتی ہے۔ یہ بھی قرآن کو تسلیم ہے۔ منکر۔ کافر۔ مشرک۔ فاسق سب کا مقابلہ خاص خاص طریق سے کرنا مومنوں کا فرض بتایا ہے۔ اور اس فرض کی تعمیل میں وہ جان بھی دیدیں۔ تو اس کو بڑا ثواب اور خوش قسمتی بتایا ہے۔ یہاں تک کہ رکوع ۷، آیت ۱۴ میں کہا ہے کہ

"جو لوگ راہِ حق میں قتل ہو جاویں۔ انہیں مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں (۱)

اسی طرح ہجرت کر کے اپنے وطن اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونے کی تکلیفات ہیں: اپنے آپ کو پھنسانا اور مصیبتوں میں مبتلا کرنا بھی اپنی آپ ہنسا کرنا ہے۔ مگر رکوع ۲۰ آیت ۶ میں اس عمل کو بھی کارِ ثواب بتایا ہے۔ اور جنت کے ملنے کا موجب۔ پس دہرم رکھشا کے لئے اپنے آپ کو یا دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہنسا ہے ہنسا نہیں۔

سورۃ النسآء

رکوع ۷، آیت ۵۔ اے اہل کتاب۔ اس پر ایمان لاؤ جو ہم سے نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کی صداقت بیان کرنے

۱۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝

کو جو تمہارے پاس ہے۔ قبل اس کے کہ چہرے بگڑ کر الٹی جانب لگیں یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں۔ جو ہنسا وادیوں پر کی تھی (۱)

سبت لفظ کو اس آیت میں ہفتہ والے دن کے معنے میں لیکر غلطی کی گئی ہے۔ لیکن اس سے اصول میں فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ تاویل یہ کی گئی ہے۔ کہ ہفتہ کے پاک دن میں مچھلیاں کھانے والوں کو خدا نے ذلیل بندر بنا دیا تھا۔ اور ہم سبت کو ہنسا کے معنے میں لیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے معنے ہیں قطع کرنا یا کاٹنا۔ ہنسا کی وجہ سے ذلیل بندر بنے۔ اور مچھلیاں کھانے سے ذلیل بندر بنے۔ دونوں میں اصول ایک ہی کام کرتا ہے مچھلی کا گوشت کھانا بھی ہنسا کرنا ہی ہے۔

رکوع ۱۸ آیت ۴ میں شیطان کے تعلق سے برے نتائج ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ جانوروں کے کان کاٹنا اور اللہ کی پیدائش والی صورتوں کو بگاڑنا محض شیطان کو اپنا ولی سمجھنا ہے۔ (۲)

جیسا کہ گورو نانک کہتے ہیں۔ ثابت صورت ر بدی بھیخ بے ایمان پس جب کان تراشنا اور صورت کو بگاڑنا شیطانی حرکت اور خلاف ایمان ہے۔ تو جان سے مارنے اور اس کا گوشت خود کھانے کے گناہ کبیرہ ہونے میں کیا شک ہے۔

رکوع ۲۲ آیت ۲ میں کہا ہے۔ "ہم نے انکے سچے برت یا ازلی عہد سے انہیں پہاڑ کی طرح سربلند کیا اور حکم دیا کہ اس آشرم میں عاجزی (نمرتا) سے داخل ہونا اور حکم دیا کہ ہنسا کے متعلق قانون کو نہ توڑنا یہ ان سے پختہ عہد لیا (۳)

اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہنسا کے متعلق انسان قدرتاً اور فطرتاً بطور ازلی عہد کے خدا کے حضور میں ذمہ دار ہے۔ اور اس کا اشرف المخلوق ہونا اسی عہد کی وجہ سے ہے۔

اگلی آیت (نمبر ۳) میں کہا ہے چونکہ انہوں نے اس عہد کو توڑا۔ خدا کی آیتوں سے انکار کیا۔ اور بغیر حق کے نبیوں کو قتل کیا۔ اور کہا۔ کہ ہمارے قلب محفوظ ہیں۔ لہذا ان کے اس کفر کی وجہ سے ہم نے ان پر مہر کر دی۔ جس سے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ (۴)

ان الفاظ سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اہنسا کے عہد کو توڑنے کے نہایت خراب نتائج ہوتے ہیں۔ خدا کی آیتوں یا احکام سے نافرمانی ہوتی ہے۔ اور خدا کی خبر جن سے ملتی ہے۔ ان کو ناحق قتل کیا جاتا ہے۔ انبیا جمع ہے نبی کی اور یہ مشتق ہے۔ نبو۔ بنا جس کے معنے ہیں خبر دینا۔ چونکہ عالم خدا رسیدہ لوگ بھی وعظ حق سے خدا کی اعلے اور عظیم ترین اوصاف کی خبر دیتے ہیں۔ اور حیوان چرند پرند چارپائے بھی سب اپنی صورت حال سے خدا کی تسبیح کرتے اور

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (۲) فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝

(۳) وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (۴) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ .... اِلَّا قَلِيْلًا ۝

زبان حال سے اس کی صنعت کی شہادت دیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں انبیا کے قتل سے وسیع مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ اہنسا کے مضمون میں تمام جانداروں کا تعلق ہونا لازمی ہے۔ اور انسان کا یہ عہد نہیں ہو سکتا۔ نہ قرآن میں کہیں کہا ہے۔ کہ وہ انسان نبیوں یا عام انسانوں کو ہی نہ مارے۔ بلکہ دل زبان اور فعل سے ہر ذیجان کی ایذا رسانی سے پرہیز کرنا اس کا عہد ہے۔ اور خدا کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ اس کی تمام مخلوقات سے وہی سلوک انسان کرے جس کے لئے وہ مقصود ہیں۔ پس پشوؤں پر ظلم کرنیکا انسان کو کوئی حق نہیں۔ اور اگر ایسا ظلم انسان کرے۔ تو اس کی عقل کا مارا جانا اور اس کا سچائی پر ایمان نہ لانا لازمی ہے۔ اس پر گویا خدا کی مہر لگ جاتی ہے۔

سورۃ المایدہ

رکوع ۱۔ آیت ۱۔ اے ایمان لانے والو! اپنے عہدوں (برتوں) کو پورا کرو۔ تمہارے لئے اہنسک حیوان حلال ہے۔ ہاں جو تم پر آگے واضح کیا جاتا ہے۔ حرام ہے۔ یہ قید اس استثنے کے کہ حالت احرام میں شکار حلال نہیں تحقیق اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (۱)

اس آیت میں حسب ذیل رموز قابل غور ہیں۔

اول۔ حلال لفظ کے معنے ذبح کرنا نہیں۔ اگر یہ معنے ہوں۔ تو جہاں یہ ذکر ہے۔ کہ مومنوں کی برہمچارنی لڑکیاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس کا مطلب نکاح سے نہ رہیگا۔ بلکہ لڑکیوں کو مار کر کھانا ہوگا۔ پس حلال کا مفہوم تعاون ہے یعنی خاص حیوان ایسے ہیں جن سے انسان کا تعاون ہو سکتا ہے۔ درندہ سے نہیں ہو سکتا۔

دوم۔ انعام لفظ یہاں نعم کی جمع نہیں بلکہ نعومت بمعنے نرمی سے ماخوذ ہے۔ بہیم واحد ہے۔ اس کے ساتھ انعام جمع والا آ نہیں سکتا۔ پس نرم مزاج یا اہنسک حیوان کا ذکر ہے۔ جیسے خود انسان گائے گھوڑا وغیرہ۔

سوم۔ عقدوں یا عہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ انسانوں کے مختلف برت یعنی بھگتی برت (عہد عبادت) ستیہ برت (عہد حق) اہنسا برت (عہد ترک ایذا) پتی برت (استری کا اپنے پتی کے متعلق عہد) پتنی برت (خاوند کا اپنی بیوی کے متعلق عہد) برہمچریہ برت وغیرہ سب پورے ہوں اور انہی سب برتوں کے متعلق اشارات اس سورت میں ہیں اور اہنسا برت کا ذکر بالخصوص ہے۔

چہارم۔ اہنسک پراتی کو حلال کہتے ہوئے بتایا ہے۔ کہ نیک انسان دوسرے انسانوں سے اور گائے وغیرہ اہنسک حیوانوں سے تعاون کریں۔ مگر یہ تعاون ہر حالت میں جائز نہیں۔ چنانچہ حیوانوں کو مارنا اور کھانا اگلی آیتوں میں حرام بتایا ہے۔ اس لئے اس آیت میں کہدیا ہے۔ کہ جو کچھ آگے بتایا جاتا ہے۔ وہ حلال نہیں۔

پنجم۔ مگر اگلے بیان کے متعلق بھی ایک چیز کو حرام کیا گیا ہے۔ وہ کیا ہے۔ حالت احرام میں شکار۔ کہا یہ ہے کہ احرام سے باہر ہوتے ہوئے شکار کھیل سکتے ہو۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ حالت احرام میں شکار منع ہے۔ اس لئے اس آیت میں یہ آیا کہ غیر محلی الصید و انتم حرم"

۱۔ یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ ...... اِنَّ اللّٰهَ یَحۡكُمُ مَا یُرِیۡدُ ۝

ششم۔ گوشت خور لوگ اعتراض کر سکتے اور کچھ بحثی سے کام لے سکتے ہیں۔ اس لئے اسی آیت میں اس کو روکنے کے لئے صاف کہا ہے۔ کہ خدا جو چاہتا یا ٹھیک سمجھتا ہے۔ وہی حکم دیتا ہے۔ اس لئے اس میں کسی کو میں میخ کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہفتم۔ وید میں انسان اور گائے وغیرہ حیوان کو اگھنیا یعنی اہنسک اور نہ مارنے کے قابل اور دور مذہوں کا جو انسانوں اور حیوانوں کو مارتے کھاتے یا کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔) شکار کرنا و مارنا حلال بتایا ہے۔ وہی کچھ ہو بہو اس آیت کا مضمون ہے۔

ہشتم۔ حالت احرام میں جب عبادت الٰہی وغیرہ کا تعلق ہے۔ شکار کو بھی ممنوع قرار دینا واضح کرتا ہے۔ کہ قرآن اہنسا پر کتنا زور دیتا ہے۔ حتےٰ کہ جائز ہنسا سے بھی عبادت وغیرہ کے وقت انسان کا تعلق مضر سمجھتا ہے۔ مذکورہ

۱۔ آیت ۲ اے اہل ایمان! خدا تعالےٰ کی نشانیوں۔ حرمت والے مہینے۔ نذر یا بھینٹ کے طور پر آئے حیوانوں گھریلو حیوانوں (جنہیں پہچان کے لئے یا محبت سے گانی یا پٹہ پہنا ہوتا ہے) خدا کے فضل اور اس کی رضا کے طالب خانہ کعبہ کے عازم انسانوں کی بے توقیری نہ کرو۔ اور جب احرام سے باہر آجاؤ۔ تب شکار کرو۔ اور ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ کے ماتحت تم کوئی زیادتی کرو۔ اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو۔ گناہ اور ہنسا میں تعاون نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (۱)

اس آیت میں ایک تو یہ بیان ہوا۔ کہ پہلی آیت میں جس بات کو مستثنےٰ کیا گیا تھا۔ وہ ایک تو یہ ہے۔ کہ کسی انسان یا حیوان کی بے توقیری نہ ہو۔ شعائر اللہ کے لفظ میں ہر حیوان شامل ہے۔ جیسے دیکھ کر خدا کی صنعت اور حکمت کا ثبوت ملتا ہے۔ حج کا مہینہ جن خالص مذہبی اغراض سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ میں اسے لگانا اس کی بے توقیری ہے۔ ھدی سے مراد ہے ہر شئے جو نذر یا بھینٹ میں آوے۔ خواہ حیوان ہو یا اناج سب کا نیک استعمال کرنا ضروری ہے۔ خانہ کعبہ کی حدود میں جانوروں کو مارنے کی قطعی ممانعت تھی۔ اس لئے اسے دار الامان کہا جاتا تھا۔ اور حضرت ابراہیم کی اس انسٹی ٹیوشن میں ہر قسم کی نذر یا امداد آتی تھی۔ جس سے دنیا کو فیض پہنچانے کے لئے عالم لوگ تیار ہوتے تھے۔ مگر افسوس آج ھدی کے معنے قربانی کے جانور کئے جاتے ہیں۔ مگر جب ذبح کرنا ہی اس علاقے میں ممنوع ہو۔ تو قربانی کا تعلق ہی کیا رہا۔ اسی طرح انسان جو حیوانوں سے پیار رکھنے کی وجہ سے ان کو سجاتے یا انہیں گانی وغیرہ پہناتے یا ان کے گلے میں پٹہ وغیرہ باندھتے ہیں۔ وہ اگر دشواس گھات کر کے ان حیوانوں کو ماریں۔ تو یہ انسانیت سے بعید ہے۔ اس لئے ان کی بے توقیری بھی ممنوع ہے۔ اور جو آدمی دور دور علاقوں سے خانہ کعبہ میں آتے ہیں۔ کہ سچی ہدایت اور نیک صحبت سے ایسے سدھر اور ترقی کر جاویں۔ کہ ان کو خدا کا فضل اور اس کی رضا ملے تو وہ لوگ بھی بڑی عزت اور نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کی بے توقیری ہونا یا انہیں ایذا یا نقصان پہنچانا بعید از شرافت ہے۔ حتےٰ کہ

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ .... وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۵

کوئی درندوں کا شکار بھی حالتِ احرام میں نہ ہونا چاہیے۔
اس طرح انسان اور حیوان دونوں کے متعلق اہنسا کا وسیع مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد الحرام سے مسلمانوں کو نکالنے والے اسلام کے دشمن لوگوں کے متعلق بھی خبردار کیا ہے۔ کہ دیکھنا کہیں عداوت کے جذبہ کے ماتحت ان پر زیادتی نہ کر بیٹھنا۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ہدایت ہر کہیں سنہری الفاظ میں لکھا جانے کے قابل ہے۔ کہ تعاون نیکی اور پرہیزگاری میں ہو۔ گناہ اور ہنسا کے کاموں میں نہ ہو۔ مطلب یہ کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے کام میں مسلمانوں کو باہمی تعاون کی بھی قطعی ممانعت ہے۔ اور حیوانوں کے ساتھ جو انسان کا تعاون ہو۔ اس میں بھی گناہ اور ہنسا یعنی ان کو مارنے یا ان کی حفاظت و پرورش وغیرہ کے متعلق بے پرواہی کرنے کی بھی پوری ممانعت ہے۔ جو لوگ اہنسا پر عمل نہیں کرتے۔ ان کو خدا کا خوف آخیر میں دلایا گیا ہے۔ کہ وہ یاد رکھیں خدا سخت سزا دینے والا ہے۔
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تعاون انسانوں کا تو ہو سکتا ہے۔ حیوانوں کے ساتھ تعاون کا کیا تعلق۔ لیکن واضح رہے۔ کہ وید میں پشوؤں کو پالنے اور ان کی پوری خدمت کرنے کی انسان کو ہدایت ہے اور اس خدمت کے بدلے میں ہی وہ حیوانوں سے سواری۔ باربرداری۔ کھیتی اور دودھ وغیرہ کی خدمت لیتا ہے۔ پارسیوں کی مقدس کتاب زند اوستا میں بھی انسان اور حیوان کے باہمی تعاون کے اصول کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ انسانوں اور حیوانوں کا باہمی مقدمہ گل شاہ بادشاہ کے دربار میں پیش ہوا۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ انسان اپنے آپ کو حیوانات سے افضل کیوں سمجھتا ہے۔ اس پر دونوں طرفین کے وکیلوں کی کئی پہلوؤں سے باہمی بحث ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کا وکیل کہتا ہے۔ کہ انسان گھوڑے پر زین کسے اس کے منہ میں لگام چڑھائے جہاں چاہے اسے سوار ہو کر لے جا سکتا ہے۔ اس پر حیوان کا وکیل جواب دیتا ہے۔ کہ بیشک انسان گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہ بات بھول جاتے ہیں۔ کہ گھوڑے کے لئے گھاس کھود کر لانے والا گھسیارا بھی تو انسان ہی ہے۔ پس اس میں انسان کی کوئی بڑائی نہیں۔ انسان گھوڑے کی کئی طرح کی خدمت کرتا ہے۔ اور گھوڑا اس کی سواری کی خدمت بجا لاتا ہے۔ یہ باہمی سودا یا تعاون ہے۔ اسی طرح کی بحث کے بعد آخر طے ہوتا ہے۔ کہ انسان اور حیوانوں میں محض ایک درجے یا جماعت کا فرق ہے۔ انسانی قالب والا جیو اس قالب سے مکتی میں جا سکتا ہے۔ مگر حیوان مکتی نہیں پا سکتا جب تک انسان کی قالب میں پہلے نہ آوے۔ حیوان انسان کی اس فضیلت کو مانتا مگر پھر سوال کرتا ہے۔ کہ کیا سب انسان مکتی پاتے ہیں۔ جواب ملتا ہے نہیں کئی انسانی روح پھر انسانی قالب پاتے ہیں۔ اور کئی حیوانی قالب میں جاتے ہیں۔ اس پر حیوان کا وکیل کہتا ہے۔ اچھا تو جو انسان آگے حیوانی قالب میں جاویں گے۔ ان سے ہماری فضیلت کیوں نہیں مانتے۔ کیونکہ ہم پہلے ہی حیوان ہیں اور وہ آئندہ بنیں گے۔ اس پر یقینی سچا اصول یہ طے ہوتا ہے۔ کہ مکتی پانے والے لوگ حیوانوں سے افضل اور پشو یونی پانے والے حیوانوں سے اونے ہیں۔ ایک ہی قسم کا روح دونوں قسم کے قالبوں میں جاتا ہے۔ لہذا مساوات مسلمہ ہے۔ اور باہمی تعاون سے ہی دونوں کا گذر ہوتا ہے۔ سو کہتے ہیں۔ انسان اور حیوان میں صلح ہوئی اور پرانی ماتر کے پریم کی شرط پر اہنسا کا راجیہ ہوا۔ لیکن افسوس بعد میں انسان اور درندے اس عہد پر قائم نہ رہے۔ ہاں

گائے گھوڑا وغیرہ اب تک اس عہد پر قائم ہیں۔ پس یہ باہمی تعاون مسلمہ اصول ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں تعاون کا لفظ ہے۔ جو گوشت خوروں کے ظلم اور زیادتی کو گناہ کبیرہ کی ذیل میں لاتا ہے۔ تیسری آیت میں کہا ہے۔

"حرام کیا گیا تم پر مردار۔ خون۔ سوٴر کا گوشت۔ غیر اللہ پر نامزد شدہ۔ گلا گھٹ کر۔ چوٹ سے۔ گر کر یا ٹکر سے مرا ہوا جانور۔ تیز درندے کا کھا جا بہ استثنائے اس کے جسے تم بچا لو۔ بتوں یا پرستش گاہوں پر ذبح شدہ اور تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یہ سب فسق یا گناہ ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے نا امید ہو گئے۔ مگر تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھ سے ہی ڈرو۔ آج تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت یعنی دہرم مریادا تم پر تمام کی اور تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب کیا۔ مگر جو شخص آپتی یا مخمصہ میں بیتاب ہو بغیر میلان گناہ کے۔ تو اللہ غفور اور رحیم ہے (١)

اس آیت میں اول تو سورۃ البقر میں بیان ہوا۔ عام اصول بتایا گیا ہے۔ کہ مردار اور خون حرام ہے۔ دوسرے لوگ جو عذر کر سکتے ہیں۔ ان سب کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ کوئی کہے کہ سور سے اور تعاون نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے مار کر کھا لیں تو کیا ہرج ہے۔ جو بتوں کے لئے نامزد کئے گئے بحیرہ وغیرہ نام والے اونٹ ہوں۔ ان سے بھی اور کام تو کوئی لینا ہی نہیں۔ لہذا مار کر کھا لینا ہی بہتر ہے۔ ایسا ہی ہمارے مارے بغیر کوئی گلا گھٹ کر۔ چوٹ کھا کر۔ گر کر یا ٹکر وغیرہ سے مرے۔ اسے کھا لینے میں گناہ کیا ہے۔ دیوی دیوتا پر جو بلی چڑھتی ہے۔ جب اور لوگ اسے مارنے کے ذمے وار ہیں۔ اور انہوں نے اسے کھانا ہے تو ہم بھی کیوں نہ اسے کھا لیں۔ ان سب کا جواب یہ ہے۔ کہ نہیں کسی طرح بھی مرے مردار حرام ہے۔ واقعی اگر کسی بھی ممکن طریق سے گوشت خوری کا جواز ہوتا۔ تو اوپر کی قسموں کی موت پر حیوانی گوشت کو حلال کرنے میں کوئی بھی رکاوٹ نہ تھی۔ یہ بھی سوال ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مرگ درندے کا شکار یا اس کی خوراک ہے۔ وہ درندہ اسے مار کر کھائے۔ اس سے کیا ہمارا کھا لینا اچھا نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ درندہ کا کیا ہوا شکار بھی تم کھا نہیں سکتے۔ وہ جانور تم پر حرام ہے۔ ہاں اگر تم اسے بچا لو۔ تو وہ تمہارے لئے حرام نہیں۔ لیکن اس کے حلال ہونے کا مطلب بھی یہ نہ ہوگا۔ کہ انسان کے کھانے میں وہ آوے۔ بلکہ پھر حلال کا مطلب وہی تعاون ہوگا۔ جو اوپر ذکور ہوا۔ کیونکہ حیوان کو کھانے کے کام میں لانے کی اجازت کہیں بھی نہیں آئی۔ سوائے مجبوری صورت کے اور وہ بھی خاص شرطوں کے ماتحت۔ آیت کے لفظ ہیں۔ مَا اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ اس کا ترجمہ یہ کیا جا رہا ہے۔ کہ جسے درندہ کھانے لگے۔ مگر تم اسے ذبح کر لو۔ یہ مفہوم سوائے انسان کی بھاری گراوٹ کے کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔ بھلا اس سے زیادہ انسان کی گراوٹ کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ درندوں سے چھینا جھپٹی کرنے لگے۔ اور ان کی خوراک کو اپنی خوراک

١۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ .... فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

بتادے یہ عمل پس انسان کو درندے کا بھی بڑا بھائی بنانے والا ہے جس کا تعلق محض گوشت خور مترجموں اور مفسرین کے دلوں سے ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے نہیں۔ آیت میں جو ذَکَّیْتُمْ کا لفظ ہے۔ اسے ذبح کرنے کے معنے میں لینا بالکل غلط ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۲۹۱ اپر اس کے متعلق یہ حوالہ دنیا ہے۔ ذکیتم۔ ذکا سے ہے۔ جو اصل میں آگ کے جلنے پر بولا جاتا ہے۔ اور ذکیت الشاۃ کے معنے ہیں۔ میں نے بکری کو ذبح کیا۔ گویا حرارت غریزی کا اخراج تذکیہ یعنی خون کے نکل جانے کا۔ اس لئے شریعت میں اسے جانور کو ذبح کرکے مارنے پر بولا گیا ہے۔ (غ) لیکن اس اقتباس کی اجتماع ضدین کی وجہ سے کچھ اہمیت نہیں ہو سکتی۔ معنے تو بتائے گئے ہیں۔ آگ کے جلنے کے۔ مگر مطلب پیش کیا گیا ہے۔ آگ کے بجھنے کا اور یہ غلطی محض گوشت خوری کی عادت کی طرفداری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ محض آگ کا جلنا بھی اس کے معنے نہیں۔ صراح میں لکھا ہے۔ برافروختن وتیز کردن آتش یعنی آگ کا جلانا اور تیز کرنا۔ پس حرارت غریزی کا اخراج نہیں۔ بلکہ اس کا جلانا اور تیز کرنا ہی شرط تذکیہ ہے۔ اور شرط پوری اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ اگر گائے یا اور جانور شیر۔ چیتے یا بھیڑیئے کا شکار ہو رہا ہو۔ تو بہادر کھشتری عین وقت پر شیر کو مار کر گائے کو بچائے۔ اور جہاں ناخن وغیرہ لگے ہوں۔ ان زخموں کا علاج کرے۔ اور گائے کی کم ہوتی ہوئی حرارت غریزی کو اچھی سے اچھی دوا و غذا سے بڑھائے۔ ایسا کرنے پر وہ گائے سے جسے اس نے بچایا ہے۔ اپنے مفاد لینے کا پورا پورا حقدار ہے صراح مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۵۳ ۴ پر لکھا ہے۔

ذکو۔ ذکا۔ بالمد۔ تیزی خاطر۔ یقال منہ ذکی الرجل فہو ذکی۔ وعمر و زندگانی یقال بلغت الابنۃ الذکاء گویا صاف مفہوم جانور کی عمر اور زندگی بڑھانے کا ہے۔ جو انسان کو جانور کا محافظ و مالک بناتا ہے۔

"ان تستقسموا بالازلام" یعنی یہ بات بھی حرام ہے۔ کہ تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرو۔ اس کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ مشترکہ گوشت کو قرعہ اندازی سے بانٹنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بعض نے یہ تاویل گھڑلی ہے۔ کہ عرب میں یہ رواج تھا۔ کہ تیر مار مار کر گوشت کو تقسیم کرتے تھے۔ لیکن جب گوشت کو کھانے کی اجازت ہی کہیں نہیں۔ تو اسے بانٹنے کے معنے کیا۔ اور جب مضمون حرام اور حلال کا چل رہا ہے۔ تو گوشت کی تقسیم کا یہاں تعلق کیا۔ پس مطلب یہ ہے۔ کہ احرام سے باہر آنے پر شکار کرنے کی اجازت تو دی۔ مگر غرض محض درندہ حیوانوں سے دوسروں کی حفاظت کرنا ہے۔ اس لئے شکار کرکے مار دینا کافی ہے۔ جب مردہ ہو گئے۔ تو پھر تیر مار مار کر ان کے ٹکڑے اڑانا بالکل بیہودگی ہے۔ اگر شکار گوشت خوری کے لئے مقصود ہوتا۔ تو یہ مناہی کبھی نہ ہوتی۔ کیونکہ گوشت کھانے کے لئے مردہ جانور کا ٹکڑے ٹکڑے کرنا لازمی ہے۔

غرضیکہ ہر پہلو سے گوشت کی مناہی قرآن مجید میں موجود ہے۔ سوامی دیانند نے لکھا۔ کہ شکار اس لئے نہیں کہ گوشت کھایا جاوے۔ اور سوال ہونے پر بھی کہا۔ کہ اگر کوئی شکار کئے جانور کا گوشت کھالے۔ تو اس کا بھی سوبھاؤ درندوں کا سا ہو جائیگا۔ سو یہی مدعا قرآن مجید کا ہے۔ کہ درندوں کا شکار تو ہو۔ مگر اس کے آگے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا داخل فسق ہے۔ مطلب یہ کہ گوشت خوری کا موقعہ ہی نہیں آسکتا یہ قانون پیش کرکے آنحضرت آگے فرماتے ہیں۔ کہ آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہوئے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ ہر طرف گوشت خوری کی دلدادگی

پاک وہ سمجھتے ہیں۔ یہ مناعی لوگوں سے بڑی سخت گیری سمجھی جائے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ لوگ اسلام میں آنے سے ہچکچائیں گے۔ کیونکہ گوشت کی عادت کا چھوٹنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اصول اور سچائی کا پاس انہیں مجبور کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کچھ پرواہ نہیں۔ ان لوگوں سے کیا ڈر خدا فرماتا ہے مجھ سے ہی ڈرو۔ یہ لفظ پیش کرکے آپ مزید فرماتے ہیں "آج تمہارا دین تم پر کامل کیا جاتا ہے" واقعی ویدشاستر میں اہنسا کو سب سے اعلےٰ اور مقدم فرض بنایا ہے۔ بغیر اس کے دین کے کچھ معنے نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت انتہائی جوش و خوشی سے یہ مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ آج سچے دین کی اعلےٰ ترین نعمت کے کمال کا تم پر نزول ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی اہنسا کی بدولت دین حق متصل درگاہ الہٰی اور منتخب روزگار کہلا سکتا ہے۔

آیت کے اخیر میں جو یہ کہا۔ کہ مجبوری صورت میں زندگی بچانے کے لئے گوشت کا استعمال قابل درگذر ہے اس کا صاف مدعا یہ ہے۔ کہ مستقل اور مضبوط قانون تو یہی ہے۔ کہ کوئی انسان گوشت کا استعمال نہ کرے۔ استثنےٰ ہر قاعدے میں ہو سکتی ہے۔ اور اس کا ذکر عام قاعدے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سو یہی کچھ یہاں ہوا ہے۔ اگر اوپر کی آیت کے کسی لفظ سے کوئی مفسر گوشت کھانے کا مطلب لیتا ہے۔ تو وہ محض غلط ہی ہو سکتا ہے۔ مجبوری صورت کی اجازت اوپر بیان شدہ سارے عام حالات میں مخالفت کو ہی ثابت کرتی ہے۔ بالخصوص یہ شرط کہ مجبوری صورت میں بھی اہنسا کا تعلق دل سے نہ ہو۔ تو حسب قول نیت پر مراد۔ مصیبت میں مبتلا آدمی بھی اس کے استعمال سے گنہگار نہیں ہوگا یہ ویدک اہنسا کے مفہوم کی صحیح ترجمانی کا بین ثبوت ہے۔

ایفائے عہد ترک ایذا کا خیال دلانے، ہر چیز کے متعلق مناسب برتاؤ کا اصول بیان کرنے اور حرام کی واضح تشریح پیش کرنے کے بعد سوال ہوتا ہے کہ حلال کیا کچھ ہے۔ اس کا جواب آیت نمبر ۴ میں ہے۔

(اے پیغمبر) لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا کیا ان کے لئے حلال ہے۔ تم کہو۔ کہ سب پاک چیزیں تم پر حلال ہیں یعنی وہ چیزیں جو اپنی جسمانی قوتوں کی خدا سے ملے ہوئے علم کی رہنمائی میں تربیت و ترقی ہونے پر تمہارے علم میں پاک معلوم ہوں۔ پس وہ چیزیں کھاؤ۔ جن سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ اور ان پر خدا کی یاد کرو۔ اور اللہ کا خوف رکھو۔ کیونکہ خدا سریع الحساب یعنی حساب کرنے میں تیز ہے۔ (۱)

یہ یجروید ادھیائے اکے پہلے منتر کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اس میں صاف کہا ہے۔ کہ دنیا میں اصل کمائی کرنے کے لئے اول ذریعہ تمہاری اندرونی بیرونی سب طاقتیں ہیں۔ یعنی انتش کرن (اوزار اندرونی) پانچ گیان اندریاں۔ پانچ کرم اندریاں دوسرا ذریعہ ہے۔ ایشور جس کے دیئے ہوئے علم سے تمہیں تمام عملوں کے لئے صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ تیسرا ذریعہ ہے۔ سریشٹ تم یعنی انتہائی نیک کاموں میں ان علمی اور جسمانی طاقتوں کو لگانا اور حلال کی کمائی حاصل کرنا۔ ہو بہو یہی کچھ آیت زیر بحث میں کہا جا رہا ہے۔ لیکن مترجمین مفسرین نے مفہوم کو بالکل بدل

۱۔ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ ٱلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ ٱللَّهُ ۖ فَكُلُوا۟ مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَٱذْكُرُوا۟ ٱسْمَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ۝

اور مضر بنا دیا ہے۔ عموماً اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔

اے پیغمبر! لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا کیا چیزیں ان کے لئے حلال ہیں۔ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کردی گئی ہیں۔ اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لئے سدھا رکھے ہوں۔ اور (شکار کا طریق) جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے تم نے نکال لیا ہے۔ انہیں سکھا دو۔ تو جو کچھ وہ (شکار پکڑلیں اور) تمہارے لئے بچائے رکھیں۔ تم اسے (بے کھٹکے) کھا سکتے ہو۔ مگر چاہیئے کہ (شکاری جانور چھوڑتے ہوئے) خدا کا نام لے لیا کرو۔ (جس طرح ذبح کرتے ہوئے لے لیا کرتے ہو) اور (ہر حال میں) اللہ کی نافرمانی (کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ (یاد رکھو) اللہ (اعمال کا حساب لینے میں) بہت تیز ہے۔ (ترجمان القرآن جناب ابوالکلام احمد صاحب)

دیگر ترجموں میں لفظی فرق اس سے بہت ہے۔ مگر اصولاً مطلب سب کا وہی ہے۔ جو اوپر کے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کسی بھی اس وقت تک کی تفسیر کو پڑھو۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام اور گوشت خوری کا اٹوٹ تعلق ہے۔ ان کو الگ کرنے کا خیال بھی بالکل غیر مانوس یا اجنبی سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس پہلو میں اسلام کو نہایت ذلیل کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ خط وحدانی میں اس کثرت سے الفاظ ایزاد کرکے کسی خاص مفہوم کو پیش کرنا بذاتِ خود ترجمہ کو مشتبہ بنانے کا موجب ہے۔

دوم شکاری جانور کا لفظ جوارح مکلبین کے لئے رکھنا بھی محض یہی ثابت کرتا ہے۔ کہ مترجمین اصلیت کو سمجھ نہیں سکے۔

جوارح جمع ہے جارحۃ کی اور اس کے معنے ہیں "اندامہائے مردم کہ بدان کار کنند" (صراح جلد اول صفحہ ۱۲۹) یعنی انسانی جسموں کے عضو جن سے انسان کام کرتا ہے۔ بعض لغتوں میں شکاری جانور اور انسانوں کے کام کرنے کے عضو ہاتھ پاؤں وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو انسان کے کام کا ذریعہ جہاں آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ حواس خمسہ یا گیان اندریاں ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کی پانچ کرم اندریاں۔ وہاں دل عقل وغیرہ کی اندرونی طاقتیں سب بیرونی اعضا سے بڑھ کر کام کر رہی ہیں۔ اور آلۂ تنفس یعنی پران کا کام بھی جاری ہی جاری رہتا ہے۔ پس جوارح سے اصل اور صحیح مفہوم کل اندرونی اور بیرونی اوزاروں کا لینا چاہیئے۔ اور اگر مزید غور سے کام لیں۔ تو یہ لفظ یجروید کے پہلے منتر میں واقعہ شدہ वायव: وایوہ لفظ کا ہی قائمقام ہے۔ وایو کا گن ہے سپرش یعنی چھونا۔ چونکہ انسانی انتش کرن کی من بدھی وغیرہ طاقتوں نیز پران اور گیان و کرم اندریوں کی ساری طاقتوں کا دنیا کے کل پدارتھوں سے تعلق یا سپرش ہوتا ہے۔ عقل باریک مضامین کو چھوتی ہے۔ دل میں تمام اعضا کے متعلقہ کاموں کی کلید ہے۔ آنکھ روپ کو دیکھتی ہے۔ آواز کان سے سنی جاتی ہے۔ وغیرہ اس لئے مہرشی دیانند نے اپنے بھاشیہ میں وایوہ لفظ سے پران۔ انتش کرن اور اندریاں یعنی کل اندرونی بیرونی طاقتیں مراد لی ہیں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ چھونا محض چمڑے یا توچا کا گن ہے۔ لہٰذا تمام اعضا پر اس وایوہ لفظ کا اطلاق صحیح نہیں ہوسکتا۔ لیکن ویدک الفاظ کی صفت کثیر المعانی کی وجہ سے ہر صفت کا وسیع تعلق ہوتا ہے۔

اور کل زبانوں میں چھونے کی صفت کو وسیع معنوں میں اب تک لیا جاتا ہے۔ اگر کسی پروفیسر کو جیوتش ودیا پر خاص مضمون لکھنے کو کہا جاوے۔ اور وہ جیوتش جانتا نہ ہو۔ تو وہ یہی کہیگا۔ Sorry I am not in touch with the subject. افسوس مجھے اس مضمون کا علم نہیں۔ یا مجھے اس سے مس نہیں۔ پس عقل کے کام کو باریک مضامین سے ٹچ کرنا انگریزی میں اور مس ہونا اردو فارسی وغیرہ میں مانا گیا ہے۔ اور اس نکتہ کو سمجھنے پر دایوہ شبد اور جوارح کے صحیح مفہوم کی مطابقت کا علمی طور پر تیقن ہونا لازمی ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ جوارح کے معنے شکاری جانور کرنا محض ناقص ترجموں کے مروج ہونے پر منحصر ہے۔

مکلبین کلب سے مشتق ہے جو دراصل حرص کا مفہوم رکھتا ہے۔ کتے کو بھی حرص میں ضرب المثل ماننے کی وجہ سے ہی کلب کہا جاتا ہے۔ نفسانی یا شہوانی جذبات کے دلدادہ آدمی کو کتا کہا جاتا ہے۔ اور ایسی عورت کو کتیا۔ لیکن مکلبین کے معنے لغت میں ہیں صید آموزندۂ سگ یعنی کتے کو شکار سکھانیوالا۔ پس جوارح مکلبین کے معنے کتے کو شکار سکھانے والے شکاری جانور یا اعضائے جسمانی ہیں شکاری جانور یا شکاری کتا کا لفظ ترجمہ میں نہیں آ سکتا۔ لیکن بہ فرض محال اسے صحیح مان لیں تو شکاری جانوروں یا کتوں کو سدھانے کا علم یا طریق کیا ہے۔ یہ بھی قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں اس لئے ترجمان القرآن میں اس کے متعلق محض یہ کہہ دیا ہے۔ کہ "جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے" لیکن اس پر اعتراض ہوتا تھا۔ کہ کیسا کچھ خدا نے اور کس کو سکھا دیا ہے اس کا جواب مع ثبوت دیا جانا محال تھا۔ اس لئے خط وحدانی میں اس کو ان الفاظ سے واضح کیا گیا۔ کہ "خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے جو طریق تم نے نکال لیا ہے" گویا شکار کا طریق خدا کا بتایا نہیں۔ انسان نے خود نکالا ہے۔ مگر مترجم صاحب اس ایجاد کو خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت کا نتیجہ ہونے سے خاص وزن دیتے ہیں لیکن عقل اور ذہانت ہر شخص کی خدا کا ہی عطیہ ہے۔ اگر اس سے انسان خود شکار کا علم اور طریق ایجاد کر سکتا ہے تو الہام الہی کی ضرورت کیا ہے سارے علوم انسان خود عقل سے نکال لیگا۔ اگر عقل اور ذہانت میں اس علم کو بھی شامل سمجھیں تو لٹے شکار کے ایجاد شدہ علم و طریق کی طرح چوری۔ ڈاکہ۔ زنا وغیرہ کے سب طریقوں کو یہی اہمیت دینی پڑیگی۔ کیونکہ یہ بھی اسی عقل و ذہانت کی ہی پیداوار ہے۔ جب تک انسانی عقل و ذہانت کے نتائج کلام الہی کی کسوٹی پر پورے نہ اتریں۔ تب تک انہیں جائز ناجائز کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ پس شکار کا مروجہ طریق جب تک قرآن میں مذکور یا اس کے مطابق ثابت نہ ہو۔ تب تک مترجمین کا کوئی حق نہیں۔ کہ اپنی طرف سے خط وحدانی میں لفظ ایزاد کر کے اپنے رواج کی تائید کی طرف الفاظ آیات کو کھینچیں اس قسم کے اشارات کی روشنی سے اصل حقیقت یہ عیاں ہوتی ہے۔ کہ جوارح محض دایوہ شبد کی جگہ انسان کی کل کام کرنے کی طاقتوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ کل طاقتیں اپنے اپنے وشے کے پیچھے ماری ماری پھرتی ہیں۔ آنکھ روپ کی حریص ہے۔ کان ہر کہیں آواز کے پیچھے مست ہوتا ہے۔ زبان سے ذایقہ دار چیز کے سامنے آتے ہی پانی بہہ آتا ہے۔ اس لئے جوارح کے ساتھ مکلبین لفظ بطور اس کی صفت کے لانا عین موزوں تھا۔ اور اس کا صحیح ترجمہ محض یہی ہو سکتا ہے۔ کہ دنیوی سامانوں کے پیچھے ماری ماری پھرنے والی انسانی طاقتیں یعنی اندریاں وغیرہ

تیسری بات قابل اعتراض ترجمہ زیر بحث میں یہ ہے۔ کہ "خدا کا نام لے لیا کرو"۔ سے پہلے خط وحدانی میں لکھ دیا ہے۔ شکاری جانور چھوڑتے ہوئے اور بعد میں لکھ دیا ہے۔ "جس طرح ذبح کرتے ہوئے لے لیا کرتے ہو"۔ قرآن میں کہیں ہدایت نہیں۔ کہ حیوان کو ذبح کرنے پر خدا کا نام لو یا خدا کا نام لینے سے ذبیحہ یا مردہ جو شرعاً حرام ہے۔ حلال ہو جاتا ہے۔ یا اس کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ ہاں یہ ہدایت ہے۔ کہ خدا نے جو تمہیں پاک رزق دیا ہے یا ایسے مفید جانور۔ ان کی وجہ سے بطور شکر گذاری اس کا نام لو۔ مگر گناہ یا ہنسا کے کام میں خدا کا نام لینا بھی داخل گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے برائی کے لئے جُرأت پیدا ہوتی ہے۔

چوتھی غلطی مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ۰ کے ترجمہ کی ہے۔ جو کچھ وہ (کتے) پکڑ یا بچا رکھیں۔ کھالو۔ اول تو ذبح کرتے ہوئے خود انسان خدا کا نام لے تو بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی ذبیحہ ممنوع مردار ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ مان لینا کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لینے سے بھی شکار والا گوشت حلال ہو جاتا ہے۔ اور بھی سخت غلطی ہے۔ کتا نہ خدا کے نام کو سمجھتا ہے نہ کتے کے کئے شکار تک اس نام کا کوئی اثر پہنچتا ہے۔ ماسوائے اس کے امسکن لفظ کا پکڑ رکھنے سے تعلق نہیں۔ تمام لغتوں میں متفقہ طور پر اس کا مادہ سکن سکون ہے بمعنے تسکین و آرام۔ گوشت جذبات کو بھڑکانے والی غذا ئے ہے۔ تسکین قلب و امن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور شکار کو پکڑنا وغیرہ کا مطلب ادا کرنا ہوتا تو حبس وغیرہ کا لفظ موزوں ہوتا۔

اس طرح جہاں یہ ترجمہ صریحاً غلط ہے۔ وہاں آخری الفاظ آیت میں خدا کا اور اس کے سریع الحساب ہونے کی صفت کا جو خوف دلایا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی ہدایت اخذ ہوتی ہے۔ کہ خوراک کے متعلق کسی بُرے عمل کا دخل نہ رہے۔ چہ جا کہ پرہیزگاری کے منافی عمل کسی جاندار کو مارنے کا کیا جاوے۔

پس صحیح ترجمہ جو ہر قسم کے اعتراض سے بری ہو محض یہ ہے۔

تجھ سے سوال ہو کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے۔ تو کہہ دو۔ کہ تمہارے لئے سب طیب یعنی پاک یا ساتوک چیزیں حلال ہیں۔ یعنی وہ جو دنیوی سامانوں سے تعلق رکھنے والی جسمانی قوتوں سے تمہارے علم میں آویں۔ بشرطیکہ انہیں خدا سے ملے ہوئے علم سے تم نے تربیت دی ہو۔ سو وہ کچھ کھاؤ۔ جس سے تمہیں تسکین یا آرام ملے۔ اور ان کی وجہ سے خدا کی یاد یعنی اس کا شکر کرو۔ اور اللہ کا خوف کرو۔ یقیناً وہ سریع الحساب یا نقد حساب والا ہے۔ علمی عقلی۔ اخلاقی اور دینی غرضیکہ ہر لحاظ سے یہ ترجمہ معقول اور لغات کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ اور یجروید کے پہلے ہی منتریں جو اش اور اورج کی پراپتی کے ذریعے بتائے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا فدیہ جو بنایا ہے۔ اس کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ یعنی کل جسمانی طاقتوں کو پرمیشور کے گیان کے مطابق اعلےٰ ترین نیک عملوں میں لگانا۔ یا ان سے حق حلال کی کمائی کمانا۔ واقعی بغیر صحیح تربیت یا ایشوری گیان کی رہنمائی کے انسان کی طاقتیں ناپاک کمائی کی طرف ہی مائل ہوتی ہیں۔ پانچویں آیت میں خوراک کے متعلقہ شریعت کو ایک اور ہی گر سے واضح کیا ہے۔

آج تمہارے لئے ساتوک یا پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ یعنی جو کتاب الہی والے یا ویدک دھرمی

ہیں۔ ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا ان کے لئے (۱)
یہ کسوٹی واقعی معرکہ کی ہے۔ قدیم کتاب والوں کے لئے محض آن پھل اور دودھ حلال ہے۔ اہنسا اُن کے لئے پرم دہرم ہے۔ پس جو کچھ آریہ لوگوں کے لئے حلال وہی مسلمانوں کے لئے حلال اور جو مسلمانوں کے لئے حلال وہ آریوں کے لئے۔ اس آیت کے باقی حصہ میں ناطہ رشتہ کی بھی ویدک دہرمیوں سے اجازت ہے۔ واقعی اگر گوشت خوری کی بدعت حائل نہ ہوتی۔ تو آریہ (ہندوؤں) اور مسلمانوں کا کھانا پینا بالکل ایک ہوتا۔

آدم کے دو بیٹوں کا قصّہ

سورۃ المایدہ۔ رکوع ۵۔ آیت ۱ تا ۳ میں آدم کے دو بیٹوں کا قصّہ بیان کیا گیا ہے۔
ان کو آدم کے دو بیٹوں کے صحیح صحیح حالات سنا دو۔ انہوں نے قربت الٰہی کے لئے نیازیں چڑھائیں۔ ایک کی نیاز قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ تو اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کر دونگا۔ اس نے کہا۔ اللہ صرف پرہیزگاروں کی نذر قبول کرتا ہے۔ ۲۔ اگر میرے قتل کے لئے تو مجھ پہ ہاتھ بڑھائے گا۔ تو بھی میں تجھ پر تیرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھانے کا نہیں۔ یقیناً میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ جو جہانوں کا رب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں۔ کہ تو میرے (قتل کے) اور اپنے (جانوروں کے مارنے کے) گناہ سے باز رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو دوزخ کا حق دار بنے۔ کیونکہ یہی ظالموں کی سزا ہے۔ ۳۔ مگر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر ہی ڈال کیا۔ اور وہ اسے قتل کر کے خود زیاں کار بن گیا۔ ۴۔ (۲)
دیگر مفسرین کے ترجمے ہم سے مختلف ہیں۔ مگر یہاں اختلاف ترجمہ پر بحث ہونا مناسب نہیں۔ ہاں تفسیر آیات میں ہی اس امر کی توضیح کافی ہے۔ ایسے ہی آدم جب آغاز عالم والے سب انسانوں کے لئے ہے۔ تو ایک آدم کے دو بیٹے کہنے کا کیا مطلب۔ اس عقدہ کو بھی تفسیر میں ہی کھولا گیا ہے۔ یہاں نفس مضمون سے محض اتنا تعلق ہے۔ کہ ایک کی نیاز قبول ہوئی۔ وہ کسان کی ان پھل کی نیاز تھی۔ اور دوسرے کی جو قبول نہ ہوئی۔ وہ جانوروں کے گوشت کی تھی۔ اس پر بھیڑ بکریوں والا اشتعال میں آ کر کسان بھائی کے قتل کے درپے ہوا۔ قرآن میں اس بیان کی یہ غرض ہے۔ کہ گوشت خور لوگ زود رنج اور بے رحم ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے پر دوسرا بھائی کہتا ہے۔ کہ بھائی میرا قصور کیا۔ خدا کا قانون ہی یہی ہے۔ کہ متقی یا دہرم آتماؤں کی نیاز قبول ہو۔ سو خدا نے میری نیاز قبول کی۔ تیسرا

۱۔ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ص
۲۔ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ

بات یہ کہی ہے۔ کہ اچھا اگر تو میرے قتل کو ہاتھ بڑھائے گا ہی۔ تو بھی اور میں تیرے قتل کو ہاتھ نہ بڑھاؤنگا یہ بردباری اور برادرانہ پریم و محبت کا جذبہ محض دیجیٹرین خوراک کا پھل ہے۔ یہ نصیحت اس بیان سے مقصود ہے۔ چوتھی بات قابل غور یہ آئی۔ کہ متقی شخص اپنے بھائی کی بھلائی کا خیال کسی وقت بھی نہیں بھولتا۔ یہی وجہ ہے کہ جان کے لالے پڑنے پر بھی وہ اسے سمجھاتا ہے۔ کہ جانوروں پر جو تم ظلم ڈھاتے رہے وہ بڑا بھاری گناہ ہے۔ اس پر مجھ اپنے بھائی کے قتل کا گناہ تمہارے سر چڑھیگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان گناہوں سے باز رہو۔ اور گناہ کے لازمی نتیجہ دوزخ سے بچو۔ پانچواں رمز یہ ہے۔ کہ گوشتخور اپنی بے رحمی کی ضد پر ہی قایم رہا۔ اور اپنے بھائی کو قتل کر کے ہی رہا۔ یہ ہے وہ سنگدلی جو گوشت خوری سے پیدا ہوتی ہے۔ بائبل میں یہ قصہ قائین اور ہابیل کے نام سے لکھا ہے۔ مگر اس میں مطلب بالکل اُلٹا ہے۔ یعنی کسان نے بھیڑ بکری کے چرواہے ہابیل کو مارا۔ کھیت کی پیداوار والی نیاز قبول نہ ہونے پر وہ مشتعل ہوا تو خدا نے قائین کو کہا۔ کہ تجھے غصہ کیوں آیا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا۔ یہ دونوں باتیں عجیب ہیں۔ اہنساوادی خونخوار کو مارے یا غصے میں آوے۔ اور خونخوار بردبار بنا رہے۔ ساتھ ہی خدا ان پھل والی نیاز کے متعلق کہے کہ اچھا نہیں کیا۔ خدا کا تو قانون ہی یہ ہے۔ کہ ان پھل ہی انسان کھائے۔ اور نیز یہ کہ انسان بیگناہ انسانوں کو مارے نہیں۔ کتاب پیدائش باب ۱۔ آیت ۲۹۔ خدا نے کہا دیکھو میں ہر ایک بیج دار نباتات کو جو تمام روئے زمین پر ہیں۔ اور ہر ایک درخت کو جس میں بیج دار پھل ہوں۔ دیتا ہوں۔ یہ تمہیں کھانے کے واسطے ہوگا"

نہ صرف انسانوں کے لئے دیگر جانداروں کے لئے قانون الٰہی کے مطابق نباتات ہی کھانے کے لئے ہے۔ چنانچہ آیت ۳۰ میں ہے۔

"اور زمین کے سب چرندوں اور آسمان کے سب پرندوں کو اور سب کو جو زمین پر رینگتے ہیں جن میں زندگی کا دم ہے۔ سب طرح کی سبزی ان کے کھانے کے لئے دیتا ہوں" پہلے ہی صفحہ یا ورق پر خدا اپنا یہ قانون بنا کر دوسرے ہی صفحہ پر کھیت کی نیاز کو قبول نہ کرے۔ ایسا بیان اجتماع ضدین کا مقام ہے اور خدا سے اس کے سرزد ہونے کا امکان قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ نہ صرف یہ موسوی شریعت کے مشہور دس احکام میں سے ایک حکم یہ ہے "خون مت کر" یہ استثنا تک کہیں نہیں۔ کہ خدا کی قربانی کے لئے خون کرنا حلال ہے۔

مسیح کے الفاظ بھی صاف ہیں۔" تو گوشت نہ کھاوے اور شراب نہ پیوے۔

زبور $\frac{50}{13}$ میں ہے۔" میں تیرے گھر کا بیل نہ لوں گا۔ نہ باڑے کا بکرا۔ کہ جنگل کے سب جاندار میرے ہیں۔ اور کوہستان کے حیوانات ہزار ہا ہزار۔ میں پہاڑ کے سارے پرندوں سے آگاہ ہوں اور وحشی چرند میرے ہیں۔ اگر میں بھوکا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ کیونکہ جگت اور جو کچھ اس میں ہے۔ سو میرا ہے"۔ ایسا ہی خدا فرماتا ہے۔ میں جانداروں کو جانتا ہوں۔ وہ سب میرے ہیں۔ انسان کون ہے جو مجھے ان جانوروں کو دیوے"۔ دوسری جگہ زبور میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا میں گوشت کھاتا ہوں یا لہو پیتا ہوں"۔

پس توریت زبور انجیل سب کے روسے جانوروں کی نیاز خدا کے حکم کے خلاف اور غیر ضروری ہے۔ اور یہ دلیل واقعی زبردست ہے۔ کہ اوّل تو خدا کسی چیز کا بھوکا نہیں ہوتا چہ جائیکہ گوشت کا بھوکا ہو۔ دوسرے اگر بفرض محال ایسی ضرورت لاحق ہو تو وہ انسان کو کیوں کہے۔ خود جو چاہے کھائے۔ سب کچھ اسی کا اور اس کے قبضے میں ہے۔ وہ انسان کو کھلانے والا اور اس کا داتا ہے نہ کہ اس کا محتاج۔ یشعیاہ نبی کے کلام میں اور بھی زور سے اس پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے۔

"تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کون کام۔ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانی اور فربہ بچھڑوں کی چربی اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکریوں کا لہو نہیں پیتا ہوں۔ جب تم دعا مانگو گے۔ تو میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ تو لہو سے بھرے ہیں"۔

پس قائین کسان کا کھیت کی پیداوار والا ہدیہ خدا قبول نہ کرے۔ یہ بیان ہر لحاظ سے خدا کے اٹل قانون اور توریت زبور اور انجیل کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اگر یہ کسی طرح بے ضرر مفہوم پیش کر سکتا ہے۔ تو وہ محض یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ قائین باوجود کسان ہونے کے پرہیز گار نہ ہو۔ اور وہ گوشت وغیرہ کھاتا ہو۔ اور ہابیل باوجود بھیڑ بکری کا چرواہا ہو۔ کے گوشت نہ کھاتا ہو۔ اور پرہیز گار ہو۔ اس لحاظ سے بھیڑ بکری کو چرانے کی خدمت کا ہدیہ واقعی قابل قبول ہو سکتا ہے۔ غرایب القرآن میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے جو حاشیہ آرائی کی ہے۔ اس سے بھی یہی تاویل مترشح ہوتی ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ ہابیل نے جو یہ کہا۔ کہ خدا پرہیز گاروں کی نذر قبول کرتا ہے۔ اس سے اس کی یہ غرض نہ تھی۔ کہ میں پرہیز گار ہوں۔ بلکہ یہ جتانا مقصود تھا۔ کہ تمہاری نیاز جو قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ تم ہی سے پرہیز گاری کے خلاف کوئی بات سرزد ہوئی ہو گی جس کی وجہ سے خدا نے تمہاری نیاز قبول نہیں کی"۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ گوشت کی نیاز والے کو پرہیز گار کہنا قرآن سے منسوب نہیں ہو سکتا نیز یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ کسان کی نیاز قبول نہ ہو۔ اس لئے آپ نے پرہیز گاری کو تو ہابیل سے علیحدہ کیا۔ اور پرہیز گار قائین میں کسی خاص اور غلطی کا امکان کہا۔ لیکن یہ صرف قیاسی تاویل ہی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کا مضمون اہنسا برت کا چل رہا ہے۔ اور اس اصول کی مثال میں محض اسی کے خدا سے مقبول ہونے کا بیان آ سکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ترجمے اور اس کے مفہوم سے عین یہی مطالبہ نہایت عمدگی سے پورا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ بائیبل اور قرآن کے اس اختلاف کا فیصلہ کیسے ہو۔ سو قرآن کی یہ پوزیشن ہے کہ توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ یعنی اس میں حروف اور معنی کو بدلا گیا ہے۔ چنانچہ رکوع ۳ آیت ۲ میں ہے "سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انہیں لعنت کی۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلموں کو اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ اور جو نصیحت ان کو کرنی مقصود ہے۔ اسے بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے خیانت کے عمل کی آپ کو آئے دن اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔ جو بہ استثنائے چند شخصوں کے ان سے سرزد ہوتا رہتا ہے (۱)

۱۔ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ .... إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

یہ ذکر بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں کا ہے۔ اگلی آیت میں نصاریٰ کے متعلق یہی بیان ہے۔ کہ انہوں نے بھی نصیحت کے متعلقہ عہد کو بھولا۔ اس لئے ان میں بھی باہمی بغض پھیلا جو اس وقت تک جاری رہیگا جب تک اتحاد قائم نہیں ہوتا۔

پس قرآن کی تعلیم جو عین اصول کے مطابق ہے۔ بائیبل کی تحریر سے مختلف ہے۔ تو اس کی وجہ آنحضرت تحریف کو بتاتے ہیں۔ اور یہ ہے بھی ظاہر کہ نیاز قبول ہونے کے ساتھ قائین کی جگہ ہابیل اور قبول نہ ہونے کے ساتھ ہابیل کی جگہ قائین کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا صریح ثبوت یہ ہے۔ کہ بات الٹ گئی ہے۔ یعنی جس کو خدا ہر جگہ اچھا کام کہتا ہے۔ وہ برا بن گیا ہے۔ یعنی ان پھل کی نیاز جو طیب ہے نامنظور رکھدی ہے۔

ایک اور ثبوت بھی اس تحریف کا یہ ہے۔ کہ پیشتر اس کے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔ حسب قول بائیبل قائین نے اپنے بھائی ہابیل سے باتیں کیں۔ وہ باتیں کیا تھیں۔ بائیبل ان کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ لیکن قرآن میں وہ باتیں بھی لکھی ہیں۔ کہ اے بھائی تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو دیکھ میں تیرے قتل کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ تو میرے قتل کے اور اپنے دوسرے ہنسا کے متعلقہ گناہوں سے باز رہ کر دوزخ کے عذاب سے بچے۔ اب یہ باتیں محض شریف اور نرم مزاج اہنسا وادی کی ہی زبان سے نکل سکتی ہیں۔ اور وہ اہنسا وادی ان پھل والا قائین ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بائیبل میں بھی لکھا ہے۔ قائین نے اپنے بھائی سے باتیں کیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قائین کی ہی نیاز قبول ہونے پر ہنسا وادی ہابیل کو حسد آیا یا وہ مشتعل ہوا۔ گویا ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے کے مصداق خود بائیبل میں ہی ثبوت موجود ہے۔ کہ اس میں تحریف ہوئی۔ اور قرآن میں آنحضرت نے واقعی تحریف کا اعلان بالکل صحیح کیا ہے۔ اور قائین نے جو بات کہی وہ صحیح لکھی ہے بائیبل میں اگر وہ بات اب نہیں ملتی۔ تو یہ صریح ثبوت اس بات کا ہے۔ کہ تحریف کرنے والوں نے اس سے راز افشا ہونے کا گمان کیا۔ کیونکہ وہ بات اہنسا وادی کی زبان کو ہی زیب دے سکتی ہے۔ پانچویں رکوع کی پہلی ہی آیت میں کہا ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ۔ تو انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح سنا دے۔ یہ الفاظ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بائیبل میں تحریف ہونے پر اصل بات غلط طور پر بیان ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے "بِالْحَقِّ" کا لفظ ساتھ بڑھا دیا

سزائے قتل

دنیا میں قتل عمد کے جرم میں پھانسی کی سزا ہر مہذب سرکار سے ملتی ہے۔ قرآن اس کی تہ میں ایک خاص اصول بتاتا ہے۔ کہ آدم کے بیٹے نے دوسرے کو بلا وجہ قتل کیا۔ اس وجہ سے بنی اسرائیل پر یہ قانون حاوی ہوا۔ کہ جو بغیر معاوضہ کسی قتل کے یا ملک میں کسی فساد کے پھیلنے کے کسی کو قتل کرتا ہے۔ وہ گویا تمام انسانوں کو[1]

[1] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا...... وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

قتل کرتا ہے۔ اور جو کسی شخص کو بچاتا ہے۔ وہ گویا سب انسانوں کو بچاتا ہے۔
ان الفاظ میں آنحضرتؐ ہر انسان کو کل انسانی جماعت کا نمائندہ مانتے ہیں۔ اور بلاوجہ ایک انسان کا خون کرنیوالا کل انسانی جماعت کی بے قدری یا قتل کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس کو انسانی جماعت سے منقطع کر دینا چاہیئے۔ یہی پھانسی یا قصاص ہے۔ اور اسی کو سورۃ البقر میں انسانوں کی زندگی کہا ہے۔ اگر قصاص نہ ہو۔ تو ایک ہی آدمی سب کی زندگی کو موت سے بدل سکتا ہے۔
اسی مضمون کو رکوع ۷، آیت ۲ سورۃ المایدہ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔
ہم نے ان پر (توریت میں) یہ قانون بنا دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور ایسے ہی زخموں کا بدلہ ہے (۱)
قصاص کی تہ میں جو اصول کام کرتا ہے۔ اس کے مطابق ایک انسان کا قاتل اصولاً تمام انسانی جماعت کا قاتل ہے۔ تو ایک حیوان کا قاتل بھی درحقیقت کل حیوانی دنیا کا قاتل ہے یا ایک گئو کا قاتل کل گئو کی جاتی کا اور ایک اونٹ کو ذبح کرنیوالا کل اونٹ جاتی کا گھاتک ہے۔ اور اپنے ہم جنسوں کو ان فوائد سے محروم کرنیوالا جو اس حیوان کے ذریعے قدرتاً انہیں ملتے تھے۔ پس گوشت خور انسانی جماعت کے دشمن اور قابل سزا ہیں۔

شرط اعتدال و پرہیزگاری

رکوع ۱۲۔ آیت ا و ۲ میں کہا ہے۔ اے اہل ایمان! خدا نے جو طیب (ستوک) چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں۔ ان کو حرام مت کرو۔ ہاں بے اعتدالی سے کام نہ لو۔ کیونکہ خدا حد توڑنے والوں سے پیار نہیں کرتا اور خدا نے جو چیزیں دی ہیں۔ ان میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۲)
ان آیتوں میں ان لوگوں کو جو خاص حلال چیزوں کے نہ کھانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ ہدایت دی ہے۔ کہ یہ عمل صحیح نہیں۔ لغو قسموں کا کیا مطلب خدا کی دی ہوئی نعمت کی بے قدری کرنا گناہ ہے۔ کوئی شلجم چھوڑ رے۔ کوئی پیاز تو یہ نکمے عہد ہیں۔ جب جس کی ضرورت ہو۔ انسان اندازے کے موافق اس کو کھائے۔ غذا مشروع

۱۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ
۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

ہونی چاہیئے۔ اور اپنے موافق اور اندازے سے زیادہ نہ لی جاوے۔ کیونکہ ہر موافق اور لذیذ شے بھی زیادہ مقدار میں صحت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ یہاں گویا اعتدال کی دو حدیں ہیں۔ اوّل حلال اور طیب چیزوں سے نفرت کرنا گوشت خوری کی عادت کا شکار ہو کر اور دوم حلال چیزوں میں مستغرق ہونا یعنی ان کی لذت میں پڑ کر اندازے کو بھولنا اور بیماریوں کا شکار ہونا۔ گوشت نہ حلال نہ طیب لہٰذا ممنوع ہی ممنوع ہے۔ آخری یا بارھویں آیت میں کہا ہے۔

جو لوگ حق کو قبول اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان پر ان چیزوں کے متعلق جو انہوں نے پہلے کھائیں کچھ الزام نہیں۔ اگر وہ آئندہ کے لئے ایمان لاتے نیک عمل کرتے نیز پرہیز گار بنے ہوئے حق کو مانتے ساتھ ہی خدا کا تقوےٰ رکھ کر نیکی کئے جاتے ہیں۔ بے شک اللہ نیک عملوں سے محبت کرتا ہے (۱)

اس آیت میں جہاں خدا کے خوف اور پرہیز گاری سے گوشت جیسی ممنوع شے سے باز رہنے کی ہدایت ہے۔ وہاں پہلی کفر کی حالت میں کھائے گوشت کے متعلق الزام دینے سے منع کیا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ وہ گناہ نہیں۔ اس طرح گویا نیت پر مدار ہے بے سمجھی میں ہوا۔ پر نیت سے نہیں تو گناہ کیسا جب وعظ حق سے خدا کا خوف دل میں اثر کر گیا۔ شریعت کو مان لیا۔ پرہیز گار بن گیا۔ نیک عمل کئے تو نیت تو نیک ثابت ہوگئی۔

شکار اور اس کا گوشت

رکوع ۱۳۔ آیت ۱ تا ۴۔ ۱۔ اے اہل ایمان! خدا شکار والی چیز کے متعلق تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزوں کی رسائی ہوتی ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے۔ کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ بس اتنے پر بھی جو خلاف حرکت کریگا۔ اس کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ ۱۔ اے اہل ایمان! حالت احرام میں شکار کو مت مارو۔ اگر کوئی عمداً مارے تو اس کا بدلہ ویسا ہی چوپایہ ہے۔ اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف کرینگے یہ ہدیہ کعبہ پہنچایا جائے۔ یا (اس کی قیمت کے مطابق) مسکینوں کا کھانا اس کا کفارہ ہے۔ یا اسی تعداد کے روزے رکھنا۔ تاکہ اپنی کرنی کا مزہ چکھے جو پہلے گذرا۔ وہ اللہ نے معاف کیا۔ پھر جو آگے ایسا کریگا اللہ اس کو اس کی سزا دیگا۔ کیونکہ اللہ غالب کل اور صاحب انتقام ہے۔ ۲۔ تمہارے لئے دریائی شکار حلال ہے۔ اور نیز کھانے کی دریائی چیز بھی جو تمہارے اور مسافروں کے لئے گویا توشہ ہیں۔ مگر خشکی کا شکار جب تک احرام میں ہو ممنوع ہے۔ اور اللہ کا خوف رکھو جس کی طرف تمہارا حشر ہونا ہے۔ ۳۔ (۲)

۱۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ ...... عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

ان آیات میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی ہے۔

اول۔ برّی شکار کی اجازت ہے۔ مگر حالت احرام میں جو عبادت کے مقدس فرض کے لئے وقف ہے۔ یہ ایذا رسانی کا عمل ممنوع ہے۔

دوم۔ بحری شکار حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ زمین پر تو شکار کرنے انسان نے خود جانا ہے۔ حالت احرام میں ممانعت ہونے سے نہ کوئی شکار کو جائے گا نہ اسے درندہ کا خطرہ ہوگا۔ لیکن دریا میں کشتی پر سفر کرتے ہوئے مگر کے حملہ کا خطرہ ہو۔ تو اس وقت بچاؤ یا حفاظت خود اختیاری کے لئے شکار کرنا ضروری ہے۔

سوم۔ گوشت شکار کا بھی کھانا ممنوع ہے۔ پہلی ہی آیت میں کہا ہے۔ کہ خدا تمہارا امتحان لے گا۔ کہ جس شکار تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچتے ہیں۔ اس تک کہیں تمہاری زبان تو نہیں پہنچتی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی اس خیال سے گوشت کھا لیوے کہ کون دیکھے اور کون سزا دینے والا ہے۔ لیکن آزمائش یہاں یہی ہے۔ کہ نظر نہ آنے والے خدا کا ڈر رکھا جاوے۔ جو ایسا نہ کریگا عذاب پائیگا۔ مطلب یہ کہ انسانی مفاد کے لئے موذی درندوں کا شکار ہو۔ گوشت ہرگز ہرگز نہ کھایا جاوے۔

تیسری آیت میں سمندری شکار کو حلال کہا۔ تو بھی اس کو کھانے کی اجازت نہیں دی۔ دریا یا سمندر پانی میں جو کھانے کی چیزیں سنگھاڑہ وغیرہ قسم کی ہیں۔ وہ حلال ہیں۔ یہ دو لفظ خاص غور کے قابل ہیں۔ اور قرآنی فصاحت وبلاغت کا ثبوت صید البحر و طعامہٗ (طعام البحر) یہ دریا میں پیدا ہونے والی چیزیں بھی مسافروں کے لئے توشہ ہیں۔ خشکی والے شکار کے ساتھ بھی کہیں اسے کھانے کا ذکر نہیں۔ ہاں خدا کا ڈر زور سے دکھا کر اس گناہ سے روکا ضرور گیا ہے۔

چہارم۔ حیوان کے قتل کی بھی سزا ملنی چاہئے۔ حتیٰ کہ حالت احرام میں درندہ حیوان کو جان بوجھ کر مارنے والے کو بھی وہی سزا لکھی ہے۔ جو چوپایہ مویشی کو مارنے والے کو ملنی چاہئے۔ اور اس کا فیصلہ دو منصف کریں۔ پس چوپایہ مویشی کا قتل قابل سزا اور گوشت خوری یقیناً ممنوع ہے۔

پنجم۔ اگر منصف فیصلہ دیں۔ کہ وہ فلاں مویشی جرمانہ میں دے۔ تو وہ ہدیہ کعبہ پہنچایا جاوے۔ اگر گوشتخوری کی اجازت ہوتی۔ تو شکار کیا گیا درندہ انسانوں کے کھانے کے کام آتا۔ سزا نہ ہوتی۔ لیکن درندہ کے قتل پر جرمانہ ہونا اور جرمانہ میں جو حیوان ملے۔ اسے بھی مار کر کھانا نہیں۔ بلکہ کعبہ پہنچانا لکھا ہے۔ اور اگر منصف فیصلہ دیں۔ مجرم شخص ویسا حیوان نہ دے سکے۔ تو اس کی مقررہ قیمت کے مطابق خاص تعداد مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔ اگر یہ بھی مقدور نہ ہو تو اتنے ہی روزے رکھے۔

ششم۔ کعبہ میں پہنچانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ حیوان کو مارنا سخت ممنوع ہے۔ اگلی یعنی پانچویں آیت میں کہا ہے۔ کعبہ مقام امن و ادب انسانوں کے قیام کا موجب ہے۔ اس لئے اس حیوان کو وہاں پہنچایا جاوے۔ چونکہ ابراہیم کی چلائی ہوئی پاک انسٹی ٹیوشن سے تمام جہان کو فیض پہنچتا تھا۔ اس لئے ہر طرح کے حیوان بطور ہدیہ وہاں پہنچائے جاتے تھے۔ تاکہ دنیا کی مذہبی پاک خدمت کے لئے تیار ہونے والے لوگوں کی دودھ وغیرہ سے پرورش ہو۔ جیسے اس ملک میں بھی خاص انسٹی ٹیوشنوں کے ساتھ گئوشالہ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن کی تعلیم

کے مطابق آنحضرتؐ خالص ویدک، اہنسا واد کو ہی مقدم فرض سمجھا۔ اور گوشت خوری کی، اصولاً کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دی۔

اسی رکوع کی آخری آیت میں کہا ہے۔

اُن کو کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔ خواہ تمہیں اکثر ناپاک چیزیں عجیب معلوم ہوتی ہوں۔ پس اے اہل عقل خدا کا خوف رکھو۔ جس سے تم فلاح پاؤ۔ (۱)

یہاں گوشت کو صریحاً طیب سے الگ بلکہ اس کی ضد پر بیان کیا ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے گوشت انڈا وغیرہ ہی ہیں۔ جو غیر مشروع یا حرام ہونے پر بھی لوگوں کے لئے عجوبہ خوردنی شے بن رہے ہیں۔

ہمیشہ کی عید

رکوع "۱۵ آیت ۵ تا ۷ میں مذکور ہے۔ کہ

حواریوں نے عیسےٰؑ ابن مریم کو کہا۔ کیا آپ کے رب ہم پر آسمان سے کھانا یا دستر خوان نازل کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مومن ہو تو خدا کا تقویٰ رکھو۔ ۵۔ انہوں نے کہا۔ ہم چاہتے ہیں۔ اس میں سے کھائیں۔ اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو۔ اور ہمیں معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم خود اس پر شاہد ہو جاویں۔ ۶۔ عیسےٰؑ ابن مریم نے کہا۔ اے خدا۔ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے ایسا دستر خوان نازل فرما۔ کہ ہمارے لئے عید ہو یعنی کیا ہمارے اول کے لئے اور کیا اخیر کے لئے۔ اور یہ آپ کی طرف سے خاص نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے کیونکہ آپ سب سے بڑے رازق ہیں۔ ۷۔ خدا نے فرمایا میں وہ تم پر نازل کرنے والا ہوں۔ اس پر بھی تم میں سے جو کفر کریگا۔ اس کو ایسا عذاب دوں گا۔ کہ جہانوں میں کسی کو نہ دوں گا۔ ۸۔ (۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح کے حواری آسمانی خوان کا مطالبہ کرتے تو مسیح خدا کے خوف یا پرہیزگاری پر زور دیتے۔ مسیح سمجھتا تھا۔ کہ گوشت یا کسی اور لذیذ غذا والے دستر خوان کا مطالبہ بالکل فضول بات ہے بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اور کھانا پکائے آسمانی خوان کیسے اتر سکتا ہے۔ مگر ان کے اس اصرار پر کہ اس سے آپ کی صداقت ظاہر ہوگی۔ اور ہمارا اطمینان قلبی آپ کی صداقت کا ہمیں قایل کریگا۔ اس پر مسیح کو ان کے مطالبے کے آگے جھکنا اور ایک علمی رمز سے ان کو سمجھانا پڑا۔ وہ علمی رمز کیا تھی۔ اس نے دعا کی کہ اے خدا آسمان سے ایسا خوان اُتار کہ ہمارے لئے اوّل سے آخر تک عید ہی عید بنی رہے۔

اب سوال یہ ہے، کہ وہ خوان کیا ہے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ بارش۔ جو کھیتی کی پیداوار کا بہترین رزق

۱۔ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

۲۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَ...

ہمیشہ دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ عقلمند لوگ یہ نہیں چاہ سکتے کہ آسمان سے تھال اُتریں۔ ہاں بروقت بارش ہونے سے آن پھل دودھ کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی سچی عید ہے نہ کہ گئو۔ بکری کو مار کر ان کا گوشت کھانا غرضیکہ سورۃ المایدہ میں دیگر ہدایات یعنی خاص روحانی۔ اخلاقی اور مجلسی ہدایات کے دسترخوان کے ساتھ انسانی غذا کا نہایت اعلےٰ دسترخوان مہیا کیا گیا ہے۔ شروع سے اخیر تک ویدک اہنسا واد کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے۔ نرم مزاج حیوانوں سے مفید تعاون کو حلال کرنا۔ مفید گھریلو حیوانوں کی توقیر کرنا۔ ہر قسم کے مردار کو حرام کہنا۔ غذا میں قدیم ویدک آدرش کو قائم کرنا جیوانوں کے قتل کے لئے بھی سزا تجویز کرنا پرہیزگاری اور خدا کے خوف پر زور دینا۔ درندوں اور سمندری خطرناک جانوروں کے شکار کی اجازت دینا۔ مگر شکار کے گوشت کھانے کی مناعی کرنا۔ بارش بروقت ہونے سے ان پھل اور دودھ کی ترقی میں دائمی اور اصلی عید بنانا۔ اور اعتدال پر زور دینا وغیرہ کا مدلل باثبوت بیان جس خوبی سے اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ وہ قرآن کا ہی حصّہ ہے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر انسانوں میں باہمی ہمدردی کی ترقی کے لئے آدم کے بیٹوں کے بیان میں کوّے کی مثال سے نہایت قیمتی اپدیش دیا گیا ہے۔

پانچویں رکوع میں اہنسا وادی قابیل کو پیش کر کے بتایا ہے۔ کہ جب وہ بے رحم گوشت خور بھائی سے قتل ہو گیا۔ تو خدا کی حکمت سے اس کو ایک کوّا نظر آیا۔ جو دوسرے کوّے کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔ اس وقت اس ظالم قاتل کے دل کو چوٹ لگی۔ کہ ہائے افسوس میں انسان ہو کر کوّے سے بھی گیا گذرا ہؤا۔ کہاں اس کا اپنے جیسے دوسرے کوّے کے دکھ میں دکھی ہونا اور کہاں میرا اپنے بھائی کو خود قتل کرنا۔ (۱)

اگر غور سے کام لیا جاوے۔ تو رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین اپیل ہے۔ لیکن افسوس مترجموں نے اس کا ترجمہ بھی اہل بائیبل کی تقلید میں غلط کر دیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے۔ کہ جب قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی لاش کو چھپانے کا طریق معلوم نہ ہؤا۔ تو خدا نے کوّا بھیجا۔ جو دوسرے کوّے کے مردہ جسم کو دبانے کے لئے زمین کرید تا تھا۔ تب قاتل نے کہا۔ کہ اوہ! میں تو اس کوّے سے بھی بے وقوف نکلا۔ جس کو زمین کریدنے کی سوجھی ہی نہیں۔ لیکن ہم نے تفسیر میں واضح کیا ہے۔ کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ نہ ہابیل ایسا بیوقوف تھا نہ کوّے اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔ ہاں ایک کوّے کو تکلیف ہو تو سب کوّے کائیں کائیں کرتے ہوئے دکھی بھائی کے پاس اکٹھے ضرور ہوتے۔ اور اپنے دکھ اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی کچھ الفاظ قرآن کا صحیح مفہوم ہے۔ اور انسانوں کو اس سے شرم اور غیرت کا سبق سکھانے کے لئے ہی یہ بیان پیش کیا گیا ہے۔

---

* فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ○ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ○ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْ

* یہ حوالہ صفحہ ۲۸۳ کا ہے

پنجم - سورۃ الانعام

رکوع - ۱۴ - آیت ۸ تا ۱۱ - سو اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو - تو اسی رزق میں سے کھاؤ - جس پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو - ۸ - اور تمہارے لئے کوئی وجہ نہیں - کہ جس پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو - اس میں سے نہ کھاؤ - اور سوائے مجبوری کی استثنے کے جو تم پر حرام ہے - اس کی توضیح بھی تمہارے لئے ہو گئی ہے - پھر بھی بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنے توہمات کی بناء پر گمراہ کرتے ہیں - تحقیق تیرا خدا ان سرکشوں کو خوب جانتا ہے - ۹ - اور تم گناہ کے ظاہر کو بھی نہ چھوڑو - باطن کو بھی چھوڑو - بلاشبہ جو گناہ کرتے ہیں - اپنے کئے کا خمیازہ اٹھائیں گے - ۱۰ - اور جس پر اللہ کے نام کی یاد نہ کی گئی ہو - اس سے مت کھاؤ - کیونکہ ایسا عمل داخل فسق ہے - ۱۱ - (۱)

ان آیات میں نہ صرف گوشت خوری کی کہیں گنجائش نہیں - جایز خوراک میں سے بھی محض اسی میں سے کھانے کے لئے اجازت ہے - جو خدا کے نام کی یاد رکھتے ہوئے کمائی جاوے - مطلب یہ کہ طیب رزق پوری ایمانداری اور محنت سے کما کر کھاؤ - ایسی کمائی میں سے نہ کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی - اگر کوئی پاکھنڈی اس پر کوئی پابندی لگا دے - تو یہ صریح گمراہی ہے - حرام کی تفصیل جو بیان ہوئی اس کے علاوہ کو گمراہی جانو - سچا علم خدا کا ہے - ماسوائے اس کے انسانی تخیلات و توہمات ہیں - پھر گناہ کے دو پہلو ہیں - ایک شخص اصولاً اہنسا کا قایل ہو کر بھی کسی دعوت میں گوشت کھا لیتا ہے - تو یہ گناہ کی ظاہری صورت ہے - دوسرا کسی خدا پرست کو دکھانے کو گوشت نہیں کھاتا - مگر دل اس کا للچاتا ہے - تو یہ باطنی صورت ہے - قرآن کا حکم ہے - دونوں پہلوؤں سے بچو - یعنی من یا نیت سے بھی اہنسا ہو - اور عمل میں بھی پرہیز - اخیر میں اس اصول پر زور دیا ہے - کہ خدا کے نام کی یاد سے جو نہ کمائی ہو - یعنی جو دھرم کے خلاف عمل سے ملے - وہ نہ کھاؤ - یہ پاپ ہے - آج دنیا میں اخلاق کے لحاظ سے جو گراوٹ ہے - اس کی مقدم وجہ یہ ہے - کہ حکم الہی کے مطابق کمائی نہیں کی جاتی - جھوٹ - چوری - رشوت - ڈاکہ اور دھوکہ وغیرہ سے رزق کما کر کھایا جاتا ہے - اور دل گناہ کے تخیلات کا بھنڈار بن رہے ہیں - حتی کہ علما لوگ بھی دست با کار و دل بایار کی ہدایت کی اشاعت کرنے کی بجائے من گھڑنت خیال پر زور دیتے ہیں - کہ خدا کا نام لیکر ذبح کر لو - بس حلال ہی حلال ہے -

توہمات باطلہ

رکوع ۱۶ میں کھیتی سے پیدا ہونے والے ان اناج اور مویشیوں کا جو برا استعمال ہوتا ہے - اس کا خاکہ کھینچا گیا

* ۱ - فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

* یہ حوالہ صفحہ ۲۸۲ کا ہے

ہے۔ بت پرست مشرک لوگ جو خدا کو مانتے ہوئے بھی اوروں کو مانتے تھے ساتھ ہی ان کی پوجا کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ کہ فلاں جانور اور فلاں کھیت خدا کے نام اور فلاں مشرکوں کے دوسرے معبودوں کے نام۔ لیکن وقت آتا ہے تو معبودوں والی منت تو خدا کی طرف نہیں پہنچتی۔ ہاں خدا والی منت ادھر چلی جاتی ہے۔ لیکن ان اوہام کی ہی درگتی کیا تو ہمات یہاں تک ہیں۔ کہ اولاد کا قتل کرنا بھی ان دوسرے معبودوں کی بدولت نیک عمل سمجھا جا رہا ہے۔ پھر بعض کھیتوں اور مواشیوں کے متعلق پاکھنڈی گوروؤں نے فتوے دے رکھے ہیں۔ کہ ان کو محض وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں۔ اور بعض مواشیوں کے متعلق سواری کی ممانعت ہے۔ خدا کے نام سے جھوٹ گھڑ کر جو چاہیں۔ بھرم پھیلائیں ایک اور عجیب اختراع ہے۔ کہ فلاں مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ خالص مردوں کے لئے ہے ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ لیکن اگر بچہ مردہ ہو۔ تو مرد عورت مساوی۔ افسوس خدا نے ان پر جو اولاد حلال کی بدنصیب اسے بھی حرام کر بیٹھے۔

حرام اور حلال کی صاف توضیح

رکوع ۱۷ کی پہلی دوسری آیت میں ایک اور ہی انداز سے نفس مضمون کو صاف کیا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے باغات پیدا کئے۔ جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ اور نہیں بھی چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جو مختلف اشیائے خوردنی دیتی ہے۔ اور زیتون اور انار کے درخت باہم متشابہ اور ویسے الگ۔ جب یہ پھلیں ان کا پھل کھاؤ۔ اور پھلوں کے توڑنے یا فصل کے کاٹنے کے وقت خدا کا حق (زکوٰۃ) دیا کرو۔ اور فضول خرچی یا عیاشی نہ کرو۔ کیونکہ خدا غیر معتدلوں کو پسند نہیں کرتا ۱۔ اور چوپایوں میں سے کئی بار برداری کے لئے ہیں کئی سواری کے لئے اللہ نے جو رزق دیا ہے۔ اس میں سے کھاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو (۲)

یہاں دو چیزوں کا کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایک تو ہے خدا سے ملا ہوا رزق۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں کی ہے۔ کھیتوں میں کھانے کے لئے پیدا ہونے والے مختلف قسم کے اناج اور انگور انار وغیرہ پھل اور دوسری چیز ہیں مویشی۔ یہ ہیں بار برداری اور سواری کے لئے۔ حکم یہ دیا ہے۔ کھاؤ اس رزق کو یعنی ان اور پھل کو۔ حیوانوں کو کھانا نہیں۔ یہ تو رزق کے پیدا کرنے کے ذریعوں میں ہیں۔ ان کو مارنا و کھانا شیطان کے نقش قدم چلنا ہے۔ لہٰذا اس دشمن سے بچو۔

دوسری آیت میں الفاظ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا کا ترجمہ بعض مترجمین نے اونچے اور چھوٹے قد کے مویشی کر دیا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ بہ وجوہات مندرجہ تفسیر۔ لہٰذا ان اور پھل کا کھانا حلال اور گوشت

---

۱ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّ غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّ النَّخۡلَ وَ الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُہٗ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۲ وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا ؕ کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ

حرام - یہ قطعی فیصلہ موجود ہے۔

حرام حلال کے متعلق ایک علمی نکتہ

رکوع ۱۷ آیت ۱۴۳ و ۱۴۴ - آٹھ جوڑے ہیں۔ بھیڑ میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ کہئے کیا ان میں سے دونوں نروں کو حرام کہا ہے۔ یا دونوں مادہ کو یا اس بچے کو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے۔ اگر سچے ہو تو علمی جواب دو۔ ۳۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم۔ آپ کہئے کیا دونوں نر حرام ہیں۔ یا مادہ یا دونوں مادہ کے پیٹ والا بچہ کیا تم اس وقت حاضر تھے۔ جب خدا نے یہ حکم دیا تھا۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے۔ اور بغیر صحیح علم ہونے کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بلاشبہ اللہ ادہرمیوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے (۱)

اوپر جو مویشیوں کو سواری اور بار برداری کے لئے کہا اور بغیر آن اور پھل کے کھانے کو شیطان کی پیروی بتا کر مویشیوں کے کھانے کی ممانعت کی۔ اس کی توضیح کے متعلق کہا۔ کہ کھانے کے متعلق مویشیوں کو حرام کہنا صحیح نہیں۔ اگر یہ لفظ استعمال کریں تو بتانا پڑیگا۔ کہ بھیڑ بکری۔ گائے اور اونٹ میں سے حرام ہے یا مادہ یا بچہ جو مادہ کے پیٹ میں ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن میں جب یہ توضیح ہی نہیں۔ تو قانون غذا میں مویشی کے حرام حلال کے سوال کا تعلق آہی نہیں سکتا۔ محض جہالت کی وجہ سے کوئی کسی کو حرام کہنے لگتا ہے۔ کوئی کسی کو۔ بھلا کیا یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسا حکم دیتے وقت یہ خدا کے پاس تھے۔ پھر اس کے اندرونی مفہوم کو رکوع ۱۸ کی پہلی تین آیتوں میں ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

انہیں کہہ دو۔ کہ میری طرف تو یہی وحی ہوا ہے۔ کہ خوردنی اشیاء میں سے کوئی حرام نہیں۔ ہاں مردار خون اور سور کا گوشت حرام ہیں۔ کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ اور جو اللہ کے علاوہ بتوں وغیرہ کے لئے وقف ہو وہ بھی۔ ہاں صورت مجبوری میں بغیر نیت گناہ کے محض حد ضرورت کے اندر رہتے ہوئے اس کے استعمال میں گناہ نہیں۔ کیونکہ تیرا رب صاحب مغفرت و رحم ہے۔ (۱) اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کئے تھے۔ اور گائے و بکری میں سے ان کی جسمیت (گوشت) گو ہاں ان کی پیٹھ پر لادنا یا گدا اور پالان وغیرہ کس کر سواری کرنا حلال ہے۔ وہ بات (ناخن والے جانوروں کا حرام ہونا) ان کی بغاوت کی وجہ سے تھی۔ تحقیق صداقت یہی ہے ۲۰۔

پھر اگر تیری تکذیب کریں۔ تو کہو۔ تمہارا رب جہاں وسیع رحمت والا ہے۔ وہاں مجرم لوگوں سے اس کا

۱۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

عذاب نہیں ملتا۔ معو۔ (۱)
مطلب یہ کہ مویشیوں وغیرہ پر حرام حلال کا اطلاق خدا کے متعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے جو علم الہی کو صحیح طور پر سمجھا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ سب چیزیں جو کھانے کے کام آتی ہیں۔ حلال ہیں۔ ہاں مردار یعنی مردہ جسم کسی کا ہو۔ ہرگز ہرگز کھانے کے کام کا نہیں یہی کچھ خون کے متعلق صحیح ہے۔ اور سوئر کے گوشت کے متعلق۔ ایسے ہی بتوں پر جو قربانیاں چڑھتی ہیں۔ ان کا کھانا بھی ممنوع ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ ہم نے خود تو مارا نہیں۔ کہ گناہ ہو۔ اس لئے اس کے کھانے میں شامل ہونے میں کچھ ہرج نہیں۔ رہا آپت کال۔ اس کے لئے مواخذہ کی ضرورت نہیں۔ اگر جان بچانے کے لئے بغیر گوشت کا عادی ہونے کے محض ضرورت کی حد کے اندر رہتے ہوئے کوئی گوشت کھالے یا کسی قیمتی ہستی کو بچانے کے لئے ڈاکٹر لوگ کسی کا خون اس کے جسم میں داخل کریں۔ تو یہ استثنا ہے۔

غرضیکہ مردار خون یا گوشت کا حرام ہونا اور مستثنےٰ صورت میں کچھ ٹالرنیشن ہی ہے۔ جو شریعت میں مذکور ہو سکتی ہے۔ ورنہ حیوانات کے متعلق حرام حلال کا لفظ بالکل غیر متعلقہ ہے۔ کیونکہ وہ تو انسان کے برابر زندگی کا حق رکھتے ہیں۔ انہیں کھانے کا سوال انسانی شریعت میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس پر سوال ہوا۔ کہ جب ایسی حالت ہے۔ تو پھر یہودیوں کے لئے جو یہ حکم ہوا تھا۔ کہ تمام ناخن والے جانور حرام۔ اور گائے و بکری کا بھی ان کی شریعت میں ذکر تھا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا۔ کہ ناخن والے جانور یعنی شیر۔ چیتا وغیرہ انسان سے باغی اور اس کے دشمن ہیں۔ ان سے تعاون کسی کام میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کے گوشت کی تو مناعی کی مگر سواری باربرداری وغیرہ کی اجازت دی۔ یعنی وہی پہلی بات کہ نرم مزاج حیوانوں سے تعاون اور درندوں کا شکار۔ یہ کہہ کر بتایا۔ کہ اگر لوگ ایسے اپدیش کو جھٹلائیں۔ تو انہیں کہہ دو۔ تمہارے خدا میں دو صفتیں ہیں ایک تو وسیع رحمت کی۔ اور دوسرے نیائے کے مطابق مجرموں کو عذاب دینے کی۔ لہٰذا گائے وغیرہ سے تعاون اور درندوں کا شکار دونوں صحیح ہیں۔ دوسری آیت کے ترجمے میں ہمارا دیگر مفسرین سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے ہم نے اس پر اپنی تفسیر میں خاص بحث پیش کی ہے۔ لیکن معنوی تحریف کا چونکہ اس حوالہ سے خاص ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے اشارۃً یہاں بھی اس فرق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عام طور پر اور لوگ اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ "اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔ اور گائے اور بکری (کے اجزا) میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں۔ مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو۔ جو ہڈی سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو سزا دی تھی"۔ اصل تو اس ترجمے میں بھی دو قسم کے حیوان مذکور ہیں۔ ناخن والے ایک طرف اور گائے بکری وغیرہ دوسری طرف

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی محض درندوں اور نرم مزاج حیوانوں کے دو فریق مذکور ہیں۔ جیسا کہ اور ہر جگہ بیان آیا ہے۔ کہ اہنسک گائے وغیرہ سے تعاون ہو۔ اور درندوں کا شکار کیا جاوے۔ اس عام اصول کو نہ سمجھنے سے مفسرین نے انسان۔ اونٹ وغیرہ نیز چیل بطخ وغیرہ سے ذی ظفر، کا تعلق جوڑا ہے۔ اور قرآن مجید کی درند اور چرند نام کی دو پارٹیوں والی تخصیص کو بھلایا ہے۔ جب انسان مخاطب ہے اور اس کو حلال حرام کی شریعت دی جا رہی ہے۔ تو ذی ظفر کا تعلق انسان سے ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسرے شحوم سے مراد چربی لی جا رہی ہے۔ گویا گائے بکری کا گوشت یہودیوں کے لئے حلال تھا۔ اور چربی حرام تھی۔ لیکن شحوم جمع ہے شحم کی۔ اور شحم کے معنے موٹاپا ہی ہے۔ شحیم کہتے ہیں موٹے آدمی کو۔ شحم کے معنے چربی لے کر بھی اس کا استعمال موٹے انسان پر اس طرح ہوتا ہے۔ کہ چربی سے مراد گوشت ہوتی ہے۔ موٹے آدمی کو یہی کہا جاتا ہے۔ کہ تیری چربی بڑھ گئی ہے۔ شحم حنظل کہا جاتا ہے۔ اندراین کے گودے کو۔ پس شحوم کے معنے دراصل گائے یا بکری کی کھال کے اندر کا گوشت ہے۔ اور اسی کو یہاں حرام بنانا اصل مقصود ہے۔ ورنہ گوشت حلال اور چربی حرام اس کے معنے کیا۔ اور گوشت خور چربی کو نکما جانتے ہیں اس کی وجہ کیا۔ مفسرین کہتے ہیں۔ کہ چربی کو بطور سزا کے حرام کیا تھا۔ کہ دائرہ رزق ان پر تنگ ہو۔ لیکن گوشت یا چربی کو قرآن کہیں داخل رزق نہیں کرتا۔ دوسرے ہر طرح کا رزق ان پھل اور اناج بھی حلال رہے۔ اور گوشت کی بھی اجازت دی جاوے۔ تو محض دو پشوؤں کی چربی کے حرام ہونے میں سزا کیا ہوئی۔ پھر شحوم جمع اور چربی واحد۔ یہ میل بھی نہیں ملتا۔ اور جب مردار بھی حرام۔ خون بھی حرام۔ تو یہودی شریعت سے اپنے خلاف سند پیش کرنے اور گوشت کو حلال بنانے کے معنے کیا۔ پس جیسے سنسکرت میں مانس کے معنے گودا بھی ہے۔ اور سیدب یا اندراین کے گودے کے لئے چرک سُشرت میں مانس کا لفظ آتا ہے۔ ویسے ہی قرآن میں شحوم کا لفظ گوشت کے معنے میں یہودیوں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

تیسرے حوایا لفظ انتڑیوں کے معنے میں لیا جا رہا ہے۔ مگر یہ لفظ جمع ہے۔ حویۃ کی اور لغات کو لیں تو حویۃ کے معنے ہیں گلیم گرداگرد کوہان شتر (صراح) یعنی وہ کمبل یا بھدا سا گدا جو اونٹ کی پیٹھ کی ابھری ہوئی جگہ کے گرد رکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی بیل کے شانوں کے بیچ کی ابھری ہوئی جگہ بھی کوہان ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے۔ کہ گائے وغیرہ کا گوشت تو حرام تھا۔ مگر مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا یعنی ان کی پیٹھ پر گدا رکھ کر سواری یا بار برداری کا کام لینا حرام نہ تھا۔ یہ قرآن کے تمام دوسری جگہوں کے بیانات۔ اصول تعاون اور لفظی معنے کے عین مطابق ہے۔ لیکن مفسرین نے خطرناک اور اخلاق سوز مفہوم پیش کیا ہے۔ کہ گائے وغیرہ کی چربی تو حرام تھی۔ مگر ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی چربی یا انتڑیوں میں لگی ہوئی چربی حرام نہ تھی۔ ہم اسے بالکل غیر معقول اور یہودیوں پر کمینہ حملہ سمجھتے ہیں۔ نہ تو یہ تعلیم صحیح ہو سکتی ہے۔ اور نہ تاریخ میں ثبوت ملتا ہے۔ کہ کبھی یہودیوں نے غریب گائے اور بکری کی مردہ لاش کے پاس بیٹھ کر کوّوں اور گدّوں کی طرح پیٹ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی کو نوچ نوچ کر کھایا ہو۔

اسی طرح عظم لفظ کے معنے اس آیت میں ہڈی نہیں لگ سکتے نہ گوشت حرام اور پیٹھ پر سواری باربرداری

حلال ہوئی۔ اور جو ایا کے معنے بعد سے گدے کے ہوئے تو عظم کے معنے صراح میں جو چوب رحل، کے لکھے ہیں۔ موقعہ ومحل کے لحاظ سے وہی موزوں ہونگے۔ چوب رحل کے معنے ہیں۔ رحل والی لکڑی اور رحل کے معنے ہیں۔ رخت وجائے باش مرد وپالان شتر۔ یعنی سامان آدمی کے رہنے کی جگہ اور اونٹ کا پالان لغات کشوری میں رحال کے لئے لکھا ہے۔ جمع رحل کی۔ بمعنے منزل۔ اسباب۔ کوچ کرنا۔ سامان۔ اونٹ کا پالان۔ مجازاً لکڑی کے وہ تختے جو شکل مخصوص سے بنائے جاتے ہیں۔ اور جن پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت کرتے ہیں"

پس مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ کے معنے لکڑی سے ملا ہوا ہے۔ رحلت کے معنے کوچ کے بھی ہیں۔ اور سواری کے وقت اونٹ پر لکڑی کا کچا وایا گدے وکمبل والا پالان ہی کام آتا ہے۔ اور ایسا ہی گھوڑے یا بیل کی سواری میں بھی جو اوپر کسا جاتا ہے۔ وہی یہاں مقصود ہے۔

ششم سورۃ الاعراف

رکوع۔ ۲۰۔ آیت۔ ۳۰ ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا کہ کھاؤ وہ کچھ ساتوک پدارتھ جو ہم نے تم کو دیا۔ (۱)

من اور سلویٰ ترنجبین کی قسم کی چیز یا چیزیں تھیں۔ جو ساتوک تھیں جن کی توضیح تفسیر میں کی گئی ہے۔

اس سے آگے آیت نمبر ۳۱ میں ہے " انہیں کہا گیا فلاں بستی میں داخل ہو اور حسب خواہش یا حسب مناسب کھاؤ اور کہتے رہو کہ ہم سب سے گناہ دور رہے۔ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو" مطلب یہ کہ جیسا پہلے واضح ہوا۔ لوگوں کا من اور سلویٰ سے جی بھر گیا۔ تو انہوں نے دعا کی۔ کہ ہمیں گیہوں۔ مسور۔ پیاز ککڑی وغیرہ ملے۔ تب حکم ہوا۔ کہ فلاں آبادی میں داخل ہو جاؤ۔ سب کچھ وہاں ملیگا۔ مگر دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور منہ سے حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا یعنی ایک تو عاجزی سے ایشور کا دھیان کرتے ہوئے اور دوسرے یہ کہ ہم سے شہر میں کوئی گناہ یا برائی نہ ہونے پائے۔ یہ بیان بھی کلہم سبزی ترکاری کے کھانے اور کسی کو ایذا پہنچانے یا گوشت خوری وغیرہ سے بچنے کے متعلق ہی ہے۔

رکوع ۲۱۔ آیت ۱ تا ۵۔ ان سے اس بستی کا حال پوچھو۔ جو دریائے شور کے قریب تھی۔ انہوں نے ہفتہ کے متعلق قانون شکنی کی۔ یعنی آسائش کی (عیاش تھے)۔ جہاں ہفتہ سے مچھلیاں ہی مچھلیاں ان کے پاس آجاتیں۔ اور جب روزگار نہ رہتا۔ تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان کا امتحان لیتے تھے۔ کیونکہ وہ فسق کرتے تھے۔ ۱۔ ان میں سے کئی لوگ کہتے۔ کہ جنہیں خدا ہلاک کرتا یا عذاب شدید دینا چاہتا ہے۔ انہیں وعظ کیوں ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس لئے وعظ کرتے ہیں۔ کہ تمہارے اور اپنے رب کے ہاں عذر رہو۔ اور نیز اس لئے۔ کہ شائد پرہیزگار ہو جاویں۔ ۲۰۔ سو جب اس نصیحت کو بھول گئے۔ جو انہیں کی گئی۔ تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی۔

۱۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ٥

جو برائی سے روکتے تھے۔ اور ان ظالموں کو خطرناک عذاب میں گرفتار کیا۔ ۳۔ یعنی جب انہوں نے اس امر کے متعلق نافرمانی کی۔ جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ تو ہم نے کہا۔ ذلیل بندر بن جاؤ۔ ۴۔ الا

یہاں روشن ہے۔ کہ مچھلیاں کھانے والوں کو آسائش یا روزگار کا برا استعمال کرنیوالا یا ہنسا کے متعلق نیم کو بھنگ کرنیوالا کہا ہے۔ بے روزگاری یا بدحالی میں جن کو کھانا تک میسّر نہ ہو۔ وہ آسودگی ملنے پر مچھلیاں یا گوشت کھانے کے بغیر نہ رہ سکیں۔ تو یہ محض امتحان میں فیل ہونا ہے۔ اور ایسے شخص جو ایک خصلت پر قائم نہ رہ سکیں۔ اور عیاشی کی طرف مائل ہوں۔ چنچل سوبھاؤ یا ذلیل بندر بننے کے ہی مستحق ہو سکتے ہیں۔

ان آیات میں واقع شدہ سبت لفظ کو مفسرین نے بطور اسم کے ہفتہ یا سنیچر کے معنے میں لیا ہے۔ اور بطور فعل کے اس سے ہفتہ یا شنبہی منانا مراد لیا ہے۔ لیکن ایسا کوئی مفہوم تبھی موزوں ہوتا۔ جب کہیں قرآن میں یہ ہدایت ہوتی۔ کہ ہفتہ کے دن مچھلی یا گوشت کھانا منع تھا۔ اور باقی دنوں میں جائز۔ چونکہ اشارہ یا کنایہ سے بھی ایسا کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ اور قرآن نے ہنسا اہنسا کے متعلق ہر کہیں اصولی بحث کی ہے۔ اور سبت کے معنے کاٹنا یا مارنا کے بھی ہیں۔ اور آسائش اور روزگار کے بھی اور یہ امتحان بھی آسائش کے زمانے میں ہی ہو سکتا ہے کہ کہاں تک لوگ دھرم پر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارا پیش کردہ مفہوم بالکل صحیح ہے۔ اس کے آگے پانچویں آیت میں خدا کا یہ قانون بھی بتایا ہے۔ کہ ان ظالموں پر خدا ایسے شخص کو حکمران کر دیتا ہے۔ جو ان کو عذاب شدید کی تکلیف پہنچاتا ہے۔ جب تک کہ وہ نیک نہ بن جاویں آیت میں لفظ ہے۔ یوم القیامت تک۔ اور اس کے معنے موہوم قیامت کے نہیں۔ پرسکون اور دھرم کے زمانے کے ہیں۔ اگر موہومہ قیامت کا خیال صحیح ہوتا تو یہ کہا جاتا کہ قیامت کے دن سخت حاکم کو مسلط کریگا۔ لیکن یہاں ہے یوم قیامت تک ایسا کریگا۔ اور یہ ہے بھی معقول کہ ظالموں کو ان کے ظلم کے متعلق ان پر حکمران بڑی طاقت سے بھی تکلیف دیتی رہے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں بھی باوجود ہر طرح کی چیخ پکار کے حکومت سے ہر کہیں لوگ نالاں ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ ہم مستحق ہی عذاب کے ہیں۔ تبھی حالات نے یہ صورت اختیار کر رکھی ہے۔ خدا جلد سزا دینے والا بھی ہے۔ اور غفور اور رحیم بھی۔ سو لوگ تکلیف میں گناہ سے بچائے جاتے ہیں۔ یہ تو ہے خدا کی رحمت اور تکلیف و ایذا ہے۔ اس کے جلد سزا دینے کا نتیجہ۔

یہاں وعظ کرنے کو ہر حال میں عالموں کا فرض بتایا ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ظالم خدا سے ضرور سزا پائیں گے۔ تو ہماری وعظ کا فایدہ کیا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ایک تو یہ کام ان کے اپنے فرض کی بجا آوری ہے۔ اور دوسرے ہر وقت ممکن ہے۔ کہ کسی برے آدمی پر اثر ہو جاوے اور وہ نیکی کی طرف مایل ہو جاوے

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝

ہفتم۔ سورۃ الانفال

رکوع ۳۔ آیت ۷۔ اور تمہیں پاکیزہ (ساتوک) چیزوں کا رزق دیا کہ تم شکر کرو۔
خدا کی حفاظت و امداد کے بعد یہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ خدا نے تمہیں پاک چیزوں کا رزق دیا ہے۔ لہذا اے اہلِ ایمان! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو۔ اور جان بوجھ کر اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل نہ ڈالو۔ حیوانات جو انسان کے زیرِ سایہ اور اس کے معاون ہیں۔ تمام دنیوی دولتوں سے زیادہ قابل حفاظت ہیں۔ اور انہیں مار کر کھانا خیانت مجرمانہ ہے۔

رکوع ۹۔ آیت ۵۔ سو جو کچھ حلال اور طیب تم کو ملا ہے۔ اس میں سے کھاؤ۔ اور خدا کا خوف رکھو یقیناً وہ غفور اور رحیم ہے ۲۔
خدا کی صفت مغفرت اور رحمت کے تقاضا سے اس کا کوئی معتقد حیوان کو مار کر حاصل کئے گوشت کو حلال اور طیب نہیں کہہ سکتا۔ نہ قرآن میں کہیں بھی اشارہ یا کنایہ سے ہی یہ ذکر ہے۔ کہ فلاں جانور تمہارے گوشت کھانے کے لئے پیدا کیا گیا یا طیب خوراک ہے۔

ہشتم سورۃ ھود

رکوع ۶۔ آیت ۴ و ۵۔ اور اے میرے بھائیو! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے خاص نشانی ہے اسے اللہ کی زمین میں کھلا پھرنے دو۔ اور اسے تکلیف کے لئے چھوؤ بھی مت۔ ورنہ گرفتار بلا ہوگے۔ ۴۔
اس کے بعد ذکر ہے۔ کہ صالح اور اس کے پیرو تو بچ گئے۔ اور مخالف فنا ہوئے۔ مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہ خاص اونٹنی تھی۔ صالح کی جسے لوگوں نے مار ڈالا۔ اور عذاب پایا۔ لیکن اول تو قابل قبول نہیں۔ کہ صالح اپنی اونٹنی کے متعلق سارے لوگوں کو ہدایت دینے لگے۔ کہ یہ جہاں چاہے گھاتی پھرے۔ اسے کوئی روک نہ ہو۔ دوسرے خدا کا انصاف بھی یہ تقاضا نہیں کرتا۔ کہ ایک اونٹنی کے بدلے کل قوم کو تباہ کرے۔ پس اصلیت محض یہ ہے کہ جیسے گؤ اپنے فوائد کے لحاظ سے قابل حفاظت و تعظیم سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح صالح کے ملک میں اونٹنی تھی۔ لہذا اس نے انہیں ہدایت دی۔ کہ اونٹنی کے لئے کھانے وغیرہ کی کمی نہ ہو۔ نہ انہیں مارا و کھایا جائے۔ لیکن عمل لوگوں نے اس کے خلاف کیا۔ جیسے یہاں گئو پر ظلم ہوتا ہے۔ لہذا وہ تکلیف میں مبتلا ہوئے۔

۲۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ع

۱۔ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ

حضرت ابراہیم اور اتہتی پوجا

رکوع ۷۔ آیت ۱ و ۲ اور ہمارے رسول ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے۔ کہا سلام۔ ابراہیم نے بھی جواب میں سلام کیا۔ اور بغیر دیری کے ان کے پاس بھنا ہوا بچھڑا لا لایا۔ ۱۔ مگر جب دیکھا۔ کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے۔ تو انہیں اتہتی جانا اور ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ۲۔

آنحضرت کا دعویٰ ہے۔ کہ ہم ملت ابراہیم کے پیرو ہیں۔ اور ہم نے کئی جگہ واضح کیا ہے۔ کہ ابراہیم لفظ دراصل برہما ہے۔ اور برہما چاروں ویدوں کے عالم کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہ اعتراض ہونا لازمی ہے۔ کہ ویدک دہرم کے بڑے نمائندہ نے بچھڑے کو مروایا۔ لیکن واضح رہے۔ کہ درحقیقت نہ ابراہیم نے بچھڑے کو مروایا نہ اسے پکار کر مہمانوں کے پیش کیا۔ ہاں وید میں جو اتہتی ستکار کا اپدیش ہے۔ اس میں سے ایک منتر میں مانس کا لفظ آتا ہے۔ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ اتہتی کو جو چیز مرغوب ہو۔ وہ اس کے پیش کی جائے یا سک آچاریہ مانس لفظ کی حقیقت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔　मनाःसीदत्यस्मिन्निति मांसं

جو نظر کو مرغوب ہے مانس ہے۔

لیکن قدیم لٹریچر کا مطالعہ نہ رہنے اور گوشت خوری کا رواج ہونے اور آج کل مانس کو محض گوشت کے معنے میں لینے سے غلط فہمی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ وید کی اصولی اور اجمالی ہدایتوں کو تاریخی طرز پر بیان کرنے کے رواج نے بھی مغالطہ دیا ہے۔ اصل مقصود یہ تھا۔ کہ روزانہ جو پانچ یگیہ کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایک اتہتی یگیہ ہے۔ اس کی ودھی بتائی جاوے۔ لیکن برہما کی صفاتی ڈگری کو بھول کر اسے ابراہیم کی شخصیت میں بدلا۔ اور تاریخی طور پر خاص اتہتیوں کی خدمت کرنے کا قصہ جو بائیبل میں مذکور ہوا۔ اس میں مانس لفظ کے مدعا کو موٹے تازے بچھڑے سے اور قرآن مجید میں عجل حنیذ سے ادا کیا گیا۔ مگر پھر بھی بائیبل اور قرآن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے۔ مہمانوں نے وہ کھانا کھایا۔ مگر قرآن میں ہے۔ انہوں نے اس کی طرف ہاتھ تک نہیں بڑھایا۔ نہ صرف یہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے پہلے انہیں عام آدمی سمجھ کر ایسا کیا۔ مگر جب انہیں متنفر دیکھا۔ تو سمجھا کہ یہ اتہتی ہیں۔ لہٰذا وہ ان سے ڈرا۔ کیا مطلب کہ وہ جانتا تھا۔ اتہتی لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ مجھ سے بڑا پاپ ہوا۔ کہ میں نے یہ چیز ان کے پیش کی۔ گویا آنحضرت نے اصولاً اس عمل کو میزبان اور مہمان ہر دو فریق سے گناہ مانا جانے کا ذکر کر کے ویدک دہرم کی لاج رکھ لی ہے۔

مذہبی تاریخ کے مطالعہ کے شائقین کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم یہاں اتہتی یگیہ کے متعلق وید کی تعلیم کو پیش

۱۔ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا ۲۔ رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ

کریں۔ اور بائیبل اور قرآن کے اس بیان کی اصلیت پر روشنی ڈالیں۔

اتھتی کہتے ہیں۔ اسے جو عالم کامل۔ فیض رسان عالم۔ غالب الحواس۔ نیک عمل۔ راستگو۔ مکر و فریب وغیرہ عیوب سے پاک۔ ہمیشہ جگہ جگہ پھرنے والا ہو۔ کہ لوگوں کو وعظ حق۱ کا کام سب سے افضل اور تمام انسانوں کے حقیقی سکھ کا موجب ہے۔ اس لئے انہیں ہر طرح کا آرام پہنچانا۔ اور ان کو پہلے کھانا کھلا کے خود کھانا گرہستیوں کا فرض ہے مہرشی دیانند رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھتے ہیں۔

وہ (اتھتی) جب جب گرہستیوں کے گھروں میں جائیں۔ صاحب خانہ نہایت ادب سے اٹھ کر تعظیم بجا لائے۔ اور انہیں اونچی و اچھی جگہ پر بٹھائے۔ اور حسب مناسب خاطر تواضع کر کے یہ پوچھے کہ مہاراج آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ اتھتی مہاراج! یہ پانی لیجئے۔ آپ اپنے وعظ حق سے ہمیں اور ہمارے احباب کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ آپ کو پرسن کریں۔ مہاراج جس میں آپ کی خوشی ہو۔ ہم ویسا کرینگے جو چیز آپ کو اچھی لگتی ہو۔ ہمیں اس کے لئے حکم کیجئے۔ آپ کی جیسی خواہش ہو۔ اسی کے مطابق ہم خاطر تواضع کو حاضر ہیں۔ جس طرح آپ کی اچھا پوری ہو۔ اسی طرح ہم خدمت بجا لاویں۔ تاکہ آپ اور ہم باہم خدمت اور فیض صحبت سے علم بڑھا کر سدا آرام میں رہیں"۔ یہ الفاظ محض وید منتروں کے آدھار پر لکھے گئے ہیں۔ لیکن خوف طوالت سے منتروں کا دینا ضروری نہیں۔ ہاں بائیبل کا بیان پیش کر کے ہم یہ واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ ہو بہو یہی مطلب ابراہیم کے اس قصے میں ہے۔

پیدائش باب ۱۸۔ وہ (ابراہیم) دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا۔ کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر خیمے کے دروازے سے ان کے ملنے کو دوڑا۔ اور زمین تک ان کے آگے جھکا اور بولا کہ اے میرے خداوند اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے۔ تو اپنے بندے کے ہاں سے چلے نہ جائیے۔ کہ تھوڑا سا پانی لایا جائے۔ اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کیجئے۔ میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں۔ تازہ دم ہو جئے۔ بعد اس کے آگے جائیے۔ کیونکہ اسی لئے اپنے بندے کے یہاں آئے ہیں۔ تب انہوں نے کہا۔ یوں ہی کر جیسا تو نے کہا۔ اور ابراہام خیمے میں سرہ کے پاس دوڑا گیا۔ اور کہا۔ کہ تین پیمانے آٹا لے کے جلد گوندھ کر پھلکے پکا۔ اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا۔ اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا۔ اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اس نے گھی اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا۔ لے کر ان کے سامنے رکھا۔ اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا۔ اور انہوں نے کھایا"۔

ابراہیم نے جس تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اور پانی پیش کیا۔ اور خاطر تواضع سے پیش آیا یہ سب مہرشی دیانند کے الفاظ میں موجود ہے۔ ویدک دہرمی کہتے ہیں۔ سوامی جی تو بائیبل میں ہے میرے خداوند دونوں کا مطلب ایک ہے اور ویدک دہرمی خاطر تواضع میں دودھ۔ گھی۔ شہد یا اتھتی کی خاص دل پسند یا مرغوب خوراک یا کم سے کم پانی پیش کرتے ہیں۔ تو بائیبل میں بھی دودھ اور گھی اور پانی مذکور ہے۔ کھٹکنے والی شے صرف بچھڑا ہے۔ جو یقیناً وید کے لفظ مانس کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ دیکھئے اتھر وید سوکت ۹

انوواک ۹ کے دسوں منتروں میں پرمیشور نے اس طرح انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے۔ (۱)
پہلے دو منتروں میں کہا ہے۔ کہ برتن میں دودھ ڈال کر اتیھتی کے پیش کرنیوالا اگنی شٹوم یگیہ کا پھل پاتا ہے۔ دوسرے دو منتروں میں کہا ہے۔ جو گھی وغیرہ طاقت دینے والی چیزیں پیش کرتا ہے۔ تو اتی راتر یگیہ کا سا پھل پاتا ہے۔ تیسرے دو منتروں میں شہد وغیرہ میٹھی اشیاء سے ستکار کرنیوالا ستر سدیہ یگیہ کے مطابق پھل پاتا ہے۔ اس کے بعد چوتھے دو منتروں میں ہے کہ مانس یعنی اتیھتی کے لئے کوئی اور چیز مرغوب ہو جیسے شربت۔ چھاچھ پھل تو اس سے سیوا کرنے والا دوادشاہ یگیہ کا سا پھل پاتا ہے۔ اور پانچویں دو منتروں میں ہے کہ اس طرح اتیھتی ستکار کی عظمت کو محسوس کرنے والا گرہستی محض جل سے بھی خلوص عقیدت سے ستکار کرتا ہے۔ تو وہ بھی پھل کا مستحق ہے۔

ان منتروں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساتویں منتر میں جو مانس کا لفظ ہے وہ دودھ گھی اور شہد کے علاوہ کوئی اور شے ہے۔ جو گوشت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یگیہ میں ہنسا وغیرہ کا ہر کہیں نشیدھ ہے۔ اور مانس کے معنے نرکت میں من کے لئے رُچی کر یا مرغوب چیز لکھی ہے۔ اور ہونا بھی ایسا ہے۔ کہ عام طور پر جو چیزیں انسانی غذا میں اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ وہ لوگ خود بخود پیش کرتے ہیں۔ اور وہ دودھ۔ گھی۔ مٹھائی ہیں۔ لیکن اگر اتیھتی کی ان پر رغبت نہ ہو۔ تو پھر پوچھا جاتا ہے۔ کہ جو چیز آپ کو اچھی لگتی ہو۔ فرما دیجئے۔ پس اسی بھاؤ سے یہاں مانس لفظ ہے۔ اور بعد میں جل کا لفظ آیا ہے۔ تو یہ صاف بتاتا ہے۔ کہ دودھ۔ گھی مٹھائی کی ضرورت نہ ہو۔ اور کوئی اور مرغوب شے بھی نہ مانگی جاوے۔ تو بھی کم سے کم جل سے تو اوشیہ ستکار ہو۔ جس سے پوجا کا مدعا برابر قائم رہے۔

پس بائیبل میں دودھ۔ گھی اور جل کے الفاظ اور اتیھتی کیلئے ستکار کا جذبہ ابراہیم کے قصے میں دیکھتے ہوئے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ بچھڑا والی بات محض مانس لفظ کے غلط ترجمہ سے داخل ہوئی ہے نہ اتیھتی لوگ گوشت کھاتے ہیں۔ نہ وید کا یہ مطلب ہو سکتا ہے۔ اور نہ بائیبل میں جس جلدی کا ذکر ہے۔ اس سے بچھڑے والا بیان سچا ہو سکتا ہے۔ کہ آن کی آن میں گلے میں جا کر بچھڑا لایا۔ اور ایک جوان کو اس کے مارنے اور پکانے پر مقرر کیا جاوے۔ اور گوشت پک کر آ بھی جاوے۔ یہ کام بہت دیر طلب ہے۔ اس لئے مطلب اصلی محض یہ ہدایت دینا تھا۔ کہ اتیھتی کا فلاں فلاں چیز یا کم سے کم جل سے ستکار کیا جاوے۔ طرز بیان تاریخی اختیار

(۱) स य एवं विद्वान् क्षीरमुपसिच्योपहरति ॥१ यावदग्निष्टोमेनेष्ट्वा सुसमृद्धेनावरुन्द्धे तावदेनेनाव रुन्द्धे ॥२॥ स य एवं विद्वान्त्सर्पिरुपसिच्योपहरति ॥३॥ यावदतिरात्रेणेष्ट्वा० ॥४॥ स य एवं विद्वान मधूपसिच्योपहरति ॥५॥ यावत् सत्रसद्येनेष्टवा० ॥६॥ स य एवं विद्वान मांसमुपसिच्योपहरति ॥७॥ यावद् द्वादशाहेनेष्ट्वा सुसमृद्धेनावरुन्द्धे तावदेनेनाव रुन्द्धे ॥८॥ स य एवं विद्वानुदकमुपसिच्योपहरति ॥९॥ प्रजानां प्रजननाय गच्छति प्रतिष्ठां प्रियः प्रजानां भवति य एवं विद्वानुदकमुपसिच्योपहरति ॥१०॥

ہوا ہے۔ اور ایک لفظ کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ تو بھی بمصداق

؎ از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

غور کرنے پر ان بیانات سے تہتی سدیکار کی ویدک مریادا یا اصولی تعلیم ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور قرآن مجید کی یہ خوبی ہے۔ کہ اس غلطی کو بھی بے دزن کیا۔ اور اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ کیا ابراہیم اور کیا اس کے مہمان سب نے عملاً گوشت خوری کو ممنوع ٹھہرایا۔ بائیبل والے دودھ۔ گھی اور پانی کے الفاظ محض یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ فرشتے جلد یہ وقت میسر اور تیار شدہ والی چیز جیسے ہی اپنی جلدی سے خدمت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کے علاوہ جو چیز ہو وہ بھی مائع یعنی پتلی تھی مثل چھاچھ یا شربت ہو گوشت جیسی ٹھوس چیز اور پھر ایک ہی وقت دودھ۔ گھی اور جل کیساتھ پیش ہو۔ یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وید شنتر والا بیان ہی مقصود ہے۔ قرآن کی آیات زیر بحث میں نکرھم۔ لفظ کا ترجمہ کوئی یہ کر رہا ہے۔ کہ وہ ان سے متوحش ہو گئے۔ کوئی یہ کرتا ہے۔ کہ ابراہیم سمجھا ہی نہ انہیں پہچانا نہیں۔ کوئی یہ لکھتا ہے۔ کہ اس نے انہیں اوپرا سمجھا۔ لیکن درحقیقت نہ پہچانا گیا یا اوپرا یا اجنبی سب کا مفہوم اتنتی لفظ ادا کرتا ہے۔ جو بغیر جان پہچان کے اور بغیر تاریخ وغیرہ کا پتہ دیئے ہر کہیں پہنچتے ہیں۔ جو لوگ یہ مطلب لیتے ہیں۔ کہ وہ دراصل نظر نہ آنے والے فرشتے تھے۔ مگر صورت بشر میں اس وقت تھے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ قرآن کے رو سے یہ خیال محض توہمات باطلہ میں سے ہے۔ قادیاں سے شائع شدہ تفسیر کبیر جلد ۳ میں نکرھم سے نہ پہچاننے کا مطلب یہ لیا گیا ہے۔ کہ پہلے انہیں عام مسافر سمجھا گیا۔ اور ابراہیم کے ڈرنے کا یہ مطلب لیا گیا ہے۔ کہ انہیں خوف ہوا۔ کوئی امر مہمان نوازی کے خلاف ہو گیا ہے۔ سو واقعی معقول مفہوم یہی ہے۔ کہ قرآن یہ واضح کرتا ہے۔ کہ ابراہیم نے گوشت پیش کرنے کی غلطی کا احساس کیا۔ غرضیکہ ان دونوں آیتوں میں قرآن نے گوشت خوری بالخصوص بچھڑے کو ابراہیم اور اس کے مہمانوں کے قصے کے ذریعے سے ممنوع بنایا۔ اور بائبل نے خود معنوی تحریف کا شکار ہوتے ہوئے بھی ویدک طریق اتنتی یگیہ کو پیش کیا ہے۔

نہم۔ سورۃ ابراہیم

رکوع ۵۔ آیت ۴۔ "اللہ ہی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ اور تمہارے لئے پھلوں والا رزق پیدا کیا۔" (۱)

ایسا ہی کئی اور جگہوں میں باغ انگور۔ زیتون۔ کھجور یا اَن اناج کا ذکر آتا ہے۔ کہ تمہارے لئے یہ رزق پیدا کیا۔ مگر کہیں بھی یہ مذکور نہیں۔ کہ گوشت کا رزق تمہارے لئے بنایا۔

رکوع ۶۔ آیت ۱۔ ابراہیم نے دعا مانگی۔ کہ اے میرے رب اس شہر کو دارالامن بنایئے۔ (۲)

۱۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

۲۔ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰہِیۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ ہٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا۔

اور اس کے دارالامان ہونے کے ثبوت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مکہ کی حدود میں جانور کا مارنا منع [illegible]
ہے۔ کہ جس ملت ابراہیم کے آنحضرت پیرو تھے۔ اس کا تعلق گوشت خوری و ہنسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔
اس رکوع کی تیسری آیت میں یہ دعا ہے " اے میرے پروردگار! میں نے اپنی ششو منڈلی کو آپ کے
اس پاک مندر کے قریب اس غیر مزروعہ وادی میں لا بسایا ہے۔ کہ اے میرے رب! وہ عبادت کریں [illegible]
اس لئے (از راہِ عنایت) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کیجئے۔ اور انہیں پھلوں والا رزق دیجئے۔
جس سے وہ آپ کا شکر بجا لاتے رہیں (۱)
کیا اس دعا کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اسلام گوشت خوری کے مخالف نہیں

دہم۔ سورۃ الحجر

رکوع۔ ۲۔ آیت ۱۹ و ۲۰۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ اور اس میں ہر موزوں شئے اگائی۔ اور نہ صرف تمہارے لئے معاش کا سامان بنایا۔ ان کے لئے بھی بنایا جنہیں تم روزی نہیں دیتے" ۲۔

یہاں بھی انسان اور ان جانوروں کے لئے جن کو انسان نہیں پالتا۔ زمین سے اگنے والا رزق قرار دیا گیا ہے

یازدہم۔ سورۃ النحل

رکوع۔۱۔ آیت ۴ و ۵ اور اس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے۔ ان میں تمہارے لئے جاڑے کا سامان ہے۔ اور بھی بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے بھی ہو۔ ۳۔

یہاں انعام لفظ کل اہنسک پشوؤں کی جماعت کے لئے ہے۔ بھیڑ۔ بکری۔ گائے اور اونٹ۔ ان سے اون ملتا ہے۔ تجارتی فوائد بھی اور دودھ بھی۔ مگر مفسرین منہا تاکلون کے معنے کرتے ہیں۔ کہ ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ یعنی ان کا گوشت یا ان میں سے بعض حیوانوں کو۔ مقابلۃً دور اندیش لوگ گوشت اور دودھ گھی سب کی مراد لیتے ہیں۔ لیکن قرآن کا منشا گوشت سے ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی حیوان کو کھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ مردار کو کھانا اور مردار حرام ہے۔ پھر حیوانات سے کھانے کا مستقل اصول قائم ہی نہیں (۱)

۱۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝
۲۔ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ
۳۔ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝

اگر حیوان کو ہی مار دیا جاوے۔ اس لئے جیسے ویدک لٹریچر میں گائے کے ذریعے انسان کو غذا ملنے اور اس کے ملنے کا بیان ہے۔ ویسے ہی یہاں ہے۔ اس کے آگے ۶ و ۷ آیت میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں شوبھا بھی ہے۔ جبکہ انہیں شام کے وقت لاتے اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔ اور یہ تمہارے بوجھ بھی ان شہروں کو لے جاتے ہیں۔ جہاں تم خود سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔" (۱)

یہ گویا ایک طرح کی اپیل ہے۔ ان کو نہ مارنے اور ان کا گوشت نہ کھانے کے لئے کہ تاکہ اس سے وہ شوبھا امن کی قائم نہیں رہتی جو گئو وغیرہ کو چرانے کو لیجانے اور چرا کر لانے میں ہے۔ اور اس سے وہ آرام جو ان کے بوجھ اٹھا لے جانے وغیرہ سے ملتا ہے۔ مارا جاتا ہے۔

آٹھویں آیت میں ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے۔ تاکہ ان پر سواری کرو۔ اور تمہاری زینت بھی ہو۔ یہاں گھوڑے وغیرہ سے سواری کے فائدے کے علاوہ اشرف المخلوق انسان کی شان کا بھی ذکر ہے

رکوع ۲۔ آیت ۱ و ۲ میں انسانوں کے لئے مینہ برسنے۔ اس سے حیوانات کے چارے کے لئے گھاس اور پودے اور انسانوں کے لئے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور۔ انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا ہونے کا بیان کر کے اس میں ایک سبق بتایا ہے۔ یعنی یہ کہ انسانی خوراک کیا ہے۔

آیت ۳ میں رات دن۔ سورج۔ چاند۔ ستارے سب انسان کے کام میں لگے ہوئے بتا کر آیت ۴ میں اس کے لئے زمین سے مختلف قسم کی پیداوار ہونے کا بیان ہے۔ اور آیت ۵ میں کہا ہے۔

وہی خدا ہے۔ جس نے دریا کو بھی تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ کہ تم تازہ (گودے والی اشیاء) کھاؤ (۲) لِتَاکُلُوْا لَحْمًا طَرِیًّا کا لفظ مفسرین مچھلی کھانے کے معنے میں لیتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ پانی میں جو سنگھاڑے وغیرہ ہیں۔ کیا وہ انسان نہیں کھاتے۔ اور کیا سیب کے اندر جو گودا ہے۔ یا نارنگی سنگترہ خربوزہ کے چھلکے کے اندر جو کھانے کی شے ہے۔ وہ اس گوشت کی مثل نہیں۔ جو کسی مچھلی کے چھلکے کے اندر ہے کیا پانی کے اندر کنول نال (بھیں) کی لمبی سی ڈنٹھل کا گودا پیدا نہیں ہوتا۔ جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پکایا۔ اور کھایا جاتا ہے۔ بلکہ جس کا کیمیا بھی بنایا جاتا ہے۔ جب مردار حرام ہے۔ اور مچھلی بھی مردار ہوئے بغیر کھانے میں نہ آنے سے یقیناً حرام ہے۔ اور قرآن سورہ المائدہ رکوع ۱۳ آیت ۳ میں صید البحر و طعامہ کے الفاظ میں دریائی شکار اور دریائی غذا کو الگ الگ حلال بتا کر شکار کے گوشت کو کہیں حلال نہیں کہتا۔ تو کیا وجہ ہے کہ اسلامی شریعت کے خلاف لحم لفظ کی آڑ میں مچھلی کو لیا جاوے۔ قرآن سورۃ المائدہ میں صاف ہدایت دیتا ہے۔ کہ تم پر قدیم ویدک دھرمیوں کی غذا حلال ہے۔ اور وید میں ہر قسم کے گوشت کی ممانعت ہے۔ تو قرآن کے کسی لفظ سے غذا کے متعلقہ مضمون میں گوشت کس طرح مقصود ہو

۱۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ

۲۔ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

سکتا ہے۔ لحم یا گوشت کا لفظ ویسا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ جیسا مانس کا لفظ اور مانس کے ایک معنے گودا ہے۔ چنانچہ آپٹے صاحب کی سنسکرت انگریزی ڈکشنری میں مانس کے لئے لکھا ہے The fleshy part of a substance یعنی کسی شئے کا گودا۔ یہی معنے آیوروید کے گرنتھوں میں بھی عملاً لئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔ چترک کو جہاں دواؤں میں ڈالنا ہو۔ وہاں لال چترک چاہیئے۔ کیونکہ یہ زیادہ گودے والا ہوتا ہے۔ لیکن اگر نہ ملے۔ تو دوسرا چترک لے۔ (۱)

سشرت سنگھتا شریر سنتھان ادھیائے ۳ گدیہ ۳۲ میں ہے۔ پکے ہوئے پھل میں کیسر مانس ہڈی اور مغز الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اگر پھل کچا یا چھوٹا ہو تو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ تب وہ لطیف ہیں۔ یہاں مانس صاف طور پر گودا کے لئے اور ہڈی وغیرہ پھل کے دوسرے حصوں کے لئے ہیں (۲)

(سشرت کا نگھنٹو) تلنگ ہلکا ہے کھٹا ہے۔ قوت ہاضمہ کو بڑھاتا ہے۔ دل کے لئے مفرح ہے۔ اس کی چھال تیز ہوتی ہے۔ بہ دیر ہضم ہے۔ بادی صفرا اور بلغم کا ناش کرنے والا ہے۔ شریر سنتھان ادھیائے ۴۶ منتر ۱۹ (۳) اور اس کا مانس (گودا) لذیذ ٹھنڈا بھاری چکنا اور مادہ بادی وصفرا کا دافع ہے۔ شریر سنتھان ادھیائے ۴۶ منتر ۱۹۔

پس لحم لفظ سے اگر یہاں گوشت مراد ہوتا۔ تو صاف طور پر لکھا جاتا۔ اور جب اوپر پانی کی نباتی پیداوار ہی انسان کی خوراک مانی جارہی ہے۔ تو سمندری یا دریائی پانی کی پیداوار میں جاندار مچھلی کو کیوں گھسیٹرا جائے رکوع ۹ آیت ۱۔ اور تمہارے لئے مویشی میں بھی عبرت یا سبق ہے ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے۔ اس کے بیچ میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پلاتے ہیں۔" (۴)

واقعی انسان کو سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ کہ جب خدا اندر کے تمام مادوں میں سے دودھ ہماری غذا کے طور پر ہمیں پلاتا ہے۔ تو ہم ان کو مار کر ان کے جسم کے اندر کے گوشت کو کیوں کھائیں۔

دوسری آیت میں ہے۔ اور کھجور اور انگوروں کے پھل سے تم لوگ نشہ کی چیز بناتے ہو اور اچھی اچھی

۱۔ रक्त चित्रक मुरवन्तु सर्वत्र या प्रयोजयेत् ।
मांसं लत्या सुतींक्ष्णत्वाद भावादन्य चित्रकम् ।

۲۔ तद्यथा-चूत फल के परिपक्के केशर मांसास्थि मज्जानः पृथक् २ दृष्यन्ते कालु प्रकर्षात् ।
तान्येव तरुणेनोप लभ्यन्ते सूक्ष्मत्वात्ते षां सूक्ष्माणां केशरादी नां काला प्रव्यक्त तां करोति।

۳۔ रुच्यमरुं दीपनंहृद्यं मातुलुङ्ग मुदा हृतम् ।
त्वक् तिक्ता दुर्जरातस्य वात क्रिमिक फायहा ॥ १४६
स्वादु शी गुरुस्निग्धं मांसं मारूत पित्त जित् ।
मेध्यं शूला निलच्छ्रास्क फारोचक नाशनम् । १५०

۴۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِى بُطُونِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

کھانے کی چیزیں ہیں بے شک ان میں بھی اہل عقل کے لئے خاص نصیحت ہے۔ تیسری آیت میں لکھا ہے۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں چھتے بنائے۔ اور درختوں میں بھی۔ اور لوگ ٹٹیاں چڑھاتے ہیں۔ ان میں بھی پھر ہر قسم کے پھلوں کو چوستی پھر اور اپنے رب کے طریقوں پر عمل کر جو تیرے لئے آسان کئے گئے ہیں۔ ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے۔ جو مختلف رنگوں کی ہوتی ہے۔ اہل غور و فکر کے لئے اس میں بڑی نصیحت ہے۔"

مطلب یہ کہ جب انسان پھلوں سے کئی چیزیں تیار رہا ہے۔ اور مکھی جیسی ننھی چیز۔ شہد جیسی صحت بخش اور لذیذ چیز پھولوں پھلوں سے تمہارے لئے مہیا کر رہی ہے۔ تو حیوانات کا خاتمہ کرنے والے گوشت خوری کے عمل کی کیا ضرورت ہے۔ جن کے اندر سے خدا دودھ جیسی نعمت تمہارے لئے مہیا کر رہا ہے۔

رکوع ۱۱۔ آیت ۸۰ میں مویشیوں سے ملنے والے فوائد کی تفصیل یہ بتائی ہے۔ مویشیوں کی کھال سے ان کے خیمے ان کی اون اور بالوں سے گھر کا سامان اور دوسری مفید چیزیں ملتی ہیں۔

رکوع ۱۵کی پہلی دوسری آیت میں ایک بستی کی مثال دی گئی ہے۔ کہ وہاں کے لوگ بڑے امن و اطمینان سے رہتے تھے۔ اور انہیں ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں با فراغت پہنچتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی۔ سو خدا نے ان کی ان حرکتوں سے ان پر خوفناک قحط بھیجا۔ اور انہی میں سے ان کی طرف رسول بھی بھیجا۔ مگر انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ لہذا ان کے اس پاپ کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ اس بیان کا مطلب یہ ہے۔ کہ اَن اور پھل کو چھوڑ کر گوشت خوری کی عادت سے قحط وغیرہ کے شکار ہوتے ہیں۔ اور پھر جب سچے اپدیشکوں کی ہدایت کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ اور ہنسا وغیرہ پاپوں کو نہیں چھوڑتے۔ تو اور بھی بڑے عذاب پاتے اور تباہ ہوتے ہیں۔ خود اپنے ملک کا تجربہ ہے۔ کہ گوشت خوری کی عادت سے حیوانات کم ہو گئے ہیں۔ اور دودھ وغیرہ کی کمی سے کمزوریاں اور بے حد قحط اہل ملک کے لئے دکھدائی ہو رہے ہیں۔

ممکن ہے۔ ہمارے اس بیان کو غیر معقول استدلال سمجھا جاوے۔ اس لئے ہم اگلی آیتیں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کہ درحقیقت موقع و محل کے لحاظ سے پہلی و دوسری آیت کا یہی سچا مفہوم ہے۔

سو خدا نے جو حلال اور پاک چیزیں عطا کی ہیں۔ وہی کھاؤ اور اگر خدا کی ہی عبادت کرتے ہو۔ تو اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔"

۳۔ تحقیق تم پر مردار خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ پر نامزد جانور حرام کیا گیا ہے۔ بہ استثنائے اس کے کہ بغیر نیت ہنسا و عادت گوشت خوری کے مجبوری صورت والے کے لئے خدا مغفرت اور رحم کرنا ہے۔ ۴۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا جھوٹا زبانی دعوےٰ ہے۔ ان کے متعلق یہ نہ کہا کرو۔ کہ فلاں چیز حلال ہے۔ اور فلاں حرام۔ یہ اللہ کے متعلق جھوٹی افترا ہو گی۔ بلاشبہ اللہ کے متعلق جھوٹ بہتان باندھنے والے فلاح نہیں پائیں گے ذرا سا سودا۔ مگر عذاب عظیم پاتے ہیں۔ ۶۔ (۱)

۱۔ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا .... مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ

چونکہ اس بستی والوں کو اللہ کی نعمت کی بیقدری کے صلہ میں عذاب ملنے کا ذکر کر کے ہدایت یہ دی گئی ہے۔ کہ ہذا مردار اور خون کو حرام سمجھو۔ وغیرہ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ان پھل کی بیقدری سے مردار کے کھانے اور بے زبان حیوانوں کے خون بہانے کا ہی مطلب ہے۔ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے۔ کہ کتاب الہی سے جو حرام حلال ہے۔ اسے بھول کر خود کہتے پھرنا۔ کہ فلاں جانور حلال ہے۔ اور فلاں حرام ہے۔ یہ ایک قسم کا خدا پر بہتان ہے۔ کہ ناقص العقل انسان کی غلط رائے خدا کے ذمہ مڑھی جاتی ہے۔ صورت مجبوری کے لئے مستثنے صورت کو پیش کر کے بھی اصل اصول گوشت کے غیر مشروع ہونے کا ہی پیش کیا گیا ہے۔ اور پھر گوشت خوروں کی بے عقلی پر بھی اظہار افسوس کیا ہے۔ کہ کیا ذرا سی لذّت یا عیش کے بس میں ہو کر عذاب الیم کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہودیوں پر بھی اس کے حرام ہونے کے بیان کا اشارہ دیا گیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جہالت سے ایسا پاپ کرنے کے بعد جو اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ خدا اس پر مغفرت اور رحم کرتا ہے۔

آخری یا سولھویں رکوع میں ابراہیم اور اس کی ملت کی تعریف کر کے آنحضرت کو بھی اسی دھرم پر چلنے کی ہدایت ہے۔ چوتھی آیت میں کہا ہے۔ تحقیق ہم نے ہنسا کا الزام انہی پر لگایا تھا۔ جنہوں نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ اور لشچہ تیرا رب ان کے درمیان امور مختلف فیہ کے متعلق فیصلہ کر کے زمانہ امن و اتحاد لائیگا۔ (۱)

سبت کے معنے جو غلطی سے ہفتہ کا دن ایسے موقعوں پر لیا جا رہا ہے۔ اس کا بھی فیصلہ ان آیات سے اچھی طرح ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہنسا اہنسا کا ہی مضمون چل رہا ہے۔ اور اسی کے متعلق باہمی اختلاف کا فیصلہ ہو کر زمانہ اتحاد آنے کا ذکر ہے۔ **یازدہم ۱۔ سورۃ طہٰ**

رکوع ۴۔ آیت ۱۳ میں من اور سلوی کا مثل اور جگہوں کے ذکر ہے۔ اور یہ ہے بھی نباتوک پدارتھوں کے نام سے۔ اس کے آگے چوتھی آیت میں کہا ہے۔ جو پاک دساتوک رزق میں نے تم کو دیا ہے۔ وہ کھاؤ۔ وہ اور اس میں شریعت کو نہ توڑو۔ ورنہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا اسے گیا گذرا ہی سمجھو۔ (۲)

یہاں صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ان اور پھل کو چھوڑ کر گوشت کھانا حد شریعت کو توڑنا اور غضب الہی کا مستحق ہونا ہے۔

دوازدہم سورۃ الحج

رکوع ۴ میں ابراہیم کو شرک سے بچنے اور خانہ کعبہ کی تقدیس کو قائم رکھنے اور لوگوں میں حج کی شمولیت

۱۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

۲۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝

۳۔ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

کا پرو پیگنڈا کرنے کی ہدایت دینے کے بعد تیسری آیت میں کہا ہے۔ کہ دور دور سے آنے والے لوگ دیکھیں گے۔ کہ کیا کیا فائدہ پاتے ہیں۔ اس کے آگے یہ ہے۔ کہ وہ ان مقرّرہ ایام میں اس خدا نے اہنسک مویشیوں کے ذریعے جو رزق انہیں دیا ہے۔ اس پر خدا کے نام کا جپ کریں۔ سو اس سے خود کھاؤ۔ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ (۱)

یہاں صاف کھول دیا ہے۔ کہ گائے وغیرہ اہنسک پشوؤں سے جو رزق ملتا ہے۔ یعنی دودھ وغیرہ اور اس کے بیٹوں کی بدولت کھیتی کرنے پر جو ان اور پھل ملتا ہے۔ اس کے لئے خدا کی یاد اور شکر گذاری کرنا انسانوں کا فرض ہے۔ اور انہی پشوؤں سے کھانے کا مطلب بھی اس رزق کو کھانا ہے۔ یہ نہیں۔ کہ ان کا گوشت کھالو۔ کیونکہ وہ تو حرام ہے۔ کیا سوڈا واٹر کی مشین سے پانی تیار کرنے کی بجائے کوئی اسے کوٹ پیس کر کھانا بھی کبھی دیکھا ہے۔

مفسرین نے جو یہ مفہوم نکالا ہے۔ کہ پشوؤں کو ذبح کرو۔ اور کھاؤ اور کھلاؤ۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کعبہ جیسے دارالامان میں ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔ اور دوسری جگہوں میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ قرآن سواری اور بار برداری کا کام لینے کی ہدایت دیتا اور ان کا گوشت کھانے سے صاف منع کرتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کی صاف ممانعت موجود ہے۔

چوتھی آیت میں میل کچیل دور کرنے یعنی حجامت وغیرہ کروا کر نہانے دھونے کی ہدایت ہے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی۔ اس کے بعد آیت ۵ میں کہا ہے۔ کہ جو خدا کی قابل احترام چیزوں کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے اہنسک پشو حلال ہے۔ بہ استثنائے اس امر کے جو تم پر واضح کیا گیا ہے۔ پس ان کی جسمیت والی گندگی سے پرہیز کرو۔ اور جھوٹ کہنے سے کنارہ کرو۔ (۲)

اس آیت میں حرمت کا لفظ ان اہنسک پشوؤں کے لئے ہے۔ اور ان کی تعظیم کرنا یہ ہے۔ کہ ان کو مار کر ان کا گوشت نہ کھایا جاوے۔ بلکہ ان کی خدمت کر کے ان کی عمر بڑھائی اور ان سے وہ فوائد حاصل کئے جاویں۔ جن کے لئے وہ مقصود ہیں۔

اوثان کے معنے مفسرین نے بتوں کے کر دیئے ہیں۔ اور بتوں سے مراد جھوٹے معبودوں کی لی ہے۔ لیکن آیت کا دیوتایا مضمون تو ہے۔ انعام۔ اس لئے معبود بتوں کا کیا تعلق۔ یہاں تو صاف ثابت ہو رہا ہے۔ کہ اہنسک پشو کے حلال ہونے سے مراد تعاون کی ہی ہے۔ کیونکہ جو استثنا واضح کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ یعنی ان کے جسموں یا گوشت والی ناپاکی سے پرہیز کرو۔ یہی کچھ سورۃ الانعام رکوع ۱۸ کی دوسری آیت میں شحوم لفظ کی تشریح میں ہم نے واضح کیا ہے۔ اور نیز آیت زیر بحث کے بعد چھٹی آیت میں کہا ہے۔ کہ صرف اللہ کی سچائی پر ہی قائم رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو اللہ کا شریک کرتا ہے۔ وہ گویا آسمان سے گرتا ہے۔ اور اس کی یہ تقدیر ہوتی ہے۔ کہ یا تو پرند اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں۔ یا ہوا اس کو اڑا کر دور جا پھینکتی ہے۔ اس کا مدعا صاف وہی ہے۔ جو سورۃ الانعام میں کہا تھا۔ کہ لوگ بغیر صحیح شریعت کا علم حاصل کئے

۱۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي اَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝

۲۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا

قَوْلَ الزُّوْرِ ۝

خودرائی سے کہہ رہے ہیں۔ فلاں جانور حلال ہے۔ فلاں حرام ہے۔ یہ غلط باتیں جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں کیونکہ وہ شریعت میں خدا کے علاوہ اوروں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں یہ مثال دی ہے۔ کہ انسان جو حلال حرام کی باتیں گھڑ رہے ہیں۔ وہ ان پرندوں کی مثال ہیں۔ جو کسی گر کر مرے ہوئے کو نوچ نوچ کھاتے ہیں۔ یا اس ہوا کی مانند جو مردہ جسموں کی بدبو یا ذرّات یا ٹکڑوں کو دور دور اڑا رہی ہے۔ برخلاف اس کے خدا کی شریعت کو ماننے والے بلندی کے آسمان پر اور ان خودغرض خودنما مذہبی لیڈروں جیسے نوچ نوچ کر کھانے والے پرندوں سے محفوظ ہیں۔ لیکن اگر اوثان کو بتوں کے لئے ہی مخصوص کریں۔ تو بھی بتوں والی گندگی کا مطلب یہی نکلے گا کہ ان پر جو پشوؤں کی بلی چڑھا رہے ہیں۔ اس سے بچو۔

اس سے آگے ساتویں آیت میں کہا ہے۔ کہ یہ تو ہوا ان کا حال۔ اور جو ان اللہ کی نشانیوں کی عزت کریگا اس کا عمل اس کے دلی تقویٰ کا ثبوت ہوگا۔ (۱)

گویا پانچویں آیت میں حُرُمٰتِ اللہ کا اور ساتویں میں شعائر اللہ کا لفظ گائے وغیرہ کے لئے ہیں۔ اور ان کی عزت اور وہ دلی تقویٰ یا پرہیزگاری ہے۔ جس پر قرآن بار بار زور دے رہا ہے۔

اس رکوع کی آٹھویں آیت میں کہا ہے۔ ان حیوانوں میں تمہارے لئے مقررہ وقت تک فوائد ہیں۔ اور پھر ان کا ڈیرا بیت عتیق (اس دار الامان) کی طرف سمجھو۔ ۲

کیا مطلب کہ جب تک خانہ داروں کے پاس گائے وغیرہ ہیں۔ وہ ان سے فوائد حاصل کریں۔ اور جب ان سے فوائد حاصل نہ کر سکیں یا جب وہ بوڑھے ہو جائیں۔ انہیں بیت عتیق میں پہنچایا جائے۔ جہاں وہ امن اور آزادی سے رہیں۔ افسوس نذبیح حیوانات کی ممانعت کا انتہائی انتظام اسلامی شریعت میں ہونے پر بھی گوشت خور لوگوں نے ایک طرف تو اپنی کمزوری کے لئے رستہ نکال لیا ہے۔ اور دوسری طرف خانہ کعبہ کو دار الامان کہتے ہوئے بھی اس کو بے زبان جانوروں کا قتل یا قربانگاہ مشہور کر دیا ہے۔

رکوع ۵۔ آیت ۱۰۔ اور ہم نے کل امتوں پر عبادت کا فرض لگایا۔ کہ انہیں پشوؤں کے ذریعے انہیں جو رزق مل رہا ہے۔ اس پر خدا کے نام کو یاد کریں۔ سو تمہارا خدا ہی واحد معبود ہے۔ اس کے فرمانبردار رہو اور اس کے حکم کے آگے جھکنے والوں کو بشارت دو (۳)

دوسری آیت میں ان جھکنے والوں کے متعلق کہا ہے۔ کہ "یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ خدا کا ذکر ہونے پر ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ مصیبت میں وہ صبر سے کام لیتے ہیں۔ عبادت باقاعدہ کرتے ہیں۔ اور جو رزق خدا نے دیا۔ اس میں سے راہِ حق میں خرچ کرتے ہیں (۴)"

یہ خوبیاں گویا غیر گوشت خوروں یا پشوؤں کی رکھشا کرنیوالوں کی ہیں۔ پہلی آیت میں منسک لفظ کے معنے

۱۔ ذٰلِكَ ق وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

۲۔ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○

۳۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا

۴۔ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

عبادت کے ہیں۔ ناسکا یعنی ناک سے پرانایام کرنے کا رواج عبادت سے وابستہ ہونے سے نسک کا مفہوم عبادت اور بھی وزندار ہوتا ہے۔ لیکن مفسرین اس کے معنے قربانی کے لیتے ہیں۔ لیکن حاشا کہ کہیں بھی قرآن میں اس کی اجازت ہو۔ حتےٰ کہ ایک دو آیت کے بعد اسی مضمون میں ایسی قربانی وغیرہ کی نہایت زوردار الفاظ میں صاف صاف تردید کی گئی ہے۔ اور اللہ کا نام لینے یا اس کا شکریہ کرنے کا تعلق اس رزق سے ہے۔ جو گائے۔ بیل۔ بکری۔ بھیڑ اونٹ وغیرہ کے ذریعے ملتا ہے۔ ان کے گوشت کی وجہ سے نہیں۔

تیسری آیت میں کہا ہے۔ اور ہم نے انسانی جسموں کو تمہارے لئے خدا کی نشانی ہی بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ (کیونکہ انسانی قالب نجات کا دروازہ ہے) پس تم ان پر صف بستہ ہو کر اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ ہر لحاظ سے پختہ ہو جاویں۔ ان سے (کما کر) کھاؤ۔ اور قانع اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ کہ تم شکر کرتے رہو۔ ۳۔ (۱)

اس آیت کے لفظ البدن کو مفسرین اونٹ پر لگاتے ہیں۔ اور بعض اس کے ساتھ گائے کو بھی شامل کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی مفہوم گائے یا اونٹ کی قربانی لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا۔ اب اونٹ کو ہم نے تمہارے لئے یہ بھی اللہ کی خاص نشانی بنائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے بڑی بہتری ہے۔ پس ان کا دودھ دوہتے ہوئے اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ بچہ جنے۔ اس کے ذریعے خود کھاؤ اور اہل قناعت وحاجت کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے ان دونوں معنوں اور مفسرین کے ترجموں پر بحث کر دی ہے۔ اور یہاں بھی یہ واضح کر دیتے ہیں۔ کہ البدن جمع ہے۔ بدنۃ کی۔ بمعنے انسانی جسم کے اور چونکہ آیت زیر بحث سے حیوانوں یعنی گائے۔ اونٹ وغیرہ کے وجود سے ملے ہوئے رزق یا فوائد کے لئے شکر گذار رہنے کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے اس میں اب انسانی جسم کا ذکر آنا ہی معقول ہے۔ اور کوئی مسلمان انسانی جسم کی قربانی چڑھانے کو صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ نہ کوئی انسانی قربانی کرتا ہے۔ پس معاملہ بالکل صاف ہے۔ لیکن اگر البدن سے اونٹ کی مراد لی جائے گی۔ تو پہلی آیتوں میں جو انعم کا لفظ ہے۔ وہ محض گائے اور بکری کے لئے آئے گا۔ اور اس باب کی آیات محولہ بالا میں ہر کہیں انعام یا شعائر اللہ کی تعظیم سے مقدم طور پر گائے کی عزت مقصود سمجھی جائے گی۔

صواف کے معنے انسانی جماعت کے تعلق سے صف باندھے ہوئے ہی ہو سکتے ہیں۔ اور وجبت جنوبہا کے معنے ہر پہلو یا ہر لحاظ سے پختہ ہونے کے یا سارے پہلوؤں پر گھومتا یعنی ہر طرف ایشور کی ویاپکتا کا احساس جیسا کہ سندھیا کے منسا پرکرما کے منتروں میں ہے۔ اور اوپر جو نسک لفظ عبادت کے لئے آیا ہے۔ اور جس سے پرانایام والی عبادت مقصود ہو سکتی ہے۔ وہ بھی منسا پرکرما والی سندھیا سے ہی اس کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ اور اونٹ پر لگیں تو صواف کے معنے ہوں گے۔ "در دو محلبہ یا بیشتر دوشیدن ناقہ را" (صراح) یعنی دو یا زیادہ برتنوں میں اونٹنی کا دودھ دوہنا۔ پس کسی جانور کو مارنے یا قربانی کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی رکوع کی چوتھی آیت میں

۱۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

کیا ہے۔

"خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ نہ خون۔ بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری (تقوی) ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو ہدایت تمہیں دی ہے۔ اس کے مطابق تم اس کی بڑائی گاؤ۔ اور نیک عملوں کو بشارت دو۔ (۱)

پس جب خدا تک خود گوشت پہنچتا ہی نہیں۔ تو اس قربانی سے انسان کو قرب الہی کیسے مل سکتا ہے۔ اور جب خدا صرف تقوی یا پرہیزگاری کا طالب ہے۔ اور اس سے پہلے یعنی چوتھے رکوع کی ساتویں آیت میں واضح ہو چکا ہے۔ کہ تقوی پشوؤں کی حفاظت کا نام ہے۔ تو ان کو مارنے سے متقی پن کے خاتمے کے بنا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ امر کہ خدا نے جنہیں ہماری خدمت کے لئے ہمارے مطیع کیا۔ ہم ان کو مار کر اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی مار رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ اس مہنگائی اور قحط سے جس سے تمام جہان نالاں ہے۔ اور اس درندگی سے جو انسانی جماعتوں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ گویا نہ انسانوں کے عمل نیک رہے نہ وہ بشارت کے مستحق ہوئے۔

سیزدہم متفرق

رکوع - ۱ - آیت ۱۹ تا ۲۲ سورۃ المومنون۔

اور ہم نے اندازے سے تم پر آسمان سے پانی برسایا۔ اور ہم اسے اڑا لے جانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ ۱۹۔ پھر اسی پانی سے ہم نے تمہارے واسطے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے۔ ان میں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے ہو۔ ۲۰۔ طور سینا سے ہم نے ایک درخت پیدا کیا۔ جو کھانے والوں کے لئے رنگ وروغن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ ۲۱۔ اور بلاشبہ گائے وغیرہ میں تمہارے لئے خاص سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو ہے۔ تم اسے پیتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان سے بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے ہو۔ ۲۲۔

یہاں باغوں کے میووں کا ذکر کر کے انسانوں کے ان سے کھانے کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ باغوں سے جو پیداوار ہوتی ہے۔ اسی طرح گائے وغیرہ سے جو فوائد ہیں۔ ان کا ذکر کر کے کہا ہے۔ کہ ان سے تم کھاتے ہو۔ گویا حیوانوں کے ذریعے دودھ یا ان اناج جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ کھاتے ہو۔ نہ کہ ان کا گوشت۔ سورۃ الفرقان میں کہا ہے۔ کہ ہم رسول کو تب مانتے۔ کہ اس کے پاس باغ ہوتا (یاکل منہا) جس سے وہ کھاتا یعنی جس کی پیداوار یا جس کا منافع۔

رکوع - ۴ - آیت ۱ میں ہدایت ہے۔ کہ اے رسولو۔ پاک خوراک کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

سورۃ الشعرا۔ رکوع ۸ - آیت ۷ میں باغوں۔ چشموں۔ کھیتی۔ کھجوروں کے گچھوں کو ہی آرام کی چیزیں ظاہر کیا ہے۔ اور ان کے متعلق بھی اعتدال کا خیال دلایا ہے۔ اور رکوع کے اخیر میں پھر اونٹنی کا ذکر کیا ہے۔ کہ اس کے کھانے پینے کے متعلق سہولتوں کی ہدایت ہوتے پر نافرمانی کر کے لوگ عذاب سے تباہ ہو گئے۔

السجدہ۔ رکوع - ۳ - آیت ۵ میں بیان ہے۔ کہ بارش کا پانی زمین میں پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے کھیتی ہوتی ہے۔ اور اس سے انسان اور حیوان پلتے ہیں۔

لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم كذلك سخرها لكم لتكبروا الله على ما هداكم وبشر

سورۃ یٰسٓ ۔ رکوع ۔ ۳ ۔ آیت ۱ تا ۳ ۔ اور ان کے لئے مردہ زمین بھی خاص سبق دیتی ہے۔ جسے ہم بارش سے
زندہ کر کے اس سے غلہ پیدا کرتے ہیں جس سے تم کھاتے ہو۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں
کے باغ اگائے اور ان میں چشمے جاری کئے۔ کہ اس کے پھلوں کو کھائیں۔ جسے ان کے ہاتھوں نے پیدا
نہیں کیا۔ سو کیا شکر نہ کریں گے۔ پاک ذات ہے وہ جس نے کل قسموں کے جوڑے بنائے۔ زمین کی نباتات
سے۔ ان کی جنس سے اور اس چیز سے جس کو لوگ جانتے نہیں۔ (۱)

یہاں بھی خوراک ان اور پھل کا ہی نام ہے۔ اور پیدائش کا تعلق نباتات ارضی سے ہی جوڑا ہے۔
اسی سورۃ کی رکوع ۵ آیت ۴ و ۵ میں ہے۔

کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں۔ کہ ہم نے ان کے لئے اپنی قدرت سے مویشی پیدا کئے ہیں۔ سو وہ ان
کے مالک بن رہے ہیں۔ اور ہم نے ان کو ان کے تابع کر رکھا ہے۔ وہ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ اور ان
کے ذریعے خوراک پاتے ہیں۔ (۲)

اگلی آیت میں کہا ہے۔ کہ ان کو ان سے پینے کی چیزیں اور بہت سے فائدے ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے پر کہیں
یہ نہیں لکھا۔ کہ ہم نے حیوان اس لئے پیدا کئے ہیں۔ کہ انسان ان کو ذبح کرے۔ اور ان کا گوشت پکا کر
کھائے۔ واقعی انسان کی گراوٹ کا ثبوت ہے۔ کہ حیوانوں کا مالک بن کر خود اپنی ملک کو مارتا ہے۔

سورۃ الزخرف رکوع ۔ ۱ ۔ آیت ۱۱ ۔ ۱۲

اور خدا وہ ہے۔ جس نے سب جوڑے بنائے ہیں۔ اور تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں۔ جن
پر تم سواری کرتے ہو۔ ان کی پشتوں پر بیٹھو۔ اور جب سواری کر چکو۔ تو اپنے رب کا شکریہ ادا کرو۔ اور
کہو کہ پاک ذات ہے اس کی جس نے انہیں ہمارے مطیع کیا ہے۔ ورنہ ہم ان پر قابو نہ پا سکتے۔" (۳)
کیا ایسے جانوروں کو مار کر ان کی اطاعت سے فائدہ نہ پانا کوئی عقلمندی ہے۔
اسی سورت کے رکوع ۷ آیت ۵ میں جنت میں کھانے کے لئے میوے لکھے ہیں۔

سورۃ قٓ رکوع ۱ ۔ آیت ۔ ۷ ۔ ۸ ۔ ۹

ہم نے آسمان سے مبارک پانی برسایا۔ اور اس سے باغ پیدا کئے۔ اور کھیتی کا غلہ۔ خوب گوندھے
گچھوں والے لمبی لمبی کھجوروں کے درخت۔ یہ ہے لوگوں کے لئے رزق اور اسی سے مردہ زمین زندہ
ہوتی ہے۔ سورۃ الملک ۔ رکوع ۔ ۲ ۔ آیت ۔ ۱ ۔ خدا وہ ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا۔

۱۔ وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَ
أَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝

۲۔ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝

۳۔ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا
نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝

سوئم   اس کے رستوں میں چلو۔ اور جو رزق اس سے ہوتا ہے۔ کھاؤ۔ (۱)

سورۃ النّٰزعٰت رکوع - ۲ - آیت ۳۱ تا ۵ میں ہے۔ کہ زمین سے ہم نے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے اس پر پہاڑ قائم کئے۔

سورۃ عبس آیت ۲۶ تا ۳۲ - پھر ہم نے زمین کو خاص طور سے پھاڑا۔ اور اس میں غلہ۔ انگور۔ ترکاری زیتون - کھجور - گنجان باغ - میوے اور چارے پیدا کئے۔ کوئی تمہارے لئے کوئی تمہارے مویشیوں کے لئے (۲)
اس قسم کے تمام حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن محض ان اور پھل کو انسان کی خوراک بتاتا ہے۔ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی ذکر نہیں۔ کہ خدا تم کو گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے۔   ایک جگہ ابراہیم کے مہمانوں کے آگے گوشت رکھا جانے کا بیان ہوا۔ مگر وہ بھی مہمانوں نے کھایا ہی نہیں اور ابراہیم کو بھی اس سے خوف ہوا اس کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ اور سورۃ الذاریات رکوع ۲ میں بھی یہ قصّہ اسی طرح مذکور ہے۔ اس کے علاوہ ایک دو جگہ تازہ گوشت (مچھلی) کا اور ایک جگہ پرندے کے گوشت کا مفہوم طیر لفظ سے بہشت کے متعلق لیا جاتا ہے۔ سو اس کے متعلق مختصر بحث یہاں لکھی جاتی ہے۔

لَحْمًا طَرِيًّا و لَحْمِ طَيْرٍ

لَحْمًا طَرِيًّا جس کے معنے تازہ گوشت کے کئے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ کہ لحم بمعنے گودے کے ہے۔ جیسے سنگھاڑہ یا بھسیں (وہ لمبی نال جو کنول کے نیچے پانی میں ہوتی ہے) یا نیلوفر وغیرہ اور جہاں چرک سمشرت کے حوالے سے   سنسکرت میں مانس کو گودے کے معنے بھی لیا گیا ہے۔ وہاں ویدمیں سورگ یا جنّت کے بیان میں اولاد کے سلسلے کو پانی کی اس پیداوار سے تشبیہہ دی ہے اندر طب میں بھی لحم گودا کیلئے آیا ہے اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۳۴ منتر ۵ میں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

आण्डीकं कुमुदं सं तनोति विसं शालूकं शफको मुलाली ।

ان میں گول کمل۔ کمل نال۔ کمل کند اور دیگر خوبصورت کملوں کا ذکر ہے۔ پس قرآن جو شروع سے آخر تک گوشت یا مردار کو حرام کہتا ہے۔ اور سمندری شکار کی اجازت دینے پر بھی اس کے گوشت کھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور صید البحر وطعامہٗ کے دو لفظوں کے ذریعہ غلط فہمی کے امکان کا تدارک کرتا اور سمندری غذا کو اس سے الگ کہتا ہے۔ جیسے کہ پہلے واضح ہو چکا ہے۔ وہ کس طرح لحم طریًّا سے مچھلی کے گوشت کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ سنگھاڑے کو [illegible] سکھا کر بھی کھایا جاتا ہے۔ اور پہلے

---

۱ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ

۲ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا وَّ زَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًا وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ

پانی سے تازہ ملتا ہے۔ ایسے ہی بھیں کو بھی کئی طرح پکا کر کھایا جاتا ہے۔ رہا لحم طیر۔ یا پرندہ کا گوشت جس کا ذکر سورۃ الواقعہ آیت ۲۲ و ۲۳ میں اس طرح کیا گیا ہے "اور میوے جو وہ پسند کریں گے۔ اور پرندکا گوشت جو وہ چاہیں گے"، ہماری رائے میں نہ پرند کے گوشت کا جنت سے تعلق ہو سکتا ہے۔ نہ آنحضرت کیسا اہنسا وادی ایسا کہہ سکتا ہے۔ نہ کسی اور جگہ گوشت کی اجازت ہے۔ نہ چرند کے گوشت کی نہ درندہ کے گوشت کی۔ نہ پرندہ کے گوشت کی۔ یہ محض پاٹھ بھید ہو رہا ہے۔ خواہ صحابی جماعت سے ہوا۔ خواہ اس کے بعد اصل لفظ یہاں بھی "لحماً طریاً" سمجھنا چاہیئے۔ اور ذرا سے غور پر اس امر کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ہر کہیں خوراک ان پھل اور میوے کو مانا گیا ہے۔ کھیتی کا ذکر غلہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔ اور میوے اور پھل کا باغ سے۔ اور پھل کے لئے "تازہ گودا یا لحم طریاً" کا لفظ بالخصوص دریائی پھل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ آیت زیر بحث میں چونکہ جنت یا باغ سے میوے کا ذکر ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسرا لفظ پھل کے لئے چاہیئے۔ اس لئے "ثمرات یا لحم طریاً" کا لفظ ہی دوسری آیت میں آنا تھا۔

ویدک سورگ اور اسلامی بہشت کا بیان ساتویں باب میں ہے۔ اور مفصل بحث اس جگہ کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت نے ویدک سورگ کا ہی اپنے لفظوں میں چتر کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں زیادہ ثبوتوں کو نہ دوہرا کر ہم سورۃ المحمد۔ رکوع ۲۔ آیت ۴ کو پیش کرتے ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے۔

(جو جنت متقی لوگوں کے لئے مقرر ہے اس کی کیفیت یہ ہے۔ کہ اس میں نہ بگڑنے والے پانی کی نہریں ہیں اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں۔ جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور ایسے شراب کی نہریں ہیں۔ جو پینے والوں کے لئے لذت دینے والا ہے۔ اور ایسی شہد کی نہریں ہیں۔ جو بالکل صاف ہے۔ اور اس میں ان کے لئے ہر قسم کا پھل ہوگا۔ اور ان کے رب کی مغفرت"۔ (۱)

اس کے مقابلے پر اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۳۴۔ منتر ۶ کو لیجیئے۔

گھی والے۔ شہد سے لبالب بھرے ہوئے۔ سُرا یعنی لذیذ پینے والی چیزوں سے بھرے ہوئے دودھ سے پر۔ دہی اور جل سے بھرے ہوئے کلشوں کی یہ سب راحت بخش دھاریں سورگ لوک میں سب طرف سے تجھے پراپت ہوں۔ آنند برساتی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں۔ اور تجھ پر قوت یا قرار لاتی ہوئی یہ تیرا انجام بخیر کریں۔ (۲)

دونوں وید منتر صریحاً ایک ہی مطلب کو پیش کر رہے ہیں ... سکھ یا سکھ والی جگہ ... دودھ۔ گھی۔ شہد۔ دہی اور پینے کی ... انتہی ستکار یا ... بھی جو منتر پیش کئے گئے۔ ان میں بھی ... مرغوب شے اور

۱۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّا
وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ

۲۔ घृत ह्रदा मधुकूलाः सुरोदकाः क्षीरेण पूर्णा उदकेन दध्ना ।
एतास्त्वा धारा उपयन्तु सर्वाः । स्वर्गे लोके मधुमत् पिन्वमाना उप त्वा तिष्ठन्तु पुष्करिणीः समन्ताः ॥६॥

بل سے ہی خاطر تواضح مذکور ہے۔ اور اس منتر میں بھی وہی کچھ ہے۔ آیت میں دودھ۔ پانی شہد کے الفاظ میں سے تو مطابقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ لیکن خمر کا لفظ شراب کے لئے استعمال ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ خمر کے معنے شراب کے علاوہ خمر کرنا۔ خمیر میں مایہ کرنا اور حقیقت کا چھپانا اور محفوظ رکھنا بھی ہے۔ اور الخمرۃ۔ خمر بغنختین۔ پوشش از ہر چیز چوں مشقف یا کوہ یا وادی وریگ تودہ ومانند آں وانبوہِ مردم ونہاں شدن (صراح) اس لحاظ سے جیسے آٹے کا خمیر کیا جاتا ہے۔ ویسے دودھ کو جمایا جاتا ہے یا جو دودھ میں نہاں ہے۔ وہ دہی۔ مکھن۔ گھی سب اس کے معنے ہیں ہیں۔ اور چونکہ دوسری تمام جگہوں میں لذّت والا شراب مذکور ہے۔ جس میں نہ نشہ ہے۔ نہ لغو۔ اور شراب نام ہے ہر اس شئے کا جو پینے میں آتی ہے۔ بالخصوص لذت والی شراب شربت وغیرہ ہیں۔ جو صحت میں معاون ہیں۔ اس لئے خمر لفظ سے نشہ کرنے والا شراب مقصود نہیں۔ بلکہ ویدمنتر میں جو سُرَد کا لفظ لذیذ نوشیدنی اشیا کے لئے آیا ہے۔ اسی کا قائمقام ہے۔ اور کامل مطابقت کا یہ آیت اور منتر نہایت پختہ ثبوت ہیں۔ ایسی صورت میں پرندے کا گوشت بہشت میں ملنا قرآن کا بیان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جب قرآن قدیم بے بدل دہرم کی توضیح کرتا ہے۔ اور آیت اور منتر باہم مطابق ہیں۔ اور جب قرآن کا ہر بیان قرآن کی اپنی شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن پرندکے گوشت کے لفظ کی شہادت کہیں دوسری جگہ موجود نہیں۔ تب سوائے پاٹھ بھید ہوتے یا غلط فہمی سے کیا جانے کے کوئی اور نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں ان لذیذ نوشیدنی چیزوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ سورۃ الدہر میں سونٹھ کی آمیزش والے پانی کو سلسبیل کہا گیا ہے۔ جیسے آج کل جنجر واٹر بوتلوں میں بند مل رہا ہے۔ سورۃ التطفیف میں ایسی پینے والی چیزوں کے نام رحیق اور تسنیم ہیں کہیں کسی پانی کو کافور کی آمیزش والا کہا ہے۔ کہیں رحیق کو سربمہر کہا ہے۔

سورۃ الواقعہ میں تین قسم کے انسان مذکور ہیں۔ مقرب (خدا رسیدہ) اصحاب یمین (نیک عمل) اور اصحابِ شمال (بدعمل) اور یہ لذیذ نوشیدنی اشیا مقربوں سے مخصوص ہیں۔

مروجہ تذبیح بقر یا گومیدہ یگیہ کی تردید

موجودہ اسلام میں گوکشی یا گائے کی قربانی مروج ہے۔ مگر ہم اس کی بنیاد ہندوؤں کے گومیدہ یگیہ کو سمجھتے ہیں۔ نہ قرآن کو نہ اسلام کو۔ بلکہ اسلام جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔ اس کا انتہائی مخالف ہے۔ چنانچہ انعام کا لفظ جو ہر کہیں نرم مزاج یا اہنسک پشوؤں کے معنے میں لیا گیا ہے۔ غور سے دیکھنے پر زیادہ تر گائے کے لئے مستعمل معلوم ہوتا ہے۔ کھیتی۔ باربرداری۔ سواری۔ دودھ سب سے گائے اور بل کا تعلق ہے۔ اور حُرمٰتِ اللہ۔ شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کی حفاظت مقدم طور پر گئو رکھشا کا مفہوم پیش کرتی ہے۔ حتٰے کہ سورۃ البقر میں جو تذبیح بقر کا مضمون ہے۔ وہ بھی نہایت عالمانہ طور پر تذبیح بقر یا گومیدہ کے مفہوم کو نفس کشی سے وابستہ کرتا ہے۔ اور گائے کی تعظیم کے جذبات کا پورا

احترام کرتا ہے۔ ویدک دھرمی خود دھرم اور گیان کے آدرش سے گر کر اشومیدھ یگیہ سے گھوڑے کا۔ گومیدھ سے گائے کا اور نرمیدھ سے نر کا مارنا یا قربان کرنا سمجھ رہے تھے۔ لیکن مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش سمولاس ۱۱ میں بتایا۔ کہ یہ مدعا بالکل غلط ہے۔ بلکہ اشومیدھ اس کا نام ہے۔ کہ راجہ انصاف یا دھرم سے رعیت کی پرورش کرے۔ نیز عالم بجمان کا علم بڑھانا اور آگ میں گھی وغیرہ کا ہوم کرنا اشومیدھ ہے۔ گومیدھ یہ ہے۔ کہ اناج۔ حواس (من وغیرہ اندرونی اندریوں اور آنکھ وغیرہ بیرونی اندریوں) کرنوں اور زمین کو پاکیزہ رکھا جاوے۔ اور نرمیدھ یہ ہے۔ کہ جب انسان مرجاوے اس کے جسم کو باقاعدہ جلایا جاوے۔

مہرشی کے ان الفاظ سے گومیدھ کا سب سے اعلےٰ مفہوم من کو پاکیزہ رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ سو قرآن میں تذبیح بقر کا یہی مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ سورۃ البقر کی آیت ۶۷ تا ۷۳ پر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے آنحضرت تذبیح بقر یا بقر عید یا گومیدھ کی بنیاد موسےٰ کے ایک قول کو قرار دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا۔ کہ خدا کا حکم ہے۔ بقر کو ذبح کرو۔ آپ ثابت کرتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب تو تھا من کو مارو۔ مگر لوگوں نے سمجھا۔ موسےٰ گائے کو مارنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر سامعین برافروختہ ہو کر موسےٰ پر ناراض ہوئے کہ کیا تو ہمارے دل دکھاتے یا جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی بات کہتا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگ گائے کی تعظیم کرتے تھے۔ اور نیز یہ کہ جب کوئی گائے ذبح کرنے کا نام لے۔ عوام الناس کو اسے برداشت نہ کر کے اظہار ناراضگی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ موسیٰ کی قوم نے ایسا کیا۔ جس پر موسیٰ نے معافی مانگی اور کہا۔ کہ بپناہ بخدا میں ایسا جاہل نہیں۔ کہ گائے کے متعلق ایسا کہوں۔ گویا یہ طے شدہ امر ہے۔ کہ موسےٰ کا گائے کی طرف اشارہ نہ تھا۔ اور لوگوں نے یہ مفہوم لینے میں غلطی کھائی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب بقر سے مراد گائے نہ تھی۔ تو کیا چیز تھی۔ اس کی توضیح قرآن میں یوں کی ہے۔ کہ موسےٰ کی معذرت سن کر لوگوں نے کہا۔ ایسا ہے تو ہم خدا کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اور بقر کو ذبح کریں گے۔ لیکن ہمیں یہ گیان تو ہو۔ کہ بقر سے مراد کیا ہے۔ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہم پہ واضح کرے۔ بقر ہے کیا۔ موسےٰ نے کہا۔ خدا فرماتا ہے وہ بقر کیا بچپن اور کیا بڑھاپا دونوں حالتوں میں جوان ہے۔ مگر لوگوں کو اس کہنے سے یقینی علم کچھ نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے پھر عرض کیا۔ کہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں صحیح گیان دے۔ کہ اس کی تو عرت کی خاص تعریف کیا ہے۔ جواب ملا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ آدمی کے پیٹ والا یا اندرونی سانپ ہے۔ بڑا تیز مزاج مگر اہل بصیرت کے لئے مسرت بخش ہے۔ یہ بھی من پر ہی عاید ہونے والی تعریف ہے۔ پاپی من جس کی شدھی کرنی ہے۔ مثل سانپ ہی ہے۔ بد انسان اور ظالم کو سانپ سے بھی گیا گذرا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر من ویگ یا تیزی والا اور چنچل بھی ہے۔ اور گیانی لوگوں کو من کے ذریعے ہی دنیوی اشیاء سے راحت اور سرور ملتا ہے۔ اور ہر چیز من سے ہی مرغوب ہوتی ہے۔ مگر لوگوں نے کہا۔ ہمیں ابھی تک یقینی علم نہیں ہوا۔ اس لئے پھر دعا کیجئے۔ کہ ہمیں اس کا صحیح گیان دے۔ اور اللہ نے چاہا۔ تو اب کے ہم سمجھ جاویں گے۔ جواب ملا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ بقر تمہارے مطیع کیا گیا ہے۔ مگر کھیتی کو پانی دینے یا زمین میں ہل چلانے کے لئے وہ مقصود نہیں۔ بلکہ صحیح سالم یا بالکل پاک اور بے داغ دیا گیا تھا۔ اس پر لوگوں نے کہا۔ ہاں ہاں اب معلوم ہوگیا۔

آپ اب کے صحیح پتہ لائے۔ لہٰذا انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ مگر ایسا کرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے۔ چونکہ پاک اور بیداغ من انسان کو ملا ہے۔ اور وید میں گو کے معنی گئے کے علاوہ من کے ہیں۔ اور یہ من روپی گائے اپنے بیٹوں کے ذریعے ہل چلانے یا کھیتی کو پانی دینے وغیرہ کے کام نہیں آتی۔ اسے انسان جہالت سے واغدار کرتا ہے۔ اور جب اسے مارتا یا پاکیزہ کرتا ہے۔ تب اُس کا عمل ظاہر نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اندر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے سارا بیان بتاتا ہے۔ کہ ویدک سنسکرت کے گو شبد کی جگہ ہی موسےٰ نے بقر کو لے کر من کو مارنے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ مضمون کو ختم کر کے اگلے رکوع کی پہلی آیت میں سارے معمے کو یہ کہہ کر کھول دیا ہے۔ کہ جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تمہارے اندر نور کا ظہور ہوا۔ کیونکہ اللہ کو اس حکم سے تمہارے پوشیدہ کمالات کا ظاہر ہونا مطلوب ہے۔ چونکہ اور جگہ ان آیات پر بحث موجود ہے۔ بالخصوص آیات محولہ بالا کی تفسیر میں موافق و مخالف پہلوؤں پر مدلل و باثبوت بحث پیش کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں مزید نہ لکھ کر بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ اس صحیح اور صریح فتوے کے ساتھ کہ قرآن میں گوشت خوری اور قربانی کی انتہائی ممانعت ہے۔ اور آنحضرت کا منشا خالص طور پر وہی ہے۔ جو ایک سچے اہنساوادی ویدک دھرمی رشی کا ہوسکتا ہے۔

چہاردہم۔ اسلامی لٹریچر اور تاریخ کی شہادت

وید اور قرآن کی گوشت خوری اور قربانی کے متعلق ایک ہی تعلیم ہے۔ یہ دکھانے کے بعد ہم واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ اس مطابقت کی بنیاد کسی کھینچا تانی پر نہ سمجھی جاوے۔ جو جلد باز اور متعصب لوگ ہم سے منسوب کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی لٹریچر اور تاریخ میں بھی شروع سے اب تک ہماری تائید ملتی ہے۔

(۱) خود قرآن کے لفظوں میں بھی کامل صلاحیت موجود ہے۔ کہ ہمارے ترجمے کے بغیر کسی اور ترجمے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بالخصوص تذبح بقر سے نفس کشی کا مفہوم تو قرآن کے الفاظ نے اس زور کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ کہ کوئی بھی سلیم الطبع شخص اس کے ماسوائے کو جہالت پر منحصر کہنے سے رک نہیں سکتا۔

(۲) اس جلد کے شروع کے صفحہ ۲ پر ہم نے خاص معتبر کتب کا حوالہ بھی دیدیا ہے۔ کہ تذبح بقر کی صحیح تاویل من کو مارنا ہے جس سے روحانی زندگی ملتی ہے۔ اور جو حقیقی معنے میں جہاد اکبر ہے۔ یہ صحیح مفہوم اسلام کے چوٹی کے عالموں نے سورۃ البقر رکوع ۹ آیت ۱ کا پیش کیا ہے۔ کہ جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تمہارے اندر گیان کا پرکاش ہوا۔ خدا کو تمہارے عمل نفس کشی سے تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

(۳) اسی مضمون میں یہ بیان ہے۔ کہ ظالم نفس ہی بقر ہے۔ اس کو سچائی کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے یہ منوسمرتی کے اس قول کے مطابق ہے کہ मनः सत्येन शुध्यति (من کی شدھی سچائی سے ہوتی ہے)

(۴) ۱۸ جنوری ۱۹۲۴ء کے سدھرم پرچارک دہلی میں ڈاکٹر سید محمد پی۔ ایچ۔ ڈی کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ چھپا تھا۔ جس میں بہت سے تاریخی ثبوت یکجا ملتے ہیں۔ اس ثبوت میں کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں گائے کی حفاظت کا جذبہ تمام شاہان اسلام میں موجود رہا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر وہ گوکشی کو قانوناً ممنوع قرار دیتے رہے ہیں۔

پہلا ثبوت گوکشی کی مخالفت کا وہ کریا جاجیرا ٹیکس ہے۔ جو جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ تک قصائیوں پر لگا رہا۔ دوسرا ثبوت۔ محمد تغلق کے متعلق دیا ہے۔ کہ اس کے ہاں گومانس پکتا تو کہاں مسے چھوتے تک سے سخت

نفرت تھی۔

تیسرا ثبوت یہ دیا ہے۔ کہ فرحت الملک گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔ محمد غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں بھی وہی حاکم تھا اس نے گوکشی کو حکماً بند کیا۔ اور حفاظت گائے کے لئے ہر ممکن سہولیت بہم پہنچائی۔

چوتھا ثبوت۔ سلطان نصیر الدین کے عہد حکومت میں ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ رسوخ حاصل ہونے کے ذکر کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ فیروز شاہ تغلق کے وقت سے جو ٹیکس بند تھا۔ اس نے پھر لگا دیا۔ اور گوکشی کو بالکل روک دیا۔

پانچواں ثبوت۔ اکبر شاہ نے ٹیکس کو بھی کامل علاج نہ سمجھتے ہوئے خاص طور پر انسداد گوکشی پر توجہ دی۔ اور اسے قانوناً بند رکھا۔

چھٹا ثبوت مضمون نگار قیاسی طور پر پیش کرتا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ سترھویں صدی میں ایک انگریز سیاح ہندوستان میں آیا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا۔ کہ ہندو گائے کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ ایک گائے اور ایک انسان دونوں کے قتل کو مساوی جرم سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمران اس امر پر اپنا کوئی اختیار نہ جتاتے تھے۔ ورنہ انگریز سیاح ہندوؤں کے جذبات کو اس آسانی سے بھانپ نہ سکتا۔

ساتواں ثبوت۔ بابر پادشاہ کے عمل کا ہے۔ جس نے ہندوؤں کے جذبات کو نہایت گہرائی تک مطالعہ کیا۔ اور گوکشی نہ ہونے دی۔

آٹھواں ثبوت۔ بابر کے اس وصیت نامہ کا ہے۔ جو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کے لئے لکھا۔ اس نے اس میں ہندوؤں کے دھرم پریم کو بھی اچھی طرح دکھایا۔ اور گوکشی کو روکنے کی بھی آگیا دی۔ یہ خط ریاست بھوپال کی لائبریری میں ابھی تک محفوظ ہے۔ جس کا ضروری فوٹو راقم مضمون کو نواب کرنل حمید اللہ خاں سے ملا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔

"اے میرے بیٹے! ہندوستان میں کتنے ہی دھرما دلمبی رہتے ہیں۔ یہ اس قادر مطلق شہنشاہ ایشور کی عنایت ہے کہ اس نے اس ملک کی حکومت کی ذمہ داری تیرے ہاتھ میں دی۔ اس لئے تمہیں چاہیئے کہ

(۱) کبھی اپنے مذہبی جھگڑے میں سر اونچا اٹھانے کی کوشش نہ ہونے دینا۔ بلا تعصب وطرفداری کے انصاف کرنا مذہبی خیالات کو سمجھ کر رعیت کی مذہبی تفریق کے متعلقہ رواجوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت کرنا۔

۲۔ بالخصوص گوکشی نہ کرنا۔ کیونکہ اسی سے تم ہندو رعایا کے دلوں کو اچھے لگ سکتے ہو۔ اس طریق سے تم دنیا کی رعایا کو شکر گذاری کے بندھن سے باندھ لوگے۔

۳۔ کسی قومی فریق کے عبادت خانوں کو برباد نہ کرنا۔ اور انصاف پسند رہنا۔ تاکہ حاکم اور محکوم کے درمیان دلی پریم مضبوط ہو اور ساری دنیا میں اطمینان اور امن پھیلے

۴۔ اسلام دھرم کی اشاعت ظالم تلوار کی نسبت محبت اور شکر گذاری سے کرنا کہیں بہتر ہے۔

۵۔ شیعہ سنی کی باہمی پھوٹ کو بھلاتے رہنا۔ نہیں تو وہ دین اسلام کو کمزور کر دیں گے۔

۶۔ رعیت کی ہر موقعہ کی مانگوں کو سال کے موسموں کی طرح ماننا اس سے راج نیتی کا کثیف جسم سب بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔

نو ادر ثبوت یہ آپ اپنے غور و فکر کے نتیجے کا مہیا کرتے ہیں۔ کہ جب غیر ملک سے آئے بابر کا یہ حال ہے۔ کہ اس نے ہندوؤں کے سکھ ترقی محبت بالخصوص گوکشی کے متعلق پر احتیاط عمل کا لحاظ کیا۔ تو یہاں کے رہنے والے یا ہندوستان میں مستقل

طور پر آباد ہو جانے والے اور یہیں پیدا ہونے و ترقی کرنیوالے مسلمانوں نے کیا جانے کس قدر ان کا مذہبی احترام کیا ہوگا
دسواں ثبوت۔ آئین اکبری اور دوسری کتابوں کا دیکھ ہے۔ جن سے اکبر کے ایک دم گوکشی کو اپنے سارے راجیہ میں بند کرنے کے صاف احکام موجود ہیں۔

گیارھواں ثبوت۔ اکبر کے جانشین جہانگیر کا ہے۔ جس نے نہ صرف اس قانون کی اسی طرح پابندی کی۔ اس سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ اتوار کو جس دن اکبر پیدا ہوا تھا۔ اور بدھ کو جس میں جہانگیر خود تخت نشین ہوا تھا۔ کوئی جانور خواہ کسی قسم کا ہو۔ مارا نہ جانے کا جرنیلی حکم دیا۔ اور یہ قانون ہی بنا دیا۔ کہ ان دونوں دنوں میں کوئی شکار بھی نہ کھیلے۔

بارھواں ثبوت۔ آپ بحیثیت مجموعی عام سلوک کا پیش کرتے ہیں۔ کہ مسلم بادشاہوں تک ہندو دھرم پر بہت وچار تے اور ان کے خیالات کی بڑی عزت کرتے۔ یہ خیال ہندوؤں کا راقم مضمون کے نزدیک غلط ہے۔ کہ مسلمانوں نے ہم پر ظلم کیا۔ آپ کا کہنا ہے۔ کہ بے تعصب و طرفدار ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیا جاوے۔ تو یقین ہوگا۔ کہ اصلیت اور تھی۔ مسلمان بادشاہ ہندوؤں کے سکھ دکھ اور ان کے بڑے بڑے جلسوں میں حصہ لیتے تھے۔ دیوالی پر پوجا کے لئے دربار ہوتا تھا۔ اور برہمن شاہی باغوں میں گئوئیں لاتے اور بادشاہوں کی طرف سے انعام اور تحفے لیتے تھے۔ دسہرہ کا جلسہ بھی منایا جاتا تھا۔ شیوراتری میں شاہی محلوں میں یوگی بلائے جاتے تھے۔ اور انہیں بھوجن دیا جاتا تھا۔ رکھشا بندھن میں خود بادشاہ راکھڑی بندھواتے تھے۔ مسلمان بادشاہ عام طور پر ہندو سادھوؤں سے ملتے تھے۔ ان کی عزت کرتے تھے۔ سر تھامس رو جو جیمس اول کی طرف سے ایلچی بن کر جہانگیر کے دربار میں آیا تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ جہانگیر بارہا ہندو سادھوؤں سے ملتا تھا۔ حتیٰ کہ عام طور پر اس نے بچشم خود دیکھا۔ کہ پھٹے پرانے کپڑے والا یوگی بادشاہ کے پاس بیٹھتا ہے۔ بادشاہ بڑی منت سے اسے پتا کہہ کر خطاب کرتا تھا۔

ان سب شہادتوں کے ساتھ ہسٹری آف انڈیا (آگرہ کالج) صفحہ ۱۵۸ پر جس اورنگ زیب کو ہند۔ و ظالم اور متعصب مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کی بابت لکھتا ہے۔" اورنگ زیب دبلا پتلا اور متعصب آدمی تھا۔ وہ شراب اور گوشت سے بالکل پرہیز کرتا تھا۔ اور میوہ جات اور نباتات سے گذران کرتا تھا۔

حضرت علی کا مقولہ تھا۔ کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کی قبریں نہ بناؤ۔ اس کی تائید شاہ اکبر نے کی۔ ابوالفضل دفتر سوم اور سیرۃ المتاخرین (۱-۱۸۵) میں لکھتا ہے۔

افسوس انسان پر کہ خدا نے اس قدر نعمتیں دیں۔ مگر اس بے فکرے نے اپنے پیٹ میں جانوروں کو مار کر دفنایا۔ کاش کہ میرا جسم اتنا بڑا ہوتا۔ کہ یہ موذی گوشتخوار اس سے سیر ہوتا رہتا۔ کسی اور جاندار کو ایذا نہ پہنچاتا"

سیرۃ المتاخرین میں گوشت خوری کو سخت [illegible]

پر لعنت بھیجکر پھر کہا۔ کہ خداوند کی [illegible]

بیوقوفی اور کمینگی کیا ہوگی۔ محمد شاہ بادشاہ نے بھی اپنے تمام ممالک محروسہ میں نہایت زور دار احکام انسداد گوکشی کے متعلق جاری کئے۔

اسی طرح امیر کابل کی طرف سے گوکشی کے خلاف احکامات صادر ہوتے رہے۔ امیر حبیب اللہ خاں صاحب والئے کابل نے خود اہل ہند کے مسلمانوں کو اپنی تقریر میں گوکشی سے باز رہنے کی موثر نصیحت دی۔

مہرشی دیانند جی نے جب گورکھشا اندولن شروع کیا۔ سر سید احمد صاحب جیسے پارسوخ مسلم نیتا ان کے پورے

معاون تھے۔

۱۶ر نومبر ۱۹۲۳ء کے سدھرم پرچارک دہلی میں آل انڈیا گورکھشا سبھا سمتی کلکتہ کے ایک اجلاس کی کارروائی کا کچھ حصہ چھپا ہے۔ جو ۱۲ر اگست ۱۹۲۳ء کو ڈبلیو ای گرنیس صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مسٹر کے ایس جساوال کی جدوجہد کا جو ذکر ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ بھارت منتری کے پاس جو ڈیپوٹیشن گورکھشا کے لئے گیا۔ اس میں مسلمان بھی ساتھ تھے۔

موجودہ وقتوں میں بھی خواجہ حسن نظامی صاحب۔ جناب حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم وغیرہ کتنے ہی برگزیدہ اسلامی لیڈروں اور بارسوخ شخصیتوں سے گوکشی کے خلاف اظہار رائے ہوتا آرہا ہے۔ اور گذشتہ وموجودہ مسلم شاعروں کی قابل قدر نظموں اور اشعار میں بھی عوام الناس کے لئے قیمتی اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کا واحد نشانہ گوکشی اور گوشت خوری وغیرہ مذموم عملوں کی مذمت ہے۔

فردوسی کہتا ہے۔

میازار مورے کہ دانہ کش است ۔ کہ جان دارد وجان شیریں خوش است

آہ! کہاں چیونٹی تک پر فردوسی کا رحم اور کہاں گائے بیل وغیرہ تک پر قہر کا رواج۔ حافظ بڑے زور سے اپدیش دیتا ہے کہ

مباش درپے آزار وہرچہ خواہی کن ۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(اور جو چاہو کرو۔ مگر ہنسا نہ کرو۔ کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ گناہ ہی نہیں۔) مطلب یہ کہ اہنسا سب سے اونچا دھرم یا دین ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

تو کز محنت دیگراں بے غمی ۔ نشاید کہ نامت نہند آدمی

مطلب یہ کہ جو اوروں کے دکھ کا احساس نہیں رکھتا۔ انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ ایک شاعر پالتو جیوانوں کو مارنیوالوں کو وشواس گھاتی کہہ کر بھیڑیا کہتا ہے۔ لکھتا ہے۔

شنیدم گوسفندے را بزرگے ۔ رہانید از دہان ودست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید ۔ روان گوسفند از وے بنالید
کہ چوں از دست گرگم در ربودی ۔ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

آہ! انسان بکری وغیرہ کو پالتا۔ بھیڑیے وغیرہ سے اسے بچاتا۔ مگر خود اس کے حلق پر چھری چلاتا ہے۔ تو بے زبان حیوان زبان حال سے وشواس گھاتی کو پکار پکار کر بھیڑیا کہتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں۔ کہ حیوان پر رحم کرنے کا بڑا بڑا پھل ملتا ہے۔ سبکتگین نے ہرنی پر رحم کیا۔ خدا نے اسے بلند مرتبہ دیا۔ مولوی محمد اشرف صاحب سورہ یوسف کی منظوم تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت یعقوب کو یوسف کی جدائی کا صدمہ ہوا۔ روتے روتے آنکھیں بند ہوئیں۔ اسکا سبب آپ ان اشعار میں بتاتے ہیں۔ کہا حق نے یہ سبب اسکا تھا۔ کہ اک گائے اسکی تھی بس بے بہا۔ اور اک اس کا بچہ تھا جو شیرخوار۔ چھری لیکے یعقوب نے یکبار کیا سامنے اسکے بچہ حلال۔ ہوا اس گھڑی رنج اس کو کمال نہ رحم اس پہ یعقوب نے کچھ کیا۔ خدا نے عوض اسکے یہ دکھ دیا نہ صرف قرآن مجید۔ رسول کریم اور اسلام کی معزز اور محترم ہستیوں کی شہادت ہی گوشت خوری اور گوکشی کی مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ اسلام کے متعلق ہر ممکن غلط فہمی پھیلانے والی حدیث میں بھی انتہائی مخالفت کا سا لے موجود ہے۔ عبداللہ ابن سعود نے روایت لکھی ہے۔ کہ رسول کا فرمان ہے۔ کہ ہر جانور بکہ ہوائے نفس بکشند۔ ہمچناں باشد کہ بہ ویران کردن خانہ کعبہ یاری میکند۔ مطلب یہ کہ کسی جانور کو نفسانی لذت کے لئے مارنا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے میں اعانت کرنا ہے۔

۱۹۳۔ قبلہ یا مسجد الحرام

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ
كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا ۱۴۲
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا
الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ ۱۴۳
نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ ۱۴۴
مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ
بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۵

۱۴۶ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۵
۱۴۷ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝۶

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱
۱۴۸ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۲
۱۴۹ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝۳
۱۵۰ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝۴
۱۵۱ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝۵
۱۵۲ ع ۱۸/۵/۲

بے عقل لوگ کہیں گے۔ کہ جس قبلہ پر وہ تھے۔ اس سے کس وجہ سے منحرف ہوئے۔ ان سے کہہ دے۔ کہ مشرق مغرب سب اللہ کے

لئے ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ ۱۔ اس طرح ہم نے تمہیں بہترین یا مرکزی قوم بنایا ہے۔ کہ تم لوگوں کے لئے نمونہ ہو اور رسول تمہارے لئے نمونہ ہو اور جس قبلے پر تم تھے۔ ہم نے اس کو محض اس لئے بنایا تھا۔ کہ وقت آنے پر امتحان ہو جائے۔ کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون اس سے پھر جاتا ہے۔ سو یہ سب پر شاق گذرا۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ اور اللہ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلاشبہ وہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ۲۔ تحقیق تیری توجہ کا رجحان ہم بلندی کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم تجھے تمہارے حسب پسند قبلہ کی طرف موڑیں گے۔ سو تو اپنا دھیان مسجد الحرام (ہردے مندر) کی طرف پھیر اور جہاں کہیں بھی ہو۔ اسی طرف اپنا دھیان لگاؤ۔ اور جن لوگوں کو الہامی کتاب دی گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ ان کے رب سے سچی تعلیم ہے۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔ ۳۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ اگر تو ان کو کل آیات بھی پیش کرے۔ تو بھی وہ تیرے قبلے کے پیرو نہ ہوں گے۔ اور نہ تو ان کے قبلے کا تابع ہوگا۔ اور نہ ان میں سے کوئی کسی کے قبلے کا تابع ہوگا۔ اور اگر علم مل چکنے کے بعد بھی ان کے توہمات کی پیروی کریگا۔ تو بے شک تو بھی ظالموں میں ہوگا۔ ۴۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس (تمہارے علم) کو اس طرح سمجھتے ہیں۔ کہ گویا وہ اپنا بیٹا ہے۔ مگر پھر بھی ان میں سے بعض لوگ دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتے ہیں۔ ۵۔ مگر یہ تمہارے خدا کی طرف سے حق ہے۔ تو اس میں شک نہ کر۔ ۶۔ اور ہر ایک کے لئے اپنا اپنا رجحان ہے۔ جس پر وہ مائل ہے۔ سو تم نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔ جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اللہ تم سب کو تمہارے پاس لا دیگا بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ ۱۔ اور جہاں سے چلے ہو۔ اس مسجد محترم کی طرف توجہ کرو۔ اور جہاں کہیں بھی ہو۔ اسی طرف دھیان جماتے رہو۔ تاکہ تم پر لوگوں کی کوئی حجت نہ رہے۔ ۲۔ پس ان لوگوں سے جو گناہ کر رہے ہیں۔ مت ڈرو۔ بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں۔ اور تاکہ تم کو سچی ہدایت ملے۔ ۳۔ جیسا کہ ہم نے تم میں سے ہی تم لوگوں میں رسول بھیجا ہے۔ جو تمہیں ہماری آیتیں سناتا ہے۔ تمہاری اصلاح کرتا۔ تمہیں کتاب الٰہی اور حکمت سکھاتا اور تم کو ایسی باتیں بتاتا ہے۔ جو تم کو معلوم نہ تھیں۔ ۴۔ پس تم میری عبادت کرو۔ میں تمہیں ہدایت دونگا۔ اور میرا شکر کرتے رہو۔ کفر نہ کرو۔ ۵

۱۹۴۔ ہردے مندر

مفسر صاحبان مسجد الحرام سے خانہ کعبہ یا اس کا احاطہ یا مکہ معظمہ کا کل علاقہ متعلقہ حج کی مراد لیتے ہیں۔ اور بعض اسے مخصوص مقام نہیں مانتے۔ اس اختلاف خیال کا بیان اگلی آیت میں آئے گا۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ فی الحقیقت کعبہ دل یا ہردے مندر کی طرف یہاں اشارہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اس بلند خیالی کو قرآن تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ کے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ اور اسی بلند خیالی کو شاعر یوں ادا کرتا ہے۔

کعبہ پیش گاہِ خلیل آزر است　　دل گذرگاہ جلیل اکبر است

یا

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

ویدک دھرمی لوگ من میں ایشور کی پوجا کرنے کی بڑی عظمت بیان کرتے ہیں۔ اور یوگی لوگ روح میں اسے دیکھتے ہیں۔ بقول

تم آتمستھم یے انوپشینتی دھیراستیشام سکھم سکھم

یعنی سکھ انہی اہلِ عقل کو ملتا ہے۔ جو اس کو آتما میں موجود دیکھتے ہیں۔ حضرت محمد صاحب اور قرآن کا دھرم ملتِ ابراہیم ہے۔ یعنی ویدک دھرم۔ اس لئے عبادت الٰہی کے متعلق ان کی طرف سے ان رموز کا بیان ہونا لازمی تھا لیکن قبل اس کے کہ ہم اس پر مزید بحث کریں۔ ہم خاص باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۹۵۔ سلسلۂ مضمون

سب سے پہلے یہاں سلسلۂ مضمون کو دیکھنا چاہئے۔

آیت ۱۱۱ و ۱۱۲ میں یہود و نصاریٰ کے طرفداری و تعصب سے بھرے دعووں کی تردید کر کے اور مذاہب کی باہمی منافرت پھیلانے والی تعلیم سے خبردار کر کے بتایا تھا۔ کہ کسی مذہب کے تعلق سے نہیں۔ خدا پر تقوے کرنے اور نیک عملوں سے ہی نجات ملتی ہے۔ لہذا یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کو برا کہنا یا عبادت تک اپنی مسجد میں نہ کرنے دینا درست نہیں۔ نہ اللہ کی عبادت کے لئے کسی خاص جگہ یا سمت کی قید ہے۔ مشرق مغرب کسی طرف منہ کرو۔ اللہ موجود ہے۔ ایسا ہی اس کا کوئی خاص بیٹا ماننا بھی غلط ہے۔ کیونکہ کل انسانوں اور جہانوں کا باپ وہ خدا ہے۔ وہ واحد اور معبود کل ہے۔ یہ کہنا کہ خدا نے جو آیت ہم پر نازل نہیں کی۔ وہ ہمارے لئے قابل تسلیم نہیں غلط ہے۔ کیونکہ ایشور کی طرف سے شروع سے ہی الہامی علم ملا ہوا ہے۔ جو اسے پڑھتے اور اس پر غور کرتے ہیں۔ ان پر اس کی حقیقت و عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ یا ان پر ان کے معانی و مفہوم منکشف ہوتے ہیں۔ اور وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ پس ایشور کی دی ہوئی نعمتوں بالخصوص الہامی علم کے لئے اس کی یاد کرو۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ ایسی حالت میں خانہ کعبہ کی تخصیص کیا ہوئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ خانہ کعبہ کی ابتدا حضرت ابراہیم اور اسماعیل جیسے برگزیدہ بزرگوں سے ہوئی۔ انہوں نے اس سے مقصود یہ رکھا تھا۔ کہ یہاں سب کو نیک ہدایت ملتی رہے۔ لوگ یہاں آ کر شانتی یا اطمینان قلب حاصل کریں۔ اور انسانی زندگی کو کامیاب کر کے (دھرم ارتھ کام اور موکش نامی) پھل پائیں۔ ان کی دعا ہی یہ تھی۔ کہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنا۔ ہماری اولاد تیری عبادت کرے۔ اس میں بڑے بڑے نیک عالم اور سچے مبلغ لوگ پیدا ہوں۔ جو الہامی کتاب کی اشاعت کریں۔ علم اور عقل اور رفاہِ عام کے کاموں کو ترقی دیں یہی سچا راستہ ہے۔ کوئی عالم و عاقل اس سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ اسی کی ابراہیم و اسماعیل نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اور اسی کی یعقوب نے کی تھی۔ یہ کہہ کر کہ خدائے احد کی عبادت کرنا۔ اور اپنے نیک عملوں کے بغیر اور کسی سے اپنی بہتری نہ سمجھنا۔ پس تمہیں یہود و نصاریٰ اپنی طرف بلائیں۔ تو کہدو۔ ہم تو ابراہیم کے دھرم کے پیرو ہیں۔ کیونکہ وہی ایشور کی طرف سے اور سچا دھرم ہے۔ اسی کو سب بزرگ ہر زمانے میں مانتے چلے آئے ہیں۔ اور اسی دھرم اور اسی ایشور کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگ راستی پر ہیں۔ نہ خدا زیادہ ہیں۔ نہ دھرم مختلف نہ ہمارے قدیم بزرگ یہود تھے۔ نہ نصاریٰ پس نیک عمل۔ عبادت الٰہی اور سچی ہدایت کا خیال رکھنا چاہئے۔ نہ کہ کعبہ یا قبلہ کی سمت کا جھگڑا لے بیٹھنا۔

اس سارے مضمون پر غور کیا جائے گا۔ تو نہایت سلیس مدلل اور خالص صداقتوں سے پُر معلوم ہوگا۔ اور اس کے بعد کی زیر بحث آیات کو اس مطلب پر لگانا قطعاً غلط ہوگا۔ کہ کسی خاص جہت یا جگہ کی طرف منہ کرکے عبادت کی جاوے۔ ہم نے جو یہاں مسجد الحرام کے معنے کعبہ دل یا ہردے مندر لکھے ہیں۔ وہ نہ صرف قدیم اور اعلےٰ ترین طریق عبادت کے عین مطابق ہیں۔ سلسلہ مضمون اور حضرت محمد صاحب کی اصولی تعلیم اور علمی قابلیت کے عین مطابق ہے۔ اور مزید غور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی بھی اور تاویل میں صداقت اور معقولیت موجود نہیں۔

۱۹۶۔ غلط تاویلات

مفسر صاحبان جو مختلف تاویلات پیش کرتے ہیں۔ وہ منشائے قرآن کے مطابق ہیں یا خلاف۔ اس کا فیصلہ حق پرستوں سے ہم سمجھتے ہیں۔ چند تفسیروں پر غور کرنے سے آسانی سے ہو جائیگا۔

اوّل۔ غرایب القران کی تاویل

ڈپٹی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جس قبلے پر پہلے تھے۔ وہ بیت المقدس تھا۔ اس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف مڑنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ آیت ۱۴۲ کا ترجمہ آپ یوں کرتے ہیں۔

" جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے۔ وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے) تھے۔ یعنی بیت المقدس۔ اس سے ان کے (خانہ کعبہ کی طرف کو مڑنے کی) کیا وجہ ہوئی۔ (اے پیغمبر) تم یہ جواب دو۔ کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے۔ جس کو چاہتا ہے۔ (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔"

اس ترجے میں اوّل تو خطوط وحدانی کے اندر کے الفاظ "بیت المقدس" اور "خانہ کعبہ کی طرف کو" اپنی طرف سے اور اپنے عقیدہ کی تائید کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہیں اشارہ یا کنایہ بھی اس امر کا نہیں۔ کہ بیت المقدس کبھی قبلہ بنایا گیا تھا۔ نہ یہ کہ اس کی بجائے بعد میں خانہ کعبہ کی طرف مڑنے کا حکم ہوا۔ بلکہ قبلہ کے متعلق محض یہی ذکر پہلے آیا ہے کہ کیا مشرق اور کیا مغرب۔ اللہ سب طرفوں میں ہے۔ اس لئے کسی طرف بھی منہ کرو۔ اللہ کی ہی عبادت ہے۔ خانہ کعبہ یا بیت المقدس کا اس حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اگر وَلّٰہُمْ عَنْ قِبْلَتِہِمْ سے یہ مطلب لیا جاوے۔ کہ بیت المقدس سے بدل کر خانہ کعبہ کی طرف مڑے۔ تو اول تو اس سے عبادت کے متعلق وہی قید جاری رہتی اور خدا کے ہر جہت میں موجود ہونے کے خیال کو کمزور کرتی ہے۔ دوسرے قرآن کے سابقہ حکم کے یہ خلاف ہے۔ اور تیسرے اس سلسلہ مضمون کے جو ہم اس سے پہلی دفعہ میں بیان کر آئے ہیں۔ مزید بریں اس کے بعد کی ۱۴۳ آیت میں پھر یہی کہا ہے۔ کہ مشرق مغرب سب طرف اللہ ہے۔ پس کسی خاص سمت یا مقام پر آیت کے مفہوم کو چسپاں کرنا ہر لحاظ سے قرآن کی سپرٹ کو زائل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ مسجد الحرام میں واقعہ شدہ لفظ حرم اندرون مکان پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس جسمانی مکان کے اندر دل کے مندر میں دھیان کرنے کا مفہوم بالکل موزوں اور معقول ہی نہیں۔ قدیم رشیوں کے قول اور فعل کے عین مطابق ہو جاتا ہے۔ اس لئے سوائے

ہردے مندر یا کعبہ دلی کے اور معنے یہاں غلط ہیں۔ بے عقل لوگوں سے یہ طعنہ منسوب ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف کیوں مڑے۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کی طرف دھیان کرنے کی تہ میں اصول ایک ہی ہے۔ یعنی مخصوص جگہ یا سمت کا خیال اور دونوں جگہیں پہلے سے موجود تھیں۔ کوئی نئی جگہ تجویز نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے جاہل لوگوں کا طعنہ جگہ یا سمت کی قید توڑنے پر ضرور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے طریق کی عظمت کا احساس کر ہی نہیں سکتے۔ جس سے خدا کو ایک خاص جگہ یا طرف کی بجائے کل طرفوں میں مانا جائے۔ پس ترجمہ آیت مندرجہ غرائب القرآن تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب رہی تفسیر۔ سو وہ اور بھی نرالی ہے۔ لکھا ہے۔

"پیغمبر صاحب شروع شروع میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مدینے میں آئے پیچھے بھی کوئی ڈیڑھ برس کے قریب بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر حکم ہوا۔ کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیا کرو۔ یہود تو بات بات میں کھڑ پینچ نکالا ہی کرتے تھے۔ ان کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ کہ پیغمبر کی رائے کو بھی کچھ ثبات نہیں۔ اس آیت میں اس کا جواب ہے۔ کہ اللہ کے علم میں پائیدار قبلہ ہی خانہ کعبہ تھا۔ اور مسلمانوں سے مصلحتاً چند روز کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھوائی۔ چنانچہ یہ مصلحت آگے مذکور رہو گی"۔

چونکہ آیت نمبر ۱۱۵ میں کسی خاص سمت کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے کی قید اڑائی جا چکی ہے۔ اور یہ خالص توحید کے اصول اور عبادت الٰہی کی شان کے شایاں بھی ہے۔ اور معقول حکم بھی ہے۔ اس لئے غرائب القرآن کی تاویل محض ان کے ذاتی خیالات پر مبنی ہے۔ اصل آیت قرآن اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ پھر رسول صاحب کا حکم ہے۔ کہ حدیث کو مانو۔ تو محض اسی صورت میں کہ قرآن پر عارض کرنے سے وہ اس کے مطابق ثابت ہو۔ ورنہ وہ متروک ہے۔ اور چونکہ آیت نمبر ۱۱۵ کے یہ سخت خلاف ہے۔ اور آیت ۱۴۳ کے بھی۔ اس لئے ساری تاویل بے بنیاد ہے۔ قرآن کی تعلیم کو تاریخی اثرات سے پاک رکھنے اور اسے عالمگیر اصولوں سے وابستہ رکھنے میں ہی اسلام کی کامیابی ہے۔ اور دو قبلوں کا یا ان کے باہمی مقابلے کا کوئی اشارہ آیت قرآن میں رہے بھی نہیں۔ ہذا خاص سماعی باتوں اور ذاتی خیالات کو اصول اسلام پر غلبہ اور فوقیت دینا شرط عقل نہیں ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۴۴ کا ترجمہ غرائب القرآن میں یہ دیا ہے۔

(اے پیغمبر حکم تحویل قبلہ کے انتظار میں) تمہارا منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تو (گھبراؤ نہیں) جو قبلہ تم چاہتے ہو۔ ہم اس کی طرف پھر جانے کا حکم دے دیں گے۔ اچھا تو اب (نماز پڑھتے وقت) مسجد محترم (کعبہ) کی طرف خیال کر لیا کرو۔ اور (اے پیغمبر) جن لوگوں کو کتاب (توریت وغیرہ) دی گئی ہے۔ ان کو بخوبی معلوم ہے۔ کہ تحویل قبلہ بحق (اور) ان کے پروردگار (کے حکم) سے ہے۔ اور (جو یہ بیہودہ) یہ لوگ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ خدا ان سے بے خبر نہیں"۔

یہاں بھی خط وحدانی میں ایزاد کئے گئے لفظ غیر موزوں ہیں۔ کسی بھی آیت میں یہ ذکر نہیں۔ کہ پیغمبر صاحب نے حکم تحویل قبلہ کے متعلق کوئی دعا یا عرض کی تب حکم تحویل قبلہ کی انتظار کیسی۔ اور منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنے کا کیا مطلب۔ پھر مسجد محترم کی طرف منہ کرنے کا مفہوم کیا۔ کیونکہ مسجد تو کعبہ کے گرداگرد ہے۔ ایک طرف ہے نہیں۔

اس اعتراض سے بچنے کے لئے آپ نے خانہ کعبہ کا مطلب مسجد محترم سے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ آیت میں خاص خانہ کعبہ کا لفظ کیوں نہ لکھا گیا۔ اور اگر خانہ کعبہ ہی مقصود ہو۔ تو بھی اس کی طرف منہ کرنے کا مطلب صاف نہیں۔ اگر کعبے کا ایک ہی دروازہ ہو۔ تو اس کی طرف ہر کہیں سے مُنہ ہو نہیں سکتا۔ اور اگر چاروں طرف ہوں۔ تو کسی بھی طرف مُنہ کرو۔ کعبہ سامنے ہے۔ لیکن اس صورت میں عرب سے شمال کی طرف کے ملکوں والے جنوب کی طرف جنوب والے شمال کی۔ مشرق والے مغرب۔ مغرب والے مشرق کی طرف۔ ایسے ہی شمال مشرق والے۔ جنوب مشرق اور جنوب مشرق والے شمال مغرب کی طرف اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے درمیانی کونے والوں کو اپنی مخالف سمت میں منہ کرنا پڑیگا۔ اور ہر جگہ کے لئے کعبہ کی ٹھیک صحیح لائن وسمت کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔ صرف مغرب کی طرف قبلہ ماننا یا منہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ کل مسلمانوں کا ایک ہی قبلہ رہیگا۔ اس کے علاوہ اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ وہ تحویل قبلہ یا غرائب القرآن والی اس کی تحویل کو صحیح مانتے ہیں۔ توریت کا لفظ آپ خط وحدانی میں کتاب کے لئے دیتے ہیں۔ مگر اس میں کہیں ذکر نہیں۔ کہ تحویل قبلہ کا واقعہ حضرت محمد صاحب کے عہد میں ہوگا۔ اس کے علاوہ کتاب سے مراد توریت ہو نہیں سکتی۔ الکتٰب کا لفظ کامل الہام الٰہی وید کے لئے آتا ہے آیت نمبر ۲۱۳ اور بیسیوں اور آیات میں کتاب بالحق سے مراد آغاز عالم والا الہام ہے۔ توریت اور انجیل کو کئی جگہ حضرت ابراہیم کے بعد کے زمانہ کی اور تحریف کی شکار بنایا گیا ہے۔ جس سے ان کا غیر مستند ہونا ظاہر ہے۔ پس اگر کوئی مسئلہ برحق ہے۔ تو اس کی سند کتاب الٰہی یا الہام اوّل ہی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بھی محض خیالی تاویل ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں تحویل قبلہ کے متعلق شکوک پیدا کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ الفاظ آیت مشتبہ نہیں۔ بالکل صاف ہیں۔ ہم تجھے تیرے حسب پسند قبلہ کی طرف موڑیں گے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اصلی یا پسندیدہ قبلہ اور ہے۔ اور لوگوں کی توجہ اور طرف ہے۔ اور یہ امر خدا کو معلوم ہے۔ پھر غرائب القرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ "پچھلی آسمانی کتابوں میں جو پیشگوئیاں پیغمبر صاحب کے متعلق تھیں۔ ان میں ایک پتہ حضرت صاحب کا یہ بھی تھا۔ کہ وہ ذوالقبلتین ہوں گے۔ یعنی دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔ لیکن نہ کسی کتاب کا نام دیا ہے۔ نہ حوالہ نہ پیشگوئیوں کے متعلق دلیل۔ پہلی کتابوں میں اس وقت کے تاریخی واقعات کے متعلق پیشگوئیاں ہونے کا اصول بذاتِ خود ثبوت طلب ہے۔ تو اس خیالی بات کا قرآن پر حاوی کرنا اور بغیر اس کے قرآن کے بیان کو ناقابل فہم بتانا اور بھی قابل اعتراض ہے۔

اس کے علاوہ اصولاً ایک قبلہ اچھا یا دو۔ اور ایک ہی قبلہ رہنا اچھا یا اس کا بدلنا؟ اگر دو قبلے ہونے میں کوئی عالمگیر سچائی یا بھلائی ہو۔ تو بھی ایسی پیشگوئی میں کچھ فخر کی بات مانی جا سکتی ہے۔ لیکن حضرت محمد صاحب جیسے موحد اور بے بدل اصولوں کے شیدائی کے لئے ایسی پیشگوئی میں کچھ وزن سمجھنا اصولی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو اپنے مستقبل سے بے خبر بتاتے ہیں۔ تو اور کتب کی پیشگوئیاں اپنے متعلق کس طرح صحیح مان سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۴۸ کا ترجمہ غرائب القرآن میں یہ لکھا ہے۔

" اور ہر ایک (فریق) کے لئے (ایک سمت) مقرر ہے۔ جدھر کو (نماز میں) وہ اپنا منہ کرتا ہے۔ تو مسلمانو! تم (اختلاف سمت کی چنداں پرواہ نہ کرکے) نیکیوں کی طرف لپکو (کہ اوروں سے بڑھ جاؤ) تم کہیں بھی ہو۔ اللہ تم سب کو

(اپنے پاس) کھینچ بلائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

اس ترجمے کے مطابق ہر امت کے واسطے ایک سمت مقررہ ہے۔ تو چار سمتوں کے لحاظ سے اُمتیں چار ہی چاہئیں۔ حالانکہ اُمتیں بہت ہیں۔ اگر سب کے لئے سمت مقرر ہے۔ تو اسلام کی تعلیم کے مطابق خاص قبلے کی طرف پھرنے کی اوروں کو حاجت کیا رہی۔ بجا اس کی تبلیغ مسلمانوں کو کیوں کی جاوے۔ کیونکہ دوسروں کا قبلہ بھی خدا سے ہی مقرر ہے۔ پھر اسلام کے لئے بھی ایک ہی قبلہ مقرر ہونا لازمی ہے۔ ایسی صورت میں تبدیلی اور دو قبلوں کا ماننا غلط ہے۔ اور اگر اوروں سے بڑھنا نیکیوں کی طرف لپکنے پر منحصر ہے۔ تو اسلامی قبلہ نیکیاں ہوئیں۔ نہ کہ سمت یا مقام مخصوص۔ پھر یہ کہنا۔ کہ کہیں بھی ہو خدا کھینچ لائے گا۔ اور بھی غلط ہے۔ کیونکہ خدا سے باہر کوئی جگہ ہی نہیں۔ تو وہ کھینچنے کہاں جائے گا۔ اور کھینچ کر کہاں لائیگا۔ یہاں یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ محض ویدک طریق عبادت کی ناواقفیت سے ایسی تاویلیں ہو کر اصل مدعا کو چھپا رہی ہیں۔ کہ ایشور کا دھیان ہردے مندر میں کرنا چاہئے۔

دوم۔ حمائل التفسیر کی تاویل

۱۔ آیت نمبر ۱۴۲ کا ترجمہ "لوگوں میں سے جو بے عقل ہیں۔ وہ کہیں گے۔ کہ جس قبلے پر وہ تھے۔ کس چیز نے ان کو اس سے پھیر دیا۔ اے پیغمبر تو ان کو سنا دے کہ مشرق و مغرب اللہ کے واسطے ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے۔ راہِ راست کی ہدایت کر دیتا ہے۔"

" ترجمہ قابل اعتراض نہیں۔ لیکن فٹ نوٹ میں اور ہی رُخ اختیار کیا گیا ہے۔" بے عقل لوگ کہیں گے۔" اس کو آپ پیشگوئی کے طریق کا فرمان قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب آیت ۱۱۵ میں قبلہ کی طرف سے پھر چکے۔ تو پیشگوئی کا تعلق کیا رہا۔ سوائے اس کے کہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو من مانی بات سنا دی جاوے۔ قبلے کے متعلق ایک مختلف اور متضاد بیانات سے پُر نوٹ دے دیا ہے۔ کہ تاریخ عالم اور روایات قوی سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے قوموں کا مرجع جائے تعظیم اور بت پرست کفار مکہ کے نزدیک پاک عبادت گاہ تھا۔ آنحضرتؐ کی کامیابی اور اپنی ناکامی دیکھ کر کفار بھی مسلمانوں میں شامل ہوئے۔ اور اندر ہی اندر دغا بازیاں کر کے اذیتیں دینے لگے۔ تو حضرت صاحب کے لئے ان کی چھانٹ کرنے کی تدبیر ضروری ہوئی۔ اور بیت المقدس قبلہ بنا۔ جس سے کعبہ پرست الگ ہو گئے۔ یہی حال بدلنے میں ہوا۔ وہاں بیت المقدس والے دغا بازی سے شامل ہوئے۔ تو کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اور وہاں بھی چھانٹ ہو گئی۔" اس کے بعد قرآن کے حوالے دے دے کر بتایا ہے۔ کہ بے شک خدا کی جہت کا مقرر ہونا یا اس کا کعبہ میں ہونا غلط ہے۔ مشرق مغرب سب اللہ کا ہے۔ آیت ۱۷۷ کا حوالہ ہے۔ کہ نیکی یہ نہیں۔ کہ تم اپنے چہرے کو مشرق کی طرف پھیرو۔ یا مغرب کی طرف۔ پس نہ خاص کعبہ کی طرف ہی خدا ہے۔ نہ کعبہ کی طرف رُخ کرنے میں خاص نیکی ہے۔ ساتھ ہی نماز میں یہ نیت ہے۔ کہ میں نے اپنا رُخ خالص اس ذات کے واسطے متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سورۃ انعام کی آیت کا حوالہ ہے۔ کہ تحقیق میری نمازیں میری قربانیاں میرا جینا۔ میرا مرنا اللہ

کے لئے ہے۔ یہ سب کچھ کہہ کر آپ فرماتے ہیں۔ کہ جب خدا سب طرف ہے۔ تو جدھر کو رُخ بدلا گیا۔ ادھر بھی ہے۔ پس اعتراض کیسا۔ لیکن یہ ہوبہو وہی دلیل ہے۔ جو ایک اوثیت پرست دے سکتا ہے۔ کہ جب خدا ہر شے میں ہے۔ تو بت میں بھی تو ہے۔ لہذا اعتراض کیسا؟ لیکن آیت ۱۱۵ میں جب خاص سمت کا رد کر کے ہر طرف کی اجازت دی گئی۔ اور ہر شخص اپنی مرضی و رائے کے مطابق آزاد ہے۔ تو پھر سب کے لئے ایک اور نئی جہت مقرر کرنے کی وجہ کیا؟ آپ فرماتے ہیں۔ یہ ایک انتظامی امر ہے۔ کہ جیسے خدا واحد ویسے اس کی سمت بھی واحد۔ نماز مشروعہ میں جیسے قیام رکوع سجود اور خاص کلمات مقرر ہیں۔ ویسے ہی سمت بھی مقرر ہے۔ ورنہ عام دُعا اور ذکر کے واسطے نہ کوئی صورت مقرر ہے۔ نہ خاص کلمات۔ نہ کوئی سمت۔ یہ دلیل بے شک وزندار ہوتی۔ بشرطیکہ کوئی شرع عبادت کے واسطے ایک سمت مقرر کرنے میں کامیاب ہوتی۔ کسی ملک والے کے واسطے بیت المقدس اور کعبہ دونوں شمال کو ہیں۔ کسی کے لئے جنوب کو اور علےٰ ہذا القیاس سب کے لئے مختلف سمت کا ہونا اس سے لازمی بیٹھتا ہے۔ اور واحد سمت کی شرع قائم نہیں ہوتی۔ اور اگر کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا مفہوم ایک سمت لی جاوے۔ تو ہر مقام سے کعبہ کی صحیح سمت معلوم ہونے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ مغرب ہی کی طرف کعبہ ہر مقام سے ہو نہیں سکتا۔ شمال۔ جنوب۔ مشرق۔ مغرب۔ ان کے درمیانی چار کونے اور ان سمتوں اور کونوں کے اندر آٹھ اور درمیانی کونے اور علےٰ ہذا القیاس اور اندرونی کونے مقرر کرنے پڑیں گے۔ جن سے کعبہ تک سیدھی لائن کھچ سکے۔ اور یہ امر جہاں مشکل بھی ہے۔ وہاں اب تک ایسا انتظام کوئی کر بھی نہیں سکا۔ نہ قرآن میں کہیں صاف حکم ہے۔ کہ عام عبادت کے لئے آزادی ہے۔ اور نماز مشروعہ کے لئے قید سمت۔ غرضیکہ مترجم و مفسر صاحبان جو مفہوم قرآن کے الفاظ سے اپنی معلومات کے مطابق وابستہ کرتے ہیں۔ اس کے لئے اٹکل بازی سے دلائل نکالتے ہیں۔ حقیقت کی کھوج نہ کر سکتے ہیں۔ نہ مخالفت کے خوف سے کسی حقیقت الامر کو جراُت سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ ورنہ یہ سمجھنا کیا مشکل ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ تو سمتیں تو ایک نہیں۔ ان کو ایک میں بدلنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۴۴ کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔

"تیرے رُخ کا پھرنا آسمانوں میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ پس ہم ضرور تجھ کو ایک قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو تو پسند کرتا ہے۔ اپنا چہرہ مسجد محترم کی طرف پھیر۔ اور اے مسلمانو! جہاں کہیں ہو۔ اپنا چہرہ اس کی طرف کو پھیرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ وہ ضرور جان جائیں گے۔ کہ فی الحقیقت وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔"

یہ الفاظ بھی ذاتی خیال مفسر صاحب کا پیش کرتے ہیں۔ اور وہ بھی غیر مقررہ صورت میں۔ خاص اصول کا ان سے کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ پھر یہ ابھی معلوم نہیں۔ کہ کس قبلے کو حضرت صاحب پسند کرتے ہیں۔ مگر حکم مسجد محترم کی طرف پھرنے کا دیدیا ہے۔ اور شہادت اہل کتاب کی دی ہے۔ کہ وہ جان لیں گے۔ کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے حالانکہ وید ک دھرمی لوگ جو سچے معنوں میں اہل کتاب ہیں۔ نہ کہیں مسجد محترم کے متعلق کتاب میں حوالہ پاتے ہیں۔ نہ کعبہ کے متعلق۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں۔ کہ مسجد محترم واقعی کونسی عمارت کا نام ہے۔ نہ وہ کسی مکان کے مسجد محترم ہونے کی شہادت

دے سکتے ہیں۔ ہاں وہ تومن مندر کو ہی مسجد محترم کہہ سکتے ہیں۔ حسب قول شاعر کہ

تیرے پوجن کو بھگوان - بنا من مندر عالی شان

اور یہ امر جہاں ایک نہایت اعلےٰ تعلیم پیش کرتا ہے۔ وہاں اوپر کے ترجمہ کی وقعت کو کم کرتا ہے۔ یہ ہم مانتے ہیں۔ کہ الفاظ ترجمہ سے معمولی سی کوشش پر خاص اصول اخذ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن فٹ نوٹ کا کیا کیجا دے۔ جو یہ الفاظ پیش کرتا ہے۔ "تمہارا رُخ ایک قبلہ کی طرف پھیر دُونگا" اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کے دائمی امن عزت اور آزادی کی طرف بھی اور اہلِ کتاب ضرور جان جائیں گے۔ کہ یہ ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کتمانِ حق اور مخالفت بالا ارادہ کی سزا اُٹھا کر ہی جائیں گے۔ اور نتائج سے معلوم کر لیں گے۔ کہ تحویل قبلہ ایک حق بات تھی۔ اس کے بعد آپ سزا کی تفصیل تاریخی واقعات سے دیتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب کے عہد میں یہود عرب سے غزنی چلے گئے۔ اور ابھی تک کبھی رُوس سے کبھی فرانس سے۔ کبھی کسی ملک سے۔ کبھی کسی ملک سے نکالے جاتے ہیں۔" چہ خوب! چودہ سو سال سے سزا مل رہی ہے۔ مگر ابھی تک تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا انہوں نے اعلان نہیں کیا۔ تو بھی مفسر صاحب کہتے ہیں۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ اجی صاحب تحویل قبلہ کو نہ ماننے والے تو اسی زمانے میں مر چکے۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا موقعہ ہی کونسا ہے۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ خیر کچھ بھی ہو۔ مفسر صاحب کا استقلال کیا خوب ہے۔ کہ وہ یہی یقین رکھے جاتے ہیں۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ لیکن آخر پیشگوئی کی کوئی حد بھی۔ اس کے علاوہ جو لاکھوں یہودی امن آرام اور عزت آبرو سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان پر اس پیشگوئی کا اطلاق تو عملاً ہوا ہی نہیں۔ کیا الفاظ آیت سے تعداد کی کوئی تخصیص ہو سکتی ہے۔ اگر نہیں۔ تو ترجمہ بھی مہمل۔ سزا بھی مہمل۔ میعاد بھی مہمل اور ملزم بھی مہمل۔ حالانکہ تفسیر آپ ایک ایسی کتاب کی کرنے بیٹھے تھے۔ جو اعلےٰ اصولوں سے آراستہ اور یقینی تعلیم سے لبریز ہے۔ واہ اچھا میل ملایا۔

آیۃ ۱۴۸ کا ترجمہ یہ دیا ہے:۔

اور ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ پھرنے والا ہے۔ پس تم خیرات میں سبقت لے جاؤ۔ جہاں کہیں تم ہو گے۔ اللہ سب کو تمہارے پاس لے آئے گا۔ تحقیق اللہ ہر شے پر قادر ہے"! قطع نظر کسی لفظی سقم کے ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اللہ سب کو تمہارے پاس لے آئے گا۔ کیا اس کا یہی مطلب نہیں۔ کہ نیکوں کی طرف سب لوگ کھچ آئیں گے۔ اگر یہی ہے۔ اور واقعی ہے بھی یہی۔ تو بتائیے قبلہ کا بدلنا یا نیا قبلہ بنانا کس طرح صحیح ہوا۔ پس یہ ترجمہ دوسری آیت کے متعلق جو کچھ من مانا لکھا گیا ہے۔ اس کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل نوٹ سے یہ صاف ظاہر ہے۔

"ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے"۔ اس کی تشریح آپ یوں فرماتے ہیں۔" ہر ایک انسان ایک نہ ایک طرف جھکتا ہے۔ مگر تم کو نیکیوں کی طرف جھکنا چاہئے۔ مثلاً اہلِ کتاب نے عبادت کے واسطے قبلہ کے مسئلے کو اہم قرار دیا۔ بعض لوگ بالوں کی تراش خراش اور ظاہری لباس کو ہی دین کا اہم جزو قرار دیتے ہیں۔ بعض لہو و لعب و تماشبینی رسم پرستی اور دنیاداری میں غرق ہوئے رہتے ہیں۔ بعض کو کسی قسم کا شوق ہوتا ہے۔ بعض کو کسی قسم کا۔ اسی میں

دن رات غرق رہتے ہیں۔ مگر انسان کے واسطے حکم یہ ہے۔ کہ نیکی میں سبقت لے جانے کی ہوس رکھے۔ اور کوشش کرتا رہے۔ اصل قبلہ یہی ہے۔ جس کی طرف ہر وقت رُخ رکھنا چاہیئے۔ یہی بنا بہترین امم بننے اور تمام خلائق کے واسطے نمونہ بننے کی ہے۔ پس اصل حقیقت ظاہر ہے۔ کہ مفسر صاحب کیا مسجد محترم اور کیا کعبہ دونوں الفاظ کو در اصل نیکیوں کے معنے میں سمجھتے ہیں۔ اور پے بہ پے اہم متضاد بیانات سے خواہ مخواہ قرآن کے مفہوم کو مشتبہ بتاتے رہے ہیں۔

سوم۔ بیان القرآن کی تاویل

بیان القرآن صفحہ ۱۲۷ پر اس طرح بحث کرتا ہے۔ کہ یہاں بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا ذکر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ الفاظ قرآن کی ہم اور تاویل کر سکتے ہیں۔ مگر روایات صحیحہ میں تحویل قبلہ کا کھلا ذکر ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت عبداللہ ابن دینار کی روایت سے کہ مسجد قبا میں لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب ایک شخص نے ان کو اطلاع دی۔ کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو چکا ہے۔ اور لوگوں نے حالت نماز میں ہی شام سے مکہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ پھر براء کی روایت کہ نبی کریم صلعم نے مدینے میں آکر سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ تب آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنیکا حکم ہوا۔ حضرت انس کی روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ اب ان لوگوں میں سے جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ میرے سوا کوئی زندہ نہیں رہا۔ پھر اس کی موید حضرت عمر کی وہ روایت ہے۔ جو واتخذوا من مقام ابراہیم مصلےٰ کے ماتحت امام بخاری کتاب التفسیر میں لاتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ تین باتوں میں میری رائے کا توافق اللہ تعالےٰ کی وحی سے ہوا۔ جن میں سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ لو اتخذت من مقام ابراہیم مصلےٰ۔ اگر آپ مقام ابراہیم یعنی کعبہ کو قبلہ بنائیں۔

ان روایات کی بناء پر بیان القرآن مانتا ہے۔ کہ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے آپ نماز پڑھتے رہے۔ سولہ یا سترہ ماہ بعد خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

ہم اس کے متعلق حسب ذیل امور اہل علم وعقل اور صاحب بیان القرآن کے غور و فکر کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اوّل۔ ناظم خود کہتا ہے۔ کہ الفاظ قرآنی کی ہم اور تاویل بھی کر سکتے ہیں۔ لہذا اوپر کا فیصلہ ان کا ناطق ہے۔ بمقابلہ تمام دیگر ممکن تاویلوں کے۔ اس کا ثبوت دینا آپ کو ضروری تھا۔

دوم۔ نہ دوسری تاویل پیش ہے۔ نہ کسی اور تاویل سے مقابلہ ہے۔ لہذا ایکطرفہ کارروائی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

سوم۔ بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی تبدیلی کا صاف مفہوم آیت قرآن سے اخذ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ پہلے مضمون میں ان کا باہمی موازنہ ہے ہی نہیں۔

چہارم۔ آیت ۱۱۵ میں بجائے کسی خاص طرف کے سب طرفوں میں خدا کے ہونے اور ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنے

کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں نہ بیت المقدس کی شرط ہے۔ نہ خانہ کعبہ کی۔ لہذا ان دو الفاظ کا ترجمہ میں داخل کیا جانا قطعاً غیر معقول ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ کسی دوسری آیت میں بھی ان الفاظ کے تعلق کا ثبوت موجود نہیں۔

پنجم۔ روایات جس قدر بیان کی گئی ہیں۔ ان کو قرآن پر عارض کریں۔ تو بجائے موافقت کے یہ آیت ۱۱۵ کے مخالف ہیں۔ لہذا خود حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق یہ روایات متروک ہیں۔

ششم۔ سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کرنا۔ اور بعد میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا۔ اگر امر واقعہ بھی مان لیں۔ تو بھی ان آیات سے اس واقعہ کا تعلق ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جیسا ہم اگلی دفعہ میں بیان کریں گے۔ قبلہ یہاں خاص جگہ یا سمت کا نام نہیں۔ ذاتی رجحان یا زیر نظر مدعا کے لئے آ رہا ہے۔ نیک اعمال کو بالخصوص قبلہ مانا گیا ہے۔ اس کے بعد بیان القرآن میں دو دفعہ تحویل قبلہ ہونے کی تردید ہے۔ لیکن جو شخص خود بلا مخصوص الفاظ قرآن پیش کرنے کے بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی ایک بار تبدیلی ہونے کو صحیح مانتا ہے۔ دوسری تحویل کے خیال کو غلط ماننے کا اس کا حق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نہ دوبارہ ایسا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ نہ وہ یہ دعوے کر سکتا ہے۔ کہ واقعات کے متعلق اس کی رائے ناطق ہے۔ اس بحث میں موہومہ قبلہ کے ذکر والی آیت کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اور نیز تیسری طرح بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یقینی دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہتے۔ کہ فی الحقیقت آنحضرت کو اس آیت سے یہ ہدایت دینی مقصود تھی: پس خالی امکانات کے ذکر سے نفس مضمون کو مشتبہ بنانے سے حاصل کیا۔ یہ دلیل کہ کیا مشرق اور کیا مغرب سب اللہ کا ہے۔ اس مفہوم کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کیا تو کیا۔ اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کیا تو کیا۔ بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ مشرق اور مغرب دونوں سمتوں میں اللہ ہے۔ لیکن ان آیات کے الفاظ کی سنس آیت ۱۱۵ کے خلاف لینے سے قرآن کے ذمے تضاد بیان کا نقص عاید ہوگا۔ اور چونکہ آیت ۱۱۵ کے مضمون پر کسی شک وغیرہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آیات زیر بحث کا مفہوم جو اس یقینی بیان کے مطابق نہ ہو۔ وہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

چہارم تفسیر القرآن (سر سید صاحب) کی تاویل

اس تفسیر میں تحویل قبلہ کی بحث میں پہلے تو موجودہ نماز کے متعلق یہ کہا ہے۔ کہ یہ قدیم طریق نماز سے مختلف ہے۔ پہلا طریق وحشیانہ تھا۔ وغیرہ۔ اس کے بعد یہ بتایا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کسی خاص طرف قبلہ نہ تھا۔ خدا کی نشانی کے لئے وہ ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے۔ اور محض یہی نشانی گویا ان کا قبلہ تھا۔ حضرت ابراہیم کی اولاد بھی کعبہ کی جانب کو قبلہ نہ سمجھتی تھی۔ ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اسی کے گرد اسی وحشیانہ طریق پر عبادت کرتے تھے۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ "قرآن مجید میں بھی کہیں اس بات کا ذکر نہیں۔ کہ خدا نے اسمعیل یا اس کی اولاد کے لئے کعبہ کو سمت قبلہ مقرر کرنے کا حکم دیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کہ عرب کی قوم نے کعبہ میں بُت رکھ دیئے تھے۔ اس زمانہ میں بھی جو کچھ ان کی پوجا ہوتی ہوگی۔ وہ کعبہ میں ہوتی ہوگی۔ لیکن یہ بات کہ جب وہ کعبہ سے دور چلے جاتے تھے۔ اور اور

مقاموں میں ہوتے تھے۔ جب بھی کعبہ کی طرف منہ کرکے پوجا کرتے تھے۔ کسی طرح ثابت نہیں ؎۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس کی تعمیر بطور مسجد کے زمانے کو مدنظر رکھ کر لکھتے ہیں۔ کہ تب بھی بنی اسرائیل میں دور جانے پر اس طرف منہ کرنے کا رواج نہ تھا۔ ہم کو عہد عتیق کی کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ دور جانے پر بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا۔ اس کے بعد آپ ایک قیاسی بات لکھتے ہیں۔ کہ جب ان کی نماز باقاعدہ ہوگئی۔ اس وقت کسی نہ کسی طرف منہ کا ہونا لازمی تھا۔ اس لئے بنی اسرائیل بالطبع بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے پر مائل ہوئے ہوں گے۔ اور اس طرح بیت المقدس ان کا سمت قبلہ قرار پا گیا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعد نبوت جب تیرہ سال مکہ میں رہے۔ تب بھی یہ ثابت نہیں۔ کہ کعبہ سے دور ہونے پر انہوں نے بطور قبلہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا اختیار فرمایا ہو۔ بلکہ ہر طرح قرینہ و قیاس اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ جب تک آپ مکہ میں رہے۔ کوئی سمت قبلہ اختیار نہیں کی۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔ کہ مدینے میں آکر آپ نے اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھنی شروع کی۔ جس طرف کہ یہودی متوجہ ہوکر نماز پڑھتے تھے۔ بلاشبہ یہ امر مشرکین کو شاق گذرا ہوگا۔ لیکن اس کی تہ میں حکمت تھی۔ کہ مشرکین میں سے جو لوگ منافق تھے۔ وہ اصلی ایمان والوں سے تمیز ہو جاتے تھے چونکہ اس طرح بہت سے یہودی بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اس لئے منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے تمیز کرنے کی ضرورت پیش آنے پر سمت قبلہ کعبہ کی طرف بدلی گئی۔ اور اس امتیازی نشان کو قائم و مستحکم رکھنے کے لئے خدا نے یہ حکم دیا۔ کہ جہاں کہیں تم ہو۔ اور جہاں کہیں جاؤ۔ کعبہ کی طرف ہی منہ کرکے نماز پڑھو۔ اور اس اندیشہ سے کہ لوگ کسی خاص سمت سے کوئی خصوصیت منسوب نہ کرنے لگیں۔ ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا۔ کہ مشرق مغرب خدا کے لئے ہے۔ پس جدھر منہ کرو۔ اُدھر ہی خدا کی ذات ہے۔ اس قسم کے امور پر بحث کرکے آپ لکھتے ہیں۔

و کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔ یہ لکھ کر آپ اصلی حقیقی اور قیاسی احکام پر ایک طویل بحث پیش کرتے۔ اور پھر لکھتے ہیں" نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذہب اسلام کا نہیں ہے۔ اور اس لئے ایک ادنےٰ سے عذر پر ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً سمت مشتبہ ہونے پر۔ سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر بعض صورتوں میں گھوڑے کی سواری پر۔ دریا کے سفر میں اور اس چودھویں صدی نبوی میں ریل کے سفر میں اور علیٰ ہذا القیاس مگر چونکہ یہ حکم بطور ایک نشان اور تمیز ان لوگوں کے قرار دیا گیا ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس لئے اس کا بھی بجالانا مثل اسلام اصلی کے ضرور ہوگا۔ اور قصداً ترک نہ کیا جائیگا"

اس تفسیر میں جس طرح بار بار یہ ذہن نشین کیا گیا ہے۔ کہ سمت قبلہ یا کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا کوئی اصلی حکم قرآن کا نہیں ہے۔ وہ ہماری پوزیشن کے عین مطابق ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ مان کر کہ قرآن میں تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ مفسرین نے اسے حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل نکالی ہے۔ کہ اس سے اصلی اور نقلی پیرووں کی تمیز ہو جانا مقصود تھا۔ لیکن چونکہ بیت المقدس اور کعبہ کے دو قبلوں کی باہمی تبدیلی کا نہ ان آیات میں ذکر ہے۔ نہ کسی مقامی قبلہ کی طرف قرآن نماز پڑھتے ہوئے منہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس کے بعد واضح کریں گے۔ اور جیسا کہ ہمارے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اس لئے سرسید صاحب کے اصول اسلام کے خلاف اور موہومہ تحویل قبلہ کے حق میں دیئے گئے سارے بیان بھی معقولیت

کے دائرے سے خارج ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے۔ کہ ترجمہ ہی آیات کا غلط ہو رہا ہے۔ تو تحویل قبلہ اور بیت المقدس وخانہ کعبہ کا قطعاً یہاں کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تحویل قبلہ محض اس حکم سے وابستہ ہے۔ جو آیت ۱۱۵ میں کسی مقام مخصوص کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ اور مسجد الحرام اسی حکم کے مطابق انسان کی اندرونی مسجد کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ کسی اینٹ اور گارے کی بنی مسجد کے لئے۔

پنجم۔ ترجمان القرآن کا بیان

آیات کے شمار کے فرق کی وجہ سے بجائے ۱۴۲ کے ترجمان القرآن میں اس آیت کا نمبر ۱۳۶ آیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔ یا آیت ہذا کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ وہ (اس بات کی حقیقت نہیں پا سکتے۔ کہ کیوں بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ) کہیں گے۔ مسلمان جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیا بات ہوئی کہ ان کا رُخ اس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبر) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں۔ جب بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تو وہ بھی اللہ کے لئے تھی۔ اور اب کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو یہ بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ البتہ ایک جہت قرار دینے میں مصلحت ہے) اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے۔ (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔"

اس ترجمہ کی تائید میں مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اپنا سمجھا ہوا لب لباب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"حضرت ابراہیم کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی۔ انہوں نے مکہ میں امامت گاہ کعبہ تعمیر کی اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی۔ مشیت الٰہی میں اس ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا۔ جب وہ وقت آگیا۔ تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا۔ اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی۔ اس امت کو نیک ترین امت ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا۔ اور اقوام عالم کی تعلیم و ہدایت اس کے سپرد کی گئی۔ ضروری تھا۔ کہ اس کی روحانی ہدایت کا ایک دائمی مرکز و سرچشمہ بھی ہوتا۔ یہ مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تحویل قبلہ نے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا۔ یہی حقیقت قبلہ کے تقرر میں پوشیدہ تھی۔ جب تک بنی اسرائیل کا دور ہدایت قائم رہا۔ مرکز ہدایت بیت المقدس تھا۔ اور اس لئے عبادت کے وقت سب کا رُخ بھی اسی کی طرف رہتا تھا۔ لیکن جب دعوت حق کا مرکز مکہ کا معبد قرار پایا۔ تو ناگزیر ہوا۔ کہ وہی قبلہ بھی قرار پائے۔ اور اقوام عالم کے رُخ اسی کی طرف پھر جائیں۔"

اس پر طویل بحث نہ کر کے ہم چاہتے ہیں پہلے تو ان کے اصل ترجمہ پر غور کیا جاوے۔ اور اس غرض سے جب خط وحدانی والی عبارتوں کو جدا کیا جاتا ہے۔ تو ترجمہ محض یہ رہ جاتا ہے۔

"جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ وہ کہیں گے۔ مسلمان جس قبلے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیا بات ہوئی کہ ان کا رُخ اس سے پھر گیا۔ تم کہو پورب ہو یا پچھم۔ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے۔ سیدھی راہ

دکھادیتا ہے"۔ ان الفاظ میں محض یہ کہا ہے۔ کہ قبلے کی طرف سے رُخ پھر جانے پر بیوقوف لوگ متعجب حیران ہوں گے۔ حالانکہ وجہ صاف ہے۔ کہ خدا ایک طرف نہیں۔ سب طرف ہے۔ اور یہ ہمیشہ ہوتا ہی آیا ہے۔ کہ خدا جس کسی کی توجہ راہِ راست کی طرف دیکھتا ہے۔ اسے راہِ راست دکھادیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا قرآن میں پہلے قبلے کی طرف سے رُخ پھیرنے کا حکم کہیں آیا ہے۔ اس کا جواب ہے۔ آیت ۱۱۵ میں آیا ہے۔ کہ چونکہ خدا ہر جا موجود اور حاضر ناظر ہے۔ اور سب سمتیں اس کی ہیں۔ اس لئے کسی ایک طرف نہیں۔ جدھر چاہو۔ رُخ کر کے عبادت کرلو۔ یہ بیان خالص توحید کا مددگار ہے۔ معقول ہے۔ اور بیوقوفوں کا اس پر تعجب کرنا یا طعنہ دینا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ لہٰذا تمام طول کلامی جو ترجمہ میں غیر ضروری اور غیر متعلقہ عبارتیں ایزاد کرنے سے ظاہر ہے۔ بالکل فضول ہے۔ اور جو لب لباب آپ نے پیش کیا ہے۔ اس کا بھی اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دُعا سوائے اس کے ہو نہیں سکتی۔ جو آغاز عالم سے ایشوری علم کے جاننے والے نیک لوگوں کے دُنیا میں موجود ہونے کے لئے کرتے آرہے ہیں۔ اور کریں گے۔ اور یہ امت مسلمہ اس الہامی علم کے قابلین و عاملین کے مجموعہ کے بغیر اور کسی کا نام نہیں ہو سکتا جو ہمیشہ کم و بیش تعداد میں موجود رہتے ہیں۔ اگر موجودہ اسلام پر اسے محدود کرنا چاہیں۔ تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس دعا کے بعد بنی اسرائیل کی کئی قومیں ظہور میں آئیں۔ اور یہود اور نصاریٰ اور صابی لوگ ہوئے۔ یہ کنایہ یا اشارہ کہیں سے نکل نہیں سکتا۔ کہ اس دعا کا تعلق موجودہ اسلام سے پہلے کسی گروہ سے نہ مانا جاوے۔ اسی طرح کسی مخصوص مقام کو ہی کل دنیا کے لئے مرکز یا سرچشمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہر ملک میں حسب ضرورت ایک دو نہیں بلکہ صدہا مرکز بنائے جاسکتے ہیں۔ یہ آیات چونکہ عالمگیر اصول کا بیان کرتی ہیں۔ اس لئے کعبہ کا یا البیت کا اگر کوئی تعلق ہو بھی۔ تو وہ محض اس دینی کا تعلق ہونے سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر کہیں رفاہ عام کے لئے بنائی جاسکتی ہے۔ اور ایسے ہی مکہ میں بھی بنی غرضیکہ تفاسیر اس سپرٹ کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ جو قرآن کی رگ رگ میں ازلی ابدی عالمگیر اصولوں کی اشاعت کے لئے بھر رہی ہے۔ اور اس لئے وہ ہر بات کو حدیث یا تاریخی واقعات یا مقامی یا زمانی یا شخصی بحثوں اور انسانی توہمات کی روشنی میں دیکھنے سے رُک نہیں سکتیں۔ تاہم اُمید ہے۔ کہ اگر علماء اسلام ہماری اس مخلصانہ اور بے باکانہ گذارش کو گستاخی پر محمول نہ کرکے ہماری دلی خواہش کو مدنظر رکھیں گے۔ تو نہ صرف ان کے تمام عقدے حل ہوں گے۔ قرآن کے آگے سے تاریکی دُور ہو کر مطلع صاف ہو جائے گا۔

۱۹۷۔ قبلہ

قبل اس کے کہ ہم اپنے ترجمے کی درستی پر کچھ کہیں۔ خاص الفاظ پر کچھ کہنا ضروری ہے۔ قبلہ واقعی کسی خاص مسجد یا مقام یا سمت کی طرف یہاں اشارہ نہیں کرتا۔ کیونکہ انہی آیات میں اس امر کو بڑے زور سے صاف کیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ سامنے کی شے یا سمت کو قبلہ کہتے ہیں۔ لیکن محض اس چمڑے کی آنکھ کے نکتہ نگاہ سے چشم دل کا جہاں تعلق ہوگا۔ وہاں قبلہ کا مفہوم وہ مقصد ہوگا۔ جس کے لئے عبادت یا کوئی اور کام کیا جارہا ہے۔ اور چشم عقل کا تعلق ہوگا۔ تو قبلہ اس مقصد یا نشانہ پر دلالت کریگا۔ جسے مدنظر رکھ کر حکم الہی کے مطابق انسان کو کام کرنا چاہئے۔ ویدک طریق عبادت میں وصل خدا کے لئے آٹھ زینے بتائے گئے ہیں۔ جنہیں یوگ کے آٹھ انگ کہتے ہیں۔ ان میں سے چھٹا انگ دھارنا

ہے۔ یہ لفظ اس قبلہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ جو من کو قائم کرکے روح کی کامیابی کے رستے میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ اور عقلی ترقی کے لئے قبلہ خاص علمی مضمون۔ الہامی کتاب۔ اُستاد وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں قرآن کا یہ نہایت عالمانہ اور فلسفیانہ بیان ہے۔ کہ تمہاری توجہ کا رجحان بلندی کی طرف دیکھ کر تمہیں نہایت پسندیدہ قبلہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔ واقعی جہالت اور کفر کی طرف مائل لوگ اس آسمان پر نہیں جھک سکتے۔ جس پر سچے عابد یا من کے مندر میں عبادت کرنے والے جھکتے ہیں۔ مسجد یا مندر مخصوص کا قبلہ ایک قید ہے۔ مگر کعبہ دل ایک آزادی ہے۔ کدھر کو جاؤ کہیں بھی جاؤ۔ من مندر میں ہر جا حاضر ناظر خدا کی عبادت کر سکتے ہو۔ آیت ۱۴۴ میں کہا ہے۔ کہ الہامی کتاب والے لوگ جانتے ہیں۔ کہ واقعی یہ سچی تعلیم ہے۔ مگر وہ الٹے بت پرستی وغیرہ کے رواج ڈال چکے ہیں۔ اور ہر چند ان کو اس قدیم الہام کی ساری آئینیں بھی اس کے خلاف بتائی جاویں۔ وہ اپنے الٹے قبلے سے باز نہیں آتے۔ وہ ہی کیا سب کا یہی حال ہے۔ کہ جس قبلے کا عادی ہو چکا۔ اسے چھوڑتا نہیں۔ لیکن جس شخص کو سچا علم مل جاوے۔ اگر وہ اس کے بعد صحیح قبلہ سے انحراف کرے۔ تو بے شک بڑے ظلم کی بات ہے۔ آیت ۱۴۸ میں کہا ہے۔ کہ کل لوگوں کا اپنا اپنا رجحان یا مذاق ہے۔ اور وہی ان کا قبلہ ہے۔ اور اس نکتہ نگاہ سے سب سے مبارک وہ ہیں۔ جو نیکیوں کو اپنا قبلہ بناتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی فضیلت یا فوقیت کا موجب یہی ہیں۔ اور کامیابی یا منزل مقصود تک یقینی طور پر یہی پہنچاتی ہیں ایک لفظ مسجد الحرام کا سرسری نظر پر کھٹکتا ہے۔ لیکن چونکہ آسمان علویت کی طرف مائل لوگ مسجدوں کی قید سے آزاد ہیں۔ اور قرآن حکم دے چکا ہے۔ کہ کسی مخصوص عمارت یا سمت کی طرف خیال نہ کرکے جدھر چاہو اپنا رخ کرکے عبادت کرلو۔ نیز یہاں بھی آیت ۱۴۲ میں مشرق مغرب سب طرف اللہ کو بتایا ہے۔ اس لئے مسجد الحرام کسی عمارت کی طرف نہیں۔ انسان کے اندر والی مسجد کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے۔ حرم کے معنے ہی اندرون مکان ہے۔ اسی کے مطابق شاعر کہتا ہے۔

ع خانۂ دل میں چھپا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا

۱۹۸۔ تبدیل قبلہ کی غرض

بیت المقدس اور خانۂ کعبہ کے دو قبلے ماننے اور ان میں تبدیلی ہونے کا مفہوم لینے والے لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ تبدیلی اس لئے ضروری ہوئی۔ کہ امتحان ہو جاوے۔ کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون اس سے پھر جاتا ہے۔ (آیت ۱۴۳) لیکن جو دلیل ہم کئی عام تفسیروں کی بحث میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ وہ تمسخر آمیز ہے۔ تمام سوسائٹیوں میں لوگ اپنی اپنی اغراض لے کر شامل ہوتے اور جدا بھی ہوتے رہتے ہیں۔ گورنمنٹ کے کارکن مخالف لوگوں کو بغیر قبلہ بدلنے وغیرہ کے معلوم کرتے۔ اور دیس نکالا تک بھی دیتے ہیں۔ تمام مذہبی اور ملکی ریفارمروں کا خود غرض غداروں سے پالا پڑتا ہے۔ عرب میں اس کے بعد اہل مکہ یا حکمرانانِ مکہ کو بارہا ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر قبلہ بدلنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ اور کیا جو لوگ دھوکے سے گھس کر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے۔ وہ کعبہ کی طرف نمائشی نماز پڑھ کر دھوکے کو جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ اور کیا قرآن صاف طور پر واضح نہ کر سکتا تھا۔ کہ فلاں لوگوں نے فلاں دھوکہ دیا۔ اور اس کا واحد علاج قبلہ بدلنا ہی ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ جو حکم کسی خاص سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے خلاف ہوا تھا۔ کیا اس حکم سے یہ آزمائش نہ ہو سکتی تھی۔ ہم تو سمجھتے ہیں۔ آزمائش کا ذریعہ فی الحقیقت وہی حکم ہو سکتا تھا۔ اور وہی ہوا۔ آیت ۱۴۳ میں جو مسلمانوں کو لوگوں کے لئے اور رسول کو مسلمانوں کے لئے نمونہ بن دکھانے کی ہدایت ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ توحید کو ہر لحاظ سے خالص کریں۔ اور کسی سمت میں خدا کو یا اس کے دھیان کی قید نہ سمجھنا اس اعلےٰ توحید کے لئے نہایت ضروری عمل ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ کہ جس قبلے کی طرف تم رخ کرتے ہو۔ وہ خدا نے نہیں بنایا۔ ہاں وہ محض ایک امتحان ہے۔ یعنی جو سچی توحید پر اعتقاد لا کر اس قبلے کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ رسول کا پیرو ثابت ہوتا ہے۔ اور جو نہیں چھوڑتا۔ وہ اس سے منحرف ہے۔ اس ملک کی مذہبی دنیا میں وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ اور گو مسلسل کوشش سے مباحثے اور وید کے حوالہ جات سن کر بہت لوگ بت پرستی کے قبلہ کو نہیں چھوڑتے۔ تاہم جو قلیل التعداد لوگ چھوڑتے ہیں۔ ان کا عمل انہیں آریہ سماج کا خیرخواہ ثابت کرتا ہے۔ اور ہم لوگوں کو کہتے سنتے ہیں۔ کہ بیوقوف مورتی پوجا چھوڑنے والوں کو برا مناتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ بیوقوف لوگ اس تبدیلی پر چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ اور آیت ۱۴۴ میں کہا ہے۔ کہ جن لوگوں کو ایشور کی عنایت سے نیک ہدایت ملی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں پر یہ تبدیلی شاق گذری ہے۔ پس مطلب یہی ہے۔ کہ لوگ پہلے ایک قبلہ کی طرف رخ کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت نے انہیں اس سے روک دیا۔ اور اپنے دل میں اس کی عبادت کرنے کی ہدایت دی۔ تاکہ لوگ کوئی اعتراض نہ کر سکیں چونکہ بت پرستی وغیرہ چھوڑنے کے باوجود۔ ایک مقام یا سمت کی طرف رخ کرنے سے بھی لوگوں کو اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس لئے قدیم رشیوں کا طریق عبادت ہی سب اعتراضوں سے بچا سکتا تھا۔

۱۹۹۔ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ

اس حصۂ آیت کا مطلب حضرت صاحب کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے یا اوپر توجہ کرنے سے لیا جاتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے۔ حضرت صاحب کو قبلے کے متعلق تشویش تھی۔ اس لئے وہ حکم کی انتظاری میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں۔ آسمان کی طرف دیکھنا اس لئے تھا۔ کہ وہ خدا سے دعا کرتے تھے۔ کہ خانہ کعبہ بتوں سے پاک ہو۔ یہ دعا یا انتظار یا توجہ اس لئے تھی۔ کہ خانہ کعبہ مشرکین کے قبضے میں ہے۔ دیکھیں کب بت پرستی سے پاک ہو۔ اور مسلمانوں کے قبضے میں آوے۔ ایسے خیالات والے اگلے الفاظ سے اپنے دعوے کی تائید بتاتے ہیں۔ کہ خدا نے کہا ہم تجھے اس قبلے کا متولی بنائیں گے۔ جسے تو پسند کرتا ہے۔ لیکن اس سے تو حضرت محمد صاحب جیسے بے غرض رسول پر الزام آتا ہے۔ کہ وہ متولی بننے کے خواہشمند تھے۔ اور اسی لئے دعائیں مانگتے تھے۔ یا کم سے کم خدا انہیں اس کے قبضے کا طالب اور خواہشمند سمجھتا تھا۔ اور اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کیا مقامی قبلہ کا بدلنا بھی کچے اور پکے مسلمانوں کی تمیز کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یا ایک طرف اور سب طرف خدا کو ماننے کا اعتقاد ساتھ ہی یہ کہ بیت المقدس بھی خاص جگہ اور خانہ کعبہ بھی خاص جگہ حضرت محمد صاحب خدا کی عبادت سے کسی خاص جگہ کی طرفداری کا تعلق منسوب نہیں کرتے۔ تب وہ بیت المقدس کو ترک اور خانہ کعبہ کو قبول کریں۔ اس کی وجہ کیا۔ بالخصوص ایسی حالت میں

کہ خانہ کعبہ بتوں سے پر اور شرک کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ پس اختلاف تاویل محض مفسرین یا اسلامی فرقوں کے کشیدہ تعلقات اور عام تنگ خیالیوں کا نتیجہ ہیں۔ آیات زیر بحث میں ہرگز ہرگز سمت یا مقام مخصوص کی قید کا اشارہ نہیں۔ بلکہ ویدک تعلیم کی علویت ہی یہاں ہر ایک لفظ کے اندر بھری پڑی ہے۔ تقلب وجھک فی السمآءِ کے الفاظ صاف طور پر آنحضرت کی بلند خیالی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور لوگ جہاں مخصوص مقاموں میں الجھ رہے تھے۔ وہاں رسول صاحب شان ایزدی کے آسمان پر بلند پروازی کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی مرضی کے مطابق ہر طرف قبلہ ہی قبلہ سمجھنے کا حکم دیا گیا۔ اور ہر طرف یعنی پورب۔ پچھم۔ اتر۔ دکھن اور پر نیچے جس طرح ویدک دھرمی من سے طواف کرتے یعنی منسا پر کرما کے منتروں سے وچار کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے اندر کی مسجد میں دھیان کرنے کی ہدایت دی گئی یہ الفاظ کہ تجھے تیرے حسب پسند قبلہ دیا جاتا ہے۔ محض ہر طرف موجود قبلہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا۔ کہ مسجد الحرام کی طرف توجہ کر۔ اور پھر یہ کہنا۔ کہ جہاں کہیں بھی ہو اسی کی طرف توجہ کرو۔ محض من مندر پر ہی اطلاق پا سکتا ہے۔ وہ قدیم دھرم بھی جس کے مطابق تعلیم دینے کا قرآن دعویدار ہے۔ یہی کہتا ہے۔ کہ تم کہیں بھی جاؤ۔ کسی بھی حالت میں ہو۔ بیرونی تعلقات کو چھوڑ کر من کے اندر بلکہ آتما میں ایشور کا دھیان کرو۔ اور آیت ۱۴۴ کے یہ لفظ کہ قدیم اہلِ کتاب بھی خدا کا یقینی طور پر یہی ارشاد سمجھتے ہیں۔ اور بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ آیت ۱۴۵ میں اہل کتاب کا باوجود حقیقت کا علم ہونے کے خاص جگہ کی طرف منہ کرنا مذکور ہے۔ اور اپنے اپنے اعتقاد پر ہٹ۔ ضد اور طرفداری کرنے کے مرض کا بیان کر کے یہ کہا ہے۔ کہ اگر رسُول بھی ایسے توہمات کا شکار رہو۔ تو اس کا صحیح علم کس کام کا۔ وہ بھی انہی ظالموں میں شمار ہو گا۔ یہ مہرشی دیانند کی اس سپرٹ کے مطابق ہے۔ کہ میں ملک یا قوم یا مذہب کی طرفداری نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میں بھی کسی مخصوص مت کا طرفدار بن جاتا۔ اس کے علاوہ اگلی آیات میں ہر ایک کے جُدا جُدا مذاق اور رُجحان کا خیال دلا کر نیکیوں کو اپنا قبلہ بنانے کی جو تحریک کی گئی ہے۔ وہ تو اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہنے دیتی۔ کہ آنحضرت کی توجہ اونچے آدرش کی طرف ماننا ہی تقلب وجھک فی السمآءِ کا اصل مفہوم ہے۔ آنحضرت خدا کو ہر جا حاضر ناظر مانتے ہوئے دُعا کے لئے آسمانوں کی طرف دیکھیں۔ یا یہ انتظار کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھیں۔ کہ کب اوپر سے حکم اترتا ہے۔ یہ محض تمسخر آمیز ہی نہیں۔ غیر معقول بھی ہے۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں ان کے اونچے نصب العین کو مدنظر رکھنا ضروری سمجھا ہے۔

۲۰۰۔ رسُول کا خاص وصف

لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ

آیت ۱۵۰ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں پر ہی خدا کی نعمت تمام ہوتی ہے۔ اور یہ نعمت سچی ہدایت یا علم کی ہے۔ یہ امر ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ اور یہاں بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ نعمت مذکورہ کی غرض لوگوں کا ہدایت پانا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نعمت کسی مقام یا سمت سے نہیں خدا سے ملتی ہے۔ اسی لئے کہا۔ کہ لوگوں سے نہیں۔ مجھ سے ہی ڈرو۔ یا مجھ پر ہی بھروسہ رکھو۔ جس سے علم اور ہدایت کی نعمت پوری ہو۔ اسی اعلےٰ نعمت سے وہ عظمت ملتی ہے۔ جو رسول صاحب کی مثال سے آیت نمبر ۱۵۱ میں بیان ہوئی ہے۔ کہ وہ بھی

تم میں سے ہی ہے۔ مگر تم کو آئیتیں سناتا۔ تمہیں نیک پاک بناتا۔ اور تمہیں کتاب الٰہی اور حکمت سکھاتا۔ اور وہ باتیں تمہیں بتاتا ہے۔ جو تم جانتے نہ تھے۔ اس سے تمام لوگوں کو یہ تحریص دی گئی ہے۔ کہ تم بھی اس لیاقت کو حاصل کرو۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ رسول کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ سچے علم کو حاصل کرے۔ اور لوگوں کو اس سے فیض پہنچاوے اور یہ امر کہ رسول لوگوں کے لئے نمونہ ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے علم پر پورا عامل بھی ہو۔ آیت ۱۵۲ میں اسی موضوع کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ میرا ہی ذکر کرو۔ یعنی میری اوصاف اور میرے علم و ہدایت کا خیال رکھو۔ اسی کا چرچا کرو۔ نیز میرا شکر کرو۔ ناشکر گذاری سے بچو۔ گویا نیکیوں کا قبلہ ہو یا سچے عالم باعمل رسولوں یا اپدیشکوں کو اپنا رہنما سمجھا جاوے۔ اس کے علاوہ کسی مقام یا سمت کی طرف رُخ کرنے کا یہاں قطعاً ذکر نہیں پھر رسول کے اوصاف وہی بتائے ہیں۔ جو ویدک برہمن یا سنیاسی وغیرہ کے ہو سکتے ہیں۔

۲۰۱۔ یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ

آیت نمبر ۱۴۶ میں یہ ذکر ہے۔ کہ جن لوگوں کو کتاب (الہامی) ملی ہے۔ وہ اسے اس طرح سمجھتے یا پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنے بیٹے کو۔ ایک مفسر صاحب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ مراد آنحضرت کو پہچاننے سے ہے۔ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اسمیں یعرفونہ میں جو ضمیر ہے۔ اس کا مرجع اس خیال والے مفسر رسول کو قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہودی لوگ آنحضرت کے نبی ہونے میں ایسا ہی یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ اپنے بیٹے کو جانتے تھے۔ یعنی جیسا بیٹے کو پہچاننے میں شک نہیں ہوتا۔ ویسا ہی انہیں کوئی شک نہ تھا۔ مگر دیدہ دانستہ حق کو چھپاتے تھے۔ دوسرا فریق اس ضمیر کو قبلہ کے حکم کی طرف راجع کرتا ہے۔ کیونکہ مضمون قبلہ کا چل رہا ہے۔ لیکن ہم نے ایسی کسی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ سوال یہاں یہودیوں کے سمجھنے یا پہچاننے کا نہیں۔ بلکہ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یعنی جن لوگوں کو الہامی علم خدا سے ملا ہوا ہے۔ ان کے پہچاننے کا ہے۔ اور وہ ویدک دھرمی ہیں جیسا کہ الکتٰب کی بحث میں کئی جگہ لکھا جا چکا ہے۔ یہودیوں کا رسول کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننا کسی طرح بن نہیں سکتا۔ جن لوگوں نے رسول کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ رسول کو دیکھ کر اپنے بیٹے کی طرح پہچان ہی کیسے سکتے تھے۔ اور اگر اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ ان کو وہ بیٹوں کی طرح سمجھتے یا ان سے محبت رکھتے تھے۔ تو یہ ان کی مخالفت کے بہت سے بیانات سے رد ہوتا ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ خواہ ان کو ساری آئیتیں کیوں نہ بتاؤ۔ وہ تمہارے کہنے کو ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔ پس بیٹے کی طرح پہچاننے کا مطلب کیا۔ کئی کہتے ہیں۔ توریت میں آنحضرت کے متعلق پیشگوئیاں تھیں۔ ان کے مطابق وہ انہیں نبی برحق سمجھتے تھے۔ مگر مذہبی طرفداری سے اس بات کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ لیکن نہ قرآن اور آنحضرت پیشگوئی کے قائل ہیں۔ نہ بہ فرض محال توریت میں پیشگوئیاں درج ہونے پر بھی وہ سوائے تحریف یا غلطی ترجمہ کے کچھ اور نام پا سکتی ہیں۔ خود بحث طلب امر دوسری بحث میں ثبوت کا کام نہیں دے سکتا۔

ایسے ہی یہ کہنا۔ کہ مرجع تحویل قبلہ ہے۔ غلط ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ کا قبلہ بنایا جانا ان آیات کا ہرگز ہرگز اصل مقصود نہیں۔ یہ ہم اچھی طرح ثابت کر آئے ہیں۔ نہ یہ کوئی موزوں کلام ہو سکتی ہے۔ کہ کسی حکم کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھا یا پہچانا جاوے۔ پس اصل مرجع یہاں رسول کا علم ہے۔ کیونکہ آیت ۱۴۵ کے آخری الفاظ میں کہا ہے۔ کہ

اگر علم مل چکنے کے بعد بھی تو مخالفین کے ظنیات کی پیروی کریگا۔ تو تو گناہگار ہوگا۔ اس کے علاوہ بیٹے کی طرح پہچاننے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ باوجود اس کو صحیح سمجھنے کے حق کو دیدہ دانستہ چھپاتا ہے۔ یہ حق کو چھپانا بھی ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا کے سب سمتوں میں موجود ہونے کے علم حق کو علے الاعلان جرأت سے قبول نہیں کیا جاتا۔ اہلِ کتاب کا رسول کے علم کو حق اور بیٹے کی طرح سمجھنا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ جیسے آج کل یہ کہا جاتا ہے۔ کہ سب مذاہب کا سرچشمہ ایک دہرم ہے۔ یا سب مذہبی فرقے ویدک دہرم کی ہی سچائی حاصل کرتے آرہے ہیں۔ یا فلاں مت کا جنم داتا بھی ویدک دھرم ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جیسے بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ ویسے ہی ویدوں کے عالم آنحضرت کی مذہبی تعلیم کو ویسے ہی پیدا شدہ مانتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو تعصب کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے۔ آریہ لوگ آجکل عام طور پر کہتے ہیں۔ کہ سوامی دیانند نے جو بت پرستی کا رد کیا۔ اسے سناتنی عالم جانتے تو ہیں۔ کہ وید کے مطابق بے شک یہ قابل تردید ہے۔ لیکن اپنی آمدنی کے بند ہونے کے اندیشے سے لوگوں سے اس سچائی کو چھپاتے ہیں۔ یہی پوزیشن آنحضرت کے علم حق کی اس وقت کے لوگوں کے تعلق سے قرآن میں بتائی گئی ہے۔

۲۰۲۔ ہمارے ترجمے کی خوبی

اس کل بحث کو غور سے پڑھ چکنے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں۔ کہ ہم نے ان آیات کا جو ترجمہ دیا ہے۔ وہ سلسلہ مضمون کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید کے عالمگیر اصول توحید کے مطابق اور اسی کی معقول توضیح پیش کرتا ہے۔ یہ الفاظ آیات کے علاوہ کسی کے ذاتی خیالات پر مبنی الفاظ کی ایزادی کے بغیر آنحضرت کی سپرٹ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ قدیم ویدک دھرم کی تصدیق کا مقصد جو جابجا قرآن سے منسوب کیا گیا ہے۔ بغیر اس ترجمے کے پورا ہونا نہایت مشکل ہے۔

۲۰۳۔ انسان کا امتحان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

۱۵۳ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ① وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

۱۵۴ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ② وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ

۱۵۵ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ③ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ

۱۵۶ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ

۱۵۷ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ⑤

اے ایمان لانے والو! صبر اور عبادت کرتے ہوئے اللہ سے دعا مانگو۔ تحقیق اللہ قانع لوگوں کے ساتھ ہے۔ ۱ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔ انہیں مرا ہوا نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ مگر تم سمجھتے نہیں۔ ۲ = اور تحقیق ہم کچھ خوف سے کچھ بھوک سے اور کچھ مال و جان اور پیداوار کے نقصان سے تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔ مبارک ہیں۔ جو قانع ہیں۔ ۳ - ان لوگوں پر جب مصیبت آتی ہے۔ تو یہی کہتے ہیں۔ کہ ہمارا تو بس خدا ہے۔ اور ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۴ - انہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی رحمت اور عنایت ہوتی ہے۔ اور یہی صحیح معنوں میں ہدایت پانے والے ہیں۔ ۵

۴۰۲ - سنتوش اور تپ

ان آیات میں ہوبہو ویدک دھرمیوں کے مسلمہ دو نیموں یعنی سنتوش اور تپ کا بیان کیا گیا ہے۔ سنتوش نام ہے قناعت کا۔ اور تپ نام ہے ریاضت کا۔ ہدایت یہ ہے۔ کہ انسان دعا کرنے یا خدا سے مدد مانگنے کا مستحق جب ہوتا ہے۔ کہ اس مدعا کے لئے خود پوری کوشش بھی کرے۔ اس کوشش یا تپ کا آدرش یہ ہے۔ کہ اپنے علم اور اپنی تمام طاقت سے کوشش کرتے ہوئے جو بھی مصیبتیں آئیں۔ انہیں برداشت کرے۔ گھبرا کر استقلال کو کھو نہ بیٹھے۔ سکھ دکھ۔ نفع و نقصان۔ تعریف مذمت سب کو یکساں سمجھتا ہوا ثابت قدمی سے کام کرتا جائے۔ اور جو بھی پھل یا نتیجہ ملے۔ اس پر قناعت کرے۔ اسی ویدک تعلیم کا ان آیات میں ذکر ہے۔ صبر بھی ہو۔ اور خدا کی عبادت و ریاضت بھی ہو۔ تبھی دعا قبول ہوتی ہے۔ تکلیف یا مصیبت کی انتہا موت ہے۔ اسے بھی آیت ۱۵۴ میں کہا ہے۔ کہ راہِ حق میں اگر موت آوے تو وہ زندگی ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد نیک لوگوں کے نام جو ہمیشہ قائم ہو جاتے ہیں۔ اسے زندگی کہا جا رہا ہے۔ مگر یہ محض کسی محدود حد تک صحیح ہے۔ اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ کہ لڑائی یا جہاد میں مرنا یا مذہبی خدمت وغیرہ میں مخالفوں سے شہید کیا جانا اس مرنے سے مراد ہے۔ لیکن یہ بھی محض ایک حد تک صحیح ہے۔ ورنہ راہ حق میں مرنا اپنی زندگی کو وسیع معنے میں احکام الٰہی کے مطابق گذارتے یا فنا فی اللہ رہتے ہوئے ختم کرنا ہے۔ یا اس طرح کہ نجات مل سکے۔ سچے علم اور عمل اور وصال باری کے وقف رہنا اس نجات کے لئے شرط ہے۔ ایسے ہی فیض عام میں زندگی گذارنا بھی آتما کی اعلیٰ زندگی کی گارنٹی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ کہ مصیبتیں محض تمہارا امتحان ہیں۔ جو کامیابی کا دروازہ ہے۔

۲۰۵ - قانع لوگوں کی پہچان

خدا انسان کا دشمن نہیں ۔ جیسے مصیبت کہا جاتا ہے ۔ وہ خدا کے ظلم کا نتیجہ نہیں ۔ بلکہ اس سچے دوست اور مددگار کی طرف سے تمام مصیبتوں میں ہماری راحت نہاں ہے ۔ اس اعتقاد سے قانع لوگ مصیبت کے وقت بھی اسی پر بھروسہ رکھتے اور اسی کا دھیان کرتے ہیں ۔ سنسکرت لٹریچر میں کہا گیا ہے ۔ کہ جس طرح آگ میں تپانے سے سونے کا تمام میل دُور ہو کر وہ کندن ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح مخالفتوں کے خوف و خطرات اور جان و مال وغیرہ تک کے نقصان میں استقلال سے کام کئے جانے والا عالم کیرکٹر کے لحاظ سے کندن ہو جاتا ہے ۔ قانع لوگوں کو فارسی شاعر اصلی دولتمند گنتا ہے ۔

اے قناعت تونگرم گرداں　　که ورائے تو ہیچ نعمت نیست

واقعی اصلی دولت سنتوش یا قناعت ہے ۔ سونا چاندی کی دولت تو انسان کے حرص و طمع کو بڑھا کر اسے غریبوں کی طرح زیادہ سے زیادہ دولت کے پیچھے بھٹکاتی ہے ۔

۲۰۶ - صفا اور مروہ کا طواف

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿٦﴾　۱۵۸

تحقیق صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ پس جو شخص حج یا عمرہ کرے ۔ وہ ان دونوں کا طواف کرے ۔ تو اس پر گناہ نہیں ۔ کیونکہ جو نیت سے نیک کام کرتا ہے خدا اس کی قدر کرتا اور اسے جانتا ہے ۔ ۹

۲۰۷ - اصولی ممانعت

حج وغیرہ میں صفا اور مروہ کا طواف کرنے اور ان کے درمیان دوڑ لگانے کا رواج ہے ۔ لیکن اس آیت سے واضح ہوتا ہے ۔ کہ قرآن اس طواف کی بہ طور اصول ہدایت نہیں دیتا ۔ کیونکہ اس میں بھی خاص مقام کا تعلق ہے ۔ اور اس سے پہلی آیت میں محض اللہ کا ہی دھیان کرنے کی ہدایت ہے ۔ اور اس سے پہلے مقام یا سمت کا خیال چھوڑ کر کعبہ دل میں عبادت کرنا ہی مقدم فرض ٹھہرایا ہے ۔ کسی بھی مادی شے یا مقام کی تعلیم میں قرآن کچھ نہ کچھ شرک ضرور سمجھتا ہے ۔ اور یہی حالت صفا اور مروہ والے طواف کی ہے ۔ لیکن ایک خیال ضرور وزن دار ہے ۔ کہ صفا اور مروہ بھی خدا کی خاص نشانیاں ہیں ۔ اور اگر کوئی عقلمند حاجی خیال کرتا ہے ۔ کہ اوہ ! کہاں میدان اور ریگستان اور کہاں آبادی کے پاس کی یہ دو پہاڑیاں

واقعی عجیب ہی قدرت وشان الہی ہے۔ تو بجائے شرک کے اس کا عمل توحید سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صورت میں حج یا عمرہ والا شخص طواف کرے۔ تو اس میں گناہ نہیں۔ عام مقولہ ہے۔ کہ نیت پر مراد۔ قانون فوجداری میں بھی جرم کا مدار نیت پر ہے۔ اور ویدک دہرم میں بھی فعل کا مدار حواس پر نہیں۔ بلکہ من پر سمجھا جاتا ہے۔ ہندو لوگ تو اس امر کو اس حد تک لے جاتے ہیں۔ کہ وہ بت پرستی کے گناہ عظیم کو بھی بھاونا کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔ حالانکہ بھاونا جہالت کا جواب نہیں۔ غرضیکہ طواف کرنے والا اگر صفا اور مروہ کو دیکھ کر خدا کا نام لیتا ہے۔ تو گناہ نہیں۔ ورنہ شرعی اور اصولی طور پر ان بے جان پہاڑیوں کی تعظیم اور ان کا طواف شرک سے خالی نہیں۔

۲۰۸۔ حج اور عمرہ

حج اور عمرہ کی تمیز کے لئے واضح رہے۔ کہ حج نویں ماہ ذی الحج کو ہوتا ہے۔ مگر عمرہ میں یہ پابندی نہیں۔ عمرہ میں احرام باندھنا۔ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ہوتا ہے۔ اور حج میں ان کے علاوہ عرفات میں ٹھہرنا منا میں کنکریاں پھینکنا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا ہے۔ مگر یہ رسمیات ہیں۔ قرآنی اصول نہیں۔ حج کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اس کا بیان سورۃ الحج میں آنا ہی مناسب ہے۔ اس لئے یہاں نہیں لکھا گیا۔

۲۰۹۔ رواج

صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شہر مکہ میں ایک دوسرے سے قریباً ۷۶ گز کے فاصلے پر واقع ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کی طرح ان پہاڑیوں پر بھی بت رکھے تھے۔ اور انہی کی وجہ سے ان کے طواف کا رواج پڑا تھا۔ ایک اور بیان یہ ہے۔ کہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگانے کا رواج حضرت ابراہیم کے واقعہ سے چلا ہے۔ جب وہ اپنی بی بی ہاجرہ اور بیٹے اسمٰعیل کو یہاں لائے۔ تو بی بی ہاجرہ پانی کی تلاش میں انہی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی پھریں۔ کچھ ہی ہو۔ قرآن اس رواج کے لئے ذمہ وار نہیں۔ کیونکہ رواج ڈالنے والے اور ہیں۔ اور اس کو قائم رکھنے والے بھی اور ہیں۔ بیان القرآن کے الفاظ اس کے متعلق خاص شہادت دیتے ہیں۔

"بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انصار سعی بین الصفا والمروہ میں کچھ مضایقہ کرتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ صفا اور مروہ پر دو بت اساف اور نائلہ تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اس رکن حج کو بجا لانے میں ہرج نہیں۔ گویا یہ ایک پیشگوئی تھی۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ سعی بین الصفا و مروہ نہ کرے۔ تو بھی ہرج نہیں۔ کہ اس کا ارکان حج میں سے ہونا احادیث صحیحہ اور تعامل امت سے ثابت ہے۔ پس اشارہ صرف یہی ہے۔ کہ سردست ان حالات میں بھی ارکان حج کو نہ چھوڑو۔ عروہ نے جب حضرت عایشہ سے کہا۔ کہ اس آیت کی رُو سے اگر سعی بین الصفا و مروہ نہ کی جاوے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں اگر یہ منشا ہوتا۔ تو عبارت یوں ہوتی۔ فلا جناح علیہ ان لا یطوف حضرت ہاجرہ کے قصے کی طرف اشارہ کر کے پھر مضمون کو عام کر دیا۔ کہ جو کوئی بھی شوق سے نیکی کرتا ہے۔ اس کو بہتر بدلہ ملتا ہے۔ کسی انسان سے اس کی خصوصیت نہیں۔"

مفسر صاحب یہ ثبوت نہیں دیتے۔ کہ قرآن اس سعی بین الصفا و مروہ کو فلاں آیت میں لازمی قرار دیتا ہے بلکہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ احادیث صحیحہ اور تعامل امت سے یہ ارکان حج میں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ معنی نہ لینے چاہئیں۔ کہ اگر نہ کیا جائے۔ تو بھی ہرج نہیں۔ ہماری رائے میں فرض یہ تھا کہ وہ تحقیق کرتے۔ کہ آیا حدیث اور تعامل امت والا بیان قرآن کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ قرآن کے الفاظ کو تمام عوارضات سے الگ رکھ کر ان سے اصول اخذ کرتے۔ اور پھر دیکھتے۔ کہ حدیث کے الفاظ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یا متابعت۔ لیکن آپ نے الٹا الفاظ قرآن کے گلے میں حدیث کا طوق باندھا ہے۔ اور یہی نقص ہے۔ جس کی وجہ سے خاص توحید کا خیال دلانے اور مشرق اور مغرب کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنے کی قید کو ہٹانے والی آیات میں بھی خاص طرف رُخ کرنے کے معنے لگائے گئے ہیں۔ یہ فرمان کہ اگر طواف کر لیا جاوے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ واقعی علے الاعلان اس کو فرض نہ سمجھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور مفسر صاحب کو یہ الفاظ کھٹکتے بھی ہیں۔ مگر بجائے حق کو ظاہر کرنے کے آپ اپنی کمزوری پر پردہ ڈالتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ چونکہ ان پہاڑیوں پر بُت رکھے تھے۔ اس لئے ایسی نرم صورتِ بیان اختیار کی گئی ہے۔ کہ اس حالت میں بھی طواف کرنا گناہ نہیں۔ لیکن قرآن میں ان بتوں کے ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔ اور مفسر صاحب ان کا تعلق خود جوڑتے ہیں۔ تو طواف بتوں کا ہونے سے گناہ شرک کا ارتکاف لازمی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس الزام سے بچنے کے لئے یہ اختراع کی گئی ہے۔ کہ خدا کے اس فرمان سے پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ کہ بت نہیں رہیں گے۔ لیکن نہ قرآن پیشگوئی وغیرہ توہم پرستی کا شکار ہے۔ نہ پہاڑیوں پر بت ہونے کا ذکر آتا ہے۔ نہ اصولاً جگہ یا سمت یا پہاڑیوں کی تعظیم کا قائل ہے۔ وہ تو ایک ہی شرط لگاتا ہے۔ جس سے یہ طواف گناہ نہیں رہتا۔ اور وہ شرط یہ ہے۔ کہ صفا اور مروہ کو شعائر اللہ مانا اور ان کو مدنظر رکھ کر خدا کا ذکر کیا جاوے۔ پس اس رواج کو قرآن نہیں۔ بلکہ اس کے اصل معانی کو نہ سمجھنے والے مفسرین اور علماء جاری رکھا رہے ہیں۔

۲۱۰۔ تَطَوَّعَ خَیْراً

اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ خوشدلی کے ساتھ کوئی نیکی کا کام کرنا۔ لیکن یہ معنے غلط ہیں۔ کیونکہ تطوّع کے لغوی معنے یہ ہیں۔

"توانائی نمودن از خود و آنچہ فریضہ باشد آوردن (صراح) حکم ماننا۔ فرمانبرداری و عبادت کرنا۔ جو فرض و سنت نہ ہو یعنی مستحب و نفل" (لغات سعیدی) نیکی کا کام کوئی بھی ہو وہ خدا کی طرف سے ہمارا فرض اور عین سنت ہے۔ پس اس کا کرنا یہاں مقصود نہیں۔ بلکہ فرض یا سنت نہ ہوتے ہوئے جو انسان خود اپنے دل سے اچھا کام سمجھ کر کرتا ہے۔ وہ مراد ہے۔ اور اس لفظ سے بھی سعی بین الصَّفَا وَ المروہ فرض یا سُنت نہیں۔ ہاں کسی خاص صورت میں انسان اپنی نیت میں اسے اچھا کام سمجھتا ہے۔ تو اس کے برا میں وہ آ نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نیت کو جاننے والا اور نیک نیتی کی قدر کرنے والا ہے۔ بیان القرآن کے دفعہ ماسبق والے اقتباس کے اخیر میں یہ لفظ ہیں۔ کہ حضرت ہاجرہ کے قصّے کی طرف اشارہ کر کے پھر مضمون کو عام کر دیا۔ کہ جو کوئی بھی شوق سے نیکی کرتا ہے۔ اسی کو بہتر بدلہ ملتا ہے۔ کسی انسان سے خصوصیت نہیں۔ یہاں

بھی شوق سے نیکی کرنے کی بجائے اپنی نیت یا علم کے مطابق نیکی کرنے کا مفہوم موزوں ہے۔ قطع نظر اس کے یہ ظاہر ہے۔ کہ مفسر صاحب نے آخر اسے عام اصول پر مان لیا۔ لیکن جب نہ ہاجرہ کے قصّے کی طرف آیت زیر بحث میں اشارہ ہے۔ اور نہ کسی اور حدیث کی طرف۔ تو شروع والا وہ تمام بیان جو آیات کو عام اصول سے جدا کرتا ہے۔ مفسرین کی اپنی اختراع ہے۔ قرآن کی آیت تو شروع میں ہی ویسی ہی عام اصول کو بیان کرتی ہے۔ جیسی اخیر میں۔

۲۱۱۔ کِتمانِ ہدایت کی سزا

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

۱۵۹ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ⑦

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ

۱۶۰ الرَّحِيمُ ⑧ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ

۱۶۱ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑨ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

۱۶۲ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ⑩

لوگوں کے لئے کتاب الٰہی میں صاف صاف بیان کرنے کے بعد جو سچے مسلّمہ اصول اور ہدایت کی باتیں ہم نے نازل کیں۔ ان کو جو لوگ چھپاتے ہیں۔ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور تمام لعنت کرنے والے اس کو ہی لعنتی بتلاتے ہیں۔ ۷ مگر جو پچھتاتے۔ اپنی اصلاح کرتے اور غلطی کا صاف اقبال کرتے ہیں۔ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم تواب اور رحیم ہیں۔ ۸ ۔ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور حالت کفر میں ہی مر گئے۔ ان پر کیا اللہ۔ کیا فرشتوں اور کیا آدمی سب کی لعنت ہے۔ ۹ ۔ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے نہ ان پر عذاب ہلکا کیا جاویگا۔ اور نہ ان کو مہلت ملے گی ۱۰

۲۱۲۔ سب سے بڑے لعنتی	خالص توحید و عبادت کے راستے میں حائل ہونے والی رکاوٹیں

مثل جگہ یا سمت مخصوص کا خیال اور طواف وغیرہ کو اصولاً ممنوع قرار دینے کے بعد ان آیات میں ایک قسم کا اظہارِ افسوس کیا گیا ہے۔ کہ حالانکہ عالمگیر سچائیاں اور کامل ہدایت کی باتیں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کتاب الہی (وید) میں صاف بیان ہو چکی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان مسلمات و ہدایات میں سے ضروری امور واضح ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بھی ان کو چھپانے والے لوگ موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو لعنتی کہا ہے۔ نہ صرف اللہ کے ہاں۔ بلکہ تمام انسانوں کے ہاں بھی جو لعنت کے مفہوم اور موقعہ استعمال کو سمجھتے ہیں۔ پھر آیت ۱۶۱ میں کہا۔ کہ تعلیم حق کے چھپنے کا نتیجہ لوگوں کا کفر کرنا ہوگا۔ اگر کوئی زندگی بھر اسی کفر میں رہے۔ اور اسی حالت میں مرے۔ تو کیا خدا کیا عالم اور کیا عام لوگ۔ سب کی اس پر لعنت ہے۔ نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی۔ اور نہ انہیں اپنی اصلاح کرنے کی مہلت ملے گی۔ اس ہدایت سے قرآن نہایت زور سے تمام اہل علم کا فرض ٹھہراتا ہے۔ کہ وہ علم الہی کی کسی بھی بات کو چھپائیں نہیں۔ بلکہ اشاعت حق کے فرض کو مستعدی استقلال اور بے خوفی سے بجا لائیں۔ ورنہ وہ گنہگار اور ملعون ہوں گے۔

۲۱۳۔ توبہ

باوجود ارتکاب ایسے گناہ عظیم کے خدا نے اصلاح کا دروازہ بند نہیں کیا۔ آیت ۱۶۰ میں صاف کہہ دیا ہے۔ کہ جو لوگ ایسی غلطی کر کے پچھتائیں گے۔ اور آئندہ اس کے ارتکاب سے باز رہیں گے۔ یعنی عملاً اپنی اصلاح کریں گے۔ اور ہمیشہ قصور کا صاف طور پر اقبال کریں گے۔ اسے چھپائیں گے نہیں۔ ان کی توبہ قبول ہوگی۔ اس آیت سے صاف عیاں ہے۔ کہ یہ اعتقاد کہ توبہ سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ قرآن کے مطابق نہیں۔ کیونکہ پشچاتاپ اور اصلاح اور آئندہ اس غلطی سے ہمیشہ بچنے کی احتیاط کا نام توبہ ہے۔ زبانی لفظ توبہ بولنا مقصود نہیں۔

۲۱۴۔ معبودِ حقیقی کا ثبوت عین الیقین

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱﴾ ۱۶۳

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱﴾ ۱۶۴

اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے۔ اس کے سوائے کوئی قابل عبادت نہیں۔ وہ رحمان اور رحیم ہے۔ ۱۱۔
تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش۔ رات دن کی تبدیلی۔ لوگوں کے منافع کی چیزیں لئے پھرنے والے سمندری
جہاز۔ آسمان سے برسائے گئے مینہ جن کے ذریعے مردہ زمین پھر زندہ ہوتی ہے۔ نیز تمام قسم کے جانداروں
میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ اور ادھر ادھر اُڑتی پھرنے والی ہواؤں اور آسمان و زمین
میں گھرے ہوئے بادلوں غرض ان سب چیزوں میں اہلِ عقل کے لئے بڑے سبق ہیں (یعنی خدا کی صنعت و حکمت کے)

۲۱۵۔ خدا کی ہستی

ہدایت الٰہی کو چھپانے والوں کی سزا کا بیان کر کے اب ہدایت دی گئی ہے۔ کہ یاد رکھو محض خدائے واحد ہی تمہارا معبود ہے۔ اور وہ نیائے کاری اور دیالو ہے۔ جہاں گناہ کے لئے تمہیں سزا دیتا ہے۔ وہاں تم اصلاح کرلو۔ تو دیالو ہونے سے درگذر بھی کرتا ہے۔ اس ۱۶۳ آیت پر اعتراض ہوسکتا ہے۔ کہ خدا نظر تو آتا نہیں۔ وہ سزا کیا دیگا۔ اور درگذر کیا کریگا۔ یہ وہ سوال ہے۔ جو وید اور دوسرے سچے شاستروں میں بڑی اچھی طرح حل کیا گیا ہے۔ کہ دنیا کا ہر ایک ظہور خدا کی ہستی کا ثبوت ہے۔ اور وہ اپنے کاموں سے ہر کہیں ظاہر ہو رہا ہے۔ وہی بیان قرآن میں دیا گیا ہے۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش ظاہر کرتی ہے۔ کہ جیسے ہر فعل کا فاعل ضروری ہے۔ ویسے ہی اس خلقت کا خالق بھی ہے۔ ایسے ہی رات دن کی تبدیلی۔ زمین کا مردہ ہونا۔ بارش کا برسنا۔ پھر زمین کا زندہ ہونا وغیرہ کے عمل جو ایک اعلےٰ قانون کے عملدرآمد کا ثبوت ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی خاص آر۔ستشی بھی ہے۔ ایسے ہی ہوا۔ جہاز۔ بادل وغیرہ تمام سے خدا کی ہستی یقینی طور پر ثابت ہے۔ یہ مضمون بھی عمدہ طریق پر وید کے منتروں میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا مختصر اشارہ سام وید ۱-۱-۳-۱۱ یا اتھرو ۲۰-۴۷-۱۳-
میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

उद्धुत्यं जातवेदसं देवं वहन्ति केतवः।

یعنی کل اشیائے عالم اس خالق عالم پرمیشور کو سب انسانوں کو ظاہرا طور پر دکھا رہی ہیں۔

۲۱۶۔ شرک

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ (۲) اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ (۳) وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ (۴)

۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷

اور بعض لوگ ایسے ہیں، جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک ٹھہراتے۔ اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جو محض اللہ کا حق ہے۔ مگر جو مومن ہوتے ہیں۔ ان کی اللہ سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اور کاشکہ ظالموں کو عذاب کے ہونے پر جو بات سوجھ پڑتی ہے۔ اب سوجھتی۔ یعنی یہ کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ۲۔ خیال کرو۔ اس وقت کہ گورو اپنے چیلوں سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور عذاب کو دیکھیں گے۔ اور ان کے تعلقات قطع ہو جائیں گے۔ ۳۔ اور ان کے پیرو کہیں گے۔ کاش ہم کو لوٹ جانا ہے۔ تو ہم بھی ان سے دست بردار ہو جائیں۔ جیسے یہ ہم سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان کو حسرتوں کی صورت میں دکھاتا ہے اور وہ دکھوں کی آگ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۴۔

۲۱۷۔ جھوٹے گورو اور چیلوں کا حشر

جہاں خالص توحید کا بیان کیا۔ وہاں ان آیات میں اب شرک کا ذکر کیا ہے۔ کہ آیت ۱۶۴ میں بتایا تھا۔ کہ دنیا کے تمام نظارے اہل بصیرت کے لئے خدا کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ اسی لئے مومنوں کے دلوں میں خدا کے لئے محبت ہے۔ لیکن غیر مومن بتوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اور جس خلوص عقیدت کا مستحق صرف خدا ہے۔ وہ ان جھوٹے معبودوں کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ بتوں کے علاوہ مردم پرست لوگ فانی انسانوں کو اپنا نجات دہندہ مان بیٹھتے ہیں۔ اور جو عزت اور تعظیم خدا کی کرنی چاہیے۔ وہی اپنے اس گورو کی کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر جب بڑا عذاب یا موت سامنے آتی ہے۔ اور وہ جھوٹے گورو نجات دیتے نہ کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ تب انہیں ہوش آتی ہے۔ کہ ہم نے بڑی بھول کی۔ جس طرح چوری کا راہ بتلانے والے اکثر لوگ، پولیس کے سامنے کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ ہم نے تو اسے دیکھا ہی آج ہے۔ یا کم سے کم اس سے بے تعلقی یا بیزاری یا دستبرداری اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹے گورو موت یا مصیبت کے وقت کنارہ کرتے ہیں۔ اس حقیقت حال کے نظر آنے پر بیوقوف بنا ہوا شخص اپنے اعمال پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے۔ اور اس کے اندر ایک جوش اور ولولہ اٹھتا ہے۔ کہ کاش اب کے موقع مل جاوے۔ تو ان سے قطع تعلق کرکے اس خدائے واحد

سے ہی ناطہ جوڑیں۔ لیکن گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ۔قانون الہی اٹل ہے۔جو تیر ہاتھ سے نکل گیا۔ اب واپس کیسے آوے۔ لہذا عذاب کا بھگتنا امیٹ تقدیر ہے۔قرآن آیت ۱۶۵ میں یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ اے لوگو! اس وقت کف افسوس ملنے کی نسبت بہتر یہی ہے۔ کہ ابھی سمجھ جاؤ۔ تاکہ عذاب کی نوبت ہی نہ آوے۔

۲۱۸۔ قانونِ غذا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ① إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ ۱۶۸
وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ② وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۱۶۹
قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا
وَلَا يَهْتَدُونَ ③ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ ۱۷۰
إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ④ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ۱۷۱
آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ⑤ ۱۷۲
إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ
اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑥ ۱۷۳
إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ

۱۷۴ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَ
۱۷۵ وُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ
لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝

الربع ۱۷۶ ع ۵

اے لوگو! وہ چیزیں کھاؤ۔ جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور حلال (قابل خوردنی) اور طیب (پاک یا ساتوک) ہیں۔ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ ۱۔ وہ تمہیں بدی اور گناہ کے کاموں کی ہی ترغیب دیتا ہے۔ اور اس بات کی کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو۔ جو تم جانتے نہیں۔ ۲۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو اللہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو اسی طریق پر چلتے ہیں۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے پایا۔ مگر کیا ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے اور راہ راست پر نہ چلتے رہے ہوں۔ تو بھی۔ ۳۔ اور ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے۔ جو اس (جانور) کو آواز دے رہا ہے۔ جو بغیر پکار اور آواز کے سنتا ہی نہیں۔ گویا ایسے گونگے بہرے اور اندھے ہیں۔ کہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۴۔ اے حق پسندو تم وہ پاک (ساتوک) غذا کھاؤ۔ جو تمہیں دی گئی ہے۔ اور تم اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ ۵۔ تحقیق اس نے تم پر مردہ جانور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے۔ اور وہ بھی جو غیر اللہ پر چڑھایا گیا ہے۔ ہاں جو مجبوری (آپت کال) میں ہو۔ بغیر خیال حکم عدولی و ہنسا (ایذا رسانی) کے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۶۔ جو لوگ اس بات کو چھپاتے ہیں۔ جو کتاب الٰہی میں سے ان پر اتاری گئی ہے۔ اور اس اخفا سے کچھ ٹکے کماتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں بس آگ بھرتے ہیں۔ اور قیامت میں اللہ ان سے بات تک نہ کریگا۔ اور نہ انہیں پاک کریگا۔ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ ۷۔ یہی ہیں۔ جو ہدایت کی جگہ گمراہی اور مغفرت کی جگہ عذاب خریدنے والے ہیں۔ پس انہیں غضب کی آگ برداشت کرنی ہوگی۔ ۸۔ یہ اس لئے۔ کہ اللہ نے تو سچے علم سے معمور کتاب نازل فرمائی۔ اور جو لوگ اس سے انحراف کرتے ہیں۔ وہ یقیناً انتہائی سرکش ہیں۔ ۹۔

۲۱۹۔ تین صفات

اس قانون غذا پر غور کیا جاوے۔ تو غذا کے متعلق تین امور مدنظر رکھنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ آیت نمبر ۱۶۸ میں سب سے اول یہ ہدایت دی ہے۔ کہ فی الارض

یعنی زمین سے حاصل ہو۔ یعنی کھیتی کرنے سے یا قدرتی طور پر جو زمین سے پیدا ہو۔ وہ کھاؤ۔ یعنی اَن اناج پھل وغیرہ گویا چرند پرند وغیرہ کا کھانا بالکل خلاف شرع ہے۔

دوم۔ حلال یعنی شرعاً جائز ہو۔ حلال کے اصل معنے مشکل کا کھولنا ہے۔ اور مفہوم یہ ہے۔ کہ جو چیز انسان کی کسی مشکل کو حل یا ضرورت کو پورا کرے۔ وہ حلال ہے۔ گویا عیاشی وغیرہ سے غذا کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ حلال کے لغوی معنے سے ہدایت ملتی ہے۔ پس ایک تو زمین سے پیدا شدہ ہو۔ اور دوسرے جسم کی حفاظت نیز صحت کے لئے واقعی ضروری اور مفید ہو۔ زمین سے اکثر چیزیں یا زہریلی بوٹیاں ایسی بھی پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسان کو کھانے سے صحت و طاقت کے متعلق کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ اور ایسی بھی ہیں۔ جو انسان کے لئے اُلٹا تکلیف بلکہ موت کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اس لئے حلال کی شرط واقعی لازمی تھی۔ اسی طرح ایک چیز ظلم سے یا دوسرے کو دکھ دے کر یا مار کر حاصل کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دوسرے انسان کی مشکل کو بڑھاتی ہے۔ اور پہلے کو گناہ کا مرتکب اور سزا کا مستحق بناتی ہے۔ گویا دونوں فریق کے لئے نقصان دہ ہے۔ اسی لئے حرام کی کمائی کو متروک مانا گیا ہے۔ تیسری شرط ہے۔ طیب یا پاک ہونے کی یعنی ایک تو صاف ستھری ہو۔ دوسرے صحیح طور پر پکی ہوئی۔ یا اس حالت میں کہ اس کا کھانا فائدہ ہی دے سکے۔ تیسرے اس سے اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہو۔ جذبات کو بھڑکانے والی غذائیں انسان کو اخلاق کے لحاظ سے غیر معتدل رویہ پر چلا کر گرا دیتی ہیں۔ اس لئے وہ بھی حلال نہیں۔ ویدک ساہتیہ میں حلال کو بھکشیہ یعنی قابل خوردنی اور طیب کو ساتوک بھوجن کہا ہے۔ یعنی پاک غذا جو جسم کو پاکیزگی صحت اور طاقت دے۔ اور اخلاق کو ترقی۔ یہ تینوں صفات گوشتخوری کی پُرزور تردید کرتی ہیں۔ اور آیت کے دوسرے حصے میں جو شیطان کی پیروی کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ کہہ کر کہ وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے۔ صرف تردید گوشتخوری کی تائید ہی نہیں کرتی۔ بلکہ اس عمل کو شیطان یا نفس امارہ کی پیروی کا نام دیتی اور اسے حرام ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ غذا کے مضمون میں ان تین صفات کے علاوہ جو غذا ہے۔ وہی شیطان کی پیروی سے منسوب ہو سکتی ہے۔

۲۲۰۔ غلط استدلال

باوجود اس کے ان الفاظ سے الٹے ہی مطالب اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آیت ۱۶۹ میں شیطان کی طرف سے بدی اور ناپاک کام کی کی ترغیب منسوب کی گئی ہے۔ یعنی حلال کی تمیز اگر شیطان کے زیر اثر ہو کر انسان نہیں کرتا۔ تو وہ بدی اور گناہ کی کمائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے زیر اثر طیب غذا کے اصول کو توڑتا ہے۔ تو فحش یا گندے اور بدچلنی کے عملوں پر مائل ہوتا ہے۔ چونکہ تمام مفسر بالاتفاق قبول کرتے ہیں۔ کہ غذا کا اثر دل اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور ہندی میں عام کہاوت ہے۔ کہ جیسا کھائیے اَن ویسا ہی بنتا ہے من۔ اور قدیم بزرگوں کے تاریخی واقعات سے بڑی بڑی ہستیوں کو ہم یہ اقبال کرتے پاتے ہیں۔ کہ ہم سے فلاں پاپ اس لئے ہوا کہ فلاں پاپی کا اَن پانے سے ہمارے من کی حالت بدل گئی تھی۔ اس لئے غذا کا اثر مسلمہ ہے۔ بالخصوص گوشت خوری سے نفسانیت یا شہوت کا غلبہ ہونا اور انسان کا اعتدال سے گرنا لازمی ہے۔ تو بھی ایسے طریق پر مفسر صاحبان ان آیات کی تعبیر کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں جو گوشت خوری کا رواج بڑھ رہا ہے۔ وہ ان آیات

کی زد سے بچ سکے۔ مثال کے لئے بیان القرآن صفحہ ۱۴۹ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

" اسلام نے ان تین چیزوں (مردار۔ خون۔ سؤر کا گوشت) کے علاوہ جن کا اثر صحت جسمانی کے علاوہ اخلاق پر بھی برا پڑتا ہے۔ ایک چوتھی چیز حرام قرار دی ہے۔ یعنی ہر جانور جو ویسے حلال ہو۔ مگر ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ اور یوں شرک کو عملی رنگ میں جڑ سے کاٹتا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کی وجہ دوسری جگہ خود کلام پاک میں دی ہے۔ دیکھو الانعام ۱۴۵۔ جہاں پہلی تین چیزوں کو رجس کہا ہے یعنی پلیدی۔ ان کا اثر جسم اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور ما اھل بہ لغیر اللّٰہ کو فسق کہا ہے۔ مردار اور خون اور سؤر کے گوشت میں زہروں کا ہونا آج ایک مسلم امر ہے۔ اور اخلاق پر جو بد اثر پڑتا ہے۔ اس پر خود واقعات شاہد ہیں۔ مردار خوار قومیں جیسے ہمارے ملک میں چوہڑے ہمیشہ سے نہایت رذیل حالت میں رہی ہیں۔ خون پینا درندوں کا کام ہے۔ اس سے درندگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے ذبح کرنے کو بھی ضرور قرار دیا ہے۔ کہ خون بہہ جائے۔ سؤر کے گوشت کے کھانے سے جو دیوثی اور بے غیرتی انسانوں میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ آج کل کی مہذب قوموں کے فحش تعلقات اور عورتوں کے ننگے جسموں سے خود ظاہر ہے۔"

سؤر کا گوشت عرب کے لوگ اسی طرح محبوب رکھتے تھے جس طرح آج یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام لحم الخنزیر اسی لئے کہا ہے۔ ورنہ جس طرح اس کا گوشت حرام ہے۔ اسی طرح دوسری اشیاء بھی۔ میتۃ سے مچھلی کو حدیث میں مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں خون نسبتاً اس قدر کم ہوتا ہے۔ کہ اس کا اثر بد صحت پر نہیں پڑ سکتا۔"

اھل بہ لغیر اللہ کے معنے یہ کئے ہیں۔ کہ جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے۔ یعنی ذبح کرتے وقت بجائے اللّٰہ کا نام لینے کے غیر اللّٰہ کا نام لیا جائے۔ جیسے کسی بت کا یا اور کسی کا سوائے اللہ کے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کر لیا جاوے۔ تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔

۱۲۱۔ محض غیر معقول

ہم پوچھتے ہیں۔ کہ (۱) جب آیت ۱۶۸ کے تینوں الفاظ اور ان کے علاوہ دیگر آیات میں کہیں بھی براہِ راست یا صاف طور پر کسی جاندار کا گوشت انسانی غذا قرار ہی نہیں دیا گیا۔ تو اس استدلال کے لئے آپ نے قرآن میں سے کونسی وجہ پائی ہے۔ بے بنیاد بیان یا قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی اس استدلال کے لئے استعمال میں لانے کا کسی کو حق نہیں۔

۲۔ کیا خون برا اثر ڈالتا ہے۔ اور گوشت اخلاق پر اچھا اثر ڈالتا ہے؟ ایسا ہوتا تو مردار حرام کیوں ہوتا۔ آخر وہ بھی تو گوشت ہی ہے۔

۳۔ اگر کہیں گوشت برا اثر نہیں ڈالتا۔ تو سؤر کے گوشت کے اثر کا نام لے کر عرب کی سابقہ اور امریکہ کی حال کی عیسائی اقوام پر برا اثر کیوں مانا ہے؟

۴۔ جب مردار حرام ہو گیا۔ تو کیا ذبح کیا ہوا جانور جو مردار ہی ہے۔ حرام نہ ہوا۔

۵۔ اگر ذبح کرنے سے خون کا ہی تدارک مقصود ہے۔ تو اللّٰہ کا نام لئے بغیر یا اور بتوں کا نام لے کر ذبح کرنے

سے بھی تو خون نکل سکتا ہے۔ پس اس قسم کی تذبیح پر اعتراض کیسا؟
۶۔ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لینا شرک ہے۔ تو کیا اللہ کی پیدا کردہ ہستیوں اور خدا کی قدرت کاملہ کا ثبوت مہیا کرنے والے حیوانات کو ذبح کرنا خدا سے کامل بغاوت اور سرکشی کرنا نہیں؟
۷۔ اور خون پینا اگر درندوں کا کام ہے۔ تو گوشت کھانا کیا چرندوں کا کام ہے۔ یا انسانوں کا۔ اس کا ثبوت قرآن میں کہاں موجود ہے۔
۸۔ کیا دیوثی اور بے غیرتی محض سور کا گوشت کھانے والوں میں ہی ہے؟ کیا دوسرے حیوانوں کا گوشت کھانے والوں میں دیوث اور بے غیرت لوگ نہیں ہیں۔
۹۔ کیا ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لینے سے گوشت کے اثر میں کوئی خاص تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور کیا کبھی اس فرق کا امتحان کیا گیا ہے۔ یعنی کبھی اللہ یا غیر اللہ کے نام سے ایک ہی قسم کے دو جانداروں کو ذبح کرکے عملاً ان کے گوشت کا فرق معلوم کیا گیا ہے۔
۱۰۔ "جانور جو ویسے حلال ہو۔ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حرام ہوتا ہے"۔ اس سے پہلے تو یہ بتانا تھا۔ کہ کس جانور کا گوشت حلال ہے۔ جب کسی کے گوشت کی اجازت ہی نہیں۔ تو اللہ یا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کی بحث کیسی؟
۱۱۔ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے شرک ہوتا ہے۔ تو ان تمام کاموں کو شرک کیوں نہ مانا جائے۔ جو دوسروں کا نام لے کر کئے جاتے ہیں۔ کوئی کام برہمن نام سے مخصوص ہے۔ کوئی کھشتری سے۔ سکہ راجا کے نام پر چلایا جاتا ہے۔ مندر یا مکان کسی انسان کے نام پر بنایا جاتا ہے۔ کوئی انسٹی ٹیوشن کسی کے نام پر جاری ہے۔ کوئی کسی کے نام پر۔ ان کو شرک کیوں نہیں مانتے
۱۲۔ مچھلی کو حدیث اکرمیتہ سے مستثنیٰ کرتی ہے۔ تو قرآن کے کس حکم کے مطابق ہے۔
۱۳۔ اور یہ امر کہ چونکہ مچھلی میں خون نسبتاً کم ہونے سے اس کا گوشت صحت پر برا اثر نہیں ڈالتا۔ اس لئے مچھلی میتہ لفظ کے اطلاق سے باہر ہے۔ کیا اس نتیجہ کو پیدا نہیں کرتا۔ کہ جن انسانوں یا حیوانوں کا خون مرنے سے پہلے بوجہ بیماری سوکھ یا بہت کم رہ گیا ہو۔ ان کو مرنے پر بغیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے مردار نہ سمجھ کر بخوشی کھا لیا جاوے۔

ہماری رائے میں ایسی تاویلات محض غیر معقول اور تمسخر آمیز حجت بازی ہے۔ جو محض گوشت خوری کے عیب پر پردہ ڈالنے اور قرآن کے فیصلہ کی زد سے بچنے کے لئے کھینچ تان سے کام لے کر کی جا رہی ہیں۔

۲۲۲۔ یک نہ شد دو شد

ایک اور مفسر صاحب اس سے بھی بڑھیا تاویل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"مشرکین عرب سانڈ وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ تو خدا نے فرما دیا۔ یہ شیطانی اغوا ہے۔ اور یہ لوگ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے دھڑے پر چلے جاتے ہیں۔ ورنہ خدا نے تو

مرے ہوئے جانور اور خون وغیرہ کے سوا جن کی صراحت آگے آرہی ہے۔ کچھ حرام نہیں کیا۔ اور لاچاری میں تو مردار بھی حلال ہے ؛

اوہ کیسا بھولا پن ہے۔ کہ معمولی سی پیچیدگی اپنی کلام میں داخل کر کے قرآن کو اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپ کا مدعا یہ ہے۔ کہ سانڈ ہے تو حلال۔ مگر شیطان کے اغوا سے حرام سمجھا جا رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ قرآن میں سانڈ کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کی اجازت ہے کہاں۔ جس آیت میں بقرۃ کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں بقرۃ لفظ نفس امارہ کے معنے میں ہے۔ سانڈ یا گاؤ پر ہرگز ہرگز اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم پختہ ثبوتوں اور دلیلوں سے واضح کر چکے ہیں۔ اور پھر جو لوگ اسے گائے یا بیل کے ذبح کرنے پر لگاتے ہیں۔ وہ بھی انسانی خوراک کے لئے اسے ذبح کرنے کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ اس مقتول کو اس ذبیحہ کا ٹکڑا چھوانے کے لئے کہتے ہیں۔ جس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں۔ تاہم یہ تذبیح بقر کا مقصد گوشت خوری کو ہرگز ہرگز قرار نہیں دیتی۔ اور نہ بقرۃ یا سانڈ یا گائے کو ہمیشہ مارتے رہنے کا اس میں کوئی مفہوم ہے۔ اور پھر یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ ذبح شدہ سانڈ بھی مردار ہی ہے۔ اور نیز یہ کہ مردار کو حرام کرنے کے بعد کسی بھی جاندار کا گوشت جائز نہیں ہو سکتا۔ سوائے زندہ جانداروں کے۔ مگر زندہ کو نہ کوئی کھاتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔

ہم لغوی اور مصدری معنے حلال کے اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور وہ ہیں مشکل کا حل کرنا یا کھولنا۔ نہ یہ کہ ذبح کر کے کسی کا گوشت کھانا پھر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا تو اور بھی غلط ہے۔ کیونکہ زندہ جانور کو دیکھ کر خدا کی حکمت کاملہ کا یقین ہوتا اور اس جانور سے فائدہ ملنے پر بھی خدا کا نام لینے یا اس کا شکر بجالانے کا خیال آتا ہے۔ لیکن بے زبان کو ذبح کرنے کے گناہ کے وقت خدا کے پاک نام کا کیا تعلق ہو۔ اس کے متعلق حمائل التفسیر میں ۵/۱۴ و ۶/۱۴۶ و ۶/۱۲۲ ان تین آیات میں آیت نمبر ۱۷۳ کی تفصیل بتا کر لکھا گیا ہے۔ "پس میتۃ سے اس جگہ مراد وہ تمام جانور ہیں۔ جو معمولی طور پر ذبح نہ کئے گئے ہوں۔ خواہ خود بخود مر گئے ہوں۔ یا حلقوم کو نہ کاٹا ہو یا بلندی پر سے گر کے مرا ہو۔ دم پر جوال ہے۔ وہ خصوصیت کا ہے۔ جس کو دوسری آیت مسفوح کے لفظ سے ظاہر کرتی ہے۔ (اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا) پس وہ خون حرام ہے۔ جو جاری ہو۔ اہلال کے معنے ہے آواز سے پکارنا۔ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ سے مراد یہ ہے۔ کہ غیر اللہ کا نام پکارا جائے جیسے عرب کے لوگ اپنے بتوں کا نام پکار کر ذبح کرتے تھے۔ یا غیر اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہو۔ جیسا ہندوستان میں شیخ سدو کے نام کا بکرا۔ سید احمد کے نام کی گائے اور مدار کے نام کا مرغ کرا دیتے ہیں۔ یا جیسے ہندو کالی بھوانی کے نام کا سانڈ چھوڑ دیتے ہیں۔ یا تھانوں یا دیووں یا دیوتاؤں کے تھانوں پر ذبح کئے گئے ہوں......" لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ان دوسری تین آیتوں میں بھی کہیں لکھا ہے۔ کہ فلاں جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا اور کھانا حلال لفظ کے معنے میں آتا ہے۔ کیا قرآن اگر یہ کہتا ہے۔ کہ مسلمانوں پر مومنوں کی یا قدیم اہل کتاب کی لڑکیاں حلال ہیں۔ تو اس سے شادی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یا ان لڑکیوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانا۔ کیا کوئی بھی دلیل ثابت کر سکتی ہے۔ کہ اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کا جسم مردہ یا مردار نہیں کہا سکتا۔ یقیناً کھینچا تانی چھوڑ کر محض قرآنی آیات تک محدود رہیں۔ تو قانون غذا کے

متعلق قرآن ایسے صاف احکام دیتا ہے۔ کہ گوشت خوری کا خیال بھی انسان کے پاس پھٹک نہیں سکتا۔

۲۲۳۔ تردید گوشتخوری

جہاں جواز گوشت خوری کی ان آیات میں کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں پُر زور تردید اس کی ضرور موجود ہے۔ آیت ۱۶۸ میں حلال اور طیب چیز کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہی وید کی ہدایت ہے۔ کہ بھکشیہ اور ساتوک پدارتھ ہی کھانے کے لئے ہیں۔ رہی گوشت خوری۔ اسے قرآن شیطانی کلم بدی فحش باتوں کا موجب اور قابل ترک قرار دیتا ہے۔ شیطان نفس کو انسان کا دشمن کہا ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ خدا نے گوشت خوری کی اجازت دی ہے۔ یا فلاں جانور ہمارے کھانے کے لئے ہی بنائے ہیں۔ تو یہ بھی شیطان کی ہی ترغیب ہے۔ اس کے پیروؤں کو سمجھائیں۔ کہ خدا سے جو اہنسا کی ہدایت ملی ہے۔ اس پر عمل کرو۔ (آیت ۱۷۰) تو باپ دادا کا نام لیتے ہیں۔ کہ وہ گوشت کھاتے تھے۔ ہم کیوں نہ کھائیں یہی دلیل بُت پرستی وغیرہ کے متعلق لوگ سوامی دیانند اور آریہ سماج کے مقابلے پر دیتے ہیں۔ اور قرآن بھی اس کا وہی جواب دیتا ہے۔ جو سوامی دیانند اور آریہ سماج دیتا ہے۔ کہ کیا اگر ہمارے بڑے کسی بات کو سمجھ نہ سکے ہوں۔ یا غلط راہ پر چلتے رہے ہوں۔ تو بھی انہی کی پیروی ہو۔ اس سے تو نپٹ بیوقوفی ثابت ہوگی۔ یہ کہہ کر پھر صاف کہا ہے۔ کہ حق پرستوں کو محض طیب چیزیں کھانی اور خدا کی عبادت کے ساتھ ان چیزوں کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ پھر حلال کے بعد ان چیزوں کو حرام بتایا۔ ۱۔ مُردہ جانور۔ ۲۔ خُون۔ ۳۔ سُور کا گوشت۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ صرف زندہ جاندار ہی انسان کے لئے حلال ہیں۔ یعنی ان کو محفوظ رکھتے ہوئے ان سے وہ فوائد حاصل کئے جائیں۔ جو خدا کی طرف سے انسان اور حیوان کے باہمی تعاون کا اصل مقصود ہیں جیسے بار برداری۔ سواری۔ کاشتکاری وغیرہ ذبح شدہ جانور بھی مردار ہیں۔ ان کو ذبح کرنے کے لئے خُون بہانا پڑتا ہے۔ اس لئے بھی یہ عمل حرام ہے۔ اور یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ غریب حیوانوں کے پیدا کرنے اور ان کی حفاظت و پرورش کی انسان پر ذمہ داری ڈالنے والے خدا کے ہی نام پر انہیں قتل کرنے کا رواج قائم رکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآن صریحاً اس گناہ عظیم کے خلاف ہدایت دیتا ہے۔

۲۲۴۔ آیات قرآنی سے ثبوت

۱۔ سورۃ الحج آیت ۳۷۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو تمہیں ہدایت دی ہے۔ ان کے مطابق تم اس کی مہمان گاؤ۔ اور نیک عمل والوں کو بشارت دو چونکہ پرہیزگاری خدا کو منظور ہے۔ اور گوشت منظور نہیں۔ اس لئے پرہیزگار بنو اور گوشت سے بچنا چاہئے۔ اور چونکہ خدا نے کھیتی سواری باربرداری کے لئے انہیں ہمارے مطیع کر رکھا ہے۔ اور گوشت کے لئے انہیں ذبح کرنے سے یہ تمام مقاصد مٹی میں ملتے ہیں۔ اس لئے گوشت خوری کو ترک کرنا نہایت ضروری ہے۔

۲۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط

اور یہ کہ ابراہیم نے دعا مانگی۔ کہ اے میرے رب اس نگر کو امن یعنی شانتی کا کیندر بنا۔ اور یہاں کے رہنے والوں کو پھل پھلاری کھانے کو دے۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (بقر۔ ۱۲۶)

ابراہیم کی ملت کو قرآن سچا دھرم بتاتا ہے۔ اور ابراہیم غذا کے لئے ویجیٹرین غذا کی دعا کرتے ہیں۔

۳۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَاۗءِيْلُ عَلٰي نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۹۳

توریت سے پہلے تمام خوردنی اشیاء بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (اس کے جواب میں) کہو۔ کہ اگر سچے ہو۔ تو ہمارے سامنے لاکر توریت پڑھو۔ ۹۳۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔۹۴۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ ۹۵۔

پس اس پر بھی کوئی اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ ظالم یا متعصب ہے۔ ۹۴۔ اسے کہدو کہ اللہ کا فرمان سچ ہے۔ پس ابراہیم کے طریق کی پیروی کرو۔ جو خدائے واحد کے پرستار تھے۔ مشرک نہ تھے۔ ۹۵

ان آیات میں اس امر کا اعادہ کیا گیا ہے۔ کہ اسرائیل نے گوشت کو جو حرام کیا تھا۔ اس کے سوائے سب خوردنی اشیائے حلال تھیں۔ مگر توریت نازل ہونے سے پہلے مطلب یہ کہ توریت نازل ہونے پر گوشت حلال ہو گیا۔ اس پوزیشن کو آنحضرت غلط قرار دیتے ہیں۔ اور چیلنج کرتے ہیں۔ کہ ہمارے سامنے لاکر توریت پڑھو۔ تو گویا انہیں یقین ہے۔ کہ توریت میں جواز گوشت نہیں۔ اس لئے وہ سامنے آکر اور کتاب دکھا کر ثبوت نہ دینے والے کو ظالم اور متعصب وغیرہ کہتے ہیں۔ اور بعد میں اپنا مدعا واضح کرتے ہیں۔ کہ ابراہیم کے ویجیٹرین ازم کو قبول کرنا ہی مناسب ہے۔

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭاِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۔ ۱۔ مائدہ

اے ایمان لانے والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ نرم مزاج (اہنسک) چوپائے جیوان تم پر حلال ہیں۔ مگر اس طریق پر جو تم پہ واضح کیا گیا ہے۔ اور یہ استثنائے اس امر کے کہ حج میں شکار کھیلنا بھی منع ہے۔ تحقیق اللہ جیسا چاہتا ہے۔ حکم دیتا ہے۔ ۱۔

اس آیت میں گوشت خوری کی انتہائی ممانعت کی گئی ہے۔ مومنوں کو ان اقراروں کے پورا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جو ہر شخص فطرتی طور پر خدا کے احکام کی تعمیل یا قبول حق اور ترک باطل کے لئے اپنے ذمے لئے ہوئے ہے۔ انہی عہدوں کے ایک حصے کو بعض مذہبی کتب میں اہنسا یعنی ترکِ ایذا کا عہد بھی بنایا ہے۔ یجر وید میں کرم کانڈ کی ہدایت کا آغاز کرتے ہوئے سب سے اول پانچویں منتر (اگنے برت پتے) میں اس عہد

کو بڑے وسیع معنوں میں لیا گیا ہے۔ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ پارسی مت کی دہرم پستک زند اوستا میں ایک
نہایت قیمتی اُپدیش ہے۔ جسے پارسی مت والے کل مذاہب سے نرالی اور سب سے اعلےٰ تعلیم والا مانتے ہیں۔
یہ اپدیش انسان اور حیوان کے مکالمے یا مقدمے کے رُوپ میں ہے۔ ہر دو فریق کی باہمی مساوات اور نیز انسان
کی فضیلت دونوں کی وجوہات دے کر اخیر میں بتایا ہے۔ کہ رُوح انسان اور حیوان دونوں میں یکساں ہے۔
فرق صرف یہ ہے۔ کہ انسانی قالب حیوانی قالب سے ایک درجہ اُوپر ہے۔ یہ نجات کا دروازہ ہے۔ مگر حیوانی قالب
والا رُوح براہِ راست نجات نہیں پا سکتا۔ جب تک انسانی قالب میں نہ آئے۔ لیکن جو انسان دہرم سے محروم ہیں۔ وہ
حیوان سے بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ مکتی پانے کی بجائے تنزل کر کے حیوانی قالب میں جاتے ہیں۔ اور ویسے گناہگار
انسانوں سے حیوان ایک درجہ اُوپر ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اس قالب میں ہیں۔ غرضیکہ یہ طے ہوا۔ کہ انسان
اور حیوان میں حقیقی طور پر سوائے دہرم کی صفت کے بالکل یکسانیت ہے۔ لہٰذا سب نے یہ عہد کیا۔ کہ ہم کیا
انسان کیا حیوان باہم کسی سے بھی ایذا رسانی روا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ اس اہنسا برت (عہدِ ترک ایذا) سے
دنیا میں امن اور سُکھ رہا۔ مگر ضحاک کے عہد سے یہ عہد ٹوٹنے لگا۔ اور گوشت خوری اور درندگی شروع ہو گئی۔
جو اب تک ترقی کر رہی ہے۔ صرف گائے۔ گھوڑا وغیرہ کچھ حیوان اس عہد پر قائم ہیں۔ اور اکثر انسان اور حیوان
گر چکے ہیں۔

غرضیکہ اہنسا کا عہد بھی جو ترک گوشت خوری کی تعلیم دیتا ہے۔ نہایت اہم ہے۔ اور اس عہد نیز عبادت
الٰہی اور قبول حق کے عہد وغیرہ کی طرف "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" سے توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اور نرم مزاج چوپائے
جانور انسان کے لئے حلال بتلائے گئے ہیں۔ سوال ہوگا۔ کہ حلال لفظ سے تو ذبیح اور گوشت خوری کا مفہوم نکلتا ہے۔
اس سے اہنسا کا کیا تعلق؟ ہمارا جواب ہے۔ کہ ہم قرآنی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں۔ مروجہ حلال لفظ کا نہیں۔
قرآن اگلے الفاظ میں فرماتا ہے۔ کہ یہ حیوان حلال تو ہیں۔ مگر اس طریق پر جو آگے مذکور ہے۔ اور وہ کیا ہے۔ حیوانات
کے ساتھ مفید تعاون کرنا جس خدمت کے لئے وہ مقصود ہیں۔ ان سے وہ خدمت اور فوائد حاصل کرنا۔ گوشت خوری
کا تو خیال بھی یہاں ممنوع ہے۔ کیونکہ گوشت ملتا ہے۔ حیوان کی موت سے اور فوائد ملتے ہیں۔ ان کی زندگی سے
اس اصول میں محض ایک امر مستثنےٰ ہے۔ اور وہ ہے شکار۔ لیکن حج کا احرام باندھنے کے دنوں میں وہ بھی منع
ہے۔ یہ ساری پوزیشن ہو بہو ویدک دہرم کی ہے۔ گوشت خوری کی قطعی ممانعت۔ کھشتری کے لئے شکار کی اجازت
اور خاص یگیہ وغیرہ کے موقع پر وہ بھی منع۔ کیونکہ یگیہ کو ادہور अध्वर یعنی ہنسا سے رہت کہا جاتا ہے۔ اور
شکار مارنے کی جو اجازت ہے۔ اس کا مقصد گوشت حاصل کرنا نہیں۔ نہ کھشتری اپنے مارے ہوئے شکار کا
گوشت کھا سکتا ہے۔ بلکہ انسانوں اور دوسرے حیوانوں کی ایذا رساں درندوں سے حفاظت کرنے کے
لئے شکار کیا جاتا ہے۔

۵- يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ
وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا

..یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اے حق کو قبول کرنے والو! اللہ کی نشانیوں۔ حرمت کے مہینوں۔ ہدیوں۔ اپنے پٹے دار جانوروں اپنے پروردگار کی برکت۔ اور رضامندی کے طالب خانہ کعبہ کے یاتریوں کی بے توقیری نہ کرو۔ ہاں جب احرام سے باہر آجاؤ۔ تو شکار کر سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ سے متحرک ہوکر ان پر زیادتی نہ کر بیٹھنا۔ نیکی اور پرہیز گاری میں تعاون رکھو۔ اور گناہ اور سرکشی میں کوئی کسی کی اعانت نہ کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ المایٔدہ - ۲ -

اس آیت میں ترک ایذا کا غیر معمولی ایڈیشن بھی ہے۔ اور جذبات سے اپیل بھی کی گئی ہے۔ شعایٔر جمع ہے۔ شعور کی۔ اور شعور کے معنے ہے سمجھ۔ وہ تمام اشیاء جنہیں دیکھ کر ایشور کی ہستی اور اس کی صفات کاملہ کی سمجھ آتی ہے۔ شعایٔر اللہ ہیں۔ اور اگرچہ موسموں کا تغیر و تبدّل۔ سورج کا طلوع و غروب۔ رات دن کی تبدیلی وغیرہ کے تمام نظارے شعایٔر اللہ ہیں۔ مگر اہنسا (ترک ایذا) کے مضمون میں ان سے چرند پرند وغیرہ تمام جانور مقصود ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر کہا ہے۔ کہ ان کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس کی یاد کرو۔ یہ اس کی حکمت کے مظہر ہیں۔ انہیں حقیر سمجھنا یا انہیں مارنا اللہ کی نشانیوں کو مٹانا ہے۔ جو گناہ کبیرہ ہے۔ حج کے ایام میں شکار سے بھی قطع تعلق کرو۔ کیونکہ ایذا رسانی کا خیال عبادت الٰہی کے منافی ہے۔ حیوانی ہدیے جو راہ حق میں دیئے جائیں۔ یا پالتو جانور جن کے گلے میں پیار اور پہچان کے لئے پٹے باندھے ہوں۔ ان کی موت کا خیال کرنا بھی انسانی حمیت کے خلاف ہے۔ کعبہ جیسی جائے امن و پناہ میں آئے حیوانوں یا اپنے رب کی یاد میں مصروف حاجیوں کی بے توقیری نہ کرو۔ یہ بھی صریحاً کفر کے مترادف ہے۔ حیوان یا انسان کو دل۔ زبان یا فعل سے کبھی ایذا نہ دو۔ خواہ حج میں ہو۔ یا نہ ہو۔ لیکن درندوں کے شکار کی جو اجازت ہے۔ وہ حج کے علاوہ اور دقتوں میں ہے۔ حیوانوں یا غیر لوگوں کے متعلق یہ ہدایت دیتے ہوئے بڑے معرکے کی بات یہ کہی گئی ہے۔ کہ جن لوگوں کو مسلمان اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ خاص کر جنہوں نے ان کو مسجد الحرام میں جانے سے روک دیا تھا۔ ان کے لئے دلوں میں جذبۂ عداوت ہونا معمولی بات تھی۔ لیکن اس ترک ایذا کے اصول کی عظمت کو سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ان دشمنوں کو بھی تکلیف یا ایذا نہ پہنچانے کے لئے پر زور ہدایت دی گئی ہے۔ کہ خبردار یہ انتقام یا کینہ کا جذبہ تم سے ان بھائیوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرانے پاوے۔ اس کے ساتھ ہی سچے دہرم کی یہ آدرش شکشا بھی دی گئی۔ کہ نیکی اور پرہیز گاری میں سب سے تعاون کرو۔ مگر گناہ یا ادہرم میں کوئی کسی کی اعانت یا حوصلہ افزائی نہ کرے۔ گویا حیوانوں سے نیکی اور پرہیز گاری کا تعاون کرنے کی صورت میں آپ یہ ہدایت دیتے ہیں۔ کہ تم ان کی حفاظت و پرورش کرو۔ اور وہ تمہیں کھیتی سواری باربرداری یا دودھ کی بہم رسانی میں مدد دیں۔ اور ان تمام فرائض کے پورا کرنے اور عہدوں کا ایفا کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب کرنے والا خدا کا خوف ہے۔ کیونکہ اسکے قانون سزا و جزا سے ہی انسان نیکی کی طرف مائل ہوتا۔ اور بدی سے پرے رہتا ہے۔ سو آیت کے خاتمہ پر یہ ڈراوا بھی دے دیا۔ کہ خدا کا خوف

دل میں رکھو۔ اگر تم نے اہنسا کے متعلقہ فرض میں کوتاہی کی تو اس کے انصاف سے سخت سزا کے مستوجب ہوگے۔

۶۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔ مائدہ ۔ ۴ ۔

تم سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ ان کے لئے کیا کیا حلال ہے۔ کہدو۔ کہ تمہارے لئے سب پاک (ساتوک یا بھکشیہ) چیزیں حلال ہیں۔ یعنی وہ جو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے دنیوی کام کاج کرنے والی اپنی جسمانی قوتوں کی تربیت یا نشوونما کرتے پر تمہیں ان کے ذریعے طیب معلوم ہوں۔ پس وہ چیزیں کھاؤ۔ جن سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ اور ان کی وجہ سے خدا کی یاد یعنی اس کا شکر کرو۔ اور اللہ کا خوف کرتے رہو۔ یقیناً وہ حساب کرنے میں تیز یا زود حساب ہے۔ ٥

پاک اور حلال غذا کی ہدایت پہلے آچکی ہے۔ اب اسی کی توضیح اس صورت میں کی گئی ہے۔ کہ خدا نے جو انسانوں کو علم دیا ہے۔ اسی کے مطابق اپنی تمام اندرونی و بیرونی طاقتوں کی تربیت کریں۔ اور انہیں نشوونما دیں۔ تو انہی کے ذریعے معلوم ہو جائے گا۔ کہ غذائے طیب کیا ہے۔ سو برہمچریہ یا تحصیل علم کے زمانے میں سچے گوروؤں کی زیر نگرانی جب سب اعضائے جسمانی کی ٹھیک تربیت ہوتی ہے۔ اور جسم نشوونما پاتا ہے۔ ساتھ ہی عقل کو علمی روشنی ملتی ہے۔ تو غذائے طیب کا علم بھی آپ سے آپ ہو جاتا ہے۔ چونکہ دودھ اَن اور پھل ہی ان گوروؤں کی ہدایت کے موافق کھانے میں آتا ہے۔ اور اسی سے جسم نشوونما پاتا ہے۔ اس لئے صحیح علم الٰہی جو گورو کی معرفت ملتا ہے۔ وہ یہی یقین دلاتا ہے۔ کہ دودھ ان پھل ہی غذائے طیب ہے۔ اور اسی لئے اس علم کا نتیجہ نکالنے سے قرآن فرماتا ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ پس کھاؤ وہ کچھ جس سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ چونکہ گوشت وغیرہ قسم کی غذا جذبات کو بھڑکانے والی ہے۔ اور تسکین قلب کے منافی ہے۔ اور نیز چونکہ چوری وغیرہ سے حاصل شدہ غذا قلب کی بے اطمینانی کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے غذائے طیب محض ویجیٹیرین اور جائز طور پر حاصل کی گئی غذا ہے۔

۷۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ط وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ص اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ مائدہ ۔ ٥

آج سے ساتوک (طیب) غذائیں تم پر حلال کی جاتی ہیں۔ اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کا کھانا تم پر اور تمہارا ان پر حلال کیا جاتا ہے۔ اور مومن لڑکیاں نیز پہلے اہل کتاب کی حنیفہ (برہمچارنی لڑکیاں) تم پر حلال ہیں۔ اس طرح کہ ان کے حقوق پورے کرو۔ برہمچریہ کو پالتے ہوئے بغیر شہوت پرستی کے یا عشق بازی سے قبول کرینگے اور جو ایسے دہرم میں ادہرم کریگا۔ اس کے عمل اکارت ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں برباد یا نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ ٥

اس آیت میں مومن عورتوں کے حلال ہونے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ان سے شادی کی اجازت ہے۔ پس اوپر جو حیوان کہے گئے۔ ان کے حلال ہونے کا مطلب ان سے تعاون کرنے کا ہے۔ ذبح کرنیکا نہیں۔

۸۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ ۸۷۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۸۸

اے حق پرستو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو خدا نے تم پر حلال کی ہیں۔ اور بد اعتدالی سے کام نہ لو۔ کیونکہ خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۸۷۔ اور جو خدا نے حلال اور طیب رزق تم کو دیا ہے۔ اسی میں سے کھاؤ۔ اور جس خدا پر تم ایمان لاتے ہو۔ اس کا خوف رکھو۔ ۸۸۔ مائدہ

۹۔ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ ۹۶۔ مائدہ

دریائی شکار اور دریائی خوردنی اشیاء تم پر حلال کی جاتی ہیں۔ تاکہ تم کو اور مسافروں کو فائدہ پہنچے۔ مگر جنگلی شکار جب تک تم احرام میں ہو۔ حرام ہی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے ہاتھ میں تمہارا حشر ہے۔

۱۰۔ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ ۱۰۰۔ مائدہ۔

انہیں کہدو۔ کہ خبیث اور طیب یعنی ناپاک (تموگنی) اور پاک (ساتوک) چیزیں ایک برابر نہیں۔ خواہ اکثر ناپاک چیزیں تمہیں اچھی ہی لگیں۔ پس اے اہل عقل۔ خدا سے ڈرو۔ اسی سے تمہاری فلاح ہوگی۔ ۱۰۰۔ مائدہ۔

۱۱۔ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ۔ انعام۔ ۱۱۹۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ۔ ۱۲۰۔ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ۔ ۱۲۱۔ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ۔ ۱۲۲۔ انعام۔

پس اگر تم کو اس کے حکموں پر یقین ہے۔ تو انہی چیزوں کو کھاؤ۔ جن پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو۔ ۱۱۹۔ اور جس پر اللہ کا نام یاد رکھا گیا ہو۔ اس کو تم نہ کھاؤ۔ تو کیوں؟! اور تحقیق جو کچھ اس نے حرام کر رکھا ہے۔ اس نے تم پر مفصل کھول کر کہہ دیا ہے۔ سوائے صورت مجبوری کے۔ تحقیق اکثر لوگ بلا تحقیق کئے اپنے مظنونات کی بناء پر ہی لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ مگر خدا ایسے قانس شکن لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ ۱۲۰۔ کیا ظاہری کیا باطنی ہر گناہ سے کنارہ کش رہو۔ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں۔ ان کو جلد ان کی کرتوت کا بدلہ مل جائے گا۔ ۱۲۱۔ اور جس پر اللہ کی یاد نہ کی گئی ہو۔ اسے نہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ فسق ہے۔ اور شیطان تو اپنے ڈھب کے لوگوں میں شکوک

ڈالتے ہی رہتے ہیں۔ تاکہ تمہارے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اور اگر تم ان کے آگے جھک گئے۔ تو تم بلاشبہ مشرک ہو گئے۔ ۱۲۲۔

۱۳۔ انعام ۔ ۱۴۲ و ۱۴۳۔ وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۫ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۱۴۲ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ ۱۴۳

(ترجمہ) وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے۔ بعض تو ٹہنیوں پر چڑھائے ہوئے۔ اور بعض نہیں چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور زیتون اور انار کہ بعض تو صورت شکل اور مزے میں ملتے جلتے اور بعض نہیں ملتے۔ یہ سب جب پھل دیں۔ ان کے پھل کھاؤ۔ اور ان نعمتوں کے شکریہ میں ان کے پکنے یا فصل کے دن زکوٰۃ دیا کرو۔ اور عیاشی (فضول خرچی) نہ کرو۔ کیونکہ خدا ایسا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۱۴۲۔

(۱۴۳ کا ترجمہ) بعض چارپائے باربرداری کے کام کے لئے ہیں۔ بعض سواری کے لئے۔ پس اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ جو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۱۴۳۔

۱۴۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ انعام ۔ ۱۴۴

آٹھ قسم کے جفت ہیں۔ دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے ان سے پوچھو۔ کیا خدا نے بھیڑ و بکری کے دونروں کو حرام کیا ہے۔ یا دو مادوں کو یا ان بچوں کو جو ان کے رحم میں ہیں۔ اگر تم سچے ہو۔ تو مجھے علم سے بتاؤ۔ ۱۴۴۔

۱۵۔ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ پوچھو کہ دونوں نر یا دونوں مادہ۔ یا دونوں مادیوں کے پیٹ والے بچے۔ کیا تم موجود تھے۔ جب اللہ نے تم کو یہ حکم دیا تھا۔ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو اللہ کے متعلق جھوٹ بول کر غلط فہمی پھیلاتا ہے۔ تحقیق اللہ متعصب لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔ ۔ انعام ۔ ۱۴۵

۱۶۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ انعام ۔ ۱۴۶۔

انہیں کہدو۔ کہ میری طرف تو یہی وحی ہوا ہے۔ کہ تمام اشیائے خوردنی میں سے کوئی چیز حرام نہیں۔ ہاں مردہ

یا خون بہتا ہوا جانور اور سوؤر کا گوشت حرام ہیں۔ کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ اور جو اللہ کے علاوہ بتوں پر نذر ہوئے ہیں۔ خلاف دھرم ہیں۔ ہاں صورت مجبوری میں بغیر نیت گناہ کے حد ضرورت کے اندر رہتے ہوئے اس کا استعمال ہو تو تحقیق خدا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ انعام۔ ۱۴۶۔

۱۷۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ انعام۔ ۱۴۷

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ایک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا۔ اور گائے و بکری ہر دو کا گوشت۔ ہاں ان کی پیٹھ پر لادنے یا جو ہڈیوں و انتڑیوں سے ملا ہے۔ (یعنی دودھ) و اولاد۔ وہ حلال ہے۔ وہ پہلی بات ان کی (انسانوں اور درندوں کی) باہمی عداوت سے تھی۔

۱۸۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ انعام۔ ۱۴۸۔

اس پر بھی اگر وہ تمہیں جھٹلا دیں۔ تو کہدو۔ تمہارا رب بدرجہ غایت رحیم ہے۔ مگر گناہگار لوگوں سے اس کا عذاب ٹل سکتا نہیں۔ انعام۔ ۱۴۸۔

۱۹۔ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ انعام۔ ۱۴۹

مشرک یہ حجت کر سکتے ہیں۔ کہ اگر خدا چاہتا۔ تو ہم شرک نہ کرتے۔ اور نہ ہمارے بزرگ اور نہ ہم خود کسی چیز کو حرام کرتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگ جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عذاب کا مزہ چکھا۔ ان سے پوچھو۔ کیا تم کوئی سند بھی پیش کرتے ہو۔ یا نرے ظنیات پر چلتے یا اٹکل پچو کہتے ہو۔ انعام۔ ۱۴۹۔

۲۰۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۱ انعام

پس کہدو۔ کہ بس اللہ والی بر حجت ہی انتہائی ہے۔ اگر وہی چاہتا۔ تو تم سب کو راہِ راست دکھاتا۔ انعام ۱۵۰۔ پھر کہو۔ کہ اپنے گواہ لاؤ۔ کہ اللہ نے ان کو حرام کیا ہے۔ سو اگر وہ گواہی بھی دیں۔ تو تم نے ان کی سمی نہ کہنا۔ نہ ان کے ظنیات کی پیروی کرنا۔ جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جو اپنے رب کے برابر اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۱۵۱۔

۲۱۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اعراف۔ ۳۲۔

ان سے پوچھو۔ کہ کس نے حرام کیا ہے۔ ان زینت کی یا آرائش کی یا ان کھانے پینے کی پاک چیزوں کو جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ انہیں سمجھا دو۔ کہ یہ ان کے لئے ہیں۔ جو دنیوی زندگی میں ایمان دار ہیں۔ اور خاص طور پر زمانہ اتحاد ۔ زمانہ امن کے لئے ۔ اسی طرح ہم اپنی ہدایتیں اہل علم کے لئے مفصل بیان کرتے ہیں۔ اعراف۔ ۳۲۔

۲۲۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اعراف۔ ۳۳۔

انہیں سمجھا دو۔ کہ میرے خدا نے تو فحش عملوں کی ممانعت کی ہے۔ کیا زبان و فعل سے اور کیا دل سے۔ نیز گناہ کی یا ناحق کسی پر ظلم کرنے کی یا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی۔ جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں اُتاری نیز اللہ سے وہ بات منسوب کرنے کی جس کا اس نے انہیں علم نہیں دیا۔ ۳۳۔

۲۲۵۔ چیلنج کا مطلب!

اوپر کے حوالہ جات کا گوشت کی مذمت ہی سے تعلق ہے۔ مگر بعض لوگ سوال کر سکتے ہیں۔ کہ اگر مذمت ہے۔ تو بھیڑ۔ بکری اور اونٹ اور گائے کے حرام ماننے والوں کو چیلنج دینے کا کیا مطلب ہے۔

اس کے متعلق واضح رہے۔ کہ یہ چیلنج گوشت کے حرام ماننے کے متعلق نہیں۔ بلکہ اس امر پر ہے۔ کہ لوگ خدا کے احکام کا تو خیال نہیں کرتے۔ نہ انہیں سمجھتے نہ مانتے ہیں۔ اور من گھڑت طور پر دیو ستفادیتے پھرتے ہیں۔ یا محض چند حیوانوں کے گوشت تک ہی شرع حرمت کو محدود کرتے ہیں۔ آنحضرت کا اصول یہ ہے۔ کہ ہر بات الیشوری گیان کے آدھار پر ہی مانی و منوائی جاوے۔ زیر بحث چوپایوں کی غرض وہ سواری یا بار برداری وغیرہ ہی ملتے ہیں وُہ گوشت خوری کے لئے انہیں مقصود نہیں مانتے۔ وہ گوشت خوری کو شیطان کی پیروی اور سخت ممنوع مانتے ہیں۔ اور ان اناج پھل یا اللہ کے دیئے ہوئے حلال کی کمائی کے رزق میں سے کھانے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن عرب میں حیوانوں کے متعلق بہت سے خیالات باطلہ مروّج تھے۔ کوئی فریق خاص بتوں پر خاص حیوانوں کے نامزد ہونے سے ان کے گوشت کو حرام سمجھتا تھا۔ کوئی کسی اور وجہ سے اونٹ۔ گائے۔ بھیڑ بکری کے نر کے کوئی مادہ کے گوشت کو حرام سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت محمد صاحب حلال حرام کے متعلق ایک عالمگیر الہی قانون کے قائل تھے۔ وہ محض آٹھ قسم کے جوڑوں کے گوشت کو ہی حرام نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ چیلنج دیتے تھے۔ کہ وہ اپنے اس اعتقاد کا ثبوت دیں۔ اور آٹھ جوڑوں کے حرام ہونے کو بالکل بے وقعت قرار دیتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ اگر تمہیں واقعی حلال حرام کا علم ہے۔ تو بتاؤ جن حیوانوں کو حرام کہتے ہو۔ ان میں سے نر حرام ہے۔ یا مادہ یا مادہ کے پیٹ والا بچہ۔ وہ اپنے اعلےٰ منطق سے یہ واضح کرتے تھے۔ کہ محض ان آٹھ قسم کے حیوانوں کے گوشت کو حرام کہنا خدا کا حکم نہیں۔ وہ صاف کہتے تھے۔ جیسا آج کل آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ کھانے کے قابل خدا کی پیدا کی ہوئی تمام چیزیں حلال ہیں۔ اور ناخن والے یا درندے جانوروں کے

حرام ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کا اور انسان کا باہمی تعاون نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر دو فریق ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور خود مرے ہوئے یا انسان سے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت اس لئے حرام بتلاتے تھے۔ کہ گوشت انسانی خوراک ہی نہیں۔ گائے وغیرہ کے حرام ہونے پر آپ کو محض اسی صورت میں اعتراض ہے کہ انسان کسی مقامی یا زمانی پالیسی سے ایسا فتوے دے۔ ورنہ اس زبانی فتوے پر بالکل نہیں۔ کہ ابھکشیہ یا ناقابل خوردنی یا خدا سے ممنوع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا گوشت حرام ہے۔ یونس آیت ۵۹ میں اس امر کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ط قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ہ

ان سے کہو غور کرو۔ اس امر پر کہ خدا نے تم پر رزق اتار رکھا ہے۔ لیکن تم حلال حرام کے مسئلے گھڑتے ہو۔ سو ان سے پوچھو۔ کہ کیا خدا نے تمہیں اجازت دی ہے۔ یا اس کے نام سے تم افترا کرتے ہو۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ کو خود ساختہ حرام حلال کا لوگوں کی طرف سے خدا کے نام پر کہا جانا ناپسند ہے۔ سورۃ انعام آیت ۱۴۸ کا جو حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ وہ صاف بتاتا ہے۔ کہ باوجود ترک گوشت کی پرزور تلقین کرنے کے اگر لوگ نہ مانیں۔ تو تم انہیں یہ دلیل دو۔ کہ اللہ چونکہ غیر معمولی یا غیر متناہی رحمت کا مجسمہ ہے۔ لہذا نہ وہ حیوانوں پر ظلم کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ نہ محض چند حیوانوں تک اس کی رحمت محدود ہو سکتی ہے۔ بعض آیات میں آتا ہے۔ کہ جس پر اللہ کا نام لیا جاوے۔ وہ حلال ہے۔ اور جس پر اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔ وہ حرام ہے۔ اور مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ جانور کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے۔ تو وہ گوشت حلال ہے۔ لیکن فی الحقیقت قرآن کی کسی بھی آیت میں ذبح کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کا حکم نہیں۔ بلکہ برے کام پر خدا کا پاک نام لینے کی مناہی ہے۔ خدا کا نام لینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جانداروں کے فوائد وغیرہ نیز ان کی پیدائش کے متعلق صنعت و حکمت کو دیکھ کر خدا کی یاد و تعریف کی جاوے۔ بعض موقعوں پر کام کے آغاز میں اللہ کا نام لینے کی ہدایت ہے۔ کئی جگہ کام کو خدا کے وقف کرنے کی۔ جیسا کہ یگیہ وغیرہ میں کہا جاتا ہے۔ اِدم اگنیے اِدنمم۔ کہ میرا اس نیک کام یا دان سے ذاتی تعلق نہیں۔ یہ سب ایشور کے لئے ہے۔ کیونکہ اس کی تمام سامگری اور وسائل کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ غرضیکہ کسی چیز پر اللہ کا نام لینا ایشور کی تعریف اور اس کی عبادت کا جزو ہے۔ اس لئے نہیں۔ کہ تمام مخلوق ہستیوں کو اپنے آغوش محبت میں رکھنے اور ان کی پرورش کا سامان مہیا کرنے والے کے نام پر اس کی مخلوق کی گردنیں کاٹی جاویں۔

۲۲۶۔ پرزور اعلان

سورۃ المائدہ۔ ۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

وَاخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

تم پر مرا ہوا خون اور جانور ۔ سور کا گوشت ۔ غیر اللہ پر نامزد جانور ۔ گلا گھٹ کر یا چوٹ لگنے سے یا گر کر یا سینگ کی مار سے مرا ہوا جانور سب حرام ہیں ۔ درندہ کا شکار سوائے اس کے جسے تم بچا لو ۔ بتوں پر چڑھایا گیا ۔ اور تیروں کی مار سے بیندھا گیا جانور سب تم پر حرام ہیں ۔ کیونکہ یہ گناہ کی بات ہے ۔ آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہوئے ۔ مگر تم ان کا خوف نہ کرو ۔ ہاں ہم سے ڈرتے رہو ۔ آج تمہارا دین ہم نے کامل کر دیا ۔ اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کیں ۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ۔ اس پر بھی بھوک سے مرتا ہوا ۔ ہنسا کی نیت نہ رکھتا ہوا شخص اس سے مستثنیٰ ہے ۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

اس آیت میں حیوانی گوشت کی قطعی ممانعت کی گئی ہے ۔ جتنے بھی عام طریقوں سے موت واقع ہو سکتی ہے ۔ آنحضرت نے سب کا ذکر کر کے مردہ جانور کا گوشت حرام ہی حرام بتایا ہے ۔ کہیں سے کوئی اشارہ نہیں نکلتا ۔ کہ خدا کے نام سے ذبح کیا ہوا مردار نہیں ہے ۔ اور پھر اگر خون حرام ہے ۔ تو ذبح کرنا کیا خون کرنا نہیں ۔ اگر یہ مطلب ہو ۔ کہ خون بہتا ہوا جانور حرام ہے ۔ تو خون بہ چکنے کے بعد مردہ جسم مردار ہے ۔ ظالم انسان اگر خدا کی پیدا کی ہوئی گائے یا بکری کو مارتا ہے ۔ تو وہ خدا کا نام لینے کا حقدار ہی کیسے ہے ۔ اور لے تو اس سے فائدہ کیا ۔ انسان خونی اور قاتل ہوتے ہی اس صورت میں ہیں ۔ کہ خدا اور اس کے پاک ناموں کے صحیح معنوں کا علم نہیں رکھتے ۔

اس آیت کے اندر نہایت زبردست با اصول ریفارمر کی سپرٹ کام کرتی ہے ۔ عرب کے اس وقت کے گوشت خور لوگوں کو یہ اعلان قدرتاً ناگوار تھا ۔ گوشت خوری کی ممانعت پر ان کا دین اسلام سے دور رہنا ہی اغلب تھا ۔ لیکن آنحضرت اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے علی الاعلان کہتے ہیں ۔ آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہوتے ہیں ۔ لیکن ان کا کچھ خیال نہ کرو ۔ ایشور پر بھروسہ رکھو ۔ وہ سچا دھرم ہی نہیں ۔ جس میں اہنسا کا اصول ہی نہیں ۔ آج اس اعلان سے تمہارے دین کی کمی پوری ہوتی ۔ اور ہم اسے کامل کرتے ہیں ۔ اور سچی ہدایت کی نعمت تم پر پوری ہوتی ہے ۔ لوگ بُرا مانیں یا بھلا ہمارا اعتقاد صداقت کی فتح کے زبردست اصول پر ہے ۔ معمولی سا بھی غور کیا جاوے ۔ تو اس آیت میں بھرتری ہری کے اس قول کی ہی بازگشت سنائی دے گی ۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے خاتمے پر اپنا منتویہ بتلاتے ہوئے پیش کیا ہے ۔ کہ نیتی نپن (پالسی باز) لوگ تعریف کریں ۔ یا مذمت ۔ دولت آوے یا جاوے ۔ آج ہی مرنا پڑے ۔ یا یگ گذرنے کے پیچھے ۔ مستقل مزاج اور با اصول لوگ راہِ راست سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے ۔

۲۲۷۔ سزا

نہ صرف ہدایت پر اکتفا ہے۔ اہنسا برت (عہد ترک ایذا) کو توڑنے پر سزا بھی سخت ملتی ہے۔

(سورۃ الاعراف آیت ۱۶۴ تا ۱۶۷) وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۔ ۱۶۴۔ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۱۶۵۔ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۱۶۶ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۔ ۱۶۷۔

اور اس گاؤں کا حال تو پوچھو۔ جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ وہ لگے سبت میں زیادتیاں کرنے کہ جب ان کے سبت کا دن ہوتا۔ تو اُس دن مچھلیاں پانی پر آجاتیں۔ اور جب سبت نہ ہوتا۔ تو مچھلیاں نہ آتیں۔ یہ لوگ نافرمان تھے۔ ہم نے بھی اسی طرح ان کی آزمائش کی۔ اور جب ان میں سے بعض لوگوں نے کہا۔ کہ جن لوگوں کو خدا ہلاک کرتا یا سخت عذاب میں ڈالنا چاہتا ہے۔ تم انہیں کیوں نصیحت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ایک تو تمہارے پروردگار کی جناب میں عذر گذارنے کی غرض سے اور دوسرے اس لئے کہ شاید باز آجاویں سو جب اُنہوں نے نصیحتوں کو بھلا دیا۔ ہم نے نصیحت کرنے والوں کو بچا لیا۔ اور شرارت کرنے والوں کو عذاب سخت میں مبتلا کر دیا۔ اور پھر جب ممنوع کاموں میں حد سے بڑھ گئے۔ تو ہم نے حکم دیا۔ کہ ذلیل و خوار بندر بن جاؤ۔ چنانچہ وہ بندر بن گئے"۔

ان آیتوں میں ایک تو یہ بات بتائی ہے۔ کہ انسان جو کچھ کرتا ہے۔ اس کا سامان قدرت کی طرف سے اسے مل جاتا ہے۔ جیسے سبت میں یم کو توڑنے والوں کو مچھلیاں ملنے لگیں۔ اور وہ پرہیزگار نہ رہے۔ لیکن نیچر کی یہ مدد ان کا گویا امتحان ہوتا ہے۔ اس سامان سے گمراہ انسان گر جاتا ہے۔ اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ سبت والے انسان ذلیل بندر بنے

دوسری بات یہ بتائی ہے۔ کہ مذہبی مبلغوں کو وعظ حق کا کام ہمیشہ کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی بُرا ہو۔ امکان بنا رہتا ہے۔ کہ شائد اس پر کسی اچھی بات یا دلیل کا اثر پڑ جاوے۔ اور اگر وہ نہ بھی مانیگا۔ تو یہ وعظ کرنے والے کے لئے ضرور عذر معقول ہوگا کہ اس نے اپنے فرض کو پورا کیا ہے۔

۲۲۸۔ اللہ کا نام محض بہانہ ہے

یہ خیال کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے پر جانور حلال ہو جاتا ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جہاں مُردار حرام ہے۔ وہاں جان کو مارنا بھی خلاف تعلیم اسلام ہے۔ شیر۔ چیتا وغیرہ درندے انسانوں اور حیوانوں کو مارتے ہیں۔ اس لئے کھشتریوں کا فرض اور حق ہے۔ کہ ان جاندار درندوں کا شکار کریں۔ انہیں موقعہ ہی نہ دیں۔ کہ وہ ایذا پہنچا سکیں۔ لیکن جو

گائے گھوڑا اونٹ وغیرہ کبھی اور کسی طرح بھی انسان پر حملہ نہیں کرتے۔ بلکہ عمر بھر خدمت کر کے انسان کے آرام و آسائش اور پرورش کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ ان کو جان سے مارنے کا انسان کو ہرگز ہرگز کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا خدا کے نام کا بہانہ لے کر اس کی پیدا کی ہوئی قیمتی جانوں کو ضائع کرنا نہایت افسوسناک ہے۔

قرآن سورۃ انعام آیت ۱۵۲ میں اس کے متعلق صاف حکم ہے

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ج ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ان لوگوں سے کہو۔ کہ آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ کہ اللہ نے کیا حرام کیا ہے۔ کسی شے کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہارے پالنے والے ہیں۔ تو انہیں بھی پالنے والے ہیں۔ بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ نہ ظاہر سے نہ باطن سے۔ اور جان کو مارنا بغیر حق کے یہ بھی حرام ہے۔ یہ ہیں۔ وہ باتیں جن کا حکم خدا نے تم کو دیا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔"

پس ظاہر ہے۔ کہ جب قاتل انسان بھی انسان راجہ سے پھانسی پاتا ہے۔ تو کیا خدا کی مخلوق کو بغیر کسی وجہ معقول کے مارنے والا انسان خدا کی سزا سے بچ سکتا ہے۔

۲۲۹۔ مستثنٰے صورت

ویدک دھرمی لوگ اہنسا یا ترک ایذا کو دھرم کی سب سے مقدم بات کہتے ہیں۔ پانچ یم اور پانچ نیم جو وصل خدا کی پہلی دو سیڑھیاں ہیں۔ ان میں سب سے پہلا یم اہنسا ہی ہے۔ یہ گویا بنیادی اصول یا پرم دھرم ہی ہے لیکن باوجود اس کے موذی درندوں کو مارنا مستثنٰے ہے۔ اور انسانوں و حیوانوں کی حفاظت کی غرض سے درندوں کو مارنا بھی اہنسا ہی کہلاتا ہے۔ قرآن میں بھی اسی اصول کے ماتحت شکار کو حلال رکھا ہے۔ اور جیسے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ آپت کالے مریادا ناستی یعنی مجبوری کے وقت کا کوئی قاعدہ نہیں۔ خواہ کوئی صحیح یا غلط یہ ثبوت بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کہ ایک رشی نے شدت اشتہا سے تنگ آکر جان بچانے کے لئے کتے کا مانس کھایا۔ تو اس پر کوئی مواخذہ کرنا غیر ضروری سمجھا گیا۔ اسی کے مطابق قرآن بعض جگہ حالت اضطرار کو مستثنٰے کرتا ہے۔ مگر جہاں بھی مجبوری کے عمل کو قابل درگذر (Privileged.) کہا ہے۔ وہاں ہی ویدک سدھانت کے مطابق یہ قید لگا دی ہے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ یا غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یعنی نفسانی سیری یا ہنسا کی نیت سے یا گناہ سے بچتے ہوئے اس استثنا کا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔

۲۳۰۔ کتاب الٰہی کی سند

پس قرآن گوشت خوری کی نہیں۔ رحم۔ پرہیزگاری۔ خدا کے تقوی اور دیگر بہترین غذا پر ہی زور دیتا ہے۔ یہی نہیں آیت ۱۷۴ تا ۱۷۶ میں اسے کتاب الٰہی کی تعلیم جتا کر صاف کہتا ہے۔ اس کو چھپا کر ٹکے کمانے والے لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ موت کے وقت انہیں خدا کی عنایت سے محروم ہونا اور عذاب بھوگنا پڑیگا۔ اگر خدا نے علم نہ دیا ہوتا۔ اور اپنی کتاب میں اس کی

۲ نہ کرو۔ والدین سے نیک سلوک کرو۔ مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ کیونکہ ہم تمہارے

صریح ممانعت نہ کی ہوتی ۔ تو بھی کوئی عذر ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا نے تو سچے علم والی کتاب یا الہام دے رکھا ہے۔ اس لئے جو لوگ انحراف کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی سرکشی کے مجرم ہیں ۔ پس اب سوال ہو سکتا ہے۔ کہ کتاب الہی میں کہاں گوشت خوری کی ممانعت ہے ۔ ہم کہتے ہیں۔ کرم کانڈ والے یجر وید کے پہلے ہی منتر میں لکھا ہے ۔ आप्यायध्व मघ्न्या: یعنی نہ مارنے کے قابل اشیاء ترقی پاویں۔
اس میں انسان حیوان تو نہ مارنے کے قابل ہیں ہی ۔ ان پھل وغیرہ اشیاء کو بھی برے استعمال میں نہ لانے کی ہدایت ہے۔ اسی منتر میں آخری لفظ ہے पशून पाहि پشوؤں کی رکشا کرو۔ یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۳۲ میں ہے प्रेदग्ने ज्योतिष्मान् याहि शिवेभिरर्चिभि: त्वम्। बृहद्भि भानुभिर्भासन् मा हिंसी स्तन्वा प्रजा:॥ پرجاؤں (خدا کی رعیت) کے شریر کو مت مار۔ ایسی ہدایت وید کے ایک دو کیا صدہا منتروں سے ملتی ہے۔ اور گوشت خوری کے خلاف جو زوردار سپرٹ قرآن کی آیات میں دکھائی گئی ہے۔ اس کا مول منتر بھی وید کے ہی انیک منتروں میں ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ اتھرو - ۲ - ۲۴ - ۱

शेर भक शेरभ पुनर्वो यन्तु यातव: पुनर्हेति: कमीदिन:।

यस्य स्थ तमत्त यो व: प्राहैत् तमत्त स्वा मांसान्यत्त ॥

اے دوسروں کا خاتمہ کرنے والے بیدرد قصائی ! اے چور کی سی خصلت والے ! تیرے پیڑا دینے والے عمل کی سزا تجھ کو ہی ملے گی ۔ اور یہ تیرے ہتھیار آخر تیرے ہی گلے پر چلیں گے ۔ ارے جس کا ساتھی ہونا اسی کو کھانا۔ جو تمہیں نیک راہ بتاوے اسی کو مارنا۔ ارے کوئی ساتھی نہ رہیگا ۔ تو اپنے سمبندھیوں کو کھاؤ گے اور پھر اپنا ناش کروگے"۔ اگلے منتر میں کہا ہے ۔جب انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ تبھی وہ پشوؤں پر ہتھیار چلاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح ہنسا کرتا ہوا ناش کرتا ہے ۔
اگر اس بیان کی صداقت کا ثبوت چاہئے۔ تو موجودہ انسانی جماعت کو دیکھ لیجئے۔ بالخصوص آج کل کے مہذب ممالک جو ساری سائینس کی طاقت کو تمام دوسرے ممالک کا خاتمہ کرنے پر لگا رہے ہیں۔ یہ گوشت خوری کے نتیجہ کے طور پر پیدا شدہ بیدردی اور ظلم کے جذبات کی کمائی ہے ۔

۲۳۱ - نیکی کیا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ
وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ①

نیکی اس کا نام نہیں۔ کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو۔ یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیک وہ ہے۔ جو خدا کو مانے نیز عاقبت۔ فرشتوں اور کتاب الٰہی اور نبیوں کو مانے۔ اور اس کی محبت سے قریبی لوگوں یتیموں مسکینوں مسافروں سوالیوں اور غلاموں پر دولت خرچ کرے۔ عبادت میں قائم رہے۔ زکوٰۃ دیا کرے۔ جو عہد کرے اس کا ایفا کرے۔ اور تنگی تکلیف اور مشکل کے وقت صبر اور مستقل مزاجی سے کام لے۔ بس یہی لوگ ہیں۔ جو صادق ہیں۔ اور یہی ہیں۔ جو متقی ہیں۔ ۱۔

۲۳۲۔ رسمی یا نمائشی نیکی

اس آیت میں اول تو اس بات کی تردید کی ہے۔ کہ ظاہری یا رسمی باتوں کو نیکی یا دھرم سمجھا جاوے۔ جسم پر داغ لگانا۔ ماتھے پر ٹیکا لگانا یا خاص کپڑا پہنانا یا خاص طرح کے آوازے کسنا۔ یہ باتیں تو جاہل سے جاہل اور برے سے برا شخص بھی دوسروں کی نقل اتار کر کر سکتا ہے۔ اس لئے ان میں کوئی بڑائی یا فائدہ نہیں۔ بلکہ اکثر ان کی آڑ میں لوگ دھوکا دے کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اگر بھگوا کپڑا ہی قابل عزت سمجھا جاوے۔ اور سنیاسی کے اندرونی اوصاف کا خیال نہ رکھا جاوے۔ تو بڑے بڑے نالائق بدمست اور بد معاش بھی بھگوا پہن اور ہر طرح کی عزت پا سکتے ہیں۔ یگیو پویت اور چوٹی کے ساتھ انسان میں وید کے مطابق علم اور عمل کا کمال نہ ہو۔ تو غیر مذہب والے عیسائی لوگ بھی ان نشانوں کو اختیار کر کے ہندوؤں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ نیشنل کانگریس کے لوگوں نے گاندھی ٹوپی کی اور کھدر کی لہر چلائی۔ تو کتنے ہی لوگوں نے ان کپڑوں کی آڑ میں گھس کر ناجائز فائدے اٹھائے۔ کئی جگہ ہندو عملی طور پر ایسے دھوکے عیسائی مشنریوں سے کھا بھی چکے ہیں۔ اس لئے قرآن ان رسمیات کو نیکی قرار نہیں دیتا۔ اور مثال دیتا ہے۔ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی۔ کیونکہ عرب میں یہ مثال نہایت عمدگی سے اس مدعا کو سمجھا سکتی تھی۔

۲۳۳ - سچا ایمان

یہ رسمی یا نمائشی نیکی نتیجہ اس خرابی کا ہے۔ کہ لوگ بغیر وچارے کسی بات کو مان بیٹھتے ہیں۔ کوئی کسی انسان کا شیدائی بن رہا ہے۔ کوئی ایسی باتوں پر ایمان لا رہا ہے۔ جو فی الحقیقت توہمات باطلہ ہیں۔ اس لئے نیکی یا دھرم کا اصلی جزو سچے ایمان کو بتایا ہے۔ اور وہ ہے۔ سب سے پہلے اس خدا کا ماننا جس میں جہالت دھوکا وغیرہ کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ جو تمام علموں اور نیکیوں کا مجسمہ ہے۔ بغیر اس پر ایمان یا رجوع لائے۔ انسان صحیح معنوں میں نہ کچھ جان اور نہ کچھ کر سکتا ہے۔ خدا کے بعد عاقبت کا ایمان ہے۔ کیونکہ موت کے خوف یا عاقبت کی فلاح کی غرض سے ہی نیک کام ہوتے یا ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرشتوں یعنی عالموں اور نیک لوگوں کی خوبیوں کی کشش ہونا ضروری ہے۔ اگر رجحان اس طرف نہ ہو۔ تو شیطان کا شکار ہونا لازمی ہوگا۔ غرضیکہ خدا عاقبت اور فرشتوں پر ایمان لانا نیکی کا اول جزو ہے۔ مگر خدا پر ایمان لانا کیا ہے۔ اس کے احکام اور اس کی مخلوقات کی حقیقت کو سمجھنا۔ اس کے لئے انسانی رہنمائی کرنے والا خدا کا الہامی علم ہے۔ اور جو لوگ خود اس علم کا احساس نہیں کر سکتے۔ وہ نبیوں یا رسولوں سے مدد پاتے ہیں۔ اس لئے منو نے جو یہ کہا۔ کہ شرتی۔ سمرتی۔ سداچار اور اپنے آتما کو پیارا یا صحیح معلوم دینا۔ یہ چار دھرم کے لکھشن ہیں۔ اسی کے مطابق شرتی تو ہے الہامی علم۔ سمرتی اور سداچار وغیرہ کے قائمقام نبیوں کا لفظ ہے۔ یا یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ خدا اور عاقبت کا ایمان چاہیئے۔ اور عالم لوگوں اور کتاب الہی اور نبیوں پر۔ کہ انہی کی طفیل خدا کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔

۲۳۴ - سچا عمل

علم اور ایمان کے بعد سلسلہ عمل کا لازمی تعلق ہے۔ چونکہ سچا ایمان اور علم انسان کے اندر نیک عمل کی ہی تحریک کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا۔ کہ اس خدا کی محبت کے زیر اثر خلق خدا کی خدمت میں اپنی طاقتوں کو لگاؤ یا دنیا کو فیض پہنچاؤ۔ اس کا بیان بھی خاص ترتیب سے کیا گیا ہے۔ اول ہیں قریبی لوگ یعنی ماں باپ بہن اور دوسرے رشتہ دار۔ ان کے ساتھ بہ طریق حسن نیک سلوک کرنا یا خدمت کی بجا آوری۔ ان سے اتر کر بے کس یتیموں کا خیال دلایا جو ماں باپ کے بغیر خود اپنی حفاظت و پرورش کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کے بعد عام مسکین اور محتاج لوگ پھر مسافر اور دوسرے سائل لوگ اور پھر انسانی جماعت کا غلام طبقہ انسان کی توجہ کا مستحق ہے۔ ان پر اپنا مال خرچ کرنا یہ سبق دیتا ہے۔ کہ خود غرضیوں سے اوپر اٹھے رہو۔ اور فیض عام کو اپنا نصب العین بناؤ۔

۲۳۵ - اعلیٰ اخلاق

سچے ایمان اور سچے عمل کے اندر حسن اخلاق شامل ہی ہے۔ تاہم قرآن اس امر کو مخصوص طور پر ایفائے عہد کا خیال دلا کر بیان کرتا ہے۔ یہ گویا انسانی کیرکٹر کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ انسان اپنی زندگی بھر میں ایفائے عہد پر عامل رہنے کا پابند ہے خدا سے عبادت نیکی اور قبول حق کا عہد ہے۔ گورو سے ماں باپ سے۔ بیوی سے۔ دوستوں سے سب سے مستقل اور مخصوص عہد ہیں۔ اور آئے دن کے کام کاج لین دین وغیرہ میں عارضی اقرار کرنے پڑتے ہیں۔ نہ صرف باہر کے تعلقات میں انسان اپنے دل میں ہر روز نئے سے نئے فیصلے کرتا ہے۔ کہ یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ انہیں اپنے ساتھ عہد کہا جا سکتا ہے۔ قرآن ہر عہد کو پورا کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اسی سے عزت

اور اعتبار بڑھتا اور اپنی فرض شناسی پر اپنے آپ کو اطمینانہ ہوتا ہے۔ منو سمرتی میں جو دھرم کے دس لکھشن لکھے ہیں ان میں سب سے اوّل دھرتی یا مستقل مزاجی ہے۔ یہی سچے عمل کی بنیاد ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے کسی کام میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اور اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ معمولی سی مشکل ہمارے لئے وعدہ خلافی کا جائز سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے قرآن کا یہ ہدایت دینا ہے۔ کہ کچھ بھی ہو وعدہ کو پورا کرو جیسی تکلیف شکل ہر حالت میں صبر اور استقلال سے کام لو۔

۲۳۶ - قصاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٣﴾

۱۷۸

۱۷۹

اے حق کو قبول کرنے والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص لازمی ہے۔ آزاد کا آزاد غلام کا غلام اور عورت کا اس عورت سے ہی۔ مگر جسکو اس کے بھائی بندوں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو طریق معروف اس کی تعمیل ہونی واجب ہے۔ اور شریفانہ طور سے ادائیگی کی جاوے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے پس جو بعد میں زیادتی کرے۔ اسکے لئے عذاب درد ناک ہے۔ ۲ - اے عقلمند لوگو! سمجھ لو کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے تم متقی بنتے ہو۔ ۳ -

۲۳۷ - عالمگیر قانون

قانون کو ہر زمانہ میں عموماً قتل ہی کیا گیا ہے۔ تمام مہذب گورنمنٹیں قاتل کو پھانسی کی سزا دیتی ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ اور جرموں کی طرح اس جرم کے متعلق بھی بعض اوقات طرفداری یا رعایت سے کوئی مجرم بچ جاتا ہے، بالخصوص مالدار یا حکومت کے کارکن یا ہم قوم۔ لیکن اس سے قصاص کے اصول پر اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ طرفداری کرنیوالے خود مجرم بنتے ہیں۔ ہاں اگر یہ یقین ہو۔ کہ قاتل زندہ رہ کر آئندہ ایسے سنگین جرموں کا ارتکاب کرنے والا نہیں۔ بلکہ اس کی جان بخشی مفید ہو سکتی ہے۔ تو حکومتیں رحم کی درخواست وغیرہ کو منظور کر کے سزا کی نوعیت بدل سکتی ہیں۔ اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ منتہٰی صورت کو نظر انداز نہ کیا جاوے۔ تو بھی اصولاً اس جرم کے لئے سزائے پھانسی ہی مقرر ہے۔ وید میں قاتل انسان کو ہنسک یا درندہ جانوروں کی سزائے موت کا مستحق مانا گیا ہے۔ اور یجروید ادھیائے ۱ منتر ۷ میں صاف حکم ہے۔ "ترشیشٹم رکھشہ شیشٹم اراتیو - ہتو ی دسیٹو ن آریہ ورن ماؤت -" وسیوؤں کو مار کر آریہ لوگ ایسے راکھشوں کا جڑ مول سے ناش کرو۔

طبقہ کی رکھشا کرو۔ اسی کے مطابق منو میں سخت سزا کا حکم ہے۔ منو دنڈ یا سزا کو ہی اصل راجہ کہتا ہے چوری وغیرہ تک کے لئے وہ یہ سزا تجویز کرتا ہے۔ کہ جس ہاتھ سے چوری یا ظلم ہو۔ اسے کاٹ دو۔ ادھیائے ۸ شلوک ۳۵۰ میں تو یہ نیلی حکم موجود ہے خواہ گورو ہو۔ خواہ بیٹا وغیرہ اولاد ہوں خواہ باپ وغیرہ بزرگ ہوں۔ خواہ برہمن خواہ شاستروں وغیرہ کے سننے والا کیوں نہ ہو۔ جو مجرم کو چھوڑ کر ادھرم میں پھنسا ہوا دوسرے کو بلا جرم مارنے والا ہے۔ اس کو بغیر تامل کے مار ڈالنا چاہیئے۔ وید میں ایسے ظالموں کی بیخکنی کا نتیجہ یہ بتایا ہے۔ کہ ہمارے اردگرد سکھ والا کرۂ مہیا رہیگا۔ یہی کچھ منو کہتا ہے۔ اور یہی سوامی دیانند نے واضح کیا ہے۔ کہ سخت سزا سے جرموں کی روک تھام ہوتی اور لوگوں کو اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اور اگر غور کیا جاوے۔ تو آیت ۱۷۹ میں اسی کے مطابق بالکل بجا کہا گیا ہے۔ کہ عقلمند لوگو! اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے تم متقی بنتے ہو۔ قصاص نہ ہو۔ تو نہ خونریزی میں کوئی روک رہے نہ امن سے تعلیم و تربیت ہو کر کوئی ترقی ہو سکے۔

۲۳۸ تخفیف اور رحمت

قاتل کو سزا دینے سے تین فریقوں کے مفاد کا تعلق ہے۔ اوّل مقتول کے وارث یا قریبی لوگوں کا جو اس قتل سے تمام فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں جو مقتول سے انہیں حاصل ہونے تھے۔ دوم۔ گورنمنٹ کا اگر وہ اسے پھانسی نہ دے۔ تو وہ اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ایسی وارداتوں کے لئے دلیر ہو سکتے ہیں۔ اور تیسرے رعیت کا جس کو بڑی تشویش اور خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اگر قاتل سزا سے بچ جائیں۔ ان میں سے دوسرے فریق کو آئندہ کے متعلق اطمینان ہو۔ تو تیسرے فریق کے لئے کسی ایجیٹیشن کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دوسرا فریق اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اگر وہ رحم کر کے سزا میں کمی کرے۔ تو کر سکتا ہے۔ رہا فریق اوّل۔ اگر اسے قاتل کے وارثوں سے کوئی عداوت نہ ہو۔ اور نہ خطرہ تو وہ مقتول کے خون کے بدلے معاوضہ لے کر صلح کر سکتا ہے۔ ایک لائق مفسر کا خیال ہے۔ کہ بھائی بندوں کا معاوضہ لے کر دستبردار ہونا اسلام کا مستقل قانون نہیں ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب میں مختلف قبیلے تھے۔ ان میں سے انہوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا تھا۔ اور مسلمان ہونے کے وقت تک مقتول کے لوگوں نے قاتل سے بدلہ نہیں لیا تھا۔ ان کے متعلق یہاں اشارہ ہے۔ کہ اگر ان خونوں کی بابت کسی نے کچھ معاف کر دیا ہو۔ یا اس کے عوض میں کچھ دینے کا اقرار کیا ہو۔ تو وہ اسی اقرار کے موافق ادا کر دیا جاوے۔ اس رائے کی تہ میں آپ کا یہ خیال کام کرتا ہے۔ کہ قتل جیسے جرم کے مواخذہ سے مسلمان ہونے کے بعد کوئی بری نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر یہ ذکر پہلے خونوں سے تعلق رکھتا۔ تو آیت میں اس کا صاف ذکر ہو سکتا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ اغلب یہ تھا۔ کہ ان کا فیصلہ آنحضرتؐ نے کرا دیا ہوتا۔ ضرورت اس کے ذکر کی ہی نہ رہتی۔ اور اگر فیصلہ بھی نہیں کرایا۔ اور قرآن میں لکھنا بھی ضروری سمجھا۔ تو بعد میں ان کے درمیان فیصلہ ہونے کا کوئی ثبوت ہی ہوتا۔ پھر آیت میں بھائی بندوں سے کوئی معاوضہ لینے کے لئے لکھا ہے "فَاتِّبَاعٌ بالمعروف" کہ اس میں معروف کی پیروی ہو۔ علماء اسلام لفظ معروف کے معنے نیکی کے لیتے ہیں۔ نیک نامی کے لیتے ہیں یا دستور شرع کے لیتے ہیں۔ آخری معنے یہاں اصلیت کے زیادہ قریب ہیں۔ معروف اور منکر دو لفظ شرع کے مطابق اور خلاف شرع کے لئے ہیں۔ مگر یہ لازمی نہیں۔ کہ وہ شرع تحریر میں آئی ہو۔ حکم الہی یا اصل اصول کو مدنظر رکھ کر کسی معاملہ کے متعلق جو بھی شرع عمل میں آوے یا جس کا رواج ہو۔ وہ معروف ہے۔ پس فریقین کا باہمی معاہدہ یہاں کسی طرح مذکور نہیں۔ بلکہ معاوضہ کے یہ طریق بتایا ہے۔ کہ جیسا کچھ پہلے سے دنیا میں مروج ہو۔ دلا دیا جاوے۔ موت کی سزا کی بجائے معاوضہ کا طریق فی الحقیقت خدا کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اگر پہلے خونوں اور معاہدوں کا تعلق ہوتا تو خدا کی تخفیف اور رحمت کا لفظ موزوں نہ ہوتا۔ اس تخفیف اور رحمت سے تو یہ ایک مستقل قانون کا جزو ہی ثابت ہوتا ہے۔

۲۳۹۔ خیالی تکے

اگرچہ آیت کا تعلق ایک صریح عالمگیر اصول کو بیان کرنے سے ہے۔ مگر مفسرین مثل اور جگہوں کے یہاں بھی خاص واقعات کا تعلق جوڑتے ہیں۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی کے معنے اس امر کو واضح کرتے ہیں۔ کہ جو قاتل ہے۔ وہی پھانسی پائے گا۔ آزاد ہو۔ تو وہی آزاد۔ غلام ہو تو وہی غلام اور عورت ہو تو وہی عورت۔ یہی بے رو رعایت تحقیقات کا تقاضا ہے۔ یہی بے رو رعایت انصاف کا تقاضا ہے۔ اور یہی دائمی قانون ہے۔ مگر مفسرین ہر آیت کے لئے مقامی یا زمانی وجہ ڈھونڈنے کے عادی ہیں۔ اس لئے وہ عرب کے ایسے حالات لکھتے ہیں۔ کہ ان آیتوں کے مضمون کے برعکس ہوں۔ اور آیت کے حق بجانب ہونے کا ثبوت۔ چنانچہ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں زبردست قومیں اپنے مقتول غلام کا بدلہ دوسرے فریق کے آزاد کو مار کر لیتی تھیں۔ اور آزاد مقتول کے بدلے دو مردوں کو اور عورت کے بدلے میں ایک مرد کو مارتی تھیں معالم التنزیل صفحہ ۷۶ پر بھی یہ بیان ہے۔ اور اس بے انصافی کو دور کرنے کے لئے آزاد کے بدلے آزاد وغیرہ کا قانون بنا۔ یہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ لیکن نہ تو زمانہ جاہلیت کا یہ رواج کہیں قرآن میں مذکور ہے۔ نہ ایسے قانون کا محض کسی خاص گروہ سے تعلق ہو سکتا ہے۔ پھر یہ ترجمہ کہ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اپنی آزاد صورت میں ہر شخص کے لئے اور ہر لحاظ سے کچھ بے معنے سا اور نہایت مبہم ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آزاد قاتل کے بدلے آزاد کو پھانسی دینے کا مطلب ہے۔ یا آزاد مقتول کی وجہ سے کسی آزاد کو مارنا ہے۔ خواہ اصل قاتل کوئی غلام ہو۔ پس اصل بات یہ ہے۔ کہ قصاص خود "خون کا بدلہ" کے معنے رکھتا ہے۔ اور حر اور عبد اور انثٰی تینوں کے ساتھ ال کا لفظ لگ رہا ہے۔ جو قصاص کا عمل جن پر ہوتا ہے۔ ان کا پتہ دیتا ہے۔ فی القتلٰی سے قصاص کو مقتولوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ اور جن پر عمل ہوتا ہے۔ وہ ہیں قاتل ان کی تخصیص یہاں کر دی ہے۔ کہ اگر وہ آزاد ہے۔ تو وہی آزاد اور غلام ہے۔ تو وہی غلام اور عورت ہے۔ تو وہی عورت سزا پائے گی۔ اور یہ ایک عالمگیر اور مستقل قانون ہے۔ نہ کہ مقامی یا زمانی مسئلہ۔ اور انصاف کے لئے آزاد غلام۔ مرد۔ عورت سب کے لئے ایک قانون ہے

۲۴۰۔ اصلاح یا انتقام ؟

لیکن قصاص کے مضمون میں بھی قرآن اس اصول کو نظر انداز نہیں کرتا۔ کہ ہر قسم کے جرم میں سزا دیتے ہوئے اصلاح کے امکان کا ضرور خیال رہے۔ اور کسی بھی وجہ کی آڑ میں کوئی کسی قسم کی بے انصافی نہ کرے۔ مقتول کے ورثا اگر معاوضہ لے کر دست بردار ہو جائیں۔ تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اور معاوضہ کے دینے و لینے میں کوئی باہمی تنگی ترشی نہ ہونے پائے اس کے لئے اخلاقی فرض بتا دیا ہے۔ کہ یہ معاوضہ عام دستور سے زیادہ طلب نہ ہو۔ اور اس کی ادائیگی شریفانہ طور پر ہو جائے غرض نہ مقتول کے قتل کے متعلق ورثا میں انتقام یا کینہ کا خیال رہے۔ نہ قاتل والا فریق آئندہ اپنی اصلاح سے غافل ہو۔

۲۴۱۔ وصیت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى

۱۸۰

۱۸۱ الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۵ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ

۱۸۲ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶ ع ۲۲

جب تم میں سے کسی کی موت نزدیک ہو۔ اور وہ مال ترکہ میں چھوڑے۔ تو اس کے لئے تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مناسب طریق پر وصیت کرے۔ یہ متقی لوگوں کے لئے فرض ہے۔ ۵ ۔ مگر جو وصیت کو سن کر بعد میں اس کو بدل دے۔ تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہے۔ تحقیق اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۱۸۱۔ اور اگر کسی کو وصیت کرنیوالے کی طرف سے طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو۔ اور وہ وارثوں میں صلح کرادے۔ تو اس پر کوئی عیب نہیں۔ یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۶ ۔

۲۴۲۔ منسوخ نہیں

وصیت کرنا قرآن کی اس آیت کے رو سے ہر مالدار کا فرض ہے۔ اس کے بعد کے تنازعات اور جائیداد کی بربادی کی روک تھام ہوتی ہے۔ اور مرنے والے کی کمائی کا اس کے اطمینان کے مطابق بجا استعمال ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک خیال یہ پھیلایا گیا ہے۔ کہ آیت ۱۸۰ اب منسوخ ہے کیونکہ سورۃ النساء میں وراثت کا حکم نازل ہوا ہے۔ لیکن تمام ملکوں اور قوموں میں جب قواعد وراثت اور وصیت ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ تو قرآن میں اسے منسوخ سمجھنے کے کیا معنے۔ اول تو کارہائے خیر کے لئے ترکہ چھوڑنے والا اپنے خیال کے مطابق وصیت کر سکتا ہے۔ دوم۔ قانون وراثت کے عمل درآمد میں جس شخص کو اپنے بعد پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ وہ بھی بذریعہ وصیت ایسا انتظام کر سکتا ہے۔ کہ بعد کی ناچاقیاں اس کی جائیداد کی بربادی کا موجب نہ ہو سکیں۔ سوم قانون وراثت سے وصیت کا حکم جب منسوخ ہوتا۔ کہ بغیر وصیت کے کوئی مر نہ سکتا ہو۔ موجودہ صورت میں تو وصیت باوجود فرض کے موصی کی اختیاری بات ہے۔ اور بعض صورتوں میں وصیت کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ پس قانون وراثت کے ذریعے اس کمی کا علاج ہونا ضروری تھا۔ وصیت کے حکم کو منسوخ کرنے کے کچھ معنے نہیں ہو سکتے۔ چہارم جہاں مالدار متقی کا فرض بتایا گیا ہے۔ کہ وہ وصیت کرے۔ وہاں وصیت پر عمل کرنیوالوں کو بھی ایمانداری سے اس پر تعمیل کرنے کی ہدایت دی ہے۔ کمی بیشی یا تبدیلی کرنے کا انہیں اختیار نہیں۔ اگر ایسا کریں گے۔ تو وہ اس کے ذمہ دار ہونگے۔ ہاں اگر موصی سے سہو ہو جاوے۔ اور اس سہو سے کسی کی صریح حق تلفی ہوتی ہو۔ تو باہمی رضامندی سے اس کی اصلاح کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا ہر طرح کی معقولیت کی وجہ سے یہ آیت قابل منسوخی ہے ہی نہیں۔ اگر وصیت کی ہو گی۔ تو اس کے مطابق عمل ہوگا۔ اور نہ کی ہو گی۔ تو آیت ورثہ کے مطابق عمل ہو گا۔ ایسا ہی یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی شخص محض رفاہِ عام کے لئے یا اپنے کسی خاص خیرخواہ کے لئے یا کسی مستحق رشتہ دار کے لئے ہی کچھ مال کی وصیت کرے۔ ایسی صورت میں باقی جائیداد پر قانون وراثت لاگو ہوگا۔ اور اس طرح دونوں قانون ایک ہی مدعا کو پورا کریں گے۔

۲۴۳۔ روزہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ

۱۸۳ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ① اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
۱۸۴ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ② شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
۱۸۵ هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ③ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ
قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا
۱۸۶ بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ④ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْ
هُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

۱۸۷ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا

۱۸۸ مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ع

اے ایمان لانے والو! جیسے تمہارے بزرگوں کے لئے روزے لکھے تھے۔ ویسے ہی تمہارے لئے لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ تم متقی ہو۔ ۱۔ وہ گنتی کے چند روز ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی مریض یا سفر میں ہو۔ تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کردے۔ اور جن کو کھانا کھلانے کا مقدور ہو۔ ان پر بدلے میں ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔ ہاں اس پر بھی خوشی سے کوئی نیک کام کرے۔ تو اور بھی اچھا ہے۔ اور سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے واسطے بہتر ہے۔ ۲۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے۔ جس میں وہ قرآن نازل ہوا۔ جو انسانوں کے لئے رہنما اور ہدایت والی مسلمہ صداقتوں کا مخزن اور حق و ناحق کی تمیز کرنیوالا ہے۔ پس جو تم میں سے ماہِ رمضان کی حقیقت کو سمجھے۔ وہ اس میں روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی مریض یا سفر میں ہو۔ تو اور دنوں سے گنتی پوری کردے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ مشکلات نہیں چاہتا۔ اور غرض یہ کہ تم گنتی پوری کرو۔ اور اس ہدایت یا الہام کے لئے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ تم اس کی بڑائی کرو۔ اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ ۳۔ اور جب میرا عابد تم سے میری بابت سوال کرتا ہے۔ تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اور جب کوئی ہم سے دعا کرتا ہے۔ تو ہم اس کی دعا کو سنتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ میرے حکموں پر عمل کریں۔ اور مجھ پر اعتقاد رکھیں۔ تاکہ وہ رشد (ہدایت یا نور) حاصل کریں۔ ۴۔ روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا تمہارے واسطے حلال ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں۔ اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ (تمہارا چولی دامن کا ساتھ ہے) اللہ جانتا ہے۔ کہ تم نفس کی وجہ سے خیانت کرسکتے ہو سو اس لئے اس نے تم پر توجہ کی۔ اور تمہیں اس کے لئے معافی دی۔ پس ان سے مباشرت کرو۔ مگر اسی خواہش سے جس کے لئے یہ مباشرت مقصود ہے۔ اور کھا اور پی سکتے ہو۔ حتےٰ کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے جدا دکھائی دینے لگے۔ اس کے بعد رات تک روزہ پورا کرو۔ مگر جب مسجد میں اعتکاف میں ہو۔ تو مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ لہذا ان کی حد سے باہر نہ جاؤ۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں صاف صاف واضح کرتا ہے۔ تاکہ وہ متقی بنیں۔ ۵۔ اور ایک دوسرے کا مال آپس میں جھوٹ سے خورد برد نہ کرو۔ اور نہ اس لئے حکام کے پاس جاؤ۔ کہ لوگوں کے مال میں سے کچھ مارنے کا موقعہ ملے۔ ۶۔

۲۴۴۔ الصّیام اور شہر رمضان

آیت ۱۸۳ میں الصّیام لفظ دے کر روزوں کا رکھنا فرض بتایا گیا ہے۔ اور آیت ۱۸۵ میں رمضان کا مہینہ مذکور ہے۔ اس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ رمضان کے روزے جدا تھے اور آیت ۱۸۳ والے جدا۔ یہ ہر مہینے کی ۱۳-۱۴ اور ۱۵ کو رکھے جاتے تھے۔ اور ایک روزہ دسویں محرم کا تھا۔ معالم التنزیل وغیرہ میں اس امر کا بیان بھی موجود ہے۔ لیکن یہ اعتقاد محض خام خیالی ہے۔ کیونکہ ایک ساتھ گنتی

ہوئی آیات میں دو طرح کے حکم ہوں۔ یہ کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر اس خیال والوں کا یہ بیان تسلیم کیا جاوے۔ کہ رمضان کے مہینے کا حکم نازل ہونے سے پہلے یہ روزے سترہ مہینے تک رکھے گئے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ آیت ۱۸۵ سے یہ روزے منسوخ ہو گئے۔ مگر ایسی صورت ہوتی۔ تو قرآن میں پہلے روزوں والی آیت رکھی ہی نہ جاتی۔ پھر اگر یہ صحیح ہے۔ کہ آیت ۱۸۴ کے لفظ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ سے آیت ۱۸۳ والے صیام کو ہی گنتی کے دن کہا گیا ہے۔ تو یہ بھی صحیح ہے۔ کہ آیت ۱۸۵ میں شہر رمضان سے مراد آیت ۱۸۳ والے صیام ہی ہیں۔ اور اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ کے لفظ سے بھی صیام کی تعداد میں جو ابہام تھا۔ وہ شہر رمضان کے لفظ سے دور کر دیا گیا ہے۔ پھر آیت ۱۸۵ میں یہ نہیں کہا گیا۔ کہ ماہِ رمضان کے روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں۔ بلکہ ماہِ رمضان کی خوبی و خصوصیت بتائی گئی جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ پہلی آیتوں میں الصیام اور اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ کے لفظ ماہ رمضان کو ہی انٹروڈیوس کر چکے ہیں صرف اس کی عظمت بتانا باقی ہے۔

۲۴۴۔ پہلے لوگ

آیت ۱۸۳ میں واقع شدہ لفظ اَلَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سے مراد یہود اور نصاریٰ لیتے ہیں مفسرین غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہودیوں سے پہلے بھی جو امتیں گذری ہیں۔ وہ بھی مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کے لفظ سے ہی بیان ہو سکتی ہیں۔ اور اگر اس لفظ سے کوئی اہل کتاب کی مراد لیتا ہے۔ تو بھی یہود اور نصاریٰ ہی مذکور نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اہل کتاب سے مراد قرآن میں ویدک دھرمی لوگ ہیں۔ یہ ہم کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ چنانچہ معالم التنزیل میں اگر اس سے مراد "من الانبیاء والامم" لی جاتی ہے۔ تو بھی ویدک دھرمی رشی اور آریہ لوگ اس کے معنے کے اندر ہیں۔ اور اگر بیضاوی میں الانبیاء والامم من لدن آدم کی مراد لی جاتی ہے۔ تو سب سے مقدم تعلق یہاں ویدک دھرمی لوگوں کا ہے۔

۲۴۵۔ مطابقت کس پہلو ــ

آیت ۱۸۳ میں واقع شدہ "کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ" سے روزوں کے اس حکم کی پہلے لوگوں پر ڈالے گئے فرض سے مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق مفسرین بڑی طویل بحث میں پڑ رہے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ مطابقت تعداد کی ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ نصاریٰ نے مہینہ بدل دیا تھا۔ اور تبدیلی کے معاوضہ میں دس روزے بڑھائے تھے۔ پھر ایک بادشاہ کے بیماری سے صحت پانے کی تقریب میں اپنی منت کے موافق سات روزے اور بڑھائے۔ ایک اور بادشاہ نے ۳ کی کمی کو پورا کرنے کو کہا۔ تو کل ۵۰ روزے ہو گئے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ نصاریٰ رمضان کے پہلے اور پیچھے ایک ایک روزہ رکھتے تھے۔ پھر ایک ایک اور بڑھاتے گئے۔ حتیٰ کہ پچاس ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے۔ کہ نصاریٰ کے دو بادشاہ مر گئے تھے۔ اس لئے دس روزے رمضان سے پہلے اور دس روزے رمضان سے پیچھے بڑھا کر پچاس روزے کئے گئے۔ یہودیوں نے اس کی بجائے سال بھر میں صرف فرعون کے غرق ہونے کے دن کا ایک روزہ اختیار کیا۔ سر سید احمد صاحب ایسے بیانات پر کیا بجا فرماتے ہیں۔

"یہ تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو اور بیہودہ ہیں۔ جیسے کہ ان کی اور باتیں متعلق قصص اور حکایات کے بے بنیاد ہوتی ہیں۔ جن کی نہ کوئی سند ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے"۔

واقعی اگر بائیبل سے روزوں کی تعداد مقرر کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو "کوشش بے فائدہ است وسمہ بر ابروے کور" والی بات ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ بیسیوں جگہ پر روزے کا ذکر ہے۔ اور ایک دو تین وغیرہ سے لے کر چالیس چالیس تک اور اس سے بھی بہت زیادہ روزوں کا ذکر ملتا ہے۔ پس تعداد کی مطابقت والا خیال غلط ہے۔ اور اسی طرح امت اور طریق کے خیال میں بھی غیر مطابقت ہے۔ اور روزہ رکھنے کی وجہ یا سبب میں بھی یہاں مطابقت مقصود نہیں۔ کیونکہ اس

کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ مختلف وجوہات سے مختلف لوگوں میں مختلف تعداد کے روزوں کو قرآن صحیح مانتا ہے۔ لہٰذا شہر رمضان کی اسلام کے لئے کوئی خصوصیت نہیں۔

نظر پر ہیں وجوہات آیت ۱۸۳ میں کما لفظ سے محض ہدایت یا حکم کی مطابقت مقصود ہے۔ کہ یہ تمہارے لیے ہی نہیں ہمیشہ سے تمام قوموں کو ایسی ہدایت دی گئی ہے روزے قوموں میں کم و بیش رکھے جاسکتے ہیں مختلف فرض موسموں میں رکھے جاسکتے ہیں اور مختلف طریقوں سے رکھے جاسکتے ہیں اسلئے آیت ۱۸۳ میں محض اصولی طور پر روزوں کا فرض مذکور ہوتا ہے۔ اور اگلی آیت میں اَیَّامًا مَّعْدُوْدَات کہا۔ تو معلوم ہوا۔ روزوں کے اصول کو پہلے لوگ گنتی کے روزے مقرر کرکے عمل میں لاتے رہے۔ اور اسی اصول کی شکل اسلام میں رمضان کے مہینے کی صورت میں ہے۔ پس محض اصولی مطابقت مذکور ہے۔ رمضان کا مہینہ آغاز عالم سے ہو یا نہ ہو۔ روزوں کا اصول آغاز عالم سے مروج رہا ہے۔

۲۴۶۔ ماہِ رمضان کی خصوصیت

آیت ۱۸۵ میں کہا ہے۔ رمضان کا مہینہ ۔ ہے۔ جس میں انسان کو ہدایت اور رہنمائی دینے والا قرآن نازل ہوا۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ کہ رمضان کے ہی دنوں میں یہ عربی قرآن نازل ہوا ہو۔ کیونکہ آیات کا نزول سالوں پر پھیلتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص علماء کے نزدیک سورۃ القدر میں لکھا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ کہ اس کا نزول شب قدر میں ہوا۔ اب یہ دونوں بیان باہم متضاد ہیں۔ ایک سے نزول میں مہینہ لگتا اور ایک سے زیادہ سے زیادہ ۲۰ گھنٹہ لگنا پایا جاتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے۔ کہ شب قدر چونکہ ماہِ رمضان میں ہے۔ اس لئے مہینہ کا نام لیا ہے۔ عرصہ کے لئے نہیں۔ اترا تو شبِ قدر میں ہی تھا۔ تو پھر یہ امر بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک رات کی بجائے سالوں میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ اس کے لئے یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ شبِ قدر کو آیات کا نزول شروع ہوا تھا۔ لیکن یہ تاویل قرآن کی کسی آیت سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ اور جب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ قرآن میں شبِ قدر کا تاریخ کے لحاظ سے صحیح تعین ہے۔ نہ کسی اور اسلامی کتاب میں اور مفسر علماء کچھ اور ہی کہتے سنائی دیتے ہیں۔ تو شبِ قدر میں آیات کے نزول کا شروع ہونا بھی ناقابل تسلیم ہو جاتا ہے۔ دعوے کے ساتھ کوئی یہ نہیں کہتا۔ کہ واقعی ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان ہی شبِ قدر ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ صحیح تاریخ کونسی ہے۔ یہ تو معلوم نہیں ہوا۔ مگر اٹکل سے ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان مقرر کی گئی ہے۔ ایسی تشکیک صورت میں بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن سے یہ مطلب نہیں۔ کہ ماہِ رمضان میں قرآن نازل ہوا۔ بلکہ یہ کہ قرآن میں روزوں کا حکم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

یہی معنے صحیح طور پر یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ تفسیر کبیر میں بھی اس کا ماخذ موجود ہے۔ لیکن اس خیال کی تردید خود اسی آیت کے الفاظ کرتے ہیں۔ کیونکہ کہا ہے۔ کہ اس قرآن میں ہی ایسا حکم نازل نہیں ہوا۔ پہلے کے لوگوں پر بھی ہوا تھا۔ چنانچہ ایک مفسر لکھتا ہے۔ حضرت موسےٰ نے چالیس روزے رکھے جس سے اس کو کوہ طور پر توریت ملی۔ اور خدا نے ان سے کلام کیا۔ حضرت موسےٰ نے چالیس روزے رکھے۔ ویسے ہی حضرت محمد صاحب نے غار حرا میں روزے رکھے۔ ان پر وہاں ماہِ رمضان کی شب قدر میں قرآن نازل ہوا۔ لیکن نہ ایک رات میں نہ ایک مہینہ میں نازل ہونا امر واقعہ ہے۔ نہ اصل شب قدر کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ تو ماہِ رمضان کی خصوصیت نزول قرآن کی تسلیم ہی کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ شب قدر والے اس بیان کی سورۃ القدر میں پوری تردید موجود ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ ۱۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ۔ ۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ ۳۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ ۴۔ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ ۵۔

تحقیق ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ ۱۔ اور کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ ۲۔ لیلۃ القدر ہزار

وُہ تو ہزاروں (بے شمار) مہینوں سے بڑی ہے۔ ۳۔ جس میں تمام مخلوق قسم کے فرشتے اور رُوح حکم الٰہی سے (اپنی اپنی علت میں) تنزل کر جاتے ہیں۔ ۴۔ اور اس میں سلامت رہتے ہیں۔ حتےٰ کہ پھر دُنیا کی صبح (آغاز پیدائش) کا طلوع ہوتا ہے۔

اس میں لیلتہ القدر کا پتہ تو دیا ہے۔ مگر ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان کا اس سے اشارہ یا کنایہ سے بھی ذکر نہیں آتا۔ ۲۴ گھنٹے والے تیس دنوں کا ماہ رمضان یا ۱۲ گھنٹے کی شب قدر کہاں یہاں تو ہزاروں مہینوں سے بھی شب قدر کو بڑا کہا گیا ہے۔ اگر کہا جاوے۔ کہ لیلتہ القدر کے ساتھ وقت کی لمبائی کے لحاظ سے خیر (و) کا لفظ نہیں آیا۔ بلکہ ان کی خوبیوں کا بیان مقصود ہے۔ تو ہزاروں مہینوں سے کیا ایک مہینے سے بھی لیلتہ القدر کو بہتر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس صورت میں لیلتہ القدر تو ایک ماہ رمضان میں ہی شامل اور اس کا جزو ہوگی۔ غرضیکہ لیلتہ القدر اور ماہ رمضان کا صحیح پتہ دینا مفسرین کی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں جیسے اصل رنگ روپ اشیاء کا سورج کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی الہامی علم (وید) کی روشنی میں علمی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ویدک سدھانتوں کے جانکار کے لئے سورۃ القدر والے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں۔ کہ لفظ لیلتہ القدر یا لیلتہ المبارک برہم راتری یا مہاپرلے کی جگہ قرآن میں آیا ہے۔ تمام مادی اشیا پرلے ہونے پر حالت علت میں بدل جاتی ہیں۔ اور وہ کارن پرکرتی (علت مادہ) اور رُوح برہم میں لین ہو جاتے ہیں۔ اور جب پھر دنیا کی پیدائش ہوتی ہے۔ تو معلول صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ تنزل کے معنے ہی یہ ہیں۔ کہ جس حالت سے ترقی کی تھی۔ پھر اسی کو عود کیا جائے۔ یہ پرلے والی رات واقعی ہزارہا مہینوں سے بڑی ہے۔ الف یا ہزارہا کا لفظ وید کے سہسر لفظ کی طرح بے شمار یا اننت یا غیر معمولی لمبے عرصہ کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ سوال زیر بحث کی اصلیت کیا ہے۔ جب ماہ رمضان یا اس کی موہومہ ۲۳ یا ۲۷ تاریخ والی شب قدر میں قرآن نازل نہیں ہوا۔ تو کیا آیت کے الفاظ غلط ہیں۔ اور رمضان کی یہ خصوصیت نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ اصل مفہوم کو سمجھا نہیں جا رہا۔ جیسے رات سے دن نکلتا ہے۔ ویسے ہی برہم راتری (پرلے) سے برہم دن (نئی پیدائش) کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اسی برہم راتری یا لیلتہ المبارک میں نئی پیدائش کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اسی برہم راتری یا لیلتہ المبارک میں وید یعنی علم کا ظہور ہوتا ہے۔ تو وہ رات ختم ہوتی ہے۔ اس وید کی جگہ عربی میں قرآن کا لفظ ہے۔ جیسا سورۃ الرحمن میں ہے۔ الرحمن۔ علم القرآن۔ یہ وید قرآن کے رو سے اعلےٰ ترین نعمت ہے۔ اور اس کی یادگار اور شکریہ کے طور پر رمضان کا مہینہ بطور یادگار ہے۔ جیسے آج بھی خاص واقعات اور خاص کاموں اور خاص شخصوں کی یادگار کے لئے دن ہفتے اور مہینے وقف کئے جاتے ہیں۔

۲۴۷۔ وید ماس

یہ ظاہر ہے۔ کہ روزوں کا طریق قرآن سے جاری ہوا۔ یہ دعویٰ قرآن کا نہیں۔ بلکہ اس کو قائم رکھنا آنحضرت کا کام ہے۔ پس قرآن کا نازل ہونا اس ماہ کی خصوصیت ہونے سے ثابت ہے کہ عجمی قرآن یا وید کے نزول کی یہ یادگار ہے۔ اور اس لئے اگر اسے وید کا مہینہ کہا جاوے۔ تو بالکل بجا ہے۔ مگر واضح رہے۔ کہ یہ ہماری کوئی قیاسی بات نہیں۔ قرآن کے الفاظ سے ہی یہاں وید کا مقصود ہونا یقینی امر ثابت ہوتا ہے۔ آیت میں بتایا یہ ہے۔ کہ وہ قرآن نازل ہوا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت۔ تمام سچے اصولوں کا مخزن اور قول فیصل یا حق کو باطل سے جدا دکھلانے والا (فرقان) ہے۔ اور یہ صفات آغاز عالم سے ملے ہوئے الہامی علم کی ہی کیا یہاں اور کیا اور جگہوں میں بیان ہو رہی ہیں۔ جب رمضان کا مہینہ نزول عربی قرآن سے پہلے ہے۔ اور اس کی خصوصیت ان صفات والے قرآن کی وجہ سے ہے۔ اور قرآن میں آغاز عالم سے اس قرآن (وید) کا ظہور ہر کہیں مذکور ہے۔ تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ چنانچہ آیت ۱۸۵ میں اس مہینے کا مقصد بھی یہی بتایا ہے۔ کہ اس ہدایت یا علمی نعمت کے لئے خدا کی بڑائی اور اس کا شکریہ کرو۔ اور پھر آیت ۱۸۶ میں خدا کے متعلق اس کے بھگتوں کے سوالات پوچھنے۔ خدا کو ماننے اور نیک ہدایت پا کر متقی بننے کے کل بیانات سے

ظاہر ہے۔ کہ ماہِ رمضان کا ہر دن وید کے وچار اور پرچار اور ایشور کے گن گان کے لئے وقف تھا۔ کھانا پینا وغیرہ سب کام رات کے لئے چھوڑ کر دن بھر دھرم چرچا کا رہنا۔ اس مہینے کی واقعی بڑی بھاری خوبی تھی۔ اور یہی سچا روزہ تھا۔ یہ روزہ کیا ہوا۔ کام کاج دنیا کے کرتے رہے۔ اور رات کو کھانے سے پیٹ بھرتے رہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (آیت ۲) میں وید کو ہی متقی لوگوں کو ہدایت دینے والا مانا ہے۔ ذالک الکتاب میں وید کی طرف اشارہ ہے۔ آیت نمبر ۲۱۳ میں بھی ابتدائی الہام کا ظہور اس غرض سے مانا ہے۔ کہ انسانوں کے باہمی امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہوتا رہے۔

حضرت محمد صاحب سے پہلے روزوں کا مُدعا کچھ اور ہی سمجھا جانے لگا تھا۔ خیال تھا۔ کہ یہ غم و رنج وغیرہ پر مبنی ہیں۔ جیسے کسی خاص بڑے پیارے یا پُر فیض انسان کی موت پر عام لوگ کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن آنحضرت اس خیال کی بالکل تائید نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انہیں نہایت قدیم زمانے سے مروج مانتے اور ان کی غرض متقی بنانا مانتے تھے۔ اور جو کچھ خدا کی عبادت۔ اس کے متعلق سوال و جواب۔ اور علم کی اشاعت یا قرآن کا پرچار وغیرہ ان روزوں کی مصروفیات بیان ہوئی ہیں۔ فی الحقیقت وہ یقینی طور پر یہی نتیجہ لا سکتی ہیں۔ کہ لوگ متقی بن جائیں۔

۲۴۸۔ مستثنٰے صورت

ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ ہر قاعدہ میں استثنٰے یا مجبوری صورت ہوتی ہے۔ اس میں قاعدہ کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ چنانچہ روزہ کے متعلق بھی آیت ۱۸۴ میں کہا ہے۔ کہ گنتی کے کچھ دن روزوں کا رکھنا کوئی بڑی تکلیف دینے والی بات نہیں۔ تو بھی مریض کمزور آدمی یا سفر میں گیا ہوا آدمی مستثنٰے ہو سکتا ہے۔ چونکہ دن کے وقت بالکل کھانا وغیرہ سے الگ رہنا خاص مریضوں کے لئے ناقابل برداشت اور نقصان دہ ہے۔ نیز مریض اور لوگوں کے ساتھ وعظ یا وچار کرنے کرانے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جو آدمی مسافرت میں ہو۔ وہ بھی شامل نہیں ہو سکتا۔ یا رات کے وقت کھانے وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایسے تمام لوگوں پر روزہ لازمی نہیں۔ تاہم ذمہ داری کا احساس بنا رہے۔ اس کے لئے فدیہ کا طریق بھی بتا دیا ہے۔ کہ معذور ہونے کی صورت میں محتاج کو کھانا کھلا دے۔ اور فرض کی طرف مائل بھی رکھا گیا ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو روزہ رکھنا ہی چاہئے۔ بہتری اسی میں ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ اچھا ہو کر یا سفر سے واپس آ کر بھی انسان روزوں کی کمی پوری کر سکتا ہے۔ چونکہ خدا کی یاد اور علمی اصولوں کا غور و فکر وغیرہ سب سے زیادہ مفید کام ہیں۔ اس لئے ان میں حتے الوسع ہر حالت میں انسان کو دلچسپی لینی چاہئے۔ اور جو رمضان کی اس حقیقت کو سمجھتا ہے۔ وہ ہر مجبوری میں بھی اس فرض کو پا لیگا ہی تو بھی اگر طاقت سے باہر ہو۔ تو صورت مجبوری ہے۔

۲۴۹۔ رمضان اور مباشرت

آیت ۱۸۷ کے الفاظ میں اجازت ہے۔ کہ میاں بیوی روزوں کے دنوں میں مباشرت کر سکتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو اس آیت سے ہدایت یہی دی گئی ہے۔ کہ حتے الامکان مباشرت سے پرہیز کیا جاوے۔ اجازت کے لئے پہلی وجہ تو یہ بتائی۔ کہ میاں بیوی ایک ہی جگہ رہتے۔ اور ان کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ان کا باہم راغب ہونا ان دنوں میں بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر شرعاً اس کو ممنوع کریں۔ تو اس کی تعمیل ہونی محال ہے۔ اور ان کا شرعی حکم کے خلاف خیانت کرنا اغلب ہے۔ اس لئے مصلحت اسی میں ہے۔ کہ درگذر یا معاف کیا جاوے۔ لیکن اس درگذر کے ساتھ بھی شرط یہ ہے۔ کہ مباشرت اولاد پیدا کرنے کی خواہش سے ہی ہو۔ گویا روزوں میں عیاشی و شہوت پرستی تو قتل اور موقوں کے برابر ممنوع ہے۔ ہاں اولاد کی غرض سے مباشرت ہو ہی تو اس میں کوئی خلاف ورزی نہ سمجھی جاوے

۲۵۰۔ رمضان کے فوائد

اگر محض رسمی طور پر رمضان میں روزے رکھ دیئے جاویں۔ تو ان سے کوئی خاص قابل ذکر فائدہ ہو۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں اگر قرآن کی ہدایت کے مطابق عمل ہو تو مہینہ بھر کا دن کو نہ کھانا اور خواہشات کو نظر انداز کرنا انسان کو جسم اور حواس پر قابو رکھنے کے قابل بناتا ہے۔ اور دل اور عقل اور روح کو نیا جیون دینے والی تعلیم بھی انسان کو اس کے ساتھ مہینہ بھر اور دن بھر بلاناغہ ملتی ہے۔ تو انسان کا اپنے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے قابل ہونا یقینی بات ہے۔ علم الہی کا چرچا اور نیک صحبت سچا پارس پتھر کہا جا سکتا ہے۔ اور سچی انسانیت اور حقیقی عظمت اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ آیت ۱۸۸ میں جو ناجائز طور پر یا حکام کی مدد سے ایک دوسرے کا مال نہ مارنے کی ہدایت ہے۔ یہ بظاہر جدا مضمون معلوم دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت اور موقعوں کی نسبت مذہبی تقریب کے ایسے خاص موقعوں پر اس ہدایت پر عمل کا ہونا زیادہ یقینی ہو سکتا ہے۔ اور مہینہ بھر کا یہ عمل اس بات کا عادی بھی بنا سکتا ہے۔ کہ مقدمہ بازی یا بد دیانتی سے اور دن کا مال مارنے سے انسان ہمیشہ پرہیز کرتا رہے۔

۲۵۱۔ چاند

۱۸۹ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ①

تم سے ہلالوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہدو۔ کہ یہ لوگوں کے لیئے اور حج کے لئے مقررہ وقت ہیں۔ اور نیکی اس میں نہیں۔ کہ تم گھروں کے پچھواڑے سے آؤ۔ بلکہ بھلائی تو اس کی ہے۔ جو تقوی رکھتا ہے۔ اور گھروں میں کھلے دروازے سے آتا ہے۔ پس اللہ پر تقویٰ رکھو تاکہ تمہارا کلیان ہو۔ ۱۔

۲۵۲۔ وقت کا حساب

اَھلّۃ لفظ ہلال کی جمع ہے۔ مہینے کی پہلی رات کا چاند عام طور پر ہلال مانا جاتا ہے۔ مگر عرب میں چار ہلال مانے جاتے تھے۔ مہینے کی پہلی دو اور آخری دو راتوں کا چاند ہلال۔ باقی راتوں کا قمر اور پورا چاند بدر کہلاتا ہے۔ پس یہاں چاند کے گھٹنے بڑھنے وغیرہ کے لحاظ سے اس کو اَھلّۃ لفظ سے جمع میں ظاہر کیا ہے۔ اور اس سے مہینے کے آغاز کا حج کے آغاز یا روزوں یا عید وغیرہ کا ہی پتہ نہیں لگتا۔ ہر رات کو تجربہ کار لوگ اس سے وقتوں کا حساب لگاتے ہیں۔ آج کل گھڑی سے وقت کا پتہ لگتا ہے۔ تاہم جہاں گھڑی کا رواج نہیں یا جن وقتوں میں گھڑیوں کا رواج نہیں تھا۔ اور جن جگہوں میں گھڑیوں کے رواج ہونے پر قدرتی گھڑی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہاں دن کو سورج سے اور رات کو چاند سے پتہ ملنا مسلمہ ہے۔ اور لاکلام گھڑیوں میں وقت کا فرق ہو جاتا ہے۔ مگر قدرتی گھڑی میں منٹ کیا سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔ اسی لئے کٹر مذہبی لوگ اس پر ہی انحصار رکھتے ہیں جتے

کہ مسلمان تو عید کا یقینی اعلان کرتے ہی اس وقت ہیں۔ کہ چاند نظر آجاوے۔

۲۵۳ - انسان کے لئے خاص سبق

چاند کا گھٹنا بڑھنا اور وقت کا اس سے صحیح علم ہونا خدا کی طرف سے ایک خاص انتظام ہے۔ کہ انسان اس سے وقت کی پابندی کا سبق لیں اور ہر نشیب وفراز میں (راستباز) رہ کر کام کئے جائیں۔ جیسے نیک لوگ کھلے دروازوں گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور چور یا نقب زن پچھواڑے سے اسی طرح اپنی پوزیشن کتنی بھی کم ہو یا زیادہ اس کا خیال نہ کرکے زندگی کے وقت کا بہترین استعمال کرنا چاہئے۔ چاند ہلال کی حالت میں کتنا کم ہو اور بدر کی حالت میں کتنا بڑا۔ قدرت کے انتظام کے مطابق دنیا کے سامنے آنے میں کبھی نہیں جھجکتا۔ اس لئے اے انسانو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور سچی فلاح کے مستحق بنو۔ بہ قول

Build thou upon Omnipotense & have a firm foundation

یعنی ہمیشہ اس ہر جا حاضر ناظر خدا پر توکل رکھو۔ تو بنیاد پختہ ہے اور کامیابی یقینی۔

مفسرین نے الفاظ آیت سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر گھروں میں آنا ہوتا۔ تو پچھواڑے کی طرف سے آتے۔ سو خدا نے اس چوری یا توہم پرستی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل کی۔ مگر قرآن میں اس تعلیم کو محض حج کے احرام سے مخصوص کرنے والا کوئی لفظ نہیں۔ اور نہ ایسا ہونے سے اصولی طور پر اس میں کوئی خاص خوبی پائی جاتی ہے۔

۲۵۴ - دھرم یدھ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
۱۹۰ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۲﴾
وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
۱۹۱ حَتّٰى يُقٰتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قٰتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۳﴾
۱۹۲ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴﴾ وَقٰتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ
۱۹۳ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿۵﴾
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ ۱۹۴ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۱۹۵

اور راہِ حق میں جنگ کرو۔ ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں۔ مگر زیادتی نہ کرو تحقیق اللہ زیادتی کرنیوالوں سے محبت نہیں کرتا۔ ۲۔ اور جس طرح تم انہیں سیدھا کرسکو۔ ان سے لڑو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا۔ تم انہیں وہاں سے نکالو۔ اور فتنہ رہنا اس جنگ سے زیادہ خراب ہے۔ اور مسجد الحرام کے پاس ان سے نہ جھگڑو۔ حتیٰ کہ وہ اس میں تم سے لڑیں۔ مطلب یہ کہ وہ تم سے جھگڑیں تو تم ان سے جھگڑو۔ یہی کافروں کی جزا ہے۔ ۳۔ اور اگر وہ باز رہیں۔ تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ ۴۔ اور ان سے لڑتے رہو۔ تاکہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لئے ہی ہو جاوے۔ پھر اس طرح اگر بات ختم ہو تو کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو سوائے ظالموں کے۔ ۵۔ حرمت والے مہینے کے بدلے میں حرمت والا مہینہ اور تمام ادب والی چیزوں میں ادلے کا بدلہ۔ پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے۔ تو جس طرح کی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ تم بھی اسی طرح کی اس پر کرو۔ مگر اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ اور سمجھ لو۔ کہ اللہ متقیوں کا ساتھی ہے۔ ۶۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت نہ خریدو۔ ہاں احسان مروّت کئے جاؤ۔ بے شک اللہ محسنوں سے پیار کرتا ہے۔ ۷۔

۲۵۵۔ جہاد تبلیغی یا علمی جنگ ہے

مفسرین نے قرآنی جہاد کو خونریزی والے جنگ کے معنوں میں لیا ہے۔ اور ایسا ہی ان آیات میں بھی اصل مفہوم کو سخت مشتبہ بنا دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ کھشتری لوگوں کا کام ہی یہ ہے۔ کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے جنگ کریں۔ اور ان کا خاتمہ تک کردیں۔ لیکن یہ ہم نہیں مان سکتے۔ کہ آیات بالا میں اسی کھشاتر دھرم کا بیان ہے۔ یا کسی اور مخالفانہ جسمانی جنگ کا۔ بلکہ جس طرح آج کل مذاہب کی باہمی جنگ جاری ہے۔ اور تلوار توپ و بندوق کی بجائے زبان اور قلم کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے مذہبی مبلغ اپنے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور مسلم مبلغ کہتا ہے۔ اس وقت چاروں طرف سے دشمن اسلام پر حملہ کررہے ہیں۔ اے مسلمانو! مقابلے کے لئے کمریں کس کر تیار ہو جاؤ۔ اور کفر اور شیطان کی فوجوں کا خاتمہ کرکے چھوڑو۔ اس جنگ میں تمہاری فتح اسی دن ہوگی۔ کہ ہر طرف اسلام کا ہی جھنڈا ہراتا نظر آئے۔ اور دشمنانِ دین کا قطعی خاتمہ ہو جائے وغیرہ یہ خاص طرزِ بیان سے اپنے لوگوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں ہر طرح کی مدد دینے کی ترغیب ہے۔ نہ کہ جسمانی جنگ اور قتل وغیرہ کی۔ ہم حیران ہیں۔ کہ سارے قرآن میں کہیں ہتھیاروں یا ہتھیار بند فوج یا جنگی قواعد کا ذکر نہیں۔ (گو کھشاتر دھرم کا اصولی بیان موجود ہے۔) تبلیغ حق کے لئے

کہیں اشارہ تک موجود نہیں۔ کہ جسمانی جنگ یا خونریزی سے اسلام کی اشاعت کی جائے۔ بلکہ خدا کا بھروسہ رکھے۔ بے خوف ہو کر لوگوں تک سچ کا پہنچانا ہی رسول کا فرض ہے۔ اور وہ بھی نہایت بُردبار مشنری کی طرح کہیں بھی یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ جسمانی جنگ سے تسخیر قلوب ہو سکتی ہے۔ ہاں ہر کہیں تبلیغ پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً

۱۔ سورۃ المائدہ۔ ۹۸۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ٥ رسول پر سوائے تبلیغ کے کچھ فرض نہیں۔ باقی سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو کچھ تمہارے باطن میں ہے۔ (۲) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥ سورۃ التوبہ۔ ۳۲۔ خدا ہی ہے۔ جو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول بھیجتا ہے۔ کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کریں۔ خواہ مشرک بُرا ہی مناتے رہیں۔

۳۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ ۱۲۸۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۸ بتحقیق تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آتے ہیں۔ تمہاری تکلیف اُن پر شاق گذرتی ہے۔ تمہاری بہبود کا ہی فکر انہیں دامنگیر رہتا ہے۔ مومنوں پر وہ نہایت مہربان اور شفیق ہیں۔

۴۔ آل عمران آیت ۱۰۳۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ اس پر بھی اگر انحراف کریں۔ تو کہدو۔ کہ میرا تو بس خدا ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اسی پر توکل رکھتا ہوں۔ جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

۵۔ آل عمران ۳۔ ۱۰۳۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت کرے جائز باتوں کا حکم دے اور ناجائز سے منع کرتا رہے۔ اور یہی ہیں جو فلاح کے مستحق ہیں۔

۶۔ آل عمران آیت ۱۰۹۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط تم ان میں سے بہترین اُمت ہو۔ جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوئیں۔ جو معروف کی ہدایت دیتے۔ منکر سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۷۔ آل عمران آیت ۱۱۲۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ اور اللہ پر ایمان رکھتے نیز عاقبت پر۔ اور معروف کا حکم دیتے اور منکر سے ہٹاتے۔ اور نیک کاموں میں سُرعت سے سعی کرتے ہیں۔ یہی لوگ صالح (برہمن وغیرہ) ہیں۔

۸۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ج فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ٥ انعام۔ ۸۹۔ یہی لوگ ہیں۔ جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔

۹۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ٥۔ اعراف ۱۸۱۔ ہماری مخلوقات میں ایک گروہ ہے۔ جو حق بات کی ہدایت کرتا۔ اور حق سے ہی انصاف کرتا ہے۔

ان آیات میں تمام وہ باتیں جو سچے برہمن یا سنیاسی کے لئے ویدک دہرم میں فرض کی گئی ہیں۔ رسول یا نبی کے لئے لازمی بیان کی گئی ہیں۔ حوالہ نمبر ا میں سنیاسی کا ہی یہ دہرم بیان کیا ہے۔ کہ وہ لوگوں کے کانوں تک حق کی آواز پہنچاتا جائے اس کے علاوہ دنیا کے لوگ کیا کچھ کرتے ہیں۔ اور کیا ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا خیال نہ کرے یہ خدا کے تعلق کی بات ہے۔ سوامی دیانند کو

ایک جگہ یہ جان کر تعجب ہُوا۔ کہ باوجود بُت پرستی کا اس زور سے کھنڈن کرنے کے لوگ مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ خاطر تواضع ہو رہی ہے۔ اور مٹھائیاں وپھل آرہے ہیں۔ انہوں نے تحقیق کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ میں لکچر سنسکرت میں دیتا ہوں۔ اور لوگ اسے سمجھتے نہیں ہیں۔ اور خود غرض برہمنوں نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ اگر مخالفت کریں گے۔ تو پول اور کھلیگا۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ حکمت سے اس بلا کو ٹال دیا جائے۔ چنانچہ ہم کھنڈن کرتے ہیں۔ مگر برہمن دوسروں کو کہہ دیتے ہیں۔ کہ خوب ہی مورتی پوجا کا منڈن کیا ہے۔ بڑے عالم شخص ہیں وغیرہ۔ اس پر سوامی جی نے کہا۔ میری آواز کو لوگوں کے کانوں تک پہنچنے سے روکا جا رہا ہے۔ لہذا اب میں ہندی کا ابھیاس کر کے اسی میں لکچر دوں گا۔ چنانچہ جب بعد میں وہیں انہوں نے ہندی میں لکچر دے کر ہلچل پیدا کی۔ اور مخالفت زور سے ہونے لگی۔ تو کہا کچھ پرواہ نہیں۔ میں تو اس میں خوش ہوں۔ کہ میری آواز تو لوگوں کے کان تک پہنچ گئی ہے۔ سو یہی آنحضرت فرماتے ہیں کہ رسول کو اور کچھ فکر نہ چاہیئے۔ کہ لوگ مانتے ہیں یا نہیں۔ دہرم پر چلتے ہیں یا نہیں۔ اس کا کام لوگوں کے کانوں تک حق کا پہنچا دینا ہے۔ اور بس! اس سے آگے خدا جانے اور ان کے فعل۔ دوسرے حوالے میں بھی یہی کہا ہے۔ کہ رسول کا کام سچے دہرم کو تمام مذاہب سے بڑھیا ظاہر کرنا اور دلیل وثبوت سے سب پر اس کو غالب کرنا ہی ہے۔ تیسرے حوالے میں رسول کی سپرٹ بتائی ہے۔ کہ اسے لوگوں کی تکلیفوں کے خیال سے دُکھ ہوتا ہے۔ اور وہ حق کی تبلیغ سے ان دکھوں کے دور ہونے۔ اور لوگوں کے فلاح وبہبود کی بنیاد ڈالتا ہے۔ حضرت محمد صاحب کی زندگی اس آیت سے اکثر ایسے واقعات سے پر ثابت ہوتی ہے۔ جیسے سوامی دیانند کی تھی۔ لکھا ہے۔ کہ آپ براری گھاٹ پر آئے۔ بابو نندن اوجھا پر آپ کے قول کا بڑا اثر پڑا۔ شام کو اس نے بھوجن کے لئے کہا۔ تو سوامی جی نے فرمایا۔ ہم جنگلی بینگن کھا لیتے ہیں۔ اور اب رات بھی زیادہ گذر گئی ہے۔ اس لئے تکلیف نہ کیجئے۔ صبح آئے تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ آدھی رات کو ہی چلے گئے تھے۔ مگر سوامی جی کچھ دیر بعد یوگ ابھیاس کر کے ڈیرے پر واپس آگئے۔ اور شام کو آپ نے بابو جی کا بھوجن پانا منظور کر لیا۔ چنانچہ وہ پریتی سے بھوجن بنوا کر لائے۔ مگر اس وقت پھر سوامی جی کو موجود نہ پایا۔ وہ پجاری کے ہاں بھوجن چھوڑ اور اسے سمجھا کر چلے گئے۔ صبح آئے تو بھوجن وہیں کا وہیں پڑا تھا۔ اور کیڑیاں چڑھ رہی تھیں۔ پجاری نے کہا۔ رات بھر آئے ہی نہیں۔ اور جب سوامی جی آئے۔ تو اوجھا جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ مہاراج! آپ نے بھوجن نہیں پایا۔ کیا مجھ سے کچھ اپرادھ ہُوا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ بھائی گنگا پار پرب کا میلہ تھا۔ وہاں کئی لوگ اپنی بیٹیاں سنکلپ کر کے برہمنوں کو دے رہے تھے۔ ایسی جہالت سے دُنیا میں وبھچار اور دُکھ پھیل رہا ہے۔ اس وچار میں مجھے بھوجن کا خیال نہیں آیا۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو زہر تک دینے والوں کو قید سے چھڑانے۔ ان کی جان بچانے تک کے واقعات بھی تو عام مشہور ہیں۔ پس سورہ توبہ آیت ۱۲۸ میں آنحضرت کو بھی اسی طرح لوگوں کی تکلیفوں کا شاق گزرنا یہی معنے رکھتا ہے۔ کہ ان کے اندر ایک سچے سنیاسی کی آدرش اعلےٰ سپرٹ تھی۔ حوالہ ۱۲ میں بھی وہی سپرٹ ہے۔ کہ ہدایت دینے پر بھی لوگ نہ مانیں تو کہے اچھا بھائی میرا تو بس اللہ پر ہی توکل ہے۔ تم مانو نہ مانو۔ برا کہو۔ تکلیف دو۔ مجھے تو حق کے سنانے سے باز رہنا ہی نہیں۔ اس کے بعد کے تمام حوالوں میں وعظ حق کے انتظام کا ہی ذکر ہے۔ کہ ایک گروہ یعنی برہمن سنیاسی ہمیشہ معروف یا حکم الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا رہے۔ اور گناہوں سے روکتا رہے۔ اس گروہ کو سب سے افضل اور قابل تعظیم کہا گیا ہے۔ اور اسی کو علم حکمت اور نبوت ملنے کا ذکر ہے۔ اس کا حق ہی حق کہنا اور حق ہی سے انصاف کرنا اور ان کو صالح جماعت کہنا سب سے ظاہر ہے۔ کہ تبلیغ حق کی وجہ سے ہی آنحضرت کو علم اور حکمت اور نبوت ملی۔ اور یہی کچھ انہوں نے ساری عمر کیا۔ جنگ وجدل سے ان کے جہاد کو جوڑ کر دانا کی سی دوستی نہیں۔

کی گئی۔ اور یہ بھی حوالہ ۸ میں کہا ہے۔ کہ لوگ انکار کریں۔ تو کریں۔ ہم نے تو ایک قوم کو اس پر مقرر کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ برہمن یا سنیاسی یا نبی لوگ خدا کے حکم کی تعمیل میں تبلیغ کا فرض انجام دیئے جانے کے ذمہ وار ہیں۔ لوگ مانیں گے تو پھل پائیں گے۔ نہیں تو دکھ اُٹھائیں گے۔

۲۵۶ - قتل و خونریزی مقصود نہیں

۱- ان آیات کے ترجمہ میں بھی لڑائی کے ساتھ قتل اور جہاں پاؤ ان کو قتل کردو کے الفاظ استعمال کر کے مفسرین نے لوگوں کو سخت غلط فہمی میں ڈالا ہے۔ مذہبی اور مشنری مبلغ اور اُپدیشک کے لئے یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ قتل کے معنے مار ڈالنے کے بھی ہیں۔ لیکن کسی کو بالکل مغلوب کرنا۔ ذلیل کرنا یا مغرور کو انتہائی طور پر نیچا دکھانا سب مفہوم اس کے اندر شامل ہیں قتال کے معنے لڑائی اور جنگ کے ہیں۔ تقتیل کے معنے بہتوں کو مارنے کے علاوہ نہایت ذلیل کرنا ہیں۔ مُقاتلہ کے معنے لڑائی جنگ باہم قتل کرنا اور لعنت کرنا ہی ہیں (منتہی الارب میں قتلہ و نیکو دانستن چیزے را۔ قولہ تعالےٰ و ما قتلوہ یقیناً ای ما یحیطوبہ علماً دصراح) اس سے کسی چیز کو اچھی طرح جاننا بھی قتلو کے معنے ہیں۔ جس سے بے علمی کا قتل ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی بھی کھیل میں یا بازی ہارنے میں عاجز آئے۔ فریق کو مارا گیا کہا جاتا ہے۔ کشتی میں ہارا ہوا اگر ایک دفعہ چاروں شانے چت گرایا جاوے۔ تو کہتے ہیں۔ بس اب یہ ہمیشہ کے لئے مارا گیا۔ مطلب یہ کہ آگے اسے مقابلے کی جرأت نہ ہوگی۔ اسی طرح مباحثہ میں اگر ایک فریق کو اپنی غلطی کا اچھی طرح علم ہو جاتا ہے۔ تو وہ بھی اپنے دعوے کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور مباحثہ کے لئے بھی سچا فریق شکست کھانے والے کو بالکل مار ڈالا کہا جاتا ہے۔ پس ایسے عام رواجی نکات اس امر کے مانع ہیں۔ کہ قتل اور خونریزی کے معنے لگانے میں جلدی کی جاوے۔

۲- ان کل آیات میں جسمانی جنگ کے لئے کسی ضروری ہتھیار کا ذکر تک نہیں۔

۳- آیت ۱۹۰ میں سب سے پہلا لفظ ہے۔ قاتلوا اس کے معنے سب مفسرین جنگ کے لیتے ہیں۔ اور وہ ایک مذہبی مبلغ یا مشنری کے لئے علمی اور تبلیغی جنگ ہو سکتا ہے۔

۴- اس کے آگے ہے لڑو راہِ حق میں۔ اب راہِ حق پھیلانا سوائے تبلیغ اور مذہبی مباحثوں کے ہو نہیں سکتا۔ اگر توحید راہِ حق ہے تو شرک کو کچلنے کے لئے تبلیغ حق کام دیگی۔ جسمانی لڑائی سے توحید و شرک کا کیا تعلق ایسے ہی دیگر مذہبی صداقتوں کے لئے بھی خونریزی کبھی کام نہیں دے سکتی۔

۵- آگے کہا ہے۔ لڑو ان سے جو تم سے لڑیں۔ اس سے بھی جسمانی جنگ کی بو نہیں آتی۔ کیونکہ جب تک دوسرا فریق عملاً حملہ یا لڑائی نہ کرے۔ تب تک مسلمان تیار ہو نہیں سکتے۔ اور یہ حکم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ یا یہ مطلب آیت کا ہو سکتا ہے۔ کہ تیار تو ہر وقت رہو۔ مگر لڑو تب کہ فریق مخالف تم سے لڑے۔ لیکن یہ امر بھی مشنری سوسائٹی کے لئے قابل تسلیم نہیں۔ جسمانی جنگ کے لئے تیار رہنے والوں کا تبلیغی کام سے تعلق نہیں رہ سکتا۔

۶- اسی آیت میں کہا ہے۔ لڑو مگر زیادتی نہ کرو۔ اب یہ ظاہر ہے۔ کہ جسمانی جنگ میں اس ہدایت کا کیا تعلق۔ جنگ میں تو مخالف سپاہ کے گلے کاٹنے تک میں پھرتی سے کام لینا ہوتا ہے۔ پھر زیادتی سے منع کرنے کا کیا مطلب ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دوسرے سے تقریری یا تحریری جنگ میں مذہبی لوگ جو نا ملائم الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ یا مجلسی تعلقات میں مذہبی مخالفت سے جو زیادتی ہو سکتی ہے محض اسی کا تدارک یہاں مقصود ہے۔

۷- خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کہنے کا اثر بھی حسن اخلاق تک ہی محدود ہو سکتا ہے۔ ورنہ دوسرے

جنگ میں تو خدا کی طرف سے مخالفوں کے کشتوں کے پشتے لگا دینے کی ہی ہدایت ہو سکتی ہے۔

۸- آیت ۱۹۱ کے الفاظ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ " اور بھی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ مفسرین اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو" لیکن ثَقِفْتُمُو الفظ کے معنے پاؤ ہرگز نہیں لگ سکتے۔ غرایب القرآن میں اس کے متعلق نوٹ ہے۔ " ثَقِفْتُمُو اصیغہ جمع مذکر۔ حاضر ماضی باب سمع صحیح مادہ ثقف۔ لغت میں ثقف کہتے ہیں۔ کسی چیز کے پا لینے میں جلدی اور تیزی سے کام لینے کو۔ اور اس میں غلبے کے معنے پائے جاتے ہیں" لغات سعیدی میں ہے۔ ثقاف بالکسر۔ تیر و نیزہ سیدھا کرنے کا آلہ۔ اور ثَقَافَةٌ بفتحتین۔ عقلمند ہونا۔ ہلکا ہونا۔ صرح میں ہے۔ ثقف۔ ثقافۃ۔ زیرک شدن۔ سبک شدن۔ پس اس کے معنے یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ جہاں سے انہیں سمجھ یا عقل آ سکے۔ یا جہاں سے وہ ہلکے ہو سکیں۔ یعنی ان کا غرور دُور ہو۔ وہیں سے ان کو مارو۔ یا ان سے لڑو یا ان پر وار کرو۔ عقلمند ہونا کے لغوی معنے یہ کبھی اجازت نہیں دے سکتے۔ کہ ان کو پاؤ یا پکڑ پاؤ کا مفہوم لیا جاوے۔ ایسا ہی غرائب القرآن میں جو غلبہ کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اس سے بھی محض مذہبی مباحثہ وغیرہ والا جنگ ہی مقصود معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں سے یا جس طرح غلبہ ہو سکے۔ انہی نکات تک اصولی جھگڑا رکھو۔

۹- اگلے الفاظ میں انہیں نکالو۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔ اگر پہلے الفاظ کا مطلب قتل کر دینے کا ہوتا تو ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جو قتل ہو چکا۔ اس کا نکلنا کیا باقی رہا۔ پس جن دلائل یا اثبات سے مخالف فریق تمہیں ہرانا یا نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ انہی سے ان کو میدان سے نکالو۔ اس کے سوا اور مطلب نہیں ہو سکتا۔ جب سورۃ المایدہ میں یہ حکم ہے۔ کہ خبردار جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا۔ ان کی عداوت کا جذبہ تمہیں ان پر زیادتی کرنے پر مایل نہ کرے۔ تو قتل کرنا و اس طرح نکالنا والا سلوک کس طرح روا ہو سکتا ہے۔

۱۰- اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اس کے معنے بھی صاف ہیں۔ کہ باہمی پھوٹ یا فتنہ زیادہ بُرا ہے بہ نسبت اس طرح کے قتل یعنی مذہبی جدوجہد سے قطعی فیصلہ کرنے اور غلط اعتقادات کا صفایا کر دینے کے۔ یہ معنے کہ فتنہ یا فساد رہنا قتل سے بُرا ہے۔ اگر جنگ سیف کی طرف منسوب ہوں۔ تو پھر ایک تو زیادتی نہ کرنے کا حکم غلط ہوتا ہے۔ اور دوسرے مخالفوں کو قتل کرنے سے فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ بڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ فریق مخالف کے لوگ بدلہ لیں گے۔ پس مشتعل کرنیوالا عمل مذہبی امن کا مکتفی نہیں ہو سکتا۔

۱۱- مسجد الحرام میں جنگ نہ ہو۔ حتےٰ کہ وہ اس میں تم سے جنگ کریں۔ اس فقرہ پر غور کرنے سے بھی جنگ سیف مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چھوٹی سی جگہ کہاں اور اسے میدانِ کارزار سمجھنا کہاں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مسجد الحرام میں تمام فریقوں کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اسے مذہبی جھگڑے یا مباحثے کے لئے مسلمان استعمال کریں۔ تو دوسرا فریق اعتراض کر سکتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ وہ اس میں تبلیغی یا مباحثے کا کام ہونے ہی نہ دے۔ اس لئے کہا۔ کہ اگر وہ اس میں مباحثہ کریں۔ تو کرو۔ ورنہ نہیں۔ دوسرا فریق جنگ سیف کے لئے مسجد الحرام کو رزمگاہ بنا ہی نہیں سکتا۔ ہاں یہ آنحضرت کی فراخدلی کا معمولی ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ مشترکہ جگہ پر فریق ثانی کی رائے کو ترجیح دی جاوے۔

۱۲- آیت ۱۹۱ کے اخیر میں ہے۔ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔ پس اگر وہ تم سے مسجد الحرام میں جنگ کریں۔ تو تم ان سے کرو۔ یہ آیت ۱۹۰ کے پہلے الفاظ کی ہی تائید ہے۔ فقط محل وقوع جدا ہونے سے یہ ہدایت دوہرائی گئی ہے۔ مفسرین یہ معنے لیتے ہیں۔ کہ اگر وہ تم سے مسجد الحرام میں جنگ کریں۔ تو تم ان کو قتل کر دو۔ یہی کافروں کی سزا ہے۔ لیکن ایک تو جیسا اوپر کہا۔ مسجد الحرام کو کوئی شخص میدانِ کارزار بنا ہی نہیں سکتا۔ دوسرے پہلے قتلو کے معنے جنگ کرنا اور دوسرے کے معنے قتل کرنا لئے جانے صحیح

نہیں۔ یا تو "جنگ کرنے پر تم بھی جنگ کرو" یا یہ کہ اگر وہ تمہیں قتل کریں۔ تو تم بھی قتل کرو، لیکن دوسرے معنے مذہبی مبلغ اور مذہبی مقدس مقام کے ساتھ موزوں نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ممنوع زیادتی کے متعلق حکم عدولی ہے۔ پس ہر دو طرف کی مذہبی جدوجہد کا ہی یہاں تعلق ہے۔

۱۳- آیت ۱۹۲ میں جو یہ کہا۔ کہ اگر وہ باز رہیں یا ختم کر دیں۔ تو اللہ غفور اور رحیم ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جا رہا ہے۔ کہ اگر وہ لڑائی سے رُک جائیں۔ تو تم بھی خدا کی مغفرت اور رحم کا خیال رکھو۔ اگر جنگ سیف ہو۔ اور فریق مخالف جنگ سے دستبردار ہوتا نظر آئے۔ تو غالب فریق کا ہٹنا لازمی طور پر مفید نہیں ہو سکتا۔ پس مذہبی مباحثہ میں چڑانا وغیرہ کا طریق چھوڑ کر فراخدلی کا ثبوت مہیا کرنا ہی اس کا مقصد ہے۔ اگر وہ آج مذہبی مباحثہ کرتے ہوئے کل نہیں آنا چاہتے۔ تو اس پہ زور دینا یا ذلیل کرنا یا اشتعال دلانا وغیرہ کی حرکات فضول ہیں۔

۱۴- آیت ۱۹۳ میں کہا ہے۔ کہ جب تک فتنہ یعنی مذہبی اختلافات بالکل مٹ نہ جاویں۔ تب تک مذہبی جدوجہد یا کھنڈن منڈن اور مباحثہ وغیرہ جاری رہنا چاہئے۔ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ یعنی دین اللہ کا ہی ہو جاوے۔ یہ ہے وہ منزل مقصود جس کی طرف اس جنگ نے لے جانا ہے۔ پس جنگ سیف اور قتل و غارتگری کا آیات قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۵- اس آیت کے آخیر میں پھر کہا ہے۔ کہ اگر اس طرح معاملہ ختم ہو جاوے۔ یعنی مذہبی اختلاف دُور ہو جائے۔ تو کوئی عداوت نہ رہے گی۔ سوائے ان کے جو ظالم یا احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب سچّے دھرم کو قبول کر لیں۔ تو ہمذہ محض ان ہی لوگوں پر سوسائٹی الزام لگا سکتی ہے۔ جو مذہبی حدود یعنی فرائض کو نظر انداز کرتے ہیں۔

۱۶- آیت ۱۹۴ میں کہا ہے۔ کہ جن جن مہینوں کو دونوں فریق پاک اور عزّت والے سمجھتے ہیں۔ اور جن چیزوں کا دونوں فریق ادب کرتے ہیں۔ دونوں ان کی ایک دُوسرے کے بدلے میں عزّت و ادب کو روا رکھیں۔ اور اگر فریق ثانی زیادتی کرے۔ تو تم بھی اس قسم کی کر سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی لفظ جذبات کو ٹھیس پہنچانے والا یا کسی بزرگ کی توہین کرنیوالا یا کسی کم نیوالا دوسرا فریق استعمال کرے۔ تو تم بھی اسی قسم کے الفاظ ان کے متعلق کہہ سکتے ہو۔ اس میں زیادتی کرو گے۔ تو پھر پھوٹ بڑھیگی۔ اگر جسمانی جنگ ہوتا تو یہ حکم کبھی نہ دیا جاتا۔ کیونکہ جنگ میں قتل ممنوع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی فریق یہ اندازہ لگاتا یا فیصلہ کرواتا پھرتا ہے۔ کہ انصاف سے اس زیادتی کے مقابل پر مجھے اتنی ہی زیادتی کرنی چاہئے۔

۱۷- اسی آیت میں اخیر میں یہ کہا ہے۔ کہ زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے بھی اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ کہ اللہ متقیوں کا ساتھی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر برداشت کر جاؤ تو بہتر ہے۔ خدا ان کا ساتھی ہے جو بدلہ وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جنگ سیف سے اس کا کیا تعلق۔ مذہبی مباحثہ میں ہی یہ صحیح ہے۔ کہ اگر کسی کی زیادتی کا بدلہ لے تو اتنی ہی زیادتی کرے۔ جتنی دُوسرے نے کی ہے۔ اور اگر برداشت سے کام لے۔ تو یہ سچے متقیوں کی شان کے عین شایاں ہے۔

۱۸- آیت ۱۹۵ میں ہدایت ہے۔ کہ راہِ حق میں خرچ کرو۔ علم اور دولت کو راہِ حق میں خرچ کرنے کا مفہوم بھی تبلیغی سرگرمیوں کی اعانت ہے۔

۱۹- اس کے آگے کہا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت نہ خریدو۔ اس کا مطلب بعض لوگ یہ لیتے ہیں۔ کہ اگر جہاد نہ کرو گے۔ تو دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔ اور تمہاری ہلاکت کا موجب ہوں گے۔ کئی کہتے ہیں۔ کہ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر جہاد میں اپنے مال نہ خرچ کرو گے۔ تو دشمنوں کے مقابلے میں مغلوب ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ اور بعض یہ مطلب بتاتے ہیں۔ کہ خدا کے راہ میں خرچ تو کرو۔ مگر نہ اس قدر کہ خود محتاج ہو جاؤ۔ اور تمہارا محتاج ہوتا تمہاری ہلاکت یا بربادی کا باعث ہو۔ لیکن فی الحقیقت

مقصود یہ ہے۔ کہ اپنی ساری طاقتوں کو یا تن من اور دھن کو اشاعت حق میں لگا دو۔ ایسا نہ کرو گے۔ تو دہرم یا سچائی کا خون کرو گے۔ اور اصول یہ ہے۔ کہ دہرم ہی اگر مارا جائے۔ تو وہ مار دیتا ہے۔ اور دہرم کی حفاظت کی جائے۔ تو وہ رکھشا کرتا ہے پس اشاعت حق میں اپنی طاقتوں کا نہ لگانا اس امر کا مترادف ہے۔ کہ آدمی نیک عملوں سے کنارہ کش رہے۔ اور بد عملوں کا شکار ہو۔ یعنی اخلاقی روحانی جسمانی ہر لحاظ سے برباد ہو۔

۲۔ آخری ہدایت یہ ہے۔ کہ احسان مروت کئے جاؤ۔ یقیناً ایسا کرنے والے ہی اللہ کے پیارے ہیں۔ یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں۔ کہ مقصود تسخیر قلوب ہے۔ اپنی طاقتوں کو فیض عام میں لگانا یہ ہے مطلب اس کل جنگ کا۔ اور واقعی یہی سپرٹ ہے۔ جو دلوں پر قابو پا کر کسی رسول کو یا اس کے پیرووں کو کامیاب کر سکتی ہے۔

۲۵۷۔ بہ فرض محال

اگر ان آیات کو اس قسم کے جہاد پر لگایا جاوے۔ جو غلط العام صحیح کے طور پر آج کل سمجھا جا رہا ہے۔ تو بھی قرآن کے الفاظ سے کوئی خطرناک صورت اس کی نکل نہیں سکتی۔ پہلا اصول اس کا یہ ہو سکتا ہے۔ جنگ ان سے ہو۔ جو تم سے لڑیں۔ مطلب یہ کہ خواہ مخواہ کسی سے لڑائی کی سلسلہ جنبانی نہ کرتے پھرو۔ امن پسند رہو۔ دوسرا اصول یہ کہ لڑائی دہرم کی حفاظت کے لئے یعنی راہِ حق میں ہو۔ کسی ملکی یا قومی حقوق یا کسی علاقے کے لالچ کے زیر اثر نہ ہو۔ کیونکہ مخالفین حق کے آگے جھک جانا ان کو اور دلیر کر سکتا ہے۔ تیسرے زیادتی یا ظلم نہ کیا جاوے محض حفاظت حق میں کامیابی ہونے تک ہی جنگ ہو۔ موجودہ زمانہ کے مہذب ممالک جو ہزاروں لاکھوں کا خون بلا وجہ کرتے اپنے حریف کو نیچا دکھاتے ہیں۔ مکانوں۔ قصبوں کو جلاتے۔ قابل حفاظت کو اُلٹا قتل کرتے بے زبان حیوانوں، اور راشن کے گوداموں تک کو برباد کرتے ہیں محض اس لئے کہ حریف کو نقصان پہنچیں۔ انکے مقابلہ پر قرآن اس قسم کی زیادتیوں سے بزور منع کرتا ہے۔ چہارم آیت ۱۹۱ میں یہ واضح کیا ہے۔ کہ اگر جنگ کرنی ہی پڑے۔ تو پھر کمزوری یا بزدلی ظاہر نہ ہونے پاوے۔ بلکہ مخالف کو کچل دیا جاوے۔ یا جہاں سے اس نے تمہیں نکالا ہو۔ وہاں سے تم اسے نکال دو۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ اگر وہ وہیں طاقت میں یا زندہ رہیں گے۔ تو فساد جاری رہیگا۔ اور لوگوں کو تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا۔ فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ ہو سکیگا۔ لہذا فساد رکھنے سے مار دینا اچھا ہے۔ پنجم یہ کہ مذہبی مقامات مثل مسجد الحرام کے پاس نہ لڑنا چاہیے۔ تاہم فریق مخالف اس امر کا ناجائز فائدہ اُٹھائے۔ تو بے شک تم بھی اس ممانعت کو منسوخ سمجھو۔

ششم:۔ اسی طرح حرمت والے مہینے جنگ کے لئے مقصود نہیں ہو سکتے۔ اور حرمت والی اشیاء کی بے ادبی سے بچنا بھی لازمی ہے۔ لیکن اگر فریق ثانی ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ تو تم بھی ادلے کا بدلہ دو۔ عزت و ادب کے جذبات کیوجہ سے صداقت کی تذلیل ہونے دینا صحیح نہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جہاد مذہبی اشاعت کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ سچ کو نیچا دکھانے کے ظالمانہ منصوبوں کے خلاف حق پسندی کے جذبات کی طرف سے پروٹسٹ کے طور پر اسے روا رکھا گیا ہے۔ علم کی کمی سے اصل اصول نظر انداز کئے اور قابلین جہاد بجا طور پر بدنام ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن کی سپرٹ قابل اعتراض نہیں ٹھہرے۔ دہرم یدھ کا مدعا محض سچ کی فتح ہو سکتا ہے۔ اور امن کو برقرار رکھنا۔ پس جونہی فتنہ و فساد کا خاتمہ اور سچ کا بول بالا ہو۔ جنگ بند ہو جاوے۔ اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے باز آجائے یا فتح ہونے کے بعد صدق دل سے فساد وغیرہ سے کنارہ کش رہے۔ تو تم بھی انتقام کشی۔ کینہ پروری یا عداوت کے جذبات سے ظلم نہ کرو۔

ساتویں۔ زیادتی نہ کرنے کا یہ مفہوم ہے۔ کہ جس قسم کی زیادتی فریق مخالف نے کی ہو۔ اسی قسم کی اس کے ساتھ کی جائے

گویا جہاد محض مدافعانہ عمل ہے۔

آٹھویں۔ اس مدافعانہ کارروائی کے ساتھ بھی آیت ۱۹۵ میں بڑی پُر احتیاط ذمہ واری کا احساس کرایا گیا ہے۔ کہ مدافعت میں بھی خدا کا خوف دل میں رکھو۔ اور سمجھ لو۔ کہ فتح خدا ان کو دیگا۔ جو متقی ہوں گے پس اگر تم ذرا بھی زیادتی کرو گے۔ تو خدا تمہارے ساتھ نہیں ہوگا۔

نویں۔ اخیر میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ اپنا علم اور اپنی دولت راہِ حق میں خرچ کرو۔ یعنی حفاظت دہرم میں۔ اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو یہ گویا تم اپنی ہلاکت کا ہی سامان کرو گے۔

دسویں۔ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے۔ کہ احسان مروت کئے جاؤ۔ تو خدا کے پیارے ہو جاؤ گے۔ اور کامیابی پاؤ گے۔ یہ گویا تسخیر قلوب کا نسخہ ہے۔ اور جہاد سے تمام معیوب خیالات کو دور رکھتا ہے۔ یہ تمام اصول ہو بہو وہی ہیں۔ جو ویدک دہرم کی تعلیم سے کھشتری کے لئے موزوں سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں مشنری سپرٹ ان میں بالخصوص اس لئے ملا دی گئی ہے۔ کہ جہاد میں مذہبی جنگ کا تعلق ہے۔ ملکی کا نہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۷، شلوک ۸۷ میں کہا گیا ہے۔ کہ جب رعایا پرور راجہ کو کوئی اپنے سے چھوٹا خواہ برابر خواہ بڑا جنگ کے لئے طلب کرے۔ تو کھشتریوں کے دہرم کو یاد کر کے میدان جنگ میں جانے سے ہرگز پہلوتہی نہ کرے۔ بلکہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان سے اس طرح جنگ کرے جس سے اپنی فتح ہو۔

اسی طرح جنگ سے باز رہنے۔ صلح کی خواہش کرنے یا اطاعت قبول کرتے پر مخالف فریق سے جو سلوک ویدک دہرمی روا رکھتے ہیں۔ وہی کچھ یہاں بیان ہوا ہے۔

اس طرح جہاد کی اصل نوعیت سچے کھشتریوں کے کام سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ لیکن دفعہ ما سبق میں جو اشارات الفاظ کے اصل مفہوم کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے جو قرآن کی سپرٹ علمی اور تبلیغی جنگ پر زور دینے کی ثابت کی گئی ہے۔ وہ اس امر میں مانع ہے۔ کہ ان آیات کو نرم سے نرم قسم کے جسمانی جنگ پر بھی لگایا جاوے۔ اور قرآن کو فضول کے اعتراضات کا نشانہ بنایا جاوے۔ پس صحیح مفہوم وہی ہے۔ جو ہمارے ترجمے سے اور بعد کی وضاحت سے صحیح اور معقول ثابت ہو رہا ہے۔

۲۵۸۔ حج اور عمرہ

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ
مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ
مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ
إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ
أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ﴿۸﴾
الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَ
تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱﴾ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ
فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ
قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ
كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا
آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۴﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۵﴾
أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۶﴾ وَاذْكُرُوا
اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

۱۹۶ ع ۲۴ ۸ ۸ — ۱۹۷ — ۱۹۸ — ۱۹۹ — ۲۰۰ — ۲۰۱ — النصف ۲۰۲

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ
۲۰۳ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
۲۰۴ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۸﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
۲۰۵ الْفَسَادَ ﴿۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
۲۰۶ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ
۲۰۷ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
۲۰۸ فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾
۲۰۹ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۳﴾
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ
۲۱۰ ۲۵ ع ۹ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۴﴾

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ مگر کہیں گھر یا رک جاؤ۔ تو جو ہدیہ میسر آئے بھیجدو۔ اور جب تک ہدیہ اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے۔ اپنا سر نہ منڈواؤ۔ مگر مریض یا سر میں تکلیف ہونے کی صورت میں بال منڈانے کی عوض میں روزہ یا صدقہ یا عبادت ادا کرو۔ پھر جب امن وامان میں آجاؤ۔ اس وقت اگر عمرہ اور حج کو ملا کر فائدہ اٹھانا چاہو۔ تو جیسا میسر ہو ہدیہ دو۔ اور جس کو میسر نہ ہو۔ ایام حج میں تین روزے رکھے۔ اور سات واپسی پر یہ پورا عشرہ ہوا۔ یہاں کے لئے ہے۔ کہ جس کے اہل مسجد الحرام میں نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور جان لو۔ کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ۸۔ حج کے مہینے مشہور رہے ہیں۔ مگر جو کوئی ان مہینوں میں حج فرض کرے۔ وہ جب تک حج میں رہے۔ نہ شہوت کی بات کرے۔ نہ خلاف حق جھگڑے کی۔ اور جو نیکی کے کام کرتا ہے۔ خدا اسے جانتا ہے۔ اور زاد راہ ساتھ لو۔ مگر بہتر زاد راہ تقویٰ ہے لہذا اے عقلمندو۔ مجھ سے ہی تقوی رکھو۔ ۱۔ اگر تم اپنے پروردگار کا فضل چاہو۔ تو اس میں تم پر کوئی گناہ کی بات

ہیں پھر جب عرفات کی طرف پھرو۔ تو مشعر الحرام میں خدا کی عبادت کرو۔ یعنی اس طریق کی عبادت جس کی اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اس صورت میں کہ پہلے تم گمراہوں میں سے تھے۔ ۲۔ پھر تم ان سے فیض پاؤ۔ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ اور اللہ سے گناہوں کی دوری کے لئے دعا کرو۔ تحقیق اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۳۔ پھر جب اپنی سب عبادتیں پوری کر چکو۔ تو خدا کا ہی چرچا کرو۔ جس طرح تم اپنے باپ دادوں کی باتیں کرتے تھے۔ بلکہ خدا کا چرچا اس سے زیادہ زور سے کرو۔ مگر کوئی آدمی تو ایسا ہے۔ کہ وہ یہ دعا مانگتا ہے۔ کہ اے ہمارے رب! مجھے دنیا میں ہی دے۔ سو ان کا عاقبت میں حصہ نہیں۔ ۴۔ اور کوئی کوئی ایسا ہے کہ وہ یہ دعائیں مانگتا ہے۔ کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و عافیت دے۔ اور عاقبت میں بھی اور ہم کو دکھوں کی آگ سے بچا۔ ۵۔ یہی لوگ ہیں۔ جو اپنے اعمال کے بدلے میں خوش نصیب ہوں گے۔ بے شک اللہ نقد پھل دینے والا ہے۔ ۶۔ گنتی کے ان دنوں میں خدا کی عبادت کرو۔ اور جو دو ہی دن میں جلدی کرے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اس صورت میں کہ پرہیز گار رہو۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور جان لو۔ کہ تمہارا حشر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ۷۔ پھر کوئی کوئی ایسا بھی ہے۔ کہ اس کی باتیں تمہیں دنیا میں عجیب معلوم ہوں گی۔ وہ اپنے دل کی باتوں کا گواہ اللہ کو ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ وہ ہے زیادہ خصومت والا۔ ۸۔ اور جب اس کی حالت پلٹا کھاتی ہے۔ تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ ملک میں فساد کرے۔ اور کھیتی اور مویشی کو نقصان پہنچاوے۔ مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ۹۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے۔ کہ خدا کا خوف کرو۔ تو عزت یا پوزیشن کا خیال اسے گناہ میں گرفتار کراتا ہے پس اس کے لئے جہنم ہی کفایت کریگا۔ جو بہت بری حالت ہے۔ ۱۰۔ مگر کوئی کوئی ایسا بھی ہے۔ جو اللہ کی رضا جوئی میں اپنے آپ کو بھی بیچ ڈالتا ہے۔ بے شک اللہ ایسے بندوں پر مہربان ہے۔ ۱۱۔ اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کی پیروی چھوڑ دو۔ تحقیق وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے۔ ۱۲۔ پس اللہ کی طرف سے سچے اصولوں کی تعلیم مل چکنے پر بھی اگر تم پھسل جاؤ۔ تو جان لو۔ کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۱۳۔ کیا یہ لوگ یہی انتظار کرتے ہیں۔ کہ اللہ ان کے لئے سفید بادلوں کے سائے میں فرشتوں کے ساتھ آئیگا۔ اور معاملات کو نپٹائے گا۔ اور اللہ ہی سب کاموں کا مرجع ہے۔ ۱۴

۲۵۹۔ اسلام کا حج سے تعلق

حج اور عمرہ کی رسم حضرت محمد صاحب سے پہلے جاری تھی۔ یہ کب سے جاری ہوئی۔ یہ بحث غیر متعلق ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ عموماً تمام بڑے بڑے میلے جو مروج ہیں۔ ابتدا میں کسی خاص اصلاح کی غرض سے یا غیر معمولی پبلک مفاد کے لئے جاری کئے گئے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ وہ رسمی اور غیر مفید بلکہ بعض حالتوں میں نقصان رساں صورت اختیار کر گئے۔ حج بھی عرصہ بعد حضرت محمد صاحب کے وقت میں محض ایک میلہ یا دنیوی فوائد اور دل لگی کا سامان بنا ہوا تھا۔ مگر آنحضرت نے کمال دانشمندی سے اس کی اصلاح کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ پھر علم اور عبادت الٰہی کی طرف عوام الناس کا رجحان کرنے کا ذریعہ سمجھا گیا بطور رسم تو حج وہی حیثیت رکھتا ہے۔ جو ہندو لوگوں کی تیرتھ یاترا رکھتی ہے۔ یعنی درشن (دیدار) پردکھشنا (طواف) اسنان (غسل) دان (خیرات) بھدن (سر منڈانا) وغیرہ۔ حج میں بھی ماہ شوال۔ ذیقعد اور ذی الحج کے دس دن مقرر ہیں۔ دور دور سے لوگ مکہ پہنچتے۔ اور رسمی طور پر احرام باندھتے۔ عرفہ کے دن عرفات جا حاضر ہوتے۔ وہاں سے فارغ ہو کر لوٹتے ہوئے مزدلفہ یا مشعر الحرام میں رہتے ہیں اور پھر یہ قاعدہ ہے کہ اگلے دن عید کی صبح کو منا جا کر کنکریاں

پھینکیں۔ بال اتاردیں اور احرام اتاردیں پھر خانہ کعبہ میں پہنچ کر طواف کریں۔ صفامروہ کے درمیان دوڑیں۔ پھر دوبارہ منا میں جاکر تین دن یا دو دن رہیں۔ اور ہر روز کنکریاں پھینکا کریں۔ پھر لوٹ کر خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ اور رخصت ہوں۔ عمرہ یہ ہے کہ جب چاہا۔ احرام باندھ کعبے کا طواف کیا صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے اور بال منڈا کر احرام اتار دیا۔ مگر قرآن ان رسمیات کی بجائے زور اور ہی امور پر دیتا ہے۔ اور ان جملہ امور کو اس ہدایت میں بند کرتا ہے۔ کہ حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ یعنی دل لگی کے یا رسمی طور پر حج نہ کرو۔ بلکہ خدا کے لئے یعنی اس لئے کہ ہم خدا کے متعلق یا اس کے وصل کے طریقوں کے متعلق علم پا سکیں۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۲ میں ان حاجیوں کے لئے یہ لفظ استعمال کئے ہیں۔

آٓمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا

یعنی اپنے رب کی برکت اور رضا کے طالب خانہ کعبہ کے یاتری۔ اس سے بھی آیت زیر بحث کے لفظ للّٰہ کا مفہوم ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر آیت نمبر ۱۹۸ میں کہا ہے۔ کہ خدا کی عبادت اس طریق پر کرو جس کی تمہیں ہدایت دی گئی ہے۔ اس صورت میں کہ پہلے تم گمراہوں میں سے تھے۔ یعنی آنحضرت سے پہلے اکثر لوگ صحیح طریقِ عبادت سے گمراہ ہو کر حج میں محض رسمیات پر ہی عمل کرتے تھے۔ اور حج میں عام میلوں والی خرابیاں آگئی تھیں۔ جن کی اسلام نے اصلاح کی۔ پس اسلام کا تعلق محض حج کی مفید اور خدا کی طرف لے جانے والی صورت سے ہے۔ اسی لئے آیت ۱۹۸ میں کہا ہے۔ کہ اگر تم اپنے خدا کے فضل کے طلبگار رہو تو حج میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں۔

۲۶۰۔ حج کا مقصد

آیات بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حج ان تمام ممالک میں ایک ویسا ہی بڑا دھرم میلہ تھا۔ جیسا ہندوستان میں کمبھ وغیرہ کے میلے ہیں۔ یہ تمام نیک اور عالم لوگوں کا بڑا بھاری اجتماع تھا۔ جن سے عوام الناس کو خدا اور اس کے صراط مستقیم کی ہدایت ملتی تھی۔ ہندوؤں کے کمبھ وغیرہ میں کبھی گنگا کے کنارے سارے ملک بھر کے لاکھوں سادھو۔ مہاتما اور عالم لوگ جمع ہو کر عوام الناس کو بڑے بڑے اہم مسائل کے متعلق راہ دکھاتے اور غیر معمولی علمی اخلاقی اور روحانی فوائد پہنچاتے تھے۔ ویسے ہی عرب میں یہ ایک عظیم الشان مذہبی انسٹی ٹیوشن تھا۔ رشی منی دیا رسول نبی وغیرہ کے پاس اطمینان قلب حاصل کرنے یا عالمگیر اصلاحات پر غور کرنے کے لئے حج مقرر تھا۔ قرآن اس کا کیسا پاکیزہ اور اعلےٰ روحانیت سے وابستہ معیار پیش کرتا ہے۔ اس کا اندازہ قرآن کے ان فرمانوں سے لگ سکتا ہے۔

۱۔ آیت ۱۹۷ میں کہا ہے۔ کہ جب تک حج میں رہے۔ شہوت یعنی عورت مرد کے جنسی تعلقات کی بات تک نہ کرے یہ برہمچریہ کی پُرزور ہدایت ہے۔ ویدک دھرم میں اسے تمام ترقیوں اور راحتوں کی جان مانا ہے۔ اور قرآن بھی حج میں سب سے پہلی شرط اسی کی لگاتا ہے۔ سورۃ نور میں بھی گیان کا مضمون ہے۔ اور اس کے لئے پہلے مرد اور عورتوں کو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا خیال دلایا ہے۔ یہ بھی گویا برہمچریہ کو ہی سچے گیان کا نور ملنے کی بنیاد ٹھہراتا ہے۔ وید کا فرمان ہے۔

ब्रह्मचर्य्येण तपसा राजा राष्ट्रं विरक्षति
ब्रह्मचर्य्येन तपसा देवा मृत्यु मुपाघ्नत ॥

یعنی برہمچریہ کی ریاضت سے ہی راجا اپنے راج کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم لوگ موت پر فتح یعنی نجات پاتے ہیں۔ پس ایک طرف حج کا خدا کے علم اور وصل کے لئے مقصود ہونا۔ اور دوسری طرف برہمچریہ کے عہد کا عملی ایفا

دونوں یقینی کامیابی کا موجب ہیں۔ دوسری شرط ہے خلاف حق جھگڑے کی خامی کی۔ یعنی دنیوی تعلقات اور خواہشات پر مبنی جھگڑے قضیئے جھنجھٹ سب سے الگ رہے۔ کیونکہ یہ اس اطمینان قلب کے منافی ہیں۔ جس کے لئے حج مقصود ہے تیسری شرط ہے۔ نیکی کے کاموں میں ہی لگا رہے۔ یعنی خدا کی یاد اور اس کی ہدایات کی فقط سننا اور اس پر غور کرنا وغیرہ اور پر بھی شرط ہے زادراہ یا توشہ ساتھ رکھنے کی۔ یہ بھی امن و اطمینان سے خدا کی یاد وغیرہ میں لگا رہنے کا موجب ہے۔ لیکن اس کو قرآن خاص اہمیت بھی دیتا ہے۔ بلکہ فرماتا ہے۔ کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ قول پنجابی شاعر

"بِلّے خرچ نہ بنّھدے پنچھی تے درویش
جنہاں تقویٰ ربدا اوہناں رزق ہمیش"

اسی لئے تقویٰ پر زیادہ زور دیا ہے پانچویں شرط آیت ۱۹۸ میں یہ بتائی ہے۔ کہ عرفات کی طرف پھرو۔ تو مشعر الحرام میں اس طریق کی عبادت کرو۔ جس کی ہدایت خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی مروجہ طریقوں کی رسمی عبادات کی جگہ ضبط نفس وغیرہ سے تعلق رکھنے والی عبادت جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ یہ عرفات اور مشعر الحرام کے دونوں الفاظ معنے خیز ہیں۔ اور آنحضرت کے حج کے نقطہ نگاہ پر خاص گواہ ہیں۔ عرفات ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس حج کا تعلق معرفت یا عرفان سے ہے۔ چنانچہ اس میدان میں ذی الحج کی ۹ تاریخ کو جو یوم الحج ہے۔ تمام حاجی اکٹھے ہوتے اور معرفت کے سبق سیکھتے ہیں۔ اور مشعر الحرام بھی خدا کی یاد کرانے والے پاک ظاہری نشان کے ہی معنے رکھتا ہے۔ چھٹی بات آیت ۱۹۹ میں کہی ہے۔ کہ ان لوگوں سے فیض پاؤ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ اور یہ ہے وعظ حق سننے اور ست سنگ یعنی نیک صحبت سے فیض پانے کی ہدایت یا بات ہے۔ خدا کی صفات مغفرت اور رحیمیت کا خیال کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی۔ جیسے وید منتر میں دعا ہے۔

बिश्वानि देव सवितु र्दरितानि परासुव

آٹھویں بات آیت نمبر ۲۰۰ میں کہی ہے۔ کہ جب عبادات مذکورہ بالا ادا کر چکو۔ تو پھر بھی خدا یا دھرم کا ہی چرچا کرو۔ عام عادت لوگوں کی یہ ہے۔ کہ رسمیات پوری کیں۔ اور ادھر ادھر کی فضول باتیں لے بیٹھے یا اپنے باپ دادوں کے کارنامے یا قصے سن سنا کر وقت گذارتے۔ یہ گویا اس امر کا ثبوت ہوتا تھا۔ کہ حج سے انہوں نے حقیقی سبق کوئی نہیں سیکھا۔ محض ایک ناٹک یا دل لگی کے طور پر رسمی کارروائی کر دی ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ حج سے پورا فائدہ پانے والے لوگ وہ ہیں۔ جو بعد میں بھی خدا کا ہی چرچا کرتے اور اسی کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اس لئے اس کا معمولی نہیں بلکہ بزرگوں سے بھی زیادہ چرچا کرو۔ وہ بزرگ اپنی بزرگی خدا سے ہی پاتے ہیں۔ ان کے تعلقات عارضی ہیں۔ مگر خدا کا تعلق دائمی ہے۔ غرضیکہ قرآن کا سارا بیان حج کا مقصد ایک عالمگیر دھرم کے پاک مشن کی اشاعت کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

۱۴۲۔ سچی دُعا

حاجی کی دعا کیسی ہو۔ اس کے لئے آیت ۲۰۱ میں ہدایت موجود ہے۔ یہ دعا کہ دنیوی نعمتیں ملیں جس سے زندگی بہ آرام گذرے صحیح قرار نہیں دی گئی۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو عاقبت یا پرلوک کا خیال ہی نہیں۔ حالانکہ حج وغیرہ کا خاص نشانہ عاقبت کی بہتری ہے۔ اس لئے دعا وہ جائز سمجھی گئی ہے جس میں دنیا کے ساتھ آخرت کا بھی تعلق ہو۔ ویشیشک درشن میں دھرم کا لکھشن یہ کیا گیا ہے۔ کہ جس سے ابھیودے اور نش شریس۔ یعنی لوک اور پرلوک یعنی دنیوی سکھ اور نجات دونوں کے لحاظ سے کامیابی ہو۔ اور یہی دعا اس آیت میں سکھائی گئی ہے۔ اور آیت نمبر ۲۰۶ میں اس قسم کے لوگوں کو اپنے اعمال کے عوض میں

خوش نصیب تسلیم کیا گیا ہے۔

۲۶۲۔ کامیاب اور ناکامیاب حاجی

جہاں حج کے مقصد کی تکمیل اور اس کی خلاف ورزی کے گُر بیان ہوئے وہاں قرآن نتیجہ کے لحاظ سے واضح کرتا ہے۔ کہ کونسا حاجی کامیاب ہے۔ اور کونسا ناکامیاب۔ آیت نمبر ۲۰۳ میں کہا ہے۔ کہ حج کے چند یوم خدا کی ہی یاد اور اسی کا تذکرہ ہو۔ مگر کوئی شخص عشرہ کی بجائے محض دو دن میں ہی حج سے لوٹ پڑے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور زیادہ ٹھہرے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ وہ پرہیزگار ہو۔ خدا سے ڈرتا ہو۔ اور سمجھتا ہو۔ کہ سب کا حشر اللہ کی ہی طرف ہے۔ گویا یہ صفات کامیاب حج کی ہیں۔ پس عرصۂ حج پر انحصار نہیں۔ پرہیزگاری وغیرہ کی عمدہ صفات پر کامیابی کا مدار ہے۔ اگلی آیت میں ناکامیاب شخص کی تعریف بتائی ہے۔ کہ جو شخص باتوں سے ہی اپنی بڑائی اور اعتبار قائم کرتا ہے۔ اور اپنی نیکدلی کی بابت اسی پر زور دیتا ہے۔ کہ خدا میرے دل کا گواہ ہے۔ مگر عملاً بہت جھگڑے لے بیٹھتا ہے۔ اور جب اس کی حالت پلٹا کھاتی یعنی وہ برسر اقتدار ہوتا ہے۔ تو ظلم فتنہ فساد کھیتی انسان حیوان کی تباہی کے کام اختیار کرتا ہے اور اگر اسے ظلم یا زیادتی سے باز آنے کو سمجھایا جاتا ہے۔ تو ایسے بہانے بناتا ہے۔ کہ میں نے تو فلاں کام فلاں وجہ سے اچھا ہی کیا ہے۔ اگر آپ کی لائے میں اس میں نقص ہے۔ تو بھی کیا اگر میں اب اس کے خلاف کہوں یا کروں تو اس میں میری عزت رہ سکتی ہے۔ آخر (Self respect) یا پوزیشن بھی تو کچھ چیز ہے۔ برخلاف اس کے دوسری قسم کے شخص جو حج سے صحیح رہنمائی پاتے ہیں۔ اپنا سب کچھ مراحق میں لگاتے ہیں۔ ان میں سے موخرالذکر تو اسلام میں حج کی بدولت پورے طور پر داخل اور عنایت الہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور اول الذکر شیطانوں کے پیرو۔ یہ سچا علم پاکر بھی شیطان نفس کا شکار راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور جہنم یا دکھ کے حقدار ہیں۔ اور آخری حاکم اللہ ہی ان کو ان کے حسب حال سزا دینے والا ہے۔

۲۶۲۔ الھدی

الھدی ہدیہ کی جمع ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ تحفہ یا بھینٹ۔ اکثر مفسر صاحبان اسے قربانی کے معنے میں لیتے ہیں۔ یعنی بھیڑ بکری اونٹ یا گائے یا وہ جانور جو قربانی کے لئے خانہ کعبہ لے جائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ معنے صریحاً غلط ہیں۔ ہر چیز جو کسی نیک غرض سے نذر یا بھینٹ کی جائے۔ ہدیہ ہے ہم قرآن کی کثیر التعداد آیات سے حیوانات کی قربانی اور مزید بہت سے حوالہ جات سے گوشت خوری کی ممانعت واضح کر چکے ہیں۔ حج کا زمانہ بالخصوص معرفت اور یاد خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ ایام حج میں درندہ جانوروں تک کا شکار تو ممنوع ہے۔ پھر غریب بھیڑ بکری گائے وغیرہ گھریلو اور نرم مزاج چوپایہ حیوانوں کو مارنا چہ معنے مکہ یا مسجد الحرام میں حیوانوں کا خون بہانا خاص طور پر ممنوع ہے۔ مکہ کو قرآن نہایت وسیع معنے میں جائے امن قرار دیتا ہے۔ اس لئے ہدیہ کے صریح اور عام معنے یعنی نذرانہ یا بھینٹ کی بجائے اسے قربانی کے معنے میں لینا صحیح نہیں۔

۲۶۳۔ نُسک

آیت نمبر ۱۹۶ میں جو نسک کا لفظ ہے۔ اس کے معنے بھی اکثر لوگ قربانی کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی وجوہات مذکورہ بالا سے صریحاً غلطی ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ گداختہ یعنی پگھلائی گئی چاندی کے ٹکڑے۔ مفرد نسکہ۔ سچے عابد کو ناسک کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح چاندی سونا وغیرہ کو پگھلا کر اور بنا کر ان کی میل کچیل کو دور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عبادت گذار بھی اپنے نفس کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف کرتا ہے غرائب القرآن کی یہی رائے ہے۔ لیکن ذرا مزید غور سے کام لیں۔ تو اس سے ایک نہایت قیمتی رمز آشکار ہوتی ہے۔ ویدک دہرم

ہیں وصالِ باری کے جو آٹھ انگ ہیں۔ ان میں سے یم نیم اور آسن کے پہلے تین ارکان تو ابتدائی تیاری کے ہیں۔ اور خاص عبادت کا آغاز چوتھے رکن یعنی پرانایام سے شروع ہوتا ہے۔ دل کو ٹکانے سے پہلے پرانوں یعنی دم لینے کے عمل پر حاوی ہونے کی ضرورت ہے۔ اور پرانوں کو زور سے باہر پھینکنے روکنے۔ دھیرے دھیرے اندر کھینچنے کی مشق سے پران پر ضبط حاصل کیا جاتا ہے۔ جس سے تزکیہ نفس کی پختہ بنیاد پڑتی ہے۔ اور منوسمرتی میں اس کی عظمت کو ادھیائے ۶۔ شلوک ۷۱ میں یوں ادا کیا گیا ہے۔

दह्यन्ते ध्मायमानानां धातुनाम हियथामला : ।
तथेन्द्रियाणां दह्यन्ते दोषा: प्राणास्य निग्रहात ॥

جیسے آگ میں تپانے سے دھاتوں کا کھوٹ دور ہو کر وہ خالص ہو جاتی ہیں۔ ویسے ہی پرانوں کو وش میں کرنے سے حواس کے نقص رفع ہوتے اور انسان پاک صاف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ویدک عبادت کا تعلق پرانایام سے ہے۔ اور پرانایام کا تعلق ناسیکا (ناک) سے ہے۔ اس لئے پرانایام کرنے والے عابد کو ناسک اور اس عبادت کو نُسک کہا جانا بہت اغلب ہے۔ اور چونکہ منوسمرتی میں دھاتوں کی میل دور ہونے کی مثال پہلے سے دی ہوئی ہے۔ اور وہی مفہوم نُسک سے قرآن میں منسوب کیا گیا ہے۔ اس لئے حقیقت بالکل صاف ہے۔ کہ نسک سے خالص ویدک بھگتی مراد تھی۔ اور اس سے پرانایام کا تعلق تھا۔ مگر زمانہ گذرنے اور دوری بڑھنی جانے پر یہ خیال ہی اجنبی ہو گیا۔ اور خالی عبادت ہی اس کا مفہوم رہ گیا۔ اس پر اور غضب ہوا۔ تو قربانی کے لئے اسے استعمال کر دیا گیا۔ لیکن حج جیسے پاک اور عظیم الشان موقع کے لئے موزوں معنے کو چھوڑ کر مروجہ قربانی کا مفہوم لینا غلط ہی نہیں گناہ عظیم ہے۔ غرائب القرآن جو نسک کے معنے ہمارے اصول کے مطابق بتاتا ہے۔ وہ بھی آخر الٹی تاویل کرتا ہے۔ کہ "ذبیح کو نُسک اس لئے کہنے لگے۔ کہ جن عبادتوں سے جناب الٰہی میں تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ان سب میں اشرف و اعظم ہے۔" جائے غور ہے کہ قرآن کی شہادت سے قربانی کے معنے کو صحیح کوئی ثابت نہیں کرتا۔ نہ یہ دعوٰے کرتا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب کے دل میں نُسک کا کیا مفہوم تھا۔ محض قیاسی طور پر خاص رواج پڑنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس پر اور لطف یہ ہے۔ کہ قرآن جہاں للکار للکار کر تذبیح حیوانات و گوشت خوری کی تردید کرتا اور اسے گناہ عظیم قرار دیتا ہے۔ وہاں غرائب القرآن اسے تقرب الٰہی کا خاص الخاص ذریعہ بیان کر رہا ہے۔ سورۃ الحج میں آنحضرت تو صاف اعلان کرتے ہیں۔ کہ خدا تک نہ تمہارا گوشت پہنچتا ہے۔ نہ قربانی بلکہ تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ مگر غرائب القرآن اس فرمان کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ نہ صرف قربانی ہی خدا کو پہنچتی ہے۔ قربانی کرنے یعنی اس کو کھانے والا بھی تقرب الٰہی حاصل کرتا ہے۔ کاشکہ مفسرین حقیقت کو سمجھیں۔ اور قرآن کے اصل مفہوم کو محفوظ رکھ سکیں۔ قربانی فی الحقیقت قرب سے ہے۔ اور قرب الٰہی کا ذریعہ محض تقویٰ ہے۔

۲۶۴ - فروعی اختلافات

۱۔ عرب میں لڑائی اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔ مگر ذیقعدہ ذی الحج محرم اور رجب کے چار مہینے ادب کے سمجھے جاتے تھے۔ ان میں لوٹ مار بند ہوتی تھی۔ تاہم حاجیوں کے لئے اگر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آئے۔ اور وہ رستے میں ہی گھر یا رک جائیں۔ تو ہدایت ہے۔ کہ وہ حج کے ہی دنوں میں جو نذر یا ہدیہ ان کو میسر ہو سکتے الا مکان مقرر وقت تک پہنچا دیویں۔ اور یہ ہے بھی معقول۔ کہ خود رک جانے پر اگر کوئی طریق ہدیہ پہنچانے کا نکل سکے۔

تو کیوں نہ اس سے فائدہ اُٹھایا جاوے۔ جو کام ہو سکے۔ وہ کر گزرنا ہی صحیح ہے۔ آج کل بھی تمام ملکوں میں بالخصوص ہندوستان میں مذہبی یا قومی یا پولٹیکل جلسے عام ہوتے ہیں۔ اکثر اکثر یا تری گھر سے ہی روپیہ یا اناج یا زمین یا اور سامان کے دان دینے کا ارادہ کر کے چلتے ہیں۔ لیکن کئی بار ایسا ہوتا ہے۔ کہ رستے میں کسی خاص مجبوری کی وجہ سے یاتری رُک جاتا یا لوٹ آتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں گھر سے چلنے کی تیاری ہو چکنے پر بھی ارادہ بدلنا پڑتا ہے۔ تو ایسی صورت کے لئے یا نہ آسکنے والوں کے لئے کارکنان جلسہ کی طرف سے پہلے ہی یہ درخواست کر دی جاتی ہے کہ وہ چندہ بذریعہ ڈاک یا کسی کے ہاتھ

بہنچا دیویں۔ سو یہی مدعا آیت ۱۹۶ کے الفاظ کا ہے۔ لیکن ہدیہ کے معنے جن مفسروں نے قربانی والے حیوان لئے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کہ یہ قربانی کہاں ہو۔ اور کب ہو۔ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔ کہ حرم میں کی جائے یعنی وہ شخص قربانی کے جانور کو کسی اور شخص کے ہاتھ خانہ کعبہ بھیج دے۔ اور اس کے قربانی کئے جانے کا حج کی صورت میں یوم نحر یعنی دسویں ذی الحج اور عمرے کی صورت میں اور کوئی دن مقرر کر دے۔ اور اس دن یہ شخص اپنی جگہ سر منڈوا کر احرام اتار دے۔ مگر امام شافعی کہتے ہیں کہ اس قربانی کا حرم میں ہونا کچھ ضرور نہیں جس جگہ وہ شخص روکا گیا ہے۔ وہیں قربانی کر کے احرام اتار دے جیسا کہ حضرت محمد صاحب نے کیا۔ کہ عمرے کو جاتے ہوئے حدیبیہ میں کافروں نے آپ کو روک دیا۔ تو آپ نے وہیں قربانی کرا کر سب کے احرام اتروا دیئے۔ لیکن نہ ہدیہ کے معنے قربانی کا جانور لیا جا سکتا ہے۔ نہ تذبیح حیوان والی قربانی کا قرآن میں جواز ہے۔ بخلاف تعلیم قرآن کوئی حدیث سچی سمجھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مفسرین اور محدثین ایسے مسائل کی بحثوں میں پڑ کر اپنا وقت گنوانے اور قرآن کی اعلیٰ اصولی تعلیم کو مشتبہ بناتے ہیں۔ ساتھ ہی خانہ کعبہ کے دار الامان ہونے کی عملی تردید کرتے ہیں۔

۲۔ مسجد الحرام کا لفظ بھی کسی مخصوص معنے میں تعین نہیں ہو سکا۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق اس مسجد پر ہونا چاہئے جس کے اندر خانہ کعبہ ہے۔ احاطہ مسجد ۲۵۰ × ۲۰۰ قدم ہے۔ اور خانہ کعبہ ۱۸×۱۴ قدم مگر بعض کے نزدیک تمام حرم مراد ہے۔ یعنی وہ تمام علاقہ جس میں مکہ معظمہ۔ میدان مینا اور عرفات واقع ہیں۔ نیز خطیب کے خطبہ پڑھنے والا بلند مقام مشعر الحرام۔ اور جس کے اندر جنگ کرنا یا ہتھیار اُٹھانا یا شکار کھیلنا یا گھاس وغیرہ کاٹنا منع ہے۔ اور بعضوں کا خیال ہے۔ کہ مسجد الحرام سے مراد شہر مکہ ہے

۳۔ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ، اس کا ترجمہ ایک صاحب یہ کرتے ہیں "تم وہاں سے ہو کر آؤ۔ جہاں سے لوگ ہو کر آتے ہیں۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں "جس جگہ سے لوگ چلتے ہیں۔ تم بھی وہیں سے چلو۔ تیسرے صاحب یوں فرماتے ہیں۔ (عرفات سے چلو تو) جس جگہ سے (اور) لوگ چلیں تم بھی وہیں سے چلو۔ چوتھے صاحب لکھتے ہیں۔ پھر پھرو جہاں سے لوگ پھرتے ہیں۔ پانچویں صاحب کہتے ہیں۔ پھر (یہ بات بھی ضرور ہے کہ) جس جگہ (تک جا کر) لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں۔ تم (اہل مکہ) بھی وہیں سے لوٹو۔ لیکن افاضہ کے معنے صاف طور پر فیض پہنچانا ہے۔ اور چونکہ حج سے خاص طور پر فیض پانے و پہنچانے کی ہدایت منسوب کرنا رسول صاحب کا نصب العین ہے۔ اور پہلی آیت کے آخیر میں اصل مقصد سے گمراہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور مابعد کے الفاظ میں مغفرت کی ہدایت ہے۔ اس لئے ہم نے فیض پانے کا ہی بیان ترجمہ میں کیا ہے۔ اور عرفات سے تعلق جوڑنے پر بھی معرفت کا فیض ہی اصل مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تاویل صریحاً موجود ہے

ہے۔ کہ امیر لوگ عرفات میں نہ جاتے۔ اور مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

۴۔ آیت نمبر ۲۰۳ میں ہدایت ہے۔ کہ ان گنتی کے دنوں میں اللہ کی یاد کرو۔ مگر کوئی جلدی کر کے دو دن میں لوٹے۔ تو بھی گناہ نہیں۔ اور زیادہ ٹھہرے تو بھی گناہ نہیں۔ گویا نصب العین محض تقوی ہے۔ وقت نہیں۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے۔ کہ عرصہ قیام کے لئے ہر شخص اپنے حالات کے مطابق مختار ہے۔ لیکن دوسرا خیال یہ ہے۔ کہ اشارہ ایام تشریق یعنی عید کے بعد کے تین دن کی طرف ہے۔ لیکن موخر الذکر صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں پیچھے رہنے کا حکم محض ایک دن کی میعاد سے محدود ہوتا ہے۔ اور اصولی اخلاق قائم نہیں رہتا۔

۵۔ آیت نمبر ۲۰۸ میں جو ہدایت ہے۔ کہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" یعنی اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بعض یہودی اسلام لا کر بھی سبت کی تعظیم اور یہودیوں کے رواج کے مطابق اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے جیسا کہ ہندو نو مسلم گوشت بالخصوص گائے کے گوشت سے کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ مذہب کو آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ بناؤ۔"

گویا ان لوگوں کی رائے میں گوشت خوری اور قربانی وہ جزو ایمان ہے۔ کہ اسلام اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر باوجود اس کے یہی صاحب اوروں کی رائے اس کے متعلق یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ اس آیت کے شروع میں ہی الفاظ خطاب یہ ہیں۔ کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے ایمان لانے والے لوگو! پس یہ محض عام ہدایت ہے جس سے سب مسلمانوں کو حج کے فیضان سے حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلام سے پختہ محبت ہو سکتی ہے۔ رہا گوشت خوری اور قربانی کا تعلق۔ یہ محض قرآن کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں کی ایک عام عادت کا نتیجہ ہے۔ قرآن اس کے لئے ذمہ وار نہیں۔ جیسا کہ جا بجا ہم واضح کرتے آرہے ہیں۔

۶۔ حج میں تذبیح حیوانات یا گوشت خوری تو کہاں شکار تک بھی ممنوع ہے۔ اور حج کے متعلقہ تمام علاقے میں خون بہانے یا ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر اس کے باوجود ہدیہ سے قربانی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر رستے میں ہی رکنا پڑ جائے۔ تو قربانی کر دو۔ بیماری وغیرہ کی وجہ سے قبل از وقت بال منڈوانے پڑ جائیں۔ تو قربانی کر دو۔ اگر حج اور عمرہ اکٹھا کرنا چاہو تو قربانی کردو۔ غرضیکہ قربانی ہی قربانی کی رٹ لگائی جا رہی ہے۔ حالانکہ قرآن میں تذبیح حیوان یا قربانی یا گوشت خوری کی سخت ترین ممانعت موجود ہے۔ بالخصوص حاجی احرام باندھ چکا ہے۔ گوشت کھانا تو کہا لہٰذا وہ شکار بھی نہیں کھیل سکتا۔ زہد اور تقوے کے بغیر اس کا ان دنوں کچھ سروکار نہیں۔ تب انتہائی انحراف تعلیم قرآن کے بغیر کون سی وجہ اس خلاف ورزی کی ہو سکتی ہے۔ ہدیہ کے معنے بھینٹ و نذرانہ کے بھی ظاہر ہیں۔ اور حیوانات کو مارنا کہیں بھی تقویٰ میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ اور یہ بات مفسرین بھی مانتے ہیں۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ گھڑ کر اپنی توہم پرستی کو قائم کر ہی لیتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "حج ہو یا عمرہ کسی میں قربانی کرنی نہیں پڑتی مگر ہاں چار صورتوں میں۔ ایک یہ کہ حج یا عمرہ کو جاتے ہوئے کسی عذر بیماری یا خوف دشمن کی وجہ سے رک جائیں۔ دوسرے یہ کہ سر میں جوئیں پڑ جائیں۔ پھوڑے پھنسی ہوتے وغیرہ سے بالوں کو اتروایا جائے۔ تیسرے یہ کہ حج اور عمرہ ایک ساتھ ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے مکہ والوں کے لئے ایسی اجازت نہیں۔ ہاں دور والوں کے لئے ایسی اجازت ہے۔ کہ وہ بار بار نہیں آ سکتے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ وہ اکٹھا کرنے کے لئے قربانی دیں۔

چوتھے یہ کہ احرام کی حالت میں کوئی ممنوعہ حرکت سرزد ہو۔ جیسے شکار کھیلنا۔ خوشبو لگانا۔ سر ڈھانکنا۔ بال منڈوانا۔ ناخن کٹوانا مگر یہ منطق سارے کا سارا ہے عجیب۔ اول تو خطا اسے سمجھا جا رہا ہے۔ جو معقول کام ہے۔ دوم صلاح وہ کیا جا رہا ہے جو صریحاً بڑی خطا اور گناہ ہے۔ مگر ہم اسے محض بے سمجھی پر مبنی دھینگا مشتی سمجھتے ہیں۔ قرآن اس سے پاک ہے۔

۳۔ سر سید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ حج میں اتنی چیزیں ہیں۔ احرام و نیت۔ طواف قدوم۔ سعی بین الصفا والمروہ۔ خروج منیٰ۔ وقوف مزدلفہ۔ منیٰ اور رمی جمار۔ طواف الزیارت۔ طواف الصدر۔ ان میں سے ہر ایک کی توضیح کرکے آپ قرآن مجید میں بیان شدہ ارکان حج کا ذکر کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ ۲۔ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کا ذکر قرآن میں نہیں۔ احرام کے وقت نہ بند باندھنے اور بغیر قطع کیا ہوا کپڑا پہننے کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ ہاں احرام میں داخل ہونے اور حج کی نیت کا ان لفظوں میں ذکر ہے۔ کہ فمن فرض فیھن الحج۔ شکار کی ممانعت ہے۔ لڑائی اور رفث اور عورت کے پاس جانے کی نیز اختتام حج تک سر منڈانے کی ممانعت ہے۔ طواف کا ذکر ہے۔ مگر سات دفعہ پھرنے کا ذکر نہیں۔ ہاں سعی بین الصفا والمروہ عرفات میں جانا۔ مزدلفہ میں رہنا منیٰ میں ایام تشریق میں ٹھہرنا۔ قربانی کرنا ضرور مذکور ہے۔ حجر اسود اور رمی جمار کا بھی ذکر نہیں۔ سر سید صاحب نے قربانی کو قرآن میں حج کے متعلق جو مذکور مانا ہے۔ اس کی وجہ محض وہی غلط فہمی ہے۔ جو خاص الفاظ کے معانی کے متعلق پھیل رہی ہے۔ اور جس کے خلاف ہم پہلے ثبوت پیش کر چکے ہیں۔

تاہم یہ واضح رہے۔ کہ جو جو باتیں غیر معقول سی ہیں۔ ان کی تاویلات بھی معقول ہو رہی ہیں۔ اسلام کا فرقہ باطنیہ تو ہر رسم اسلام میں اندرونی مفہوم اور رموز اور ہی بتاتا ہے۔ اور حج کے متعلق ہر حرکت کی بھی سبق آموز تاویل پیش کرتا ہے۔ بیان القرآن میں بتایا ہے۔ کہ کنکریاں پھینکنا تک کی تاویل بدی سے نفرت اور اسے اپنے پاس تک نہ پھٹکنے دینا صفا اور مروہ میں دوڑ لگانا سے مدعا ہر قسم کی کامیابی کا انحصار جد و جہد پر ہونا ہے۔ توحید کے گھر کے طواف سے مراد نیکیوں کے اصل مرکز کے گرد پھرتے رہنا ہے۔ حجر اسود کو جہاں بعض لوگ محض ایک قدیم بت خانہ کی یادگار سمجھتے ہیں یا اور تاویل کرتے ہیں۔ وہاں سر سید صاحب اس کا یہ مقصد بتاتے ہیں۔ کہ طواف کی تعداد معلوم رہے۔ اسی کونے سے طواف شروع ہوتا ہے۔ اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ اور حجر اسود کو چھو لیا جاتا ہے۔ یا بوسہ دیا جاتا ہے۔ یا اس کی طرف اشارہ کر لیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو۔ کہ ایک طواف ختم ہوا۔ مگر جب زیادہ طواف مذکور ہی نہیں تو یہ تاویل بھی قرآن سے تعلق نہیں رکھتی۔ اور زیادہ طواف صحیح ماننے پر حجر اسود کو چھونا یا چومنا یا دیکھنا سے ایک طواف کا ختم ہونا تو مانا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ طوافوں کا شمار تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس ایک طواف کے ختم ہونے کا ذکر بھی معقول نہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے خیال کے لوگ اسے بوسہ دینے یا چھونے کی وجہ اس کے متبرک ہونے کو بتاتے ہیں۔ سر سید صاحب نے مزدلفہ میں رہنے اور منیٰ میں ایام تشریق میں ٹھہرنے کا اشارہ ان آیات سے لیا ہے۔

"ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ---- وَاذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ"

لیکن جب اَفِیْضُوْا کے معنے پھر آیا لوٹنا یا چلنا کے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ فیض پانا کے ہیں۔ اور جب اگلے حصہ میں محض عبادت الٰہی کا ذکر ہے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ محض دو دن ٹھہرنے یا زیادہ دن ٹھہرنے کا تعلق نہیں۔ بلکہ تقویٰ

اور زہد کا ہی مقدم خیال رہنا چاہئے۔ تو منیٰ کا ذکر ماننا چہ معنے۔ ہاں اشارہ نکل سکتا ہے۔ تو یہ کہ منیٰ ابھی ٹھہرنا قرآنی حج کی رو سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

حج کی حقیقت واضح کرتے ہوئے سر سید صاحب اس کی غرض زیادہ تر تجارتی ترقی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دوسرے خیال والے روحانیت وغیرہ کی غرض کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن کچھ ہی ہو۔ فائدے دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ مگر توہم پرستی اور باطل پرستی ان دونوں اغراض کو دبا سکتی ہے۔ اس لئے سر سید صاحب کہتے ہیں۔ "یہ سمجھنا کہ بانئے اسلام نے کعبہ شریف کو مثل پارس پتھر کے قرار دیا تھا۔ کہ جس نے اس کو چھوا اور سونا ہو گیا۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ اس کے بعد ایک اور جگہ کہا ہے۔" جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے۔ کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے۔ اسی کا نام مقدس ہے۔ اور اسی کا نام مقدس رہیگا۔ اور اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں۔ وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی جانیں۔ ہاں جو حقیقتاً حج کرے۔ وہ حاجی ہے"!

اس کے بعد آپ ارکان حج کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ کہ احرام باندھنا ابراہیم کے زمانہ کی صورت کا بنانا ہے۔ طواف کرنا کعبہ کی دیواروں کے گرد صدقے ہونا نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ اس طریقہ پر نماز ہے۔ جو ابراہیمی زمانہ میں اس چوکھونٹے گھر کے گرد پڑھی جاتی تھی۔ صفا و مروہ میں سعی کرنا اسمٰعیل اور ہاجرہ کے استقلال اور خدا پر کامل یقین کو یاد کرنا ہے۔ کہ جو اس اضطرار اور اضطراب کی حالت میں بھی جو پانی کی تلاش میں وہاں ان پر گذری تھی۔ انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ اور ایسی حالت میں بھی انہوں نے خدا ہی پر انہوں نے بھروسہ کیا۔

بخوف طوالت ہم زیادہ نہیں لکھتے۔ محض یہ اشارہ دینا کافی ہے۔ کہ بظاہر تمام تاویلات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی اصل اصول کے لحاظ سے سب اس پر متفق ہیں۔ کہ قرآن میں بیان شدہ حج سے عالمگیر علمی اور روحانی فوائد مل سکتے ہیں۔ مساوات اتحاد اور اصول حقہ کی اشاعت کا یہ مؤثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لاکھوں انسان بن سلی ہوئی چادر اور تہمد میں ملبوس ایک جگہ اکٹھے ہو کر معرفت الٰہی اور انسانی فلاح و بہبود کے وسائل پر غور اور عمل کرنے پر مائل ہوں۔ تو یہ سچی انسانیت کی ترقی میں بھاری مدد دے سکتا ہے۔

۲۶۵۔ حج کے بنیادی احساسات

میقات کا اگرچہ قرآن میں ذکر نہیں۔ تاہم جوں جوں حج میں آنے کا رواج بڑھتا گیا۔ خاص مقام مقرر ہوتے گئے۔ جہاں حاجی لوگ ٹھہر کر غسل وغیرہ کرتے اور احرام باندھتے۔ مکہ کے رہنے والوں کے لئے خاص حرم کعبہ میقات ہے۔ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کو ذوالحلیفہ اور عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذات عرق اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے جحفہ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے قرن اور یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے جس میں ہندوستان کے جانے والے بھی داخل ہیں۔ یلملم۔ جو لوگ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے آتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے ان مقامات پر غسل یا وضو کے بعد نیت کر کے احرام باندھتے۔ نئے کپڑے بدلتے خوشبو لگاتے۔ اور دو رکعت نماز پڑھ کر تلبیہ یعنی لبیک کہنا شروع کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک

لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لک لاشریک لک' بار خدایا میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ تیرا شریک کوئی نہیں بار خدایا میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ تعریف تجھی کو سزاوار ہے اور نعمت اور ملک تیرا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں" یہ جملہ ہر نماز کے بعد یا جب اونچی جگہ پر چڑھے یا نیچے اترے۔ کہنا ہوتا ہے۔ پوشاک محض ایک چادر بہ طور تہ بند اور ایک چادر اوپر اوڑھنا اور کلمہ یہ لبیک کا۔ دونوں سے ان پاک احساسات و جذبات کا ہی علم ہوتا ہے۔ جو حج کی رسم کی بنیاد ہیں۔

سرسید صاحب نے ارکان حج میں قربانی کا ذکر کیا۔ اور تین قسم کی قربانی کے لئے قرآن سے حوالہ جات پیش کئے۔ ان کے معانی کی غلطی ہم کئی جگہ لکھ چکے ہیں۔ اس لئے اس پر مزید نہ لکھ کر ہم محض ان کے اس مضمون سے متعلق آخری الفاظ نقل کر دیتے ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ ان کی ذاتی رائے میں قربانی کے فی الحقیقت امر منکر ہونے کا ہی ثبوت ہوں گے

"حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ مکہ ایک بیابان غیر ذی زرع تھا۔ اس قدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا۔ اس لئے اکثر لوگ خوراک کے لئے جانور اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ جو بدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے۔ اور جو نہ لے جاتے تھے۔ مکہ میں خریدتے تھے۔ ان کو ذبح کر کے خود بھی کھاتے تھے۔ اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے۔ حج میں صرف یہی اصل قربانی کی قرآن مجید سے پائی جاتی ہے۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے۔" فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر" لکم فیھا منافع الیٰ اجل مسمی ثم محلھا الی البیت العتیق" و البدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا و اطعموا القانع و المعتر"

وہاں پر نہ کوئی دیوتا ہے نہ دیوی ہے۔ نہ پہاڑ پر کوئی چیز ہے۔ جس پر بکرا یا مینڈھا یا اونٹ چڑھایا جاوے۔ نہ خدا کو اس کی بو خوش آتی ہے۔ نہ ان کا خون پیتا ہے۔ نہ ان کی جان لینے سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تو صرف نیکی اور بھلائی چاہتا ہے۔ جیسے کہ خود اس نے کہا ہے۔" لن ینال اللہ لحومھا و لا دماءھا و لٰکن ینالہ التقویٰ منکم۔ پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہے۔ اور لاکھوں جانور ذبح کر کے جنگل میں ڈالتے ہیں جن کو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے۔ اس کا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہے"۔

ان الفاظ میں سرسید صاحب نے علی الاعلان تسلیم کیا ہے۔ کہ قرآن میں حج کے موقعہ پر قربانی کرنا بہ طور مذہبی فرض کے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مگر تین حوالوں میں کھانے اور کھلانے کے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کا عمل بھی مذکور ہے۔ صرف اس لئے کہ مکہ کا علاقہ زراعت کے لحاظ سے مجمع کثیر کی خوراک بہم نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس لئے لوگ از خود ساتھ لے جاتے اور انہیں کاٹ کر کھاتے تھے۔ یہ گویا اکثر دوسرے مفسروں سے بالکل مختلف رائے ہے۔ لیکن ہم ان تینوں حوالوں کے معانی پر بحث کر کے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ نہ مطلب یہاں قربانی سے ہے۔ نہ ان کا گوشت کھانے کھلانے سے۔ پس جہاں ایک نہایت قابل اسلامی مفسر کی رائے میں قربانی ناجائز ہے۔ وہاں قرآن میں قربانی و گوشت خوری کی مذہباً قطعی ممانعت ہونے کی بھی یہ زبردست شہادت ہے۔

۲۶۶ - شدید العقاب اور سریع الحساب

آیت ۱۹۶ میں خدا کو شدید العقاب کہا گیا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ خدا گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ قرآن پر غور کریں گے تو نہیں ہر کہیں یہ معلوم ہوگا۔ کہ خدا پورا انصاف کرتا ہے۔ اس کے یہاں تل برابر بھی بے انصافی نہیں ہوتی۔ توبہ کا مطلب محض آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر کے گناہ سے بچنے

بیڑ بچھانے اور اصلاح کرنے وغیرہ کے خالی توبہ کہنے سے بھی معافی نہیں ہوتی۔ خواہ ہزار بار توبہ کرے۔ برخلاف اس کے اسے شدید العقاب یا سخت سزا دینے والا کہا ہے۔ فی الحقیقت ڈور روپ و ہارن کئے یا شدت کی سزا دیئے بغیر ظلم اور گناہ سے لوگوں کا بچنا محال ہے۔ دوسرا لفظ ہے سریع الحساب جو آیت نمبر ۲۰۲ میں آیا ہے۔ اس کے معنے ہیں تیزی سے حساب کرنیوالا یا زود حساب یا نقد حساب والا۔ اس سے وہ خیال جو آج کل مشہور ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے مُردے اٹھیں گے۔ تب انصاف ہوگا۔ غلط ثابت ہوتا ہے۔ شدت کی سزا اور جلد حساب کا ہونا یہ دو امور انسان کو بُرائی سے بچنے کی طرف مائل رکھتے ہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالنا کیا معمولی سی حرکت ہے۔ لیکن سزا کس شدت کی ہے۔ اور ملتی کس قدر جلدی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہی ہے۔ اس کے مقابلے میں جل میں غسل کرنے سے فوراً ہی گرمی کا احساس دُور ہوتا ہے۔ اس سے بھی خدا سریع الحساب ثابت ہوتا ہے۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ بعض گناہوں کی سزا خاص حس کے مردہ ہو جانے سے محسوس نہیں ہو سکتی۔ لیکن انصاف الٰہی کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ جب جس ملک میں گورنمنٹ مجرموں کو سخت سزائیں دیتی ہے۔ جُرم گھٹ جاتے ہیں۔ یہ سبق خدا کے شدید العقاب سے ہی انسان نے سیکھا ہے۔

بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ اس کا جلدی حساب لینا یہی ہے۔ کہ جو فعل انسان کرتا ہے۔ اس کا حساب ساتھ ساتھ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کو ایک کا حساب لینا دوسرے کے حساب لینے سے روکتا نہیں۔ کہ ایک کے معاملے میں تاخیر کرنی پڑے صرف یہ معنی نہیں۔ کہ قیامت کے دن حساب لینے میں اسے بہت دیر نہ لگے گی۔ اسے دنیا میں بھی دیر نہیں لگتی۔ یہاں یہ بتانا ہے۔ کہ وہی محاسبہ ہر آن جاری ہے۔ کوئی فعل نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ ساتھ ساتھ ہی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہاں قیامت کے دن وہ محاسبہ جو بوجہ اپنی لطافت کے یہاں نظر نہیں آتا۔ کھلے طور پر محسوس ہونے لگیگا۔ ..." کاشکہ راقم قیامت کو موت کے معنے میں لیکر ان الفاظ کو وزن دار کر دیتا۔ تاہم موجودہ صورت میں بھی گناہ کے نتیجے کا ساتھ کے ساتھ پیدا ہوتا جانے کا اعتقاد بھی گناہ کے روکنے کا خاص ذریعہ ہے۔

۲۶۷- علم حق اور الہام الٰہی

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ① زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ② کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۫ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ

۲۱۱ ۲۱۲

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ
فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْھُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۚ فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ ۲۱۳
مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ
اللّٰهِ قَرِيْبٌ (۴) يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْ ۲۱۴
وَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۵) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۲۱۵
وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ
شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۶) ۲۱۶
يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ
عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
۲۱۷ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ① اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ
۲۱۸ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ② يَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ
نَّفْعِهِمَا ۚ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ۖ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
۲۱۹ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ③ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۖ وَاللّٰهُ
۲۲۰ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ④
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۖ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۖ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۖ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى
۲۲۱ ۲۷ ع ۵ ۱۱ الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ⑤

بنی اسرائیل سے پوچھو۔ کہ ہم نے کتنی ہی سچے علموں والی آئیتیں ان کو دیں۔ مگر جب کوئی شخص خدا کی اس نعمت کو اس کے ملنے کے بعد بدل دے۔ تو یقیناً اللہ بھی سخت عذاب دیتا ہے۔ ۱۔ کافروں کو دنیوی زندگی ہی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایمان لانے والوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ مگر انصاف کے وقت متقی لوگوں کا درجہ بلند ہوگا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ۲۔ سب لوگ پہلے ایک ہی دھرم میں تھے۔ اللہ نے نبی مبعوث فرمائے تھے۔ جو (نیکوں کو نیک اجر کی) بشارت دیتے اور (بدوں کو دکھوں کا خوف دیکر) ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے علم کی کتابوں کا ظہور ہوا تھا۔ تاکہ انسانوں کے

مابین امورِ متنازعہ فیہ کے متعلق فیصلہ ہوتا رہے۔ اور ان صاف اور سچے اصولوں کا علم ملنے کے بعد بھی اگر ان اہلِ کتاب میں باہمی اختلاف ہوا۔ تو باہمی تعصبات و عداوت سے ہوا ہے۔ مگر اللہ نے ایمان لانے والے لوگوں کو اپنی عنایت سے امورِ متنازعہ فیہ کے متعلق حق کی ہدایت دی ہے۔ کیونکہ وہ جسے چاہے راہِ راست دکھائے۔ ۳۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تم پر وہ حالت آئی ہی نہیں۔ جو تم سے پہلوں پر آئی تھی۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں۔ اور (ان کے دل) ڈول گئے۔ یہاں تک کہ کیا رسول اور کیا ان پر ایمان لانے والے لوگ چلا اٹھے۔ کہ اللہ کی مدد اور کب آئیگی۔ ارے اللہ کی مدد یقیناً قریب ہی ہے۔ ۴۔ تم سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں۔ ان سے کہو (اس کا کیا پوچھنا) جو کچھ بھی بھلائی میں خرچ کرتے ہو (کرو) سو وہ تمہارے والدین کے لئے ہے یا قریبی رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ ۵۔ تم پر جنگ فرض کیا گیا ہے۔ مگر وہ تم کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی بات تم کو ناگوار ہو۔ اور (دراصل) اس میں تمہارے لئے بہتری ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ تم کسی بات کو پسند کرو۔ اور وہ ہو تمہارے لئے بری۔ کیونکہ اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔ ۶۔ تم سے حرمت والے مہینے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہ اس میں یہ جنگ کیسا ہے۔ کہدو اس میں یہ جنگ بڑا برا ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا اور مسجد الحرام سے کفر کرنا اور اس کے لوگوں کو اس سے نکال لینا خدا کے نزدیک اور بھی زیادہ خراب ہے۔ اور فساد یا پھوٹ رہنا جنگ سے زیادہ خراب ہے۔ نیز وہ تم سے جھگڑتے ہی رہیں گے۔ جب تک کہ وہ لگے تا بو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔ مگر (یاد رکھو) جو تم سے مرتد ہو جائیگا۔ اور مرتے دم تک کفر میں رہیگا۔ سمجھ لو کہ اس کے فعل دنیا اور آخرت میں برباد ہیں۔ یہی دوزخ کے بندے ہیں۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے۔ ۱۔ تحقیق ایمان لانے والے اور راہِ حق میں جہاد اور ہجرت تک کرنے والے لوگ ہی رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ غفور اور رحیم ہے ۲۔ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ سو کہدو۔ کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہے۔ مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ نیز یہ پوچھتے ہیں۔ کہ (راہِ حق میں) کیا خرچ کریں۔ کہو جو اخراجات سے فاضل ہو۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی ہدایتیں واضح کرتا ہے۔ کہ تم غور و فکر کرو۔ ۳۔ دنیا اور آخرت کے متعلق۔ نیز تم سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہو ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ان کو اپنے ساتھ ملا رکھو۔ تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تمکو ایسی مشکل میں ڈالتا بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۴۔ اور مشرک عورتیں جب تک حق کو نہ مانیں۔ ان سے نکاح نہ کرو۔ مشرک عورت خواہ تمہیں کتنی پسندیدہ معلوم ہو۔ اس سے مومن لونڈی بہتر ہے۔ ایسے ہی مشرک مردوں کو (عورتیں) نکاح میں نہ لیں۔ جب تک وہ حق کو قبول نہ کریں۔ بے شک مشرک خواہ تمہیں کیسا ہی اچھا لگے۔ اس سے مومن غلام اچھا۔ کیونکہ مشرک تو لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ اپنی عنایت سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنی ہدایات لوگوں کو صاف صاف سمجھاتا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ۵۔

۲۶۸ - انسانی جماعت کی گراوٹ

آیت نمبر ۲۱۱ میں بنی اسرائیل کا لفظ صریحاً انسانی جماعت کے لئے ہے۔ جسے آغازِ عالم کے رشیوں کا جانشین ہونے سے بنی اسرائیل یا آریہ سنتان

کہنا بجا ہے۔ یہاں سے عالمگیر صداقتوں اور الہامی علم کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جن کا تعلق کل انسانی جماعت سے ہے۔ اس لئے اس لفظ کے متعلق ہماری مختصر بحث جو دفعہ ۴۰ میں پیش کی گئی ہے۔ بہت درزندار ہے۔ سل کے لفظ سے سوال کرنا یا پوچھنا کا مفہوم خاص اس خبر یا علم کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا نے فی الحقیقت بہت بین آیات یعنی صریح سچائیاں عطا کیں مگر ان کو حاصل کرنے کے بعد ان کو انسانوں نے بدل دیا۔ یعنی ان کو اور کا اور سمجھا۔ اور بیان کیا۔ اور اُلٹے عمل کئے۔ اس کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ سخت عذاب الہی کا شکار رہوئے۔ کیونکہ اصول ہی یہ ہے۔ کہ خدا کی علمی نعمت کا احساس نہ ہونے پر جہالت انسان کو گرا دیتی ہے۔

۲۶۹ - بَیِّنَۃٍ آیات

آیات بینات کے معنے کوئی تو کھلے معجزے کرتا ہے۔ کوئی صاف دلیلیں کوئی صریح ہدایتیں۔ کوئی صاف احکام۔ کوئی روشن یا ظاہر نشانیاں یا کھلی نشانیاں وغیرہ۔ لیکن آیت کے لغوی معنے ہے۔ نشان۔ علامت۔ چونکہ علامت ہمیشہ کسی شے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے اس کے معنے دلالت کرنے والے کے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور آیات بینات سے خدا کی حدود اور اس کے احکام وغیرہ کی تفاصیل و توضیحات بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ لیکن اصل حقیقت آیت لفظ کی یہ ہے۔ کہ وید گیان میں تین حصے ہیں۔ شبد ارتھ اور سمبندھ یعنی الفاظ معنی اور تعلقات۔ اصل علم تو معانی اور تعلقات کا نام ہے۔ اور شبد یا الفاظ اس علم کی بیرونی یا ظاہری نشانی ہیں۔ وید میں اسے منتر بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا تعلق منن یعنی غور و فکر کرنے سے ہے۔ یا جو صحیح وچار پر دلالت کرتا ہے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر قرآن میں آیت کا لفظ عموماً آیا ہے۔ اور بیّن کے معنے ظاہر و آشکارا کے ہیں۔ یعنی جن کو نیچر ہر وقت بیان کر رہی ہے۔ عالمگیر سچائی یا مسلمہ صداقت۔ پس آیات بینات کے معنے ہیں۔ مسلمہ صداقتوں یا سچے اصولوں کو ظاہر کرنے والی علامتیں (وید کے منتر) اور اسی معنے میں قرآنی آیات کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ مگر بیان القرآن آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "آیۃ بینۃ" یہ کھلے نشان کیا تھے؟ اول وہ کھلی پیشگوئیاں۔ جو آنحضرت صلعم کے ظہور کے متعلق ان کی کتابوں میں تھیں۔ اور جو خود ان میں مشہور چلی آتی تھیں۔ دوسرے نبی کریم صلعم کی صداقت کے نشان۔ جو وہ خود دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ یہ اہل کتاب تھے۔ اور سنت انبیاء سے واقف تھے۔" لیکن یہ خیال کسی طرح بھی الفاظ قرآن سے پیوست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعد کے الفاظ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ (جو اللہ کی اس نعمت کو بدل دے) میں ان آیات کو نعمت الہی کہا ہے۔ اور نعمت الہی سے قرآن کی کثیر التعداد آیات میں خاص طور پر الہامی علم یا کتاب بالحق مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ غرائب القرآن میں اس آیت کے ترجمے میں نعمت کے ساتھ لکھا ہے۔ مثلاً کتاب آسمانی۔ ساتھ ہی خود بیان القرآن میں صفحہ ۱۸۰ پر جو الفاظ لکھے ہیں۔ یہ تاویل اس کے بھی خلاف ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "قرآن کریم کے عام الفاظ کو خاص خاص لوگوں پر محدود کرنا کلام الہی کی بے قدری کرنا ہے"! یقیناً اوروں کو نصیحت دینے والے خود قرآن کی بے قدری کرتے ہیں۔ نہ قرآن میں کہیں پیشگوئیوں کو صحیح مانا گیا ہے۔ نہ آنحضرت کا اس مسئلے پر اعتقاد ہے۔ بلکہ وہ اُلٹے اس کے خلاف ہیں۔ ایسا ہی یہ خیال بھی غلط ہے۔ کہ واقعی وہ پیشگوئیاں ہی ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ من مانی تاویلوں نیز طرفداری اور کھینچا تانی پر مبنی تفصیلوں کو مذہبی کتب کے گلے مڑھ کر توہمات باطلہ کی ترقی کی جا رہی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ مصنف بیان القرآن غور تو فرما دیں۔ کہ پیشگوئی کا نام نعمت کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر ایک دو کی بجائے لاکھ دو لاکھ پیشگوئیاں بھی بنی اسرائیل کو دیدیتا۔ جو آج کے انگلینڈ۔ جرمنی۔ جاپان انڈیا وغیرہ دنیا کے کل ممالک

کے متعلق ہوتیں۔ تو اس وقت کے بنی اسرائیل کا اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ ان کی بھوک مٹ جاتی یا وہ عالم ہو جاتے؟ موجودہ لوگوں میں اخبارات پڑھنے کا رواج ہے۔ یہ کل خبریں تازہ واقعات کے متعلق ہیں۔ لیکن ان خبروں کو ساری عمر پڑھنے والوں کو ان کی بدولت علمی ترقی نصیب ہوئی ہو۔ یہ کبھی سنا نہیں گیا۔ تاش۔ پتنگ۔ شطرنج۔ کبوتر۔ گنجفہ کی طرح یہ بھی محض دل لگی ہے۔ اگر علمی فائدہ کا کچھ امکان ہے۔ تو محض علمی مضامین سے ہے۔ خبروں سے نہیں۔ اگر کسی واقعہ سے کوئی سبق اخذ کیا جاتا ہے۔ تو وہ پڑھنے والے کے سابقہ علم اور عقل پر منحصر ہے۔ اور وہ سبق مختلف لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق لے سکتے ہیں۔ وہ خبر نہ بذاتِ خود علم ہے نہ اس کا تعلق کسی خاص خیال سے محدود ہو سکتا ہے۔ تاہم اخباری خبروں سے پھر بھی کسی اصول پر غور کرنے کا موقعہ تو مہیا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ خبر دی جاوے۔ کہ ہزار یا دو ہزار سال بعد فلاں واقعہ ہوگا۔ تو اس کا فائدہ کیا؟ کیونکہ جب تک واقعہ نہ ہو۔ اس کے متعلق شکوک رہیں گے۔ یقینی علم ہوگا نہیں۔ اور جب وہ واقعہ ہوگا۔ اس وقت وہ لوگ موجود نہ ہوں گے۔ جنہیں خبر دی گئی تھی۔ پھر یہ بات کہ نعمت الٰہی کو بدلنے پر عذاب ہؤا۔ اور بھی اس تاویل کو غیر معقول ثابت کرتی ہے۔ رسول صاحب کے ظہور سے پہلے تو کبھی تبدیلی وغیرہ کا اس قسم کی پیشگوئیوں کے متعلق جھگڑا ہی نہیں ہوا۔ اور آپ کے ظہور ہونے پر کسی نے اس کو بدلا نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ پہلے کبھی یہ ذکر ہی نہیں ہؤا۔ ہاں آپ کے ظہور پر ان کتابوں کے الفاظ کو بطور پیشگوئی چسپاں کرنے والے لوگ نکل سکتے ہیں۔ یہ تو قابل تسلیم ہے۔ آپ کہتے ہیں تبدیلی کا مطلب پیشگوئیوں کے انکار کرنے سے ہے۔ لیکن ایسی کوئی مثال موجود نہیں۔ کہ آنحضرت کے ظہور سے پہلے آپ کی موہومہ پیشگوئی کو کسی نے بدلا ہو۔ یا یہ کہا ہو۔ کہ میں اسے نہیں مانتا۔ ایسا ہرگز واقعہ نہ ہوگا۔ اور اگر ظہور کے بعد پیشگوئیوں سے انکار کرنا جرم ہو۔ تو اس سے سچی ہدایت مفقود ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جھوٹی باتیں آئندہ کے متعلق اڑا کر سچا سمجھا جاویگا۔ اور جھوٹ سے انکار کرنے والا قابل سزا ہوگا۔ غرضیکہ یہ تاویل ہر لحاظ سے غلط ہے۔ ایک بات آپ نے یہ بھی عجب ہی لکھی ہے۔ کہ "اہل کتاب سنت انبیا سے واقف ہونے کی وجہ سے صداقت کے نشان خود دیکھ سکتے تھے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ کہ عملی ظہور کے بنا صداقت کے نشان دیکھے ہی کس طرح جا سکتے ہیں۔ کتاب علمی طور پر صداقت پر مبنی علمی اصول سکھا سکتی ہے۔ اس کے عمل کی طرف اشارہ کر سکتی ہے۔ لیکن غیر موجود کے متعلق وہ صداقت کے نشان کس طرح دکھا سکتی ہے۔ اور اگر وجود میں آنے کے بعد نشان دیکھے جائیں تو پیشگوئی کے کچھ معنے نہیں رہتے۔ بس آیتہ بینتہ کے معنے سوائے عالمگیر سچے اصولوں یا علموں کے ہو نہیں سکتے۔ لفظی معنے مسلمہ صداقتوں والی آیتیں ہوگا۔ مگر آیت دلالت کرے گی علم پر۔ اس لئے مراد سچے علوم ہی ہوں گے۔ جو عقل کے لئے ہدایت دینے والے ہیں۔ خدا کی طرف سے ان کا ظہور نیچر میں ہوتے سے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس پر بھی اگر اس سے انحراف کر کے یا انسانی دستبرد سے ان کو بدل کر منشائے الٰہی کے مطابق ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ تو انسانی تنزل و دکھ ایک امیٹ تقدیر ہے۔ اسی طرح حواس خمسہ (گیان اندریاں) اور عقل بھی علم کا ذریعہ ہونے سے آیات بینات ہیں۔

۲۷۰۔ معجزہ

آیت لفظ کے معنے معجزہ کرنے میں مفسرین غلطی کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کہیں خرق عادت وغیرہ کی تائید نہیں کرتا۔ سرسید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "ہم آیات بینات سے جہاں کہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہے۔ وہ چیز مراد نہیں لیتے۔ جس کو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں۔ گو مفسرین نے اکثر مقامات میں بلکہ قریباً کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لئے ہیں۔ مگر یہ

غلطی ہے۔ معجزہ پر آیت یا آیات کا اطلاق ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ معجزہ امر مطلوب پر یعنی اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اور نہ وہ بہ صفت بینات موصوف ہو سکتا ہے"۔ اس پر سرسید صاحب کی تفسیر میں طویل بحث ہے۔ لیکن ہم محض اشارہ دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ سائنس یا نیچر کے خلاف انسان کچھ کر یا دکھا نہیں سکتا۔ اور اگر یہ کہا جاوے۔ کہ فلاں شخص نے فلاں ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ تو اول تو یہ اس لئے کفر ہے۔ کہ خدا کا قانون آج تک جو بھی انسانوں کے علم میں آیا ہے۔ وہ ممکنات کی ہی ذیل میں آتا ہے۔ خدا کے مقابل انسان کی ہستی ہے ہی کیا۔ کہ وہ کچھ کر دکھاوے جو اس کی دنیا میں نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ پھر معجزہ کسی حقیقت کو تسلیم کرانے کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنے والوں کو آج تک کسی معجزہ کی سمجھ نہیں آئی۔ اگر سمجھ آتی تو وہ خود کر کے بھی کبھی دکھا سکتے۔ یہ کہنا کہ چونکہ ایک ناممکن بات دکھائی گئی ہے۔ اس لئے اسے نبی یا خاص خدا کا بھیجا ہوا مانا جاوے۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو لوگ کسی کے کوئی معجز نما عمل دکھانے پر بھی اس عمل کو سیکھ کر کے دکھا نہیں سکتے۔ وہ خدا کو یا اس کے بھیجنے کو یا بھیجے ہوؤں کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں خدا کی طرف سے انسان کو کبھی یہ تعلیم کسی بھی کتاب کے ذریعہ نہیں ملی۔ کہ فلاں فلاں کام نیچر کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ اور وہ میرے بھیجے ہوئے ہونے کا ثبوت ہوں گے۔ اس کے علاوہ جہاں آیت کے لفظ کو معجزے کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں غور کرنے پر معلوم ہوا ہے۔ کہ مضمون موقعہ محل اور لغوی معنے وغیرہ کے لحاظ سے غلطی کھائی گئی ہے۔ بالخصوص جہاں آیات بینات کا تعلق ہو۔ وہاں معجزہ کا کیا تعلق۔ کیونکہ بین اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ امر ظاہر یا روشن دن کی طرح سب پر عیاں ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ کسی بھی معجزہ دیکھنے والے کو اس کی سمجھ نہیں آئی۔ کہ اس کی تہ میں کیا راز ہے۔ سرسید صاحب ذاتی ہی نہیں۔ قاضی ابن رشد کی تحریر کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ کہ

"تم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے ظاہر ہوگا۔ کہ آنحضرت نے نہ کسی ایک شخص کے اور نہ کبھی ایک گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہیں کیا۔ کہ اس سے پہلے اس کے سامنے کوئی خرق عادت کی ہو۔ اور ایک چیز کو دوسری چیز میں بدل دیا ہو۔ یعنی لکڑی کا سانپ اور سانپ کی لکڑی۔ اور سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا ہو۔ اور اسلام لانے کی دعوت کے وقت کوئی کرامات اور کوئی خوارق عادت آنحضرت سے ظاہر نہیں ہوئی"۔ ابن رشد نے اتنا صحیح لکھ کر ایک اڑنگا بھی لگایا ہے کہ

"اگر ظاہر ہوتی ہے۔ تو معمولی حالات میں بغیر اس کے کہ کرامات اور خرق عادات کا دعوےٰ کیا ہو"۔ لیکن یہ لفظ اگرچہ کسی موہومہ معجزہ رسالت سے تعلق نہیں رکھتے۔ تو بھی ناقابل پذیرائی ہیں۔ کیونکہ ان کا امکان بھی ویسا ہی ناممکن ہے جیسا دعوے کرنے کے متعلق ہو سکتا ہے۔ دوسروں کی نسبت علم اور عقل کا کمال ہونے سے جو بھی عجوبہ کام ممکن ہوں ہو سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ ان کے مقابلے پر اپنا عجز تسلیم کر سکتے ہیں۔ مگر خرق عادت کا اس سے کیا تعلق۔ قانون الہی کے خلاف کون کچھ کر سکتا ہے۔ باوجود اس کے ابن رشد صاحب قرآن کا یہ حوالہ ہر وقت پیش کرتے ہیں۔

کافر کہتے ہیں۔ کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لاتے کے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لئے چشمہ نہ نکال لے۔ یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ نہ ہو۔ جس کے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نہ نکالے۔ زور سے بہتی یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے کر ڈالے۔ یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ نہ لا دے۔ یا تیرے لئے کوئی مزین گھر نہ ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ نہ جاوے۔ اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لانے کے۔ جب تک کہ ہم پر ایسی کتاب نہ اترے جو ہم پڑھ لیں۔ (اس پر خدا

فرمانے ہے) تو ان سے کہدے۔ کہ پاک ہے۔ میرا پروردگار۔ میں تو کچھ نہیں ہوں۔ مگر رسول (اور خدا نے فرمایا کہ نہیں روکا ہم کو آیات کے بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے"۔

غرضیکہ قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہیں دیا۔ اور اس کے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہے۔ اور اس امر کی دلائل دی ہیں۔ کہ اگر معجزات کا وقوع قبول کر لیا جاوے۔ تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ شخص خدا کا رسول ہے۔

۱۔ جو امر کہ واقع ہوا۔ اس کی نسبت اس امر کے لزوم کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ جس شخص سے وہ واقع ہوا وہ رسول ہے

۲۔ کوئی خرق عادت ایسی معلوم نہیں ہے۔ جو بطور خاصہ رسولوں سے مخصوص ہو۔

۳۔ کچھ ثبوت نہیں ہے۔ کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے۔

۴۔ اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ اس کا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہیں ہوا۔ کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ فی الحقیقت ان کا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔ مگر وہ قانون الہی لامعلوم ہے۔ ۵۔ اس کا کچھ ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ جو امر واقع ہوا۔ وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان میں ہے۔ کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

۶۔ غیر انبیا سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں۔ اور جو انبیا سے واقع ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے۔

۷۔ یہاں تک کہ اہل سحر سے جو امور واقع ہوتے ہیں۔ ان میں و خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے پس ہر لحاظ سے آیت یا بین آیات سے معجزہ لفظ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور حسب قول سر سید احمد صاحب خدا تعالے نے تمام قرآن میں کوئی حکم خاص نسبت کسی شخص کے یا خاص کسی قوم کے مخصوص نہیں کیا ہے۔ بلکہ تمام انسانوں کے لئے یکساں حکم ہیں۔ اور نہ کسی حکم میں کوئی خاص بات یا کسی امر کی نشانی کا ہونا بتایا ہے۔

۱۷۲۔ برکت ایمان

آیت ۲۱۲ میں بتایا ہے۔ کہ علمی نعمت سے فائدہ نہ پانے پر انسان کفر یا جہالت کا شکار رہتا ہے۔ اور اس عارضی دنیوی زندگی میں عیاشی کو اختیار کرتا ہے۔ اسے نفسانی خواہشات ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ ایمان لانے والوں پر اُلٹا مخول کرتا ہے۔ لیکن حق پرست لوگ متقی ہوتے ہیں۔ اور انصاف الہی کے مطابق وہ بلند درجہ پاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بے حساب یا غیر معمولی رزق ملتا ہے۔ دنیوی دولت۔ آن اناج۔ سونا چاندی زمین وغیرہ ہی رزق نہیں اولاد طاقت صحت دولت نیک چلنی۔ علم۔ اطمینان قلب وغیرہ سب خوبیاں رزق یا نعمت ہیں۔ اور یہ محض علم حق اور تقوی کی برکت سے حاصل ہوتی ہیں۔ کفر کی حالت میں کسی کو دولتمند یا اغنیا ر دیکھ کر بعض لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ کفر کی بدولت وہ بڑھ رہے ہیں۔ لیکن قرآن بار بار کہتا ہے۔ کہ گناہگاروں کو جو کچھ مل رہا ہے۔ بطور امتحان ہے۔ اور ان کو دکھ دینے کے لئے ملتا ہے۔ چنانچہ وہ بیماریوں۔ بیٹوں کی نالائقیوں۔ چوریوں وغیرہ وغیرہ سے نالاں ہی نظر آتے ہیں۔

۱۷۲۱۔ مذہبی تاریخ پر اجمالی نظر

آیت نمبر ۲۱۳ میں پہلی دو آیتوں میں اشارہ کی گئی عالمگیر صداقتوں اور کفر و ایمان کی یوں وضاحت کی گئی

ہے۔ کہ فطرتاً سب انسان یکساں ہیں۔ اور آغاز عالم میں ایک ہی امت تھے۔ یعنی موجودہ زمانے کی مذہب وملت کی تفریق کی بجائے ایک ہی دہرم میں تھے۔ وہ دہرم کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ خدا نے نبی یا رشی ظاہر کئے تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ لوگوں کو یہ بتائیں۔ کہ نیک عمل والے سکھ پائیں گے۔ اور بُرے عمل والے دُکھ۔ یعنی وہ خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے تھے۔ اب سوال ہو سکتا تھا۔ کہ خوشخبری اور خوف دلانے کا انحصار کس قانون پر تھا۔ جواب دیا۔ کہ اس کتاب یا قانون پر جو خدا نے ان کے ظہور کے ساتھ ہی انہیں دیا تھا۔ کیونکہ قانون نہ ہو۔ تو سکھ یا دُکھ کا پھل کیا اور سکھ یا دُکھ کا پھل نہ ہو۔ تو خوشخبری اور خوف کے کیا معنے۔ رہی یہ بات۔ کہ اس الہام کی ضرورت کیا تھی۔ بتایا گیا یہ کہ انسانوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ ہوتا رہے۔ چونکہ انسان فطرتاً محدود العلم اور محدود العقل ہے۔ اور اس وجہ سے اختلاف رائے کا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے اختلاف رائے کو دُور کر کے انسانوں کے باہم متحد رہنے کے لئے کامل علم ملا۔ چنانچہ آریہ سماج اور سناتن دہرم سبھا کے ابین کسی بھی مضمون مثل بت پرستی وغیرہ پر مباحثہ ہو تو ہر فریق دوسرے سے ابتدائی الہام وید کا منتر پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مگر عملاً دنیا میں ظاہر یہ ہوا۔ کہ رفتہ رفتہ بہت سے مذاہب جاری ہونے لگے۔ سوال یہ ہوا۔ کہ جب الہامی کامل علم بھی ملا۔ اور لوگوں تک مسلمہ صداقتوں اور سچے اصولوں کا پرچار بھی ہوا۔ پھر مذہبی تفریق ہونے کے کیا معنے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس میں علم الٰہی کی ذمہ واری نہیں۔ انسانوں کی باہمی ضدیں یا تعصبات اس پھوٹ کی علت ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ واضح کیا ہے۔ کہ نہ یہ پھوٹ پائدار ہے۔ اور نہ مذہب۔ کیونکہ خدا اہل ایمان کو اپنی عنایت سے پھر وہی راستہ دکھانے والا ہے۔ چنانچہ یہ بھی اسی کی عنایت کا ثبوت ہے۔ کہ عرب میں حضرت محمد صاحب کی معرفت پھر اسی ابتدائی الہام کی تعلیم کی اشاعت ہوئی۔ اور اسی کی سوامی دیانند کی معرفت ہندوستان میں غرضیکہ اس آیت میں دنیا کے آغاز سے انجام تک کے مذہبی اتی ہاس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

۲۷۔ ستیارتھ پرکاش کا بیان

آیت ۲۱۳ کے الفاظ پر مزید غور کریں۔ تو معلوم ہوتا ہے جو باتیں سوامی دیانند نے وید کے الہام کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں لکھی ہیں۔ ہوبہو وہی قرآن میں عموماً اور اس آیت میں خصوصاً آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت محمد صاحب نے لکھی تھیں۔

اول یہ کہ الہام آغاز عالم میں ہوا۔ دوم یہ کہ سب انسانوں کا اصل دہرم ایک ہی ہے۔ سوم۔ یہ کہ وہ دہرم اس الہام پر مبنی تھا۔ جو اولین رشیوں کو ملا۔ چہارم یہ کہ وہ الہام ان رشیوں کے ظہور کے ساتھ ہی ہوا (اَنزَلَ مَعَھُمُ الکِتٰبَ بِالحَقِّ) پنجم یہ کہ ان رشیوں نے اور لوگوں کو اس دہرم کی تعلیم دی۔ یعنی نیکوں کو بشارت اور بدوں کو خوف دینا ان کا کام تھا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے وید کی اس ہدایت پر عمل کیا کہ

यथेमां वाचं कल्याणीमावदानि जनेभ्यः।

ब्रह्मराजन्याभ्यां शूद्राय चार्याय च स्वाय चारणाय च।

جس طرح میں نے وید کی کلیان کاری بانی کا برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر۔ استری نوکر چنڈال تک کے لئے ظہور کیا ہے۔ ویسے ہی نیک لوگ سب انسانوں کو اس کی ہدایت دیویں ششم یہ کہ وید مستند بالذات ہے۔ کیونکہ انسانی اختلافات کے لئے وہ مستند مانا گیا ہے۔ اس کے لئے کسی سند کا ہونا تسلیم نہیں کیا گیا منوسمرتی میں بھی یہی

ہدایت نامہ ہے۔ کہ

धर्मं जिज्ञासमानानां प्रमाणं परमं श्रुतिः ॥

یعنی متلاشیان حق کے لئے پرم پرمان (آخری سند) وید ہی ہے۔ ہفتم یہ کہ اس عالمگیر دہرم کے بعد دنیا میں باہم مختلف جس قدر انسانی مذاہب چلتے ہیں۔ باہمی تعصبات یعنی جہالت وعداوت سے چلتے ہیں۔ ہشتم یہ کہ اس عالمگیر دھرم کا ناش نہیں ہوسکتا۔ خدا کی عنایت سے وقتاً فوقتاً سچے اپدیشکوں کا ظہور ہوکر اسی قدیم دہرم کا پرچار ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ سارے جہاں کو آریہ یا نیک بناؤ۔ कृण्वन्तो विश्वमार्यम् کے حکم کی تعمیل میں اپنا جیون لگا دیتے ہیں۔

۲۷۳ - انسانی جماعت

اس آیت سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے۔ کہ انسانوں نے مذہبی یا ملکی یا مجلسی طور پر یعنی ذات پات کی صورت میں جو تقسیم کر رکھی ہے۔ وہ محض تنگ خیالی یا تعصب کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سب انسانی جماعت کی ایک ہی امت ہے۔ جیسے حیوانات کی ایک نوع ہے۔ ویسا ہی انسان کی ایک نوع ہے۔ حیوانوں میں گائے۔ گھوڑا اونٹ وغیرہ کے الگ الگ گروہ بھی ایک مخصوص جاتی ہیں۔ ان کی جسمانی بناوٹ وشکل وغیرہ سے حیوانوں میں مختلف جاتیاں ظاہر ہیں۔ ایسے ہی ایک جاتی انسان ہے۔ تمام پیدا شدہ بچوں کو اکٹھا کیا جاوے۔ اور انہیں باہم ملا دیا جاوے۔ تو کوئی بھی کہہ نہیں سکتا۔ کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان۔ یہ عیسائی ہے۔ یہ بدھ وغیرہ مطلب یہ کہ سب کی شکل وبناوٹ ایک ہے۔ اور وہ نوعیت کے لحاظ سے ایک ہی جاتی ہیں۔ اور اسی کا مفہوم یہ ہے۔ کہ قدرتاً سب کا دہرم ایک ہے۔ اور قرآن اسی مستقل مساوات کو ظاہر کرنے کے لئے اس ازلی ابدی اور عالمگیر دہرم کی عظمت بیان کرکے سب کو پھر متحد ہونے کی تلقین کرتا ہے۔

۲۷۴ - ہمت مرداں مدد خدا

آیت ۲۱۴ میں اشاعت حق کے لئے غیر معمولی جدوجہد کی تحریک کی گئی ہے۔ موجودہ کوشش کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اور اشاعت حق کے لئے جوش دلانے کو کہا گیا ہے۔ کہ کیا اسی برتے پر جنت کے امیدوار بنے بیٹھے ہو۔ تمہارے بزرگوں نے جو جنت کو پایا۔ تو بڑے تپ سے پایا۔ تم کیا خالی باتوں سے ہی جنت لینا چاہتے ہو۔ خیال کرو۔ بزرگوں نے کیا کیا اذیتیں پائیں۔ تکلیفیں جھیلیں۔ مخالفتوں کے پہاڑ ان پر گرے۔ حتےٰ کہ باوجود انتہائی مستقل مزاج ہونے کے وہ بھی بارہا گھبرا جاتے تھے۔ اور کیا ان کے رسول اور کیا وہ چلا اٹھتے تھے۔ نہ جانے مدد الٰہی کب ملیگی۔ یہ سب کچھ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ حق پر چلنے والے فریق کو انتہائی قربانی سے کام لیکر حق کی اشاعت کرنی چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ کتنی بھی مصیبتیں آئیں۔ گھبرائیں نہیں۔ پورا اعتقاد رکھیں۔ کہ خدا کی مدد اب آئی کہ آئی۔ بقول ہمت مرداں مدد خدا۔ سنسکرت لٹریچر میں انسان کی جدوجہد کے لئے دو طریق مذکور ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان ریاضت یا تپ سے گیان یا علم حق حاصل کرتا ہے۔ اور تمام دکھوں سے چھوٹ کر اس گیان کی بدولت نجات کو پاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان تپ یا ریاضت کرکے راج کو پاتا ہے۔ اور اس راج کی نعمتوں میں غرق ہوکر نرک کو جاتا ہے یعنی ایک سلسلہ ہے۔ تپ سے گیان اور گیان سے مکتی اور دوسرا سلسلہ ہے۔ تپ سے راج اور

راج سے نرک۔ قرآن خالص مذہبی جدوجہد کی تلقین کرتا ہؤا انسانوں کو انتہائی جدوجہد کی تحریک دیتا ہے۔ لیکن اس جدوجہد کا نصب العین الہامی علم یا سچا گیان ہے۔ اور اس کا پھل جنت یا نجات ہے۔

۲۷۵۔ خرچ کا سوال

چونکہ ساری جدوجہد کا مرکز عالمگیر دہرم کی اشاعت کو بنایا گیا۔ اس لئے قدرتاً سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ اس کے لئے خرچ کیا اور کس طرح کریں۔ آیت ۲۱۵ میں اس کا جواب دیا گیا۔ کہ اوّل تو خرچ کرو۔ مِنْ خَیْرٍ یعنی نیک کمائی سے اور پھر یہ یاد رکھو۔ کہ وہ والدین۔ قریبی رشتہ داروں۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں (اتتھیوں) کے لئے ہے۔ قرآن گویا اس سب قسم کے خرچ کو دہرم میں ہی شمار کرتا ہے۔ ہر جگہ خرچ کرنے کے ساتھ راہ حق مذکور یا محذوف ہے۔ اور اس آیت میں بالتفصیل واضح کیا گیا ہے۔ کہ راہِ حق والے خرچ سے کیا مراد ہے۔ ویدک دہرم میں یہ سب خرچ دہرم کا خرچ ہیں۔ اور اشاعت حق کا کام اطمینان سے ہو بھی تبھی سکتا ہے۔ جب اس طرح تمام متعلقین کی ضروریات کا انتظام سوسائٹی میں جاری ہو۔ ویدک دہرم میں تبلیغی کام کا مستقل انتظام یہ ہے۔ کہ عالم لوگ دنیا داری کی زندگی کے بعد علیحدگی اختیار کریں۔ اور بان پرست میں ۲۵ سال رہ کر بعد میں تبلیغ حق کے لئے نکلیں۔ یا سنیاسی بنیں۔ اور ہر کہیں سفر کر کے پہنچیں اور اپنے عمر بھر کے علم اور تجربے سے سب گرہستیوں کی رہنمائی کریں۔ اور تمام خانہ داروں کا فرض تھا۔ کہ دنیا کی بہبود میں دلچسپی لینے والے جو راہِ حق دکھانے کو ہر وقت سفر کر کے جہاں تہاں پہنچتے ہیں۔ ان کو ہرگز ہرگز جسمانی حفاظت کے لئے کسی بھی ضروری سامان کے متعلق تکلیف نہ ہو۔ ان لوگوں کو اپنی آمد کی تاریخ تک کی اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہر کہیں اتتھیوں کی انتظار کا مستقل حکم ہے۔ سو وہ لوگ پھرتے ہوئے جہاں بھی کسی شہر قصبہ یا گاؤں میں پہنچتے تھے۔ لوگ صدق دل سے ان کا خیر مقدم کرتے اور ہر ایک دست بستہ یہی دعا کرتا نظر آتا تھا۔ کہ میرے گھر کو پاک کیجئے۔ اس طرح اشاعت حق کا کام مستقل طور پر بغیر چندوں اور فنڈوں کے ہوتا رہتا تھا۔ اور اسی کو مدنظر رکھ کر قرآن ابن السبیل کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور گو اس کا ترجمہ مسافر کیا جاتا ہے لیکن دوسرے لوگ جو تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہیں۔ ان کے لئے خرچ کا انتظام مذہبی طور پر سوچنا ضروری ہی نہیں۔ اس لئے یہاں ابن السبیل مراد ان اتتھیوں سے ہی ہے جو پبلک کو اپنی قابلیتوں سے مستفیض کرنے کو ہی دورہ کرتے پھرتے ہیں۔ اسی سوال کو آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کا ذکر کرتے ہوئے دوہرایا گیا ہے۔ کہ شراب اور جوئے میں تو خرچ نہ کریں۔ پر راہ حق میں کیا خرچ کریں۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جو کچھ ضروری اخراجات کے بعد بچے۔ یا ان ضروریات سے زائد ہو۔ وہ راہ حق میں خرچ کرو۔ مطلب یہ کہ یا جسمانی ضروریات پر خرچ کرو یا اشاعت حق میں عیاشی یا گناہ میں کچھ خرچ نہ ہو۔ اور جیسے آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ سب کام دہرم کے مطابق بھلائی برائی کو وچار کر کے کئے جاویں۔ اسی طرح آیت ۲۱۹ میں کہا گیا ہے۔ کہ خدا تم پر دہرم کی ہدایت ظاہر کرتا ہے۔ اس پر غور و فکر کر کے عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ جس سے دنیا اور آخرت یا لوک اور پرلوک دونوں سدھریں۔ ضروریات سے زاید دھن کے متعلق منوسمرتی وغیرہ میں ہدایت ہے کہ تارک الدنیا عالم سنیاسی لوگوں کو دو۔ دنیا دار لوگ اسے فیض عام میں نہیں لگا سکتے۔ قرآن اس کے مقابلے پر اس آیت میں اور سورۂ انفال میں یہی ہدایت دیتا ہے۔ زاید مال خدا اور رسول کا۔ اور اس میں حصہ دار تمام قریبی اور یتیم نیز اتتھی لوگ ہیں۔

---

۲۷۶ - جہاد بمعنے جدوجہد

آیت ۲۱۶ تا ۲۱۸ میں جہاد کا ذکر ہے۔ مفسرین اس کو جنگ سیف اور خون خرابہ کے معنے میں لیتے ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے۔ جہاد یہاں بھی محض اشاعت حق کے متعلقہ جدوجہد کی طرف ہی اہل ایمان کو متوجہ کرتا ہے۔ کسی خونریزی کی طرف نہیں۔

۱ - مضمون علم حق اور اس کی اشاعت کا ہے۔ اور جنگ سیف سے اس کے کسی پہلو کو کوئی تعلق نہیں۔

۲ - جن گذشتہ لوگوں کے عمل کو قابل تقلید اور جنت کے لئے ضروری بتایا ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ ذکر نہیں۔ کہ انہوں نے کبھی کشت وخون والے جنگ میں حصہ لیا ہو۔ یہی کہا ہے۔ کہ مصیبتیں اذیتیں انہوں نے جھیلیں ان پر مشکلات کے پہاڑ گرے۔ اور گھبراہٹ سے ان کے دل ڈگمگا بھی گئے۔ مگر انہوں نے خدا کی مدد کے لئے ہی پکار کی، خود جنگ وخونریزی کبھی نہیں کی۔ گویا مشنری کام میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہے۔ یا خدا کے توکل کی۔ جنگی جہاد کی ہرگز ہرگز نہیں۔

۳ - اگر کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ سے یہ مراد ہے۔ کہ کشت وخون والا جنگ تمہارا فرض ہے۔ تو مذہبی تبلیغ کے لئے کونسی جگہ ہے۔ جلسے تقریریں وعظ یا مباحثہ جات سے ہی جھوٹے مذاہب کا نام تک مٹانے کو یہاں قِتال کہا گیا ہے۔

۴ - جنگ سیف کے لئے علیحدہ فوج چاہیئے سچے مذاہب پر ایمان لانے والے لوگ اس کے لئے مقصود و مخاطب ہی نہیں ہو سکتے۔

۵ - اگر ان آیات پر معمولی بھی غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب حرمت والے مہینے میں بھی اس دہرم یدھ کو پوری طاقت سے جاری رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ مفسرین آیت ۲۱۷ میں شَہْرُ الْحَرَام کے متعلق کئے گئے سوال کے جواب میں قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ، کے ظاہری معنے کے لحاظ سے ہمارے اس دعوے پر تعجب کر سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سلسلۂ مضمون پر غور کئے اور اس سے وفا رکھے بغیر وہ محض یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ "حرمت والے مہینے میں جنگ بہت برا ہے"۔ دراصل یہ پوزیشن فریق مخالف کی بتائی ہے۔ جیسے پہلی آیت میں قتال کے لئے کہا گیا تھا۔ کہ "هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ" مطلب یہ کہ خواہ یہ تمہارے لئے مکروہ ہے۔ یا تمہیں برا لگتا ہے۔ تو بھی تمہارا یہ فرض ہے۔ اسی طرح شَہْرُ الْحَرَام میں جنگ کے متعلق سوال کرنے والے وہ ہیں۔ جو اس جدوجہد میں حصہ لینے کے متعلق متشکی سے ہیں۔ اور مخالف مذاہب کے مجمع کی کثرت سے خوفزدہ یا عام امن پسندی کے جذبہ کے زیر اثر وہ اس مذہبی جنگ سے برے نتائج کے امکان کا خیال کر کے اسے بہت برا سمجھتے ہیں۔ سوال کی پوزیشن کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ آنحضرت کی نہیں۔

۶ - سلسلۂ مضمون کا مقصد قتال کے لئے لوگوں کو جوش دلانا ہے۔ اس لئے آنحضرت کی طرف سے اسے بڑا گناہ کہا جانا صحیح نہیں ہو سکتا۔

۷ - ترغیب یہ دی ہے۔ کہ تمہیں حکم خدا کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ دوسرے نشیب وفراز کی چنتا نہ کرنی چاہیئے۔ اکثر ہوتا ہے۔ کہ انسان کو وہ بات بری لگتی ہے جس میں اس کی حقیقی بھلائی ہو۔ اور وہ اچھی لگتی ہے جو فی الحقیقت اس کے لئے بری ہو۔ پس اپنی رائے کو چھوڑ کر تعمیل حکم میں ہمت کرنی چاہیئے۔ اسی سلسلے میں اگلی آیت میں قتال کے گناہ کبیرہ ہونے کا تعلق مخاطب فریق کی رائے سے ہے۔ متکلم سے نہیں

۸ - آنحضرت کو حکم ہے۔ کہ لوگوں کو کہہ دو۔ کہ حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنا جیسا کہ تمہاری رائے ہے بہت برا ہے۔ مگر راہ

حق سے روکنا یعنی اشاعت حق کی مخالفت کرنا۔ خدا سے انکار کرنا۔ مسجد الحرام میں نہ آنے دینا وہاں سے خدا کے لوگوں کو نکالنا کیا اس سے کم بُرا ہے؟ نہیں۔ خدا کے ہاں یہ کام اس سے بھی بُرے ہیں۔ اور یہ مذہبی پھوٹ کا فتنہ ایک دوسرے سے قتل یعنی حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے مباحثہ سے زیادہ بُرا ہے۔ اور پھر جب مخالف لوگ بلا ناغہ یا مسلسل برابر جھگڑے جاری رکھتے ہیں۔ اور تمہیں تمہارے سچے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے انتہائی کوشش کئے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا حرمت والے مہینے میں اپنے کام کو بند رکھنا چہ معنے۔ یہ بھی واضح رہے۔ کہ قرآن میں ایک خاص مہینہ شہر الحرام نہیں مانا گیا۔ بلکہ سارے مہینوں کو ایک سا قابل ادب مانا گیا ہے۔ اور کسی مہینے میں بھی بُرا کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس لئے حرمت والے مہینے کی خصوصیت کا تقاضا دوسرے فریق کا دعویٰ ہے آنحضرت کا نہیں۔

۹- آیت ۲۱۸ میں کہا ہے۔ کہ حق کو قبول کرنے والے اور راہِ حق میں ہجرت کرنے والے اور جہاد کرنے والے لوگ ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ یہاں صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ حق کو قبول کرنے پر مخالفتوں اور اذیتوں کی وجہ سے ہجرت کریں۔ اور جہاد کریں ان پر خدا کی رحمت ہوگی۔ اس میں مشنری سپرٹ کا تقاضا یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ سچے لوگ اذیتیں ملنے پر اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ رہائش اختیار کرلیں۔ خود ان سے مقابلہ پر فساد نہ کریں۔ ہاجرو کے آگے جاھدو لفظ جدوجہد کرنے کے معنے میں ہے۔ اور یہ بتانا ہے۔ کہ اذیتیں ملنے پر ہجرت کریں۔ اور باوجود بے وطن ہونے کے بھی کوشش برابر کرتے رہیں۔ تو وہ بلاشبہ رحمت الٰہی کے مستحق ہیں۔ اگر ہجرت اور موہومہ جہاد کے دو فرض بتائے جاتے۔ تو یہ دونوں ناقابل عمل ہوتے۔ ایک ساتھ یہ دو رہ ہی نہیں سکتے۔ اور دو باہم مخالف حکم ایک ہی وقت میں کسی عالم سے مل نہیں سکتے۔ غرضیکہ آنحضرت اشاعت حق کے لئے ہر حالت میں جدوجہد باہمت اور ایثار کرنے کے حق میں ہیں۔ کشت و خون والے جہاد کے حق میں نہیں۔

۲۷۷- شراب اور جوا

آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوا کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے۔ مگر نقصان فائدے سے زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں بحیثیت مجموعی نقصان رساں ہیں۔ فائدہ تو کسی بیماری میں شراب کی قلیل مقدار سے ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں تو زہر بھی دوائیوں کا کام خاص بڑے بڑے مرضوں میں دیتی ہیں۔ شراب پلا کر مختلف طریق سے لوگ اپنے کام بھی نکال لیتے ہیں۔ تھوڑی سی برانڈی خاص قسم کے مریضوں کو بڑی بڑی نازک حالت میں فائدہ پہنچاتی ہے۔ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے روپیہ کما لیتا ہے۔ لیکن شراب سے عقل کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور شراب اور جوئے دونوں سے بڑے بڑے گھر برباد ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ صرف شرابی اور جواری خود ان کے بچے ان کی بیوی اور دیگر متعلقین ہر طرح کی ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ روپیہ زیور پارچہ سامان مکان سب کچھ ان بری عادتوں میں مبتلا لوگ برباد کرتے اور عقل و دماغ پر برا اثر پڑنے سے سنبھلنے کے ناقابل ہو کر آخر بھیک مانگتے دیکھے جاتے ہیں۔ ان نقصانوں کے مقابلے پر ان کے فائدے کسی شمار قطار میں نہیں۔

۲۷۸- عیسائی مذہب اور شراب

بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے وید اور منوسمرتی اور عیسائی مذہب کے متعلق مے نوشی کے جواز کا الزام لگایا گیا ہے۔ حالانکہ درحقیقت شراب اور جوا

عموماً تمام مذاہب میں ممنوع ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ

" عیسائیت نے حد ہی کر دی۔ کہ مذہب کی بنیاد ہی گویا شراب پر رکھ دی۔ انجیل یوحنا میں حضرت مسیح کا سب سے پہلا معجزہ ایک شادی میں پانی کے مٹکوں کو شراب میں بدل دینا تھا۔ یہ گویا آئندہ کی خبر تھی۔ کہ یہ قوم پانی کی جگہ شراب پیئے گی۔ پھر یہ لکھا ہے۔ کہ کوئی شخص عیسائی نہیں رہ سکتا۔ جب تک سال بھر میں ایک دفعہ شراب نہ پیئے۔ کیونکہ عہد فسح میں شراب جزو لازم ہے۔ بلکہ اسی شراب کے گھونٹ کو مسیح کے خون کا قائمقام قرار دے کر اتحاد عیسائیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے" ہماری رائے میں ان الفاظ میں عیسائیت سے بے انصافی کی گئی ہے۔ کیونکہ عیسائی کتب مقدسہ سے شراب کی ممانعت کے بڑے بڑے ثبوت ملتے ہیں۔ اور جو ثبوت بیان القرآن نے دیئے ہیں۔ ان کی تعبیر ایسی ہو سکتی ہے۔ کہ مفہوم یہی اور نکلے یا کم سے کم عیسائیت سے جواز شراب کی ذمہ داری دور ہو۔ (قاضیوں ۱۳/۴) منوحہ کی بیوی کو فرشتہ نے لڑکے کی بشارت دے کر کہا۔ سو اب خبردار رہو۔ اور مئے یا نشے کی کوئی چیز نہ پیجیو۔ امثال سلیمان ۲/۲۰) مئے مسخرہ بناتی ہے۔ اور مست کرنے والی ہر ایک چیز غضب آلود کرتی ہے جو ان کا فریب کھاتا ہے۔ وہ دانشمند نہیں ہے۔ (امثال سلیمان ۱/۲۰ و ۲۱) تم ان لوگوں میں شامل مت ہو۔ جو مے خوار ہیں۔ ورنہ ان میں جو اپنے جسم کو شہوت سے رسوا کرتے ہیں۔ کہ دے جو شرابی اور اوباش ہیں۔ کنگال ہو جائیں گے۔ اور نیند انہیں چیتھڑے پہنائے گی۔ (امثال سلیمان ۲۳/۳۵-۲۶ میں شراب نوشی کے عادی کو افسوس۔ غم۔ لڑائی یا وہ گوئی کا شکار بے سبب گھائل کہا ہے۔ اور شراب کو سانپ کی طرح کاٹنے اور بچھو کی طرح ڈنگ مارنے والا کہا ہے۔ (امثال ۳۱/۴) بادشاہوں کو میخواری زیبا نہیں۔ اور نشے والی چیزیں شہزادوں کے لائق نہیں۔ نہ ہو کہ پیویں اور شریعت کو بھلا دیں اور مظلوموں میں سے کسی کا انصاف کرتے ہوئے بھٹک جاویں۔ (یرمیاہ ۳۵/۱-۷) میں نے مے سے بھرے ہوئے قدح اور پیالے ریکابیوں کے گھرانے کے بیٹوں کے آگے دھرے اور ان سے کہا۔ کہ مے پیو۔ پر انہوں نے کہا۔ کہ ہم مے نہ پیئیں گے۔ کیونکہ ہمارا باپ یونذب بن ریکاب نے یہ کہہ کے ہم کو حکم دیا۔ کہ تم مئے نہ پینا۔ نہ تم نہ تمہارے بیٹے ہمیشہ تک (حبقوق ۲/۱۵) اس پر واویلا ہے۔ جو اپنے ہمسائے کو مے پلاتا ہے (افسو ۵) اور شراب پی کر متوالے نہ ہو۔ کیونکہ اس سے بدچلنی واقعہ ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ محض اپنے عقیدہ یا مذہب کی فضیلت جتانے کے لئے دوسرے مذہب سے بے انصافی کرنا مذہب کی اصل غرض کو نقصان پہنچاتا ہے۔ چنانچہ موجودہ حالت میں عیسائیت کو جواز شراب کے حق میں بتانا یہی نتیجہ لا سکتا ہے۔ کہ بعض شراب نوشوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور جس قرآن کی فضیلت جتائی جاتی ہے۔ اس کی تعلیم کے خلاف عملی انحراف کرنے کے لئے انہیں جرأت ہو۔ اس لئے ہمیں انجیل سے بھی ثبوت پیش کرنا پڑا۔

۲۷۹ ۔ ویدک دھرم اور شراب

قرآن میں جو شراب اور جوئے کی ممانعت ہے۔ وہ قدیم کتاب یا شریعت کی ہی تصدیق ہے۔ قرآن کا دعوےٰ ہی یہ ہے۔ کہ وہ قدیم قرآن کی صداقتوں کی ہدایت دیتا ہے۔ بائبل بھی یہی کہتی ہے۔ کہ مے نوشی سے شریعت بھول جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس ممانعت کے لئے قدیم شریعت قابل تعریف ہے۔ یا بعد کے لوگ جو اس شریعت کے فیضان سے نیک و بد کو سمجھ کر اصلاح کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یقیناً سب

ے اوّل شراب اور جوئے کی ممانعت وید نے کی اور اسے حکم الٰہی سمجھ کر بعد کے ریفارمر اس کی تائید کرتے آئے۔ لہٰذا بیان القرآن کے یہ لفظ کسی صداقت معقولیت یا دوراندیشی پر مبنی نہیں۔ کہ " ہندوؤں میں بھی شراب کا استعمال کتب مقدسہ کی بناء پر جائز مانا گیا ہے۔ یجروید میں جو چیزیں دیوتاؤں کو پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک شراب بھی ہے۔ منوسمرتی میں ہے۔ کہ ماس اور شراب ان دونوں کے کھانے میں کچھ دوش نہیں" منوسمرتی سے ہی یہ ثابت ہے۔ کہ بعض مذہبی تیوہاروں میں شراب پینے میں کوئی دوش نہیں" بغیر دلیل یا ثبوت کے یہ الفاظ لکھ کر ویدک دھرم سے ہی بے انصافی نہیں کی گئی۔ عداعتدال سے متجاوز تعصب کا ثبوت دے کر راقم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا ہے۔ وید منوسمرتی وغیرہ میں تو شراب کی وہ مذمت ہے۔ کہ باید و شاید۔ سنسکرت گرنتھوں میں سے حوالہ جات قلمبند کئے جائیں۔ تو بڑی ضخیم کتاب میں بھی نہ سمائیں۔ لہٰذا بطور نمونہ وید و منوسمرتی کا ایک آدھ حوالہ دے دینا بیان القرآن کے بے ثبوت دعوے کے لئے کافی ہے۔ اتھروید کانڈ ۶۔ سوکت ۷۰ منتر ۱

यथां मांसं यथा सुरा यथाक्षा आधिदेवने । ७
यथा पुंसो बृष रायत स्त्रियां निहन्यते मनः
एवा ते अघ्न्ये मनोधि वत्से नि हन्यताम् ॥ १ ॥

جیسے ماس جیسے شراب جیسے جوا (پرائی اپرائی سے داؤ لگانا) اور جیسے زنا سے من ہنن ہوتا ہے۔ ایسے ہی تیرا من بھی پرپرش میں ہنن ہوتا ہے" گویا ایک ہی منتر صرف شراب ہی نہیں۔ گوشت خوری جوا زنا سب کی تاویل تردید کرتا ہے۔ اسی ہدایت کو منودھرم شاستر ادھیائے ۷ شلوک ۵۰ میں بیان کرتا ہے۔

पानमक्षाः स्त्रियश्चैव मृगया च यथा क्रमम् ।
एतत्कष्टतमं विद्याच्चतुष्कं कामजे गणे ॥ ५० ॥

نشہ پینا جوا کھیلنا زنا شکار کھیلنا یہ چاروں کام سے پیدا ہونے والی خرابیاں ایک سے ایک بڑھ کر کھدائی ہیں۔ منو ادھیائے ۲ شلوک ۱۷۷ میں کہا ہے۔

वर्जयेन्मधु मांसं च गन्धं माल्यं रसान् स्त्रियः ।
शुक्तानि यानि सर्वाणि प्राणिनां चैव हिंसनम् ॥ १७७ ॥

ان چیزوں کو چھوڑ دیوے۔ شراب گوشت خوشبو۔ مالیہ۔ اچھے میٹھے رس۔ استری (سرکا وغیرہ) جو بڑی چیزیں ہیں اور پرانیوں کی ہنسا
رگوید ۸۔۲۔۱۲ میں ہے۔

हृत्सु पीतासो युध्यन्ते दुर्मदासो न सुरायाम् । ऊधर्न नग्ना जरन्ते ॥

بڑے شراب خور بدمستوں کی طرح لڑتے ہیں۔ اور رات کو ننگوں کی طرح شور اور بکواس کرتے ہیں وغیرہ

۲۸۰۔ یتیموں سے سلوک

آیت ۲۲۰ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ یتیموں کی بہتری ہی سب کو مدنظر رہے۔ جتے اکہ انہیں اہل قبیلہ کی طرح ملا جلا رکھا جاوے۔ بطور اپنے بھائی یا ممبر قبیلہ کے۔ ان کو سوسائٹی کے لوگ جتنا بھی علیحدہ رکھتے

ہیں۔ اتنا ہی ان کے دل کے اندر اپنی یتیمی بے بسی اور حقیر سمجھا جانے کا خیال بنا رہتا ہے۔ جو ان کو ترقی نہیں کرنے دیتا۔ اس لئے قرآن ان سے بھائی بندوں کا سا سلوک کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ خیال دلاتا ہے۔ کہ ان سے نفرت نہ کرو۔ بلکہ خدا کا شکریہ ادا کرو۔ کہ اس نے تمہیں اس مصیبت میں نہیں ڈالا۔ اور اس شکریہ میں ان سے حسن سلوک بھی ہے سورۃ النساء میں یتیم لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے۔ کہ ان کے مال خورد برد نہ کرو۔ بُرے مالوں کو ان کے اچھے مالوں سے خلط ملط کر کے بدلو۔ اور ساتھ ہی کہا ہے۔ کہ اگر یتیم لڑکیوں کو برابری کا درجہ دینے کی ہمت نہ ہو۔ تو ان سے نکاح نہ کرو۔ خواہ دوسری دو دو۔ تین تین چار چار۔ اپنی حسب پسند عورتوں سے شادی کر لو۔ گویا یتیم لڑکی سے شادی کر کے اسے مساوی درجہ نہ دینا اتنا بڑا گناہ ہے۔ کہ دو تین اور چار دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے گناہ سے بھی بڑا ہے۔

۲۸۰- نکاح میں بھی ایمان کی شرط

قرآن ان آیات میں الہامی علم کی عظمت کا احساس کرانے کے علاوہ اس کی اشاعت کے لئے اہلِ ایمان کو ہر ممکن طریقہ استعمال میں لانے کی ہدایت کرتا ہے۔ عالمگیر اتحاد یا کل انسانوں کی ایک اُمت۔ عالمگیر سچائیوں کا علم۔ معجزہ وغیرہ ناممکنات سے اجتناب۔ علم یا الہام الٰہی کی تبلیغ استقلال بھری جدوجہد۔ راہِ حق میں مالی امداد۔ حق و باطل کے فیصلے کے لئے مذہبی مباحثے۔ شراب جُوا وغیرہ خرابیوں سے بچنا اور ان ... خرچ نہ کرنا۔ کا بیان کر کے اخیر میں نکاح کے متعلق بھی یہی رائے دیتا ہے۔ کہ اس میں ایمان کو خصوصی درجہ دیا جاوے۔ ویدک دھرم میں شادی کے لئے صفات اعمال اور عادات کی مطابقت پر ہی شادی کا انحصار ہے۔ نیک ایماندار انسان کا بری عورت سے یا نیک عورت کا بُرے آدمی سے وواہ ہونا جائز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قرآن ہدایت دیتا ہے۔ کہ کوئی مومن مرد مشرک عورت سے نکاح نہ کرے۔ اور نہ مومنہ مشرک مرد سے۔ کہا ہے۔ خواہ مشرک عورت تمہیں کتنی بھی پیاری اور اچھی لگے۔ اس سے نکاح نہ کرو۔ مومن لونڈی اچھی پر مشرک آزاد عورت بُری۔ ایسے ہی مشرک مرد کی نسبت۔ ایک مومن غلام عورت کے لئے اچھا ہے۔ یہ ہے اس توحید کا جذبہ جس کی اشاعت ہر امر میں حتیٰ کہ نکاح میں بھی سب سے مقدم سمجھی گئی ہے۔ واقعی آج کل کے نکاح یا بیاہ جو صورت شکل دولت یا شہوت پرستی کے زیر اثر نکاح ہوتے ہیں۔ قرآن کے آدرش کے خلاف ہیں۔ وید میں ایشور و وید کے نندک ناستک کو برادری و دیش سے خارج مانا گیا ہے۔ ایشور کے نہ ماننے والے سے نکاح کیا۔ ہر قسم کا ویوہار ممنوع مانا گیا ہے۔ منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۶ و ۷ میں ہدایت ہے۔ کہ چاہے کتنی بھی دولت اجناس گائے۔ بکری۔ ہاتھی۔ گھوڑے حکومت وغیرہ سے مالا مال خاندان ہو۔ تو بھی اگر نیک عملوں سے گرا ہوا۔ نیک اور خدا پرست وید کے عامل وغیرہ وغیرہ انسانوں سے محروم ہو۔ تو اس کے لڑکے یا لڑکوں سے شادی نہ کرے۔ ایسے ہی ادھیائے ۹ شلوک ۸۹ میں ہدایت ہے۔ کہ خواہ لڑکا لڑکی عمر بھر مجرد رہنا منظور کریں۔ مگر وصف عمل اور فطرت باہم مخالف ہوں تو بیاہ نہ کریں۔ چونکہ مرد عورت میں سے ایک موحد ہو۔ اور دوسرا مشرک۔ تو ان کے باہمی اختلافات سے گھر دوزخ کا نمونہ بن سکتا ہے۔ اس لئے ایسا بے میل نکاح واقعی ممنوع ہونا چاہیئے۔

آیت کے آخری الفاظ کہ مشرک دوزخ کی طرف بلاتا ہے۔ اور اللہ جنت کی طرف۔ واقعی وزندار ہیں۔

مشرک کی صحبت دہریہ پن اور دہریہ پن نیک عملوں سے بے پرواہی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بے پرواہی گناہوں اور دکھوں کا موجب ہے۔ اور یہی دکھ دوزخ ہیں۔ برخلاف اس کے خدا کی سچی توحید سچے علم اور نیک عمل کی نعمت دیتی ہے۔ اور اس علم اور عمل کے نتیجے میں جنت یا نجات دلاتی ہے۔

۲۸۱۔ جنسی تعلقات

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ
وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَ
كُمُ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ① نِسَآؤُكُمْ ۲۲۲
حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ② وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ ۲۲۳
عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ③ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ ۲۲۴
بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ④ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ۲۲۵
تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ج فَإِنْ فَآءُو فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤ وَإِنْ ۲۲۶
عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⑥ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ ۲۲۷
بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ

بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۞ ۲۲۸

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۞ ۲۲۹

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۞ ۲۳۰

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۞ ۲۳۱

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝١ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۲۳۲
لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ
وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ
تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝٢ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۲۳۳
يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ۝٣ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ ۲۳۴
أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُو
هُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ

۲۳۵ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۴ ع

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ
فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا
۲۳۶ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْ
هُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ
اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ
۲۳۷ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲ حَافِظُوْا عَلَى
۲۳۸ الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝۳ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا
۲۳۹ اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۴
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ
۲۴۰ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۵ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
۲۴۱ ۲۴۲ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۶ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷ ع ۱۵

تم سے حیض کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ کہدو کہ وہ ناپاکی ہے۔ لہذا ایام حیض میں ان سے الگ رہو۔ اور تاوقتیکہ وہ پاک نہ ہولیں۔ ان سے صحبت نہ کرو۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں۔ ان کے پاس اس طریق سے جاؤ۔ جس کا کہ خدا نے حکم دے رکھا ہے۔ تحقیق اللہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ۱۔ تمہاری بیویاں مثل تمہاری کھیتی کے ہیں۔ پس اپنی کھیتی میں اس طریق سے جاؤ۔ جو تمہارے لئے شایاں ہے۔ اور اپنے لئے

آئندہ (عاقبت) کا بھی بندوبست کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان رکھو۔ کہ تم نے اسی کے حضور میں جانا ہے
پس بشارت ہے مومنوں کے لئے۔ ۲۔ اپنی قسموں سے اللہ کو اس امر میں مانع نہ بناؤ۔ کہ نیکی کرو۔ اور پرہیزگار رہو۔ اور
انسانوں میں صلح کراؤ۔ اللہ ہر بات کو سنتا اور جانتا ہے۔ ۳۔ اللہ تم پر تمہاری لغو یا بیہودہ قسموں کے متعلق مواخذہ
نہیں کرتا۔ ہاں اس کمائی پر تم سے مواخذہ کرتا ہے۔ جو تمہارے دل نے کی ہے بے شک اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے۔ ۴۔
جو لوگ اپنی عورتوں کے متعلق قسم کھا بیٹھیں۔ سو اگر وہ ارادے سے باز آجائیں۔ تو بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے
۵۔ اور اگر طلاق کا مصمم ارادہ ہو۔ تو بھی اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۶۔ مطلقہ عورتیں تین حیض کی میعاد تک رکی
رہیں۔ اور اگر ان کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے۔ تو جو کچھ خدا نے ان کے رحموں میں پیدا کر رکھا ہے۔ اُسے چھپائیں
نہیں۔ اگر اس عرصہ میں خاوند کی خواہش صلح کی ہو جاوے۔ تو اس کا حق زیادہ ہے۔ اور جیسے عورتوں پر مردوں کا حق
ہے۔ ویسے ہی شرعی طور پر ان کا مردوں پر حق ہے۔ ہاں مردوں کا ان پر درجہ فائق ہے۔ ۷۔ طلاق دو دفعہ ہو چکا ہو۔
تو دو میں سے کوئی سا طریق اختیار کیا جاوے یا تو بدستور رکھ لیا جاوے یا بہ طریق احسن رخصت کیا جاوے۔ مگر
تمہارے لئے یہ حلال نہیں۔ کہ جو کچھ دے چکے اس میں سے کچھ واپس لو۔ سوائے اس کے کہ اندیشہ ہو۔ کہ میاں بیوی اللہ
کے باندھے ہوئے قاعدوں پر عمل نہیں کر سکیں گے۔ سو ایسی صورت ہو تو ان پر اس میں کچھ گناہ نہیں۔ کہ عورت فدیہ دیدے
یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ پس ان سے تجاوز مت کرو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں۔ وہی ظالم ہیں۔ ۱۔
پھر اگر طلاق ہی دی جاوے۔ تو وہ اس پر حلال نہیں رہتی۔ حتےٰ کہ بذریعہ نکاح غیر کی زوجہ بن جاتی ہے۔ اب تو وہ
دنیا خاوند بھی طلاق دے۔ تو اس کے پہلے خاوند کی طرف رجوع کر لینے میں گناہ نہیں بشرطیکہ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں
پر قائم رہ سکنے کی امید ہو۔ اور یہ حدیں اللہ سمجھداروں کے لئے بیان فرماتا ہے۔ ۲۔ پس جو طلاق دے دیوے۔ اور میعاد
پوری ہونے کو آوے۔ تو یا تو بدستور اسے زوجیت میں رکھے۔ یا اس کو شریفانہ طریق پر وداع کرے۔ مگر ان کو اس لئے نہ
روکے۔ کہ ان کو نقصان پہنچائے۔ یا ان پر زیادتی کرے۔ اور جو ایسا کریگا۔ کچھ اپنا ہی کھوئیگا۔ پس اللہ کے حکموں کو دل
لگی نہ سمجھو۔ ہاں اس نے تم پر جو عنایتیں کی ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ اور بالخصوص یہ کہ اس نے تم پر علمی کتاب اور حکمت ظاہر
کی۔ کہ تمہیں اس سے نصیحت ملے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ اور یاد رکھو۔ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ۳۔ اور جب تم عورتوں
کو طلاق دے چکو۔ اور ان کی میعاد پوری ہو جائے۔ تو تم ان کو اس بات سے نہ روکو۔ کہ وہ شرعی طور پر باہمی رضامندی
سے اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔ یہ ہدایت اس کے لئے ہے۔ جو تم میں سے اللہ اور آخرت کو مانتا ہے۔ نیز
یہ تمہارے لئے عقل اور پاکیزگی کی بات ہے۔ جو اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔ ۱۔ اور اگر کوئی شخص
بعد میں پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ تو اس کی خاطر مائیں پورے دو سال تک انہیں دودھ پلائیں۔ اور
باپ کا فرض ہے۔ کہ حسب دستور ماؤں کے نان نفقے کا انتظام رکھے۔ کسی پر بوجھ نہ پڑنا چاہئے۔ سوائے اس کے جو
اس کی طاقت کے مطابق ہے۔ نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے
تکلیف دی جاوے۔ اور وارث پر بھی ویسی ہی ذمہ واری ہے۔ (جیسی کہ نان نفقے کی باپ پر ہے۔) ہاں دونوں
فریق باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں۔ تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا تھا۔ مناسب
طریق سے پورا ادا کر دو۔ اور اللہ کا تقویٰ رکھو۔ اور جان لو۔ کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۲۔

تم میں جو لوگ فوت ہو جاویں۔ ان کی بیویاں چار ماہ اور دس یوم تک اپنے تئیں روکے رکھیں۔ اس میعاد کے بعد وہ اپنے لئے جو کچھ کریں۔ اس کے متعلق تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو تم کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ ۳۔ ایسا ہی تم اگر کسی بات کی آڑ میں ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو۔ یا اس امر کو اپنے دل میں چھپائے رکھو۔ تو اس کے لئے بھی تم پر الزام نہیں آسکتا۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ تم کو ان کا خیال آئیگا۔ مگر ان سے نکاح کا فیصلہ خفیہ طور پر نہ کرو۔ ہاں ان سے مناسب بات کہہ دو۔ اور جب تک شرعی میعاد گذر نہ لے۔ عقد نکاح کی بات کو پختہ نہ کرو۔ اور جان لو۔ کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ پس اس سے حذر کرو۔ اور جانتے رہو۔ کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔

۴۔ تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر تم ایسی عورت کو طلاق دے دو۔ جس سے تم چھوئے تک نہیں۔ اور نہ جس کا مہر مقرر کیا ہے ہاں ان کو کچھ سامان دے دو۔ صاحب حیثیت ہو تو اپنی حیثیت کے موافق اور غریب ہو تو اپنا قدر دیکھ کر۔ اہل مروت پر یہ بھی ایک حق ہی ہے۔ ا۔ اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو۔ مگر تعلق نہ ہوا ہو۔ تو مقررہ کا نصف دینا ہوگا۔ سوائے اس صورت کے کہ عورت اپنا حق چھوڑ دے۔ یا مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ مگر تم معاف کرو۔ تو یہ پرہیزگاری کے لحاظ سے موزوں تر ہے۔ غرضیکہ باہمی شرافت کو کبھی نہ چھوڑو۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔

۲۔ اپنی عبادتوں خاص کر سندھیا والی نماز کی حفاظت کرو۔ اور اللہ کی فرمانبرداری میں مستعد رہو۔ ۳۔ لیکن خطرہ کی حالت میں پیدل یا سوار جیسے بھی ہو۔ نماز پڑھ لو۔ بعد میں جب حالت پرسکون ہو جاوے۔ تب اس طریق پر اللہ کی یاد کرو۔ جو تمہیں اللہ نے لاعلمی کی صورت میں سکھایا ہے۔ ۴۔ جو لوگ تم میں سے بیویاں چھوڑ مریں۔ وہ ایک سال تک کے ان کے گذارے اور نکالے نہ جانے کی وصیت کر جائیں۔ لیکن اگر عورتیں گھر سے خود چلی جائیں۔ تو جو بھی اپنے لئے عمل معروف وہ کریں۔ اس کے متعلق تم پر کچھ الزام نہیں۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ۵۔ اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریق پر مال دینا متقی لوگوں پر ایک حق ہے۔ ۶۔ غرضیکہ اللہ اپنے احکام واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تمہیں سمجھ آجائے۔

۲۸۲- حیض

آیت ۲۲۲ میں حیض کو ناپاکی کہا ہے۔ اور حالت حیض میں عورت سے ہمبستری کی ممانعت ہے۔ اور حیض سے پاک ہو کر غسل کر چکنے کے بعد صحبت کی اجازت دی ہے۔ اور اس پر بھی یہ پابندی ہے۔ کہ صحبت اس طریق پر ہو۔ جو خدا کا فرمودہ ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ اللہ کے پیارے وہی ہیں جو اس کے حکم کی طرف ہی رجوع رکھتے اور پاک رہتے ہیں۔ یہی بات ستیارتھ پرکاش اور سنسکار ودھی میں سوامی دیانند نے لکھی ہے۔ کہ گربھادھان جب ہو۔ کہ عورت رجسولا ہو کر پاک ہو چکے۔ منوسمرتی ادھیائے ۴ شلوک ۴۰ و ۴۱ میں اس امر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

नोपगच्छेत्प्रमत्तोऽपि स्त्रियमार्तवदर्शने।
समानशयने चैव न शयति तया सह ॥ ४० ॥
रजसाभिप्लुतां नारीं नरस्य ह्युपगच्छतः ।
प्रज्ञा तेजो बलं चक्षुरायुश्चैव प्रहीयते ॥ ४१ ॥

مطلب یہ کہ صحبت کا خواہشمند آدمی حیض والی عورت کے پاس نہ جاوے۔ اور اس کے ساتھ براز بچھونے پر بھی نہ ہووے۔ حائضہ کے پاس جائیگا۔ تو عقل۔ تیج آنکھ اور عمر نشٹ ہو گی۔

ایک مفسر صاحب محض جماع کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور مہمل سا حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے مجامعت کے سوا سب کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور یہود میں جو یہ رواج تھا۔ کہ حائضہ کو علیحدہ مکان میں رکھتے اس کو سخت ناپاک سمجھ کر اس کے ہاتھ کا نہ کھاتے۔ اور کھانے پینے کی چیز کو اسے چھونے نہ دیتے۔ یہ بیہودہ رسم ہے۔ لیکن یہ استدلال صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ منو کا حوالہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ اور قرآن میں حکم ہے۔ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ اس سے محض جماع کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ قربت کی مناہی سے ان سے تمام ضروری امور میں پرہیز کرنا مطلوب ہے۔ ورنہ لفظ ہوتا لَا بَاشِرُوْهُنَّ۔ یعنی ان سے مباشرت نہ کرو۔

۲۸۲۔ طریق مباشرت

اسی آیت کے یہ الفاظ بڑے معرکے کے ہیں۔ " فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ " ترجمان القرآن اسے ان الفاظ میں ادا کرتا ہے " اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے۔ اسی کے مطابق ہونی چاہئے۔ (اس کے علاوہ کسی دوسری خلاف فطرت بات کا خیال نہ کرو) سرسید صاحب لکھتے ہیں " ان کے پاس جاؤ۔ جس طرح کہ خدا نے تم کو حکم کیا ہے " غرایب القرآن میں ہے " جدھر سے اللہ نے تم کو بتایا ہے۔ ان کے پاس آؤ " اسی طرح ایک اور تفسیر میں ہے " ان کے پاس جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ آؤ " مگر ان میں سے کوئی بھی ترجمہ کوئی خاص مفہوم پیش نہیں کرتا۔ اللہ نے جو بات جس طرح ٹھہرا دی۔ اسی طرح ہونی چاہئے۔ اس پر سوال ہے۔ کہ مباشرت کس طرح پر خدا نے ٹھہرائی ہے۔ اس کا جواب ندارد ہے۔ لہذا طریق مباشرت نامعلوم ہے۔ سرسید صاحب نے ترجمہ تو ٹھیک کیا۔ مگر اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ کہ خدا نے کس طرح مباشرت کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے ترجموں میں بھی واضح نہیں کیا۔ کہ کدھر سے ان کے پاس آنے کو خدا نے بتایا ہے۔ یا کہاں سے اُن کے پاس آنے کو حکم دیا ہے۔ اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس کو بتایا یا حکم دیا ہے۔ ورنہ اس سے پوچھ لیتے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ آنحضرت ہر اصول کی حقیقت یا اس پر عمل کے طریق کو قدیم ویدک دہرم سے مخصوص کرتے ہیں۔ خدا نے الہام وید میں جو طریق بتایا۔ یا وید کے مدعا کو مدنظر رکھ کر جو کسی رشیوں نے کوئی وہی بتائی۔ اور وید وغیرہ سچے شاستروں کے مطابق جو عمل ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ان کی طرف ہی لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔ اور اس مدعا سے کہیں حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ لکھتے ہیں۔ کہیں بالمعروف کہیں اَنّٰی شِئْتُمْ وغیرہ۔ گویا طریق عمل کو جہاں مشہور اور معلوم سمجھا ہے۔ وہاں اس کا خود بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ یا اتنا کہنا کافی سمجھ کر یقین کر لیا ہے۔ کہ یہ قدیم مذہبی کتب وغیرہ سے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جیسا اللہ کا حکم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آغاز عالم سے اس کی ایک خاص ہدایت لوگوں کے علم میں آئی ہوئی ہے۔ بالمعروف کے معنے بھی مشہور۔ پہچانا ہوا۔ بھلا۔ مشروع۔ خدا کا حکم وغیرہ۔ ایسا ہی شِئْتُمْ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ جو اہل ایمان کے لئے شایاں ہے۔ اور وہ محض خدا کے حکم کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ پس قرآن ہر عمل کے طریق کے لئے قدیم دہرم کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ طریق معروف ہے کیا۔ اس کا جواب وید و منوسمرتی کے حوالہ جات معہ ترجمہ کے دینے پر بڑا طویل ہوگا۔ اس لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ وید نے جیسے اور تمام علوم پر روشنی ڈالی ویسے ہی عورت مرد کے جنسی تعلقات اور طریق مباشرت کو بھی نہایت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ منوسمرتی نے اس کی اور بھی توضیح

کی ہے۔ اور سوامی دیانند نے اپنی کتب میں کئی جگہ اس کا بیان کیا ہے۔ چنانچہ خلاصہ اس طریق مباشرت کے متعلق بیان دیا جاتا ہے۔

۱- عورت و مرد کی عمر و صحت وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے رتو کال میں ہی صحبت ہو۔

۲- اپنے خاوند اور اپنی بیوی کے بغیر کوئی عورت یا مرد کسی غیر سے مباشرت نہ کرے۔ ۳- اولاد کی پیدائش کی مقدم غرض سے ہی یہ مباشرت ہو۔ ۴- حیض کے ظاہر ہونے سے ۱۶ دن صحبت کا عرصہ ہے۔ ۵- حیض کے چار دن صحبت ہی ممنوع نہیں۔ عورت سے چھونا اور اس کے ہاتھ سے لے کر کھانا بھی ممنوع ہے۔ ۶- گیارھویں اور تیرھویں یہ دو راتیں ہی ممنوع ہیں۔ باقی ماندہ دس راتوں میں استقرار حمل ہونا چاہئے۔ ۷- بیٹا چاہنے والے چھٹی آٹھویں۔ دسویں بارھویں۔ چودھویں اور سولھویں رات میں صحبت کریں۔ اور بیٹی کے خواہشمند پانچویں۔ ساتویں۔ نویں اور پندرھویں رات میں (۸) صحبت کا وقت پہر رات گئی کے بعد اور پہر رات رہی تک۔ ۹ جس رات سماگم ہونا ہو۔ اس سے پہلے دن گربھادان سنسکار ہو۔ ۱۰- رات کو سماگم ہونے پر ویرج کے رحم میں گرنے کے وقت عورت مرد دونوں بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سب۔ صاجسم رکھیں مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے عورت اپان وایو کو اوپر کھینچے وغیرہ ۱۱- ۲۵ سال میعاد خانہ داری میں دس اولاد پیدا کرے۔ یعنی دس بار ہی عورت سے ہم صحبت ہو۔ پس قرآن خدا کے فرمودہ طریق کا اشارہ کرنے میں حق بجانب ہے۔

۲۸۳ عورت تمہاری کھیتی ہے

آیت نمبر ۲۲۳ میں اللہ کے حکم دیئے گئے طریق کی بجائے شِئْتُمْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عورت کو کھیتی کہا گیا ہے۔ اور اَنّٰی شِئْتُمْ کے لفظ سے یہ ہدایت دی ہے۔ کہ جب جہاں اور جس طرح شایاں ہو۔ گویا مباشرت کے لئے وقت مکان اور طریق سب کے لئے حکم الٰہی کا خیال دلایا گیا ہے۔ دوسری بڑی بات یہ ہے۔ کہ عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی وید کا طریق بیان ہے۔ جو کہیں سورج کو زمین میں کرن روپی نطفہ ڈالنے والا کہتا ہے۔ کہیں اوشا میں اور کہیں عورت کو زمین کہیں کھیتی کہتا ہے۔ اسی کی تقلید میں منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۳۳ میں کہا گیا ہے۔

क्षेत्रभूता स्मृता नारी बीज भूतः स्मृता पुमान ।

क्षेत्र बीज समायो गात्सं भवः सर्वदे हिनाम् ॥

عورت بمنزلہ کھیت اور مرد بمنزلہ بیج ہے۔ لہذا کھیت اور بیج کے ملنے سے تمام جسموں کی پیدائش ہوتی ہے۔ پس حضرت صاحب کا فرمان بھی موجود ہے۔ اور اللہ کا فرمان یا طریق معروف بھی ظاہر ہے۔

۲۸۴- قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اس کا ترجمہ ایک مفسر صاحب یوں کرتے ہیں ”آگے بھیجا اپنے لئے (یعنی نیکی)“ دوسرے صاحب لکھتے ہیں ”اپنے لئے مستقبل کا سرو سامان کرو (یعنی اولاد کی پیدائش کا سرو سامان کرو)“ تیسرے صاحب لکھتے ہیں ”اپنے لئے آئندہ (یعنی عاقبت) کا بھی بندوبست رکھو۔ اور آئندہ کا بندوبست کرنے سے ایک مطلب تو عاقبت کے تعلق کا بتایا ہے۔ کہ دنیاداری کے کاموں میں اتنے بھی مصروف نہ ہو۔ کہ دین کے کاموں میں لگو غفلت کرتے۔ اور ایک اشارہ اس میں

یہ بتایا جاتا ہے - کہ عورتوں کے ساتھ اس نیت سے ہم بستر ہو۔ کہ خدا اولاد دے۔ اور وہ دنیا میں تمہارے کام آئے - اور خدا ان کو نیکی دے - تو آخرت میں بھی ان کی استغفار وغیرہ سے ماں باپ کو نفع پہنچے - یہ خیال ہو بہو وہی ہے - جو اولاد کے متعلق موجودہ ویدک دھرمیوں میں پایا جاتا ہے - کہ اولاد کے بغیر گتی نہیں ہوتی - ان میں کچھ توہم پرستی آ گئی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں - کہ موت کے بعد بیٹے خاص فعلوں (کریا وغیرہ) سے اچھی گتی کراتے ہیں - بہر حال اپنے نفسوں سے مراد اپنی ذات بھی ہو سکتی ہے - اور اپنی اولاد بھی - اور چونکہ قرآن میں مباشرت کا مقصد اولاد کو ہی ٹھہرایا ہے - روزے کے دنوں میں آیت ۱۸۷ میں مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے بھی یہ شرط لگائی ہے - کہ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی ان سے مباشرت تو کرو - مگر اس مقصد کے لئے جو اللہ نے تم پر مقدر کیا ہے - یعنی پیدائش اولاد - پس نہ یہاں کسی اور نیکی کا تعلق ہو سکتا ہے - نہ عاقبت کے نکتہ نگاہ سے ہی پیدائش اولاد کے علاوہ کوئی اور معنے یہاں موزوں ہو سکتے ہیں -

۲۸۵ - اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی

ہم آیات قرآن پر غور کرتے ہوئے ناقابل بیان خوشی محسوس کرتے ہیں - کہ حضرت محمد صاحب کو نہایت ناموافق حالات میں بھی خدا کے فضل سے ویدک عالمگیر اصولوں کی صداقت کا احساس ہوا - اور وہ نہایت ہی خوش نصیب تھے - کہ انہیں ان اصولوں کی اشاعت کرنے کا بھی خدا نے موقعہ دیا - لیکن ہم حیران ہیں - کہ اس وقت آپ کے ہی پیرو آپ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں - اور جو روشنی آپ کے دل کو منور کر رہی تھی - وہی آریہ سماج کے لئے موجب عذاب بن رہی ہے - بیان القرآن صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے۔

"بائیبل جسے عیسائی دنیا مقدس کتاب کہہ کر اسے تمام دنیا سے منوانا چاہتی ہے - اس کے اندر ایسے مضامین محض فحشوں کے رنگ میں ہیں - کہ جن کو تنہائی میں بھی ایک شخص پڑھ کر شرم سے پسینہ پسینہ ہو جائے - اس تہذیب کے زمانہ میں سوامی دیانند جی نے جو کچھ نیوگ کے بارے میں ستیارتھ پرکاش کے چوتھے باب میں لکھا ہے - اور پھر اسی باب کی دفعہ ۳۴ میں جن خیالات کا اظہار گربھادہان سنسکار کے بیچ کیا ہے - وہ مرد عورت کے تعلقات میں ایسے ننگے الفاظ ہیں جن کو ایک عامی آدمی بھی کسی مہذب مجلس میں ہرگز استعمال نہیں کر سکتا۔"

۲۸۶ - سوامی دیانند اور طریق گربھادہان

اوپر کے الفاظ میں بلا وجہ سوامی دیانند پر حملہ کیا گیا ہے - بلکہ سچ کہا جائے تو حضرت محمد صاحب اور قرآن مجید کی تعلیم کے متعلق غلط فہمی پھیلائی گئی ہے - اگر ان الفاظ کا راقم یہ بتا سکتا - کہ آنحضرت نے طریق مباشرت کے متعلق جس حکم یا امر الٰہی کا بیان فرمایا ہے - وہ یہ ہے جو فلاں کتاب یا فلاں آیت میں لکھا ہے - اور وہ سوامی دیانند کے بیان سے مختلف ہوتا - تو راقم کو حق تھا، دلیل و ثبوت دے کر نکتہ چینی کرتا - مگر حالت یہ ہے - کہ نہ راقم قرآن کی آیت میں بیان شدہ حکم الٰہی کی توضیح کرتا ہے - نہ کوئی طریق خود پیش کرتا ہے - نہ قرآن کے خلاف یہ کہتا ہے - کہ کیوں حکم الٰہی کا اشارہ کیا - نہ یہ تحقیق کر سکتا ہے - کہ اس حکم الٰہی کا پتہ کہاں سے لگ سکتا ہے - ہاں سوامی دیانند نے جو طریق لکھا - اس پر چھٹتے ہی برے ریمارک دیتا ہے - اور اس کے دل میں اس امر کا خیال بھی نہیں آتا - کہ میں طریق مباشرت کا بیان کئے بغیر کس طرح دوسروں کی تکذیب کا مستحق ہوں - بہر حال آنحضرت کا فرمان تو یہ ہے - کہ حکم الٰہی جو تم کو ملا ہوا یا تمہارا جانا ہوا ہے - اس کے مطابق صحبت کرو - وہی صحیح شریعت ہے - اور وہ سوائے وید اور منوسمرتی یا سوامی دیانند کی تحریر کے اور ہو ہی نہیں سکتی - خود بیان القرآن جو کوئی اور ہی پیش نہیں کرتا

یہی شہادت دیتا ہے۔ کہ اس کو اور کوئی طریق آج تک معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ لہذا قرآن نے جس تعلیم کو جاننے کے لئے ہی نہیں۔ اس پر عمل کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔ مولانا صاحب اس پر تاریکی ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن آخر کوئی وجہ؟ اس کے لئے آپ کے یہ لفظ قابل غور ہیں۔ "جن خیالات کا اظہار گر بجاد حان سنکار کے پنچے کیا ہے۔ وہ مرد عورت کے تعلقات میں ایسے ننگے الفاظ ہیں۔ جن کو ایک عامی آدمی بھی کسی مہذب مجلس میں ہرگز استعمال نہیں کر سکتا۔" ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر واقعی کوئی بیان خلاف تہذیب ہو۔ تو ہم آریہ سماج کو اس کے ترک یا اس کی مذمت کرنے کو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ذرا خود بھی تکلیف کر کے بلکہ جتنے بھی اور علماء کو ساتھ ملا سکیں۔ ان سب کی مدد سے راقم صاحب طریق مباشرت کا واضح بیان پیش تو کریں پھر معلوم ہوگا۔ کہ سوامی دیانند یا وید یا منوسمرتی کا بیان تہذیب کے اعلےٰ معراج پر ہے۔ یا آپ کے فتوے کے مطابق قابل مذمت ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ یہ عریانی کی شکایت محض راقم کے تعصب کا ثبوت ہے۔ اور دیدہ و دانستہ موجودہ فرقہ دارانہ مغایرت کی وجہ سے بے انصافی کا مظاہرہ ہے۔ ورنہ وہ کسی اپنی یا پرائی موہومہ تہذیب میں ملبوس کر کے مباشرت کا کوئی بھی طریق نہ لکھ سکے ہیں نہ لکھ سکیں گے۔ آپ خود اسی صفحہ پر فرماتے ہیں "قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ اور اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ تمام حاجات انسانی کے متعلق ضروری ہدایات دیتا۔ انہی میں عورت و مرد کے تعلقات بھی ہیں۔" ہم کہتے ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات میں طریق مباشرت بھی تو کہا ہے۔ اور اس طریق کو آنحضرت آغاز عالم سے ملا ہوا حکم الٰہی اور امر معروف مانتے ہیں۔ اور وہ تمام تہذیب اور اخلاق سکھانے والی کتب میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔ جس طرح سوامی دیانند نے پیش کیا ہے۔ تب قرآن کو کامل کہتے ہوئے آپ اس کی نافرمانی اور تکذیب کیوں کریں؟

جائے غور ہے۔ کہ انسانی جسم کی بناوٹ کے بیان میں ہر ایک عضو کا صاف ذکر ہونا ضروری ہے۔ میڈیکل کالج میں نظام جسم کی تعلیم دینے کے لئے کتابوں میں نقشوں و تصویروں میں اور بورڈوں پر عورت مرد کی شرمگاہوں تک کے متعلق جو بیان اور تصویریں ہیں۔ وہ ننگے الفاظ میں ہیں یا مغلف۔ اور کیا طلبا و طالبات کے مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہونے کے نتائج کے خلاف کبھی مولانا صاحب نے کوئی پروٹسٹ کیا ہے؟ یقیناً یہ اعتراض موجودہ انسانی جماعت کی گراوٹ وغیرہ کا نتیجہ ہے معقولیت پر مبنی نہیں۔ کتے کو ایک شخص خود روٹی کا ٹکڑا پھینکتا ہے تو وہ اس کے سامنے اطمینان سے اسے کھاتا اور اس کے منہ کی طرف دیکھتا ہوا زبانِ حال سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی گھر میں عورت یا مرد کی غیر حاضری میں روٹی چرانے کا موقعہ کتے کو ملے۔ تو وہ جلدی سے بھاگتا اور دور جا کر اور نظر بچا کر اسے کھاتا ہے۔ یہ فرق روٹی میں نہیں کتے کے اندر میں آیا ہے۔ پس سچے علمی اصول واضح کرنے والے الفاظ بھی موجب شرم معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو انسان کی اپنی گناہگار ضمیر اس کی محرک ہے نہ کہ وید یا قرآن کے الفاظ۔

۲۸۷۔ نیوگ

سوامی دیانند نے نیوگ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی آپ کو بہت شکایت ہے۔ لیکن کسی دلیل یا ثبوت کی عدم موجودگی میں خالی دعوے کس کام کا۔ پھر نیوگ اور عقد ثانی و طلاق کی شرح کا خلاصہ محض یہ ہے کہ سوامی دیانند لکھتے ہے۔ کہ عورت اور مرد میں سے ایک فریق مر جائے یا اور طرح سے اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تو دوسرا ایشور کی بھگتی وغیرہ کے لئے وقف ہو جاوے۔ اور اگر جائیداد کے انتظام وغیرہ کی وجہ سے اولاد کی ضرورت ہو تو کسی لائق لڑکے کو متبنےٰ کر لیوے۔ اور اگر ہر طرح سے لاچاری ہو۔ تب نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ نیوگ گویا مجبوری اور مستثنےٰ صورت ہے۔ لہذا کوئی بھی معقول پسند اس پر اعتراض

نہیں کر سکتے۔ قرآن میں ہر امر کے متعلق مستثنےٰ صورت کو نا قابل گرفت یا مواخذہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جب قرآن میں طلاق کا مفصّل بیان موجود ہے۔ تو نیوگ بھی تو اسی ضمن میں آتا ہے۔ طلاق کی صورت میں مرد یا عورت کے حین حیات میں ہی بار بار اور نکاح ہو سکتا ہے۔ اور سوامی دیانند بھی شودروں کے لئے ضرورت ہونے پر پنر نواہ کی ہی اجازت دیتا ہے۔ نیوگ کی نہیں۔ برہمن۔ کشتری اور ویش کے لئے بھی بعض صورتوں میں شادی کی اجازت ہے۔ اور بعض مجبوریوں میں نیوگ کی۔ فرق محض یہ ہے۔ کہ نیوگ میں بیاہے خاوند کے گھر اور خاندان سے تعلق بنا رہتا ہے۔ مگر طلاق کی صورت میں خاوند اور اس کے گھر و خاندان سے بھی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں نیوگ پر اعتراض اور بھی بے وزن ہو جاتا ہے ہمیں افسوس ہے۔ اپنی کتب مقدسہ کا علم یا اس پر غور و فکر نہ ہونے سے لوگ بے بنیاد بیانوں سے جھگڑے۔ اور منافرت پھیلاتے ہیں۔ ورنہ اگر انصاف سے غور کیا جائے۔ تو دونوں طریقوں سے خاص انتظام گرہست کی بہتری کے لئے مقصود ہے۔ کاش کہ قرآن کی تفسیر میں آپ ایسے غیر ذمہ دارانہ ریمارک درج نہ کرتے۔

۲۸۸۔ اَنّٰی شِئۡتُمۡ

آیت ۲۲۳ کے ترجمے میں بعض مفسر کہتے ہیں۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ ان میں جاؤ جدھر سے تم چاہو۔ کوئی کہتا ہے جاؤ جب چاہو کوئی کہتا ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔ مصنف بیان القرآن اس کی تشریح کرتا ہوا ثابت کرتا ہے۔ کہ جب جہاں اور جس طرح تینوں معنے ہو سکتے ہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ یہ تینوں معنے جم غفیر سے ثابت ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر ابن عباس کی شہادت یہ پیش کی ہے۔ کہ جب چاہو رات کو یا دن کو۔ اور اپنے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ہم نے ترجمے میں یہی معنے اختیار کئے ہیں۔ چہ خوب۔ قرآن نے جہاں حکم الٰہی اور طریق معروف کی شرط لگائی۔ وہاں انّٰی شِئۡتُمۡ لفظ کی حقیقت کو نہ سمجھ کر ان دونوں حکموں سے انحراف کیا گیا ہے۔ جب چاہو کا لفظ لکھ کر وقت کی قید اڑائی گئی ہے۔ کہ چاہو رات کو صحبت کرو چاہو دن کو۔ پھر چاہو جدھر سے اور چاہو جس طرف سے آؤ کی اجازت دیکر انتہائی درجہ کی بے لگام شہوت پرستی کی عادت کا موقعہ مہیا کیا گیا ہے۔ لیکن باایں ہمہ الزام اوروں پر دیتے ہیں۔ کہ نجاست پسند لوگ خواہ مخواہ اس مضمون کو محل اعتراض بناتے ہیں۔ کاش کہ راقم خود سوچتا کہ "جب چاہو" کے لفظ سے وہ صحبت کا مدار شریعت یا حکم الٰہی پر نہ رکھ کر انسان کے جذبۂ شہوت کے تابع کرتے ہیں۔ پس صحیح ترجمہ محض یہ ہے۔ کہ جس طریق سے تمہارے لئے شایاں ہو۔ اس میں حکم الٰہی اور امر معروف کے مطالبات کی بھی تصدیق ہے۔ اور وقت جگہ اور طریق نیز آئندہ اولاد کی خوبی وغیرہ وغیرہ کے جملہ لوازمات میں قرآن کے مُدعائے پرہیزگاری کا مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔

۲۸۹۔ اولاد کا نکتہ نگاہ

خدا کے حکم یا شایاں طریق کا خیال جہاں جنسی تعلقات کا صحیح رہنما ہے وہاں اولاد کا نکتہ نگاہ اور بھی اس طریق کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ وہ مرکز ہے جس پر تمام اخلاقی خوبیوں اور گرہست کی کامیابی کے دائرے کا انحصار ہے اولاد کی نعمت ہی اس جوڑے کے میل کا اصل نشانہ ہے۔ اور جس شہوت کے جذبہ کی آج ایک دنیا غلام ہے۔ اس کی غرض قدرت کو محض یہ تھی۔ کہ اولاد پیدا کرنے کے فرض کی انسان کو تحریک ہو۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان سلسلۂ تولید سے غافل ہو جاتا۔ پھر اس میل کے قواعد یا اس جذبہ کے بجا استعمال کو نظر انداز کرنا ہی نعمت اولاد کی محرومی کا موجب ہے حیض سے پاک ہونے کی شرط کو توڑو تو اولاد کا مقصد حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر استقرار حمل کی غرض کو چھوڑ کر مباشرت

ہو۔ تو اولاد پیدا کرنے کی ناقابلیت کے علاوہ خوفناک بیماریوں اور کمزوریوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے پھر فریقین کی عمر اور صحت وغیرہ کے قواعد کا خیال نہ رکھا جاوے۔ تو نہ صرف دونوں کو خطرات ہیں۔ اولاد کو بھی کمزوری اور بیماری اور والدین کو بھی مصیبت۔ سشرت شریر ستہان ادھیائے ۱۰ اشلوک ۴۷ میں کم سے کم ۲۵ و ۱۶ سال کی عمر شادی کی بتائی ہے اس سے کم عمر کی صورت میں اوّل تو پیٹ میں ہی حمل خراب ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہو تو بھی نتیجہ بُرا ہے۔ جیسا کہ شلوک ۴۸ میں لکھا ہے:۔

ऊनषोडशवर्षा याम प्राप्तः पञ्चविंशतिम ।
यद्याधत्ते पुमान् गर्भं कुक्षिस्थः सविपद्यते ॥ १॥
जातोवान चिरं जीवेज्जीवेद्वा दुर्बलेन्द्रियः ।
तस्मादत्यन्तबालायां गर्भाधानं न कारयेत् ॥ २॥

سولہ برس سے کم عمر عورت میں پچیس برس سے کم عمر والا مرد اگر حمل کو ٹھہرائے۔ تو اس کا اسقاط ہو جاتا ہے۔ یا پیدا ہو تو بہت دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اگر زندہ رہے۔ تو کمزور اعضاء والا ہوتا ہے۔ اس لئے صغیر سن عورت میں حمل نہ ٹھہرائے:۔

پس اولاد کی غرض کے لئے نیک چلنی عمر صحت طاقت وغیرہ کے متعلقہ سب شرائط کو پورا کرنا لازمی ہے۔ اور اگر کھیتی کے لفظ پر غور کیا جاوے۔ تو وہ تمام محنت اور پر احتیاط حفاظت جو پیداوار اراضی کے لئے کی جاتی ہے۔ اولاد کی پیدائش کے لئے اور بھی دوراندیشی اور عقلمندی سے ملحوظ رکھنی لازمی ہو جاتی ہے۔

۲۹۰۔ بیہودہ قسمیں

آیت ۲۲۴ میں لغو قسموں کی عادت کو روکنے کی ہدایت ہے۔ ایک شخص ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہونا اور عورت کو طلاق دینے یا اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتا ہے۔ اور کچھ دیر بعد اس کا غصہ فرو ہونا اور قسم بھی اڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی قسمیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کہ ان سے نیکی اور تقوی وغیرہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ مثلاً اوپر والی قسم لغو ہونے پر بھی مرد کا پارہ کچھ وقت تک چڑھا رہ سکتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر عورت کو تکلیف ہو تو اس کی نگہداشت اور غور و فکر سے وہ بے توجہ رہتا ہے۔ حالانکہ قطع نظر طلاق وغیرہ کے یہ ایک انسانی فرض ہے۔ کہ نیکی پرہیزگاری اور اصلاح کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ ایک ڈاکٹر کسی سے ناراض ہو کر کہدیتا ہے۔ کہ میں ہرگز ہرگز فلاں شخص کے گھر نہ جاؤنگا۔ جس اتفاق سے ایک نہایت نیک اور عالم فاضل شخص جس سے عوام الناس کو بڑا فیض پہنچتا ہے۔ اس شخص کے ہاں آتا ہے۔ کیونکہ ان میں باہم رشتہ داری ہے اور وہ شخص بیمار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کی بیماری کا علاج بڑی قابلیت سے کر سکتا ہے۔ مگر جب اسے آدمی بلانے کو آتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے۔ میں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے۔ اس گھر میں جانا نہیں۔ گویا اس کی لغو قسم اس کو اپنے فرض کے ادا کرنے اور ایک نہایت نیک فیاض اور عالم شخص کی زندگی بچانے اور اس سے بدستور لاکھوں کو فیض پہنچانے سے روک رہی ہے۔ قرآن کی ہدایت یہ ہے۔ کہ اس قسم کی بیہودہ قسموں سے عورت اور مرد کو خانہ داری کے متعلقہ فرائض سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ آیت ۲۲۵ میں اسی کے لئے ہدایت دی گئی ہے۔ کہ خدا ایسی سبک مزاجی سے کھائی گئی قسم کے توڑنے پر تمہیں تکلیف نہیں دیگا۔ ہاں دل کی کمزوری یا تنگی سے نیکی پرہیزگاری اور اصلاح کا موقعہ کھودینے کی وجہ سے ضرور

سزا دیگا۔

۲۹۱- قواعد طلاق

آیت ۲۲۶ سے ۲۴۲ تک میں طلاق کا جو بیان ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن طلاق کے سخت خلاف ہے۔ مگر جب عورت اور مرد کی باہم کسی طرح سے مصالحت ہونی ممکن نہ ہو۔ اس مجبوری میں اس کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی جہاں تک ممکن ہو۔ عورت اور مرد دونوں کو انصاف، حسن سلوک اور شرافت سے جدا ہونے اور بعد میں بھی باہم ہر ممکن ضرر رسانی سے بچنے کی ہدایت دیتا ہے۔ خلاصہ قواعد طلاق کا حسب ذیل ہے۔

۱- قطع تعلق کا ارادہ یا قول ظاہر ہو۔ تو اس پر فوراً عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ایسا نہیں۔ کہ ہنسی کھیل سمجھ کر جب چاہا توڑ دیا۔

۲- عارضی جوش یا جلد بازی سے کام نہ لے کر چار ماہ تک کی مدت میں اپنے اس فیصلے پر بخوبی غور کرنا چاہیئے۔ اس عرصہ میں فوری جذبات کا اثر نہیں رہتا۔ سب نشیب و فراز سمجھنے کا موقعہ ملتا۔ اور اکثر صورتوں میں باہمی مصالحت ہو کر میاں بیوی دونوں پہلے سے بھی زیادہ محبت اور یگانگت کے ساتھ انتظام خانہ داری کو چلاتے ہیں۔

۳- مرد کے مقابلے پر عورت کو بھی تین حیض تک رکنا پڑتا ہے۔ اور اکثر اس عرصہ میں حالات بدل جاتے۔ اور وہ بدستور اپنے اسی خاوندگی زوجیت میں رہنے کو ترجیح دینے لگتی ہے۔

۴- دونوں فریقوں کو طلاق دے دینے کا یکساں حق ہے۔ اگر خاوند علیحدگی پر مصر ہو سکتا ہے۔ تو عورت بھی اور سے نکاح کرنے میں مختار ہے۔ اور اگر ایک فریق مقررہ میعاد کے اندر اپنے ارادہ سے باز رہتا ہے۔ تو دوسرے فریق کو بھی اس کے اس فیصلے کو ہی ترجیح دینی چاہیئے۔

۵- اگر حمل ٹھہر چکا ہو۔ تو عورت کو صاف طور پر واضح کرنا چاہیئے۔ اس حکم کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ اولاد کے خیال سے بھی جدائی رُک سکتی ہے۔

۶- باوجود مساوات حقوق کے مرد کا درجہ افضل ہے۔ مگر یہ محض انتظام خانہ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مرد کو طلاق کے متعلق عورت پر ناجائز دباؤ ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔

۷- طلاق کا اظہار کرنے کے بعد چار ماہ کی مدت میں دو دفعہ رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری بار طلاق دیا جائے تو پھر رجوع شرعاً ممنوع ہے۔ دو بار کے بعد یا تو شرعی اور شریفانہ طور سے عورت کو رکھ لیا جاوے یا حسن سلوک اور شرافت سے اسے وداع کر دیا جاوے۔

۸- حق مہر کا واپس لینا ناجائز ہے۔

۹- تاہم اگر دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ نرواہ نہ کر سکیں گے۔ یعنی صرف مرد ہی طلاق کے حق میں نہیں۔ یا مرد کے طلاق سے باز رکھنے کی کوشش کے باوجود عورت علیحدگی پر مصر ہو۔ تو فدیہ دے کر علیحدہ ہو سکتی ہے۔

۱۰- تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اختیار خاوند کو نہیں رہتا۔ اور عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے لئے مختار ہے

۱۱- اور نئے خاوند سے طلاق لئے بغیر پہلے خاوند سے اب اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

۱۲- چار ماہ کی عدت کے بعد خاوند حسن سلوک سے عورت کو وداع نہیں کرتا۔ اور روک و زیادتی کرتا ہے۔ تو وہ شرعاً ظالم

یا قانون شکن ہے - اور خدا کی باتوں پر مذاق اُڑاتا ہے -

۱۳- یہ قواعد خدا کے عطا کردہ علم اور حکمت کے مطابق ہیں - اور ان سے نیکی اور تقوی کی ہدایت دینا مقصود ہے - اور چونکہ خلاف ورزی کو کوئی اللہ سے چھپا نہیں سکتا - اس لئے اہلِ ایمان کو خدا اور اپنے غرض کو پورے طور پر یاد رکھنا چاہئے -

۲۹۲ - طلاق کے بعد

نہ صرف حسن سلوک سے مطلقہ عورت کو رخصت کیا جائے - یہ بھی ہدایت ہے - کہ اس کے آئندہ نکاح میں کوئی روک نہ پیدا کی جائے - اس سے فریقین کی بے اطمینانی باہمی رنجش - بدنامی اور مقدمات کی ذلت وغیرہ سب سے بچاؤ رہ سکتا ہے - اور خاوند اور اس کی نئی منکوحہ اور مطلقہ بیوی اور اس کے نئے خاوند یعنی ہر دو خاندانوں کے امن اطمینان اور انتظام خانہ داری کی عمدگی اور اصلاح میں بڑی بھاری مدد ملتی ہے - ایک اور ہدایت اس سے بھی بڑے کام کی ہے - اور وہ یہ کہ باوجود علیحدگی کے اولاد کی بہتری کو نظر انداز نہ کیا جاوے - اگر بچے کو ماں کا دودھ پلانا ضروری ہو - یعنی اس کی پرورش کا اور انتظام نہ ہو سکتا یا نامناسب ہو - تو ماں دو سال تک اس خدمت کو سرانجام دے - اور باپ اپنی مطلقہ بیوی کے نان نفقے کی ذمہ واری پوری کرے - اور اگر دو سال سے پہلے یہ انتظام غیر ضروری ہو جائے - تو باہمی رضامندی سے مناسب اور شریفانہ طریق پر اسے رخصت کیا جاوے - غرضیکہ قرآن کی ہدایت یہی ہے - کہ خدا کو حاضر ناظر اور جزا و سزا کا دینے والا مان کر ہر حالت میں نیکی اور تقوی پر عمل رہے -

۲۹۳ - نکاح بیوگان

جہاں طلاق کے متعلق قواعد ہیں وہاں بیوہ کے متعلق بھی حسب ذیل قانون ہے -

۱- خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ اور دس یوم تک بیوہ کو حق نکاح حاصل نہیں یعنی دس یوم ماتم کے اور چار ماہ عدت کے -

۲- اس عرصہ کے بعد خواہ وہ نکاح کرالے خواہ بغیر نکاح رہنے میں بہتری سمجھے - وارثوں پر کوئی ذمہ واری نہیں -

۳- بیوہ سے نکاح کرانے کی خواہش کا غیر شادی شدہ یا رنڈوے مرد میں ہونا امر متوقع ہے - اور وہ تہذیب اور اخلاق کی پابندی سے بیوہ عورت تک اس پیغام کو پہنچا سکتا ہے - یا اپنی اس خواہش کو دل میں ہی رکھ سکتا ہے - لیکن خفیہ وعدہ کوئی نہیں کر سکتا - نہ میعاد مذکورہ بالا کے اندر عقد نکاح پختہ ہو سکتا ہے -

۴- اس میعاد کے بعد نکاح پختہ ہو سکتا ہے - اور پھر طلاق دینے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں - اگر مہر مقرر کرنے اور صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیں - تو محض نیکی اور شرافت کے تقاضا سے اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا جاوے دید یا جاوے - اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو - مگر صحبت نہ ہوئی ہو - تو مقررہ مہر کا آدھا دیدیا جاوے - اور اگر پہلے دیا گیا ہو - تو مرد کا اختیار ہے - کہ نصف چھوڑ دے - کیونکہ مروت کا تقاضا اس کے معاف کرنے میں ہی ہے - تیسری صورت مہر مقرر اور صحبت ہو چکنے کی ہے - اس میں طلاق کے قواعد جو پہلے لکھے انہی پر عمل ہوگا -

۵- متوفی کے لئے ہدایت ہے - کہ مرنے سے پہلے وصیت کرے - کہ اس کی بیوہ کو ایک سال تک گھر سے الگ نہ کیا جائے - بیوہ کے لئے چار ماہ اور دس یوم کے لئے سال بھر تک کے انتظام کی معقولیت ظاہر ہے - کیونکہ اس مدت میں نکاح کا مناسب انتظام نہ ہو سکنے کا بھی امکان ہے - اور ہو جائے - تو سال سے پہلے بھی عورت کو رخصت ہو جانے کی اجازت ہے - جو لوگ سمجھتے ہیں - کہ چار ماہ دس یوم کی میعاد سے ایک برس والی بات منسوخ ہے - وہ غلطی پر ہیں - کیونکہ وارثوں کی سعادتمندی

میں نہیں ہو سکتی۔ کہ چار ماہ اور دس یوم گذرنے ہی بیچاری بیوہ اپنی ماں کو نکال باہر کریں۔ خواہ اس کا کہیں انتظام نہ ہوا ہو۔ دونوں آیتیں اپنا اپنا جدا جدا مفہوم رکھتی اور ایک ہی مدعا کو پورا کرتی ہیں۔

۲۹۴ - حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰةِ

آیت ۲۳۸ میں ہدایت ہے۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اپنی عبادتوں اور خاص کر سندھیا والی عبادت کی حفاظت کرو۔ اس پر اوّل تو معترض یہ کہتا ہے۔ کہ کہاں طلاق کا مضمون اور کہاں عبادات۔ لیکن واضح رہے۔ کہ عبادات کا جنسی تعلقات کی رہنمائی میں حصّہ لینا نہایت ضروری ہے۔ ویدک دہرم کی کسی کتاب کو دیکھو۔ اگر گرہست کا بیان ہوگا۔ تو ایشور کی آگیا کا پالن اس کی عبادت اور نیز تمام نیک کاموں کی جو بذاتِ خود عبادات الہی ہیں۔ ہدایت مقدم ہوگی۔ حتےٰ کہ استقرارِ حمل کے لئے عورت اور مرد کی مباشرت ہونے سے پہلے بھی خاص سنسکار کا ہونا اور ایشور کی یاد کرنا اور اس کی حضور میں دعا وغیرہ مانگنا ضروری ہے۔ قرآن میں ہر جگہ ویدک تعلیمات کو ہی سامنے رکھ کر ہدایت دی گئی ہے۔ اور اسی لئے منکوحہ مطلقہ اور بیوہ غرضیکہ عہد خانہ داری میں تمام عورتوں سے جنسی تعلقات میں انصاف وغیرہ کو مدّنظر رکھنا اور تقویٰ یعنی خوف خدا و پرہیزگاری پر مائل رہنا مقدم فرض بتایا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو خدا۔ والدین۔ بیوی۔ بچے۔ یتیم۔ مسکین اور واعظین سب کے تعلقات میں حکم الہی کو جاننا اور اس پر عمل کرنا بذاتِ خود مختلف قسم کی عبادات ہیں۔ ویدک دہرم میں روزانہ پنچ مہا یگیہ کرنے کی ہدایت ہے۔ اول برہم یگیہ یعنی ایشور کی عبادت۔ کتب مقدسہ کا مطالعہ اور غور و فکر۔ دوم۔ دیو یگیہ یعنی ہون اور عالموں کی عزت و تعظیم۔ سوم پتری یگیہ یعنی والدین اور دیگر اکابر کا ادب اور خلوص عقیدت سے ان کی خدمت۔ چہارم۔ بلی ویشو دیو یگیہ یعنی سب جانداروں کے متعلق اپنے فرض کا خیال اور پانچویں اتہتی یگیہ یعنی خلق خدا کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے پھرنے والے عالموں کی خدمت۔ یہ سب اپنی اپنی نوع کے یگیہ ہیں۔ اور قرآن ان ہی کو صلوٰۃ کے لفظ سے بیان کرتا ہے۔ کیونکہ یہ خانہ داروں کے فرض ہیں۔ اور جا بجا قرآن خدا اور والدین وغیرہ کے متعلقہ فرائض کی تعمیل پر زور دیتا ہے۔ اور حکم الہی کے مطابق سب کام نہ کرنے سے نماز وغیرہ کو بھی بے سود سمجھا جاتا ہے۔

۲۹۵ - الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

ہم نے اس کا ترجمہ سندھیا کیا ہے۔ کیونکہ اس کا مخصوص طور پر ذکر کرنا سچی توحید کے قائل رسول سے خاص عبادت الہی سے ہی تعلق رکھ سکتا ہے۔ نماز عام طور پر آج کل پانچ مروج ہیں۔ لیکن قرآن میں ہر کہیں صبح اور شام کی عبادت کا ذکر ہے۔ اور علماء اسلام جب بھی غور سے کام لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ پانچ نماز درحقیقت ویدک دہرمیوں کے پانچ مہا یگیہ تھے۔ لیکن مفسرین الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى سے مراد بیچ کی نماز یعنی عصر کی لیتے ہیں۔ چونکہ صبح اور ظہر دو نمازیں دن کی اس سے پہلے ہیں۔ اور مغرب اور عشا رات کی دو نمازیں اس کے بعد ہیں۔ اس لئے عصر کو صَلٰوةِ الْوُسْطٰى سمجھا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ وقت دنیوی لوگوں کے لئے کاروبار میں خاص طور پر مصروف ہونے کا ہے۔ اس لئے اس کی طرف خاص توجہ دلانا ضروری ہوا۔ ترجمان القرآن میں لکھا ہے۔ الصَّلٰوةِ الوسطی سے ایسی نماز مراد ہے جو اپنے ظاہر و باطن میں بہترین نماز ہو۔ لیکن چونکہ سب نمازوں کے ظاہر و باطن کی حقیقت اور ان کا باہمی مقابلہ و موازنہ نہ ترجمان القرآن پیش کرتا ہے۔ نہ قرآن اس لئے ترجمان القرآن کے الفاظ بالکل مہمل ہیں۔ ہاں عصر کو نماز وسطی کس طرح

کہا گیا ہے۔ اس کا پتہ لینا ضروری ہے۔ قرآن میں تو پانچ وقت کا مشرح بیان ہے نہیں۔ ہاں بخاری و مسلم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ جب جنگ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا۔ تو آنحضرت (صلعم) نے فرمایا۔ شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس یعنی دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ چونکہ غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز سے بھی روکنے کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے ہی نماز الوسطیٰ سمجھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن میں عبادت الٰہی کی صبح اور شام کے دو وقتوں میں اجازت ہے۔ اور وہ اس ویدک دھرم میں سندھیا کہلاتی ہے۔ جس کے مصدق ہونے پر قرآن فخر کرتا ہے۔ نیز اس لئے کہ سندھیا کے معنے ہی صلوٰۃ الوسطیٰ یعنی دن اور رات کے درمیان یا میل کا وقت ہے۔ اس لئے ایک صریح حقیقت کو چھوڑ کر محض حدیثوں کے زیر اثر اور قرآن میں اس حدیث کا ذکر یا اشارہ ہونے کے بغیر کوئی نتیجہ از خود اخذ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے وسطیٰ نماز دن اور رات کے میل کے وقت کی بجا لانے والی نماز ہے۔ اور چونکہ نمازیں سب ایک درجہ رکھتی ہیں۔ کسی میں کوئی خصوصیت دوسروں کے مقابلے پر مانی نہیں جا سکتی۔ اس لئے پانچ نمازوں میں عصر کو مخصوص کرنا غلط ہے۔ اور یہ کہنا کہ زیادہ مصروفیت کا وقت ہونے سے اس کا خیال دلانا ضروری تھا۔ محض ذاتی اختراع ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی جگہ یا کسی زمانہ میں دوپہر کا وقت فرصت کا رکھا جاوے۔ یا کہیں اب اور تب بھی دوپہر کو لوگ فارغ رہتے ہوں۔ جیسا پہلے سکولوں میں بھی رواج تھا۔ کہ دوپہر کو ۱۰ سے ۲ بجے تک چھٹی رہتی تھی۔ پس ذاتی قیاسات پر نہیں۔ قرآن اور اس کی مانی ہوئی الکتاب کی سند پر ہی انحصار رکھنا چاہیئے۔ اور اس صورت میں سندھیا کے مفہوم پر ہر دو کا اتفاق ہی ظاہر ہے۔ دوسرے یگیوں کے مقابلہ پر برہم یگیہ سب سے مقدم اور ضروری ہونے سے بھی صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔

۲۹۵۔ بے سمجھوں کی تاویل

آیت نمبر ۲۲۹ میں حکم ہے۔ کہ طلاق دو دفعہ ہو۔ اور بعد میں تیسرے موقعہ پر یا حسن سلوک سے رکھنا یا وداع کرنا۔ عجلت پسند طبایع سے یہ امر غیر متوقع نہ تھا۔ کہ وہ اس کی الٹی ہی تاویل کریں۔ اس لئے انہوں نے یہ مطلب نکالا۔ کہ غرض تو تین بار کے طلاق سے ہے۔ اس لئے بات کو طوالت کیوں دینا۔ ایک ساتھ تین بار اعلان کر دو۔ اور چھٹی پاؤ۔ چنانچہ وہ طلاق کے پختہ ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کہ خاوند بیوی کو کہہ دے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ لیکن یہ محض عجلت پسندی اور نا عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہی نہیں۔ اس حقیقت کو بھی نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کہ قرآن میاں بیوی کو جدا کرنا نہیں بلکہ ان کو ملائے رکھنے کی ہی تدبیر کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس جلد بازانہ عمل سے نہ تو عدت کے اندر رجوع کرنے والا موقع مل سکتا ہے۔ نہ فریقین کو اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا۔ ہاں پچھتانے ہی پچھتانے کی مصیبت پیش آ سکتی ہے۔ یہ تعجیل کار شیاطیں بود۔ برخلاف اس کے ہمارا ترجمہ اور تاویل میاں بیوی اور خاندان سب کے لئے مشکل کا بہترین حل اور عہد نکاح و خانہ داری کی تضحیک کے تدارک کا صحیح طریق پیش کرتا ہے۔

۲۹۶۔ حلالہ کی بدعت

آیت نمبر ۲۳۰ کے ترجمہ کی خاص غلطی نے قرآن اور آنحضرت کے اعلیٰ ترین خیالات کو بھی نہایت رذیل صورت دی۔ اور اسلام کو بڑے بڑے اعتراضات و الزامات کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کا ترجمہ ایک صاحب یہ کرتے ہیں۔

"اب اگر عورت کو (تیسری بار) طلاق دیدی۔ تو اس کے بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ اس کے لئے حلال نہیں (ہو سکتی) ہاں اگر (دوسرا شوہر ہمبستر ہو کر) اس کو طلاق دے دے۔ تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ (پھر) ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو۔ کہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم رہ سکیں گے۔ اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں۔ جن کو ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے۔ جو (مصالح خانہ داری کو) سمجھتے ہیں۔" ایک اور صاحب یوں فرماتے ہیں۔

"اگر ایسا ہوا۔ کہ ایک شخص نے (دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا۔ اور تیسرے مہینے تیسری طلاق دیدی۔ پھر دونوں میں قطعی جدائی ہو گئی۔ اور اب) شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہو گی۔ جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔ پھر اگر ایسا ہو۔ کہ دوسرا مرد (نکاح کرنے کے بعد خود بخود) طلاق دیدے۔ (اور مرد و عورت از سر نو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔۔۔۔" تیسرے صاحب یوں لکھتے ہیں۔

" پھر اگر عورت کو طلاق دے دی۔ (یعنی تیسری بار) تو اس کے بعد اس کو حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ نکاح کرے۔ اس کے سوا دوسرے شوہر سے۔ پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے۔ تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ پھر نکاح کر لینے میں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے ترجموں کا مطلب یہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اور یہی سمجھا گیا۔ کہ طلاق پختہ ہو جانے کے بعد خاوند پھر اس عورت کو اپنے نکاح میں نہیں لے سکتا۔ جب تک اس کا دوسرے شوہر سے نکاح و جماع نہ ہو جائے اس خیال کے زیر اثر حلالہ کا مسئلہ نکلا۔ اور اس کی یہ شرع تھی۔ کہ کسی عجلت پسند نے جوش میں آکر طلاق کا لفظ بول دیا۔ بعد میں پچھتایا تو ملا لوگوں نے اپنی خوش فہمی پر مبنی شرعی مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے ایک رات کے لئے عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرا دیا۔ اور اس سے صحبت ہو چکنے کے بعد اگلی صبح نئے شخص سے طلاق دلا کر پہلے خاوند سے اسے ملا دیا۔ نہ صرف عجلت پسند۔ کوئی بڑا دور اندیش بھی پوری میعاد چار ماہ میں بھی نہ سمجھے۔ اور طلاق پختہ کر دے تو ممکن ہے۔ بعد میں وہ بھی پچھتا کر اس سے ہی تعلق رکھنے کا خواہاں ہو۔ اور یہی تقدیر اس کے پیش آئے۔ گویا پہلے خاوند پر عورت کو پھر حلال کرنے کے لئے ایسی رسم حلالہ کی بدعت نکلی۔

۲۹۷۔ قرآن کا اصل منشا

لیکن ہماری رائے میں آیت کے الفاظ کا ہرگز یہ مطلب نہیں فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ اس کا یہ مطلب سمجھنا۔ کہ قرآن عورت کو بغیر دوسرے شخص سے نکاح و جماع کرائے۔ اور اس سے طلاق دلائے پہلے شخص کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔ بالکل غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جس عورت نے عفت اور عصمت کی انتہائی خوبی کی وجہ سے دوسرے خاوند کا خواب میں بھی خیال نہ کیا ہو۔ اسے بھی شرعی طور پر اس کے لئے مجبور کیا جاوے۔ تَنْكِحَ صیغہ واحد مونث غائب مضارع ہے۔ اور عورت اپنے اختیار سے نکاح کسی اور سے کرتی ہے یا کرے گی۔ دونوں کچھ اس کا مفہوم ہو سکتا ہے۔ اس میں عورت کے لئے حکم نہیں۔ کہ وہ ضرور ہی غیر سے نکاح کرے۔ اور حتیٰ کا لفظ پہلے خاوند کے حق کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی دو بار کے طلاق میں تو پہلے خاوند کا حق تھا۔ مگر تیسرے طلاق میں اس کا حق بالکل نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ وہ کسی غیر سے نکاح کرے۔ تو وہ مزاحمت نہیں کر سکتا۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ تیسرے طلاق کی صورت میں عورت کا خاوند سے تعلق نہیں رہتا۔ یہاں

تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور پھر تبھی پہلے خاوند کو مل سکتی ہے۔ کہ دوسرا خاوند اسے طلاق دے گویا عورت اگر دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ تو باہمی رضامندی ہو جانے پر وہ پھر پہلے خاوند کے نکاح میں آ سکتی ہے۔ ورنہ دوسرے خاوند کا اختیار ہو گا۔ اس سے طلاق لئے بغیر وہ پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی۔ مفسرین کے مفہوم کا نقص حسب ذیل مثال پر غور کرنے سے ہر سمجھدار کو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ایک نہایت پاک دامن عفت پسند مومنہ عورت کو یہ سمجھئے۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ محبت اور امن و آرام سے گذر اوقات کر رہی ہے۔ کہ خاوند کا ایک دوست جو اکثر اس کے گھر میں آتا ہے۔ اس کی طرف بُری نظر کرتا ہے۔ اور مختلف ذریعے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مگر کامیاب نہیں ہوتا۔ تو وہ شیطان سیرت بدطینت شخص اس کے خاوند کو اس سے بدظن کرنا شروع کرتا ہے۔ حتےٰ کہ میاں کی سادگی اور سادہ لوحی سے اس کی دال گل جاتی ہے۔ اور خاوند اپنی بیگناہ بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ وہ بیچاری تعجب کرتی ہے۔ کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ تو خدا پر توکل کر کے خاموش رہتی۔ اور صبر سے انتظار کرتی ہے۔ کہ غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ اور معاملہ ٹل جائیگا۔ لیکن اس کی خاموشی کو وہ شیطان دوست اس طریق پر استعمال کرتا ہے۔ کہ میاں آسانی سے یقین کر لیتا ہے۔ کہ بیوی کو میری پرواہ ہی نہیں۔ لہذا وہ دوسرا طلاق دیتا ہے۔ اور اسی طرح ایک ماہ بعد تیسرا طلاق دیتا ہے۔ جس پر وہ بیچاری دل ہی دل میں دکھی ہے۔ اور چارو ناچار اپنے پیارے خاوند کے ظلم کا شکار ہو کر اس سے رخصت ہوتی۔ اور اپنے بھائی کے ہاں پناہ پاتی ہے۔ والدین بیچاری کے گذر چکے ہیں۔ بہن کو طلاق ملنے سے بھائی کے اندر بھی بدظنی ہے۔ لیکن وہ عصمت اور عفت اور طہارت کی مجسمہ ساری ذلتوں کو محسوس کرتی ہوئی بھی صبر اور خدا کی یاد سے کام لیتی ہے۔ نکاح کے لئے اسے پے بہ پے پیغام پہنچتے ہیں۔ بھائی بھی مکرر نکاح کی ترغیب دیتا ہے لیکن اس کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ میرا نکاح تو ہو چکا۔ کیا ہوا مجھے اُنہوں نے طلاق دے دیا ہے۔ میں نے تو طلاق نہیں دیا۔ اور کیا یقین ہو سکتا ہے۔ کہ نئے گھر میں پھر طلاق نہ ملیگا۔" اس کے جواب اور اس کے استقلال وغیرہ سے بھائی کی بدظنی دور ہوتی ہے۔ واقفکاروں کو اس کے ساتھ دلی ہمدردی ہوتی ہے۔ اس کے خاوند کے بدنیت دوست کا بھی حوصلہ پست ہوتا ہے۔ اور لگاتار دو سال تک اس کی وفاداری کا ذکر سنتے سنتے خاوند کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اس لئے اب وہ تحقیقات کرتا ہے۔ اور اس پر اپنے دوست کی چالاکی کی حقیقت کھلتی ہے۔ بس اب تو وہ پچھتاتا اور اپنی ضمیر سے سخت عذاب پاتا ہوا سیدھا اپنی مطلقہ مگر عصمت اور عفت کی مجسمہ بیوی کے پاس پہنچتا ہے۔ اور پگڑی اتار کر سر اس کے پاؤں پر رکھے معافی کا خواستگار رہے۔ آہ! کیا عجب نظارہ ہے۔ صداقت اور طہارت کی فتح ہے۔ بچھڑے ہوئے میاں بیوی کے دل پھر ایک بار ایک ہو چکے ہیں۔ پاک دامن بی بی خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ کہ اس نے اس کی بے زبانی سے اس کی کہانی کو سن لیا۔ وہ اڑھائی سال کے بعد اپنے محبوب کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چلنے کو تیار ہے۔ مگر پہلا ہی قدم اُٹھاتے لگتی ہے۔ کہ مولوی ملانی شرع کا بھوت اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا۔ اور اسے حکم دیتا ہے۔ کہ خبردار بغیر دوسرے خاوند سے نکاح اور رجاع کئے اور اس سے طلاق پائے تو اس خاوند پر حلال نہیں۔ اب تو بیچاری کے دل پر وہ صدمہ گذرتا ہے۔ کہ خاوند سے طلاق دیا جانے پر بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اوہ! عصمت اور عفت کا وہ قیمتی ہیرا جو برسوں کے تپ سے خریدا تھا۔ بھوت کے ہاتھوں اُجڑ رہا ہے۔ پس یقیناً مفسرین نے غلطی کھائی ہے۔ اور قرآن کا اصل منشا محض یہ ہے کہ طلاق دینے والا خاوند سمجھ لے۔ کہ اس کی بہتری مصالحت اور درگذر کرنے میں ہی ہے۔ ورنہ اگر اس نے طلاق کو پختہ

کردیا۔ تو پھر عورت آزاد اور اس کے اختیار سے باہر ہو گی۔ اور دوسرے خاوند سے نکاح کر سکیگی۔ اور اگر وہ بعد میں چاہیگا۔ تو عورت اسے مل نہ سکیگی۔ وہ گویا دوسرے یا نئے خاوند کے رحم پر ہوگا۔ یہ محض ایک قسم کی دھمکی یا چینا دُنی دینا یا غیرت دلانا ہے۔

۲۹۸۔ طلاق حیض میں جائز نہیں

یہ امر کہ طلاق کس وقت دیا جائے۔ قرآن میں خاص طریق سے صاف واضح کیا گیا ہے حیض کو ناپاکی کہہ کر اس سے الگ رہنے کی جو ہدائت دی۔ اس سے حیض میں تو علیحدگی ظاہر ہی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں۔ دوسرے خاوند کے لئے میعاد انتظار چار ماہ ہے۔ مگر عورت کے لئے تین حیض تک رُکنے کا حکم ہے۔ چونکہ میعاد کا تعلق ہر دو فریق سے یکساں ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے چار ماہ کی میعاد اور تین حیض کا انتظار دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ حالت طہارت میں یعنی حیض کے بعد طلاق دیا جائے۔ اور چونکہ اس کے بعد تین بار حیض چار ماہ میں آتا ہے۔ اس لئے دونوں طرح بات ایک ہی ہے۔

۲۹۹۔ مرد کی عورت پر فوقیت

"لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" آیت ۲۲۹ کے ان الفاظ میں مرد کا درجہ عورت سے اُوپر کہا ہے۔ اس کا مفہوم محض گھر کے انتظامی پہلو سے ہے۔ عورت اور مرد کی قدرتی مساوات کے خلاف نہیں۔ باوجود سب انسانوں کے حقوق کی مساوات کے عالم کو بے علم پر۔ اُستاد کو شاگرد پر اور افسر کو ماتحت پر مقدم درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح عورت اور مرد کی مساوات کے باوجود گھر میں مرد کو عورت پر فوقیت ہے۔ سکول میں سب اُستاد اپنی زیر تعلیم ہر جماعت کے لڑکے سے یکساں قابل تعظیم ہیں۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ بعض صورتوں میں کوئی اُستاد ہیڈ ماسٹر سے بھی زیادہ محنتی یا لائق یا تجربہ کار ہو۔ لیکن انتظامی ذمہ داری ہونے سے ہیڈ ماسٹر کو فوقیت ہے۔ خواہ نتیجہ میں انعام کا مستحق کوئی اور ماسٹر ثابت ہو۔ پس نہ تو ان الفاظ سے مردوں کو عورتوں پر کوئی مستقل فضیلت مقصود ہے۔ نہ مردوں کو طلاق یا کسی اور امر میں عورتوں کی نسبت کوئی خصوصی اختیار ہے۔ اس فوقیت کی حقیقت کو نہ سمجھنے والے لوگ یہ تعبیر پیش کرتے ہیں۔ کہ مرد کو خود طلاق دینے کا اختیار ہے مگر عورت کو قاضی کے پاس درخواست دینی اور اجازت لینی پڑتی ہے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ اس سے بڑائی چھٹائی کا کیا تعلق ہے۔ یہ درخواست دینے کی پابندی تو عورت کو اپنے مساوی حقوق کے حصول کے لئے ایک خاص مدد ہے۔ یعنی ممکن ہے۔ عورت علم اور تجربہ اور سمجھ کی کمی سے اپنے متعلق صحیح رہنمائی قاضی کی مدد سے پا سکے۔ اور اس کے حقوق کی مساوات کے سلب ہونے کا امکان جاتا رہے۔ اور یہ قانون مرد کے لئے ایک تنبیہ ہے۔ کہ اس کے حق کو کچلیگا۔ تو اس کی پشت پر حکومت کی طاقت ہے۔ ایسا ہی وہ اچھی طرح سمجھ سکے۔

۳۰۰۔ طلاق اور ویدک دہرم

سوال ہوتا ہے۔ کہ طلاق کی رسم سے قرآن اور وید کی عدم مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ویدک دہرم میں طلاق ناجائز ہے۔ اس کے لئے ہمیں محض یہ کہنا ہے۔ کہ باوجود طلاق کے ویدک دہرمیوں میں رائج نہ ہونے کے اسے وید کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔ جیسا ویدک دہرم میں وواہ۔ پُنر دواہ اور نیوگ ہے۔ ویسے ہی

اسلام میں نکاح۔ عقد ثانی اور طلاق ہے۔ عورت اور مرد کی نیک چلنی۔ اولاد کی پیدائش اور اس کی بہتری اور گھر بار کا حسن انتظام جیسا ویدک مریاداؤں میں مقصود ہے۔ ویسا ہی اس نکاح اور طلاق وغیرہ میں مقصود ہے۔ اصول وہی ہوتا ہے۔ مگر اس کی تشریح رشی یا آچاریہ لوگ اپنے اپنے حالات وقت و زمانہ اور اپنی عقل کی پہنچ کے مطابق مختلف ہی کرتے ہیں۔ عرب کے حالات اونچے آدرش سے بہت گر رہے تھے۔ جنسی تعلقات کا قانون نہایت بے ڈھنگا تھا۔ جتنی عورتوں سے مرد چاہے نکاح کرے۔ لونڈیوں سے تعلق الگ۔ پھر جب اور جتنی بار چاہے طلاق دے۔ اور رجوع کرے۔ عورت کی کچھ قیمت نہیں۔ اخلاق سوز طریقوں اور شہوت پرستی کا زور رہتا۔ ایسی حالت میں گرہست کے انتظام کی بہتری کا خیال کرنا اور طلاق اور عقد ثانی کی شرع کا پابند کر کے لوگوں کے سامنے انصاف نیک چلنی تقویٰ اولاد کی حفاظت وغیرہ پر انہیں مائل کرنا وید کی شکھشا کے عین مطابق ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ ہندوستان کے انتظام خانہ داری کی موجودہ حالت میں بھی آریوں کو طلاق کی طرف مائل ہونے سے وہی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جو ایک بواہ کی جگہ چار تک کی اجازت ہونے سے ہو سکتا ہے۔ تاہم عرب کے اس وقت کے حالات میں اونچے آدرش کی طرف لانے کے لئے یہ قواعد نہایت مفید تھے۔ بھارت ورش میں جیتے جی طلاق دینے کا تو ذکر کیا مرنے کے بعد بھی عورتیں اپنے مردہ خاوند کے ساتھ ستی ہوتی رہیں اور اب تک خاوند کے گھر میں بیوگی کی صورت میں اسی کی وفاداری کے گیت گاتی ہیں۔ لیکن عرب میں طلاق اور عقد ثانی کی شرع نے اخلاق کے لحاظ سے لوگوں کو اونچا اٹھنے میں واقعی بڑی مدد کی۔ اور اگر اس وقت آریہ اور مسلمان لوگ متحد ہو کر ہندوستان تو کیا عرب میں بھی جنسی تعلقات کے اعلیٰ معراج کا پرچار کریں۔ تو کیا عورت اور کیا مرد طلاق کی ضرورت سے اوپر اٹھ سکتے ہیں۔

طلاق کا بنیادی سبب محض باہمی ناموافقت ہے۔ اور ویدک تعلیم ہی یہ ہے۔ کہ بواہ سے پہلے صفات افعال اور عادات کی مطابقت دیکھی جاوے۔ اور بواہ ہونے پر بھی ناموافقت ہو۔ تو علیحدگی ہو جاوے۔ چنانچہ منو سمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۷۷، ۷۸ و ۸۰ میں ہے۔ کہ دویش کرنے والی عورت کی ایک سال تک انتظار ہو۔ پھر اس کے زیور وغیرہ لے لے۔ اس کے ساتھ نہ رہے۔ (محض نان نفقہ دیتا رہے)۔ ۷۷۔ جو عورت پرمادی و مدمت و اتمادی ورودگی پتی کی آگیا بھنگ کرے۔ وہ کپڑا زیور لے کر تین مہینے تک تیاگ دی گئی ہے۔ ۷۸۔ شراب پینے والی۔ برے چلن والی اور سدا بیمار اور مارنے والی اور سدا دھن کا ناش کرنے والی استری ہو۔ تو اس کے رہتے ہوئے بھی دوسری استری کرنی اچت ہے۔ ۸۰۔ اسی طرح شلوک ۸۱ میں کہا ہے۔ کہ اپریہ (کڑوا) بولنے والی عورت سے فوراً کنارہ ہو۔ پس عورت مرد کے خاص صورتوں میں الگ ہونے کا جواز تو موجود ہے۔ اور وید کے مطابق ہے۔ لیکن بھارت ورش میں عورت اور مرد کے دل میں شادی کے تعلق کو ناشکست سمجھنے کا خیال جما ہوا ہے۔ اس لئے باوجود علیحدگی کی خاص صورتوں میں اجازت ہونے کے بھی مرد عورت زندگی بھر اس تعلق کو نباہتے ہیں۔ اور جب انفرادی طور پر بھی ایسا ترک شاذ و نادر ہی ہونا یا نفی کے برابر ہے۔ تو سوسائٹی کے لئے ایسے قانون کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ گو یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ قرآن کی سپرٹ کو نہ سمجھ کر طلاق کو اپنا قانونی حق سمجھنے سے عورت اور مرد میں جلد بازی سے جدا ہو جانے کی جرأت آتی ہے۔ تاہم جتنا مذہب سے وابستگی کا خیال بڑھیگا۔ اتنا ہی طلاق کا رواج کم ہوگا۔ منو سمرتی میں جہاں عورت سے خاص صورتوں میں کنارہ کرنے کی ہدایت ہے۔ وہاں بھی گذارے کا مستقل انتظام

مدنظر رکھا گیا ہے۔ گویا محض ترک صحبت کا حکم ہے۔ اور گذارے کا انتظام پتی کے ذمہ رہنے سے جلد یا بدیر عورت کو بلا ملنا لازمی ہے۔ بہرحال قرآنی طلاق کا مجبوری صورت سے تعلق ہے۔ اور علیحدگی محض اسی صورت میں مناسب ہے کہ عورت مرد کے مل کر رہنے کے تمام امکانات مسدود ہو جائیں۔ اس لئے عورت مرد کے حقوق کی مساوات۔ ان کو حتی الامکان مصالحت سے رہنے کی ترغیب دینے اور انصاف اور حسن سلوک اور پرہیز گاری کی طرف مائل کرنے کی وجوہات سے قرآنی نکاح ثانی اور طلاق اصولاً ویدک تعلیم کا ہی جزو ہے۔

۱۰۳۔ جنگ طالوت و جالوت

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ
لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ
۲۴۳ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ① وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
۲۴۴ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ② مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ
۲۴۵ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ③ أَلَمْ تَرَ
إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ
ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا
مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ
۲۴۶ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ④ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ
لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ ⑤
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۷
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ إِنَّ ع ۳۲
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑥ ۲۴۸
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ
مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً
بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ
أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ① وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ أَفْرِغْ ۲۴۹
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ② ۲۵۰
فَهَزَمُوْهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۲۵۱

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا۔ جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف کے مارے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ مگر خدا نے ان کے لئے مرنے کا ہی حکم دیا۔ اور پھر انہیں زندگی دے دی۔ یقیناً اللہ لوگوں پر بڑا افضل کرتا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر گذار نہیں ۔ ۱۔ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اور سمجھ لو۔ کہ وہ یقیناً سننے اور جاننے والا ہے۔ ۲۔ کون ہے۔ جو اللہ کو خوشدلی سے قرض دے۔ اور خدا اسے کئی گنا معاوضہ یاوے۔ کیونکہ اللہ جو کچھ (نیک عمل) لیتا ہے۔ کئی گنا زیادہ (پھل) دیتا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۳۔ اب ذرا بنی اسرائیل کے چیدہ لوگوں کے حال پر غور کرو۔ کہ انہوں نے اپنے ایک نبی کو کہا۔ کہ ہمارے لئے کوئی پادشاہ (پریذیڈنٹ یا لیڈر) مقرر کردو۔ تاکہ ہم راہِ حق میں جنگ کریں۔ اس نے کہا۔ تم سے اغلب یہی ہے۔ کہ اگر جنگ تم پر فرض کردیا جائے۔ تو تم جنگ نہ کرو۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم راہِ حق میں جنگ نہ کریں۔ جبکہ اپنے گھروں اور بیٹوں سے ہم الگ ہو چکے ہیں۔ مگر جب ان کے لئے جنگ کا حکم ہوا تو بہ استثنائے ایک قلیل تعداد کے سب پھر گئے۔ بے شک اللہ ان ظالموں کو جانتا ہے۔ ۴۔ ان کے نبی نے ان کو کہا۔ کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بطور پادشاہ کے مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسے ہم پر پادشاہت کس طرح مل سکتی ہے۔ اس سے تو ہم ہی پادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس کے تو مال و دولت کی بھی تنگی ہے۔ جواب ملا۔ یقیناً اللہ نے اسے تم پر فضیلت دی ہے۔ اور علم اور جسم کے لحاظ سے بہت بساطت دی ہے۔ بے شک اللہ جسے مناسب سمجھتا ہے۔ اپنا ملک دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ فراخی والا اور علیم کل ہے ۔ ۵۔ نیز ان کے نبی نے ان سے یہ کہا۔ کہ ان کے پادشاہ ہونے کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ تمہارے سامنے وہ قلب لے کر آتا ہے جس میں تمہارے رب کا اطمینان بخش علم (شانتی دایک گیان) اور موسیٰ اور ہارون کے لوگوں والی وہ میراث ہے۔ جو فرشتوں کے ذریعے محفوظ رہتی ہے۔ یقیناً اس میں تمہارے لئے صاف ثبوت ہے۔ اگر تم مومن ہو۔ ۶۔ پس جب طالوت نے اپنے لشکر سے سچی کلام کی۔ کہا خدا اس نہر سے تمہارا امتحان لیتا ہے۔ یعنی جو اس کا پانی پیتا ہے۔ ہم سے اس کا سروکار نہیں اور جو نہیں پیتا۔ ہمارا ہے۔ ہاں اپنے ہاتھ سے چلو بھر لینے کا مضائقہ نہیں۔ مگر سوائے چند ایک گنے لوگوں کے سب نے اس سے پی لیا۔ پھر جب وہ اور اس کے ایمان لانے والے ساتھی اس نہر سے آگے ہوئے۔ تو وہ کہنے لگے۔ ہم میں تو آج جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن جنہیں اللہ کے ملنے کا یقین تھا۔ بول اٹھے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ خدا کی عنایت ہو تو تھوڑے سے لوگ کثیر التعداد گروہ پر غالب آتے ہیں۔ بے شک اللہ صابروں کا ساتھی ہے۔ (بہ قول ہمتِ مرداں مددِ خدا) ۔۱۔ اور جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے۔ انہوں نے خدا سے دعا کی۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہمیں فتح نصیب کر۔ ۲۔ پس اللہ کے حکم سے انہوں نے ان کو بھگا دیا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اور اللہ نے اسے حکومت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ چاہیئے تھا۔ اس کو سکھایا۔ اور اللہ بعض نیکوں کے ذریعہ دوسروں (بدوں) کو مٹاتا نہ رہے۔ تو دنیا تو پر فتنہ ہی رہے۔ مگر اللہ اہلِ عالم پر فضل کرنیوالا ہے۔ ۳۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ جو صحیح معانی کے ساتھ تم پر واضح کی گئی ہیں۔ اور یقیناً تو مرسلوں میں سے ہے۔ ۴۔

۳۰۲۔ راہِ حق میں جی جان کی بازی

آیت ۲۴۳ میں ہدایت یہ ہے۔ کہ زندگی کو راہِ حق میں وقف سمجھنا چاہیئے۔ موت کا خوف عبث ہے۔ اگر خدا مارتا ہے تو زندگی بھی تو وہی دیتا ہے۔ اور یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ اگر موت مقدر ہو گی۔ تو اس سے بھاگ کر جا کہاں سکتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے۔ کہ ہزارہا لوگ موت کے ڈر سے بھاگ کر دوسری جگہ گئے۔ مگر وہاں بھی انہیں اجل نے آپکڑا۔ اور خدا کے حکم سے موت کا شکار ہوئے۔ اور خدا نے انہیں پھر پیدا کیا۔ پس اس زندگی کے لئے خدا کا شکر گذار ہونا یعنی اس کے راہ میں اس زندگی کو وقف رکھنا چاہیئے۔ جب موت کے بعد پھر زندگی ملنی ہے۔ تو خسارہ کیا ہوا۔ اسی کی امانت اسی کے حوالے ہوتی۔ اور پھر ملتی ہے۔ اور شروع میں یہ ہدایت دے کر طالوت اور جالوت یا نیکی اور بدی کے جنگ میں نیکی کی فتح کا بیان کر کے آخری آیات میں پھر اسی ہدایت پر زور دیا ہے۔ اور خدا کی عظمت و برتری کا خیال دلا کر اسی کے لئے وقف رہنے پر زور دیا ہے۔ کہ وہی واحد معبود ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ کل جہان کی زندگی کا موجب موت نہ کیا۔ اونگھ یا نیند تک سے بری۔ ہمیشہ جیتا جاگتا۔ اور مالک ارض و سما ہے۔ اسی کی رضا پر انسان کی فلاح منحصر ہے۔ کسی کی مدد یا سفارش پر نہیں۔ خدا ہی اپنے کامل علم کی وجہ سے ماضی اور مستقبل کو ویسا ہی جانتا ہے۔ جیسا حال کو۔ وہ اپنے عمل میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا علم سب پر حاوی ہے۔ مگر انسان اس کے کسی علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یعنی انسان خود کسی علم کا مالک نہیں ہو سکتا۔ جیسے سورج کی روشنی سے فائدہ پاتا ہے ویسا ہی علم الہی سے مدد پا سکتا ہے۔ پس اس محیط کل بلند ترین عظمت والے خدا کے راہ میں مرنے سے کیا ڈرنا۔ تم اس وقت خرید و فروخت میں اور دنیوی دھندوں میں جو اپنی ساری توجہ اور طاقت وقف کر رہے ہو سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جاویگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ موت سے پہلے اسے راہِ حق میں خرچ کر کے نیکی کما لو۔

۳۰۳۔ اصولی تعلیم یا تاریخی جھگڑا

ہزارہا لوگوں کا موت کے خوف سے بھاگنا محض اس لئے مذکور ہے۔ کہ اس سے راہِ حق میں لڑنے کی جرأت پیدا کی جاوے۔ مگر مفسرین اصل اصول کی بجائے اس واقعہ پر ہی طویل بحث کر کے اختلافات کا اظہار کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ وبا کے خوف سے گھر چھوڑ بھاگے تھے۔ مگر جہاں بھاگ کر گئے تھے۔ وبا نے ان کو اسی جگہ آ دبایا۔ اور سب مر گئے۔ پھر ایک مدت بعد حزقیل پیغمبر ادھر سے گذرے اور انہوں نے دعا کی۔ خدا نے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ دوسرا بیان یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم کو ان کے بادشاہ نے جہاد کی طرف بلایا۔ تو انہوں نے انکار کیا۔ خدا نے انہیں آٹھ دن تک مارے رکھا۔ اور پھر زندہ کیا۔ تیسرا بیان یہ ہے۔ کہ اس میں بائیبل کتاب خروج کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ خَرَجُوا کا لفظ جو قرآن میں ہے۔ یہ خروج کی پوری تائید کرتا ہے۔ ہزارہا کا لفظ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کا خروج ثابت نہیں ہوتا۔ الوف کے معنی جماعت بھی ہے۔ اور بنی اسرائیل کو کتاب خروج میں جماعت کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اور چونکہ آیت ۲۴۶ میں موسے کے بعد کے زمانے کا ذکر ہے۔ اس لئے ان آیتوں میں لازمی طور پر موسیٰ کے عہد کا خروج ہی مذکور ہے۔ اور بنی اسرائیل نے موسے کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار بھی کیا تھا۔ اور چالیس سال جنگل میں بھٹکنے کی قومی موت بھی پائی تھی۔ اس تاویل کے دعویدار کہتے ہیں۔ کہ دیا رِھم کا لفظ ان کی تاویل کے خلاف نہیں

جاتا۔ کیونکہ چارسو سال سے مصر میں آباد ہونے سے وہ ان کا وطن ہی تھا۔ حذر الموت کے لفظ سے اعتراض ہوتا ہے کہ موت کے خوف سے ان کا بھاگنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس پر کہا جاتا ہے۔ کہ فرعون کی غلامی کو ہی یہاں موت کا لفظ دیا گیا ہے۔ ایک اور اعتراض ہوتا ہے۔ کہ فقال لہم اللہ موتو کے مطابق بنی اسرائیل کو خدا نے کہا مر جاؤ۔ یہ کس طرح ہُوا۔ تو کہا جاتا ہے۔ چالیس سال جنگل میں بھٹکنے کا حکم بمنزلہ قومی موت تھا۔ پھر اعتراض ہوتا ہے۔ خدا نے انہیں زندہ کر دیا۔ یہ کس طرح صحیح ہوگا۔ جواب ملتا ہے۔ چونکہ ان کے بعد ان کی دوسری نسل فاتح اور حکمران بنی۔ لہذا یہی زندگی ہے۔ ایک اور بیان یہ ہے۔ کہ موسیٰ کے بعد میں بنی اسرائیل ہزارہا کی تعداد میں مصر سے کنعان کو جا رہے تھے۔ قریب جا کر موسےٰ نے بارہ رقیب بطور جاسوس بھیجے۔ کہ کنعانیوں کے حالات معلوم کر آئیں۔ یوشع اور کالب کو چھوڑ کر کل دس رقیبوں نے کنعانیوں (عمالقیوں) کے قدوقامت اور قوت وشجاعت کا بنی اسرائیل سے ذکر کیا۔ سو وہ ہراساں ہو کر جنگ سے باز آئے۔ اور موسےٰ سے کہا۔ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑے تو لڑے۔ ہم نہیں لڑ سکتے۔ یہیں بیٹھے ہیں۔ اس پر خدا نے چالیس سال کے لئے وہ زمین ان پر حرام کر دی۔ توریت کے الفاظ میں مس ہے "کہ تم ہرگز اس زمین پر نہ پہنچو گے۔ بجز یوشع اور کالب کے۔ اور تمہارے لڑکوں کے جن کے حق میں تم سمجھتے ہو۔ کہ میں ان کو داخل کروں گا۔ اور تمہاری لاشیں بیابان میں گر پڑیں گی وغیرہ"۔ اس قسم کے اختلاف تو ہیں ہی اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ صحیح تاویل ایک بھی نہیں۔ وبا کے خوف سے مرنے کا واقعہ صحیح مانیں۔ تو حزقیل کی دعا سے ان کا زندہ ہونا اور آٹھ دن یا زیادہ عرصہ ہزاروں لاشوں کا بغیر دفنائے وجلائے پڑا رہنا محض خیال باطل ہے۔ اور قرآن کے کسی لفظ سے اس واقعہ کا اشارہ ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا ہی قرآن سے یہ بھی کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہ بائیبل کتاب خروج کا بیان یہاں مقصود ہے۔ کیونکہ ایسا دعوےٰ کرنے والے جہاں اور مفسرین سے مختلف ہیں۔ وہاں قصے کی پوری مطابقت ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں ان کے بیان پر اعتراض ہوتے ہیں۔ تو وہ اس کی تاویلات پیش کرنے لگ جاتے ہیں۔ گویا اصل آیت کی تفسیر کی بجائے وہ اپنی تاویل کی تفسیر کرتے ہیں۔ چونکہ تاویلات کی تاویلوں پر بحث کرنا بالکل غیر متعلق امر ہے۔ اس لئے انہیں چھوڑ کر ہم محض یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن اس واقعہ کا ذکر کسی تاریخی واقفیت کے لئے نہیں کرتا۔ بلکہ محض ایک حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا مقصد رکھتا ہے۔ جیسا کہ شروع میں "اَلَمْ تَرَ" کا لفظ کہنے سے ظاہر ہے۔ تاریخی واقعہ کو اہمیت دینی ہوتی۔ تو صاف طور پر اسے ایک دو لفظوں سے انٹروڈیوس کیا جا سکتا تھا۔

۴۳۔ خدا کو قرض دینا

آیت ۲۴۵ میں خدا کو قرض حسنہ دینے کے بیان پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ خدا کو قرض کی کیا ضرورت۔ معترض کہتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صاحب نے محض لوگوں سے روپیہ لینے کے لئے خدا کے نام سے قرض مانگا۔ بعض مفسر بھی جہادی ضروریات کے لئے ایسی مالی اپیل کو حق بجانب قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مالی قرضہ کا یہاں ذکر ہی نہیں۔ بیان یہ ہے۔ کہ موت کا خوف عبث ہے۔ زندگی بچانے اور مُردوں کو زندگی دینے والا وہ مالک کل اور قادر مطلق ہے۔ اس لئے اسی کے راہ پر جنگ کرو۔ مبارک ہے وہ جو اور تعلقات سے بے پرواہ ہو کر خدا کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرتا یعنی نیک عمل اور اشاعت حق میں لگا رہتا ہے۔ یہ قربانی خدا پر گویا قرض ہے۔ کیونکہ خدا نے اس کا عوض دینا ہے۔ ویدک دھرمی لوگ دیورن۔ پتری رن اور رشی رن نام کے تین قرضے

ہرانسان پرمانتے ہیں۔ گورووغیرہ کا تعلیم کا قرضہ لوگوں میں تعلیم پھیلا کر اتاراجاتا ہے۔ والدین کا پیدا کرنے اور پالنے کا قرضہ خود اولاد کو پیدا کر کے اور پال کر اتاراجاتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی سب کو ان کے فعلوں کا بدلہ دے کر اپنا قرضہ چکاتا ہے۔ چونکہ فعل پہلے ہے۔ اور پھل بعد میں۔ اس لئے قرضہ کا لفظ معنے خیز ہے۔ پھر یہ بھی معقول بات ہے۔ کہ وہ اس قرض کے عوض میں کئی گنا بدلہ دیتا ہے۔ ہم ایک دانہ بو کر صدہا دانے پاتے ہیں۔ چند روز ایک کام سیکھ کر برسوں اس سے کماتے ہیں۔ ایک دو جنموں میں رضائے حق پر چل کر اور علم حقیقی حاصل کر کے وصل خدا کے مستحق ہوتے اور نہایت طویل عرصہ نجات تک آنند ہو گتے ہیں۔ پس اس آیت میں ایک تو پنرجنم کا صاف ثبوت ہے۔ کہ ہزاروں آدمیوں کو مرنے کا حکم دیا۔ پھر زندہ کیا۔ اور دوسرا کئی گنا معاوضہ کہنے سے مکتی کا بہت طویل عرصہ ثابت ہے۔ غیر محدود زمانہ نہیں۔

۳۰۵- بادشاہ کا انتخاب

آیت ۲۴۶ میں بادشاہ یا پریذیڈنٹ کی ضرورت اور طریق انتخاب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلا لفظ قابل غور مَلا ہے جس کے معنے ہیں۔ شریف آدمیوں کا گروہ یا مجلس اگر اس کا ترجمہ ہندی میں یا سنسکرت میں کیا جائے۔ تو ہم آریہ سماج یا آریہ سبھا ہی اس کا مفہوم ہوگا۔ بنی اسرائیل کو ہم آریہ جاتی یا آریہ سنتان نام دیتے ہیں۔ کیونکہ سب سے اول جاتی یہی ہے۔ اسی کا تبت سے خروج کر کے دنیا کے نئے نئے پیدا ہونے والے ملکوں میں آباد ہونا تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سبھا کے لوگ اپنے نبی یعنی مذہبی پیشوا یا پروہت سے التجا کرتے ہیں۔ کہ ہمارا پریذیڈنٹ چاہیے تاکہ ہم صحیح رہنمائی میں اشاعت حق یا راہِ حق میں جنگ کر سکیں۔ نبی کہتا ہے۔ کہ تم سے امید نہیں۔ کہ اگر جنگ کا مطالبہ ہو تو تم اسے پورا کرو۔ وہ یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم تو راہ حق کی خاطر اپنے گھر اور بال بچے بھی چھوڑ آئے۔ آخر نبی طالوت کو بادشاہ بنانے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ وہ تو ایک غریب نادار شخص ہے۔ وہ کیا بادشاہ ہوگا۔ اس سے تو ہم ہی اچھے ہیں۔ نبی کہتا ہے نہیں۔ اس انتخاب میں سرمایہ داری کا سوال نہیں۔ بلکہ اللہ کے ہاں اس کا برگزیدہ ہونا یعنی بادشاہی کی قابلیت والی صفات رکھنا لازمی ہے۔ طالوت علم کے لحاظ سے سب سے افضل ہے۔ اور جسمانی صحت اور طاقت میں بھی اوروں پر سبقت رکھتا ہے۔ یہی صفات شاہی جلال شان وشوکت اور دشمنوں کو مغلوب کرنے کی ہیں۔ مالی حالت کا تجارت سے تعلق ہے۔ نہ کہ کسی سبھا کی پردھانی سے۔ پس نہایت معقول طریق پر طالوت ہی پریذیڈنٹ ہوا۔ اور اگر غور کیا جاوے۔ تو اس انتخاب میں قدیم ترین طریق ہی مدنظر رکھا گیا معلوم ہوتا ہے۔ سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ راج سبھا ہونی چاہئے۔ مطلق العنان راجہ یا شخصی حکومت سے رعیت پر ظلم اور اس کی بربادی کا امکان بنا رہتا ہے۔ اس لئے سبھا بنا کر اس میں پریذیڈنٹ مقرر ہونا چاہئے۔ اتھروید کانڈ-۶- انوواک-۱۰ ورگ-۹۸- منتر ا کا حوالہ قابل غور ہے۔

९८॥ इन्द्रो॑ जयाति॒ न परा॑ जयाता अधिरा॒जो राज॑सु राजयातै ।
च॒र्कृत्य॒ ईड्यो॒ वन्द्य॑श्चोप॒सद्यो॒ नम॒स्यो॑ भवे॒ह॥१॥

اے انسانو! جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ شان وشوکت والا ہو۔ جو دشمن کو جیت سکے۔ اور آپ ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جو بادشاہوں میں سب پر حاوی اور غالب ہو۔ سبھا کا اعلیٰ افسر ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہو۔ قابل تعریف اوصاف وافعال وعادات والا ہو۔ لائق تعظیم ہو۔ اس لائق ہو۔ کہ لوگ اس کے پاس جائیں۔ اور بناہ

ہیں۔ جس کی سب آرزو کریں۔ اس کو میر مجلس اور بادشاہ بنانا چاہئے۔ یجو۔ ۹۔ ۴۰ بہی قابل غور ہے۔ جس کا حصّہ اوّل یہ ہے

इमं देवा असपत्न थं सुवध्वं महते क्षत्राय महते ज्यैष्ठ्याय महते जानराज्यायेन्द्रस्येन्द्रियाय ।

اے ذی علم مدّبران سلطنت اہلِ رعایا تم لوگ تمام روئے زمین کی ایک سلطنت ہونے کی غرض سے سب سے اعلےٰ مرتبہ پانے کے منشاء سے ایسی حکومت کے مدعا سے جس میں بڑے بڑے عالم وفاضل شامل ہوں۔ نیز غایت درجہ کی جاہ و حشمت رکھنے والی سلطنت اور دولت کی ترقی کے لئے بالاتفاق ایسے اعلےٰ عہدیدار سبھا یعنی راجہ کو جو ہر موقعہ پر رو رعایت سے بری۔ پورا عالم دبا اخلاق ہو۔ سب کا دوست ہو۔ حاکم اعلےٰ تسلیم کرکے رُوئے زمین کو دشمنوں سے خالی کرو پس علم اور جسم ہردو لحاظ سے قابلیّت دیکھ کر سبھاپتی چننا جو اس آیت قرآن میں بتایا ہے۔ ہر طرح سے وید کے مطابق ہے۔ اور منوسمرتی میں بھی انہی اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر رامائن۔ مہابھارت کو دیکھیں۔ تو وشسٹ وغیرہ جیسے عالم پروہت ہی راج تلک دیتے نظر آتے ہیں۔ پس اہل سبھا کا اپنے نبی کو پادشاہ بنانے کے لئے کہنا بھی بالکل معقول ہے۔

۳۰۶۔ علمی قابلیّت!

راجا کی علمیت وقابلیت کیسی ہو۔ اس کا جواب قرآن میں وہی موجود ہے۔ جو وید وغیرہ سچے شاستروں میں مذکور ہیں۔ اس کے لئے منوسمرتی ادھیائے ۷ میں خاص طور پر ہدایات موجود ہے۔ اور شلوک ۴۳ و ۴۴ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

त्रैविद्येभ्यस्त्रयींविद्यांदण्डनीतिंच शाश्वतीम् ।
आन्वीक्षिकीं चात्मविद्यांवार्तारम्भांश्चलोकतः ॥ ४३॥
इन्द्रियाणां जये योगं समातिष्ठेद्दिवा निशम् ।
जितेन्द्रियो हि शक्नोति वशे स्थापयितुं प्रजाः ॥ ४४॥

تینوں ویدوں کے جاننے والوں سے تینوں وید پڑھے۔ اور قدیم تعزیرات اور ویدانت پڑھے۔ اور لوگوں سے ویوہار وِدیا پڑھے۔ ۴۳۔ حواس پر غلبہ پانے کا رات دن اوبوگ کرے۔ کیونکہ غالب الحواس ہی رعیّت کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ ۴۴۔

وید کے انیک منتروں میں اسی طرح راجا کو عالم اور غالب الحواس ہونے کی مقدم ہدایت ہے۔

آیدوایہ ...... الخ اس منتر کی شرح میں سوامی دیانند لکھتے ہیں۔ کہ سوراجیہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل تو ہر شخص کا ذاتی سوراجیہ۔ جو اپنے تمام اندرونی اور بیرونی حواس پر ضبط حاصل کرکے ہر شخص پا سکتا ہے۔ اور دوسرا ابتوں سے حفاظت کیا جانے والا چکرورتی راج جو پہلی قسم کے غالب الحواس لوگوں کے سمودائے سے حاصل ہوتا ہے۔ سو یہی اصول قرآن کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۴۸ میں پادشاہ کی یہ خصوصیت بتائی ہے۔ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ۔ یعنی اس کے من میں خدا کا تسکین قلبی والا علم اور آل موسیٰ و آل ہارون کی میراث

یا ان کا یادگاری علم ہو۔ چونکہ تسکین قلبی والا علم وید ہے۔ اور موسیٰ اور ہارون منو وغیرہ رشیوں کے ناموں کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور ان کا ترکہ سمرتی اور نیتی گرنتھ یا توریت وغیرہ ہیں اسلئے تو سمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۳۴ والے علوم کا ہونا ہی قرآن ضروری بتاتا ہے۔ یجروید ادھیائے ۳۴ منتر ۵ کے یہ الفاظ یہاں مطلب کو زیادہ عمدگی سے واضح کرتے ہیں۔

यस्मिन्नृचः साम यजूंषि यस्मिन् प्रतिष्ठिता रथनाभाविवाराः ।
यस्मिंश्चित्तं सर्वमोतं प्रजानां तन्मे मनः शिवसङ्कल्पमस्तु ॥५॥

اس میں دُعا مانگی گئی ہے۔ کہ جس میرے من میں رگ یجو۔ سام اور اتھرو نام چاروں وید اس طرح قائم ہوتے ہیں جس طرح گاڑی کی ناف میں آرے لگے رہتے ہیں۔ اور جس میں علیم کل اور موجود کل مخلوقات کا دیکھنے والا چیتن عیاں ہوتا ہے۔ وہ میرا من شیوسنکلپ یعنی فلاح وبہبود کے وسائل کی طرف ہی مائل رہے۔ پس بادشاہ کے لئے وید سمرتی وغیرہ کا علم ہونا یا اس کے من میں شانتی دایک علم الہٰی اور رشیوں منیوں کے گرنتھ ہونا یا رگ یجو وغیرہ کا من میں اس طرح قائم ہونا جیسے رتھ کے پہیئے کے دَہرے میں آرے پروئے جاتے ہیں۔ سب ایک ہی بات ہے۔ اور پہلے بادشاہ کی اوصاف علم اور صحت وطاقت بتاکر بعد میں عملی طور پر طالوت میں یہ صفت بتانا۔ کہ وہ ایسا قلب یا من لے کر تمہارے سامنے آتا ہے۔ جس میں شرتی سمرتی وغیرہ کا علم ہے۔ صحیح معنوں میں وید وکت راج نیتی کی ترجمانی کرتا ہے۔

۳۰۷۔ خاص پیچیدگیاں اور ان کا حل

ان آیات کے خاص الفاظ کے صحیح معانی تک پہنچنے کی مفسرین نے بڑی ہی کوشش کی ہے۔ مگر ایک تو سچے علوم کی اشاعت نہ رہنے سے ان کے اپنے اندر معانی کا انکشاف ہونا عموماً اور ان معانی کے صحیح تعلقات کا احساس ہونا خصوصاً مشکل تھا۔ دوسرے ان میں سے خاص الفاظ بائیبل میں مذکور تھے۔ اس لئے اسی کا سہارا لینا مفسرین کو اپنی رہنمائی کا ذریعہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس میں خاص پیچیدگی کا درپیش آنا ضروری تھا۔ کیونکہ قرآن میں الفاظ بائیبل کے مروجہ ترجموں والے مفہوم کو کہیں مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ انہیں قدیم سچائیوں کے قائمقام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بائیبل سے مطابقت نہ دیکھ کر عیسائی لوگ آنحضرت پر تاریخی غلط بیانیوں کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ خود ترجموں سے گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کا ثبوت تابوت۔ سکینۃ۔ آل موسیٰ آل ہارون تحملہ الملائکۃ وغیرہ الفاظ کی مختلف تاویلات سے ملیگا۔ واقعی مفسرین کے لئے ہر طرف مشکلات کا سامنا ہے۔ اور وہ اندھیرے کی سی ٹٹول میں مختلف مفہوم لینے پر مجبور ہیں۔ ان پر ایک مفسر صاحب حاشیہ آرائی فرماتے ہیں۔ کہ

"کہتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا۔ اس میں توریت کا ایک نسخہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا خدا کا فرمان اور ہارون علیہ السلام کا جبہ۔ لڑائی میں اس صندوق کو تبرک آگے رکھتے تھے"۔ یہ لفظ صندوق گویا تابوت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر ۲۴۸ کا ترجمہ یہ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

"اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا۔ کہ طالوت کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے۔ کہ وہ صندوق

جس میں تمہارے پروردگار کی (بھیجی ہوئی) تسلی (تورات) ہے۔ اور (نیز) موسیٰ اور ہارون جو (یادگار) چھوڑ مرے ہیں۔ ان میں کی بچی کھچی چیزیں (بھی اس میں) ہیں۔ وہ (بے اٹے) تمہارے پاس آجائے گا۔ (اور) فرشتے اٹھا لائیں گے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ تو یہی ایک بات تمہارے لئے نشان (کافی) ہے۔" گویا تابوت کے معنے صندوق۔ سکینۃ کے معنے توراۃ اور بقیۃ کے معنے بچی کھچی چیزیں لی گئی ہیں۔ لیکن توریت کو کہیں بھی آنحضرت نے تسکین یا تسکین قلبی کا ذریعہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس سے پہلے کی ملت ابراہیم کا معتقد ہونے سے توریت وغیرہ سے پہلی کتاب ہی یہاں مقصود ہو سکتی ہے۔ اگر توریت کا تعلق لیں۔ تو وہ موسیٰ کے ترکے میں شمار ہو سکتی ہے۔ سکینۃ کے معنے نہیں دے سکتی۔ اور اگر موسیٰ کا قصاص خدا کا فرمان ہارون کا جبہ اور آل موسیٰ و آل ہارون کی بچی کھچی چیزیں بقیۃ لفظ کا مفہوم مانی جائیں۔ تو ان سب کا صندوق میں آنا محال۔ کیونکہ آل موسیٰ اور آل ہارون کی بچی کھچی چیزوں کا نہایت کثیر التعداد ہونا لازمی ہے۔ اور سب کو تبرکاً صندوق میں آگے آگے لئے پھرنا قرین قیاس بھی نہیں۔ ہاں اگر سکینۃ کے معنے وید اور بقیۃ کے توراۃ لئے جائیں۔ تو یہ ہر لحاظ سے موزوں بھی ہوں۔ اور صندوق میں ان کا سمانا اور رکھا جانا بھی قابل تسلیم ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اسے صحیح تاویل مانا نہ جا سکیگا۔ کیونکہ اس صورت میں صندوق کا دیگر لحاظ سے ہی سہی) فرشتوں سے اٹھایا جا کر آجانا اس کے بادشاہ ہونے کی علامت ہو گی۔ حالانکہ اصولاً جب تک صندوق آنہ جائے۔ اور یہ نشانی لوگ دیکھ نہ لیں۔ تب تک وہ بادشاہ مانا نہیں جا سکتا۔ لیکن ذکر یہ ہے۔ کہ اس نے فوج کے ساتھ کوچ بھی کر دیا۔ اور جنگ بھی ہوا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل بھی کیا۔ پس عملاً وہ نشان اس کے بادشاہ ہونے سے پہلے ظاہر ہی نہیں ہوا۔ اور جب وہ بادشاہ بن چکا۔ تو نشان دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس اس آیت کا مفہوم لازمی طور پر وہ وصف ہونا چاہیئے۔ جو نبی کے نزدیک بادشاہ کی قابلیت کا ثبوت ہو۔ اور اس صورت میں ہمارے پیش کردہ معانی کے بغیر کوئی ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ نہ طالوت کے پاس بنی اسرائیل کی مجلس مذکورہ کے انعقاد تک کوئی صندوق پہنچا تھا۔ نہ ایک لائق نبی کسی آئندہ ہونے والی بات کو بہ طور نشان پیش کر سکتا تھا۔

جو لوگ تابوت کو صندوق کے معنے میں لیتے ہیں۔ وہ بائیبل کی رہنمائی میں تاویلیں ڈھونڈتے ہیں۔ کتاب خروج میں ایک صندوق کا ذکر ہے۔ جو اڑھائی ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ چوڑا و اونچا تھا۔ سونے سے منڈھا ہوا اور سونے کے کلس والا۔ مگر بائیبل میں بھی تابوت کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ سلاطین کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ اس میں صرف پتھر کی دو لوحیں تھیں۔ عبرانیوں میں لکھا ہے۔ کہ اس میں ایک سونے کا برتن من سے بھرا ہوا۔ ہارون کا عصا جس میں شاخیں پھوٹی تھیں۔ اور عہدنامے کی تختیاں اور اس پر جلالی کروبی تھے۔ لیکن صرف بائیبل کے بیانات ہی باہم مختلف نہیں۔ مفسرین بھی سب بائیبل پر انحصار نہیں رکھتے۔ بلکہ بعض کہتے ہیں۔ یہاں بائیبل والا تابوت مراد نہیں۔ بلکہ وہ اور تابوت تھا۔ جو حضرت آدم پر اترا تھا۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ یہاں وہ تابوت مقصود ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ کی والدہ نے حضرت موسیٰ کو رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ غرضیکہ بائیبل کا اپنے اندر اختلاف۔ قرآن اور بائیبل کا باہم اختلاف۔ مفسرین کا باہم اختلاف۔ عجیب ہی گورکھ دھندا پیش کرتا ہے۔ ایک فریق قرآن کے حوالوں سے بائیبل کو غلط ٹھہراتا ہے۔ دوسرا قرآن کی اس میں تاریخی غلطی بتاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ پھیر محض مفسرین و محققین کی خاص خاص قسم کی ناواقفیت میں ہے۔ جائے غور ہے۔ کہ سکینت سے

اگر توریت مراد لی جاتی ہے۔ تو اس کی تہ میں بھی علمی یا الہامی کتاب کا تابوت میں ہونا مانا جاتا ہے۔ جس مفسر یا مترجم کو وید کے متعلق کوئی علم نہیں۔ جس نے اپنی ساری عمر میں سکینہ کا اطلاق وید پر کسی کو کرتے ہوئے نہیں پایا۔ وہ اس سے توریت کا مفہوم نہ لیتا تو کیا کرتا۔ اور لوح لفظ کے معنے جس نے تختی کے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ پتھر کی مراد نہ لیتا تو کیا کرتا۔ اور جب ایسی پتھر کی لوح دستیاب نہ ہوئی۔ تو لوح محفوظ کا نام لے کر مزید تفصیل کی تحقیقات سے قاصر نہ رہتا۔ تو کیا کرتا۔ لوح کا لفظ ان تمام چیزوں کے لئے آتا تھا۔ جن پر کچھ لکھا یا نقش کیا جا سکے۔ کپڑا۔ تختہ۔ پتھر کی شلا ہی نہیں۔ انسانی دل پر بھی یہ لفظ حاوی ہے۔ بچوں کو سادہ لوح کہہ کر بتایا جاتا ہے۔ کہ والدین اور استاد جو چاہیں ان کے دل پر لکھ دیں۔ ایسا ہی لوح بجلی کا چمکنا ستاروں کا نمایاں ہونا کے معنے بھی رکھتا ہے۔ غرضیکہ اس کے معنوں میں علم یا علمی روشنی کا تعلق لازمی ہے۔ اور وید یا سمرتی دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لوح کو سونے کا برتن کہنے والے بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔ یہ جو مشہور ہے۔ کہ جبرئیل نے حضرت محمد صاحب کے دل میں علم اور حکمت سے بھرا ہوا سونے کا تھال انڈیل دیا۔ یہ بھی ایک ایسے تھال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس میں علم رکھا جا سکے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ "ہرن مبین پاترین ستیا پی ہتم مکھم" میں سنہری برتن وید کے الفاظ کے مجموعہ یا کتاب وید کو کہا ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے اندر سچے معانی نہاں ہیں۔ اور انہی معانی کے انکشاف کے لئے منتر کے اگلے حصے میں دعا ہے۔ کہ اے پرماتما! اس برتن کے ڈھکنے کو کھول دے۔ کہ ہم سچے دھرم کا جیوں کا تیوں درشن کر سکیں۔ اس تھال کو کسی نے علم سے بھرا ہوا کہدیا۔ تو کسی نے من سے بھرا ہوا بتایا۔

ہارون کا عصا (جس میں شاخیں پھوٹی تھیں) بھی وید کا ہی مفہوم موزونیت سے پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جیسے لاٹھی سے پشو کو جدھر چاہیں ہانک کرلے جائیں۔ ویسے ہی رشی منی وید کے عصا سے دنیا کو دھرم کے رستے پر چلاتے آتے ہیں۔ عصا کی شاخوں کا پھوٹنا بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ چتواری شرنگا۔ ...... الخ کہہ کر وید خود اپنی چار بڑی بڑی شاخیں رگ۔ یجو۔ سام اور اتھرو کو ظاہر کرتا ہے۔ اور شاخ در شاخ کو تسلیم کرتے ہوئے وید کی ۱۱۲۷ اور شاکھا آج مشہور رہی ہیں۔ اور یجر وید ادھیا ئے ۱ منتر ۳ میں علم کی صدہا ہزار اسط یعنی بے شمار شاخیں بیان ہوئی ہیں۔

देवस्त्वा सविता पुनातु वसोः पवित्रेण शत धारेण सुप्वा कामं धुक्षः॥३॥

جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ یہ تابوت موسی والا نہیں۔ حضرت آدم والا ہے۔ وہ بھی ہماری ہی پوزیشن کو مضبوط کر رہے ہیں۔ کیونکہ آدم جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ دراصل سنسکرت کا آدیم (आदिम) لفظ ہے جو آغاز عالم کے رشیوں کا اصطلاحی نام ہے۔ اور آغاز کے رشیوں پر گیان کو محفوظ رکھنے والے وید نام تابوت کا نازل ہونا ہمارا بنیادی اصول ہے۔ ایسا ہی جو لوگ حضرت موسیٰ کی والدہ سے تابوت میں موسیٰ کے رکھا۔ اور دریا میں بہایا جانے کے قایل ہیں۔ وہ بھی اسی حقیقت کو اپنی طرز پر ادا کرتے ہیں۔ موسیٰ یا موکھشی یعنی نجات دینے والا علم ایشور روپی ماتا نے ویدک شبدوں کے تابوت میں رکھ کر اس بحر عالم یعنی بھو ساگر میں بہا ہی رکھا ہے۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے۔ کہ قدیم سے سچے اصولوں کو استعارات میں بیان کرنے کا جو رواج چلا آتا ہے۔ اور جو صحیح معانی کے گرفت کرنے میں بڑی مدد دے سکتا ہے۔ اسی کو جہالت کے زمانے میں

شخصیتوں سے وابستہ کر کے کہانی کےطور پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر انسانی جماعت کا علمی معیار بلند ہو جاوے۔ تو ان سب سے غیر معمولی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر موجودہ حالت میں رجحان زیادہ سے زیادہ تاریک صورت کی طرف ہونے سے اختلافات اور توہمات کی ترقی ہو رہی ہے۔ لہذا عالم لوگوں کو انتہائی غور سے کام لے کر اصل صداقتوں کو سمجھنا اور سمجھانا چاہیئے۔

۳۰۸- حقیقت کی جھلک

مگر باوجود تمام پیچیدگیوں کے مفسر صاحبان پر اصل حقیقت کی جھلک بھی ظاہر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۲۲۰ دفعہ ۳۱۷ و ۳۱۷ ۱ میں الفاظ زیر بحث کے متعلق قابل قدر تحقیقات پیش کی گئی ہے۔

۱- تابوت کے معنے صندوق تسلیم کرتے ہوئے بھی کہا ہے۔" دوسرا قول یہ ہے۔ کہ تابوت کے معنے پسلیاں اور جو کچھ ان کے اندر آ گیا ہے۔ جیسے دل وغیرہ ہیں"۔ پھر کہا ہے۔ لسان العرب میں بھی تابوت کے معنے قلب یا دل دیئے ہیں۔ اور مثل نقل کی ہے۔ مَا اَوْدَعْتُ تَابُوْتِیْ شَیْئًا فَفَقَدْتُہٗ میں نے اپنے تابوت یعنی دل کے سپرد کوئی شے نہیں کی۔ جسے گم کر دیا ہو۔ اور مفردات میں بھی یہ قول منقول ہے۔ کہ تابوت سے مراد قلب اور سکینت ہے۔ اور جو علم ان میں ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ قلب کو سفط العلم کہا گیا ہے۔ یعنی علم کا ڈبہ۔ اور اسے حکمت کا گھر اور اس کا برتن اور اس کا صندوق کہا گیا ہے۔ اور قلب کا نام تابوت رکھا جانے کی وجہ سے ہی حضرت عمر نے ابن مسعود کے متعلق کہا۔ کہ وہ ایک برتن ہے۔ جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ بیضاوی کا قول ہے کہ تابوت کے معنے قلب ہیں۔ اور سکینت وہ علم ہے۔ جو اس میں ہے۔ سکینت کے متعلق بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ وہ ایک شے ہے۔ جس کا سر بلی کے سر کی طرح ہے۔ مگر امام راغب سے اس کی تردید بتا کر اس کے معنے سکون تسکین یا تسلی کے لئے ہیں۔ غرضیکہ تمام الفاظ کے صحیح مفہوم کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ ہمارے بیان کی تائید بھی۔ اور آخر میں نتیجہ بھی یہی نکالا گیا ہے۔ کہ تابوت سے مراد طالوت کے قلب کی ہے۔ وغیرہ

۳۰۹- تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اس کے معنے یہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے۔ یعنی صندوق کو۔ اور اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ جالوت نے بنی اسرائیل کو دبا دیا۔ تو صندوق ہی ان سے چھین لے گیا۔ اب جو طالوت کی ماتحتی میں لڑائی ٹھہری۔ تو ادہر جالوت والوں نے اس صندوق کو چھکڑے پر لاد کر ان کے لشکر کی طرف ہانک دیا۔ کہ یہی مادۂ فساد ہے۔ بنی اسرائیل نے اس صندوق کا پہنچ جانا بہت غنیمت سمجھا۔ اور یہ ان کے حق میں نیک فال ہوئی۔ اور ان کی ہمتیں قوی ہو گئیں۔ اور یہ خدا کا احسان تھا۔ کہ فرشتے اس صندوق کو بنی اسرائیل کی طرف گھسیٹ لائے۔ مگر بائیبل میں ہے۔ کہ گائے رتھ میں جوت کر صندوق کو پہنچایا گیا۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے۔ کہ صندوق کو اس طرح پہنچانے سے جو یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ جالوت وغیرہ فساد کو روکنے کی نیت رکھتے تھے۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بری پارٹی سے شریفانہ عمل کا کیا تعلق پھر ایسے وقت میں کہ وہ غلبہ پائے ہوئے تھی۔ ساتھ ہی جنگ عملاً بند بھی نہیں ہوا۔ مزید برایں یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ ایک ایسا متبرک صندوق جس میں اعلیٰ ترین یادگاریں محفوظ ہوں۔ اور جس پر ملکوں اور قوموں کی قسمت کی بازی لگ رہی ہو۔ ایک نہایت قیمتی تاریخی شے ہونی چاہیئے اور اس کی ہستی قائم رہنی چاہیئے۔ کم سے کم اس کے معدوم ہونے تک کی تاریخ تو محفوظ ہونی چاہیئے۔ لیکن پتہ محض یہ چلتا ہے۔ کہ صندوق واپس ملنے کے بعد یروشلم لایا گیا۔ اور حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس میں رکھا گیا۔ اس کے بعد نہ کہیں اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ نہ عدم کا۔

حالانکہ پہلی تاریخ سے یہ بعد کی بات نہایت قریب کی اور آسانی سے جانی جاسکنے والی ہے۔ پس اخیر میں آکر اس کا لاپتہ ہو جانا صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس کی حقیقی ہستی تھی ہی نہیں۔ محض طالوت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کے علم مجسم قلب کے ذکر میں تابوت کا لفظ استعمال کیا۔ اور معتقد لوگوں نے استعارات کی سمجھ نہ آنے سے اوروں کی طرح اسے بھی تاریخی واقعہ بنا دیا ایک اور بات قابل غور ہے۔ کہ بائیبل میں نہ طالوت کا لفظ ہے۔ نہ جالوت کا۔ مفسر صاحبان نے محض جنگ کے طریق بیان کو سموئیل کی کتاب والے ساؤل کے بیان سے ملتا دیکھ کر یہ تاویل کر دی ہے۔ اور ساؤل کے قد کی طوالت کے لحاظ سے طالوت نام ہونے کی وجہ بھی تراش لی ہے۔ لیکن چونکہ قرآن میں آدم۔ ابراہیم۔ اسحاق۔ یعقوب۔ داؤد۔ موسیٰ ہارون عیسے نوح وغیرہ تمام نام بائیبل والے جیوں کے تیوں دیئے ہیں۔ اور کوئی وجہ نہ کہیں ظاہر کی گئی ہے۔ نہ معلوم ہو سکتی ہے کہ ساؤل کا نام بدلنا ضروری ہے۔ اس لیے محض ظنّیات اور خیالی باتوں پر ہی یہ تاویل منحصر ہے۔ ورنہ فرشتوں کا سکینہ کو اٹھانا کوئی ایسا بیان نہیں ہے جس کی تاویل کوئی مشکل امر ہو۔ فرشتہ نام مسلمہ طور پر نیک عالم شخص کا ہے۔ اور ایسے فرشتوں کا کام شرتی اور سمرتی کو اٹھائے رہنا یا انہیں محفوظ رکھنا ہے۔ اور یہ عمل دل میں علم الہی کو جگہ دینے کے بھی معنے رکھتا ہے۔ ہر زمانے کے عالم لوگ یا رشی منی وید کو اپنے قلب میں اٹھائے پھرتے رہے ہیں۔ اور ان کا علم سینہ بہ سینہ بعد کے لوگوں تک پہنچتا آ رہا ہے۔ چونکہ ذکر طالوت کی صفات اور قابلیت انتخاب کے ذیل میں ہے اور اور قسم کے فرشتوں کا صندوق کو اٹھا کر لانا جنگ کے بعد یا جنگ کے دوران میں ممکن تھا۔ اس لئے اس سے پہلے ہی جو فرشتوں کے اٹھانے کا ذکر ہے۔ یہ محض عالموں سے شرتی کو اپنے دل میں نقش کر کے محفوظ رکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ طالوت کے قلب میں جو علم تھا۔ وہ وہی تھا۔ جو عالم لوگوں کے ذریعے سینہ بہ سینہ دنیا میں چلا آ رہا تھا۔

۱۰۱۲- نہر سے امتحان

آیت ۲۴۹ میں نہر کے پانی سے خدا کے امتحان لینے کا ذکر ہے۔ کہ جو اس کا پانی پی لیگا۔ وہ میرا نہیں ہے۔ اور جو نہ پیئے گا۔ یعنی محض ہاتھ سے چلو بھر پانی لینے پر ہی کفایت کریگا۔ وہ میرا ہے۔ اس سے بھی نہایت ہی خالص حقیقت ہر اہل علم کو مل سکتی ہے۔ اگر وہ ذرا سا غور کرنے کی تکلیف کرے۔ بائیبل میں تو ساؤل کے ذکر میں کہیں نہر کے پانی سے آزمائش ہونے کا ذکر نہیں۔ اور نہ یہ آزمائش صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر نہر کا پانی خراب نہیں۔ تو لشکر کے پیاسے سپاہیوں کو آزمائش میں ڈالنا چہ معنے۔ بلکہ حکم تو الٹا یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ نہ صرف اچھی طرح پیاس بجھا لو۔ ہو سکے تو پانی کا توشہ ساتھ بھی رکھ لو۔ زیادہ سے زیادہ چلو بھر پانی کی اجازت تو بڑا بھاری ظلم ہے۔ جو قرآن کے الفاظ کے مطابق طالوت جیسے اعلےٰ عالم اور صاحب ہمت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔ پس مفسرین کی اس تاویل کو غلط مانے بغیر چارہ نہیں۔ اور صحیح تاویل اس کی سوائے اس خاص ہدایت کے ہو نہیں سکتی۔ جو دیک لٹریچر میں کئی جگہ مذکور ہے۔ روحانیت کے نقطہ نگاہ سے دنیوی خواہشات میں پھنسے ہوئے تمام لوگوں کو پیاسا کہا جاتا ہے۔ اور اس پیاس یا ترشنا کو بجھانے کے لئے انسانوں کا دنیوی سامانوں کا سہارا لئے جانا مرگ ترسنا کہلاتا ہے۔ کہ جیسے دور سے چمکتے ہوئے ریت کو پانی سمجھ کر مرگ دوڑتا جاتا اور مایوس ہو کر اپنی جان دیتا ہے۔ اسی طرح دنیوی خواہشات کے پیچھے بھٹک بھٹک کر انسان روحانی موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ جنگ محض میدان کارزار میں نہیں

ہونا۔ مذہبی تبلیغ کی جدوجہد بھی جنگ ہے۔ اپنی رعیت کی حفاظت کے لئے بیرونی حملوں کو ہی روکنا نہیں پڑتا۔ رعیت کے باہمی خلاف قانون عملوں کے ساتھ ہی جنگ کرنا پڑتا ہے۔ اور اندرونی وبیرونی مخرب اخلاق خیالوں و تحریکوں سے بھی ہر انسان پوری طاقت سے جنگ نہ کرے۔ تو وہ ہر وقت خطرے میں ہے۔ لپس سچے عالموں کی رہنمائی میں نفسانی خواہشات سے جدائی پانا اور پاکیزہ رہنا ہر انسان کا فرض ہے۔ دنیا کی خواہشات کو نہر کا پانی کہہ کر ہدایت دی جاتی ہے۔ کہ اس کو نہ پیو یا پیو تو محض چلو بھر مطلب یہ کہ محض جسم کی حفاظت کے لئے جو تھوڑی سی غذا وغیرہ ضروری ہے۔ اسی پر قناعت کرکے زیادہ لبھ لالچ نہ کرو۔ مہابھارت میں یکھش اور یدھشٹر کا مشہور مباحثہ ہے۔ کہ پانچوں پانڈو ایک بار جنگل میں مرگ کے پیچھے دوڑتے دوڑتے ہار کر درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور پانی کی تلاش کرنے لگے۔ کہ پیاس بجھادیں۔ درخت پر چڑھ کر نکل نے دیکھا تو نزدیک ہی پانی کا سرور نظر آیا۔ اور اپنے بھائیوں کی اجازت سے چشمے کی طرف گیا۔ کہ وہ خود پانی پی آوے۔ اور دوسروں کے لئے ترکش میں بھر لاوے۔ لیکن وہ چشمے سے بہت دیر تک نہ لوٹا۔ تو دوسرا بھائی بھیجا گیا۔ وہ بھی نہ آیا۔ تو تیسرا غرضیکہ بھیم۔ ارجن اور سہدیو اور نکل چاروں ہی باری باری گئے۔ لوٹا کوئی نہیں۔ تب یدھشٹر گئے دیکھتے کیا ہیں۔ کہ چاروں بھائی سرور کے کنارے مردہ پڑے ہیں۔ اس نظارے کو دیکھ کر عجیب خیالات اٹھ رہے تھے۔ لیکن وہیں شانتی کرکے خیال کیا۔ کہ پانی پی کر پیچھے ان کے سنسکار وغیرہ کی تجویز کروں۔ مگر جونہی کہ پانی پینے لگا۔ آواز آئی۔ کہ خبردار! میرے سوالوں کا جواب دیئے بغیر پانی پیا تو تو بھی چاروں کے ساتھ پانچواں مردہ ہوگا۔ اب معلوم ہوا۔ کہ اس سرور کے مالک یکھش نے ان چاروں کو اس لئے مارا ہے۔ کہ انہوں نے پیاس کی شدت میں اس کے سوالوں کی طرف التفات نہ کی۔ اور پانی پی لیا۔ اس پر خاص تعجب کرکے آخر یدھشٹر نے کہا پوچھئے سوال۔ تب یکھش نے دھرم کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بہت سے سوال کئے۔ اور یدھشٹر نے جواب دیئے۔ جن سے خوش ہوکر یکھش نے نہ صرف اسے پانی پینے کی اجازت دی۔ اس کے چاروں بھائیوں کو بھی زندہ کردیا۔ اس مباحثہ کی صحیح تاویل بڑی طویل ہے۔ تاہم اصل مطلب ظاہر ہے۔ کہ دنیا پانی کا چشمہ ہے۔ اس میں علمی اور روحانی سوالوں کو حل کئے بغیر جو لذات نفسانی کا پانی پیتا ہے۔ وہ روحانی موت مرتا ہے۔ خدا کا پیارا نہیں رہتا۔ اور جو ان سوالوں کو حل کرکے نفسانی غلامی سے بچتا ہے۔ اس کی نہ صرف اپنی ہی ترشنا دور ہوتی ہے۔ وہ اس مرگ ترشنا کے شکار اپنے ہمجنسوں کو بھی نئی زندگی دیتا ہے۔ پس نہر والی آزمائش کا مقصود یہی ہے۔ اور منوسمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۴۴ میں جو غالب الحواس ہونا بادشاہ کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اسی کی بازگشت اس نہر والی آزمائش میں ہے۔ اسی ہدایت کو پارسیوں کی کتاب مقدس میں یزدان اور اہرمن کے جنگ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ دونوں فریقوں کے لشکروں نے خوب ہی خوب جوہر مردانگی دکھائے۔ مگر قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی۔ کہ اہرمن بھی کچھ عرصہ جہان میں رہ جایا کرے۔ ارجاسب حکیم نے اس کی تاویل یہ کی ہے۔ کہ جیو یعنی جسم روپی دنیا میں بمنزلہ یزدان ہے۔ اور من یا نفس بمنزلہ اہرمن یا شیطان ہے۔ جب تک جسمانی زندگی ہے جسم بھی رہیگا۔ اور روح اور من بھی روح کے لئے جہاں علم کی غذا ہے۔ وہاں جسمانی حفاظت و پرورش کے لئے دنیوی سامان بھی ضروری ہوں گے کھانا پینا پہننا چھوٹ نہیں سکتے اس لئے صلح کی شرط یہ ہے۔ کہ اعتدال پر کاربند رہیں۔ افراط تفریط سے بچیں۔ خوراک محض اتنی ہو۔ کہ بھوک مٹ جاوے۔ اور عورت مرد کا تعلق محض اس لئے ہو کہ اولاد پیدا ہو۔ مطلب یہ کہ مادی سامانوں سے محض لازمی ضروریات تک کا تعلق ہو جو چلو بھر پانی ہاتھ سے لینے کی مثل ہے۔ غرضیکہ دنیا کو بھوساگر دریا

نہر چشمہ کہہ کر اس کے پانی پینے سے پرہیز کرنا محض یہ ہدایت دینے کے لئے ہے۔ کہ غالب الحواس رہو۔ دنیوی خواہشات میں مستغرق نہ ہوؤ۔ اسی لئے یجروید ادھیائے ۴ منتر ۳ میں دعا کی گئی ہے۔ کہ

دیوستوا اِسوتا پُناتُ وسوہ پوترین شت دھارین سُپوا کام دُھکشہ۔

ہے پرمیشور! آپ اس یگیہ (صحیح قانون عمل) کو پاکیزہ حالت میں ہمارے اندر رکھئے۔ آپ ازراہِ عنایت ہمیں ہدایت دیجئے کہ کائنات عالم کی اس گوناگوں اور بے شمار مخلوق اشیاء میں سے ہم کس کس کو اور کس کس طرح استعمال میں لادیں۔

۱۳۱- دیو اسُر سنگرام

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ طالوت اور جالوت کے دونو نام بائیبل میں نہیں۔ اور مشہور تاریخی ہستیوں کا نام بدلنے کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ نہ کہیں سائول کو طالوت کہنا ثابت ہے۔ نہ داؤد سے قتل ہونے والے مدمقابل کا نام کہیں جالوت ہے۔ مزید برایں نہر کے پانی سے امتحان ہونے کا بھی سموئیل کی کتاب میں ذکر نہیں۔ نہ ان آیات سے سموئیل کی طویل کتھا پر کوئی روشنی پڑتی ہے۔ برخلاف اس کے اصولی تعلیم کا مقصد جو اوپر کی بحث میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے نمایاں طور پر ثابت ہوتا ہے۔ پس بجائے تاریخی بیان کے یہاں وہ جنگ مذکور ہے۔ جو نیکی اور بدی۔ سورج اور بادل یا دیوتا اور راکھش یا دیو وغیرہ نام پا سکتا ہے۔ جس طرح جیو آتما اور من یا نفس امارہ کو یزدان اور اہرمن نام سے تعبیر کیا۔ اور فریقین کی فوجیں اور طول طویل جنگ پارسیوں کے ہاں مذکور ہے۔ اسی طرح طالوت جسمانی اور روحانی طور پر پاک ہستی کو اور جالوت نفس امارہ یا ناپاک شخصیت کو کہہ سکتے ہیں۔ متقی اور کافر یا آریہ اور دسیو کا جنگ بھی اسے کہہ سکتے ہیں۔ بنی اسرائیل نام آریہ جاتی کا اور موسیٰ منو کی جگہ ہو سکتا ہے مصریوں کا منیتس توریت کا موسیٰ عبرانیوں کی یہودی قومیت کا بانی مورز سب مغربی محققوں سے منو کے بدلے ہوئے نام سمجھے گئے ہیں۔ چونکہ راج بھاد غیرہ کا قانون منو دہرم شاستر یا قدیم شریعت مرتب ہونے کے بعد ہی خاص صورت میں عمل میں آیا۔ اس لئے قرآن میں انتخاب طالوت کا زمانہ موسیٰ کے بعد ہے۔ طالوت کا مادہ طول ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ فضل و منت میں غالب آنیوالا۔ اور لذّات نفسانی پر غلبہ پانا بھی اس سے ظاہر ہے۔ اور چونکہ اصل طاقت حواس پر غلبہ پانے یا برہمچریہ کے قواعد کی پوری تعمیل کرنے میں ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے نہر کا پانی نہ پیا۔ وہ تو طالوت کے اصلی ساتھی ہوئے۔ اور جنہوں نے پی لیا۔ یعنی جو غالب الحواس نہ رہے۔ اور نفسانی خواہشات کا شکار ہوئے۔ وہ کمزور ہو گئے۔ اور جنگ سے کترانے لگے۔ یہی اصل ہدایت یہاں مقصود ہے۔ اور بتایا ہے۔ جنہوں نے نہر کا پانی نہ پیا۔ یعنی جو پرہیزگار رہے۔ ان کی ہمت اور حوصلہ کی یہ حالت تھی۔ کہ انہوں نے خدا پر بھروسہ رکھا۔ اور کہا کچھ پرواہ نہیں۔ خدا کی عنایت سے تھوڑے بھی بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خدا سے یہی دعا مانگی۔ کہ ہمارے قدم جمے رہیں۔ اور حسب قول ہمتِ مرداں مدد خدا وہ کامیاب ہوئے۔ اور جالوت قتل ہو گیا۔ اس کے بعد داؤد کو حکومت حکمت اور علم ملنے کا جو ذکر ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہ ہے۔ کہ کفر اور جھوٹ کو ناش کرنے والا ہی سچا ہے۔ اور اسی کی فتح ہوتی ہے۔ ویدا پنشد وغیرہ میں جو دیو اسر سنگرام مذکور ہے۔ اگر اس سے مقابلہ کر کے ان آیات کو دیکھا جائے تو پوری مطابقت آپ سے آپ ظاہر ہو جاوے گی۔

۳۱۲- اس جنگ کی غرض

آیت ۲۵۱ کے آخری حصے میں اس جنگ کی غرض یہ بتائی ہے۔ کہ اگر خدا اس کے ذریعے سے برے فریق کو مٹاتا نہ رہے۔ تو دنیا میں فتنہ ہی فتنہ پھیل جاوے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امن قایم رکھنا جنگ کی غرض ہے۔ اور یہ دو ہی طرح سے ہوسکتا ہے۔ جنگ سیف سے اور مذہبی تبلیغ سے۔ لیکن اگر یہ ذکر ہو۔ کہ دنیا کی آبادی حد سے نہ بڑھ جائے۔ اس لئے جنگ وغیرہ سے اس کی اوسط قائم رہتی ہے۔ تب تو جنگ سیف کا مفہوم ہی ہوسکتا ہے پر جب مذکور فساد کو ہٹانا اور امن قائم کرنا ہو۔ تب جنگ سے مراد مذہبی جدوجہد اور قتل سے مراد حق و باطل کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ یا کم سے کم یہ مفہوم مقدم ہوتا ہے۔ جھوٹی تعلیم پھیلانے والے شیطانی گروہ بیں ہیں۔ اگر ان کا رد نہ کیا جاوے۔ تو لوگوں کے ان کے جال میں پھنسنے سے گمراہی جہالت اور ہر طرح کا نقصان بے اندازہ ہوتا ہے۔ اس لئے واعظانِ حق کی تبلیغی جنگ نہایت ضروری ہے۔ لیکن جب ایک ظالم پادشاہ کے پنجے سے رعایا کو نجات دینے کی فکر کوئی اور طاقتور پادشاہ نہ کرے۔ تو وہ بے کھٹکے حد قیاس سے باہر ظلم کرسکتا ہے۔ اس لئے طالوت جیسے طاقتور پادشاہوں کی سرپرستی میں جالوت جیسے ظالموں کو نیچا دکھانا سچے کھشتریوں کا کام ہے۔ غرضیکہ یجروید ادھیائے ۷ منتر ۲ کی ہدایت پر عملدرآمد کرکے رسولوں یا سنیاسیوں کو جہاں تبلیغ حق سے جھوٹھ اور پاکھنڈ کا ناش کرنا اور امن قائم کرنا چاہیئے۔ وہاں سچے بہادر کھشتری راجا کو ظالموں پر فتح حاصل کرکے اور انہیں سخت سزا دیکر دا کھشس اور پاپی لوگوں کی بیخ کنی کرنی چاہیئے۔

۳۱۲ ا- بقر وید کے گوشبد کا ہی قائم مقام ہے

سورۃ البقر کی وجہ تسمیہ میں واضح کیا گیا تھا۔ کہ آنحضرت نے وید کے کثیرُ المعانی گوشبد کی جگہ بقر کا لفظ رکھا ہے۔ سو جنگ طالوت و جالوت کے متعلقہ آیات کے الفاظ بھی ہمارے اس یقین کی شہادت دیتے ہیں۔ کھشانزد ہرم کے ساتھ نہر سے امتحان کے مضمون کو جوڑنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ جہاں جنگجو سپاہیوں کی چھانٹ کے لئے یہ ایک خاص شرط تھی۔ وہاں اس سے روحانیت کے اعلےٰ معراج کے لئے بھی خاص سبق ملتا ہے۔ اس کے اگلے پارے کی پہلی آیت میں تلک الرسل لفظ سے جہاں نبی اور رسولوں کا بہ طور مذہبی ہادی کے اشارہ ہے۔ وہاں طالوت اور داؤد نام پادشاہ یا کھشتریوں کو بھی رسُول یا خدا کا فرستادہ کہا ہے۔ اور بیان کیا ہے۔ کہ جیسے برہمن اور کھشتری کے درجے ہیں اسی طرح رسُول بھی ایک دوسرے پر فوقیت رکھنے والے درجے رکھتے ہیں۔ کاشکہ اہل علم الفاظ کے اندرونی معانی کی نفاست کا احساس کرنے کے قابل ہوں۔ اگر قدیم رشیوں کی طرز پر علمی اصولوں کو بیان کرنے کے آنحضرت کے طریقوں کا علم قرآن کے مترجمین و مفسرین کو ہوتا۔ تو قرآن یقیناً تمام اعتراضات اور غلط فہمیوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہتا۔ اور قدیم دین کو بھی محفوظ رکھنے میں عین آنحضرت کے مدعا کے مطابق سہل ہوتا۔ غرضیکہ بقر واقعی گائے کیلئے اس سورۃ میں کہیں مقصود نہیں۔ بلکہ علم الٰہی۔ علم انسانی جو علم الٰہی کے مطابق ہو نیز من اور حواس وغیرہ کیلئے ہے

۳۱۲۔ رسولوں کی فضیلت

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۴﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾

ان رسولوں میں سے ہم نے ایک سے ایک کو فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں۔ جنہوں نے اللہ سے کلام کیا۔ اور کئی ایسے ہیں۔ جن کے (علم کی وجہ سے) درجے بلند ہیں۔ اور ہم نے عیسےٰ ابن مریم کو سچی تعلیم دی۔ اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد کے لوگ سچے علم واضح ہونے کے بعد باہم جنگ نہ کرتے لیکن وہ اختلاف کا شکار رہے۔ کوئی حق کو مانتا ہے۔ کوئی اس سے منکر ہے۔ کاش کہ خدا کو منظور ہوتا کہ وہ باہم نہ لڑتے۔ مگر اللہ وہی کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے ۔ ( ) ۔ اے حق پرستو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کر لو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آوے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی۔ نہ دوستی نہ سفارش۔ بے شک کفر کرنے والے ناحق پر ہیں۔ (۱) اللہ وہ ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی سے زندگی اور قیام ہے۔ اسے نہ نیند آتی ہے۔ نہ اونگھ۔ آسمان و زمین جو کچھ ہے۔ اسی کا ہے۔ اس کی اذن کے بغیر کون ہے جو کسی کی شفاعت کرے

وہ جانتا ہے۔ جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے لیکن لوگ اس کے کسی علم کو احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اسکے جسقدر وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ مگر ان دونوں کی حفاظت اس پر مطلق گراں نہیں بے شک وہ بڑا عالی شان اور عظمت والا ہے (۲)

۲۱۳۔ اچھے مذہبی مشنری

آیت ۲۵۳ ہماری پوزیشن کی پوری تائید کرتی ہے۔ کہ مل جنگ کے لڑنے والے مذہبی مشنری ہیں نہ کہ فوجی سپاہی۔ اس آیت میں قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو ان آیتوں کو صحیح معانی کے ساتھ سمجھتا ہے۔ وہی مرسل ہے۔ گویا تبلیغ حق کے لئے تعینات کی گئی جماعت میں سے ہے۔ جس کا ہر ایک ممبر قابلیت میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ کئی ایسے ہیں۔ جو کلم اللہ یا کلام الٰہی والے ہیں۔ انہیں خدا سے کلام کرنے والا اس معنے میں مانا جاتا ہے۔ کہ وہ سمادھی یا مراقبہ میں خدا کی حضوری میں وید منتروں یا کلام الٰہی کے معانی کا انکشاف پاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس روحانی القا کے مشتاق نہیں۔ وہ عقلی طور پر علمی قابلیت میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اور اپنی بڑھی ہوئی استعداد اور تجربہ کاری سے باریک اصولوں کو خود سمجھتے اور اوروں کو سمجھاتے ہیں۔ جو لوگ سمادھی یا مراقبہ میں علم کا درشن کرنے کے طریق کو نہیں سمجھتے۔ وہ موسیٰ کو کلیم اللہ تو کہتے ہیں۔ مگر بتا نہیں سکتے۔ کہ ان کی مراد انسانی نطق یا گویائی سے ہے۔ یا کیا؟ ہاں کوئی وحی کو کلام مانتا ہے۔ جو بقول ان کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ کوئی جبرئیل کے ذریعے کلام مانتا ہے۔ کوئی الہام یعنی رویا یا کشف کو کلام قرار دیتا ہے۔ یہ سارے طریق بغیر سمجھے دوچار رہے بیان کرنے سے اہل علم کو غیر معقول سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ویدک طریق بیان سے تینوں ہی صحیح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ خدا نے فلاں نبی کی طرف یہ وحی کی۔ یا اس کے دل میں ڈالی۔ اس لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ کہ وحی کوئی مادی شے ہے۔ کہ بطور مایع یا گیس یا ٹھوس چیز کے باہر سے انڈیلی یا پھونکی یا رکھی جا سکے۔ لیکن اس لحاظ سے یہ صحیح ہے۔ کہ عالم شخص اپنی خدا سے ملی ہوئی عقل اور علم کے مطابق غور و فکر کر کے ایک بات کو صحیح سمجھتا اور لوگوں کے لئے اسے مفید سمجھ کر ظاہر کرتا ہے۔ اور اس پر اپنا اختیار نہ جتا کر اسے اللہ کی امانت کے طور پر اللہ کے نام سے ہی پیش کرتا ہے۔ اور اللہ کے ہی نام سے لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ مذاہب الاسلام میں فرقہ اسماعیلیہ کے بیان میں صفحہ ۱۴۱ پر وحی کے متعلق حسب ذیل فقرے موجود ہے۔

"دعوت نہم۔ یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے۔ جب داعی مدعو کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ تو اسے ہدایت کرتا ہے۔ کہ فلاسفہ کی کتب دیکھا کر اور علوم الٰہی اور طبعی کا مطالعہ کرتا رہ۔ جب داعی سمجھ لیتا ہے۔ کہ مدعو کو فلاسفہ کے اقوال پر خوب واقفیت حاصل ہو چکی۔ تو اب داعی اپنے رازوں کو کھولنا شروع کرتا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے تجھے اصول و حدوث سے اب تک اطلاع دی ہے۔ یہ سب رموز اور اشارات ہیں طرف معانی اور مبادی اور انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور رسول یا نبی کا کام یہ ہے۔ کہ جو بات اس کے دل میں آتی ہے۔ اور اسے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ وہ اور لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے۔ اور اس کا نام کلام الٰہی رکھ دیتا ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کر جائے۔ اور اسے مان لیں۔ تاکہ سیاست اور مصلحت عام بین انتظام رہے۔

اور جب کہ نبی کی حقیقت یہ ٹھہری۔ تو اُس کے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور اور اُس پر اسی قدر عمل کرنا چاہیئے۔ جو اپنی مصلحت اور حاجت کے مناسب ہو۔ بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عمل درآمد اور پابندی ضرور نہیں۔ اُس کے لئے صرف معرفت ہی کافی ہے۔ کیونکہ معرفت ہی اصل الاصول ہے۔ اور سب کمالات کی انتہا اسی کی طرف ہے۔ اور جو کچھ قیدیں اور اعمال کی پابندیاں مقرر ہیں۔ وہ کافروں کے واسطے واجب ہوئے ہیں۔ جو معرفت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اور عارف کے حق میں یہ باتیں بالکل عبث اور بارِ گراں ہیں۔ اور اقسام معرفت میں سے ان لوگوں کے نزدیک ایک یہ ہے۔ کہ انبیا ناطق صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہیں۔ اور جن انبیا کے پاس حکمت خاصہ ہے۔ وہ فلاسفہ کی جماعت ہے۔ (یہ فلاسفہ کی جماعت صریحاً آریہ جاتی کے یا ویدک دہرمی علما ہیں)

پس جبرئیل کے ذریعے کلام کا پہنچنا اس لحاظ سے غلط ہے۔ کہ کوئی موہومہ نظر نہ آنے والا فرشتہ کسی کو خدا کی طرف سے بہ طور ہرکارہ کے کچھ پہنچاتے آتا ہے۔ کیونکہ خدا ہر جا موجود اور شاہ رگ سے بھی نزدیک مانا جاتا ہے۔ پس جبرئیل کی اسے محتاجی کیسی؟ ہاں ایک اُستاد یا آچاریہ تعلیم دے کر پڑھنے والے کے دل میں خاص معانی اور مفہوم نقش کر سکتا ہے۔ رہا کشف یا الہام کا ذریعہ۔ سو یہ روح اور خدا کے میل سے تعلق رکھتا ہے۔ کشف کا زبانی یا لفظی دعوئے جہاں ناقابل تسلیم ہے۔ وہاں وصل خدا کے آٹھ مدارج پر عمل کر کے آخری درجۂ سمادھی میں روحانی آنکھ سے علمی انکشاف پانا صحیح ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۸۰ دفعہ ۱۰۰ میں کلام اللہ کی تشریح میں یہ الفاظ قابل غور ہیں

"کلام ان الفاظ کو کہتے ہیں۔ جو ایک نظم میں ہوں۔ مع اس معنے کے جو ان کے نیچے ہوں۔ یعنی صرف لفظ بغیر معنی اور معنی ماورلفظ پر کلام نہیں بولا جاتا۔ پس الفاظ اللہ مع معانی ہیں۔ اور یہ عقیدہ کہ وہ صرف مفہوم ہے۔ جو صاحب وحی کے قلب میں ڈالا جاتا ہے۔ لفظ کلام کے معنے سے غلط ٹھہرتا ہے"

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ زبان اور علم کا تعلق اٹوٹ ہے۔ اور ویدک تعلیم کی ہی اس میں تصدیق ہے۔ کہ الفاظ کے ساتھ خدا سے معانی کا بھی پرکاش ہوا۔ اور اس کے علاوہ تعلقات کا بھی یعنی شبد ارتھ اور سمبندھ کا نام گیان ہے۔ محض شبد کا نہیں۔ پھر وید چھند کا بھی نام ہے۔ اور چھند کہتے ہیں نظم کو۔ پھر جیسے ابراہیم لفظ برہما کا قائم مقام ہے۔ ویسے ہی موسے منو کا جانشین ہے۔ چنانچہ آیت ۸۷ میں موسیٰ کو کتاب یا کشفی علم ملنے کا بیان ہے۔ اور اس آیت ۲۵۳ میں بھی کلم اللہ لفظ سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور منو نے ویدوں کی کلام الٰہی کو سمجھ کر ہی منو سمرتی کے قوانین مرتب کئے۔ اسی کا بیان موسیٰ کو شریعت ملنے کے الفاظ میں ہو رہا ہے۔ موجودہ توریت میں وید اور منو سمرتی کے خلاف کتنے بھی بیان کیوں نہ ہوں۔ مدعا اس کا مذہبی شریعت کا پیش کرنا ہی ہے۔ اور آنحضرت نیز مسلمانوں کا اعتقاد بائیبل میں تحریف ہونے کا بھی اسی امر پر منحصر ہے۔ کہ قدیم شریعت سے انہیں اس میں اختلاف نظر آتا ہے۔ غرضیکہ قرآن یہ فرماتا ہے۔ کہ تبلیغ حق کے لئے جو لوگ کام کرتے ہیں۔ بڑھیا سے بڑھیا عالم ہوتے ہیں۔ کوئی منتر درشتا رشی ہیں۔ یعنی مراقبہ میں منتروں کے معانی دیکھنے والے کوئی عقل سے انتہائی غور و فکر کر کے باریک تعلیمات کو سمجھنے والے۔ اسی فرق سے ویدک لٹریچر میں رشی و منی کے جدا الفاظ ہیں

۳۱۴ - عیسےٰ ابن مریم

آیت ۲۵۳ میں ایک سچے مذہبی مشنری عیسےٰ ابن مریم کا ذکر کیا ہے۔ کہ اسے بھی وہی سچی تعلیمات ملی تھیں۔ اور روح القدس سے اس کی تائید کی تھی۔ یہاں یہ بتایا ہے۔ کہ خدا نے الہام دیا۔ بعد میں بڑے بڑے رشی منی بنی ہدایت کے کام پر لگے رہے۔ لیکن افسوس پھر بھی لوگوں میں اختلافات موجود ہیں۔ ایک حق کو مانتا ہے۔ تو دوسرا اس سے منکر ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہا ہے۔ کہ اس میں کسی کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کی ہی رضا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی انسان اپنی کرم گتی سے متحد ہونے میں نہیں آتے۔ عیسےٰ کو سچی تعلیمات ملنے کے ساتھ ہی یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے ان علوم کا عقلی طور پر نہیں۔ بلکہ اپنے پاک روح سے اس کا جلوہ دیکھا۔ آیت ۸۷ میں بھی یہ لفظ موجود ہیں۔ اور ان الفاظ نے دنیا کی مذہبی تاریخ میں بڑا حصہ لیا ہے۔ تعلقات دنیا سے اوپر اٹھ کر روحانی کشف کا درجہ حاصل کرنے والوں کا روح پاک ہے۔ اور وہ آیت یا نیک عالم لوگ آچاریہ کہلاتے ہیں جس کی جگہ یہودیوں میں جبرئیل کا لفظ مروج ہے۔ لفظ عیسیٰ کو خود اہل لغت عجمی مانتے ہیں۔ یعنی سنسکرت کا اور یہ صاف طور پر ایشا (ईशा) کے ویدک لفظ کی ہی صورت میں اب تک موجود ہے۔ مثل کوس اور س کوش پڑھنا آج کل بھی اکثر مثالوں سے ثابت ہوتا ہے۔ سریانی میں اسے ایسوع اور انجیل میں یشوع کہتے ہیں۔ یجروید ادھیائے ۴۰ کے شروع میں ہی لفظ ہے ईशा वास्य اور ایش یا مالک سے تعلق ہونے سے ایشا کہلانا اور اس سے ایشا یا ایسوع کی صورت پیدا ہونا معمولی بات ہے۔ قرآن میں ہر کہیں عیسےٰ کے ساتھ ابن مریم کا لفظ آتا ہے۔ تاکہ یہ خیال دور ہو۔ کہ انہیں خدا کا بیٹا کہا جاوے۔ کیونکہ خدا ان دنیوی رشتوں سے اوپر ہے۔ اور ویسے سب لوگ اس کے بیٹے ہیں۔ ایک شخص نہیں۔ اس کے علاوہ رگوید ۱۰-۴۰-۲ میں (मयने योषा) کے دو لفظ موجود ہیں۔ جن کے اصل معنی اور مفہوم کو نہ سمجھ کر ان سے مریم اور یوشا یا یسوع کے لفظوں کا رواج پڑنا اور بھی اغلب ہے۔ اور ان کے معنے برہمچریہ کے عہد کو پورا کرنے والے کنوارے اور کنواری کے ہیں۔ غرضیکہ موسیٰ کی طرح عیسےٰ کو بھی آدرش مذہبی مشنری کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور گو انسان کے محدود العلم اور محدود العقل اور فطرتاً فعل مختار ہونے اور خدا کے کسی کی آزادی کو سلب نہ کرنے سے آزاد خیال انسان میں شکوک اور اختلافات کا ہونا معمولی بات ہے۔ تاہم چونکہ اختلافات کی صورت میں امن اور اطمینان کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے موسےٰ اور عیسےٰ جیسے بڑے بڑے آدرش مشنریوں کی تقلید کرتے ہوئے ان جھگڑوں کا نپٹانا اور سچے علوم کی اشاعت کرنا واعظانِ حق کا فرض ہے۔

۳۱۵ - خدا کی کرسی

آیت نمبر ۲۵۵ میں خدا کی صفات کو نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے۔ وہ حیات و قیام مجسّم اور خالق ارض و سما ہے۔ بغیر کسی کی سفارش کے اپنے کامل انصاف سے سب کو فعلوں کی جزا و سزا دیتا ہے۔ اور علیم کل ہے۔ ماضی و مستقبل سب اس کے علم میں حال کی طرح ہے۔ اور وہ سب پر حاوی ہے۔ اس کا دربار ہمیشہ ہر کہیں لگ رہا۔ اور اس کی کرسی آسمان اور زمین سی وسیع ہے۔ اس کرسی لفظ کو کوئی عرش کہتا ہے۔ کوئی علم کہتا ہے۔ لیکن نہ عرش کا مفہوم محدود ہے۔ اور نہ علم کا اور چونکہ پہلے الفاظ میں علم کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے کرسی کی وسعت سے اس کا ہر جا حضوری یعنی سرو دیاپک ہونا مقصود ہے۔ وہ بہت اعلےٰ یا بلند یعنی سرو دپری اور عظیم یعنی مہان ہے۔ اور آسمان اور زمین کے نظام کو چلانا اس پر کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے کہ جہاں وہ علیم کل ہے۔ وہاں محیط کل بھی ہے۔ اپنشد میں جو یہ کہا ہے کہ स्वा भाविकी ज्ञान बल क्रियाच

اس کا بھی یہی آشا ہے۔ کہ اس اننت رچنا کے رچنے اور اس کے قائم رکھنے۔ فعلوں کی سزا جزا دینے اور دنیا کے فنا کرنے کے تمام کاموں میں اسے کوئی تکلیف یا مشکل نہیں۔

۳۱۶ - شفیع

آیت زیر بحث میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ کون ہے جو خدا کی اذن کے سوا اس کے پاس سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے۔ جو (اب) ان کے سامنے گذر رہا ہے۔ اور جو پیچھے ہوا ہے۔ لیکن وہ اس کے کسی علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس میں جو شفاعت کی تردید ہے۔ اس کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں مگر اِلَّا بِاِذْنِهٖ سے ظاہر ہے۔ کہ جسے خدا اجازت دے۔ وہ شفاعت کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایسی حدیث بھی ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب قیامت کے دن سجدہ میں گر جائیں گے۔ اور تب خدا حکم دیگا۔ کہ تم شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ لیکن یہ بیان قرآن کے اس اصول کے خلاف ہے۔ کہ موت کے وقت نہ معاوضہ لیا جائیگا نہ شفاعت سنی جائے گی۔ نہ مدد یا حمایت ملے گی۔ پس مطلب صاف ہے۔ کہ محض خدا کے اذن پر ہی مدار ہوگا۔ شفیع ہے تو خدا کی اذن ہی ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جاوے کہ خدا کی اجازت لے کر کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ تو یہ اگلے حصے سے بالکل رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کہا ہے۔ کہ خدا کو آگے پیچھے ظاہر باطن اب اور آئندہ کا سب علم ہے۔ گویا شفاعت کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ شفیع کہے فلاں نیک ہے۔ یہ آپ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا۔ وغیرہ۔ سو جب خدا کو خود ہی کامل علم ہے۔ تو اس کہنے کی محتاجی کیسی۔ پھر یہ بھی کہا ہے۔ کہ انسان کو مانا کسی کے متعلق علم ہو۔ تو بھی جو خدا کو علم ہے۔ اس کے کسی جز و پر بھی کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہذا شفاعت کی جرأت کا خیال بھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ پس خدا کی اذن ہی شفیع ہے۔ انسان نیک عمل ہوگا۔ تو خدا کی اذن یا اس کی مشیت یا رضا خود اس کی شفیع ہوگی۔ غرضیکہ خلاصہ قرآن کے قانون عمل کا عین وید کے مطابق ہے۔ کہ انسان نیک عمل کرتے جاویں۔ اجر کی فکر نہ کریں۔ اور علم مطلق اور علیم کل خدا کے کامل انصاف پر بھروسہ رکھیں۔ جس کا قانون مفہوم ہی یہ رکھتا ہے۔ Virtue is its own reward & vice its own punishment یعنی نیکی آپ اپنا بدلہ ہے۔ اور بدی خود اپنی سزا۔

۳۱۷ - دین میں جبر

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

دین میں سختی کا کام نہیں ۔ گمراہی سے ہدایت کی راہ الگ واضح ہو چکی ۔ لہذا جو شخص شیطان یا جھوٹے معبدوں سے انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے ۔ اس نے یقیناً ایسی مضبوط رسی پکڑ لی ہے ۔ جو ٹوٹنے والی نہیں ۔ اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے ۔ ۳ ۔ اللہ حق پر ایمان لانے والوں کا ولی ہے ۔ وہ انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے ۔ اور منکروں کے ولی شیطان ہیں ۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں ۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ۔ ۴

۳۱۸ ۔ غلط الزام

موجودہ زمانے میں فرقہ وارانہ منافرت کا زور ہونے سے ایک دوسرے کے متعلق نہایت بے انصافی سے کام لیا جا رہا ہے ۔ حتےٰ کہ تعصبات میں مبتلا ہو کر اکثر ناکردنی عمل ہر کہیں ہو رہے ہیں ۔ اور ایک دوسرے پر الزام لگائے جا رہے ہیں ۔ اسلام پر یہ الزام عام ہے ۔ کہ یہ بزور شمشیر پھیلا ہے ۔ اور تاریخ سے محمود غزنوی ۔ احمد شاہ ابدالی ۔ نادر شاہ درانی ۔ امیر تیمور ۔ اورنگ زیب وغیرہ کے کارناموں کے حوالے اس کے ثبوت میں پیش بھی ہوتے ہیں ۔ لیکن جو کچھ ہم اس سے پہلے مذہبی جہاد مشنری سپرٹ اور ترک ایذا وغیرہ کی ہدایات بیان کر آئے ہیں ۔ ان سے قرآن اور آنحضرت اس الزام سے بالکل بری ثابت ہیں ۔ مسلمان حملہ آور اور بادشاہ لوگ اگر ایک طرف لوٹ مار و ظلم سے اپنی ملکی اغراض پوری کرتے اور دوسری طرف اسے اپنی مذہبی خدمت واضح کرتے یا مسلمانوں سے خراج تحسین پاتے رہے ہیں ۔ تو اس کی ذمہ واری بعد کے بدلے ہوئے حالات یا ان حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں پر ہے ۔ غرایب القرآن کا یہ نوٹ اس کے متعلق کافی ہے ۔

خدا تو کھلے بندوں میں ارشاد فرماتا ہے ۔ کہ دین میں زبردستی نہیں ۔ اور لوگ ہیں ۔ کہ ناحق اسلام پر تہمت لگاتے ہیں ۔ کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ۔ اگر کسی بادشاہ نے دین کو ملک گیری کا حیلہ بنا کر ایسا کیا بھی ہو تو دین پر کیا الزام ؟

۳۱۹ ۔ طاغوت

طاغوت کے معنے ہیں بت ۔ دیو ۔ کاہن ۔ شیطان ۔ لات و عزیٰ ۔ سردار و مقتدا ۔ گمراہان ۔ خدا کے سوا اور کی پرستش کرنے والا ۔ اس کا اصل مفہوم وہی ہے ۔ جو وید میں اہی ابی لبش یا ورتر کا ہے ۔ ہر نیک کام حصول مراحت میں جو بھی اسباب رکاوٹ ڈالیں ۔ وہ سب ان الفاظ کا مفہوم رکھتے ہیں ۔ ایشوری حکم کے مطابق عمل کرنا اور اسی کے مطابق اشیائے عالم کا استعمال کرنا اعتدال کہلاتا ہے ۔ اور اس سے تجاوز کرنا گناہ ہے یا شیطانی حرکت اسی کو وحشت آ سکتی یا نفسانی خواہشات میں مستغرق ہونا کہا جاتا ہے ۔ دریا اپنے عام رویّہ میں اعتدال پر ہے ۔ اور جب پانی اس کے کناروں سے اور عام انداز سے باہر نکلے ۔ تو وہ طوفان یا طغیانی ہے ۔ اسی حد مناسب سے گذر جانے کی حقیقت طاغوت سے منسوب کی گئی ہے ۔ اور اسے نفس امارہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔

۳۲۰ ۔ قبول حق و ترک باطل

ان دو آیتوں میں دہرم یا اشاعت حق میں سختی روا نہ رکھنے کی ہدایت ہے ۔ ہر شخص اپنی آزاد رائے سے کام لینے میں مختار ہے ۔ بعض مفسر کہتے ہیں ۔ کہ چونکہ بعد میں جہاد کا حکم ہو گیا ۔ اس لئے یہ آیت منسوخ ہے ۔ لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے ۔ کیونکہ قرآنی جہاد کا صحیح مفہوم پر زور مذہبی تبلیغ اور حق و باطل کا قطعی فیصلہ کرنے سے ہے اس جہاد میں بھی سختی یا زیادتی ممنوع ہے ۔ بجائے زیادتی کے ہجرت کر جانے کو گوارا کرنے کی ہدایت ہے ۔ اس جہاد کی غرض ایک طرح سے دین کی مخالفت میں کربستہ اور بیدینی یا کفر کی اشاعت کرنے والوں کی زیادتیوں کے متعلق مدافعانہ کارروائی کرتی ہے ۔ ویدک دہرم میں سنیاسی یا رسول وغیرہ کے ذریعہ دلوں اور عقلوں کو پلٹا دیکر مخالفوں

کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔ کھشتریوں سے بھی جنگ میں یا اور موقعوں پر برے لوگوں کی بیخ کنی کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن موخرالذکر کا موقعہ تب آتا ہے۔ جب بیرونی زیادتی کو روکنا ہو۔ جھوٹ اور گناہ وغیرہ کا اصل بیج انسانی من میں ہے۔ اور اس کا دور ذریعہ محض بچے بردبار عالموں کے ذریعے تبلیغ حق کرنا ہے۔ سختی سے کام لینے والا کامیاب مبلغ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جسم کی حفاظت کے ذمہ دار راجا کا تو ہتھیار رہی ونڈ یا سزا دینا ہے۔ اور عقل کی حفاظت اور ترقی کی ذمہ دار تعلیمی جماعت ہے یا ودیا سبھا۔ وہ نرمی اور سختی دونوں طرح سے کام لے سکتی ہے۔ لیکن تبلیغ حق کے کام میں محض دلی محبت سے سمجھانے کا ہی فرض ہے۔ بطور ڈاکٹر کے پاگل وغیرہ مریضوں کی ہر بات کو سہارنے کے مذہبی مشنری بھی ہر طرح کی اذیتیں اٹھا کر ہمت اور حوصلہ اور پوری بردباری سے اشاعت حق کا فرض ادا کرتا جانے کا ذمہ دار ہے۔ پس ایسی آیت جو قرآن میں اس خصوصیت کو واضح کر سکتی ہے۔ کبھی اور کسی طرح بھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ قرآن خدا سے تمام صداقتوں کا علم ملنے اور اس کے ذریعے حق و باطل کا صحیح فیصلہ ہونے کا بار بار پُر زور طریق پر اعلان کرتا اور یہاں بھی اسے ہی دوہراتا ہے۔ تو جبر کی ضرورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وید اور اپنشد کے عام اصول پر عمل کی ہدایت دی ہے۔ کہ حق کو قبول اور باطل کو ترک کیا جاوے۔ کفر ایک غلط اصول ہے۔ اس کا منکر اور خدا کا دلی معتقد ایک نہایت مضبوط سہارا رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ عالم کل اور طاقت کل اس کا دلی ہے۔ اور جو خدا سے منکر ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی میں ہے۔ دونوں حالتوں کا مقابلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ خدا تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے۔ اور شیطان روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں قرآن خدا سے اُپنشد والی اس دعا کے کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔

असतो मासद गमय। तमसो मा ज्योति र्गमय।
मृत्यो र्मा अमृतं गमय।

کہ خدا ہمیں جھوٹ سے بچا کر سچائی کی تاریکی سے نکال کر روشنی کی۔ اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے جائے۔ یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۴ کی ہدایت حسب ذیل ہے۔

विद्यां चाविद्यां च यस्तद्वेदोभयं सह।
अविद्यया मृत्युं तीर्त्वा विद्ययामृतमश्नुते ॥ १४ ॥

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ودیا اور اودیا دونوں کا علم ساتھ کے ساتھ حاصل کرے۔ اور اودیا سے موت کو ترک کر دیا ہے اور ودیا سے امرت پائے۔ واقعی علم اور جہالت۔ سچ اور جھوٹ دونوں کا مقابلہ ساتھ کے ساتھ نہ ہو۔ تو انسان آسانی سے جھوٹ کا شکار ہو سکتا ہے۔ جس کو کھرے اور کھوٹے ہونے کی پرکھ نہ ہو۔ وہ چمک پر ہی مست ہو کر ملمع کو سونے کی جگہ خرید سکتا ہے۔ اس لئے علم تو ہو دونوں طرح کا اور عمل ہو سچ پر۔ اصل مرہم عمل کا ہے۔ اور جسے سچ اور جھوٹ دونوں میں تمیز ہو گی۔ وہ جھوٹ سے بچ کر سچ پر ہی عمل کرے گا۔ اسی طرح ودیا اور اودیا خدا اور مادے کو کہتے ہیں۔ اور انسان سچا وہ ہے جس کا روح مادے سے موت کے وقت جدا ہو کر ودیا یعنی خدا سے وصل ہونا اور نجات پاتا ہے۔

۳۲۱۔ تحقیق الشاسخ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ
مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ۝ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي ۲۵۸
هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ
قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ ۖ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ
كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۲۵۹
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ
قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۶۰ ع ۳۵

کیا تو نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے خدا کے بارے میں جھگڑا کیا۔ محض اس وجہ سے (جرأت پاکر) کہ خدا نے اسے ملک عطا کیا۔ ابراہیم نے کہا۔ میرا خدا تو وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا تو اچھا خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو اسے مغرب سے نکال دکھا۔ اس پر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔ واقعی خدا ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ ۱۔ یا کیا تو نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جو ایک شہر کے پاس سے گذرا۔ جس کی چھتیں گری پڑی (زمین دوز) تھیں۔ اسے خیال گذرا۔ کہ اللہ اس اجڑی دیار کو کیسے آباد کرے گا۔ اس پر اللہ نے اس پر سو سال کی موت طاری کی۔ اور پھر اسے زندہ کر کے کہا۔ کہ کتنی مدت مرے رہے؟ وہ بولا کوئی دن بھر یا کچھ کم۔ فرمایا نہیں تم تو سو برس رہے۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو۔ کوئی لسی یا پرانی نہیں۔ سب تر و تازہ ہیں۔ ایسے ہی اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ اور لوگوں کے لئے نشان ہدایت ہو۔ اور ہڈیوں کی طرف غور کرو۔ کہ ہم کس طرح ان کو بناتے اور ان پر گوشت مڑھتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت کھلی۔ بول اٹھا میں جان گیا۔ کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۲ - پھر جب ابراہیم نے کہا

میرے رب! مجھے یہ دکھا۔ کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ جواب ملا۔ کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟ بولا رکھتا ہوں۔
مگر پوچھنا اس لئے ہوں۔ کہ دل کا پورا پورا اطمینان ہو۔ فرمایا کہ چار پرندے لے کر انہیں اپنی طرف ملاؤ۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو
ایک ایک پہاڑ پر رکھو۔ اور ان کو بلاؤ۔ تمہاری طرف دوڑے آئیں گے۔ اور بخوبی سمجھ لو۔ کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا۔ ۳

۳۲۲- خدا کی ہستی کا یقینی ثبوت

صحیح علم کے نہ رہنے سے اکثر انسان اس خدا کی ہستی کے بھی قایل نہیں رہتے۔ جو سب کی ہستی کا اصل موجب ہے۔ ان لوگوں کا دل ہر وقت اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ بالخصوص اچھی پوزیشن حاصل کرنے والے لوگوں میں سے تو کئی مغرور ہو کر اس سے عموماً منکر ہو جاتے ہیں۔ آریہ جاتی میں ہرنیاکش کی مثال اس ناستکتا کی نظیر ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت کی طرف آیت ۲۵۸ میں اشارہ ہے۔ کہ خدا نے اس پر فضل کیا۔ اور اسے حکومت دی۔ مگر وہ بمصداق تپ سے راج، اور راج سے نرک مغرور ہو کر خدا کے متعلق اعتراض کرنے لگا۔ جس پر ابراہیم اس کو نہایت لاجواب دلیل دیتے ہیں۔ کہ جب دنیا میں سبھی آواگون ہو رہا ہے۔ کہیں موت واقع ہو رہی ہے۔ کہیں پیدائش اور زندگی۔ تب خدا سے انکار کیسا؟ انسان کیا حیوان بھی مرنا نہیں چاہتا مگر موت سب پر آتی ہے۔ اور پھر اتنی موت ہونے پر بھی خداوند عالم کے مخلوق اس سیع جہاں میں حد شمار سے باہر انسان اور ۔۔۔۔۔۔ حیوان برابر موجود ہیں۔ یہ گویا اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ پیدائش اور موت یعنی آواگون کا چکر برابر جاری ہے۔ اس سے زیادہ خدا کی ہستی کا اور ثبوت کیا ہوگا۔ انسان حیوان جو اپنی مرضی کے خلاف مر رہے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ خدا اور اس کے قانون کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ مغرور بادشاہ کہتا ہے۔ یہ کیا ثبوت ہے۔ میں بھی چاہوں تو کسی کی جان بخشی کروں۔ اور چاہوں تو پھانسی دوں۔ اس پر ابراہیم فرماتے ہیں۔ کہ جس طریق پر سنسار میں کام ہو رہا ہے۔ کیا تو کسی اور طریق سے کام کر کے دکھا سکتا ہے۔ خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ یہ تو تمہارا کام نہیں۔ پس اگر تو کہتا ہے۔ کہ زندگی اور موت میں تمہارا کچھ دخل ہے۔ تو اچھا تو سورج کو مغرب سے نکال دکھا۔ واقعی اے گمراہ انسان! تو کس طرح یہ بڑا ابول بول سکتا ہے۔ خدا نے جو طریق پیدائش انسان حیوان اور نباتات کا مقرر کر رکھا ہے یا جس طریق سے تو پیدا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریق کوئی انسان نکال دکھائے۔ تو کچھ بات بھی ہو۔ ماں باپ کے میل کے بغیر بچے کا پیدا ہونا وغیرہ ایسا کامل اور مستقل قانون ہے کہ سوائے اس ذات کامل کے کسی محدود العلم و محدود العقل انسان یا کل انسانی جماعت کی متفقہ کوشش سے بھی اس کے مقابل کا قانون ہو نہیں سکتا۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اکثر لوگ خدا کے قانون کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ خلاف قانون عمل کرتے ہیں۔ تو اس کی سزا سے بھی تو نہیں بچتے۔ کوئی انسان دکھ پانا نہیں چاہتا۔ مگر نانک دکھیا سب سنسار کے قول کے مطابق سب زبان حال سے طاقت کل کے انصاف کے اٹل ہونے کا ہی ثبوت دیتے ہیں۔

۳۲۳- ایک اور لاجواب دلیل

آیت ۲۵۹ میں ایک اور طرح پر تناسخ کی صداقت کو واضح کیا ہے۔ کہا ہے۔ کہ ایک شخص ایک اجڑی بستی کے پاس سے گذرا۔ اور اس نے خیال کیا۔ کہ اللہ اسے اب کیسے آباد کر سکتا ہے۔ اس پر خدا نے اسے سو سال کی موت دی۔ یہ محض ایک فرضی بات اصل مطلب کو سمجھانے کے لئے ہے۔ کہ اگر اللہ کسی کو سو سال تک مردہ یا سویا ہوا رکھے۔ تو اس کے پھر جی اٹھنے پر اس طرح سوال و جواب ہو سکتا ہے۔ گویا سو سال کی کشفی موت یا خواب سے مراد ہے

رات کو سویا ہوا انسان خواب دیکھتا ہے۔ تو کتنے ہی سالوں کے واقعات بھر اس کا ایک منٹ کا خواب پھیلی سکتا ہے۔ سو سال کی زندگی بھی موت کے وقت محض ایک خواب کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ پس سو سال کے بعد جاگنے والے کو محض ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ محسوس ہوتا ہے۔ اور اگر اسے بتایا جاوے۔ کہ فی الحقیقت سو سال گذرے ہیں۔ تو وہ اپنے پہلے وقت کے کھانے پینے کی چیزوں کو اور اپنے گدھے وغیرہ حیوانوں کو اسی طرح تر و تازہ اور ویسا ہی جوان و طاقتور پا کر کہ سکتا ہے۔ کہ کیا سو سال گذر جاتے تو یہ چیزیں اب تک ویسی ہی رہتیں۔ گدھا تو کب کا مر چکا ہوتا۔ پس سمجھایا گیا ہے۔ کہ چونکہ انتظام الہی سے ہر حیوان مرتا اور پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح کھانے پینے کے ان اناج اور سبزی بھی برابر کاٹی اور پھر بوئی جاتی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ تازہ بہ تازہ مل سکتی ہیں۔ گویا کل سامانوں کا ہمیشہ ملنا بھی ان کے بگڑنے اور بننے اور حیوانوں کا بھی موجود رہنا قائم رہنا ان کے مرنے د پیدا ہونے پر ہی دلالت کرتا ہے۔ ہڈیوں کی طرف جو خیال دلایا گیا ہے۔ خدا کی صنعت کاملہ کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ کہ رحم کے اندر نہ جانے کس کس مصالحہ سے اور کس کس کاریگری سے ہڈیاں بنتی ہیں۔ اور کس طرح اندر ہی اندر ان پر چمڑا اوڑھا جاتا ہے۔ جس کے بعد بچہ باہر آجاتا ہے۔ ہندی کا شاعر اسی حکمت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ

منش کا شریر جیسے جیب کی گھڑی ہے　　چلتی رہے تو برسوں تک نہیں تو یہ کھڑی ہے
ہڈیوں کے پرزے ہیں رکت لگائے تیل　　تو چا کا چڑھائے پردہ چام ہر مڑھی ہے

۳۲۳۔ مفسرین کی جولانیٔ طبع

سر سید صاحب مفسرین والی مرض کی تشخیص یہاں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ہمارے مفسرین کی عادت ہے۔ کہ سیدھی بات کو بھی ایک عجوبہ بات بنا کر بیان کرتے ہیں۔ اور سنی سنائی باتیں نا تحقیق اور قصے اور کہانیاں اس میں شامل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی کیا ہے۔ سو اب ملاحظہ ہو ان آیات کے متعلق وہ کس طرح اپنی جولانیٔ طبع دکھاتے ہیں۔ تاویل اس آیت کی یہ کی جاتی ہے۔ کہ یہاں نحمیا یا حضرت حزقیل کی طرف اشارہ ہے۔ اور توریت میں سے اس اجڑی بستی کا بیان اس طرح ملتا ہے۔ کہ" بخت نصر نے ۵۹۰ء قبل مسیح میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اور ۵۸۸ء قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اور معبد کو جلا دیا۔ اور بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ مگر کیخسرو بادشاہ ایران نے غلبہ پا کر یہودیوں کو قید بابل سے آزاد کیا۔ اور ۵۲۶ء قبل مسیح کے انہوں نے بیت المقدس میں واپس آ کر قربانیاں کیں۔ اس کے بعد ۵۱۸ء قبل مسیح میں دارا نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ اور وہ اس جگہ آ کر خدا سے دعا مانگتے رہے۔ اور یہ خیال کرتے تھے۔ کہ خدا کس طرح اس کام کو سر انجام کرائیگا۔ یعنی اس اجڑی بستی کو آباد کرائے گا۔ اس پر خدا نے انہیں سو سال کی موت دی۔ اور پھر انہیں زندہ کیا۔ یہ پوچھنے پر کہ کتنی مدت پڑے رہے۔ نبی نے کہا دن بھر یا کچھ کم۔ مگر بتایا گیا کہ نہیں سو سال پڑے رہے۔ اس اختلاف کو کشف لفظ کی آڑ میں دور کیا جاتا ہے۔ کہ حالت کشف میں سینکڑوں سال کے واقعات تھوڑی دیر میں نظر سے گذر جاتے ہیں۔ چونکہ کھانے پینے کی چیزیں جیوں کی تیوں رہیں بوسیدہ نہیں ہوئیں۔ اس بیان سے گھبرا کر اور منشاء دیانی کے الزام سے بچنے کے لئے کشف کی آڑ لی گئی ہے۔ لیکن بات بنی نہیں۔ کیونکہ خدا کا کہنا ہے۔ کہ سو سال مرے رہے۔ اور کشف لفظ کا کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔ پھر گدھے کی ہڈیوں والا معاملہ اور بھی بے ڈھب ہے۔ خدا نے اگر ہڈیوں کو بنانے اور ان پر گوشت چڑھانے کا ذکر کیا۔ تو کیوں سو سال وہی گدھا تو اسی طرح زندہ رہ نہیں سکتا تھا۔ اور یہ ذکر نہیں۔ کہ کوئی گدھا پہلے مر چکا تھا جس کی ہڈیاں یہاں مذکور ہیں۔ لیکن مردہ گدھوں کی ہڈیوں پر چمڑہ نہ کسی انسان نے آج تک چڑھایا نہ خدا مردوں کی ہڈیوں پر

گوشت و چمڑے کے چڑھانے سے پیدائش کرتا ہے۔ بلکہ یہ صفت تو اس کے قانون کو ہی مٹا سکتی ہے۔ پھر خرقیل نبی کے بیان میں سو سال کا ذکر ہی بائیبل میں نہیں۔ ہاں اگر اس کا کل مضمون پڑھا جاوے۔ تو اس میں پیدائش کے متعلق ایک مکالمہ ضرور ہے۔ کہ کس طرح ماں کے رحم (جسے ہڈیوں سے بھر پور وادی کہا ہے) میں خدا اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے انسانی جسم بناتا ہے۔ اور کس کمال سے اس کے اندر ہڈیاں بنا کر ان پر گوشت چڑھاتا ہے۔ پس مراد محض خدا کی کاریگری سے ہے۔ اور سو سال کی موت محض فرضی ہے۔ یا انسانی قالب کی طبعی عمر پہ دلیل دینے کے لئے کہ اتنا عرصہ تو بھی اگر ان میں آکر دیکھے۔ تو دنیا کی سب چیزیں ویسی کی ویسی پاتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہے۔ کہ آواگون کا چکر جاری ہے۔ کہ موت بھی ہوتی ہے۔ تو پیدائش بھی ہوتی ہے۔ اور یہی پوزیشن ہم نے ترجمہ میں لی ہے اور یہی اصل سوال کا جواب ہے۔

اس کے علاوہ مفسر صاحبان کی جولانئے طبع اور بھی گل کھلاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کھانے پینے کی چیزوں اور گدھے کا خیالی ہلانے سے مطلب یہ ہے۔ کہ جیسے سو سال کے بعد بھی سب چیزیں خدا نے اصل حالت میں دکھائیں۔ ویسے ہی نبی کو سمجھایا کہ تیری قوم پھر اپنی اصل حالت پر آجائے گی۔ اور اپنے وطن میں آباد ہو جائیگی۔ اور سو سال اور ایک دن کے فرق پر اس طرح پردہ ڈالا کہ سو سال خدا کے ہاں ایک دن کی مانند ہے۔ مگر یہ وہی بات ہے۔ کہ سوال از آسمان و جواب از ریسمان۔ مضمون ہے آواگون کا اور غور ہو رہا ہے ایک اجڑی بستی کے نظارے پر جس سے آواگون کے حق میں یا برخلاف دلیل اخذ کی جاتی ہے۔ مگر مفسر صاحب سب سے کنی چھوڑ کر پیشگوئی کی طرف دوڑتے پھرتے ہیں۔

ایک اور مفسر صاحب یوں فرماتے ہیں۔ کہ بخت نصر بیت المقدس کے معبد کو برباد کر کے بنی اسرائیل کو پکڑ لے گیا تھا۔ عزیر علیہ السلام اس ویرانی کے وقت میں بیت المقدس پر سے ہو کر گذرے۔ اور ظاہر حال پر نظر کر کے ان کو ناامیدی سی ہوئی کہ "ایسے اجڑے کبھی بھی بستے ہیں"۔ اللہ نے ان کو نمونہ قدرت دکھایا۔ کہ سو برس تک مرے پڑے رہے۔ پھر زندہ کیا۔ تو بیت المقدس اتنے عرصہ میں پھر زندہ ہو گیا تھا۔ اور ان کے گدھے کو خدا نے ان کی آنکھوں دیکھتے جلا اٹھایا۔ خدا نے ان کے کھانے پینے کی حفاظت کی۔ کہ بُسا تک نہیں۔ عزیر علیہ السلام کو صرف یہ حیرت تھی۔ کہ خدا خلاف عادت قدرتوں کو کیونکر نافذ کرتا ہے۔ یہ گویا اور بھی غیر معقول طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اگر خدا نے سو سال کھانے کی خود حفاظت کر کے اسے بسنے نہیں دیا۔ تو ہمیشہ کیوں ایسا نہیں کرتا۔ اور کیوں اپنے بندوں کو روز کے نقصانوں سے نہیں بچاتا۔ خاص ایک شخص کے کھانے کی اور ایک ہی بار حفاظت کیوں کی۔ اور سو سال تک جسم کا پڑا رہنا اور گل سڑ نہ جانا ممکن کس طرح ہے۔ اور اگر گدھے کو ان کے سامنے زندہ کر دکھایا۔ تو معلوم ہوا۔ وہ پہلے مردہ تھا۔ ایسی حالت میں کھانے کا بھی از سر نو ویسا ہونا اور پہلے بوسیدہ ہونا لازمی ہے۔ سو برس والے پینے کھانے وغیرہ کے سامان اور گدھے کا تو نام و نشان بھی اس عرصہ میں رہ نہ سکتا تھا۔

کہاں تک لکھیں نہایت بے معنے تاویلات ہیں۔ اور مفسر صاحبان حیران و سرگردان ہیں۔ مگر مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ہندا ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کچھ نہ کچھ نقل در نقل ہوتی جا رہی ہے۔ اور اختلاف بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی طے ہو نہیں پاتا۔ کہ سب نام تو ایک لیں۔ بس کوئی ارمیا کہتا ہے۔ کوئی حضرت عزیر کہتا ہے۔ کوئی سو سال کی موت کہتا ہے۔ کوئی نیند کوئی رویا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں بیان شدہ ابن عباس کی روایت کی شہادت پر سر سید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ارمیا جب بیت المقدس میں پہنچے۔ تو وہاں انجیر اور انگور پھل رہے تھے۔ انہوں نے انجیر اور انگور کھائے۔ اور انگوروں کو نچوڑ کر شیرہ پیا۔ اور سو رہے اور سونے ہی کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان کو مردہ کر دیا۔ اور سو برس تک مرے پڑے رہے۔ اس سے آپ اس موت کو رویا کہتے ہیں۔

۳۲۴۔ سو سال کا ایک دن

جہاں یہ ظاہر ہے۔ کہ سو سال بعد بھی چیزوں اور حیوانوں کا ویسے کا ویسا پایا جانا یہاں آواگون کا ثبوت بتایا گیا ہے۔ وہاں سو سال کا عرصہ ایک دن کیوں کہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی سمجھنے کی چیز ہے۔ وید کے ایک منتر میں کہا ہے۔ کہ مرتا ہُوا انسان ایک خواب دیکھتا ہے۔ وہ خواب کیا ہے۔ انسان کی زندگی بھر کے کام جو یادداشتوں یا سنسکاروں کی صورت میں اس کے اندر رہتے۔ موت کے وقت اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ ہر واقعہ دوسرے واقعے سے خواہ کتنا عرصہ بعد ظہور پذیر ہوا ہو۔ اس وقت سب ایک ساتھ سامنے ہوتے ہیں۔ وقت یا عرصہ محض ایک فرضی طریق عمر کو ناپنے کا ہے۔ موت کے وقت عرصہ کی قید سے آزاد ہو کر تمام واقعات باہم مل جاتے ہیں۔ اور سو سال کی زندگی محض ایک دن یا کم عرصہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق چیزوں اور حیوانوں میں خواہ کتنی تبدیلیاں ہوں۔ اور وہ خواہ کتنی بار مریں اور پیدا ہوں۔ نتیجہ سو سال پہلے کا اور اب ایک ہی ہے۔ کہ جیسے پہلے چیزیں موجود تھیں۔ ویسے ہی اب بھی ہیں۔

۳۲۵۔ چار پرند اور تناسخ

آیت ۲۶۰ میں ابراہیم کا تناسخ کے متعلق اطمینان کرنے کے لئے جو چار پرندوں کا بیان ہے۔ اس پر بھی مفسرین کا اتفاق اس ذفت تک ایک ناممکن سا امر بنا ہوا ہے۔ کئی ترجموں میں لکھا ہے۔ کہ خدا نے فرمایا۔ ان پرندوں کی بوٹی بوٹی کر کے ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ تفسیر کبیر (فخر الدین رازی والا ترجمہ) میں لکھا ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تم چار پرندے لاؤ۔ اور ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ان میں کا کچھ کچھ حصہ ایک پہاڑ پر رکھ آؤ۔ پھر اپنے مقام پر پہنچ کر ان کو بلاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ان کو بلایا۔ تو ہر پہاڑ سے اس کا حصہ ان کی طرف دوڑا۔ اور راستے میں ہی ہوا میں ملے جلے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے حصوں میں آن ملے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے۔ اور سب کے سب یعنی چاروں زندہ ہو گئے۔ واللہ اعلم

کہتے ہیں یہ چاروں پرند مور۔ گدھ۔ کوّا اور مُرغا تھے۔ (صفحہ ۱۴۹)

بعض مترجم ٹکڑا ٹکڑا کی بجائے قیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حتےٰ کہ سر سیّد احمد صاحب بھی قیمہ کا ہی بیان کرتے ہیں گو آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی محض ایک رویا تھا۔ انہوں نے رویا میں خدا سے کہا۔ کہ مجھ کو دکھلایا تھا۔ کہ تو کس طرح مُردہ زندہ کریگا۔ پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے انہوں نے چار پرند وجانور لیئے۔ اور ان کا قیمہ کر کے ملا دیا۔ اور پہاڑوں پر رکھ دیا۔ پھر بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے۔ اور ان کے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جن کے اجزا بعد مرنے کے عالم میں مخلوط و منتشر ہو جاتے ہیں۔ طمانیت ہو گئی۔"

اس کے بعد آپ علماء مفسرین اسلام کے سچ مچ جانوروں کا قیمہ ہونے پر عدم یقین کا ذکر کرتے ہیں۔ اور مفسرین کی اس کے متعلق تین قسم کی رائیں پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ درحقیقت حضرت ابراہیم نے جانوروں کا قیمہ کر کے پہاڑوں پر رکھ دیا۔ اور پھر جب بلایا تو وہ زندہ ہو کر چلے آئے۔ دوسرے یہ کہ صُرھُنّ کے معنے قیمہ کرنے کے نہیں۔ بلکہ اپنے سے ہلا لینے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت ابراہیم نے چند جانور اپنے سے ہلا لئے۔ اور پھر کوئی جانور کسی پہاڑ پر اور کوئی کسی پہاڑ پر چھوڑ دیا۔ اور پھر جب بلایا تو سب چلے آئے۔ مگر اس امر سے سر سیّد صاحب احیا اموات کے متعلق طمانیت ممکن نہیں سمجھتے۔ تیسرے یہ کہ

جانوروں کا قیمہ کرنا اور پہاڑوں پر رکھنا واقعہ نہیں ہوا۔ بلکہ محض ایسا حکم ملنے سے ابراہیم کا اطمینان ہو گیا۔ سرسید صاحب ان تینوں کے اندر یہ غلطی سمجھتے ہیں۔ کہ رویا کے واقعات کو انہوں نے ظاہری واقعات مان لیا ہے۔ آپ کتاب خرقیل اور کتاب پیدائش سے بھی اس قسم کے دو قصے پیش کرتے ہیں۔ مگر قرآن والے قصے کا ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں مانتے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ ایسا کوئی بیان نہ معقول ہے۔ نہ ممکن الوقوع اور نہ قابل تسلیم۔ اور حسب بیان حمائل التفسیر نہ الفاظ قرآن سے ثابت ہے۔ نہ کسی حدیث اور نہ کسی اور معتبر سند سے۔ آپ کہتے ہیں۔ اگر قیمے سے زندہ جانور کر کے دکھانا تھا۔ تو چار پرندوں اور ان کے بلانے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ کام تو خالص کرشمہ نمائی کا تھا (جیسا کہ اکثر مداری لوگ دکھاتے ہیں) دیگر تفاسیر پر مخالفانہ رائے زنی کر کے آپ زیر بحث آیت کا اصلی مطلب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ

خدا ابراہیم کو فرماتا ہے۔ کہ پرندوں کا تیرے پاس آنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن پرندوں کو تو نے تھوڑی سی مدت پرورش کیا۔ ان میں ایسی کشش تیرے ساتھ ہو گئی۔ کہ تو نے دور دور پہاڑیوں پر ان کو بٹھلایا۔ اور وہ بلانے سے دوڑے چلے آئے۔ اسی طرح تمام ذرات اور ارواحِ عالم جو ہمیشہ سے خداوند عالم کی ربوبیت میں پرورش پا رہے ہیں۔ اس کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ ہم اس تاویل میں بہت معقولیت سمجھتے ہیں۔ دیگر مفسر صاحبان جزو لفظ کی وجہ سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور قیمہ یا ٹکڑے ٹکڑے کے الفاظ جزو لفظ کی جگہ ہی رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت چار پرند چار جدا جدا جگہ رکھنے سے ہر ایک کل کا جزو کہلا رہا ہے۔ اور چونکہ کاٹنے وغیرہ کا کوئی لفظ اصل آیت میں ہے نہیں اور ساتھ ہی پہاڑ پہ رکھ کر جو بلانے کا حکم ہے۔ وہ محض زندہ پرندوں پر ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اصل مدعا یعنی نتیجہ جو اس آیت کو چسپاں کرنے کے لئے ہی ایک طرف انسان اور پرندوں اور دوسری طرف خدا اور روح و مادہ کی باہمی کشش و تعلق ضروری ہے۔ لہٰذا یہ تاویل معقول اور پُر مطلب ہے۔ تاہم اسے کامل اور صحیح مفہوم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ بدنصیبی سے مفسر صاحبان کو یہ بڑا اندیشہ رہتا ہے۔ کہ کہیں تناسخ ثابت نہ ہو جاوے۔ اس لئے باوجود صحیح مفہوم کا احساس کرنے کے انہیں قیامت کی فلاسفی مروجہ اسلام موجودہ کے باہر جانے سے خوف آتا ہے۔ اس لئے یہ مفسر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ خدا کے بلانے پر روح اور مادہ فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ غرض یہ کہ اگر مسلمان اعتراض کریں۔ کہ اس تاویل سے تو آواگون ثابت ہو سکتا ہے۔ تو انہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا کے بلانے پر ان کا حاضر ہونا مقصود ہے۔ لیکن نہ قیامت کا بیان کوئی سوال ہے۔ نہ قرآن میں قیامت کا وہ نقشہ کہیں بھی موجود ہے۔ جو عام طور پر مشہور کیا جا رہا ہے۔ ہاں سوال محض یہ ہے۔ کہ خدا جو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اس کی اطمینان بخش دلیل ملنی چاہیئے۔ سو اس کے لئے بالکل صاف اور صحیح مفہوم حسب ذیل ہے۔ ویدک اصولی زندگی اور موت کا یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے میل کا نام زندگی ہے۔ اور ان کی جدائی کا نام موت۔ سنسکرت لٹریچر میں سنیوگ کو جنم اور دیوگ کو موت کہا ہے۔ جن مادی ذرات سے جسم بنتا ہے۔ چار قسم کے ہیں۔ آگ ہوا۔ پانی اور مٹی۔ ان کو اربعہ عناصر کہا جاتا ہے۔ اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے چار پرند کا لفظ تجویز کیا گیا ہے۔ ایک وقت ابراہیم حکم خدا سے ان پرندوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ تو دوسرے وقت حکم خدا سے ہی وہ انہیں الگ الگ پہاڑوں پر رکھتے ہیں۔ یہ دونوں سنیوگ یعنی میل اور دیوگ یعنی جدائی کی حالتیں ہیں۔ ابراہیم بمنزلہ روح ہے۔ اس کا اس جسم عنصری یعنی چار پرندوں سے میل ہونا زندگی ہے۔ اور ان عنصروں یا پرندوں کا الگ الگ ہونا موت ہے۔ اور سوال ہے۔ اب اگر مردے

کو زندہ کرنے کا سو جس طرح پرندے انسان کے پاس رہ کر تھوڑے دنوں میں اس سے مانوس ہو جاتے اور اس کے اشارے پر دوڑے چلے جاتے اور نزدیک آتے ہیں۔ اسی طرح روح کی مادی جسم سے جو ہمیشہ کی کشش ہے۔ اس کی بدولت ان عنصروں کا قانون الٰہی سے پھر جسم کی شکل میں روح سے ملنا لازمی ہے۔ اس کو ابراہیم کا پرندوں کو بلانا اور ان کا اس کے پاس آنا کہا ہے۔ اور خدا کے حکم کو یا قانون کو اس قسم کی ہر حالت سے وابستہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے انصاف کے قانون کا بھی دخل ہے۔

غرضیکہ پُنرجنم کو روز کے عام مشاہدات اور تجربات سے دلائل اخذ کر کے ثابت کرنا بھی ابراہیم جیسے چوٹی کے عالم کے اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے۔

۳۲۶ - خیرات

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ ۲۶۱

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۲۶۲

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ ۲۶۳

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَ

اَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ ۲۶۴

تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ۲۶۵

مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ
۲۶۶ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٩﴾ ع يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ
۲۶۷ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿١﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
۲۶۸ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢﴾
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ
۲۶۹ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٣﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا
۲۷۰ لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٤﴾ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا
۲۷۱ الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٥﴾
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ
۲۷۲ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦﴾
لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا
۲۷۳ تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٧﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۲۷۴

ان لوگوں کی مثال جو اپنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اُس ایک دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ اور ہر بال کے ساتھ سو دانے لگے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے۔ برکت دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کھلا دینے والا اور علیم کل ہے۔ ۱- جو لوگ راہِ حق میں دولت خرچ کرتے اور خیرات کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنے پروردگار سے اس کا نیک اجر پائیں گے۔ اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ آزردگی۔ ۲- اچھی اور بامروت بات کہنی اس خیرات سے اچھی ہے۔ جس کے پیچھے ایذا دی جاوے۔ اور اللہ غنی ہے۔ اور بردبار۔ ۳- اے حق پرستو! احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو اس شخص کی طرح رائیگاں نہ گنواؤ۔ جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ مگر دل سے نہ خدا کو مانتا ہے۔ نہ عاقبت کو۔ اس کی مثال محض ایک چٹان کی سی ہے۔ جس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔ کہ زور کا مینہ آیا اور اسے سپاٹ کر گیا۔ پس ریاکاروں کو اس خیرات سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ جو انہوں نے کی اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۴- اور جو لوگ اپنی دولت کو اللہ کی مرضی کے مطابق نیک نیتی سے خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس باغ کی مانند ہے۔ جو بلندی پر ہے۔ کہ اس پر خواہ کتنا ہی مینہ برسے وہ دوگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر زور کا مینہ نہ برسے۔ تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۵- کیا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کر سکتا ہے۔ کہ اس کے لئے کھجور اور انگور کا باغ ہو۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ ہر قسم کے پھل وہاں میسر ہوں۔ مگر اس پر بڑھاپا عارض ہے۔ اور اولاد اس کی ناتواں ہے۔ کہ ایک آگ کا بگولا پڑتا ہے۔ اور باغ کو جلا ڈالتا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے سچّے رموز واضح کرتا ہے۔ کہ تم حقیقت پر غور کر سکو۔ ۶- اے حق پرستو! اس جائز کمائی میں سے خرچ کرو۔ جو تم نے خود کمائی ہے یا جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے۔ اور اس میں سے ایسی خبیث چیزیں نہ دو۔ جو تم لینا نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جانتے رہو۔ کہ اللہ غنی اور قابل تعریف ہے۔ ۱- شیطان تم کو فقر سے ڈراتا اور فحش باتوں کے لئے مستعد کرتا ہے۔ مگر اللہ تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کے وعدے دیتا ہے۔ بے شک اللہ فراخی والا اور علیم کل ہے۔ ۲- اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔ اور جسے حکمت ملی اسے کثرت سے خوبیاں ملیں۔ اور سمجھ دار لوگوں کے بغیر کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ ۳- جو کچھ تم خیرات یا نذر کے طور پر خرچ کرتے ہو۔ تحقیق اللہ اس کو جانتا ہے۔ مگر ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ ۴- اگر تم خیرات ظاہر کر کے کرو۔ تو یہ بھی اچھا ہے۔ اور اگر خفیہ طور پر کرو۔ اور فقرا کو دو۔ تو یہ تمہارے واسطے اور بھی اچھا ہے۔ اور یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ ۵- ان لوگوں کو راہِ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ راہِ راست پر لاتا ہے۔ اور جو کچھ تم نیکی میں خرچ کرتے ہو۔ وہ بھی اپنے ہی نفس کے واسطے کرتے ہو۔ اور جو بھی خرچ کرو۔ اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرو۔ اور جو کچھ بھی تم نیکی میں خرچ کرو گے۔ تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جاویگا۔ تمہارے ساتھ بالکل بے انصافی نہ ہوگی۔ ۶- خیرات ان محتاجوں کے

لئے مقصود ہے۔ جو راہِ خدا میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملک میں کسی طرف جا نہیں سکتے۔ ان میں خودداری و عزت ہے۔ مگر جاہل آدمی ان کو غنی سمجھ لیتا ہے۔ تو ان کو ان کی خاص نشانیوں سے پہچان لیگا۔ وہ لوگوں کے گلے چمٹ کر سوال نہیں کرتے جو کچھ تم نیکی میں خرچ کروگے۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ ۲۔ جو لوگ کیا رات اور کیا دن پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح سے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ ان کے رب کی طرف سے ان کو اجر ملیگا۔ نہ انہیں خوف ہوگا نہ رنج۔۱

۳۲۷۔ خیرات راہِ حق میں

پہلی ہدایت آیت ۲۶۱ میں یہ دی ہے۔ کہ خیرات سبیل اللہ یعنی راہِ حق میں ہو۔ اللہ منزل مقصود ہے۔ اس تک پہنچنے کا رستہ سچا دہرم ہے۔ پس فی سبیل اللہ سے مطلب یہ ہے۔ کہ خیرات دہرم کاموں میں ہی دی جاوے۔ بدعمل بے علم یا دہرم کی ترقی میں اعانت نہ کرنے والے لوگ یا دہرم کے لحاظ سے غیر ضروری یا غیر مفید کام دان کے مستحق نہیں۔ بلکہ الٹا کو دیا ہوا دان خود دانی اور پبلک کے لئے بہت نقصان رساں ہوتا ہے۔

۳۲۸۔ دان کا مہاتم

اسی آیت میں دان کی فضیلت ایک لفظ میں ادا کی ہے۔ کہ یہ بمنزلہ بیج ہے۔ جیسے ایک دانہ بیج کا بویا جانے پر سینکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح دان میں بھی بڑی برکت ہے۔ دانی کی کمائی میں واقعی بڑی برکت ہوتی ہے۔ جو عالم علم کی خیرات دیتا ہے۔ اس کا اپنا علم ترقی اور مضبوطی پاتا ہے۔ اور جو ہدایت کے کام میں لگا رہتا ہے۔ گیان اور عرفان میں بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آیت ۲۶۲ کے مطابق وہ موت اور دکھ تک سے چھوٹ جاتا یعنی نجات پاتا ہے۔ یہی فضیلت خاتمہ مضمون پر آیت ۲۷۴ میں بیان کی گئی ہے۔

۳۲۹۔ سچے دانی

آیت ۲۶۲ میں سچے سخی کی تعریف کی گئی ہے۔ کہ جو راہِ حق میں ہی خیرات دیتا ہے۔ اور اس کے لئے احسان نہیں جتاتا۔ بلکہ بہ قول نیکی کر دریا میں ڈال بے غرض دان دیتا ہے۔ اور دان لینے والے کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ یعنی نہ اس سے سختی روا رکھتا نہ اپنے متعلق بڑائی کے لفظ کہتا ہے۔ وہ سچا سخی ہے۔ موجودہ زمانے میں برہمنوں یا علما کو دان دیتے ہوئے بعض وقت جلی کٹی سنائی جاتی ہے۔ کہ کام کے وقت تو آتے نہیں۔ ہاں ٹکے لینے کے وقت آجاتے ہیں۔ وغیرہ۔ یہ دانی کے لئے غیر موزوں ہے۔ دان کسی خدمت کا معاوضہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ یہ اپنا فرض ہے۔ پبلک مفاد یا خدمت کی خوبی سے غافل شخص دان کا مستحق نہیں۔ غرضیکہ سچے دانی کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ سوچ سمجھ کر مستحق شخص کو بلا کسی ذاتی غرض کے دان دے۔ آیت ۲۶۳ میں مزید ہدایت دی ہے۔ کہ دان سلیقہ اور مروت بھرے لفظوں کے ساتھ دیا جاوے۔ اپنی عزت اور لینے والے کی ذلت کرتے ہوئے نہیں۔ بلکہ خدا کی صفات کو اس بارے میں اپنا رہنما بنا دیں۔ کہ کس طرح وہ اپنی تمام بے شمار برجا کے لئے اپنی تمام اعلےٰ النعمتیں سورج۔ چاند زمین۔ ہوا پانی۔ آگ اور ہر طرح کی پیداوار مہیا کرتا ہے۔ مگر انتہائی گمبھیرتا سے نہ کہ اوچھا پن سے مطلب یہ کہ دانی سچا وہی ہے۔ جو مستحق کو دان دیتا اور ذاتی نمائش یا مفاد کا مطلقاً تعلق نہیں ہونے دیتا۔

۳۳۰۔ فضول خیرات

احسان جتا کر اور نمائش کے طور پر دان دینے سے کچھ فائدہ دانی کو نہیں مل سکتا۔ ایک شخص خدا کو نہیں مانتا۔ نہ اسے عاقبت کا خیال ہے۔ اپنی دنیوی حیثیت

اور عیاشی میں مست ہے۔ وہ اپنا روپیہ وغیرہ غیر مستحق لوگوں میں لٹاتا ہے۔ خوشامدی خودغرض حتیٰ کہ رنڈی بھڑوا وغیرہ کو اس کا مال ملتا ہے۔ تو یہ فضول محض ہے۔ اس سے بدچلنی سستی۔ عیاشی آرام طلبی بڑھتی اور انسانی سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے۔ آیت ۲۶۴ میں اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ جیسے چٹان پر مٹی پڑی ہو۔ اس میں بیج بویا جاوے تو وہ اگنے پر بھی نشوونما نہیں پا سکتا۔ بارش آتی ہے۔ مٹی بہ جاتی ہے۔ اور بیج بھی ساتھ ہی بہ جاتا ہے۔ بعینہٖ خدا اور عاقبت کا جنہیں خیال نہیں ان کے دل چٹان کی مانند ہیں۔ جو خیرات کے بیج کے لئے موزوں زمین نہیں۔ گویا خیرات ایک پاک انسٹی ٹیوشن ہے جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے۔ اگر دانی کا دل خدا کے ساتھ نہیں۔ تو نہ صحیح دان ہو سکتا ہے۔ نہ پھل لا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی دولت یا علمی قابلیت انہیں منزل مقصود کی طرف نہیں لے جاتی۔ کسی نہ کسی طرح ضائع ہوتی ہے ایسا ہی حشر ان لوگوں کی خیرات کا ہے۔ جو خدا اور عاقبت کو مانتے ہوئے بھی احسان اور نمائش کا دخل رکھتے ہیں۔

۳۳۱۔ دان کا اعلیٰ درجہ

دانی نیک نیت۔ دان بلا غرض۔ مقصود رضائے الٰہی قوم کی بہتری یا مستحق کی مدد۔ کام علم اور دھرم کی اشاعت کا تو بس برکتیں ہی برکتیں کیوں نازل نہ ہوں۔ اس کی مثال آیت ۲۶۵ میں ایک ایسے باغ سے دی ہے۔ جو بلندی پر ہو۔ اس پر کتنے ہی زور کا مینہ سے۔ باغ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جتنے پانی کی ضرورت ہو۔ باغ میں کام دیتا ہے۔ باقی نیچے بہ جاتا ہے۔ اور اگر ہلکی سی پھوار پڑے۔ تو باغ میں ہی جذب ہو جاتی ہے۔ اور اسے سرسبز رکھتی ہے۔ ایسے ہی سچی خیرات میں ہر طرح بہتری ہے۔ مگر نیت کی خرابی والے کی مثال یہ ہے۔ کہ ظاہرا پھولا پھلا باغ کسی قدرتی حادثے سے برباد ہو جاتا ہے۔ مالک بوڑھا ہے۔ باغ سے اپنی اولاد کو جو ابھی نابالغ ہے۔ پھل ملنے کی توقع رکھتا ہے۔ لیکن اچانک ہی اس کے برباد ہونے سے ہر طرح سے ناکامی اور رنج والم کا شکار ہوتا ہے۔ غرضیکہ اعلیٰ درجہ کا دان ہی دانیوں کے زیر نظر رہنا چاہئے۔

۳۳۲۔ حق حلال کی کمائی

حرام کی کمائی سے خیرات دینا بھی محض نمائشی خیرات ہے کیونکہ دانی اس کا خود جائز مالک نہیں۔ اس لئے آیت ۲۶۷ میں نیک کمائی کی شرط لگائی ہے یا اس کمائی کی جو پیدا وار ارضی کی صورت میں خدا سے انسان کو ملتی ہے۔ وید ہدایت دیتا ہے۔ کہ तेन त्यक्तेन भुंजीथा اس پرمیشور سے عنایت شدہ دولت کو بھوگو۔ اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت ہے۔ کہ جو مال ایسا خبیث ہو۔ کہ تم اسے ناکارہ سمجھتے ہو یا اپنے کام میں لانے سے اس سے احتمال نقصان ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کو بطور خیرات نہ دو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ پھل جو خراب نکل آتے ہیں یا کھانا وغیرہ جو خراب یا ناقص معلوم دیتا ہے۔ وہ دوسروں کو دے کر اپنی فیاضی میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ بعض صورتوں میں ایک انسان چشم پوشی کر کے شکایت یا بدنامی نہیں کرتا۔ لیکن اس چشم پوشی سے جرأت پا کر خبیث اشیاء دوسروں کو دینا صحیح نہیں۔ بلکہ غور اس پر کرنا چاہئے کہ Do as you would be done by. اوروں سے وہ سلوک کرو۔ جو خود کروانا چاہتے ہو۔ پس اگر خود کسی مضر شے ملنے کو پسند نہیں کرتے۔ تو اوروں کو بھی ایسی شے نہ دو۔

۳۳۳۔ دان دیے دھن نہ گھٹے

بعض لوگ اپنی کنجوسی کے لئے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ کہ اوروں کو دے دئے۔ کیا کل کو خود بھوکے مریں۔ ایسے لوگوں کو آیت ۲۶۸ میں ہدایت دی ہے۔ کہ بخل کا خیال ناجائز ہے۔ جب بھی راہِ حق میں خرچ کرنے کا سوال پیدا ہو۔ اور تمہارے حصّہ نہ لینے سے کسی کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو۔ مدد کر گزرو۔ خدا کی مغفرت اور اس کے فضل سے مایوس ہونا صحیح نہیں۔ نیک کام کرنے والوں کے لئے تو اس کی بخشش اور فضل کا قانون اٹل ہے۔ اصل اور حقیقی بلکہ غیر متناہی خیرات تو اس کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اور علیم کل ہونے سے وہ ان سب کے عمل کا علم بھی رکھتا ہے۔ جو اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تب ضرورت کے وقت تنگی کے خوف سے بخیل بننا یقیناً شیطان کی ہی فرمانبرداری کرنا ہے۔ آیت ۲۶۹ و ۲۷۰ میں اسی فرض شناسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اناج یا روپیہ پیسہ کیا خدا تو اپنے پیاروں کو سب نعمتوں کا سرتاج علم دیتا ہے۔ اور عقل اور دانائی۔ پس ہر مناسب خرچ و خیرات پر کمر بستہ رہو۔ اور اللہ کے علم اور انصاف پر پورا بھروسہ رکھو۔ آیت نمبر ۲۷۱ میں بھی یہی ہدایت ہے۔ کہ جیسے بھی ہو۔ خیرات کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ دو۔ ظاہر دو۔ پوشیدہ دو۔ سب طرح بہتر ہے۔ بشرطیکہ دو واقعی محتاج کو۔ اس سے تم مفلس نہ ہو گے۔ بلکہ فضل الٰہی کے سزاوار ہو گے۔

۳۳۴۔ دان سے کلیان

آیت نمبر ۲۷۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ خیرات تمہارے گناہوں یا تمہاری برائیوں کا کفارہ ہو گی۔ یا تمہاری برائیاں دُور کرے گی۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ جب رشوت یا سفارش خدا کے ہاں نہیں۔ تو یہ کفارہ کیسا۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ خیرات ایک تو نیکی کے جذبہ کی ترقی کا موجب ہے۔ اور دوسرے بھلائی کے پلے کو بھاری کر کے برائی کے پلے کو ہلکا کرتی ہے۔ یا دبا دیتی ہے۔ جیسے حفظانِ صحت کی تدابیر بیماری پھیلنے کے وسائل پر غالب آکر فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ویسے ہی دان سے کلیان ہوتا ہے۔

۳۳۵۔ خیرات سے تبدیل مذہب

اکثر لوگ خیرات کے ساتھ محتاج کی مذہبی ہدایت کا خیال جوڑتے ہیں۔ بلکہ آج کل خیرات کو تبدیل مذہب کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ مشنری سوسائٹیاں خیرات کے روپیہ سے لوگوں کی مدد اس غرض سے کرتی ہیں۔ کہ وہ لوگ اپنے مذہب کے زیر اثر آجائیں۔ لیکن قرآن آیت ۲۷۲ میں اس طریق کی تردید کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ تمہارا کام وقت اور ضرورت کے مطابق مدد دینا ہے۔ مذہبی ہدایت کا کام جدا ہے۔ اور مدد کا جدا۔ خیرات جب احسان جتا کر کرنی ہی نہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا ہے۔ کہ ہماری خیرات ہمارے اپنے لئے ہے۔ اس کا اجر خدا نے ہمیں دینا ہے۔ تو محتاج سے ناجائز فائدہ پاتے یا اس پر کوئی دباؤ ڈالنے سے کیا ہم اپنے دان کی عظمت کو کم نہیں کرتے۔

۳۳۶۔ دان کے خاص مستحق

آیت نمبر ۲۷۳ میں ایک خاص قسم کے مستحق محتاجوں کا بیان کیا ہے۔ آیت کے الفاظ سے یہ دو طرح کے محتاج معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو قانع لوگ ہیں۔ جو بغیر کسی کو تکلیف دینے کے اپنا گذران کرتے ہیں۔ خود داری اور غیرت دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے انہیں مانع ہے۔ ایسے لوگ اگر جائز طور پر

دین کی حفاظت کرتے ہوئے کہیں گھر جاویں۔ اور خود کہیں جا کر کما نہ سکیں۔ نہ کسی اپنے رانڈواں سے مدد منگا سکیں۔ تو وہ واقعی امداد کے مستحق ہیں۔ دانا لوگ ان کو ان کی بول چال اور خاص صفات یا علامات سے پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے وہ مبلغ یا پبلک کارکن جو ایک طرف تو سخت مخالفتوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اپیلیں کرنے اور روپیہ مانگنے کے عادی نہیں۔ اگر ایسا کرتے ہیں۔ تو اپنا خود داری اور غیرت کا جذبہ نشٹ کرتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے انسٹی ٹیوشنوں کے ذمہ دار کارکنوں کی حالت ہے۔ کہ وہ پیشہ ور بھکاری بن چکے ہیں۔ اور ہر جایز ناجایز طریق سے روپیہ لاتے ہیں۔ قرآن ہدایت دیتا ہے۔ کہ فیاض طبع لوگ خود ایسے مستحق لوگوں کی پہچان کریں۔ اور انہیں مدد دے کر محض اپنے کام میں لگا رہنے دیں۔ انہیں اپنے دروازوں پر بلا کر ذلیل نہ کریں۔ ان کے علاوہ خاص قبیلہ دار قانع سفید پوش ہیں۔ جو ہر تنگی میں بھی سوال کرنے سے شرماتے اور تنگی اور دکھ سے زندگی کے دن کاٹتے ہیں۔ اہل دول کا فرض ہے۔ کہ ان کا بھی پتہ رکھیں۔ اور بے معلوم طور پر خفیہ انہیں مدد پہنچاویں۔

۳۳۷۔ ویدک دان مریادا

ان آیات میں دان کی جو تفصیل دی ہے۔ وہ تمام کی تمام قدیم طریق خیرات ہے۔ علم یا نیک ہدایت دینے والے برہمن اور سنیاسی سب سے بڑے دانی ہیں۔ اور ان کا فرض یہ ہے۔ کہ وہ بلا معاوضہ یا ذاتی غرض کے (نشکام بھاو سے) سب کو اٹھا دیں۔ مالی امداد کا کام دھرم سبھا والوں کا نہیں۔ یہ ویشیوں کا کام ہے۔ پس اگر کوئی مذہبی سوسائٹی فنڈ اکٹھے کرتی۔ اور لوگوں کو تبدیل مذہب کے لئے روپیہ کے زور سے تیار کرتی ہے۔ یا کسی اور ترغیب سے تو وہ برہمن اور سنیاسی کے دھرم کا خون کرتی ہے۔ منوسمرتی وغیرہ میں دان کے سارے پہلوؤں پر نہایت واضح طور پر بحث کی گئی ہے۔ کس کس موقعہ پر کس کس شخص کو سپاتر کہا جا سکتا ہے۔ اور کون کون لوگ کس کس طرح سے سپاتروں کو مدد دے سکتے ہیں۔ کمائی کیسی ہو۔ طریقہ کیسا ہو۔ سب کچھ بتایا اور خلاصہ اس کی تعلیم کا یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

देशे च कालेच पात्रेच तद्दानं सात्विकं स्मृतं ।

یعنی سچا دان وہ ہے۔ جو مقام۔ موقعہ اور پاتر کو دیکھ کر دیا جاتا ہے۔ ستیارتھ پرکاش میں سوامی جی ایک طرف سپاتر اور کپاتر (مستحق اور غیر مستحق) کی بڑی واضح تفصیل بیان کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف دانیوں کے بھی مختلف قسم بتاتے ہیں۔ اعلےٰ درجہ کا دانی آپ اس کو کہتے ہیں۔

"جو مقام وقت اور مستحق کو جان کر علوم حقیقی اور دھرم کی ترقی کی خاطر سب کی بھلائی کے لئے دے"۔

غرضیکہ سچی خیرات سے کسی ذاتی غرض یا ناجایز فائدے کا خواہ وہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی تعلق نہیں رکھا گیا۔ وید ہر انسان کو کل دنیا کا ایک عضو قرار دیتا ہے۔ اور انسان ہی کیا کل حیوانات تک کے مفاد کے لئے اپنی زندگی اور تمام اموال کو وقف رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یگیہ کا بیان جو یجروید میں ہے۔ اس کے رو سے یگیہ تمام نیک کاموں پر حاوی ہے۔ خدا کی عبادت علم کا حصول عالموں اور والدین وغیرہ بزرگوں کی خدمت وغیرہ ہی کیا کل بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہدایت دیتا ہے۔ ہون یگیہ اور اشاعت علم و دھرم کے کام کرنے اور خانگی حیوانات کیا پرندوں اور کیڑوں تک کی پرورش کے لئے بھی توجہ دلاتا ہے۔ روز کرنے کے لائق پانچ یگیوں میں بھی ایک بلی ویشو دیو یگیہ ہے۔ غرضیکہ منوسمرتی ادھیائے ۳

شلوک ۲۲۰ تا ۲۳۵ میں جو ہدایت ہے۔ وہی قرآن کی آیات میں ہے۔ اسی میں شیریں کلامی سے اور عزت و خاطر سے دان دینے کی ہدایت ہے۔ اور شلوک ۲۳۴ میں دان کا پھل یہ بتایا ہے۔

येन येन तु भावेन यद्यद्दानं प्रयच्छति ।
तत्तत्तेनैव भावेन प्राप्नोति प्रतिपूजित: ॥२३४॥

یعنی جس جس نیت سے جو جو خیرات کرتا ہے۔ اسی اسی بھاؤ سے عزت اور خاطر سے بدلہ پاتا ہے۔ ایسے ہی منوسمرتی ادھیائے ۶ میں ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے عالمان وید اور تارک الدنیا لوگوں کو مدد دے۔ تاکہ ایسے بے غرض کام کرنے والے صحیح طور پر فیض عام کے کاموں کو کامیاب کر سکیں۔

۳۳۸- ربا

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۗ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرُهٗٓ
۲۷۵ إِلَى اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ
۲۷۶ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
۲۷۷ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا
۲۷۸ بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
۲۷۹ وَرَسُولِهٖ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوٰلِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝
وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۸

جو لوگ رباخوار ہیں۔ وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے۔ جنہیں شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ ان کے اس کہنے کا نتیجہ ہے۔ کہ ربا تو بس بیع کی ہی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور ربا کو حرام۔ پس جس کے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پہنچی۔ اور وہ باز آگیا۔ تو جو پہلے لے چکا وہ اس کا۔ یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ مگر جو پھر بھی ربا لیں۔ تو سمجھ لو۔ وہ دوزخی ہیں۔ وہ تو بس وہیں کے ہو چکے ۔۲ - اللہ ربا کو مٹاتا اور صدقات کو بابرکت کرتا ہے۔ وہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا ۔۳ - تحقیق جو لوگ حق کو قبول کرتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ عبادت کے پکے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ انہیں ان کے رب کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ اور نہ انہیں خوف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نہ رنج سے ۔۴ - اے حق پسندو اللہ کا خوف کرو۔ اور اگر مومن ہو تو ربا میں سے جو کچھ باقی رہا ہے۔ چھوڑ دو ۔۵ - اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی ہے۔ اور اگر باز آجاؤ۔ تو تمہاری اصل رقم تمہیں مل جائے۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ کوئی تمہارا نقصان کرے ۔۶ - پھر مقروض تنگدست ہو۔ تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اور اگر بخش ہی دو تو تمہارے لئے اور بھی اچھا ہے ۔۷ - اور موت کے دن سے ڈرو۔ جس میں سب کا اللہ کی طرف ہی رجحان ہوتا ہے۔ تب ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ کسی سے بے انصافی نہ ہو گی ۸۔ -

۳۳۹ - سُود ربا کا صحیح مفہوم نہیں

ربا۔ ربو کے لغوی معنے ہیں فزونی و فزون شدن۔ و برآمدن بر بلندی و نا سر برافتادن۔ (صراح) یہ صحیح ہے۔ کہ مروجہ سُود بھی ایک بڑھوتری ہی ہے۔ مگر قرآن کی ان آیات میں مروجہ سُود کو حرام مانا جاوے۔ تو اس کا اثر تجارت پر ایسا پڑ سکتا ہے۔ کہ قرآن کی مطلوبہ تجارتی ترقی میں ہی روک ہو۔ بینک کو قرضہ دینے والا سود نہ لے اور بینک اس سے تجارتی کام جاری کر کے منافع لیتا رہے۔ یہ شرط انصاف نہیں ایک شخص قرضہ لے کر عالی شان مکان بنوا لے۔ اور اسے لاگت سے دُگنے تگنے داموں پر کسی مالدار کے پاس بیع کر دے۔ مگر جس نے اسے روپیہ قرض دیا۔ وہ سود نہ لے۔ یہ شرط انصاف نہیں۔ ایسا ہی کسی طرح کی تجارت میں جو لوگ قرضہ پہ روپیہ لے کر لکھوکھا روپیہ کمائیں۔ وہ قرضخواہ کو کچھ منافع نہ دیں۔ یہ قرآن کا منشا ہو نہیں سکتا۔ پس ربا وہ بڑھوتری ہے۔ جو مقروض پر ظلم کی حد تک پہنچتی ہے۔ مثلاً کسی کو نہایت غرضمند پا کر اور کسی طرح اور انتظام کے امکان نا قابل جان کر سو روپیہ دینا اور ڈیڑھ یا دو سو لکھوا لینا۔ پھر اگر میعاد کے اندر ادا نہ ہو۔ تو راس المال میں اور ایزادی کروا لینا یا سُود کو ساتھ شامل کر کے سود در سود چارج کرنے لگنا۔ غرضیکہ جو شخص مصیبت میں مبتلا اور شریف ہوتے سے اپنی پردہ پوشی چاہے اُسے زیادہ سے زیادہ قابو کرتے جانا ربوا کا صحیح مفہوم رکھتا ہے۔ حدیثوں میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ اور ربا کی تفسیر ہم سے نہیں فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ اسی وجہ سے ربا کے متعلق بہت سا اختلاف خیال ہے۔ تاہم اگر غور کیا جاوے۔ تو مطلب صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مذہبی اور اخلاقی ترقی میں لین دین کے متعلق جو بڑھوتری مانع ہو سکتی ہے۔ وہ ربا ہے۔ اور آنحضرت کا نکتہ نگاہ گویا کہیں یہ ہے۔

مگر آیات بالا میں تو اس کے سوا ہو نہیں سکتا۔ اگر سود کا مفہوم لیا جاوے۔ تو اس کے معنے تو ہیں منافع اور منافع کل انسان ہمیشہ اپنی دولت زمین و خرید و فروخت وغیرہ سے اُٹھاتے چلے آرہے ہیں۔ اور قرآن تو دنیاوی دولت کے بجا استعمال سے آخرت کا منافع پانے کی بھی پرزور تلقین کرتا ہے۔ پس سود یا منافع کی حرمت یہاں مقصود نہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ اگر سود قطعاً منع ہو جاوے۔ اور سوسائٹی کی حالت اس قدر بلند ہو جاوے کہ وہ اپنی دولت سے دوسروں کو اپنی مشکلات کے دور کرنے کا موقعہ دیں۔ تو اس سے زیادہ بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں تمام اناج۔ مکان پھل وغیرہ کے بھی کوئی شخص دوسرے سے دام چارج کرنے کا حقدار نہیں رہیگا۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل قبول ہے۔ کہ سود خوار لوگ بعض صورتوں میں ایسے غرض باولے ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں ہمدردی وغیرہ کا خیال نہیں رہتا۔ اور اپنا روپیہ اگر کارِ خیر میں دینے لگیں۔ تو انہیں یہی خیال آتا ہے۔ کہ ہم سو روپیہ کیا دیں گے۔ اپنا ہزاروں کا نقصان کریں گے۔ کیونکہ قرضہ پر دیا ہوا دس بیس سالوں میں ہی ہمارا روپیہ بہت بڑھ جائیگا۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ سود خوار لوگ خود کمانے کے عادی نہیں رہتے۔ دوسروں کی کمائی کا خود ہی بھگتان کر لینا ان کو زیادہ مدنظر رہتا ہے۔ اور اکثر ان کے ظلم سے تنگ آکر مقروض ان کی جان تک لینے کے بھی منصوبے کرتے ہیں۔ مگر ان تمام قباحتوں میں سود کے اصولی طریق کی ذمہ داری نہیں۔ تعلیم کی کمی یا صحیح طریق پر ویوہار کا نہ سیکھنا سکھانا اس کی اصل وجہ ہے۔ پس اس قسم کے معنے تعین کرنے جن پر دو طرح کی تاویل ہو سکے صحیح نہیں۔ ہاں آنحضرت کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ اس کے لئے آیت ۲۶۱ کا مضمون ہمیں پہلے پہل صحیح رہنمائی دیتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گیا ہے۔ ایک دانہ بو کر صد ہا دانے پانا۔ اور اس فراخی والے علیم کل خدا کی برکت کا مستحق ہونا آیت ۲۶۲ میں یہ کہا۔ کہ راہِ حق میں خرچ کر کے احسان نہ جتاؤ۔ اس کی وجہ سے کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ آیت ۲۶۳ میں کہا راہ حق میں خرچ کرتے ہوئے الفاظ بھی میٹھے اور بامروت بولو۔ غرور میں آکر کسی کی مدد کے وقت نا ملائم یا دکھنے والے الفاظ کہنا یا محتاج مسکین کی مدد کرتے ہوئے خفیہ ظلم کو روا رکھنا ٹھیک نہیں۔ بوڑھا باپ ہو۔ بچہ ابھی معصوم ہو۔ اور اس کا بڑا پھلا پھولا اور لہلہاتا باغ جس پر وہ ان معصوم بچوں کے گذارے کی امیدیں بنائے بیٹھا ہے۔ ایک دم آگ کی نظر ہو جاوے۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات کیا ہوگی۔ اس مثال سے سمجھایا یہ گیا ہے۔ کہ جس اولاد کے لئے پاپ اور ظلم سے کماتے ہو۔ خدا کے حکموں کے خلاف چل کر تم اسے پال نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ساری کمائی اس وقت برباد ہو جاوے۔ جب تم خود کمانے کے قابل نہ رہو بہ وجہ بڑھاپے کے۔ اور اولاد ابھی یوں معصوم ہو۔ ایسا ہی راہِ حق کے علاوہ خرچ کرنے کے لئے یہ مثال بھی دی ہے۔ کہ حرام یا ظلم کی کمائی سے فائدہ کیا۔ چٹان پر مٹی پڑی ہو۔ اس میں بیج ڈالا جاوے۔ تو جب مینہ برستا ہے۔ مٹی اور بیج دونوں کو بہا لے جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرح پر اس مقصد کی تکمیل کے لئے زور دیا گیا ہے۔ کہ مال راہِ حق میں اور مستحق لوگوں کی مدد میں خرچ ہو۔ اس کے بعد اس امر کا بیان کرنا ضروری تھا۔ کہ اپنے مال و دولت کو راہِ حق میں خرچ نہ کر کے جو لوگ اس کی بدولت امداد کے قابل لوگوں پر ناجائز قسم کے لین دین سے ربا کا بوجھ ڈالتے جائیں۔ انہیں اس سے روکا جاوے۔ چنانچہ آیات زیر بحث میں فرمایا ہے۔ کہ جو ان سے لے چکے اس کا انصاف خدا پر ہے۔ آیندہ اس بڑھوتری کو چھوڑ دو۔ اصل وصول کر لو۔ اور اگر فوراً نہ مل سکے۔ تو مہلت دے دو۔ اور جو ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ اُسے بخش دو۔ تو بھی تمہاری مروت سے یہ بعید نہیں ہو سکتا۔ پس تجارتی ترقی کے مانع کسی امر کا یہاں تعلق

نہیں۔ سرمایہ داروں کو ظلم کی غار سے نکل کر ہمدردی اور معاونت کی اس بلندی پر پہنچنے کی تلقین کی ہے۔ جس پر لگا یا ہوا باغ تیز سے تیز بارش سے بھی ضروری فائدہ پا لیتا ہے۔ اور ہلکی سے ہلکی بارش کو بھی جذب کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ربا یا ظلم کی کمائی سے پھلنا پھولنا محض عارضی اور نمائشی ہے۔ اور راہ حق کی کمائی سے دوسروں کا بھلا کرنا اور ایک ایک دانے سے سو سو دانے پانا اور خدا سے برکت پانے کا مستحق ہونا ہی صحیح طریق کار ہے۔

۳۴۰۔ صدقات

ربا لفظ آیت ۲۷۵ میں تو بیع کی ضد ہے۔ اور ۲۷۶ میں صدقات کی ضد ہے۔ بیع کے معنے خرید فروخت۔ یہ تو حلال ہے۔ اور ربا کے معنے جو حرام ہے۔ سود لئے جائیں۔ تو یہ صحیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مفہوم یہ ہے۔ کہ باقاعدہ تجارتی لین دین حلال ہے۔ اور اس کے برخلاف حرام۔ سود کی مقررہ شرح باقاعدہ تجارتی لین دین ہے۔ ایک شخص روپیہ لگاتا ہے۔ دوسرا اس روپیہ کے ساتھ محنت کرتا ہے۔ اگر وہ دونوں نفع نقصان کی شراکت کر لیں۔ تو بھی روپیہ دینے والا نصف منافع کا حقدار ہے۔ لیکن اگر محنت کرنے والا اس کے منافع کے حق کو خود رکھے۔ تو اس کے عوض میں وہ ایک مقررہ سود دے سکتا ہے۔ پس ربا کا لفظ محض اس بے قاعدہ بڑھوتری پر عاید ہوتا ہے۔ جو بددیانتی سی ہے۔ اور لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی۔ بہ وجہ اس کے گناہ سمجھے جانے کے۔ سود بھی مناسب حد سے زیادہ ہوتے پر ربا میں شمار ہو سکتا ہے۔ مگر آیات زیر بحث والا لفظ ربا اور سود مترادف نہیں ہو سکتے۔ دوسری طرف صدقات سے مراد راہ حق میں خیرات دینا یا پاک مدد کرنا ہے۔ اس کے مقابلے میں شیطانی یا ناپاک مدد ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے محض بغیر دیئے کچھ رقم مارنا یا قرضہ میں بڑھانا۔ پس ربا کی تکذیب کرنا اور صدقات کو بابرکت کرنا محض یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ سرمایہ دار اپنے غریب بھائیوں کے ہمدرد بنیں اور ان کی امداد کو راہ حق میں خرچ کرنا سمجھیں۔ اور غریب اور امیر کا آپس میں ایسا تعاون ہو۔ کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ وید میں ہر کام کے متعلق جو فریق ہوں ان کو باہم متحد ہو کر کام کرنے کی ہدایت ہے۔ والدین اور اولاد۔ گورو اور شاگرد۔ راجا اور رعیت۔ خاوند اور بیوی۔ مالک اور مزارعہ وغیرہ وغیرہ کے جوڑے اور اسی طرح قرضخواہ اور مقروض یا دوکاندار و گاہک ایک کس اصول پر باہمی سلوک کا مدار رکھیں۔ یہ اس منتر میں واضح کیا گیا ہے

स्वस्ति पन्थामनुचरेम सूर्य्याचन्द्रमसाविव ।
पुनर्ददताघ्नता जानता संगमेमहि ॥

اس میں اول تو یہ بتایا ہے۔ کہ سب انسان ایسے طریق پر باہم دیوہار کریں۔ جو فریقین کے لئے سلامتی کا موجب ہو۔ دوم یہ کہ سورج اور چاند وغیرہ اجرام فلکی کی گردش کو اپنا راہنما بنا دیں۔ اپنا فرض سب اپنے اپنے رستے پر گردش کر کے پورا کئے جاتے ہیں۔ مگر باہم ٹکراتے نہیں۔ مطلب یہ کہ شراکت ہو یا قرض کا دین لین صحیح طریق پر کام ہو تو کبھی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ جو کچھ کسی سے لیا جاوے۔ مناسب اور موعودہ طریق سے شکریہ کے ساتھ واپس کیا جاوے۔ چوتھے یہ کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچا دے۔ پانچویں یہ کہ گیان یا علم کی رہنمائی میں دیوہار ہو۔ بُرے استعمال یا ناجایز فایدہ اٹھانے سے پورا پرہیز کیا جائے۔ اور چھٹے یہ کہ مجموعی حالت یا اتفاق یا میل کو کبھی نظر انداز نہ کیا جاوے۔ یہی ہدایت قرآن سورہ یٰس آیت ۳۸ تا ۴۰ میں دیتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

سورج اپنے مقرر رستے پر چلا جاتا ہے۔ جو اس کے مالک (عالم کل) نے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور چاند کی منزلیں بھی مقدر ہیں۔ حتیٰ کہ وہ کھجور کی پرانی سوکھی شاخ سا بھی ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند میں مزاحم ہو۔ اور نہ رات دن میں مزاحم ہوتی ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں چل رہے ہیں۔

غرضیکہ وید اور قرآن دونوں بالاتفاق نیک نیتی اور ایمانداری سے ایک دوسرے کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح طریق پر اپنا فرض ادا کرنا جانتے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کسی بھی کام کے متعلقہ فریقوں کی باہم کشیدگی نہ ہو۔ اور ایسے ہی بالی لین دین میں بھی کوئی ذریعہ مہیا نہ ہو۔ جس سے فریقین کے مفاد میں باہمی کشیدگی پیدا ہو۔ چونکہ ربا اس کشیدگی کی لازمی وجہ ہے۔ اس لئے اس کو خدا مٹاتا اور صدقات یعنی اپنے مال سے دوسروں کو فیض پہنچانے کو مبارک بتاتا ہے۔

۱۴۱-قرض

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

۲۸۲

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

ع ۳۹/۲　۲۸۳

اے ایمان لانے والو جب تم مقررہ میعاد کے لئے ادھار کا لین دین کرو۔ تو اسے لکھ لیا کرو۔ تمہارے درمیان میں انصاف سے لکھنے والا کاتب ہو۔ جس کو واجب ہے۔ کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح سے اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ اس طرح سے لکھ دیا کرے۔ اور جس پر حق ہے۔ وہ بول کر لکھوایا کرے۔ اور اللہ کا خوف کرے کہ وہی اس کا مالک ہے۔ اس میں وہ کوئی کاٹ چھانٹ نہ کرے۔ - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- اور اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل ضعیف یا مطلب واضح کرنے سے قاصر ہو۔ تو اس کا ولی صحیح صحیح لکھواتا جائے۔ اور دو مرد گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ اور اگر دو مرد گواہ نہ کر سکو۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں کرو۔ تاکہ ایک بھول جائے۔ تو دوسری اسے یاد کرا سکے۔ اور جب گواہوں کی طلبی ہو تو وہ انکار نہ کریں۔ پھر معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک نہایت انصاف کی بات ہے۔ اور شہادت کو مضبوط بناتی ہے۔ اور شبہات دور کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ ہاں اگر نقد دام لے کر دست بدست سودے کا لین دین ہو۔ تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر بھی جب خرید فروخت کرو۔ گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ مگر کاتب یا گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جاوے۔ اور اگر ایسا کیا جاوے۔ تو یہ تمہاری طرف سے شرارت یا گناہ ہوگا۔ اور اللہ کا تقویٰ رکھو۔ کہ وہی تم کو علم دیتا ہے۔ اور وہی کل چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ۱

اور اگر سفر میں ہو اور کاتب مل نہ سکے۔ تو رہن با قبضہ کرو۔ یا ایک دوسرے کا اعتبار کرو۔ تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ اپنی امانت کر دے۔ اور اللہ سے ڈرتا رہے۔ جو اس کا مالک ہے۔ اور گواہی کو چھپاؤ نہیں۔ جو چھپاتا ہے۔ وہ اپنے دل کو گنہگار بناتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ ۲

۲۴۴۳۔ قانونی یا اخلاقی دونو پہلو!

جہاں ربا حرام ہے۔ وہاں باقاعدہ لین دین کی کھلی اجازت ہے۔ اور ان دو آیتوں میں قرض کے متعلق قانونی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے ہدایت دی ہے۔ (۱) قرض کا لین دین مقررہ میعاد کے لئے ہو۔ تاکہ

مقروض پر قرضخواہ تاخیر کا جھوٹا الزام نہ لگا سکے۔ نہ مقروض کو وقت ادائیگی کے متعلق شبہ یا تاخیر کی جرات ہو۔ (۲) قرض کا لین دین تحریری ہو۔ تاکہ مقروض کی نیت میں فرق آئے یا اس کی موت ہو جاوے۔ تو وزن دار قانونی شہادت موجود ہو۔ اور اخلاقی دباؤ بھی کارگر ہو سکے۔ (۳) قرض کا دستاویز کاتب سے لکھوایا جائے۔ (۴) اور کاتبوں کا فرض ہے۔ کہ جیسا لکھنا انہیں آتا ہو۔ اس سے اس خدمت کی بجا آوری سے انکار نہ کریں۔ (۵) لکھانے والا وہ فریق ہو۔ جس نے قرض لیا ہو۔ کیونکہ اسی نے شرائط کی پابندی سے روپیہ لوٹانا ہے۔ اس لئے قرض دینے والے سے طے شدہ امور کو وہ خود لکھوائیگا تو اسے ہر امر کا مناسب خیال بھی رہیگا۔ اور قرض دہندہ کو آج کل کے کئی لوگوں کی طرح اپنے مطلب کی تحریر لکھنے یا لکھوانے کا موقعہ نہ ملیگا (۶) مقروض اگر ناخواندہ ہو تو کاتب دوسرے فریق کی رعایت کر کے الفاظ میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ اس لئے کاتب کو خدا کا خوف دلایا۔ اور کانٹ چھانٹ سے روکا گیا ہے۔ (۷) مقروض ان پڑھ ہو۔ یا کم سن یا کم عقل یا ضعیف۔ اور کاروبار کی مشق نہ ہونے سے اپنا مطلب پورے طور پر ادا نہ کر سکے۔ تو اس کا ولی یا سرپرست تحریر کراوے نابالغوں کا تو بالخصوص ولی ہی کارکن ہوتا ہے۔ (۸) شہادت کے لئے دو گواہ بھی ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ بصورت تنازعہ دو کا بیان زیادہ معتبر ہو سکتا ہے۔ اور دو دیانتوں سے سمجھدار منصف اچھی طرح وزن دار نکات کو سمجھ سکتا ہے۔ (۹) بعض صورتوں میں دو مرد شہادت کے لئے نہیں مل سکتے۔ اور بعض وقت عورت کی شہادت لازمی ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی شرط کی گئی ہے۔ کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ عورت ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ عورتیں محض گھر کے کام میں لگی رہنے سے لین دین کا تجربہ نہیں رکھتیں۔ اس لئے ان کا تفصیل کو بھول جانا زیادہ اغلب ہے۔ اور ایسی صورت میں ایک کی بھولی ہوئی بات دوسری عورت یاد کرا سکتی ہے۔ (۱۰) جیسے کاتب کا فرض ہے۔ کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ ویسے ہی گواہوں کا فرض ہے۔ کہ طلب کیا جانے پر حاضری سے انکار نہ کریں۔ اور دستاویز لکھانے کی قدر شہادت پر ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ معتبر شہادت سمجھی جاتی ہے۔ اور شبہات یا قیاس آرائی کی ضرورت نہیں رہتی۔ (۱۱) نقد دام پر شے کے لین دین میں تحریر لازمی نہیں۔ کیونکہ تحریر کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ (۱۲) تاہم ایسی صورت میں بھی شہادت سے ہر ممکن غلط فہمی کا امکان جاتا رہتا ہے۔ (۱۳) جہاں کاتب اور گواہ پر پابندی ہے۔ وہاں فریقین پر بھی فرض ٹھہرایا ہے۔ کہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں۔ شہادت میں بلائیں تو ان کا معاوضہ دیں۔ ان کی سچی شہادت جس کے خلاف جائے۔ وہ ان سے کینہ نہ رکھے وغیرہ (۱۴) سفر وغیرہ میں کاتب نہ مل سکے۔ تو بغیر لکھائے بھی قرضہ دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں رہن یا قبضہ اچھا ہے۔ زیور وغیرہ گروی رکھ کر روپیہ دیا جا سکتا ہے۔ (۱۵) خالی اعتبار پر قرضہ دیا جائے۔ تو خاص طور پر مقررہ وقت پر یا اس سے پہلے امانت واپس کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس طریق سے بغیر کسی وقت کے باہمی لین دین ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر بے اعتباری بڑھتی اور ضرورت کے وقت تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان سب قواعد سے بڑھ کر لین دین میں جو خدا کا خوف دل میں رکھنے کی ہدایت ہے۔ وہ سب کو فرض کے پورا کرنے پر متوجہ رکھتا ہے۔

۳۴۳۔ خاتمہ سورۃ و دعا

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۸۴
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ۲۸۵
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۸۶ رکوع ۴۰

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ تم خواہ اسے ظاہر کرو۔ خواہ چھپاؤ۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ اور جسے مناسب ہوگا۔ بخشے گا۔ جسے چاہے گا عذاب دیگا۔ کیونکہ وہ ہر بات پر قادر ہے ۱۔ رسول اس پر ایمان لاتا ہے۔ جو اس پر اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور مومن سب اللہ۔ اس کے فرشتوں۔ اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ کسی ایک (رسول) کی تعلیم میں بھی فرق نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم (تیری ہدایت) سنتے اور اس کی ہی اطاعت کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کی ہی مغفرت چاہئے۔ کیونکہ آپ ہی ہماری منزل مقصود ہیں ۲۔ اللہ ہر ہستی پر اس کی طاقت کے مطابق ہی ذمہ واری ڈالتا ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے۔ جو اس نے کمایا ہے۔ اور اس پر وہی کچھ پڑیگا۔ جو اس نے پانا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم سے سہو و خطا ہو جائے تو ہم سے اس کا مواخذہ نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے پہلے لوگوں پر جو عذاب پڑا اس سے ہمیں بچا اور اے ہمارے مالک! ہم سے وہ کچھ نہ اٹھوا۔ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہاں ہم کو معاف فرما۔ ہم پر مغفرت کر۔ ہمارے رب ہم پر رحم فرما۔ آپ ہی ہمارے مالک یا ہمارے نجات دہندہ ہیں۔ سو آپ ہی ہمیں کافر لوگوں پر فتح نصیب کریں۔

۴۴۳۔ خلاصہ	ان تینوں آیتوں میں ایک طرح سے سورہ بقر کی تعلیم کا لب لباب پیش کیا گیا ہے۔ آیت ۲۸

میں تو یہ بتایا ہے۔ کہ اے انسانو! یاد رکھو۔ کہ جو کچھ بھی کائنات عالم میں ہے۔ آسمان و زمین سب اُس خدا کی ملک اور اس کے زیرنگین ہے۔ جو قادر مطلق ہے۔ تم فعل کرتے ہو۔ وہ اس کا اجر دیتا ہے۔ اس کے قانون انصاف کو اس کے طاقت کل ہونے سے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ تمہارے اعمال تمہارے نفس میں منقش ہیں۔ تم ان کو جو اپنے خیال میں ٹھیک سمجھتے ہو۔ ظاہر کرتے ہو۔ اور جن کے ظاہر کرنے سے تمہیں نقصان کا احتمال ہے۔ انہیں لوگوں سے چھپا کر مواخذہ سے بچ جاتے ہو۔ لیکن انصاف ایزدی میں یہ حکمت کارگر نہیں ہو سکتی۔ وہ کل ظاہر اور پوشیدہ عملوں کا حساب کرتا ہے۔ اور جو اس کی بخشش یعنی اعلیٰ زندگی یا نجات کا اہل ہوتا ہے۔ اسے بخشتا ہے۔ اور جو عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے عذاب دیتا ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ کے معنے جو یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ جسے چاہے، اس میں غلط فہمی کی گنجائش ہے اگرچہ باریک بین لوگ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ اسی کو راحت دینا چاہتا ہے۔ جن کے اعمال نیک ہیں۔ اور انہی کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ جو بدعمل ہیں۔ تاہم شایاں یا مناسب یا اہل ہونا کے لفظ ترجمے میں لکھنے سے عام لوگ یہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ خدا کے ہاں انصاف کے علاوہ سزا جزا کا ملنا ناممکن ہے۔

۲- اس قانون عمل سے بجا طور پر فائدہ پانے کے لئے ہدایت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے آیت ۲۸۵ میں نہایت معقول توضیح کی گئی ہے۔ کہ رسول یا رشی لوگ تو خدا سے نازل ہوئے علم کو مانتے ہیں۔ اس رتھی ہیں جس میں وہ ان کے روح یا دل پر ظاہر ہو۔ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ کا مطلب یہ نہیں۔ کہ ایک رسول کی آزاد شخصیت پر مخصوص اور نئی صداقت نازل ہوتی ہے۔ بلکہ کوئی بھی رسول یا رشی ہو۔ وہ خدا کے جس سچے علم کو حاصل کرتا ہے۔ وہی یہاں مقصود ہے۔ ویدک دھرمی لوگ کہتے ہیں۔ رشی منتر درشٹا ہیں۔ یعنی الہام الٰہی کے الفاظ پر سمادھی یا انتہائی یکسوئی اور روح و من کی یکجہتی سے غور کرتے اور اصل معانی کو دیکھتے ہیں۔ ان کا اطمینان ہو ہی اسی طرح سکتا ہے۔ پس وہ ایسی منکشف ہوئی صداقتوں کو مانتے ہیں۔ اور عام نیک اور دھرماتما لوگ بھی بہت ذریعوں سے ہدایت پاتے ہیں۔ اول تو اللہ سے کہ اس کی یاد کرنے سے ہی نیکی اور علم کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ دوسرے کل دنیا کی اشیا سے جو ملائکہ کہلاتی ہیں۔ یہ ہر وقت زبان حال سے خدا کی حمد کے گیت گاتے یعنی خدا کی صنعت کاملہ اور حکمت بالغہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اور نیک عالم انسان بھی فرشتے یا دیوتا ہیں۔ ان کی صحبت سے بھی ہدایت ملتی ہے۔ اچھے خیالات والا اپنا من بالخصوص ہر شخص کو ہدایت دیتا ہے۔ تیسرے اللہ کی الہامی کتابیں ہر انسان کو علم اور رہدایت دینے کے لئے سب سے مقدم اور آخری سند ہیں۔ ان کے مطابق جو رشی کتابیں لکھتے ہیں۔ وہ بھی شبد پرمان ہیں۔ اور چوتھے رسولوں کی وعظ اور ان کے پاک جیون سے بھی ہدایت ملتی ہے۔ (۳) یہ بیان دراصل منوسمرتی کے اس شلوک کا قائمقام ہے (۲-۱۲)

वेदः स्मृतिः सदाचारः स्वस्य च प्रियमात्मनः।

एतच्चतुर्विधं प्राहुः साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम् ॥ १२॥

وید (کتب الٰہی) سمرتی (کتب رشی و منشا) سداچار (عالم باعمل کا وعظ اور عمل) اور اپنے آتما کو جو پیارا ہو یا ضمیر کی آواز یہ چار دھرم کے صریح چار معیار ہیں۔

۴- لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ - کل رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہ کرنا سے یہ اصول سمجھایا گیا ہے۔ کہ سارے سچے رشی عالمگیر اصولوں کی ہدایت دیتے ہیں۔ جن میں بمصداق سوسیانے اکومت۔ اختلاف نہیں ہوتا۔ مہرشی دیانند مسلمہ

اور غیر مسلمہ باتوں کا بیان کرتے ہوئے بخوبی واضح کرتے ہیں۔ کہ وید وغیرہ سچے شاستروں کے اصول ہی برہما سے لے کر جیمنی تک سب رشی منی ملنتے آئے ہیں۔ وہ تینوں زمانوں میں یکساں ماننے کے لائق ہیں۔

عام مسلمان اس قسم کی آیات کا یہ مفہوم لیتے ہیں۔ کہ کشادہ دلی سے سب نبیوں کو ایک سی عزت دینی چاہیئے۔ یا یہ کہ ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن انصافاً یہ دعوےٰ صحیح نہیں۔ نہ قرآن کا یہ منشا ہے۔ بلکہ عالمگیر اصولوں کی عظمت جتانا یہاں مقصود ہے۔ ساتھ ہی یہ یجروید ادھیائے ۱۱ منتر ۵ کی خاص عالمگیر امن اور اتحاد کے قائم کرنے والی تعلیم کی ہی بازگشت ہے۔

۵۔ آیت ۲۸۵ کے آخری حصے میں دعا کی صورت میں نہایت اعلےٰ صداقت کو نقش کیا گیا ہے۔ کہ الہامی کتب۔ ان کے مطابق عالم باعمل لوگوں کی تصنیفات۔ کائنات عالم یا اپنی اندرونی پاکیزگی ہر ذریعے سے خدا کو جانو۔ اس کی ہدایت کو سنو۔ اور اسی ہدایت کے مطیع۔ اسی منزل مقصودہ کی طرف مائل اور کوشاں رہو۔ وید منتر میں ہے۔

वेदाहमेतं पुरुषं महान्त मादित्यवर्णं तमसः परस्तात ।

तमेव विदित्वाति मृत्युमेति नान्यः पन्था विद्यतेऽयनाय ॥ १८ ॥

اس میں ایک تو ایشور کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ سب سے عظیم روشنی مجسّم تاریکی وغیرہ سے پاک ہے۔ اسی کو جانو اور اسی کو مانو۔ کیونکہ وہی منزل مقصود ہے یا اسی کی ہدایت پر عمل کرنے سے نجات ملتی ہے۔

۶۔ ۲۸۶ آیت میں پھر پورے زور سے کان کھول دیئے ہیں۔ کہ اللہ جو کچھ دیتا ہے۔ قابلیت کے مطابق دیتا ہے۔ جس میں جتنی طاقت ہے۔ اتنا ہی اس پر بوجھ رکھتا ہے۔ دولت۔ مکان رشتہ دار گورو وغیرہ کا کوئی ذریعہ تمہاری تقدیر میں دخل نہیں دے سکتا۔ محض اعمال پر ہی تمہارا انحصار ہے۔ نیک عمل کرو گے تو خود ہی پھل پاؤ گے۔ اور بُرے عمل کرو گے۔ تو خود ذمہ وار ہو گے۔ بس نیک عمل کرو۔ اور خدا سے دعا مانگو۔ یہی کامیابی کا خاص راستہ ہے۔

۷۔ دُعا یا پرارتھنا کے متعلق آیت نمبر ۲۸۶ میں خاص قیمتی رموز بیان ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ جو سہو یا بھول سے گناہ ہو۔ اس کے لئے معافی یا کھشما مانگی جاوے۔ (وَاعْفُ عَنَّا) اس کے متعلق مواخذہ نہ ہونا اس اصول کا مفہوم رکھتا ہے کہ مجرمانہ نیت کی عدم موجودگی بریت کا موجب ہے۔ جو گناہ حکم الٰہی کا علم رکھتے ہوئے نافرمانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے وَاغْفِرْ لَنَا یعنی ہم کو ایسی توفیق عطا کر۔ کہ ہم نافرمانی سے بچیں۔ اور (سورۂ فاتحہ والے) مغضوب علیہم والضالین کی زد میں آنے والے پہلے لوگوں کی ذیل میں شامل نہ رہیں۔ اور جو گناہ ممکن الوقوع ہے۔ اس سے دکھ مل سکتا ہے۔ انسان دکھ کو سہارنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دکھ میں رونا چلانا یا دردناک صورت پیش کرنا سب ظاہر کرتا ہے۔ کہ ہم میں اس کے لئے طاقت برداشت نہیں۔ سو اس کے لئے ایشور سے رحم کی درخواست ہونی چاہیئے۔ کیونکہ رحم یا دیا کا تقاضا راحت کے سامان دینا ہے۔ اس دعا کو مانگنے والا تمام طاقتوں اور ان کے بجا استعمال کرنے والے علم کے حصول سے گناہ سے بچا رہتا ہے۔ اور دکھ اس کے نزدیک نہیں آتا۔

(۸) یہ دعا ہوبہو رگوید ۱۰۔۱۶۴۔۳ کا مضمون ہے۔

यदाशसा निःशसाभिशसोपारिम जाग्रतो यत्स्वपन्तः ।

अग्निर्विश्वान्यप दुष्कृतान्यजुष्टान्यारे अस्मद्दधातु ॥ ३ ॥

اے پرمیشور! نادانستہ۔ دانستہ یا بدصحبت سے کیا حالت بیداری اور کیا خواب میں جو بھی ہم سے اپرادھ ہوں۔ ان سب قابل نفرت بد اعمال اور بُرے خیالات کو ہم سے دور ہٹا ئیے"۔ آیت میں سہو یا خطا پر مبنی گناہ کے لئے دعا ہے۔ تو یہاں بھی نادانستہ یا حالت خواب کے گناہ ہیں۔ اور پہلے لوگوں کو جن گناہوں سے سزا ملی۔ اس قسم کے ہمارے گناہ دانستہ اور حالت بیداری کے گناہ ہیں۔ اور بری صحبت سے ہونے والے گناہ وہ ہیں۔ جنہیں ہم نے حکم الٰہی کا اولنگھن کیا ہے۔ ان تینوں قسم کے گناہوں کو دور کرنے کے لئے وید میں کہا ہے۔ अजुष्टानि अस्मत आरे अस्मद् धातु ناکردنی گناہوں کو ہم سے دُور رکھیے۔ اس میں अजुष्टानि لفظ تینوں قسم کے گناہوں کے لئے ہے۔ اور معانی مغفرت اور رحمت تینوں لحاظ سے ان گناہوں کو دور رکھنا ہی مدعائے دعا ہے۔ یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۳ میں بھی سب قسموں کے پاپوں یا اپرادھوں کی دوری کے لئے دعا ہے۔

विश्वानि देव सवितर्दुरितानि परासुव यद्भद्रं तन्न आ सुव ॥ ३ ॥

اس میں परासुव لفظ میں معانی مغفرت اور رحمت کے تینوں مفہوم موجود ہیں۔ اور نہ صرف سب برائیوں سے بچنے کی دعا ہے۔ سب نیکیوں کے حاصل ہونے کی بھی ہے۔

۹۔ رب کو مولا کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں یہ ہدایت دینا مقصود ہے۔ کہ انسان کے تمام رشتے حقیقی معنوں میں خدا سے ہی ہیں۔ وید منتروں میں ایشور کو متر سکھا راجا گورو وغیرہ انیک تعلقات سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ سب مفہوم عربی لٹریچر میں عموماً مولا لفظ سے لئے گئے ہیں۔ دوست۔ ہمسایہ۔ آقا مالک غلام آزاد کرنے والا۔ آزاد کیا گیا حاکم مددگار۔ بزرگ قوم کے سب معنے مولا لفظ دیتا ہے۔ خود تمام قیدوں اور ہر طرح کی جہالت سے آزاد خدا تمام روحوں کا دوست ہے۔ شاہ رگ سے بھی نزدیک ہونے سے وہ ہمسایہ ہے۔ ایسا ہی تمام مخلوقات کا مالک۔ انسانوں کا حقیقی آقا۔ تمام دنیوی راحتیں دینے کے علاوہ روحانی آزادی یا نجات کا دینے والا بھی وہی ہے۔ اور اسی لئے بدرجہ کمال قابل تعریف ہونے سے وہ سچ مچ مولا ہی ہے۔

۴۵۔ کافر قوم

سب سے آخری قابل غور نکتہ ان الفاظ میں ہے۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی ہمیں کافروں کی قوم پر فتح نصیب کر۔ کافروں کی قوم کسی خاص قوم یا انسانی جماعت کا نام نہیں ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک کے بدعمل لوگ اس ذیل میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام بری اور فحش کتابیں جسمانی بیماریاں اور گندے خیال اور تمام نقصان رساں عمل اور رسم و رواج کافروں کی قوم میں ہی شامل ہیں۔ اور ان سب سے اُوپر اٹھ کر علم اور نیک اوصاف اعمال و عادات کو حاصل کرنا ان پر فتح پانا ہے۔ اور یہی معراج انسانیت ہے۔ وید راکھش اراتی۔ اگیان۔ اہی۔ ورتر۔ الی بش۔ دسیو۔ دُشکرت وغیرہ وغیرہ تمام الفاظ کافروں کے لاؤ لشکر کے لئے ہی استعمال کرتا ہے۔ رگوید ۲۔۲۳۔۱۲ میں بھی کئی نام اس قوم کے لوگوں کے دیئے ہیں

अपामीवामप विश्वामनाहुतिमपारातिं दुर्विदत्रामघायत : ।

आरे देवाद्वेषोअस्मद्युयोतनोरु वः शर्म यच्छता स्वस्तये ॥ १२ ॥

اے پرمیشور! جسمانی بیماری وغیرہ کو ہم سے دور کیجیے۔ یگیہ وغیرہ دھرم کاموں کے نہ کرنے والے نو بھی۔ پاپی۔ دشمن

بدھی۔ دویشی پرشوں دہرم اور سچائی کے خلاف خیالات کو ہم سے دور رکھیئے۔ اور ہر طرح کے سکھ و سلامتی کے لئے ہم کو اعلیٰ وسائل دیجئے۔

۴۶۔ سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجہ پر

آیت نمبر ۲۸۵ و ۲۸۶ میں سورۃ فاتحہ کے مضمون کو ہی سورہ بقر کے اخیر میں واضح کیا گیا ہے۔ پہلی میں انعمت علیہم کی تشریح سمجھئے اور دوسری میں مغضوب علیہم والضالین کی۔ اس لئے اسلامی لٹریچر میں سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجہ پر ان آیات کو رحمان کا خاص عطیہ کیا گیا ہے۔ اور صحیحین میں روایت ہے۔ کہ جس نے سورۃ بقر کی آخری دونوں آئیتیں رات میں پڑھ لیں۔ تو اس رات میں اس کے واسطے کافی ہیں۔ مسلم میں ہے۔ کہ جبرئیل نے آنحضرت صلعم کو کہا۔ کہ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ کو دو نور ایسے دے دیئے گئے۔ کہ اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے تھے۔ ایک سورۃ فاتحہ دوسری دو آئیتیں جن پر سورۃ بقر ختم ہوتی ہے۔

ان آیتوں کی خصوصیت محض ان کی معقولیت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جہاں راہ راست کے لئے دعا ہے۔ اور مفہوم اس کا علم اور عقل کی روشنی ہے۔ وہاں ان آیتوں میں بھی سچی ہدایت اور عقلوں کے انتہائی معراج کے وسائل کا خیال دلایا گیا ہے۔ اور فعل مختار انسان کو اس کی ذمہ داری کا پورا احساس کرا کے ہر طرح کی کمزوریوں اور خرابیوں پر غالب آنے۔ اور اپنے مولائے حقیقی سے وصل پانے کو ہی اشرف المخلوق انسان کا اصل مقصد قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ آل عمران مدنیۃ وھی	بسم اللہ الرحمن الرحیم	مائتا اٰیۃ وعشرون رکوعا

۱۔ خدائے کامل اور اس کا علم

الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰتَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ ۱-۲ ۳-۴

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

کامل ہے وہ خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو حیات مطلق اور موجب قیام عالم ہے۔ ۱ اس نے تم پر سچی علم والی کتاب نازل کی جو اس کی تصدیق کرتی ہے۔ جو اس کی نیچر میں ہے نیز اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل کی تھی کہ لوگوں کو ہدایت ہو۔ اور اسی نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا فرقان ظاہر کیا تھا۔ تحقیق جو لوگ اللہ کی آیتوں سے منکر ہیں۔ انہیں عذاب شدید ملیگا۔ کیونکہ اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔ ۳ یقیناً اللہ پر کوئی بات چھپی نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں ۴۔ وہ ہی ہے جو رحم میں جیسی چاہتا ہے۔ تمہاری تصویریں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی صاحب علم اعلیٰ کل ہے۔ ۵۔

۲۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

سورہ بقر کی پہلی آیت بھی الٓمّٓ تھی اور اس سورۃ کی پہلی آیت بھی الم ہی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے۔ کہ وہاں کتاب الہی کو کامل کہا تھا۔ اور یہاں اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ وہ کتاب کامل اس لئے ہے۔ کہ اس کا ظہور کرنے والا خدا خود کامل ہے یا علیم کل۔ یہ کہہ کر اس خدا کی صفات بتائیں۔ کہ وہ حیات مجسم یا ہمیشہ ہوتے سے جہان کو زندہ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی خود ہمیشہ قائم ہوتے سے جہان کو قائم رکھتا ہے ویدمیں بھی کچھ بتایا گیا تھا۔ رگوید ۱۰۔ ۱۲۹۔ ۷ میں ہے۔

इयं विसृष्टिर्यत आबभूव यदि वा दधे यदि वा न।
यो अस्याध्यक्षः परमे व्योमन्त्सो अङ्ग वेद यदि वा न वेद ॥७॥

اے انسان جس سے یہ طرح طرح کی خلقت ظاہر ہوئی ہے۔ جو اسے قائم رکھتا اور فنا کرتا ہے۔ جو اس دنیا کا مالک ہے جس موجود کل میں سب پیدائش قیام اور فنا ہوتی ہے۔ اس کو تو جان اور دوسرے کو دنیا پیدا کرنے والا نہ مان اسی طرح رگوید ۱۰۔ ۱۲۱۔ ۱ میں نہ صرف آیت ۵ کا مضمون ہے بمبر ۴ وہ کا بھی پورا بیان موجود ہے۔

हिरण्यगर्भः समवर्तताग्रे भूतस्य जातः पतिरेक आसीत्।
स दाधार पृथिवीं द्यामुतेमां कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥२॥

سچ پوچھو۔ تو آیات زیر بحث اسی منتر کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ہرنیہ گربھ نام یہاں ایشور کا ہے۔ یعنی وہ کہ جس میں تمام روشن یا ظاہر ہونے والا جہان ہے۔ جیسے بچہ پیدا ہونے سے پہلے رحم میں ہے۔ یعنی گربھ میں۔ ویسے ہی تمام روشن جہان اُس ایشور روپی گربھ میں ہے۔ وہی شایاں طریق پر یا صحیح علم حکمت اور صنعت کے مطابق تمام جہان کا یہ نقشہ یا تصویر اپنے گربھ رحم مجسم ذات میں بناتا ہے۔ اس کی جگہ یصورکم فی الارحام کیف یشاء آیت میں ہے سم ورتتا گرے بھوتسیہ جاتہ پتی ریک آسیت منتر کے ان الفاظ میں پیدائش سے پہلے اس کے زندہ ہونے۔ جہان کی ترکیب میں کام آنے والے عنصروں کو پیدا کرنے اور پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے وقت اس کے واحد مالک ہونے کا بیان ہے۔ گویا الحی لفظ کا وسیع ترین استدلال منتر میں موجود ہے۔ سدادھار کہہ کر بتایا کہ وہی دھارن کرنے یا قائم رکھنے والا یعنی القیوم ہے۔ اب سوال ہوا کس کو پیدا کرتا اور قائم رکھتا ہے۔ اس کا جواب

بھی موجود ہے۔ پرتھوی اوبا منتے نام۔ یعنی اس پرتھوی کو اور دیولوک کو۔ اسی کیلئے آیت نمبر ۲ میں کہا ہے۔ اس پرنہ
زمین کا کچھ مخفی ہے نہ آسمان کا۔ کسمئی دیوائے ہوشا ودھیم میں کہا ہے۔ کہ بس وہی علم مجسم ہمارا معبود ہے
یہی آیت نمبر ۵ کے اخیر میں ہے۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ پتی کی جگہ عزیز اور حکیم کی جگہ منتر میں دیو ہے۔

यतो वा इमानि भूतानि जायन्ते येन जातानि जीवन्ति ।

यत्प्रयन्त्यभि सं विशन्ति तद्विजिज्ञासस्व तद् ब्रह्म ॥

جس سے تمام مادی اشیاء پیدا ہوئیں اور پیدا ہو کر زندہ وقائم رہتی ہیں۔ جس کے اندر پرلے میں تمام کائنات سما
جاتی ہے۔ وہ برہم ہے۔ اسی کی تلاش یا عبادت کرو۔
شاریرک میں ہے जन्माद्यस्य यतः یعنی برہم وہ ہے۔ جس کے دوارا پیدائش قیام اور فنا ہوتی ہے۔

۳۔ کتب مقدسہ کی پوزیشن

آیت نمبر ۳ میں بتایا ہے۔ کہ خدا تجھ پر سچے علم والی
کتاب نازل کرتا ہے۔ اس کا مفہوم ہر رسول کے علم
سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ محض حضرت
محمد صاحب کو حضرت جبرئیل کے ذریعے جو علم ملا۔ اس پر بالخصوص عربی قرآن پر یہ لفظ چسپاں کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ
جو قانون الہی نیچر میں کام کرتا ہے۔ یہ اسی کا مصدق یا انہی صداقتوں کی اشاعت کرنے والا ہے۔ قرآن سے پہلے
توریت اور انجیل بھی لوگوں کی رہنمائی کے لئے ظاہر ہوئیں۔ اور فرقان بھی یہاں واضح ہے۔ کہ نازل ہونے کا لفظ جو
اس آیت میں اور اور سینکڑوں جگہ قرآن میں آتا ہے۔ یہ مفہوم نہیں رکھتا۔ کہ آسمان یا بلندی سے کاغذوں پر لکھی
یا چھپی ہوئی کوئی کتاب اترتی ہے۔ قانون الہی کے مطابق جو کچھ واقعہ ہوتا ہے۔ مثلاً جہان کا پیدا ہونا یا کسی چیز یا سکھ یا
دکھ کا حاصل ہونا قرآن کی اصطلاح میں یہ سب اللہ سے نازل ہوتا ہے۔ اس لئے اور اسی معنے میں توریت اور
انجیل کا ظہور اور اس سے لوگوں کو ہدایت ملنے کا بیان ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اخیر میں خدا سے فرقان کے
ظہور ہونے کا بھی بیان ہے۔ جس سے حق و باطل کی تمیز یا فیصلہ ہو۔ وہ فرقان ہے۔ اور چونکہ کتب مقدسہ کا ذکر
ہے۔ اور توریت انجیل اور قرآن کے علاوہ مقدس کتاب وید ہے۔ اور اس سے سچ جھوٹ کے فیصلے گذشتہ زمانے
میں ہوتے آئے۔ اور اب بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے فرقان کا لفظ یہاں وید کے لئے ہے۔ سورۃ البقر آیت ۲۱۳
میں بیان بھی ہو چکا ہے۔ کہ آغاز عالم کے رشیوں پر خدا نے علم حق سے معمور کتب یعنی الہامی علم نازل کیا۔ اس
غرض سے کہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

انسانی جماعت میں امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہوتا رہے پس تمام کتب مقدسہ کا ذکر کر کے فیصلہ ناطق دینے والے
وید کو فرقان کہا ہے۔ اسی کے علم کی تصدیق دیگر کتب کرتی ہیں۔ اور اسی کی خلاف ورزی عذاب شدید کا موجب
ہے۔ اس عذاب کو انتقام لفظ سے ادا کیا ہے۔ جو خدا کی ناراضگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے کوئی بھی چالاکی
سزا کو ٹال نہیں سکتی۔ آسمان و زمین میں ہر کہیں موجود خدا سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔

٤ - فرقان

آیت ٣ میں واقع شدہ لفظ فرقان کے متعلق مختلف المعانی لئے جا رہے ہیں۔ صحت نما ۱۱ مہری قرآن مجید میں اس کے معنے معجزات کے لئے گئے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰی نے معجزات بھیجے۔ ترجمان القرآن میں مولانا ابو الکلام آزاد صاحب نے اس آیت میں فرقان سے جوہر عقل کا مفہوم لیا ہے۔ جس سے کتاب سمجھی اور قبول کی جاتی ہے۔ حمایل التفسیر میں فرقان سے مراد فیصلہ بدر کی لی گئی ہے۔ اور سورۃ ٨ آیت ٤١ کے الفاظ یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن کو اس استدلال کی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن معجزات کا قرآن قایل ہی نہیں۔ آیت کا ذکر آیت ٦ میں الگ موجود ہے۔ کہ اس سے اہلِ عقل متشابہ آیتوں سے بھی اصل اصول یا نصیحت قبول کرتے ہیں۔ رہی سورۃ ٨ کی آیت ٤١۔ اس میں موہومہ جنگ بدر کا تعلق یا ذکر نہیں۔ ہاں دو فریقوں کا ایک جگہ جمع ہو کر حق و باطل کا فیصلہ کرنا مقصود ہے۔ اور اس میں عقل کا دخل ماننا معقول ہو سکتا ہے۔ جس سے حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے۔ لیکن آیت زیر بحث میں کسی تاریخی واقعہ کا نہیں۔ اس اصول کا تعلق ہے۔ اور کتابوں کا بیان۔ اس لئے فرقان محض اس سچی کتاب کے لئے ہے۔ جو ہمیشہ حق و باطل کا فرق بتلاتی ہے۔

٥ - دو قسم کی آیات

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ٦

اسی اللہ نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ایک تو محکم آیات ہیں۔ وہ ام الکتاب (موال سنگفتا) ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں۔ سو جن کے دلوں میں باطل کی طرف رجحان ہے۔ وہ تاویل کی آڑ میں ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکی صحیح تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور جو پختہ علم والے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اسے صحیح مانتے ہیں سب ہمارے رب سے ہے گویا محض اہلِ عقل ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ٦۔

٦ - محکم اور متشابہ

آیت ٦ میں قرآن نے وہ معرکے کی رموز بیان کی ہیں۔ جو تمام انسانوں کے اختلافات اور مذہبی فرقہ بندیوں کو ہٹا کر کامل پائیدار اور عالمگیر اتحاد کا واحد اور مجرب نسخہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ بتایا یہ ہے۔ کہ قرآن میں دو طرح کی آیتیں ہیں محکم اور متشابہ۔ محکم کے معنے ہیں مضبوط پائیدار اور محکمٰت وہ آیات ہیں جن کے معنے و مفہوم ہمیشہ ہر کہیں یکساں رہنے والے علم یا صداقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور متشابہ آیات وہ ہیں۔ جو ان صداقتوں کو واضح کرنے کے لئے تشبیہاً یا بہ طور مثال یا نظیر پیش کی جاتی ہیں۔ قانونی کتب مثل تعزیرات وغیرہ میں اصل دفعات تو اجمالی اور اصولی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ مستقل قانون ہیں۔ لیکن قانونی رپورٹوں اور رسالہ جات میں مقدمات کا بیان ہے۔ اور قانون کے فاضل ججان نے کس طرح ان دفعات کو خاص مقدمات

پر چسپاں کیا ہے۔ اس کی تفصیل دی جاتی ہے۔ ایک ایک دفعہ کے متعلق صدہا مقدمات پیش ہو سکتے ہیں۔ لیکن دفعہ کے الفاظ پر ان اختلافات کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ اصول اور فروع میں جو فرق ہے وہی محکم اور متشابہ آیتوں میں ہے۔ ان میں سے محکم کو قرآن ام الکتاب کہتا ہے۔ اس امر پر ہم اور کہیں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ کہ ام الکتاب وید کو مانا گیا ہے۔ کیونکہ اسی سے علم کا سلسلہ چلا۔ اور کل کتابوں کی بنیاد پڑی۔ ام کو مول یا جڑ بھی کہتے ہیں۔ اور کتاب کو سنگھتا۔ اور اس لحاظ سے ام الکتاب نام مول سنگھتا کا ہے۔ وید کی تفصیلات جن برہمن گرنتھوں میں ہیں۔ ان کو بھی پورانک لوگوں نے وید مان لیا تھا۔ سوامی دیانند نے سمجھایا۔ کہ مول سنگھتا بھاگ اصل وید ہے۔ اور باقی اس کی ویاکھیا یا شاکھا ہیں۔ یعنی تفصیل یا شاخ۔ اسی کے مطابق قرآن کہتا ہے۔ یہ قرآن بھی دو حصے رکھتا ہے۔ ایک تو مول سنگھتا بھاگ یا وید والا حصہ ہے۔ اور دوسرا اس کی تفصیل یا نظایر والا حصہ۔ چنانچہ اصولی تعلیم والی آیات کسی نہ کسی وید منتر کا ترجمہ ہیں۔ اور جو ہدایت ان میں دی گئی ہے۔ اس پر عمل کرنے نہ کرنے کا اچھا یا برا نتیجہ موسےٰ عیسے وغیرہ مشہور لوگوں اور مختلف قوموں کی نظیر پیش کر کے بتایا گیا ہے۔ علماء اسلام میں جس قدر اختلاف خیال ہے۔ اور تفاسیر میں جتنا باہم فرق ہے۔ اور جتنی بھی فرقہ بندی ہے۔ وہ سب انہی نظائیر کی بابت ہے۔ قرآن کی یہ پوزیشن ہے۔ کہ محکم آیات پر ہی تمام لوگ متحد ہوں۔ اور فروعی امور یا شخصی حالات یا مقامی یا زمانی چرچوں پر بحث مباحثے متروک سمجھے جادیں۔ اور واقعی یہی کلید کامیابی ہے۔ کیونکہ شخصیتوں کے باہمی تعلقات و تنازعات کا انحصار ہے ان شخصیتوں کے اندرونے پر اور اس اندرونے کا صحیح علم محض خدا کو ہے۔ پس ان کے علاوہ دوسرے لوگ خواہ ان کے وقت کے خواہ بعد کے ان کے متعلقہ واقعات پر کچھ کہنے کے حقدار نہیں۔ وہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف تاویلیں ہی پیش کر سکتے ہیں۔ مگر کسی کی تاویل سند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی انسان ان شخصیتوں کے اندرونے کو دیکھ کر کہہ نہیں رہا۔ اس لئے فتنہ اور فساد اور اختلاف کا واحد تدارک شخصی واقعات کی بحثوں کو بند کرنا ہے۔ اور فی الحقیقت قرآن میں جن شخصیتوں کا ذکر ہے۔ ان کے متعلقہ سابقہ اور قرآن کے بیانات کی بنا پر فیصلہ کرنے لگیں تو ہزاروں تاویلوں کا جھگڑا تو پڑ سکتا ہے۔ مگر ایک صحیح فیصلہ ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے قرآن محض محکم آیات کی ذمہ واری لیتا اور انہی پر متحد ہونے کی ہدایت دیتا ہے۔ اسے ہی سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش کے اخیر میں انسانوں کا فرض ٹھہراتا اور عالمگیر بے بدل ازلی ابدی اصولوں کو ہی ماننے منوانے کی ہدایت دیتا ہے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے Agreement in main and difference in detail یعنی اصول میں اتفاق اور فروعات میں اختلاف ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن اخیر میں سچے اور پختہ علم والے لوگوں کی پہچان یہ بتاتا ہے۔ کہ وہ اوچھے پن یا کم ظرفی پر مبنی کٹ حجتیوں کو چھوڑ کر تفصیل یا نظایر کے بیان کو زیر بحث نہیں لاتے۔ بلکہ اسے جیوں کا تیوں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ مقصود ان فروعات کی بحث نہیں۔ بلکہ اس نظیر سے خاص نصیحت دینا ہے۔ لہذا پختہ علم اور عقل والے اس نصیحت کو ہی حاصل کرتے یا اس پر غور کرتے ہیں۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے۔ کہ عالمگیر اصولوں کی شہادت ہر کہیں نیچر میں مل سکتی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق باہمی بحث میں صحیح نتیجہ جب چاہیں نکالا جا سکتا ہے۔ وید اس ساری پوزیشن کو مد نظر رکھ کر فیصلہ دیتا ہے کہ

अन्ति सन्तं न जहात्यन्ति सन्तं न पश्यति।

देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति ।

اس کا مطلب یہاں یہ ہے۔ کہ اختلافات خیالات جو ہمارے اندر گھر کر چکے ہیں۔ چھوٹ نہیں سکتے۔ اور چونکہ وہ اندر ہیں۔ اس لئے کوئی انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ لہذا ان کو دُور بھی نہیں کر سکتا۔ پس انسان کو محض ایشور کے علمی کلام کا ہی مطالعہ اور وچار کرنا چاہیئے۔ جو حسب فرمان وید نہ پرانا ہوتا نہ ناش ہوتا ہے یعنی ہر کہیں ہمیشہ عقل و علم سے جانا جا سکتا ہے۔ گورو نانک صاحب اسی لئے کہتے ہیں۔ سچ پُرانا نا تھئے نام نہ میلا ہو۔ اور اسی مفہوم کے لئے قرآن میں محکم آیات کا لفظ ہے۔

۷ ـ اصل مفہوم سمجھا نہ گیا

(۱) غرایب القرآن میں محکم اور متشابہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ موت کے بعد کی حالت خدا کی ذات وصفات کا تفصیلی علم ـ روح کی ماہیت وغیرہ بہت سی باتیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ مگر اصل دین صاف اور واضح بڑے سے بڑے احمق اور جاہل کی سمجھ میں آرہا ہے۔ دنیوی تعلقات پر مبنی حالات سے جو کشمکش ہوتی ہے۔ وہی فتنہ و فساد کا موجب ہے۔

(۲) دینداری ہونے کے لئے بڑی عقل اور بڑی رسومات درکار نہیں اپنی حالت پر غور کرنا دنیوی زندگی کو چندروزہ اور اپنے تیئں عاجز و بے حقیقت سمجھنا کافی ہے۔ اور یہی محکم آیات ہیں

ہماری رائے میں مفسر صاحب کو الفاظ آیت کے صحیح معانی و مفہوم پر مزید غور کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ زندگی یا موت کی حالت خدا کی ذات صفات کے اجمالی یا تفصیلی علم یا رُوح کی ماہیت وغیرہ مضامین کا یا ان کے سمجھ میں آنے نہ آنے کا براہ راست یہاں کوئی تعلق نہیں۔ بتانا محض یہ تھا۔ کہ محکم آیات سے مراد یہ ہے۔ اور مثال ان کی فلاں فلاں آیات میں موجود ہے۔ موت کے بعد کی حالت یا خدا کی ذات وصفات یا روح کی ماہیت وغیرہ مضامین کی سمجھ آئے بغیر اصل دین کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ مگر اس کے سمجھنے کی تو آپ ضرورت نہیں بتاتے اور اصل دین کا جاہل اور احمق کی سمجھ میں موجود ہونا مانتے ہیں۔ یہ ناقابل قبول اور صریحاً غیر معقول ہے۔ ایسے ہی دنیوی تعلقات پر مبنی کشمکش کا بھی یہاں کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ قرآن میں فتنہ کا مدار متشابہ آیات کی مختلف تاویلوں پر رکھا ہے۔ ہاں دنیوی تعلقات پر مبنی کشمکش کو مختلف تاویلوں کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ دیندار ہونے کے لئے بڑی عقل اور معلومات کا غیر ضروری کہا جانا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ بغیر عقل کی پوری ترقی کے ناممکن ہے۔ کہ کوئی انسان اپنی حالت پر غور کر سکے یا دنیوی زندگی کو چندروزہ سمجھے۔ پھر اپنی حالت پر غور کرنا وغیرہ کا تعلق انسان کے دل سے ہے ۔ اور مضمون زیر بحث دل کے وچاروں کو محکم آیات نہیں کہتا۔ بلکہ قرآن کی خاص آیتوں کو محکم کہتا ہے۔ اور ان کا پتہ یہ دیتا ہے۔ کہ وہ ام الکتاب یا اصل کتاب یا وید منتر ہیں اسی نوٹ میں غرایب القرآن خواندہ بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق کہتا ہے۔ کہ یہ بات بات میں کھڑ پینچ نکالتے۔ اپنی عقل کو بڑا سمجھتے اور دین سے بے بہرہ و گمراہ ہیں۔ کیونکہ مبہم اور مشتبہ اور غیر ضروری باتوں کے پیچھے پڑے رہنا دینداری کے خلاف اور گمراہی کی نشانی ہے۔ لیکن یہ ریمارک بھی غیر متعلق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے متشابہ آیات کو مبہم اور مشتبہ سمجھ کر ان کا اطلاق انگریزی خواں لوگوں کے عمل سے جوڑ دیا ہے۔ اور یہ واضح نہیں کیا۔ کہ متشابہ لفظ کا صحیح مفہوم یہاں کیا ہے اور وہ آیات فلاں فلاں آیت کی مثال سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ محکم اور متشابہ کی صحیح تعبیر کرنے میں غرایب القرآن ہی نہیں اور تفسیریں بھی قاصر ہیں۔

اور اس سے قرآن کی صحیح تعلیم کا لوگوں کو ملنا تو کہاں، الٹا قرآن کی پوزیشن غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ متشابہ کو مفسر لوگ مشتبہ کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور تفسیروں میں ان کی یہ تعبیر دیکھ کر اہل لغت نے بھی لکھا ہے۔ کہ متشابہات وہ آیات قرآن ہیں جن کے معنے مخفی و پوشیدہ ہیں۔ اور جو کئی کئی جگہ قرآن میں ہیں۔ متشابہ کے معنے میں یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ جس کے معنے میں کچھ شبہ ہو۔" اب جائے غور ہے۔ کہ جن آیات کے معنے مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ اور جن کے معنوں میں شبہات ہیں۔ ان کو آنحضرت قرآن میں رکھ ہی کیسے سکتے تھے۔ ان کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ اسلام مشتبہ اور اختلافات کا شکار ہو۔ پس یقینی نتیجہ یہی ہے۔ کہ قرآن میں تو مشتبہ آیتیں نہیں۔ ہاں علماء کو محکم و متشابہ الفاظ کے صحیح معنے معلوم نہیں ہوئے۔ یہی غرایب القرآن سورۃ ھود کی پہلی آیت کا یہ ترجمہ کرتا ہے۔" الرٓ (اے پیغمبر لوگوں سے کہو۔ کہ یہ قرآن ایسی کتاب) ہے (جو) حکمت والے باخبر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے) اس کے مضامین دلائل و براہین سے بخوبی ثابت (اور) مستحکم اور پھر خوب تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔" پس تمام قرآن کے متعلق خود قرآن کا یہ دعوے موجود ہوتے ہوئے اس کی آیات پر معنوں کے لحاظ سے مخفی اور پوشیدہ یا مشتبہ الفاظ کا استعمال ہر لحاظ سے ناجایز ہے۔

۲۔ بیان القرآن میں محکمت کے جو لغوی معنے دیئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محکم وہ آیات ہیں۔ جنمیں لفظ اور معنی کی حیثیت سے کوئی شبہ نہ ہو یا جو اپنے آپ اپنے بیان میں مضبوط اور غیر محتاج ہوں۔ اور متشابہ اسے کہا ہے۔ جس کی لفظ یا معنے کی حیثیت سے غیر کے ساتھ مشابہت ہو۔ اور اس وجہ سے اس کی تفسیر مشکل ہو۔ امام راغب کی بحث مندرجہ مفردات سے بھی لمبا اقتباس دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آیات تین قسم کی ہیں۔ محکم مطلق۔ متشابہ مطلق اور محکم و متشابہ دونوں کچھ۔ پھر متشابہ تین قسم کی۔ لفظ کی حیثیت سے معنے کی حیثیت سے اور لفظ اور معنے دونوں حیثیتوں سے۔ لفظی حیثیت سے دو قسمیں ہیں۔ مفردہ و کلام مرکبہ۔ پھر مفرد الفاظ میں تشابہ یا تو بوجہ غرابت لفظ ہے۔ یا بوجہ اشتراک لفظی۔ اور کلام مرکب میں تشابہ اختصار سے واقع ہوتا ہے۔ یا بسط سے۔ پھر لکھا ہے۔ معنے کے لحاظ سے متشابہ میں اللہ تعالےٰ کے اوصاف اور یوم القیامت کے اوصاف داخل ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ صفات ہمارے تصور میں نہیں آسکتیں۔ بوجہ ہمارے احساس میں نہ آنے کے۔ پس جنت دوزخ حساب کتاب وغیرہ متشابہات میں ہیں۔ پھر لفظی حیثیت سے تشابہ پانچ قسم کا بتایا ہے۔ بلحاظ کمیت و بلحاظ وجوب و ندب وغیرہ آخر میں لکھا ہے۔ کہ محکم و متشابہ کی سب تشریحیں اس تقسیم کے اندر داخل ہیں۔ ایک اور رنگ میں تشابہ کو تین قسم کیا ہے۔" ایک وہ جسکی حقیقت پر انسان واقفیت حاصل نہیں کر سکتا (امور قیامت وغیرہ) دوسرے وہ جن پر واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے الفاظ غریبہ اور مشکل احکام۔ اور ایک ان دونوں کے درمیان جن سے راسخ فی العلم واقفیت حاصل کر سکتے" ہیں۔ ہر شخص نہیں۔

یہ بیان غرایب القرآن والے بیان سے بھی زیادہ قابل اعتراض ہے۔ یہ سرے سے آیات کی تقسیم ہی دو کی بجائے تین طرح میں کرتا ہے۔ اور الفاظ اور معنی کے لحاظ سے آیات مشتبہ یا ناقابل ادراک کی موجودگی کا یا غیر مفید یا فعل عبث کا الزام قرآن اور خدا پر لگاتا ہے۔ اور محکم اور متشابہ آیات سے آیت زیر بحث میں کیا مفہوم مقصود ہے۔ اس کو واضح و ثابت کرنے کی بجائے مختلف الخیال اقوال کو بیان کر کے صحیح تفہیم ہونے کو ناممکن بناتا ہے۔ شروع میں جو یہ کہا۔ کہ

محکم آیات میں لفظ اور معنے کے لحاظ سے شبہ نہیں ہوتا۔ یا وہ آپ اپنے بیان میں مضبوط یا غیر محتاج ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شبہ یا یقین کا تعلق پڑھنے والے کے دل سے ہے آیات سے تعلق نہیں ہوتا۔ ہر کلام خواہ برے معنے رکھتی ہو خواہ اچھے۔ (اپنے مخصوص) اور یقینی معنے رکھتی ہے۔ شبہات کا تعلق ان انسانوں سے رہتا ہے۔ جو پڑھ تو رہے ہیں۔ مگر ابھی ان مخصوص معنوں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ ہاں الفاظ آیات کا وجود بھی شبہات سے وابستہ ہے۔ مگر محض اس معنے میں کہ انسانی زبانیں ناقص ہیں۔ جن الفاظ کو پہلے لوگوں نے بیان کیا۔ ان کے صحیح یا وہی معنے جو ان لوگوں کے اندر تھے بعد میں آنے والوں کے اندر موجود نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ وہ لوگ جنہوں نے پہلے کوئی انسانی زبان جاری کی اب ہمارے پاس ہیں نہیں اور اگر ہوں تو ہم ان کے اندر گھس کر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ کہ فلاں سنہ میں انہوں نے جو فلاں لفظ بولے یا لکھے تھے۔ ان سے ان کا اصل مدعا کیا تھا۔ اس لئے انسان کے لئے ان کل زبانوں کے الفاظ ہمیشہ شبہات کا مجسمہ ہی رہیں گے۔ مگر اس معنے کے لحاظ سے قرآن کی محکم اور متشابہ والی تقسیم کالعدم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں محض قرآن پڑھنے والے عالموں کے شبہات ہی مذکور ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک الفاظ کی صلاحیت کا تعلق ہے۔ وہاں تک انسانی اور الہامی زبان سب شبہات کا شکار ہو سکتی ہیں بس قرآن کی محض کچھ آیات کو متشبہ ماننا صحیح نہیں ہو سکتا۔ خواہ اپنی ذات کے لحاظ سے خواہ پڑھنے والے کی قابلیت کے لحاظ سے متشبہ ہوں گی تو کل ہوں گی۔

۳۔ مصنف حمائل مع تفسیر اگرچہ اپنے طویل نوٹ میں اصل پوزیشن کی صحیح توضیح نہیں کر سکے۔ تاہم انہوں نے اصلیت کو سمجھنے میں کوشش اچھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

محکم اور متشابہ کے معنے میں مفسرین نے بہت اختلاف پیدا کر کے پیچ و تاب کھائے ہیں۔ اس کے متعلق آپ پہلے حوالہ جات دیتے ہیں (۱) كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱۱/۱﴾ یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔ اور حکمت اور خبر والے خدا کی طرف سے اس کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ﴿۳۹/۲۳﴾ اللہ نے نہایت ہی عمدہ کلام اتارا ہے۔ یعنی کتاب جو متشابہ ہے۔ (۳) آیت زیر بحث۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴿۳/۶﴾ وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری ہے۔ اس میں سے آیتیں محکم ہیں۔ باقی متشابہ۔

ان آیات کا آپ کا پیش کردہ ترجمہ و مطلب قابل اعتراض ہے۔ پہلے حوالہ سے آپ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ قرآن کی ہی آیتیں ہیں جنہیں محکم کہا ہے اور قرآن میں ہی ان کی تفصیل ہے۔ لیکن (۱) خود آیت زیر بحث میں ام الکتاب نام محکم آیات کو دیا ہے۔ (۲) حوالہ نمبر ایک میں کتاب کی آیتوں کو محکم کہہ کر ثُمَّ فُصِّلَتْ کا لفظ لکھا ہے۔ جس سے کتاب کا پہلے ہونا اور پھر اس کی تفصیل کرنا واضح ہوتا ہے۔ اصل اور تفصیل کا باہم وہ تعلق ہے۔ جو بیج اور درخت کا بیج اور شاخ اور پتے ایک دم اور ایک ساتھ نہیں ہوتے (۳) سورہ حٰم السجدہ میں کہا ہے۔ کہ (آیت ۲ و ۳) رحمان اور رحیم خدا سے جو کتاب نازل ہوئی تھی اس کی آیتوں کی تفصیل یہ عربی قرآن ہے۔ اس سے اصل کتاب کا پہلے اور غیر عربی زبان میں ہونا ثابت ہے۔ (۴) سورہ یوسف آیت ۱ میں ہے "یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔ ان کا عربی قرآن میں نزول ہوتا ہے۔ (۵) سورہ نحل آیت ۲ میں ہے۔ کہ اس نے اپنے علم کا ظہور ان رشیوں کے آتما میں کیا

تھا۔ جنہیں اپنے بندوں میں سے اس نے اس کا قابل پایا۔ (۶) سورۃ بقر آیت ۴۱ میں قرآن کو اس کتاب کا مصدق کہا ہے۔ اور سورۃ بقر آیت ۱۰۱ نیز اور آیتوں میں بھی) جو پہلے سے خدا کی طرف سے ملی ہوئی ہے (۷) سورہ رعد آیت ۳۸ میں ہے۔ کہ ام الکتاب اللہ کے ساتھ ہے۔ (۸) سورہ یونس آیت ۱۔ سورہ بقر آیت ۲۵۲۔ الشعرا ۲۔۱ لقمٰن ۲۔ نور ۱۔۲۔ مومن ۲۔ وغیرہ میں الہام الٰہی کے نام کتاب مبین۔ کتاب بالحق۔ قرآن مبین۔ کتاب الحکیم۔ کتاب منیر۔ لوح محفوظ وغیرہ نام دیئے ہیں۔ عربی قرآن کو اس کتاب کی آیات کا خاص مجموعہ اور اصل کتاب کو تمام سچے علوم کا مجسمہ یا سرچشمہ بتایا ہے۔ (۹) سورہ بقر آیت ۲۱۳ میں آغاز عالم میں الہام ملنے کا ذکر ہے۔ اور لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ کا لفظ کہہ کر اسے فیصلہ کن یا ناطق یا محکم کہا ہے۔ (۱۰) زخرف ۲ و ۳ میں کتاب مبین کا لفظ الگ کہکر اسے عربی قرآن کی صورت میں پیش کرنے کا ذکر کیا۔ اور بتایا ہے کہ وہ ام الکتاب میں ہے۔ جو بڑے اعلےٰ پایہ کی علمی کتاب ہے (۱۱) سورہ طٰ۔ ۱۱۳ میں قدیم علم کو عربی قرآن میں اتارنے اور الہام یا ذکر کی یاد تازہ کرنے یا خبر دینے کا بیان ہے۔ (۱۲) سورۃ الشعرا۔ میں آیت ۱۹۱ تا ۱۹۷ میں یہ بیان ہے۔ کہ رب العالمین سے جو علم نازل شدہ ہے۔ جبرئیل امین اس کو تیرے دل پر نقش کرتا ہے۔ عربی زبان میں نیز یہ کہ بلا شبہ یہ آغاز عالم والی کتابوں میں ہے۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے عالم اس کو صحیح جانتے و سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہا۔ کہ اگر ہم اسے کسی سنسکرت بولنے والے پر نازل کرتے اور وہ انہیں پڑھ کر سناتا۔ تو یہ ایمان نہ لاتے۔ (۱۳) سورہ حٰمٓ السجدہ ۴۱ تا ۴۴ میں خدا سے علم بذریعہ کتاب عزیز نازل ہونے کا بیان ہے۔ اور اس کی تعریف یہ بتائی ہے۔ کہ جھوٹ اس کے پاس پھٹک تک نہیں سکتا۔ نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے اس لئے کہ وہ علیم کل خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اور جو کچھ ان پہلوں کو علم ملا۔ وہی کچھ تمہیں دیا جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے عجمی قرآن کی صورت میں ظاہر کرتے تو کہتے اس کی آیتیں ہمیں کھول کر کیوں نہ سنائی جاویں۔ لہٰذا عربی کیا اور عجمی کیا اہل ایمان کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ سورہ رحمٰن میں انسان کے پیدا ہوتے ہی اسے علمی زبان ملنے کا بیان ہے۔ (۱۵) بقر ۳۲ و ۳۳ میں بھی آدم کو کل کلمات یا ناموں کا علم ملنا مذکور ہے۔ (۱۶) سورہ یونس میں پتہ دیا گیا ہے۔ کہ کثیف لطیف سب چیزوں کا علم کتاب مبین میں ہے۔ (۱۷) ھود ۶ میں ہے۔ کتاب مبین میں ہی سب کی میعاد قیام وغیرہ کا بیان ہے (۱۸) سورہ توبہ آیت ۳۶ میں ہے۔ کہ آغاز پیدائش سے ہی کتاب الٰہی میں مہینوں یا وقتوں کا بیان درج ہے۔ (۱۹) بنی اسرائیل ۸۷ میں ہے۔ کتاب الٰہی میں سب کے فنا ہونے کا ذکر ہے۔ (۲۰) قٓ ۴ میں کتاب حفیظ میں علم تغیر و تبدل ارضی ہے (۲۱) واقعہ ۷۷ تا ۸۰ میں ہے۔ کہ اصل قرآن کریم تو اس کتاب مکنون میں ہے۔ جسے پاک لوگوں کے بغیر کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ اور وہ رب العالمین سے ظہور پاتی ہے۔ (۲۲) حدید ۲۲ میں ہے سب دکھ یا سکھ سزا کا قانون کتاب الٰہی میں پہلے سے ہی درج ہے (۲۳) البروج آیت ۲۱۔۲۲ میں قرآن مجید کو لوح محفوظ میں کہا ہے۔ (۲۴) سورۃ الصافات آیت ۱۶۷ تا ۱۶۸ میں ہے۔ کہ لوگوں کی یہ خواہش رہی۔ کہ کاش آغاز عالم والے لوگوں کا علم ہمیں ملے (۲۵) اس کے علاوہ کتنی ہی آیتوں میں یہ بیان ہے۔ کہ ہم ابراہیم کے دھرم کو مانتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ توریت اور انجیل سے پہلے والا دھرم ہے۔ وغیرہ وغیرہ تمام باتوں سے صاف ثابت ہے۔ کہ محکم آیات والی کتاب قرآن سے علاوہ اور اس سے پہلے سے ہے۔ اور وہ ام الکتاب ہے۔ یعنی دوسری کل کتابوں کی اصل یا ماں جسے وید میں وید ماتا کہا ہے۔ قرآن میں امّ الکتاب کہا ہے۔

دوسرا حوالہ پیش کر کے حمایل التفسیر کا مصنف یہ نتیجہ نکالتا ہے۔ کہ احسن الحدیث کہکر محکم آیات والے قرآن کو ہی متشابہ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حدیث کے معنے خبر ہے۔ جو پہلے واقعہ کے بعد آتی ہے۔ رسول صلعم کے ذاتی ارشادات کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔ محکم آیات کو حدیث نہیں کہتے۔ پس پہلی محکم آیات کو پھر یاد میں لاتے وسمجھانے پر احسن الحدیث یا کتاب متشابہ کا اطلاق ہے۔ ام الکتاب پر نہیں۔ تیسرا حوالہ آیت زیر بحث کا ہے۔ اس سے بھی محکم اور متشابہ کے لفظ کل قرآن کے لئے سمجھے گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل قرآن محکم بھی ہے۔ اور متشابہ بھی ہے۔ نیز یہ کہ بعض آیتیں محکم ہیں۔ بعض متشابہ۔ اس سے قرآن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر دعوے قرآن کا یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ اللہ سے ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف نہیں۔ ~~۴~~ [۸۳] اس لئے آپ کہتے ہیں۔ کہ یہ اختلاف طبقات انسانی سے ہے۔ آیات میں نہیں۔ ادنے لیاقت کے لوگ بنا سمجھائے سمجھ نہیں سکتے۔ ان کے لحاظ سے کل قرآن متشابہ ہے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ جو تمام قرآن کو سمجھ چکے ہیں۔ ان کے لئے کل قرآن محکم ہے۔ اور درمیانی درجہ کے لوگ جسے سمجھ گئے ان کے لحاظ سے وہ محکم اور جسے سمجھ نہ پائے وہ متشابہ ہے۔ لیکن آیت کے کسی بھی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ اصول ایسا ہے۔ کہ اس سے تو ہر کتاب خواہ انسانی ہو خواہ ربانی۔ تینوں طرح پر ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کے متعلق ایسے مخصوص بیان کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ پھر قرآن صاف طور پر دو میں تقسیم کرتا ہے۔ تو تین قسموں کا ذکر کیا۔ درحقیقت یہ خیال محض متشابہ کو مشتبہ کے معنے میں لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حمایل التفسیر کے اس نوٹ میں لکھا ہی ہے۔ کہ " متشابہ کے یہ معنی کرنا کہ وہ کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے۔ قرآن مجید کے ایک حصہ کثیر کو بلکہ تمام کو لغو اور فضول قرار دیتا ہے"۔

اس کے علاوہ اور اختلاف تاویل بھی پیش کیا ہے۔ کہ بخاری میں مجاہد کی تفسیر سے متشابہ کے یہ معنے لکھے ہیں۔ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا (ایک کی تفسیر دوسری آیت سے ہو) لیکن یہ تاویل بھی کل کتابوں کے کل بیانات پر یکساں حاوی ہوگی۔ اور کل کتابوں کے ساتھ قرآن کو محض متشابہ ٹھہرائیں گی۔ کیونکہ کوئی آیت ایسی نہیں ہو سکتی۔ جس کے الفاظ کی تفسیر بلا امداد غیرے ہو سکے۔ تیسرے معنے متشابہ کے بعض قرآن کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعود سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قرآن کریم سات لغت پر نازل ہوا ہے۔ جس کی ہر ایک آیت میں ظہر اور بطن ہے۔ اور ہر حد کے لئے ایک مطلع ہوتا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) ظہر سے مراد محکم اور بطن سے مراد متشابہ ہے۔ یہ مفہوم هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ سے نکالا ہے۔ کہ محکم آیات کتاب کی ماں ہیں۔ تو ان کے بطن سے جو نکلیگا۔ وہ متشابہ ہے۔ لیکن یہ تاویل صریحاً غلط بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ متشابہ کے پیچھے پڑنے والے مختلف تاویلات سے فتنہ یا اختلاف برپا کر رہے ہیں۔ جو ام الکتاب کے باطنی مفہوم کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ بطن موجب اطمینان ہونا چاہئے۔ نہ موجب شبہات۔ پھر مضبوطی یا استحکام ظاہری نمائش کا نام نہیں۔ اندرونی حقیقت کا ہے۔ اس کے علاوہ حد اور مطلع کے لحاظ سے متشابہ کا یقین ہونا اور بھی مشکل ہے۔ حد وہ مقام ہے۔ جہاں تک معنے کلام کی رو سے فہم کی رسائی ہو اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور مطلع وہ مقام ہے۔ کہ انسان صعود کرتا کرتا ملک العلام کے شہود پر مطلع ہو جائے۔ اس تعریف کا صحیح اطلاق سوائے ویدک طریق غور و فکر کے اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ ویدک الفاظ کا معانی کے ساتھ لازمی تعلق مانا جاتا ہے۔ انہیں

شبد یا کلام کہا جاتا ہے۔ اور کلام بھی مجموعہ کلمات ہے۔ اور کلمہ کا بھی معنے کے ساتھ تعلق ہے۔ لیکن وہ معانی ہر شخص کے فہم سے اپنے اپنے خاص رنگ میں محسوس ہوتے ہیں جس لفظ سے ایک شخص کثیف یا موٹے معنے سمجھتا ہے۔ اسی سے ایک عالم شخص باریک معنے مراد لیتا ہے۔ اور جوں جوں استعداد بڑھتی ہے۔ معانی کی زیادہ سے زیادہ لطافت محسوس ہوتی ہے۔ ان عالموں میں سے ہر ایک کا فہم جس لطافت تک احساس کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے حد ہے لیکن سمادھی میں رشی لوگ فہم یا عقل کے انتہائی احساس سے بھی اوپر اُٹھ کر روحانی آنکھ سے پرمیشور کی حضوری میں جو کسی کلام کے معانی یا حقیقی علم کا انکشاف پاتے ہیں۔ وہ مطلع ہے یا ساکھشات کار پرمیشور کو ملک العلام کہا ہے کیونکہ وہ تمام عالموں اور داناؤں کا بادشاہ ہے۔ اور صعود کرتے جانا سے مراد ہے ذہنی وعقلی ترقی سے لطیف تر معانی کو سمجھنا۔ اب اگر محکم اور متشابہ آیات کی تقسیم میں ان معانی کا دخل ہو۔ تو محض دو مدارج قائم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ معانی کے احساس میں علمیت وحالات کے لحاظ سے بے شمار درجے ہو سکتے ہیں۔ اور نیز معانی بولنے سننے وغیرہ حواس کا مضمون نہیں۔ اور پھر معانی کی کثافت ولطافت کے مدارج بھی تمام کتابوں کے الفاظ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ محض قرآن سے۔ ظہر اور بطن کا لفظ درحقیقت محض وید کے آدی بھونک اور ادھیاتمک دو قسم کے معنوں کے لئے تھا۔ کیونکہ یہ صفت محض اس کلام سے مخصوص ہے۔ جو خدا کی طرف سے ہو۔ علیم مطلق خدا ہے وہی ایسی زبان دے سکتا ہے۔ جس کا صحیح علم سے تعلق ہو۔ یعنی جس کے الفاظ کے اندر معنی موجود ہوں۔ دوسری زبانیں جو انسانوں نے جاری کی ہیں۔ وہ محض الہامی زبان کے الفاظ کو نہ سمجھنے بگاڑنے اور بدلنے کا نتیجہ ہیں۔ اور جن کے الفاظ کا بلاوجہ اور بے بنیاد تعین معانی پر انحصار ہے۔ یعنی ان کے الفاظ سے معانی ظاہر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ محض فرضی طریق اور مشق سے الفاظ اور اشیاء کا تعلق مانا جاتا ہے۔ ویدک الفاظ کے معانی پر فہم اور عقل کی مدد سے غور کرنے کے بعد سمادھی میں جس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ جملہ شکوک اور الہام سے بالاتر ہے۔ اور اسی حالت پر اُپنشد کے اس قول کا اطلاق ہوتا ہے۔ کہ

भिद्यते हृदय ग्रन्थिश्छिद्यते सर्व संशय :

یعنی ہردے کی گانٹھ کھل جاتی اور شکوک تمام مٹ جاتے ہیں۔

پس حد اور مطلع کی اصطلاحات کثیر المعانی یا یوگک الفاظ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور قرآن میں محکم اور متشابہ نام دو قسم کی آیات کا محض مضمون کے لحاظ سے ہے مستقل علمی اصولوں کا بیان جن آیتوں میں ہو وہ محکم ہونگی۔ اور اگر شخصی یا تاریخی تمثیل وغیرہ ہو۔ تو متشابہ ہو گی۔ ایک اور تاویل یہ کی گئی ہے۔ کہ محکمات وہ آیات ہیں۔ جن میں دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو سکے۔ اور مطلب صاف صاف سمجھ میں آسکے۔ اور متشابہات وہ آیات ہیں۔ جن میں کئی معنے ہو سکیں۔ یا تمثیل یا مجاز یا استعارہ پایا جائے۔ لیکن نہ کوئی ایسی آیت ہونی ممکن ہے جس میں دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو۔ اور نہ ایسی کہ سب کو ہو بہو اس کا ایک ہی مفہوم صاف صاف سمجھ میں آسکے۔ کیونکہ احتمال یا یقین اور مطلب کا صاف صاف سمجھ میں آنا آیات سے تعلق نہیں رکھتا۔ آیات کے پڑھنے والوں سے رکھتا ہے۔

راقم نے طول طویل اور بار بار دوہرائی گئی تاویلات وتمثیلات میں الجھ کر اصل مضمون کو مس تک نہیں کیا۔

کہ آیات اپنے مضمون کے لحاظ سے محکم اور متشابہ کن معنوں میں کہی گئی ہیں۔ آنحضرت کے علم میں ان کے مخصوص معانی تھے۔ شک وشبہ نہ تھا۔ مفسرین کا متشابہ کا مفہوم لفظ لاریب فیہ کے بھی خلاف ہے۔ جو قرآن سے وہ خود منسوب کرتے ہیں۔ پانچویں تاویل یہ کی ہے۔ کہ محکم سے مراد ظاہری معنے ہیں۔ اور تاویل سے مراد ان پیشگوئیوں کا انجام ہے۔ جو ظاہری معنوں کے وجود میں موجود ہیں۔ اس انجام کو واقعی طور پر سوائے خدا تعالے کے کوئی نہیں جانتا۔ قبل از وقت ان کے ظاہر الفاظ پر ایمان رکھنا اور حقیقت کو حوالہ بخدا کرنا حقیقی داناؤں کا کام ہے" لیکن قرآن جس آیت کو محکم کہتا ہے۔ اس کے معنے ایسے مخصوص اور بے بدل ہیں۔ کہ ان کا تعلق تینوں زمانوں سے یکساں ہے۔ پیشگوئی کا مفہوم لیا جاوے۔ تو وہ نہ زمانہ گذشتہ سے تعلق رکھیگا نہ حال سے۔ اور محض مستقبل کا مفہوم آیت کو محکم نام دے۔ یہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ رسول صاحب نے کہیں کسی آیت کے متعلق نہیں کہا۔ نہ قرآن میں اشارہ موجود ہے۔ کہ فلاں آیت کے ظاہری معنے اور ہیں۔ اور باطنی اور۔ یا فلاں آیت کی تاویل میں پیشگوئیوں کی گنجائش ہے۔ نہ قرآن اصولاً پیشگوئیوں کے حق میں ہے نہ کسی شبہ کا کسی آیت سے تعلق ہے۔ ہر آیت سے جو ہدایت مقصود ہے۔ اس کو اخذ کرنا چاہیئے۔ اور بحث یا غور وخوض محض محکم یا اصولی آیات پر ہونی چاہیئے۔ تمثیلات یا الفاظ پر نہیں۔ ہمیں افسوس ہے۔ کوئی مفسر کوشش نہیں کرتا۔ کہ قرآن یا آنحضرت کا اصل نظریہ ہی ہر آیت میں سمجھا اور لوگوں تک پہنچایا جائے۔ بلکہ ہر مفسر یہ کرتا ہے۔ کہ اپنا خیال اور دوسروں کا بیان یکجا کر کے اور کوئی فیصلہ نہ دے کر اور معتقدوں کو تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا ہوا چھوڑ کر آپ الگ ہو جاتا ہے۔

۸ - دعائے اتحاد

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ ع ۹

اے ہمارے رب! ایسی عنایت کر کہ ہمیں سچی ہدایت ملے۔ اور پھر ہمارے دل اس سے کبھی ڈولنے نہ پاویں۔ اور ہمیں آپنے حضور سے رحمت عطا فرما۔ تحقیق تو ہی ہمارا بڑا داتا ہے۔ ۷۔ اے ہمارے رب! تو ہی وہ زمانہ لا سکتا ہے۔ کہ ہمارے اوہام باطلہ دور ہو جاویں۔ اور ہم سب متحد ہو جاویں۔ تحقیق اللہ اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا۔ ۸۔

۹ - استقلال

آیت ۷ سے ہدایت ملتی ہے۔ کہ محکم آیات یا ام الکتاب کی تعلیم پا کر اور متشابہ آیات سے اصل نصیحت حاصل کر کے ان پر استقلال سے قائم رہنا انسان کا فرض ہے بنو مرفی میں دھرم کا پہلا لکھشن دھرتی یا استقلال کو بتایا ہے۔ اور ہر کام میں کامیابی کی سب سے ضروری یہی شرط ہے۔ آیت

کا مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان سچی ہدایت کا متلاشی ہو۔ اور جب وہ مل جاوے۔ اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہے۔ مخالفت وغیرہ کے خوف سے اپنے دل کو ڈگمگانے نہ دے۔ سچی یکجہتی اور اتحاد کا مول منتر اسی استقلال میں ہے۔ اگر مزاج قائم نہ رہے۔ آج ایک بات کو سچ سمجھ کر مانا کل کسی دنیوی ترغیب کی وجہ سے اس کی تکذیب کرنے لگ گئے۔ تو نہ اپنی ذات پر اپنا اعتماد ہو سکتا ہے۔ نہ سوسائٹی کے دوسرے افراد سے اتحاد ہو سکتا ہے۔ نہ ایسے شخص اپنے ہمجنسوں میں کسی طرح کی کوئی بھلائی پھیلا سکتے ہیں۔ مستقل مزاج انسانوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں کر دکھایا۔ دلی استقلال ثابت قدمی اور عزم بالجزم تمام مشکلات کو دور کر کے ہماری ساری مرادیں بر لاتے ہیں۔ اور قرآن سب سے مقدم ضرورت انسانی جماعت میں اتحاد اور محبت قایم رہنے کی سمجھتا ہے۔ اور اتحاد کی بنیاد سچی ہدایت پر رکھتا ہے۔ اس لئے دلوں میں حق کے آنے اور پھر اس سے نہ ڈولنے کی دعا واقعی معنے خیز ہے۔

۱۰۔ تردید باطل و اشاعت حق

آیت نمبر ۸ میں یہ دعا ہے۔ کہ اے ہمارے رب اپنی عنایت سے وہ وقت لاؤ کہ انسانوں کے دلوں سے ریب بالکل نکل جاوے۔ اور وہ سب حق پر متحد ہو جاویں۔ واقعی اسی سنہری زمانے کو دیکھنے کی خواہش انسانی دلوں میں جاگزین ہو جائے۔ تو اتحاد ہوتے دیر ہی کیا ہو سکتی ہے۔ آنحضرت نے اگر کفر اور شرک کے بخیے ادھیڑے اور سوامی دیانند نے اگر مذاہب باطلہ کی پر زور تردید کی۔ تو اس سے واحد مقصود صرف یہ تھا۔ کہ انسانوں کے باہم رشتہ محبت و یگانگت قایم ہونے میں جو رکاوٹ ہے۔ وہ دور ہو جاوے۔ پھر تردید باطل کے ساتھ آنحضرت نے جو ام الکتاب یا کتاب مبین کی فضیلت واضح کی اور سوامی دیانند نے جو وید کی دھاں گائی۔ یہ بھی محض اس لئے تھا۔ کہ ایک ہی قسم کی سچی اور عالمگیر تعلیم سے سب کے دل ایک دوسرے کی طرف کھچ جاویں۔ یہ آیات ہر حق پسند اور سچے عالم پر یہ امر واضح کرتی ہیں۔ کہ ویدک دھرم اور دین اسلام کا صحیح مفہوم بالکل ایک ہے۔ کیونکہ ام الکتاب ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں۔ محض وید ہے فرق ہے تو محض اس بات کا ہے۔ کہ علمائے اسلام کے لئے یہ اصولی میلان ایک اجنبی بات ہے۔ حتےٰ کہ جو مفسر محکم اور متشابہ کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ وہ بھی وید کے ساتھ محکم آیات کا تعلق جوڑنے سے قاصر ہیں۔ بیان القرآن صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۵ میں یہ بحث ہے۔ اور اصولاً ہمارے مطابق ہی بیان دیا گیا ہے۔ حتےٰ کہ پیشگوئی کو متشابہات یا فروعات میں ثابت کیا اور عیسائی اعتقادات کو باطل قرار دیا ہے۔ اور اسی بنا پر قادیانی مرزا صاحب کی طرف دعوائے نبوت منسوب کرنے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس کے بعد آپ واضح کرتے ہیں۔ کہ محکمات کو ام الکتاب کہہ کر قرآن نے سب جھگڑا اٹھا دیا ہے۔ ام الکتاب کے معنے ہیں۔ کتاب کی اصل یا جڑ جسے مراد اصولی (موٹو) ہیں اور طرز تاویل یہ ہو گی۔ کہ فروعات اور مخصوصات کو جو بہ طور شاخوں یا ولد کے ہیں۔ جڑ اور ام کی طرف لوٹانا پڑے گا۔ یعنی اصول کے ماتحت کرنا پڑے گا۔ ورنہ نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ اَبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ کے مطابق لوگ خاص تاویل کے پیچھے پڑ کر فتنے یا اختلافات کا شکار ہوں گے۔ ہم فاضل مفسر کے فہم و ادراک کی داد دیتے ہیں۔ کہ اس نے محکم اور متشابہ کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ محکم اور

متشابہ آیات کی تمیز ہونے کا جب تک کوئی یقینی معیار صاف طور پر سامنے نہ ہو۔ اس اور اکم سے عملی فائدہ کیا؟ اگر خاص تاویل کے پیچھے پڑنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر آپ کا خاص طرز تاویل کو اختیار کرنا چہ معنے؟ اور جب محکم اور متشابہ کی تمیز کا اصول ہی طے نہیں ہوا۔ تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ فلاں آیت محکم ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ فروعات یا مخصوصات کو کس جڑ یا ام کی طرف لوٹایا جاوے۔ باپ اور بیٹا اکٹھے بیٹھے ہوں۔ تو عمر یا قد یا ڈاڑھی یا چہرے کی خاص علامات سے جن کا علم اس انسان کو ہے۔ جو تمیز کرنا یا جاننا چاہتا ہے۔ پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ باپ کون ہے۔ اور بیٹا کون۔ پس تمیز کرنے والے کے علم میں وہ معیار لانا چاہیئے تھا۔ جس سے وہ اپنے لئے فیصلہ کر سکے کہ فلاں آیت محکم ہے۔ اور فلاں متشابہ۔ برخلاف اس کے آپ نے محض سوال کو دوسرے لفظوں میں دوہرا دیا ہے۔ تمیز کا ذریعہ واضح نہیں کیا۔ یہ کہنا۔ کہ بیٹا بہ طور شاخ کے یا ولد ہے۔ اور اس کے جاننے کے لئے اسے جڑ یا ام یا باپ سے منسوب کرنا پڑے گا۔ محض سوال کو دوہرانا ہے۔ جواب دینا نہیں۔

آپ آگے لکھتے ہیں۔ کہ کسی امر مخصوص کے صحیح معنے سمجھنے کے لئے پہلے ایک اصول قائم کیا جاوے۔ اور اس اصول کے ماتحت اس کی تاویل کی جائے۔ اس سے آپ تمام اختلافات کی بہت حد تک دوری کا گمان کرتے ہیں لیکن سوال تو محکم اور متشابہ آیات کی تمیز کا ہے۔ امر مخصوص کے صحیح معنے سمجھنے کا نہیں۔ آپ نے خود ہی لکھا ہے۔ کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنے ہونے سے خود غرض لوگ اپنے حسب منشا تاویل کرتے اور جسے چاہتے متشابہ بنا کر دوسری آیت کے ماتحت کر دیتے ہیں۔ پس محکم اور متشابہ کی تمیز تو کیا ہوئی الٹا معنوں اور تاویل کا جھگڑا اور گلے پڑ گیا۔ اور جب محکم اور متشابہ کی تمیز کا ہی اصول قائم نہیں ہوا۔ تو صحیح معنے سمجھنے کا اصول کس بنیاد پر قائم ہوگا۔ اور کس کے ماتحت اور کس طرح اس کی تاویل کی جائیگی۔

اسی سلسلے میں آپ آگے چل کر لکھتے ہیں" فروعات کا تو کوئی شمار نہیں ہوسکتا۔ پس ماننا پڑیگا۔ کہ سب اصول کو قرآن کریم نے واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ اور فروع میں سے حسب ضرورت کچھ لے لیا ہے۔ اس لئے بھی فروع کو اصول کے ماتحت کہہ سکتے ہیں۔ نہ اصول کو فروع کے ماتحت" ہم اصول اور فروع کے اس تعلق کو صحیح مانتے ہیں۔ لیکن اصل سوال کا اس میں بھی جواب موجود نہیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو۔ کہ اصول کے بیان والی آیتیں کونسی ہیں۔ اور فروع والی کونسی۔ تب تک نہ اصول کا صحیح علم ہوسکتا ہے نہ فروع کو کسوٹی پر کسا جاسکتا ہے۔ اور نہ فروع کو اصول کے ماتحت کیا جاسکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ ام الکتاب کا لفظ کہہ کر قرآن نے محکم آیات کا پتہ دے دیا ہے۔ کہ وید منتروں کے ترجمہ والی آیات محکم ہیں۔ مگر موجودہ زمانے میں علماء اسلام کے دل میں نہ وید کی عظمت ہے۔ نہ انہیں حالات موجودہ میں وید کا خیال آسکتا ہے۔ اور قرآن کی نسبت ان کا حسن ظن یا اس کی حقیقی عظمت کا نقش جو ان کے دل پر ہے۔ ماسوائے قرآن کے کسی اور طرف انہیں متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا۔ مگر چونکہ قرآن نہایت زور اور خلوص عقیدت سے تمام اہل ایمان کو آغاز عالم والی الہامی کتاب کی طرف ہی دعوت دینا چاہتا ہے۔ اور یہ امر علمائے اسلام کے دل پر نقش ہونے سے اختلاف تاویل کا پورا تدارک ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم صاف کہتے ہیں۔ کہ بیان القرآن کے فاضل راقم کی تحریر

کے متعلق جملہ اعتراضات مذکورہ بالا دور ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ محکم آیات والے حصے کو وید منتر مان لیں۔ کیونکہ اس صورت میں وید منتروں کے مطابق اصولی تعلیم جن میں ہو گی وہ آیات محکم مانی جاویں گی۔ اور وہ اصول قائم ہو جاویگا جس کے ماتحت فروع یا متشابہ کو کر کے عقلمند لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ باپ اور بیٹے میں تمیز کرانے والی خاص بات ان کی عمر ہے۔ پس ام الکتاب وہ ہے۔ جو پہلے اور قدیم ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا جاوے۔ کہ فلاں جگہ لکڑیوں کے گٹھے بندھے پڑے ہیں۔ من کے آدھ من کے اور دس سیر کے بھی۔ تو یا تو باٹ لا کر ان کو تولنا پڑیگا۔ یا تجربہ کی بنا پر جو اندازہ دماغ میں قائم ہے۔ اس سے صحیح صحیح تمیز ہو گی۔ بعینہ محکم (ام الکتاب) اور متشابہ (فروع یا ولد) جو قرآن مجید میں خلط ملط ہیں۔ وید کی کسوٹی سے تمیز کی جا سکتی ہیں۔ اور اسی تمیز سے محکم یا ام الکتاب والے ازلی ابدی سچے دھرم میں متحد ہونے کی اپیل اہل قرآن اہل عالم سے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہی دو آیات زیر بحث میں سے پہلے میں یہ بتایا ہے۔ کہ دلوں میں سچی ہدایت جاگزین ہو۔ اور وہ اس سے ڈولیں نہیں۔ مستقل مزاج اور رحمت الٰہی کے مستحق ہوں۔ اور دوسری میں یہ دعا کی ہے۔ کہ تمام اختلاف دور ہو کر وہ زمانہ آوے۔ کہ ہم سب اکٹھے ہو جاویں۔ یہ خاص اس اصولی تعلیم کو ظاہر کرنے سے محکم آیات یا ام الکتاب ہیں جو رگوید کے آخری چار منتروں میں دی گئی ہے چنانچہ ان میں سے پہلا منتر حسب ذیل ہے۔

संसमिद्युवसे वृषन्नग्ने विश्वान्यर्य आ ।

इळस्पदे समिध्यसे स नो वसून्या भर ॥ २ ॥

اس منتر میں دعا مانگی گئی ہے۔ کہ اے طاقت کل۔ انصاف مجسم پرمیشور! بالتحقیق آپ سب کو ہم خیال کر کے متحد کرنیوالے ہیں۔ آپ ہی ہر زمانے میں جلوہ فروز ہیں۔ اپنی عنایت سے ہمیں بھی وہ اتحاد کا سنہری زمانہ دکھائیے۔

نوٹ۔ اس منتر میں معانی کا تعلق بہت وسیع ہے۔ انسانوں کی جگہ تمام اور اشیا کا میل کر کے وہ پرمیشور ہی اس تمام کائنات کا نظارہ دکھا رہا ہے۔ اور اتحاد کے زمانے کی طرح صحت۔ اچھی بھومی۔ نیک دل۔ اور تمام راحتوں کے دینے والے پرمیشور کی پراپتی کی دعا بھی منتر میں موجود ہے۔ لیکن ہم نے وہ معنے لکھنے کافی سمجھے ہیں جو آیت کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بعد کے منتروں میں بھی رفتار۔ گفتار کردار کے علاوہ دلوں میں ہر طرح سے یگانگت ہونے کو ہی اتحاد کا موجب بتایا گیا ہے۔ اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا وغیرہ سے قرآن بھی اسی حالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

غرضیکہ محکم آیات کا لفظ جو ام الکتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ وید منتروں کی جگہ رکھی گئی آیتوں پر ہی دلالت کرتا ہے۔ اور انسانوں کے مجموعی قیام کا معیار منوں میں عالمگیر اصولوں کا علم ہونے پر ہی منحصر بتایا ہے۔ پس انہی اصولوں کی اشاعت کرنا اور لَا رَیْبَ فِیْہِ کی شرط کو پورا کرنے کے لئے تمام مروجہ اوہام باطلہ کی بیخ کنی کرنا ہمارا اتحاد کا مقدم فرض ہے۔

۱۱ - موہومہ قیامت

جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ، ان الفاظ کا ترجمہ مفسر صاحبان عموماً یہ کرتے ہیں۔ کہ خدا قیامت کے دن سب کو اکٹھا کرے گا۔ جس

کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ خیال محض غلط الہام صحیح کے طور پر اہلِ اسلام میں گھر کر گیا ہے۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ دنیا کی پیدائش دو ارب سال سے ہے۔ اس میں حد شمار سے باہر موتیں ہو چکی ہیں۔ حد شمار سے باہر ڈوب کر مرے۔ اس سے زیادہ اور کئی گنا زیادہ تعداد کے جسم جلائے جا چکے ہیں۔ جو قبریں موجود ہیں۔ ان کے اندر دفنائے گئے مردہ جسموں کا روح سے تعلق نہیں۔ پس قبروں سے ان کا اُٹھنا اور میدانِ محشر میں جمع ہونا چہ معنے۔ قبروں سے جی اٹھنے کا مفہوم جسمانی یقینی ہے۔ اور جسمانی ہستیوں کے جمع ہونے کے لئے زمینی میدان یا امکان چاہئے۔ مگر قیامت کے وقت زمین وغیرہ کا نام و نشان نہیں ہو سکتا۔ مزید برایں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیت زیر بحث میں قیامت کا لفظ ہی نہیں اور نہ یہ لکھا گیا ہے۔ کہ کسی میدان میں جمع ہونا ہے۔ بلکہ جمع ہونا محض خاص یوم یا زمانے سے منسوب ہے۔ اور اس زمانہ کی خصوصیت یہ بتائی ہے۔ کہ اس میں ریب نہ ہو۔ یعنی شک اختلاف یا غلطی وغیرہ۔ چونکہ متشابہ آیات میں شکوک و شبہات کا امکان بنا رہتا۔ اور اسی لئے اُس کی مختلف تاویلیں ہوتی ہیں۔ اس لئے لاریب فیہ کا مفہوم صاف ہے۔ کہ متشابہ آیات سے انسان اوپر اُٹھے۔ اور تمام غلطیوں اور نقصوں سے پاک عالمگیر سچے اصولوں کو ظاہر کرنے والی محکم آیات کی طرف ہی مائل رہ کر حقیقت کو جانے۔ اسی طریق سے سب کے اندر ایک ہی قسم کے خیال قایم رہ سکتے۔ اور آخر وہ وقت لا سکتے ہیں۔ کہ اختلافات دور ہوں اور سب انسان متحد۔

۱۲۔ مخالفین حق اور ان کا حشر

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَ

٩ أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

١٠ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

١١ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ

تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ

١٢ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ لِلنَّاسِ

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

۱۳

جو لوگ کفر یعنی حق سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے مقابلے میں نہ ان کا مال ان کے کسی کام آئے گا۔ نہ اولاد۔ بے شک یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ۱۔ جیسے کہ آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی گنتی ہوئی۔ انہوں نے ہمارے حکموں کی تکذیب کی۔ لہذا اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفتار (بلا) کیا۔ کیونکہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۲۔ ان کفر والوں کو کہدو۔ کہ تم جلد مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا حشر جہنم ہو گا۔ اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ۳۔ تحقیق تمہارے واسطے ان دو گروہوں کے جنگ میں بڑے سبق کا سامان ہے۔ ان میں سے ایک گروہ تو راہِ حق میں لڑتا تھا۔ اور دوسرا کافر تھا۔ وہ ان کو نظر سے دیکھنے پر اپنے سے دوچند گنتے تھے۔ مگر اللہ اپنی امداد سے جسے چاہتا ہے مضبوط کرتا ہے۔ تحقیق اہل عقل کے لئے اس میں عبرت ہے۔ ۴۔ لوگوں کو نفسانی خواہشات کے سامان مثلاً عورتیں بیٹے سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر۔ عمدہ عمدہ گھوڑے مویشی اور کھیتی مرغوب معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دنیوی زندگی کے سامان ہیں۔ ورنہ اچھا رجحان تو اللہ کی طرف والا ہی ہے۔ ۵۔

۱۳۔ مذہبی تفریق اور دنیوی اغراض

جب مذہبی تفریق خدا سے نہیں۔ اور ایک دہرم میں متحد ہونا ہی سب کے لئے مفید ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس تفریق کا سبب کیا ہے۔ اس کا جواب آیت نمبر ا میں دیا ہے۔ کہ دہرم یا حق کے خلاف باتیں یا کفر کی اشاعت کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ ان کو بہ وجہ جہالت مال اور اولاد کی خاطر کفر کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ مال اور اولاد ان کو دکھ سے نہیں بچا سکتا۔ جیسا کہ آل فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں پر مصیبتیں اور اذیتیں نازل ہونے سے ظاہر ہے۔ ان کی نظیر ثابت کرتی ہے۔ کہ احکام حق کی خلاف ورزی سخت سے سخت سزا کا موجب بناتی ہے

۱۴۔ اہل کفر کو سبق

آیت ۳ تا ۵ میں ان خود غرض منکرین حق کو یہ نصیحت دینے و سمجھانے کی ہدایت ہے۔ کہ اپنی مذموم حرکات سے باز آؤ۔ کاٹھ کی ہنڈیا ہمیشہ آگ پر نہیں چڑھ سکتی۔ اگر جہالت اور گمراہی پھیلا کر عارضی دنیوی اغراض تم نے پوری بھی کر لیں۔ تو ہوا کیا۔ آخر تو تمہیں جہنم سے ہی دوچار ہونا ہوگا۔ دیکھو فرعون اور موسیٰ کے ہر دو فریق کے مقابلے کے دن موسیٰ کو جو راہِ حق میں لڑتا تھا۔ فتح نصیب ہوئی اسی طرح دیوتاؤں اور اسروں (طالوت اور جالوت) کا جنگ تمہیں سنایا گیا۔ طالوت کی پارٹی راہِ حق پر تھی۔ اور

جالوت کی کفر پر۔ طالوت کے لوگوں کو جالوت والے لوگ اپنے سے کئی گناہ زیادہ دکھائی دیتے تھے۔ مگر خدا نے طالوت کی فتح کرائی۔ پس سبق لو۔ اور کفر سے باز آؤ۔ یہ صحیح ہے۔ کہ عام لوگوں کو دہرم اور سچائی کی طرف رغبت نہیں۔ وہ نفسانی خواہشات یا عورت مال و دولت وغیرہ میں غلطاں ہیں۔ اور اس لئے ان کو کفر پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ یہ سب سامان عارضی ہیں۔ دکھ یا موت سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ دوسری طرف اللہ ہے پایدار آرام والی چیز یعنی نجات اسی کے ہاں ہے۔ پس کفر چھوڑو۔ اور دہرم کو قبول کرو۔ سنو نے صاف کہا ہے۔ کہ عاقبت میں ماں باپ بیٹا عورت دوست کوئی ساتھ نہیں جاتا۔ دہرم ہی اس وقت وفا کرتا اور ساتھ دیتا ہے۔

۱۵۔ قابل اعتراض روّیہ

آیات قرآن کو عالمگیر اور اصولی تعلیم کی بجائے مفسرین جو احادیث پر چسپاں کرتے ہیں۔ اس میں وہ نہایت غلط روّیہ پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی خواہش کے خلاف اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مگر اس میں وہ کچھ مجبور بھی ہیں۔ کیونکہ کوئی آزاد ترجمہ یا تفسیر انہیں ملی ہی نہیں جس کی رہنمائی میں وہ حدیثوں کے اثر سے بچ سکتے۔ تاہم آریہ سماج اور اسلام کے تبلیغی طریق سے اس زمانہ میں عالمگیر صداقتوں کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اور نئے مفسرین اس امر کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ اور جابجا لکھتے بھی ہیں۔ کہ الفاظ قرآن کا عام اصولی تعلیم پر ہی اطلاق ہونا صحیح ہے۔ لیکن باوجود اس کے ابھی وہ اکثر علمی پہلوتہی کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیات زیر بحث کو کوئی صاحب تو خواہ مخواہ عیسائیوں کے اعتقاد کے خلاف اپنی من مانی تاویل سے استعمال کرتے ہیں۔ اور کوئی صاحب آیت ۱۳ والے دو گروہوں کو آنحضرت کے ظہور کے وقت کے مشرک اور مسلمانوں سے تعبیر کرتے اور اس جنگ کو جنگ بدر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ کی تعمیم فرعون اور موسیٰ کی نظیر اور سورۃ بقر کے بیان شدہ جنگ طالوت و جالوت سے ایسی ہر تاویل کی صریح تردید ہوتی ہے۔ اور قدیم سے جو نیکی اور بدی یا خدا اور شیطان یا دیوتا اور راکھشوں کی جنگ کا اصولی استعارہ تمام مذاہب میں زبان زد چلا آتا ہے۔ اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ سورۃ کا نام ہے آل عمران۔ اور عمران حضرت موسیٰ کے والد صاحب کا نام کہا جاتا ہے نیز حضرت مریم کے والد صاحب کا بھی اور عیسائیت کا بھی اس سورۃ میں بطلان ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ متشابہ بیانات جو بعد میں آنے والے ہوں۔ ان کے رنگ میں محکم یا اصولی بیانات کو رنگا جاوے۔ اور پھر جنگ بدر کا تعلق تو عیسائیت کی تردید سے جوڑنا اور بھی غیر معقول ہے۔ یہی حال پیشگوئیوں کے متعلقہ تاویل کا ہے۔ غرائب القرآن میں دو چند تعداد نظر آنے کے متعلق لکھا ہے۔ "واقع میں تو کافر بہت تھے۔ اور مسلمان کم۔ مگر خدا نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی ایسی ہیبت بٹھا دی تھی۔ کہ مسلمان ان کو اپنے سے دوچند دکھائی دیتے تھے۔ یا یہ ہو کہ جنگ بدر میں خدا نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے بھی بھیجے تھے۔ فرشتے ملاکر کافروں کو مسلمان دوچند دکھائی دیتے تھے۔ غرض کچھ بھی ہو۔ خدا کی تائید سے تھوڑے مسلمانوں نے کافروں کو مار ہٹایا۔ اور لڑائی جیت لی۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ مسلمان آنکھوں دیکھتے کافروں کو دوچند دیکھتے تھے۔ باایں ہمہ خدا نے انہیں ہمت دی تھی۔"

چونکہ نہ یہاں جنگ بدر کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی اوپر کی تاویل میں راقم کا اپنا خیال ہی کسی بات پر قائم ہے۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ محض قیاسی اور اٹکل پچو باتوں سے اصولی تعلیم کو چھپایا جا رہا ہے۔ ایک اور مفسر صاحب اس سے بھی بڑھ کر جولانیِ طبع دکھلاتے اور طویل نوٹ میں فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ پہنچنے کے بعد اہلِ مکہ کی ایک ہزار فوج کو بدر کے مقام پر شکست ہو چکی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست تیاریاں کیں۔ مدینہ کے تجربہ کار یہود بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ مگر اللہ نے وعدہ کیا۔ کہ منکروں کے مال اولاد اللہ کے مقابلے پر ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑیں گے۔ آلِ فرعون کی طرح مغلوب ہوں گے۔ خدا نے کہا۔ اے محمد منکروں کو سنا دو۔ کہ وہ عنقریب مغلوب کئے جائیں گے۔ اس پیشگوئی کا یقین دلانے کے واسطے خدا نے جنگ بدر کی یاد کرائی۔ کہ ایک فریق راہِ حق پر لڑتا تھا۔ اور دوسرا اس کا مخالف تھا۔ مسلمان ۳۱۲ تھے۔ کفار ۹۵۰۔ اس جنگ کی نسبت بھی پہلے سے بتلایا گیا تھا۔ کہ دو باتوں میں سے ایک تم کو ضرور نصیب ہوگی۔ یا فتح یا قافلہ کا ہاتھ آنا۔ چنانچہ تم فتحیاب ہوئے۔ دشمنوں کی تعداد تم کو دوچند ہی نظر آتی رہی۔ خدا کے فرشتوں نے تمہاری مدد کی۔ پس ایسا ہی اب ہوگا۔ تمام یہود اور مشرکین تمہارے مقابلے پر مغلوب ہوں گے۔ اپنے غضب اور جوش کی آگ میں جل کر واصلِ جہنم ہوں گے وغیرہ وغیرہ

اس قسم کی تاویلات تمام تمسخر آمیز ہیں۔ عام مسلمانوں کے مذاق کے مطابق مفسرین پیشگوئیاں کرتے اور خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے قرآن کی اصل تعلیم کو چھپاتے آ رہے ہیں۔

۱۶۔ دیوتا کون اور اسر کون۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ
بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ ۱۴ ۱۵
الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ ۱۶
اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ

۱۷ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

۱۸ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ

۱۹ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ

۲۰ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

۲۱ وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ

۲۲ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ

۲۳ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

ان لوگوں سے کہو۔ کہ آؤ میں تمہیں اس سے بڑھیا بات بتاؤں۔ جو یہ ہے۔ کہ متقی لوگوں کے لئے ان کے رب کے ہاں بہشت کے باغ ہیں۔ جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ طہارت مجسم بیویاں ہوں گی۔ نیز اللہ کی خوشنودی ان کے شامل حال ہوگی۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔ ۶۔ جو یہ دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لاتے ہیں۔ تو ہماری برائیاں ہم سے دور کر۔ اور ہمیں عذاب دوزخ سے نجات دے۔ ۷۔ جو صبر کرنے والے۔ صادق۔ فرمانبردار۔ راہِ حق پر خرچ کرنے والے ہیں۔ اور صبح کے وقت مغفرت کی دعا کرنے والے ہیں۔ ۸۔ اللہ شاہد ہے۔ کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتے اور اہلِ علم بھی جو نیکی پر قائم ہیں۔ یہی شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سب سے افضل اور حکمت والا ہے۔ ۹۔

یقیناً اصل دین اللہ کی طرف سے اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب الٰہی یا الہامی علم (کی نعمت) ملی۔ انہوں نے علم مل چکنے کے بعد اگر اختلاف کیا تو محض باہمی تعصبات سے کیا۔ پس جو کوئی آیات الٰہی سے کفر کرے۔ اللہ بھی اس سے جلد حساب لینے والا ہے۔ ۱۰۔ اگر اس پر بھی تمہارے ساتھ حجت بازی کریں۔ تو کہدو میں نے اور میرے پیروؤں نے تو اپنے تئیں اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور جو اہل کتاب اور ام الکتاب والے ہیں۔ ان سے بھی کہدو۔ کہ کیا تم اسے قبول کرتے ہو؟ پس اگر وہ قبول کرلیں۔ تو یقیناً راہِ حق پر آ گئے۔ اور اگر انحراف کریں۔ تو (مضائقہ نہیں) تیرا کام تو بس تبلیغ کر دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔ ۱۱۔ تحقیق جو لوگ آیات الٰہی سے کفر کرتے ہیں۔ اور بغیر حق کے نبیوں اور نیز ان انسانوں سے جھگڑا یا جنگ کرتے ہیں۔ جو انہیں سچائی یا انصاف کی نصیحت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کا پیغام سنا دو۔ ایسے ہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے اعمال دنیا اور آخرت ہر دو لحاظ سے اکارت ہیں۔ اور جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۱۲۔ ذرا ان لوگوں کے حال پر بھی غور کرو۔ جن کو کتاب یا علم الٰہی کا کچھ حصّہ ملا تھا۔ اب انہیں کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ کہ ان کے درمیان حق کا فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے۔ اور وہ اس کی تعمیل سے کتراتے ہیں۔ ۱۳۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ ہمیں اس زندگی کے چند روز بعد دکھ نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ جو افترا پردازیاں انہوں نے کی ہیں۔ وہ ہی انہیں ان کے دین میں دھوکا دے رہی ہیں۔ ۱۴۔

۱۱۶۔ اللہ کا ہی ہو رہنا

ان آیات میں متقی یا دیوتا لوگوں کے اوصاف تبلائے گئے ہیں۔ دنیوی خواہشات کے غلام اپنے حال میں مست ہیں۔ مگر مبلغین کا فرض ہے۔ کہ انہیں اس سے اعلےٰ راحتوں والی حالت کا پتہ دیں۔ یعنی سورگ یا جنت کا جس میں ایسی اعلےٰ اور پائدار و نرالی نعمتیں ملتی ہیں۔ کہ دکھ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ان متقی لوگوں کے لئے ہی مقدر ہے جن کے اوصاف یہ ہیں۔ نیک پاک۔ دکھ سہنے میں کوشاں۔ اسی کی ایشور سے دعا مانگتے۔ قناعت اور استقلال کا ہر تنگی میں خیال رکھتے۔ صدق دل سے دین کے اصولوں پر چلتے۔ خدا سے ملی ہوئی علم وہ نعمت وغیرہ نعمتوں سے خلق خدا کو فیض پہنچاتے اور صبح ہی عبادت الٰہی کر کے مغفرت کے مستحق بنتے ہیں۔ اس کے آگے آیت ۹-۱۰ میں خلاصہ ان کا یوں سمجھایا۔ کہ ہر لحاظ سے اللہ کے لئے اپنے تئیں وقف کر دینا ہی دیوتا پن ہے۔ یہی کتاب الٰہی کی ہدایت ہے۔ یہی تمام نیک اور عالم لوگوں کی۔ واقعی اللہ والا دھرم اسلام یعنی حق یا رضائے الٰہی کو ہی تسلیم کرنا یا اسی کا فرمانبردار ہونا ہے۔ دھرم کو انسان ایجاد نہیں کرتا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ انسانوں کو کتاب الٰہی ملی ہے۔ اور باوجود اس کے وہ اس کے مخالف مذاہب میں داخل ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ یہ مخالف مذاہب بھی خدا کا علم ملنے کے بعد ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ بغیر علم الٰہی کے ملے جہالت کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی جدا مذہب چل سکتا ہے۔ پھر ان مذاہب کی بنیاد محض باہمی طرفداری۔ عداوت یا تعصب ہے۔ گویا ودیا اور اودیا دونوں کا علم خدا دیتا ہے۔ انسان باہمی کمزوریوں سے اودیا سے پار ہونے کی نوبت نہیں آنے دیتے۔ اسی میں الجھے رہتے ہیں۔ اور اس کفر کا سریع الحساب خدا ساتھ کے ساتھ نتیجہ دیتا ہے۔ یعنی ان کے اندر دکھ ہی دکھ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ پس رسول اس امر کو بخوبی واضح کرے۔ کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری میں نے اور میرے ماننے والوں نے

اختیار کی ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔

۱۷۔ واعظ حق کا فرض

آیت ۱۱ میں اہل کتاب اور امیوں کو حق کے تسلیم کرنے کی ہدایت ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ امی لوگ جاہل یا ان پڑھ نہیں کیونکہ آیت میں کہا ہے۔ کہ اگر وہ تسلیم کرلیں۔ تو بس ہدایت پر آگئے چونکہ قرآن کئی جگہ یہ فیصلہ دیتا ہے۔ کہ اہل علم و عقل ہی حق کو قبول کرتے اور ہدایت پالیتے ہیں۔ اس لئے یہاں مقصود وہ لوگ ہیں۔ جو ہیں تو معتقد ام الکتاب یا وید کے لیکن باہمی تعصبات اور عداوت سے اختلافات کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور ہدایت پانا یہاں محض قبول حق کے لئے ہے۔ ان لوگوں تک حق کا پہنچا دینا ہی رسول کا کام ہے۔ اسے اس بحث میں نہ پڑنا چاہئے۔ کہ انہوں نے عملی طور پر اسے قبول کیا ہے یا نہیں؟ اس امر کا تعلق لوگوں کے دلوں سے ہے۔ اور دلوں کو جاننے والا خدا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ میں دو لفظ ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اہل کتاب جو امی یعنی ام الکتاب کے معتقد ہیں۔ جیسا فی زمانہ ہندو لوگ کہ اہل کتاب بھی ہیں۔ اور ویدک دھرمی بھی کہلاتے ہیں۔ مگر پھر بھی فرقوں میں منقسم ہیں۔ لیکن اگر اُوْتُوا الْکِتٰبَ کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر کیا جاوے۔ تو بھی مضائقہ نہیں اُمّیّٖن کا لفظ ام الکتاب کے معتقدوں پر ہی دلالت کریگا۔ نہ توریت و انجیل کے معتقدوں پر۔

۱۸۔ اہل کفر کی خاص پہچان

آیات ۲۰ تا ۲۲ میں اہل کفر کی پہچان بتائی ہے۔ کہ وہ خدا کے احکام سے انکار کرتے اور بلاوجہ نبیوں اور ان انسانوں کو جو انصاف اور دھرم کی تلقین کرتے ہیں قتل کرتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ نبیوں کو قتل کرنا لازمی طور پر جسمانی قتل کا ہی مطلب نہیں رکھتا بلکہ ناحق کا جھگڑا۔ تکرار۔ ایذا رسانی وغیرہ سب اس کے ضمن میں شامل ہیں۔ ہدایت کو سننا ہی نہیں۔ اور سنا تو اسے قبول یا اس پر عمل نہیں کرنا یہ بھی ایک طرح پر نبیوں کے وقت اور محنت کو ضائع کرنے سے ان کا قتل ہی ہے۔ اس کے علاوہ انصاف یا دھرم کی ہدایت دینے والے انسان ہی نبی یا رشی ہیں۔ لہٰذا نبیّٖن کا جدا لفظ ایک خاص وسیع ترین مفہوم بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبو۔ نبا بمعنے خبر دینا سے نبی لفظ بنتا ہے۔ جہاں عالم انسان وعظ وغیرہ سے خدا کی خبر دیتے یا اس کی طرف بلاتے ہیں۔ وہاں کل ملائکہ یعنی جاندار یا بیجان اشیائے عالم بھی اپنی زبان حال سے خدائے ذوالجلال کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت مہیا کرتے۔ اور اہل نظر کو خدا کا شیدائی بناتے ہیں۔ قرآن مجید میں اکثر جگہ الفاظ کو وسیع النظری سے وسعت معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ شعائر اللہ سے کلام الٰہی نبی۔ حیوانات وغیرہ ملائکہ کے وسیع معانی کا تعلق ہے۔ اسی اصول اور نبی لفظ کے صفاتی تعلق کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کی یہ ہدایت مانی جاسکتی ہے۔ کہ کافر لوگ سچی وعظ سے جو راہ ہدایت دکھاتی ہے۔ اور حیوانات و اشیائے عالم سے جو خدا کی حمد و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔ نفرت کرتے اور ان کی ہستی کی سراسر بے توقیری کرتے ہیں۔ حیوانات کو مارنا یا ان کا گوشت کھانا اس کا صریح اور پختہ ثبوت ہے۔ سنسکرت لٹریچر میں اسر یا راکشس کے الفاظ زیادہ تر گوشت وغیرہ کا استعمال

کرنے والوں سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی حقیقت کے لحاظ سے یہ تمام برائیاں آیاتِ الٰہی سے انکار کرنے اور نبیوں کو قتل کرنے میں شامل ہیں۔ نبیوں کو ایذا پہنچانے کا قرآن میں اکثر ذکر ہے۔ مگر مقتول نبیوں کی فہرست کہیں نہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ اصل مفہوم مذکورہ بالا خرابیوں سے ہی ہے۔

۱۹۔ اہلِ مذاہب

آیت ۲۲ و ۲۳ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہود نصاریٰ وغیرہ کل انسانی مذہب کے پیرو ہیں۔ توریت انجیل کیا کل مذہبی کتب ہیں کچھ نہ کچھ سچائیاں موجود ہیں قرآن فرماتا ہے کہ یہ سچی تعلیم ان مذاہب کی اپنی نہیں یہ کتاب الٰہی کا ہی حصّہ ہے۔ اور یہ ہو بہو وہی بات ہے۔ جو آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ کل مذاہب میں جو سچائی ہے۔ اس کا سرچشمہ وید ہی ہے آنحضرت اس بات پر تعجب کرتے ہیں۔ کہ اس تھوڑی تھوڑی تعلیم پر مست ہو کر یہ لوگ اصل کتاب الٰہی کی پوری تعلیم سے انحراف کر رہے ہیں۔ آپس میں ان کے اختلافات بھی ہیں۔ اور کتاب الٰہی سے بھی ان میں کئی باتیں الٹی پڑی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں یہ ان کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ لیکن یہ ہیں کہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ سوال ہوتا ہے۔ آخر اس کی وجہ۔ رسول صاحب غور کر کے اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔ کہ ان مذاہب نے کچھ افترا پردازیاں کر رکھی ہیں۔ اپنے اپنے مذاہب کا جہاں تم یہ مان رکھا ہے۔ کہ بس یہی سچا اور کامل ہے۔ اور اسی سے ہمیں نجات ملیگی۔ اور جب نجات کی غرض محض ہمارے ہی مذہب سے پوری ہوتی ہے۔ تو دوسروں کی سنیں کیوں۔ انہیں یقین ہو رہا ہے۔ کہ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ دکھ ہے تو اسی میں ہے۔ موت آئی نہیں۔ کہ ہمارے دکھ چھوٹے نہیں سیدھے بیکنٹھ کو جائیں گے۔ واقعی بات بھی یہی ہے۔ جو لوگوں کو تحقیق حق اور ترقی سے روک رہی ہے۔ اور قرآن اس پر بجا فرماتا ہے کہ اس جھوٹی افترا پردازی سے سبز باغوں کے دھوکے میں آ کر یہ اپنے حقیقی فائدے سے محروم ہو رہے ہیں۔

۲۰۔ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ

اس کے معنے اللہ کی خوشنودی کرتے ہیں ہم نے کوئی اصولی نقصان نہیں سمجھا۔ تاہم آیت ۱۴ میں اس کے زیادہ موزوں معنے راحت یا روحانی سرور کے ہو سکتے ہیں۔ جو خدا کی خوشنودی کا لازمی نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی منزل تو طے ہو چکی۔ تبھی انہیں جنت ملا۔ پس باغوں نعمتوں اور بیویوں کے ساتھ ہی جس رضوان کے جنت میں ملنے کا ذکر ہے۔ وہ دنیوی جنت میں ہر طرح کی راحت اور آسائش اور حالت نجات میں روحانی سرور ہی ہے۔

۲۱۔ اسحار

آیت ۱۶ میں اَلْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ اس کے معنے صبح کے وقت یا وقتوں میں مغفرت چاہنے کے سئے جاتے ہیں۔ اسحار جمع ہے۔ سحر کی اور سحر نام ہے رات کی تاریکی اور دن کی روشنی کے میل کا۔ اس لئے باوجود صبح پر ہی اس کا عام اطلاق کیا جانے کے ہم قرآن کا مدعا بارہا آنے والے صبح و شام کے وقتوں سے سمجھتے ہیں۔ اگر خالی سحر لفظ ہوتا۔ تو مضائقہ نہ تھا۔ لیکن جمع کا صیغہ استعمال کرنے اور دیگر کئی جگہوں میں صبح اور شام کی عبادت کا ذکر کرنے سے ہم نے ترجمے میں صبح اور شام کو مغفرت چاہنا مراد لیا ہے۔ جہاں صلوٰۃ کو دوسے زیادہ وقت کی عبادت وغیرہ پر لگایا ہے۔ وہاں بھی صلوٰۃ الوسطیٰ پر خاص زور دیا ہے۔ یعنی میل یا سندھی والی عبادت جسے سندھیا کہا جاتا ہے۔ باوجود اس کے اگر

یہ خیال کیا جاوے۔ کہ صبح کا وقت بالخصوص عبادت کے لئے نہایت متبرک اور موزوں سمجھا جاتا ہے۔ تو اسحار کو صبح کے وقتوں کے معنے میں لینا ہی صحیح ہے۔

۲۔ الْاُمِّيّٖنَ

اس کے معنے ہیں امی لوگ اور اس پر پہلے کافی لکھا گیا ہے۔ تاہم سلاست مضمون کے لحاظ سے یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ ایک طرف اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اُمِّيّٖنَ کے دو لفظ ہیں اور دوسری طرف نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ اور يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ کے دو بیان ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں کتاب پانیوالے لوگ توریت و انجیل کے معتقد ہیں جنہیں کتاب الہی کا ایک حصہ ہی یعنی تھوڑی سچائی ملی ہے۔ اور اُمی لوگ وہ ہیں۔ جنہیں کتاب الہی یا ام الکتاب پر اعتقاد ہے۔ اور انہیں بھی وید سے علی اختلاف کرنے کی وجہ سے معتقدان توریت و انجیل کے ساتھ کتاب الہی کی دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ سب سے حق و باطل کا فیصلہ ہوجائے۔ سورۃ بقر آیت ۲۱۳ میں ابتدائی الہام کی غرض یہ بتائی ہے۔ کہ ہمیشہ انسانوں کا باہمی اختلافات کا فیصلہ ہوتا رہا ہے۔ اس لئے یہاں بھی کتاب اللہ اسی ابتدائی الہام کے لئے ہے۔

۲۲۔ سنہری زمانہ

۲۴ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۵

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

۲۵ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ

۲۶ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۷ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

۲۷ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۸ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

۲۸

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ع ۳ ۱۱　۲۹　۳۰　۳۱

پھر کیا ہی عجیب زمانہ ہوگا۔ جب اختلافات دور ہو کر باہم متحد ہو جائیں گے۔ ہر شخص کے لئے اس کی کمائی وفا کرے گی۔ اور ان میں بے انصافی یا ادہرم کا نام نہ ہوگا۔ ۵۔ کہو اے خداوند تو ملک کا مالک ہے۔ جسے تو چاہے ملک دے۔ جس سے چاہے لے لے جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلیل کرے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ بے شک تو ہر بات پر قادر ہے ۶۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی دن کو رات میں تو ہی مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ۷۔ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں گے۔ اور جو کوئی ایسا کرے۔ اس کا اللہ والوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ اس سے بچاؤ اختیار کیا جاوے۔ بے شک اللہ تمہیں اپنا ہی خوف دکھاتا ہے۔ اور اللہ ہی منزل مقصود ہے۔ ۸۔ انہیں کہدو۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اسے خواہ چھپاؤ خواہ ظاہر کرو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ نیز جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ بے شک وہ ہر امر پر قادر ہے۔ ۹۔ اس زمانے میں ہر شخص اپنے نیک عملوں کو حاضر پائے گا۔ اور جو بُرے عمل کئے ہوں گے۔ چاہیگا کہ اس میں اور اس کے بُرے عملوں میں دوری ہو جائے۔ بے شک اللہ تم کو اپنا ہی خوف دکھاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ ۱۰۔ انہیں کہدو۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت کرو۔ تو میری بات کو مانو۔ جس سے اللہ تم کو پیار کرے۔ اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے۔ کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ ۱۔ کہدو کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اور اگر وہ انحراف کریں۔ تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ۲۔

۲۳۔ اتحاد کی برکتیں

پانچویں آیت اور آیات مابعد میں انسانوں کے ایک دہرم میں متحد ہونے کی عملی تدبیروں اور ان کے فواید کا بیان کیا گیا ہے۔ پہلی آیتوں میں جس اتحاد کا بیان تھا اس کا دلفریب منظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ واقعی وہ زمانہ سنہری ہوگا۔ جب انسان اختلافات و شکوک سے اوپر اُٹھ کر عالمگیر سچائیوں میں متحد ہوں گے۔ ہر شخص اپنی ہی حق حلال کی کمائی پر انحصار رکھیگا۔ کوئی ادہرم یا بے انصافی کا نام نہ ہوگا۔ خدا کے کامل انصاف پر ہی سب کا بھروسہ ہوگا۔ کسی کو دنیوی حکومت یا سلطنت کا لالچ یا اس وجہ سے اوروں سے عداوت نہ ہوگی۔ خدا کو ہی انسان دنیا کا اصل مالک سمجھیں گے۔ یعنی یجر وید کے اس قول کو اپنا موٹو بنائیں گے۔ کہ

यथं प्रजापते: प्रजा अभूव

ہم سب اس مالک کل کی رعیت ہیں جیسے وہ چاہے بہ طور ایجنٹ کے چند روزہ امانت کی شکل میں حکومت دے۔ اور جس سے چاہے لے لے۔ غرضیکہ حکومت یا غلامی دولت یا غربت۔ عزت یا ذلت سب پر اسی کا اختیار سمجھا جاویگا انسانوں کے باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوگا۔ بہ قول

س بہشت آنجا کہ آزارے نباشد		کسے را با کسے کارے نباشد

۲۴۔ تعاون عدم تعاون

جب آیت ۷ کے منشا کے مطابق خدا کے ہی ہاتھ میں سب اپنی سیاہی سفیدی سمجھی جاویگی۔ رات دن۔ زندگی موت اور دولت رزق سب پر اسی کا اختیار سمجھا جاویگا۔ لوگ محض خدا کا ہی خوف رکھیں گے۔ اسی کی عبادت کریں گے۔ اسی سے دعا مانگیں گے۔ انسانوں سے انسان کا تعلق مساوات کا ہوگا۔ اور حسب منشا آیت ۸ محض انہی لوگوں کو دوستی یا تعاون وغیرہ کا مستحق سمجھا جاویگا۔ جو مومن ہوں گے۔ یا ایماندار اور انہی کی صحبت رکھی جائے گی۔ جس سے بدی دور رہیگی۔ اور اگر کوئی کسی کافر یا بد آدمی سے کوئی تعلق رکھیگا۔ تو تمام نیک لوگ یوگ درشن میں بیان شدہ ہدایت کے مطابق اس سے ایسی اُپیکشا (بے تعلقی) کریں گے۔ کہ اس برے شخص سے قطع تعلق کئے بغیر اسے چارہ نہ ہوگا۔ واقعی یجروید ادھیائے (۴۰ منتر ۷) کا فرمان ہی قرآن کو ہر کہیں مدنظر ہے۔ کہ پاپیوں اور راکھشسوں کی بیخ کنی کرنے سے ہمارے ارد گرد کا کرۂ سکھ دائی رہ سکتا ہے۔

۲۵۔ گناہ سے نفرت

آیت ۹ میں اس سنہری زمانہ کا اور ہی خاص منظر پیش کیا گیا ہے۔ خدا کو ہر جا حاضر ناظر مانتے ہوئے گناہ سے سب لوگ بچیں گے۔ خدا سے کوئی بھی حرکت چھپائی نہیں جا سکتی۔ جس مکان میں چھپ کر گناہ کیا جاتا ہے۔ وہ وہاں بھی موجود اور ساکھشی ہے۔ اور تو کیا وہ دل کے اندر موجود ہے۔ جہاں سے گناہ کی بنیاد کا تعلق ہے۔ پس اس قادر مطلق کی موجودگی میں بدی کے برے انجام سے بچنا ناممکن سمجھ کر ہر شخص گناہ سے باز رہیگا۔ نیک عمل والوں کے لئے ہر طرف نیکی کا کرۂ چھایا ہوگا۔ اور اس سے بدکرداروں کے اندر بھی یہی خواہش پیدا ہوگی۔ کہ کاش میرے برے عمل مجھ سے دور رہیں۔ یہی انسانی ترقی کا اصلی معراج ہے۔ اور اسی میں ساری راحتوں کا راز ہے۔

۲۶۔ رسول کیا نصیحت دے

یہ مختصر سا خاکہ اتحاد کے سنہری زمانہ کا کھینچکر قرآن فرماتا ہے۔ کہ ایسا کرۂ پیدا کرنے کے لئے وہ لوگوں کو اچھی طرح ذہن نشین کریں۔ کہ اگر اللہ کی محبت کا جذبہ تم میں موجود ہے۔ تو میری اس نصیحت کو مانو۔ کہ خدا کی ہی اطاعت میں رہو۔ اسی کے حکموں کی تعمیل کرتا رہنے سے انسان سے گناہ دور رہتے ہیں۔ اور اس کو دکھ نہیں ہوتا۔ حسب قول وید کہ سو برس تک ایشور کے فرمائے ہوئے اعمال کو کرتے ہوئے ہی تم بندھن یا دکھ سے بچ سکتے ہو۔ اور اگر اس نصیحت کو نہ مانو گے۔ تو تم جانو اور تمہارا کام۔ خدا کی محبت سے اور اس کے نتیجے میں سکھ سے محروم رہو گے۔ ہمارا کام محض سمجھا دینا ہے۔ اس پر چلنا اور پھل پانا آپ کا کام ہے۔

۲۷ - زمین آسمان کا فرق

چونکہ علمائے اسلام کے دلوں میں موہومہ قیامت گھر کر رہی ہے۔ اس لئے انہیں خواب میں بھی خیال نہیں آتا۔ کہ قرآن کی آیات اوپر کی قسم کے سنہری زمانہ کا بیان کرتی ہیں۔ لہذا وہ یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

پھر (دیکھنا) اُس دن (یعنی قیامت کو، جس (کے آنے) میں کچھ بھی شبہ نہیں (ان کی) کیسی (گت بنیگی) جبکہ ہم ان کو (اپنے حضور میں حساب کتاب کے لئے) جمع کریں گے۔ اور ہر شخص کو جیسا اس نے (دنیا میں) کیا ہے۔ پورا پورا بھر دیا جائیگا۔ اور لوگوں پر (کسی طرح کا) ظلم نہیں ہوگا۔ آیت ۲۴ (غرائب القرآن)

پس کیا حال ہوگا۔ جب ہم ان کو ایک دن کے واسطے جمع کریں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ اور جو کچھ کسی شخص نے کیا ہے۔ وہ اس کو پورا پورا دیا جائیگا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ ۲۴ - (حمائل التفسیر)

چونکہ اصل آیت میں قیامت کا لفظ ہی نہیں۔ اور دفعہ ۱۰ میں ہم اس قیامت کے خیال کو قرآن سے بالکل بے تعلق ظاہر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو خدا ہمیشہ ہی انصاف کرتا۔ اور جہاں بھی کوئی نفس ہو۔ وہیں موجود اور ساکھشی ہونے سے انصاف کر سکتا ہے۔ اسے سب کو اکٹھا کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ترجمہ میں جو یہ زمین آسمان کا فرق ڈالا گیا ہے۔ محض توہمات باطلہ کا نتیجہ ہے۔ اسی بنیاد پر دوسری آیات کا ترجمہ بھی اور ہی طرح کیا جا رہا ہے۔ اس ایک آیت کا ترجمہ محض اختلاف کا نمونہ ہے۔

۲۸ - تناسخ کے خلاف جذبہ

جہاں موہومہ قیامت کا خیال خاص علما کو قابو کر رہا ہے وہاں انہیں ترجمہ میں یہ بھی احتیاط رکھنی پڑتی ہے۔ کہ کہیں تناسخ ثابت نہ ہو جاوے۔ حالانکہ قرآن کا خاص الخاص اصول تناسخ کا عوام الناس کو قائل کرنا ہے۔ آیت ۷ میں تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ کا ترجمہ صاف ہے۔ کہ خدا مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ جیسے رات کو دن سے اور دن کو رات سے نکالتا ہے۔ اس میں کیا اصل اصول اور کیا رات دن کی مثال دونوں سے آواگون ثابت ہے۔ مگر خاص مفسر زندہ اور مردہ کی بجائے ترجمہ میں بے جان اور جاندار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی تعبیر یہ کرتے ہیں۔ کہ انڈا خود بے جان ہے۔ اور اس سے جاندار بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور مرغی جاندار ہے۔ اس سے بے جان انڈا پیدا ہوتا ہے۔ جائے غور ہے۔ کہ انڈے سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا وہ روح کے بغیر ہوتا ہے۔ یعنی کیا بچہ نکلنے کے بعد اس میں روح داخل ہوتا ہے۔ اگر جیسا کہ امر مسلمہ ہے۔ پیدا ہوا بچہ روح والا انڈے میں ہی تھا۔ تو بے جان کہنے کے کیا معنے۔ اور پھر مرغی اور انڈے کی مثال دینے کی کیا غرض خود انسان اور گائے گھوڑا وغیرہ کی مثال کیوں نہ لی جاوے۔ جو حالت حمل میں بھی روح کے بچہ کے جسم میں ہونے کا صاف ثبوت دیتے ہیں۔ پس زندگی اور موت کا چکر یعنی آواگون کا خدا کی طرف سے عمل جاری رہنا ہی اصل مقصود ہے۔

۲۹ - مومن کی دوستی کافر سے

آیت ۸ میں اصول بتایا گیا تھا۔ کہ صفات افعال اور عادات کے میل سے مومن کی دوستی مومن سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور عالمگیر اتحاد کے سنہری زمانہ

یں بالخصوص کسی مومن کا کافر سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو جاوے۔ تو ارد گرد کا کرہ ہوائی بہت جلد اس کو قطع کر دیتا ہے۔ اس کی بجائے علمائے اسلام یہ مطلب لے رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو حکم ہے۔ کہ تم کافروں سے دوستی نہ کرو۔ اصول کو تنگ دائرے میں لانے اور مذہبی تفریق کے موجود ہونے سے یہ معنے دنیا میں نفاق ڈال رہے ہیں۔ قرآن کا منشا جو صفات افعال و عادات کو مقدم سمجھنے کا ہے۔ اس کی بجائے اس ترجمے کا ایک دھڑے سے تعلق ہو گیا ہے۔ اور ہر مسلمان خواہ علم اور اخلاق کے لحاظ سے کتنا بھی کمزور ہو۔ دوسرے مذاہب کے بڑے سے بڑے لائق اور نیک خیال اور نیک عمل عالم لوگوں کو کافر سمجھنے کا حقدار بن گیا ہے۔ اور چونکہ صحیح معنوں میں محض غیر مسلم لوگ کافر نہیں ہو سکتے۔ قرآن سب اُمتوں میں ہادی آنے اور قدیم عالمگیر صداقتوں کی تصدیق کرنے کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عظیم ہستی کو حقیر سمجھنے کے خلاف بلکہ سب ہادیوں کی یکساں تعظیم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لئے کافر کی صحیح تشخیص کرنا بھی آسان نہیں۔ لہذا عمل یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جہاں کسی کے ساتھ کسی مسلمان کی عداوت ہوئی وہ کافر کا لفظ اس پر چسپاں کر کے مسلمانوں کو برانگیختہ کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر بڑے سے بڑے مخالف اسلام سے بھی دنیوی غرض کسی کی پوری ہوتی ہے۔ یا کسی کی طاقت کے آگے پیش جاتی نظر نہیں آتی تو اور تاویلوں کا سہارا لینے لگتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا نوٹ اس آیت کے متعلق دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں۔" ظاہرا ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں یہ حکم سخت سخت ہونے کے علاوہ مضر بھی ہے کہ ہم غیر مذہب والوں کی رعیت ہیں۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی رو سے ہم کو خیر خواہ اور وفادار رعیت بن کر رہنا ہے۔ ہم غیر مذہب کے لوگوں میں ملے جلے بستے ہیں۔ ہمارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لین دین ہے۔ ہم میں ان میں طرح طرح کے تعلقات ہیں۔ ان کے بدون ہم اور ہمارے بغیر وہ رہ نہیں سکتے۔ اور لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا کے مطابق ہم کو خدا کی طرف سے فساد کی سخت مناہی ہے تو اگرچہ اس جگہ صراحت نہیں۔ مگر قرآن کے دوسرے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کافروں یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی کی ممانعت ایک حکم موقت تھا۔ ملک داری اور ملک گیری کی مصلحتوں پر مبنی یعنی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ غیر مذہب والوں نے لڑائی چھیڑ دی تھی۔ ایسے وقت میں ضروری تھا۔ کہ مسلمان غیر مذہب والوں کے ساتھ ساز نہ رکھیں۔ اور مسلمانوں کی تدبیریں مخالفوں پر منکشف نہ ہوں۔ ایسے انتظام اب بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یا دوستی سے دین کی دوستی مراد ہو۔ سو ایسی دوستی تو مخالف مذہب کے لوگوں میں نہ ہوئی ہے" ہر بے رو رعایت شخص پر اس سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اصول کو چھوڑ کر ہنگامی ضروریات پر آیات کو چسپاں کرنے کا نتیجہ کتنا خطرناک ہے۔ حضرت محمد صاحب جیسی با اصول اور حق کی شیدا ہستی پر سختی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نقصان رساں تعلیم دینے کا الزام عائد ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت حسب ضرورت پالسی سے کام نکالتے تھے۔ اور ملک داری اور ملک گیری کی مصلحتیں ان کے مدنظر رہتی تھیں۔ اور وہ دنیوی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈال رہے تھے یہ تمام الزامات محض قرآن کی اصل حقیقت تک رسائی نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف یہ ایسی تاویلوں سے قرآن کی ساری پوزیشن خطرے میں ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن کا کافروں سے دوستی نہ

کرنے کا حکم محض اس وجہ سے تھا۔ کہ دشمنوں سے اپنے راز پوشیدہ رکھے جاسکیں۔ گویا اس کے بعد جب یہ ضرورت نہ رہی۔ قرآن کی یہ آیت غیر ضروری ہو گئی۔ اسی طرح اگر خاص واقعات پر ہی آیتوں کو محدود رکھا جاوے۔ تو اب اس قسم کی ساری آئیتیں غیر ضروری ہیں۔ اگر آئندہ ایسے واقعات کا امکان ہونے سے ان کا رکھا جانا ضروری ہے۔ تو واقعات کی مشابہت کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی تو کوئی کسوٹی ہونی چاہیئے۔ قانونی مقدمات میں واقعات کی تعینی مشابہت ثابت کرنے کے لئے لائق سے لائق وکیلوں اور ججوں کے دماغ چکراتے ہیں۔ تو عام لوگ کس طرح آسانی سے آیندہ واقعات پر آیات کو چسپاں کر کے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ کافروں سے مراد جو غیر مذہب والوں کی لی گئی ہے۔ اور بھی قابل اعتراض ہے۔ قرآن موجودہ اسلام سے غیر مذہب والوں کو کافر نہیں کہتا۔ وہ تو مرد عورت مسلم غیر مسلم سب کے لئے نیک اعمال کی شرط لگاتا ہے۔ بدکردار مسلمان مومن نہیں نہ مقبول خدا ہو سکتا ہے۔ ہاں نکوکار یہود مومن ہے۔ سورۃ الممتحنۃ کی آیت ۸ و ۹ اس امر کا قطعی فیصلہ پیش کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ تم سے دینی مخالفت کرتے و رکھتے ہیں۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے یا تمہارے سچے اصولوں سے منحرف کرنے کے درپے ہیں۔ ان سے دوستی کرنے کو اللہ منع فرماتا ہے۔ نیکی اور انصاف پر کاربند لوگوں سے دوستی کی کسی صورت میں ممانعت نہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ دینی جنگ کو ہی قرآن وقعت دیتا ہے۔ اور یہ ہے بھی صحیح کیونکہ قانون دین کو ہی سب سے زیادہ انتظام عالم میں دخل ہے۔ یہ بیرونی جسم کی بجائے اندرونی طاقتوں پر اثر ڈالتا ہے۔ دلوں کو پلٹا دیتا ہے۔ عقلوں کو روشن کرتا ہے۔ اور سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس سچے قانون کے مخالف لوگ۔ دنیا کے راحت بخش انتظام کو درہم برہم کرنے والے ہیں۔ اگر ان کی دوستی ہو گی۔ تو وہ فطرتاً نادان دوست ہی ثابت ہوں گے۔ پس قرآن کا مدعا وسیع معنوں میں نیک انسانوں سے دوستی اور تعاون کرنے سے ہے۔ اور انصاف اور دھرم کے لحاظ سے بلا لحاظ مذہب و ملت سب سے باہمی تعاون کرنے سے ہے۔ جس سے دنیا میں کل نوع انسان حق اور انصاف سے فیض پا سکے۔

۳۰۔ دھرم کی ویدی پر

۳۲ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۳ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

۳۴ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ

الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْنُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ

۳۵ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

۳۶ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ

۳۷ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰی مُصَدِّقًا

۳۸ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰی

يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ

۳۹ مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

۴۰ ع اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

۴۱ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ

۴۲ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ

اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ

۴۳ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۴ ۔ ۴۴

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۵ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ ۔ ۴۵

لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۶ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۷ ۔ ۴۶-۴۷

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ

مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ

وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ

فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۸ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ ۔ ۴۸

مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ

رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۹ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ ۔ ۴۹

مُسْتَقِيمٌ ۱۰ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ ۔ ۵۰

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۱۱ رَبَّنَا ۔ ۵۱

آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۱۲ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ ۔ ۵۲

وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۱۳ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ ۔ ۵۳ ع ۱۳/۱۴

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ٥٤
فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ٥٥
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ ٥٦
نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ٥٧
خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ ٥٨، ٥٩
فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا
وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا ٦٠
لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ ٦١
اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ ٦٢ ع

تحقیق اللہ نے آدم اور نوح نیز آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب الاقوام بنایا۔ ۳۔ یہ ایک دوسرے
کے جانشین ہوئے۔ اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۴۔ یوں ہوا کہ آل عمران کی ایک عورت نے کہا۔ میرے
رب جو کچھ میرے بطن میں ہے۔ میں اسے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی
سننے اور جاننے والا ہے۔ ۵۔ پھر جب بچہ جنی۔ اور اللہ جانتا تھا۔ کہ اس نے کیا جنا۔ کہا میرے رب میں نے یہ
لڑکی جنی ہے۔ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میری یہ دعا
ہے۔ کہ وہ اور اس کی اولاد شیطان مردود سے بچکر آپ کی پناہ میں امان پاویں۔ ۶۔ پس اس کے رب نے اسے

ایسا قبول کیا۔ جیسا قبول کرنے کا حق تھا۔ اور اسے اچھی طرح بڑھایا۔ اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ جب بھی زکریا اس کے پاس مسجد میں آتے۔ اس کے پاس نئے سے نیا رزق پاتے۔ اس سے پوچھتے۔ کہ اے مریم یہ تجھے کہاں سے ملتا ہے۔ وہ کہتی۔ اللہ سے۔ بے شک اللہ ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۷۔ وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ کہ میرے پروردگار۔ مجھے اپنے حضور سے نیک اولاد عطا فرما۔ یقیناً تو دعا کو سننے والا ہے۔ ۸۔ وہ سجدے میں ایشور دھیان میں ہی تھے۔ کہ فرشتوں نے انہیں پکارا۔ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو کلام الٰہی کی تصدیق کریگا۔ اور صالحین میں سے سچا برہمن۔ برہمچاری اور رشی ہوگا۔ ۹۔ اس نے کہا۔ میرے رب میرے بیٹا کیا ہوگا۔ میں تو بوڑھا ہی ہو چکا۔ اور بیوی میری بانجھ ہے۔ فرمایا اس طرح اللہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ ۱۰۔ اس نے کہا میرے رب میرے لئے کوئی ہدایت۔ فرمایا۔ تیرے لئے یہ حکم ہے۔ کہ تو تین دن سوائے اشارات کے انسانوں سے کلام نہ کرنا۔ اور کثرت سے اپنے رب کی ہی یاد کرنا اور صبح و شام اسکی ہی تسبیح کرنا۔ ۱۱۔ اور فرشتوں نے کہا۔ اے مریم! بتحقیق اللہ نے تجھے برتری اور پاکیزگی دی۔ اور تجھے جہان کی عورتوں میں منتخب فرمایا۔ اے مریم اپنے پروردگار کی رضا میں رہو۔ خدا کے حضور میں سجدہ اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔ ۲۔ یہ ایک قسم کی غیبی خبریں ہیں جو ہم تیرے دل پر ظاہر کرتے ہیں۔ ورنہ نہ تو تو ان کے پاس اس وقت تھا۔ جب وہ قلمیں ڈالتے تھے۔ کہ کون مریم کا سرپرست بنے۔ اور نہ تو اس وقت ان کے پاس تھا۔ جب وہ آپس میں جھگڑتے تھے۔ ۳۔ نیز یہ کہ فرشتوں نے کہا۔ اے مریم اللہ تجھے اپنی کلام کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں صاحب رتبہ اور مقرب درگاہ ہے۔ ۴۔ اور کیا جوانی میں اور کیا بڑی عمر کا ہو کر لوگوں کو ہدایت دیگا۔ اور ایک صالح (برہمن) ہوگا ۵۔ مریم نے کہا۔ میرے رب میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ مجھے کسی مرد نے چھوا ہی نہیں۔ فرمایا۔ اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جونہی کسی کام کے ہونے کا وقت ہو۔ فرماتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ ۶۔ اور خدا اسے علم الٰہی اور توریت اور انجیل سکھائیگا۔ ۷۔ وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول کے طور پر آئیگا۔ اور کہیگا۔ میں تمہارے رب سے تمہارے لئے ہدایت لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی کے سے پرند کی شکل ظاہر کروں۔ اور اس میں ایسی پھونک ماروں۔ کہ وہ حکم خدا سے سچ مچ کا پرند ہو جائے۔ اور ایسے ہی مادر زاد کوڑھیوں اور اندھوں کو بھلا چنگا اور مردوں کو زندہ کردوں اور تمہیں بتا دوں۔ کہ تم نے کیا کھایا ہے۔ اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر رکھا ہے تحقیق اگر مومن ہو تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہدایت ہے۔ ۸۔ اور مجھ سے پہلے جو توریت میں سے ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ تا کہ وہ بات جو تم پر حرام کی گئی ہے۔ حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے رب کی طرف سے ہدایت لایا ہوں۔ کہ اللہ کا خوف کرو۔ اور میری اطاعت کرو۔ ۹۔ بے شک اللہ ہی میرا بھی پروردگار ہے۔ اور تمہارا بھی۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی راہ راست ہے۔ ۱۰۔ پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا۔ کہ وہ کفر پہ مائل ہیں۔ تو بولا۔ کون ہے۔ جو اللہ کے ساتھ میری مدد کرے۔ حواری بولے ہم اللہ (کی طرف) کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ اور تمہیں اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ۱۱۔

اے ہمارے رب۔ جو تو نے نازل کیا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تیرے رسول کے پیرو بنتے ہیں۔ سو ہمیں اپنے شاہدوں کے ساتھ لکھ دیجئے ۰ ۱۲۔ اور اُنہوں نے تدبیر (حکمت عملی) کی ادھر سے اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ احسن المدبرین ہے۔ ۱۳۔ اور اللہ نے کہا اے عیسےٰ میں تمہیں موت دیگر اپنی طرف اُٹھانے والا کافروں سے تم کو پاک رکھنے والا۔ اور تیرے پیروؤں کو تیرے مخالفوں پر تاز لیست فوقیت دینے والا ہوں۔ پھر میں تمہارا مرجع ہوں۔ اس لئے جن باتوں میں تمہارا اختلاف ہے۔ میں ہی اس کا فیصلہ کرونگا۔ ۱۔ کفر کرنیوالوں کو دنیا میں بھی عذاب شدید ملیگا اور آخرت میں بھی اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ ۲۔ اور جنہوں نے حق کو قبول کیا اور نیک عمل کئے ان کا پورا پورا اجر ان کو دیا جائیگا۔ تحقیق اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ۳۔ یہ ہم تم کو اس حکیم مطلق کے ذکر علم وید اور آیتوں سے سناتے ہیں۔ ۴۔ اللہ کے ہاں عیسےٰ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے آدم کی۔ کہ اس کو مٹی سے بنایا اور اس کے حکم کی دیر تھی۔ کہ وہ چست ہوگیا۔ ۵۔ یہ سچا علم تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پس تو اس میں شک نہ کر۔ ۶۔ پھر اگر تم پر علم پہنچنے کے بعد اس پر جھگڑا کریں۔ تو کہو۔ آؤ۔ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں اور اپنی اور تمہاری عورتوں اور اپنے اور تمہارے لوگوں کو بلائیں۔ اور خدا سے دعا مانگیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ ۷۔ تحقیق حق کا یہی قصہ ہے۔ اور اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور تحقیق اللہ ہی غالب اور صاحب حکمت ہے۔ ۸۔ پس اگر انحراف کریں۔ تو اللہ مفسدوں کو جانتا ہی ہے۔ ۹۔

۱۳۰ آدم اور نوح

ان آیات میں نظایر کا بیان ہے۔ یعنی مشابہات کا انسانی جماعت کے لئے ایک ہی سچے دہرم کی ضرورت اور اس میں متحد ہوتے سے سنہری زمانے کا نتیجہ بیان کرکے اب ان شخصیتوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جنہوں نے اس سچے دہرم کی اشاعت میں ہی اپنے تئیں وقف کیا۔ اوّل نام آدم کا۔ اور یہ لفظ جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ سنسکرت کا आदिम آدِم بہ دال مکسور ہے۔ اور آغاز عالم کے رشیوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مسلمہ طور پر قابل ترین ہستیاں تھیں اور یہی وجہ تھی۔ کہ ان پر الہامی علم کا نزول ہوا۔ سورۃ النحل آیت ۲ میں ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آغاز میں خدا نے ان رشیوں کی رُوح میں اپنے علم کو جلوہ گر کیا۔ جنہیں اس نے اپنے بندوں میں سے قابل سمجھا۔ فرشتوں اور خدا کا جو مکالمہ سورۃ البقر میں بیان ہوا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان آدم رشیوں کے بغیر کوئی علم کو حاصل نہ کرسکتا تھا۔ چنانچہ فرشتوں یعنی انسان کے بغیر مخلوق دنیا کے کل ممبروں کی زبان حال سے قرآن یہ لفظ نکلواتا ہے۔ کہ بغیر تیرے سکھائے ہم کچھ جان نہیں سکتے۔ اور خدا کی طرف سے یہ فیصلہ دیا گیا۔ کہ ان فرشتوں کو گویہ معلوم نہیں۔ پر میں جانتا ہوں۔ کہ کون اس میرے علم کو حاصل یا محسوس کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے مطابق علم کے حقیقی معنے و تعلقات کو بیان کرنے والے کل

اسم (شبد) انہیں سکھائے گئے۔ اور فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کے مطابق خدا سے اس کی کلاموں کا علم آغاز کے لوگوں کو ملا۔ اور اگر یہ آغاز کے رشی دہرم کی ویدی پر اپنے جیون کی آہوتی نہ دیتے اور سچے علم کی اس نعمتِ عظیم کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے لئے اپنے تپش و قف نہ کرتے۔ تو ناممکن تھا۔ کہ انسانوں میں علم کا سلسلہ چلتا۔ یہی حال حضرت نوح کا ہے۔ ہدایت عام میں آپ نے اپنی زندگی کو لگایا۔ یہاں تک کہ خدا کی عنایت سے آپ طوفان عظیم سے بچائے گئے۔ آپ کے قصے کو بطور استعارہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ کہ آپ اپنے غیر معمولی علم اور نیک چلنی کی کشتی کے ذریعہ نفسانی خواہشات کے کل جہان کو غرق کرنے والے طوفان سے بچائے گئے۔ تاہم اپنے ظاہری بیان کے لحاظ سے بھی قرآن آپ کو فنافی الدین قرار دیتا۔ اور آپ کی نظیر سے انسانوں کو سبق سیکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔

۴۱۔ آل ابراہیم و آل عمران

یہ دو سلسلے گویا قرآن میں منتخب روزگار ہوئے ہیں حضرت محمد صاحب ملت ابراہیم کو ماننے کی وجہ سے آل ابراہیم کا دین اسلام سے تعلق جوڑتے ہیں یعنی آغاز عالم کے دہرم سے اور آل عمران سے یہود و نصاریٰ کا تعلق جوڑتے ہیں۔ عام طور پر آل کے معنے اولاد ہے۔ اور ذریت کا لفظ بھی نسل یا اولاد کے لئے ہے۔ لیکن قدیم زمانے میں اولاد کا مفہوم آج کل کی طرح محض جسمانی پیدائش والی اولاد نہ تھا۔ بلکہ وہ پیدائش دو طرح سے مانتے تھے۔ ایک تو باپ اور ماں کے تعلق سے جسمانی پیدائش ہونا اور دوسرے گورو نام باپ اور ودیا نام ماں کے میل سے روحانی پیدائش ہونا۔ اسی لئے تحصیل علم سے فارغ ہونے پر لوگ دوجنما کہلاتے تھے۔ اور جسمانی پیدائش کا تعلق یا اس کا چرچا عام طور پر گوروکل میں جانے تک ہی رہتا تھا۔ بعد تعلیم بالخصوص مذہبی تبلیغ کرنے کی صورت میں گورو کے بیٹے کہلانے میں فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور چونکہ انسانیت کی اصل غرض کے پورا ہونے میں یہ دوسرا جنم ہی معاون ہوتا ہے۔ اس لئے اولاد یا نسل کا سلسلہ مذہبی حلقے میں مقدم طور پر گورو کے تعلق سے ہی چلتا تھا۔ اور گویہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ بعد کے زمانوں میں علمی متعدد او کی کمی سے یہ تمیز کرنا مشکل رہا ہے۔ کہ کونسا نام جسمانی پیدائش کے تعلق سے مذکور ہے۔ اور کونسا علمی تعلق سے۔ تاہم یہ امر موجب خوشی ہے۔ کہ قرآن میں اس تمیز کا کافی احساس موجود ہے۔ چنانچہ آل عمران۔ آیت ۶۷ میں اس امر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بے شک ابراہیم کے اصل قریبی لوگ وہ ہیں۔ جو اس کے پیرو ہیں۔ اور یہ نبی لوگ ہیں۔ یا وہ جو حق کو مانتے ہیں اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

یہاں اَوْلَى النَّاس کا لفظ ابراہیم کے رشتے یا تعلق کا قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کیونکہ اخیر میں خدا کو بھی مومنوں کا ہی ولی کہا ہے۔ حالانکہ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے۔ پس ابراہیم کے دہرم کو ماننے والے اور وہ بھی جو نبی یا مومن ہوں

آل ابراہیم کے لفظ کا اصل مفہوم ہیں۔ قرآن میں اور جگہوں پر بھی اس امر کے ثبوت ملتے ہیں۔ سورۃ البقر آیت ۱۲۴ میں ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور ابراہیم کا خدا نے اپنی کلاموں میں امتحان لیا تو اس میں پورا اترا فرمایا میں تجھے لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ اس نے کہا اور میری اولاد میں سے۔ فرمایا۔ میرا یہ عہد ظالموں یعنی قابلیت کے لحاظ سے نیک اوصاف نہ رکھنے والوں سے تعلق نہیں رکھتا۔" ویدک دہرم میں چاروں ویدوں کا عالم یا ہر امتحان کے پاس کرنے والا برہما کہلاتا ہے۔ وہی امتحان یہاں مذکور ہے۔ کلمات کا لفظ صیغہ جمع میں چار وید کے لئے ہے۔ اور ویدک دہرمیوں کے یگیہ وغیرہ تمام نیک کام برہما کی رہنمائی میں ہوتے ہیں۔ اسلام میں وہی پوزیشن امام کی ہے۔ اور ابراہیم کا امام بنایا جانا خاص ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ ابراہیم۔ ابرہم وغیرہ الفاظ برہما لفظ کی ہی تبدیل شدہ صورت ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنی اولاد کے متعلق جو سوال ہے۔ وہ صاف ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ برہما اپنے شاگردوں کے لئے دریافت کر رہا ہے۔ جسمانی اولاد کے لئے نہیں۔ اور خدا کا یہ جواب کہ ناقابل اولاد سے میرے اس عہد کا تعلق نہیں اور بھی اسی ویدک اصول کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔ کیونکہ قابلیت کا تعلق دوسرے یا علمی جنم سے ہے۔

آل عمران موسےٰ اور ہارون والے سلسلے کے لئے ہے۔ اسی میں حضرت عیسےٰ ہوئے۔ عمران موسیٰ اور ہارون کے والد کا نام کہا جاتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ یعنی حضرت مریم کے والد صاحب کا نام بھی عمران بتلاتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی غور کرنے پر دینی تعلق سے اولاد کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ جسمانی ولدیت کے تعلق سے قرآن کسی بحث میں خود بھی نہیں پڑتا۔ اور متشابہات کے متعلق فضول کے بحث مباحثے میں کوئی نہ پڑے۔ اس کا آیت نمبر ۶ میں صاف حکم بھی دیتا ہے۔ پس محض اتنا جاننا کافی ہے۔ کہ موسیٰ اور ہارون کا جو دینی سلسلہ عمران سے چلا۔ وہی مریم اور عیسیٰ کے دین کی بنیاد ہے۔

۳۲۔ مریم اور اس کی والدہ

آیت نمبر ۳۴ میں عمران کی عورت کا دہرم پریم بیان کر کے اسے بھی بہ طور نظیر پیش کیا ہے۔ وہ دین الٰہی کی محبت میں سرشار تھی۔ اس نے عہد کیا۔ کہ میں اپنا بیٹا دین کے لئے وقف کروں گی۔ اور خدا سے بھی اس دعا کی قبولیت کی وہ ملتجی تھی۔ مگر جب بیٹی پیدا ہوئی۔ تو اس کو کچھ ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔ کہ لڑکے کو تو دینی خدمت زیب دے سکتی تھی۔ لڑکی کیا کرے گی۔ مگر آیت ۳۵ میں قرآن کہتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تو یہ فکر تھا۔ مگر خدا جانتا تھا۔ کہ اس نے کیسی ہستی کو جنم دیا ہے۔ ایسی کہ لڑکا ویسا نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی طرز کلام ہے۔ جو نورجہاں کے جنگل میں پیدا ہوتے اور اس کے حالت بیکسی میں رونے پر مورخ اختیار کرتا ہے۔ کہ قسمت سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ ایک

دن یہ بیکس بچی اس قدر عظیم الشان ملک کی ملکہ بنے گی۔ خیر اس عورت نے اس کا نام مریم رکھا۔ اور دعا کی۔ کہ بار خدایا یہ اور اس کی نسل تمام برائیوں سے پاک اور ایک خدا کی پرستار و تابعدار رہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی پرورش اور قابلیت کی ترقی اور زکریا نبی کی کفالت میں دیا جانے کا ذکر ہے۔ اور نیز یہ کہ زکریا جب آتا اس کے پاس رزق پاتا۔ اور جب پوچھتا۔ تو مریم کہتی۔ یہ اللہ سے ملتا ہے۔ آیت نمبر ۴۴ سے اس کفالت کے متعلق یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ زکریا کی سپردگی میں ہونے سے پہلے کچھ جھگڑا ہوا تھا۔ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ یعنی قلمیں ڈالتے تھے یا قرعہ اندازی ہوتی۔ مطلب یہ کہ ایک دینی خدمت کے لئے وقف ہونہار شاگرد کا گورو بننے میں عالم لوگ فخر سمجھتے تھے۔ آیت ۴۱ تا ۴۳ میں مریم کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ بوجہ اپنی اعلےٰ صفات کے برگزیدہ تھی۔ پاک طینت۔ اپنے وقت کی قابل ترین عورت۔ اپنے خدا کی فرمانبردار اور عبادت و رکوع و سجود کی پابند تھی۔ ہم جانتے ہیں انجیل میں مریم کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ہو بہو اس طرح کا نہیں۔ اور قرآن اور انجیل کے بیانات پر طویل بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن ایسی بحثوں کو نقصان رساں اور غیر ضروری کہتا ہے۔ حضرت محمد صاحب محض محکم اصولوں کو دین یا دہرم کی اصل اور سب سے اعلےٰ چیز قرار دیتے ہیں۔ اور عمران وغیرہ شخصیتوں کے بیان کو آیات متشابہ مانتے ہیں۔ اور ان کی مختلف تاویلوں کو مذہبی نفاق کا موجب فرماتے ہیں۔ پس جاننے کی بات محض یہ ہے۔ کہ آنحضرت نے اپنے وقت میں آل عمران کی بابت جو مخالف یا موافق حالات سنے یا پڑھے یا بنائے۔ ان کو اپنی خداداد ذہانت یا نکتہ رسی سے اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے استعمال کیا اور آیت ۴۴ میں واضح کیا۔ کہ نہ کوئی چشم دید گواہ زکریا کے کفیل ہونے کے وقت کا ہے۔ نہ علمائے ہیکل کی باہمی بحث کے وقت کا۔ لیکن ہم نے اس غیبی حقیقت کو وحی کے ذریعے منکشف پایا۔ اور لکھ دیا ہے۔ چونکہ وحی محض نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور حالات و واقعات معلومہ پر پوری طرح سوچ وچار یا ترک کے بعد جو کچھ دل میں یقینی امر جمتا ہے۔ اسے ہی انسان صحیح سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے آنحضرت نے کمال کی دور اندیشی سے دہرم کی فضیلت کو بیان کیا۔ اور محض اسی کے نکتہ نگاہ تک ان شخصیتوں کے ذکر کو محدود رکھا ہے۔

۴۳۔ زکریا

جہاں مریم اور اس کی والدہ کی نظیر دی۔ وہاں مریم کے گورو زکریا کو بھی دہرم کا پورا پریمی کہا۔ وہ تمام علما سے بڑھ کر قابل ہونے کی وجہ سے مریم کا کفیل بنا۔ اور جب مریم کے متعلق اس کے دل پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ خاص اعلےٰ صفات کی وجہ سے برگزیدہ اور ایک منتخب ہستی ہے۔ بالخصوص وہ ہر بار اسے نئے سے نئے علمی مضامین پر دسترس حاصل کرتے پاتا۔ اور اسے یقین ہو گیا۔ کہ یہ کوئی خاص سنسکاری جیو ہے۔ اور اسی لئے خدا کی عنایت سے اسے اس قدر جلد علمی ترقی اور دینی عظمت مل رہی ہے۔ تو اس کے اندر بھی ویسی ہی اولاد کی پرزور خواہش ہوئی۔ اور وہ اس کے لئے خدا سے دعا مانگنے لگا۔ چنانچہ فرشتوں نے حالت نماز میں ہی اسے یحییٰ کی خوشخبری دی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ محض اس کے اندرونی خیالات و سچی خواہش کا انعکاس ہی اسے قبولیت دعا کا یقین دلاتا تھا۔ چنانچہ سورہ مریم آیت نمبر ۴ میں زکریا کے لفظ ہیں۔ کہ میں کبھی قبولیت دعا سے محروم نہیں رہا۔

۴۴ - بوڑھا اور بانجھ

زکریا کا یہ کہنا کہ میں بوڑھا ہوں۔ اور میری عورت بانجھ ہے ایک خاص اعلےٰ صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔ قدیم سچے برہمنوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی تھی۔ کہ وہ اپنے بعد دنیا کی خدمت میں وقف رہنے والے شاگرد چھوڑ جاویں۔ گرہستیوں کو اپنے جسمانی بچے پیدا ہونے کی جتنی زبردست خواہش ہو سکتی ہے۔ اس سے کئی گنا زیادہ سچے عالموں کو جانشین عالم چھوڑنے کی امنگ تھی۔ اور اسی کے ثبوت میں زکریا کا یہ ذکر قرآن میں ہے۔ عورت کے بانجھ ہونے کے ذکر سے شک ہوتا ہے۔ کہ جسمانی بیٹے کے وہ خواہاں تھے۔ لیکن درحقیقت اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ گورو کے چارج میں جو شاگرد ہوتا تھا۔ وہ وِدیا ماتا کے گربھ میں کہا جاتا تھا۔ گورو خاوند ہے۔ اور ودیا بیوی۔ علمی عورت جسمانی بچہ نہیں جنتی۔ اس لئے اسے بانجھ کہنا بجا ہے۔ اور چونکہ گورو سب سے اچھا وہ سمجھا جاتا تھا جو علمی کمال کے ساتھ عمر رسیدہ اور مسن بھی ہو۔ اس لئے زکریا کا بوڑھا ہونا بھی صحیح ہے۔ اور ایسے گوروؤں کو خدا اور موت کی ہر وقت یاد رہتی تھی۔ اس لئے ان کے دلی ارمان کا ظہور اس شکل میں ہوتا تھا۔ کہ عمر پوری ہونے کو ہے۔ کاش کہ باقی ماندہ تھوڑے دنوں میں ہی ہمارا کوئی ہونہار شاگرد آسمان انسانیت پر ستارہ بن کر چمکتا ہوا نظر آوے۔

۴۵ - یحیےٰ

زکریا کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اس کو یحییٰ جیسا فرزند ملا۔ یحییٰ نام یعنی حیات یا زندگی کی خوبی پر دلالت کرتا ہے۔ یا دھرم والی یا ایسی زندگی پر جو انسان کو جیون مکت کا درجہ دے۔ چنانچہ آیت نمبر ۳۹ میں اس کی صفات یہ بتائی ہیں۔ (۱) کلام الہی کا مصدق یعنی اس کی صداقتوں کی اشاعت کرنیوالا (۲) سیّداً یعنی بزرگ یا پیشوا اور زیادہ صحیح طور پر سچا برہمن یا سنیاسی (۳) حصوراً یعنی اپنے حواس کو نفسانیت کی غلامی سے روکنے والا۔ یہ لفظ درحقیقت برہمچاری کی جگہ ہے۔ کیونکہ حصور وہ ویریہ وان طاقتور یا پاکباز شخص ہے۔ جو عورت کی صحبت سے پرہیز کرتا ہے۔ (۴) نبی اور وہ بھی صالحین میں سے۔ صالح اعلےٰ درجہ والے نیک عمل لوگ ہیں۔ یعنی جن کے عمل صحیح علم پر مبنی اور احکام الہی کے مطابق ہوں۔ یہ کل صفات سچی دینی زندگی اور قدیم رشیوں منیوں کے سچے ہونہار شاگردوں کے ہیں۔ اور زکریا جیسے گورو کی صفات جو اوپر بیان ہوئیں۔ ایسے ہی لائق شاگرد کے ہونے کا پیش خیمہ تھیں۔ زکریا تین تین دن تک مون برت رکھتا۔ کسی سے کلام نہ کرتا۔ باریک مضامین پر غور کرتا۔ ایشور کی یاد کثرت سے کرتا۔ اور صبح و شام باقاعدہ سندھیا نیوگیہ کرتا تھا۔ یہ آیت ۴۰ سے ظاہر ہے۔ پھر زکریا نے جو اپنے بوڑھا اور اپنی عورت کے بانجھ ہونے کا ذکر کیا۔ وہی ذکر حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔ جب اسے بیٹا ہونے کی خوشخبری ملی۔ تو اس نے کہا میں بوڑھا اور میری عورت بیٹا جننے والی نہیں یا بانجھ ہے۔ اب ابراہیم کی عورت کا نام سرہ ہے۔ اور برہما لفظ جس کی بگڑی ہوئی صورت لفظ ابراہیم ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم پر دلالت کرتا ہے۔ وید کا نام سرسوتی ہے۔ اور سرسوتی لفظ حل کرتا ہے۔ सरः (سرہ) اور वती (وتی) سے۔ پس سرہ ودیا کے معنے میں ہے۔ اور یہ کہنا بجا ہے۔ کہ وہ بانجھ ہے۔ اس لئے کہ وہ جسمانی اولاد پیدا نہیں کرتی۔ اس قسم کی نظایر کا بیان صاف اس نتیجہ پر

پہنچا تاہے۔ کہ قدیم رشیوں کی خواہش بڑے عالم اور پروپکاری شاگرد پیدا کرنے کی پچھلی عمر میں پوری ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب ان بیانوں سے واضح نہیں ہوسکتا۔

۳۶ - عیسیٰ مسیح

یوں تو ان نظائر میں سے ہر ایک کے بیان میں نہایت ذو معنی الفاظ کا بیان کیا گیا ہے۔ اور شخصیتوں کو محض اصولی بیان کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ تو بھی مسیح کا بیان خاص طور پر کمال کا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ مریم کو ایشوری کلام (گیان) ملنے اور اس کی اشاعت ہونے کے امر کو بڑے عجیب طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ یوحنا کی انجیل میں پہلے ہی لکھا ہے " ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام ہی خدا تھا" عیسائی لوگ کلام کو مسیح یا بیٹا کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور آیت ۴۴ میں کَلِمَۃٍ مِّنۡہُ کے الفاظ سے مسیح کو کلمتہ اللہ کہا جانے پر فخر کرتے ہیں۔ یوحنا کا نام پہلی کتب میں جان (John) کہا گیا ہے۔ اور یہ لفظ صریحاً گیان یا علم کے معنے میں ہے۔ پھر گیان (ज्ञान) کو عام طور پر پنڈت لوگ جنان بولتے ہیں پس معمولی سے غور پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ گیان یا وید کی مہما گانے والی کتاب کو ہی گیان یا جنان اور بعد میں جان یا یوحنا کی کتاب کہا گیا ہے۔ پہلے جو کہا کہ ابتدا میں کلام تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ پیدائش عالم ہونے سے پہلے کلام موجود تھی۔ اور وہ خدا کے ساتھ تھی۔ بلکہ وہی خدا تھی۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز اس علم سے ہی انسان بناپاتا ہے۔ جو پہلے سے اس کے متعلق اس کے دماغ میں ہے۔ اور خدا کی طرف سے پیدائش کا ہونا بھی پیدائش کے گیان پر منحصر ہے۔ اب گیان یا علم کا زبان سے تعلق ہے۔ یا کلام سے۔ پس کلام کے ابتدا میں ہونے کا محض یہ مطلب ہے۔ کہ علمی کلام موجود تھی۔ اور وہ خدا کے ساتھ تھی۔ کیونکہ علم بغیر عالم کے ہو نہیں سکتا۔ انسان اس وقت تھا نہیں۔ پس خدا میں ہی وہ علم ہو سکتا تھا۔ لہٰذا یہ کہا گیا کہ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور چونکہ خدا کو ہی علم مجسم کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی صحیح ہے۔ کہ کلام ہی خدا تھا۔ غرضیکہ کلام کا لفظ یہاں کسی شخصیت کے لئے نہیں۔ بلکہ ازلی ابدی علم کے لئے ہے۔ اور ہر شخص جو اس کے لئے وقف ہے۔ کلمتہ اللہ کہلا سکتا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۰ منتر ۲

कुहस्विद्दोषा कुह वस्तोरश्विना कुहाभिपित्वं करतः कुहोषतुः ।

को वां शयुत्रा विधवेव देवरं मर्यं न योषा कृणुते सधस्थ आ ॥

(मर्यं न योषा) (مریّہ یوشا) کے الفاظ اس پُرش اور استری کے لئے آئے ہیں۔ جنہوں نے برہمچریہ کا پورے طور پر پالن کیا ہے۔ کبھی دوسرے فریق سے صحبت نہیں کی۔ اور بال برہمچاری و بال برہمچارنی ہیں۔ انہی الفاظ کو عجیب و غریب طرز بیان سے مریم اور یسوع کے قصّے کی شکل مل رہی ہے۔ اور کنواری سے بیٹا ہونے کی بات مشہور ہو رہی ہے۔ فی الحقیقت ہر عورت جو بیٹا جنتی ہے پہلے کنواری ہی رہ چکتی ہے۔ مگر بطور امر واقعہ صحیح اور معقول مطلب اس بات کا کہ بغیر مرد سے صحبت کئے مریم کنواری سے بیٹا ہوا۔ محض یہی ہوسکتا ہے۔ کہ مریم نامی بال برہمچارنی وِدوشی دیوی (عالمہ خاتون) سے قابل ترین شاگرد یسوع ہوئے۔ جنہوں نے ایشوری

کلام کی حفاظت میں اپنے تئیں قربان کر دیا۔ بائیبل کے بیان سے اگر یہ خیال کسی کو مختلف معلوم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قرآن کا مفہوم محض علمی اور مخفی رموز سے ہے۔ اور " بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ " ایشور کا اپنی کلام کی خوشخبری دینا اور اس کا نام عیسے مسیح ابن مریم ہونا اس تعلق کو خاص طور پر علمی یا کلام الہی سے ہی جوڑتا ہے۔ کہ مریم کا بیٹا عیسے مسیح کلام الہی کی اشاعت کرنیوالا ہوگا۔ واقعی یہ ایک اعلےٰ درجہ کی خوشخبری یا اشیرباد ایک سچے عالم مرد یا عالمہ عورت کے لئے ہو سکتی ہے۔ آیت ۴۳ میں جو اس بیان کو اَنۡبَآءِ الۡغَيۡبِ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بھی لطیف علمی تعلق کا ہی اشارہ کرتا ہے۔ اور آیت ۴۱ میں جو مریم کی صفات بیان کی ہیں۔ وہ بھی اس کے بال برہمچارنی اور سچی عالمہ اور یسوع مسیح کے عالم شاگرد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

مریم اور عیسے مسیح کے متعلق ہمارے بیان کو نظر استعجاب سے دیکھا جانا لازمی ہے۔ اور اس کے لئے بائیبل یا عیسائی لٹریچر سے اس حقیقت کو ثابت کرنا خاص دلچسپی کا موجب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ مدعا مروجہ بائیبل کے متعلق طویل اور فیصلہ کن بحث لکھے اور اصل بائیبل عبرانی اور لاطینی زبان کی بائیبل سے مروجہ تراجم کا نہایت باریک بینی سے مقابلہ کئے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ قرآن مجید کی ویدک تفسیر میں ہم نے ہر کہیں قرآن کو مروجہ نسخہ ہائے بائیبل سے اختلاف ہوتے پر بھی زیادہ مستند سمجھا ہے۔ اس لئے یہاں بھی ہم قرآن کی آزاد پوزیشن کو ہی قائم رکھنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ ہاں اس بیان کے متعلق کہ مریم کا اصل وید کا لفظ मर्य ہے۔ خاص نوٹ لکھے دیتے ہیں۔ زندگی اور صحت اور توفیق تحقیق ملی رہنے کی صورت میں بائیبل پر بحث بھی ضبط تحریر میں آجائیگی۔ فی الحال رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۰ منتر ۲ کے محولہ بالا لفظ مریم کے متعلق یہ اشارہ حقیقت پر کافی روشنی ڈالیگا۔ کہ मर्य لفظ وید میں مذکو جنس یا برہمچاری ور کے لئے تھا۔ لیکن عمران کی عورت فنافی الدین بیٹے اور اسے اشاعت حق کے لئے وقف کرنیکی خواہاں تھی۔ مگر ہوئی بیٹی تو اسے بھی ایشور ارپن کرتے ہوئے اس نے دلی چاؤ سے برہمچاری بیٹے کا ہی نام دیا۔ اور عام طور پر دیکھا بھی جاتا ہے۔ کہ بیٹے کے خواہشمند والدین بیٹیوں کو بھی فرطِ محبت سے بیٹا لفظ سے پکارتے ہیں۔

مھد لفظ جو آیت ۴۵ میں ہے۔ مفسرین سے جھولا یا گہوارہ کے معنے میں لیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مروجہ انجیل میں گہوارہ یا جھولا لفظ موجود تھا۔ لیکن اس کے لغوی معنے ہیں۔ سکول میں تیار کیا گیا۔ ویدک طریق تعلیم کے مطابق بالکوں کو برہمچریہ آشرم میں تعلیم دے کر دنیا میں علم حق کی حفاظت کے لئے تیار کیا جاتا ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ جو تعلق بچپن سے جھولے کو ہے۔ وہی تعلق زمانہ تعلیم کے بچپن کو گوروکل سے ہے۔ سنسکرت میں مہد یا مہد کے معنے بڑے کے ہیں۔ اور اس تیاری کے بعد گرہست میں پہلے بڑی بھاری ذمہ داری یعنی اپنی استری یا والدین سے تعلقات کو نباہنے کی اور اولاد کی پرورش و تربیت کی اور نیز دیگر تمام آشرم والوں یعنی برہمچاریوں۔ بان پرستیوں اور سنیاسیوں کی خدمت کی ہے۔ اور اس کے بعد بان پرست میں کل دنیا کے ساتھ اپنے اعلےٰ درجہ کے تعلق کو نباہنے کی تیاری ہوتی۔ اور سنیاس کو اختیار کر کے ہر طرح کی ترقی کے لئے انسانی جماعت میں رُوح پھونکنا ہوتا ہے۔ اس لئے برہمچریہ آشرم والی تیاری میں کامیاب ہونے والے کو مہد کہنا موزوں تھا

لیکن چونکہ داخلے کے وقت اور گوروکل سے اختتام تعلیم ہونے پر وداع ہونے کے وقت اسے برہمچاری ہی کہتے ہیں۔ اس لئے مھد لفظ کو چسپاں کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اور اسے بچپن والے جھولنے کے معنے میں لیا گیا ہے۔ حالانکہ گوروکل سے وداع ہوتے پر برہمچاری ہر لحاظ سے بڑا ہو چکتا ہے۔ ویدمیں سماورتن سنسکار والے برہمچاری کو (श्मश्रु) یعنی مونچھوں والا کہا ہے۔ پس جسمانی حمل سے پیدا ہوتے اور جھولے میں جھولنے والا بچہ یہاں مراد نہیں۔ بلکہ علمی ماں کے حمل سے روحانی زندگی حاصل کیا ہوا نوجوان شاگرد یہاں مراد ہے۔

یہ امر کہ وہ مھد سے ہدایت دیتا تھا محض یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ اس نے تعلیم کو ختم کرتے ہی تبلیغی کام شروع کر دیا۔ شادی نہیں کرائی۔ وید میں جو چار آشرموں کا قانون ہے۔ اس کے مطابق خانہ داری کے زمانے کو ختم کر کے اور بان پرست کی ۲۵ سال تک ریاضت کر کے بعد میں سنیاس لینے اور عام طور پر لوگوں کو ہدایت دینے کی تعلیم ہے۔ لیکن یہ بھی آزادی ہے۔ کہ جو خواہشات نفسانی سے اوپر اٹھا ہوا اور ویراگ یا ترک دنیا پر پورا میلان رکھتا ہو۔ وہ برہمچریہ آشرم سے ہی سنیاس لے سکتا ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں سوامی دیانند نے ایشور اور اس کے سچے علم کی دلی لگن کے کمال اور دنیوی سامانوں کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہوئے شادی کرانے کا خیال ترک کیا۔ اور تعلیم کے بعد ہی سنیاس لے لیا۔ سوامی شنکر آچاریہ نے بھی عین نوجوانی سے ہی تبلیغی سرگرمیوں میں اپنی طاقتوں کو لگانا شروع کر دیا۔ اسی طرح مسیح نے عمل کیا۔ اور مھد یعنی برہمچریہ سے ہی سچے دہرم کی اشاعت کا کام کرنے لگ گیا۔

دوسرا لفظ اس آیت میں کہل کا قابل غور ہے۔ یہ لفظ عمر کی اس حالت کو ظاہر کرتا ہے جس میں سفید بال آنے لگیں۔ اور یہ جوانی کے بعد کی حالت ہے۔ مطلب یہ کہ جوانی یا بڑی عمر میں بھی دہرم کا ہی آپ نے پرچار کیا۔

مسیح کو قرآن صالحین میں سے بتاتا ہے۔ اور یہ کئی جگہ ذکر آچکا ہے۔ کہ قرآن میں صالح علم اور دہرم کی اشاعت کرنے والے برہمنوں اور سنیاسیوں کو کہا گیا ہے۔ مسیح اور عیسےٰ کے الفاظ سے بھی مختلف مفہوم مراد لئے جارہے ہیں۔ مسیح کے معنے ناجی یا نجات دہندہ مانے جاتے ہیں۔ اور ویدک دہرمی لوگ گیان کو نجات کا ذریعہ مانتے ہیں۔ لفظ مسیح کو مسح یعنی ہاتھ پھیرنا سے مشتق مانا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ اس کے تعلق سے سب برائیاں یعنی شیطانی تعلقات دور ہوتے ہیں۔ اور یہ مفہوم بھی گیان کی ہی عظمت کا شاہد ہے۔ اور اس کا نام کلمۃ اللہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ مسیح کو بہت زمین کا پیمائش کرنے والا کہتے ہیں۔ اور مشہور ہے۔ کہ مسیح نے بہت ملکوں کی سیاحت کی۔ ویدک دہرمی لوگ تمام مبلغین کو سنیاسی و اتہتی کہتے ہیں۔ اور ان کا کام ہی یہ ہے۔ کہ کسی ایک جگہ پر مقیم نہ رہیں۔ بلکہ ہر روز نئے سے نئے مقام پر پہنچ کر عوام الناس کو اپنی قابلیت اور تجربہ سے مستفیض کریں۔ ان کے اس طرح سفر کرتا رہنے سے اتہتی کا تو عام مفہوم ہی مسافر ہو گیا ہے۔ یا ابن السبیل۔ عیسےٰ لفظ صاف طور پر ईशा کے ویدک لفظ کا جانشین ہو رہا ہے۔ خود عیسائی لوگ جب یجروید کے آخری ادھیائے کے پہلے منتر کو سنتے ہیں۔ یعنی ایشا واسیہ مدم سروم (ईशा वास्यं मिदं सर्वं ०) کو۔ تو فخر سے کہتے ہیں۔ دیکھو وید میں ہمارے عیسےٰ کا نام موجود ہے۔ اور جیسے زکریا و ابراہیم کے ذکر میں ہے۔ کہ ہم پوچھے

ہو گئے ہیں۔ اور ہماری عورت بچہ جننے والی عورت نہیں ہے۔ باوجود اس کے ان کے ہاں بیٹا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب سوائے تعلیم کو ختم کرنے والے نوجوان کے کچھ ہو نہیں سکتا۔ ویسے ہی مریم کا نر مرد سے صحبت کئے بغیر جو بیٹا ہوتا ہے۔ وہ بھی سوائے علمی نوجوان کے کچھ معنے نہیں رکھتا۔ یہاں ایک اور باریک نکتہ قابل غور ہے۔ کہ آیت ۳۹ میں زکریا کے بیان میں جس لفظ کے معنے بیٹا کئے جا رہے ہیں۔ وہ ہے غلام اور غلام نام اس نوجوان کا ہے جس کی مونچھیں نکل رہی ہوں۔ اور وید میں بھی نوجوان برہمچاری کو مونچھوں والا کہا ہے۔ پس بیٹا کہو۔ غلام کہو۔ ان آیات میں محض زمانہ تعلیم کو ختم کئے ہوئے برہمچاری پر ہی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پھر آیت ۴۷ میں اسے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کا ماہر بنایا ہے۔ یہاں کتاب اور حکمت محض وید اور اس کے علم سے مخصوص ہے۔ کیونکہ توریت اور انجیل جو مسلمہ طور پر سمرتیاں ہیں۔ ان سے اول مذکور لفظ کتاب کا وید پر عاید ہونا لازمی ہے یہ امر پہلے کئی جگہ واضح ہو چکا ہے۔ پھر عیسےٰ مسیح کو نبی اسرائیل (آریہ سنتان) کے لئے نبی یا رشی کہا ہے۔ اور وہ کہتا ہے میں خدا کی ہدایت یا علم تمہیں پہنچاتا ہوں۔ اور اس علم کے کمال کا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ محض مٹی کے کھلونے کی شکل یعنی جاہل مطلق یا جڑ بدھی ہوں۔ ان میں وہ روح پھونک جاتی ہے۔ کہ وہ سچ مچ کے اڑنے والے پرند بن جاتے ہیں۔ یعنی بڑی ترقی کے میدان میں طبع آزمائیاں کرنے لگتے۔ یا خیالات کے لحاظ سے بلند پروازیاں کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کوڑھیوں اور اندھوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کا جو دعوےٰ کرتے ہیں۔ وہ بھی صرف جہالت اور اندرونی کمزوریوں اور بڑی سے بڑی ناپاکیوں کو وعظ حق سے دور کرنے کا ہی مطلب ہے۔ اور پنجابی میں یہ ایک ضرب المثل ہے۔ کہ سُن سُن اندھے پاویں راہ یعنی اندھا لوگوں سے سُن سُن کر ہی رستہ جان لیتا ہے۔ یا بے علم جاہل لوگ بھی وعظ حق کو سُن کر دہرم کا راستہ معلوم کر سکتے ہیں۔ مذہبی لٹریچر میں کوڑھی وغیرہ کے الفاظ بڑے گنہگاروں کے لئے آتے ہیں۔ اور سچے مذہبی مبلغ جو عوام الناس کی اُن خرابیوں کو دور کرتے اور انہیں بھلا چنگا بنا دیتے ہیں۔ ان کے مسیحا ہیں۔ سورہ حم السجدہ آیت ۴۴ میں کلام الہیٰ کو ہدایت اور شفا کہا ہے۔ (هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ) یا یوں کہو۔ کہ سچی ہدایت سے ہی انسان کی اندرونی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ سورہ یونس آیت ۴۷ میں بھی اس اصول کو واضح کیا ہے۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی کلام الہیٰ انسانوں کے دلوں میں جو بیماریاں گھر کر چکی ہیں۔ ان کو خدا کی رحمت ہونے پر اپنی ہدایت کے ذریعے شفا دیتی ہے۔ آیت ۴۸ کے آخر میں کہا ہے۔ کہ جو تم نے کھایا ہو یا جو گھر میں رکھا ہو۔ میں وہ بتا سکتا ہوں۔ یہ محض خاص قسم کے قیافہ شناسی وغیرہ کے کمال کا ثبوت ہے۔ اور اگر یہ معنے لئے جاویں۔ کہ تم کیا کھاؤ۔ اور کیا اندوختہ گھروں میں رکھو۔ تو یہ ایک اپدیشک کے عام فرض ہدایت کا جزو ہی ہے۔ مسیح یہ بھی کہتا ہے۔ کہ مجھ سے پہلے سے توریت کی جو تعلیم تم میں ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور جو تعلیمات تم پر حرام ہو گئی تھیں۔ وہ بھی میں تم پر حلال کرتا ہوں۔ چونکہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ توریت اور انجیل والوں کو کتاب الہیٰ کا محض ایک حصہ ملا ہے۔ اور کل تعلیم کتاب الہیٰ میں ہے۔ اسی کے مطابق یہاں بیان ہے۔ کہ توریت اور انجیل والوں کو کتاب الہیٰ کا محض ایک

حصہ ملا ہے۔ اور کامل تعلیم الہام الٰہی میں ہے اسی کے مطابق یہاں بیان ہے۔ کہ توریت و انجیل میں جو تعلیم مذکور نہ تھی میں وہ تعلیم بھی تمہیں دینے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے رب کی کامل ہدایت (وید) لیکر تمہارے سامنے آتا ہوں۔ لہٰذا توریت پر ہی قانع نہ رہ کر اب کامل علم والے خدا کا تقوی اختیار کرو۔ جو میری پیروی کا اصل مفہوم ہے۔ خدا جدا جدا نہیں جو میرا خدا ہے۔ وہی تمہارا خدا ہے۔ اور اسی کی عبادت یا فرمانبرداری کرنا کل انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

۳۷۔ خدائی فیصلہ

مسیح کا مذکورہ بالا بیان دے کر آیت ۵۱ تا ۵۳ میں یہ ذکر ہے۔ کہ اس سے بُرا سلوک ہُوا۔ حتےٰ کہ جن حواریوں پر اس کا اعتبار تھا انہوں نے چالاکی اور حکمت کرکے اس کو دغا دیا۔ مگر خدا نے اس مکر سے بھی اسے بچایا۔ اس کے بچانے والی تدبیریں دنیا کے غلام انسانوں کے دماغوں کی رسائی سے پرے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ مسیح کافروں کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ پھر آیت ۵۴ و ۵۵ میں کہا۔ کہ خدا نے مسیح کو وفات دیکر نجات عطا کی۔ اور جنہوں نے اس کی سچائیوں کو قبول کیا۔ انہیں دوسروں سے فوقیت دی۔ کیونکہ آخری ملجا و ماوا وہی ذات پاک ہے۔ اور وہی ہمارے سارے جھگڑے نپٹانے والا ہے۔ یعنی اسی کے سچے علم پر جب انسان آتے ہیں۔ ان کے اختلافات دور ہو جاتے ہیں۔ یا وہی انسانی زندگی والے اختلافات اور عداوتوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ کیونکہ موت یا نجات ملنے پر سب سابقہ تعلقات یا اختلافات کا آپ سے آپ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ واضح بیان خدائی فیصلہ کا آیت ۵۶ و ۵۷ میں دیا ہے۔ کہ کافروں کو دنیا میں بھی دکھ اور آخرت میں بھی عذاب شدید۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں رہتا۔ کیونکہ دنیوی دولت و رشتے تو ساتھ جاتے ہی نہیں۔ محض دھرم موت کے بعد ساتھ دیتا ہے۔ مگر وہ کمائی انہوں نے کی ہی نہیں۔ لہٰذا وہ ہر طرح بے یار و بے مددگار ہیں۔ مگر حق کو قبول اور نیک عمل کرنے والوں کو پورا پورا اجر ملتا ہے۔ یہ خدائی فیصلہ بتا کر ۵۷ آیت میں کہا۔ کہ یہ ہم آیتوں اور حکمت والے ذکر (ایشوری کلام) میں سے سناتے ہیں۔ چنانچہ یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ہے۔ کہ جو لوگ نیک عمل کرتے ہوئے ہی زندگی گذارتے ہیں۔ وہ ہی اپنے اعمالوں کی طفیل بندھن میں نہ آکر نجات پاتے ہیں۔ اور تیسرے منتر میں کہا ہے۔ جو کفر کی تاریکی میں ہیں۔ وہ اسر وغیرہ کی حالت کو پہنچتے ہیں۔ اور آتم ہتیا یا سچائی کا خون کرنے والے ان سے ہی گئے گذرے رہتے ہیں۔

۳۸۔ عیسےٰ انسان تھا

قرآن نے ان آیات میں اور بہت سی جگہوں میں مسیح کا جو بیان دیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ آخر ایک انسان تھے۔ خواہ ان کی ہستی اوصاف کے لحاظ سے کتنی ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو۔ لیکن عیسائی لوگ انہیں خدا کا بیٹا بلکہ خدا تک کہدیتے ہیں۔ اس لئے قرآن آیت ۵۸ میں پھر کھول کر بتاتا ہے۔ کہ عیسےٰ کی مثال آدم کی مثال ہے۔ یعنی وہ محض انسان تھے۔ جیسے آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ وہ بھی ہوئے۔ اور جو صحیح حال اس کا ہم نے لکھا۔ وہ بھی اسے انسان ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی بابت شک یا جھگڑا ہو نہیں سکتا۔ بالخصوص

آیت ۶ میں بیان شدہ آیات متشابہ والا قانون اس پر عاید ہوتا ہے۔ کہ اس کی مختلف تاویلوں سے اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جھگڑا فضول ہے۔ اور شخصی بحث میں اُلجھنے سے نتیجہ نیک نہیں ہو سکتا۔ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ جب آغاز والے انسانوں کو جو بغیر ماں باپ کے خدا نے پیدا کئے۔ پھر بھی خدا کا بیٹا نہیں کہا جاتا۔ تو بعد کے کسی انسان کو ایسا کیوں کہا جاوے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن میں عیسےٰ کے ساتھ ہر کہیں ابن مریم کا لفظ واضح طور پر کہا گیا ہے۔

۳۹۔ مباہلہ

لیکن باوجود اتنی تاکید کے بھی کوئی جھگڑے پر ہی مُصر ہو۔ تو اس کے لئے ایک نہایت دُور اندیشانہ طریق جھگڑے سے بچنے کا قرآن پیش کرتا ہے۔ آیت ۵۹ میں کہا ہے۔ کہ واقعات کا علم دیا جانے پر بھی معاملہ نہ نپٹے تو اس کا خاتمہ مباہلہ سے کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خدا پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاوے۔ اس طریق پر کہ (آیت ۶۰) فریقین اپنے بیٹوں۔ عورتوں اور اپنے دوسرے لوگوں سمیت مل کر خدا سے دعا مانگیں۔ مطلب یہ کہ وہ گڑگڑا کر خدا کے حضور یہ التجا کریں۔ کہ اے خدائے کامل۔ ہم اپنی محدود علمی و ذہنی استعداد سے اپنے ان دوسرے بھائیوں کو اس مضمون کے متعلق اپنی صداقت کا یقین دلانے سے قاصر ہیں۔ ہماری طاقت سے باہر ہو گیا ہے۔ کہ ہم اپنے بھائیوں کو اس میں اپنا ہم خیال رکھ سکیں۔ اس لئے اب ہم آپ سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ اپنی عنایت سے آپ ہمیں صحیح رہنمائی اور ہماری عقلوں کو اصل حقیقت کے جاننے اور قبول کرنے کی قوت عطا فرمایئے۔ اور ہمیں اس اختلاف کی وجہ سے ہر ممکن دوری سے بچا کر ویسے ہی تحقیق حق میں باہم معاون بنائے رکھیئے اور اس قابل کہ ہم متفقہ طور پر جھوٹ اور کذب کے خلاف اللہ کی لعنت کی صدا بلند کر سکیں۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ اگر ہم لوگ قرآن کی اس تعلیم کو اپنے دلوں پر نقش کر سکیں۔ تو اوّل تو کسی فروعی بحث میں پڑنے سے ہی بچے رہیں۔ اور اگر پڑنے پر بھی فیصلہ نہ ہو سکے۔ تو مباہلے کے طریق پر عمل کر کے اس بحث کا خاتمہ کر سکتے۔ اور بدستور سابق باہم متحد رہ سکتے ہیں۔ آج جو تمام لوگ معمولی سی باتوں پر اختلاف رائے کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ قرآن کی اس سُنہری تعلیم پر غور کریں۔ کہ کیا اعلےٰ انتظام اتحاد کو قائم رکھنے کا ہے۔ اختلافات میں فروعی امور پر بحث چھوڑ دینے کی تلقین اس لئے معقول اور موزوں ہے۔ کہ کوئی انسان ایک دوسرے کے اندر گھس کر اس کے اصل مُدعا کو صحیح طور پر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے خالی لفظی کشاکش بے سود ہے۔ لیکن اگر تاویلی بحث شروع ہو جاوے۔ اور فیصلہ نہ ہو تو قرآن کا طریق مباہلہ دونوں فریق کو جدا کرنے کی بجائے الٹا نہایت ہی زیادہ متحد کرتا ہے۔ نہ صرف بحث کرنے والے دو شخصوں کو ان کے تمام لواحقین کو ایک مجمع میں اکٹھا کرتا ہے۔ تاکہ اختلاف معلومہ کا بُرا اثر دونوں فریق میں سے کسی فرد کے دل پر بھی قائم نہ رہے۔ اور نہ کوئی اس بات کی ڈینگ مارے۔ کہ میں واقعی سچا تھا۔ بلکہ سب اپنے غلط ہونے کے امکان کا احساس کر کے آئندہ بحث ترک کریں۔ اور صحیح روشنی کے لئے خدا سے ملتجی ہوں۔ آیت نمبر ۶۱ میں اس بیان کو ہی سچا اور قابل عمل بتایا ہے۔ اور ساتھ ہی دلیل بھی سمجھایا ہے۔ کہ جب اللہ ہی ہمارا بادشاہ۔ صاحب حکمت اور ہمارا واحد معبود ہے۔ تو شخصی یا انسانی فضول سے جھگڑوں میں تضیع اوقات

سے حاصل کیا۔ ویدمنتروں میں ہم اکثر اس ہدایت کو پڑھتے تھے۔ کہ باہمی اختلافات اور عداوت کے لئے نیک لوگ خدا کے انصاف پرہی انحصار رکھیں۔ سندھیا کے منسا پرکرما کے منتروں میں بار بار یہی دعا ہے۔ کہ جو ہم سے اختلاف یا عداوت رکھتا ہے۔ یا جس سے ہم اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم اسے آپ کے ہی انصاف کے حوالے کرتے ہیں۔ لیکن اس کی صحیح اور واضح تاویل کی سپرٹ ہمیں قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ آل ابراہیم اور آل عمران کے دو سلسلے حضرت محمد صاحب کے دل کے سامنے ہیں۔ اور ان کو متحد کرنے کے لئے آپ دونوں کی تعلیم کی یکسانیت ایک طرف واضح کرتے ہیں۔ عالمگیر اصولوں پرہی متحد ہونے کی تلقین دوسری طرف کرتے ہیں۔ فروعی امور کو ہمیشہ نظر انداز کرنے کا منتر تیسری طرف پڑھاتے ہیں۔ اور مباہلہ کے ذریعے اختلافات کو دور کرنے کے لئے خدا پر انحصار کرنے اور باہم متحد رہنے کی تلقین چوتھی طرف کرتے ہیں۔ اور پھر آیت ۶۲ میں صاف گوئی سے یہ بھی فرما دیتے ہیں۔ کہ اگر اس سے بھی کوئی انحراف کرتا ہے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ مفسد ہے۔ اس کی نیت میں ہی اتحاد کی برکت کا احساس نہیں ہے۔ اور یہی آیت ۶ میں بیان شدہ متشابہات کی تاویل پر مبنی فتنہ یا پھوٹ قائم رہنے کا صحیح مفہوم ہے۔

۴۰ - نہایت خطرناک الٹی تاویل

اکثر مفسرین اور مرزا غلام احمد صاحب نے مباہلے کا بالکل ہی الٹا مفہوم لیکر قرآن کی نہایت اعلےٰ تعلیم پر تاریکی پھیلا دی ہے۔ انہوں نے اس سے یہ مطلب لیا ہے۔ کہ دونوں طرف یہ التجا خدا سے کریں۔ کہ اے خدا جو ہم میں سے کاذب ہے۔ اس کا بالکل ناش کردے۔ یا اس کو فلاں قسم کی سزا دے۔ مرزا غلام احمد صاحب پنڈت لیکھرام جی سے مباہلہ کی خط وکتابت میں ایسی ہی بری دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ قرآن کے فرمان سے بالکل خلاف اور دین اسلام کی سپرٹ کو بالکل نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ نہ خدا کوئی لوگوں کا غلام ہے۔ کہ وہ جو سزا فریقین اپنے مخالف کے لئے تجویز کریں۔ اپنے علم اور قانون کو چھوڑ کر ان کی تجویز پر عمل کرنے کا پابند ہو۔ نہ انسان کبھی کاذب کی صحیح سزا تجویز کرنے کا علم رکھتا ہے۔ نہ الفاظ آیت میں ایسے مفہوم کی کوئی بھی گنجائش ہے۔ اگر یہ مباہلہ ہی صحیح طریق کار ہوتا۔ تو تحریر تقریر دلیل ثبوت یا مناظرہ وغیرہ نیز عدالتوں کے فیصلے وغیرہ کا طریق سب کچھ غیر ضروری ہوتا۔ ہر شخص دعا مانگتا اور جو غلطی پر ہوتا وہ معہ اپنے تمام قبیلے کے مرجاتا۔ یا اس کا یہ نتیجہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ جس فریق پر مصیبت آرہی ہے۔ اس کے اعمال وغیرہ کی اصل حقیقت کو نہ جان کر محض یہ کہنا کافی سمجھا جاویگا۔ کہ فلاں بات میں فلاں شخص کا اس سے اختلاف تھا۔ اس کی دعا کے اثر کے طور پر خدا کی طرف سے اسے یہ سزا ملی ہے۔ پس یہ مفہوم محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔ اور خدا کے قانون انصاف کے قطعاً خلاف

۴۱ - گنج بخش

ان نظایر میں آل ابراہیم اور آل عمران کی بڑی بڑی ہستیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے۔ کہ کیا آدم اور نوح۔ اور کیا مریم اور اس کی والدہ۔ زکریا اور یحییٰ اور کیا عیسےٰ مسیح سب فنا فی اللہ اور دین حق کی اشاعت کرنے والے تھے۔ یا دھرم کی ویدی پر ان سب نے اپنے آپ کو قربان کیا تھا۔ اس سے مدعا محض یہ تھا۔ کہ خدا ایک ہے۔ اس کا قانون ایک ہے۔ اس لئے مذہبی تفریق اور تعصبات کو چھوڑ کر سب ایک دھرم کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ

لیکن مفسرین نے ان کے متعلق بھی غیرضروری بحث سے کام لے کر اتحاد کے مشن میں ٹھیس پہنچائی ہے۔ اور مریم اور مسیح کی ذات پر بحث شروع کر دی ہے۔ سورۃ کا نام آل عمران تھا۔ اور آل ابراہیم سے آل عمران کو ملانا آنحضرت کو مدنظر تھا۔ لیکن اس مدعا کی بجائے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ کہ عیسائی مذہب کا رد کیا جاوے۔ کوئی مفسر تو اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ امراۃ جس کا ذکر ہے۔ عمران کی بیوی تھی۔ آل عمران کی کوئی دیگر عورت نہ تھی۔ مگر دوسرا یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کی بیوی نہ تھی۔ اس سلسلے میں کوئی اور عورت تھی۔ کوئی عمران کو سلسلہ موسویہ کا موسے سے پہلے کا بانی مانتا ہے۔ کوئی عمران کو موسے اور ہاروں کا باپ بتاتا ہے۔ کوئی مریم کا۔ زکریا کو لیں تو یہ نام بھی مختلف شخصیتوں کا مانا جا رہا ہے۔ اور مریم اور مسیح کی بحث میں تو بالخصوص ہر مفسر طویل بحث لے بیٹھتا ہے۔ اور لطف یہ کہ قرآن کے الفاظ تک محدود نہ رہ کر جو حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی تاویلات پر ضمنی بحث شروع ہوتی۔ اور بحث در بحث کے گورکھ دھندے میں قرآن کے مدعا کو فوت کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے لئے دو تین امور لیجئے۔

(۱) مریم کی والدہ کی دعا ہے۔ کہ اے خدا میری بیٹی مریم اور اس کی اولاد شیطان مردود سے بچ کر تیری پناہ میں رہے۔ اس دعا کے اعلے مفہوم کو چھوڑ کر بحث کا رخ اس طرف پلٹا جاتا ہے۔ کہ مسیح کا مریم سے بغیر باپ کے پیدا ہونا غلط ہے۔ کیونکہ اس دعا سے ظاہر ہے۔ کہ اس کی والدہ کو شادی اور اولاد کی پہلے ہی خواہش تھی۔ ورنہ نسل کے متعلق دعا ہی نہ کرتی۔ یہ تو ہوا ایک پہلو۔ دوسرا پہلو یہ اختیار ہوتا ہے۔ کہ شیطان سے پناہ مانگنے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر پہلے محدثوں کے حوالہ جات پیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ بخاری سے آنحضرت کا یہ قول لیا جاتا ہے۔ کہ ہر نوزائیدہ بچے کو شیطان چھوتا ہے۔ سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے پھر اس حدیث کی تصدیق اور حدیث سے کی جاتی ہے۔ مگر اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ کہ یہ دعا پیدا ہونے سے تعلق ہی نہیں رکھتی۔ یہ تو پیدا ہونے اور نام رکھا جا چکنے کے بعد کی دعا ہے۔ تیسرا پہلو یہ لیا جاتا ہے۔ کہ شیطان کے چھونے کا ثبوت کیا ہو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے۔ مگر یہ جواب اس سوال کو پیدا کرتا ہے۔ کہ اگر پیدائش کے وقت شیطان کے چھونے سے رونا آتا ہے۔ تو بعد کا روز کا رونا کس کے چھونے سے ہے۔ اور مسیح کا بالخصوص رو رو کر دعائیں کرنا اور مریم کا دروزہ کے وقت دعا کرنے سے جو رونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ؟ چوتھا پہلو یہ ہے۔ کہ شیطان کے چھونے کا مطلب کیا ہے۔ ایک معنے ہیں تکلیف پہنچانا۔ جیسے یہودیوں کا مسیح کو اذیتیں پہنچانا۔ اور صلیب پر دینا۔ دوسرے یہ کہ وسوسہ ڈالا جائے۔ مگر نہ تو نوزائیدہ بچے کو اس کا اذیت دینا ثابت ہوتا ہے نہ وسوسہ ڈالنا۔ کیونکہ اس وقت اس کو ہوش یا تمیز ہی نہیں۔ پانچواں پہلو یہ ہے۔ کہ پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا قرآن کے سورۃ الروم آیت ۳۰ کے خلاف ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ سب لوگ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (مامن مولود یولد الا علی الفطرۃ) اب بحث اس حدیث پر چل پڑتی ہے۔ کہ پادری لوگ جو مریم اور ابن مریم کو شیطان کا نہ چھونا یعنی ان کا گناہگار نہ ہونا مانتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ایک حدیث میں لکھا ہے۔ کہ یحییٰ بن زکریا کے علاوہ اور تمام لوگ خدا کو گناہگاری کی حالت میں ملیں گے۔ ایسا ہی روایت ابوہریرہ کی شہادت سے مریم اور ابن مریم

گناہگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس پر بیان القرآن کے مصنف صاحب پینترا بدلتے ہیں۔ کہ یہ نتیجہ صحیح نہیں۔ در حقیقت ایسی حدیثوں کا تعلق جھوٹے الزاموں سے خاص شخصیتوں کو بچانے سے ہے۔ اور ان کی پاکیزگی پر زور دینے سے۔ گویا زکریا۔ مریم۔ ابن مریم محض خاص صفات کی وجہ سے بطور مثال پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ صفاتی نام ہیں۔

ایک اور پہلو بچے کو شیطان کے چھونے کے متعلق بخاری کی حدیث کے بارے میں یہ لیا جاتا ہے۔ کہ بچے کے رونے کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیا جاتا ہے۔ کہ در اصل یہ بڑے آدمی کے فریادرسی کے طور پر آواز بلند کرنے کا ذکر ہے۔ اور مدد مانگنے کا۔ چنانچہ حدیث میں جس لفظ استہلال سے رونا مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے معنے آواز بلند کرنا ہے۔ ایسا ہی ایک اور لفظ صَارِخ ہے جس کے معنے رونے والا نہیں۔ بلکہ مدد مانگنے والا ہیں۔ اب ان الفاظ کے معانی کے ثبوت حدیث اور قرآن اور لغات سے دیئے جاتے ہیں۔ اور بحث کا رخ اس طرف پلٹتا ہے۔ کہ مس شیطان کا مطلب محض یہ ہے۔ کہ شیطان جسے چھوتا ہے۔ وہ آواز بلند کرتا ہے۔ اور مطلب بچے کے پیدا ہونے سے نہیں۔ بلکہ پیدائش روحانی سے ہے۔ یا گناہ کا احساس دل میں پیدا ہونے سے۔ اب یہ لفظ پیدائش روحانی زیر بحث چل پڑا۔ اور اس کی توضیح یوں ہونے لگی۔ کہ ایک تو مریم صفت لوگ ہیں۔ جنہیں شیطان چھوتا نہیں۔ اور دوسرے شیطان کے دام افتادہ جو خدا کی طرف رجوع کرکے اس پر غالب آتے ہیں۔ اس توضیح کے سامنے آنے پر رخ پھر پلٹا اور قرآن و حدیث سے اس کے متعلق حوالہ جات پیش ہونے لگے۔ چنانچہ سورہ مریم کی آیت ۱۱ و ۱۲ نقل ہوئی۔ اور اس کے الفاظ پر بحث شروع ہوئی۔ کہ مومنوں کی مثال دو عورتوں سے دی ہے۔ ایک فرعون کی بی بی اور دوسری مریم اس بیان پر دونوں عورتوں کی جدا جدا صفات بیان کرنا اور ان کا مومنوں میں ثابت کرنا ضروری ہوا۔ اور ثبوت کے لئے حوالہ دیا تو اس حوالہ کی تشریح چل پڑی وغیرہ وغیرہ۔

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ واقعی متشابہات کی ایک آیت کی بحث ہی ختم ہونے میں نہیں آسکتی۔ اگر اس شعر پر عامل ہو کر مفسر صبر سے کام نہ لے۔

ع ذوق اس بحرِ فنا میں کشتئ عمرِ رواں جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارہ ہو گیا

اصل آیت میں مریم کی والدہ کا سچے دین سے دلی تعلق جتانا مقصود تھا۔ کہ اس نے اپنی اولاد کو دین اللہ کیلئے وقف کیا۔ قبل اس کے کہ وہ پیدا ہوئی۔ اور پیدا ہونے کے بعد اس کے اور اس کی نسل کے لئے بھی جہالت یا گناہ یعنی شیطان سے بچ کر خدائے پاک کی فرمانبردار رہنے کی خواہش کا اظہار دعا کی صورت میں کیا۔ ایسے صاف مفہوم کے نکتہ نگاہ سے کسی تفسیر میں مذکورہ بالا قسم کی طول کلامی غیر متعلق اور غیر ضروری ہی نہیں کج بحثی ہے۔

۲۔ آیت ۴۳ میں مریم کے متعلق بیان کرکے کہا ہے۔ کہ یہ غیب کی یا لطیف مضمون والی بات ہے۔ جو تم پر وحی کی جاتی ہے۔ ورنہ تو نہ تو قلمیں ڈالنے کے وقت پاس تھا۔ نہ ان کے جھگڑے کے وقت۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ حالات معلومہ پر غور کرنے کے بعد جو صحیح نتیجہ آنحضرت کے دل میں جاگزین ہوا۔ وہ انہوں نے بیان فرمایا۔ ورنہ چشم دید واقعہ تو وہ بیان کر ہی نہ سکتے تھے۔ گویا یہاں بھی بحث کرنے سے روکا ہے۔ کہ یہ بیان معقولین کے لحاظ سے مفید سبق دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بیان محض توہمات یا اختلاف پھیلائیں گے۔ لیکن مفسر صاحبان اس پر بھی بحث کرتے ہیں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کی خدمت حضرت زکریا کے

خاندان میں تھی۔ وہ بوڑھے تھے۔ مگر اولاد کے خواہشمند۔ اور مریم کے عورت ذات ہونے سے مریم کی پرورش خاندان کا بھار کس پر
رہے۔ یہ کشمکش تھی۔ آخر اس پر قرعہ پڑا۔ دعویداروں نے اپنے توریت لکھنے کے قلم ندی میں پھینکے۔ سب قلم سوائے زکریا کے قلم کے بہ گئے۔ لہذا وہ سرپرست قرار پائے۔ لیکن جہاں یہ صاحب اقلام سے مراد توریت لکھنے والی قلمیں لیتے ہیں۔ وہاں دوسرے کئی صاحب اس سے قرعہ اندازی کے تیر مراد لیتے ہیں۔ اور کئی صاحب معمولی قلمیں مراد لیتے ہیں۔ پھر قلمیں ڈالنے اور جھگڑا ہونے کے لفظ سے ایک تو قرعہ اندازی کے ذریعے پرورش و تربیت کے لئے کفیل کا انتخاب مشہور کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ آیت دوسری دفعہ کے جھگڑے کا بیان کرتی ہے۔ جب نکاح کا سوال پیش تھا۔ اس کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے۔ کہ آیت ۳۶ میں صغیرسنی کے وقت کفیل بننے کا ذکر آچکا۔ اب آیت ۴۳ میں پھر گذشتہ واقعہ کا ذکر نہیں آسکتا۔ مریم کے بلوغت کو پہنچنے یا حیض وغیرہ کا وقت آنے سے مریم کو ہیکل میں رکھنا یہودی رواج کے خلاف تھا۔ اس لئے نکاح کے متعلق قرعہ اندازی ہوئی۔ کیونکہ ایسی نیک اور پاک بی بی کو اپنی زوجیت میں لانے کے خواہاں بہت ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ تم قرعہ اندازی یا جھگڑے کے وقت پاس نہ تھے۔ سچی اور بے لوث شہادت مہیا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ تاویل کرنے والے خود ہی اس کو مشتبہ کرتے ہیں۔ یہ کہکر کہ ممکن ہے۔ یہ مریم کے اصطفائے روحانی کی طرف اشارہ ہو۔ اب خیال آیا کہ روحانی اصطفےٰ کے ساتھ جھگڑے کا کیا تعلق تو یہ ثبوت مہیا ہونے لگا۔ کہ روحانی برگزیدگی کے متعلق ملاء اعلیٰ میں ایک خصومت ہوتی ہے وغیرہ۔ لیکن آیت ۴۳ کے لفظ کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ آیت ۳۶ والے واقعہ کا ہی یہ بیان ہے۔ کیونکہ غیب کی خبر اسے ہی کہا ہے جو آیت ۴۳ سے پہلے کا بیان ہے۔ لہذا ایک ہی بار جھگڑا ہونا وغیرہ کے وقت موجود نہ ہونا مذکور ہے۔ اور بس۔

(۳) آیت نمبر ۶۰ میں جو مقامی یا زمانی اختلافات کا فیصلہ خدا پر چھوڑنے کی ہدایت کی۔ اسے عجیب و غریب مباہلہ کا مضمون بنایا۔ اور طویل تفسیروں کے لئے وجہ بنایا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے پنڈت لیکھرام کو مباہلہ کے لئے لکھا۔ کہ ہم خدا سے دعا کریں۔ کہ جو جھوٹا ہو۔ اس پر عذاب نازل ہو۔ یا وہ اتنے عرصہ میں مر جاوے۔ ایسا ہی مسلمانوں میں جو باہم کئی دفعہ ایسے مباہلے کا ذکر سنتے ہیں۔ وہ اس آیت کی ہی تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ مفسرین نے آیت کی اصولی نوعیت کو نظر انداز کر کے اسے عیسائیوں کے وفد یا نجران کے نصاریٰ سے منسوب کیا ہے۔ کہ وہ آنحضرت کے پاس آئے۔ تو انہوں نے مسجد نبوی میں انہیں ٹھہرایا۔ اور ان کی خاطرداری کی۔ مسجد میں انہیں ان کے اپنے طریق پر عبادت کرنے کی مخالفت نہیں کی۔ اور انہیں سمجھایا۔ کہ وہ الوہیت و ابنیت مسیح کے عقیدہ باطل سے باز آئیں۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ تب رسول صاحب نے قسما قسمی یا مباہلے کی تجویز پیش کی۔ اور آپ اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا۔ دونوں نواسوں حسنین اور اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی علیہم السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ مگر نصاریٰ نجران بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اگر پیغمبر کی مخالفت میں قسما قسمی کرتے۔ تو مزہ بھی چکھ لیتے۔ اس مباہلہ کو آخری اتمام حجت سمجھا جاتا ہے۔ ایک مفسر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ دعا کی قبولیت کے عیسائی بھی قایل ہیں۔ چنانچہ مسیح نے موت سے بچنے کے لئے رو رو کر دعائیں

گیں۔ اور وہ اس کی پرہیز گاری اور تقوی کی وجہ سے قبول ہوئیں۔ بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے مباہلہ ضروری تھا۔ احادیث کی بنا پر لکھا ہے۔ کہ عاقب اور سید نجران کے قائمقام رسول اللہ صلعم کی طرف آئے۔ کہ آپ سے ملاعنہ کریں۔ مگر جب قول فدیحبہ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہو۔ اور ہم نے اس کو ملاعنہ کیا تو نہ ہم کامیاب ہوں گے۔ نہ ہمارے بعد ہماری نسل محمد ابن اسحق نے سیرۃ میں وفد کے ساٹھ سواروں کا آنا لکھا ہے۔ جن میں سے ۱۴ ان کی قوم کے سردار تھے۔ از انجملہ عاقب (عبد المسیح) اور سید (ایہم) قابل ذکر ہیں۔ وفد کا سردار عاقب تھا۔ اور ایہم لاٹ پادری تھا۔ ان کی مہمان نوازی اور الوہیت مسیح کے متعلقہ بحث کا ذکر کر کے مباہلہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے مشورہ کے لئے مہلت مانگی۔ مگر قرار یہ پایا۔ کہ اس میں ہماری خیر نہیں۔ لہذا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ موجودہ عیسائی یہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بد دعا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلم وکیل کہتا تھا۔ کہ جب عیسائی آنحضرتؐ کو کہتے ہی دجال تھے۔ تو بد دعا کرنے سے کیسے ڈرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی بیان القرآن یہ بحث شروع کر دیتا ہے۔ کہ شیعہ لوگ حضرت علیؓ فاطمہ اور حسن حسین کو ساتھ لانے میں حضرت علی کی فضیلت کا اشارہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن غرض محض شرط مباہلہ کا پورا کرنا تھا۔ کہ اپنے بیٹے وغیرہ کو ساتھ لائیں۔ چنانچہ اور روایت میں ابوبکر عمر عثمان اور علی سب کا معہ اپنے بیٹوں کے آنا مذکور ہے۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ کہ اگر مباہلہ منظور ہوتا تو اور بڑے بڑے صحابہ بھی معہ اپنے بال بچوں کے بلائے جاتے۔

غرضیکہ مباہلہ کی تعبیر اس دعا سے کی گئی ہے۔ جو مخالف یا کاذب کے تباہ کرنے کے متعلق ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اس پر اعتراض ہوتا تھا۔ کہ اگر مباہلہ ایسی ہی قطعی فیصلے کی قابل عمل چیز ہے۔ تو پھر مباحثوں اور کتابوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور احقاق حق و ابطال باطل کے لئے جد و جہد کیوں کی جاوے۔ مباہلہ پر فیصلہ منحصر رکھنا چاہئے۔ اس کے لئے یہ جواب تراشا ہے۔ کہ مباہلہ ہر وقت نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم نے امر الہی ہونے پر ہی مباہلہ کیا تھا۔ اور انہی کے ساتھ جن کا خدا نے حکم دیا تھا۔ اور ایک اصول بنا کر پیش کیا ہے۔ کہ جو خدا سے اصلاح کے لئے مامور ہو۔ وہ اپنے دشمنوں سے خدا کا حکم پا کر مباہلہ کر سکتا ہے۔ لیکن حدیث میں موجود تھا۔ کہ حضرت ابن عباس نے کسی سے جھگڑا ہونے پر اسے مباہلہ کے لئے بلایا تھا۔ حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ اور خدا کا حکم بھی نہ آیا تھا۔ اس کا جواب یہ دے دیا۔ کہ ابن عباس کا فعل حجت شرعی نہیں۔ اور اگر باہمی جھگڑوں پر مباہلے ہونے لگیں۔ تو دن رات یہی دور چلیگا۔ اور بجائے محبت پیدا ہونے کے ایک دوسرے کی بیخ کنی وغیرہ ہی مدنظر رہیگی۔

یہ بحث جہاں آیت کے بیان کردہ اصول کے لحاظ سے بالکل غیر ضروری ہے۔ وہاں سارے بیان ہیں بھی غیر معقول۔ اگر مباہلہ سے فیصلہ ہونا ممکن ہے۔ تو کیوں نہ اسے اختیار کیا جاوے۔ اور اگر یہ محبت کے خلاف نفرت پیدا کرتا اور ہمارے لئے بیخکنی کا موجب ہے۔ تو رسول صاحب سے بھی اس مباہلہ کا تعلق کیوں جوڑا جائے۔

پس حقیقت محض یہ ہے۔ کہ رسول صاحب نے فریقین کو فروعی یا متشابہ امور کی بحثوں سے روکنے اور باوجود ایسے فروعی اختلاف کے فریقین کے متحد ہو کر خدا پر فیصلہ چھوڑنے۔ اسی سے دعا مانگنے اور سب کے اندر جھوٹ اور کذب کے خلاف جوش و جذبہ قائم رہنے کے لئے ہی مباہلہ لکھا ہے۔ اور یہ اس طریق کے قطعاً خلاف ہے۔ جو دوسرے

فریق کی بربادی کے متعلق دعا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرضیکہ گمراہ کن تاویلات ہر آیت کے متعلق پیش کر کے اصل مدعا کے قطعاً خلاف سپرٹ بھر دی گئی ہے۔

۴۱ - مکر

آیت ۵۳ میں مکر لفظ ہے۔ اس کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیل رہی ہے۔ اردو میں مکر کے معنے دہوکا فریب وغیرہ کے بھی ہیں۔ اور اس علم کے ساتھ جب لوگ قرآن میں یہ لفظ پڑھتے ہیں۔ تو اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن عربی میں دہوکا فریب۔ دغا کے علاوہ حیلہ داؤ کرنا۔ جتینا۔ خطبہ تدبیر کرنا باریک تدابیر بیان کرنا۔ اپنی زمین کو پانی دینا راکے کی مضبوطی پالیسی وغیرہ بھی اس کے معنے ہیں۔ آیت زیر بحث میں بالخصوص اس سے حکمت و تدبیر کے معنی مخصوص ہیں۔ اور یہ حکمت و تدبیر ہر شخص کی حالت کے مطابق مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ چور یا بدکار اپنی کامیابی کے لئے جو مکر کرتا ہے۔ وہ گناہ آلود ہو سکتا ہے۔ لیکن نیک شخص کا مکر ان تدبیروں و حکمتوں سے ہی وابستہ ہو سکتا ہے۔ جو واقعی دہرم یا مذہبی شرع کے مطابق ہوں۔ اسی طرح خدا کے قانون کا عملدرآمد اسی قسم کے مکر پر منحصر ہے۔ جو خدا کی صفات کے مطابق ہو۔ ایک شخص اپنے مخالف پر جھنجلا کر وار کرتا ہے۔ مگر اس کو قتل کرنے کے لئے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کی طرف لپکتا ہی ہے۔ کہ اس کا پیر پھسلتا اور وہ اس طرح بے اختیار زمین پر گرتا ہے۔ کہ اس کا دم نکل جاتا ہے۔ اب قاتلانہ حملہ تو اس شخص کا مکر ہے۔ اور اس کا پھسل کر گرنا و مرنا خدا کا مکر ہے۔ جس سے ظالم کو تو سزا ملی۔ اور مظلوم کی جان بچی۔ ایسا ہی ذکر ہے۔ کہ چار ڈاکو راستے میں ایک ٹانگے کو روکتے ہیں۔ کہ آج خوب شکار ملا ہے۔ وہ دولہا اور دلھن کو کہتے ہیں۔ کہ جو روپیہ و زیور ہو۔ رکھ دو۔ ورنہ یہ گنڈاسہ ہے۔ ایک ایک ضرب سے دونوں کی گردن اتار دیں گے۔ وہ بیچارے اپنے آپ کو بے بس پا کر ایشور سے ہی بچاؤ کے لئے دل میں دعا کرتے ہیں۔ اور ظاہرا طور پر زیور اتار اتار کر ڈھیر کئے جاتے ہیں۔ ڈاکوؤں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارا مطالبہ پورا ہو رہا ہے۔ کچھ زیور اور روپیہ لے کر دو ڈاکو ایک جھاڑی کے پاس پہنچے ہیں۔ اور اس میں گھڑا کھود کر اسے دفناتے ہیں۔ ٹانگہ میں دلہا اور دلہن کے ساتھ دو ملازم تھے۔ انہوں نے اس وقت ہمت کی اور ٹانگہ والے کی مدد سے باقی دو ڈاکوؤں سے گنڈاسہ چھین کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ادہر جھاڑی میں سے زہریلا سانپ نکلا۔ اور وہ دونوں بھی اس کے ڈنگ کا شکار ہوئے۔ جس سے بیگناہ سواریاں جان و مال ہر لحاظ سے محفوظ ہو گئیں۔ مثل مشہور ہے کہ مارنے والے سے بچانے والے کے راہ نیارے ہیں۔ اور یہ پر حکمت حفاظت خدا کا مکر ہے۔ اور چونکہ خدا کا مکر نیک اور مضبوط ترین تدبیر کے معنے رکھتا ہے۔ اس لئے اسے خیر الماکرین کہا گیا ہے۔

۴۲ - اتحاد خالص توحید کی بنیاد پر

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

شْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

شْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ①

کہو اے اہل کتاب! آؤ ہم ایک ایسی بات پر قائم ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی سوائے اللہ کے کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے۔ اس پر وہ نہ مانیں تو تم کہو۔ کہ دیکھ لو۔ ہم تو مان رہے ہیں۔ ا

۴۳۔ شرک ہی منافی اتحاد ہے

اس سے پہلے آل عمران کے ۴۲ کر میں مسیح کو قدیم علم الٰہی کا انسان مبلغ اور خدا کو ہی معبود بتایا گیا ہے۔ اور اس آیت میں یہ سمجھایا ہے۔ کہ کل اہل کتاب کا اتحاد محض ایک اصول توحید پر ہو سکتا ہے۔ واقعی اس سورت میں اتحاد کے متعلقہ تمام پہلوؤں کو خاص سلسلے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ عالمگیر اصولوں پر تو تمام انسان متحد ہو ہی سکتے ہیں۔ لیکن یہ عالمگیر اصول بھی ایک ہی آدی مول پرمیشور سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں بتایا ہے۔ کہ ایک خدا اور اس کے واحد معبود ہونے کے اعتقاد پر ہی اتحاد ہو سکتا ہے۔ تمام اہل کتاب جب اس واجب الوجود کو مانتے ہیں۔ اور باقی تمام اصول ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مطابق اس میں آجاتے ہیں۔ تو باہم جدا رہنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس آیت میں ہر قسم کے شرک کی ممانعت کر کے یہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ شرک ہی اتحاد میں روک ہے۔ اور وہ شرک تین قسم کا ہے۔ اوّل وحدت پرستی کی بجائے کثرت پرستی۔ کہاں تو واحد معبود خدا اور کہاں صدہا قسم کے بتوں۔ مزاروں اور انسانوں کی عبادت۔ جو آج دنیا میں مروج ہے۔ دوم غیر اللہ کو اللہ کا شریک کرنا۔ جیسے مسیح کو نجات دہندہ ماننا وغیرہ اور تیسرا غیر اللہ کو اپنا مالک ماننا جیسا آج کل کے مردم پرست اور مردہ پرست لوگ گورو ڈم کا شکار ہو کر کسی انسان گورو کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ آیت میں ان تینوں برائیوں کو ترتیب وار دور کیا گیا ہے۔ نہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت ہو۔ نہ کسی کو خدا کے کاموں میں اس کا شریک ٹھہرایا جاوے۔ نہ کسی انسان یا گورو کو رب والا درجہ دیا جائے۔ ویدک دھرمی لوگ ایشور کو اس طرح مانتے ہیں کہ وہ سجاتی وجاتی سوگت بھید شونیہ ہے۔ یعنی نہ ایسا ہے۔ کہ ایشوروں کی کوئی جاتی ہے یا بہت سے ایشور ہیں۔ نہ وجاتی یعنی ایشور کے بغیر کوئی اور ایشور ہے۔ اور نہ ایشور کی ذات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ آیت کے الفاظ کی تاویل اس تعریف پر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ لیکن بعض مفسرین شرک کے مفہوم کو ہی اور کا اور سمجھ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں روح اور مادہ کو ازلی اور غیر حادث ماننے سے شرک فی الصفات کا نقص عاید ہوتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں اس کی بھی تردید سمجھنی چاہئے۔ لیکن اس میں وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ کیونکہ یہاں روح اور خدا کے تعلق کا ذکر ہے۔ مخلوق غیر مخلوق ہونے کا نہیں۔ ساتھ ہی انسان یا روح کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ اگر وہ کبھی موجود نہ ہوں۔ تو ہدایت کس

کم ہوگی۔ پھر خدا کے سوا جس کی عبادت ہوتی ہے۔ اور جس سے قرآن تعلق عبادت ہٹاتا ہے۔ وہ نہ ہو۔ تو بھی آیت بے سود ہے۔ ایسا ہی جس کو خدا کا شریک ٹھہرانا ممنوع ہو رہا ہے۔ اس کی بھی ہستی لازمی ہے۔ وحدت پرستی کا اصول ہی ثابت کرتا ہے کہ کثرت والی اشیا بھی ہیں۔ مگر وہ معبود نہیں۔ اگر سب رُوح و مادی اشیاء بغیر کسی علت کے حادث ہوں۔ تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہوگا۔ اور اس امر کا ثبوت کسی تاریخ سے دینا یا ثابت کرنا ہوگا۔ کہ فلاں سنہ میں یہ حدوث واقع ہوا۔ اور یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ روح اور مادہ کے حدوث پر ہی خدا مالک خالق رازق اور معبود ہوا پہلے نہ تھا۔ گویا وہ خود علم انصاف ملکیت ربوبیت وغیرہ جملہ حادث صفات کا مجموعہ اور محل حوادث ہوگا۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جیسے روٹی کھاتے ہوئے اور سوتے ہوئے ایک ڈاکٹر کسی مریض کا علاج نہیں کر رہا۔ مگر علاج کا علم اس میں موجود ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات تو اس میں موجود تھیں۔ مگر ان کا ظہور رُوح اور مادہ کے حدوث پر ہوا۔ لیکن یہ دلیل بالکل بے وزن ہے۔ کیونکہ روٹی کھاتے اور سوتے ہوئے اگر مریضوں کے علاج کا علم ڈاکٹر کے اندر ہے تو مریض بھی شہر میں یا ہسپتال میں اس وقت موجود ہیں۔ اور دوائیاں بھی۔ اور جب ڈاکٹر نے علم حاصل کیا تھا۔ تب بھی مریض اور دوائیاں موجود تھیں خواہ کتابوں سے اسے پڑھایا گیا۔ خواہ تجربات سے۔ علم کے ساتھ معلوم برابر موجود رہا۔ غرضیکہ خدا کی صفات کا تعلق جن ہستیوں سے ہے۔ ان کا عدم کسی وقت بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ پس آیت ہذا کی ہدایت کا لازمی تقاضا ہے۔ کہ روح اور مادہ کو غیر مخلوق ازلی اور ابدی مان کر خدا کو ہی خدا سمجھا اور مانا جاوے۔ نہ روح کو اور نہ کسی مخلوق مادی ہستی کو خدا یا اس کی مالک کل یا معبود کل ہونے کی صفات میں شریک کیا جاوے۔ روح اور مادہ کے غیر حادث ہونے کے ثبوت ہم قرآن کی آیات سے بھی دے چکے ہیں یہاں سورۃ الطور کی آیت ۳۵ ہی کافی ہوگی۔ اور وہ یہ ہے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۔ کیا وہ غیر شیی یا لا ہستی سے پیدا ہوئے یا کیا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟ مطلب یہ کہ نہ تو وہ نیستی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی خالق کے بغیر۔ پس انسانی روح جس کو حماقت پر ندامت دلائی جا رہی ہے۔ اس کا بھی اقبال ہے اور بغیر شئے یا ہستی یا علت کے پیدا ہونے کو بھی غیر ممکن بتایا گیا ہے۔ اور خدا کو خالق بھی مانا گیا ہے۔ گویا کہ تینوں ہستیاں اس آیت میں مذکور ہیں۔ اور بغیر ان کے شرک کا خیال بھی کسی کے دل میں نہیں آ سکتا۔

۴۴۔ ملت ابراہیم

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۵﴾ مَا كَانَ

۶۶ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ②

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ

۶۷ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑤ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

۶۸ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑥ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

۶۹ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ⑦ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ

۷۰ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑧ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْۤ

۷۱ ع ۸/۱۵ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ⑨ وَلَا

تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ

اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

۷۲ ۷۳ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ⑩ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ③ وَمِنْ

اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

۷۴ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ④

۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ

بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

۷۶ هُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ

مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

۷۷ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ

يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

۷۸ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

۷۹ ع وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذَ

اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ

عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

۸۰ ۸۱ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ

دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

۸۲ وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

۸۳ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝٥ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا ۸۴
اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٦ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ ۸۵
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ۸۶
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٨ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۸۷
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ۸۸
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝١٠ اِنَّ ۸۹
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ
الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝١١ ۹۰

اے اہلِ کتاب! ابراہیم کے بارے میں جھگڑنے کا کیا مطلب۔ توریت اور انجیل کا تو ظہور ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ ۲۔ خیال کرو۔ کہ جس کا تمہیں علم تھا۔ اس کے متعلق تو تم نے جھگڑا لیا۔ اب اس میں جھگڑانے کا کیا مطلب جس کا تمہیں علم نہیں بے شک اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ ۳۔ ابراہیم نہ یہودی تھے۔ نہ نصرانی ہاں خدا کے مخلص بندے اور اس کے فرمانبردار تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ۴۔ ابراہیم کے ساتھ حقیقی قرابت تو انہی کی ہے۔ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ نبی ہیں۔ اور حق کو قبول کرنے والے۔ بے شک اللہ مومنوں کا سرپرست ہے۔ ۵۔ اہل کتاب کا ایک گروہ تو تم کو گمراہ کرنا ہی

چاہتا ہے۔ مگر دراصل وہ خود گمراہ ہیں۔ پر سمجھتے نہیں۔ ۶۔ اہلِ کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انحراف کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان کے شاہد ہو۔ ۷۔ اے اہلِ کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ دیدہ دانستہ ملاتے اور حق کو چھپاتے ہو۔ ۸۔ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ یہ چال چلا۔ کہ اہلِ ایمان پر جو نازل ہوتا ہے دن چڑھے اسے مان لیا کرو۔ اور دن کے ختم ہونے پر انکار کر دیا کرو۔ تاکہ مسلمان بھی (دیکھا دیکھی) لوٹ آویں۔ ۱۔ اور کہ تم کسی کی بات کو نہ مانو۔ سوائے اس کے جو تمہارے دین کا پیرو ہے۔ انہیں کہدو۔ کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ جو کچھ تمہیں ملا ہے۔ اس جیسا اور کو بھی ملیگا۔ یا وہ تمہارے خدا کے ہاں تم سے جھگڑے گا۔ یہ بھی کہدو۔ کہ فضل تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے دے۔ بے شک اللہ بڑی وسعت والا اور علیم کل ہے۔ ۲۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کرے۔ واقعی اس کا فضل بڑا ہے۔ ۳۔ پھر اہلِ کتاب میں کوئی تو ایسا ہے۔ کہ اگر تو ڈھیروں کے ڈھیر دولت اس کے پاس امانت رکھے۔ تو وہ تمہیں لوٹا دیگا۔ اور کوئی ایسا ہے۔ کہ اگر تو ایک دینار بھی اس کے پاس امانت رکھے۔ تو واپس نہ ملے بار وں لگا تار تقاضا کرنے کے اور اس جرأت کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ امیوں کے ساتھ ہمارا راہ و رسم (لین دین) کیسا۔ مگر یہ وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ۴۔ ہاں جو شخص اپنے اقراروں کو پورا کرتا ہے۔ اور تقویٰ رکھتا ہے۔ ایسے متقیوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ ۵۔ تحقیق وہ لوگ جو اللہ والے عہدوں اور اپنی قسموں کے بدلے یہ بے حقیقت سے معاوضے لے لیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ قیامت کے دن خدا ان سے کلام بھی نہ کریگا۔ نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ ان کو پاک کریگا۔ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ ۶۔ اور تحقیق بعض لوگ ان میں ایسے ہیں۔ جو کتاب کے الفاظ کو بدل کر پڑھ جاتے ہیں۔ ایسے کہ تو انہیں کتاب سے ہی سمجھے۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ پس دانستہ خدا کے متعلق غلط بیانی کرتے ہیں۔ ۷۔ کسی انسان کو شایاں نہیں۔ کہ خدا تو اسے کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائے۔ اور وہ لوگوں کو یہ کہے۔ کہ تم خدا کی جگہ میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ یہی کہیگا۔ کہ تم خدا پرست بنو۔ اس لئے کہ تم کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے۔ اور اسی کو پڑھنے والے ہو۔ ۸۔ اور نہ یہ شایاں ہے۔ کہ وہ تم کو حکم دے۔ کہ فرشتوں اور نبیوں کو خداوند مانو۔ کیا وہ تمہارے فرمانبردار (مسلم) بن جانے کے بعد وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا۔ ۹۔ اور اللہ نے نبیوں کے متعلق عہد لیا ہے۔ کہ چونکہ میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کرتا ہوں۔ اس لئے تمہارے پاس جب کوئی ایسا مبلغ آوے۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے۔ تو تم نے اس کا کہا ماننا۔ اور اس کی مدد کرنا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا تم اقرار کرتے اور اس پر میرا عہد لیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا۔ پس شاہد رہو۔ اور میں تمہارے ساتھ ساکھشی ہوں۔ ۱۔ پس اس کے بعد جس نے اس عہد سے انحراف کیا۔ فاسق ہوا۔ ۲۔ یہ گویا دینِ الٰہی کے علاوہ کے خواہشمند ہیں۔ مگر جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ تو اسی دین کو مانیں گے۔ خواہ رضا و رغبت سے خواہ مجبور ہو کر اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔ ۳۔ کہو ہم تو اللہ کے دین کو مانتے ہیں۔ اور اس کو جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر اترا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں پاتے۔ اور ہم اس کے معتقد ہیں۔ ۴۔ اور جو اسلام کے سوا اور دین چاہتا ہے۔ وہ اس سے قبول نہیں ہوگا۔ وہ اپنی آخرت کو بگاڑے گا۔ ۵۔ اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت کرے۔ جو حق کو قبول کر کے اور رسول کی سچائی کو دیکھ

کر اور صاف ہدایات پاکر پھر کفر کر جاتے ہیں۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ۶۔ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے۔ کہ کیا اللہ کیا فرشتے اور کیا انسان سب کی ان پر لعنت ہے۔ ۷۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ ۸۔ البتہ بعد میں جو لوگ پچھتا ویں۔ اور اپنی اصلاح کریں بے شک اللہ ان پر مغفرت اور رحم کرے گا۔ ۹۔ جو لوگ حق پر ایمان لاکر پھر کافر ہو جائیں۔ اور کفر میں ترقی کرتے جائیں۔ ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ اور وہی ہیں جو بھٹکا کریں گے۔ ۱۰۔ یقیناً جو لوگ کفر کریں گے۔ اور کفر کی حالت ہی میں مریں گے۔ وہ خواہ کل دنیا کے زر جو اہر کا فدیہ دیں۔ ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۱۱۔

۴۵۔ اہلِ کتاب

اَلْکِتٰب لفظ سے قرآن میں آغاز عالم والا الہام وید مراد ہے۔ جیسے وید کا مفہوم سنگہنا یا جامع علم ہے۔ ویسے ہی کتاب وہ ہے جس میں علم جمع ہو۔ اور ایسے ہی وید کی بجائے قرآن کا نام دیا ہے۔ جیسے سورہ رحمان میں انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی قرآن کی تعلیم اور دوسروں پر اس کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ یا علم بیان کے ملنے سے ظاہر ہے۔ بعض جگہ عربی قرآن سے اس کی تمیز کرانے کے لئے اسے عجمی قرآن کہا ہے۔ عجمی در اصل ویدک بھاشا کا نام تھا۔ سنسکرت میں ~~[illegible]~~ دیا ~~[illegible]~~ اس بھاشا کو کہتے ہیں۔ جو ایشور وکت ہو۔ انسان جس کا پیدا کنندہ نہ ہو۔ اور چونکہ بعد کے نبیوں نے باہمی تعصبات سے پیدا شدہ اختلافات کو مٹانے کے لئے اسی کی صداقتوں کی اشاعت کی۔ اس لئے ان نبیوں کے پیروؤں کو بھی اہلِ کتاب کہا ہے۔ توریت اور انجیل بھی کتب مقدسہ کہی جاتی ہیں۔ مگر بہ لحاظ علم ان کو کہیں اس کتاب کا ایک حصہ یا من الکتاب کہہ کر اس کی جزوی تعلیم بتایا ہے۔ اور کہیں توریت اور انجیل کو اس کامل کتاب سے الگ قرار دینے کے لئے مَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ کہا ہے۔ غرضیکہ ویدک لٹریچر میں جو پوزیشن سمرتیوں کو دی جاتی ہے۔ وہی قرآن میں توریت اور انجیل کو دی گئی ہے۔ اور چونکہ آغاز عالم والے رشیوں کے بعد کے نبیوں کو جو علم ملا۔ اور توریت انجیل وغیرہ کتب جو بعد میں شائع ہوئیں۔ ان کا انحصار اسی پہلی الہامی کتب پر تھا۔ اور توریت اور انجیل کو اسی قدیم تعلیم کا مصدق یعنی اس کے مطابق سمجھ کر مانا جاتا تھا۔ اس لئے توریت اور انجیل کے اعتقاد کی تہ میں بھی اصل اعتقاد قدیم الہام والا ہی کام کرتا تھا۔ اور انہیں اہل کتاب کہنا عین موزوں تھا۔ اس سے کچھ اخلاقی دباؤ بھی صداقت کا قایل کرانے کے لئے پڑتا ہے۔ کیونکہ خدا کی کتاب یا الہام الہی کا قایل انسان احقاق حق کے لئے خاص ذمہ واری رکھتا ہے۔ رسول صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں۔ انہیں کتاب الہی کا ایک جزو ملا۔ میں انہیں اس کامل کتاب کی طرف بلاتا ہوں۔

ان آیات میں یہود اور نصاریٰ کے نکتہ نگاہ سے بحث ہے۔ اور انہیں بھی اہل کتاب مان کر آیت ۶۶ میں قدیم الہام کو آیات اللہ کہا ہے۔ انہی کو حق اور ان کے ماسوائے کو باطل کہا ہے۔ اور انہی کو آیت ۷۲ میں اللہ کی اصل ہدایت کہا ہے۔ اور یہ کہنا کہ جو تمہیں ملا۔ اور کو بھی ویسا مل سکتا ہے یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسی کامل کتاب کی ہی کوئی نہ کوئی تعلیم ہر زمانہ کے لوگوں کو ملتی رہتی ہے۔ آیت ۷۸ میں اسی قدیم الہام کے لئے الکتاب لفظ ہے۔ اور اس کا علم خدا کا حکم اور نبوت کا معیار ہے۔ اور اسی کی تعلیم اور درس تدریس کے خیال سے ربانی

ہونے کی طرف اہلِ کتاب کو متوجہ کیا گیا ہے۔ پس اہل کتاب سے قائلین الہام اولین مراد ہے۔ اور اسی نکتہ نگاہ سے ہی یہاں یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

۴۶۔ سناتن دہرم

آل عمران کو پہلی دفعات میں قدیم دہرم اور راہِ حق کا دلدادہ بتا کر موجودہ عیسائی مذہب کے اس اعتقاد کو باطل بتایا گیا تھا۔ جو کہ مسیح کی الوہیت کے متعلق عیسائیوں میں پایا جاتا ہے۔ مسیح کو ایک انسان ماننے اور اس کی الوہیت کی مشرکانہ تعلیم سے بچ کر توحید کا معتقد بننے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب ان آیات میں ملت ابراہیم کا بیان کیا گیا ہے۔ اسے آپ تمام اعتراضات سے بالاتر سمجھ کر اس پر خود معتقد اور اوروں کو بھی اس پر اعتقاد لانے کی تلقین کرتے رہے۔ یہودی لوگ کہتے تھے۔ کہ حضرت ابراہیم توریت کی ایک خاص بزرگ اور برگزیدہ ہستی اور اس کی تعلیمات کے قائل تھے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ ارے تم مانتے ہو۔ توریت اور انجیل کو۔ مگر ان کا تو ظہور ہی حضرت ابراہیم کے بعد ہوا ہے۔ اس لئے وہ ان کے قائل ہو ہی کیسے سکتے تھے۔ یہ گویا صاف ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ آنحضرت محض اس قدیم دہرم کو مانتے تھے۔ جو توریت انجیل کے وقت سے نہیں۔ بلکہ آغاز عالم سے تعلق رکھتا ہے۔ آیات ۶۴ تا ۶۸ میں کہا۔ کہ حضرت مسیح کے متعلق تو تمہیں کچھ علم تھا۔ اور اس پر تم بحث کر سکتے تھے۔ مگر ابراہیم کے معتقدات کا تمہیں علم نہیں۔ اس لئے اس پر تمہاری رائے زنی یا بحث فضول ہے۔ وہ موحد اور حق پرست ہے۔ مشرک نہ تھے۔ مگر تم مسیح کو خدا کا شریک مانتے ہو۔ بس تمہارا ابراہیم سے کیا تعلق۔ ان کے قریبی وہ ہیں۔ جو ان کی تعلیم کو مانتے ہیں۔ اور وہ نبی یا رشی منی ہیں۔ اور اہل ایمان یا حق پرست لوگ۔ جن کا ولی اللہ ہے۔ پس ابراہیم کا مذہب قدیم ہے۔ وہ اللہ کی آیات پر مبنی ہے۔ اس کی تعلیم خالص حق ہے۔ وہ اللہ کی اصل ہدایت اس کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اس کے ماننے کا انسان نے فطرتاً عہد لیا ہوا ہے۔ اسی میں ملاوٹ کر کے یا اسے بدل کر انسانی مذاہب چلائے جا رہے ہیں۔ اسی کا سب رسولوں کو پرچار کرنا اور یہی سب لوگوں کو ماننا چاہیئے۔ اس کے سوائے کوئی دہرم نہیں۔ اگر ماسوائے اس کے کچھ مانا جاتا ہے۔ تو وہ صحیح یا قابل قبول نہیں۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ کوئی اس اصل سچے دہرم سے انحراف کر ہی نہیں سکتا۔ رضا و رغبت سے اسے نہ مانا جاوے۔ تو جہالت پر مبنی افعال کی سزا انسان کو برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔ یہ گویا اسی قانون کا عملدرآمد اور اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ طوعاً و کرہاً انسان کو وہی دہرم ماننا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دہرم اس لئے بھی قابل قبول ہے۔ کہ اس کی جو تعلیم آج تم کو دی جاتی ہے۔ وہی ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب وغیرہ نیز موسیٰ عیسیٰ وغیرہ نبیوں کو ملی تھی۔ یعنی اس کے عالمگیر اصولوں میں بمصداق سو سیانے ایک مت کسی بھی سچے نبی کو اختلاف نہیں ہوتا۔ پس وہی اللہ کا فرمان۔ وہی ابراہیم کا دین اور وہی اسلام ہے اسی کی پیروی کرو۔

۴۷۔ تعصب پر مبنی مخالفت

آیت نمبر ۶۹ سے ایسے نظارے پیش کئے گئے ہیں۔ جو حق کی مخالفت کے متعلق ہر ریفارمر کے تجربے میں آتے دیکھے جاتے ہیں۔ اول وہ گروہ یا اہل کتاب جس کی اصلاح مقصود ہے۔ الٹا حق پرستوں کو گمراہ کرنے کے وسائل اختیار کرتا ہے۔ مگر اپنے اس عمل سے وہ خود زیادہ گمراہ ہوتے

ہیں۔ خواہ عقل پر پردہ پڑنے سے وہ اپنی گراوٹ کا احساس نہیں کر سکتے۔ دوم۔ آیات الٰہی کی صداقت کا انہیں احساس بھی ہو جاوے۔ تب بھی وہ حق کو قبول کرنے یا اس کا پبلک طور پر اظہار کرنے میں شرم محسوس کرتے۔ بلکہ ضد اور ہٹ سے انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ سوم۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ حق بدستور چھپا رہے۔ ظاہر نہ ہونے پائے۔ اس لئے وہ دیدہ دانستہ جھوٹ یا حکمت عملی کی باتوں سے حق کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ چہارم بعض لوگ عجیب چالیں چلتے اور دھوکے سے حق پرستوں کو اپنی طرف لوٹانے کی تجویز کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو سکھا بجھا کر سدھارک دل کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ کہ پہلے تو ان کی باتیں مان لینا اور پھر انکار کر بیٹھنا جس سے دوسروں پر کچھ اثر پڑے اور وہ تمہارے ساتھ لوٹ آدیں۔ یہ نظارہ کئی جلسوں میں آج کل بھی اس صورت میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ کچھ مخالف ایک مجمع میں آئے اور پھر فضول بہانہ سے شور مچا کر کئی اوروں کے ساتھ چل دیئے۔ پنجم۔ وہ اپنے لوگوں کو سمجھا دیتے ہیں۔ کہ جو تمہارے مذہب کا نہیں۔ اس کی نہ سننا نہ ماننا وغیرہ۔

۴۸۔ دین میں ہمارا تمہارا کیا

یہ مخالفت دین میں تفریق پیدا کرنے والی ہے۔ بالخصوص یہ امر کہ دوسرے کی بات ماننا ہی نہیں۔ جیسا کہ آیت ۷۲ میں مذکور ہے۔ مگر رسول صاحب فرماتے ہیں ارے دین میں ہمارا تمہارا کیا۔ سچا دین محض اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اللہ ہمارا بھی وہی اور تمہارا بھی وہی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں ہدایت اللہ سے ملی ہے۔ تو کیا دوسرا یہ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اسے بھی اللہ سے ہدایت ملی ہے۔ واقعی سب کو اس کی ہدایت پر یکساں حق ہے ورنہ یہ جھگڑا ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کے علم کے تم ہی واحد ٹھیکیدار کیسے ہو سکتے ہو۔ فضل کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے یا جس پر مناسب سمجھے اپنا فضل کرے وہ تمہارا یا کسی ایک فریق کا غلام یا قیدی نہیں۔ سچا فیاض اور علیم کل خدا اپنے علم فضل اور رحمت سے سب کو فیض پہنچا سکتا ہے۔ پس مشیخت چھوڑ کر اور تعصب وطرفداری سے آزاد ہو کر کشادہ دل سے سنو۔ اور حق و باطل کی تمیز کرو۔

۴۹۔ حفاظت حق کے دو عہد

آیت ۸۷ سے انسانوں کے عہد کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے مطابق کل انسان صداقت کی حفاظت کے ذمہ وار ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو نبیوں یا مذہبی بانیوں کا عہد ہے۔ اور دوسرا عام لوگوں کا عہد۔ نبیوں کا عہد آیت ۷۸ و ۷۹ میں مذکور ہے۔ کہ وہ اہل عالم کو دین اللہ کی طرف لادیں۔ ان میں سے کوئی اپنی گدی چلانے یا لوگوں کو اپنا پیرو بنانے کا خیال تک نہ کرے۔ تاکہ نہ گورو ڈم چلے نہ خدا سے انحراف ہو۔ نہ جداگانہ مذہب قائم ہو کر انسانوں کو باہم لڑادیں۔ رسول صاحب اصول ہی یہ بتلاتے ہیں۔ کہ خدا سے کتاب حکمت اور نبوت ملنے کا تقاضا ہی یہ ہے۔ کہ اس کا شکر بجا لاتے ہوئے اس کے دین کی تبلیغ کی جاوے۔ یہ کسی طرح شایان نہیں۔ کہ اس علم وغیرہ کی بدولت لوگوں کو اپنا غلام بنایا جائے۔ نبی جو تعلیم دیتا ہے۔ اور جو درس خود پڑھتا یا اوروں کو پڑھاتا ہے۔ یہ سب اللہ کی کتاب کا ہے۔ کسی انسان کا ذاتی نہیں۔ پس اس کے بدلے میں اپنی پوجا کرانا یا گورو ڈم چلانا نہایت ہی

قابل شرم حماقت ہے ۔ نہ صرف یہ سچے مبلغ کے لئے یہ بات بھی موجب شرم ٹھہرائی گئی ہے ۔ کہ نہ کسی اور نیک آدمی یا یا نبی یا فرشتے کو خدا ماننے کی لوگوں کو ہدایت دے ۔ گویا عیسائی مبلغ کا الوہیت مسیح کی وعظ سنانا بھاری گناہ ہے ۔ اور مسیح کو سچا نبی مانتے ہوئے قرآن کئی جگہ صاف کہتا ہے ۔ اور یہاں بھی یہی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ مسیح لوگوں کو اپنا پیرو نہ بنا سکتا تھا ۔ وہ خدا کی طرف ہی سب کو بلاتا تھا ۔ پس الوہیت مسیح کا خیال بعد کی گھڑنت ہے ۔ واقعی اگر وعظ لوگ گورو ڈم یا مردم پرستی کی اشاعت سے اپنے عہد کو نہ توڑیں ۔ تو توحید کا جھنڈا نہایت استحکام سے گڑا جاوے ۔

دوسرا عہد عام انسانوں کا آیت ۸۰ میں یہ بیان کیا ہے ۔ کہ جو نبی یا رشی یا سنیاسی مہاتما ان کو ہدایت دیویں ۔ ان کو خلوص عقیدت سے سنیں ۔ اور اس پر غور کر کے اسے مانیں اور اشاعت حق میں ان کی تن من دھن سے مدد کریں ۔ مگر شرط یہ ہے ۔ کہ اندھا دھند کسی کی کوئی بات نہ مانی جاوے ۔ بلکہ اسی کی بات مانی جاوے ۔ جو آغاز عالم والے کلام کی تعلیم کے مطابق کہے اور اسی کی اشاعت کرے ۔ ماسوائے اس کے کو ہرگز نہ مانا جاوے ۔ مطلب یہ کہ کلام الہی کو جس طرح سوامی دیانند مستند بالذات مانتا ہے ۔ قرآن اس کی اسی عظمت کا قائل کراتا ہے ۔ اور ہر نبی وغیرہ کا کلام کتاب الہی کے مطابق ہونے سے ہی قابل تسلیم ٹھہراتا ہے ۔ مگر سوال ہو سکتا تھا کہ ہر شخص یہ کس طرح جان سکتا ہے ۔ کہ فلاں نبی نے جو ہدایت دی ہے ۔ وہ واقعی صحیح یا قدیم تعلیم ہے ۔ بے علم لوگ یہ تمیز نہیں کر سکتے ۔ مگر اس آیت میں سب سے اول اسی امر کو صاف کیا ہے ۔ اور کہا ہے ۔ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ کہ ہم نے تم کو کتاب بھی دے رکھی ہے ۔ اور حکمت یا عقل بھی ۔ اس لئے تم ہر نبی کی تعلیم کے کتاب الہی کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو ۔ اور یہ ہے بھی بالکل صحیح ۔ انسان کا روح فطرتاً سچے علم کو اسی طرح قبول کرتا ہے ۔ جس طرح انسانی آنکھ سورج کی روشنی کو ۔ اسی کے زیر اثر انسانی عقل میں یہ خوبی ہے ۔ کہ جاہل شخص بھی غور کرنے پر اپنے اندر یہ رائے قائم کر سکتا ہے ۔ کہ اسے صحیح ہدایت دی گئی ہے یا غلط ۔ فطرتی احساس کے علاوہ ہر انسان کے اندر علمی سنسکار بھی محفوظ ہیں ۔ گو بعض صورتوں میں وہ بہت دبے ہوتے ہیں ۔ تو بھی غور کرنے پر وہ ابھر آتے ہیں ۔ اور ہر انسان کی اس فطرت کی زبان سے آئے دن ہم فیصلے سنتے ہیں ۔ کہ جو کچھ سنایا گیا ہے ۔ وہ صحیح ہے یا غلط ۔ آریہ جاتی میں قدیم رشیوں کی طرح باریک مضامین کو سوچنے و سمجھنے کا رواج کم ہو گیا ہے ۔ حتےٰ کہ بت پرستی جیسی صاف گناہ آلود خرابی کو بھی محسوس نہ کیا جاتا تھا ۔ بلکہ اسے وید کا حکم سمجھا جاتا تھا ۔ سوامی دیانند نے جب وعظ سنایا ۔ تو جاہل لوگ بھی اپنی ضمیر کی یہی شہادت پاتے ۔ اور علی الاعلان کہتے تھے ۔ کہ بت پرستی واقعی وید کے خلاف ہے ۔ ان کا یہی فیصلہ قابل خیال نہیں بلکہ روح ۔ مادہ ۔ ایشور ۔ نجات ۔ وغیرہ کے باریک مضامین پر ان پڑھ لوگوں تک کے باہمی چرچے بھی یہی یقین دلاتے ہیں ۔ کہ کتاب الہی جو آغاز عالم سے ملی ہے ۔ اس کی تعلیمی یادداشتیں بھی ان کے اندر موجود ہیں ۔ اور عقل بھی برابر حق و باطل میں تمیز کر رہی ہے ۔ پس قرآن مدلل طور پر جواب دیتا ہے ۔ کہ کل انسانوں کو حق کو سمجھنے کی طاقت حاصل ہے ۔ اس آیت کے اخیر میں اس فطرتی عہد کا نقشہ یوں کھینچا ہے ۔ کہ خدا روح کو فرماتا ہے ۔ کیا تم اس عہد کو قبول کرتے ہو ۔ روح کہتا ہے ہاں میں اس کا اقرار کرتا ہوں ۔ خدا کہتا ہے شاہد رہو ۔ یعنی اس عہد کو مت بھولو ۔ اور میں تمہارا ساکھشی تمہارے ساتھ ہوں ۔ اس کا بھی خیال رکھو ۔ غرضیکہ نبی لوگ حق کی ہدایت دیں ۔ اور عام لوگ پھر وید ابھیائے

منترہ والے عہد کو یاد رکھیں۔ کہ ہم جھوٹ کو ترک اور سچ کو قبول کرتے رہیں گے۔

۵۰ - عہد شکنی

آیت ۸۱ میں ان لوگوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ جو اس عہد کو ایفا نہیں کرتے اور آیت ۸۵ تا ۸۷ میں ان لوگوں کی تقدیر کا بیان کیا ہے۔ کہا ہے۔ کہ ان لوگوں نے بینات یعنی صاف اور سچی تعلیمات کو سنا۔ رسول کے وعظ کو سچ سمجھا۔ اور اس پر ایمان لائے۔ اس پر بھی اگر وہ پھر کفر یا شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تو وہ ہدایت کے مستحق نہیں رہتے۔ ان کی سزا یہ ہے۔ کہ اللہ اور نیک عالم لوگ اور تمام انسانوں کی ان پر لعنت ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی تو وہ رحمت کے مستحق نہیں رہتے۔ اور کیا عالم اور کیا عام لوگ سب ان کے متعلق بری رائے قائم کرتے یا ان سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ وہ دیر پا دکھ اور سخت سزا پاتے ہیں۔ بغیر سزا بھگتے ان کا چھٹکارا ہو نہیں سکتا۔

۵۱ - توبہ

مشہور ہو رہا ہے۔ کہ توبہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور یہ اصول جو اسلام سے منسوب ہے۔ اس وید کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جو جیسا اور جتنا فعل کرے وہ اتنا ہی اور اسی کے مطابق معاوضہ بھگتنے کا لازمی طور پر پابند ہے۔ مگر آیت نمبر ۸۹ کو دیکھیں۔ تو توبہ سے گناہ کی معافی ہونے کی بات ہی سراسر غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ "اَلَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" ۔ جو اس کفر سے پچھتائے اور اپنا سدھار کرے۔ اسے خدا اپنے رحم و انصاف سے محفوظ کر لیتا ہے۔ سو یہ وہی تعلیم ہے۔ جو ویدکی ہے۔ سزا کی غرض سدھار ہے۔ جو انسان پچھتاتا ہے۔ وہ گویا پچھتاوے کی شکل میں سزا بھگتتا ہے۔ اور جب سزا بھگتی تو معافی کہاں رہی۔ اس کے علاوہ جس نے کوشش کی اور آئندہ کے لئے سدھر گیا۔ اس نے اپنے کئے کا معاوضہ ہی بھگتا ہے۔ اور اب کفر سے جتنی پہلے محبت تھی۔ اس سے زیادہ اس کے دل میں نفرت موجود ہے۔ پس ایسی توبہ گناہ کی معافی کو ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ وید کی دعا کی قبولیت ہے۔ کہ ہے پرمیشور

ہماری برائیاں دور ہوں یا ہمارے پاپوں کو ہم سے دور کرو۔ اگر انسان پچھتائے نہیں۔ اور کفر کے ہی کام کرتا جائے۔ تو ایک نہیں لاکھ بار توبہ کرے۔ آیت ۸۹ کے مطابق ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اور "اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ" کے مطابق وہ دآواگون میں بھٹکنے والا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ آیت نمبر ۹۰ میں کہا ہے۔ کہ ایسے فاسق یا کافر مرتے ہوئے توبہ تو کیا کل دنیا کی دولت بھی فدیہ میں دے کر بچنا چاہیں تو نہیں بچ سکتے۔ کوئی بھی طریق نہیں۔ جس سے یہ عذاب دردناک سے بچیں۔ نہ کوئی رشتہ دار ان کے ساتھی ہو سکتے ہیں نہ مددگار۔

۵۲ - اہل کتاب اور امی لوگ

آیت ۷۴ میں ہے۔ "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ" ۔ اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جاہلوں کا حق لینے میں ہم سے بازپرس نہ ہوگی۔ یا ہم پر امیوں کے بارے میں کوئی راہ نہیں۔ مطلب یہ کہ امی یا جاہل لوگوں کی کوئی امانت ہضم کر لیں۔ تو ہم پر الزام نہیں آسکتا۔ اگر امی لفظ سے مراد فی الحقیقت جاہل یا ان پڑھ ہی ہو۔ اور اس کی امانت کوئی نہ دے۔ تو بھی امانت میں خیانت کرنے کے الزام سے کوئی سرکار یا کوئی مذہب یا برادری اسے بری نہیں کر سکتی۔ پس یہ مفہوم لینا سراسر غلط ہے۔ اصل بات

یہ ہے۔ کہ اہل کتاب اور مصلح لوگوں کے متعلق مضمون چل رہا ہے۔ ان آیات میں ان لوگوں کو جو الہام الٰہی کو مانتے ہوئے بھی اس کی اصل تعلیم سے منحرف ہو رہے ہیں۔ اہل کتاب کہا گیا ہے۔ جیسے آریہ جاتی کے فی وید کو ماننے والے ہندو ہیں۔ اور امی لوگ یہاں ان کو کہا ہے۔ جو آنحضرت کی طرح ام الکتاب (وید) کے معتقد اور اہل کتاب کو سدھارنے میں آنحضرت کے معاون ہیں۔ اپنے ملک میں آج کل آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا کی دو سوسائٹیاں بس عرب کے امی لوگوں اور اہل کتاب کی ہی شکل ہیں۔

اگر یہاں قرآن کا مطلب امی لوگوں سے ان پڑھ جاہلوں کا ہوتا تو اہل کتاب امی لوگوں کے مخالف فریق کا نام نہ ہوتا۔ کیونکہ خود اہلِ کتاب میں بھی ان پڑھ لوگ بکثرت تھے۔ اور اس صورت میں نہ مذہبی مقابلے کا تعلق ہوتا۔ نہ قرآن میں اس کے بیان کی ضرورت رہتی۔ پس اہلِ کتاب اور امی لوگ دو بالمقابل مذہبی فریق ہیں۔ آنحضرت اہل کتاب کے متعلق سمجھاتے ہیں۔ کہ یہ سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں بعض بڑے بڑے ایماندار ہیں۔ ایسے کہ اگر تو ان کے پاس ڈھیروں کے ڈھیر سونا وغیرہ امانت کے طور پر رکھ دے۔ اور کوئی تحریر یا شہادت نہ ہو تو بھی تو جب چاہے اپنی دولت کو ان سے واپس لے سکتا ہے۔ کیا مجال کہ ذرا سی بھی خیانت یا بد دیانتی کا ان سے ارتکاب ہو۔ لیکن ان کے ساتھ ہی ان میں ایسے بھی ہیں۔ کہ ایک دینار کی امانت پر بھی ان کی نیت بدل جاوے۔ یا وہ واپس چاہنے پر بہانہ بازی سے ٹالتے جاویں۔ بلکہ مکر بھی جاویں۔ اور اس دلیری کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تمہارا ہمارا تعلق کیا۔ تم ہمارے مخالف فریق ہمارے پاس امانت تم کیسے رکھ سکتے تھے۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔ ایسی حجت بازی اور جھوٹ سے وہ دیدہ دانستہ کام لیتے ہیں۔ اور اپنا نقصان کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا انہی سے پیار کرتا ہے۔ جو اپنے قول و قرار کے پکے۔ اور اس کا خوف دل میں رکھنے والے ہیں۔ اور آیت ۷۶ میں کہا۔ جو لوگ ان معمولی رقموں کو مارنے کے لئے بد نیت بن جاتے۔ اور قول و قرار کو نظر انداز کر کے قسمیں تک کھا جاتے ہیں۔ وہ اپنی ہی عاقبت کو بگاڑتے اور خدا سے نفرت کئے جاتے اور دکھ ہی دکھ پاتے ہیں۔ جہاں مال و دولت کے بدلے یہ بد دیانتی ہے۔ وہاں مذہبی بحث مباحثے میں بھی ان کی چالاکیوں کا پول کھولا گیا ہے۔ کہ اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتاب کے الفاظ کو بدل کر پڑھ جاتے ہیں۔ جس سے کتاب کے اصل مدعا سے الٹا ہی مفہوم لوگوں کے ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ اور جو بات خدا کی طرف سے نہیں۔ وہ خدا سے منسوب کر دیتے ہیں۔ آیت ۷۷ تک ان کی ایسی کارستانیوں کا ذکر کر کے آیت ۷۸ میں ان کے عمل پر اظہار افسوس کیا ہے۔ کہ خدا نے انہیں علم حکمت اور نبوت دی۔ اور یہ کتاب الٰہی کو ہی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ مگر غلط بیانیاں کر کے خدا کی طرف لوگوں کو چلانے کی بجائے انہیں اپنے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ غرضیکہ اہلِ کتاب محض کتاب الٰہی کے منحرف معتقد ہیں۔ اور امی لوگ ام الکتاب یعنی وید کے معتقد اور مصلح لوگ ہیں۔ یہ لوگ امت محمدی میں ہیں۔ اور ان کو ان پڑھ یا جاہل کہنا کل امت کی توہین بھی ہے۔ اور واقعہ کے بھی خلاف۔ کیونکہ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہی زیادہ تر آنحضرت کی سچی تعلیم پر ایمان لاتے تھے۔ یہ قرآن کے کئی مقامات سے ثابت ہے۔ بعض مفسرین یہاں امی سے مطلق اہل عرب کی مراد لیتے ہیں۔ سو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل عرب تمام ان پڑھ تھے ہی نہیں۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ امی ان مسلمانوں کو کہتے تھے، جو پہلے مشرک تھے۔ اور اہل

کتاب یعنی یہودیوں وغیرہ سے لین دین کرتے تھے۔ مگر جب وہ مسلمان ہو گئے۔ تو یہودیوں نے کہا۔ ان کے مرتد ہونے سے ہم پر اب مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ مسلمان ہونے پر ان کو امی کیوں کہا گیا جب ان پڑھ ہونے کے لحاظ سے یہاں امی کہنا قابل قبول نہیں۔ نہ سب لوگ ان پڑھ تھے۔ پس اصل حقیقت لازمی طور پر محض وہی ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ کہ ام الکتاب وید کے ماننے والے آنحضرت نے جن لوگوں کو ام الکتاب کی دعوت دے کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ بھی امی کہلائے۔

۵۳۔ اسلام ہی ملت ابراہیم ہے

آیت ۸۱ و ۸۲ میں کہا ہے۔ کہ عہد حق سے منحرف لوگ فاسق ہیں۔ ان کا عمل انہیں دین غیر حق کا متلاشی بناتا ہے۔ لیکن کوئی کتنا ہی کرے۔ اس کل جہان میں دین الٰہی کے بغیر اسے سچا دین ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی کے قانون کا سب پر عملدر آمد ہے۔ اور بغیر اس کی طرف آئے اطمینان ملنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے آیت ۸۳ میں یہ ہدایت ہے۔ کہ اگر کوئی پوچھے تمہارا دین کونسا ہے۔ تو کہو۔ ہم تو اللہ کے دین کو مانتے ہیں۔ یہی ہم پر خدا کی طرف سے ظاہر ہوا ہے۔ یہی ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق یعقوب۔ آل یعقوب نیز موسےٰ عیسےٰ اور دیگر نبیوں کا واحد دھرم ہے۔ ہمیشہ سے سب نیک لوگ اسی کو مانتے آ رہے ہیں جنہوں نے اس کو چھوڑا اور مذہب اختیار کیا۔ آخرت کو بگاڑ بیٹھے۔ اور راہ ہدایت سے دور چلے گئے اس طرح سچے دین کی عظمت واضح کرنے کے بعد آیت ۹۴ میں کہا گیا ہے۔ کہ خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے۔ کہ سچائی خدا کی ہے۔ انسان کی نہیں۔ اور اس خدا کی صداقت کو ہی حضرت ابراہیم نے مانا۔ اور اہل عالم میں پھیلایا تھا۔ کسی طرح کے بھی شرک کا ان سے تعلق نہ تھا۔ وہ خالص توحید کے قائل اور ایک خدا کے پرستار تھے۔ اس لئے سب لوگوں کو ملت ابراہیم یا دین اسلام پر ہی چلنا چاہیئے۔ ستیارتھ پرکاش کے آخر میں سوامی دیانند کے منتو یا منتویہ پر غور کرنے والا ہر شخص آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ ازلی ابدی عالمگیر اور سچے ویدک دھرم کو ہی برہما سے جیمنی تک سب رشیوں منیوں کے ماننے کا جو ذکر ہے۔ وہی قرآن میں ان آیات میں مذکور ہے۔ وہی ہمیشہ سچا اور قائم اور وہی ملت ابراہیم یا سچے معنوں میں دین اسلام ہے۔ نہ کہ یہود و نصاریٰ کے نئے پنتھ۔ یہی کچھ سورۃ الانعام آیت ۱۶۳ میں لکھا ہے۔ کہ جو لوگ فرقہ فرقہ ہو گئے۔ یعنی مت متانتر میں چلے گئے۔ تیرا ان سے کیا تعلق۔ تو کہدے۔ کہ مجھے خدا نے صراط مستقیم یعنی دین قیم یا ملت ابراہیم کی روشنی دکھا دی ہے۔

۵۴۔ خاتمہ اور ویدک دھرم کی عظمت

پارۂ الم کے خاتمے پر ویدک دھرم کی عظمت بیان ہوئی دوسرے پارے کا خاتمہ بھی سچے دھرم کی فتح کے بیان کے ساتھ ہوا جس میں دھرم کے وکیل طالوت اور اس کے ساتھیوں کو جالوت پر کامل فتح نصیب ہوئی اور اس تیسرے پارے کے آخر میں بھی سچی ہدایت اور کامیابی کو ویدک دھرم سے ہی وابستہ کیا ہے۔ کیونکہ ملت ابراہیم کو جیسا کہ کئی جگہ ثابت ہو چکا۔ آنحضرت نے آغاز عالم سے یا سناتن دھرم ہی مانا ہے۔ اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ صراط مستقیم۔ دین قیم۔ ملت ابراہیم اور ویدک دھرم سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ برخلاف اس کے توریت اور انجیل کا ابراہیم سے پیچھے ظہور مانکر اور ان میں جزوی علم بتا کر کامل ویدک دھرم کی طرف دعوت دینے کو اپنے تبلیغی کام کی خلعت

خوبی بتایا ہے۔ اور محض توریت و انجیل ہنیں کل مذہبی کتب کی پیروی سے باز رکھکر وید کو ہی انسانی جماعت کے لئے قابل فخر کتاب قرار دیا ہے۔ وہ اس امر پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ قدرتاً اور فطرتاً ایک ہی امت یا دھرم ہونے کے باوجود لوگ مختلف مذاہب میں منقسم ہو رہے ہیں اور ہر مذہب کے پیرو اپنی خاص مروجہ کتب پرست ہو رہے ہیں۔ وہ جابجا مختلف نبیوں کے متعلق یہی ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک ہی دین الہیٰ یا قدیم سچائیوں کی اشاعت کی۔ مگر ان کے ناخلف جانشین کتاب الہیٰ یا وید کے پڑھنے پڑھانے اور سچ کی اشاعت کرنے کے عہد کو بھول کر ناچیز دنیوی دولت کے پیچھے پڑ گئے۔ عاقبت یا پرلوک کی بہتری کیلئے اچھے سنسکاروں کا جو توشہ جمع کرنا چاہیئے۔ اسے چھوڑ کر نفسانی خواہشات اور ناپائدار سامانوں کے بدلے دھرم کو بیچ رہے ہیں۔ اس اظہار افسوس کے ساتھ وہ اپنا مشن ہی بتاتے ہیں کہ جس وید دھرم کو چھوڑ کر مت متانتر چلائے گئے ہیں۔ میں اسی کی اشاعت کروں میرے لئے یہی ربانی حکم ہے۔ آپ انسانی خیالات کی پیروی کو موجب گمراہی قرار دیتے اور الیشوری گیان وید کو امراض قلبی کی دوائے اکسیر اور ہدایت و رحمت الہیٰ بتاتے ہیں۔ اسی کو مضبوطی سے گرہن کرنیکی ہدایت کے ساتھ بزور اعلان کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی کا کوئی اور مذہب بارگاہ الہیٰ میں مقبول نہ ہوگا۔ قدیم دھرم سے انحراف کرنے والوں کو وہ بے عقل ہدایت سے محروم۔ اللہ۔ فرشتوں اور کل انسانوں کی لعنت نیز عذاب اور دکھ کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اور گو غلطی یا کفر پر پچھتا کر اپنا سدھار کرنے والوں کو بھی خدا کی مغفرت اور رحم کا یقین دلاتے ہیں۔ تو بہی حق کو قبول کرکے پھر اپنی خود غرضی وغیرہ سے گمراہ ہونے اور کفر میں ترقی کرنے والوں کی توجہ کو بھی نا قابل قبول اور انھیں آواگون میں بھٹکنے والے کہتے ہیں نہ صرف یہ اہل کفر کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تمھارا سزا سے بچنا ناممکن ہے الیشور کے ہاں نہ کسی کی سفارش چل سکتی ہے نہ رشوت حتےٰ کہ اگر کوئی کل دنیا کا سونا بہ طور فدیہ دے کر اس کے عوض میں سزا سے بچنا چاہے تو بھی بچ نہیں سکتا۔

خلاصہ مطلب یہ کہ پوری تحقیقات اور تجسّس سے حق کو قبول کرنا اور اسی سچائی پر عمل کرنا ہی کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ اور سچائی کا علم حاصل کرنے کے لئے الیشوری گیان کی شرن لینا ضروری ہے لہذا سچے عالموں کا مقدم فرض یہی ہے کہ الہامی علم کی روشنی سے اپنے تئیں اور اپنے ہم جنسوں کو فیض پہنچاتے جاویں۔ جس سے ہر قسم کی جہالت تمام انسانی مذاہب والی تفریق اور دکھوں کا خاتمہ ہو کر سچی ودیا کی روشنی پھیلے اور ایک نا قابل تبدیل ازلی ابدی عالمگیر الیشوری دھرم میں کل انسان متحد ہو کر سکھ اور اطمینان قلب حاصل کر سکیں

خاتمہ پارۂ سوئم

ہندو مسلم اتحاد اور علمی جہاد

۱۔ اتحاد کا صحیح مفہوم

اتحاد اتحاد کی پکار تو بہت ہوئی۔ مگر باہمی کشیدگی کم نہ ہوئی۔ اسلئے کہ نہ اصل مرض کی تشخیص ہوئی نہ صحیح علاج کی تخصیص۔ لفظی جمع منتر یا شٹر بیتر کی ریتلی دیوار پر تصور اتحاد تعمیر ہوتا ہے۔ جسے ہر بار تعصب کی ہوا کا جھونکا اڑا دیتا ہے۔ لہذا علمی جہاد کی مضبوط بنیاد اولیں ضروری ہے۔

وید مقدس کا فرمان ہے کہ دلوں سے اختلافات کی تاریکی کا دور ہو جانا اور خیال اقوال اور افعال کی یگانگت ہونا ہی اتحاد ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ تعریف اتحاد ذکر ہے اور دلوں کی آشتی دے اور اختلافات نہ رہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ خدا اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا بمطلب یہ کہ دلوں کے ملنے کا نام اتحاد ہے۔ بغیر اس کے اتحاد ناممکن ہے۔

۲۔ پارٹی لیڈر

ہندو یا مسلم لیڈر جو اپنے اپنے فریق کو دوسرے کے خلاف مضبوط اور منظم کرنے میں مصروف ہیں۔ دھرم یا دین اور ملک یا قوم کے دانا دوست نہیں۔ انکا واقعات کی متعصبانہ تاویل سے دلوں میں مخالفانہ جوش بھرنا اور بزرگوں کے تاریخی واقعات اور منتقمانہ جذبات کی آڑ لیکر نفاق کی خلیج کو وسیع کرنا ہے۔ گویا دل مشکل در ہے کہ حامیان اتحاد کو دلوں کو ملانے کا خیال نہیں۔ اور پارٹی لیڈر آتش نفاق پر تیل ڈال رہے ہیں۔ وید بزرگوں سے ہمارا یہ تعلق بتاتا ہے کہ ہم اُن کی عقل سلیم کے ساتھ کوشش کریں جنھوں نے دنیا کو فیض پہنچایا۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ تمہارے وہ بزرگ گذر گئے اور اپنے وقت میں بھلی تباہ گئے۔ اُن کے عمل اُن کے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہے یہ نہ پوچھا جائیگا کہ تمہارے بڑے کیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی جو اقتباس دوسرے لوگوں سے ملتی ہیں وہ خسارت اعمال بصورت ناور گرنت کے مطابق البشوری انصاف کے ہمارے اعمال سے ہیں۔ اور اس لحاظ سے تاریخی واقعات بھولنے بھلانے کی چیزیں ہیں۔

رام نے راون کو ہندو یا مسلمان ہونے سے تباہ نہیں کیا۔ کورو پانڈو خون کی ندیاں بہا گئے۔ عرب شام وغیرہ میں خود مسلمانوں میں جنگ اور کشت و خون ہوئے۔ بڑے بڑے با اقتدار خلیفے تک سازش سے قتل ہو گئے۔ حضرت حسین کا واقعہ کربلا اپنی غیر معمولی سنگدلی کیلئے کسی ہندو کو متہم نہیں کرتا۔ ملیے تاریخ بذات خود رنگ آمیزی کا شکار ہونے سے بھر دستے کی چیز ہی نہیں سیوا جی اور افضل خاں کی ملاقات سے توقع تو بھی کچھ اور لیکن ہوا افضل خاں کا قتل۔ اب ایک مورخ کہتا ہے سیوا جی نے دغا سے افضل خاں کو قتل کیا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ اول افضل خاں کی نیت بد تھی سیوا جی نے اس سے چھین کر اُسے مارا اور اپنے تئیں بچایا۔ پس دونوں باتیں ثابت ہیں کہ دلوں کے ملے بغیر نمائشی ملاقات خطرناک ہے اور ساتھ ہی یہ کہ تاریخ بذات خود مشتبہ ہے۔

دھرم یا مذہب جنگ یا خونریزی کا موجب نہیں۔ بلکہ دھرم سے باغی فعل مختار انسان ہی اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ سچے رشیوں یا سنیاسیوں کا سب سے افضل ہتھیار اہنسا اور پریم ہے۔ دیانند نے اپنی جان گنوائی۔ اور اپنے قاتل کی جان بچائی۔ منوسمرتی میں کھشما کو دھرم کا خاص لکشن کہا گیا ہے۔ اور قرآن مجید بھی اتحاد کے لئے نہیے لازمی شرط بتاتا ہے۔ سورۃ التغابن آیت ۹ میں سنہری حروف میں لکھی جانے کے قابل ہدایت ہے۔ کہ جس دن خدا تمہیں زمانہ اتحاد لانے کیلئے جمع کریگا وہ دن تغابن کا ہوگا۔ یعنی درگذر کرنے (یا دیوں کے متعلق غم کھانے) (For give & For get) کی نیتی پر عمل کرنے کا ہوگا مگر افسوس خود گمراہ پارٹی لیڈر الٹا راستہ دکھا رہے ہیں۔

۳۔ خاص سبق

اپنے ملک کی تاریخ سے اگر کوئی صحیح سبق اخذ کیا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اپنے فریق کو مضبوط اور منظم کرنا۔ الٹا اور خطرناک علاج ہے۔ یہ نسخہ بار ہا آزمایا اور مرض کے بڑھنے کا موجب پایا گیا ہے۔ آج ایک فریق اپنی فتح سمجھا کل دوسرا فریق پُر زور تیاری کر کے دفعتہً پُر جوش انتقام لینے کے لئے آیا۔ یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم کے بعد انٹرنیشنل لیگ بنی۔ سب نے فوج اور اسلحہ کی کمی کا عہد کیا۔ مگر ہر ایک کو خیال ہوا کہ اگر میں پابند رہا اور دوسرے خفیہ خفیہ طاقت بڑھا گئے۔ تو میرا ٹھکانا کہاں۔ لہذا سب نے طاقت بڑھالی۔ اور آخر اسی کے غرہ سے میدان جنگ میں کود رہے ہیں۔ اسی طرح پارٹی لیڈروں کا عمل جہاں بھی نہ ہوتی ہوئی خانہ جنگی کرا کر ہی دیگا

۴۔ اصل مرض اور صحیح علاج

ظاہر ہے کہ اصل مرض دلوں میں ہے اور اس کا علاج مذہبی تفریق کو مٹانا ہے۔ جس کا واحد ذریعہ علمی جہاد ہے اور یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ وید اور قرآن جن پر انتہائی حسن عقیدت فریقین کا قائم ہے۔ تعلیمات کے لحاظ سے بالکل یک جان ہیں۔ وید اور قرآن کی ضخیم تصنیف۔ اخباری مضامین۔ لیکچر۔ ہینڈ بل۔ ٹریکٹ مباحثہ ہر طرح سے یہ پوزیشن فریقین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے پس جب وید اور قرآن یک جان ہیں تو ہندو مسلمان جدا کیسے رہ سکتے ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ پہلے سے موجودہ کشیدگی کے زیر اثر رونما ہونے والے ناخوشگوار واقعات کا سلسلہ منقطع ہو۔ یہ کام پارٹی لیڈروں اور مذہبی علماء کی کوشش سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے حق پرست۔ علم دوست اور خدا پرست مذہبی علماء اور لیڈروں سے خاص طور پر گذارش ہے کہ وہ اس مبارک ترین مشن کے پرچار اور اس کے متعلقہ لٹریچر کی اشاعت میں خاص تعاون فرماویں۔ تو کیسے کہ ہم سب علمی اور عقلی طاقت کا صحیح استعمال کر کے انسانی جماعت کے مستقبل کو روشن کر سکیں۔ اوم شم

علمی جہاد کی ابتدائی ضروریات

اس جہاد کی غرض سچا اتحاد قائم کرنا ہے یا خیالات کو خالص اور عالمگیر صداقتوں کے سانچے میں ڈھالنا جو دو ذریعوں سے ہو سکتا ہے تقریر اور تحریر۔ تقریر کا اثر مسلّمہ ہے۔ اسی کی بدولت ہزارہا اور لکھو کھا انسان نئی سے نئی تحریکوں کی لہروں میں بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سچا اپدیش پاکر یہاں راج پاٹ اور راج کماروں و راج کماریوں تک کو دھرم کی ویدی پر بلیدان کیا جاتا رہا ہے۔ آغاز عالم سے ملا ہوا الہامی علم اور رشیوں کے شاستر وغیرہ۔ ضبط تحریر میں نہ آئے ہوتے تو انسانی جماعت کی بار بار کی گراوٹ کے موقعہ پر آغاز عالم والے انسانی مزاج کا پھر پھر بول بالا نہ ہوتا نہ ترقی اور سکھ کے درشن ہوتے۔ تحریری زبان کی غیر محدود علاقوں زمانوں اور انسانوں تک رسائی پاکر ہی شہید اکبر پنڈت لیکھرام نے وصیت کی تھی کہ آریہ سماج سے تحریر کا کام بند نہ ہو اور اسی صداقت کا احساس کرکے میں نے "وید اور قرآن" جیسی ضخیم کتاب کو احاطہ تحریر میں لانا اپنا فرض سمجھا ہے لیکن تحریری محنت اور کوشش بے سود ہے اگر دستی لکھا مسودہ پریس کے ذریعہ پبلک تک نہ پہنچے وید اور قرآن کی باہمی مطابقت یا آریوں اور مسلمانوں کا ملاپ انسانی جماعت کے لئے وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جو کل دنیا کی دولت کیا اس سے دوگنی دولت سے بھی خریدی جاسکے تو اسے ارزاں ترین سودا سمجھنا چاہئے ایسی حالت میں اس مشن کی ابتدائی ضروریات کی طرف اہل ملک کی پوری توجہ ہونے میں ذرا بھی تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

وہ ابتدائی ضروریات کیا ہیں؟ اول کم سے کم پانچسو اردو اور پانچسو ہندی وید قرآن کے ایسے گراہک بننا جو پندرہ روپیہ پیشگی ارسال فرماکر اپنا نام رجسٹر کرائیں اس سے ایک طرف پندرہ روپیہ کا منافع بھی ہے کیونکہ اصل قیمت تیس ہی دوسرا اس مبارک ترین مشن میں یہ مالی مدد ہوگی۔ دوم کاغذ کی غیر معمولی گرانی کا اثر اس کی اشاعت میں تاخیر نہ کرے اسکے لئے دس ہزار روپیہ کی ضرورت میں سے محض اڑھائی ہزار روپیہ کی امداد دانی اصحاب سے ملنا۔ باقی دھن کتاب کی فروخت سے ساتھ کے ساتھ مل سکیگا۔ سوم خاص مستحق ہندو مسلم علماء کو وید اور قرآن نیز دیگر ضروری ٹریکٹ مفت بہم پہنچانے کیلئے اڑھائی ہزار روپیہ کی امداد۔

مصنف کی خدمات کسی ذاتی غرض پر مبنی نہیں۔ وہ عرصہ دس سال سے عزلت گزینی یا گوشہ نشینی اختیار کئے شبانہ روز کی محنت سے اس مشن کی تکمیل میں کوشاں اور دست بدعا ہے اور آئندہ بھی اسکی کسی ذاتی غرض کا الیشور کرپا سے اس کام سے سروکار نہ ہوگا یہی اسکی خواہش ہے وہ اپنے تئیں خوش نصیب سمجھیگا اگر خلوص دل سے مذکورہ بالا ضروریات کو پورا کرکے اسے موقعہ دیا جائیگا۔ کہ وہ آئندہ چند ہی ماہ میں اردو ہندی کے ایڈیشن مکمل صورت میں جنتا کی نذر کرسکے۔ وہ ان اصحاب کا شکر گذار بھی ہوگا۔ جو اپنی دماغی قابلیت سے تعاون فرماتے ہوئے اس امر کے متعلق قیمتی رائے دیں گے کہ کس موثر اور بہترین فیصلہ کن طریق سے نرنے سبھا بلاکر فریقین کی مشہور شخصیتوں اور پنڈتوں اور علماء کی موجودگی میں علمی اتحاد کا افتتاح کیا جاسکتا ہے جس سے آریہ اور مسلم سبھائیں اور انجمنیں صحیح معنوں میں اس کام کو اپنا کر مصنف کو سبکدوش کرسکیں۔

لکھشمن آریوپدیشک آریہ سماج برلا لائنس دہلی